باسمہٖ تعالیٰ

فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اہلِ علم و دانش سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں

الحمدُ للہ و المنۃ مسلک امام اعظم ابو حنیفہ اور فتاویٰ حنفیہ پر مشتمل

اُردو ترجمہ

دُرُّ المُختار

الموسوم بہ

غایۃ الاوطار

جلد چہارم

مترجمہ مولانا خرّم علی و مولانا محمد احسن صدّیقی نانوتوی رحمہا اللہ تعالےٰ

دُرِّ المختار اور اس کی مبسوط شرح فتاویٰ شامی یعنی ردّ المحتار کا مکمل اردو ترجمہ علماء کی
ضروری تشریحات و توضیحات پر مشتمل خزینہ اور علماء کرام، منتقیان عظام اور خواص و عوام کیلئے
ایک قیمتی سرمایہ

☆

ــــ ناشر ــــ

ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل
پاکستان چوک
کراچی

[illegible]

[illegible]

نام کتاب ——— غایۃ الاوطار

جلد ——— چہارم

مترجم ——— مولانا خرم علی و مولانا احسن صدیقی

طابع ——— حاجی محمد زکی عفی عنہ

مطبع ——— ایجوکیشنل پریس کراچی

ضخامت ——— ۵۸۲ صفحات

تعداد ——— چھ سو

سنہ طباعت ——— ۱۳۹۹ھ

قیمت ——— [illegible] روپے

——— ناشر ———

ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی
ادب منزل۔ پاکستان چوک
کراچی

H. M. SAID COMPANY
Adab Mahal
Pakistan Chowk
KARACHI

فہرست درمختار اردو جلد چہارم

مضمون	صفحہ
کتاب الاجارة	۵
ف۔ تفصیل احکام استیفاء منفعت متاجرہ	۹
ف۔ عادت معتبر است در محلے کہ نص نباشد	۱۴
باب۔ مایجوز من الاجارة و ما یکون خلافاً فیہا ای فی الاجارة	۲۰
باب الاجارة الفاسدة	۳۲
ف۱ حدیث۔ دخول حمام جحفہ موضوع است	۳۶
ف۲ حدیث ماراہ المومنون حسنا موقوف حسن است نہ مسند	〃
ف۱ اجرت جفتی حیوانات حرام است	۳۸
ف۲ مال مغنیان، نوحہ گران و مزامیر نوازان حرام است	〃
باب ضمان الاجیر	۴۴
باب فسخ الاجارة	۵۱
مسائل شتیٰ	۵۷
ف جواز کرایہ باوجود عدم تعین جانور و بار بسبب تعامل در جوع بہ تعارف	۵۹
ف قاضی را اخذ اجرت بر تحریر دستاویزہا مقدمہ اجرت دیگران جائز است لیکن نگرفتن افضل است ۱۲	۶۱
کتاب المکاتب	۶۵
باب مایجوز للمکاتب ان یفعلہ	۶۸
باب کتابة العبد المشترک	۷۳
باب موت المکاتب وعجزہ وموت مولاہ	۷۴
تبدل ملک علت علت مال ست پس اگر غنی یا ہاشمی را مال زکوٰۃ از فقر بطریق ہدیہ یا میراث برسید حلال است	۷۶
کتاب الولاء	۸۰
فصل فی ولاء الموالات	۸۴
کتاب الاکراہ	۸۶
کتاب الحجر	۹۷
کتاب الماذون	۱۰۴
کتاب الغصب۔ فصل	۱۲۶
کتاب الشفعة	۱۳۵
باب طلب الشفعة	۱۳۹
باب ما تثبت ہی فیہ او لا تثبت	۱۴۶
باب ما یبطلہا	۱۴۸
کتاب القسمة	۱۵۷
کتاب المزارعة	۱۷۱
کتاب المساقاة	۱۷۸
کتاب الذبائح	۱۸۳
کتاب الحظر والاباحة	۲۱۳
فصل فی اللبس	۲۲۳
فصل فی النظر والمس	۲۳۰
باب الاستبراء وغیرہ	۲۳۵
فصل فی البیع	۲۴۵
ف احکام مسجد	۲۴۶
ف اقسام علم	۲۶۲
ف پانچ شخصوں کی غیبت مباح ہے	۲۶۳

ف۔ فضائل صلہ رحم ۲۶۵
ف۔ خط کے سلام کو پڑھ کر جواب دینا واجب ہے ۲۶۷
ف۔ زیارت قبور ۲۷۰
ف۔ وسمہ کا خضاب مکروہ نہیں ۲۷۳
ف۔ وصیت کا طریق ۲۷۶
کتاب احیاء الموات ۲۸۰
کتاب الاشربۃ ۲۹۰
کتاب الصید ۳۰۰
کتاب الرھن ۳۱۲
باب مایجوز ارتہانہ ومالایجوز ۳۱۹
باب الرہن یوضع علی ید عدل ۳۲۸
باب التصرف فی الرہن ۳۳۲
کتاب الجنایات ۳۴۷
باب القود فیما دون النفس ۳۶۷
فصل فی الفعلین ۳۷۷
باب الشہادۃ فی القتل ۳۸۲
کتاب الدیات ۳۸۸
ف قاعدہ کلیہ دیت اعضاء ۳۸۹
فصل فی الشجاج ۳۹۳
فصل فی الجنین ۳۹۹
باب مایحدثہ الرجل فی الطریق وغیرہ ۴۰۳
فصل فی الحائط المائل ۴۰۹
باب جنایۃ البہیمۃ والجنایۃ علیہا ۴۱۴
باب جنایۃ المملوک والجنایۃ علیہ ۴۲۱
فصل فی الجنایۃ علی العبد ۴۲۵
فصل فی غصب القن وغیرہ ۴۲۷
باب القسامۃ ۴۳۰
کتاب المعاقل ۴۴۱
کتاب الوصایا ۴۴۶
باب الوصیۃ بثلث المال ۴۵۹
باب العتق فی المرض ۴۶۶
باب الوصیۃ للاقارب وغیرہم ۴۷۱
باب الوصیۃ بالخدمت والسکنیٰ والثمرۃ ۴۷۴
فصل فی وصایا الذمی وغیرہ ۴۷۸
باب الوصی ۴۸۰
فصل فی شہادۃ الاوصیاء ۴۸۸
کتاب الخنثیٰ ۴۹۵
مسائل شتیٰ ۴۹۹
کتاب الفرائض ۵۲۱
فصل فی العصبات ۵۳۶
باب العول ۵۴۹
باب توریث ذوی الارحام ۵۵۶
فصل فی الغرقی والحرقی وغیرہم ۵۶۰
میراث حمل ۵۶۳
فصل فی المناسخات ۵۶۴
باب المخارج ۵۶۶
قواعد تصحیح مسائل فرائض ۵۶۹

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الاجارۃ

یہ کتاب ہے اجارہ کے احکام میں مترجم کہتا ہے اہل ہند اجارہ کو ٹھیکہ اور نوکری اور مزدوری اور کرایہ بولتے ہیں قدم الہبۃ لکونہا تملیک عین) وہذہ تملیک منفعۃ مصنف نے ہبہ کو مقدم کیا اجارہ پر اس واسطے کہ ہبہ عبارت ہے تملیک عین سے اور اجارہ عبارت ہے تملیک منفعت سے بلا تملیک عین یعنے اور اعیان وجود میں مقدم ہیں منافع پر لہذا تملیک عین کی تقدیم تملیک منافع سے ذکر میں مناسب ہوئی ہی لغۃ اسم للاجرۃ وہی ما یستحق علی عمل الخیر ولہذا یدعی بہ یقال اعظم اللہ اجرک اجارہ لغت میں اسم ہے اجرت کا اور اجرت وہ جو نیک کام پر مستحق ہو ولہذا بلفظ اجر دعا کی جاتی ہے یوں دعا دیتے ہیں کہ خدا تجھ کو اجر عظیم دے مترجم اجرت لغت میں کرایہ ہے مزدور کا اور اجر اور اجارہ کام کی جزا ہے خواہ کام نیک ہو یا بد قال فی القاموس الاجر الجزاء علی العمل کالاجارۃ والاجرۃ الکراء طحطاوی[1] نے کہا شارح کی عبارت میں خلل ہے چنانچہ عینی کی شرح کنز اس پر دلالت کرتی ہے انتہے یعنی عینی نے اجرت کی تفسیر کراء اجیر اور اجر کی تفسیر ما یستحق علی عمل الخیر کی ہے **وشرعا تملیک نفع** مقصود من العین **بعوض** حتی لو استاجر ثیابا او اوانی لیتجمل بہا او دابۃ لیجنبہا بین یدیہ او دارا لا یسکنہا او عبدا او دراہم او غیر ذلک لا لیستعملہ بل لیظن الناس انہ لہ فالاجارۃ فاسدۃ فی الکل ولا اجر لہ لانہا منفعۃ غیر مقصودۃ من العین بزازیۃ وسیجیء اور اصطلاح شرع میں اجارہ عبارت ہے اس منفعت کی تملیک بعوض سے جو مقصود ہو عین سے تو اگر کپڑے یا برتن کرایہ لئے تاکہ ان سے تجمل اور آرائش حاصل کرے یا گھوڑا مثلاً کرایہ لے تاکہ اپنے آگے کوتل چلا دے یا گھر کرایہ لے اس واسطے کہ اس میں سکونت کرے یا غلام یا دراہم یا سوائے اس کے اور چیز کرایہ لے اس واسطے کہ استعمال میں نہ لاوے بلکہ تا گمان کریں آدمی کہ وہ چیز اسی کی مملوک ہے تو سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہے اور اشیاء مذکورہ کے مالک کو اجر نہ ملے گا اس واسطے کہ تجمل اور گمان ملک منفعت غیر مقصود ہے عین سے کذا فی البزازیۃ اور اسکا ذکر آگے آوے گا نفع کی قید سے بیع اور ہبہ خارج ہو گئی اور یہ تعریف اجارہ صحیحہ اور فاسدہ دونوں کو شامل ہے اس واسطے کہ نفع اور عوض میں معلوم اور معین ہونے کی قید نہیں لگائی اشیاء مذکورہ کے اجارہ میں اجرت ثابت نہ ہو گی اگرچہ تجمل وغیرہ نفع غیر مقصود میں استعمال کرے اور یہ جو فقہا کا قول ہے کہ اجارۂ فاسدہ میں انتفاع سے اجرت واجب ہوتی ہے تو اس صورت پر محمول ہے جب کہ نفع مقصود میں استعمال ہوئی ہو **وکل ما صلح ثمنا** ای بدلا فی البیع **صلح اجرۃ** لانہا ثمن المنفعۃ اور جو چیز ثمن یعنے بیع میں بدل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ اجرت اور مزدوری ہونے کی بھی

---

[1] قال الطحطاوی قال العینی فی شرح الکنز الاجرۃ اسم وہی ما یعطی من کراء اجیر والاجر ما یستحق علی عمل الخیر ولہذا یدعی بہ فیقال اعظم اللہ اجرک انتہی ۱۲ منہ

صلاحیت رکھتی ہے اس واسطے کہ اجرت ثمن ہے منفعت کا م ثمن دین بھی ہوتا ہے اور عین بھی اس واسطے کہ بیع المقایضہ[1] میں عین بدل واقع ہوتا ہے
تو عین اجرت ہونے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے ولا ینعکس کلیا فلا یقال مالا یجوز ثمنا لا یجوز اجرۃ بجواز اجارۃ المنفعۃ بالمنفعۃ اذا اختلفا کما سیجیء اور قول مذکو
منعکس بعکس کلی نہیں ہوتا تو یوں نہ بولیں گے کہ جس کا ثمن ہونا جائز نہیں اُس کا اجرت ہونا جائز نہیں بسبب جائز ہونے اجارہ منفعت کے بعوض
منفعت کے جب کہ دونوں منفعتیں مختلف الجنس ہوں چنانچہ اسکا ذکر آگے آوے گا م اختلاف جنس منفعت جیسے سکونت دار کا اجارہ زراعت ارض
سے کہ یہ صحیح ہے اور بیع میں منفعت کا ثمن ہونا صحیح نہیں عکس کلی سے یہاں عکس لغوی مراد ہے نہ عکس منطقی **وتنعقد باعرتک ہذہ الدار شہرا**
بکذا لان العاریۃ بعوض اجارۃ بخلاف العکس اور منعقد ہوتا ہے اجارہ اس قول سے کہ میں نے تجھ کو یہ گھر عاریت دیا مہینے بھر کو بعوض اتنے کے اس
واسطے کہ عاریت بشرط عوض کے اجارہ ہے برخلاف عکس یعنی عاریت بلفظ اجارہ منعقد نہیں ہوتی تو اگر یوں کہے کہ یہ گھر میں نے تجھ کو اجارہ دیا بلا عوض
تو یہ اجارہ فاسدہ ہوگا نہ عاریت کذا فی الدرر **او وہبتک** او اجرتک **منافعها شهرا بکذا** یا منعقد ہوتا ہے اجارہ اس قول سے کہ اس گھر کے منافع
میں نے تجھ کو ہبہ کئے ایک مہینہ بھر بعوض اتنے کے یا اس قول سے کہ اس گھر کے منافع میں نے تجھ کو اجارہ دیے ایک مہینہ بھر بعوض اس قدر کے افادن
رکنہا الایجاب والقبول مصنف نے فائدہ ظاہر کیا کہ اجارہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے م طحطاوی نے کہا شاید کہ یہ افادہ مصنف کے اس قول سے
ہوتا ہے کہ ہی تملیک نفع بعوض اس واسطے کہ یہ نہیں ہو سکتا بدوں ایجاب اور قبول کے انتہی میں کہتا ہوں اور شاید کہ رکنیت ایجاب اور قبول کی تعق
کے لفظ سے نکلتی ہے اس واسطے کہ عقد حاصل ہوتا ہے ایجاب اور قبول کے ربط سے وشرطها کون الاجرۃ والمنفعۃ معلومتین لان جہالتہما تفضی الی
المنازعۃ اور اجارہ کی شرط معلوم اور معین ہونا ہے اجرت کا اور منفعت کا اس واسطے کہ دونوں کا غیر معلوم ہونا منازعت کی طرف پہونچاتا ہے وحکمها وقوع الملک
فی البدلین ساعۃ فساعۃ اور حکم یعنے اثر مترتب اجارہ کا واقع ہونا ملک کا ہے دونوں عوضوں یعنی منفعت اور اجرت دم بدم اور گھڑی گھڑی م وجہ اس
کی یہ ہے کہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور احد العوضین منفعت ہے کہ اندک اندک دم بدم پیدا ہوتی جاتی ہے اور معاوضہ مقتضی ہے مساوات کا تو بالض
تراخی فی المنفعۃ موجب ہے تراخی فی البدل کا ہاں اگر تعجیل اجرت عقد میں شرط ہوگئی ہو تو بدل کا دینا پہلے واجب ہوگا کذا فی الدرر وہل تنعقد بالتعاطی
ظاہر الخلاصۃ نعم ان علمت المدۃ وفی البزازیۃ ان قصرت نعم والا لا اور کیا اجارہ منعقد ہو جاتا ہے تعاطی سے بلا ایجاب وقبول لفظی ظاہر خلاصہ اس پر
دلالت کرتا ہے کہ ہاں تعاطی سے اجارہ منعقد ہوتا ہے اگر مدت اجارہ کی معلوم ہو اور بزازیہ میں ہے کہ اگر مدت اجارہ کی کم ہو تو منعقد ہوتا ہے
اور اگر کم تر نہ ہو تو منعقد نہیں ہوتا م امام محمدؒ نے اصل میں مذکور کیا کہ ایک مرد نے دوسرے شخص سے بلا تعین دیگیں اجارہ لیں تو جائز نہیں اس
واسطے کہ دیگیں مختلف المقدار ہوتی ہیں تو اگر وہ شخص دیگیں لایا اور مستاجر نے قبول کر لیں پہلے کرایہ پر تو جائز ہے اور یہ اجارہ جدیدہ ہوگا تعاطی سے
اور تتمہ میں ہے کہ میں نے ابو یوسف سے سوال کیا کہ کوئی مرد داخل ہوتا ہے ناؤ میں یا حجامت کرواتا ہے یا فصد لیتا ہے یا حمام میں جاتا ہے یا سقہ
سے پانی پیتا ہے پھر اجرت اور پانی کا ثمن دیتا ہے ابو یوسف نے جواب دیا کہ یہ اجارہ جائز ہے بطور استحسان کے اور پہلے سے عقد کی کچھ حاجت
نہیں کذا فی الطحطاوی عن العالمگیریۃ عن التاتارخانیۃ وتعلم النفع ببیان المدۃ کالسکنی والزراعۃ مدۃ کذا ای مدۃ کانت وان طالت ولو مضافۃ کاجرتک
غدا وللموجر بیعہا الیوم وتبطل الاجارۃ بہ یفتی خانیۃ اور منفعت معلوم ہو جاتی ہے مدت اجارہ کے بیان کرنے سے چنانچہ سکونت دار اور زراعت ارض اس
قدر مدت تک کوئی مدت ہو اگرچہ مدت معینہ دراز ہو کہ گو مدت مضاف بزمان مستقبل ہو چنانچہ یوں کہنا کہ میں نے تجھ کو گھر اجارہ دیا کل کے دن
اور موجر کو اُس دار مستاجرہ کا آج کے دن بیچ ڈالنا جائز ہے اور اس بیع سے اجارہ باطل ہو جائے گا اسی قول پر فتویٰ ہے کذا فی الخانیۃ م مدت طویلہ

---

[1] یعنے بیع عین کی عوض عین کے ۱۲

کا اجارہ جائز ہے اگرچہ موجر اور مستاجر اُس مدت تک زندہ نہ رہیں یہی قول خصاف کا مختار ہے اور بعضوں نے کہا کہ مدت طویلہ بمنزلہ تابید کے ہے اور تابید مبطل اجارہ ہے یہ قول ہے ابو عاصم عامری کا کذا فی الطحطاوی **ولم تزد فی الاوقاف علی ثلث سنین فی الضیاع وعلی سنۃ فی غیرہا** کما مر فی بابہ اور وقف کی چیزوں میں تین برس کی مدت سے زیادہ جائز نہ ہو گی اراضی میں اور ایک برس سے زیادہ جائز نہیں غیر اراضی میں چنانچہ گھر اور دکان میں جس طرح باب الوقف میں اس کا بیان گذر گیا والحیلۃ ان یعقد عقودا متفرقۃ کل عقد سنۃ بکذا فیلزم العقد الاول لانہ ناجز لا الباقی لانہ مضاف فللمتولی فسخہ خانیۃ اور اگر متولی وقف اجارہ طویلہ کا محتاج ہو تو اجارۂ طویلہ کا یہ حیلہ ہے کہ اجارہ کے چند عقود مختلف منعقد کرے ہر عقد ایک برس کی ہو بعوض معین تو پہلا عقد لازم ہو گا اس واسطے کہ وقت حاضر کا عقد ہے بلا اضافت اور باقی عقد لازم نہ ہوں گے کہ وہ مضاف بزمان مستقبل ہیں تو متولی کو اُس کا فسخ کر ڈالنا جائز ہے کذا فی الخانیۃ وفیہا لو شرط الواقف مدۃ یتبعہا الا اذا کانت اجارتہا اکثر نفعاً فیوجرہا القاضی لا المتولی لان ولایۃ عامۃ اور خانیہ میں ہے کہ اگر وقف کا کرنے والا اجارۂ وقف کی مدت شرط کرے تو اُس شرط کی پیروی لازم ہے مگر جب کہ اس کے اجارہ میں نفع کثیر ہو تو قاضی اس کو اجارہ دے نہ متولی اس واسطے کہ قاضی کی ولایت عام ہے یعنی قاضی کا حکم مستحقین وقف اور میت سب پر نافذ ہے قلت قدمنا فی الوقف ان الفتوی علی ابطال الاجارۃ الطویلۃ ولو بعقود وسیجیء متنا فلیراجع ولیحفظ میں کہتا ہوں اور ہم مقدم بیان کر چکے ہیں کتاب الوقف میں کہ ابطال اجارۂ طویلہ پر فتوی ہے اگرچہ بعقود جداگانہ ہو اور اس کا ذکر متن میں عنقریب آوے گا تو اُس کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اس کو یاد رکھنا چاہیے **فلو اجرہا المتولی اکثر لم تصح الاجارۃ** اور اگر اوقاف کو متولی نے تین برس سے زیادہ اجارہ دیا تو اجارہ صحیح نہ ہو گا **وتنفسخ فی کل المدۃ** لان العقد اذا فسد فی بعضہ فسد فی کلہ فتاوی قاری الہدایۃ ورجحہ المصنف علی ما فی انفع الوسائل اور عقد اجارۂ طویلہ فسخ ہو گا کل مدت میں یعنی نہ تین سال میں صحیح ہو گا نہ زیادہ میں اس واسطے کہ عقد واحد جب بعض میں فاسد ہوا تو کل میں فاسد ہو گا کذا فی الطحطاوی قاری الہدایہ اور مصنف نے اپنی شرح میں فساد کلی کو ترجیح دی ہے انفع الوسائل کے قول پر ہم انفع الوسائل میں مذکور ہے کہ اجارۂ طویلہ اگر اراضی میں ہے تو تین برس میں صحیح ہو گا اور باقی میں غیر صحیح اور اگر گھر یا دکان میں ہے تو ایک برس میں صحیح ہو گا اور باقی میں باطل وافاد فساد ما یقع کثیرا من اخذ کرم الوقف او الیتیم مساقاۃ فیستاجر ارضہ الخالیۃ من الاشجار بمبلغ کثیر ویساقی علی اشجارہ بسہم من الف سہم اور مصنف نے اپنی شرح میں اُس امر کے فساد کا افادہ کیا ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے انگوروں کی وقف لینے سے یا یتیم کے باغ لینے سے بطور مساقات کے پھر شخص مساقی اجارہ لیتا ہے اُس باغ کی زمین کو جو خالی ہے اشجار سے بعوض مبلغ کثیر اور معاملہ مساقات کا کرتا ہے وقف یا یتیم کے اشجار پر بمقابلہ ایک سہم کے ہزار سہم سے ہم یعنے ایک سہم یتیم یا وقف کے واسطے مقرر کرتا ہے اور باقی اپنے واسطے مساقی معین کرتا ہے کذا فی الطحطاوی فالحظ ظاہر فی الاجارۃ لا فی المساقاۃ تو حظ یعنی فساد کا نصیب ظاہر ہے اجارہ میں نہ مساقات میں یعنے فساد اجارہ کا طول مدت سے تو خود ظاہر ہے لیکن مساقات کا فساد ظاہر نہیں اس واسطے کہ مساقات عبارت ہے درختوں کے سینچنے اور گوڑنے سے بعوض بعض ثمر معین خواہ بعض قلیل ہوں یا کثیر فمفادہ فساد المساقاۃ بالاولے لان کلا منہما عقد جدید تو مفاد اُس کا یعنے منح الغفار مصنف کی شرح کا مستفاد بطریق اولے فساد ہے مساقات کا اس واسطے کہ ہر ایک اُن دونوں میں سے یعنے ہر ایک اجارہ اور مساقات سے عقد جدید یعنی عقد مستقل ہے ہم منح الغفار میں خانیہ سے مذکور ہے کہ جب وصی ارض یتیم کا یا متولی ارض وقف کا اجارۂ طویلہ کرے تین برس کا تو جائز نہیں اس واسطے کہ اجارۂ طویلہ کی رسم یہ ہے کہ پہلے برسوں کے مقابلہ میں تھوڑا مال ہوتا ہے اور پچھلے سال کے مقابلہ میں اکثر مال ہوتا ہے پھر جب پہلے برسوں کا اجارہ اجرت مثل سے کمتر ہوا تو صحیح نہ ہو گا انتہےٰ وجہ اولویت کی یہ ہے کہ عقد مذکور یتیم اور وقف کے واسطے خیر اور شر دونوں ہے اور باوجود اس کے فاسد ہے تو جو عقد سراسر اور بالکل شر ہو چنانچہ مساقات مذکورہ تو اُس کا فاسد ہونا بطریق اولیٰ ہے ضمیر مفادہ کی اُس کی طرف راجع ہے

جو اُس کے کلام سے مستفاد نہیں کذا فی الطحطاوی قلت وقیدوا سرایۃ الفساد فی باب البیع الفاسد بالفساد القوی المجمع علیہ فیسری کجمع بین حر و عبد بخلاف الضعیف المختلف فیقتصر علی محلہ ولا یتعداہ کجمع بین عبد ومدبر فلتدبر میں کہتا ہوں اور بیع فاسد کے باب میں فقہا نے سرایت فساد کو مقید بفساد قوی متفق علیہ کیا ہے تو کل عقد میں فساد پھیلے گا جیسے جمع کرنا آزاد اور غلام کا عقد واحد میں بخلاف فساد ضعیف مختلف فیہ کے کہ وہ تو اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے گا اور وہاں سے تجاوز نہ کرے گا جیسے جمع کرنا غلام اور مدبر کا عقد واحد میں تو اس کو تامل کر م یہ شارح نے انفع الوسائل کی تائید شروع کی اور امر بالتدبر سے اشارہ کیا کہ طول اجارۂ وقف مفسد ضعیف ہے تو زیادت پر ٹھہرا رہے گا اور اصل تک نہ پھیلے گا کذا فی الطحطاوی وجعلوہ ایضا من الفساد الطاری فتنبہ اور یہ بھی ہے کہ فقیہوں نے طول اجارہ کو فساد طاری قرار دیا ہے تو آگاہ رہ م یہ دوسری تائید ہے یعنی جب کہ یہ فساد طاری ہو تو کل عقد میں ساری نہ ہوگا طحطاوی نے کہا کہ اس کے طاری ہونے میں تامل ہے یعنی اس واسطے کہ صلب عقد میں داخل ہے اور طاری وہ ہے جو بعد عقد کے لاحق ہو وفی حوادث الروم وصی زید باع ضیعۃ من ترکتہ لدین علی انہا ملکہ ثم ظہر ان بعضہا وقف مسجد ہل یصح البیع فی الباقی اجاب فریق بنعم وفریق بلا والف لبعضہم رسالۃ ملخصہا ترجیح الاول فتامل اور ملک روم کے حوادث سے یہ مسئلہ مسؤلہ ہے کہ زید کے وصی نے اس کے متروکہ سے قطعہ زمین کا بیچا ادائے دین کے واسطے اس شرط پر کہ وہ قطعہ زید کی ملک ہے پھر ظاہر ہوا کہ بعض قطعہ مسجد پر وقف ہے کیا باقی زمین میں بیع صحیح ہوگی یا نہیں علماء کے ایک فریق نے جواب دیا کہ ہاں باقی زمین یعنی غیر موقوف میں بیع صحیح ہے اور دوسرے فریق نے جواب دیا کہ نہیں باقی میں بھی صحیح نہ ہوگی اور بعضے علماء نے اس میں رسالہ لکھا خلاصہ مضمون رسالہ جواب اول کی ترجیح ہے تو اس کو تامل کر م شارح نے امر بالتامل سے انفع الوسائل کی تقویت کی طرف اشارہ کیا حموی نے کہا ایسا نہیں ہوتا کہ عقد واحد میں بعض تو صحیح ہو اور بعض فاسد اور فتاوی عالمگیری اس پر دلالت کرتا ہے کہ عقد جب ایک ہو تو فساد متعدی ہو جاتا ہے کذا فی الطحطاوی وفی جواہر الفتاوی اجر ضیعۃ وقفا ثلث سنین وکتب فی الصک اجرہ ثلثین عقدا کل عقد عقیب الآخر لا تصح الاجارۃ وہو الصحیح وعلیہ الفتوی صیانۃ للاوقاف ثم قال ولو قضی قاض بصحتہا تجوز ویرتفع الخلاف انتہی اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ وقف کی زمین تین سال کو اجارہ دی اور دستاویز میں لکھا کہ اس نے تیس عقد کا اجارہ دیا ہر عقد دوسرے عقد کے بعد یعنی عقود مذکورہ سے ہر عقد تین برس کی تو اجارۂ مذکور صحیح نہ ہوگا اور یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے اوقاف کی حفاظت کے واسطے یعنی تا کہ اتنی مدت کے تصرف سے مستاجر وقف کی ملکیت کا دعوی نہ کرے پھر جواہر الفتاوی کے مصنف نے کہا اور اگر قاضی اجارہ مذکور کی صحت کا حکم دے تو جائز ہوگا اور خلاف دور ہو جائے گا انتہی م رفع خلاف اُس وقت ہوگا جب کہ قاضی حادثہ شرعیہ میں حکم کرے اس طرح پر کہ دو مدعی ہوں ایک صحت کا مدعی اور دوسرا بطلان کا مدعی تب قاضی صحت کا حکم کرے کذا فی الطحطاوی قلت وسیجیئ ان المتولی والوصی لو اجر بدون اجر المثل یلزم المستاجر تمام اجر المثل وانہ یعمل بالانفع للوقف میں کہتا ہوں اور آگے آوے گا کہ متولی اور وصی اگر اجارہ دیں کمتر اجرت مثل سے تو مستاجر پر پورا اجر مثل لازم ہوگا اور یہ کہ اُس پر عمل ہوگا جو زیادہ تر نافع ہے وقف کے واسطے وفی صلح الخانیۃ متی فسد العقد فی البعض بمفسد مقارن یفسد فی الکل اور صلح خانیہ میں ہے کہ جب عقد بعض میں فاسد ہو بسبب اُس مفسد کے جو مقارن ہے عقد سے تو تمام عقد فاسد ہوگا م مصنف اپنی شرح میں اس قول کو لایا ہے قاری ہدایہ کے فتوے کی تقویت کے واسطے ویعلم النفع ایضا ببیان العمل کالصیاغۃ والصبغ والخیاطۃ بما یرفع الجہالۃ اور بیان عمل سے بھی نفع معلوم ہو جاتا ہے چنانچہ زرگری اور رنگ سازی اور دوخت اُس طرح کا بیان جو جہالت کو دور کر ڈالے م عمل زرگری میں ایسا بیان مفصل چاہیے کہ رافع نزاع ہو اور رنگ میں کپڑے کا بیان اور جنس رنگ کہ سرخ یا زرد یا سبز اور یہ کہ ہلکا رنگ ہو یا گہرا ضرور ہے اور دوخت میں جنس خیاطت اور کپڑے کا بیان لازم ہے اور ثوب میں کپڑے کا معین ہونا ضرور ہے ولہذا محیط میں ہے کہ اگر بن دیکھے دس

کپڑوں کے شوب کا اجارہ کرے تو اجارہ فاسد ہے اگرچہ کپڑے کی جنس کا بیان ہو چکا ہو اس واسطے کہ کپڑا غلظت اور رقت میں مختلف ہوتا ہے
انتہیٰ فیشترط فی استیجار الدابۃ للرکوب بیان الوقت او الموضع فلو خلا عنہما فہی فاسدۃ بزازیہ تو سواری کے واسطے جانور کے کرایہ لینے میں بیان وقت
یا مکان رکوب شرط ہے تو اگر اجارہ دونوں کے بیان سے خالی ہوگا تو فاسد ہوگا کذا فی البزازیۃ یعنی اس واسطے کہ بیان مذکور رافع جہالت ہے نہیں وتعلم
ایضا بالاشارۃ کنقل ہذا الطعام الی کذا اور اشارہ کرنے سی بھی نفع معلوم ہو جاتا ہے چنانچہ لے جانا اس طعام کا فلانے مکان تک
م ہر چند منفعت مشار الیہ نہیں ہے لیکن اشارہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فعل مخصوص مراد ہے کذا فی الدرر واعلم ان الاجر لا یلزم بالعقد ولا
یجب تسلیمہ بہ بل بتعجیلہ او شرطہ فی الاجارۃ المنجزۃ اور معلوم کر کہ اجر اور مزدوری لازم نہیں عقد سے تو واجب نہیں اس کی تسلیم یعنے اس کا ادا
کرنا عقد سے بلکہ مستاجر کی تعجیل سے یا اجارہ جائزہ میں تعجیل کے مشروط ہونے سے لازم تسلیم ہوتی ہے م اور جب کہ مستاجر نے اول مزدوری
ادا کر دی تو اب اس کو نہیں پھیر لے سکتا کذا فی الطحطاوی عن العتابیۃ اما المضافۃ فلا تملک فیہا الاجرۃ بشرط التعجیل اجماعاً اور اجارہ مضافہ یعنی
وقت غیر موجود کے اجارہ میں اجرت مملوک نہیں ہوتی بتعجیل اجرت کی شرط کرنے سے بالاتفاق وقیل تجعل عقودا فی کل الاحکام فیفتی بروایۃ تملکہا
بشرط التعجیل للحاجۃ شرح وہبانیۃ للشرنبلالی اور بعضوں نے کہا کہ اجارہ مضافہ جمیع احکام میں عقود ٹھہرایا جائے پھر اجرت کے مالک ہونے کا
فتویٰ دیا جائے اشتراط تعجیل سے بسبب حاجت کے کذا فی شرح الوہبانیۃ للشرنبلالی م شارح سے بیان اختصار مخل واقع ہوا بلا تفصیل مطلب
ظاہر نہ ہوگا اجارہ مذکورہ بخارا میں متعارف ہے صورت اس کی یہ ہے کہ گھر یا زمین کا اجارہ کرتے ہیں متواتر تیس برس کا لیکن تین دن ہر سال
سے نکال ڈالتے ہیں اجارہ سے تا اتصال سنوات باقی نہ رہے اور سال کی اجرت قلیل مقرر کرتے ہیں اور پچھلے سال کی اجرت کثیر معین کرتے ہیں
علما اس کے جواز اور عدم جواز میں مختلف ہیں بعضے مجوزین اس اجارہ کو عقود مختلفہ قرار دیتے ہیں اور بعضے ایک ہی عقد اعتبار کرتے ہیں اس
واسطے کہ اگر عقود اعتبار کیجئے تو سوائے عقد اول کے باقی عقود مضاف ٹھہریں اور اجارہ مضافہ میں اجرت مملوک نہیں ہوتی نہ تعجیل سے نہ شرط تعجیل سے
اور غرض اس اجارہ سے تملک اجرت ہے صدر الاسلام شہید نے کہا میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ در حق سائر احکام عقود معتبر کیجیے اور در حق ملک اجرت
تعجیل یا اشتراط تعجیل سے ایک ہی عقد اعتبار کیجیے انتہیٰ تو موضوع کلام شارح کا یہ مسئلہ ہے اور اگر یوں کہے کہ میں نے اپنا گھر تجھ کو اجارہ دیا کل اتنی اجرت
پر تو مقدمہ مذکور ہو چکا کہ اس میں اشتراط تعجیل باطل ہے اور بالفعل اس پر اجرت لازم نہ ہوگی چنانچہ زیلعی نے بیان کیا ہے ولہذا حلبی نے کہا کہ اس
تحریر سے تجھ کو معلوم ہوگا کہ شارح کا کلام شرنبلالی کے مانند محرر اور منقح نہیں ہے اور اگر شارح یوں کہتا وقیل تجعل عقدا واحدا فیفتی بروایۃ تملکہا
بشرط التعجیل ای علی ہذا القول تو بہتر اور واضح تر ہوتا کذا فی الطحطاوی او الاستیفاء للمنفعۃ یا اجرت لازم ہوتی ہے منفعت کے حاصل کر چکنے سے
او تمکنہ منہ الا فی ثلث مذکورۃ فی الاشباہ یا اجرت لازم ہوتی ہے استیفاء منفعت پر قادر ہونے سے مگر ان تین صورتوں میں باوجود قدرت لازم
نہیں ہوتی جو اشباہ میں مذکور ہیں م جب موجر مستاجر کو اجارہ کی چیز اپنے اسباب سے خالی کر کے دے اور اس کی طرف سے یا حاکم یا غاصب کی
طرف سے کوئی مانع نہ ہو تو مستاجر قادر ٹھہرے گا اور اس وقت میں اگر مستاجر استیفاء منفعت کو ترک کرے گا تو یہ تعطیل لزوم اجرت کی مانع نہ ہوگی
تو اگر موجر کی طرف سے تسلیم نہ واقع ہوئی یا وہ چیز اس کے اسعاف سے فارغ نہیں یا فارغ تسلیم کی مدت کے غیر میں یا مدت میں تسلیم کی لیکن
اس کو غیر محل اجارہ میں حبس کر رکھا یا اس کو محل اجارہ میں رکھا اور اس میں کوئی عذر ہے مانع یا موجر کی طرف سے کوئی عذر نہیں لیکن حاکم یا غاصب
نے اس کو روک رکھا یا کہ اجارہ فاسدہ تھا تو اجرت ان صورتوں میں لازم نہیں کذا فی الحموی اشباہ کی مستثنیٰ صورتوں میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ

ف تفصیل احکام استیفاء منفعت مستاجرہ ۱۲

قدرت علی الاستیفا اجارہ فاسدہ میں ہو دوسری صورت یہ کہ جب جانور خارج شہر کی سواری کے واسطے کرایہ لیا پھر اُس کو اپنے پاس باندھ رکھا اور اس پر سوار نہ ہوا تیسری صورت یہ کہ کپڑا کرایہ لیا ہر روز کی ایک دانگ اجرت معین کر کے پھر اس کو چند سال رکھ چھوڑا بدوں پہننے کے تو اجرت لازم نہ ہو گی اُس مدت کے بعد کہ اگر اس کو پہنتا تو کپڑا پھٹ جاتا یعنی وہاں تک اجرت مذکورہ ہر روز لازم ہو گی کہ اگر اس کو پہنے جاتا تو کپڑا دھجا پھر اس مدت کے بعد اجرت نہ لازم ہو گی کذا فی الطحطاوی **ثم فرع علیہ بقولہ فیجب الاجر لدار قبضت ولم تسکن لوجود تمکنہ من الانتفاع** پھر مصنف نے اس پر یعنی قدرت انتفاع پر اپنے اس قول سے تفریع کی تو اجرت واجب ہو گی اس گھر کی جو مقبوض ہوا اور ہنوز اُس میں مستاجر نہیں رہا واجب ہونا اجرت کا بسبب پائے جانے قدرت انتفاع کے ہے **وہذا اذا کانت الاجارۃ صحیحۃ واما فی الفاسدۃ فلا یجب الاجر الا بحقیقۃ الانتفاع** کما بسط فی العمادیۃ اور یہ یعنی وجوب اجرت بقدرت انتفاع اُس وقت ہے جب کہ صحیح اجارہ ہو اور اجارۂ فاسدہ میں تو اجرت واجب نہیں ہوتی مگر حقیقت انتفاع فقط قدرت سے چنانچہ اُس کو عمادیہ میں مشرح بیان کیا ہے وظاہر ما فی الاسعاف اخراج الوقف فتجب اجرتہ فی الفاسدۃ بالتمکن کذا فی الاشباہ اور ظاہر قول اسعاف کا نکال ڈالنا ہے وقف کا تو وقف کی اجرت فاسد اجارہ میں واجب ہو گی قدرت انتفاع سے کذا فی الاشباہ **م** خلاصہ عبارت اسعاف یہ ہے کہ وقف کے اجارۂ فاسدہ میں اگر زراعت اور سکونت نہ ہو تو اجرت لازم نہیں متقدمین کے قول پر انتہی تو صاحب اشباہ سمجھا کہ بقول متاخرین اجرت لازم ہے حالانکہ متاخرین کا خلاف اس میں نظر نہیں آیا اور اجناس میں خود مصرح ہے کہ وقف کی اجرت اجارۂ فاسدہ میں لازم نہیں ہوتی مگر حقیقت انتفاع سے انتہی اور یہ نص صریح ہے عدم وجوب میں پھر جب وقف کا حکم معلوم ہوا تو مال یتیم وغیرہ کا بھی حکم معلوم ہو گیا جس میں شارح اپنا تردد بیان کرے گا کذا فی الطحطاوی ملخصا قلت وہل مال الیتیم والمعد للاستغلال والمستاجر فی بیع الوفاء علی ما افتی بہ علماء الروم کذلک محل تردد فلیراجع میں کہتا ہوں اور کیا یتیم کا مال اور جو چیز کرایہ وغیرہ کے واسطے مہیا ہے اور بیع الوفا کے اجارہ والی چیز بموجب فتوائے علمائے روم بھی اسی طرح وقف کے مانند ہے تردد کا مقام ہے تو مسائل مذکورہ کا حکم تلاش کرنا چاہیے **م** کچھ تردد کا مقام نہیں چنانچہ ہم مذکور کر چکے اس واسطے کہ اگر اجارہ صحیح ہے تو قدرت انتفاع اس میں کافی ہے اور اگر اجارہ فاسد ہے تو اس کے حکم میں کچھ تغیر نہیں استیجار بیع الوفا کی یہ صورت ہے کہ بیع الوفا کے بائع نے اجارہ لیا مشتری سے اُس چیز کا جو بطریق بیع الوفا کے بیچی اور یہ اجارہ بعد قبض مشتری کے واقع ہوا تو مدت اجارہ میں اجارہ صحیح ہے پھر اگر مدت اجارہ گذر گئی اور وہ چیز اس کے ہاتھ میں باقی رہی تو علمائے روم نے لزوم اجرت مثل کا فتوی دیا اور اس کا نام بیع الاستغلال رکھا اس میں یہ خلل ہے کہ بعد انقضائے مدت اجارہ اصلا اجارہ نہیں کذا فی الطحطاوی وبقولہ ویسقط الاجر بالغصب ای بالحیلولۃ بین المستاجر والعین لان حقیقۃ الغصب لا تجری فی العقار اور مصنف نے قدرت انتفاع پر اپنے اس قول سے تفریع کی اور ساقط ہوتی ہے اجرت غصب سے یعنی مستاجر اور اجارہ والی چیز کے درمیان حائل ہونے سے اس واسطے کہ حقیقت غصب کی جاری نہیں ہوتی زمین میں یعنی جب کوئی شخص حائل ہوا تو قدرت انتفاع نہ پائی گئی لہذا اجرت مستاجر سے ساقط ہو گئی وہل تنفسخ بالغصب قال فی البدایۃ نعم خلافا لقاضی خان اور کیا اجارہ فسخ ہو جاتا ہے غصب سے ہدایہ میں کہا کہ ہاں فسخ ہو جاتا ہے برخلاف قاضی خاں کے ولو غصب فی بعض المدۃ فبحسابہ اور اگر غصب واقع ہوا بعض مدت اجارہ میں تو بحساب اس کی اجرت ساقط ہو گی **الا اذا امکن اخراج الغاصب من الدار** مثلا **بشفاعۃ او حمایۃ اشباہ** مگر جب کہ نکالنا غاصب کا مثلاً گھر سے ممکن ہو سفارش سے یا مددگاروں کی حمایت اور زور سے تو اجرت ساقط نہ ہو گی کذا فی الاشباہ **م** اگر باوجود امکان اخراج مستاجر اس کو نہ خارج کرے گا تو قصور مستاجر کا ہے اجرت اس پر لازم ہو گی اور اگر بدوں خرچ مال کے اس کا اخراج ممکن نہ ہو تو قنیہ میں ہے کہ اجرت ساقط ہو گی **ولو انکر ذلک ای الغصب**

الموجر وادعاہ المستاجر ولا بینۃ لہ یحکم الحال کمسئلۃ الطاحونۃ اور اگر موجر یعنی اجارہ دینے والا بس غصب کا منکر ہو اور مستاجر یعنی اجارہ لینے والا اس کا مدعی ہو اور مستاجر کے گواہ نہ ہوں تو ظاہر حال حکم کرے گا پن چکی کے مسئلہ کی مانند م یعنی اگر مستاجر گھر میں رہتا ہو منازعت کے حال میں تو موجر کا قول مقبول ہے اور اگر اس میں غیر مستاجر رہتا ہو تو مستاجر کا قول مقبول ہے اور اس پہ کرایہ نہ ہوگا کذا فی البحر اور اگر پن چکی کے مستاجر اور موجر میں اختلاف واقع ہو بعد انقضائے مدت اجارہ کے پانی کے جاری ہونے اور انقطاع میں تو ظاہر حال پہ حکم ہوگا یعنی اگر پانی جاری ہو جھگڑے کے وقت تو موجر کا قول مقبول ہوگا اور نہیں تو مستاجر کا قول مقبول ہوگا کذا فی الحلبی ولا یقبل قول الساکن لانہ فرد ذخیرۃ م اور گھر کے رہنے والے کا قول مقبول نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ تنہا شخص ہے کذا فی الذخیرۃ یعنی مسئلہ غصب میں ساکن دار کا قول معتبر نہیں اور اگر گھر میں کوئی ساکن نہیں تو مستاجر پر اجرت لازم ہوگی کذا فی العالمگیریۃ ش بقولہ ولا یعتق قریب الموجر لو کان اجرۃ لانہ لم یملکہ بالعقد اور عدم لزوم اجرت بالعقد پر مصنف نے اپنے اس قول سے تفریع کی اور آزاد نہ ہوگا قرابت دار موجر کا اگر قرابت دار اجرت مقرر ہوا ہو اجارہ میں اس واسطے کہ موجر اس کا مالک نہیں ہو گیا فقط عقد اجارہ سے م صورت اس کی یہ ہے کہ زید کا غلام خالد ہے محمود کا بھائی سو زید نے محمود کی زمین اجارہ لی اور خالد کو اس کی اجرت مقرر کی تو خالد بمجرد عقد کے آزاد نہ ہوگا اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ فقط عقد سے اجرت لازم نہیں ہوتی یعنی موجر کی مملوک نہیں ہو جاتی والمراد من تمکنہ من الاستیفاء تسلیم المحل الی المستاجر بحیث لا مانع من الانتفاع اور قدرت استیفاء منفعت سے مراد تسلیم محل کی ہے مستاجر کی طرف اس طرح پر کہ کوئی مانع نہ ہو منفعت کے لینے سے فلو سلمہ العین الموجرۃ بعد مضی بعض المدۃ الموجرۃ فلیس لاحدہما الامتناع من التسلیم والتسلم فی باقی المدۃ اذا لم یکن فی مدۃ الاجارۃ وقت یرغب فیہا لاجلہ تو اگر موجر نے مستاجر کو اجارہ کی چیز بعد گذر جانے بعض مدت اجارہ کے تسلیم کی تو دونوں میں سے کسی کو باقی مدت میں دینے اور لینے سے امتناع جائز نہیں بشرطیکہ اجارہ کی مدت میں ایسا کوئی وقت مخصوص نہ ہو جس کے واسطے اجارہ لینے کی خواہش ہوتی ہو یعنی تمام مدت یکساں ہو تب امتناع دینے اور لینے سے جائز نہیں فان کان فیہا ای فی العین الموجرۃ وقت کذلک کبیوت مکۃ ومنی ونحوہما زمن الموسم فانہ لا یرغب فیہا بعد الموسم فلو لم یسلم فی الوقت الذی یرغب لاجلہ خیر فی قبض الباقی کما فی البیع کذا فی البحر اور اگر اجارہ کی چیز میں ویسا وقت ہو جس کے واسطے اجارہ لینے کی خواہش اور رغبت ہوتی ہو جیسا کہ مکہ معظمہ اور منیٰ کے گھر اور دکانیں موسم حج کے زمانے میں اس واسطے کہ بعد موسم حج ان کی خواہش نہیں رہتی تو اگر موجر مستاجر کو اس وقت میں تسلیم نہ کرے جس کی خواہش ہوتی ہے تو مستاجر کو اختیار ہوگا باقی مدت کے قبض میں چاہے لے چاہے نہ لے چنانچہ بیع میں کذا فی البحر م یعنی اگر بیوت مکہ معظمہ خرید کئے قبل موسم حج کے سو تسلیم نہ واقع ہوئی مگر بعد گذر جانے موسم کے تو مشتری کو خرید اور عدم خرید میں اختیار ہوگا ولو سلمہ المفتاح فلم یقدر علی الفتح لضیاعہ ان امکنہ الفتح بلا کلفۃ وجب الاجر والا لا اشباہ اور اگر موجر نے مستاجر کو مکان کی کنجی دی سو مستاجر اس کے کھولنے پر قادر نہ ہوا بسبب گم ہو جانے کنجی کے تو اگر اس کو کھولنا بلا کلفت اور مشقت ممکن ہو تو کرایہ واجب ہوگا اور نہیں تو واجب نہیں کذا فی الاشباہ م اور اگر مالک نے کہا یہ مکان لے اور اس میں رہ مگر اس نے دروازہ کھول نہیں دیا اور مستاجر نے مدت کے بعد کہا میں اس تک نہیں رہا تو اگر مستاجر بلا مؤنت کھولنے پر قادر تھا تو کرایہ لازم ہوگا اور نہیں تو نہیں اور موجر کو یوں حجت کرنا جائز نہیں کہ تو نے کیوں نہ قفل توڑ ڈالا اور کیوں نہ اس میں داخل ہوا کذا فی العالمگیریۃ قلت وکذا لو عجز المستاجر عن الفتح بہذا المفتاح لم یکن تسلیما لان التخلیۃ لم تصح صیرفیۃ میں کہتا ہوں اور اگر اسی طرح اگر مستاجر عاجز ہو کھولنے سے بواسطہ اس کنجی یعنی موجر کی دی ہوئی کنجی کے تو تسلیم نہ ہوگی اس واسطے کہ تخلیہ نہ صحیح ہوا کذا فی الصیرفیۃ ولو اختلفا یحکم الحال اور اگر دونوں میں اختلاف پڑا تو ظاہر حال حکم کرے گا یعنی بعد مدت اجارہ اختلاف ہوا اور حالانکہ

کنجی مستاجر کے پاس ہے مستاجر کہتا ہے کہ میں قفل کھولنے پر قادر نہ ہوا اور موجر کہتا ہے کہ تو قادر رہا اور دونوں کے گواہ نہیں ہیں تو ظاہر حال پر حکم ہوگا اور شاید کہ ظاہر حال سے مراد یہ ہے کہ مستاجر سے کہا جائے کہ قفل کو کھول تو اگر کھول نہ سکے تو مستاجر کا قول مقبول ہے اور اگر کھول سکے تو موجر کا قول مقبول ہے کذا فی الطحطاوی ولو برہنا فبینۃ الموجر ذخیرۃ اور اگر دونوں گواہ لادیں تو موجر کے گواہ مقبول ہوں گے کذا فی الذخیرۃ وکذا البیع اور اسی طرح بیع کا حکم ہے یہ تشبیہ ہے عجز مستاجر کی ساتھ منح الغفار میں کہا گھر خرید کیا اور کنجی اس کی لی اور گھر کی طرف نہیں گیا تو اگر کنجی ایسی ہو کہ بلاکلفت کھل سکے تو قابض ٹھہرے گا اور نہیں تو نہیں کذا فی المنح وقیل ان قال اقبض المفتاح وافتح الباب فہو تسلیم والا لا کما بسط المصنف اور قول ضعیف یہ ہے کہ اگر موجر نے مستاجر سے کہا کہ کنجی لے اور دروازہ کھول تو یہ تسلیم ہے اور اگر کنجی دی اور قول مذکور نہ کہا تو تسلیم نہ ہوگی چنانچہ اس کو مصنف نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے **وللموجر طلب الاجر للدار والارض کل یوم وللدابۃ کل مرحلۃ** اذا اطلقہ ولو بین تعین اور موجر کو جائز ہے گھر اور زمین کا کرایہ مانگنا ہر روز اور جانور کا کرایہ ہر منزل میں جب کہ کرایہ مطلق مقرر ہو بلا قید تعجیل یا تاخیر کے اور اگر تعجیل یا تاخیر کا بیان ہو گیا ہو تو وہی متعین ہوگا شرط کے موافق **وللخیاطۃ ونحوہا من الصنائع اذا فرغ وسلم** فہلکہ قبل تسلیمہ یسقط الاجر اور سینے اور مانند اس کے اور پیشوں کی مزدوری مانگنا جائز ہے جب کہ اس کام سے فراغت حاصل کرے اور مستاجر کو تسلیم کرے یعنی اس میں مزدوری کا مطالبہ ہر دن نہیں بلکہ کام کر چکنے اور پہونچا دینے کے بعد ہے تو اس چیز کا تلف ہو جانا قبل تسلیم کے مزدوری کو ساقط کر دیتا ہے م کپڑا سینے کو دیا سو درزی نے سیا اور اس کی بلا تعدی جل گیا تو مزدوری ساقط ہو گئی بسبب عدم تسلیم کے اور درزی پر تاوان کپڑے کا لازم نہ ہوگا کیونکہ وہ بلا تعدی میں ہے وکذا کل من لعملہ اثر اور اسی طرح ہر ایک اس پیشہ ور کا حکم ہے جس کے عمل کا اثر موجود ہو چنانچہ بڑھئی اور لوہار اور معمار اور جولاہا اور سنار کہ ان کے عمل کا اثر لکڑی اور لوہے اور مکان اور کپڑے اور زیور میں موجود رہتا ہے تو مزدوری مانگنا بعد فراغ اور تسلیم کے جائز ہوگا وما لا اثر لہ کحمال لہ الاجر **لما فرغ** وان لم یسلم بحر اور جس کے عمل کا اثر نہیں ہوتا جیسے حمال تو اس کی مزدوری مانگنا بمجرد فراغت کے جائز ہے اگرچہ تسلیم نہ واقع ہو م تو بعد فراغت کے تلف ہو جانے سے مزدوری ساقط نہ ہوگی کذا فی البحر **وان** وصلہ **عمل** سے **فی بیت المستاجر** درخت وغیرہ کی مزدوری لازم نہیں بدون فراغت اور تسلیم کے اگرچہ درخت وغیرہ کا کام مستاجر کے گھر میں کیا ہو م مصنف کا یہ قول اس کو مقتضی ہے کہ مستاجر کے گھر میں عمل سے فارغ ہونا تسلیم نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اس واسطے کہ زیلعی میں ہے کہ خیاطت وغیرہ میں مستاجر کے گھر میں تسلیم حاصل ہوتی ہے بمجرد فعل کے اس واسطے کہ وہ مستاجر کے گھر میں ہے اور گھر اس کے قبضے میں ہے تو اس میں تسلیم حقیقی کی حاجت نہیں تو اجرت واجب ہوگی بمجرد عمل کے انتہی تو بموجب اس کے اگر کپڑا وغیرہ تلف ہوگا بعد فراغت عمل کے قبل تسلیم حقیقی کے تو اجرت واجب ہوگی بسبب تسلیم حکمی کے اور صاحب ہدایہ نے اگرچہ یہ تعمیم مذکور کی ہے لیکن تسلیم بیان نہیں کی ہدایہ میں یوں ہے کہ دھوبی اور درزی کو مطالبہ اجرت کا نہیں تا وقتیکہ عمل سے انفراغ نہ ہو اس واسطے کہ بعض عمل سے نفع حاصل نہیں تو بعض عمل سے مستوجب اجرت کا نہ ہوگا اور اسی طرح اگر مستاجر کے گھر میں عمل کرے مستوجب اجرت نہ ہوگا قبل فراغ کے کذا فی الطحطاوی اور صدر الشریعۃ میں ہے کہ جب مستاجر کے گھر میں بعض ثوب کی درخت کرے پھر اس کی چوری ہو جائے تو بقدر درخت اس کی اجرت ثابت ہے تو یہ دلیل ہے کہ اجرت بقدر عمل واجب ہوتی ہے انتہی درر میں ہے کہ بموجب ہدایہ اور تجرید کے مستاجر کے گھر میں عمل کرنا قبل از فراغ عمل مستحق اجرت نہیں اور مبسوط اور فوائد ظہیریۃ اور ذخیرہ اور شروح جامع صغیر میں مذکور ہے کہ جب بعض درخت واقع ہو مستاجر کے گھر تو بقدر اس کے حساب کے اجرت واجب ہے تو اگر کپڑا چوری ہو جائے کچھ سینے کے بعد تو اس کے حساب کے موافق استحقاق اجرت کا ہوگا انتہی نعم لو سرق بعد ما خاط بعضہ او انہدم بعد ما بناہ فلہ الاجر بحسابہ علی المذہب بحر وابن کمال ہاں اگر کپڑا چوری ہو جائے بعد اس کے کہ

سلہ قولہ ہلکہ بصیغۃ المصدر مبتدأ وقولہ یسقط الاجر خبر ۱۲ طحطاوی

درزی نے اس کو کچھ سیا یا کچھ دیوار گر پڑی بعد بنانے کے تو اس کا اجر ثابت ہوگا اُس کے حساب کے موافق بنا بر مذہب صحیح کے کذا فی البحر و ابن کمال مگر یہ استدراک بلاوجہ ہے اس واسطے کہ اگر خیاطت مستاجر کے گھر میں ہے تو اجرت واجب ہے خواہ سب دوخت ہوئی یا بعض بسبب وجود تسلیم اور اگر درزی کے گھر میں ہے تو کل یا بعض کچھ اجرت نہیں بدوں تسلیم کے اور دیوار اٹھانا تو نہیں ہوتا مگر مستاجر کے پاس بحر الرائق میں ہے کہ مسئلہ بنا خود اصل میں متعدی ہے کہ بعض عمل سے اجرت اس کی واجب ہوتی ہے بسبب تسلیم کے اور کرخی نے اس کو ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے اور اسی پر یقین کیا ہے غایۃ البیان میں ہدایہ پر رد کرکے تو یہی مذہب ٹھہرا ولہذا مصنف یعنی صاحب کنز نے مستصفی میں اسی کو پسند کیا ہے اگرچہ اس کی عبارت کنز میں مطلق ہے کذا فی الطحطاوی **ثوب خاطہ الخیاط باجر ففتقہ رجل قبل ان یقبضہ رب الثوب فلا اجر لہ** بل لہ تضمین الفاتق کپڑا ہے جس کو درزی نے سیا مزدوری پر سو سیون اُدھیڑ ڈالی کسی شخص نے مالک کے قبضہ کرنے سے پہلے تو اس کے واسطے مزدوری نہیں بلکہ درزی کو سیون اُدھیڑنے والے سے تاوان لینے کا اختیار ہے **ولا یجبر علی الاعادۃ وان کان الخیاط ہو الفاتق فعلیہ الاعادۃ** کانہ لم یعمل بخلاف فتق الاجنبی اور درزی پر اعادہ دوخت کا جبر نہ ہوگا اور اگر درزی ہی سیون کا ادھیڑنے والا ہو تو اس پر دوبارہ سینا واجب ہے گویا اس نے نہ سیا تھا برخلاف اجنبی سے یعنے اجنبی شخص کے اُدھیڑنے سے درزی پر اعادہ دوخت لازم نہیں وہل للخیاط اجر التفصیل بلا خیاطۃ الاصح لا اشباہ لکن فی حاشیتہا معزیا للمضمرات المفتی بہ نعم وقال المصنف ینبغی ان یحکم العرف انتہی ثم رأیت فی التاتارخانیۃ معزیا للکبری ان الفتوی علی الاول فتامل اور کیا خیاط کے واسطے کپڑا بیونتنے سے بدوں دوخت کے مزدوری ہے یا نہیں قول اصح یہ ہے کہ قطع کرنے سے بدوں سینے کے مزدوری نہیں کذا فی الاشباہ لیکن اشباہ کے حاشیہ مضمرات سے منقول ہے کہ قول مفتی بہ یہ ہے کہ ہاں اجرت ہے اور مصنف نے اپنی شرح میں کہا جواب لائق یہ ہے کہ رواج پر حکم ہو انتہی پھر میں نے تاتارخانیہ میں فتاوے کبرے سے منقول دیکھا کہ قول اول پر فتوی ہے تو تامل کر ہم صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کہ کپڑا درزی کو سینے کے واسطے دیا سو اس نے قطع کیا اور مر گیا بدوں سینے کے اور اگر فقط کپڑا قطع کرنا مقصود ہو تو بلا شک اجرت واجب ہوگی اس واسطے کہ عمل مقصود ہے تاتارخانیہ سے نقل کرنے کی کچھ حاجت نہ تھی اس واسطے کہ صاحب مضمرات اور صاحب کبری دونوں نے ذکر کیا ہے کہ وجوب اجرت پر فتوی ہے اور شارح کی ظاہر عبارت سے نکلتا ہے کہ عدم لزوم پر فتوی ہے اور حالانکہ ایسا نہیں ہے فتامل کذا فی الطحطاوی **وللخباز طلب الاجر للخبز فی بیت المستاجر بعد اخراجہ من التنور** لان تمامہ بذلک وباخراج بعضہ بحسابہ جوہرۃ اور روٹی پکانے والے کو روٹی کی مزدوری مانگنا جائز ہے مستاجر کے گھر میں تنور سے نکالنے کے بعد اس واسطے کہ پختگی کی تمامی اسی طرح نکالنے کے بعد ہے اور بعض روٹیوں کے نکالنے سے اُس کے حساب کے موافق اجرت لازم ہوگی کذا فی الجوہرۃ **فان احترق بعدہ** ای بعد اخراجہ بغیر فعلہ **فلہ الاجر** لتسلیمہ بالوضع فی بیتہ **ولا غرم** لعدم التعدی وقالا یغرم مثل دقیقہ ولا اجر وان شاء ضمنہ الخبز واعطاہ الاجر سو اگر تنور سے نکالنے کے بعد بلا فعل طباخ روٹی جل جائے تو اس کا اجر ثابت ہے بسبب تسلیم کر دینے طباخ کے مستاجر کے گھر میں رکھ دینے سے اور جل جانے سے طباخ پر تاوان نہیں بسبب اُس کی بے قصوری کے اور صاحبین نے کہا کہ طباخ تاوان دے اُس کے آٹے کے برابر اور اُس کی مزدوری نہیں اور اگر مستاجر چاہے تو طباخ سے پختہ روٹی کا تاوان لے اور اس کو روٹی پکانے کی مزدوری دے **ولو احترق قبلہ لا اجر لہ ویغرم** اتفاقا للتقصیر درر وبحر اور اگر روٹی جل گئی تنور کے نکالنے سے پہلے تو اُس کی مزدوری نہیں اور وہ تاوان دے روٹی کا باتفاق امام اور صاحبین کے بسبب اس کی تقصیر کے کذا فی الدرر والبحر **وان لم یکن الخبز فیہ** ای فی بیت المستاجر سواء کان فی بیت الخباز اولا **فاحترق** او سرق **فلا اجر لہ** لعدم التسلیم حقیقۃ **ولا ضمان** لو سرق لانہ فی یدہ امانۃ خلافا لہما وہی مسئلۃ الاجیر المشترک جوہرۃ اور اگر مستاجر کے گھر میں روٹی نہ ہو خواہ نان پز کے گھر میں ہو یا نہیں در

پھر جل جائے یا چوری ہو جائے تو اس کے واسطے مزدوری نہیں بسبب نہ ہونے تسلیم کے فی الحقیقت اور اس پر تاوان نہیں اگر چوری ہو جائے اس واسطے کہ اس کے پاس امانت ہے برخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک تاوان ہے اور یہ مسئلہ ہے اجیر مشترک کا کذا فی الجوہرۃ م امام کے نزدیک اجیر مشترک کے پاس متاع امانت ہوتی ہے تو ضمان نہیں بخلاف صاحبین اور اجیر مشترک کی تعریف آگے معلوم ہوگی **وان احترق الخبز او سقط من یدہ قبل الاخراج فعلیہ الضمان ثم المالک بالخیار فان ضمنہ قیمتہ مخبوزا فلہ الاجر وان ضمنہ قیمتہ دقیقا فلا اجر لہ للہلاک قبل التسلیم ولا یضمن الحطب والملح** اور اگر روٹی جل گئی یا اس کے ہاتھ سے گر پڑی تنور کے نکالنے سے پہلے تو نانپز پر ضمان ہے پھر مالک کو اختیار ہے کہ اگر اس سے پکی روٹی کا تاوان لے تو اس کی مزدوری ثابت ہے اور اگر آٹے کا تاوان لے تو مزدوری نہیں بسبب ضائع ہو جانے کے قبل تسلیم کے اور اس پر لکڑی اور نمک کا تاوان نہیں **وللطبخ بعد الغرف** الا اذا کان لاہل بیتہ جوہرۃ والاصل فی ذلک العرف اور دیگ اور ہانڈی پکانے کی مزدوری واجب ہوتی ہے نکالنے کے بعد یعنی جب دیگ سے پیالوں اور رکابیوں میں باورچی نکال چکے تب مزدوری کا مستحق ہو مگر جب کہ پخت مستاجر کے گھر والوں کے واسطے ہو نہ اہل دعوت کے واسطے تو نکالنا لازم نہیں کذا فی الجوہرۃ اور قاعدہ کلیہ اس میں رواج ہے یعنی اگر یہ رواج ہو کہ نکالنا باورچی کے ذمہ پر ہوتا ہو تو نکالنے کے بعد مزدوری لازم ہوگی اور نہیں تو فقط پکا دینے کے بعد م زیلعی نے کہا کہ جس محل میں نص نہیں وہاں عادت کا اعتبار ہے[ف] **فان افسدہ** ای الطعام **الطباخ او احرقہ او لم ینضجہ فہو ضامن للطعام** پس اگر باورچی نے کھانا بگاڑ دیا یا جلا ڈالا یا کچا رکھا خوب نہ پکایا تو وہ کھانے کا ضامن ہے یعنی طعام کی قیمت کا اس پر تاوان لازم ہوگا ولو دخل بنار لیخبز او لیطبخ بہا فوقعت منہ شرارۃ فاحترق البیت لم یضمن للاذن ولا یضمن صاحب الدار لو احترق شیء من السکان لعدم التعدی جوہرۃ اور اگر مستاجر کے گھر میں باورچی آگ لے گیا روٹی یا ہانڈی پکانے کے واسطے اور اس میں سے ایک چنگاری گھر میں پڑی اور گھر جل گیا تو اس پر تاوان نہیں بجہت اذن صاحب خانہ اور صاحب خانہ بھی تاوان نہ دے گا اگر کچھ جل جائے رہنے والوں کا بواسطہ عدم تقصیر کے م طحطاوی نے کہا یہ مسئلہ مخصوص باجیر طبخ نہیں بلکہ کرایہ دار اور مستعیر اور مالک خانہ کو بھی شامل ہے **ولضرب اللبن بعد الاقامۃ وقالا بعد تشریجہ** ای جعل بعضہ علی بعض وبقولہما یفتی ابن کمال معزیا للعیون اور کچی اینٹ پاتھنے کی مزدوری کا مطالبہ اینٹ کھڑی کر دینے کے بعد ہے اور صاحبین نے کہا کہ تشریج کے بعد یعنی بعض کو بعض پر رکھنے اور ڈھیر لگا دینے کے بعد واجب ہوگی اور صاحبین ہی کے قول پر فتوی ہے نقل کیا ہے ابن کمال نے عیون سے وہذا اذا ضربہ فی بیت المستاجر فلو فی غیر ملکہ فلا اجر حتی یعدہ منصوبا عندہ ومشرجا عندہما زیلعی اور یہ اس وقت ہے جب کہ مستاجر کے گھر میں اینٹ پاتھی ہو اور اگر مستاجر کی غیر ملک میں اینٹ پاتھی ہو تو اجرت واجب نہیں جب تک شمار نہ کر دے کھڑی کر کے امام کے نزدیک اور ڈھیر لگا کر کے صاحبین کے نزدیک کذا فی الزیلعی م مستصفی میں تسلیم شرط کی ہے نہ شمار اور اشتراط تسلیم ہی بہتر ہے اس واسطے کہ اگر تسلیم ہو بدوں شمار کے تو اجرت ثابت ہوگی کذا فی البحر **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے الملبن علی اللبان فالتراب علی المستاجر وادخال الحمل المنزل علی الحمال لا صبہ فی الجوالق او صعودہ للغرفۃ الا بشرط اینٹ پاتھنے کا سانچا اینٹ پاتھنے والے کے ذمہ پر ہے اور مٹی اینٹ پاتھنے والے مستاجر پر اور بوجھ کا مکان کے اندر رکھنا بوجھ اٹھانے والے پر نہ اس کا ڈالنا اور بھرنا بوریوں میں یا اس کا چڑھا لے جانا چھت پر مگر شرط کر لینے سے وایکاف دابۃ للحمل علی المکاری وکذا الحبال والجوالق اور بوجھ لادنے کے واسطے پالان جانور پر باندھنا مکاری یعنی کرایہ والے پر ہے اور اسی طرح رسیاں اور گونیں مکاری پر ہیں والحبر علی الکاتب واشتراط الورق علیہ یفسدہا ظہیریۃ اور روشنائی لکھنے والے کے ذمہ پر ہے اور کاغذ شرط کرنا کاتب پر اجارہ کتابت کا مفسد ہے کذا فی الظہیریۃ **ومن کان لعملہ اثر فی العین کالصباغ والقصار حبسہا لاجل الاجر** اور جس اجیر

ف عادت معتبرست درمحلے کہ نص نباشد

کے عمل اور کام کا اثر موجود ہو جیسے چنانچہ رنگریز اور دھوبی کا تو وہ اُس چیز کو روک رکھے اور مستاجر کو نہ دے اپنی مزدوری لینے کے واسطے م دھوبی سے وہ دھوبی مراد ہے جو کپڑا دھولے نشاستہ وغیرہ کا کلپ لگا کر نہ فقط غاسل ثوب وجہ حبس یہ ہے کہ مقصود علیہ وصف ہے جو محل میں ثابت ہے تو حق حبس بدلا لینے کے واسطے ہوا جیسے بیع میں کذا فی الدرر وہل المراد بالاثر عین مملوکۃ للعامل کالنشاء والغراء او مجرد مایعاین و یری فیہ قولان اصحہما الثانی فغاسل الثوب وکاسر الفستق والحطب والطحان والخیاط والخفاف وحالق راس العبد لہم حبس العین بالاجر علی الاصح مجتبی اور آیا اثر سے کام کرنے والے کی کوئی چیز مملوک مراد ہے چنانچہ نشاستہ اور صابون[1] یا فقط وہ چیز اثر سے مراد ہے جو نظر پڑے اور دکھائی دے اس میں دو قول ہیں یعنے ایک قول یہ ہے کہ چیز مملوک عامل مراد ہے اور دوسرا قول یہ کہ جو نظر آوے خواہ عین مملوک ہو یا نہ ہو دونوں قولوں میں سے صحیح تر دوسرا قول ہے تو کپڑا دھونے والا اور پستہ توڑنے والا اور لکڑی چیرنے والا اور آٹا پیسنے والا اور درزی اور موزہ دوز اور غلام کا سر مونڈنے والا ان سب کو روک رکھنا چیز کا اجرت لینے کے واسطے جائز ہے بموجب قول اصح کذا فی المجتبی م بحر الرائق میں ہے کہ مستصفی میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ مجرد مایعاین میں حق حبس نہیں تو تصحیح مختلف ٹھہری اور یہی قول لائق ترجیح کے ہے اور صاحب ہدایہ نے غسل ثوب کو محل کے مانند ٹھہرایا ہے کذا فی الطحطاوی درر میں نہایہ عن قاضی خاں مذکور ہے کہ جب دھوبی کے عمل کا اثر نہ ہو سوائے میل چھڑانے کے اس میں اختلاف ہے صحیح تر قول یہ ہے کہ اس کو حق حبس ثابت ہے ہر حال میں اس واسطے کہ سفیدی مخفی تھی جو ظاہر ہو گئی دھوبی کے عمل سے تو گویا اس نے سپیدی ایجاد کر دی ظاہر کر دینے سے وہذا اذا کان حالا اما اذا کان الاجر مؤجلا فلا یملک حبسہا کعملہ فی بیت المستاجر بتسلیمہ حکما اور یہ یعنے حق حبس اس وقت ہے جب کہ اجرت کی مدت نہ مقرر ہوئی ہو اور اگر اجرت کی مدت معین ہو گئی ہو تو اجیر اس کے حبس کر رکھنے کا مالک نہیں جیسے مستاجر کے گھر عمل کرنے میں حبس کا اختیار نہیں بسبب تسلیم حکمی کے ویضمن بالتعدی ولو فی بیت المستاجر غایۃ اور اجیر پر تاوان لازم ہوگا تعدی سے اگرچہ تعدی مستاجر کے گھر میں واقع ہو کذا فی الغایۃ فان حبس فضاع فلا اجر ولا ضمان لعدم التعدی سو اگر اجیر نے چیز روک رکھی اور وہ تلف ہو گئی تو اُس کی مزدوری نہیں اور نہ اُس پر تاوان ہے بواسطہ عدم تعدی کے ومن لا اثر لعملہ کالحمال علی ظہرہ او دابتہ والملاح وغاسل الثوب ای لتطہیرہ لا لتحسینہ مجتبی فلیحفظ لا یحبس العین للاجرۃ اور جس اجیر کے عمل کا اثر موجود نہ ہو جیسے چنانچہ اپنی پیٹھ پر یا جانور پر بوجھ لادنے والا اور ملاح اور کپڑا دھونے والا چیز کو نہ روک رکھے مزدوری لینے کے واسطے غاسل ثوب سے وہ کپڑا دھونے والا مراد ہے جو کپڑا دھوئے اس کے طاہر کرنے کے واسطے نہ تحسین کے واسطے کذا فی المجتبی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م تحسین ثوب سے مراد سفید کرنا ہے اس واسطے کہ سفیدی مخفی تھی جو اس کے فعل سے ظاہر ہو گئی تو گویا اُس نے سفیدی کو ایجاد کیا تو محسن ثوب حبس کا مالک ہوگا نہ مطہر ثوب درر میں کہا مگر غلام گریختہ کے پکڑ لانے والے کو حق حبس ثابت ہے اگرچہ اُس کے عمل کا اثر نہیں فلو حبس ضمن ضمان الغصب ویجئ فی بابہ پس اگر اجیر مذکور حبس کرے تو غصب کا تاوان دے اور ضمان غصب آگے آوے گا غصب کے باب میں م یعنی اگر حبس میں وہ چیز تلف ہو جائے تو مثل کا تاوان دے اگر وہ چیز مثلی ہو اور قیمت کا تاوان دے اگر وہ قیمتی ہو وصاحبہا بالخیار ان شاء ضمنہ قیمتہا ای بدلہا شرعا محمولۃ ولہ الاجر وان شاء غیر محمولۃ ولا اجر جوہرۃ اور محمول چیز کا مالک مختار ہے اگر چاہے حمال سے اس کو محمول اعتبار کرکے اس کی قیمت یعنی اُس کے عوض شرعی کا تاوان لے اور حمال کی مزدوری دے اور اگر چاہے غیر محمول کا تاوان لے اور مزدوری نہ دے کذا فی الجوہرۃ م واذا شرط عملہ بنفسہ بان یقول لہ اعمل بنفسک او بیدک لا یستعمل غیرہ الا الظئر فلہا استعمال غیرہا بشرط وغیرہ خلاصۃ اور اگر مستاجر اجیر کا عمل ذاتی شرط کرے اس طرح کہ اس سے کہے کہ تو خود اپنی ذات سے یا ہاتھ سے کام کر تو اجیر اپنے سوا اور شخص سے کام نہ لے مگر دایہ کہ اس کو غیر عورت سے دودھ پلوا دینا جائز

---

[1] یہاں مصنف نے سفیدی چھوڑ دی تھی کہ کتب متداولہ میں غراء کے معنی بہم نہ پہنچے ہوں گے جیسے مترجم شامی کو نہ ملے لہذا قیاساً صابون لکھا گیا ۱۲ مترجم دوم

ہے شرط اور بلا شرط ہر طرح سے کذا فی الخلاصۃ ثم خانیہ میں ہے کہ درزی سے کہا کہ تو خود کپڑا سی دے یا دھوبی سے کہا کہ تو خود دھو دے پھر اس نے اپنے غلام یا شاگرد سے کام کروا دیا تو اجرت دینا واجب نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی **وان اطلق کان له** ای للاجیر **ان یستاجر غیرہ** افاد بالاستیجار انه لو دفع لاجنبی ضمن الاول لا الثانی وبه صرح فی الخلاصۃ اور اگر مطلق بلا قید عمل ذاتی اجارہ واقع ہوا تو اجیر کو جائز ہے کہ اپنے غیر سے مزدوری کرا دے مصنف نے استیجار کے لفظ سے اشارہ کر دیا اس کا کہ اگر اجنبی کو اجیر دے گا بلا استیجار تو اول شخص تاوان دے گا در صورت تلف ہونے کے نہ شخص ثانی اور خلاصہ میں اس کو مصرح بیان کیا ہے وقید بشرط العمل لانه لو شرطه الیوم او غدا فلم یفعل وطالبه مرارا ففرط حتی سرق لا یضمن واجاب شمس الائمۃ بالضمان کذا فی الخلاصۃ اور مصنف نے شرط عمل کی قید لگائی اس واسطے کہ اگر مستاجر نے آج یا کل کے دن کی شرط کی سو اس نے اس دن کام نہ کیا اور مستاجر نے اجیر سے چند بار مطالبہ کیا سو اس نے کوتاہی کی یہاں تک کہ وہ چیز چوری ہو گئی تو تاوان اجیر پر لازم نہ ہوگا اور شمس الائمہ نے وجوب ضمان کا جواب دیا ہے کذا فی الخلاصۃ وقوله علی ان تعم الاطلاق لاتقیید مستصفی فله ان یستاجر غیرہ اور مستاجر کا یوں کہنا کہ استیجار سے تیرے عمل پر یہ اطلاق ہے نہ قید کا لگانا کذا فی المستصفی تو اجیر کو جائز ہے کہ غیر شخص سے مزدوری کروا دے **استاجرہ لیاتی بعیاله فمات بعضهم فجاء بمن بقی فله اجرہ بحسابه** لانه اوفی بعض المعقود علیه مستاجر نے ٹھیکہ کیا کہ اجیر اُس کے اہل و عیال کو لے آوے سو اُن میں کوئی شخص مر گیا اور وہ باقی لوگوں کو لے آیا تو اُس کی مزدوری ثابت ہوگی اس کے حساب کے موافق اس واسطے کہ اس نے بعض معقود علیہ کو پورا کیا یعنی عقد اجارہ تمام عیال کے لانے پر منعقد ہوا تھا اور وہ سب کو نہ لایا تو پوری مزدوری کا مستحق نہ ہوگا پھر اگر جن کو لایا نصف عیال ہوں تو نصف اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر ثلث ہوں تو ثلث اجرت کا مستحق ہوگا وقید بقوله لو کانوا ای عیاله معلومین ای للعاقدین لیکون الاجر مقابلا بکلهم اور مصنف نے اس قول سے قید لگائی کہ اگر اُس کے اہل و عیال معلوم ہوں یعنی عاقدین اُن کو جانتے ہوں تب بقدر حساب بعض عیال بعض اجرت کا مستحق ہوگا تاکہ اجرت سب کے مقابلہ میں پڑے **والا یکونوا معلومین فکله** ای له کل الاجر ونقل ابن الکمال ان کانت المؤنۃ تقل بنقصان عددهم فبحسابه والا فکله اور اگر عیال غیر معلوم ہوں تو اجیر کے واسطے تمام اجرت واجب ہوگی اور ابن کمال نے نقل کیا یعنی امام ہندوانی سے کہ اگر لانے کی مشقت کم ہو جاتی ہو عدد عیال کے کم ہونے سے تو بقدر اُس کے حساب کے اجرت لازم ہوگی اور اگر مشقت کم نہ ہو جاتی ہو تو تمام اجرت لازم ہوگی **استاجرہ رجلا لایصال خط** ای کتاب **او زاد الی زید فان ردہ** ای المکتوب والزاد **لموته** ای زید **او غیبته لا شیء له** لانه نقضه بعودہ کالخیاط اذا خاط ثم فتق ٹھیکہ مقرر کیا ایک مرد سے خط یا توشہ پہونچا دینے کا مثلاً زید کے پاس اگر اجیر خط اور توشہ پھیر لایا زید کی موت یا غائب ہونے سے تو اس کے واسطے کچھ مزدوری نہیں اس واسطے کہ اُس نے معقود علیہ یعنی ایصال مکتوب یا زاد کو باطل کر دیا اس کے پھیر لانے سے جس طرح درزی نے جب کہ سیا پھر اُس کو ادھیڑ ڈالا مصنف کو لازم تھا کہ خط پہونچانا اور جواب لانا دونوں کو ذکر کرتا اس واسطے کہ اگر جواب لانا مذکور نہ ہوگا تو خط پھیر لانے سے تمام اجرت لازم ہوگی چنانچہ شرح مجمع میں مصرح ہے اور امام محمد کی جامع صغیر میں خط لے جانا اور جواب لانا دونوں مذکور ہیں کذا فی الطحطاوی مختصراً وفی الخانیۃ استاجر لیذهب لموضع کذا ویدعو فلانا باجر مسمی فذهب للموضع فلم یجد فلانا وجب الاجر اور خانیہ میں ہے کہ اجارہ کیا تاکہ فلانے کی طرف جائے اور فلانے شخص کو بلا لاوے معین مزدوری پر پس اجیر وہاں گیا اور اُس نے اُس شخص کو نہ پایا تو مزدوری واجب ہوگی ثم خانیہ میں تبلیغ رسالت پہونچانا پیام کا ۱۲ مذکور ہے نہ بلا لانا اور شارح نے رسالت اور بلا لانے کو یکساں قرار دیا کذا فی الطحطاوی **فان دفع الخط الی ورثته فی صورۃ الموت او من یتسلم الیه اذا حضر فی صورۃ غیبته وجب الاجر بالذهاب** وهو نصف الاجر المسمی کذا فی الدرر والغرر وتبعه المصنف ولکن تعقبه المحشون وعولوا علی لزوم کل الاجر لکن فی القهستانی عن النهایۃ انه ان شرط المجیء بالجواب فنصفه والا فکله فلیکن التوفیق پس مسئلہ ایصال مکتوب میں اگر اجیر نے خط دیا زید کے وارثوں کو در صورت موت زید کے یا اُس شخص کو دیا جو زید کو پہنچا دے جب کہ وہ آوے در صورت غائب ہونے زید کے

---

[1] یعنے او کے لانے سے جتنے کی ہو گئی ہے وہ اعتبار کرلے ۱۲

توجانے کی مزدوری واجب ہوگی اور وہ نصف اجرت معینہ ہے کذا فی الدرر والغرر اور مصنف پیرو ہوا ہے صاحب درر کا ولیکن درر پر محشیوں نے اعتراض کیا ہے اور تمام اجرت کے لازم ہونے پر اعتماد کیا ہے لیکن قہستانی میں نہایہ سے منقول ہے کہ اگر جواب لانا شرط کیا ہے تو نصف اجرت لازم ہے اور نہیں تو تمام اجرت لازم ہے تو توفیق بین القولین ہو گئی یعنی صاحب درر اور مصنف کا کلام اشتراط جواب پر محمول ہے اور محشیوں کا قول عدم اشتراط پر محمول ہے **وان وجده ولم يوصله اليه لم يجب له شئ لانتفاء المعقود عليه وهو الايصال** اور اگر اجیر نے زید کو پایا اور خط اور توشہ اس کو نہ پہونچایا تو کچھ مزدوری اس کی واجب نہ ہوگی بسبب نہ ہونے معقود علیہ کے یعنی ایصال خط پر اجارہ ہوا تھا سو پایا نہ گیا **واختلف فيما لو مزقه** اور اس میں اختلاف ہے اگر اجیر نے خط کو پھاڑ ڈالا یعنی بعضوں کے نزدیک اس میں مزدوری واجب ہے اور بعضوں کے نزدیک واجب نہیں **متولی ارض الوقف اجرها بغير اجر المثل يلزم مستاجرها** ای مستاجر ارض الوقف لا المتولی کما غلط فیه بعضهم **تمام اجر المثل علی المفتی به** کما فی البحر عن التلخیص وغیرہ متولی ارض وقف نے زمین وقف کو بغیر اجرت مثل یعنی کم تر از اجرت مثل پر اجارہ دیا تو مستاجر ارض وقف کو پوری اجرت مثل دینی لازم ہوگی بنا بر قول مفتی بہ چنانچہ بحر الرائق میں ہے تلخیص وغیرہ سے اور متولی پر اجرت مثل لازم نہ ہوگی چنانچہ بعض علما غلط سمجھے ہیں وکذا حکم وصی واب کما فی مجمع الفتاوی اور اسی طرح کا حکم ہے وصی اور باپ کا چنانچہ مجمع الفتاوی میں ہے یعنی اگر وصی یا باپ صغیر کی زمین کمتر از اجرت مثل پر اجارہ دے تو مستاجر پر پوری اجرت مثل لازم ہوگی نہ وصی اور باپ پر **ويفتی بالضمان فی غصب عقار الوقف وغصب منافعه وكذا يفتی بكل ما هو انفع للوقف فيما اختلف فيه العلماء** حتى نقضوا الاجارة عند الزيادة الفاحشة نظرا للوقف وصيانة لحق الله تعالى حاوی القدسی فتوی دیا گیا ہے غاصب کے تاوان پر زمین یا مکان وقف کے غصب کرنے میں اور منافع زمین یا مکان وقف کے غصب کرنے میں اور اسی طرح ہر ایک اس چیز کا فتوی ہے جو وقف کے واسطے نافع تر ہے جس میں عالموں کا اختلاف واقع ہوا ہو تو نقض اجارہ کا حکم کیا ہے فقہا نے زیادت فاحشہ کے نزدیک بلحاظ وقف کے اور حق اللہ کی محافظت کے واسطے کذا فی حاوی القدسی م زیادت فاحشہ سے مراد فی نفسہ اجر مثل کا زیادہ ہو جانا ہے بلا تعنت چنانچہ عنقریب فروع میں مذکور ہوگا **مات الآجر وعليه ديون** حتى فسخ العقد بعد تعجيل البدل **فالمستاجر** ولو عين فی يده ولو بعقد فاسد اشباه **احق بالمستاجر من غرمائه حتى** يستوفی الاجرة المعجلة مرگیا مالک اجارہ کا دینے والا اور اس پر لوگوں کے دین ہیں تا اینکہ عقد اجارہ فسخ ہو گیا بدل اجارہ کی تعجیل کے بعد تو مستاجر زیادہ تر حقدار ہے اجارہ کی چیز کا اس کے قرض خواہوں سے تا اینکہ مستاجر پیشگی اجرت کو حاصل کرے بشرطیکہ اجارہ کی چیز مستاجر کے قبضہ میں ہو اگرچہ بعقد فاسد اس کے تصرف میں ہو کذا فی الاشباہ م یعنی جب کہ موجر مر گیا اور اس پر غیر مستاجر کے دیون ہیں پھر اجارہ کی چیز بیچی گئی تو مستاجر احق بالثمن ہے باقی قرض خواہوں سے کذا فی الطحطاوی یعنی پہلے مستاجر اس کے ثمن سے اپنی پیشگی دی ہوئی اجرت لے گا بعد اس کے اگر کچھ ثمن باقی رہے گا تو اور قرض خواہ پاویں گے **الا انه لا يسقط الدين بهلاكه** ای بهلاك هذا المستاجر لانه ليس برهن من كل وجه مگر یہ کہ دین مستاجر کا ساقط نہ ہوگا اس اجارہ کی چیز کے ہلاک ہو جانے سے اس واسطے کہ یہ چیز ہر وجہ سے رہن نہیں جو مسقط دین ہو **بخلاف الرهن** فانه مضمون بالاقل من قيمته ومن الدين كما سيجئ فی بابه مجمع الفتاوی بخلاف مرہون کے ہلاک ہو جانے کے اس واسطے کہ مرہون کی ہلاکی میں مرتہن پر تاوان ہے کمتر کا مرہون کی قیمت سے اور دین سے چنانچہ باب الرہن میں آوے گا کذا فی مجمع الفتاوی م قولہ بالاقل من قيمته ومن الدين بترکیب فاسد ہے اس واسطے کہ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو چیز قیمت اور دین سے کمتر ہو وہ تاوان ہوا اور حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ قیمت اور دین دیکھا جائے سو دونوں میں سے جو اقل ہو وہ تاوان واقع ہو تو ترکیب صواب یوں ہے بالاقل من قيمته ومن الدين تو اس صورت میں من بیانیہ ہوگا نہ تفضیلیہ کذا فی الطحطاوی **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے الزيادة فی الاجرة من المستاجر تصح فی المدة وبعدها زیادہ کر دینا اجرت کا مستاجر کی جانب سے صحیح ہے اجارہ کی مدت میں اور بعد مدت کے م طحطاوی نے کہا صحت زیادت بعد مدت اشباہ[عہ] اور منح الغفار کے مخالف ہے واما الزيادة على المستاجر فان

[عہ] فی الاشباه الزيادة فی الاجرة من المستاجر من غير ان يزيد عليه احد فان بعد مضی المدة لا يصح والحط والزيادة فی الاجارة جائزان كذا فی الطحطاوی منه ۱۲

فی الملک ولو لیتیم لم تقبل کما لو رخصت اور مستاجر پر اجرت کا زیادہ ہو جانا اگر زیادتی آدمی کی ملک میں ہے اگرچہ یتیم کی ملک ہو تو مقبول نہیں جیسے اگر اجرت ارزاں ہو جائے تو معتبر نہیں م یعنی بعد اجرت معین ہو چکنے کی اجرت کا نرخ گراں ہو گیا یا ارزاں تو غیر وقف میں اس کا اعتبار نہیں مستاجر پر فقط اجرت معینہ لازم ہوگی وان فی الوقف فان الاجارۃ فاسدۃ اجرہا الناظر بلا عرض علی الاول لکن الاصح صحتہا باجر المثل ولو ادعی رجل انہا بغبن فاحش اور اگر زیادت مذکورہ وقف میں ہو تو اگر اجارہ فاسدہ ہو تو وقف کا ناظر اس کو دوسرے مستاجر کو اجارہ دے بدوں پوچھنے مستاجر اول کے لیکن قول اصح صحت اجارہ مذکورہ سے بعوض اجرت مثل کے اگرچہ مرد دعوی کرے کہ اجارہ غبن فاحش کے ساتھ ہوا م اشباہ میں لکن الاصح کے مقام پر لکن الاصل وقوعہا صحیحۃ باجر المثل واقع ہے فان اخبر القاضی ذو خبرۃ انہا کذلک فسخہا پھر اگر قاضی کو ہوشیار واقف خبر کرے کہ اجارہ اسی طرح بموجب ادعاے مدعی غبن فاحش کے ساتھ تھا تو قاضی اجارہ کو فسخ کر ڈالے م شارح کو یوں کہنا خوب واضح تر تھا کہ اگر مرد دعوی کرے کہ اجارہ بغبن فاحش تھا تو صحت اجارہ باجر مثل اصل ہے مگر جب کہ قاضی کو خبردار شخص خبر کرے یعنی بمجرد دعوی مذکورہ عدم صحت کا قاضی حکم نہ کرے بلحاظ اصل مذکور بلکہ اہل بصیرت اور صاحب امانت کے قول کی طرف رجوع کرے وتقبل الزیادۃ وان شہدوا وقت العقد انہا باجر المثل اور زیادت مقبول ہوگی اگرچہ گواہوں نے گواہی دی ہو وقت عقد کے کہ اجارہ باجرت مثل ہوا والا فان کانت اضرارا وتعنتا لم تقبل اور اگر قاضی کو خبردار شخص خبر نہ کرے کہ اجارہ بغبن فاحش ہوا تھا تو اگر زیادت مستاجر کی ضرر رسانی اور تذلیل کے واسطے ہو تو مقبول نہ ہوگی م اضرار و تذلیل کی زیادت وہ ہے جس کو قبول نہ کرے مگر ایک شخص یا دو شخص ینابیع میں ہے کہ کسی شخص نے اجارہ کی اجرت زیادہ کی تو اس کی طرف التفات نہ ہوگا شاید کہ وہ شخص متعنت اور ضرر رساں ہو کذا فی الطحطاوی وان کانت الزیادۃ اجر المثل فالمختار قبولہا فیفسخہا المتولی فان امتنع فالقاضی ثم یوجرہا ممن زاد اور اگر زیادت اجر مثل ہو تو اس کو قبول کر لینا قول مختار ہے تو متولی اجارہ فسخ کر ڈالے سو اگر وہ فسخ نہ کرے تو قاضی فسخ کرے پھر اس کو اجارہ دے اس شخص سے جو زیادہ اجرت دے م زیادت اجر مثل ہو مراد اس سے یہ ہے کہ فی نفسہا اجرت زیادہ ہو جائے سب شخصوں کے نزدیک بسبب گراں ہو جانے نرخ کے اور اگر اجرت زیادہ ہو جائے لوگوں کی رغبت کے سبب سے کسی چیز کے اجارہ لینے میں تو ایسی زیادتی زیادتی اجرت مثل نہیں کذا فی الطحطاوی عن شرح المجمع للعینی فان کانت دارا او حانوتا او ارضا فارغۃ عرضہا علی المستاجر فان قبلہا فہو احق بہا ولزمہ الزیادۃ من وقت قبولہا فقط پھر اگر اجارہ کی چیز گھر ہو یا دکان یا خالی زمین ہو تو اس کو مستاجر اول پر پیش کرے سو اگر مستاجر زیادت مذکورہ کو قبول کرے تو وہی اس کا زیادہ ترحقدار ہے اور اس پر زیادت لازم ہوگی قبول کر لینے کے وقت سے فقط یعنی زمانہ قبول کے پہلے اجرت معینہ سابقہ لازم ہوگی اور بعد قبول کے زیادت مذکورہ لازم ہوگی وان انکر زیادۃ اجر المثل وادعی انہا اضرار فلا بد من البرہان علیہ اور اگر مستاجر اجرت مثل کی زیادہ ہونے کا انکار کرے اور دعوی کرے کہ زیادت ضرر رسانی ہے تو ضرور ہے اس پر گواہ قائم کرنا یعنی زیادت کا مدعی گواہ لاوے منکر پر وان لم یقبلہا آجرہا المتولی اور اگر مستاجر زیادت کو قبول نہ کرے تو متولی دوسرے شخص کو اجارہ دے م طحطاوی نے کہا بہتر یہ تھا کہ اس قول کو شارح انکار زیادت پر مقدم کرتا وان کانت مزروعۃ لم تصح اجارتہا لغیر صاحب الزرع لکن تضم الیہ الزیادۃ من وقتہا اور اگر زمین وقف مزروع ہو تو اس کا اجارہ دینا سوائے کاشتکار کے جائز نہیں لیکن اجرت سابقہ سے زیادۃ ملائی جائے مستاجر پر زیادہ ہونے کے وقت سے وان کان بنی او غرس فان کان استاجرہا مشاہرۃ فانہا توجر لغیرہ اذا فرغ الشہران لم یقبلہا لانعقادہا عند راس کل شہر اور اگر مستاجر نے زمین میں عمارت بنائی ہو یا درخت لگائے ہوں تو اگر ماہواری اجارہ لیا ہو تو زمین غیر مستاجر کو اجارہ دی جائے جب کہ مہینہ ہو چکے اگر مستاجر زیادت کو قبول نہ کرے بسبب منعقد ہونے اجارہ ماہواری کے ہر مہینے کے سرے پر م محیط میں ہے کہ غیر کو اس صورت میں اجارہ دیا جائے جب کہ رفع عمارت کے بعد اجرت زیادہ ہو جائے اور اگر بعد دور ہو جانے عمارت کے اجرت سابقہ سے زیادتی نہ ہو تو اسے اجرت سابقہ کے ساتھ مستاجر کے پاس باقی رکھی جائے کذا فی الطحطاوی والبناء یتملکہ الناظر بقیمتہ مستحق القلع للوقف اور عمارت کا ناظر مالک ہوگا وقف کے واسطے عمارت مستحق القلع کی قیمت دے کر او یصبر حتی یتخلص بناؤہ یا مستاجر صبر کرے یہاں تک کہ اس کی عمارت خلاصی پا لے یعنی انہدام کے بعد اپنی اینٹ اور لکڑی پر تصرف کرے وان کانت المدۃ باقیۃ لم توجر لغیرہ وانما تضم

علیہ الزیادۃ کالزیادۃ و بما زرع اور اگر اجارہ کی مدت باقی ہو تو غیر مستاجر کو زمین کا اجارہ نہ دیا جائے اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ مستاجر پر اجرت مثل کی زیادت ملائی جائے جیسے زراعت والی زمین کی زیادتی مستاجر پر لاحق کی جاتی ہے واما اذا زاد اجر المثل فی نفسہ من غیر ان یزید احد فللمتولی فسخہا وعلیہ الفتوی اور جب کہ اجر مثل فی نفسہ زیادہ ہو جائے بدوں اس کے کہ کوئی شخص بڑھا دے تو متولی کو فسخ اجارہ کا اختیار ہے اور اسی پر فتوی ہے ومالم یفسخ کان علی المستاجر المسمی اشباہ معزیا للصغری اور جب متولی اجارہ کو فسخ نہ کرے گا تو مستاجر پر اجرت معینہ واجب ہوگی چنانچہ اشباہ میں فتاوی صغری سے منقول ہے قلت وظاہر قولہ والبناء تملکہ الناظر الخ انہ تملکہ لجہۃ الوقف قہرا علی صاحبہ وہذا والارض تنقص بالقلع والا شرط رضاہ کما فی عامۃ الشروح متنا البحر والمنح فیعول علیہا لانہا الموضوعۃ لنقل المذہب بخلاف نقول الفتاوی میں کہتا ہوں اور اس کا یہ قول والبناء تملکہ الناظر الی آخرہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ناظر عمارت کا مالک ہو جاتا ہے بجہت وقف کے صاحب عمارت پر جبر اور زبردستی کر کے اور یعنی زبردستی سے مالک ہونا ناظر کا اس صورت میں ہے کہ زمین ناقص ہو جائے عمارت کے کھودنے سے اور اگر ناقص نہ ہو تو قیمت دے کر مالک ہونے میں صاحب عمارت کی رضامندی شرط ہے چنانچہ اکثر شروح میں مصرح ہے از آں جملہ بحر الرائق اور منح الغفار ہے تو شروح کی روایت پر اعتماد کیا جائے اس واسطے کہ نقل مذہب کے واسطے شروح ہی موضوع اور مقرر ہیں برخلاف نقول فتاوی یعنی اگر فتاوی کی نقول شروح کے مخالف ہوں تو اعتماد کے لائق نہیں ہیں منجملہ فتاوی مذکورہ فتاوی مؤید زادہ ہے جس کی عبارت شارح اس کے بعد ذکر کرے گا اور تجنیس اور خانیہ سے اُن میں منقول ہے کہ متولی عمارت کا زبردستی مالک نہ ہو جائے گا کذا فی الطحطاوی مختصراً وفی فتاوی مؤید زادہ من الوقف معزیا للفصولین حانوت وقف بنی فیہ ساکنہ بلا اذن متولیہ ان لم یضر رفعہ رفعہ وان ضر فہو المضیع مالہ فلیتربص الی ان یتخلص مالہ من تحت البناء ثم یاخذہ اور مؤید زادہ کے فتاوی میں ہے کتاب الوقف سے منسوب بفصولین کہ ایک دکان ہے وقف کی جس میں اس کے رہنے والے نے کچھ عمارت بنائی بلا اذن متولی وقف کے اگر عمارت کا کھودنا مضر نہ کرے تو اس کو کھود ڈالے اور اگر ضرر کرتا ہو تو بنانے والا خود ضائع کرنے والا ہے اپنے مال کا تو چاہیے کہ یہاں تک انتظار کرے کہ اس کا مال تحت عمارت سے خلاص ہو پھر اس کو لے ولا یکون بناؤہ مانعا من صحۃ الاجارۃ لغیرہ اذ لا ید لہ علی ذلک البناء حیث لا یملک رفعہ اور عمارت اُس شخص کی غیر شخص کے اجارہ دینے کی مانع نہ ہوگی اس واسطے کہ اس کا قبضہ نہیں اس عمارت پر اس واسطے کہ وہ اس کو منہدم نہیں کر سکتا ولو اصطلحوا ان یجعلوا ذلک للوقف بثمن لا یجاوز اقل القیمتین منہدما ومبنیا فیہ صح۔ اور اگر اس پر اتفاق کریں کہ اس عمارت کو وقف کے تحت میں کر دیں بعوض اس ثمن کے جو اقل القیمتین سے تجاوز نہ کرے یعنی منہدم عمارت کی قیمت اور تیار عمارت کی قیمت میں سے جس کی قیمت کمتر ہو اس سے اُس کا ثمن زیادہ نہ ہو تو یہ صحیح ہے ولو لحق الآجر دین رفع الامر الی قاض لیفسخ العقد ولیس للآجر ان یفسخ بنفسہ وعلیہ الفتوی اور اگر موجر کو دین لاحق ہو تو قاضی سے نالش کرے تاکہ قاضی عقد اجارہ کو فسخ کر دے اور اجارہ دینے والے کو جائز نہیں کہ خود اجارہ کو فسخ کرے اور اسی پر فتوی ہے م یہ اُس صورت میں ہے جب کہ ادائے دین کا طریقہ باقی نہ رہے تب قاضی سے فسخ اجارہ کرا کے اُس چیز کو بیچ کر دین ادا کرے ویجوز بمثل الاجر او باکثر او باقل مما یتغابن فیہ الناس لا بما لا یتغابن فتکون فاسدۃ فیؤجرہ اجارۃ صحیحۃ اما من الاول او من غیرہ باجر المثل او بزیادۃ بقدر ما یرضی بہ المستاجر انتہی اور اجارہ جائز ہے اجرت مثل سے یا زیادہ تر اجرت مثل سے یا کمتر اجرت مثل سے اس قدر اکثر یا اقل ہو جس قدر میں لوگوں کو تغابن ہوتا ہو نہ اس قدر میں جس میں تغابن واقع نہیں ہوتا تو اب اجارہ فاسد ہو جائے گا تو موجر اس کا اجارہ صحیحہ منعقد کرے خواہ مستاجر اول سے یا اس کے سوا اور شخص سے اجرت مثل مقرر کرے یا زیادہ اجرت مثل سے جس قدر سے کہ مستاجر راضی ہو انتہی مافی فتاوی مؤید زادہ وفی فتاوی الحانوتی بینۃ الاثبات مقدمۃ وہی التی شہدت بان الاجرۃ اولا اجرۃ المثل وقد اتصل بہا القضاء فلا تنقض قال وبہ اجاب بقیۃ اہل المذاہب فلیحفظ اور فتاوی حانوتی میں ہے کہ اثبات کے گواہ مقدم ہیں اور گواہ اثبات وہ ہیں جو یہ گواہی دیں کہ اجرت پہلی اجرت مثل ہی تھی اور گواہی سے قاضی کا حکم بھی متصل ہو گیا تو اجارہ منقوض نہ ہوگا حانوتی نے کہا اور یہی جواب دیا ہے بقیہ اہل مذاہب نے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م حانوتی کی عبارت یہ ہے کہ نور الدین علی طرابلسی سے یہ سوال ہوا کہ حاکم نے صحت اجارہ وقف کا اور اس کا کہ اجرت پہلی اجرت مثل تھی حکم کیا بعد اس گواہی کے کہ اجرت مثل تھی پھر اور گواہوں نے گواہی دی کہ اجرت کمتر تھی اجرت مثل سے تو عمل بطلان اجارہ پر ہوگا یا نہیں جواب دیا کہ گواہی اثبات کی مقدم ہے اور حکم حاکم بھی اُس سے متصل ہو گا تو اجارہ منقوض نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی ++

باب ما یجوز من الاجارة وما یکون خلافا فیہا ای فی الاجارة

یہ باب ہے اس اجارہ کا جو جائز ہے اور جس اجارہ میں اختلاف ہے

م طحطاوی نے کہا یوں کہنا واضح تر تھا باب مایجوز من الافعال فی الاجارة یہ باب ہے ان افعال کا جو اجارہ میں جائز ہیں **تصح اجارة حانوت ای دکان ودار بلا بیان مایعمل فیہما** لصرفہ للمتعارف صحیح ہے اجارہ حانوت یعنی دکان کا اور گھر کا بلا بیان اس فعل کے جو ان میں کیا جائے بسبب پھرنے فعل اور عمل کے متعارف اور مروج کی طرف م بحر الرائق میں کہا اس واسطے کہ عمل متعارف اس میں سکونت ہے تو وہی مراد ہوگی اور سکونت متفاوت چیز نہیں **وبلا بیان من یسکنہا** فلہ ان یسکنہا غیرہ باجارة وغیرہا کما یجئ اور اجارہ صحیح ہے بدون اس بیان کے کہ گھر میں کون شخص رہے گا تو مستاجر کو جائز ہے کہ غیر شخص کو رکھے باجارہ یا بغیر اجارہ چنانچہ آگے مذکور ہوگا م غیر کا رکھنا جائز ہے اگرچہ فقط مستاجر کا رہنا شرط ہو گیا ہو کذا فی الطحطاوی **ولہ ان یعمل فیہما** ای الحانوت والدار **کل ما اراد فیتد ویربط دوابہ** ویکسر حطبہ ویستنجی بجدارہ ویتخذ بالوعة ان لم تضر ویطحن برحی الید وان ضر یمنع قنیہ اور مستاجر کو جائز ہے کہ دکان اور گھر میں جو چاہے سو کام کرے تو میخ گاڑے اور اپنے جانور ان میں باندھے اور لکڑیاں توڑے اور اس کی دیوار سے استنجا کرے اور نجاست کا چہ بچہ بنا دے اگر ضرر نہ ہو اور ہاتھ کی چکی سے آٹا پیسے اگرچہ گھر کو ضرر ہو اسی طرح منتقی ہے کذا فی القنیہ م جانور باندھنا اس وقت جائز ہے جب کہ جانوروں کے واسطے کوئی مکان گھر میں مقرر ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو گھر کو اصطبل نہ بنا دے اور چکی کے مسئلہ میں شارح تابع ہوا مصنف کی شرح کا اور مصنف اپنے استاد صاحب بحر کا پیرو ہے حالانکہ بحر الرائق میں خلاصہ کی نقل عبارت سے وہ لفظ ساقط ہو گیا ہے جس سے حکم نکلتا ہے یعنی منع کا وعبارة الخلاصة کما فی المنح ولا یمنع من رحی الید وان کان یضر یمنع علیہ الفتوی یعنی ہاتھ کی چکی منع نہیں اور اگر ضرر ہوتا ہو تو منع ہے اور اسی پر فتوی ہے حموی نے کہا الحاصل کہ جو فعل کہ عمارت کو سست اور کمزور کر ڈالے وہ مطلق عقد سے مستحق نہیں مگر یہ کہ اس کی شرط ہو گئی ہو یا مالک اس فعل سے راضی ہو جائے اور جو فعل کمزور نہ کرے وہ مطلق عقد سے مستحق ہے کذا فی الطحطاوی **غیر انہ لا یسکن** بالبناء للفاعل او المفعول **حدادا او قصارا او طحانا من غیر رضی المالک او اشتراطہ** ذلک فی عقد الاجارة لانہ یوہن البناء فیتوقف علی الرضا کرایہ دار کو ہر عمل گھر میں درست ہے سوائے اس کے کہ گھر میں لوہار یا دھوبی یا چکی پیسنے والے کو نہ رکھے بدون رضامندی مالک کے یا اس کی شرط ہو جانے سے عقد اجارہ میں اس واسطے کہ لوہار وغیرہ کا رہنا عمارت کو کمزور کر ڈالتا ہے تو مالک خانہ کی رضامندی پر موقوف ہوگا شارح نے کہا یسکن معروف یا مجہول کا صیغہ ہے م شارح کو یوں کہنا مناسب تھا کہ یسکن ثلاثی مجرد یا ثلاثی مزید فیہ کا صیغہ ہے چنانچہ منح الغفار میں ہے تو پہلی صورت میں حدادا کا منصوب ہونا باعتبار حال ہونے کے ہے اور دوسری صورت میں باعتبار مفعول ہونے کے **ولو اختلفا فی الاشتراط فالقول للموجر** کما لو انکر اصل العقد اور اگر مستاجر اور موجر مشروط ہونے میں مختلف ہوں تو موجر کا قول مقبول ہے چنانچہ اگر موجر اصل عقد اجارہ کا منکر ہو تو اسی کا قول مقبول ہوگا **وان اقاما البینة** فالبینة بینة المستاجر لاثباتہا الزیادة خلاصہ اور اگر دونوں گواہ لاویں تو مقبول گواہ مستاجر کے گواہ ہیں بواسطہ اثبات زیادت کذا فی الخلاصة وفیہا استاجرہ للقصارة فلہ الحدادة ان اتحد ضررہما اور خلاصہ میں ہے کہ گھر اجارہ لیا گاذری کے واسطے تو اس کو اس میں آہنگری درست ہے اگر گاذری اور آہنگری کا ضرر یکساں ہو **ولو فعل مالیس لہ لزمہ الاجر وان انہدم بہ البناء ضمنہ ولا اجر** لانہما لا یجتمعان اور اگر مستاجر وہ کام کرے جو اس کو درست نہیں ہے تو اس پر کرایہ دینا لازم ہوگا اور اگر اس کام سے عمارت منہدم ہو جائے تو اس کا تاوان دے اور اس صورت میں کرایہ نہیں ہے اس واسطے کہ تاوان اور کرایہ باہم جمع نہیں ہوتے **ولہ السکنی بنفسہ واسکان غیرہ باجارة وغیرہا** وکذا کل ما لا یختلف بالمستعمل یبطل فیہ التقیید لانہ غیر مفید اور مستاجر کو جائز ہے آپ رہنا اور غیر کو رکھنا کرایہ سے کر اور بدون کرایہ کے اور اسی طرح جو عمل کہ مختلف اور متفاوت نہیں ہوتا استعمال کرنے والے کے اختلاف سے اس میں استعمال کرنے والے کی قید لگانا باطل ہے اس واسطے تقیید مذکور مفید نہیں یعنی بسبب عدم تفاوت کے بخلاف ما یختلف بہ کالرکو برخلاف اس عمل کے جو متفاوت ہو جاتا ہے استعمال کرنے والے کے اختلاف سے چنانچہ آگے مذکور ہوگا م چنانچہ رکوب اور کپڑا پہننا کہ ان میں تفاوت برا

باعتبار اختلاف مستعمل کے تو تاوان لازم ہوگا درصورت مخالفت شرط کے **ولو آجر باکثر تصدق بالفضل** اور اگر مستاجر دوسرے شخص کو اجارہ دے اکثر اجرت مقرر کرکے تو زیادتی خیرات کرے م یعنی اگر چار روپیہ کو خود اجارہ لیا اور دوسرے شخص کو پانچ روپیہ پر کرایہ دیا تو ایک روپیہ خیرات کرے اپنے صرف میں نہ لاوے **الا فی مسئلتین اذا آجرہا بخلاف الجنس او اصلح فیہا شیئا** مگر دو صورت میں مستاجر کو زیادہ کرایہ لینا درست ہے جب کہ گھر کو کرایہ دے مخالف جنس پر یا گھر میں کچھ درستی کر دی ہو م خلاف جنس یہ کہ روپیوں کا کرایہ دیتا ہو اور اشرفی یا پیسوں یا اناج کا کرایہ لیتا ہو اور اصلاح اور درستی کی صورت یہ کہ مثلاً گھر میں چونہ کاری کر دے یا چھت پردے لگا دے محشی نے کہا جھاڑو دینا اصلاح میں داخل نہیں **ولو آجرہا المؤجر لا تصح وتنفسخ الاجارۃ فی الاصح بحر معزیا للجوہرۃ وسیجی تصحیح خلافہ فتنبہ** اور اگر مستاجر نے گھر کرایہ دیا خود مالک موجر کو تو اجارہ صحیح نہیں اور اجارہ فسخ ہوگا قول اصح میں چنانچہ بحر الرائق میں جوہرہ سے منقول ہے اور آگے اس کے مخالف قول کی تصحیح آوے گی تو خبردار رہو یعنی متفرقات اجارہ میں عدم فسخ کو شارح وہبانیہ وغیرہ سے نقل کرے گا **وتصح اجارۃ ارض للزراعۃ مع بیان ما یزرع فیہا او قال علی ان ازرع فیہا ما اشاء کیلا تقع المنازعۃ والا فہی فاسدۃ للجہالۃ وتنقلب صحیحۃ بزرعہا ویجب المسمی** اور صحیح ہے اجارہ زمین کا زراعت کے واسطے اس بیان کے ساتھ کہ کون چیز اس میں بوئی جاوے گی یا مستاجر یوں کہے کہ اجارہ لیتا ہوں اس شرط پر کہ زمین میں زراعت کروں گا جو چیز کہ چاہوں گا بیان مزروع یا عموم مزروع اس واسطے شرط ہوا تاکہ آیندہ جھگڑا نہ ہو اور اگر بیان مزروع یا عموم مزروع نہ ہو تو اجارہ فاسد ہے اور اجارہ فاسدہ پلٹ کر صحیح ہو جائے گا اس کی زراعت کرنے سے اور اجرت معینہ واجب ہوگی م چونکہ مزروع باعتبار نفع اور ضرر کے متفاوت ہوتا ہے تو نوع زرع کے واسطے بیان کرنا ضروری ہوا اور نزاع دفع ہو جاتا ہے مستاجر کو اختیار دینے سے اور درصورت عدم بیان زراعت کرنے سے اس واسطے اجارہ صحیح ہو گیا کہ معقود دا استعمال سے معلوم ہو گیا اور فساد تھا بسبب نادانستگی مزروع کے تو جب کہ جہالت دفع ہوگئی زراعت کرنے سے تو گویا جہالت اول ہی سے نہ تھی **وللمستاجر الشرب والطریق** اور زمین کے اجارہ میں پانی لینے کی باری اور راہ مستاجر کے واسطے ثابت ہے م اجارہ میں پانی کی باری اور راہ بدون شرط کے بھی داخل ہے اور زمین کی خرید میں بلا ذکر حقوق وغیرہا داخل نہیں اس واسطے کہ اجارہ ہوتا ہے انتفاع کے واسطے اور بدون دونوں چیزوں کے زمین سے فائدہ لینا نہیں ہو سکتا اور بیع سے مقصود ملک رقبہ ہے نہ انتفاع عین زمین سے ولہذا شور زمین کی بیع جائز ہے اور اس کا اجارہ زراعت کے واسطے جائز نہیں کذا فی الطحطاوی **ویزرع زرعین ربیعا وخریفا** اور مستاجر دو بار زراعت کرے ربیع اور خریف میں م یہ اس صورت میں ہے جب کہ سال بھر کا اجارہ ہو کما ہو مصرح فی القنیۃ **ولو لم یمکنہ الزراعۃ للحال لاحتیاجہا لسقی او کری ان امکنہ الزراعۃ فی مدۃ العقد جاز والا لا وتمامہ فی القنیۃ** اور اگر مستاجر کو فی الحال زراعت ممکن نہ ہو سینچنے کی حاجت سے یا نہر کے صاف کرنے سے تو اگر زراعت ممکن ہو عقد اجارہ کی مدت میں تو اجارہ جائز ہے اور اگر اس قدر مدت میں ممکن نہ ہو تو اجارہ جائز نہیں اور پورا اس کا بیان قنیہ میں ہے **آجرہا وہی مشغولۃ بزرع غیرہ ان کان الزرع بحق لا تجوز الاجارۃ لکن لو حصدہ وسلمہا انقلبت جائزۃ** زمین اجارہ دی ایک مستاجر کو اور حالانکہ وہ زمین غیر شخص کی زراعت سے مشغول ہے تو اگر زراعت از راہ حق ہو یعنی مزارع نے بطریق اجارہ یا عاریت کے زراعت کی ہو تو اجارہ جائز نہیں لیکن اگر کھیت کاٹے اور زمین مستاجر کو تسلیم کرے تو اجارہ بدل کر جائز ہو جائے گا **ما لم یستحصد الزرع فیجوز ویؤمر بالحصاد والتسلیم** بہ یفتی بزازیہ زراعت والی زمین کا اجارہ جائز نہیں جب تک کھیت نہ کٹے تو اب جائز ہوگا اور کھیت کاٹنے اور تسلیم کا امر ہوگا اسی کا فتوی ہے کذا فی البزازیۃ **الا ان یؤجرہا مضافۃ الی المستقبل فتجوز مطلقا** مگر جب کہ زراعت والی زمین کو زمان مستقبل کی طرف منسوب کرکے اجارہ دے تو مطلقا اجارہ جائز ہے خواہ زراعت واجبی ہو یا غیر واجبی م بشرطیکہ زمین زراعت سے خالی ہو جائے مدت مستقبلہ مذکورہ تک کذا فی الطحطاوی **وان کان الزرع بغیر حق صحت لامکان التسلیم بجبرہ علی قلعہ ادرک او لا** فتاوی قاری الہدایۃ اور اگر زراعت غیر واجبی ہو یعنی بطور غصب کے ہو تو زراعت والی زمین کا اجارہ صحیح ہے بسبب ممکن ہونے تسلیم کی زبردستی کھیت اکھاڑ کر خواہ زراعت پختہ ہو یا خام کذا فی فتاوی قاری الہدایۃ وفی الوہبانیۃ **تصح اجارۃ الدار المشغولۃ** یعنی **ویؤمر بالتفریغ وابتدا**

المدة من حین تسلیمها اور رہبانیہ میں ہے کہ دار مشغولہ یعنی جس گھر میں موجر وغیرہ کا اسباب ہو تو اس کا اجارہ جائز ہے یعنی اور موجر کا حکم ہوگا اس کے خالی کر دینے کا اور ابتداء مدت اجارہ اس کی تسلیم کے وقت سے ہوگی وفی الاشباہ استاجر مشغولا وفارغا صح فی الفارغ فقط وسیجیٔ فی المتفرقات اور اشباہ میں ہے کہ بھری اور خالی چیز کو اجارہ لیا تو فقط خالی چیز میں اجارہ صحیح ہوگا اور اس کا ذکر باب المتفرقات میں آگے آوے گا **وتصح اجارۃ ارض للبناء والغرس** وسائر الانتفاعات کطبخ آجر وخزف ومقیلا ومراحا حتی تلزم الاجرۃ بالتسلیم امکن زرعها ام لا بحر اور صحیح ہے اجارہ زمین کا مکان بنانے اور درخت لگانے کے واسطے اور باقی فوائد کے واسطے چنانچہ پختہ اینٹ اور مٹی کے برتن وغیرہ کے پکانے کے واسطے اور جانوروں کے رہنے کے واسطے نصف روز اور رات کے وقت تو تسلیم سے اجرت لازم ہوگی خواہ اس زمین کی زراعت ممکن ہو یا نہ ہو کذا فی البحر یہ اجارہ زراعت کے واسطے نہیں ہے تا عدم امکان زراعت سے اجارہ فسخ ہو کذا البحر **فان مضت المدة قلعهما وسلمها فارغة** لعدم نهایتهما سو اگر اجارہ کی مدت گذر جائے تو مستاجر مکان اور درخت کو کھود دے اور زمین خالی موجر کو تسلیم کرے بسبب نہ ہونے دونوں کی نہایت کے مم حمدی نے کہا اور بعد کھودنے کے زمین کا برابر کر دینا مستاجر کے ذمہ پر ہے اس واسطے کہ اسی نے زمین کو خراب کر ڈالا **الا ان یغرم له المؤجر قیمته** ای البناء والغرس مقلوعا بان تقوم الارض بهما وبدونهما فیضمن ما بینهما اختیار مستاجر کو زمین خالی کر دینا لازم ہے مگر جب کہ موجر مستاجر کو کھدے مکان یا درخت کی قیمت کا تاوان دے اس طرح پر کہ زمین کی قیمت مکان اور درخت کے ساتھ اور بدون مکان اور درخت فقط خالی زمین کی قیمت ٹھہرائی جائے تو موجر تاوان دے مابین قیمتین کا کذا فی الاختیار **ویتملکه** بالنصب عطف علی یغرم لان فیه نظرا لهما اور قیمت دے کر موجر مکان و درخت کا مالک ہو اس واسطے کہ اس میں مستاجر اور موجر دونوں کے واسطے رعایت منظور ہے شارح نے کہا یتملکہ کا لفظ منصوب یغرم پر عطف ہے قال فی البحر وهذا الاستثناء من لزوم القلع علی المستاجر فافاد انه لا یلزمه القلع لو رضی المؤجر بدفع القیمة لکن ان کانت تنقص تیملکها جبرا علی المستاجر والا فبرضاه بحر الرائق میں کہا اور یہ استثنا یعنی الا ان یغرم کا استثنا لزوم قلع علی المستاجر سے ہے تو مصنف نے فائدہ بتایا استثنا سے کہ مکان کا کھودنا مستاجر پر لازم نہیں اگر موجر قیمت مکان کی دے لیکن اگر زمین ناقص ہو جاتی ہو کھودنے سے تو مستاجر پر جبر کر کے زمین کا مالک ہو اور اگر ناقص نہ ہوتی ہو تو اس کی رضامندی سے مالک ہو یعنی بعد ادائے قیمت **او یرضی المؤجر** عطف علی یغرم **بترکه** ای البناء والغرس **فیکون البناء والغرس لهذا والارض لهذا** یا کہ موجر مکان یا درخت کے باقی رکھنے پر راضی ہو تو مکان اور درخت اس کا ہوگا یعنی مستاجر کا اور زمین اس کی یعنی موجر کی شارح نے کہا یرضی عطف ہے یغرم پر وهذا الترک ان بأجر فاجارة والا فاعارة فلهما ان یؤجراها لثالث ویقتسما الاجر علی قیمة الارض بلا بناء وعلی قیمة البناء بلا ارض فیأخذ کل حصته مجتبی اور یہ ترک قلع یعنی مکان اور درخت کا نہ کھودنے دینا موجر کا اگر بعوض اجرت کے ہو تو یہ اجارہ ہے والا اگر بلا اجرت ہو تو عاریت ہے تو مستاجر اور موجر دونوں کا اجارہ دینا تیسرے شخص کو جائز ہے اور وہ دونوں شخص اجرت کو زمین کی قیمت پر بدون مکان کے اور مکان کی قیمت پر بدون زمین کی قسمت کریں پھر ہر شخص اپنا حصہ لے کذا فی المجتبی مثلاً اگر زمین کی قیمت دو سو ہو اور مکان کی قیمت ایک سو اور اجرت تین درم ہو تو دو درم موجر لے اور اور ایک درم مستاجر وفی وقف القنیة بنی فی الدار المسبلة؎ بلا اذن القیم ونزع البناء یضر بالوقف یجبر القیم علی دفع قیمته للبانی الخ اور قنیہ کی کتاب الوقف میں ہے کہ فی سبیل اللہ گھر میں کسی شخص نے کچھ مکان بنایا بدون اجازت متولی کے اور حالانکہ اس مکان کا کھودنا وقف کو ضرر کرتا ہے تو متولی پر اس کی قیمت دلانے پر مکان بنانے والے کے واسطے زبردستی کی جائے الی آخر العبارۃ یعنی حاکم زبردستی قیمت دلا دے بنظر اصلاح: **وقف ولو استاجر ارض وقف وغرس فیها وبنی ثم مضت مدة الاجارة فللمستاجر استبقاؤها باجر المثل اذا لم یکن فی ذلک ضرر بالوقف ولو ابی الموقوف علیهم الا القلع لیس لهم ذلک کذا فی القنیة** اور اگر وقف کی زمین اجارہ لی اور اس میں درخت لگائے اور مکان بنایا پھر اجارہ کی مدت گذر گئی تو مستاجر کو درختوں کا

؎ قوله المسبلة فی القاموس سبله تسبیلا جعله فی سبیل اللہ نسخه منه ١٢

باقی رکھنا بالعوض اجرت مثل کے جائز ہے جب کہ اس باقی رکھنے میں وقف کو ضرر نہ ہو اور جس پر زمین وقف ہے وہ نہ مانیں سوائے کھودنے کے تو ان کو اس کا اختیار نہیں کذا فی القنیۃ م ظاہر بیان مصنف اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو سابق مذکور ہو چکا کہ مستاجر بعد انقضائے مدت درخت اور مکان کھود کر خالی زمین تسلیم کرے وہ زمین مملوک کا مسئلہ تھا اور یہ حکم وقف کا ہے اور اسعاف اور عمادیہ میں قنیہ کے مخالف منصوص ہے کہ عمارت جب وقف کو ضرر نہ کرے تو اس کے کھودنے پر بنانے والے پر زبردستی کی جائے انتہی اور علمائے ذکر کیا ہے کہ قنیہ کا نرا اقوال لائق عمل کے نہیں تو کیونکر اس پر عمل ہوگا جو مشہور کتابوں کے مخالف ہو یا اس کو اختلاف مشائخ پر محمول کیجیے کذا فی الطحطاوی مختصرا قال فی البحر وبہذا تعلم مسئلۃ الارض المحتکرۃ وہی منقولۃ ایضا فی اوقاف الخصاف بحرالرائق میں کہا اور قنیہ کے اس قول سے ارض محتکرہ کی صحت کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے اور وہ تو اوقاف خصاف میں بھی منقول ہے م یعنی اگر مستاجر مکان بنا دے بشرط استبقائے عمارت تو بعد مدت اجارہ اجرت مثل دے کر جائز ہے اور اس کو حق قرار ثابت ہوگا بشرطیکہ وقف کو ضرر نہ ہو تو اب متولی اس کا مالک نہ ہوگا وقف کے واسطے مگر اس کی رضامندی سے اور یہ مسئلہ ہے خلو کا جو اول کتاب البیع میں مذکور ہو چکا کذا فی الطحطاوی **والرطبۃ** لعدم نہایتہا **کالشجر** فتقلع بعد مضی المدۃ اور رطبہ درخت کے مانند ہے بسبب نہ ہونے اس کی نہایت کے تو کھودا جائے مدت گذر جانے کے بعد م رطبہ مابین شجر اور گیاہ کے ہے فارسی میں اس کو سپست کہتے ہیں نیل کے مانند ایک بار بونے سے سالہا سال رہتا ہے لہذا وہ درحکم شجر ہے نہ درحکم زراعت ثم المراد بالرطبۃ ما یبقی اصلہ فی الارض ابدا وانما یقطف ورقہ وزہرہ ویباع پھر دریافت کرنا چاہیے کہ رطبہ سے مراد وہ چیز ہے جس کی جڑ زمین میں ہمیشہ باقی رہے اور اس کے پتے یا پھول توڑے جاویں اور بیع ہوں واما اذا کان لہ نہایۃ معلومۃ کالفجل والجزر والباذنجان فینبغی ان یکون کالزرع یترک باجر المثل الی نہایتہ کذا حررہ المصنف فی حواشی الکنز وقواہ بما فی معاملۃ الخانیۃ فلیحفظ اور جب کہ اس کی نہایت معلوم ہو جیسے کہ مولی اور گاجر اور بینگن تو لائق یہ ہے کہ اس کا حکم زراعت کے مانند ہو کہ اجرت مثل لے کر اس کی نہایت تک چھوڑی جائے اسی طرح کی تحریر کی ہے مصنف نے حواشی کنز میں اور اس کو تقویت دی ہے خانیہ کے قول سے جو کتاب المساقات میں ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م مولی اور گاجر کی مثال درست نہیں اس واسطے کہ ایک بار اکھاڑنے سے پھر باقی نہیں رہتی قلت بقی لو لہ نہایۃ معلومۃ لکنہا بعیدۃ طویلۃ کالقصب فیکون کالشجر کما فی فتاوی ابن الحلبی فلیحفظ تقیید میں کہتا ہوں یہ احتمال باقی رہا کہ اگر ایک چیز کی نہایت معلوم ہو لیکن بعید اور طویل ہو جیسا کہ کلک اور نے تو وہ چیز درخت کے مانند ہے کما فی فتاوی ابن الحلبی تو یہ قید یاد رکھنی چاہیے **والزرع یترک باجر المثل الی ادراکہ** رعایۃ للجانبین لان لہ نہایۃ کما مر اور کھیت سے تعرض نہ کیا جائے اجرت مثل لے کر اس کے پکنے تک دونوں جانب کی رعایت کے واسطے اس واسطے کہ کھیت کی نہایت ہے چنانچہ مذکور ہو چکا م یعنی مدت اجارہ منقضی ہو گئی اور ہنوز کھیت پختہ نہیں ہوا تو پختگی تک اجرت مثل واجب ہو گی اور اگر مدت موجود ہو تو وہ اجرت لازم ہے جو دونوں میں فیصل ہو چکی **بخلاف موت احدہما قبل ادراکہ فانہ یترک بالمسمی علی حالہ الی الحصاد** وان انفسخت لان الابقاء علی ما کان اولی مادامت المدۃ باقیۃ اما بعدہا فباجر المثل برخلاف موت مستاجر یا موجر کے کھیت پکنے سے پہلے اس واسطے کہ کھیت باقی رکھا جائے گا اجرت معینہ پر بحال سابق کھیت کاٹنے تک اگرچہ اجارہ فسخ ہو ہو گیا ایک شخص کی موت سے اس واسطے کہ اس کا باقی رکھنا بحال ماضی بہتر ہے جب تک کہ مدت اجارہ باقی رہے اور بعد انقضائے مدت کے تو اجرت مثل لازم ہوگی **وملحق بالمستاجر المستعیر** فیترک الی ادراکہ باجر المثل اور مستاجر سے مستعیر ملحق ہے تو تعرض نہ کیا جائے کھیت سے اس کے پکنے تک یعنی ایک شخص نے دوسرے سے زمین عاریت لی زراعت کے واسطے پھر مالک نے چاہا کہ میں اپنی زمین پھیر لوں اور حالانکہ ہنوز کھیت نہیں پکا تو مستعیر کے ہاتھ میں زمین چھوڑی جاوے گی اجرت مثل لے کر کھیت کٹنے تک اور ظاہر ایسی حکم ہے عاریت کی زمین میں مکان بنانے اور درخت لگانے کا واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی **واما الغاصب فیومر بالقلع مطلقا** لظلمہ اور غاصب کو کھیت اکھاڑ ڈالنے کا حکم ہوگا ہر طرح اگرچہ کھیت کچا ہو اس کے ظلم کے سبب سے یعنی ظلم واجب العدم ہے نہ واجب الاثبات ثم المراد بقولہم یترک الزرع باجر ای بقضاء او بعقد حتی لا یجب الاجر الا باحدہما کما فی القنیۃ فلیحفظ بحر پھر دریافت کرنا چاہیے کہ فقہا کے اس قول سے کہ کھیت سے

تعرض نہ کیا جائے اجرت لے کر مراد یہ ہے کہ قاضی کے حکم سے یا موجر اور مستاجر کے عقد جدید کرنے سے اجرت واجب ہوگی تو اجرت واجب نہ ہوگی بلکہ قضا یا عقد متعاقدین سے چنانچہ ظہیریہ میں ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے کذا فی البحر **ولتصح اجارۃ الدابۃ للرکوب والحمل والثوب للبس** اور صحیح ہے کرایہ جانور کا سواری اور بوجھ لادنے کے واسطے اور کپڑے کا کرایہ پہننے کے واسطے م اگر لادنے کے واسطے کرایہ کیا تو سوار ہونا درست ہے اور اگر سواری کے واسطے کرایہ کیا تو اس پر لادنا درست نہیں کذا فی الخلاصۃ درر میں کافی سے منقول ہے کہ اگر بیان نہ کیا کہ کون شخص جانور پر سوار ہوگا یا کیا چیز لادی جاوے گی یا کون شخص کپڑا پہنے گا تو اجارہ فاسد ہے **ولا تصح اجارۃ الدابۃ لیجنبہا** ای لاجل ان یجعلہا جنیبۃ بین یدیہ ولا یرکبہا اور صحیح نہیں کرایہ جانور کا تا اس کو خالی لے چلے یعنی اس واسطے کرایہ جائز نہیں کہ اس کو کوتل کرکے چلے اپنے سامنے اور اس پر سوار نہ ہو ولا تصح اجارتہا ایضا لاجل ان یربطہا علی باب دارہ لیراہا الناس فیقولوا لہ فرس اور جانور کا کرایہ اس واسطے بھی صحیح نہیں کہ اس کو باندھ رکھے اپنے دروازہ پر تا کہ آدمی اس کو دیکھیں تو یوں کہیں کہ یہ گھوڑا مثلاً صاحب خانہ کا ہے اولاجل ان یزین بیتہ او حانوتہ بالثوب لان ہذہ منفعۃ غیر مقصودۃ من العین یا اس واسطے کرایہ جائز نہیں کہ اپنے گھر یا دکان کو آراستہ کرے کپڑے سے اجارات ثلثہ مذکورہ اس دلیل سے جائز نہیں جس کو ہم اول باب میں مذکور کر چکے کہ جانور کا کوتل لے چلنا یا دروازے پر باندھ رکھنا یا گھر اور دکان کو کپڑے سے آراستہ کرنا منفعت غیر مقصود ہے گھوڑے یا کپڑے سے م اور اسی طرح اگر شطرنجیاں اور چاندنیاں کرایہ لے تا اپنے گھر میں ان کا فرش کرے اور ان پر نہ بیٹھے اور نہ سووے تو جائز نہیں کذا فی شرح الوہبانیۃ واذا فسدت فلا اجر اور جب کہ اجارہ مذکورہ فاسد ٹھہرا تو اس کی کچھ اجرت نہیں کرایہ لینے والے پر وکذا لو استاجر بیتا لیصلی فیہ او طیبا لیشمہ او کتابا ولو شعرا لیقراہ او مصحفا شرح وہبانیہ اور اسی طرح جائز نہیں اگر گھر کرایہ لیا تا کہ اس میں نماز پڑھے یا خوشبودار چیز کرایہ لے سونگھنے کے واسطے یا کتاب اگرچہ اشعار کی کتاب ہو پڑھنے کے واسطے کرایہ لے یا قرآن کرایہ لیا کذا فی شرح الوہبانیۃ م مصنف وہبانیہ نے کہا کہ کافر کا گھر کرایہ لینا نماز کے واسطے صحیح نہیں علامہ عبد البر شارح وہبانیہ نے کہا کہ کافر کی قید کچھ ضرور نہیں اس میں کافر اور مسلمان برابر ہے اس واسطے کہ فساد اجارہ مدت انتفاع کی جہالت سے ہے تو اگر مدت معین ہو جائے تو اجارہ صحیح ہے اس میں مسلم اور کافر دونوں برابر ہیں اور اگر علت فساد منفعت غیر مقصودہ کو قرار دیجیے تو بھی اسی طرح کا حکم ہے کذا فی الطحطاوی **وان لم تقید ہا براکب ولابس ارکب والبس من شاء** اور اگر مستاجر نے جانور اور کپڑے کے کرایہ میں کسی سوار اور کسی پہننے والے کی قید نہ لگائی تو مستاجر جس کو چاہے سوار کرے اور جس کو چاہے پہنا دے م عدم تقیید سے مراد اسی طرح کی تعمیم ہے کہ مستاجر کہے موجر سے کہ سوار کر دوں گا یا پہناؤں گا جس کو میں چاہوں گا کذا فی الحمدی اور یہ مراد نہیں ہے کہ رکوب مطلق کے واسطے کرایہ لے اس واسطے کہ وہ تو فاسد ہے چنانچہ شارح مذکور کرے گا **وتعین اول راکب ولابس** اور متعین ہو جائے گا پہلا سوار ہونے والا اور پہلا پہننے والا م یعنی جو شخص اول سوار ہوگا تو معلوم ہو جاوے گا کہ یہی شخص اصل سے مراد تھا تو اب دوسرے شخص کو اس پر سوار ہونا جائز نہ ہوگا کذا فی الدرر عن الکافی **وان لم یبین من یرکبہا فسدت للجہالۃ** اور اگر مستاجر نے بیان نہ کیا کہ کون اس پر سوار ہوگا تو اجارہ فاسد ہوگا جہالت کے سبب سے م شارح کو یوں کہنا صواب تھا ولو استاجرہا للرکوب مطلقا یعنی اگر جانور کرایہ لیا مطلق سواری کے واسطے تو اجارہ فاسد ہے اور مطلق رکوب کی یہ صورت ہے کہ مستاجر فقط رکوب ذکر کرے اور زیادہ نہ کہے کذا فی الطحطاوی **وینقلب صحیحۃ برکوبہا** اور اجارہ فاسدہ مذکورہ پلٹ کر صحیح ہو جاوے گا جانور پر سوار ہونے سے م خواہ مستاجر آپ سوار ہو یا غیر کو سوار کرے از راہ استحسان اجرت معینہ واجب ہوگی وجہ استحسان یہ ہے کہ فساد کا سبب تو جہالت راکب تھی سو ایک شخص کے سوار ہونے سے زائل ہو گئی تو فساد بھی زائل ہو گیا اس واسطے کہ ہم انتہائی تعیین کو ابتدائی تعیین کے مانند قرار دیتے ہیں اور سوار پر تاوان لازم نہ ہوگا جانور کے ہلاک ہونے سے اس واسطے کہ وہ متعدی نہیں بجہت عدم مخالفت کذا فی الزیلعی **وان قید براکب او لابس فخالف ضمن اذا عطبت ولا اجر علیہ وان سلم** اور اگر مستاجر یا موجر نے سوار یا پہننے والے کی قید لگائی سو مستاجر نے اس کے مخالف کیا تو اس پر تاوان لازم ہوگا جب کہ جانور ہلاک ہو جائے اور اس پر

زیادتی کرنیوالا ۱۲

اجرت نہیں اگرچہ اس نے تسلیم کی ہو مخالفت سے تاوان اس واسطے لازم ہوا کہ آدمی سواری کی دانست میں متفاوت ہوتے ہیں اس واسطے کہ اکثر دبلے اور پتلے ہیں اور ان کا سوار ہونا جانور کو بہت ضرر کرتا ہے بسبب ناواقف کاری کے اور بہت موٹے تازے ہیں جن کی سواری سے جانور کو ضرر نہیں ہوتا کیونکہ سواری سے واقف ہوتے ہیں بخلاف حانوت اقعد فیہ حدادا مثلا حیث یجب الاجر لذا سلم لانہ لما سلم تبین انہ لم یخالف وانہ مما لایوھن الدار کذا فی الغایۃ برخلاف اس دکان کے جس میں مستاجر نے مثلاً لوہار کو بٹھلایا اس واسطے کہ اس میں اجرت واجب ہوگی جب کہ موجر کی طرف سے تسلیم دکان واقع ہو اس واسطے کہ جب اس نے دکان تسلیم کی تو ظاہر ہوگیا کہ مستاجر نے موجر کی مخالفت نہیں کی اور معلوم ہوگیا کہ حدادی گھر کو کمزور نہیں کرتی کذا فی الغایۃ م طحطاوی نے کہا اس میں گفتگو ہے اس واسطے کہ سابق مذکور ہو چکا کہ حدادی عمارت کو ضعیف کرڈالتی ہے لانہ مع الضمان ممتنع اس واسطے کہ اجرت تاوان کے ساتھ جمع نہیں ہوتی م یہ تعلیل ہے مصنف کے اس قول کی ولا اجرلہ کذا فی الحلبی ومثلہ فی الحکم کل مایختلف بالمستعمل کالفسطاط اور اگر جانور کی سواری کے مانند ہے حکم میں جو چیز مختلف اور متفاوت ہوتی ہو بسبب اختلاف استعمال کرنے والے کے جیسے خیمہ شیخین کے نزدیک خیمہ در حکم جانور ہے اس واسطے کہ آدمی خیمہ کے کھڑے کرنے میں اور مکان نصب کے تجویز کرنے میں اور اس کی میخین گاڑنے میں متفاوت ہوتے ہیں بعضے باسلیقہ ایسے کہ خیمہ کو محفوظ رکھتے ہیں اور بعضے بے سلیقہ ایسے کہ ضائع کرڈالتے ہیں اور محمد کے نزدیک خیمہ گھر کے مانند ہے حکم میں بزازیہ میں ہے کہ خیمہ کی میخین مستاجر کے ذمہ پر ہیں اور رسیاں موجر پر **وفیما لایختلف فیہ بطل تقییدہ بہ کما لو شرط سکنی واحد لہ ان یسکن غیرہ** لما مر ان التقیید غیر مفید اور جس چیز میں تفاوت نہیں باوجود اختلاف مستعمل کے تو اس کی تقیید اور تخصیص باطل ہے چنانچہ اگر گھر کے اجارہ میں ایک شخص کا رہنا شرط ہو تو مستاجر کو جائز ہے کہ اس کے غیر کو اس میں رکھے اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ یہاں قید لگانا مفید نہیں **وان سمی نوعا وقدرا ککر بر لہ حمل مثلہ واخف لا اضر کالملح** اور اگر نام رکھا محمول کے نوع اور مقدار کا چنانچہ گیہوں بقدر ایک کُر تو مستاجر کو اس کے مانند اور اس سے ہلکے کا لادنا جائز ہے نہ لادنا زیادہ تر ضرر والی چیز کا چنانچہ نمک کا م کُر[1] بضم کاف پیمانہ ہے جس میں بارہ صاع غلہ سما دے اور اس ملک کے وزن کے موافق تخمیناً اٹھائیس سیر ہوتا ہے مانند کی مثال جیسے معین گیہوں کے برابر اور گیہوں اس کے وزن کے برابر لادنا اور خفیف تر کی مثال جیسے گیہوں کے عوض جو لادنا اور نمک یا لوہا لادنا گیہوں کے عوض جائز نہیں والاصل ان من استحق منفعۃ مقدرۃ بالعقد فاستوفاہا او مثلہا او دونہا جاز ولو اکثر لم یجز اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص منفعت معینہ کا مستحق ہو اجارہ کے عقد سے پھر اسی منفعت کو یا اس کی برابر یا اس سے کمتر کو حاصل کرے تو جائز ہے اور اگر زیادہ تر کو حاصل کرے تو جائز نہیں ومنہ تحمیل وزن البر قطنا او شعیرا فی الاصح اور منجملہ غیر جائز کے ہے لادنا روئی کا جو برابر ہے گیہوں کے وزن کے نہ لادنا جو کا قول اصح میں م یعنی اگر من بھر گیہوں لادنے پر کرایہ ٹھہرا سو مستاجر نے من بھر روئی جانور پر لادی تو جائز نہیں اس واسطے کہ روئی پیٹھ پر گیہوں سے زیادہ پھیلتی ہے اور اس میں گرمی بھی زیادہ ہے تو اس کا ضرر زیادہ ٹھہرا گیہوں سے اور گیہوں کے عوض اگر جو اسی قدر لادے اور جانور مرگیا تو تاوان نہیں بقول اصح اس واسطے کہ جب جو اور گیہوں وزن میں برابر ہوں تو جو کا ضرر جانور کی پیٹھ پر کمتر ہوتا ہے بسبب پھیل جانے کے یہی فتویٰ ہے صدر شہید کا الحاصل اگر مسمی محمول ہو پھر اس نے اور چیز لادی اور وزن دونوں کا برابر ہے مگر محمول کمتر پھیلتا ہے جانور کی پیٹھ پر مسمی سے تو در صورت ہلاکی تاوان لازم ہوگا بسبب مضرت کے چنانچہ گیہوں کے وزن کے برابر پتھر یا لوہا لادنا اور اگر محمول اندک زیادہ پھیلتا ہو لادنے کے مقام پر مسمی سے تاوان نہیں چنانچہ گیہوں کے عوض جو لادنا اس واسطے کہ یہ آسان تر ہے تو خلاف کرنے سے تاوان لازم نہ آوے گا مگر جب کہ موضع حمل سے زیادہ تر متجاوز ہو چنانچہ روئی عوض گیہوں کے کذا فی الطحطاوی **ولو ردف من یستمسک بنفسہ وعطبت الدابۃ یضمن النصف** اور اگر مستاجر نے جانور پر اپنے پیچھے اس شخص کو سوار کرلیا جو بذات خود بلااعانت جانور پر بیٹھا رہے اور جانور ہلاک ہوا تو مستاجر نصف قیمت کا تاوان دے م اور اگر مستاجر پیچھے بیٹھا ہو تو تمام قیمت کا تاوان مستاجر پر لازم ہے کذا فی الغایۃ ولا اعتبار للثقل لان الآدمی غیر موزون اور

---

[1] یہ اس صورت میں ہے کہ صاع سوا دو سیر کا ہو کچھ اوپر اور جتنا صاع کے وزن میں اختلاف ہوگا بلحاظ وزن ملک کے اتنا ہی کُر کے وزن میں اختلاف ہوگا ۔

اعتبار نہیں گرانی وزن کا اس واسطے کہ آدمی غیر موزون ہے یعنی آدمی کے تولنے کی عادت نہیں تو صدر راکب کا اعتبار ہوگا نہ گرانی کا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ثقیل سواری کے واقف کار سے جانور کو ضرر نہیں ہوتا اور خفیف ناواقف سے ضرر ہوتا ہے وہذا ان کانت الدابۃ تطیق حمل الاثنین والا فالکل بکل حال اور یہ یعنی نصف ضمان اس وقت سے ہے جب کہ جانور دو شخصوں کا بوجھ اٹھا سکتا ہو اور اگر اٹھا نہ سکتا ہو تو تمام قیمت کا تاوان ہے مستاجر پر ہر حال میں یعنی خواہ بذات خود مستمسک ہو یا نہ ہو کما لو حملہ الراکب علی عاتقہ فانہ یضمن الکل وان کانت تطیق حملہما لکونہ فی مکان واحد چنانچہ اگر دوسرے شخص کو مستاجر راکب نے اپنے کندھے پر اٹھایا تو مستاجر پر تمام قیمت کا تاوان لازم ہوگا اگرچہ جانور دونوں کے بوجھ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو بسبب ہونے بوجھ کے ایک مقام پر یعنی جب دونوں کا بوجھ پیٹھ پر ایک جگہ پڑا تو جانور پر شاق ہو کر ہلاکی کا موجب ہوا وان کان الردیف صغیرا لا یستمسک یضمن بقدر ثقلہ اور اگر پچھلا سوار ایسا طفل صغیر ہو کہ بلا اعانت جانور پر نہ بیٹھ سکتا ہو تو مستاجر تاوان دے بقدر اس کی گراں باری کے یعنی جس قدر بوجھ بھاری ہوگیا غیر کے سوار کرنے سے اتنا تاوان لازم ہوگا کحملہ شیئًا آخر ولو من ملک صاحبہا کولد الناقۃ لعدم الاذن چنانچہ دوسری چیز کے اٹھا لینے سے بقدر اس کے ثقل کے تاوان لازم ہوتا ہے اگرچہ وہ چیز محمول جانور کے مالک کی ملک ہو چنانچہ اونٹنی کی سواری پر اونٹنی کے بچے کو اٹھا لازم ہوگا بواسطہ عدم اجازت مالک کے ولیس المراد ان الرجل یوزن بل ان یسال اہل الخبرۃ کم یزید اور تاوان بقدر زیادت ثقل سے یہ مراد نہیں کہ مرد تولا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ اہل دانش سے پوچھا جائے کہ کتنا بوجھ زیادہ ہوگیا حمل صغیرا یا حمل شئے آخر سے ولو رکب علی موضع الحمل ضمن الکل لما مر اور اگر بوجھ کی جگہ پر سوار ہوگیا تو ہلاک کی صورت میں کل کا ضمان دے گا بموجب اس بیان کے کہ اوپر گذرا یعنی سواری اور بوجھ کا ثقل ایک ہی جگہ ہوگیا وکذا لو لبس ثیابا کثیرۃ اور یہی حکم ہے اگر مستاجر بہت سے کپڑے پہن کر سوار ہو یعنی درصورت ہلاک تاوان کل کا دے گا اگر ایک ہی جگہ بہت بوجھ کر دیا ولو ما یلبسہ الناس ضمن بقدر ما زاد مجتبی اور اگر اس قدر ہوں جتنے لوگ پہنتے ہوں تو بقدر زیادتی کے ضمان دے گا کذا فی المجتبی واذا ہلکت بعد بلوغ المقصد وجب جمیع الاجر لرکوبہ بنفسہ مع التضمین ای نصف القیمۃ لرکوب غیرہ اور پیچھے سوار کر لینے کی صورت میں اگر جانور بعد منزل مقصود پر پہنچنے کے ہلاک ہووے تو ساری اجرت واجب ہے اس وجہ سے کہ مستاجر خود سوار ہوا اور ضمان بھی نصف قیمت جانور کا دیوے اس لیے کہ دوسرے کو سوار کیا ثم ان ضمن الراکب لا یرجع وان ضمن الردیف یرجع لو مستاجرا من المستاجر والا لا پھر اگر سوار یعنی مستاجر راکب نے تاوان دیا تو ردیف سے نہ پھیرلے اور اگر ردیف نے تاوان دیا تو مستاجر سے پھیرے اگر اس نے مستاجر کو کرایہ دینا کیا ہو اور اگر ردیف بطریق اجارہ سوار نہ ہوا ہو بلکہ بطریق عاریت سوار ہوا ہو تو رجوع جائز نہیں کذا فی الطحطاوی قید بکونہا عطبت لانہا لو سلمت لزم المسمی فقط مصنف نے مسئلہ ردیف میں جانور کے ہلاک ہونے کی قید لگائی اس واسطے کہ اگر جانور باوجود ارداف عــہ سلامت رہا تو فقط مقرری کرایہ لازم آوے گا نہ تاوان یعنی جمیع صور مذکورہ میں کذا فی الطحطاوی وبکونہ اردفہ لانہ لو اقعدہ فی السرج صار غاصبا فلا اجر علیہ بحر عن الغایۃ اور مصنف نے مسئلہ مذکورہ میں ارداف ردیف کی قید لگائی اس واسطے کہ اگر مستاجر اس کو زین پر بٹھائے گا اور آپ پیچھے بیٹھے گا تو غاصب ٹھہرے گا تو اس پر اجرت لازم نہ ہوگی یعنی فقط تاوان اس پر لازم ہوگا نہ کرایہ کذا فی البحر عن الغایۃ لکن فی السراج الوہاج عن المشکل ما یخالفہ فلیتامل عند الفتوی کیف فی الاشباہ وغیرہا ان الاجر والضمان لا یجتمعان لیکن سراج وہاج میں مشکل سے وہ قول مذکور ہے جو قول مصنف وجوب اجر مع التضمین کے مخالف ہے تو مفتی کو تامل کرنا چاہیے فتوی دینے کے وقت کیونکر نہ ہو اور حالانکہ اشباہ وغیرہ میں یہ مذکور ہے اجرت اور تاوان مجتمع نہیں ہوتے م سراج میں مشکل سے یوں مذکور ہے کہ ارداف کی قید اتفاقی ہے تو خواہ مستاجر آگے سوار ہو یا پیچھے دونوں صورت میں حکم یکساں ہے شارح نے امر بالتامل سے اشارہ کیا کہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں طحطاوی نے کہا کہ اشباہ کی عبارت کا ذکر بلا وجہ ہے اس واسطے کہ اجرت بمقابلہ رکوب مستاجر ہے اور تاوان بمقابلہ رکوب ردیف ہے تو ایک راہ سے اجتماع اجرت اور

عــہ پیچھے سوار کرنا ۱۲

تاوان نہ ہوا اور اجتماع تاوان کا اجرت کے ساتھ وہاں ممتنع ہے جہاں تاوان سے اجارہ کی چیز کا متاجر مالک ہو جائے اور یہاں ایسا نہیں **واذا استاجرها ليحمل عليها مقدارا فحمل عليها اكثر منه فعطبت ضمن مازاد الثقل** اور جب کہ جانور کرایہ لیا تاکہ اس پر مقدار معین لادے اور اس پر اس سے زیادہ تر لادا اور وہ ہلاک ہو گیا تو تاوان دے بقدر زیادہ ہو جانے بوجھ کے مثلاً تین من لادنا مقرر ہوا سو اس نے چار من لادا تو جانور کی چوتھائی قیمت کا تاوان متاجر پر لازم ہوگا اس واسطے کہ ہلاکی ہوئی تمام بوجھ سے مگر تین من کا لادنا ماذون تھا سو اس کا حصہ ساقط ہو گیا اور ایک من غیر ماذون تھا اور وہ چہارم ہے لہذا چہارم قیمت کا تاوان لازم ہوا وہذا اذا حملها المستاجر **فان حملها صاحبها بيده وحده فلا ضمان على المستاجر** لانه هو المباشر عمادية اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ خود متاجر اس پر بوجھ لادے سو اگر جانور کا مالک اپنے ہاتھ سے تنہا اس پر لادے تو متاجر پر تاوان نہیں اس واسطے کہ مالک ہی تو مباشر ہے کذا فی العمادیہ خواہ مالک زیادتی کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو متاجر پر تاوان لازم نہ ہوگا اور اگر مالک کہے کہ بوجھ زیادہ تھا تو اس کو جواب دیا جائے کہ تو نے کیوں نہ تول لیا تھا علامہ مقدسی نے کہا اس میں تامل ہے اس میں اشارہ ہے تاوان متاجر کا بسبب نہ معلوم ہونے مالک کے اور یہ بحث ہے مقدسی کی نہ روایت اور عمادیہ کے مانند تتمۃ الفتاوی میں بھی مذکور ہے کذا فی الطحطاوی **وان حملا الحمل معا** ووضعاه عليها **وجب النصف على المستاجر** لفعله وهدر فعل ربها مجتبیٰ اور اگر متاجر اور مالک جانور نے بوجھ ساتھ ہی اٹھایا اور جانور پر دونوں نے رکھا تو نصف قیمت کا تاوان متاجر پر واجب ہوگا اس کے فعل کے سبب سے اور اس کے مالک کا فعل باطل بلاعوض ہوگا کذا فی المجتبیٰ **ولو كان** الحمل مثلا **في جوالقين**[1] **فحمل كل واحد منهما جوالقا** ای وعاء كعدل مثلا وحده ووضعاه عليها معا **او تعاقبا فلا ضمان على المستاجر** ويجعل حمل المستاجر ما كان مستحقا بالعقد غاية اور اگر مثلاً گیہوں ہو دو گونوں میں اور متاجر اور مالک ہر واحد نے ایک ایک گون تنہا اٹھائی اور دونوں نے جانور پر ساتھ ہی یا آگے پیچھے رکھی تو متاجر پر تاوان نہیں یعنی درصورت ہلاکت اور متاجر کا اٹھانا اور لادنا مستحق بعقد اجارہ ٹھہرایا جاوے گا کذا فی الغایہ شارح نے کہا جوالق یعنی ایک طرف سے گٹھے کے مانند مثلاً ومفاده انه لا ضمان على المستاجر سواء تقدم او تاخر وهو الوجه ومن ثم عولنا عليه على خلاف ما في الخلاصة كذا في شرح المصنف اور غایۃ التحقیق کی تعلیل سے مستفاد ہوا کہ متاجر پر تاوان نہیں خواہ وہ گون کو پہلے رکھے یا پیچھے اور یہی وجہ قوی ہے اسی سبب سے ہم نے اس پر اعتماد کیا خلاصہ کے برخلاف ایسا مذکور ہے مصنف کی شرح میں قلت وما في الخلاصة هو الموجود في بعض نسخ المتن من قوله وكذا لا ضمان لو حمل المستاجر اولا ثم رب الدابة وان حملها ربها اولا ثم المستاجر ضمن نصف القيمة انتهى فتنبه میں کہتا ہوں اور جو خلاصہ میں ہے اور اس متن کے بعضے نسخوں میں موجود ہے مصنف کا یہ قول اور اسی طرح تاوان نہیں اگر متاجر نے پہلے گون لادی پھر جانور کے مالک نے اور اگر اس کے مالک نے اول لادی پھر متاجر نے تو متاجر نصف قیمت کا تاوان دے انتہی ما فی الخلاصہ تو خبردار ہو اس قول غیر معتمد سے وہذا ای ما مر من الحکم **اذا كانت الدابة** المستاجرة **تطيق مثله** اور یہ یعنی مسئلہ اولیٰ میں جو حکم گذر گیا تاوان بقدر زیادت ثقل کے اس وقت ہے جب کہ کرایہ کا جانور ایسے بوجھ کی طاقت رکھتا ہو **اما اذا كانت لا تطيق فجميع القيمة** لازم على المستاجر زيلعي **ويجب عليه كل الاجر** للحمل والضمان للزيادة غاية اور جب کہ جانور اتنے بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو جانور کی پوری قیمت لازم ہوگی متاجر پر کذا فی الزیلعی اور متاجر پر تمام اجرت واجب ہوگی واجب ہوئی لادنے کے سبب سے اور تاوان لازم ہوا زیادہ لادنے کی جہت سے کذا فی غایۃ التحقیق م شارح نے یہ جواب دیا سوال مقدر کا سوال یہ ہے کہ یہاں اجرت اور ضمان کا کیونکر اجتماع ہوا حالانکہ اشباہ سے مذکور ہو چکا کہ دونوں مجتمع نہیں ہوتے خلاصہ جواب یہ ہے کہ لزوم تاوان کی وجہ اور ہے اور وجوب اجر کی اور ہے اور منع وہ اجتماع ہے جو ایک ہی وجہ سے ہو وقيد بالزيادة لانها من جنس المسمى فلو من غيره ضمن الكل كما لو حمل المسمى وحده ثم حمل عليها الزيادة وحدها بحر اور مصنف نے لفظ زیادت سے فائدہ ظاہر کر دیا کہ زیادت حمل معین کی جنس سے ہے تو اگر زیادتی اس کے

---

[1] الجوالق بكسر الجيم واللام وبضم الجيم وفتح اللام وكسرها وعاء معروف جمعه كصحائف وجواليق وجوالقات والعدل بالكسر نصف الحمل كذا في القاموس ۱۲

مغائر ہو تو کل قیمت کا تاوان مستاجر پر لازم ہوگا چنانچہ اس صورت میں تمام تاوان لازم ہے کہ اگر فقط حمل معین بلا خلط زیادت لادا پھر جانور پر فقط زیادت لادے کذا فی البحر قال ولم یتعرضوا للاجر اذا سلمت لظہور وجوب المسمی فقط وان حملها المستاجر لان منافع الغصب لا تضمن عندنا صاحب بحر نے کہا اور مصنفین نے تعرض نہ کیا اجرت کے بیان کا جب کہ جانور سلامت رہا بسبب ظاہر ہونے اجرت معینہ کے وجوب کے اگرچہ زیادت کو فقط مستاجر نے لادا ہو اس واسطے کہ زیادہ لادنا غصب ہے اور غصب کے منافع کا ہمارے نزدیک تاوان نہیں ومنه علم حکم المکاری فی طریق مکة اھ وظہور وجوب مسمی سے معلوم ہو گیا مکہ معظمہ کی راہ میں کرایہ دار کا حکم یعنی جب کہ حمل پر کچھ بوجھ زیادہ لادا اور جانور سلامت پہنچا تو زیادہ لادنے سے کسی چیز کا استحقاق ثابت نہ ہوگا فقط اجرت مقررہ لازم ہوگی لیکن زیادہ لادنا حلال نہیں کذا فی الطحطاوی وضمن بضربها وکبحها بلجامها لتقیید الاذن بالسلامة اور مستاجر تاوان دے در صورت ہلاکت جانور کے مارنے سے اور اس کی لگام کھینچنے سے بسبب مقید ہونے اذن کے سلامتی کے ساتھ یعنی ہر چند مارنا اور لگام کھینچنا کھڑا کرنے کے واسطے مالک کے اذن سے ثابت ہے لیکن یہ اذن وہاں تک ہے جب تک کہ جانور تلف نہ ہو جائے حتی لو ہلک الصغیر بضرب الاب او الوصی للتادیب ضمن لوقوعه بزجر وتعریک تو اگر صغیر باپ یا وصی کے ادب دینے کی مار سے مر جائے تو تاوان یعنی دیت لازم ہوگی بسبب واقع ہونے تادیب کے جھڑکنے اور کان مروڑنے سے وقالا لا ضمان بالتعا اور صاحبین نے کہا کہ باپ اور وصی پر تاوان نہیں ضرب متعارف اور مروج سے اور اسی طرح مستاجر پر تاوان نہیں جانور کے مارنے اور لگام کھینچنے سے بشرط ضرب متعارف کذا فی الطحطاوی وفی الغایة عن التتمة الاصح رجوع الامام لقولهما اور غایۃ التحقیق میں تتمہ سے مذکور ہے کہ امام کا رجوع کرنا صاحبین کے قول کی طرف صحیح تر قول ہے لا یضمن لسوقها اتفاقا مستاجر پر تاوان نہیں جانور کے ہانکنے سے باتفاق امام وصاحبین وظاهر الهدایة ان للمستاجر الضرب للاذن العرفی اور ہدایہ کا ظاہر قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ مستاجر کو جانور کا مارنا جائز ہے اذن عرفی کے سبب سے م شارح نے ہدایہ کا قول اس واسطے ذکر کیا کہ اباحت ضرب معتاد معلوم ہو بشرط سلامت واما ضربه لدابته نفسه فقال فی القنیة عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی لا یضربها اصلا ویخاصم فیما زاد علی التادیب اور مالک کا مارنا اپنے جانور کو پس قنیہ میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی سے ہے کہ اس کو اصلا نہ مارے اور اس سے مواخذہ ہوگا اس ضرب میں جو تادیب سے زیادہ ہے م یعنی ہر شخص کو منع کرنا جائز ہے علی الخصوص جب کہ مالک جانور کے منہ پر مارے وضمن بنزع السرج وبوضع الایکاف سواء یوکف بمثله ام لا اور تاوان دے زین کے اتار لینے اور پالان کے باندھنے سے خواہ ویسا پالان اس پر باندھا جاتا ہو یا نہ باندھا جاتا ہو م طحطاوی نے کہا شاید کہ شارح پر ایکاف مشتبہ ہوا اکاف کے ساتھ اس واسطے کہ ایکاف مصدر ہے بمعنی پالان نہادن اور اکاف بکسر اول بمعنی پالان ہے ولہذا لفظ وضع کو شارح نے زیادہ کیا حالانکہ اس کی حاجت نہ تھی اس واسطے کہ ایکاف خود بمعنی وضع اکاف ہے وبالاسراج بما لا یسرج هذا الحمار بمثله جمیع قیمته اور اس طرح کے زین باندھنے سے کہ ویسا زین اس گدھے پر نہیں باندھا جاتا اس کی تمام قیمت کا تاوان لازم ہوگا م صاحبین کے نزدیک پالان زین کے مانند ہے تو تاوان لازم نہیں مگر در صورت زیادت وزن حقائق میں عیون سے منقول ہے صاحبین کے قول پر فتوی ہے کذا فی الطحطاوی ولو بمثله او اسرجها مکان الایکاف لا یضمن الا اذا زاد وزنا فیضمن بحسابه ابن کمال اور اگر ایسا زین باندھا جیسا زین اس پر باندھا جاتا ہے یا بجائے پالان کے زین باندھا تو تاوان لازم نہ ہوگا مگر جب کہ تول میں زین پالان سے زیادہ ہو تو اس کے حساب کے موافق تاوان لازم ہوگا کذا ذکرہ ابن کمال م یعنی اگر پالان ہو دو سیر کا اور زین ہو چار سیر کا تو نصف قیمت کا تاوان لازم آوے گا کما یضمن لو استاجرها بغیر لجام فلجمها بلجام لا یلجم بمثله چنانچہ مستاجر تاوان دے گا در صورت ہلاکت اگر جانور کرایہ پر لیا بدون لگام کے پھر اس کے منہ میں ایسی لگام لگائی کہ ویسی لگام اس کے لگائی نہیں جاتی وکذا لو ابدله لان الحمار لا یختلف باللجام وغیرہ غایۃ اور اسی طرح تاوان لازم ہوگا اگر مستاجر نے ایسی لگام بدل کر لگائی جیسی لگام اس کے لگائی نہیں جاتی اس واسطے کہ گدھا لگام وغیرہ سے بدل نہیں جاتا کذا فی غایۃ التحقیق م طحطاوی نے کہا تاوان کی یہ تعلیل مناسب تر تھی کہ لگام غیر مماثل سے مستاجر متعدی ٹھہرا وسلک طریقا غیر ما عینه المالک وتفاوتا

بعد او وعر او خوفا بحیث لایسلکہ الناس ابن کمال یا مستاجر وہ راہ چلا جو مغائر تھی اس راہ کے جس کو جانور کے مالک نے مقرر کر دی تھی اور دونوں راہیں متفاوت تھیں دوری یا سخت ہونے یا خوف میں اس طرح کہ لوگ اس راہ میں نہ چلتے ہوں کذا ذکرہ ابن کمال **او حملہ فی البحر اذا قید بالبر مطلقا سلکہ الناس اولا لخطر البحر فلو لم یقید بالبر لاضمان** یا حمال مستاجر کا اسباب لاد لے گیا دریا میں جب کہ مستاجر نے قید لگائی تھی خشکی میں لے جانے کی تو مطلقا تاوان لازم آوے گا خواہ لوگ دریا کی راہ چلتے ہوں یا نہ چلتے ہوں بسبب مخطور ہونے دریا کے تو اگر خشکی کی قید نہ لگائی ہو تو تاوان لازم نہ ہوگا یعنی تلف ہو جانے سے **وان بلغ المنزل فلہ الاجر لحصول المقصود** اور اگر حمال نے مستاجر کا اسباب پر پہنچا دیا دریا کی راہ سے تو اس کی اجرت ثابت ہوگی بسبب حاصل ہونے مطلب کے یعنی تو گویا اس سے مخالفت متحقق نہ ہوئی **وضمن بزرع رطبۃ وقد امر بالبر بالنقص من الارض لان الرطبۃ اضر من البر** رطبہ بونے سے حالانکہ مالک نے گیہوں بونے کا امر کیا تھا تاوان لازم ہوگا بقدر ناقص ہو جانے زمین کے اس واسطے کہ رطبہ زمین کے حق میں زیادہ تر مضر ہے گیہوں سے یعنی اس واسطے کہ رطبہ کی جڑیں بکثرت ہوتی ہیں اور دور تک پھیلتی ہیں **ولا اجر لانہ غاصب الا فیما استثنی کما سیجیٔ** اور صورت مذکورہ میں اجرت نہیں اس واسطے کہ رطبہ بونے والا غاصب ٹھہرا اور غاصب پر تاوان ہے اجرت نہیں مگر چند مسائل مستثنی میں اجرت ہے چنانچہ آگے مذکور ہوگا **قید بزرع الاضر لانہ بالاقل ضرر لایضمن ویجب الاجر** مصنف نے تاوان مضر تر کے بونے کی قید لگائی اس واسطے کہ کمتر ضرر والی کے بونے سے تاوان لازم نہ ہوگا اجرت واجب ہوگی ام اقل مضرت کی صورت یہ ہے کہ رطبہ بونے کے واسطے زمین اجارہ لی اور گیہوں بویا **وضمن بخیاطۃ قباء وامر بقمیص قیمۃ ثوبہ** اور قبا کے سینے سے اور حالانکہ درزی کو قمیص سینے کا مستاجر نے حکم کیا تھا اس کے کپڑے کی قیمت کا تاوان لازم ہوگا ام قبا اس کو کہتے ہیں جس کا آگا کھلا ہو اور قمیص وہ ہے جس کا آگا اور پیچھا دونوں سیا ہو **ولہ ای لصاحب الثوب اخذ القباء ودفع اجر مثلہ لایجاوز المسمی کما ہو حکم الاجارۃ الفاسدۃ** اور اس کو یعنی کپڑے کے مالک کو جائز ہے قبا کا لینا اور قبا کی سلائی کی ایسی اجرت دینی جو قمیص کی اجرت معینہ سے زیادہ نہ ہو جیسے اجارہ فاسدہ کا حکم ہے یعنی اجارہ فاسدہ میں وہ اجرت مثل لازم ہوتی ہے جو مسمی سے زیادہ نہ ہو **وکذا اذا خاط سراویل وقد امر بالقباء فان الحکم کذلک فی الاصح فتقیید الدرر بالقباء اتفاقی** اور اسی طرح جب کہ درزی نے پاجامہ سیا اور حالانکہ کپڑے والے نے قبا سینے کا امر کیا تھا تو اسی طرح کا حکم ہے اصح قول میں یعنی مستاجر مختار ہے چاہے کپڑے کا تاوان لے چاہے پاجامہ لے اور اس کی مزدوری دے تو درر میں قبا کی قید لگانا اتفاقی ہے ہم درر میں تخییر کا حکم در صورت قمیص اور قبا کے مذکور ہے مصنف نے بلفظ سراویل اشارہ کیا کہ ذکر قبا اتفاقی ہے ہر مخالفت کا یہی حکم ہے **وضمن بصبغہ اصفر وقد امر باحمر قیمۃ ثوب ابیض وان شاء المالک اخذہ واعطاہ مازاد الصبغ فیہ ولا اجر لہ** اور رنگریز سفید کپڑے کی قیمت کا تاوان دے زرد رنگنے سے اور حالانکہ مالک نے سرخ رنگنے کو کہا تھا اور اگر مالک چاہے تو زرد رنگین کو لے اور رنگریز کو اتنا دے جتنی قیمت سفید کپڑے کی زردی سے زیادہ ہو گئی اور رنگریز کے واسطے اجرت نہیں یعنی سرخی کی **ولو صبغ ردیا ان لم یکن الصبغ فاحشا لا یضمن الصباغ وان کان فاحشا عند اہل فنہ یضمن قیمۃ ثوب ابیض خلاصۃ** اور اگر رنگریز نے ناقص رنگ رنگا اور اگر رنگ نہایت ناقص نہ ہو تو رنگریز پر تاوان نہیں اور اگر نہایت ناقص ہو رنگریز کے پیشے والوں کے نزدیک تو سفید کپڑے کی قیمت کا تاوان دے کذا فی الخلاصۃ **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے **قال للخیاط اقطع طولہ وعرضہ وکمہ کذا فجاء ناقصا ان قدر اصبع ونحوہ عفو وان اکثر ضمنہ** درزی سے کہا کہ قبا یا قمیص قطع کر جس کا طول اور عرض اور آستین اس قدر ہو سو وہ کم ہوا مقدار معین سے سو اگر بقدر انگلی یا اس کے مانند کم ہو تو معاف ہے اور اگر زیادہ ہو تو اس کا تاوان دے **قال ان کفانی قمیصا فاقطعہ بدرہم وخط فقطعہ ثم قال لایکفیک ضمن** مالک نے درزی سے کہا کہ اگر یہ کپڑا میرے قمیص کے واسطے کفایت کرتا ہو تو اس کو قطع کر ایک درم کی مزدوری پر اور اس کو سی درزی نے قطع کیا پھر بولا کہ یہ کپڑا تیرے قمیص کے واسطے کافی نہیں تو اس پر تاوان لازم ہوگا یعنی اس واسطے کہ اس نے دھوکا دیا **ولو قال ایکفینی قمیصا فقال نعم فقال اقطعہ فقطعہ**

ثم قال لایکفیک لایضمن اور اگر مالک نے کہا درزی سے کہ یہ کپڑا کیا میرے قمیص کے لیے کافی ہے اور درزی نے کہا کہ ہاں پھر مالک نے کہا اس کو قطع کر اور اس نے قطع کیا پھر درزی بولا کہ تجھ کو کفایت نہیں کرتا تو اس پر تاوان لازم نہیں م اس واسطے کہ مالک کے حکم سے قطع کیا اور کلام سابق اخبار ہے نہ حکم کذا فی الطحطاوی نزل الجمال فی مفازۃ ولم یرتحل حتی فسد المال بسرقۃ او مطر ضمن لو السرقۃ والمطر غالبًا خلاصۃ ساربان اترا میدان میں اور وہاں سے کوچ نہ کیا یہاں تک کہ مال فاسد ہوگیا چوری یا بارش سے تو اگر چوری اور بارش وہاں اکثر ہوا کرتی ہو تو تاوان اس پر لازم ہوگا یعنی اس واسطے کہ غالب الوقوع بمنزلہ متحقق الوقوع کے ہے تو وہ متعدی ٹھہرا وہاں کے چھوڑنے سے اور اگر غالب الوقوع نہ ہو تو تاوان نہیں کذا فی الطحطاوی وفی الاشباہ استعان برجل فی السوق لیبیع متاعہ فطلب منہ اجرا فالعبرۃ لعادتہم اور اشباہ میں ہے مددگاری چاہی ایک مرد سے بازار میں تاکہ اس کا مال بیچ دے سو اس نے مزدوری مانگی تو ان کی عادت کا اعتبار ہے یعنی بلا قرار اجرت اس نے مال بیچ دیا پھر مزدوری مانگی تو اہل بازار کی عادات کا اعتبار ہے کہ اگر اجرت لے کر بیچ دیتے ہوں تو اجرت مثل واجب ہوگی اور اگر بلا اجرت کام کر دیتے ہوں تو اجرت لازم نہیں وکذا لو ادخل رجلا فی حانوتہ لیعمل لہ اور اسی طرح کا حکم ہے اگر اپنی دکان میں کسی مرد کو داخل کیا اپنے کام کروانے کے واسطے یعنی عادت کا اعتبار ہوگا وجوب اور عدم وجوب اجرت میں وفی الدرر دفع غلامہ او ابنہ لحائک مدۃ کذا لیعلمہ النسج وشرط علیہ کل شہر کذا جاز ولو لم یشترط فبعد التعلیم طلب کل من المعلم والمولی اجرا من الآخر اعتبر عرف البلدۃ فی ذلک العمل اور درر میں ہے کہ مولی نے اپنا غلام یا بیٹا جولاہے کو سپرد کیا مدت معینہ تک تاکہ وہ اس کو کپڑا بننا سکھا دے اور مولی نے استاد پر ہر مہینے میں کچھ اجرت شرط کی تو یہ جائز ہے اور اگر اجرت شرط نہ کی اور تعلیم کے بعد ہر واحد معلم اور مولی سے اجرت طلب کرے نہ دوسرے سے تو رواج شہر کا اس کام میں معتبر ہوگا یعنی اگر عرف شہر استاد کا شاہد ہو تو اس کام کی تعلیم کی اجرت مثل استاد کو دلائی جائے اور اگر عرف مولی کے واسطے شاہد ہو تو غلام کی اجرت مثل استاد پر لازم ہوگی کذا فی الدرر عن قاضی خان وفیہا استاجر دابۃ الی موضع فجاوز بہا الی آخر ثم عاد الی الاول فعطبت ضمن مطلقا فی الاصح کما فی العاریۃ وہو قولہما والیہ رجع الامام کما فی مجمع الفتاوی اور درر میں ہے کہ جانور کرایہ لیا ایک مکان تک اور وہاں سے بڑھا کر اور مکان تک لے گیا بعد اس کے اول مکان کی طرف پھر آیا اور جانور ہلاک ہوگیا تو مستاجر پر مطلقًا تاوان لازم ہوگا اصح قول میں جیسے کہ عاریت میں تاوان لازم آتا ہے مطلقًا اور صاحبین کا قول ہے اور اسی قول کی طرف امام نے رجوع کیا کذا فی مجمع الفتاوی م مطلقًا یعنی خواہ آمد و رفت دونوں کے واسطے کرایہ ہوا ہو خواہ فقط جانے کے واسطے بہر صورت تاوان لازم ہے اور یہی حکم ہے عاریت لے جانے کا کہ تاوان لازم آوے گا مطلقًا مکان معہود کے تجاوز سے وفیہ خوف المکاری[1] فرجع واعاد الحمل لمحلہ الاول لا اجر لہ ینبغی ان یجبر علی الاعادۃ لوگوں نے مکاری یعنی جانور کے کرایہ دینے والے کو خوف دلایا سو وہ پھر آیا اور مکان اول کی طرف بوجھ پھیر لایا تو اس کی مزدوری نہیں اور لائق یہ ہے کہ اس پر زبردستی کی جائے دوبارہ لے جانے پر کذا فی مجمع الفتاوی وفیہ دفع ابریسما الی الصباغ لیصبغہ بکذا ثم قال لا تصبغہ ورده علی فلم یردہ ثم ہلک لا ضمان اور مجمع الفتاوی میں ہے کہ ریشم دیا رنگریز کو تاکہ اس کو رنگے اس قدر اجرت پر پھر مالک بولا کہ اس کو مت رنگ اور مجھ کو پھیر دے سو اس نے نہ پھیر دیا پھر کپڑا تلف ہوگیا تو رنگریز پر تاوان نہیں وفیہ سئل ظہیر الدین عمن استاجر رجلا لیعمل لہ فی الضیعۃ فلما خرج نزل المطر وامتنع بسببہ ہل لہ الاجر قال لا اور مجمع الفتاوی میں ہے کہ ظہیر الدین سے اس شخص کے حکم کا سوال ہوا جس نے ایک مرد کو مزدور کیا تاکہ وہ اس کا کام کرے زمین میں سو جب کہ مزدور کام کے واسطے نکلا مینہ برسنے لگا اور وہ کام سے باز رہا اس کے سبب سے کیا اس کی اجرت لازم ہوگی ظہیر الدین نے جواب دیا کہ نہیں یعنی اس واسطے کہ معقود علیہ واقع نہ ہوا بلا منع مستاجر استاجر دابۃ لیحملہا کذا فمرضت فحملہا دونہا ہل للمکتری الرجوع بحصتہ قال لا لانہ رضی بذلک جانور کرایہ لیا تاکہ اس پر اتنا بوجھ لادے سو جانور بیمار ہوگیا تو محل معین سے کم تر لادا تو کیا مستاجر کو کمی کے حصہ کے موافق کرایہ پھیر لینا جائز ہے ظہیر الدین نے جواب دیا کہ جائز نہیں اس واسطے کہ مستاجر اسی قدر کے لادنے پر راضی

---

[1] قال الطحطاوی قال فی ضیاء العلوم المکاری الذی یکری دابتہ والکاری الذی یکتریہا اھ منہ

ہوگیا استاجر رحی فمنعہ الجیران عن الطحن لتوہین البناء وحکم القاضی بمنعہ ہل تسقط حصتہ مدۃ المنع قال لا مالم یمنع ظاہرا من الطحن مستاجر نے چکی کرایہ لی سو اس کو پڑوسیوں نے پیسنے سے منع کیا بسبب کمزور ہو جانے مکانات کے اور قاضی نے بھی منع کا حکم کیا تو مدت منع کا حصہ کیا ساقط ہوگا ظہیرالدین نے جواب دیا کہ ساقط نہ ہوگا جب تک ظاہر میں پیسنے سے منع نہ کیا جائے گا م مراد یہ ہے واللّٰہ اعلم کہ لوگ اس کو چکی نہ پیسنے دیں یا چکی کے گھمانے والے جانور کو کھول دیں کذا فی الطحطاوی استاجر حماما سنۃ فغرق مدۃ ہل یجب کل الاجر قال انما یجب بقدر ما کان منتفعا ایک برس کیلئے حمام کرایہ پر لیا سو ایک مدت تک پانی میں ڈوبا رہا تو کیا تمام اجرت واجب ہوگی ظہیرالدین نے جواب دیا کہ بقدر حصول منفعت اجرت واجب ہوگی وفی الوہبانیۃ ــــــــ ویسقط فی وقت العمارۃ مثل ما لو انہدم بعض الدار فالہدم یحزر ۔۔۔ اور وہبانیہ میں ہے اور ساقط ہوتا ہے اجر عمارت کے وقت میں مانند اس سقوط کے کہ گھر کا بعض مکان منہدم ہو جائے تو انہدام تخمین کیا جائے م یعنی مقدار انہدام تخمین کر کے بقدر اس کے اجرت ساقط کی جائے اور یہ ظاہر الروایۃ کے مخالف ہے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ گھر کے بعض مکان کے گر جانے سے کرایہ ساقط نہیں ہوتا کذا فی الطحطاوی عن شرح الوہبانیۃ لعبدالبر وخالف فی قدر العمارۃ آمر + یقدم فیہا قولہ لا المعمر اور مخالفت کی مالک امر کرنے والے نے متاجر کی عمارت کی مقدار میں تو اس میں مالک کا قول مقدم ہوگا نہ متاجر عمارت کے بنانے والے کا م صورت مسئلہ یہ ہے کہ مالک خانہ نے متاجر کو امر کیا عمارت بنانے کا اور کرایہ میں مجرا کر لینے کا تو عمارت میں دونوں نے اتفاق کیا اور مقدار صرف میں اختلاف کیا تو صاحب خانہ کا قول مقبول ہوگا اور گواہ متاجر کے مسموع ہوں گے کذا فی الطحطاوی عن خزانۃ الاکمل قلت ومفادہ رجوع المستاجر بما ثبت علی الموجر بمجرد الامر یعنی الاتی تنور وبالوعۃ فلا بد من شرط الرجوع علیہ میں کہتا ہوں اور مفاد قول سابق پھیر لینا ہے متاجر کا اس چیز کو جو موجر پر ثابت ہو بمجرد امر کرنے کے یعنی مگر تنور اور نجاست کے چہ بچہ کے بنانے میں رجوع بمجرد امر کے نہیں تو ضرور ہے اشتراط رجوع سے موجر پر م طحطاوی نے کہا شارح کا یہ قول مسئلہ نظم سے مرتبط نہیں بلکہ قنیہ کی عبارت سے مرتبط ہے جو شرح وہبانیہ میں مذکور ہے اس طرح کہ نجم الائمہ بخاری نے کہا کہ جب متاجر گھر میں عمارت بنا دے مالک کے امر سے تو جس قدر اس کا صرف ہوا مر سے پھر لے اگرچہ رجوع صریحا شرط نہ ہو پھر قاضی خاں سے نقل کیا کہ تنور اور چہ بچہ میں رجوع بمجرد اذن بلا شرط صحیح نہیں انتہی ما فی القنیۃ تو معلوم ہوا کہ جو شارح نے ذکر کیا وہ قنیہ کا صریح ہے نہ مفادہ ولو خربت الدار سقط کل الاجر ولا تنفسخ بہ مالم یفسخہا المستاجر بحضرۃ الموجر ہو الاصح اور اگر کرایہ کا گھر ویران ہوگیا تو تمام کرایہ ساقط ہوگا اور اجارہ ویرانی سے فسخ نہیں ہو جاتا جب تک اس کو موجر کے سامنے فسخ نہ کرے یہی قول اصح ہے م اگر بعض مکان گھر کا منہدم ہوگیا اور مالک خانہ غائب ہے یا بیماری کے حیلہ سے قاضی کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتا تو اجارہ فسخ نہ ہوگا اور قاضی اس کی طرف سے وکیل قائم کرے کہ وہ فسخ کر دے کذا فی الطحطاوی عن القنیۃ واذا بنیت لا خیار لہ اور جب کہ گھر بنایا جاتا ہو بعد انہدام کے تو متاجر کا اختیار نہیں یعنی اس واسطے کہ انہدام قبل الفسخ سے انفساخ نہیں ہوتا وفی سکنی عرصتہا لا یجب الاجر قالہ ابن شحنۃ قلت وفی نفیہ نظر ولعلہ ارید المسمی اما اجرۃ المثل او حصتہ العرصۃ فلا مانع من لزومہا فتاملہ ویجی فی فسخہا مالیفیدہ فتنبہ اور خانہ منہدم کے پیش دروازے کے میدان کی سکونت میں اجرت واجب نہیں یہ کہا ہے ابن شحنہ نے میں کہتا ہوں کہ اس کی نفی میں اعتراض ہے اور شاید کہ نفی سے اجرت معینہ گھر کی مراد ہے لیکن مثل اس میدان کے کرایہ یا حصہ میدان کے کرایہ کے لازم ہونے کا کوئی مانع نہیں اور فسخ اجارہ کے باب میں وہ قول آوے گا جو لزوم اجرت کا مفید ہوگا سو خبردار رہنا م باب الفسخ کا قول مذکور یہ ہے زیلعی سے کہ اگر پن چکی کا پانی منقطع ہوگیا اور وہ مکان سوائے پیسنے کے لائق انتفاع ہے تو متاجر پر اجرت لازم ہوگی بسبب باقی رہنے معقود علیہ کے تو اگر منفعت لے گا تو بقدر اس کے حصہ کے اجرت لازم ہوگی انتہی اور فتاوی عالمگیری میں مذکور ہے کہ اگر سب گھر منہدم ہو جائے تو اجارہ فسخ نہ ہوگا اس واسطے کہ پیش دروازے سے انتفاع ممکن ہے کذا فی الطحطاوی استاجر حماما وشرط حط اجرۃ شہرین للعطلۃ فان شرط حط قدر العطلۃ صح بنا پر حمام اجارہ لیا اور

ملہ قولہ بمجرد تقدیم الخ علی المراد المحلیای یعلم قدر اجر المنہدم بالحزر والتقدیم یسقط قالہ الطحطاوی ۱۲ منہ

دو مہینے کی اجرت کی کمی بسبب معطل رہنے کے شرط کر لی تو اگر اجرت کام کرنا بقدر تعطل شرط کیا تو صحیح ہے کذا فی البزازیہ یعنی اگر تعطل سے مدت زیادہ ہوگی یا مدت مجہول ہوگی تو اجارہ فاسد ہو گا کذا فی الطحطاوی واجرۃ السجن والسجان فی زماننا یجب ان یکون علی رب الدین خزانۃ الفتاوی کرایہ قید خانہ کا اور اجرت قید خانہ کے نگہبان کی ہمارے زمانہ میں واجب یہ ہے کہ صاحب دین پر ہو کذا فی خزانۃ الفتاوی یعنی اس واسطے کہ اسی کے واسطے مدیون مقید ہوا ہے انقضت مدۃ الاجارۃ ورب الدار غائب فسکن المستاجر بعد ذلک سنۃ لا یلزمہ الکراء لہذہ السنۃ لانہ لم یسکنہا علی وجہ الاجارۃ کذلک لو انقضت المدۃ والمستا غائب والدار فی ید امرأتہ لان المرأۃ لم تسکن باجرۃ مدت اجارہ کی منقضی ہوگئی اور صاحب خانہ غائب ہے سو مستاجر ایک سال اس میں رہا تو اس پر کرایہ لازم ہوگ اس سال کا اس واسطے کہ وہ بطریق اجارہ کے نہیں رہا اسی طرح اگر مدت اجارہ ہو جائے اور مستاجر غائب ہو اور گھر مستاجر کی عورت کے تصرف میں ہو تو کرایہ نہیں اس واسطے کہ عورت اس میں بعوض اجرت نہیں رہی آجر دارہ کل شہر بکذا فلکل الفسخ عند تمام شہر فلو غاب المستاجر وقبل تمام شہر وترک زوجتہ ومتاعہ فیہا لم یکن للآجر الفسخ مع المرأۃ لانہا لیست بخصم والحیلۃ اجارتہا لآخر قبل تمام الشہر فاذا تم تفسخ الاولی فتنعقد الثانیۃ فتخرج منہا المرأۃ وتسلم للثانی خانیۃ اپنا گھر اجارہ دیا ہر مہینہ کا کرایہ اتنا تو مستاجر اور موجر ہر ایک کو فسخ اجارہ جائز ہے مہینہ تمام ہونے کے وقت تو اگر مستاجر غائب ہو مہینہ تمام ہونے سے پہلے اور اپنی زوجہ اور اسباب گھر میں چھوڑ گیا تو موجر کو اس کی عورت کے ساتھ اجارہ فسخ کرنا جائز نہیں اس واسطے کہ وہ مستاجر کی خصم نہیں اور مستاجر کی عورت سے فسخ اجارہ کا حیلہ یہ ہے کہ وہ گھر دوسرے شخص کو کرایہ دے مہینہ تمام ہونے سے پہلے پھر جب مہینہ تمام ہوگا تو پہلا اجارہ فسخ ہو گا اور دوسرا اجارہ منعقد ہوگا اب مستاجر کی عورت اس میں سے نکلے گی اور دوسرے مستاجر کو گھر تسلیم کیا جائے گا کذا فی الخانیۃ ؂

باب الاجارۃ الفاسدۃ

یہ باب ہے اجارہ فاسدہ کے احکام میں الفاسد من العقود ما کان مشروعا باصلہ دون وصفہ عقودوں میں سے عقد فاسد وہ ہے جس کی اصل مشروع ہو نہ وصف اس کا م عدم مشروعیت وصف جہالت سے یا اس شرط کے اشتراط سے عارض ہوتی ہے جس کو عقد مقتضی نہیں والباطل ما لیس مشروعا اصلا لا باصلہ ولا بوصفہ اور عقد باطل وہ ہے جو کسی طرح مشروع نہ ہو نہ اس کی اصل مشروع ہو نہ وصف اس کا جیسے اجارہ باطل چنانچہ اجارہ لینا بعوض مردار اور خون کے اور بت تراشی یا تصویرات بنا کے واسطے کسی کو نوکر رکھنا وحکم الاول وہو الفاسد وجوب اجر المثل بالاستعمال لو المسمی معلوما ابن کمال اور اول یعنی اجارہ فاسد کا حکم واجب ہو ہے اجرت مثل کا استعمال کرنے سے اگر اجرت معینہ معلوم ہو کذا ذکرہ ابن کمال م اجرت مثل سے مراد اس شخص کی اجرت ہے جو اجیر کا مماثل ہو اس عمل میں یعنی جو ایسا کام کرتا ہو اس زمان اور مکان میں اور اجرت دراہم اور دنانیر کی جنس سے ہوگی نہ مسمی کی جنس سے اور اگر اجرت مثل مختلف ہو تو لوگوں میں کا اعتبار ہوگا اور اجرت اجارہ فاسدہ کی حلال ہے اگرچہ اس کا سبب حرام ہے یہ قول ہے حلوانی کا اور حاکم کے نزدیک اجرت مذکورہ حلال نہیں ہے اور صحیح تر ہے اور اجرت مثل وہاں علی الاطلاق معتبر ہے جہاں اجرت مسمی نہ ہو اور درصورت تسمیہ اجرت مثل اجر مسمی سے زیادہ نہ ہوگی اور ظاہر کلام شارح اس پر دلالت کرتا ہے کہ درصورت تسمیہ اجرت مثل واجب ہے اور حالانکہ ایسا نہیں ہے کذا فی الطحطاوی بخلاف الثانی وہو الباطل فانہ لا اجر فیہا بالاستعمال حقائق بخلاف ثانی یعنی اجارہ باطل میں اجرت نہیں استعمال کرنے سے کذا فی الحقائق ولا تملک المنافع فی الاجارۃ الفاسدۃ بالقبض بخلاف البیع الفاسد فان المبیع یملک فیہ بالقبض اور اجارہ فاسدہ میں منافع مستاجر کی ملک میں نہیں آتے قبض کرنے سے برخلاف بیع فاسد کے اس واسطے کہ بیع فاسد میں بیع مملوک ہو جاتی ہے مشتری کے قبض کرنے سے بخلاف فاسد الاجارۃ حتی لو قبضہا المستاجر لیس لہ ان یوجرہا بخلاف اجارۂ فاسد کے کہ اس میں منافع مملوک نہیں ہوتے تو اگر مستاجر نے عین مستاجرہ پر قبضہ کیا تو اس کو جائز نہیں کہ اور شخص کے اجارہ میں دے ولو اجرہا وجب اجر المثل ولا یکون غاصبا ولا اول نقض الثانیۃ بحر معزیا للخلاصۃ اور اگر مستاجر مذکور اس کو اجارہ دے گا تو مستاجر اول پر اجرت مثل واجب ہوگی اور

اس فعل سے وہ غاصب نہ ہوگا اور اول یعنی مالک موجر اول کو اجارہ ثانیہ کا توڑ ڈالنا جائز ہے چنانچہ بحرالرائق میں ہے خلاصہ سے منقول ہے وفی الاشباہ المستاجر فاسدا لو آجر صحیحا جاز وقیل لا اور اشباہ میں ہے کہ اجارہ فاسدہ کا مستاجر اگر اس کو اجارہ صحیح دے تو جائز ہے چنانچہ آگے آوے گا معلوم ہوا کہ اجارہ مذکورہ کے عدم جواز اور جواز میں دو قول ہیں اور دونوں کی تصحیح واقع ہوئی ہے کذافی الطحطاوی وتفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد اجارہ کو فاسد کر ڈالتی ہیں وہ شرطیں جو مقتضائے عقد کے مخالف ہیں م چنانچہ پن چکی کے اجارہ میں شرط ہوئی کہ اگر پانی منقطع ہو جائے تو بھی مستاجر پر اجرت لازم ہوگی اس واسطے کہ موجب عقد یہ ہے کہ اجرت واجب نہ ہو بلا قدرت حصول منفعت فکل ما افسد البیع مما مر یفسدہا کجہالۃ ماجور او اجرۃ او مدۃ او عمل وکشرط طعام عبد وعلف دابۃ ومرمۃ الدار او مغارمہا وعشر او خراج او مؤنۃ رد اشباہ سو جو چیز بیع کی مفسد ہے چنانچہ کتاب البیع میں مذکور ہو چکی وہی چیز اجارہ کو فاسد کر ڈالتی ہے چنانچہ ماجور اور اجرت اور مدت اور عمل کی جہالت اور جیسے اجارہ کے غلام کا کھانا اور کرایہ کے جانور کا چارہ اور کرایہ کے گھر کی مرمت اور اس کے مصارف اور زراعت کی زمین کا عشر یا خراج اور اجارہ کی چیز پہنچا دینے کا خرچ مشروط ہونا مستاجر پر کذافی الاشباہ م وجہ فساد اجارہ یہ ہے کہ اعمال مذکورہ منجملہ اجرت کے قرار دیے گئے اور وہ مجہول غیر معلوم ہیں اور جہالت بعض اجر موجب ہے باقی اجرت کی جہالت کی کذافی حاشیۃ الاشباہ لابی السعود وتفسد ایضا بالشیوع بان یوجر نصیبا من دارہ او نصیبہ من دار مشترکۃ من غیر شریکہ او من احد شریکیہ انفع الوسائل وعمادیہ من الفصل الثلثین اور شیوع یعنی عدم امتیاز سے بھی اجارہ فاسد ہو جاتا ہے اس طرح پر کہ اپنے گھر سے حصہ غیر معین اجارہ دے یا مشترک گھر سے اپنا حصہ اپنے شریک کے سوا کسی اور شخص کو اجارہ دے یا دو شریکوں میں سے ایک شریک کو اجارہ دے چنانچہ انفع الوسائل اور عمادیہ میں ہے تیسویں فصل سے م فصولین میں ہے کہ ایک زمین مشترک ہے چند شخصوں میں تو اگر ایک شریک سب شریکوں کو اجارہ دے تو صحیح ہے اور اگر ایک شریک کو دے تو جائز نہیں واحترز بالاصلی عن الطاری فلا یفسد علی الظاہر کان آجر الکل ثم فسخ فی البعض او آجر لواحد فمات احدہما او بالعکس اور مصنف نے احتراز کیا شیوع اصلی کی قید لگا کر شیوع طاری سے تو شیوع طاری اجارہ کا مفسد نہیں بموجب ظاہر الروایت کے چنانچہ تمام گھر تمام زمین اجارہ دی پھر بعض میں اجارہ فسخ کر ڈالا یا دو شریکوں نے ایک شخص کو مشترک چیز اجارہ دی پھر ایک موجر مرگیا یا اس کے بالعکس یعنی ایک نے دو شخصوں کو اجارہ دیا پھر ایک مستاجر مرگیا م صورتین اخیرتین میں میت کے حصہ میں اجارہ فسخ ہوگا اور زندہ کے حصہ میں اجارہ قائم رہے گا باوجود شیوع کے اس واسطے کہ یہ شیوع طاری ہے نہ اصلی وہی الحیلۃ فی اجارۃ المشاع کما لو قضی بجوازہ اور وہ یعنی تمام چیز میں اجارہ کرنا پھر بعض میں فسخ کر دینا حیلہ ہے جواز مشاع کے اجارہ میں جیسے جواز اجارہ مشاع پر قاضی کا حکم ہو جانا م یعنی جو چاہے کہ مشاع چیز کو اجارہ دے اس کی دو تدبیریں ہیں ایک یہ ہے کہ کل چیز کو اجارہ دے پھر بعض میں اجارہ فسخ کر ڈالے دوسری تدبیر یہ ہے کہ اس قاضی کے پاس مرافعہ کرے جس کے مذہب میں مشاع کا اجارہ جائز ہے سو وہ اس کے جائز ہونے کا حکم دے الا اذا آجر کل نصیبہ او بعضہ من شریکہ فیجوز شیوع اصلی مفسد اجارہ ہے مگر جب کہ ایک شریک اپنا تمام حصہ یا بعض حصہ اپنے دوسرے شریک کو اجارہ دے تو جائز ہے وجوزاہ بکل حال وعلیہ الفتوی زیلعی وبحر معزیا للمغنی لکن ردہ العلامۃ قاسم فی تصحیحہ بان ما فی المغنی شاذ مجہول القائل فلا یعول علیہ اور صاحبین نے اجارہ مشاع کو جائز کہا ہے ہر حال میں یعنی خواہ اجارہ شریک سے ہو یا غیر شریک سے خواہ محتمل القسمۃ میں ہو یا غیر محتمل میں اور اسی قول پر فتوی ہے کذافی الزیلعی اور بحرالرائق میں یہ فتوی مغنی سے منقول ہے لیکن اس فتوی کو علامہ قاسم نے اپنی تصحیح میں رد کر ڈالا اس طرح کہ جو فتوی مغنی میں ہے ایسا شاذ ہے جس کا قائل معلوم نہیں تو وہ اعتماد کے لائق نہیں م طحطاوی نے کہا اور قول معتمد علیہ وہ ہے جو فتاوی فخر الدین میں ہے کہ فتوی امام کے قول پر ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے ارباب شروح اور متون نے تو یہی مذہب ٹھہرا قلت فی البدائع لو آجر مشاعا یحتمل القسمۃ فقسم وسلم جاز لزوال المانع ولو ابطلہا الحاکم ثم قسم وسلم لم یجز میں کہتا ہوں اور بدائع میں ہے اور اگر اس مشاع کو اجارہ دیا جو قابل قسمت کے ہے پھر اس کی قسمت کی اور تسلیم کی اجارہ جائز ہے بسبب دور ہو جانے

مانع کے یعنی شیوع کے اور اگر حاکم نے اجارہ مشاع کو باطل کر دیا پھر اس کی قسمت اور تسلیم واقع ہوئی تو جائز نہیں **ویفتی بجوازہ لو البناء لرجل والعرصۃ لآخر** فصولین من الفصل الحادی والعشرین یعنی الوسط منہ اور فتوی دیا جائے اجارہ کے جواز کا اگر عمارت ایک مرد کی ہو اور زمین اس کی دوسرے شخص کی چنانچہ فصولین میں ہے اکیسویں فصل سے یعنی اس فصل کے درمیان میں یہ مسئلہ مذکور ہے م یعنی اگر صاحب عمارت اس کو اجارہ دے صاحب زمین یا اس کے غیر کو تو جائز ہے اور اس زمین کا اجارہ بلا عمارت بھی جائز ہے کذا فی الطحطاوی عن الجامع **وتفسد بجہالۃ المسمی کلا** او بعضہ کتسمیۃ ثوب او دابۃ او مأۃ درہم علی ان یرمہا المستاجر لصیرورۃ المرمۃ من الاجرۃ فیصیر الاجر مجہولاً اور اجارہ فاسد ہوتا ہے اجر مسمی کی جہالت سے تمام اجر مجہول ہو یا بعض چنانچہ نام لینا کپڑے یا جانور کا یا سو درم کا اس شرط پر کہ مستاجر گھر کی مرمت کرے بسبب ہو جانے مرمت کے اجرت میں سے یعنی خرچ مرمت کا اجرت میں داخل ہو گیا تو اجرت مجہول ہو گئی اس واسطے کہ معلوم نہیں کہ کتنا مرمت میں صرف ہوگا م کپڑا اور جانور تمام اجر کے مجہول ہونے کی مثال ہے اس واسطے کہ معلوم نہیں کہ کون کپڑا کون جانور اور سو درم اور مرمت جہالت بعض کی مثال ہے **وتفسد لعدم التسمیۃ** اصلا او بتسمیۃ خمر او خنزیر اور اجارہ فاسد ہوتا ہے اجرت کے مطلق نہ نام لینے سے یا شراب یا سور کے نام لینے سے م عدم تسمیہ کی یہ صورت ہے کہ موجر نے مستاجر سے کہا کہ میں نے اپنا گھر ایک مہینہ یا ایک برس تک تجھ کو اجارہ دیا اور یہ نہ کہا کہ اتنے کرایہ پر کذا فی المنح **فان فسدت بالاخیرین** لجہالۃ المسمی وعدم التسمیۃ **وجب اجر المثل** یعنی الوسط منہ **ولا ینقص عن المسمی** سو اگر اجارہ فاسد ہو گیا پچھلے دو سبب سے یعنی مسمی کی جہالت سے اور عدم تسمیہ سے تو اجرت مثل واجب ہوگی یعنی بیچ والی اجرت نہ اکثر نہ اقل اور اجرت کم نہ ہوگی مسمی سے م شارح کے اس قول یعنی لا ینقص عن المسمی میں خلل ہے اس واسطے کہ دونوں صورتوں میں تسمیہ نہیں اس واسطے کہ عدم تسمیہ میں امر ظاہر ہے اور جہالت مسمی تو در حکم عدم ہے کذا فی الطحطاوی **لا بالتمکین بل باستیفاء المنفعۃ** حقیقۃ کما مر **بالغا ما بلغ** لعدم ما یرجع الیہ اجارہ فاسدہ میں اجرت فقط تمکین یعنی موجر کے قادر کر دینے سے واجب نہ ہوگی بلکہ فی الحقیقت منفعت کے حاصل کرنے سے اجرت واجب ہوگی چنانچہ مذکور ہو چکا اجرت مثل واجب ہوگی کتنی ہے کیوں نہ ہو بسبب نہ ہونے اس چیز کے جس کی طرف رجوع کیا جائے ولا ینقص عن المسمی اور اجرت مثل کم نہ ہو مسمی سے م اس قول کا خلل مذکور ہو چکا علاوہ اس کے عدم مرجع الیہ اس کے مخالف ہے **وان تفسد بہما بل بالشرط والشیوع مع العلم بالمسمی لم یزد اجر المثل علی المسمی** لرضاہما بہ اور اگر اجارہ امرین مذکورین سے فاسد نہ ہو بلکہ شرط مخالف عقد یا شیوع اصلی سے فاسد ہو باوجود معلوم ہونے اجر مسمی کے تو اجرت مثل مسمی سے زیادہ نہ ہوگی بسبب راضی ہو جانے موجر اور مستاجر کے مسمی سے یعنی دونوں اسقاط زائد عن المسمی پر راضی ہو گئے م جہالت مسمی اور عدم تسمیہ میں اجرت مثل جس قدر کہ ہو اور ان کے سوا میں عدم زیادت علی المسمی اس واسطے واجب ہوئی کہ ذات منافع کی قیمت ہمارے نزدیک نہیں ہے بلکہ ان کی قیمت عقد یا شبہ عقد سے ٹھہرتی ہے پھر جب کہ منافع کی قیمت نہ ہوئی تو رجوع واجب ہوا عقد کی قیمت کی طرف اور زیادت علی المسمی ساقط ہو گئی اس واسطے کہ عاقدین اس کے اسقاط پر راضی ہو گئے اور جب کہ اجر مسمی مجہول اور معدوم ہوا تو مرجع منتفی ہوا تو موجب اصلی واجب ہوا یعنی وجوب قیمت جس قدر کہ ہو تقریر اس کلام کی اسی طرح لائق ہے اس واسطے کہ عبارات قوم اس مقام میں مضطرب ہیں کذا فی الدرر **وینقص عنہ** لفساد التسمیۃ اور اجرت مثل مسمی سے کم ہو بسبب فاسد ہو جانے تسمیہ کے واستثنی الزیلعی ما لو استاجر دارا علی ان لا یسکنہا فسدت ووجب ان سکنہا اجر المثل بالغا ما بلغ اور زیلعی نے قاعدہ مذکورہ سے وہ صورت مستثنی کی کہ ایک گھر اجارہ لیا اس شرط پر کہ مستاجر اس میں سکونت نہ کرے یعنی باوجود تسمیہ تو اجارہ فاسد ہے اور اگر مستاجر اس میں سکونت کرے گا تو اجرت مثل واجب ہوگی جس قدر کہ ہو م یہ فساد اجارہ شرط مخالف عقد سے ہوا تو لازم تھا کہ اجرت مثل مسمی سے زیادہ نہ ہوتی پھر جب زیادہ ہوئی تو یہ صورت قاعدہ مذکورہ سے مستثنی ٹھہری وحملہ فی البحر علی ما اذا جہل المسمی اور بحر الرائق میں اس صورت کو جہالت مسمی پر محمول کیا ہے یعنی مسئلہ مذکورہ میں اجرت مسمی مجہول ہے تو اجرت مثل واجب ہوگی تو در حقیقت قاعدہ مذکورہ سے استثناء نہ ٹھہرا لکن ارجعہ قاضی خان فی شرح الجامع الی جہالۃ المسمی فافہم وعلی کل فلا استثناء فتنبہ لیکن قاضی خاں نے مسئلہ مذکورہ کو جہالت

مسمی کی طرف پھیرا ہے تو اس کو سمجھ لے اور ہر تقدیر پر استثنا تو نہیں ہے تو آگاہ رہیو م طحطاوی نے کہا مطلب بحر الرائق اور قاضی خاں کا ایک ہی ہے تو استدراک بلا وجہ ہے اور بر تقدیر کہنا بھی بلا وجہ ہے اس واسطے کہ جو بحر الرائق اور قاضی خاں میں مذکور ہے وہ ایک ہی چیز ہے قلت وینبغی استثناء الوقف لان الواجب فیہ اجر المثل بالغا ما بلغ فتامل ہیں کتابوں اور وقف کا استثنا کرنا قاعدہ مذکورہ سے لائق ہے اس واسطے کہ وقف میں باوجود تسمیہ اجرت مثل واجب ہے جس قدر کہ اجرت مثل ہو سو غور کر **فان آجر دارہ** تفریع علی جہالۃ المسمی **بعبد مجہول فسکن مدۃ ولم یدفعہ فعلیہ للمدۃ اجر المثل بالغا ما بلغ وتفسخ فی الباقی** من المدۃ سو اگر اپنا گھر کرایہ دیا بعوض مجہول غلام کے پھر مستاجر گھر میں ایک مدت تک رہا اور غلام اس کو نہ دیا تو مستاجر پر اس کی مدت کے واسطے اجرت مثل واجب ہوگی جس قدر کہ ہو اور باقی مدت میں اجارہ فسخ ہوگا شارح نے کہا یہ مسئلہ جہالت مسمی پر متفرع ہے **آجر حانوتا کل شہر بکذا صح فی واحد فقط وفسد فی الباقی** لجہالتہا دکان کرایہ دی ہر مہینہ کا کرایہ اتنا تو فقط ایک مہینہ میں اجارہ صحیح ہوگا اور باقی مدت میں فاسد ہوگا بسبب مجہول ہونے مدت کے یعنی معلوم نہیں کہ پانچ مہینے یا دس والاصل انہ متی دخل کل فیما لا یعرف منتہاہ تعین ادناہ فاذا تم الشہر فلکل فسخہا بشرط حضور الآخر لانتہاء العقد الصحیح اور قاعدہ کلیہ اس کا یہ ہے کہ جب کل کا لفظ داخل ہوا اس میں جس کی نہایت معلوم نہیں چنانچہ ایام اور شہر تو اس کا کمتر معین ہوگا یعنی ایک دن یا ایک مہینہ پھر جب مہینہ تمام ہوگا تو موجر اور مستاجر ہر ایک کو اجارہ فسخ کر دینا جائز ہوگا بشرط حاضر ہونے دوسرے شخص کے بسبب ہو چکنے عقد صحیح کے **وفی کل شہر سکن فی اولہ** ہو اللیلۃ الاولی ویومہا عرفا وبہ یفتی **صح العقد فیہ ایضا** اور جس مہینہ کے اول میں مستاجر رہے گا دکان یا گھر میں تو اس مہینہ میں بھی اجارہ صحیح ہوگا اول ماہ سے مراد پہلی رات یعنی چاند رات اور اس کا دن ہے عرف میں اور اسی کا فتوی ہے م یعنی بلا تعیین شہور ہر مہینہ کا اجارہ مذکور ہوا تو ایک ہی مہینہ کا صحیح ہوگا لیکن اگر مستاجر دوسرے مہینہ کی پہلی رات اور دن میں وہاں سکونت کرے گا تو دوسرے مہینہ میں بھی اجارہ صحیح ہو جائے گا یہ قول ہے بعض متاخرین کا اور ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ اول ماہ ثانی میں دونوں کو فسخ اجارہ کا اختیار ہے ہر چند اول ماہ روایت ہلال سے ہے لیکن چونکہ اس کے اعتبار میں حرج تھا لہذا چاند رات اور اس کا دن معتبر ہوا ہکذا فی الدرر وشرح الوقایہ ولیس للمؤجر اخراجہ حتی ینقضی الا بعذر کما لو عجل اجرۃ شہرین فاکثر لکونہ کالمسمی زیلعی اور بعد سکونت اول ماہ موجر کو مستاجر کے اخراج کا ماہ ثانی میں اختیار نہیں جب تک کہ وہ مہینہ آخر نہ ہو جائے مگر عذر سے اخراج جائز ہے چنانچہ اس صورت میں اخراج جائز نہیں اگر مستاجر دو مہینہ یا زیادہ کی اجرت پیشگی دے اس واسطے کہ پیشگی دینا اجرت کا مسمی کے مانند ہے کذا فی الزیلعی **الا ان یسمی الکل** ای جملۃ شہور معلومۃ فیصح لزوال المانع ہر مہینہ کے اجارہ میں فقط ایک مہینہ کا اجارہ صحیح ہے مگر یہ کہ تمام یعنی سب شہور معلومہ کا نام لے تو اجارہ سب میں صحیح ہوگا زوال مانع کے سبب سے م یعنی موجر یوں کہے کہ میں نے اپنا گھر چھ مہینہ کو اجارہ دیا ہر مہینہ کا کرایہ اتنا کذا فی المنح **واذا آجرہا سنۃ بکذا صح وان لم یسم اجر کل شہر** وتقسم سویۃ اور جب کہ گھر اجارہ دیا ایک سال کو اتنے کرایہ پر تو عقد صحیح ہے اگرچہ ہر مہینہ کی اجرت مذکور نہ کی ہو اور سال کا کرایہ ہر مہینہ پر برابر قسمت ہوگا **واول المدۃ ما سمی** ان سمی اور ابتدائے مدت اجارہ وہ ہے جو مذکور ہوا اگر نام لیا ہو یعنی یوں مذکور ہو کہ اس سال کے رجب یا رمضان سے اجارہ ہوا **والا فوقت العقد** ہو اولہا اور اگر ابتداء مدت مذکور نہ ہوئی ہو تو وقت عقد اجارہ وہی اول مدت ہے **فان کان العقد حین یہل** بضم ففتح ای یبصر الہلال والمراد الیوم الاول من الشہر **اعتبر الاہلۃ** سو اگر اجارہ منعقد ہوا اس وقت جب کہ چاند دیکھا گیا تو مہینوں کا شمار چاندوں کے دیکھنے سے معتبر ہوگا شارح نے کہا یہل بضم یا فتح ہا بمعنی دیدہ شود ہلال اور مراد اس سے مہینہ کا پہلا دن ہے کذا فی الشمنی **والا فالایام** کل شہر ثلثون اور اگر اجارہ چاند دیکھنے کے وقت نہ ہوا ہو مہینوں کے شمار کے واسطے دن معتبر ہوں گے ہر مہینہ تیس دن کا وقالا یتم الاول بالایام والباقی بالاہلۃ اور صاحبین نے کہا کہ پہلا مہینہ دنوں سے پورا کیا جائے گا اور باقی مہینے چاند سے معتبر ہوں گے م یعنی اگر ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سال بھر کا اجارہ ہوا تو امام نزدیک سال پورا ہوگا دنوں کے شمار سے ہر مہینہ تیس دن کا تو ایک سال تین سو ساٹھ دن ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ذی الحجہ بیس دن کا ہوا تو سال تمام ہوگا دوسرے سال کی ذی الحجہ

کی دسویں تاریخ اور اگر ذیحجہ انتیس دن کا ہوگا تو سال تمام ہوگا ذیحجہ کی گیارہویں تاریخ کذا فی شرح الوقایہ **استاجر عبدا باجر معلوم وبطعامہ لم یجز لجہالۃ بعض الاجر** کام پر نوکر رکھا کسی کے غلام کو اجرت معین اور اس کی خوراک پر تو جائز نہیں بسبب مجہول ہونے بعض اجرت کے چنانچہ مذکور ہو چکا ہے یعنی اگر مثلاً دو روپیہ اور خوراک پر نوکر رکھا تو بعض اجر یعنی خوراک مجہول ہے یعنی معلوم نہیں کہ خوراک کس قدر آدھ سیر یا سیر بھر اور جہالت بعض جہالت کل کی موجب ہے مبسوط میں ہے کہ جس اجارہ میں خوراک یا چارہ جانور کا شرط ہے وہ اجارہ فاسد ہے مگر دایہ کا اجارہ کھانے اور کپڑے پر درست ہے انتہی فتاوی عالمگیری میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ جانور کے اجارہ میں چارہ کے ساتھ ہم متقدمین کے قول پر عمل کرتے ہیں یعنی عدم جواز پر اور ہمارے زمانہ میں تو غلام کھاتا ہے مستاجر کے مال سے بنا بر رواج اور عادت کے کذا فی الطحطاوی **وجاز اجارۃ الحمام لانہ علیہ الصلوۃ والسلام دخل حمام جحفۃ وللتعارف الناس** اور حمام کے نہانے کا اجارہ جائز ہے اس واسطے کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام جحفہ کے حمام میں تشریف لے گئے تھے اور بسبب رواج لوگوں کے م اتقانی نے کہا وجہ جواز یہ ہے کہ تمام شہروں میں لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں اگرچہ استعمال کے پانی کی اور وہاں کے ٹھہرنے کی مقدار مجہول غیر معین ہے تو مسلمین کا اجماع اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے اگرچہ قیاس سے جواز ثابت نہیں ہوتا مواہب لدنیہ میں ہے کہ دخول حمام جحفہ کی حدیث موضوع ہے کذا فی الطحطاوی **وقال علیہ الصلوۃ والسلام**[1] **ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن** قلت والمعروف وقفہ علی ابن مسعود کما ذکرہ ابن حجر اور آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس چیز کو سب مسلمان نیک جانیں تو وہ چیز خدا کے نزدیک نیک ہے میں کہتا ہوں اور اہل حدیث کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود پر موقوف ہے یعنی یہ قول صحابی کا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چنانچہ ابن حجر نے اس کو بیان کیا ہے م مقاصد حسنہ میں ہے کہ مسند احمد میں عن ابی وائل عن ابن مسعود مروی ہے کہ ابن مسعود نے کہا کہ اللہ تعالی نے بندوں کے دل دیکھے سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے اصحاب پسند کیے اور ان کو اپنے دین کا مددگار ٹھہرایا اور اپنے نبی کا وزیر بنایا سو جس کو مسلمین نیک جانیں وہ عند اللہ نیک ہے اور جس کو مسلمین بد جانیں وہ عند اللہ بد ہے اور یہ حدیث موقوف حسن ہے اور اسی طرح بزار اور طیالسی اور طبرانی نے ابن مسعود کے ترجمہ میں مذکور کیا ہے کذا فی الطحطاوی یہ حدیث حجیت اجماع کی دلیل ہے **وجاز بناؤہ للرجال والنساء ھو الصحیح للحاجۃ بل حاجتھن اکثر لکثرۃ اسباب اغتسالھن** اور حمام کا بنانا مردوں اور عورتوں کے نہانے کے واسطے جائز ہے یہی قول صحیح ہے بسبب حاجت اغتسال کے بلکہ عورتوں کی حاجت حمام کی طرف زیادہ تر ہے اس واسطے کہ عورت کے نہانے کے اسباب بہت ہیں **وکراھۃ عثمان محمول علی ما فیہ کشف عورۃ** زیلعی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مکروہ کہنا حمام کو محمول ہے اس حمام پر جس میں کشف عورت اور بے پردگی ہو کذا فی الزیلعی **وفی احکامات الاشباہ ویکرہ لھا دخول الحمام فی قول وقیل الا لمریضۃ او لنفساء والمعتمد ان لا کراھۃ مطلقا** قلت وفی زماننا لا شک فی الکراھۃ لتحقق کشف العورۃ وقدم فی النفقۃ اور اشباہ کے احکامات میں ہے اور مکروہ ہے عورت کے واسطے حمام میں جانا ایک قول میں اور قول ضعیف یہ ہے کہ عورت بیمار اور نفاس والی کو جائز ہے اور قول معتمد یہ ہے کہ مطلقاً کراہت نہیں میں کہتا ہوں اور ہمارے زمانے میں مکروہ ہونے میں کچھ شک نہیں بے پردگی کے ثبوت سے اور البتہ اس کا ذکر کتاب النفقہ میں مذکور ہو چکا ہے **والحجام لانہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم واعطی اجرتہ وحدیث النھی عن کسبہ منسوخ** اور حجام یعنی پچھنے لگانے والے کا اجارہ جائز ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خون نکلوایا پچھنوں سے اور اس کی مزدوری دی اور کسب حجام کی حدیث نہی منسوخ ہے **والظئر بکسر فھمزۃ المرضعۃ باجر معین لتعامل الناس بخلاف بقیۃ الحیوانات لعدم التعارف** اور دایہ کا اجارہ اجر معین پر جائز ہے بسبب رواج لوگوں کے بخلاف باقی حیوانات کے

---

[1] قال الطحطاوی کذا رواہ احمد فی کتاب السنۃ من حدیث ابی وائل عن ابن مسعود قال ان اللہ نظر الی قلوب العباد فاختار لہ اصحابا فجعلھم انصار دینہ ووزراء نبیہ فما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح وھو موقوف حسن وکذا اخرجہ البزار والطیالسی والطبرانی فی ترجمۃ ابن مسعود ومن العجلۃ کذا فی مقاصد الحسنۃ ۱۲ منہ ف حدیث دخول حمام الجحفۃ موضوع است ۱۲ ف حدیث ما راہ المسلمون حسنا

یعنی شیر نوشی کے واسطے گائے بکری کو اجارہ لینا یا اجارہ دینا جائز نہیں عدم رواج کے سبب سے شارح نے کہا ظئر بکسر ظاء معجمہ و سکون ہمزہ دودھ پلانے والی عورت ہے **وكذا الظئر بطعامها وكسوتها ولها الوسط** وهذا عند الامام لجريان العادة بالتوسعة على الظئر شفقة على الولد اور اسی طرح دایہ کو نوکر رکھنا اس کے کھانے اور کپڑے پر جائز ہے اور اس کے واسطے متوسط خوراک اور پوشاک یعنی نہ عمدہ تر نہ ناقص تر لازم ہوگی اور یہ جواز امام کے نزدیک ہے اس واسطے کہ دایہ پر خوراک اور پوشاک کی کشایش کی عادت جاری ہے بچے کی محبت اور شفقت سے م فتاوی کبری میں ہے کہ دایہ کے اجارہ میں توقیت یعنی وقت معین کرنا دودھ پلانے کی مدت معین کرنا بالاجماع شرط ہے انتہی اور صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک خوراک اور پوشاک پر اجارہ جائز نہیں اور یہی قیاس ہے اس واسطے کہ اجرت مجہول ہے امام کی طرف سے جواب یہ ہے کہ جب جہالت نزاع کی موجب نہ ہو تو صحت کی مانع نہیں ہے **وللزوج ان يطأها** خلافا لمالك اور دایہ کے شوہر کو دایہ سے قربت کرنا جائز ہے برخلاف امام مالک کے کہ ان کے نزدیک جائز نہیں **لا فی بيت المستاجر** لانه ملكه فلا يدخله **الا باذنه** دایہ کا شوہر قربت نہ کرے اس سے مستاجر کے گھر میں اس واسطے کہ گھر مستاجر کا مملوک ہے تو اس میں داخل نہ ہو مگر اس کے اذن سے **وللزوج فی نكاح ظاهر** ای معلوم بغير الاقرار **فسخها** مطلقا شانه اجارتها او لا فی الاصح اور شوہر کو ظاہر نکاح یعنی اس نکاح میں جو معلوم ہو بدون اقرار زوجین کے بھی فسخ اجارہ جائز ہے قول اصح میں ہر طرح خواہ اجارہ زوجہ اس کو عیب لگتا ہو بواسطہ اس کی شخصیت کے یا عیب نہ لگتا ہو **ولو غير ظاهر** بان علم باقرارهما **لا يفسخها** لان قولهما لا يقبل فی حق المستاجر اور اگر نکاح غیر ظاہر ہو اس طرح کہ نکاح معلوم ہوا ہو دونوں کے اقرار سے تو زوج اجارہ فسخ نہ کرے گا اس واسطے کہ دونوں کا قول مستاجر کے حق میں مقبول نہیں **وللمستاجر فسخها بحبلها ومرضها وفجورها** فجورا بينا ونحو ذلك من الاعذار اور مستاجر کو دایہ کا فسخ اجارہ جائز ہے دایہ کے حاملہ ہو جانے سے اور اس کی بیماری اور اس کی ظاہر زناکاری سے اور مانند اس کے اور عذرات سے فسخ اجارہ جائز ہے م منجملہ عذرات مذکورہ یہ ہے کہ لڑکا اس کے دودھ کو قے کر ڈالتا ہو یا دایہ سارقہ ہو یا لڑکا اس کا دودھ نہ پیتا ہو الحاصل جو امر صغیر کو مضر ہو تو اس کا منع مستاجر کو پہنچتا ہے چنانچہ زمان طویل دایہ کا غائب رہنا اور جو مضر نہ ہو اس کا منع جائز نہیں اور اس قدر اجارہ سے مستثنی ہوگا نماز کے اوقات کے مانند کذا فی الطحطاوی **ولا بكفرها** لانه لا يضر بالصبي اور فسخ اجارہ جائز نہیں دایہ کے کفر سے اس واسطے کہ کفر اس کا صغیر کو ضرر نہیں کرتا **ولو مات الصبي او الظئر انتقضت** الاجارة اور اگر لڑکا مر گیا یا دایہ تو اجارہ ٹوٹ گیا **ولو مات ابوه لا** اور اگر صغیر کا باپ مر گیا تو اجارہ نہیں ٹوٹتا اس واسطے کہ اجارہ صغیر کے واسطے ہے نہ اس کے باپ کے واسطے خواہ صغیر کا مال ہو یا نہ ہو اور بعضوں نے کہا بشرط مال صبی اجارہ باطل نہ ہوگا **وعليها غسل الصبي وثيابه واصلاح طعامه ودهنه** بفتح الدال ای طليه بالدهن للعرف وهو معتبر فيما لا نص فيه اور دایہ پر لازم ہے صغیر اور اس کے کپڑوں کا دھونا اور اس کا کھانا درست کرنا اور اس کے بدن میں تیل لگانا بسبب رواج کے اور رواج کا اعتبار وہاں ہے جہاں نص شرع نہیں شارح نے کہا دہن بفتح دال عبارت ہے تیل لگانے سے م قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب کسی کام پر اجارہ ہوا تو جو چیز اس کام کی توابع سے ہے اور اجیر پر اس کی شرط نہ ہوئی ہو اجارہ میں تو اس میں رواج کا اعتبار ہے کفایہ میں ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ صغیر کے کپڑے کا گوہ پیشاب سے دھونا دایہ پر ہے اور میلے کپڑوں کا دھونا اس پر نہیں اور جواہر الفتاوی میں اس قول کو صحیح نہ کہا ہے اور اصلاح طعام سے مراد یہ ہے کہ دایہ طعام کو چبا کر صغیر کو دے اور ایسی چیز نہ کھائے جس سے دودھ فاسد ہو جائے اور اس پر صغیر کا کھانا پکانا بھی لازم ہے کذا فی الطحطاوی **لا يلزمها ثمن شیء من ذلك** وما ذكر محمد من ان الدهن والريحان عليها فعادة اهل الكوفة اور دایہ پر لازم نہیں ان چیزوں کا ثمن یعنی تیل وغیرہ کا اور یہ جو محمد نے ذکر کیا ہے کہ تیل اور ریحان دایہ پر لازم ہے سو اہل کوفہ کی عادت تھی **وهو ای ثمنه واجرتها علی ابيه ان لم يكن** له ای للصغیر **مال والا ففی ماله** لانه كالنفقة اور وہ یعنی تیل وغیرہ کا ثمن اور اس کے دودھ پلانے کی اجرت اس کے باپ پر ہے اگر صغیر کا مال نہ ہو اور اگر اس کا مال ہو میراث یا ہبہ سے تو اس کا ثمن صغیر کے مال میں ہوگا اس واسطے کہ وہ نفقہ کے مانند ہے **فاذا ارضعته بلبن شاة او غذته بطعام ومضت**

المدۃ لا اجر لہما سو جب کہ دایہ نے لڑکے کو بکری کا دودھ پلایا اس کو کھانے کی غذا دی اور مدت گذر گئی تو اس کی اجرت نہیں **لان الصحیح ان المعقود علیہ ہو الارضاع والتربیۃ لا اللبن والتغذیۃ عنایۃ** اس واسطے اجرت نہیں کہ قول صحیح یہ ہے کہ جس پر عقد اجارہ واقع ہوا ہے وہ آدمی کا دودھ پلانا ہے اور پرورش نہ مطلق دودھ اور غذا دینا کذا فی العنایۃ **بخلاف مالو دفعتہ الی خادمتہا حتی ارضعتہ او استاجرت من ارضعتہ حیث تستحق الاجرۃ الا اذا اشترط ارضاعہا علی الاصح شرنبلالیۃ عن الذخیرۃ** برخلاف اس صورت کے کہ اگر دایہ نے صغیر کو دیا اپنی خادم لونڈی کو تو اس نے اس کو دودھ پلایا یا دایہ نے اس عورت کو چاکر رکھا جس نے صغیر کو دودھ پلایا تو دایہ اپنی اجرت کی مستحق ہوگی مگر جب کہ خود دایہ کا دودھ پلانا شرط ہوا اجارہ میں تو غیر کے دودھ پلوا دینے سے مستحق اجرت کی نہ ہوگی بقول اصح کذا فی الشرنبلالیہ عن الذخیرہ م فتاوی عالمگیری میں ذخیرہ سے قول صحیح مذکور ہے نہ اصح پھر فتاوی صغری سے منقول ہے کہ قول اوجہ یہ ہے کہ مستحق اجرت ہوگی انتہی جب کہ دایہ دوسری عورت کو نوکر رکھ کے دودھ پلوا دے تو دایہ پوری اجرت پا دے گی اور دوسری عورت کی اجرت دایہ پر لازم ہوگی کذا فی الطحطاوی **ولو آجرت نفسہا لذلک لقوم آخرین ولم یعلم الاولون فارضعتہما وفرغت اثمت ولہا الاجر کاملا علی الفریقین لشبہہا بالاجیر الخاص والمشترک وتمامہ فی العنایۃ** اور اگر دایہ نے اس واسطے یعنی دودھ پلانے کے واسطے اپنی ذات اجارہ دی دوسری قوم سے اور پہلے مستاجروں کو اجارہ ثانیہ معلوم نہیں ہوا اس نے دونوں لڑکوں کو دودھ پلایا اور فارغ ہوئی مدت اجارہ سے تو دایہ گناہ گار ہوگی اور اس کی پوری اجرت لازم ہوگی دونوں فریق پر بسبب مشابہ ہونے دایہ کے اجیر خاص اور اجیر مشترک سے اور پورا اس کا بیان عنایہ میں ہے م اور اگر اول مستاجر کو دوسری جگہ کی نوکری معلوم ہو تو دایہ پر گناہ نہ ہوگا اجیر مشترک کے ساتھ تشابہ کی یہ وجہ ہے کہ دایہ کو ایفاء عمل دونوں جگہ ممکن ہے خیاط کے مانند اور صحیح قول شرح اسبیجابی میں یوں مذکور ہے کہ اگر دایہ کے گھر میں صغیر کو دیا دودھ پلانے کو تو دایہ اجیر مشترک ہے اور اگر دایہ کو مستاجر نے اپنے گھر میں رکھا تو وہ اجیر خاص ہے کذا فی الطحطاوی **لا تصح الاجارۃ لعسب التیس وہو نزوہ علی الاناث** صحیح نہیں اجارہ بکری کی جفتی کا یعنی نر کے ڈالنے کا مادہ پر گابھن کرنے کے واسطے م بعضے لوگ پانچ یا دس روپیہ دے کر عمدہ گھوڑے کو گھوڑیوں پر چھوڑتے ہیں بچہ لینے کے واسطے سو جائز نہیں حدیث شریف میں اس اجرت کو اور قحبہ کی خرچی کو حرام فرمایا ہے اور اس واسطے کہ گابھن کرنے پر قدرت حاصل نہیں تو اس پر اجرت لینا جائز نہ ہوگا حاشیہ حلبی میں ہے اور اگر یہ فعل بطریق عاریت کے ہو تو مستحب ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے **ولا لاجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاہی ولو اخذ بلا شرط یباح** اور نہ اجارہ صحیح ہے گناہوں کے واسطے چنانچہ راگ اور نوحہ گری اور باجوں کے واسطے اور اگر بلا شرط اجرت لے تو مباح ہے م نوحہ گری یہ کہ میت پر روو سے اور اس کی خوبیاں بیان کرے اور ملاہی سے مراد باجے ہیں چنانچہ مزامیر اور طبل وغیرہما یعنی لہو ولعب کا طبل اور اگر غازیوں کا طبل ہو یا شادی کا طبل تو جائز ہے اور اسی طرح طبل قافلہ درست ہے منتقی میں ہے کہ مال کسب کیا نوحہ گری اور طبل نوازی سے تو وہ اس کے مالکوں کو پھیر دے اگر وہ لوگ معلوم ہوں اور نہیں تو اس کو خیرات کرے اور اگر بلا شرط ہو تو مال مباح ہے امام استاد نے کہا کہ بلا شرط بھی مال حلال نہیں اس واسطے کہ معروف مشروط کے مانند ہے انتہی اور ہمارے زمانہ میں یہی قول بالیقین ماخوذ ہے اس واسطے کہ یہ خوب معلوم ہے کہ گانے والے اور بجانے والے بدون اجرت کے نہیں جاتے کذا فی الطحطاوی ملخصا **ولا لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامۃ وتعلیم القرآن والفقہ ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان ویجبر المستاجر علی دفع ما قبل فیجب المسمی بعقد واجر المثل اذا لم یذکر مدۃ شرح وہبانیہ من الشرکۃ ویحبس بہ یفتی** اور نہ اجارہ صحیح ہے طاعات کے واسطے مانند اذان اور حج اور امامت اور تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ کے اور آج یعنی اس زمانہ میں فتوی دیا گیا ہے صحت اجارہ کا تعلیم قرآن اور فقہ اور امامت اور اذان کے واسطے اور مستاجر پر زبردستی ہوگی اس مال کے دینے پر جو اس نے قبول کیا ہے تعلیم قرآن وغیرہ کے واسطے تو اجرت معین

ف اجرت جفتی حیوانات حرام است ۱۲ ف۲ مال مغنیان نوحہ گران و مزامیر نوازان حرام است ۱۲ ف۳ جواز چاکری تعلیم قرآن و فقہ و امامت و اذان ۱۲

عقد اجارہ سے واجب ہوگی اور اجرت مثل واجب ہوگی جب کہ مدت اجارہ مذکور نہ ہوئی ہو کذا فی شرح الوہبانیۃ من کتاب الشرکۃ اور مستاجر اجرت مذکورہ کے نہ دینے سے قید کیا جائے اسی قول کا فتویٰ ہے ہم اصل یہ ہے کہ عبادات پر اجارہ جائز نہیں لیکن متاخرین مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن اور فقہ اور امامت اور اذان پر نوکری کرنے کا فتوی دیا ہے اس دلیل سے کہ زمان سابق میں اہل علم کی معاش بیت المال سے مقرر تھی اور لوگ تعلیم علوم دینی کی واجب جانتے تھے اور خلق کو تحصیل علوم کا شوق بہت تھا اور اس وقت میں اسلام ضعیف ہو گیا امور مذکورہ سب برہم ہو گئے اور اہل علم تحصیل معاش میں مشغول ہوئے اور وہ لوگ دیندار کم ہو گئے جو للہ تعلیم کریں تو اگر تعلیم بالاجر کی فتح باب نہ ہو تو قرآن اور فقہ مفقود ہو جائیں لہذا جواز اجارہ مذکورہ کا فتوی ہوا اور مشائخ مذکورین نے فرمایا ہے کہ احکام مختلف ہو جاتے ہیں زمانہ کے اختلاف سے کذا فی المنح وغیرہ تو زمان سابق میں اجارہ مذکورہ بدلیل مسطور جائز نہ تھا اور اس زمانے میں جائز ہے بوجہ مزبور واللہ اعلم اور تعلیم کتابت اور طب اور تعبیر کی نوکری بالاتفاق جائز ہے **وجبر علی دفع الحلوۃ المرسومۃ** ہی مایہدی للمعلم علی رؤس بعض سور القرآن سمیت بہا لان العادۃ اہداء الحلاوی اور معلم قرآن کے نوکر رکھنے والے پر شیرینی مرسوم کے دینے پر زبردستی ہوگی شیرینی سے مراد وہ چیز ہے جو معلم کو دی جاتی ہے قرآن شریف کے بعض صورتوں کے شروع کرنے پر چنانچہ سورۂ تبارک اور فتح اور یس یہ دینا مسمی بہ شیرینی اس واسطے ہوا کہ شیرینی ہدیہ دینے کی عادت ہے ہم طحطاوی نے کہا شاید کہ سابق یہ عادت تھی اور اب متروک ہے یا بعض بلاد میں ہو **ولو دفع غزلا لآخر لینسجہ لہ بنصفہ** ای بنصف الغزل **او استاجر بغلا لیحمل طعامہ ببعضہ او ثورا لیطحن برہ ببعض دقیقہ فسدت** فی الکل لانہ استاجرہ بجزء من عملہ والاصل فی ذلک نہیہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قفیز الطحان[1] وقدمناہ فی بیع الوفاء اور اگر ایک شخص نے دوسرے کو سوت دیا تاکہ اس کو بن دے اس کی نصف پر یعنی بنے نصف سوت کی مزدوری پر یا خچر کرایہ کو لیا تاکہ اس کا اناج لاوے بعض اناج مذکور کے کرایہ پر یا بیل کرایہ کو لیا تاکہ اس کے گیہوں پیس دے کچھ اس کے آٹے کی مزدوری پر تو سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہوگا اس واسطے کہ مزدوری ٹھہرائی اجیر کے بعض عمل سے یعنی بنا کپڑا اور طعام محمول اور پیسا آٹا اجیر کے فعل سے حاصل ہوا اور اسی سے اس کی مزدوری ٹھہری اور یہ جائز نہیں اور اصل اس باب میں قفیز طحان کی حدیث نہی ہے اور اس کو ہم مقدم ذکر کر چکے ہیں بیع الوفا کے باب میں ہم وجہ عدم جواز یہ ہے کہ شرط صحت اجارہ یہ ہے کہ مستاجر تسلیم اجرت پر قادر ہو اور ان صورتوں میں قادر نہیں بلکہ عاجز ہے یعنی بعض منسوج یا محمول یا مطحون کی تسلیم سے عاجز ہے اس واسطے کہ حصول اس کا غیر کے فعل پر ہے اور آدمی دوسرے کی قدرت سے قادر نہیں شمار ہوتا ہدایہ میں کہا ہے کہ یہ اصل کبیر ہے یعنی قاعدہ کلیہ کثیر الفروع ہے جس سے اکثر اجارات کے فساد کا حکم معلوم ہوتا ہے چنانچہ من بھر تل پیلنے کا اجارہ کیا سیر بھر تیل کی مزدوری پر یا زمین دی تا کہ دوسرا شخص اس میں درخت لگا دے اس شرط پر کہ زمین اور درخت موجر اور مستاجر میں نصفا نصف ہو تو اجارہ جائز نہیں درخت صاحب زمین کا ہوگا اور اس پر قیمت درخت کی لازم ہوگی اور اجرت اس کی عمل کی اور اسی طرح روئی کا کتوانا کچھ سوت پر اور کپاس نکالنا کپاس کے کھیت سے نصف کپاس یا کم وبیش پر اور جوار باجرے کا مانڈنا یعنی بالیوں سے دانہ جدا کرنا نصف دانہ پر اور گیہوں کا کھیت پختہ کاٹنا نصف پر اور مانند اس کے اور اجارات جائز نہیں ہیں کذا فی الطحطاوی عن الشلبی قفیز طحان کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے بیل اجارہ لے گیہوں کے پیسنے کے واسطے اس شرط پر کہ بیل کے مالک کی مزدوری ایک قفیز آٹا ہے اسی گیہوں سے اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کا اونٹ اور پکھال اجارہ لی پانی لانے کے واسطے اس شرط پر کہ جس قدر اس میں اللہ تعالی روزی دے وہ دونوں میں نصفا نصف ہے تو اجارہ فاسد ہے پھر اگر پکھال میں پانی اونٹ پر لاد لاوے گا اور بیچے گا تو تمام ثمن عامل کا ہوگا اور عامل پر اونٹ اور پکھال کی اجرت مثل لازم ہوگی اور اسی طرح اگر جال لیا شکار کرنے کے واسطے اس شرط پر کہ جس قدر شکار حاصل ہوگا وہ دونوں میں نصفا نصف ہے تو جس قدر شکار ملے گا وہ شکار کرنے والے کا ہے اور جال کی اجرت مثل اس پر واجب ہوگی اور اگر گائے یا مرغیاں دوسرے شخص کو چرانے کے واسطے دیں

---

[1] قفیز یعنی پیمانہ اور طحان یعنی پیسنے والا یعنی جو پیمانہ کہ پیسنے والے کو اس کے پیسے ہوئے آٹے میں سے دیا جائے بطور اس کی اجرت کے ۱۲

اس شرط پر کہ جس قدر دودھ اور انڈے ہوں وہ دونوں میں نصفا نصف ہیں تو اجارہ فاسد ہے دودھ اور انڈے مالک کے ہیں اور چرانے والے کو چرائی کی اجرت مثل ملے گی اور اگر اس نے اپنا چارہ دیا تو اس کی قیمت پاوے گا اور نصفا نصف ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ نصف گایوں اور مرغیوں کو اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور ثمن معاف کر دے تو اب جو پیدا ہو گا وہ دونوں میں نصفا نصف ہو گا ایک شخص کا مدیون ہے دوسرے شہر میں سو اس نے مزدور سے کہا کہ اس کے پاس جا اور میرا مال حاصل کر پھر جب مال مذکور لادے گا تو تجھ کو دس درم دوں گا اسی مال سے پھر وہ گیا اور مال لایا تو مزدور کی اجرت مثل واجب ہو گی اور دس درم کا اشتراط مال مقبوض سے شرط فاسد ہے اس واسطے کہ معنی قفیز طحان ہے کذا فی العالمگیریہ ہم جمیع مسائل مذکورہ قفیز طحان میں داخل ہیں والحیلۃ ان یفرز لہ الاجر اولا او یسمی قفیزا بلا تعیین ثم یعطیہ قفیزا منہ فیجوز اور مسائل متبن کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ اس کی اجرت پہلے سے جدا کر دے یعنی حائک کو سوت اور حمال کو طعام قبل از نسج و حمل دے یا قفیز طحان کی صورت میں ایک قفیز آٹا اجرت مقرر کرے بلا تعیین یعنی یوں نہ کہے کہ اس گیہوں کا آٹا پھر اس کو ایک قفیز آٹا اس کے پیسے آٹے سے دے ہم اس واسطے کہ جب آٹا معین گیہوں کی طرف منسوب نہ ہوا تو مستاجر کے ذمہ پر دین واجب ہوا اور اجرت کا جس طرح مشار الیہ ہونا جائز ہے اسی طرح اس کا دین فی الذمہ ہونا بھی جائز ہے پھر جب کہ یہ جائز ہوا تو مستاجر کو اختیار ہے کہ اسی گیہوں کے آٹے سے اجرت مذکورہ دے کذا فی العالمگیریہ عن المحیط ولو استاجرہ لیحمل لہ نصف ہذا الطعام بنصفہ الآخر لا اجر لہ اصلا لصیرورتہ شریکا اور ایک شخص سے اجارہ کیا اس کا کہ مالک کا یہ نصف غلہ لادے بعوض نصف ثانی کے تو اجیر کے واسطے اصلا اجرت نہیں یعنی نہ اجر مسمی نہ اجر مثل بسبب ہو جانے اجیر کے شریک ہم صورت اس کی یہ ہے کہ مثلا زید کا من بھر یعنی چالیس سیر غلہ ہے اس نے خالد سے کہا کہ بیس سیر لادے چل اور بیس سیر باقی اپنی اجرت میں لے سو اس نے پورا من لادا تو اس کی کچھ مزدوری ثابت نہ ہو گی کیونکہ خالد زید کا شریک ہو گیا زیلعی نے کہا اور جو شخص اس غلہ کو لادے جو اس میں اور اس کے غیر میں مشترک ہے وہ مستحق اجرت نہیں ہوتا اس واسطے کہ جو عمل اپنے شریک کے واسطے کرے گا تو بعض عمل اپنی ذات کے واسطے بھی واقع ہو گا لہذا مستحق اجرت نہ ہو گا وما استشکلہ الزیلعی اجاب عنہ المصنف اور جو زیلعی نے مسئلہ مذکورہ میں اشکال بیان کیا ہے مصنف نے اس کا جواب دیا ہے یعنی اپنی شرح میں ہم زیلعی نے اس مسئلہ میں دو اشکال مذکور کیے ہیں اشکال اول یہ کہ اجارہ تو فاسد ہے اور حالانکہ اجارہ صحیحہ میں اجرت فقط عقد سے مملوک نہیں ہوتی تو یہاں بلا تسلیم اور بلا شرط تعجیل کیونکر اجیر مالک ہو گا یعنی جب اجیر مالک نہ ٹھہرا تو شریک کیونکر ہو گا اشکال ثانی یہ کہ عدم استحقاق اجرت اور ملک میں منافات ہے پھر جب اجیر مستحق اجرت نہ ہوا تو کون سبب سے مالک ہو گا مصنف نے اول اشکال کا جواب یوں دیا کہ صورت مسئلہ تعجیل اجرت میں مفروض ہے اور تعجیل اجرت سے فی الحال ملک ثابت ہوتی ہے جیسے اشتراط تعجیل سے ملک ثابت ہوتی ہے اور اشکال ثانی کا یوں جواب دیا کہ ملک فی الحال اور عدم استحقاق میں منافات نہیں اس واسطے کہ ملک فی الحال کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں اجیر اجرت کا مالک ٹھہرتا ہے بموجب عقد اور تسلیم اجرت کے اور عدم استحقاق کا مطلب یہ کہ اجرت کا مستحق نہیں ہے بطلان عقد کے سبب سے قبل از عمل باوجود مالک ہو جانے اجرت کے تسلیم سے کیونکہ وہ شریک ہو گیا مالک کا غلہ میں قبل ایفاء معقود علیہ کے تو دونوں مطلبوں میں تنافی نہ ہوئی بلکہ اول مودی ہے ثانی کی طرف انتہی لیکن اس جواب میں خلل یہ ہے کہ یہ عقد فاسد ہے اور فاسد میں بدون عمل کے اجرت واجب نہیں ہوتی اور حالانکہ ہنوز عمل واقع نہیں ہوا اور یہ بھی ہے کہ تعجیل نہیں ہو سکتی بدون جدا کر دینے اجرت کے اور حالانکہ یہ واقع نہیں لہذا بعض فضلا نے کہا کہ ملک فی الحال کا کلام علی سبیل الفرض والتقدیر واقع ہوا ہے تو تقدیر کلام یوں ہے کہ اگر صورت مفروضہ میں اجرت واجب ہوتی تو اجیر مالک ہوتا اجرت کا فی الحال تعجیل سے کذا فی الطحطاوی مختصرا وقال صرحوا بان دلالۃ النص لا عموم لہا فلا یخص عنہا شئ بالعرف کما زعمہ مشائخ بلخ مصنف نے اپنی شرح میں کہا اور علما نے تصریح کی ہے کہ دلالۃ النص میں عموم نہیں تو دلالۃ النص سے کسی چیز کی تخصیص نہ ہو گی جیسا کہ مشائخ بلخ نے گمان کیا ہے ہم زیلعی میں ہے کہ مشائخ بلخ اور نسفی نے حمل طعام کو بعض محمول اور نسج ثوب کو بعض منسوج کی اجرت پر جائز رکھا ہے اپنے اہل بلاد کے تعامل اور رواج کے سبب سے اور جو اس کو جائز نہیں جانتا وہ اس کو قفیز طحان پر محمول کرتا ہے حالانکہ قیاس متروک ہو جاتا ہے تعارف سے اور اگر یوں کہیے کہ عدم

جواز بطریق قیاس کے نہیں بلکہ قفیز طحان کے نص اس کو شامل ہے باعتبار دلالت کے تو نص مخصوص ہو جاتی ہے تعامل اور عرف سے کیا تو نہیں جانتا ہے کہ استصناع میں قیاس متروک ہے اور قواعد شرعیہ سے اس کی تخصیص ہو گئی ہے تعامل کے سبب سے اور ہمارے مشائخ اس تخصیص کو جائز نہیں رکھتے اس واسطے کہ یہ ایک اہل شہر کا رواج ہے اور اس سے حدیث قفیز طحان کی مخصوص نہیں ہو سکتی بخلاف استصناع کے کہ اس کا رواج جمیع بلاد میں ہو گیا ہے اور ایسے رواج سے البتہ قیاس متروک ہو جاتا ہے اور حدیث اور اثر مخصوص ہوتا ہے انتہی اور عنایہ میں ہے اگر کوئی کہے کہ ہم قیاس کو ترک نہیں کرتے بلکہ دلالۃ النص سے بعض ما فی معنی قفیز الطحان کو تعارف اور رواج کے سبب سے مخصوص کرتے ہیں چنانچہ مشائخ بلخ نے ثیاب میں تخصیص کی ہے اپنے شہر کے رواج سے میں کہتا ہوں دلالۃ النص میں عموم ہی نہیں کہ اس کو مخصوص کیجیے کذا فی الطحطاوی **او استاجر خبازا لیخبز له کذا قفیز دقیق الیوم بدرہم** فسدت عند الامام لجمعہ بین العمل والوقت ولا ترجیح لاحدہما فیفضی الی المنازعۃ حتی لو قال فی الیوم او علی ان تفرغ منہ الیوم جازت اجماعا یا نان پز سے اجارہ کیا کہ اس کو اتنے آٹے مثلاً ایک قفیز بھر آٹے کی آج روٹی پکا دے ایک درم کی مزدوری پر تو اجارہ فاسد ہے امام کے نزدیک بسبب ملا دینے مستاجر کے عمل اور وقت کو اور دونوں میں ایک امر کو ترجیح نہیں تو جھگڑا ہو گا تو اگر بجائے الیوم کے فی الیوم کہے یا اس شرط پر اجارہ کرے کہ اجیر نان پزی سے آج فراغت پا دے تو اجارہ جائز ہو گا باتفاق امام اور صاحبین کے ہم جب عمل اور وقت میں اجتماع ہوا تو دونوں اجارہ کی لیاقت رکھتے ہیں اور کوئی ان میں سے اولی نہیں تو جہالت باعث نزاع مفسد عقد ہے اور اگر فی الیوم کہے گا تو وہ ظرف ہو گا اور مظروف ظرف کا مستغرق نہیں ہوتا تو گویا یوں کہا کہ اگر بعض یوم میں تو فراغت ہو تو یہ قول تعجیل کا مفید ہے تو نان پزی ہی معقود علیہ ٹھہری بخلاف لفظ الیوم کذا فی العنایہ مختصرا **او ارضا بشرط ان یثنیہا** ای یحرثہا مرتین **او یکری انہارہا** العظام **او یسرقنہا** لبقاء اثر ہذہ الافعال لرب الارض فلو لم یبق لم تفسد یا زمین اجارہ لی اس شرط پر کہ مستاجر اس کو دو بار جوتے یا اس شرط پر کہ زمین کی بڑی نہروں کو کھود دے اور صاف کر دے یا زمین میں مستاجر پانس ڈالے تو اجارہ فاسد ہے بسبب باقی رہنے ان کاموں کے اثر کے مالک زمین کے واسطے تو اگر ان کا کچھ اثر باقی نہ رہے تو اجارہ فاسد نہ ہو گا اور دو بار جوتنے سے مراد یہ ہے کہ ایک بار مستاجر اپنی زراعت کے واسطے جوتے اور دوسری بار مدت اجارہ کے بعد پھر جوت دے اور انہار عظام کی قید اس واسطے لگائی کہ جداول یعنی نالیوں کے کھودنے کی شرط زراعت مستاجر کے سینچنے کے واسطے مفسد اجارہ نہیں اور اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شرط اجارہ کی مناسب ہو وہ مفسد نہیں اور اجارہ اراضی کا فقط مستاجر کی منفعت کے واسطے ہوتا ہے تو جس فعل سے فقط مستاجر منتفع ہو چنانچہ جوتنا اور بونا اور سینچنا تو وہ مناسب عقد ہے اور جس فعل سے فقط موجر کو فائدہ ہو نہ مستاجر کو وہ شرط مخالف عقد ہے اور وہی مفسد اجارہ ہے چنانچہ نہر عظیم کا کھودنا اور بعد مدت اجارہ پانس ڈالنا اور زمین کو جوت کر موجر کو دینا کذا فی الطحطاوی **او شرط ان یزرعہا بزراعۃ ارض اخری** لما یجیٔ ان الجنس بانفرادہ یحرم النساء یا اس شرط سے اجارہ لیا کہ مستاجر زمین میں زراعت کرے دوسری زمین کی زراعت کی اجرت پر یعنی اجرت زراعت یہ مقرر ہو کہ موجر مستاجر کی زمین میں زراعت کرے تو اجارہ فاسد ہے اس واسطے کہ آگے مذکور ہو گا کہ فقط اتحاد جنس یعنی بلا تحقیق مقدار تاخیر کو حرام کر دیتا ہے ہم مراد یہ ہے کہ ایک نوع کا اجارہ دوسرے ہمجنس نوع سے چنانچہ اجارہ سکنے کا سکنے سے اور رکوب کا رکوب سے فاسد ہے اور شارح کی تعلیل میں اعتراض یہ ہے کہ حرمت تاخیر کی مقدرات میں ہے اور یہاں مقدرات میں گفتگو نہیں تو بہتر تعلیل یہ ہے کہ اجارہ خلاف قیاس جائز ہوا ہے حاجت کے واسطے اور متحد الجنس والمنفعت کے اجارہ میں کچھ حاجت نہیں تو اپنی اصل پر ناجائز باقی رہا بخلاف مختلف الجنس اور اتحاد جنس میں اگر استیفاء منفعت ہو گا تو ظاہر الروایۃ میں اجرت مثل واجب ہو گی کذا فی الزیلعی بتصرف **وقولہ فسدت** جواب الشرط وہو قولہ ولو دفع الخ اور ماتن کا یہ قول یعنی فسدت کا لفظ جواب ہے اس شرط کا یعنی ولو دفع غزلاً الخ کا یعنی شرط مذکورہ اور اس کے جمیع معطوفات کا جواب ہے **وصحت لو استاجرہا علی ان یکربہا ویزرعہا او یسقیہا ویزرعہا** لانہ یقتضیہ العقد اور اجارہ صحیح ہے اگر زمین اس شرط پر اجارہ کی کہ مستاجر اس کو جوتے اور بو دے یا اس کو سینچے اور بو دے اس واسطے کہ اس شرط کو عقد مقتضی ہے

ولو استاجرہ **لحمل طعام مشترک بینہما فلا اجر لہ** لانہ لا یعمل شیئا الا ویقع بعضہ لنفسہ ولا یستحق الاجر اور اگر ایک شریک نے دوسرے شریک سے اجارہ کیا اس غلہ کے لادنے کا جو دونوں میں مشترک ہے تو اس کے واسطے کچھ اجرت نہیں اس واسطے کہ شریک اجیر کوئی چیز عمل میں نہ لادے گا مگر کہ بعض عمل خود اجیر کے واسطے واقع ہوگا تو اس واسطے اجرت کا مستحق نہ ہوگا م اور اگر شریک کی ناؤ یا خرجی طعام مشترک کے واسطے اجارہ لے تو صحیح ہے اور اگر اس کے غلام یا جانور کو اجارہ لے تو صحیح نہیں کذا فی الولوالجیۃ کما ان **استاجر الراہن من المرتہن** فانہ لا اجر لہ لنفعہ بلکہ جس طرح راہن اگر مرہون کو کرایہ لے مرتہن سے تو مرتہن کے واسطے اجرت نہیں بسبب فائدہ لینے راہن کے اپنی ملک سے م حقیقت اجارہ یہ ہے کہ تملیک منافع بعوض ہو اور مرتہن تو منافع مرہون کا مالک نہیں جو تملیک کا مالک ہو اور راہن اور ہر چند بسبب تعلق حق مرتہن کے مرہون میں تصرف نہیں کر سکتا پھر جب حق مرتہن کا اجارہ دینے سے باطل ہوگیا تو وہ اپنی مملوک سے منتفع ہوا نہ بمانع کے سبب سے وفی جواہر الفتاوی لو استاجر حماما فدخل الموجر مع بعض اصدقائہ الحمام لا اجر علیہ لانہ لیسترد بعض المعقود علیہ وہو منفعۃ الحمام فی المدۃ ولا یسقط شیٔ من الاجر لانہ لیس بمعلوم اور جواہر الفتاوی میں ہے اگر حمام اجارہ لیا سو موجر اپنے بعض احباب کے ساتھ حمام میں داخل ہوا یعنی نہانے کے واسطے تو موجر پر اجرت ثابت نہ ہوگی اس واسطے کہ بعض معقود علیہ یعنی حمام کی منفعت مدت کے اندر خود واپس لے گا اور کوئی چیز اجرت سے ساقط نہ ہوگی اس واسطے کہ بعض معقود علیہ معلوم نہیں **استاجر ارضا ولم یذکر انہ یزرعہا او ای شیٔ یزرعہا فسدت** الا ان یعمم بخلاف الدار لوقوعہ علی السکنی کما مر زمین اجارہ لی اور یہ بیان نہ کیا کہ اس میں زراعت کرے گا یا کون چیز کی زراعت کرے گا تو اجارہ فاسد ہوگا مگر یہ کہ مستاجر تعمیم کرے اس طرح کہ جو چیز چاہوں گا بوؤں گا تو فاسد نہ ہوگا برخلاف اجارۂ دار کہ اس میں جہالت مفسد اجارہ نہیں بسبب واقع ہونے عقد کے سکنی پر اور سکنی مختلف چیز نہیں چنانچہ اول باب میں مذکور ہو چکا **واذا فسدت فزرعہا فمضی الاجل** عاد صحیحا **فلہ المسمی** استحسانا وکذا لو لم یمض الاجل لارتفاع الجہالۃ بالزراعۃ قبل تمام العقد قلت فلو حذف قولہ فمضی الاجل کقاضی خان فی شرح الجامع لکان اولی اور اجارۂ مذکورہ جب کہ فاسد ہوا پھر مستاجر نے کوئی چیز بو دی سو مدت اجارہ منقضی ہوگئی تو اجارہ صحیح ہوگیا اور اس کے واسطے اجر مسمی بطریق استحسان کے لازم ہوگا اور اسی طرح اگر مدت منقضی نہ ہوگی تو بھی اجارہ صحیح ہو جائے گا بسبب دور ہو جانے جہالت کے زراعت کرنے سے قبل تمام ہونے عقد یعنی قبل از مدت میں کہتا ہوں تو اگر مصنف اپنا یہ قول یعنی فمضی الاجل کو حذف کرتا جس طرح قاضی خاں نے شرح جامع میں حذف کیا ہے تو بہتر ہوتا م طحطاوی نے کہا کہ اگر شارح بجائے تمام العقد تمام المدۃ کہتا تو بہتر ہوتا **وان استاجر حمارا الی بغداد ولم یسم حملہ فحملہ المعتاد فہلک الحمار لم یضمن** لفساد الاجارۃ فالعین امانۃ کما فی الصحیحۃ اور اگر گدھا بغداد تک کرایہ لیا اور بوجھ بیان نہ کیا کہ کتنا پھر اس پر حمل معتاد لادا سو گدھا مر گیا تو مستاجر پر ضمان نہیں بسبب فاسد ہونے اجارہ کے تو عین یعنی اجارہ کی چیز امانت ہے جیسے اجارہ صحیحہ میں امانت ہے م بہتر تعلیل مسئلہ یہ ہے کہ حمل معتاد میں اس واسطے تاوان نہ لازم آیا مطلق اذن معتاد کی طرف منصرف ہے اور گدھا امانت اس واسطے ہوا کہ اذن مالک مقبوض ہوا اور اس کا خلاف امر نہ پایا گیا تو تاوان کی کیا وجہ ہے **فان بلغ فلہ المسمی** لما مر فی الزراعۃ پھر اگر گدھا لاد کر بغداد میں پہنچا تو اجر مسمی ثابت ہوگا اس دلیل سے جو زراعت میں گذر گئی یعنی جہالت مرتفع ہو گئی قبل از تمام عقد **فان تنازعا قبل الزرع** فی مسئلۃ الزراعۃ او الحمل فی مسئلتنا **فسخت الاجارۃ دفعا للفساد** لقیامہ بعد پھر اگر دونوں میں نزاع واقع ہوا کھیت بونے سے پہلے زراعت کے مسئلہ میں یا حمل میں نزاع واقع ہو ہمارے اسی مسئلہ میں تو اجارہ فسخ کر ڈالا جائے دفع فساد کے واسطے بسبب قائم ہونے عقد کے ہنوز **استاجر دابۃ ثم جحد الاجارۃ فی بعض الطریق وجب علیہ اجر ما رکب قبل الانکار ولا یجب لما بعدہ** عند ابی یوسف لانہ بالجحود صار غاصبا والاجر والضمان لا یجتمعان وعند محمد یجب المسمی درر وکانہ لا قول للامام جانور اجارہ لیا پھر اجارہ کا انکار کیا کچھ راہ چل کر تو مستاجر پر بقدر اس مسافت کے جس میں وہ سوار رہا قبل انکار کے اجرت لازم ہوگی اور بعد اس مسافت کے اجرت واجب نہ ہوگی ابو یوسف کے نزدیک اس واسطے کہ مستاجر انکار اجارہ سے غاصب ہوگیا تو اس پر تاوان لازم ہوا اور اجرت اور تاوان مجتمع نہیں ہوتے اور محمد کے نزدیک تمام اجرت واجب ہے کذا فی الدرر اور

شاید کہ اس مسئلہ میں امام کا کوئی قول نہیں ہے ھم طحطاوی نے کہا مراد یہ ہے کہ انکار اجارہ کے بعد گواہ قائم ہوں چنانچہ کلام فقہا اس پر دلالت کرتا ہے وفی الاشباہ قصر الثوب المجحود فان قبلہ فلہ الاجر والا لا کذا الصباغ والنساج اور اشباہ میں ہے کہ دھوبی نے دھونے سے انکار کیا پھر کپڑا دھلایا یعنی مقر ہو کر تو اگر کپڑا اس نے دھویا یا انکار سے پہلے تو دھوبی کی اجرت ہے اور نہیں تو اجرت نہیں اور یہی حکم ہے رنگریز اور جولاہے کا یعنی اگر رنگریز نے کپڑا رنگا انکار سے پہلے تو اجرت ہے اور اگر بعد انکار کے رنگا تو صاحب ثوب مختار ہے چاہے کپڑا لے اور اس قدر قیمت دے جس قدر رنگت نے کپڑے کی قیمت زیادہ کر دی اور چاہے رنگین کپڑا نہ لے اور سفید کپڑے کی قیمت کا تاوان رنگریز سے بھرے اور جولاہے نے اگر قبل انکار کپڑا بنا تو اس کی اجرت ہے اور اگر بعد انکار بنا تو اجرت نہیں تو کپڑا جولاہے کا ہے اور اس پر سوت کی قیمت ہے کذا فی الولوالجیۃ اور اس بیان سے اشباہ اور شارح کا اجمال مفصل ہو گیا **اجارۃ المنفعۃ بالمنفعۃ تجوز اذا اختلفا جنسا** کاستیجار سکنی دار بزراعۃ ارض اجارہ ایک منفعت کا دوسری منفعت سے جائز ہے جب کہ دونوں منفعتین مختلف الجنس ہوں جیسے اجارہ لینا گھر کی سکونت کا زمین کی زراعت کے عوض **فاذا اتحدا لا تجوز** کاجارۃ السکنی بالسکنی واللبس باللبس والرکوب بالرکوب ونحو ذلک لان اقتران الجنس بانفرادہ یحرم النسا فیجب اجر المثل باستیفاء النفع کما مر لفساد العقد اور جب کہ دونوں منفعتین متحد الجنس ہوں جیسے اجارہ سکنی کا سکنی سے اور لباس کا لباس سے اور سواری کا سواری سے اور مانند اس کے اس واسطے کہ متحقق ہو چکا ہے کہ جنس فقط بذات خود بلا تحقق مقدار ادھار کو حرام کر ڈالتی ہے تو استیفاء منفعت سے اجرت مثل واجب ہو گی چنانچہ مذکور ہو چکا بسبب فاسد ہونے عقد کے **استاجرہ لیصید لہ او یحتطب لہ فان وقت لذلک وقتا جاز** ذلک ٹھیکا مقرر کیا ایک شخص سے تا مستاجر کے واسطے شکار کرے یا لکڑیاں اس کے واسطے لا دے تو اگر اس کے واسطے کوئی وقت مقرر کیا تو یہ ٹھیکا جائز ہے ھم چنانچہ صبح سے شام تک شکار کے واسطے مقرر کیا تو جائز ہے اس واسطے کہ یہ منفعت پر اجارہ ہے اور وہ تسلیم نفس سے حاصل ہوتا ہے خواہ شکار کرے یا نہ کرے کیونکہ یہ اجیر خاص ہے اور اجیر خاص میں بیان وقت ضرور ہے **والا** فلو لم یوقت وعین الحطب فسد اور اگر شکار کے واسطے وقت معین نہ کیا تو اجارہ مذکورہ جائز نہیں اور اگر وقت معین نہ کیا اور لکڑیاں معین کر دیں تو اجارہ فاسد ہے **الا اذا عین الحطب وھو ای الحطب ملکہ فیجوز** مجتبی وبہ یفتی صیرفیہ مگر جب کہ عدم تقرر وقت میں لکڑی معین کر دی اور حالانکہ لکڑی مستاجر کی ملک ہے تو اجارہ جائز ہے کذا فی المجتبی اسی کا فتوی دیا گیا ہے کذا فی الصیرفیہ یعنی اگر وزن کا ذکر ہو گا تو شکار اور لکڑی مستاجر کی ہو گی اور اجارہ صحیح ہو گا یہ فتوی حاوی میں مذکور ہے اور صیرفیہ میں تو عدم جواز ہے اگرچہ یوم مذکور ہو جیسے منح الغفار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کذا فی الطحطاوی **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے استاجر امراتہ لتخبز لہ خبزا للاکل لم یجز وللبیع جاز صیرفیۃ اپنی زوجہ سے کہا نہ ہمارے کھانے کے واسطے اجرت پر روٹی پکا دے تو جائز نہیں اور بیچنے کے واسطے زوجہ سے روٹیاں پکوائیں تو اجارہ جائز ہے کذا فی الصیرفیہ ھم عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ زوج کے واسطے زوجہ پر روٹی پکانا واجب ہے باعتبار دیانت کے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کام بانٹ دیے تھے علی مرتضی اور فاطمہ زہرا علیہما السلام پر تو گھر کے کام حضرت زہرا پر مقرر فرمائے اور باہر کے کام حضرت مرتضی رضی پر کذا فی الطحطاوی آجرت دارہا لزوجہا فسکناہا فلا اجر اشباہ وخانیۃ قلت لکن فی حاشیتہا تنویر البصائر عن المضمرات معزیا للکبری قال قاضی خان ھنا الفتوی علی صحتہا للتبعیۃ فی السکنی فلیحفظ زوجہ نے اپنا گھر زوج کو اجارہ دیا پھر دونوں اس گھر میں رہے تو کرایہ نہیں کذا فی الاشباہ والخانیہ یعنی اس واسطے کہ سکونت کی منفعت موجر اور مستاجر دونوں کو حاصل ہے نہ فقط مستاجر کو میں کہتا ہوں لیکن اشباہ کے حاشیہ تنویر البصائر میں مضمرات سے نسبت بفتاوی کبری یہ منقول ہے کہ قاضی خاں نے کہا کہ یہاں اجارہ مذکورہ کی صحت پر فتوی ہے اس واسطے کہ زوجہ زوج کے تابع ہے سکونت میں تو اس اختلاف کو یاد رکھنا چاہیے ھم طحطاوی نے کہا کہ خانیہ یعنی فتاوی قاضی خاں میں تو عدم جواز مذکور ہے شاید کہ فتوی جواز کا شرح جامع صغیر یا شرح زیادات میں قاضی خاں نے ذکر کیا ہو انتہی اور یہ بھی احتمال ہے کہ عدم جواز کا قول ظاہر الروایۃ ہو اور جواز کا قول مفتی بہ ہو واللہ اعلم وجاز اجارۃ الماشطۃ لتزین العروس ان ذکر العمل والمدۃ بزازیۃ اور جائز ہے اجارہ مشاطہ کنگھی کرنے والی کا دلھن کے سنگار کے واسطے اگر عمل یا مدت مذکور ہو کذا فی البزازیہ ھم شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں کہا العمل والمدۃ

کاواد مبنی او بہ وجاز اجارۃ القناۃ والنہر مع الماء بہ یفتی لعموم البلوی مضمرات اور جائز ہے اجارہ کاریز اور نہر کا پانی کے ساتھ اسی قول کا فتوی ہے عموم حاجت کے سبب سے کذا فی المضمرات م پانی کا اجارہ جائز نہیں قیاس میں اس واسطے کہ استہلاک عین پر عقد وارد ہے اور حالانکہ اجارہ ہوتا ہے منافع عین پر نہ استہلاک عین پر لیکن عموم حاجت کے سبب سے اجارۂ مذکورہ پر فتوی ہوا ہے ۔

باب ضمان الاجیر

یہ باب ہے مزدور کے تاوان کے احکام میں **الاجیر علی ضربین مشترک وخاص** مزدور دو قسم پر ہیں ایک اجیر مشترک اور دوسرا اجیر خاص **الاول من یعمل للعامۃ لا للواحد کالخیاط ونحوہ** تو اول یعنی اجیر مشترک وہ ہے جو سب کا کام کرے نہ فقط ایک شخص کا نہ کرے جیسے درزی اور سوا نند اس کے چنانچہ رنگریز اور دھوبی کہ بہت شخصوں کے کپڑے دھوتا ہے نہ فقط ایک شخص کے **او یعمل لہ عملا غیر موقت** کان استاجرہ للخیاطۃ فی بیتہ غیر مقید بمدۃ کان اجیرا مشترکا وان لم یعمل لغیرہ یا اجیر مشترک وہ ہے جو ایک شخص کا کام کرے بلا تعیین وقت چنانچہ مستاجر نے درزی کو سینے کے واسطے رکھا اپنے گھر میں بلا قید مدت تو اس صورت میں درزی اجیر مشترک ہوگا اگرچہ درزی غیر مستاجر کا کام نہ کرے **او موقتا بلا تخصیص** کان استاجرہ لیرعی غنمہ شہرا بدرہم کان مشترکا الا ان یقول ولا ترعی غنم غیری وسیتضح یا اجیر مشترک وہ ہے جو عمل موقت بلا تخصیص کرے چنانچہ ایک شخص کو اجارہ لیا اپنی بھیڑ بکریوں کے چرانے کے واسطے ایک مہینہ درم کی مزدوری پر تو عدم خصوصیت مستاجر سے وہ اجیر مشترک ہو گیا مگر یہ کہ مستاجر اجیر سے یوں کہے کہ نہ چرائیو میرے سوا اور شخص کی بکریوں کو اور آگے یہ ظاہر ہوگا وفی جواہر الفتاوی استاجرہ حائکا لینسج ثوبا ثم آجر الحائک نفسہ من آخر للنسج صح کلا العقدین لان المعقود علیہ العمل لا المنفعۃ اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ جولاہے کو اجارہ لیا تاکہ کپڑا بنے پھر اس جولاہے نے اپنی ذات کا دوسرے شخص سے اجارہ کیا تو دونوں عقدیں صحیح ہیں اس واسطے کہ معقود علیہ عمل ہے نہ منفعت **ولا یستحق المشترک الاجر حتی یعمل کالقصار ونحوہ** کفتال وحمال وملاح ودلال اور اجیر مشترک اجرت کا مستحق نہ ہوگا جب تک عمل نہ کرے چنانچہ دھوبی اور مانند اس کے چنانچہ رسی بٹنے والا اور بوجھ لادنے والا اور دلال ولہ خیار الرویۃ فی کل عمل یختلف باختلاف المحل مجتبی اور اجیر مشترک کو دیکھنے کے بعد اختیار ہے ہر ایک اس عمل میں جو مختلف ہو جاتا ہے محل کے بدلنے سے کذا فی المجتبی م مجتبی میں ہے کہ دھوبی سے ثوب مردے کے دھونے کی شرط کی ایک درم کی اجرت پر اور وہ راضی ہو گیا پھر جب دھوبی نے کپڑا دیکھا تو بولا میں راضی نہیں تو یہ اس کو جائز ہے اور اسی طرح درزی کا حکم ہے اور اصل یہ ہے کہ جو کام کہ مختلف ہو جاتا ہو محل کے اختلاف سے اس میں خیار الرویت ہے محل کے دیکھنے کے بعد اور جو مختلف نہیں اس میں اجیر کو اختیار نہیں چنانچہ معین گیہوں کا کیل کرنا یا مستاجر کے غلام کی حجامت کذا فی المنح **ولا یضمن[1] ما ہلک فی یدہ وان شرط علیہ الضمان** لان شرط الضمان فی الامانۃ باطل کالمودع **وبہ یفتی** کما فی عامۃ المعتبرات وبہ جزم اصحاب المتون فکان ہو المذہب خلافا للاشباہ اور اجیر مشترک پر تاوان لازم ہوگا اس چیز کا جو اس کے پاس تلف ہو جائے اگرچہ اس پر تاوان دینے کی شرط ہو گئی ہو اس واسطے کہ تاوان شرط کرنا امانت میں باطل ہے جیسے محافظ ودیعت پر شرط تاوان باطل ہے اور اسی قول کا فتوی ہے چنانچہ اکثر کتب معتبرہ میں ہے اور اسی قول پر مصنفین متون نے یقین کیا ہے تو یہی مذہب ٹھہرا برخلاف اشباہ م اشباہ میں ہے کہ اگر تاوان مشروط ہو تو اجیر مشترک پر بالاجماع تاوان ہے انتہی امام کا یہی مذہب ہے کہ اجیر مشترک پر ضمان نہیں خواہ ایسے سبب سے تلف ہوا ہو جس سے بچنا ممکن ہو چنانچہ سرقہ یا ممکن نہ ہو چنانچہ آتش زنی اور غارتگری اور یہ قول مروی ہے فاروق رض اور مرتضی رض سے اور صاحبین نے کہا کہ اس پر تاوان ہے مگر جس امر سے احتراز ممکن نہیں وہاں ضمان نہیں اور یہ قول بھی مروی ہے فاروق رض اور مرتضی رض سے زیلعی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوی ہے اس واسطے کہ پیشہ ور دغاباز ہو گئے ہیں اور لزوم تاوان سے لوگوں کے اموال محفوظ رہیں گے اور خانیہ اور محیط اور تتمہ میں ہے کہ امام کے قول پر فتوی ہے تو اس مسئلہ میں فتوی مختلف ٹھہرا کذا فی الطحطاوی وافتی المتاخرون بالصلح علی نصف القیمۃ اور متاخرین نے

---

[1] لایضمن کے بعد درمختار مطبوعہ کلکتہ و دہلی میں ایک عبارت تین سطروں کی لکھی ہے مگر چونکہ وہ متن میں آگے خود مذکور ہے اور دوسرے نسخوں میں نہیں اس لیے زیادہ جان کر چھوڑ دی ۲ منہ

نصف قیمت پر صلح کر لینے کا فتوی دیا ہے ہم ظہیریہ میں ہے کہ چونکہ ضمان اور عدم ضمان اجیر مشترک میں صحابہ مختلف ہیں لہذا متاخرین نے نصف قیمت کی صلح پر فتوی دیا انتہی بزازی نے کہا اور بعضوں نے زبردستی صلح پر فتوی دیا ہے تاکہ دونوں قول پر عمل ہو یعنی جب دس درم کی قیمت والی چیز کی پانچ درم پر صلح ہوئی تو ہر نصف میں ایک قول پر عمل ہوا اس واسطے کہ ایک نصف ساقط ہوا اور ایک واجب کذافی الطحطاوی وقیل ان الاجیر مصلحا لایضمن وان بخلافہ یضمن وان مستور الحال یومر بالصلح عمادیہ اور بعضوں نے کہا کہ اگر اجیر مشترک دیندار نیکو کار ہو تو اس پر تاوان نہیں اور کے برخلاف ہو یعنی فاسق بیباک ہو تو تاوان اس پر ہے اور اگر اس کی نیکو کاری اور بدکاری کا حال مخفی ہو تو صلح کا حکم ہو کذافی العمادیہ قلت وہل یجبر علیہ حرر فی تنویر البصائر نعم کمن تمت مدتہ فی وسط البحر او البریۃ تبقی الاجارۃ بالجبر میں کہتا ہوں اور صلح پر کیا زبردستی کی جائے یا نہیں تنویر البصائر میں تحریر کی ہے کہ ہاں زبردستی ہو گی صلح پر مانند اس شخص کے کہ اس کی مدت اجارہ پوری ہو گئی سمندر کے درمیان یا جنگل کے بیچ تو اجارہ باقی رکھا جاوے گا زبردستی ہم طحطاوی نے کہا کہ منح الغفار میں مذکور ہے کہ زبردستی صلح کے قائل یعنی ظہیر الدین نے اپنے اس قول کو ترک کیا ہے اور علماء سمرقند کا فتوی جواز صلح پر ہے بلا جبر **ویضمن ما ہلک بعملہ کتخریق الثوب من دقہ وزلق الحمال وغرق السفینۃ من مدہ** جاوز المعتاد ام لا بخلاف الحجام ونحوہ کما یاتی عمادیہ اور اجیر مشترک پر اس کا تاوان لازم ہو گا جو تلف ہو گیا اس کے عمل سے جیسے پھاڑنا کپڑے کا دھوبی وغیرہ کے کوٹنے سے اور پاؤں رپٹنا حمال کا اور ڈوبنا ناؤ کا ملاح کے کھینچنے سے خواہ مکان معتاد سے بڑھا ہو یا نہ بڑھا ہو برخلاف حجام وغیرہ کے چنانچہ آگے مذکور ہو گا کذافی العمادیہ ہم غرق کشتی میں کھینچنے کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر کشتی آندھی یا موج یا اس پر کوئی چیز گرنے یا پہاڑ کی ٹکر سے غرق ہوئی تو امام کے نزدیک تاوان نہ لازم ہو گا والفرق فی الدرر وغیرہا علی خلاف ما بحثہ صدر الشریعۃ فتامل اور دھوبی وغیرہ اور حجام وغیرہ کا فرق درر وغیرہا میں صدر الشریعۃ کے برخلاف بحث کے مذکور ہے سو تامل کرو حاصل تقریر درر یہ ہے کہ کپڑے کی مضبوطی اور باریکی سے دھوبی اپنی اٹکل سے دریافت کر سکتا ہے کہ کپڑا متحمل کوٹنے کا ہے یا نہیں لہذا اس کے فعل میں سلامتی شرط ہوئی بخلاف فصد اور حجامت کے کہ وہ قوت طبیعت اور ضعف پر مبنی ہے تو حجام اور فصاد اس کو دریافت نہیں کر سکتا لہذا اس کے فعل میں سلامتی شرط نہیں صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں کہا یہ جو فقہاء نے کہا ہے کہ جو اجیر کے فعل سے تلف ہو تو اس پر تاوان ہے میں کہتا ہوں لائق یہ ہے کہ اس کے فعل سے وہ فعل مراد ہو جس میں مقدار معتاد سے تجاوز واقع ہو گیا ہو چنانچہ حجام کے عمل میں عدم تاوان سے عدم تجاوز عن المعتاد مراد ہے لکن قوی القہستانی قول صدر الشریعۃ فتنبہ لیکن قہستانی نے صدر الشریعۃ کے قول کی تقویت کی ہے محیط وغیرہ کا قول نقل کر کے تو خبردار رہنا ہم شارح نے اس تنبیہ سے اشارہ کیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور جو قہستانی میں محیط وغیرہ سے منقول کیا ہے وہ آسان تر اور لائق تر بشریعت ہے کذافی الطحطاوی وفی المنیۃ ہذا اذا لم یکن رب المتاع او وکیلہ فی السفینۃ فان کان لایضمن اذا لم یتجاوز المعتاد لان محل العمل غیر مسلم الیہ اور منیہ میں ہے کہ یہ یعنی کشتی کے غرق ہونے سے تاوان لازم ہونا اس وقت ہے جب کہ اسباب کا مالک یا اس کا وکیل کشتی میں موجود نہ ہو اور اگر موجود ہو تو ملاح پر ضمان نہ ہو گا جب کہ وہ حد معتاد سے متجاوز نہ ہو گیا ہو اس واسطے کہ عمل کا محل ملاح کی طرف غیر مسلم ہے یعنی فقط اجیر ہی وہاں نہیں بلکہ صاحب متاع یا وکیل اس کا بھی وہاں ہے تو قصور فقط اسی کی طرف منسوب نہ ہو گا وفیہا حمل رب المتاع متاعہ علی الدابۃ ورکبہا فساقہا المکاری فعثرت وفسد المتاع لایضمن اجماعا اور منیہ میں ہے کہ اسباب کے مالک نے اپنا اسباب جانور پر رکھا اور اس پر سوار رہا پھر اس کو کرایہ کرنے والے نے ہانکا اور وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور اسباب تباہ ہو گیا تو اس پر تاوان نہیں بالاتفاق یعنی اس واسطے کہ محل عمل اسی کی طرف مسلم نہیں قلت وقدمنا عن الاشباہ معزیا للزیلعی ان الودیعۃ باجر مضمونۃ فلیحفظ میں کہتا ہوں ہم نے اشباہ سے نسبت بزیلعی مقدم مذکور کیا ہے کہ ودیعت بعوض اجرت کے لازم الضمان ہو جاتی ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ہم طحطاوی نے کہا اس مسئلہ کی مناسبت اس مقام میں مجھ کو معلوم نہیں ہوئی **ولایضمن بہ بنی آدم مطلقا ممن غرق فی السفینۃ او سقط عن الدابۃ وان کان بسوقہ او قودہ** لان الآدمی لایضمن بالعقد بل بالجنایۃ ولا جنایۃ الخ منیہ جو آدمی ناؤ میں ڈوب گئے ان کا تاوان یعنی دیت لازم نہیں ہوتی ملاح پر ہر طرح خواہ آدمی صغیر ہو یا کبیر بقول صحیح کذا

فی الزیلعی یا آدمی گر پڑا جانور سے تو تاوان نہیں اگرچہ مکاری کے جانور ہانکنے یا کھینچنے سے گر گیا ہو اس واسطے کہ آدمی کا خون بہا عقد سے لازم نہیں ہوتا بلکہ جنایت سے لازم ہوتا ہے اور یہاں جنایت نہیں اس واسطے کہ اس کا اذن ہے اس میں یعنی کشتی چلانے اور جانور کے ہانکنے میں **وان انکسر دن فی الطریق ان شاء المالک ضمن الحمال قیمتہ فی مکان حملہ ولا اجر او فی موضع الکسر واجرہ بحسابہ** اور اگر مٹکا راہ میں ٹوٹ پھوٹ گیا اگر مالک چاہے حمال سے تاوان لے اس قیمت کا جو مٹکے کی قیمت ہے حمل کے مکان میں اور اس کو اجرت نہ دے یا ٹوٹنے کے مقام کی قیمت کا تاوان لے اور راہ کے حساب کے موافق اس کی اجرت دے یعنی اگر نصف راہ چل گیا ہو تو نصف اجرت اور اگر ربع راہ چلا ہو تو ربع اجرت دے **وہذا** لو انکسر بصنعہ والا بان زاحمہ الناس فانکسر **فلا ضمان** خلافا لہما اور یہ تاوان اس صورت میں ہے اگر مٹکا اس کے فعل اور کرتب سے ٹوٹا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی لوگوں نے اس پر ہجوم کیا ہو پھر وہ ٹوٹ گیا ہو تو حمال پر تاوان نہیں بخلاف صاحبین کے صاحبین نے کہا ٹوٹنے کے مقام کی قیمت کا تاوان واجب ہے اور اجرت اس کی لازم ہے اور مالک کو اختیار مذکور نہیں ہے کذا فی الطحطاوی **ولا ضمان علی حجام وبزاغ** ای بیطار **وفصاد لم یجاوز الموضع المعتاد** اور تاوان نہیں حجام پر یعنی پچھنے لگانے والے پر اور سلوتری پر اور آدمیوں کی فصد کھولنے والے پر جو مکان معتاد سے تجاوز نہیں کر گیا ہو یعنی جس نے موضع مقرری سے پچھنے لگائے اور نشتر زنی میں تجاوز نہیں کیا اور آدمی یا جانور تلف ہو گیا تو حجام اور جراح پر تاوان نہیں **فان جاوز المعتاد ضمن الزیادۃ کلہا اذا لم یہلک المجنی علیہ** پھر اگر جراح وغیرہ مکان معتاد سے بڑھ گیا یعنی بے موقع اپنے نشتر لگایا تو پوری زیادت کا اس پر تاوان لازم ہو گا جب کہ شخص زخمی ہلاک نہ ہو گیا ہو طحطاوی نے کہا تاوان زیادت کا طریقہ بیان نہ کیا اور شاید کہ سلوتری میں یہ مراد ہو کہ جانور کی قیمت مقرر کی جائے زخم ماذون کے ساتھ پھر اس کی قیمت لی جائے زخم زائد کے ساتھ اور اسی طرح غلام کے فصد اور حجامت میں دونوں طرح قیمت ٹھہرائی جائے اور اگر آزاد ہو تو وہ غلام ٹھہرایا جائے بکیفیت متقدمہ واللہ اعلم **وان ہلک ضمن نصف دیۃ النفس** لتلفہا بماذون فیہ وغیر ماذون فیہ **فیتنصف** اور اگر زخمی مر گیا تو جان کی نصف دیت کا تاوان اس پر لازم ہو گا اس واسطے کہ جان کی ہلاکی ہوئی دو فعل سے ایک ماذون دوسرا غیر ماذون تو تاوان نصفا نصف ہو گا یعنی مالک کا اذن یہ تھا کہ موضع معتاد میں مثلاً نشتر لگایا جائے پھر جب موضع معتاد سے زیادہ ہو گیا تو یہ غیر ماذون ہے پھر جب دونوں فعل سے ہلاکی ہوئی تو ماذون کا حصہ ساقط ہو گیا اور غیر ماذون کا تاوان لازم ہوا ثم فرع علیہ بقولہ **فلو قطع الختان الحشفۃ وبری المقطوع تجب علیہ دیۃ کاملۃ** لانہ لما بری کان علیہ ضمان الحشفۃ وہی عضو کامل کاللسان پھر مصنف نے قول سابق پر تفریع اپنے اس قول سے کی تو اگر ختنہ کرنے والے نے سپاری کاٹ ڈالی اور شخص مقطوع چنگا ہو گیا تو جراح پر پوری دیت یعنی خونبہا پورا واجب ہوا اس واسطے کہ جب وہ اچھا ہو گیا تو اس پر سپاری کا تاوان واجب ہوا اور سپاری عضو کامل ہے زبان کے مانند عضو کامل ہے یعنی عضو مقصود ہے جس کا ثانی نہیں نفس میں تو اس کا بدل مقدر بدل نفس ہو گا جیسے قطع لسان میں ہے رازی نے کہا کہ یہ عجیب مسئلہ ہے کہ حصول صحت میں تو اکثر واجب ہوا اور ہلاکت میں اقل یعنی کذا فی الطحطاوی **وان مات فالواجب علیہ نصفہا** لحصول تلف النفس بفعلین احدہما ماذون فیہ وہو قطع الجلدۃ والآخر غیر ماذون فیہ وہو قطع الحشفۃ **فیضمن النصف** اور اگر مختون مر گیا تو جراح پر نصف خونبہا واجب ہے بسبب حاصل ہونے ہلاکی جان کے دو فعلوں سے ایک فعل تو وہ ہے جس میں اذن تھا یعنی کھلڑی کا کاٹنا اور دوسرا فعل وہ ہے جس میں اذن نہیں یعنی سپاری کاٹ ڈالنا تو جراح پر اس سبب سے نصف تاوان یعنی نصف دیت لازم ہو گی ولو شرط علی الحجام ونحوہ العمل علی وجہ لا یسری لا یصح لانہ لیس فی وسعہ الا اذا فعل غیر المعتاد **فیضمن** عمادیۃ اور اگر حجام وغیرہ سے اس طرح کا عمل مشروط ہوا جو تلف کی طرف نہ پہنچا دے تو یہ شرط صحیح نہیں اس واسطے کہ یہ بات اس کے اختیار اور قابو میں نہیں مگر جب کہ فعل غیر معتاد کرے گا تو تاوان دے گا کذا فی العمادیۃ وفیہا سئل صاحب المحیط عن فصاد قال لہ غلام او عبد افصدنی ففصدہ فصدا معتادا فمات بسببہ قال تجب دیۃ الحر وقیمۃ العبد علی عاقلۃ الفصاد لانہ خطاء اور عمادیہ میں ہے کہ صاحب محیط سے اس فصاد کا حکم پوچھا گیا

سلہ بدن مفتح، ان بہ الوتر العظیم وہو کالجب از الطول منہ داد سع کذا فی المصباح والقاموس ۱۲ منہ

جس سے نابالغ آزاد یا غلام نے کہا کہ میری فصد کھول سو اس نے فصد معتاد کھولی پھر اس کے سبب سے وہ مرگیا صاحب محیط نے جواب دیا کہ آزاد کا خونبہا اور غلام کی قیمت فصاد کی حمایت والی برادری پر واجب ہوگی اس واسطے کہ یہ قتل خطا کی راہ سے ہے یعنی اس واسطے کہ اس نے قتل کا قصد نہیں کیا بسبب عدم مجاوزت فعل معتاد کے دمثل عمن فصد نائما وترکہ حتی مات من السیلان قال یجب القصاص اور صاحب محیط سے اس فصاد کے حکم کا سوال ہوا جس نے سوتے آدمی کی فصد کھولی اور اس کو چھوڑا لابندش زخم یہاں تک کہ وہ مرگیا خون کے بہنے سے جواب دیا کہ فصاد پر قصاص واجب ہے یعنی اس واسطے کہ پھاڑنے والی چیز سے اس کو قتل کیا **والثانی وہو الاجیر الخاص** ویسمی اجیر وحد[1] اور مزدور کی دوسری قسم اجیر خاص ہے اور اس کو اجیر وحد بھی کہتے ہیں یعنی ایک شخص کا اجیر **وہو من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص** اور جیر خاص وہ ہے جو ایک مستاجر کا عمل موقت کرے تخصیص کے ساتھ ہم مقدسی نے کہا کہ اگر چند شریکوں نے اپنی مشترک مجموع بکریاں چرانے کے واسطے ایک شخص کو بعقد واحد مقرر کیا اس شرط پر کہ ہمارے سوا اور کسی کی بکریاں نہ چراوے تو وہ بھی اجیر خاص ہے اور اسی طرح بزازیہ اور محیط میں ہے تو معلوم ہوا کہ مستاجر واحد عام ہے نیقی ہو یا حکمی اور عمل موقت کی قید اس واسطے لگائی تا وہ اجیر نکل جائے جو ایک مستاجر کا کام کرے بلا توقیت چنانچہ خیاط جب کہ ایک شخص کا کپڑا سیے اور سینے کی مدت ذکر ہو اور تخصیص کی قید سے وہ اجیر خارج ہو گیا ایک شخص کا کام کرے مدت مقرر کرکے اور مستاجر نے اس سے یہ شرط نہ کی ہو کہ میرے سوا کسی اور کا کام نہ کرنا کذا فی الطحاوی **ستحق الاجر بتسلیم نفسہ فی المدۃ** جوہرۃ **وان لم یعمل کمن استوجر شہرا للخدمۃ او شہرا لرعی الغنم المسمی** باجر مسمی اور اجیر خاص اجرت کا مستحق ہوتا ہے اپنی ذات کی تسلیم سے یعنی مدت میں حاضر ہونے سے کذا فی الجوہرۃ اگرچہ بعد حاضر ہونے کے کام نہ کرے مانند اس شخص کے جو ایک مہینہ نوکر ہوا خدمت کے واسطے ایک مہینہ معین بکریاں چرانے کے واسطے معین درماہہ پر ہم خدمت سے مراد مستاجر کی خدمت اور اس کی زوجہ اور اولاد کی خدمت ہے اور خدمت معتاد کا ظرف ح سے ہے تا وقتیکہ لوگ سوئیں عشاء کے بعد کذا فی الطحاوی بخلاف ما لو اخرہ لمدۃ بان استاجر للرعی شہرا حیث یکون مشترکا الا اذا شرط ان لا یخدم غیرہ ولا یرعی لغیرہ یکون خاصا تحقیقہ فی الدرر برخلاف اس صورت کے کہ مستاجر عمل کو اول ذکر کرے اور مدت کو پیچھے ذکر کرے اس طرح کہ اجیر کو اجارہ لے چرانے کے واسطے ب مہینہ تو اب وہ اجیر مشترک ہوگا مگر جب کہ مستاجر یہ شرط کرے کہ اجیر کسی کی خدمت نہ کرے سوائے اس کے اور کسی کی بکریاں نہ چرادے سوائے اس کے تو اس تخصیص سے وجود تاخیر مدت اجیر خاص ٹھہرے گا اور تحقیق اس کی درر میں ہے ہم درر میں یوں مذکور ہے کہ خدمت اور چرانے کا اجیر اس وقت اجیر خاص ہوتا ہے جب کہ عدم خدمت غیر مشروط ویا مدت اول مذکور ہو اور بھید اس کا یہ ہے کہ جب مدت پر اول کلام واقع ہوا تو منافع اس کے مستاجر کے واسطے اس مدت میں مخصوص ہو گئے اور غیر کے واسطے منافع کا ہونا ی ممتنع ہو گیا اور بعد اس کے ذکر خدمت یا چرانے کا احتمال رکھتا ہے کہ عقد عمل کے واسطے ہو تو وہ اجیر مشترک ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جو عمل اجیر خاص پر واجب ہے س کا بیان نوع مدت خاص میں منظور ہو اس واسطے کہ اجیر خاص کی مدت کا اجارہ بلا بیان نوع عمل صحیح نہیں تو پہلا حکم یعنی مدت کا احتمال سے متغیر نہیں ہو سکتا تو وہ اجیر خاص ی باقی رہے گا جب تک اس کے خلاف کی تنصیص تعمیم عمل کی شرط سے نہ ہو تو اب تعمیم سے اجیر مشترک ٹھہرے گا اور اگر مدت کو پیچھے ذکر کرے گا تو اب اجیر مشترک ہوگا بدلیل کور انتہی مختصرا ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من اجرتہ بقدر ما عمل فتاوی النوازل اور اجیر خاص کو غیر کے واسطے عمل کرنا جائز نہیں اور اگر غیر کا کام کرے گا تو اس اجرت سے بقدر اور اس کے عمل کے کم کر ڈالا جائے کذا فی فتاوی النوازل **وان ہلک فی المدۃ نصف الغنم او اکثر** من نصفہ **فلہ الاجرۃ کاملۃ** وام یرعی منہا شیئا لان المعقود علیہ تسلیم نفسہ جوہرۃ وظاہر التعلیل بقاء الاجرۃ لو ہلک کلہا وبہ صرح فی العمادیۃ اور مدت اجارہ میں آدھی یا زیادہ بھیڑ بکریاں لاک ہو گئیں تو اجیر کی پوری مزدوری ثابت ہے جب تک کہ بعض کو ان میں سے چرادے اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ معقود علیہ تسلیم نفس اجیر خاص ہے نہ عمل کذا فی الجوہرۃ ودظاہر تعلیل سے یہ ہے کہ پوری اجرت باقی ہے اگر سب بکریاں ہلاک ہو جائیں اور اسی کی تصریح کی ہے عمادیہ میں ہم یعنی جب معقود علیہ تسلیم نفس ہوا نہ عمل تو بعض یا ل کا ہلاک ہونا برابر ہے اور یہی قول متون اور زیلعی کے موافق ہے تو یہ قول جوہرہ کی تقیید ہلاک بعض پر مقدم ہے **ولا یضمن ما ہلک فی یدہ او بعملہ**

---

[1] قولہ اجیر وحد قال فی المغرب اجیر الوحد علی الاضافۃ خلاف الاجیر المشترک فیہ من الوحد بمعنی الوحید ومعناہ اجیر المستاجر الواحد وفی معناہ الاجیر الخاص ولو حرک الحاء صح لانہ یقال رجل وحد ووحد بفتحتین ای منفرد وامنہ

کتخریق الثوب من دقہ الا اذا تعمد الفساد فیضمن کالمودع اور اجیر خاص تاوان اس کا نہ دے جو اس کے ہاتھ میں یا اس کے عمل سے تلف ہوگیا جیسے پھٹنا کپڑے کا اس کے کوٹنے سے مگر جب کہ وہ قصداً بگاڑے تو تاوان دے امانت دار کے مانند م درصورت تعمد فساد م عدم تاوان اس وقت ہے جب کہ عمل معتاد ہو اور اگر بکری کو ایسا مارے کہ اس کی کھوپری پھوٹ جائے یا پاؤں ٹوٹ جائے تو تاوان آدے گا اس واسطے کہ ضرب چرانے کی عقد میں داخل نہیں اور چرانا تو للکارنے اور ضرب خفیف سے بھی ہوسکتا ہے ثم فرع علی ہذا الاصل بقولہ **فلا ضمان علی ظئر فی صبی ضاع فی یدہا او سرق ما علیہ** من الحلی لکونہا اجیر وحد پھر مصنف نے اس قاعدہ پر تفریع کی اپنے اس قول سے تو تاوان نہیں دایہ پر اس لڑکے میں جو اس کے پاس ضائع ہوگیا یا جو زیور اس پر تھا وہ چوری ہوگیا اس واسطے کہ دایہ اجیر خاص ہے م اجیر خاص اس وقت ہے جب کہ مستاجر کے گھر رہتی ہو اور اگر اپنے گھر لڑکے کو لے گئی ہو تو اجیر مشترک ہے یہی قول صحیح ہے کذا فی الاتقانی وکذا لا ضمان علی حارس السوق وحافظ الخان اور اسی طرح تاوان نہیں بازار کے چوکیدار اور مسافرخانہ کی محافظت کرنے والے پر م چوکیدار اور محافظ فقیہ ابوجعفر کے نزدیک اجیر خاص ہے اور صاحب محیط کے نزدیک اجیر مشترک ہے لیکن ذخیرہ میں ہے کہ اول قول پر فتویٰ ہے کذا فی الحموی عن البرجندی **وصح ترديد الاجر بالترديد في العمل** کان خطہ[1] فارسیا فبدرہم او رومیا فبدرہمین اور اجرت کی تردید صحیح ہے عمل میں تردید کرنے سے چنانچہ مستاجر کا خیاط سے یوں کہنا کہ اگر تو قبا کو مثلاً بطور فارسیوں کے سیے گا تو ایک درم اجرت ہے اور اگر تو رومیوں کے طرز پر سیے گا تو دو درم اجرت ہیں م تردید اس واسطے صحیح ہوئی کہ مستاجر نے عمل کی دو معین قسموں کو ذکر کیا اور ہر ایک کی اجرت علیحدہ بیان کردی تو جہالت باقی نہ رہی **وزمانہ فی الاول** کذا بخط المصنف ملحقا ولم یشرحہ وسیتضح اور زمان عمل کی تردید صحیح ہے اول میں اسی طرح ہے مصنف کے خط سے متن کے ساتھ ملحق اور مصنف نے اس قول کی منح الغفار میں شرح نہیں کی اور تردید زمانی کا مطلب آگے واضح ہوگا یعنی قولہ والحمل کی شرح میں م یعنی قولہ وزمانہ فی الاول منح الغفار میں داخل نہیں لیکن نسخہ متن میں داخل ہے بخط مصنف قال شیخنا الرملی ومعناہ یجوز فی الیوم الاول دون الثانی کان خطہ الیوم فبدرہم او غدا فبنصفہ ہمارے استاد رملی نے کہا کہ وزمانہ فی الاول کا مطلب یہ ہے کہ تردید جائز ہے پہلے دن میں نہ دوسرے دن میں چنانچہ مستاجر کا خیاط سے یوں کہنا کہ اگر تو نے آج کے دن قبا سی تو ایک درم مزدوری ہے یا کل کے دن سی تو نصف درم مزدوری ہے **ومکانہ** کان سکنت ہذہ فبدرہم او ہذہ فبدرہمین اور مکان عمل میں تردید صحیح ہے چنانچہ موجر کا مستاجر سے یوں کہنا کہ اگر اس گھر میں تو رہے گا تو ایک درم کرایہ ہے یا اس دوسرے گھر میں رہے گا تو دو درم کرایہ ہے **والعامل** کان سکنت عطارا فبدرہم او حدادا فبدرہمین اور تردید صحیح ہے عمل کرنے والے میں چنانچہ موجر کا یوں کہنا مستاجر سے کہ اگر تو اس گھر میں عطار کو رکھے گا تو ایک درم کرایہ ہے یا لوہار کو رکھے گا تو دو درم کرایہ ہے **والمسافة** کان ذہبت للکوفۃ فبدرہم او للبصرۃ فبدرہمین اور تردید صحیح ہے مسافت میں چنانچہ مستاجر کا یوں کہنا اجیر سے کہ اگر تو کوفہ تک گیا تو ایک درم اجرت ہے یا بصرۃ تک گیا تو دو درم اجرت ہے **والحمل** کان حملت شعیرا فبدرہم او برا فبدرہمین اور بوجھ لادنے میں تردید صحیح ہے چنانچہ یوں کہنا حمال سے کہ اگر تو جو لادے گا تو ایک درم اجرت ہے یا گیہوں لادے گا تو دو درم وکذا لو خیرہ بین ثلثۃ اشیاء اور اسی طرح تردید صحیح ہے عمل اور زمان اور مکان عمل اور عامل اور مسافت اور حمل میں اگر اس کو اختیار دے تین چیزوں میں ولو بین اربعۃ لم یجز کما فی البیع اور اگر چار چیزوں میں اختیار دے تردید سے تو جائز نہیں جیسے بیع میں چار چیز کی تخییر صحیح نہیں ویجب اجر ما وجد الا فی تخییر الزمان فیجب بخیاطتہ فی الاول ما سمی وفی الغد اجر المثل لا یزاد علی درہم ولو خاطہ بعد غد لا یزاد علی نصف درہم وفیہ خلافہما اور تردیدات مذکورہ میں سے جو چیز پائی جائے گی اس کی اجرت واجب ہوگی سوائے تخییر زمانی کے سو پہلے دن کی دوخت میں اجر مسمی واجب ہوگا اور دوسرے دن کی دوخت میں وہ اجرت مثل جو درم سے زیادہ نہ ہو واجب ہوگی اور اگر قبا کو پرسوں سیے گا تو اس کی اجرت مثل نصف درم سے زیادہ نہ ہوگی اور تخییر زمانی میں صاحبین کا خلاف ہے م صاحبین کے نزدیک تخییر زمانی میں دونوں شرطیں صحیح ہیں تو مثال مذکور میں اول دن کی دوخت میں ایک درم اور دوسرے دن کی دوخت میں نصف درم واجب ہوگا اور زفر کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح نہیں اور

---

[1] اصل خطتہ بصیغۃ المخاطب الماضی فادغمت التاء فی الطاء فصار خطہ ۱۲

اقوال ثلثہ کے دلائل زیلعی میں مذکور ہیں **بنی المستاجر تنورا او دکانا** عبارۃ الدرر او کانونا **فی الدار المستاجرۃ واحترق بعض بیوت الجیران او الدار لا ضمان علیہ مطلقا** سواء بنی باذن رب الدار ام لا اجارہ کے گھر میں مستاجر نے تنور یا دکان بنائی اور ہمسایوں کے بعضے مکانات یا پورا گھر جل گیا تو مستاجر پر ہر طرح تاوان نہیں خواہ اس نے صاحب خانہ کے اذن سے تنور وغیرہ بنایا ہو یا بلا اذن شارح نے کہا درر کی عبارت میں کانون یا بھٹی بجائے دکان مذکور ہے **م** کانون احتراق کے مناسب ہے بخلاف دکان لیکن اگر دکان سے لوہار یا شیشہ گر کی دکان مراد لیجیے تو مناسبت ممکن ہے **الا ان یجاوز ما یصنعہ الناس** فی وضعہ او ایقاد نار لا یوقد مثلہا فی التنور والکانون مستاجر مذکور پر تاوان نہیں مگر یہ کہ جس طرح لوگ تنور بناتے ہیں اور رکھتے ہیں ان سے مستاجر زیادتی کرے اس کی وضع میں اور آگ جلانے میں کہ ویسی آگ نہ جلائی جاتی ہو تنور اور بھٹی میں تو اب تاوان لازم ہوگا **استاجر حمارا فضل عن الطریق ان علم انہ لا یجدہ بعد الطلب لا یضمن کذا راع ند من قطیعۃ شاۃ فخاف علی الباقی** الہلاک **ان تبعہا** لانہ انما ترک الحفظ بعذر فلا یضمن کدفع الودیعۃ حال الغرق مثلا گدھا کرایہ کا سو وہ راہ سے گم ہوگیا اگر مستاجر جانے یعنی بظن غالب کہ اس کو نہ پاوے گا تلاش کرنے کے بعد تو اس پر تاوان نہیں اسی طرح وہ چرانے والا جس کی ریوڑ سے مثلا دنبہ نکل بھاگا سو چرانے والا ڈرا کہ اگر اس کا پیچھا کرے گا تو باقی جانور تلف ہو جاویں گے تو اس پر تاوان نہیں اس واسطے کہ اس نے تو محافظت عذر سے چھوڑی جیسے ودیعت کا دینا غیر شخص کو ڈوبنے کے وقت **م** یعنی ہر چند مودع پر حفاظت ودیعت کی بذات خود لازم ہے لیکن بعذر غرق دوسرے کو دینا جائز ہے تو عذر سے ترک حفاظت موجب ضمان نہیں وقالا ان کان الراعی مشترکا ضمن اور صاحبین نے کہا کہ اگر چرانے والا اجیر مشترک ہو تو تاوان دے ولو خلط الغنم ان امکنہ التمییز لا یضمن القول لہ فی تعیین الدواب انہا لفلان اور اگر چرانے والے نے لوگوں کی بھیڑ بکریاں ملا ڈالیں اگر اس کو جدا کر دینا ان کا ممکن ہو تو اس پر تاوان نہیں اور جانوروں کے معین کر دینے میں اسی کا قول مقبول ہے کہ یہ جانور فلانے شخص کا ہے وان لم یمکنہ ضمن قیمتہا یوم الخلط والقول لہ فی قدر القیمۃ عمادیہ اور اگر اس کو جدا کر دینا ممکن نہ ہو تو تاوان دے اس قیمت کا جو ملانے کے دن میں اس جانور کی قیمت ہو اور مقدار قیمت میں چرانے والے کا قول مقبول ہوگا کذا فی العمادیۃ ولیس للراعی ان ینزی علی شئ منہا بلا اذن ربہا فان فعل فعطبت ضمن وان نزی بلا فعلہ فلا ضمان جوہرۃ اور چرانے والے کو جائز نہیں چڑھانا نر کا مادہ پر بدون اذن مالک کے پھر اگر ایسا کرے گا اور جانور تلف ہوگا تو اس پر تاوان لازم ہوگا اور اگر نر خود چڑھا مادہ پر بلا فعل راعی کے تو اس پر ضمان نہیں کذا فی الجوہرۃ یعنی اس واسطے کہ اس کی مراعات راعی کو ممکن نہیں کذا فی الطحطاوی **ولا یسافر بعبد استاجرہ للخدمۃ** لمشقتہ اور مستاجر سفر میں نہ لے جائے اس غلام کو جس کو اس نے خدمت کے واسطے چاکر رکھا سفر کی مشقت کے سبب سے یعنی سفر کی خدمت زیادہ تر شاق ہے حضر کی خدمت سے **الا بشرط** لان الشرط **املک**[1] **علیک ام لک** مگر سفر میں لے جانے کی شرط سے البتہ ساتھ لے جانا درست ہے اس واسطے کہ شرط تیری مضرت یا منفعت کے واسطے زیادہ تر مملوکیت یا مالکیت کا سبب ہے یعنی شرط مشروع کے پورا کرنے میں آدمی کو چارہ نہیں نفع ہو اس میں یا نقصان وکذا لو عرف بالسفر لان المعروف کالمشروط اور اسی طرح اگر مستاجر کا سفر میں جانا معلوم ہو تو غلام مذکور کا سفر میں لے جانا درست ہے اس واسطے کہ معروف مشروط کے مانند ہے **م** معلوم ہونے کی صورت یہ ہے کہ اجارہ کے وقت وہ شخص سفر کا سامان کرتا ہو کذا فی الزیلعی **بخلاف العبد الموصی بخدمتہ فان لہ ان یسافر بہ مطلقا** لان مؤنتہ علیہ برخلاف اس غلام کے جس کی خدمت کرنے کی مولی نے موصی لہ کے واسطے وصیت کی ہو تو اس کو غلام کا سفر میں لے جانا درست ہے ہر طرح خواہ سفر میں لے جانے کی شرط ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس واسطے کہ اس کا خرچ موصی لہ پر ہے یعنی بخلاف غلام اجیر کہ اس کا خرچ مولی پر ہے نہ مستاجر پر **ولو سافر** المستاجر **بہ فہلک ضمن قیمتہ** لانہ غاصب **ولا اجر علیہ وان سلم** لان الاجر والضمان لا یجتمعان وعند الشافعی اجر المثل اور اگر مستاجر غلام کو سفر میں لے گیا پھر غلام مر گیا تو اس کی قیمت کا تاوان اس پر لازم ہوگا اس واسطے کہ مستاجر بلا شرط لے جانے سے غاصب ہو گیا اور اس پر اجرت واجب نہ ہوگی باوجود تسلیم اس واسطے کہ اجرت اور تاوان مجتمع نہیں ہوتے اور امام شافعی کے

---

[1] قولہ املک ای اشد ملکا وادخل فی الاتباع وہو افعل تفضیل من المبنی للفاعل والمفعول ای اشد مالکیۃ او مملوکیۃ بالنظر لمن اشترط ولمن اشترط علیہ طحطاوی ۱۲ منہ

نزدیک اس کے واسطے اجرت مثل ہے **ولا یسترد مستاجر من عبد او صبی محجور اجرا دفعہ الیہ لاجل عملہ** لعودہا بعد الفراغ صحیحۃ استحسانا اور مستاجر غلام یا صغیر ممنوع التصرف سے وہ اجرت پھیر نہ لے جو اس نے اس کو دی اس کے عمل کی جہت سے اس واسطے کہ اجارہ فراغ عمل کے بعد صحیح ہو گیا بطور استحسان کے ہم وہ غلام اور صغیر مراد ہے جس نے بلا اذن مولی اور ولی کے آپ نوکری کی اور اجرت سے اجرت مثل مراد ہے کذا فی الطحطاوی **ولا یضمن غاصب عبد ما اکل الغاصب من اجرۃ** الذی آجر العبد نفسہ بعدم تقومہ عند ابی حنیفۃ اور تاوان نہ دے گا اور غاصب غلام کا جس نے اس غلام مغصوب کی اجرت کھائی جس نے اپنی ذات کا اجارہ کیا اجرت ٹھہرا کر بسبب نہ متقوم ہونے اجرت کے امام اعظم کے نزدیک ہم تاوان لازم آتا ہے مال محرز محفوظ ۱۲ متقوم قیمت دار ۱۲ کے اتلاف سے اور یہ مال محرز نہیں اس واسطے کہ غاصب نہ مولی ہے غلام کا اور نہ اس کا نائب اور غلام اپنے اختیار میں نہیں بلکہ وہ غاصب کے تصرف میں ہے تو وہ مال معصوم محفوظ ۱۲ نہ ٹھہرا اور صاحبین کے نزدیک تاوان ہے اس واسطے کہ غاصب نے پرایا مال بلا اذن بلا تاویل تلف کیا کذا فی الزیلعی **کما لا یضمن اتفاقا لو اجرہ الغاصب** لان الاجر لہ لا لمالکہ چنانچہ غاصب پر تاوان نہیں باتفاق حنفیہ ائمہ ثلثہ اگر غلام کو غاصب اجارہ دے اس واسطے کہ اب اجرت غاصب کی ہو گی نہ غلام کے مالک کی ہم اجر مسمی غاصب لے گا اور غاصب پر مالک کے واسطے اجرت مثل لازم ہو گی کذا فی الطحطاوی **وجاز للعبد قبضہا** لو آجر نفسہ لا لو آجرہ المولی الا بوکالۃ لانہ العاقد عنایۃ اور غلام کو اجرت کا قبض کرنا جائز ہے اگر اس نے آپ اجارہ کیا ہو نہیں جائز ہے غلام کا قبض کرنا اگر مالک نے اس کا اجارہ کیا ہو مگر مالک کی وکالت سے قبض جائز ہے اس واسطے کہ پہلی صورت میں عاقد غلام ہے اور دوسری میں عاقد مولی ہے کذا فی العنایۃ **فلو وجدہا مولاہ قائمۃ فی یدہ اخذہا** لبقاء ملکہ کمسروق بعد القطع پھر اگر غلام کا مالک غلام کی اجرت کو غاصب کے پاس موجود پاوے تو اس کو لے بسبب باقی رہنے مالک کی ملک کے مال مسروق کے مانند قطع ید کے بعد ہم ہر چند وہ مال متقوم نہیں لیکن مالک کی ملک اس میں ہنوز باقی ہے لہذا اس کو مالک لے گا کذا فی الزیلعی استاجر عبدا شہرین شہرا بخمسۃ صح علی الترتیب المذکور حتی لو عمل فی الاول فقط فلہ اربعۃ ولعکسہ خمسۃ دو مہینے کو اجارہ لیا غلام کا ایک مہینے کی اجرت چار درم اور دوسرے مہینے کی اجرت پانچ درم تو صحیح ہے ترتیب مذکور پر تو اگر اول مہینے میں فقط عمل کرے گا تو چار درم پاوے گا اور دوسرے مہینے میں پانچ درم **اختلفا الاجیر والمستاجر فی اباق العبد او مرضہ او جری ماء الرحی حکم الحال فیکون القول قول من شہد لہ الحال مع یمینہ** موجر اور مستاجر نے اختلاف کیا غلام کے بھاگنے یا اس کی بیماری میں یا پن چکی کے پانی جاری ہونے میں تو حال حکم اور پنچ فیصلہ کرنے والا ہو گا یعنی قول اسی کا معتبر ہو گا جس کے قول کا شاہد ظاہر حال ہو گا اس کی قسم کے ساتھ کما یحکم الحال **لو باع شجرا فیہ ثمر واختلفا فی بیعہ** ای الثمر معہا ای الشجر **فالقول قول من فی یدہ الثمر** جس طرح حال حکم ہوتا ہے اگر درخت بیچا جس میں پھل لگے ہیں اور بائع اور مشتری پھل کی بیع میں مختلف ہیں درخت کے ساتھ تو مقبول قول اس کا قول ہے جس کے ہاتھ اور قبض میں پھل ہو والاصل ان القول لمن شہد لہ الظاہر اور اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس شخص کا قول مقبول ہے جس کے واسطے ظاہر حال گواہی دے وفی الخلاصۃ انقطع ماء الرحی سقط من الاجر بحسابہ ولو عاد عادت اور خلاصہ میں ہے کہ پن چکی کا پانی بند ہو گیا تو اس کے حساب کے موافق اجرت ساقط ہو گی اور اگر پانی پھر جاری ہو گا تو اجارہ پھر آوے گا **ولو اختلفا فی قدر الانقطاع فالقول للمستاجر** ولو فی نفسہ حکم الحال اور اگر دونوں نے اختلاف کیا پانی کی مقدار انقطاع میں تو مستاجر کا قول مقبول ہے اور اگر خود پانی میں اختلاف ہوا تو ظاہر حال حکم کرے گا **فی القول قول رب الثوب بیمینہ فی القمیص والقباء** والحمرۃ والصفرۃ وکذا فی الاجر وعدمہ اور کپڑے کے مالک کا قول مقبول ہے قسم کے ساتھ قمیص اور قبا میں اور سرخی اور زردی میں اور اسی طرح اجرت اور عدم اجرت میں ہم یعنی مالک تو کہتا ہو کہ میں نے قمیص سلایا تھا اور خیاط کہتا ہو کہ قبا سلائی تھی تو مالک ہی کا قول قسم کے ساتھ مسموع ہو گا یا مالک کہتا ہو کہ سرخ رنگ کو میں نے کہا تھا اور رنگریز کہتا ہو کہ زرد کو کہا تھا تو مالک ہی کا قول مقبول ہو گا اور اسی طرح اجرت اور عدم اجرت میں مالک ہی کی بات مسموع ہے وقال ابو یوسف ان کان الصانع معاملا لہ فلہ الاجر والا فلا اور ابو یوسف نے کہا کہ اگر کاریگر اور مالک ثوب سے اجرت کے ساتھ معاملہ ہوا کرتا ہو تو اس کی مزدوری

ہوگی اور نہیں تو نہیں یعنی اگر مفت اس کو سی دیتا ہو تو اجرت نہیں **وقیل** ای وقال محمد **ان کان الصانع معروفا بہذہ الصنعۃ بالاجر** یام **حالہ بہا** ای بہذہ الصنعۃ **کان القول قولہ** بشہادۃ الظاہر **والافلا وبہ یفتی** زیلعی اور بعضوں نے کہا یعنی محمد نے کہا کہ اگر کاریگر اس پیشہ کے مشہور ہو اجرت لینے میں اور اس کا قیام معاش اسی پیشہ سے ہو تو کاریگر کا قول مقبول ہوگا ظاہر حال کی شہادت کے سبب سے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا قول نامقبول بلکہ مالک کا قول مسموع ہوگا اور اسی قول محمد پر فتوی ہے کذا فی الزیلعی وہذا بعد العمل اما قبلہ فیتحالفان اختیار اور یہ یعنی حکم مذکور اس وقت ہے جب کہ اختلاف ل کے بعد یعنی سینے اور رنگنے کے بعد مثلاً اور اگر قبل عمل اختلاف ہوا ہو تو مالک اور پیشہ ور دونوں قسمیں کھائیں کذا فی الاختیار **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے الاجیر فی کل الصنائع یضاف لاستاذہ فما اتلفہ یضمنہ الاستاذ اختیار سب پیشوں میں مزدور کا کام اس کے استاد کاریگر کی طرف منسوب ہوگا سو جس چیز کو تلف کرے گا تو اس کا تاوان استاد دوکاندار دے گا کذا فی الاختیار یعنی مالم یتعد فیضمنہ ہو عمادیہ یعنی استاد اس وقت تاوان دے جب تک مزدور کی طرف زیادتی اور قصور نہ ہوا ہو اور درصورت قصور مزدور ہی تاوان دے گا کذا فی العمادیہ ہم استاد یعنی صاحب دکان خیاط یا رنگریز اجیر مشترک ہے لہٰذا اس ن ہے اور مزدور اجیر خاص ہے دکاندار کا لہٰذا اس پر تاوان نہیں مگر درصورت قصور وفی الاشباہ ادعی نازل الخان وداخل الحمام وساکن الدار المعد للاستغلال صب لم یصدق والاجر واجب قلت وکذا مال الیتیم علی المفتی بہ قنیہ اور اشباہ میں ہے کہ سرائے کے اترنے والے اور حمام کے داخل ہونے والے اور ان کو کرایہ کے واسطے بنا اس کے رہنے والے نے غصب کا دعوی کیا یعنی میں بلا اذن مالک بطور غصب کے رہا ہوں مجھ پر کرایہ واجب نہیں بواسطہ عدم تو اس کے قول کی تصدیق نہ ہوگی اور کرایہ واجب ہے میں کہتا ہوں اسی طرح مال یتیم کا حکم ہے یعنی دعوی غصب سے اس کی بھی اجرت ساقط نہیں لقول ی بہ کما مر وفیہا الاجرۃ للارض کالخراج علی المعتمد فاذا استاجرہا للزراعۃ فاصطلم الزرع آفۃ وجب ما قبل الاصطلام وسقط ما بعدہ قلت وہو ما اعتمدہ لوالجیہ اور اشباہ میں ہے کہ زمین کی اجرت خراج کے مانند ہے بنا بر قول معتمد کے پھر جب کہ زمین اجارہ لی زراعت کے واسطے پھر آفت سماوی یا ارضی نے ت برباد کر دیا تو قبل از استیصال کی اجرت واجب ہوگی اور بعد استیصال کی اجرت ساقط ہوگی میں کہتا ہوں اور اسی قول کو معتمد کہا ہے والوالجیہ میں ہم یہ قول الجیہ کے مخالف ہے اس واسطے کہ اس میں خراج اور اجرت میں فرق بیان کیا ہے یعنی آفت رسیدگی سے خراج واجب نہیں ہوتا ہے یہی قول معتمد ہے انتہی اور ملکہ مابعد استیصال کی اجرت ساقط ہوتی ہے سو قول مفتی بہ کے مخالف ہے اس واسطے کہ محیط میں ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ جب زراعت تلف ہو جانے کے اتنی مدت باقی نہ ہے جس میں اعادۂ زراعت ممکن ہو تو مستاجر پر اجرت واجب نہ ہوگی اور اگر دوبارہ زراعت کرنا ممکن ہو مانند اول کے یا اس سے کمتر تو اجرت جب ہوگی اور یہی حکم ہے منع غاصب کا کذا فی الطحطاوی لکن جزم فی الخانیۃ بروایۃ عدم سقوط شئی حیث قال اصاب الزرع آفۃ فہلک او غرق ولم ینبت لزم الاجر لانہ زرع ولو غرقت قبل ان یزرع فلا اجر علیہ انتہی لیکن فتاوی قاضی خان میں عدم سقوط اجرت کی روایت پر اعتماد کیا ہے چنانچہ کہا کہ زراعت پر آفت پڑی سو وہ ف ہوگئی یا ڈوب گئی اور نہ جمی تو اجرت لازم ہے اس واسطے کہ مستاجر اس کو بو چکا اور اگر زمین ڈوب گئی بونے سے پہلے تو مستاجر پر اجرت نہیں انتہی ہم یہ قول لکے قول مفتی بہ کے مخالف ہے چنانچہ مذکور ہو چکا واللہ اعلم ؛

باب فسخ الاجارۃ

یہ باب ہے فسخ اجارہ کے احکام میں **تفسخ بالقضاء** او الرضی **بخیار شرط ورؤیۃ** کالبیع خلافا للشافعی اجارہ فسخ کیا جاتا ہے حاکم کے حکم یا رضائے عاقدین سے بسبب خیار شرط اور خیار رؤیت کے بیع کے مانند برخلاف امام شافعی ہم یعنی چونکہ اجارہ ملک ہے فراو منافع سے لہٰذا اس میں بیع کے مانند خیار شرط سے تین دن تک فسخ عقد میں اختیار ہے اور بے دیکھی چیز کا اجارہ اور بعد دیکھنے کے اس کے فسخ کر نے کا اختیار ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک اجارہ میں خیار شرط صحیح نہیں اور نہ بے دیکھے چیز کا اجارہ درست ہے **وبخیار عیب حاصل** قبل العقد او بعدہ بعد القبض او قبلہ اور اجارہ فسخ کیا جاتا ہے اس عیب کے خیار العیب سے جو حاصل ہوا ہو عقد اجارہ سے پہلے یا عقد کے بعد قبض کے پیچھے یا قبض کے پہلے

یفوت النفع بہ ای عیب کخراب الدار وانقطاع ماء الرحی وانقطاع ماء الارض حصول اس عیب سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے جس کے سبب سے منفعت فوت ہو جائے چنانچہ گھر کا ویران ہو جانا اور پن چکی کا پانی منقطع ہونا اور زمین مزروعہ کا پانی منقطع ہونا شارح نے کہا یفوت النفع کا جملہ عیب کی صفت ہے وکذا لو کانت تسقی بماء السماء فانقطع المطر فلا اجر خانیۃ ای وان لم تنفسخ علی الاصح کما مر اور اسی طرح اگر زمین سینچی جاتی ہو آسمان کے پانی سے سو مینہ منقطع ہو گیا تو اجرت نہیں کذا فی الخانیۃ یعنی قطع بارش سے اجرت ساقط ہو جاتی ہے اگرچہ بنا بر قول اصح اجارہ فسخ نہیں ہو جاتا چنانچہ مذکور ہو چکا ہے خلاصہ یہ اس باب سے پہلے ہم خیار شرط اور خیار رویت اور خیار عیب سے اجارہ فسخ نہیں ہو جاتا ہے لیکن حق فسخ ان سے ثابت ہوتا ہے اور یہی قول اصح ہے اور یہ قدوری اور صاحب تحفہ کا کلام ہے ولہذا مصنف نے تفسخ کہا ہے نہ تنفسخ وفی الجوہرۃ لو جاء من الماء ما یزرع بعضہا فالمستاجر بالخیار ان شاء فسخ الاجارۃ کلہا او ودفع بحساب ما روی منہا اور جوہرہ میں ہے کہ اگر اتنا پانی آیا جس سے بعض زمین کی زراعت ہو سکتی ہے تو مستاجر کو اختیار ہے چاہے سب زمین کا اجارہ کر ڈالے یا چھوڑ دے وہ زمین جہاں پانی نہیں پہنچا اور جس قدر زمین سیراب ہوئی ہو اس کے حساب کے موافق اجرت دے وفی الولوالجیۃ لو استاجر ارضا بغیر شرب فانقطع ماء الزرع علی وجہ لا یرجی فلہ الخیار وان انقطع قلیلا قلیلا ویرجی منہ السقی فالاجر واجب اور ولوالجیہ میں ہے کہ زمین اجارہ لی بدون شرب یعنی اس کی آبپاشی کی نوبت اجارہ میں نہ داخل کی پھر کھیت کا پانی اس طرح پر منقطع ہو گیا کہ اس کی امید باقی نہ رہی تو مستاجر کو فسخ اجارہ میں اختیار ہے اور اگر تھوڑا تھوڑا پانی قطع ہو گیا اور اس قدر سے سینچنے کی امید ہے تو اجرت واجب ہے وفی لسان الحکام استاجر حماما فی قریۃ فنفروا وجلوا سقط الاجر عنہ وان نفر بعض الناس لا یسقط الاجر اور لسان الحکام میں ہے کہ حمام اجارہ لیا ایک گاؤں میں سو آدمی وہاں کے رہنے سے ڈرے اور کوچ کر گئے تو مستاجر پر سے ا ساقط ہو گئی اور اگر گاؤں کے بعضے آدمی کوچ کر گئے تو اجرت ساقط نہ ہو گی **او یخل** عطف علی یفوت بہ ای بالنفع بحیث ینتفع بہ فی الجملۃ **کمرض العبد ود** **الدابۃ** ای قرحتہا وسقوط حائط دار اجارہ فسخ کیا جاتا ہے اس عیب سے جو منفعت میں خلل ڈالتا ہے اس طرح پر کہ اس عیب کے ساتھ کچھ منفعت حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ غلام کا بیمار ہو جانا اور جانور کی پیٹھ لگ جانی یعنی اس میں زخم کا ہونا اور گھر کی ایک دیوار کا گر جانا وفی التبیین لو انقطع ماء الرحی والبیت مما ین بہ لغیر الطحن فعلیہ من الاجر بحصتہ لبقاء بعض المعقود علیہ فاذا استوفاہ لزمہ حصتہ اور تبیین میں ہے کہ پن چکی کا پانی منقطع ہو گیا اور پن چکی کی کوٹھری ایسی ہے کہ کا کے سوا اور نفع اس سے حاصل ہو سکتا ہے تو مستاجر پر اجرت واجب ہے اس کے حصہ کے موافق بسبب باقی رہنے بعض معقود علیہ کے پھر جب وہاں بود و باش وغیرہ سے مستاجر نفع حاصل کرے گا تو اجرت بقدر اس کے حصہ کے اس پر لازم ہو گی **فان لم یخل العیب بہ او ازالہ المؤجر او انتفع** **سقط خیارہ** لزوال السبب پھر اگر عیب منفعت کا خلل انداز نہ ہو یا موجر اس عیب کو زائل کر دے یا مستاجر خلل والی چیز سے نفع حاصل کرے تو اس کا ا فسخ ساقط ہو گا بسبب زائل ہو جانے سبب فسخ کے ہم عیب غیر مخل چنانچہ نوکر کا کانا ہو جانا یا اس کے بال جھڑ جانے اور ازالہ عیب کی یہ صورت ہے کہ دا کو موجر جلد تیار کر دے **وعمارۃ الدار** المستاجرۃ **وتطیینہا واصلاح المیزاب وما کان من البناء علی رب الدار** وکذا کل ما یخل بالسکنی اور ا کے گھر کی مرمت اور اس کو مٹی لیپنا اور پرنالہ درست کرنا اور جو چیز من قبیل تعمیر کے ہو گھر کے مالک پر ہے اور اسی طرح جو چیز سکونت میں خلل انداز ہو وہ صا خانہ کے ذمہ پر ہے ہم تطیین سے مراد وہ مٹی لیپنا ہے جس کا ترک خلل انداز ہو اور بعضی کتابوں میں چھت کی مٹی لیپنی مذکور ہے کذا فی الطحطاوی **فان ابی صا** ان یفعل **کان للمستاجر ان یخرج منہا الا ان یکون المستاجر استاجرہا وہی کذلک وقد راٰہا** لرضاہ بالعیب پھر اگر صاحب خانہ تعمیر وغیرہ سے ا کرے نہ بنا دے تو مستاجر کو اس گھر سے نکلنا درست ہے مگر یہ کہ مستاجر نے نادرست گھر دیکھ کر اجارہ لیا ہو تو آپ نکل جانا جائز نہیں بسبب راضی ہو جانے کے عیب پر **واصلاح ماء البئر والبالوعۃ والمخرج علی صاحب الدار** لکن لا جبر علیہ لانہ لا یجبر علی اصلاح ملکہ **فان فعلہ المستاجر فہو متبرع** **ولہ** یخرج ان ابی ربہا خانیۃ ای الا اذا راٰہا کما مر اور کنوئیں کے پانی اور نجس پانی کے چہ بچے اور بدرو کی اصلاح اور درستی گھر کی مالک کے ذمہ پر ہے لیکن اس

زبردستی نہیں اس واسطے کہ مالک پر مملوک کو درست کرنے کی زبردستی نہیں کی جاتی پھر اگر مستاجر نے اشیاء مذکورہ کو بنا لیا تو وہ محسن بلا عوض ہے اور مستاجر کو اس گھر سے نکل جانا جائز ہے اگر اس کا مالک امور مذکورہ کی درستی سے انکار کرے کذا فی الخانیۃ یعنی مگر اس صورت میں نکلنا درست نہیں جب کہ اس نے درست گھر دیکھ کر اجارہ لیا ہو چنانچہ عنقریب مذکور ہو چکا وفی الجوہرۃ ولہ ان ینفرد بالفسخ بلا قضاء اور جوہرہ میں ہے کہ مستاجر مذکور کو جائز ہے کہ تنہا اجارہ کو فسخ کر دے بلا حکم حاکم ولو استاجر دارین فسقطت او تعیبت احداہما فلہ ترکہما لو عقد علیہما صفقۃ واحدۃ اور اگر دو گھر کو اجارہ لیا سو ایک گھر منہدم یا معیوب ہو گیا تو اس کو دونوں کا چھوڑ دینا جائز ہے اگر دونوں پر ساتھ ہی یکبارگی عقد کیا ہو یعنی اگر جدا جدا عقد ہوا ہو تو ایک گھر کے سقوط سے دوسرا گھر نہیں چھوڑ سکتا قلت وفی حاشیۃ الاشباہ معزیا للبنایۃ ان العذر ظاہرا ینفرد وان مشتبہا لاینفرد وہو الاصح میں کہتا ہوں اور حاشیہ اشباہ میں بنایہ سے منقول ہے کہ اگر عذر ظاہر ہو تو مستاجر فسخ اجارہ تنہا بلا حکم حاکم کر سکتا ہے اور اگر عذر مشتبہ ہو تو بلا حکم حاکم فسخ نہیں کر سکتا اور یہی قول اصح ہے م اگر عذر سے فسخ اجارہ کی حاجت ہو تو صاحب عذر فسخ میں متفرد ہے یا قضا یا رضا کی حاجت ہے اس میں روایات مختلف ہیں اور قول صحیح یہ ہے کہ اگر عذر ظاہر ہو تو متفرد ہے اور اگر مشتبہ ہو تو متفرد نہیں کذا فی فتاوی قاضی خاں **وبعذر** عطف علی بخیار شرط **لزوم ضرر لم یستحق بالعقد ان بقی العقد کما فی سکون ضرس استوجر لقلعۃ وموت عرس او اختلاعہا استوجر** طباخ **لطبخ ولیمتہا** اور فسخ کیا جاتا ہے اجارہ لزوم ضرر غیر مستحق بالعقد کے عذر سے اگر عقد باقی رہے یعنی اگر عقد اجارہ کو قائم رکھے تو مستاجر کو وہ ضرر لازم ہو جس کا استحقاق عقد سے ثابت نہیں چنانچہ اس ڈاڑھ کے درد کا ساکن ہو جانا جس کے اکھاڑنے کے واسطے اجیر معین کیا اور اس زوجہ کا مر جانا یا اس کا خلع کرنا جس کی شادی کے کھانا پکانے کے واسطے باورچی کو اجیر کیا م یعنی جب درد ٹھہر گیا تو ڈاڑھ اکھاڑنے میں صریحا مستاجر کا ضرر ہے اسی طرح زوجہ مردہ یا مختلعہ کے ولیمہ کرنے میں سراسر مال کا ضائع کرنا ہے تو اس عذر سے فسخ اجارہ درست ہے شارح نے کہا قولہ وبعذر خیار شرط پر عطف ہے کنز میں مذکور ہے کہ عذر سے مراد عاجز ہونا ہے احد العاقدین کا اجارہ قائم رکھنے میں مگر بہ تحمل ضرر زائد جو عقد سے مستحق نہیں **وبعذر لزوم دین** سواء کان ثابتا **بالعیان** من الناس **او ببیان** ای بینۃ **او اقرار** والحال انہ **لا مال لہ غیرہ** ای غیر المستاجر لانہ یحبس بہ **فیتضرر** الا اذا کانت الاجرۃ والمعجلۃ تستغرق قیمتہا اشباہ اور اجارہ فسخ کیا جاتا ہے لزوم دین کے عذر سے خواہ دین ثابت ہو لوگوں کی دانست سے یا گواہوں کے بیان سے یا موجر کے اقرار سے اور حالانکہ اس کا کچھ مال نہیں ہے اجارہ والی چیز کے سو اس واسطے کہ اگر وہ چیز ادائے دین کے واسطے نہ بیچی جائے اجارہ کے سبب سے تو محبوس ہوگا تو اس کو ضرر پہنچے گا مگر جب کہ پیشگی دی ہوئی اجرت اس چیز کی قیمت کے برابر ہو تو اب دین کے عذر سے اجارہ فسخ نہ ہوگا کذا فی الاشباہ م یعنی اگر قیمت گھر کی سو درم ہو اور مستاجر نے اسی قدر اجرت موجر کو پیشگی دی ہو تو انقضائے مدت اجارہ تک صاحب دین انتظار کرے تو دین کے عذر سے اس وقت اجارہ فسخ ہوگا جب کہ قیمت زیادہ ہو اجرت سے **وبعذر افلاس مستاجر دکان لیتجر** اور اجارہ فسخ کیا جاتا ہے اس کرایہ دار کے مفلس ہو جانے سے جس نے دکان اجارہ لی سوداگری کے واسطے یعنی اس واسطے کہ افلاس میں تجارت ممکن نہیں **وبعذر افلاس خیاط یعمل بمالہ** لا بابرۃ **استاجر عبدا لیخیط فترک عملہ** اور اجارہ فسخ کیا جاتا ہے اس خیاط کے افلاس سے جو اپنی سوئی اور مقراض سے کام نہیں کرتا بلکہ اپنا مال خرچ کر کے اس طرح کام کرتا ہے کہ غلام کو سینے کے واسطے مزدوری لگاتا ہے سو غلام نے اس خیاط کا کام چھوڑ دیا اس کے افلاس کے سبب سے اور اگر خیاط فقط اپنی سوئی اور مقراض سے کام کرتا ہو تو اس کا افلاس فسخ اجارہ میں عذر نہیں ہے **وبعذر بداء**[1] **مکتری دابۃ من سفر** اور اجارہ فسخ کیا جاتا ہے اس عذر سے کہ جانور کے کرایہ لینے والے کا دل ہٹ گیا سفر کرنے سے م اگر جانور اجارہ لیا بغداد تک پھر اس کو سفر کرنا بہتر معلوم نہ ہوا یا حج کے واسطے اونٹ کرایہ کیا پھر اس سال حج کا ارادہ موقوف رکھا یا وہ شخص بیمار ہو گیا یا سفر سے عاجز ہو گیا تو یہ عذر ہے فسخ اجارہ کا کذا فی قاضی خاں

---

[1] بالمد القصر رجوع القلب من امر الی امر ۱۲

ولو فی نصف طریقہ فلہ نصف الاجر ان استویا صعوبۃ وسھولۃ والا فبقدرہ شرح وہبانیۃ وخانیۃ اور اگر نصف راہ میں دل ہٹا سفر سے تو جانور کے مالک کو نص
کرایہ ملے گا اگر راہ کے دونوں نصف سختی اور آسانی میں برابر ہوں اور اگر برابر نہ ہوں تو بقدر اس کی زیادتی یا کمی کے ملے گا کذا فی شرح الوہبانیۃ والخانیۃ بخلا
بدا للمکاری فانہ لیس بعذر اذ یمکنہ ارسال اجیرہ برخلاف دل ہٹ جانے مکاری کے کہ وہ فسخ اجارہ کا عذر نہیں ہے اس واسطے کہ مکاری یعنی جانو
مالک کو اپنے مزدور کا بھیجنا جانور کے ساتھ ممکن ہے وفی الملتقی ولو مرض فعذر فی روایۃ الکرخی دون روایۃ الاصل قلت وبالاولی یفتی اور ملتقی میں ہے ا
مکاری بیمار ہوا تو وہ عذر ہے کرخی کی روایت میں نہ مبسوط کی روایت میں میں کہتا ہوں اور پہلی روایت یعنی کرخی کی روایت پر فتوی ہے ثم قال ولو استا
دکانا لعمل الخیاطۃ فترکہ لعمل آخر فعذر پھر صاحب ملتقی نے کہا اور اگر دکان کرایہ کی دوخت کے عمل کے واسطے پھر اس نے دوخت کو چھوڑا اور دوسرے عمل
سبب سے تو یہ فسخ اجارہ کا عذر ہے م یہ قول تفصیل فتاوی کبری کے مخالف ہے فتاوی عالمگیری میں کبری سے منقول ہے کہ اگر مستاجر دوسرے عمل کے د
دکان میں مستعد ہوا تو اس کو نقض اجارہ درست نہیں اور نہیں تو نقض جائز ہے انتہی اور اسی کو شارح بعد اس کے ولوالجیہ سے نقل
گا وکذا لو استاجر عقارا ثم اراد السفر انتہی اور اسی طرح کا عذر ہے اگر زمین کو اجارہ لیا پھر سفر کا ارادہ کیا انتہی ما فی الملتقی وفی القہستانی سفر مستاجر دار للسکن
دون سفر موجرہا اور قہستانی میں ہے سفر کرنا اس مستاجر کا جس نے گھر اجارہ لیا رہنے کے واسطے عذر ہے نہ اس کے موجر کا سفر یعنی صاحب خانہ کا س
اجارہ کا عذر نہیں ولو اختلفا فالقول للمستاجر فیحلف باللہ عزم علی السفر اور اگر موجر اور مستاجر نے سفر اور عدم سفر میں اختلاف کیا تو مستاجر کا قول مقبول ہے
یوں قسم کھائے کہ اس نے سفر کا ارادہ کیا ہے وفی الولوالجیۃ تحولہ عن صنعۃ الی غیرہا عذر وان لم یفلس حیث لم یمکنہ ان یتعاطا ما فیہ اور ولوالجیہ میں ہے پھرنا مستاجر
پیشہ سے دوسرے پیشہ کی طرف عذر ہے فسخ اجارہ دکان کا اگرچہ وہ مفلس نہ ہو گیا ہو جب کہ اس کو اس پیشہ کا کرنا دکان میں ممکن نہ ہو یعنی اگر ممکن ہوگا تو
نہیں وفی الاشباہ لا یلزم المکاری الذہاب معہا ولا ارسال غلام انما یجب الاجر بتخلیتہا اور اشباہ میں ہے کہ مکاری کو جانور کے ساتھ جانا لازم نہیں اور ن
غلام کا اور اجرت تو تخلیہ جانور سے واجب ہوتی ہے **وبخلاف ترک خیاطۃ مستاجر عبد لیخیط لیعمل** متعلق بترک **فی الصرف** لامکان الجمع برخلاف اس
کے جس نے غلام کو مزدوری لگایا دوخت کے واسطے پھر دوخت ترک کی تاکہ غلام صرافی کرے تو یہ عذر نہیں فسخ کا اس واسطے کہ جمع بین العملین ممکن ہے
دونوں کام ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ دکان کی ایک طرف خیاطی کرے اور دوسری طرف صرافی ہم طحاوی نے کہا قولہ وبخلاف ترک خیاطۃ الخ ترکیب رکیک
ہے باوجود تتابع اضافات کے تو اگر یوں کہتا (وبخلاف خیاط استاجر عبدا للخیاطۃ فترکہ لیعمل فی الصرف) تو واضح تر ہوتا وبخلاف بیع ما اجرہ فانہ ایضا لیس بعذ
لحوق دین کما مر و یتوقف بیعہ الی انقضاء مدتہا ہو المختار لکن لو قضی بجوازہ نفذ تامل شرح الوہبانیۃ اور برخلاف بیچ ڈالنے موجر کے اس چیز کو جس کو اس نے اجارہ د
بھی عذر فسخ نہیں بدون لاحق ہونے دین کے چنانچہ گذر گیا اور بیع اس کی موقوف رہے گی مدت اجارہ کے منقضی ہونے تک اور یہی قول مختار ہے لیکن اگر
جواز بیع کا حکم دے گا تو نافذ ہوگا اور پورا اس کا بیان شرح وہبانیہ میں ہے وفیہ معزیا للخانیۃ لو باع الآجر المستاجر فاراد المستاجر ان یفسخ بیعہ لا یملکہ ولو
باع الراہن للمرتہن فسخہ اور شرح وہبانیہ میں ہے خانیہ سے کہ اگر موجر نے اجارہ کی چیز بیچی اور مستاجر نے چاہا کہ اس کی بیع کو فسخ کرے تو وہ اس پر قادر نہیں
اگر راہن مرہون کو بیچے تو مرتہن کو اختیار ہے کہ اس کی بیع فسخ کرے م لیکن عمادیہ میں فتاوی صغری سے ہے کہ بیع مرہون کی راہن اور مرتہن کے حق میں ناف
راہن اور مرتہن اس کو فسخ نہیں کر سکتے اجارہ والی چیز کی بیع کے مانند کذا فی الطحطاوی **وتنفسخ** بلا حاجۃ الی الفسخ **بموت احد العاقدین** عندنا لا بجنونہ
عقدہا لنفسہ بدون فسخ کرنے کے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے احد العاقدین کی موت سے ہمارے نزدیک نہ اس کو جنون مطبق[1] ہو جانے سے موت سے وہ
فسخ ہو جاتا ہے جس کو اپنی خاص ذات کے واسطے عقد کیا ہو الا لضرورۃ کموتہ فی طریق مکۃ ولا حاکم فی الطریق فتبقی الی مکۃ فیرفع الامر الی القاضی لیفعل الاصلح فیو

---

[1] جنون مطبق بضم میم وکسر بائے موحدہ اس جنون کو کہتے ہیں جس میں کسی وقت ہوش نہ ہو ۱۲

ولو ابینا او بیعها بالقیمة ویدفع لہ اجرة الایاب ان برہن علی دفعها وتقبل البینة ہنا بلا خصم لانہ یرید الاخذ من ثمن ما فی یدہ اشباہ احد العاقدین کی موت سے اجارہ فسخ ہوتا لیکن ضرورت کے سبب سے فسخ نہیں ہوتا چنانچہ موجر کا مرجانا مکہ معظمہ کی راہ میں اور حالانکہ راہ میں کوئی حاکم نہیں تو اس ضرورت سے تا بلوغ مکہ اجارہ باقی رکھا جائے گا پھر یہ مقدمہ وہاں کے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ قاضی جو بہتر ہو سو کرے اس طرح پر کہ جانور اجارہ دے مستاجر کو اگر وہ امانت دار ہو جانور کو بقیمت بیچ ڈالے اور مستاجر کو پھرنے کی اجرت دے اگر مستاجر آنے جانے کی اجرت دینے کو گواہوں سے ثابت کر دے اور اس مقام میں بدون مدعا علیہ کے گواہ مقبول ہوں گے اس واسطے کہ مدعی اس چیز کے ثمن سے لینا چاہتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہے کذا فی الاشباہ وفی الخانیة استاجر دارا او حماما او ارضا شہرا فسکن شہرین ہل یلزمہ اجر الشہر الثانی ان معدا للاستغلال نعم والا لا بہ یفتی اور خانیہ میں ہے کہ گھر یا حمام یا زمین ایک مہینہ کو اجارہ لی پھر مستاجر نے اس میں دو مہینے سکونت کی اس پر دو مہینے کی اجرت لازم ہوگی یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ چیز فقط کرایہ کے واسطے مہیا کی ہو تو ہاں دوسرے مہینے کی اجرت لازم ہوگی اور اگر کرایہ کے واسطے مہیا نہیں ہے تو اجرت لازم نہیں اسی قول کا فتوی ہے قلت وکذا الوقف ومال الیتیم وکذا لو تقاضاہ المالک وطالبہ بالاجر فسکن بعدہ میں کہتا ہوں اسی طرح مکان وقف اور مال یتیم میں دوسرے مہینے کی اجرت لازم ہوگی اور اسی طرح اگر موجر نے مستاجر سے شہر ثانی میں تقاضا کیا اور اجرت شہر ثانی کی مانگی پھر مستاجر ساکن رہا تو اس پر اجرت لازم ہوگی اس کی سکونت کرنے سے بعد اس تقاضے کے ولو سکن المستاجر بعد موت الموجر ہل یلزمہ اجر ذلک قیل نعم لمضیہ علی الاجارة وقیل ہو کالمسئلة الاولی اور اگر مستاجر ساکن رہا بعد موت موجر کے کیا اس کو اس کی اجرت لازم ہوگی یا نہیں بعضوں نے کہا ہاں اجرت لازم ہوگی بسبب چلنے مستاجر کے اجارہ سابقہ پر اور بعضوں نے کہا یہ مسئلہ پہلے یعنی سکونت شہرین کے مانند ہے م یعنی اگر وہ مکان کرایہ کے واسطے بنا ہے یا موجر کے وارث نے شہر ثانی میں تقاضا اجرت کا کیا تو اجرت لازم ہے اور نہیں تو لازم نہیں وینبغی ان لا یظہر الانفساخ ہنا ما لم یطالبہ الوارث بالتفریغ او بالتزام اجر آخر ولو معدا للاستغلال لانہ فصل مجتہد فیہ ہل یلزم المسمی او اجر المثل ظاہر القنیة الثانی وتمامہ فی شرح الوہبانیة اور لائق بقواعد فقہ یہ ہے کہ یہاں اجارہ فسخ ہو جانا ظاہر نہ ہو جب کہ وارث موجر کا مکان خالی کر دینے کا مطالبہ نہ کرے یا التزام اور اجرت کا نہ ہو اگرچہ وہ مکان کرایہ لینے کے واسطے بنا ہو اس واسطے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور کیا اجرت معینہ لازم ہوگی یا اجرت مثل لازم ہوگی ظاہر قنیہ اجرت مثل پر دلالت کرتا ہے اور اس کا پورا بیان شرح وہبانیہ میں ہے وفی المنیة مات احدہما والزرع بقل یبقی العقد بالمسمی حتی یدرک وبعد المدة باجر المثل اور منیہ میں ہے کہ احد العاقدین مرگیا اور کھیت ساگ ہے یعنی ہنوز کھیت خام ہے تو عقد اجارہ باقی رہے گا پختگی تک بعوض اجرت معینہ کے اور بعد انقضائے مدت کے اجرت مثل پر باقی رہے گا وفی جامع الفصولین لو رضی الوارث وہو کبیر ببقاء الاجارة ورضی بہ المستاجر جاز انتہی ای فیجعل الرضی بالبقاء انشاء عقد ای لجوازہا بالتعاطی فتامل اور جامع الفصولین میں ہے اور اگر موجر کا وارث بالغ بقاء اجارہ پر راضی ہو اور مستاجر بھی اس پر راضی ہو تو جائز ہے انتہی ما فی الفصولین یعنی تو باقی رہنے کی رضامندی ایجاد عقد قرار دی جائے گی یعنی جواز اجارہ کے واسطے رضامندی انشاء عقد ہوگی بواسطہ تعاطی کے اس کو تامل کر وفی حاشیة الاشباہ المستاجر والمرتہن والمشتری احق بالعین من سائر الغرماء لو العقد صحیحا ولو فاسدا فاسوة للغرماء فلیحفظ اور اشباہ کے حاشیہ میں ہے کہ مستاجر اور مرتہن اور مشتری زیادہ تر حق دار ہیں عین کے باقی دین والوں سے اگر عقد اجارہ اور رہن اور بیع صحیح ہو اور اگر عقد فاسد ہو تو مستاجر اور مرتہن اور مشتری برابر ہیں اور دین والوں کے اس کو یاد رکھنا چاہیے م یعنی اگر موجر مرگیا اور اس پر دیون ہیں تو اوروں سے مستاجر زیادہ تر حقدار ہے اور اسی طرح مرتہن احق ہے اور اگر چیز خریدی اور ہنوز قبض میں نہیں آئی کہ بائع مرگیا اور اس پر دیون ہیں تو مشتری احق ہے یعنی اور مستاجر اپنا حق لے گا پھر اگرچہ زیادہ باقی رہے گا تو اور ارباب دیون پاویں گے فان عقد بالغیرہ لا ینفسخ کوکیل ای بالاجارة پھر اگر عاقد نے اپنے غیر کے واسطے اجارہ منعقد کیا تو عاقد کی موت سے اجارہ فسخ

نہ ہوگا چنانچہ اجارہ دینے کا وکیل یعنی مثلاً زید نے خالد سے کہا کہ میری یہ حویلی کسی کو اجارہ دے اور اس نے محمود کو اجارہ دی تو خالد کے مرنے سے حویلی کا اجارہ فسخ نہ ہوگا اس واسطے کہ اجارہ عاقد کے واسطے نہ تھا واما الوکیل بالاستیجار اذا مات تبطل الاجارۃ لان التوکیل بالاستیجار توکیل بشراء المنافع فصار کالتوکیل بشراء الاعیان فیصیر مستاجراً لنفسہ ثم یصیر موجراً للموکل فھو معنی قولنا ان الوکیل بالاستیجار بمنزلۃ المالک کذا نقلہ المصنف عن الذخیرۃ قلت ومثلہ فی شرح المجمع والبزازیۃ والعمادیۃ اور اجارہ لینے کا وکیل اگر مر جائے گا تو اجارہ باطل ہوگا اس واسطے کہ اجارہ لینے کی توکیل خریداری منافع کی توکیل ہے تو یہ شراء اعیان کی توکیل کے مانند ہے تو وکیل مستاجر ٹھہرے گا اپنی ذات کے واسطے پھر موجر ٹھہر جائے گا اپنے موکل کے واسطے سو یہی مطلب ہے ہمارے اس قول کا کہ اجارہ لینے کا وکیل بمنزلہ مالک کے ہے ایسا نقل کیا ہے مصنف نے ذخیرہ سے میں کہتا ہوں اور اسی کے مانند شرح مجمع اور بزازیہ اور عمادیہ میں ہے ثم قال المصنف قلت ہذا مستقیم علی ماذکرہ الکرخی من ان الملک یثبت للوکیل ثم ینتقل الی الموکل واما علی ماقالہ ابوطاہر من انہ یثبت للموکل ابتداءً وبہ جزم فی الکنز وھو الاصح کما فی البحر فلا یستقیم واللہ اعلم انتہی پھر مصنف نے اپنی شرح میں کہا میں کہتا ہوں یہ یعنی مستاجر کے وکیل کی موت سے اجارہ باطل ہونا مستقیم ہوتا ہے کرخی کے اس قول کے بموجب کہ ملک وکیل کے واسطے ثابت ہوتی ہے پھر موکل کی طرف منتقل ہوتی ہے اور وہ جو ابوطاہر نے یہ کہا ہے کہ ملک موکل کے واسطے ابتدا سے ثابت ہوتی ہے اور اسی قول پر یقین کیا ہے کنز میں اور یہی صحیح تر قول ہے چنانچہ بحر الرائق میں ہے تو بطلان اجارہ مستقیم نہیں واللہ اعلم انتہی قول المصنف قلت وتعقبہ شیخنا بانہ غیر مستقیم علی ماذکرہ الکرخی ایضاً لاتفاقھم علی عدم عتق قریب الوکیل لان ملکہ غیر مستقر والموجب للعتق والفساد الملک المستقر شارح نے کہا میں کہتا ہوں اور مصنف کے قول پر ہمارے استاد نے اعتراض کیا ہے اس طرح کہ بطلان اجارہ بموجب اس قول کے بھی جس کو کرخی نے ذکر کیا ہے غیر مستقیم ہے بسبب متفق ہونے فقہاء کے قرابت دار وکیل کی عدم آزادی پر اس واسطے کہ وکیل کی ملک مستقر اور قائم نہیں اور عتق اور فساد کا موجب ملک مستقر ہے نہ غیر مستقر ہم فساد سے مراد فساد نکاح ہے جب کہ وکیل اپنی زوجہ لونڈی کو اس کے مالک سے خرید کرے اپنے موکل کے واسطے کذا فی الحلبی ثم قال والحاصل ان الاصح ان الاجارۃ لاتنفسخ بموت المستاجر والنقل بہ مستفیض انتہی واللہ اعلم پھر ہمارے استاد نے کہا اور حاصل کلام یہ ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ اجارہ فسخ نہیں ہو جاتا اجارہ لینے والے کی موت سے اور اس قول کی نقل فقہ میں مشہور اور معروف ہے انتہی قولہ واللہ اعلم **ووصی** واب وجد **وقاض ومتولی الوقف** بقاء المستحق علیہ والمستحق حتی لومات المعقود لہ بطلت درر اور چنانچہ وصی یتیم اور باپ اور دادا اور قاضی اور وقف کے متولی کی موت سے اجارہ فسخ نہیں ہوتا بسبب باقی رہنے مستحق علیہ اور مستحق کے تو اگر وہ شخص مر گیا جس کے واسطے اجارہ منعقد ہوا تو اجارہ باطل ہوگا اس کی موت سے کذا فی الدرر مستحق علیہ سے مراد موجر ہے اور مستحق سے مراد وہ ہے جس کے نفع کے واسطے اشخاص مذکورین نے اجارہ لیا چنانچہ موکل اور یتیم اور صغیر اور موقوف علیھم کذا فی الطحاوی مع التوضیح الا اذا کان متولی وقف خاص بہ وجمیع غلتہ لہ کما فی وقف الاشباہ معزیاً للوہبانیۃ قال واطلاق المتون بخلافہ قلت وباطلاق المتون افتی قاری الہدایۃ فکان ھو المذہب المعتمد کما قالہ المصنف فی حاشیتہ علی الاشباہ متولی وقف کی موت سے اجارہ فسخ نہیں ہوتا مگر جب کہ ایسا متولی ہو کہ وقف اسی کی ذات کے واسطے خاص ہو اور سب غلہ وقف کا اسی کی ذات کے واسطے ہو تو اس متولی کی موت سے اجارہ فسخ ہوگا کذا فی وقف الاشباہ عن الوہبانیۃ صاحب اشباہ نے کہا اور متون فقہ کا اطلاق اس استثنا کے مخالف ہے میں کہتا ہوں اور اطلاق متون کا فتوی دیا ہے قاری ہدایہ نے تو وہی اطلاق مذہب معتمد ٹھہر گیا ایسا کچھ مصنف نے کہا ہے اپنے حاشیہ میں جو اشباہ پر ہے وکذا قال فی الاشباہ بعد اربع اوراق لاتنفسخ الاجارۃ بموت موجر الوقف الا فی مسئلتین لما اذا آجرہا الواقف ثم ارتد ثم مات لبطلان الوقف بردتہ وفیما اذا آجر ارضہ ثم وقفہا علی معین ثم مات تنفسخ اور اسی واسطے اشباہ میں کہا ہے چار ورق کے بعد کہ اجارہ فسخ نہیں ہو جاتا موجر وقف کے مر جانے سے مگر دو مسئلوں میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب کہ زمین کو اجارہ دیا وقف کے کرنے والے نے پھر وہ مرتد ہو گیا پھر مر گیا بسبب باطل ہو جانے وقف کے واقف کے ارتداد سے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے جب کہ مالک نے اپنی زمین اجارہ دی پھر وہ زمین وقف کر دی ایک شخص معین پر پھر واقف مر گیا تو اجارہ فسخ ہو گا یعنی اس واسطے کہ

ابتداء عقد اپنی ذات کے واسطے تھی اور پہلی صورت میں وقف میراث ہو جائے گا وفی وقف فتاوی ابن نجیم سئل اذا آجر الناظر ثم مات فاجاب لا تنفسخ الاجارۃ فی الوقف بموت الموجر والمستاجر کذا رأیتہ فی عدۃ نسخ لکنہ مخالف لما فی اجارۃ فتاوی قاری الہدایۃ فتنبہ اور فتاوی ابن نجیم کی کتاب الوقف میں مذکور ہے کہ ابن نجیم سے یہ سوال ہوا کہ جب ناظر وقف نے اجارہ دیا پھر وہ مرگیا تو جواب دیا کہ اجارہ وقف میں موجر اور مستاجر کی موت سے فسخ نہیں ہوجاتا اسی طرح میں نے دیکھا ہے فتاوی مذکور کے کئی نسخوں میں لیکن وہ مخالف ہے فتاوی قاری ہدایہ کی کتاب الاجارۃ کے تو آگاہ رہیو ہم مخالف فقط یہی ہے کہ اس میں لفظ مستاجر زیادہ ہے کذا فی الحلبی وفیہا ایضا لا تنفسخ بموت المتولی ولو الغلۃ لہ بمعزوہ فتنبہ اور اسی فتاوی میں یہ بھی ہے کہ متولی کی موت سے اجارہ فسخ نہیں ہوجاتا اگرچہ وقف کا غلہ فقط متولی کے واسطے ہو خبردار رہنا ہم شارح نے خبرداری سے اشارہ کیا رد مذکور کی طرف یعنی وہبانیہ کا قول جو اشباہ میں مذکور ہے وہ اس قول سے بھی رد ہوگیا وفی الفیض الواقف لو آجر الوقف بنفسہ ثم مات ففی الاستحسان لا تبطل لانہ آجر لغیرہ انتہی ومثلہ فی البزازیۃ اور فیض میں ہے کہ وقف کرنے والا اگر وقف کو اجارہ دے بذات خود پھر مرجائے تو استحسان میں اجارہ باطل نہیں ہوتا اس واسطے کہ اس نے غیروں کے واسطے اجارہ دیا یعنی غلہ کے مصرف موقوف علیہم میں نہ واقف اور اسی طرح بزازیہ میں ہے وفی السراجیۃ وحکم عزل القاضی والمتولی کالموت فلا تنفسخ اور سراجیہ میں ہے اور قاضی اور متولی کی معزولی کا حکم موت کے برابر ہے تو ان کے عزل سے اجارہ فسخ نہ ہوگا **وتنفسخ ایضا بموت احد مستاجرین او موجرین فی حصتہ** او حصۃ المیت لو عقد لنفسہ فقط وبقیت فی حصۃ الحی اور دو مستاجروں یا دو موجروں میں سے ایک مستاجر یا ایک موجر کے مرجانے سے بھی اجارہ فسخ ہوجاتا ہے فقط اس کے حصہ میں یعنی میت کے حصہ میں فسخ ہوتا ہے اگر میت نے بذات خود اجارہ منعقد کیا ہو اور باقی رہے گا اجارہ زندہ مستاجر یا موجر کے حصہ میں

فروع

مسئلہ ملحقہ شارح کا فی وقف الاشباہ تخلیۃ البعید باطلۃ فلو استاجر قریۃ وہو بالمصر لم تصح تخلیتہا علی الاصح ینبغی للمتولی ان یذہب للقریۃ مع المستاجر او غیرہ فیخلی بینہ وبینہا او یرسل وکیلہ او رسولہ احیاء لمال الوقف فلیحفظ قلت لکن نقل محشیہا ابن المصنف فی زواہر الجواہر عن بیوع فتاوی قاری الہدایۃ انہ متی مضی مدۃ یتمکن من الذہاب الیہا والدخول فیہا کان قابضا والا فلا فتنبہ انتہی اور اشباہ کی کتاب الوقف میں مذکور ہے کہ مکان بعید کا تخلیہ یعنی اجارہ کی زمین کو مستاجر کے قبض و تصرف میں کر دینا باطل ہے تو اگر گاؤں اجارہ لیا اور حالانکہ مستاجر شہر میں ہے تو اس کا تخلیہ صحیح نہیں بنا بر قول صحیح تر کے تو متولی وقف کو لائق ہے کہ گاؤں میں جائے مستاجر کے ساتھ یعنی اس کے وکیل کے ساتھ پھر تخلیہ کر دے درمیان مستاجر اور درمیان گاؤں کے یعنی بلا مزاحمت احدے اس کے تصرف میں کر دے یا متولی اپنے وکیل یا پیغام رساں کو اس کے ساتھ بھیجے مال وقف کے قائم رکھنے کے واسطے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے میں کہتا ہوں لیکن اشباہ کے محشی مصنف کے فرزند نے زواہر الجواہر میں فتاوی قاری ہدایہ کی کتاب البیوع سے نقل کیا ہے کہ جب اتنی مدت عقد اجارہ کے بعد گذر جائے کہ اس میں مستاجر گاؤں کی طرف جانے اور اس کے داخل ہونے میں قادر ہو تو وہ گاؤں کا قابض ٹھہرے گا اور اگر اتنی مدت منقضی نہ ہو تو فقط مستاجر کے اعتراف سے قابض نہ ٹھہرے گا انتہی ما فی زواہر الجواہر م ذخیرۃ الناظر میں ہے کہ اگر گاؤں اجارہ لیا اور وہ شہر سے دور ہے اور مستاجر نے اس کے قبض کا اقرار کیا تو تخلیہ باطل ہے اور اقرار اس کا باطل ہے تا وقتیکہ اتنی مدت نہ گذرے جس میں وہاں جائے اور قبض کرے یا اس قدر مدت گذر جانے کے بعد اقرار کرے یا موجر اور مستاجر اپنے وکیل یا رسول بھیجیں کذا فی الطحطاوی۔

مسائل شتی جمع مسائل متفرقۃ احرق حصائدہ ای بقایا اصول قصب محصود فی ارض مستاجرۃ او مستعارۃ جلائیں باقی جڑیں قصب مقطوع کی جو اجارہ یا عاریت کی زمین کے اندر واقع ہیں م قصب یعنی بانس اور نرکل بطریق مثال کے ہے اس کی خصوصیت نہیں بلکہ گھاس اور ہر قسم کے کھیت کی ٹھونٹھیوں کے جلانے کا یہی حکم ہے کذا فی شرح الحموی ومثلہ ارض بیت المال المعدۃ لحط القوافل والاحمال ومرعی الدواب وطرح الحصائد قلت وحاصلہ ان لم یکن لہ حق الانتفاع فی المحل یضمن ما احرقہ فی مکانہ بنفس الوضع لا لانقلۃ الریح علی ما علیہ الفتوی قالہ شیخنا اور اجارہ اور عاریت کی زمین کے مانند بیت المال یعنی سرکاری زمین ہے

جو قافلوں اور بھاری اسباب کے اتارنے کے واسطے اور جانوروں کی چراگاہ اور کھلیانوں کے ڈالنے کے واسطے مقرر ہے میں کہتا ہوں اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر جلانے والے شخص کے واسطے حق انتفاع نہ ہو زمین میں تو اس پر تاوان لازم ہوگا اس چیز کا جس کو آگ نے جلا دیا ایسی مکان میں بمجرد رکھنے آگ کے نہ اس چیز کا تاوان جس کو ہوا نے جلایا آگ اڑا کر بنا بر قول مفتی بہ ایسا کچھ کہا ہے ہمارے استاد خیر الدین رملی نے **فاحترق شیٔ من ارض غیرہ لم یضمن** لانہ تسبب لا مباشرۃ اجارہ یا عاریت کی زمین میں کھیت کی ٹھونٹھیاں جلادیں تو غیر شخص کی زمین سے کوئی چیز جل گئی تو جلانے والے پر تاوان نہیں اس واسطے کہ احراق مذکور تسبب ہے احراق کا نہ مباشرت یعنی اور تاوان کی شرط مباشرت ہے نہ تسبب **ان لم یضطرب الریاح فلو کانت مضطربۃ ضمن** لانہ یعلم انہا لا تستقر فی ارضہ فیکون مباشرا عدم تاوان اس شرط پر ہے کہ ہوائیں زور سے نہ چلتی ہوں اور اگر ہوا تیز ہوگی تو جلانے والا تاوان دے گا اس واسطے کہ وہ جانتا ہے کہ ہوا کی تیزی سے آگ اس کی زمین میں ٹھہری نہ رہے گی تو وہی شخص احتراق کا مباشر یعنی جلانے والا ٹھہرا۔ **وکذا کل موضع کان المواضع حق الوضع فیہ** ای فی ذلک الموضع **لا یضمن علی کل حال اذا تلف بذلک** الموضوع شیٔ سواء تلف بہ وہو فی مکانہ او بعد ما زال عنہ اور اسی طرح جس موضع میں کہ رکھنے والے کو رکھنے کا حق ہو وہاں تاوان نہیں ہر حال میں جب کہ اس رکھی چیز سے کوئی اور چیز تلف ہو جائے خواہ چیز تلف ہو اس حال میں کہ شے موضوع اپنے مکان میں ٹھہری ہو یا تلف ہوا اپنے مکان سے ہٹ جانے کے بعد **بخلاف ما اذا لم یکن للواضع فیہ حق الوضع** حیث یضمن الواضع اذا تلف بہ شیٔ وہو فی مکانہ وکذا بعد ما زال لا بمزیل کوضع جرۃ فی الطریق ثم آخر اخری فتدحرجتا فانکسرتا ضمن کل جرۃ صاحبہ ان زال بمزیل کریح وسیل لا یضمن الواضع ہذا ہو الاصل فی ہذہ المسائل کما حققہ فی الخانیۃ برخلاف حکم سابق یہ صورت ہے جب کہ رہنے والے کا اس مکان میں رکھنے کا حق نہ ہو اس واسطے کہ رکھنے والا تاوان دے گا جب کہ کوئی چیز اس رکھی چیز کے سبب سے تلف ہوگی اور حالانکہ شے موضوع اپنے مکان میں ہے اور اسی طرح تاوان لازم ہوگا شے موضوع کے خود ٹل جانے کے بعد بدون ٹالنے والے کے چنانچہ گھڑا رکھا کنارہ راہ میں پھر دوسرے شخص نے دوسرا گھڑا وہیں رکھا پھر دونوں گھڑے ڈھلکے اور ٹکر کھا کر ٹوٹ گئے تو ہر شخص دوسرے شخص کے گھڑے کا تاوان دے اور اگر شے موضوع ٹل گئی کسی چیز کے ڈالنے سے چنانچہ ہوا سے یا سیلاب سے تو رکھنے والے پر تاوان نہیں یہی قاعدہ کلیہ ہے ان مسئلوں میں چنانچہ اس کی تحقیق خانیہ میں کی ہے ثم فرع علیہ بقولہ **فلو وضع جمرۃ فی الطریق فاحترق بذلک شیٔ ضمن لتعدیہ** بالوضع پھر مصنف نے اپنے قول پر تفریع کی اس قول سے تو اگر چنگاری کا رکھی راہ میں سو اس کے سبب سے کوئی چیز جل گئی تو تاوان دے گا بسبب اپنی تقصیر کے آگ رکھنے سے اس واسطے کہ راہ میں چلنے کا حق ہے نہ آگ رکھنے کا **وکذا یضمن فی کل موضع لیس فی حق المرور** اور اسی طرح تاوان دے ہر ایک اس موضع میں جہاں چلنے کا حق ثابت نہیں ہم حق مرور خانیہ میں مذکور نہیں اس میں حق وضع اور عدم حق وضع مذکور ہے اور مرور کے حق کو صاحب خلاصہ نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس قول پر فتویٰ ہے کذا فی الطحطاوی **الا اذا ذہبت بہ** ای بالموضوع الریح فلا ضمان لنسخ فعلہ وکذا لو دحرج السیل الجمر **وبہ یفتی** خانیہ مگر جب کہ رکھی ہوئی چیز کو وہاں سے ہوا اڑا لے جائے تو اب تلف ہونے سے تاوان نہیں اس واسطے کہ ہوا نے رکھنے والے کے فعل مٹا دیا یعنی اب احراق ہوا کی طرف منسوب ہوگا نہ رکھنے والے کی طرف اور اسی طرح اگر سیلاب نے پتھر ڈھلکایا اور کوئی چیز تلف ہوگئی تو رکھنے والے پر تاوان نہیں اسی قول پر فتویٰ ہے کذا فی الخانیۃ ولو اخرج الحداد الحدید من الکیر فی دکانہ ثم ضربہ بمطرقۃ فخرج الشرار الی الطریق واحرق شیئا ضمن ولو لم یضربہ واخرجہ الریح لا لانہ طبعی اور اگر لوہار نے لوہا نکالا بھٹی سے اپنی دکان میں پھر اس پر ہتھوڑا مارا سو راہ کی طرف چنگاری نکل گئی اور اس نے کوئی چیز جلا دی تو لوہار تاوان دے گا اور اگر اس پر ہتھوڑا نہیں مارا اور چنگاری ہوا نے نکالی تو اب جلنے سے تاوان لوہار پر نہیں کذا فی الزیلعی **سقی ارضہ سقیا لا تحتملہ فتعدی الماء الی ارض جارہ فافسدہا ضمن** لانہ مباشر لا متسبب ایک شخص نے اپنی زمین اس قدر بکثرت سینچی کہ زمین اس کو نہ تھام سکی سو پانی ابل کر اس کے ہمسایہ کی زمین کی طرف بہا اور اس کو خراب کر دیا تو سینچنے

پتا دان لازم ہوگا اس واسطے کہ وہ مباشر ہے فساد کا نہ سبب انگیز اقعد خیاط او صباغ فی حانوتہ من یطرح علیہ العمل بالنصف سواء اتحد العمل ام اختلف کخیاط مع قصار صح استحسانا لانہ شرکۃ الصنائع فہذا بوجاہتہ یقبل وہذا بحذاقتہ یعمل خیاط یا رنگریز نے ایک شخص کو اپنی دکان پر بٹھایا جو دکاندار کو سینے یا رنگنے کا کام لے کر دے نصفا نصف اجرت پر خواہ دونوں کا عمل ایک ہی ہو یعنی دونوں خیاط ہوں یا دونوں رنگریز یا عمل مختلف ہو جیسے خیاط دھوبی کے ساتھ تو یہ درست ہے باعتبار استحسان کے اس واسطے کہ یہ شرکت ہے صنائع کی نہ شرکت وجوہ جیسا کہ صاحب ہدایہ سمجھا ہے تو یہ شخص بسبب اپنی وجاہت اور ۔وداری کے کام لیتا ہے اور یہ یعنی دکاندار اپنی کاریگری کے سبب سے کام کرتا ہے کاستیجار جمل لیحمل علیہ محملا وراکبین الی مکۃ ولہ المحمل المعتاد ورؤیتہ احب وکذا اذا لم یر الوطاء والدثار جیسے صحیح ہے کرایہ لینا غیر معین اونٹ کا تا اس پر محمل لادا جائے اور دو سوار اس پر سوار ہوں مکہ معظمہ تک درحالانکہ محمل رواج کے موافق ہے اور دیکھ لینا محمل کا مستحب ہے یعنی قطع نزاع کے واسطے اور اسی طرح اجارہ جائز ہے جب کہ بچھونا اور اوڑھنا نہ دیکھا ہو م شامل میں مذکور ہے کہ دو اونٹ مکہ معظمہ تک کرایہ لیے تا کہ ایک اونٹ پر محمل کسے اور دو شخص اس پر سوار ہوں اپنا اوڑھنا بچھونا لے کر سو مکاری نے سوار ہونے والوں کو دیکھا اور ان کا اسباب مذکور نہیں دیکھا اور دوسرے اونٹ پر کئی من ستو اور پانی اور سرکہ اور تیل وغیرہ لادے اور اس کی مقدار بیان نہ کی یا یہ شرط کی کہ مکہ معظمہ سے پلٹنے کے وقت تحائف لادے گا جس قدر لوگ لادلاتے ہیں تو یہ اجارہ فاسد ہے قیاس میں بسبب غیر معین ہونے بوجھ کے اور باعتبار استحسان کے جائز ہے اس واسطے کہ اس کا رواج جاری ہے انتہی زیلعی نے کہا وجہ استحسان یہ ہے کہ معقود علیہ راکب ہے سو معلوم ہے اور محمل تابع ہے اور اس کی جہالت معتاد کی طرف پھرنے سے زائل ہو جاتی ہے اور اسی طرح اوڑھنے بچھونے کی جہالت دور ہو جاتی ہے کذا فی الطحطاوی وفی الولوالجیۃ ولو تکاری الی مکۃ ابلا مسماۃ بغیر اعیانہا جاز ویحمل المعقود علیہ حملا فی ذمۃ المکاری والابل آلۃ وجہالتہا لا تفسد قلت فما یفعلہ الحجاج من الاجارۃ للحمل والرکوب الی مکۃ بلا تعیین الابل صحیح واللہ اعلم اور ولوالجیہ میں ہے اور اگر چار یا دس اونٹ بلا تعیین کرایہ لیے مکہ معظمہ تک تو جائز ہے اور معقود علیہ بوجھ قرار دیا جاتا ہے مکاری کے ذمہ پر اور اونٹ بوجھ لادنے کے آلات ہیں اور ان کی جہالت اجارہ مذکور کی مفسد نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ وہ جو حاجی لوگ اجارہ کرتے ہیں بوجھ لادنے اور سواری کے واسطے مکہ معظمہ تک بلا تعیین اونٹوں کے تو صحیح ہے واللہ اعلم م وجہ جواز یہ ہے کہ مطلق متعارف کی طرف منصرف ہے استاجرہ جملا لیحمل مقدارا من الزاد فاکل منہ رد عوضہ من زاد ونحوہ ایک اونٹ کرایہ لیا توشہ کی مقدار معین کے لادنے کے واسطے سو توشہ میں سے کچھ کھایا گیا تو اس کی عوض توشہ یا مانند اس کے اور چیز پھر اس پر لادی جائے قال لغاصب دارہ فرغہا والا فاجرتہا کل شہر بکذا فلم یفرغ وجب علی الغاصب المسمی لان سکوتہ رضی صاحب خانہ نے گھر کے غصب کرنے والے سے کہا کہ گھر خالی کر دے اور نہیں تو کرایہ اس کا ہر ماہ اتنا دینا ہوگا سو غاصب نے گھر خالی نہ کیا تو غاصب پر کرایہ مذکورہ واجب ہوگا اس واسطے کہ اس کا سکوت رضامندی ہے اجارہ کی الا اذا انکر الغاصب ملکہ وان اثبتہ ببینتہ لانہ اذا انکرہ لم یکن راضیا بالاجارۃ مگر اس صورت میں کرایہ واجب نہ ہوگا جب کہ غاصب صاحب خانہ کی ملک کا انکار کرے اگرچہ صاحب خانہ اپنی ملک گواہوں سے ثابت کرے اس واسطے کہ جب وہ ملک کا منکر ہوا تو اجارہ پر راضی نہ ٹھہرا او اقر عطف علی انکر ای ملکہ ولکن لم یرض بالاجرۃ لانہ صرح بعدم الرضی یا غاصب نے اس کی ملک کا اقرار کیا ولیکن اجرت پر راضی نہ ہوا تو بھی اجرت واجب نہ ہوگی اس واسطے کہ اس نے عدم رضا کی تصریح کر دی فی الاشباہ السکوت بالاجارۃ رضی وقبول فلو قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل او قال الراعی لا ارضی بالمسمی بل بکذا فسکت لزم ما سمی اور اشباہ میں ہے کہ چپ رہنا اجارہ میں رضا اور قبول ہے تو اگر مالک نے گھر یا دکان کے رہنے والے سے کہا کہ بعوض اس قدر کرایہ کے سکونت کر اور نہیں تو نکل جا یا چرانے والے نے کہا کہ میں اجرت سابقہ پر راضی نہیں بلکہ اس قدر اجرت لوں گا پھر اس نے سکوت کیا تو اس قدر اجرت لازم ہوگی جتنی اس نے

ف جواز کرایہ باوجود عدم تعیین جانوروں بسبب تعامل و رجوع بہ تعارف ۱۲

معین کی بقی یسکن ثم لما طالبہ قال لم اسمع کلامک ہل یصدق ان بہ صمم نعم والا لا ملخصا بالظاہر باقی رہی یہ بات کہ اگر ساکن مذکور نے سکوت کیا پھر جب مالک نے کرایہ مانگا تو بولا کہ میں نے تیرا کلام نہ سنا تھا تو اس کی تصدیق ہوگی یا نہیں جواب یہ ہے کہ اگر وہ شخص بہرا ہے تو ہاں تصدیق ہوگی اور اگر وہ شخص بہرا نہ ہو تو تصدیق نہ ہوگی بنا بر عمل بظاہر جاز للمستاجر ان یوجر المؤجر بعد قبضہ قبل و نقلہ من غیر موجرہ اما من موجرہ فلا یجوز وان تخلل ثالث بہ یفتی للزوم تملیک المالک مستاجر کو جائز ہے کہ اجارہ والی چیز بعد اس کے قبضہ کرنے کے اس کے مالک کے سوا اور شخص کو اجارہ دے بعضوں نے کہا کہ قبل از قبض بھی اجارہ دینا جائز ہے اور اس کے مالک اجارہ دینے والے کو اجارہ دینا جائز نہیں اگرچہ تیسرا شخص درمیان میں واقع ہو اس طرح کہ مستاجر اول مستاجر ثانی کو اجارہ دے اور مستاجر ثانی موجر کو اجارہ دے اسی قول پر فتوی ہے بسبب لازم ہونے تملیک مالک کے م یعنی عین کا مالک منافع کا بھی مالک ہے اور مستاجر اس کے قائم مقام ہے کذا فی الطحطاوی وہل تبطل الاولی بالاجارۃ للمالک الصحیح لا وہبانیۃ قلت وصححہ قاضی خان وغیرہ وفی المضمرات وعلیہ الفتوی اور کیا پہلا اجارہ مالک کو اجارہ دینے سے باطل ہو جاتا ہے یا نہیں جواب یہ ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ باطل نہیں ہوتا میں کہتا ہوں اور عدم بطلان کو صحیح کہا ہے قاضی خاں وغیرہ نے اور مضمرات میں ہے اور اسی قول پر فتوی ہے وقدمنا عن البحر معزیا للجوہرۃ الاصح نعم واقرہ المصنف ثم ونقل ہنا عن الخلاصۃ ما یفید انہ ان قبضہ منہ بعد ما استاجر بطلت والا لا فلیکن التوفیق فتامل اور ہم نے بحر الرائق سے نسبت بجوہرہ پہلے نقل کیا کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ ہاں اجارہ باطل ہو جاتا ہے مالک کو اجارہ دینے سے اور ثابت رکھا ہے اس قول کو مصنف نے وہاں اور اپنی شرح میں یہاں خلاصہ سے وہ نقل کیا ہے جو اس کا مفید ہے کہ اگر موجر نے مستاجر سے اجارہ کی چیز قبض کی بعد اس کے اجارہ لینے کے تو پہلا اجارہ باطل ہوگا اور نہیں تو باطل نہ ہوگا تو اب تو دونوں قولوں میں اختلاف رفع ہو گیا اتفاق ہو گیا سو اس کو غور کر لے م یعنی بطلان اجارہ اولی کا قول عدم قبض موجر پر محمول ہے اور بطلان کا قول قبض موجر پر محمول ہے محیط میں ہے کہ موجر نے مستاجر سے لے کر قبض نہیں کیا تو مستاجر اول پر اجرت لازم ہے وہل تسقط الاجرۃ مادام فی ید الموجر خلاف مبسوط فی شرح الوہبانیۃ اور کیا اجرت ساقط ہوگی جب تک اجارہ کی چیز موجر کے قبض میں ہے اس میں اختلاف ہے جو شرح وہبانیہ میں مشرح مذکور ہے **وکلہ باستیجار عقار ففعل الوکیل وقبض ولم یسلمہا** ای لم یسلم الوکیل العین الموجرۃ الیہ ای الی الموکل **حتی مضت المدۃ فالاجر علی الوکیل** لانہ اصل فی الحقوق **ویرجع الوکیل بالاجر علی الامر** لنیابتہ عنہ فی القبض فصار قابضا حکما ایک شخص نے دوسرے کو چیز منقول کے اجارہ لینے کا وکیل کیا سو وکیل نے ویسا ہی کیا اور اس پر قبضہ کیا اور وکیل نے اجارہ کی چیز موکل کو تسلیم نہ کی یہاں تک کہ اجارہ کی مدت گذر گئی تو اجرت وکیل پر ہے اس واسطے کہ وہ اصل ہے عقد کے حقوق میں اور وکیل اجر بھرے موکل امر کرنے والے سے بسبب نائب ہونے وکیل کے موکل کی جانب سے قبض کرنے میں تو موکل حکماً قابض ٹھہر گیا م وکیل موکل سے اجرت بھرے خواہ وکیل نے موکل کو اجارہ کی چیز سے باز رکھا ہو یا نہ کذا فی الدرر **وکذا الحکم ان شرط الوکیل تعجیل الاجر وقبض الدار ومضت المدۃ ولم یطلب الامر الدار منہ** فانہ یرجع ایضا لصیرورۃ الامر قابضا بقبضہ ما لم یظہر المنع اور اسی طرح حکم ہے اگر وکیل نے پیشگی اجرت کا دینا شرط کیا اور وکیل نے گھر قبض کیا اور مدت اجارہ گذر گئی اور امر کرنے والے نے اس سے گھر نہ مانگا تو وہ وکیل بھی اپنے پاس سے موجر کو اجرت دے گا اور موکل سے اجرت مذکورہ بھرے گا بسبب ہو جانے موکل کے قابض وکیل کے قبضہ کرنے سے جب تک کہ وکیل کی جانب سے منع ظاہر نہ ہو یعنی تا وقتیکہ موکل کو تصرف سے باز نہ رکھے **وان طلب الامر الدار منہ وابی الوکیل تعجیل الاجرۃ لا یرجع** لانہ لما حبس الدار بحق لم تبق یدہ ید نیابۃ فلم یصر الموکل قابضا حکما ولا یلزم الاجر اور اگر موکل نے وکیل سے گھر مانگا اور وکیل نے نہ دیا تعجیل اجرت کے سبب سے تو اب اجرت فقط وکیل پر پڑے گی اور وکیل موکل سے رجوع نہ کر سکے گا اس واسطے کہ جب اس نے گھر کو بسبب حق کے روک رکھا تو وکیل کا قبض نیابت کا قبض باقی نہ رہا تو موکل حکماً قابض نہ ٹھہرا تو موکل پر اجرت لازم نہ ہوگی **لیستحق القاضی الاجر علی کتب الوثائق** والمحاضر والسجلات قدر ما یجوز لغیرہ قاضی مستحق اجرت ہوتا ہے دستاویز اور محضروں اور سجلوں

کے لکھنے پر جس قدر غیر قاضی کو اجرت لینی جائز ہے م قاضی پر حکم کرنا واجب ہے نہ لکھ دینا لہذا لکھنے سے مستحق اجرت کا ہوا لیکن یہ جائز نہیں کہ جس قدر قاضی چاہے اجرت لے بلکہ جتنی اجرت اور شخص اس قدر لکھنے پر لیتے ہوں اسی قدر قاضی بھی اجرت لے اپنے علو منصب سے زیادہ طلبی نہ کرے کالمفتی فانہ یستحق اجر المثل علی کتابۃ الفتوی لان الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابۃ بالبنان ومع ہذا الکف اولی احترازا عن القیل والقال وصیانۃ لماء الوجہ عن الابتذال بزازیۃ وتمامہ فی قضاء الوہبانیۃ چنانچہ فتوی دینے والا عالم کہ وہ بھی اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے فتوی لکھ دینے پر اس واسطے کہ مفتی پر زبان سے جواب دینا واجب ہے نہ انگلیوں سے لکھ دینا اور باوجود اس کے اجرت نہ لینا بہتر ہے تاکہ قیل اور قال سے بچے اور آبرو ابتذال سے محفوظ رہے ۱۲ کذا فی البزازیۃ اور پورا بیان اس کا وہبانیہ کی کتاب القضاء میں ہے وفی الصیرفیۃ حکم وطلب اجرۃ لیکتب شہادتہ جاز وکذا المفتی لو فی البلدۃ غیرہ وقیل مطلقا لان کتابتہ لیست بواجبۃ علیہ اور صیرفیہ میں ہے کہ قاضی نے حکم کیا اور اجرت طلب کی تاکہ اپنی گواہی لکھ دے تو جائز ہے اور یہی حکم ہے مفتی کا اگر اس شہر میں اس کے سوا اور کوئی بھی فتوی دینے والا ہو اور بعضوں نے کہا خواہ ہو یا نہ ہو مطلقاً طلب اجرت تحریر شہادت پر جائز ہے اس واسطے کہ لکھنا واجب نہیں مفتی پر م طحطاوی نے کہا شاید کہ گواہی سے مراد قاضی کا وہ خط ہے جو دستاویز پر لکھا جاتا ہے یعنی قاضی کے دستخط یا مہر والا بیان تو گفتگو قاضی میں ہے نہ شاہد میں اور فراموش نہ کیجیو جو مذکور ہو چکا کہ اجرت لینا بقدر کتابت غیر قاضی جائز ہے نہ زیادہ وفیہا استاجرہ لیکتب لہ تعویذا لاجل السحر جاز ان بین لہ قدر الکاغذ والخط والمکتوب اور صیرفیہ میں ہے کہ ایک شخص نے اجارہ مقرر کیا تاکہ وہ اس کے واسطے دفع سحر کا تعویذ لکھ دے تو جائز ہے اگر اس سے کاغذ اور خط اور مکتوب کی مقدار بیان کر دے م اس واسطے کہ کاغذ کی مقدار مذکور ہو گئی تو معلوم ہو گیا اس قدر سطور کی اس میں گنجایش ہے باعتبار عرض کے اور تفاوت بعض کلمات کے زیادہ ہونے کا معاف ہے اور ظاہرا خط سے مراد عدد سطور ہے اس واسطے کہ بیان مقدار کاغذ سے عدد سطور کا بیان لازم نہیں تو اس صورت میں لفظ مکتوب کی کچھ حاجت نہیں اور لفظ مکتوب منح الغفار میں صیرفیہ کی نقل عبارت میں نہیں ہے اور خط سے کاتب کا خط مراد نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ عادت یہ ہے کہ کاتب کا خط اول دیکھ لیتے ہیں کذا فی الطحطاوی **المستاجر لا یکون خصما لمدعی الاجارۃ والرہن والشراء** ۱۲ لان الدعوی لا یکون الا علی مالک العین مستاجر مدعا علیہ نہیں ہوتا اجارہ اور رہن اور خرید کے مدعی کا اس واسطے کہ دعوی نہیں ہوتا مگر مالک عین پر اور مستاجر تو مالک نہیں م مثلاً ایک گھر زید نے کرایہ لیا سو دوسرے شخص نے دعوی کیا کہ یہ گھر میرے اجارہ میں ہے یا میرے پاس گرو ہے یا میں نے اس کو خرید کیا ہے تو اس کی جواب دہی مالک سے متعلق ہے نہ زید سے **بخلاف المشتری والموہوب لہ** لملکہما العین برخلاف مشتری اور موہوب لہ کے بسبب مالک ہونے دونوں کے یعنی مشتری اور موہوب لہ عین کے مالک ہیں تو وہ مدعا علیہ ہو سکتے ہیں اجارہ اور رہن اور خرید کے دعوی کے وہل یشترط حضور الآجر مع المشتری قولان اور کیا حاضر ہونا موجر کا مشتری کے ساتھ دعوی اجارہ میں شرط ہے اس میں دو قول ہیں ایک قول میں شرط ہے اور دوسرے قول میں نہیں **وتصح الاجارۃ وفسخہا والمزارعۃ والمعاملۃ والمضاربۃ والوکالۃ والکفالۃ والایصاء والوصیۃ والقضاء والامارۃ والطلاق والعتاق والوقف** حال کون کل واحد مما ذکر مضافا الی الزمان المستقبل کآجرتک او فاسختک راس الشہر بالاجماع اور صحیح ہے اجارہ اور اس کا فسخ کرنا اور مزارعت اور معاملہ یعنی مساقاۃ اور مضاربت اور وکالت اور ضامنی اور کسی کو وصی کرنا اور کسی کے واسطے وصیت کرنا اور قضا اور سرداری اور طلاق اور عتاق اور وقف جب کہ ہر ایک امور مذکورہ سے زمان مستقبل کی طرف مضاف ہوں چنانچہ میں نے تجھ کو اجارہ دیا یا تجھ سے اجارہ کیا شروع ماہ میں تو صحیح ہے بالاتفاق م ایصا کی مثال یہ ہے کہ میں نے فلانے کو وصی کیا اپنی موت کے بعد اور وصیت کی مثال یہ ہے کہ میرے مال سے سوم حصہ فلانے شخص کا ہے میری موت کے بعد قہستانی نے عمادیہ سے نقل کیا کہ عاریت اور اذن فی التجارۃ بھی

پچھلے صفحہ کا حاشیہ ف قاضی را اخذ اجرت بر تحریر دستاویز با مقدمہ اجرت دیگران جائز است لیکن اگر نگیرد افضل است ۱۲

مضاف بزمان آئندہ یہ صحیح ہیں کذا فی الطحطاوی لایصح مضافا للاستقبال کل من کان تملیکا للحال مثل البیع واجازتہ وفسخہ والقسمۃ والشرکۃ والہبۃ والنکاح والرجعۃ والصلح عن مال وابراء الدین وقدمر فی متفرقات البیوع صحیح نہیں مضاف بزمان مستقبل جو شئے کہ فی الحال تملیک ہو مانند بیع اور اس کی اجازت اور فسخ کے اور مانند قسمت اور شرکت اور ہبہ اور نکاح اور رجعت اور صلح عن المال اور ابراء دین کے اور یہ مذکور ہو چکا کتاب البیوع کے متفرقات میں م اجازت بیع کی یہ مثال کہ فضولی نے غیر کا غلام بیچا سو مالک نے کہا کہ میں نے اس بیع کی اجازت دی اور صلح میں داخل ہیں کل صلح مگر مال کی قید سے دم عمد کی صلح نکل گئی اس واسطے کہ اس کی اضافت زمان مستقبل کی طرف صحیح زاد اجر المثل فی نفسہ من غیر ان یزید احد فللمتولی فسخہا ومالم یفسخ کان علی المستاجر المسمی یعنی اجرت مثل زیادہ ہو گئی خود بخود بدون اس بات کے کہ کوئی اس کو بڑھا دے تو متولی کو اجارہ وقف کا فسخ کرنا جائز ہے اور جب تک متولی فسخ نہ کرے گا تو مستاجر پر اجرت معینہ لازم ہو گی اسی قول کا فتوی ہے فسخ العقد بعد تعجیل البدل فللمعجل حبس المبدل حتی یستوفی مال البدل صحیحا کان العقد او فاسدا او العین فی ید المستاجر فلیحفظ موجر نے عقد اجارہ فسخ کیا اجرت پیشگی لینے کے بعد تو پیشگی دینے والے کو حبس مبدل یعنی اجارہ کی چیز روک رکھنا جائز ہے یہاں تک کہ عوض کا مال بھر لے خواہ عقد صحیح ہو یا فاسد بشرطیکہ اجارہ کی چیز مستاجر کے ہاتھ میں ہو تو اس کو یاد رکھنا چاہیئے استاجر مشغولا وفارغا صح فی الفارغ فقط لا المشغول کما مر لکن حرر محشی الاشباہ ان الراجح صحۃ اجارۃ المشغول ویومر بالتفریغ والتسلیم مالم یکن فیہ ضرر فلہ فسخہا فتنبہ اجارہ لیا مشغول اور خالی چیز کا تو اجارہ صحیح ہے فقط خالی چیز میں نہ مشغول میں چنانچہ مذکور ہو چکا لیکن اشباہ کے محشی نے تحریر کی ہے کہ قول راجح یہ ہے کہ اجارہ مشغول کا صحیح ہے اور موجر کو امر ہو گا مشغول چیز کے خالی کر دینے کا اور تسلیم کا جب کہ خالی کرنے میں ضرر نہ ہو تو اس کو اس کا اجارہ فسخ کر دینا جائز ہے سو خبردار رہنا استاجر شاۃ لارضاع ولدہ او جدیہ لم یجز لعدم العرف بکری اجارہ لی اپنے لڑکے کے دودھ پلانے کو یا اپنی بکری کے بچے کے دودھ پلانے کو تو اجارہ جائز نہیں بسبب عدم رواج کے المستاجر فاسدا اذا آجر صحیحا جازت لو بعد قبضہ فی الاصح بزازیہ وقیل لا وتقدم الکل کل فی الاشباہ اجارہ فاسدہ کا مستاجر جب کہ اور شخص کو اجارہ صحیح دے تو اجارہ جائز ہے اگر اجارہ دیا بعد اس کے قبضہ کرنے کے قول اصح میں کذا فی البزازیہ اور قول ضعیف میں اجارہ مذکورہ صحیح نہیں اور سب مسائل مذکورہ پہلے مذکور ہو چکے اور یہ سب مسائل اشباہ میں مذکور ہیں فروع مسائل ملحقہ شارح کے اعلم ان المقاطعۃ اذا وقعت بشروط الاجارۃ فہی صحیحۃ لان العبرۃ للمعانی وقدمناہ فی الجہاد دریافت کیا کہ مقاطعہ جب کہ اجارہ کی شرطوں کے ساتھ واقع ہو تو اجارہ صحیح ہے اس واسطے کہ اعتبار معانی کا ہے نہ فقط لفظ کا اور اس کو ہم مقدم ذکر کر چکے ہیں کتاب الجہاد میں م مقاطعہ یہ کہ بادشاہ کسی شخص کو زمین دے بطور معافی کے اس طرح کہ بادشاہ کہے میں نے تجھ کو یہ زمین معاف کر دی ہر سال اس قدر اجرت پر تو یہ اجارہ ہے نہ معافی کذا فی الطحطاوی صح استیجار قلم ببیان الاجر والمدۃ یہ صحیح ہے اجارہ لینا قلم کا اجرت اور مدت کے بیان کے ساتھ استاجر شیئا لینتفع بہ خارج المصر فانتفع بہ فی المصر فان کان ثوبا لزم الاجر وان کان دابۃ لا ایک چیز اجارہ لی تاکہ اس سے فائدہ حاصل کرے شہر سے باہر جا کر پھر اس نے شہر ہی میں فائدہ حاصل کیا تو اگر وہ چیز کپڑا ہو تو اجرت لازم ہو گی اور اگر جانور ہو تو اجرت لازم نہیں ساقہا ولم یرکبہا لزم الاجر الا لعذر بہا مستاجر جانور کو ہانک لے گیا اور اس پر سوار نہ ہوا تو اجرت لازم ہو گی لیکن اگر جانور میں کوئی عذر ہو مانع سواری کا مثلاً اس کی پیٹھ لگی ہو تو اجرت لازم نہیں م یعنی سواری کے واسطے اجارہ لیا اور سوار نہ ہوا تو اس کا قصور ہے اخطأ الکاتب فی البعض ان الخطأ فی کل ورقۃ خیران شاء اخذہ واعطی اجر مثلہ او ترکہ علیہ واخذ منہ القیمۃ کاتب چوک کیا بعض سطور میں اگر غلطی ہر ورق میں ہو تو لکھانے والا مستاجر چاہے اس کو لے اور اس کی اجرت مثل دے بشرطیکہ اجرت معینہ زیادہ نہ ہو یا اس کو اس پر چھوڑے اور کاتب سے قیمت کاغذ اور روشنائی کی لے کذا فی الولوالجیہ وان فی البعض اعطاہ بحسابہ من المسمی اور اگر غلطی بعضے ورقوں میں ہو تو اس کو اجرت معینہ دے اس کے حساب کے موافق م یعنی جس قدر ورق صحیح لکھے ہوں ان کی اجرت ٹھہرانے کے موافق دے

اور جتنے ورق غلط ہوں اس کے موافق اجرت مثل دے کذا فی الطحطاوی والصیرفی یا جراذا ظہرت الزیادۃ فی الکل استرد الاجرۃ وفی البعض بحسابہ صراف نے پرکھائی کی اجرت لی جب کہ کھوٹا ہونا سب دراہم یا دنانیر میں ظاہر ہوگا تو اس سے اجرت پھیر لی جائے گی اور بعض کے کھوٹے ہونے میں اس کے حساب سے استرداد ہوگا ولی علی کذا فلہ کذا فلہ اجر مثلہ ان مشی لاجلہ اگر مجھ کو فلانی چیز بتا دے تو اس کے واسطے اجرت ہے سو اس کو بتائی تو بتانے والے کے واسطے اجرت مثل ثابت ہے اگر بتانے والا چند قدم چلا ہو بتانے کے واسطے ولی علی کذا فلہ کذا فہو باطل ولا اجر لمن دلہ اذا عین الموضع جو شخص مجھ کو فلانی چیز بتا دے تو اس کے واسطے اجرت ہے تو یہ باطل ہے اور بتانے والے کے واسطے کچھ اجرت نہیں مگر جب کہ موضع دلالت معین کرے م شارح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اجارہ مذکور بلفظ ان شرطیۃ صحیح ہے اور بلفظ من شرطیہ صحیح نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اس واسطے کہ طحطاوی نے بزازیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ ایک شخص کی کوئی چیز گم ہوگئی سو اس نے کہا کہ جو مجھ کو دلالت کرے اس پر تو اس کے واسطے اتنی اجرت ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اس نے یہ کلام بسبیل عموم کے کہا اس طرح کہ من دلنی یعنی جو شخص کہ مجھ کو بتا دے تو اجرت باطل ہے اس واسطے کہ بتانا اور اشارہ کرنا ایسا عمل نہیں ہے جس کے سبب سے مستحق اجرت ہو تو بتانے والے کو اجرت نہ ملے گی اور اگر بسبیل خصوص کے کہا یعنی اس طرح ایک شخص معین سے کہا کہ اگر تو مجھ کو فلانی چیز بتا دے تو تیرے واسطے اتنی مزدوری ہے تو اگر وہ شخص بتانے کے واسطے چلا اور اس نے دلالت کی تو اس کو اجرت مثل ملے گی بتانے کے واسطے چلنے کے سبب سے اس واسطے کہ چلنا ایسا عمل ہے جس پر استحقاق اجرت ثابت ہوتا ہے عقد اجارہ سے لیکن چونکہ چلنے کی مقدار معین نہیں لہذا اجرت مثل واجب ہوگی نہ اجرت معینہ اور اگر بدون چلنے کے دلالت واقع ہوگی تو عموم اور خصوص برابر ہے انتہی تو معلوم ہوا کہ مدار صحت اجارہ تعیین اور چلنے پر ہے نہ لفظ ان اور من کی تعبیر پر اور اشباہ کی بھی عبارت بزازیہ کے مانند ہے کذا فی الطحطاوی استاجر لحفر حوض عشرۃ فی عشرۃ وبین العمق فحفر خمسۃ فی خمسۃ کان لہ ربع الاجر الکل من الاشباہ اجارہ لیا دہ دردہ حوض کے کھودنے کا اور اس کا عمق بیان کر دیا مثلاً ہاتھ بھر کا گہرا سو مزدور نے پنج در پنج کھودا تو اس کے واسطے چوتھائی مزدوری ثابت ہوگی یہ سب مسائل اشباہ سے منقول ہیں م چوتھائی مزدوری اس واسطے ہوئی کہ دہ دردہ یعنی دس ہاتھ طول اور دس ہاتھ عرض کے سو ہاتھ مکسر ہوتے ہیں تو پنج در پنج یعنی پانچ ہاتھ طول اور پانچ ہاتھ عرض کے پچیس ہاتھ مکسر ہوئے اور پچیس چوتھائی ہے سو کی تو چوتھائی عمل سے چوتھائی اجرت لازم ہوئی پس معلوم ہوا کہ اجسام میں ضرب معتبر ہے نہ مثل طلاق[1] میں کذا فی الطحطاوی وفیہا جاز استیجار طریق للمرور ان بین المدۃ قلت وفی حاشیتہا ہذا قولہما وہو المختار شرح مجمع اور اشباہ میں ہے کہ جائز ہے اجارہ لینا راہ کا چلنے کے واسطے اگر مدت مرور بیان کی جائے میں کہتا ہوں اور اشباہ میں ہے کہ یہ صاحبین کا قول ہے اور یہی مختار ہے کذا فی شرح المجمع م جواز اجارہ طریق اس صورت میں ہے کہ جب طریق ایک شخص کی ملک میں ہو کذا فی الطحطاوی وفی الاختیار من دلنا علی کذا جاز لان الاجر تعین بدلالۃ اور اختیار میں ہے مستاجر نے کہا کہ جو شخص ہم کو فلانی چیز بتا دے اس کا اتنا اجر ہے تو جائز ہے اس واسطے کہ اجر متعین ہو جاتا ہے اس کے بتانے سے م اور اسی طرح سیر الکبیر میں ہے اور عنقریب مذکور ہو چکا کہ مراد یہ ہے کہ اس کلام کا مخاطب معین ہے اور اس کی جانب سے قبول پایا گیا ہو چنانچہ متعین ہونا اجر کا اس کی دلالت سے اس مراد پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اجرت مسمی مراد ہے کذا فی الطحطاوی عن حاشیۃ ابی السعود علی الاشباہ وفی الغایۃ داری لک اجارۃ ہبۃ صحت غیر لازمۃ فلکل فسخہا ولو بعد القبض فلیحفظ اور اتقانی کی غایۃ البیان میں ہے کہ میرا گھر تیرے واسطے اجارہ ہے ہبہ تو اجارہ غیر لازمہ صحیح ہے تو موجر اور مستاجر ہر ایک کو اس کا فسخ کرنا جائز ہے اگرچہ فسخ بعد قبض مستاجر واقع ہو تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م اور اسی طرح اجارہ صحیح ہوگا اگر لفظ ہبہ اجارہ پر مقدم کرے کذا فی غایۃ البیان ایضا اور اجارہ صحیح ہوا باعتبار لفظ اجارہ کے اور عدم لزوم عقد لازم لفظ ہبہ کے سبب سے اور لزوم اجرت اجارہ کی جہت سے کذا فی الطحطاوی وفی لزوم الاجارۃ المضافۃ تصحیحان والد

---

[1] یعنی فقہاء کے نزدیک معنی ضرب کے یہ ہیں کہ مضروب کے اجزاء بقدر مضروب فیہ ہو جاویں جیسے اگر کہے کہ تجھ کو طلاق دو در دو ہیں یعنی دو ضرب کھائے ہوئے دو میں تو دو ہی طلاق ہوں گی یعنی دو طلاقوں کے دو دو ٹکڑے ہو گئے یہ معنی نہیں کہ دو کو دو بار لیا جیسا حساب میں ہوتا ہے مگر اجسام میں فقہا بھی مثل محاسبوں کے معنی لیتے ہیں جیسے کہ مثال حوض میں لیے ۱۲

عدم لزوم جہاں بان علیہ الفتوی اور اجارۂ مضافہ کے لزوم میں یعنی جو اجارہ کہ مضاف بزمان مستقبل ہے اس کے لزوم میں دو قول مصحح ہیں اور عدم لزوم کے قول کی اس طرح تائید کی گئی ہے کہ عدم لزوم پر فتوی ہے وفی المجتبیٰ لا تجوز اجارۃ البناء وعن محمد تجوز لو منتفعا بہ کجدار وسقف وبہ یفتی اور مجتبیٰ میں ہے کہ اجارہ عمارت کا بدون زمین کے جائز نہیں اور محمد سے ایک روایت میں اجارہ مذکورہ جائز ہے اگر عمارت سے نفع حاصل ہو چنانچہ دیوار اور چھت اور اسی قول پر فتوی ہے م خلاصہ میں ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ زمین کا بدون عمارت اور عمارت کا اجارہ بدون زمین کے صحیح ہے کذا فی الطحطاوی ومنہ اجارۃ بناء مکۃ وکرہ اجارۃ ارضہا اور اسی قسم سے اجارہ مکہ معظمہ کی عمارت کا اور اس کی زمین کا اجارہ مکروہ ہے م مختارات النوازل میں ہے کہ بناء مکہ معظمہ کی بیع اور اجارہ میں کچھ مضائقہ نہیں اور وہاں کی زمین کی بیع امام کے نزدیک مکروہ ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور امام سے بھی اس کی ایک روایت ہے کذا فی الطحطاوی عن شرح الوہبانیۃ لعبد البر وفی الوہبانیۃ وفی الکلب والبازی قولان والبنا ۔ کام القری اذا ارضہا لیس توجر ۔ اور وہبانیہ میں ہے اور کتے اور باز کے اجارہ میں اختلاف ہے جیسے کہ مکہ معظمہ کی عمارت میں اختلاف ہے اس واسطے کہ وہاں کی زمین کا اجارہ نہیں ہوتا م کتے اور باز میں اگر مدت مذکور ہو تو بعضوں کے نزدیک اجارہ جائز ہے اور بلی کا اجارہ چوہے پکڑنے کے واسطے بالاتفاق جائز نہیں کذا فی الطحطاوی ولو دفع الدلال ثوبا للتاجر ۔ یقلبہ لو راح لیس یخسر اور اگر دلال نے وہ کپڑا جس کو بیع کے واسطے لیے پھرتا ہے تاجر کو دیا اگر تاجر سفر کو جاوے تو دلال پر تاوان نہیں ومن قال قصدی ان اسافر فافسخن ۔ فحلفہ اور فاسال رفاقا لیذکروا ۔ اور جس مستاجر نے موجر سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ سفر کروں سو اجارہ کو فسخ کر تو اس کو قسم دے یا اس کے رفیقوں سے سوال کر تاکہ وہ بیان کر دیں م یعنی اگر مستاجر سفر کرنے کا اظہار کرے اور فسخ اجارہ چاہے اور موجر کہے کہ یہ سفر نہیں کرے گا فسخ اجارہ کے واسطے حیلہ انگیزی کرتا ہے تو قاضی مستاجر سے سفر جانے کی قسم لے یا اہل قافلہ سے پوچھے کہ تمہارے ساتھ مستاجر بھی مستعد سفر ہے یا نہیں اگر وہ کہیں کہ ہاں تو عذر فسخ ثابت ہوگا ویفسخ من ترک التجارۃ وما اکتری ۔ ولو کان فی بعض الطریق وموجر ۔ لہ فسخہا لو مات منہا معین ۔ واطلق لیعقوب وبالضعف یذکر ۔ اور ترک تجارت سے فسخ ہوگا اجارہ اس جانور کا جس کو سوداگر نے کرایہ لیا اگرچہ ترک تجارت کچھ راہ چل کر واقع ہوا اور موجر کو اجارہ فسخ کرنا جائز ہے اگر معین اونٹوں کے اجارہ میں ایک معین اونٹ مر جائے اور ابو یوسف نے مطلق کہا ہے یعنی اونٹ معین ہوں خواہ غیر معین بہر کیف فسخ جائز ہے اور یہ قول ابو یوسف کا ضعف کے ساتھ مذکور ہے یعنی قول ضعیف ہے لائق عمل کے نہیں م یعنی اگر موجر نے معین اونٹوں کا کرایہ کیا سواری اور بوجھ لادنے کو پھر اونٹ مر گئے تو اجارہ فسخ ہو گیا اور اگر بلا تعیین اونٹوں کا اجارہ ہوا اور موجر نے مستاجر کو اونٹ تسلیم کیے تو اب مر جانے سے اجارہ فسخ نہ ہوگا اس واسطے کہ عقد اجارہ خاص اونٹوں پر واقع نہیں ہوا تو موجر پر واجب ہوگا کہ اور اونٹ لادے اور یہ جو ناظم نے کہا کہ موجر کو فسخ کا اختیار ہے اس کی کچھ حاجت نہیں اس واسطے کہ اجارہ خود بخود فسخ ہو جاتا ہے متعین کی موت سے کذا فی الطحطاوی وایجار ذی ضعف من الکل جائز ۔ ولو ان اجر المثل من ذلک اکثر ۔ اور اجارہ دینا بیمار کا تمام مال سے جائز ہے اگرچہ اجرت مثل اس کے اجر معین سے زیادہ تر ہو م صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص کا بھی مال مثلاً پانچ اونٹ ہیں اور وہ شخص بیمار بمرض الموت ہے اور اس پر دیون ہیں اور اس کے وارث ہیں سو بیمار مذکور نے پانچوں اونٹ اجارہ دیے اجرت مثل سے کم تر کو تو اجارہ مذکور جائز ہے اس واسطے کہ بیمار کا وہ تصرف جائز نہیں جس میں ارباب دیون اور وارثوں کا حق متعلق ہو اور ان کا حق تو اعیان سے متعلق ہے نہ منافع سے اس واسطے کہ منافع بعد موت کے باقی نہیں رہتے تاکہ تعلق حق متصور ہوا کذا فی الطحطاوی عن عبد البر بتصرف ومن مات مدیونا واجر عقارہ ۔ فوفاہ للمستاجر الحبس اجدر ۔ اور جو شخص مدیون مر گیا اور اس نے اپنا مال غیر منقول اجارہ دیا اور اس کی اجرت پیشگی بھر لی تو مستاجر کو حبس لائق تر ہے م یعنی تا انقضاء مدت اجارہ مستاجر استیفاد منافع کرے گا بعد اس کے ارباب دیون اس زمین وغیرہ میں اپنا تصرف کریں گے واللہ اعلم واستغفر اللہ الکریم ۔

کتاب المکاتب

یہ کتاب ہے غلام مکاتب کے احکام میں مناسبۃ للاجارۃ ان فی کل منہما ملک الرقبۃ لشخص ومنفعۃ لغیرہ کتاب المکاتب کی مناسبت کتاب الاجارۃ ے یہ ہے کہ دونوں میں رقبہ تو ایک شخص کا مملوک ہے اور منفعت اس کی غیر شخص مذکور کی مکاتب کا رقبہ مولی کا مملوک ہے اور منفعت مکاتب کی اد جارہ میں رقبہ مؤجر کا مملوک ہے اور منفعت مستاجر کی الکتابۃ من الکتب وہی جمع الحروف سمی بہ لان فیہ ضم حریۃ الید الی حریۃ الرقبۃ کتاب لغت میں کتب لفتح سے مشتق ہے اور کتب عبارت ہے حروف کے جمع کرنے سے عقد کتابت کو کتابت اس واسطے نام رکھا کہ اس میں حریت ید کو حریت رقبہ کے ساتھ ملانا اور جمع کرنا ہے م بہتر یہ تھا کہ شارح یوں کہتا کہ کتب عبارت ہے جمع سے یعنی جمع حروف نہ کہتا اس واسطے کہ جمع حروف کتابت کا تفسیر ہے نہ کتب کی مصنف نے منح الغفار میں کہا کہ مکاتب اسم مفعول ہے کاتب مکاتبۃ سے اور مولی مکاتب ہے بکسر تا اور اصل اس کی کتب ہے اور کتب عبارت ہے جمع سے اور اسی سے ہے کتیبۃ یعنی طائفہ مجتمعہ لشکر کا اور اسی سے ہے کتاب اس واسطے کہ وہ جامع ہے عبارات فصول کی اور اسی سے ہے کتاب یعنی لکھنا اس واسطے کہ وہ جامع ہے حروف کی اور اس عقد کا کتابت اور مکاتبہ اس واسطے نام رکھا کہ اس میں ملانا ہے حریت ید کا حریت رقبہ کے ساتھ یا اس واسطے کہ اس میں دو قسطیں یا زیادہ مجتمع ہوتی ہیں یا اس واسطے کہ غلام اور مولی دستاویز لکھتے ہیں اور یہی وجہ اخیر ظاہر تر ہے شامی وشرعا تحریر المملوک یدا ای من جہۃ الید حالا ورقبۃ مآلا یعنی عند اداء البدل حتی لو اداہ حالا عتق حالا اور شرع میں کتابت عبارت ہے مملوک کے فی الحال آزاد کرنے سے باعتبار تصرف کے اور اس کی گردن آزاد کرنے سے باعتبار انجام کار کے یعنی بدل کتابت کے ادا کرنے کے وقت تو اگر بعد عقد کتابت کے فی الحال بدل کتابت ادا کردے تو فوراً آزاد ہو جائے م یعنی جب مولی نے اپنے غلام سے کہا کہ میں نے تجھ کو مکاتب کیا سو درم پر مثلاً یعنی اگر سو درم کما لاوے تو آزاد ہو جائے تو بمجرد اس کلام کے غلام آزاد ہو گیا تصرف کی راہ سے یعنی جس طرح آزاد لوگ خرید و فروخت اور نوکری چاکری میں بطور خود تصرف کرتے ہیں ویسا ہی غلام مکاتب بھی تصرف کرے گا۔ اس میں مولی کے اذن کی حاجت نہیں اور جب سو درم ادا کرے گا تو اس کی ذات آزاد ہو جائے گی تو مکاتب عبد اور حر دونوں سے مشابہ ہے عبد سے اس واسطے مشابہ ہے کہ ہنوز اس کی گردن آزاد نہیں تا ادائے بدل کتابت اور حر سے اس واسطے مشابہ ہے کہ آزاد کی طرح تصرف کرتا ہے اور اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے ورکنہا الایجاب والقبول بلفظ الکتابۃ او ما یؤدی معناہ اور کتابت کا رکن ایجاب اور قبول ہے بلفظ کتابت یا جو لفظ کہ موصل بمعنی کتابت ہو م مثلاً مولی کہے غلام سے کہ میں نے تجھ کو مکاتب کیا یا تیرے ساتھ عقد کتابت منعقد کی اور غلام اس کو قبول کرے اور ہم معنی کتابت کی یہ مثال ہے کہ مولی کہے کہ میں نے تجھ پر ہزار درم مقرر کیے تو اس کو ادا کر یا یوں کہے مجھ کو ہزار درم ہر مہینے میں سو درم کرکے ادا کر اور تو آزاد ہے ایجاب وقبول کی قید سے تعلیق عتق کتابت سے خارج ہو گئی اور لفظ کتابت کی قید سے اعتاق علی المال خارج ہو گیا

اور فرق معنوی یہ ہے کہ مکاتب عجز سے پھر رقیق ہوجاتا ہے نہ معتق علی المال وشرطھا کون البدل المذکور فیھا معلوما قدرہ وجنسہ وکون الرق فی المحل
قائما اور کتابت کی شرط ہونا ہے اس بدل کا جو کتابت کے غلام ۱۲ میں مذکور ہو معلوم القدر والجنس اور ہونا رق غلامی ۱۲ کا محل میں یعنی ذات مملوک میں قائم ہو اور اگر بدل کی مقدار
اور جنس معلوم نہ ہو تو کتابت فاسد ہے اس واسطے کہ جہالت باعث نزاع ہے برابر ہے کہ بدل مال ہو یا منفعت کذا فی الدرر لا کونہ منجما او موجلا لصحتھا
بالحال نہ ہونا بدل کا منجم یا موجل بسبب صحیح ہونے کتابت کے فی الحال کے ادا کرنے سے م یعنی بدل کا منجم یا موجل ہونا کتابت کی شرط نہیں منجم اور
موجل میں فرق یہ ہے کہ موجل وہ کہ تمام مال کی ایک مدت مقرر ہو اور منجم وہ ہے کہ جس کی کئی مدتیں ہوں قسط وار ۱۲ مثلاً ہزار درم کی دس مدتیں سو سو درم کی مدت
ایک مہینہ وحکمھا فی جانب العبد انفکاک الحجر فی الحال وثبوت الحریۃ فی حق الید لا الرقبۃ الا اذا ادی اور کتابت کا حکم یعنی اثر مترتب غلام
کی جانب میں دور ہونا عدم تصرف کا فی الحال اور ثابت ہونا آزادی کا تصرف کرنے کے حق میں نہ گردن کے حق میں مگر ادا لئے بدل کتابت سے و
فی جانب المولی ثبوت ولایۃ مطالبۃ البدل فی الحال ان کانت حالۃ والملک فی البدل اذا قبضہ وعودہ لملکہ اذا عجز اور اثر مترتب مولی
کی جانب میں ثابت ہونا مطالبہ بدل کی ولایت کا فی الحال اگر کتابت بلا مدت ہو اور مالک ہونا بدل کتابت کا جب کہ اس پر مولی قبض کرے اور غلام
کا پھرنا مولی کے ملک کی طرف جب کہ وہ ادا لئے بدل کتابت سے عاجز ہو کاتب قنہ ولو القن صغیر العقل بمال حال ای نقد کلہ او موجل
کلہ او منجم ای مقسط علی اشہر معلومۃ او قال جعلت علیک الفا تودیہ نجوما اولھا کذا واخرھا کذا فان ادیتہ فانت حر وان عجزت فقن
وقبل العبد ذلک صح وصار مکاتبا لاطلاق قولہ تعالی فکاتبوھم مکاتب کیا اپنے غلام کو اگرچہ غلام ایسا صغیر ہو کہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہو مکاتب
کیا بعوض مال کے خواہ مال حال ہو یعنی سب مال نقد ہو یا سب مال موجل ہو یا منجم ہو یعنی اس کی قسطیں مقرر ہوگئی ہوں معین مہینوں پر یا مولی نے
یوں کہا کہ میں نے تجھ پر ہزار درم مقرر کیے جن کو تو ادا کرے قسط بقسط اول قسط فلانا مہینہ ہے اور آخر قسط فلانا مہینہ تو اگر تو ادا کرے گا
تو آزاد ہے اور اگر تو ادا کرنے سے عاجز ہوگا تو تو غلام ہے اور اس کو غلام نے قبول کیا تو صحیح ہے اور وہ غلام مکاتب ہوجائے گا
بسبب مطلق ہونے قول حق تعالی کے اس قول کے کہ فکاتبوھم یعنی غلاموں کو مکاتب کردو م یعنی امر قرآنی غلام صغیر اور کبیر اور مال نقد اور موجل اور منجم
سب کو شامل ہے واللام للندب علی الصحیح اور امر کتابت کا استحباب کے واسطے ہے بنابر قول صحیح کے نہ وجوب کے واسطے چنانچہ اہل ظ
کا مذہب ہے اور نہ اباحت کا چنانچہ بعض علماء حنفیہ سمجھے ہیں والمراد بالخیر ان لا یضر بالمسلمین بعد العتق اور خیر سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو
غلام ضرر نہ پہنچائے آزاد ہونے کے بعد م یعنی یہ جو قرآن شریف میں وارد ہے کہ اگر تم غلاموں میں خیر سمجھو تو ان کو مکاتب کردو تو خیر سے
مراد عدم مضرت مسلمین ہے فلو یضر فالافضل ترکہ تو اگر آزاد ہونے کے بعد مسلمانوں کو ضرر پہنچا دے تو افضل یہ ہے کہ اس کو مکاتب نہ کرے
ولو فعل صح اور اگر باوجود اس کے مکاتب کرے گا تو صحیح ہوگا ولو کاتب نصف عبدہ جاز ونصفہ الاخر ماذون لہ فی التجارۃ ولو اراد منعہ لیس لہ ذلک
لئلا یبطل علی العبد حق العتق وتمامہ فی التاتارخانیۃ اور اگر اپنے نصف غلام کو مکاتب کیا تو جائز ہے اور نصف باقی ماذون لہ فی التجارۃ ہوگا اور
اگر مولی اس کو منع کرنا چاہے تو اس کو جائز نہیں تاکہ غلام کا حق عتق باطل نہ ہوجائے اور پورا بیان اس کا تاتارخانیہ میں ہے واذا صحت
الکتابۃ خرج من یدہ دون ملکہ حتی یودی کل البدل لحدیث ابی داؤد المکاتب عبد ما بقی علیہ درہم اور جب کہ کتابت صحیح ہوگئی تو مکاتب نکل گیا مولی
ہاتھ سے یعنی اس کے تصرف سے نہ اس کی ملک سے یہاں تک کہ تمام بدل کتابت ادا کرے بدلیل حدیث ابی داؤد کہ مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس
ایک درم باقی رہے م اور یہی مذہب ہے زید بن ثابت کا اور اسی پر عمل ہے علماء امصار کا ثم فرع علیہ بقولہ وغرم المولی العقر ان وط
مکاتبتہ لحرمتہ علیہ پھر مصنف نے خروج تصرف مولی پر تفریع کی ہے اپنے اس قول سے اور تاوان دے مولی عشر قیمت کا اگر اپنی لون

مکاتبہ سے وطی کرے بسبب حرام ہونے وطی مکاتبہ کے مولی پر م عقر آزاد عورت میں مہر مثل ہے اور لونڈی میں اس کی قیمت کا دسواں حصہ اگر وہ باکرہ ہو اور اگر ثیبہ ہو تو بیسواں حصہ قیمت کا کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود او جنی علیہا فانہ یغرم ارشہا یا مولی مکاتبہ پر جنایت کرے یعنی اس کو قتل کرے تو اس کی دیت کا تاوان دے او جنی علی ولدہا یا مکاتبہ کے ولد کو مولی قتل کرے تو دیت دے او اتلف المولی مالہا لانہ بعقد الکتابۃ صار کل منہما کالاجنبی نعم لاحد ولا قود علی المولی للشبہۃ شمنی یا مولی مکاتبہ کا مال تلف کرے تو تاوان دے اس واسطے کہ عقد کتابت کے سبب سے مولی اور مملوک ہر ایک اجنبی کے مانند ہو گیا ہاں یہ البتہ ہے کہ مولی پر حد نہیں وطی سے اور قصاص نہیں قتل سے بسبب شبہ ملک کے کذا فی الشمنی ولو اعتقہ عتق مجانا لاسقاط حقہ اور اگر مولی مکاتب کو آزاد کر دے تو وہ مفت آزاد ہو گا بسبب ساقط کرنے اپنے حق کے یعنی ملک رقبہ مولی کا حق ہے سو اس کو اس کے اسقاط میں اختیار ہے بلا اخذ مال وفسدان کاتبہ علی خمر او خنزیر لعدم مالیتہ فی حق المسلم فلو کان ذمیین جاز اور فاسد ہو گی کتابت اگر مولی نے غلام کو مکاتب کیا شراب یا سور پر اس کے مال نہ ہونے سے مسلمان کے حق میں تو اگر میاں اور غلام دونوں ذمی ہوں تو کتابت مذکورہ جائز ہے م کتابت جائزہ اور فاسدہ میں فرق یہ ہے کہ فاسدہ میں مولی کو اختیار ہے کہ اس کو پھر غلام بنا دے اور کتابت کو فسخ کر دے بدون رضامندی غلام کے اور کتابت جائزہ میں بلا رضامندی غلام کے فسخ جائز نہیں اور غلام کو جائزہ اور فاسدہ دونوں میں بلا رضامندی مولی کے فسخ جائز ہے کذا فی غایۃ البیان او علی قیمتہ ای قیمۃ نفس العبد لجہالۃ القدر یا کتابت فاسد ہے اس کی قیمت پر یعنی غلام کی ذات کی قیمت پر بسبب مجہول ہونے اس کی مقدار کے م یعنی قیمت کی مقدار مجہول چیز ہے اس واسطے کہ تعیین قیمت یعنی مالیت میں قیمت کرنے والے مختلف ہوتے ہیں او علی عین معینۃ لغیرہ لعجزہ عن تسلیم ملک الغیر یا کتابت فاسد ہے غیر شخص کی معین چیز پر بسبب عاجز ہونے غلام کے ملک غیر کی تسلیم سے م معین کی قید سے نقود خارج ہو گئے تو اگر غیر کے نقد پر کتابت ہو تو جائز ہے اس واسطے کہ عقد معاوضہ اور فسخ میں نقود متعین نہیں ہوتے کذا فی الطحطاوی او علی مائۃ دینار لیرد سیدہ علیہ وصیفا غیر معین لجہالۃ القدر یا کتابت فاسد ہے سو دینار پر تا کہ اس کا مولی اس کو ایک غلام نابالغ غیر معین پھیر دے بسبب مجہول ہونے مقدار قیمت غلام کے یعنی اس واسطے کہ غلام مذکور کا استثنا دنانیر سے ممکن نہیں مگر باعتبار قیمت کے اور عدم تسمیہ قیمت کا مفسد عقد ہے اور اگر غلام معین ہو تو کتابت جائز ہے بالاتفاق کذا فی الطحطاوی فالعقد الکتابۃ فاسد فی الکل لما ذکرنا تو وہ یعنی عقد کتابت سب صورتوں مذکورہ میں فاسد ہے ان وجوہ کے سبب سے جن کو ہم نے ذکر کیا فان ادی الکتابۃ الخمر عتق بالاداء وکذا الخنزیر لمالیتہما فی الجملۃ وسعی فی قیمتہ بالغۃ ما بلغت یعنی قبل ان یترافعا للقاضی ابن کمال پھر اگر پہلی صورت میں مکاتب شراب اور اسی طرح سور ادا کرے تو آزاد ہو جائے گا بسبب مال ہونے شراب اور سور کے فی الجملۃ یعنی اگرچہ اہل اسلام کے نزدیک مال نہیں لیکن کافروں کے نزدیک مال ہے اور کوشش کرے مکاتب مذکور اپنی قیمت میں جس قدر کہ اس کی قیمت ہو قبل اس بات کے کہ اس کا مرافعہ قاضی کے پاس ہوا ہو کذا ذکرہ ابن کمال م یعنی قیمت ادا کرنے سے قبل ابطال قاضی آزاد ہو گا اس واسطے کہ قبل دفع عین قاضی کے ابطال سے عقد مذکور کالعدم ہے کذا فی الطحطاوی واعلم انہ متی سمی مالا وفسدت الکتابۃ بوجہ من الوجوہ لم ینقص من المسمی بل یزاد علیہ م معلوم کر جب کہ مال مسمی ہو اور کتابت فاسد ہو جائے کسی وجہ سے وجوہ مفسدہ سے تو مال مسمی سے نقصان نہ کیا جائے گا بلکہ اس پر زیادہ کیا جائے گا ولو کاتبہ علی میتۃ ونحوہا کالدم بطل العقد لعدم مالیتہا اصلا عند احد فلا یعتق بالاداء الا اذا علقہ بالشرط صریحا فیعتق للشرط لا للعقد اور اگر غلام کو مکاتب کیا مردار پر اور مانند اس کے چنانچہ خون پر تو کتابت باطل ہو گی اس واسطے کہ مردار اور خون اصلا مال نہیں کسی کے نزدیک تو مکاتب آزاد نہ ہو گا مردار اور خون کے ادا کرنے سے مگر جب کہ مولی صریح شرط کے ساتھ عتق کو معلق کرے تو غلام آزاد ہو گا شرط کے سبب سے نہ عقد کے سبب سے م یعنی اگر مولی نے یوں کہا غلام سے کہ اگر تو مردار یا خون مجھ کو دے تو تو مکاتب ہے پھر وہ مردار یا خون لایا تو آزاد ہو گا تعلیق کی جہت سے نہ عقد کتابت کے سبب سے وصح العقد علی حیوان بین جنسہ فقط لا نوعہ وصفتہ ولونڈی

الوسط او قیمتہ ویجبر علی قبولہا اور عقد کتابت صحیح ہے اس جانور جس کی فقط جنس بیان ہوئی ہے نہ اس کی نوع اور صفت اور مکاتب اس جنس کا متوسط حیوان یا اس کی قیمت ادا کرے اور اگر مولیٰ انکار کرے تو قبول قیمت پر اس پر زبردستی ہوگی وصح ایضا من کافر کاتب ذا کافر مثلہ علی خمر مالیتہ عندہم معلومۃ ای مقدرۃ لیعلم البدل اور صحیح ہے کتابت مالک کافر سے بھی جس نے اپنا سا کافر غلام مکاتب کیا شراب معلوم الوزن او الظرف پر تاکہ بدل معلوم ہو جائے مجہول باقی نہ رہے شراب پر اس واسطے کتابت صحیح ہوئی کہ وہ کافروں کے نزدیک مال ہے وای من المولی والعبد اسلم فلہ قیمۃ الخمر وعتق بقبضہا لتعلیق عتقہ باداء الخمر لکن مع ذلک یسعی فی قیمتہ کما مر اور مالک اور غلام سے جو شخص اسلام قبول کرے گا تو شراب کی قیمت یعنی اس کو لازم ہوگی اور آزاد ہوگا شراب کے لینے سے بواسطہ معلق ہونے عتق غلام کے شراب کے ادا کرنے پر لیکن باوجود اس کے غلام کوشش کرے اپنی قیمت کے دینے میں چنانچہ عن قریب گزر گیا وصح ایضا علی خدمتہ شہرا ای للمولی او لغیرہ اور کتابت صحیح ہے ایک مہینے مولیٰ کی خدمت یا غیر مولیٰ کی خدمت یا غیر مولیٰ کی خدمت پر بھی او حفر بئر او بناء دار اذا بین قدر المعمول والآجر بما یرفع النزاع لحصول الرکن والشرط یا کتابت صحیح ہے کنویں کھودنے پر یا گھر کے بنانے پر جب کہ بنائی چیز اور اینٹوں کی مقدار کا اس طرح بیان ہو جائے کہ نزاع کو دفع کر دے بسبب حاصل ہونے رکن اور شرط کتابت کے م رکن ایجاب اور قبول ہے اور شرط معلوم ہونا بدل کا لا تفسد الکتابۃ بشرط لشبہہا بالنکاح ابتداءً لانہا مبادلۃ بغیر مال وہو التصرف کتابت فاسد نہیں ہوتی شرط سے بسبب مشابہ ہونے کتابت کے نکاح سے باعتبار ابتدا کے اس واسطے کہ کتابت مبادلہ ہے غیر مال سے اور غیر مال تصرف غلام ہے م اگر مولیٰ نے غلام کو مکاتب کیا مقدار مال پر بایں شرط کہ غلام شہر سے باہر نہ جائے تو شرط باطل ہے اور عقد صحیح ہے اس واسطے کہ کتابت باعتبار ابتدا، عقد کے نکاح سے مشابہ ہے یعنی جس طرح نکاح میں مبادلہ مال کا ہوتا ہے غیر مال سے یعنی تمتع سے اسی طرح کتابت میں بھی مبادلہ غیر مال سے ہے یعنی آزادوں کا سا تصرف ہونا غلام کا تو جیسے نکاح فاسد نہیں ہوتا شرط سے ویسی ہی کتابت بھی فاسد نہیں ہوتی الا ان یکون الشرط فی صلب العقد فتفسد لشبہہا بالبیع انتہاء لانہ فی البدل ہذا ہو الاصل مگر یہ کہ شرط صلب عقد یعنی عقد کتابت کے اندر واقع ہو تو کتابت فاسد ہوگی بسبب مشابہ ہونے کتابت کے بیع سے انتہا کی راہ سے اس واسطے کہ فساد بدل میں واقع ہوا ہے یہی قاعدہ کلیہ ہے م صلب عقد میں شرط ہونا چنانچہ خدمت مجہولہ غلام پر شرط ہو یا شراب یا سور پر کتابت ہو کتابت بیع سے اس واسطے مشابہ ہے کہ مبادلہ ہے مال کا مال سے انجام کار میں تو جیسے بیع فاسد ہو جاتی ہے شرط سے ویسی ہی کتابت بھی جب کہ شرط صلب عقد میں متمکن ہو۔

باب مایجوز للمکاتب ان یفعلہ وما لا یجوز یہ باب ہے ان افعال میں جن کا کرنا مکاتب کو جائز ہے اور جو افعال کہ جائز نہیں للمکاتب البیع والشراء ولو بمحاباۃ یسیرۃ مکاتب کو خرید فروخت جائز ہے اگرچہ خرید و فروخت بنقصان قلیل ہو م اس واسطے کہ سوداگروں کا طریقہ یہ ہے کہ کہ ایک صفقہ میں کا نقصان قبول کرتے ہیں تاکہ دوسرے میں فائدہ حاصل کریں کذا فی الدرر والسفر وان شرط المولی عدمہ اور مکاتب کو سفر کرنا جائز ہے اگرچہ مولیٰ نے عدم سفر شرط کیا ہو یعنی اس واسطے کہ سفر میں سوداگر کو فائدہ حاصل ہوتا ہے تو بدل کتابت جلد حاصل ہوگا وتزویج امتہ وکتابۃ عبدہ اور مکاتب کو اپنی لونڈی کا نکاح کر دینا اجنبی سے اور اپنے غلام کو مکاتب کرنا جائز ہے م اس واسطے کہ نکاح سے مہر اور نفقہ ثابت ہوگا اور کتابت تو بیع کے مانند نافع ہے بلکہ اس سے زیادہ تر والولاء لہ ان ادی الثانی بعد عتقہ اور ولا یعنی میراث مکاتب ثانی کی مکاتب اول کے واسطے ہے اگر مکاتب ثانی بدل کتابت ادا کرے مکاتب اول کے آزاد ہو جانے کے بعد والا بان اداہ قبلہ او ادیاہ فلسیدہ اور مکاتب ثانی نے ادا نہ کیا مکاتب اول کی آزادی کے بعد اس طرح کہ قبل اس کی آزادی کے ادا کیا یا دونوں نے ساتھ ہی بدل کتابت

ادا کی تو اس کا مولیٰ یعنی پہلا مالک دونوں مکاتبوں کی میراث لے گا لا التزوج بغیر اذن مولاہ مکاتب کو نکاح کرنا اپنے مولیٰ کی اجازت کے بدون جائز نہیں یعنی اس واسطے کہ یہ اکتساب میں داخل نہیں اور اس میں مولیٰ کا ضرر بھی ہے کہ مہر مکاتب کی گردن پر لازم ہوگا ولا الہبۃ ولو بعوض ولا التصدق الا بیسیر منہما اور نہ ہبہ کرنا مکاتب کو جائز ہے اگرچہ ہبہ بالعوض ہو اور نہ خیرات کرنا جائز ہے مگر ہبہ قلیل اور خیرات کم تر جائز ہے ھم ذخیرہ میں ہے ہبہ اور خیرات بقدر ایک پیسے اور ایک روٹی کے جائز ہے اور طعام موجود سے ضیافت یسیر درست ہے ولا التکفل مطلقا ولو باذن مولاہ بنفس لانہ تبرع اور نہ مکاتب کو ضامن ہونا جائز ہے مطلقاً اگرچہ مولیٰ کے اذن سے حاضر ضامنی کرے اس واسطے کہ ضامنی تبرع ہے اور مکاتب تبرع کا اہل نہیں ہے ولا الاقراض و اعتاق عبدہ ولو بمال اور نہ مکاتب کو قرض دینا اور اپنے غلام کو آزاد کرنا جائز ہے اگرچہ اعتاق بعوض مال کے ہو وبیع نفسہ منہ اور بیچنا جائز ہے غلام کی ذات کا غلام سے اس واسطے کہ یہ فی الحقیقۃ اعتاق علی المال ہے وتزویج عبدہ لنقصہ بالمہر والنفقۃ اور نہ مکاتب کو اپنے غلام کا نکاح کرنا جائز ہے بسبب ناقص ہو جانے غلام کے زوجہ کے مہر اور نفقہ لازم ہونے سے ھم مکاتب کو اپنے غلام کی تزویج نہ اپنی لونڈی سے درست ہے نہ غیر کی لونڈی سے نہ حرہ سے واب ووصی وقاض وامینہ فی رقیق صغیر تحت حجرہم کمکاتب فیما ذکر اور باپ اور وصی اور قاضی اور اس کا امین اس صغیر کے غلام میں جو ان کی پرورش میں ہے مکاتب کے مانند ہیں تصرفات مذکورہ کے ثبوت اور نفی میں یعنی باپ یا قاضی کو صغیر کی لونڈی کا نکاح اور اس کے غلام کو مکاتب کرنا جائز ہے اور اعتاق عبد اور عبد کو اس کے ہاتھ بیچنا اور غلام کا نکاح کر دینا جائز نہیں بخلاف مضارب و ماذون وشریک ولو مفاوضۃ علی الاشبہ لاختصاص تصرفہم بالتجارۃ برخلاف مضارب اور عبد ماذون اور شریک کے اگرچہ شرکت مفاوضہ ہو بنا بر قول اشبہ یعنی مضارب اور ماذون اور شریک لونڈی کی تزویج کے مالک نہیں اس واسطے کہ ان کا تصرف تجارت میں مخصوص ہے اور باپ اور قاضی کا تصرف تجارت اور غیر تجارت دونوں کو شامل ہے ولو اشتری اباہ او ابنہ یکاتب علیہ تبعا لہ والمراد قرابۃ الولاد لا غیر اور اگر مکاتب نے اپنا باپ یا بیٹا خرید کیا تو وہ بھی اس کی کتابت میں داخل ہوگا تبعیت کی راہ سے باپ اور بیٹے سے قرابت ولادت مراد ہے نہ اور قرابت سوائے اس کے م یعنی جب مکاتب آزاد ہوگا ادائے بدل کتابت سے تو اس کا باپ اور بیٹا بھی آزاد ہوگا اور اگر مکاتب ادائے بدل سے عاجز ہوگا تو باپ بھی غلام بنا رہے گا بحکم تبعیت ولو اشتری محرما غیر الولاد کالاخ والعم لا یکاتب علیہ خلافا لہما اور مکاتب نے اپنے محرم غیر ولاد کو خرید کیا چنانچہ بھائی اور چچا تو وہ مکاتب کی کی کتابت میں داخل نہ ہوگا برخلاف مذہب صاحبین کے کہ ان کے نزدیک داخل ہوگا ولو اشتری ام ولدہ مع ولدہ منہا وکذا لو اشتراہا ثم شراہا جوہرۃ لم یجز بیعہا لتبعیتہا لولدہا ولکن لا تدخل فی کتابتہ اور اگر مکاتب نے اپنی ام ولد خرید کی اپنے اس فرزند کے ساتھ جو اسی ام ولد سے پیدا ہوا تو ام ولد کی بیع جائز نہ ہوگی اس واسطے کہ ام ولد اپنے ولد کے تابع ہے ولیکن فرزند کی کتابت میں وہ داخل نہ ہوگی م ولد کے تابع ہے یعنی جس طرح ولد کی بیع جائز نہیں اسی طرح ام ولد کی ولد کی تبعیت سے درست نہیں اس واسطے کہ حدیث میں وارد ہے کہ ام ولد کو اس کے ولد نے آزاد کر دیا فلا تعتق بعتقہ ولا ینفسخ نکاحہ لانہ لم یملکہا فیجوز لہ ان یطأہا بملک النکاح تو ام ولد آزاد نہ ہوگی اس کے آزاد ہونے سے اور نہ مکاتب کا نکاح فسخ ہوگا خرید کرنے سے اس واسطے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہو گیا تو مکاتب کو جائز ہے کہ ام ولد کی وطی کرے ملک نکاح کے سبب سے نہ ملک یمین کے سبب سے وکذا المکاتبۃ اذا اشترت بعلہا اور اسی طرح لونڈی مکاتبہ کا نکاح فسخ نہ ہوگا جب کہ وہ اپنے شوہر کو خرید کرے تو اس کے شوہر کو اس کی وطی بملک نکاح جائز ہے غیر ان لہا بیعہ مطلقا لان الحریۃ لم تثبت من جہتہا مگر اتنا فرق ہے کہ مکاتبہ کو شوہر مذکور کی بیع مطلقاً جائز ہے اس واسطے کہ شوہر کا آزاد ہونا مکاتبہ کی جہت سے ثابت نہیں ہوا م یعنی برخلاف مکاتب کہ اگر وہ اپنے ولد کو خرید کرے گا ولد کے ساتھ تو آزادی یعنی حق آزادی کا ولد کی جہت سے ثابت ہوگا اور مطلقاً سے ظاہراً یہ مراد ہے کہ بیع شوہر کی جائز ہے اگرچہ مکاتبہ اپنے ولد کو شوہر کے ساتھ خرید کرے

کذا فی الطحطاوی ولو ملکہا بدونہ ای بدون الولد جاز لہ بیعہا خلافا لہما اور مکاتب اپنے ام ولد کا مالک ہو بدون ولد کے تو اس کو ام ولد کا بیچنا جائز ہے بخلاف مذہب صاحبین وان ولد لہ من امتہ ولد فادعاہ فیکاتب علیہ تبعا لہ اور اگر مکاتب کا ولد پیدا ہوا اس کی لونڈی سے پھر اس نے اس کی فرزندی کا دعوی کیا تو فرزند بھی اس کی کتابت میں داخل ہوگا باپ کی تبعیت سے م بعضوں نے اعتراض کیا ہے کہ مکاتب کو اپنی لونڈی سے وطی کرنا جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نسب ملت پر موقوف نہیں چنانچہ اپنے فرزند کی لونڈی کی وطی میں یا مشترک لونڈی کی وطی میں درصورت ادعا نسب ثابت ہوتا ہے حالانکہ وطی حلال نہیں وکان کسبہ لہ لانہ کسب کسبہ اور مکاتب کے فرزند کا کسب مکاتب کا مملوک ہوگا اس واسطے کہ مکاتب کے کسب کا کسب ہے یعنی فرزند کسب ہے باپ کا تو فرزند کی کمائی کسب الکسب ہوئی زوج المکاتب امتہ من عبدہ فکاتبہما فولدت دخل فی کتابتہا وکسبہ وقیمتہ لو قتل لہا لان تبعیتہا ارجح مکاتب نے اپنی لونڈی کا نکاح کر دیا اپنے غلام سے پھر دونوں کو مکاتب کیا پھر مکاتبہ لڑکا جنی تو لڑکا مکاتبہ کی کتابت میں داخل ہوگا اور اس کی کمائی اور اس کی قیمت اگر اس کو کوئی قتل کر ڈالے مکاتبہ کی ملک ہے نہ اس کے شوہر کی اس واسطے کہ ماں کی تبعیت غالب تر ہے باپ کی تبعیت سے م وجہ رجحان یہ کہ مولود میں وہ صفات شرعیہ جو ماں میں ثابت ہیں چنانچہ تدبیر اور استیلاد اور حریت اور ملک سرایت کر جاتی ہیں کذا فی الطحطاوی مکاتب او ماذون نکح امۃ زعمت انہا حرۃ باذن مولاہ متعلق بنکح فولدت منہ ثم استحقت فالولد رقیق فلیس لہ اخذہ بالقیمۃ خلافا لمحمد لانہ ولد المغرور غلام مکاتب یا ماذون نے اپنے مولی کے اذن سے نکاح کیا اس لونڈی سے جس نے آپ کو آزاد ظاہر کیا پھر اس کے لڑکا پیدا ہوا مکاتب یا ماذون سے پھر وہ لونڈی مستحق ملک غیر نکلی تو لڑکا غلام ہے لونڈی کے مالک کا تو مکاتب یا ماذون کو لڑکا لینا قیمت دے کر جائز نہیں بخلاف محمد اس واسطے کہ وہ مغرور یعنی دھوکا کھانے والے کا فرزند ہے م محمد کا یہ مذہب کہ مکاتب یا ماذون قیمت دے کر اپنے فرزند کو لے گا اس واسطے کہ اس کو دھوکا ہوا کہ لونڈی کو آزاد سمجھا لیکن ان کے نزدیک قیمت دینا مکاتب یا ماذون کے آزاد ہونے کے بعد لازم ہوگا نہ بالفعل کذا فی العنایۃ وخصا المغرور بالحر باجماع الصحابۃ اور شیخین نے مغرور کو آزاد کے ساتھ مخصوص کیا ہے صحابہ کرام کے اجماع کی دلیل سے یعنی اگر آزاد کو دھوکا ہو جائے تو وہ اپنے فرزند کو قیمت دے کر لے گا نہ مکاتب یا ماذون واستشکلہ الزیلعی اور زیلعی نے اس مسئلہ کو مشکل جانا ہے م وجہ اشکال یہ ہے کہ غلام پر جب کہ دین لازم ہوتا ہے مولی کے اذن کے سبب سے تو وہ دین مولی پر لازم ہوتا ہے اور اس سے فی الحال مطالبہ ہوتا ہے اور یہاں نکاح باذن مولی مفروض ہے تو چاہیے کہ مولی پر فی الحال قیمت لازم آوے نہ مکاتب پر اس کے آزاد ہونے کے بعد چنانچہ محمد کا مذہب ہے اس کا جواب راوی نے یوں دیا ہے کہ مولی نے تو نکاح کا اور اس کے متعلقات یعنی مہر اور نفقہ کا اذن دیا ہے نہ فریب کھانے کا تو مولی اس سے راضی نہ ہوگا تو قیمت دینا موقوف رہے گا مکاتب کے آزاد ہونے پر کذا فی الطحطاوی مختصرا ولو اشتری المکاتب امۃ شراء فاسدا فوطیہا ثم ردہا للفساد لشراہا او شراہا صحیحا فاستحقت وجب علیہ العقر فی حالۃ الکتابۃ قبل عتقہ لدخولہ فی کتابتہ لان الاذن بالشراء اذن بالوطی اور اگر مکاتب نے لونڈی مول لی خرید فاسد کی پھر اس سے قربت کی پھر مالک کو پھیر دی فساد بیع کے سبب سے یا اس کو بخرید صحیح مول لیا پھر وطی کی سو وہ مستحق ملک غیر نکلی تو مکاتب پر عشر قیمت[1] واجب ہوگا کتابت کی حالت میں اس کے آزاد ہونے سے پہلے بسبب داخل ہونے خرید و فروخت کے اس کے عقد کتابت میں اس واسطے کہ خرید کرنے کا اذن وطی کرنے کا اذن ہے م لزوم عقر کی بہتر تعلیل یہ ہے کہ کتابت موجب ہے خرید کی اور خرید موجب ہے سقوط حد کی اور سقوط حد موجب ہے عقر کی تو کتابت ہے موجب ٹھہری عقر کی اس واسطے خرید کا اذن وطی کا اذن نہیں اور وطی تجارت میں داخل نہیں کذا فی الطحطاوی مختصرا ولو وطیہا بنکاح بلا اذنہ اخذ بہ بالعقر منذ عتق ای بعد عتقہ لعدم دخولہا کما مر اور مکاتب نے لونڈی مذکور سے قربت کی بواسطہ

---

[1] یہاں ترجمہ متن سے موافق نہیں کیونکہ متن میں ہے (فوجب علیہ العقر) فتدبر ۱۲ محمد عظیم اللہ عفی عنہ عقر بالضم کابین کہ بشبہ وطی واجب شود ۱۲

نکاح کے جو اس نے بلا اذن مولی کے کیا تھا تو مکاتب سے عقر لیا جائے گا شروع عتق سے یعنی مکاتب کے آزاد ہونے کے بعد بسبب نہ داخل ہونے نکاح کے کتابت میں چنانچہ اول باب میں مذکور ہو چکا کہ مکاتب کو نکاح کرنا بلا اذن مولی جائز نہیں والماذون کالمکاتب فیہما ای الفصلین اور غلام ماذون مکاتب کے مانند ہے دونوں فصلوں میں یعنی لونڈی مذکورہ کے شرا فاسد و صحیح میں اور نکاح کی صورت میں واذا ولدت مکاتبۃ من سیدہا فلہا الخیار ان شاءت مضت علی کتابتہا واخذت العقر منہ او ان شاءت عجزت نفسہا وہی ام ولدہ ویثبت نسبہ بلا تصدیقہا لانہ ملکہ رقبۃ اور جب لونڈی مکاتبہ جنی اپنے مولی سے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے چلی جائے اپنی کتابت پر یعنی اپنی کتابت کو قائم رکھے اور مولی سے عقر لے یا اگر چاہے اپنی ذات کو عاجز کرے یعنی ادائے بدل کتابت سے عاجزی کا اقرار کرے اور مولی کی ام ولد ہو اور مولی کا نسب مکاتبہ سے بدون اس کی تصدیق کے ثابت ہوگا اس واسطے کہ مکاتبہ مولی کی ملک ہے باعتبار گردن کے اگرچہ باعتبار تصرف کے ملک نہیں ولو کاتب شخص ام ولدہ او مدبرہ صح وعتقت ام الولد مجانا بموتہ بالاستیلاد اور اگر ایک شخص نے اپنی ام ولد یا اپنا غلام مدبر مکاتب کیا تو درست ہے اور ام ولد مفت آزاد ہوگی اس شخص کی موت سے بسبب استیلاد کے بلا ادائے بدل کتابت وسعی المدبر فی ثلثی قیمتہ ان شاء او سعی فی کل البدل بموت سیدہ فقیرا لم یترک غیرہ اور سعی کرے مدبر مذکور اپنی قیمت کے دو ثلث میں یا چاہے سعی کرے تمام بدل کتابت میں اپنے مالک کی محتاج ہو کر مرنے سے اس طرح کہ اس نے کچھ متروکہ نہیں چھوڑا سوائے اس مدبر کے ولو دبر مکاتبہ صح فان عجز بقی مدبرا والا سعی فی ثلثی قیمتہ ان شاء او فی ثلثی البدل بموتہ ای المولی معسرا لم یترک غیرہ اور اگر اپنے مکاتب کو مدبر کیا تو صحیح ہے پھر اگر وہ ادائے بدل کتابت سے عاجز ہو گیا تو مدبر باقی رہے گا اور اگر عاجز نہ ہوا اور کتابت کو قائم رکھا تو سعی کرے اپنی قیمت کے دو ثلث کے ادا کرنے میں اور اگر وہ چاہے یا سعی کرے بدل کتابت کے دو ثلث میں اپنے مولی کے اس طرح محتاج ہو کر مرنے سے کہ مولی نے کچھ متروکہ نہ چھوڑا ہو سوائے اس مدبر کے وان کان مات موسرا بحیث یخرج المدبر من الثلث عتق بالتدبیر وسقط عنہ بدل الکتابۃ کما لو اعتق المولی مکاتبہ فانہ یعتق مجانا لقیام ملکہ اور اگر مولی اس طرح مالدار ہو کر مر گیا ہو کہ مدبر ثلث متروکہ سے نکل سکتا ہو تو وہ آزاد ہوگا تدبیر کے سبب سے اور اس سے ساقط ہوگا بدل کتابت کا چنانچہ اگر مولی اپنے مکاتب کو آزاد کرے تو وہ مفت آزاد ہوگا بسبب قیام ملک رقبہ کاتبہ علی الف موجل ثم صالحہ علی نصفہ حالا صح استحسانا مولی نے مکاتب کیا غلام کو ہزار مدت والے پر پھر مکاتب سے صلح کر لی اس کی نصف یعنی پانچ سو نقد پر تو صحیح ہے استحسان کی راہ سے طرفین کے نزدیک مریض کاتب عبدہ علی الفین الی سنۃ فمات المریض والحال ان قیمۃ المکاتب الف درہم ولم تجز الورثۃ التاجیل ولم یترک غیرہ ادی المکاتب ثلثی البدل وعند محمد ثلثی القیمۃ حالا والباقی الی اجلہ او رد رقیقا لقیام البدل مقام الرقبۃ فینفذ فی ثلثہ بیمار نے اپنے غلام کو مکاتب کیا دو ہزار پر ایک سال کی مدت مقرر کر کے پھر بیمار مر گیا اور حالانکہ مکاتب کی قیمت ایک ہزار درم ہیں اور مولی کے وارثوں نے تاجیل کو جائز نہ رکھا اور مولی نے سوائے اس مکاتب کے اور مال نہیں چھوڑا تو مکاتب بدل کتابت کے دو ثلث نقد ادا کرے اور محمد کے نزدیک قیمت کے دو ثلث نقد ادا کرے اور باقی ثلث بدل یا قیمت کا مدت مذکورہ کے بعد ادا کرے یا ادا نہ کر سکے تو پھر غلام بنایا جائے بدل کتابت کے دو ثلث ادا کرنے کے سبب قائم ہونے بدل کے رقبہ کے مقام پر تو محاباۃ تاجیل کے ثلث میں نافذ ہوگی وان کاتبہ علی الف الی سنۃ والحال ان قیمتہ الفان ولم یجیزوا ادی ثلثی القیمۃ حالا و سقط الباقی او رد رقیقا اتفاقا لوقوع المحاباۃ فی القدر والتاخیر فتنفذ بالثلث اور اگر غلام کو مکاتب کیا ہزار پر سال بھر کی مدت مقرر کر کے اور حالانکہ اس کی قیمت دو ہزار ہیں اور حالانکہ وارثوں نے کتابت مذکور جائز نہ رکھی تو غلام مذکور قیمت یعنی دو ہزار کے دو ثلث نقد ادا کرے اور ثلث باقی اس سے ساقط ہوگا یا اگر ادا نہ کرے تو پھر کر غلام بنایا جائے باتفاق شیخین اور محمد کے بسبب واقع ہونے محاباۃ کے مقدار اور تاجیل میں تو محاباۃ مریض ثلث میں جاری ہوگی حر قال لمولی عبد عبد کاتب فلانا الغائب علی الف درہم الی انی ان ادیت الیک الفا فہو حر فکاتبہ المولی علی ہذا الشرط

وقبل المولیٰ ثم ادی الحر القائل عتق العبد بحکم الشرط وکذا لو لم یقل ان ادیت فادی لیعتق استحسانا لنفوذ تصرف الفضولی فی کل مالیس بضرر ولا یرجع الحر علی العبد لانہ متبرع شخص آزاد نے غلام کے مالک سے کہا کہ اپنے فلانے غائب غلام کو مکاتب کر ہزار درم پر اس شرط سے کہ اگر میں تجھ کو ہزار درم ادا کروں تو وہ غلام آزاد ہے سو مولیٰ نے اس شرط پر اس کو مکاتب کیا اور مولیٰ نے قبول کیا پھر آزاد مذکور نے ہزار درم ادا کیے تو غلام آزاد ہوگا بموجب شرط مذکورہ کے اور اسی طرح اگر اس شخص نے اپنے ادا کرنے کو ذکر کیا پھر اس نے ہزار درم ادا کیے تو غلام مذکور آزاد ہوگا استحسان کی راہ سے بسبب نافذ ہوجانے تصرف فضولی کے ہر ایک اس امر میں جو ضرر نہیں اور شخص آزاد غلام مذکور سے ہزار درم پھر نہ لے گا اس واسطے کہ وہ محسن ہے نہ معاوضہ م قولہ قبل المولیٰ شارح نے ضمیر کا مرجع مولیٰ کو قرار دیا اور زیلعی اور شرح ملا مسکین میں قبل الرجل واقع ہے اور یہی بلا تکلف مناسب ہے واذا بلغ العبد ہذا الامر فقبل صار مکاتبا انما یحتاج لقبولہ لاجل لزوم البدل علیہ اور جب کہ غلام غائب کو اس امر کی خبر پہنچے یعنی قبل ادا کرنے حر مذکور کے سو غلام نے کتابت قبول کی تو وہ مکاتب ہوجائے گا قبول غلام کی حاجت تو فقط اسی واسطے ہے کہ بدل کتابت اس پر لازم ہوجائے یعنی صحت کتابت غلام کے قبول پر موقوف نہیں بلکہ لزوم بدل قبول پر موقوف ہے قال عبد حاضر لسیدہ کاتبنی عن نفسی وعن فلان الغائب فکاتبہما فقبل العبد الحاضر صح العقد استحسانا فی الحاضر اصالۃ وفی الغائب تبعا غلام حاضر نے اپنے مالک سے کہا کہ میرے ساتھ عقد کتابت منعقد کر میری ذات کی طرف سے اور فلانے غلام کی طرف سے سو مالک نے دونوں غلاموں کو مکاتب کیا سو حاضر غلام نے قبول کیا تو عقد صحیح ہے باعتبار استحسان کے غلام حاضر میں اصالۃ صحیح ہے اور غائب غلام میں تبعا وایہما ادی بدل الکتابۃ عتقا جمیعا بلا رجوع ویجبر المولیٰ علی القبول للبدل من احدہما اور دونوں میں سے جو غلام کہ بدل کتابت ادا کرے گا تو دونوں غلام آزاد ہوجائیں گے بلا رجوع یعنی ادا کرنے والا غلام دوسرے غلام سے بقدر اس کے حصے کے مطالبہ نہ کر سکے گا اور مالک پر زبردستی ہوگی قبول بدل کتابت پر ایک کی طرف سے یعنی دونوں غلاموں کا بدل کتابت اگر ایک غلام ادا کرے گا تو مالک کو بجبر قبول کرنا ہوگا۔ ولا یطالب العبد الغائب بشیء لعدم التزامہ اور غلام غائب سے کسی چیز کا مطالبہ اور مواخذہ نہ ہوگا اس کے عدم التزام کے سبب سے یعنی اس نے عقد کتابت قبول نہیں کیا کہ اس سے کچھ مطالبہ ہو وقبولہ الکتابۃ لغو لا یعتبر کردہ ایاہا اور غلام غائب کا کتابت قبول کرنا لغو ہے یعنی معتبر نہیں جیسے اس کے رد کرنے کتابت کا اعتبار نہیں م قبول اور عدم قبول غائب اس واسطے معتبر نہیں کہ عقد کتابت بدون اس کے قبول کرنے کے نافذ اور تمام ہوچکی تو بعد اس کے قبول اور عدم قبول کا کیا اعتبار ہے ولو حررہ سقط عن الحاضر حصتہ اور اگر مالک نے حاضر غلام کو آزاد کر دیا بلا اخذ بدل کتابت تو حاضر سے اس کا حصہ بدل کا ساقط ہوگا م اس واسطے کہ غائب عقد میں قصدا داخل ہے اگرچہ مقصود بالخطاب نہیں تو بدل کتابت دونوں پر منقسم ہوگیا اگرچہ اس سے مطالبہ بدل کا نہیں ولو حرر الحاضر او مات ادی الغائب حصتہ حالا والا رد قنا اور اگر حاضر غلام آزاد کیا گیا یا وہ مر گیا تو غلام غائب اپنا حصہ بدل کتابت سے نقد ادا کرے اور نہیں تو پھر غلام بنایا جائے ولو ابرا الحاضر او وہبتہ لیعتقا جمیعا اور اگر مالک نے غلام حاضر کو تمام بدل کتابت معاف کر دیا یا تمام بدل کتابت اس کو ہبہ کر دیا تو دونوں غلام آزاد ہوجاویں گے مفت م اور اگر بعض بدل معاف کرے گا تو باقی کا مطالبہ ہوگا حاضر سے نہ غائب سے کذا فی الطحطاوی وان کاتب الامۃ عن نفسہا وعن ابنین صغیرین لہا وقبلت صح استحسانا لما مر اور اگر مالک نے اپنی لونڈی سے عقد کتابت منعقد کیا اس کی ذات سے اور اس کے دو چھوٹے بیٹوں سے اور لونڈی نے قبول کر لیا تو عقد صحیح ہے باعتبار استحسان کے بدلیل گذشتہ یعنی اصالۃ لونڈی کی طرف سے اور تبعا اس کے بیٹوں کی طرف سے عقد کتابت صحیح ہے وای ادی من ذکر لم یرجع علی الآخر لانہ متبرع ویجبر علی القبول الی آخر ما مر اور اشخاص مذکورین میں سے جو شخص کہ بدل کتابت ادا کرے گا وہ دوسرے سے رجوع نہ کرے گا اس واسطے کہ وہ محسن ہے اور مولیٰ پر ہر شخص کے ادائے بدل کے قبول پر جبر ہوگا تا آخر احکام مذکورہ سابقہ م زیلعی میں ہے کہ اولاد کا قبول اور عدم قبول کتابت میں معتبر نہیں اور اگر مالک ماں کو آزاد کرے تو اولاد پر بدل کتابت باقی رہے گا بقدر ان کے حصہ کے اس کو فی الحال ادا کریں اور مولیٰ مکاتب بدل کا ان کی ماں

سے کرے نہ ان سے اور اگر مولی ان کو آزاد کرے تو ان کی ماں پر سے ان کا حصہ ساقط ہوگا اور اگر مالک اولاد کو دین معاف کرے یا ان کو ہبہ کرے تو
صحیح نہیں اور اگر ان کی ماں کو دین معاف کرے یا ہبہ کرے تو ماں بھی آزاد ہوگی اور اس کے ساتھ اس کی اولاد بھی انتہی تو یہ مسئلہ نظیر ہے مسئلہ سابقہ کا جمیع
احکام میں کذا فی الطحطاوی **فرع** مسئلہ ملحقہ شارح کا **کاتب نصف عبدہ فادی الکتابۃ عتق نصفہ وسعی فی بقیۃ قیمتہ وقالا العبد کلہ مکاتب علی ذالک المال وبہ ناخذ**
حاوی القدسی مالک نے اپنا نصف غلام مکاتب کیا سو اس نے بدل کتابت ادا کیا تو نصف غلام ادا ہوگا اور کوشش کرے گا اپنی باقی قیمت کے ادا کرنے
میں اور صاحبین نے کہا کہ نصف غلام کی کتابت سے تمام غلام مکاتب ہوگا اسی قدر مال پر اور اسی قول صاحبین کو ہم لیتے ہیں کذا فی حاوی القدسی

باب کتابۃ العبد المشترک

یہ باب ہے عبد مشترک کی کتابت کے احکام میں **عبد لشریکین اذن احدہما لصاحبہ ان یکاتب حظہ بالف ویقبض**
بدل الکتابۃ فکاتب الشریک المأذون لہ نفذ فی حظہ فقط عند الامام لتجزی الکتابۃ عندہ ولیس لشریکہ فسخہ لاذنہ غلام ہے
دو شریکوں کا ایک شریک نے اپنے ساتھی دوسرے شریک کو اس کا اذن دیا کہ وہ اپنے حصہ کے ہزار درم پر کتابت کرے اور بدل کتابت پر قبضہ کرے سو جس
شریک کو اذن ملا اس نے غلام کو مکاتب کیا تو فقط اسی کے حصہ میں کتابت نافذ ہوگی امام اعظم رح کے نزدیک بسبب قسمت پذیر ہونے کتابت کے ان کے
نزدیک مانند اعتاق کے اور اس کے شریک کو فسخ کرنا کتابت کا جائز نہیں اس کے اذن کے سبب سے م اذن شریک کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے
واسطے حق فسخ باقی نہ رہے اور درصورت عدم اذن اس کو فسخ میں اختیار ہے اور اذن بالقبض کا فائدہ یہ ہے کہ مال مقبوض سے اس کا حق منقطع ہو جائے
تو مقبوض مخصوص بقابض ہوگا اس واسطے کہ قبض کا اذن گویا غلام کو اس کا اذن ہے کہ مال کتابت کو حاصل کر کے شریک کو دے تو اس نے اپنے حصہ
کا احسان کیا غلام مکاتب پر ہاں اگر قبل ادائے بدل وہ مکاتب کو منع کر دے تو بھی صحیح ہوگا اس واسطے کہ احسان ہنوز تمام نہیں کذا فی الزیلعی ملخصاً **واذا
قبض بعضہ لبعض الالف فعجز فالمقبوض کلہ للقابض لاذنہ لہ بالقبض فیکون متبرعا ولو قبض الالف عتق حظ القابض** اور جب کہ ہزار درم سے کچھ درم
قبض کیے پھر مکاتب ادائے بدل سے عاجز ہو گیا تو بالکل مال مقبوض قابض کا مملوک ہوگا نہ دوسرے شریک کا اس واسطے کہ قبض کا اس نے اذن دیا تو
وہ محسن ٹھہرا غلام پر اپنے حصہ کی بابت اور اگر ہزار درم قبض کرے گا تو قابض کا حصہ آزاد ہو جاوے گا م ہدایہ اور درر کا ظاہر کلام اس پر دلالت کرتا ہے
کہ احسان مذکور قابض پر ہے کذا فی الطحطاوی **امۃ بین شریکین کاتباہا فوطیہا احدہما فولدت فادعاہ الواطی ثم وطیہا الشریک الآخر فولدت
فادعاہ الواطی الثانی صحت دعوتہ لقیام ملکہ ظاہرا فالہما** ایک لونڈی مشترک ہے دو شریکوں میں دونوں نے اس کو مکاتبہ کیا سو اس سے قربت
کی ایک شریک نے سو وہ جنی تو قربت کرنے والے نے اس کے ولد کی فرزندی کا دعوی کیا پھر دوسرے شریک نے اس سے قربت کی سو وہ دوسرا لڑکا
جنی سو دوسرے قربت کرنے والے نے دوسرے ولد کی فرزندی کا دعوی کیا تو اس کا دعوی صحیح ہے اس واسطے کہ ظاہرا اس کی ملک ہنوز قائم ہے برخلاف
مذہب صاحبین م کہتا ہے صاحبین کے نزدیک مکاتبہ شریک اول کی ام ولد ہے بنظر تکمیل استیلاد تو شریک ثانی کی وطی غیر کی ام ولد کے ساتھ واقع ہوئی
تو شریک ثانی سے ولد کا نسب ثابت نہ ہوگا اور اس پر تمام مہر یعنی عقر لازم ہوگا لیکن شبہ ملک کے سبب سے اس پر حد لازم نہ ہوگی کذا فی الزیلعی **فان
عجزت بعد ذلک جعلت الکتابۃ کان لم تکن وحینئذ فہی فی الحقیقۃ ام ولد للاول لزوال المانع من الانتقال** پھر اگر مکاتبہ عاجز ہوئی ادائے بدل کتابت سے
بعد اس کے یعنی دونوں وطی اور دونوں دعوی کے بعد تو یوں ٹھہرایا جائے گا کہ گویا کتابت کبھی نہ تھی اور اب تو مکاتبہ حقیقت میں شریک اول کی ام ولد ہوگی
بسبب دور ہو جانے اس چیز کے جو مانع تھی انتقال ملک کی م یعنی زوال کتابت سے مکاتبہ شریک اول کی بالکل ام ولد ہوگی اس واسطے کہ مقتضی تملیک قائم
ہے اور تکمیل ملک سے کتابت مانع تھی اس واسطے کہ کتابت انتقال ملک قبول نہیں کرتی پھر جب کتابت زائل ہوگئی تو مقتضی تملیک نے اپنا عمل کیا کذا فی الزیلعی
والدر ملتقطا **ووطیہ سابق** اور شریک اول کی وطی سابق ہے شریک ثانی کی وطی سے م یہ جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ دونوں شریکوں کی ملک مکاتبہ میں ثابت

ے اور ہر ایک نے وطی کی اور ہر ایک نے ولد کا دعوی کیا تو کیا وجہ ہے کہ مکاتبہ شریک اول کی فقط ام ولد ہوگئی شارح نے جواب دیا کہ شریک اول کی وطی سابق ہے یہی وجہ ہے اختصاص کی **وضمن الاول لشریکہ نصف قیمتہا ونصف عقرہا** اور شریک اول اپنے شریک کو اس کی نصف قیمت اور نصف عقر کا تاوان دے ہم مراد قیمت مکاتبہ کی ہے اور مکاتبہ کی قیمت لونڈی خالص کی قیمت سے نصف ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی عن الفتح **وضمن شریکہ عقرہا کاملا لوطیہ ام ولد الغیر حقیقۃ** اور شریک ثانی مکاتبہ کے عقر کامل کا تاوان دے اس واسطے کہ اس نے حقیقت میں غیر کی ام ولد سے وطی کی **وقیمۃ الولد ایضا وہو ابنہ لانہ بمنزلۃ المغرور** اور شریک ثانی ولد کی قیمت کا بھی تاوان دے اور وہ ولد اس کا بیٹا ہے اس واسطے کہ شریک ثانی بمنزلہ مغرور کے ہے ہم اس واسطے کہ اس نے وطی کی مکاتبہ سے اپنی مملوکہ جان کر لیکن عجز اور بطلان کتابت سے ظاہر ہوا کہ اس کی ملک اس میں نہیں رہی اور مغرور کا ولد ثابت النسب ہوتا ہے اس سے اور آزاد ہوتا ہے قیمت دے کر **وای من الشریکین دفع العقر الی المکاتبۃ صح ای قبل العجز لاختصاصہا بمنافعہا فاذا عجزت ترده للمولی** اور دونوں شریکوں میں سے جو عقر دے گا مکاتبہ کو تو صحیح ہے یعنی قبل از عجز دینا صحیح ہے بسبب مخصوص ہونے مکاتبہ کے اپنے منافع سے پھر جب وہ عاجز ہوا ادائے بدل کتابت سے تو عقر مولی کو پھیر دے **وان دبر الثانی ولم یطأہا والمسئلۃ بحالہا فعجزت بطل التدبیر** اور اگر شریک ثانی نے مکاتبہ مذکورہ کو مدبرہ کیا اور اس سے وطی نہ کی اور یہ مسئلہ بحال مسئلہ سابقہ ہے یعنی دونوں شریکوں نے لونڈی کو مکاتبہ کیا اور شریک اول نے اس سے وطی کی اور جنی اور شریک اول نے اس کا دعوی کیا سو مکاتبہ عاجز ہوگئی ادائے بدل کتابت سے تو تدبیر باطل ہوگئی یعنی اس واسطے کہ عجز سے ظاہر ہوا کہ وہ بالکل ام ولد ہے شریک اول کی تو اس میں ملک باقی نہ رہی اور حالانکہ ملک شرط ہے صحت تدبیر کے واسطے **وضمن الاول لشریکہ نصف قیمتہا ونصف عقرہا والولد للاول وہی ام ولده** اور شریک اول ثانی کو اس کی نصف قیمت اور نصف عقر کا تاوان دے اور لڑکا شریک اول کا ہوگا اور وہ اسی کی ام ولد ہے **وان کاتباہا فحررہا احدہما موسرا فعجزت ضمن المعتق لشریکہ نصف قیمتہا** اور اگر دونوں شریکوں نے لونڈی کو مکاتب کیا پھر ایک شریک مقدور والے نے اس کو آزاد کر دیا پھر وہ عاجز ہوگئی تو آزاد کرنے والا اپنے شریک کو اس کی نصف قیمت کا تاوان دے **ورجع الضامن بہ علیہا لما تقرر ان الساکت اذا ضمن المعتق یرجع عنده لا عندہما** اور تاوان دینے والا شریک اس کو مکاتبہ سے پھیر لے اس واسطے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ شریک ساکت عن الاعتاق جب تاوان لے آزاد کرنے والے شریک سے تو اس کو رجوع جائز ہے امام کے نزدیک نہ صاحبین کے نزدیک **فرع مسئلۃ ملحقۃ** شارح کا **عبد لرجلین دبره احدہما ثم حرره الآخر غنیا او عکسا اعتق المدبر ان شاء او استسعی فی الصورتین او ضمن فی الاولی** دو مردوں کا ایک غلام ہے ایک نے اس کو مدبر کیا پھر دوسرے نے اس کو آزاد کیا حالانکہ وہ مقدور والا ہے یا دونوں نے اس کے بالعکس کیا یعنی اول اعتاق غنی واقع ہوا پھر تدبیر تو مدبر کرنے والا چاہے مدبر کو آزاد کرے یا دونوں صورتوں میں غلام سے سعی کرادے یا فقط پہلی صورت میں یعنی جب کہ آزاد کرنے والا مالدار ہو اپنے شریک سے تاوان لے۔

یہ باب ہے مکاتب کی موت اور اس کے عاجز ہونے اور مالک کی موت کے احکام میں

باب موت المکاتب وعجزه وموت مولاه

مکاتب عجز عن اداء نجم ان کان لہ مال سیصل الیہ لم یعجزه الحاکم الی ثلاثۃ ایام لانہا مدۃ ضربت لابلاء الاعذار ایک مکاتب ہے کہ عاجز ہوگیا ادا کرنے ایک قسط سے اگر اس کا ایسا مال ہو کہ عنقریب اس کو ملے گا چنانچہ اس کا دین کسی پر قریب الوصول ہو یا اس کو یا اس کو مال ملنے والا ہو بطریق ہبہ کے کذا فی الطحطاوی تو حاکم اس کو عاجز نہ ٹھہرا دے تین دن تک اس واسطے کہ یہ مدت ہے کہ اظہار عذرات کے واسطے مقرر کی گئی ہے ہم چنانچہ تین دن خیار کی مدت ہے اور مرتد کی مہلت دینے کی مدت اور مدعا علیہ کی مہلت دینے کی مدت دفع دعوی کے واسطے **والا عجزه الحاکم فی الحال** اور اگر مال قریب الوصول نہ ہو تو حاکم مکاتب کو فی الحال عاجز ٹھہرا دے **وفسخہا بطلب مولاه او فسخ مولاه برضاه** اور حاکم بعد تعجیز کے کتابت کو فسخ کردے اس کے مولی کی خواہش سے یا اس کا مولی فسخ کرے مکاتب کی رضامندی سے ہم فسخ کو تعجیز کے بعد اس واسطے ذکر

کیا کہ مجرد عجز سے کتابت منفسخ نہیں ہوتی بدون فسخ کرنے کے **ولو کانت الکتابۃ فاسدۃ فالمولی لہ الفسخ بغیر رضاہ** اور اگر کتابت فاسد ہو تو مولی کو فسخ کتابت کا اختیار ہے بدون رضامندی مکاتب کے م بلکہ مولی پر درصورت فساد کتابت فسخ واجب ہے گناہ مٹانے کے واسطے **وبملک المکاتب فسخہا مطلقا فی الجائزۃ والفاسدۃ وان لم یرض المولی** اور مکاتب فسخ کتابت کا مالک ہے سب طرح کتابت جائزہ میں اور فاسدہ میں بھی اگرچہ مولی راضی نہ ہو **وعاد رقیقا بفسخہما** اور اس کی غلامی پھر آوے گی دونوں کے فسخ کرنے سے یعنی جیسے قبل کتابت غلام تھا ویسا ہی پھر مملوک ہو گا **تصرفا ورقبۃ وما فی یدہ لمولاہ** اور جو مال کہ اس کے پاس ہو گا وہ مولی کا مملوک ہے اگرچہ خیرات ہو اور مولی غنی ہو بقول صحیح **کذا فی الطحطاوی والمکاتب اذا مات ولہ مال یفی بالبدل لم تنفسخ وتؤدی کتابتہ من مالہ** اور اگر مکاتب مرجائے اور اس کا اتنا مال موجود ہو کہ بدل کے واسطے کفایت کرے تو کتابت فسخ نہ ہوگی اور بدل کتابت اس کے مال سے ادا کیا جائے گا م بعد موت کے بقائے کتابت اور ادائے بدل کتابت سے فائدہ یہ ہے کہ ہنگام کتابت کے فرزند اس کے آزاد ہوں اور اگر مال ادائے کتابت سے بچے تو وہ اس کے وارث ہوں **وحکم بعتقہ فی آخر جزء من اجزاء حیاتہ** اور حکم ہوگا اس کی آزادی کا اس کے اجزائے حیات میں سے اخیر جز میں م یہ مذہب ہے جمہور کا اور بعضوں کے نزدیک بعد موت کے آزاد ہوگا **کما یحکم بعتق اولادہ المولودین فی کتابتہ لا قبلہا** چنانچہ حکم ہوگا اس کی اولاد کی آزادی کا وہ اولاد جو اس کی کتابت کے زمانے میں پیدا ہوئی نہ ان کا جو قبل کتابت کے پیدا ہوئے م اس کلام سے معلوم ہوا کہ جن اصول و فروع کو مکاتب نے حال کتابت میں خرید کیا وہ آزاد نہ ہوں گے حالانکہ ان کی آزادی کا بھی حکم ہو گا تو یوں کہنا حق تھا **کما یحکم بعتق من دخل فی کتابتہ** یعنی چنانچہ ان شخصوں کی آزادی کا حکم ہو گا جو داخل ہو گئے اس کی کتابت میں **کذا فی الحلبی والباقی من مالہ میراث لورثتہ** اور جو مکاتب مذکور کے مال میں سے ادائے بدل کتابت سے باقی رہے گا وہ اس کے وارثوں کی میراث ہے م یعنی اگر قرابت والے ہوں مکاتب کے تو وہ اس کے مال کے وارث ہوں گے اور ان میں سے کوئی نہ ہو تو مال باقی مولی کو ملے گا بطریق ارث کے **کذا فی الحموی فلو لم یترک مالا وترک ولدا ولد فی کتابتہ ولا وفاء بقیت کتابتہ وسعی الابن فی کتابۃ ابیہ علی نجومہ المقسطۃ** اور اگر مکاتب مر گیا اور کچھ مال نہ چھوڑ گیا اور ایک اس نے وہ بیٹا چھوڑا جو زمان کتابت میں پیدا ہوا اور ادائے کتابت کے واسطے کچھ مال نہیں تو مکاتب کی کتابت باقی رہے گی اور بیٹا اپنے باپ کی کتابت میں کوشش کرے بموجب اس کے اقساط معینہ کے **فاذا ادی حکم بعتق ابیہ قبل موتہ ولعتقہ تبعا** پھر جب اس کا بیٹا بدل کتابت ادا کرے گا تو اس کے باپ کی آزادی قبل از موت پر حکم ہوگا اور بیٹے کی آزادی پر حکم ہو گا باپ کی تبعیت سے **ولو ترک ولدا اشتراہ فی کتابتہ ادی البدل حالا او رد الی حالہ رقیقا وسویا بینہما** اور اگر مکاتب نے وہ بیٹا چھوڑا جس کو اس نے اپنی کتابت کی حالت میں مول لیا تھا تو وہ بیٹا بدل کتابت کو فی الحال ادا کرے یا اگر فی الحال نہ ادا کر سکے تو اپنی غلامی کی حالت کی طرف پھیرا جائے یعنی جس طرح کہ غلام تھا ویسا ہی غلام بنا رہے گا نہ وہ آزاد ہوگا نہ اس کا باپ اور صاحبین نے دونوں بیٹوں کو برابر کیا ہے یعنی جو بیٹا کہ کتابت میں پیدا ہوا اور جو کہ خرید ہوا دونوں حکم میں برابر ہیں یعنی بموجب اقساط کے بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہوں گے **واما الابوان فیردان للرق کما مات وقالا ان ادیا حالا اعتقا والا لا** اور مکاتب مذکور کے ماں باپ کا تو یہ حال ہے کہ بمجرد موت مکاتب کے مملوکی کی طرف پھیرے جاویں گے اور صاحبین نے کہا کہ اگر دونوں فی الحال بدل کتابت کو ادا کریں گے تو آزاد ہوں گے اور نہیں تو آزاد نہ ہوں گے م شرح مجمع اور شرنبلالیہ میں مصرح ہے کہ صاحبین کے نزدیک اصول مکاتب کے فروع کے مانند ہیں ادائے بدل کتابت میں بموجب اقساط معینہ کے تو نظر کرنا چاہیئے کہ شارح نے یہ کلام کہاں سے لیا یعنی **تفرقہ بین الاصول والفروع کذا فی الحلبی اشتری المکاتب ابنہ فمات عن وفاء ورثہ ابنہ لموتہ حرا عن ابن حر** کما مر مکاتب نے اپنا بیٹا خرید کیا پھر وہ مر گیا اتنا مال چھوڑ کر کہ ادائے بدل کے واسطے کافی ہے تو اس کا بیٹا اس کا وارث ہوگا اس واسطے کہ مکاتب آزاد ہو کر مر گیا اپنے آزاد بیٹے کو چھوڑ کر چنانچہ مذکور ہو چکا م یعنی بدل کتابت ادا ہوا تو آخر حیات میں مکاتب آزاد ٹھہرے گا اور اس کے ساتھ اسی وقت اس کا بیٹا آزاد ہوگا تو دونوں آزاد ہوئے تو معلوم ہو گیا کہ باپ آزاد مرا آزاد بیٹا چھوڑ کر **کذا فی الزیلعی وکذا یرثہ لو کان ہو ای المکاتب وابنہ الکبیر مکاتبین کتابۃ واحدۃ لصیرورتہما کشخص واحد ضرورۃ اتحاد العقد** اور اسی طرح مکاتب کا بیٹا اس کا وارث ہو گا اگر مکاتب اور اس کا بالغ بیٹا مکاتب ہوں ایک کتابت سے بسبب ہو جانے دونوں کے ایک شخص کے مانند اتحاد عقد کی ضرورت کی جہت سے م بالغ کی قید لگانا خطاء صریح

غیر کے مخالف ہے حیث قال (او کوتب ہو وابنہ صغیرا او کبیرا بمرۃ) کذا فی الحلبی طحطاوی نے کہا یوں جواب ہو سکتا ہے کہ کبیر کی قید اس واسطے لگائی کہ مبادا کوئی توہم کرے کہ بالغ بسبب اپنے بلوغ کے مستقل ہو کتابت میں **فان ترک المکاتب ولدا من حرۃ** ای معتقۃ **وترک دینا یکفی ببدلہا فجنی الولد فقضی بہ بما جنی علی عاقلۃ امہ** ضرورۃ ان الاب لم یعتق بعد **لم یکن ذلک القضاء تعجیزا** الابیہ لعدم المنافاۃ پھر اگر مکاتب نے ولد چھوڑا حرہ سے یعنی معتقہ سے اور مکاتب نے لوگوں پر اتنا دین چھوڑا جو بدل کتابت کے واسطے کافی ہے پھر ولد سے قتل خطا واقع ہوا سو قاضی نے بموجب جنایت اس کی ماں کی برادری پر دیت کا حکم کیا اس ضرورت سے کہ اس کا باپ ہنوز آزاد نہیں ہوا عدم ادائے بدل کتابت سے تو یہ قاضی کا حکم کرنا اس کے باپ کو عاجز ٹھہرانا نہیں ہے بعلت عدم منافاۃ یعنی حکم مذکور کتابت کے منافی نہیں کہ حکم تعجیز ہو مکاتب کا حرہ کی تفسیر معتقہ اس واسطے کہ حرہ اصلی کے ولد پر کسی شخص کا ولا نہیں اور جنایت سے جنایت خطا مراد ہے اس واسطے کہ جنایت عمد میں برادری پر دیت نہیں کذا فی الطحطاوی **ولا رجوع** اور رجوع نہیں یعنی ماں کی برادری باپ کے مولی سے دیت کو رجوع نہیں کر سکتی اس واسطے کہ جب انھوں نے دیت دی تھی تو ان کے واسطے حق ولا ثابت تھا اور باپ کے موالی کو تو حق ولا مکاتب کے آزاد ہونے کے بعد ثابت ہو گا قید بالدین لان فی العین لا یتاتی القضاء بالالحاق بالام لامکان الوفاء فی الحال مصنف نے دین کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر مکاتب کا متروکہ عین ہو گا تو ماں کی طرف ولد کے الحاق کا حکم نہیں اصل ہوتا بسبب ممکن ہونے ادائے بدل کتابت کے فی الحال **ولو قضی بہ بالولاء لقوم امہ** بعد خصومتہم **مع قوم الاب فی ولائہ فہو القضاء** بما ذکر **التعجیز** لانہ فی فصل مجتہد فیہ اور اگر قاضی نے اس کی ماں کی قوم کے واسطے ولا کا حکم کیا ان کی خصومت کرنے کے بعد باپ کی قوم کے ساتھ اس کی ولا میں تو حکم مذکور عاجز ٹھہرانا ہے مکاتب کا اس واسطے کہ قضا امر مختلف فیہ میں واقع ہوئی ہے یعنی جب کہ بیٹا مر گیا مکاتب مذکور کی موت کے بعد سو جھگڑا ہوا باپ کی قوم اور ماں کی قوم کے درمیان اس کی میراث میں سو قاضی نے ماں کی قوم کے واسطے ولا یعنی میراث کا حکم دیا تو یہ قضا کتابت کا فسخ کرنا ہے اس واسطے کہ خصومت واقع ہوئی بقا اور عدم بقائے کتابت میں اور میراث کسی قوم کے واسطے ثابت نہ ہوگی بدون اس کے یعنی اگر کتابت باقی ہو کر بدل کتابت ادا ہوگا اور باپ آزاد ٹھہرے گا تو ولد کی میراث باپ کی قوم کے واسطے ثابت ہوگی اور اگر کتابت باقی نہ رہے گی تو میراث ماں کی قوم کے واسطے ہوگی اور صحابہ کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعضے صحابہ کا یہ مذہب ہے کہ جب مکاتب مر جائے بدل کتابت چھوڑ کر تو وہ غلام مر گیا نہ آزاد ہو کر اور بعض صحاب کا یہ مذہب ہے کہ مکاتب مذکور آزاد مر گیا پھر جب قاضی نے میراث کا حکم ماں کی قوم کے واسطے کیا تو فصل مجتہد فیہ میں قضا روا واقع ہوئی اور مختلف فیہ میں قاضی کا حکم بالاتفاق نافذ ہو جاتا ہے تو یہ قضا تعجیز مکاتب ٹھہری کذا فی الطحطاوی مختصرا **وطاب لسیدہ وان لم یکن مصرفا للصدقۃ ما ادی الیہ من الصدقات فعجز** لتبدل الملک واصلہ حدیث بریرۃ ہی لک صدقۃ ولنا ہدیۃ اور جو صدقات کا مال مکاتب کو دیا گیا اور مکاتب عاجز ہو گیا ادائے بدل کتابت سے تو وہ مال مکاتب کے مولی کو حلال ہے اگرچہ مولی خیرات کا مصرف نہ ہو بسبب بدل جانے ملک کے اور اصل اس کی بریرہ کی یہ حدیث ہے کہ صدقہ تیرے واسطے تو صدقہ ہے اور ہمارے واسطے ہدیہ ہے م یعنی تبدل ملک تبدل عین کے مانند ہے تو گویا وہ اور چیز ہو گئی اور اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کی حدیث میں اشارہ کیا کہ صدقہ بریرہ کے واسطے صدقہ ہے اور ہمارے واسطے ہدیہ ہے یہ اس وقت فرمایا جب کہ بریرہ نے صدقہ کی چیز حضرت کو ہدیہ دی تھی اور بریرہ اس وقت میں مکاتبہ تھیں کذا فی الزیلعی قاری ہدایہ نے کہا بلکہ وہ حرہ تھیں کذا فی الطحطاوی **کما فی وارث فقیر مات عن صدقۃ اخذہا وارثہ الغنی** چنانچہ اس شخص فقیر کے وارث میں جو مر گیا صدقہ چھوڑ کر تو اس صدقہ کو اس کا مالدار وارث لے گا یعنی ہر چند صدقہ مالدار پر حرام ہے لیکن جب کہ صدقہ کا مورث فقیر اول مالک ہوا پھر اس کے بعد اس کا وارث غنی مالک ہوا بطریق میراث کے تو وہ صدقہ غنی کے حق میں حلال ہو گیا تبدل ملک کے سبب سے **وکما فی ابن سبیل اخذہا ثم وصل الی مالہ وہی فی یدہ** ای الزکوۃ اور چنانچہ ابن مسافر میں جس نے زکوۃ کا مال لیا پھر مسافر پہنچ گیا اپنے مال کے پاس اور حالانکہ مال زکوۃ اس کے قبضہ میں ہے تو وہ اس کو حلال ہے اس واسطے کہ جب

سلہ یعنی نہ ثابت کیا جاوے وہ اور اس کا بیٹا چھوٹا ہو یا بڑا ایک عقد میں ۱۲ ف تبدل ملک علت علت مالست پس اگر غنی یا ہاشمی را مال زکوۃ از فقر بطریق ہدیہ یا میراث برسد حلال ست ۱۲

ف تبدل ملک علت علت مال است پس اگر غنی یا ہاشمی را مال زکوٰۃ از فقر بطریق ہدیہ یا میراث برسد حلال است

اس نے لیا تھا وہ محتاج تھا کفقیر استغنی وہی فی یدہ فانہا تطیب لہ اور اس محتاج کے مانند جو زکوۃ لے کر غنی ہو گیا اور حالانکہ زکوۃ اس کے پاس ہے تو زکوۃ اس کو حلال ہے م اس واسطے کہ غنی پر ابتدائے اخذ زکوۃ حرام ہے کیونکہ اس میں ذلت ہے تو اس کو لینا جائز نہیں بلا ضرورت اور یہاں ضرورت پائی گئی پھر جب اس نے محتاجی کی حالت میں لیا تو بعد اس کے نہیں مگر استدامت تو حلال ہو گا کذا فی الزیلعی معلوم ہوا کہ پہلے دونوں مسئلوں میں تبدیل ملک علت کی علت ہے اور پچھلے دو مسئلوں میں تبدل حال علت ہے بخلاف فقیر اباح لغنی او ہاشمی عین زکوۃ اخذہا لا یحل لان الملک لم یتبدل برخلاف اس محتاج کے جس نے غنی یا ہاشمی کو عین مال زکوۃ جس کو فقیر نے لیا تھا مباح کر دیا تو غنی یا ہاشمی کو حلال نہیں اس واسطے کہ ملک تبدل نہیں ہو گئی م اس واسطے کہ اباحت سے مباح کرنے والے کی ملک زائل نہیں ہو جاتی تو مباح لہ اس کو تناول کرتا ہے مبیح کی ملک پر فان جنی عبد وکاتبہ سیدہ جاہلا بجنایۃ او جنی مکاتب فلم یقض بہ باجنی فعجز فان شاء لمولی دفع العبد او فدی لزوال المانع بالعجز پھر اگر غلام نے کسی کو قتل کیا اور اس کے مالک نے اس کو مکاتب کیا نادانستہ اس کی جنایت سے یا مکاتب نے کسی کو قتل کیا سو اس کی جنایت پر ہنوز کچھ حکم نہ ہوا پھر وہ بدل کتابت سے عاجز ہو گیا تو اگر مولی چاہے اولیاء مقتول کو غلام دے یا فدیہ دے بسبب زوال مانع کے عاجز ہو جانے سے یعنی مانع دفع کتابت تھی سو عاجز ہونے سے زائل ہو گئی تو اب مالک کو دفع اور فدیہ میں اختیار ہے وان قضی بہ علیہ حال کونہ مکاتبا فعجز بیع فیہ لانتقال الحق من رقبتہ الی قیمتہ بالقضاء اور اگر جنایت کا حکم ہو گیا اس پر حالت کتابت میں پھر وہ عاجز ہو گیا ادائے بدل کتابت سے تو بیچا جائے گا اس میں اس واسطے کہ حق اس کی گردن سے اس کی قیمت کی طرف منتقل ہو گیا قضاء کے سبب سے بشرطیکہ قیمت اقل ہو دیت سے کذا فی المجتبی عن النہایۃ قید بالعجز لان جنایات المکاتب علیہ فی کسبہ ویلزمہ الاقل من قیمتہ ومن الارش مصنف نے عجز مکاتب کی قید لگائی کہ مکاتب کی جنایات خود مکاتب پر ہوتی ہیں اس کے کسب میں اور لازم ہوتا ہے اس پر جو کم تر ہے قیمت میں سے اور دیت میں سے یعنی اگر قیمت کم تر ہے دیت سے تو قیمت کا دینا اس پر لازم ہو گا اور اگر دیت کم تر ہے قیمت سے تو دیت کا دینا لازم ہو گا وان تکررت قبل القضاء فعلیہ قیمۃ واحدۃ ولو بعدہ فقیم اور اگر قبل از قضائے قاضی مکاتب سے چند بار جنایت مکرر واقع ہوئی تو اس پر ایک ہی قیمت واجب ہو گی اور اگر بعد قضا چند بار جنایت واقع ہوئی تو چند قیمتیں اس پر لازم ہوں گی م یعنی اگر مکاتب نے ایک شخص کو قتل کیا پھر دوسرے کو پھر تیسرے کو قبل از قضائے قاضی تو ایک ہی قیمت اس پر واجب ہو گی اور اگر مکاتب سے ایک بار جنایت خطا واقع ہوئی اور قاضی کا حکم ہو گیا موجب جنایت پر تو وہ سعی کرے قیمت میں اگر وہ کم تر ہو دیت سے پھر بعد اس کے اگر جنایت ثانیہ واقع ہو گی تو اس پر قیمت ثانیہ لازم ہو گی اور علی ہذا القیاس قیمت متعدد ہوتی تعدد جنایات سے ولو اقر بجنایۃ خطاء لزمتہ فی کسبہ بعد الحکم بہا اور اگر مکاتب نے اپنی جنایت خطا کا اقرار کیا تو اس پر قیمت لازم ہو گی اس کے کسب میں بعد اس کے کہ موجب جنایت پر قاضی کا حکم ہو گیا ہو ولو لم یحکم علیہ حتی عجز بطلت اور اگر قاضی کا حکم اس پر نہ ہوا ہو یہاں تک کہ وہ عاجز ہو گیا بدل کتابت سے تو جنایت باطل ہے کذا فی الدرر من القاعدیۃ م یعنی درحق مولی جنایت باطل ہے اور اس کا مواخذہ اور مطالبہ ہو گا آزاد ہونے کے بعد امام کے نزدیک خلافا للصاحبین کہ فی الحال مطالبہ ہو گا کذا فی الطحطاوی وان مات السید لم تنفسخ الکتابۃ کالتدبیر وامومیۃ الولد وکاجل الدین اذا مات الطالب اور اگر مولی مر گیا تو کتابت فسخ نہیں ہو جاتی جیسے مدبر اور ام ولد ہونا باطل نہیں ہوتا اور چنانچہ دین کی مدت باطل نہیں ہوتی جب کہ طالب دین مر جاوے ویؤدی المال الی ورثتہ علی نجومہ کاجل الدین اور ادا کیا جاوے مال کتابت کا مولی کی موت کے بعد اس کے وارثوں کو اس کی قسطوں کے موافق دین کی مدت کے مانند یعنی اگر وارث کبیر ہو تو اس کو مال دیا جائے اور اگر صغیر ہو تو اس کے وصی کو دیا جائے کذا فی القہستانی بخلاف موت المطلوب لخراب ذمتہ برخلاف موت مطلوب کے بسبب مٹ جانے اس کے ذمہ کے م یعنی اگر مدیون مر جائے تو مدت باطل ہو گی اس واسطے کہ اس کا ذمہ خراب ہو گیا اور دین ترکہ کی طرف منتقل ہوا اور ترکہ عین ہے نہ دین کذا فی الزیلعی ہذا اذا کاتبہ وہو صحیح ولو فی مرضہ لا یصح تاجیلہ الا من الثلث یعنی ادائے مال اقساط سابقہ کے بموجب اس وقت ہے جب کہ مولی نے اس کو مکاتب کیا ہو اپنی صحت کی حالت میں اور اگر اس نے بیماری میں مکاتب کیا ہو تو اس کا مدت ٹھہرانا باطل ہے مگر ثلث متروکہ سے یعنی بدل کتابت کے دو ثلث فی الحال ادا

کرے اور ایک ثلث اقساط معینہ کے موافق کذا فی الشرنبلالیۃ وان حرروہ ای کل الورثۃ فی مجلس واحد عتق مجانا استحسانا و جعل ابراء اقتضاء اور اگر وارثوں نے یعنی تمام وارثوں نے مکاتب کو آزاد کر دیا ایک ہی مجلس میں تو وہ مفت آزاد ہو جائے گا استحسان کی راہ سے اور آزاد کرنا ابراء قرار دیا جاوے گا بطریق اقتضاء کے م قیاس یہ ہے کہ مکاتب آزاد نہ ہو وارثوں کے آزاد کرنے سے اس واسطے کہ آزاد وہ کرتا ہے جو مالک ہو اور حالانکہ وارث مکاتب کے مالک نہیں اس واسطے کہ مکاتب مملوک نہیں ہوتا کسی سبب ملک سے تو میراث سے بھی مملوک نہیں ہوتا وجہ استحسان یہ ہے کہ اعتاق ابراء قرار دیا جائے بدل کتابت سے اس واسطے کہ بدل کتابت وارثوں کا حق ہے اور میراث اس میں جاری ہے تو اعتاق بدل کتابت کا معاف کر دینا ہو گیا بطریق اقتضاء کے یا حصول بدل کتابت کا اقرار ہو گیا ان کی طرف سے تو مکاتب بری الذمہ ہوا تو آزاد ہو گیا کذا فی الطحطاوی فان حررہ بعضہم فی مجلس والآخر فی آخر لم ینفذ عتقہ علی الصحیح لانہ لم یملکہ پھر اگر مکاتب کو بعض ورثہ نے ایک مجلس میں آزاد کیا اور دوسرے وارث نے دوسری مجلس میں آزاد کیا تو اس کا عتق نافذ نہ ہو گا بر مذہب صحیح اس واسطے کہ وارث اس کا مالک نہیں ولو عجز بعد موت المولیٰ عاد رقا اور اگر مکاتب عاجز ہو گیا ادائے بدل کتابت سے بعد موت مولیٰ کے تو اس کی غلامی پھر آوے گی یعنی جیسا غلام مملوک قبل کتابت کے تھا ویسا ہی ہو جائے گا مکاتب تحتہ امۃ طلقہا ثنتین فملکہا لا یحل لہ ان یطأہا حتی تنکح زوجا غیرہ مکاتب کے نیچے کسی کی لونڈی ہے بطریق نکاح کے اس کو اس نے دو بار طلاق دی پھر مکاتب اس کا مالک ہوا تو اس کو اس کا وطی کرنا حلال نہیں یہاں تک کہ وہ لونڈی سوائے اس کے اور شوہر سے نکاح کرے وکذا الحر کما تقرر فی محلہ اور یہی حکم ہے آزاد کا چنانچہ ثابت ہو چکا ہے اپنے مقام میں م یعنی اگر آزاد لونڈی منکوحہ کو دو طلاق دے پھر اس کو خرید کرے تو وہ حلال نہیں تا وقتیکہ اس کے سوائے اور شوہر سے نکاح نہ کرے اور مکاتب کے مانند قن اور مدبر ام ولد کا بیٹا اور غلام ساعی ہے اس واسطے کہ عدد طلقات میں عورت کا اعتبار ہے نہ مرد کا یعنی اگر عورت لونڈی ہو تو دو بار کی طلاق سے حرمت غلیظہ ہو جاتی ہے خواہ اس کا شوہر غلام ہو خواہ آزاد اور اگر عورت آزاد ہو تو تین بار کی طلاق سے حرمت غلیظہ ہوتی ہے خواہ شوہر غلام ہو یا آزاد کاتبا عبدا کتابۃ واحدۃ ای بعقد واحد وعجز المکاتب لا یعجزہ القاضی حتی یجتمعا لانہما کواحد بخلاف الورثۃ فان القاضی یعجزہ بطلب احدہم مجتبیٰ دو مالکوں نے غلام کی ایک کتابت کی یعنی دونوں نے غلام کو مکاتب بعقد واحد کیا اور مکاتب عاجز ہوا تو قاضی اس کو عاجز نہ ٹھہراوے تا وقتیکہ دونوں مالک ملیں اس واسطے کہ دونوں ایک شخص کے مانند ہیں برخلاف وارثوں کے اس واسطے کہ قاضی غلام کو عاجز ٹھہراوے گا ایک وارث کی طلب سے کذا فی المجتبیٰ وفیہ کاتب عبدیہ مرۃ فعجز احدہما فردہ المولی فی الرق او القاضی ولم یعلم بکتابۃ الآخر لم یصح فان غاب ہذا المردود وجاء الآخر ثم عجز فلیس للآخر ردہ فی الرق اور مجتبیٰ میں ہے کہ ایک مالک نے اپنے دو غلاموں کو مکاتب کیا ایک بار یعنی بعقد واحد پھر ایک عاجز ہو گیا سو مولیٰ نے اس کو پھر غلام کر لیا یا قاضی نے اور حالانکہ قاضی کو دوسرے غلام کی کتابت معلوم نہیں تو یہ غلام کر لینا درست نہ ہو گا پھر اگر یہ غلام مردود یعنی جو مکاتب ہونے کے بعد پھر عبدیت کی طرف پھیرا گیا ہے غائب ہوا اور دوسرا غلام مکاتب آیا پھر وہ بھی عاجز ہو گیا ادائے بدل کتابت سے تو دوسرے کو اس کا پھیر دینا غلامی میں جائز نہیں م عالمگیریہ میں محیط سے یوں منقول ہے کہ جب دوسرا مکاتب آیا اور مولیٰ نے اس سے ایک قسط یا دو قسطیں سعی کروائی پھر وہ عاجز ہوا سو مولیٰ یا قاضی نے چاہا کہ اس کو غلامی کی طرف پھیریں تو جائز نہیں کذا فی الطحطاوی فرع مسائل لحقہ شارح کا اختلف المولی والمکاتب فی قدر البدل فالقول للمکاتب عندنا مولیٰ اور مکاتب نے اختلاف کیا بدل کتابت کی مقدار میں تو قول مکاتب ہی کا مقبول ہے ہم حنفیوں کے نزدیک اس واسطے کہ وہ منکر زیادت اور نافی ضمان ہے اپنی ذات پر سے ولا یحبس المکاتب فی دین مولاہ فی الکتابۃ وفیما سوی دین الکتابۃ قولان سراجیۃ اور محبوس نہ ہو گا مکاتب اپنے مولیٰ کے دین میں جو دین کہ حال کتابت میں مکاتب پر لازم ہوا اور ماسوی دین کتابت میں دو قول ہیں حبس اور عدم حبس میں کذا فی السراجیہ م سوائے دین کتابت جیسے دین استہلاک یا وہ دین جو اس نے اپنے مولیٰ سے لیا تھا قبل از کتابت جب کہ وہ ماذون فی التجارۃ تھا یا قرض لیا تھا یا اس پر ثمن معین تھا قلت وفی عتاق الوہبانیۃ ؎ وفی غیر جنس الحق یحبس[1] سیدہ ء مکاتبہ والعبد فیما یحررہ میں کتابوں اور وہبانیہ

---

[1] سیدا مشغول بحبس والفاعل مکاتبہ والضمیر فیہ للسیدہ وفی نسخہ بالمکاتبۃ کذا فی شرح وہبانیہ لعبد البر ۱۲

کی کتاب العتاق میں یہ ہے اور غیر جنس حق میں مکاتب اپنے مالک کو حبس کرے گا اور غلام قبول اور عدم قبول کتابت میں مختار ہے ہم اس بیت میں تین مسئلے ہیں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولی مسلط ہوا مکاتب کے اس مال پر جو بدل کتابت کی غیر جنس ہے یعنی مثلاً بدل کتابت دراہم ہیں اور مولی نے مکاتب کا گھوڑا یا تھان چھین لیا تو مکاتب کو مولی سے مطالبہ جائز ہے اور حاکم مولی کو حبس کرے گا دوسرا مسئلہ یہ ہے بطریق مفہوم کے کہ اگر جنس بدل کتابت سے مال ہو اور مولی اس کو لے کر بدل کتابت میں مجرا کرے تو مکاتب مطالبہ نہیں کر سکتا تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قبول کتابت اور فسخ کتابت میں غلام کو اختیار ہے اگرچہ مولی راضی نہ ہو کذا فی شرح الوہبانیہ

ف ولا، لاولاد الزوجین حرا: لمولی ابیہم لیس للام معتق: اولاد زوجین معتقین کی میراث ان کے باپ کے مولی کی ہے ماں کے موالی کو اس میں دخل نہیں ہم ہر چند اولاد مذکور کی ماں اور باپ دونوں کو ولاء عتاقت حاصل ہے لیکن باپ اصل ہے میراث میں نسب کے مانند لہذا باپ کے موالی میراث اولاد کی پاویں گے نہ موالی ماں کے

ف توفی وثمہ وفی فاما لمیت: من الولد بع والّی تسعی وتحضر: مکاتب مر گیا اور اس نے بدل ادا نہیں کیا تو مکاتب کی اس ام ولد کو جس کا بیٹا مر گیا بیچ ڈال بدل کتابت کے ادا کرنے کے واسطے اور ولد زندہ کی ماں سعی کرے اور بدل کتابت کو حاضر کرے قسط بندی کے موافق ای وان لم یکن معہا ولد بیعت وان کان تسعیت علی نجومہ صغیرا کان ولدہا او کبیرا وعندہما تسعی مطلقا یعنی اگر ام ولد مکاتب کے ساتھ ولد نہ ہو تو ام ولد بیچی جائے اور اگر ہو تو ام ولد سے سعی کروائی جائے مکاتب کی قسطوں پر ولد صغیر ہو یا کبیر اور صاحبین کے نزدیک ام ولد سعی کرے مطلقاً خواہ ولد زندہ ہو یا مردہ واللہ اعلم واستغفر اللہ الحلیم الکریم:

۱؎ قولہ توفی ضمیرہ وضمیر وفی للمکاتب فاما لمیت ای قام ولد المکاتب الذی قدمات ولدہا قولہ من الولد باسکان اللام متعلق لمحذوف صفۃ لمیت قولہ بع اے لاجل الکتابۃ قولہ الحی بالجر عطفا علی میت ای اذا کان معہا ولد حی ولد فی کتابتہ او اشتراہ معہا تسعی علی نجوم المکاتب قولہ تحضر من احضر ای تحضر النجوم التی کانت علی المکاتب والضمیر فی تسعی وتحضر لام الولد کذا فی شرح الوہبانیہ بعد البر

۱۲ منہ

کتاب الولاء

یہ کتاب ہے ولاء کے احکام میں ہم کتاب الولاء کو مصنف کتاب المکاتب کے بعد اس واسطے لایا کہ ولاء زوال ملک رقبہ کے آثار سے ہے کذا فی المنح ہو لغۃ النصرۃ والمحبۃ مشتق من الولی وہو القرب والولاء لغت عرب میں بمعنی نصرت اور محبت کے ہے مشتق ہے ولی بفتح واو و سکون لام سے اور ولی عبارت ہے قرب اور نزدیکی سے ہم اور قرب ولاء مصطلح میں حاصل ہے اس واسطے کہ ولاء کا حکم یعنی ارث قریب ہے اور حاصل ہو جاتی ہے بلا فصل جبکہ اس کی شرط پائی جائے وشرعا عبارۃ عن التناصر بولاء العتاقۃ او بولاء الموالاۃ زیلعی اور شرع میں ولاء عبارت ہے باہم کی مددگاری سے بسبب ولاء عتاقت یا بسبب ولاء موالاۃ کے کذا فی الزیلعی ہم نام اعتاق سے حاصل ہوتا ہے ولہذا معتق کی طرف سے اس کا مولی دیت دیتا ہے ملا علی قاری نے ولاء شرعی عبارت اس قرابت سے رکھی ہے جو قرابت نسبی کے بعد ہے جس قرابت سے مولی غلام آزاد کا وارث ہوتا ہے اور اس کے نکاح کرنے اور اس پر نماز پڑھنے کی ولایت اس کو حاصل ہوتی ہے انتہی اور یہ تعریف بہتر ہے مصنف کی تعریف سے اس واسطے کہ تناصر ولاء کے آثار سے ہے اور اسی کی طرف شارح کا آئندہ قول بل قرابۃ حکمیۃ راجع ہے کذا فی الطحطاوی ومن اثارہ الارث والعقل وولایۃ الانکاح وبہذا علم ان الولاء لیس نفس المیراث بل قرابۃ حکمیۃ تصلح سببا للارث اور ولاء کے آثار سے ہے ارث اور دیت اور نکاح کر دینے کی ولایت مولی کے واسطے اور مصنف کے اس کلام سے معلوم ہو گیا کہ ولاء نفس میراث نہیں ہے بلکہ ولاء قرابت حکمی ہے جو میراث کے سبب ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے ہم یہ تعریض ہے صدر الشریعہ کی طرف کہ انہوں نے ولاء کی تفسیر میراث کی ہے قہستانی نے اس کا جواب دیا کہ یہ تفسیر بالحکم ہے اور تفسیر بالحکم عزیز الوجود نہیں وسببہ العتق علی ملکہ لا الاعتاق لان بالاستیلاد وارث القریب یحصل العتق بلا اعتاق اور ولاء کا سبب آزاد ہو جانا ہے مولی کی ملک پر نہ فقط آزاد کرنا سبب ہے ولاء کا اس لیے کہ استیلاد یعنی جاریہ کے ام ولد کرنے سے اور قرابت دار کے وارث ہونے سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے بدون آزاد کرنے کے ہم ام ولد آزاد ہو جاتی ہے مولی کی موت کے بعد بدون آزاد کرنے کے اور قرابت دار بمجرد میراث کے آزاد ہو جاتا ہے بلا اعتاق تو صحیح قول یہی ہے کہ سبب ولاء عتق علی ملک المولی ہے نہ اعتاق فقط واما حدیث الولاء لمن اعتق فجری علی الغالب اور یہ حدیث کہ ولاء اس کے واسطے ہے جو آزاد کرے سو جاری ہے غالب حال پر ہم یہ جواب ہے سوال مقدر کا یعنی اگر فقط اعتاق سبب ولاء کا نہ ہوتا تو میراث وغیرہ حدیث مذکور میں آزاد کرنے والے کو مخصوص نہ ہوتی شارح نے جواب دیا کہ یہ خصوصیت بنا بر اکثریت کے ہے من عتق ای حصل لہ عتق باعتاق ولو من وصیہ او بفرع لہ ککتابۃ وتدبیر واستیلاد او بملک قریب فولاؤہ لسیدہ جو شخص کہ آزاد ہوا یعنی اس کو آزادی حاصل ہوئی مالک کے آزاد کر دینے سے اگرچہ اعتاق مالک کے وصی سے صادر ہوا ہو یا آزادی حاصل ہوئی ہو اعتاق کی فرع سے چنانچہ کتابت اور تدبیر اور استیلاد سے یا آزادی حاصل ہوئی ہو قرابت دار کے مالک ہونے سے تو اس آزاد ہو جانے والے کی ولاء اس کے مالک کے واسطے ہے ہم اعتاق وصی کی صورت یہ ہے کہ موصی نے وصی کو اپنے غلام کے اعتاق کی وصیت کی سو وصی نے موصی کی موت کے بعد اس کو آزاد کر دیا تو اس کی ولاء موصی کی ہے اس واسطے کہ وصی کا فعل موصی کی طرف منتقل ہے کذا فی الطحطاوی یہاں اعتراض وارد ہے کہ تدبیر اور استیلاد سے

کس طرح مالک کو ولا حاصل ہوگی حالانکہ ام ولد اور مدبر تو مولی کی موت کے بعد آزاد ہوتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس کی یہ ہے کہ مولی مرتد ہو گیا اور دار الحرب میں جا ملا تو اس کے مدبر اور ام ولد کا عتق کا حکم ہوگا پھر مولی مسلمان ہو کر آیا سو اس کے ام ولد اور مدبر مر گئی تو اب دونوں کی ولا مولی کو حاصل ہوگی اور بہتر جواب یہ ہے کہ یوں کہیے کہ مراد یہ ہے کہ عصبہ مولی کے واسطے مدبر اور ام ولد کی ولا کا ثابت ہونا تو اسی سبب سے ہے کہ ثبوت ولا مولی کے واسطے ہو چکا ہے اس واسطے کہ ولا کا مستحق اول وہی ہے کیونکہ سبب عتق اسی سے تو صادر ہوا ہے پھر ولا مولی کی طرف سے اس کے عصبہ کو پہنچتی ہے کذا فی الدرر ولو امرأۃ او ذمیا او میتا حتی تنفذ وصایاہ وتقضی دیونہ منہ ولا مالک کا حق ہے اگرچہ مالک عورت ہو یا ذمی یا میت تو مالک میت کی وصیتیں نافذ ہوں گی غلام آزاد کے مال سے اور مالک کے دیون اس سے ادا کیے جاویں گے م حق ولا مولی کا ہے اگرچہ عتق کفارہ قتل اور کفارہ افطار اور کفارہ ظہار سے یا عتق نذر اور ایمان وغیرہا واجبات سے ہو کذا فی شرح الحموی ولو شرط عدمہ لمخالفتہ للشرع فیبطل ولا حق مولی کا ہے اگرچہ عدم ولا مولی شرط ہو گیا ہو بسبب مخالف ہونے اس شرط کے شرع شریف سے تو شرط باطل ہوگی و من اعتق امتہ والحال ان زوجہا قن الغیر فولدت لاقل من نصف حول مذ عتقت لا ینتقل ولاء الحمل الموجود عند العتق عن موالی الام ابدا اور جس نے اپنی لونڈی آزاد کی اور حالانکہ اس کا شوہر غیر کا غلام ہے پھر وہ جنی نصف سال سے کم تر مدت میں جب سے کہ وہ آزاد ہوئی تو جو حمل کہ موجود تھا آزاد کرنے کے وقت اس کا ولا منتقل نہ ہوگا اس کی ماں کے موالی سے کبھی یعنی اگرچہ اس کا باپ بعد اس کے آزاد بھی ہو م جب لونڈی آزادی کے بعد چھ مہینے سے کم تر مدت میں جنی تو بالیقین معلوم ہو گیا کہ وقت عتق کے حمل موجود تھا تو جب لونڈی آزادی ہوئی تو اس کا حمل بھی آزاد ہو گیا اس واسطے کہ حمل اس کا جز تھا اور اعتاق واقع ہوا ماں کے تمام اجزا پر تو بچہ بھی قصدا آزاد ہو گیا تو اس کا ولا آزاد کرنے والے سے منتقل نہ ہوگا وکذا لو ولدت ولدین احدہما لاقل من ستۃ اشہر والآخر لاکثر منہ وبینہما اقل من نصف حول ضرورۃ کونہما توأمین م اسی طرح موالی ام سے انتقال ولا نہ ہوگا اگر بعد عتق کے لونڈی دو لڑکے جنی ایک لڑکا تو کم تر چھ مہینے سے جنی اور دوسرا لڑکا زیادہ چھ مہینے سے اور حالانکہ مابین ولادت ولدین نصف سال سے کم تر ہے اس واسطے کہ دونوں لڑکے توام بالضرور ہیں م پہلا لڑکا تو بالیقین عتق کے وقت موجود تھا پھر جب دونوں توام ٹھہرے بسبب عدم تخلل مدت حمل کے تو دونوں کا علوق ساتھ ہی ثابت ہوا تو دونوں کو اعتاق شامل ہو گیا بالضرور تو ولا معتق سے منتقل نہ ہوگی فاذا ولدت بعد عتقہا لاکثر من نصف حول فولائہ لمولی الام ایضا لتعذر تبعیتہ للاب لرقہ پھر جب لونڈی اپنے آزاد ہونے کے بعد نصف سال سے اکثر مدت میں جنی تو اس کی بھی میراث موالی ام کے واسطے ہے اس واسطے کہ تابع ہونا ولد کا باپ سے متعذر ہے اس کے غلام ہونے کے سبب سے فان عتق القن ای الاب قبل موت الولد لا بعدہ جر ولاء امہ الی موالیہ لزوال المانع پھر اگر وہ غلام جو باپ ہے آزاد ہو گیا قبل از موت ولد نہ بعد موت کے اپنے ولد کی میراث اپنے مالکوں کی طرف کھینچ لاوے گا بسبب دور ہو جانے مانع کے م یعنی جب چھ مہینے سے زیادہ مدت میں لڑکا پیدا ہو تو ماں کے مالکوں کا اعتاق ثابت نہ ہوا بسبب حادث ہونے ولد کے بعد اعتاق کے اور مسئلہ سابقہ میں جو ماں کی طرف لڑکا منسوب ہوا تھا تو باپ کی طرف بسبب اس کی غلامی کے نسبت نہ ہو سکتی تھی۔ پھر جب اس کا باپ آزاد ہو گیا تو اس کی طرف نسبت ممکن ہوئی بزوال مانع کے سبب سے اس واسطے کہ نسبت باپ کی ماں کی نسبت سے مقدم ہے کیونکہ ولا نسب کے مانند ہے اور نسب باپ کی طرف ہوتا ہے نہ ماں کی طرف اور اگر والد بعد موت ولد کے آزاد ہوگا تو میراث ولد کی والد کے موالی کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ والدہ کے موالی مستحق ولا ہو چکے تھے۔ اس کے مرنے کے وقت تو اب انتقال ولا نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی مختصرا ہذا اذا لم تکن معتدۃ یعنی تقیید ولادت کی نصف سال سے پہلے ابتدا اعتاق اس وقت ہے جب کہ لونڈی عدت میں نہ ہو فلو معتدۃ فولدت لاکثر من نصف حول من العتق ولدون حولین من الفراق لا ینتقل لموالی الاب سو اگر لونڈی عدت کے اندر ہو پھر جنی نصف سال سے اکثر مدت میں آزاد ہونے سے اور دو سال سے کم تر مدت میں فراق زوج سے تو انتقال میراث کا باپ کے مالکوں کی طرف نہ ہوگا عجمی لہ مولی موالاۃ او لم یکن لہ ذلک وقید بالعجمی لان ولاء الموالاۃ لا یکون فی العرب لقوۃ انسابہم نکح معتقۃ ولو لعربی فولدت منہ فولاء ولدہا لموالیہا اس عجمی نے جس کا ایک شخص مولی ہے عقد موالات کا یا اس کا ویسا مولی نہ ہو نکاح کیا ایک معتقہ

ہے اگرچہ وہ عورت عربی کی لونڈی ہو سو معتقہ اس عجمی سے جنی تو معتقہ کے ولد کی میراث اس کے مولی کی ہے عجمی کی قید اس واسطے لگائی کہ موالات کی میراث عرب میں نہیں
ہوتی ان کے انساب کے قوی ہونے سے م عجمی کے مولائے موالات ہونے کی یہ صورت ہے کہ شخص غیر عربی کا باپ کافر تھا پھر وہ مسلمان ہوا سو اس نے معتقہ
لونڈی سے نکاح کیا پھر اس نے ایک مرد سے عقد موالات منعقد کی قولہ ولو لعربی صوابہ ولو العجمی یعنی صواب یہ تھا کہ شارح یوں کہتا کہ اگرچہ معتقہ عجمی شخص کی ہو
اس واسطے کہ جب میراث عجمی مولی کے واسطے ثابت ہوئی تو عربی مولی کے واسطے بطریق اولی ثابت ہوگی کذا فی الطحطاوی لقوۃ ولاء العتاقۃ حتی اعتبرت فیہ
الکفارۃ لا فی العجم و ولاء الموالاۃ مولائے معتقہ کے واسطے اس واسطے میراث ولاء کی ثابت ہوئی کہ ولائے عتاقہ قوی چیز ہے یہاں تک کہ اس میں کفاءت یعنی ہمسری
معتبر ہے عجم اور ولائے موالات میں م یعنی لوگ تفاخر کرتے ہیں عتاقہ سے اور اس کو کفاءت میں اعتبار کرتے ہیں تو وضیع کا معتق کفو نہیں ہے شریف کے معتقہ
کا اور عجم کے حق میں نسب ضعیف ہے اس واسطے کہ عجمیوں نے اپنے نسب ضائع کر ڈالے ولہذا کفاءت ان میں معتبر نہیں نسب کی راہ سے بلکہ افتخار عجم کا قبل از اس
مراتب دنیاوی سے تھا اور بعد اسلام کے دین داری سے برخلاف اس صورت کے کہ ولد کا باپ عربی ہو اس واسطے کہ عرب کے نسب قوی ہیں معتبر ہیں حق
نسب اور خون بہا دینے میں اس واسطے کہ عرب میں باہم مددگاری نسب کے سبب سے ہے ولاء موالات کی کچھ حاجت باقی نہ رہی کذا فی الطحطاوی والمعتق
مقدم علی الرد اور آزاد کرنے والا مولی مقدم ہے رد میراث پر یعنی جب کہ عصبات نہ ہوں اور متروکہ باقی رہی اصحاب الفروض کی میراث کے بعد تو بقدر حصص
اصحاب الفروض کے پھر ان کو دیا جاتا ہے اور اگر آزاد کرنے والا ہو تو اصحاب الفروض پر رد میراث نہ ہوگی آزاد کرنے والا اس کو لے گا و مقدم علی ذوی الار
اور آزاد کرنے والا مقدم ہے ذوی الارحام پر یعنی نانا نانی وغیرہ رشتہ داروں پر و موخر عن العصبۃ النسبیۃ لانہ عصبۃ سببیۃ آزاد کرنے والا موخر ہے عتق کے عصبا
نسبی سے اس واسطے کہ آزاد کرنے والا عصبہ سببی ہے اور نسبی مقدم ہے عصبہ سببی پر فان مات المولی ثم المعتق ولا وارث لہ نسبی فمیراثہ لاقرب عصبۃ المولی
و تحقیقہ فی بابہ سو اگر مولی مرے پھر اس کے بعد غلام آزاد مرے اور غلام آزاد کا کوئی وارث نسبی نہ ہو تو میراث اس کے مولی کی عصبات ذکور میں سے اس عصبہ
ملے گی جو مولی سے زیادہ تر قریب ہو اور آگے ہم اس کو محقق بیان کریں گے اس کے باب میں یعنی کتاب الفرائض میں میراث مذکور کی تفصیل تحقیق مذکور ہوگی
لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن کما فی الحدیث المذکور فی الدرر وغیرہا اور عورتوں کے واسطے ولاء عتیق میں کچھ حق نہیں مگر جس غلام یا لونڈی کو عورتیں خود آزاد کر
تو ان کی ولا پا دیں گی چنانچہ اس حدیث میں یہ مصرح ہے جو درر وغیرہا میں مذکور ہے م لفظ حدیث یہ ہے کہ لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن
او کاتبن او کاتب من کاتبن او دبرن او دبر من دبرن او جر ولاء معتقہن او معتق معتقہن قال العینی وغیرہ انہ حدیث منکر لا اصل لہ و سیجیء الجواب عنہ فی الفرائض علامہ عینی وغیرہ
نے کہا کہ وہ حدیث منکر ہے کچھ اس کی اصل صحیح نہیں اور اس کا جواب کتاب الفرائض میں آوے گا م جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ حدیث شاذ ہے لیکن صحابہ کبار
کلام سے موکد ہے تو بمنزلہ حدیث مشہور کے ہوگئی علی مرتضی اور ابن مسعود اور زید بن ثابت عورتوں کو میراث نہ دیتے تھے مگر ان کو جن کو انھوں نے مکاتب
یا آزاد کیا ثم فرع علی الاصل المذکور بقولہ فلو مات المعتق ولم یترک الا ابنۃ معتقہ فلا شیء لہا ای لابنۃ المعتق و یوضع مالہ فی بیت المال پھر مصنف نے قا
مذکورہ پر یہ قول متفرع کیا کہ اگر غلام آزاد شدہ مر گیا اور اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا سوائے اپنے آزاد کرنے والے کی بیٹی کے تو اس کے واسطے غلام
کی کچھ میراث نہیں اس لیے کہ وہ حق مردوں کا ہے اور اس کا مال بیت المال میں رکھا جائے گا ہذا ظاہر الروایۃ و ذکر الزیلعی معزیا للنہایۃ ان بنت المعتق ترث فی
لفساد بیت المال وکذا ما فضل عن فرض احد الزوجین یرد علیہ وکذا المال یکون للابن او البنت رضاعا کذا فی فرائض الاشباہ واقرہ المصنف وغیرہ یہی قول عدم م
کا ظاہر الروایۃ میں ہے اور زیلعی نے نہایہ کی طرف منسوب کر کے کہا ہے کہ آزاد کرنے والے کی بیٹی ہمارے زمانہ میں وارث ہوگی غلام آزاد کے مال
بیت المال کے یعنی حکام بیت المال کے مال کو اہل استحقاق کو نہیں دیتے اپنی شہوات میں صرف کرتے ہیں اور اسی طرح جو مال کہ فاضل باقی رہے زوجہ یا زوج کے
وہ اسی کو پھیر دیا جائے اور اسی طرح فرزند رضاعی یا دختر رضاعی کے واسطے مال ہوگا اور بیت المال میں نہ دیا جائے کذا فی فرائض الاشباہ اور مصنف وغیر

نے اس قول کو ثابت رکھا ہے رد نہیں کیا واذا ملک الذمی عبدا اولو مسلما واعتقہ فولاءہ لہ لان الولاء کالنسب فیتوارثون بہ عند عدم الحاجب کالمسلمین فلو مسلما لا یرثہ ولا یعقل عنہ وبہذا اتضح فساد القول بان الولاء ہو المیراث حق الاتضاح اور جب کہ کافر ذمی غلام کا مالک ہوا اگرچہ غلام مسلمان ہو اور وہ اس کو آزاد کرے تو اس غلام آزاد کی ولا ذمی کے واسطے ہے اس واسطے کہ ولاء عتاقت نسب کی مانند سبب ہے میراث کا تو اہل ذمہ ولا کی جہت سے باہم وارث ہوتے ہیں مسلمانوں کے مانند جب کہ کوئی میراث کا حاجب نہ ہو تو اگر ذمی کا غلام مسلمان ہو اور وہ اس کو آزاد کرے تو ذمی اس کی میراث نہ پاوے گا اور نہ اس کی طرف سے دیت دے گا اور اس قول سے یعنی ذمی مولی کو ولا حاصل ہوتی ہے نہ میراث اس قول کا فساد نہایت مرتبہ کے وضوح سے واضح ہو گیا کہ ولا تو وہی میراث ہے م یعنی جب ذمی کو ولا عتیق مسلم ثابت ہوئی اور میراث اس کی حاصل نہ ہوئی تو صاف معلوم ہو گیا کہ ولا اور میراث متحد الحقیقۃ نہیں اور سابق مذکور ہو چکا کہ میراث ولا کا حکم اور اثر ہے اور تعریف بالحکم جائز ہے ذمی مولی اپنے عتیق مسلم کا اس واسطے وارث نہ ہوگا کہ ارث کی شرط حاصل نہیں یعنی اتحاد ملت وارث و مورث تو اگر ذمی مسلمان ہو جاوے یا وہ عتیق مسلم اس کے بعد مرے تو اس کو میراث اس کی ملے گی کذا فی الطحطاوی ولو اعتق حربی فی دار الحرب عبدا حربیا لا یعتق بمجرد اعتاقہ الا ان یخلی سبیلہ فاذا خلاہ عتق حینئذ ولا ولاء لہ حتی لو خرجا الینا مسلمین لا یرثہ خلافا للثانی اور اگر حربی نے دار الحرب میں حربی غلام آزاد کیا تو مجرد اعتاق بلکہ تخلیہ کے وہ آزاد نہ ہوگا مگر یہ کہ حربی غلام مذکور کو مخلی بالطبع کر دے پھر جب اس کو مطلق العنان کر دے یعنی اپنے قبض و تصرف میں نہ رکھے تو وہ اس وقت میں آزاد ہو جاوے گا اور اس کی ولا اس کو نہ ملے گی تو اگر حربی اور اس کا عتیق دونوں مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آ دیں گے تو حربی اس کا وارث نہ ہوگا برخلاف مذہب ابو یوسف کہ ان کے نزدیک میراث پاوے گا۔ وکان لہ ان یوالی من شاء لانہ لا ولاء لاحد علیہ اور حربی کے غلام آزاد کو جائز ہے کہ جس سے چاہے عقد موالات منعقد کرے اس واسطے کہ کسی کی ولا اس پر نہیں ہے جو عقد موالات دوسرے سے نہ کر سکے ولو دخل مسلم فی دار الحرب فاشتری عبدا ثمہ فاعتقہ بالقول عتق بلا تخلیہ اور اگر مسلمان دار الحرب میں گیا سو اس نے وہاں غلام خرید کیا پھر اس کو زبانی بلا تخلیہ آزاد کیا یعنی دار الحرب میں تو وہ آزاد ہو جاوے گا م یہ روایت شرنبلالی کی اس روایت سے مخالف ہے کہ جب مسلمان غلام حربی کو دار الحرب میں آزاد کرے تو اس کو اس کی ولا حاصل نہ ہو گی امام کے نزدیک کذا فی الطحطاوی اور اس منافات کا یوں جواب ہو سکتا ہے کہ مصنف نے عتق ذکر کیا ہے نہ ولا اور شرنبلالی میں نفی ولا مذکور ہے نہ نفی عتق کی اور سابق مذکور ہو چکا ہے کہ ولا اور میراث متحد الحقیقۃ نہیں واللہ اعلم ولو کان العبد مسلما فاعتقہ مسلم او حربی فی دار الاسلام فولاءہ لہ ای للمعتق اور اگر غلام مسلمان ہو سو اس کو مسلمان یا حربی دار الاسلام میں آزاد کرے تو اس کی ولا اس کو ملے گی یعنی اس کے آزاد کرنے والے کو فروع مسائل ملحقہ شارح کے ادعیا ولاء میت و برہن کل انہ اعتقہ قضی بالولاء والارث لہما دو شخصوں نے میت کی ولا کا دعوی کیا اور ہر شخص اس کے گواہ لایا کہ اسی نے اس کو آزاد کیا ہے تو دونوں مدعیوں کے واسطے ولا اور میراث کا حکم ہوگا بسبب عدم ترجیح المولی لیستحق الولاء اولا حتی تنفذ منہ وصایاہ ویقضی منہ دیونہ مولی آزاد کرنے والا مستحق ولا ہوتا ہے عصبات سے پہلے تو عتیق کی میراث سے مولی کی وصیتیں نافذ ہوں گی اور اس کے دیون اس سے ادا کیے جاویں گے اگرچہ عتق کتابت یا تدبیر یا استیلاد سے ہو کذا فی الطحطاوی الکفاءۃ تعتبر فی ولاء العتاقۃ فمعتق التاجر کفو لمعتق العطار دون الدباغ ہمسری زوجین ولاء عتاقت میں معتبر ہے تو آزاد غلام سوداگر کا برابر ہے عطر فروش کی آزاد لونڈی سے نہ دباغت کرنے والے کا غلام آزاد م تو اگر سوداگر کی معتقہ دباغ کے عتیق سے نکاح کرے تو اس کے مولی کو فسخ نکاح کا اختیار ہے تاوقتیکہ ولادت یا حمل نہ ہوا ہو کذا فی الطحطاوی الام اذا کانت حرۃ الاصل بمعنی عدم الرق فی اصلہا فلا ولاء علی ولدہا جب کہ عورت حرۃ اصلی ہو باین معنی کہ جس کی اصل میں لونڈی اور غلام نہ ہوا ہو تو اس کے فرزند پر ولا نہیں ہے اگرچہ اس کا باپ غلام ہو اس واسطے کہ حریت اور رقیت میں لڑکا ماں کا تابع ہوتا ہے نہ باپ کا کذا فی الطحطاوی م حر اصلی فقہاء کے نزدیک دو معنوں میں مستعمل ہے ایک یہ کہ جس کی ذات پر رق یعنی کسی کی ملک نہ جاری ہوئی ہو بلکہ وہ پیدا ہوا ہو معتقہ سے بعد گزرنے چھ مہینے کے نکاح اور علوق کے وقت سے یا اس شخص سے پیدا ہوا ہو جس کی اصل میں رقیت ہوا اور دوسرا یہ کہ جس کی اصل میں اصلا رقیت نہ ہو کذا فی الدرر والاب اذا کان کذلک فلو عربیا لا ولاء علیہ مطلقا اور باپ

جب کہ اسی طرح کا حراصل ہو تو اگر وہ عربی ہے تو اس کے ولد پر ولا نہیں مطلقاً یعنی نہ باپ کی قوم کے واسطے ولا ہے نہ ماں کی قوم کے واسطے ولو عجمیا لا ولاء علیہ لقوم الاب ویرثہ معتق الام وعصبتہ خلافاً للثانی اور اگر باپ عجمی ہے تو اس پر ولا نہیں باپ کی قوم کو اور ولد کی میراث پاوے گا ماں کا آزاد کرنے والا اور اس کا عصبہ برخلاف مذہب ابو یوسف م ابو یوسف کے نزدیک بیٹا تابع ہے باپ کا ولا میں چنانچہ شخص عربی میں تابع ہوتا ہے اس واسطے کہ نسب باپ کی طرف سے ہے اگرچہ نسب ضعیف ہو اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ولا ثابت ہوتی ہے نصرت کے سبب سے اور ولد کے واسطے نصرت نہیں عجمی باپ کی طرف سے اس واسطے کہ عرب سوا عجم میں تناصر قبائل سے نہیں ہے درر میں ہے الحاصل اگر والدین حراصلی ہوں بمعنی مذکور تو ولد پر ولا نہیں اور اگر دونوں معتق ہوں یا ان کی اصل میں معتق ہو تو ولا باپ کی قوم کے واسطے ہے اور اگر ماں معتقہ ہو اور باپ حراصلی بمعنی مذکور تو اگر باپ عربی ہو تو ولد پر قوم مادر کی ولاء نہیں اور اگر باپ غیر عربی ہو تو قوم مادر کے واسطے ولا ہے امام اور محمد کے نزدیک نہ ابو یوسف کے نزدیک کذا فی الطحطاوی۔

فصل فی ولاء الموالاۃ

یہ فصل ہے ولاء موالاۃ کے احکام میں م موالاۃ لغت میں بمعنی متابعت ہے اور شرع میں چنانچہ اسبیجابی نے کافی حاکم کی شرح میں تصریح کی ہے کہ موالاۃ یہ ہے کہ مرد مسافر دوسرے شخص سے کہے کہ میری برادری نہیں اور نہ کوئی مددگار سو مجھ کو تو اپنی طرف ملا لے اور اپنی قوم کی طرف تا کہ میں تیری جماعت میں گنا جاؤں سو تو میری مدد کیجیو اور میرے اوپر سے نوائب اور مصائب دور کیجیو اور اگر میں مر جاؤں تو تو میرے مال کا وارث ہے تو دونوں شخصوں میں عقد موالاۃ منعقد ہوگی یعنی بشرط قبول شخص ثانی مصنف نے ولاء عتاقت کو ولائے موالاۃ پر اس واسطے مقدم کیا کہ وہ قوی ہے قابل انتقال نہیں جمیع احوال میں بخلاف ولائے موالاۃ کہ وہ نقل پذیر ہے قبل ازادائے دیت اور ولائے عتاقت بالاتفاق سبب میراث ہے بخلاف ولائے موالاۃ کہ امام مالک اور شافعی کے نزدیک اس کا کچھ اعتبار نہیں والدلائل فی المطولات کذا فی الطحطاوی اسلم رجل مکلف علی ید آخر ووالاہ او والی غیرہ الشرط کونہ عجمیا لا مسلما علی ما مر ویجی علی ان یرثہ اذا مات ویعقل عنہ اذا جنی صح ہذا العقد اسلام قبول کیا ایک مرد مکلف نے دوسرے شخص کے ہاتھ پر اور اس کا تابع ہوا یا اس کے سوا اور شخص کا تابع ہوا اس شرط پر کہ متبوع اس کا وارث ہو جب کہ تابع مرے اور شخص متبوع اس کی طرف سے دیت دے جب کہ تابع سے قتل خطا صادر ہو تو یہ عقد موالاۃ صحیح ہے شارح نے کہا شرط موالاۃ کی عجمی ہونا ہے نہ مسلمان ہونا بنا بر بیان گذشتہ اور آگے پھر مذکور ہوگا م اسلام کی قید باعتبار غالب حال کے ہے شرط نہیں عاقل بالغ ہونے کی قید اس واسطے لگائی کہ عقد موالاۃ تصرف دائر ہے نفع اور ضرر میں اس واسطے کہ اس میں ایجاب میراث اور التزام دیت ہے تو مردود عقل لوز بلوغ کے صحیح نہ ہوگا مگر باذن اور عجمی کی قید اس واسطے لگائی کہ تمام عرب کا قبائل سے ہے تو عقد موالاۃ کی عرب کو کچھ حاجت نہیں کذا فی الدرر وعقلہ علیہ وارثہ لہ اور دیت اسفل کی اعلیٰ پر ہے اور میراث اسفل کی اعلیٰ کے واسطے ہے ولذا لو شرط الارث من الجانبین اور اسی طرح عقد موالاۃ صحیح ہے اگر میراث دونوں جانبوں سے مشروط ہو یعنی اگر اسفل مرے تو اعلیٰ میراث اس کی لے اور اگر اعلیٰ مرے تو اسفل اس کی میراث لے م توارث من الجانبین اسی طرح اکثر کتابوں میں بلا خلاف مذکور ہے لیکن علامہ مقدسی نے ابن ضیاء سے نقل کیا ہے کہ یہ صاحبین کا قول ہے اور امام کے نزدیک ثانی مولیٰ ہوگا اول کا اور اول کی ولا باطل ہو جائے گی اس واسطے کہ تابع متبوع نہیں ہوتا اور نہ متبوع تابع واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی ولو والی صبی عاقل باذن ابیہ او وصیہ صح لعدم المانع اور اگر عقد موالاۃ منعقد کرے صغیر عاقل اپنے باپ یا اس کے وصی کے اذن سے تو عقد صحیح ہے بسبب عدم مانع کے کما لو والی العبد باذن سیدہ آخر فانہ یصح ویکون وکیلا عن سیدہ لعقد الموالاۃ جیسے کہ اگر غلام اپنے مالک کے اذن سے دوسرے شخص سے عقد موالاۃ منعقد کرے تو صحیح ہے اور غلام وکیل ٹھہرے گا اپنے مالک کی طرف سے عقد موالاۃ کا غلام وکیل ٹھہرے گا نہ اصیل اس واسطے کہ وہ میراث اور التزام مال کا اہل نہیں ہے بلکہ اہل کی جانب سے وکیل ہے واخرہ ارثہ عن ارث ذی الرحم لضعفہ اور مولائے موالاۃ کی ارث نانہالی رشتہ دار سے موخر ہے اس کے ضعف کے سبب سے م اس واسطے کہ موالاۃ عاقدین کا عقد ہے تو ان کے غیر پر وہ لازم نہ ہوگی اور نانہالی رشتہ دار وارث شرعی ہے تو عاقدین اس کے ابطال کے مالک نہیں ولہ النقل عنہ بمحضر منہ الی غیرہ ان لم یعقل عنہ او عن ولدہ فان عقل عنہ او عن ولدہ لا ینتقل لتاکیدہ اور عاقد اسفل کو عقد موالاۃ کا نقل کرنا عاقد اعلیٰ سے اس کے سامنے اس کے غیر کی طرف جائز

ہے اگر عاقد اعلیٰ نے اس کی طرف سے یا اس کے ولد کی طرف سے دیت نہ دی ہو اور اگر دیت دی ہو اس کی طرف سے یا اس کے ولد کی طرف سے تو ولائے موالاۃ منتقل نہ ہوگی اس واسطے کہ مولیٰ نے اس کو موکد اور مضبوط کر دیا دیت کے دینے سے ولا یوالی معتق احد اللزوم ولاء العتاقۃ اور عقد موالاۃ منعقد نہ کرے غلام آزاد کسی شخص سے بسبب لازم ہونے ولائے عتاقت کے امرأۃ والت ثم ولدت مجہول النسب تبعہا المولود فیما عقدت ایک عورت نے موالاۃ منعقد کی پھر وہ ایک لڑکا جس کا باپ معلوم نہیں جنی تو وہ لڑکا اپنی ماں کا تابع ہے عقد مذکور میں وکذا لو اقرت بعقد الموالاۃ او انشأتہ والولد معہا لانہ نفع محض فی حق صغیر لم یدر لہ اب اور اسی طرح لڑکا ماں کا تابع ہوگا اگر اس کی ماں عقد موالاۃ کا اقرار کرے یا عقد منعقد کرے اور حالانکہ بیٹا اس کے ساتھ موجود ہو تو ماں کا تابع ہوگا عقد میں اس واسطے کہ وہ نفع محض ہے اس صغیر کے حق میں جس کا باپ معلوم نہیں وعقد الموالاۃ شرطہ ان یکون حرا مجہول النسب بان لا ینسب الی غیرہ اما نسبۃ غیرہ الیہ فغیر مانع عنایۃ اور عقد موالاۃ کی شرط یہ ہے کہ عاقد اسفل آزاد مجہول النسب ہو یعنی اپنے سوا اور شخص کی طرف منسوب نہ ہو اور غیر شخص کا منسوب ہونا اس کی طرف مجہولیت نسب کا مانع نہیں کذا فی العنایہ م اور دوسرا قول عالمگیری میں محیط سے یہ منقول ہے کہ مجہول النسب ہونا شرط نہیں کذا فی الطحطاوی والثانی ان لا یکون عربیا اور دوسری شرط موالاۃ کی یہ ہے کہ مولائے اسفل عربی نہ ہو والثالث ان لا یکون لہ ولاء عتاقۃ ولا موالاۃ مع احد وقد عقل عنہ اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس کے واسطے ولائے عتاقت نہ ہو اور نہ ولائے موالاۃ کسی شخص کے ساتھ اور حالانکہ وہ شخص اس کی طرف سے دیت دے چکا ہے والرابع ان لا یکون عقل عنہ بیت المال اور چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کی طرف سے بیت المال سے دیت نہ دی گئی ہو م تو اگر اس کی دیت بیت المال سے دی گئی ہو تو اس کی میراث جماعت مسلمین کے واسطے ہے شرح طحطاوی میں ہے کہ لقیط آزاد ہے اور جنایت اس کی بیت المال پر ہے اور اس کی میراث بھی بیت المال کے یعنی اہل اسلام کے واسطے ہے پھر جب وہ جوان ہو تو اس کو اختیار ہے جس سے چاہے موالاۃ کرے مگر جب کہ اس کی طرف سے دیت دی گئی ہو بیت المال سے تو اس کو کسی کے ساتھ موالاۃ کرنا درست نہیں کذا فی الطحطاوی والخامس ان یشترط العقل والارث اور پانچویں شرط یہ ہے کہ دیت اور میراث مشروط ہو واما الاسلام فلیس بشرط فتجوز موالاۃ المسلم الذمی وعکسہ والذمی الذمی وان لم یسلم الاسفل لان الموالاۃ کالوصیۃ کما بسط فی البدائع اور اسلام عقد موالاۃ میں شرط نہیں تو جائز ہے موالاۃ کرنا مسلمان کا ذمی سے اور ذمی کا مسلمان سے اور ذمی کو ذمی سے اگرچہ مولائے اسفل اسلام قبول کرے اس واسطے کہ موالاۃ وصیت کے مانند ہے چنانچہ اس کو مشرح بیان کیا ہے بدائع میں م یعنی جس طرح وصیت صحیح ہے مسلم اور ذمی سے مسلم اور ذمی کے واسطے ویسی ہی موالاۃ بھی صحیح ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ موصی لہ وصیت کا مستحق ہوتا ہے موصی کی موت کے بعد باوجود اختلاف دین کے اور موالات کا موالی وارث نہیں ہوتا اختلاف دین کے ساتھ کذا فی الحلبی وفی الوہبانیۃ ؎ معتق عبد عن ابیہ ولاؤہ لہ والابوہ بالمشیئۃ یوجر ہ اھ وہبانیہ میں ہے اور غلام آزاد کرنے والے کو اپنے باپ کی طرف سے میراث غلام آزاد کرنے والے کے واسطے ہے اور اس کا باپ مشیت ربانی ماجور ہے یعنی اعتق عبدہ عن ابیہ المیت فالولاء لہ والاجر للاب ان شاء اللہ تعالیٰ من غیر ان ینقص من اجر الابن یعنی ایک شخص نے اپنا غلام آزاد کیا اپنے میت باپ کی طرف سے تو میراث غلام کے آزاد کرنے والے کے واسطے اور ثواب باپ کے واسطے ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے بلا نقصان ثواب فرزند م ایسا کوئی نہ سمجھے کہ اعتاق کا ثواب کچھ باپ کو ملے گا اور کچھ فرزند کو بلکہ دونوں کو پورا ثواب اعتاق کا حاصل ہوگا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم شارح وہبانیہ علامہ عبد البر نے کہا مشیت الٰہی کی قید ناظم نے اس واسطے لگائی کہ یہ مسئلہ ثابت ہے خبر احاد سے اور اس سے یقین حاصل نہیں ہوتا وکذا الصدقات والدعوات لابویہ ولکل مومن یکون الاجر لہم من غیر ان ینقص من اجر الابن، مضمرات اور اسی طرح صدقات اور دعوات والدین کے واسطے اور ایماندار کے واسطے کرنے سے والدین اور مومنین کو ثواب ہوتا ہے بدون اس بات کے کہ فرزند اور فاعل کا کچھ ثواب کم ہو جائے کذا فی المضمرات م علامہ عبد البر نے کہا کہ بنائے مسئلہ اس پر ہے کہ زندوں کے اعمال کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے اور اس میں قاضی القضاۃ سروجی وغیرہ نے رسائل تصنیف کیے ہیں از انجملہ تصنیف ہماری استاد قاضی القضاۃ سعد الدین دیری کی ہے جس کا نام کواکب نیرات ہے خلاصہ تالیفات مذکورہ یہ ہے کہ جمہور علماء کا مذہب صحیح ہے کہ اموات کو ثواب پہنچتا ہے یعنی صدقات اور دعوات کا کذا فی الطحطاوی واللہ اعلم واستغفر اللہ العظیم الکریم۔

کتاب الاکراہ

یہ کتاب ہے اکراہ یعنی جبر اور زبردستی کے احکام میں ہو لغۃً حمل الانسان علی شئی یکرھہ اکراہ لغت عرب میں عبارت ہے انسان کو برانگیختہ کرنے سے اس چیز پر جس کو وہ ناپسند رکھتا ہو یعنی آدمی سے وہ کام کرانا جو اس کو برا لگتا ہے خواہ کراہت طبعی ہو یا شرعی وشرعا فعل یوجد من المکرہ فیحدث فی المحل معنی یصیر بہ مدفوعا الی الفعل الذی طلب منہ اور شرع میں اکراہ زبردستی کرنے والے کے ایسے فعل خواہ دھمکانے کو کہتے ہیں جو طرف ثانی کے دل میں وہ اثر پیدا کرد کہ جس فعل کو اول شخص اس سے چاہے اس کو بناچاری کرنا پڑے م فعل اول شامل ہے فعل حقیقی اور حکمی کو اور عام ہے قول کو بھی چنانچہ زبانی دھمکی فعل حکمی کی یہ صورت مذکور ہے قہستانی میں کہ ایک شخص کو دوسرے شخص کے قتل کا امر کیا اور اس کو کسی چیز سے تہدید نہ کی اگر مامور جانتا ہے دلالت حال سے کہ اگر اس کو قتل نہ کرے گا تو آمر اس کو مار ڈالے گا یا اس کا کوئی عضو کاٹے گا تو یہ بھی اکراہ ہے اور محل سے مراد مکرہ بالفتح ہے یعنی جس پر اکراہ واقع ہوا اور معنی سے مراد خو ہے۔ کذا فی الطحطاوی و درر غرر میں ہے کہ اکراہ شرعی غیر سے فعل کروانا بواسطہ اس تہدید کے جو رضائے غیر کو نیست و نابود کردے نہ اس کے اختیار کو لیکن تہدید گاہے اختیار کو فاسد کردیتی ہے اور گاہے نہیں الحاصل عدم رضا معتبر ہے اکراہ کی سب صورتوں میں اور اصل اختیار ثابت ہے سب صورتوں میں لیکن بعضی صورت میں اختیار فاسد ہو جاتا ہے اور بعضی صورت میں فاسد نہیں ہوتا انتہی اور تحقیق اس کی شرح وقایہ میں یوں مذکور ہے کہ رضا کے مقابلہ میں کراہت ہے اور اختیار کے مقابلہ میں جبر ہے حبس اور ضرب کے اکراہ میں بلاشک کراہت موجود ہے تو رضا معدوم ہے لیکن اختیار ثابت ہے مع وصف السلامۃ اس واسطے کہ اختیار فاسد ہو جاتا ہے بمقابلہ تلف نفس یا تلف عضو کے تو جس امر میں جان یا عضو کی ہلاکی ہے تو امتناع اس سے جمیع حیوانات کی پیدائشی ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ قوت ماسکہ انسان بلکہ جمیع حیوانات کو کس طرح روک رکھتی ہے اونچے مکان کے گرنے اور آگ میں گھسنے سے درصورت گمان تلف تو اس سے باز رہنا اگرچہ اختیاری ہے لیکن ظاہر کا اختیار ہے جو جبر سے قریب ہے اسی طرح تلف جان یا عضو کے وقت اختیار امتناع ہے لیکن اختیار فاسد ہے اس وا کہ انسان اس پر مخلوق ہے اس راہ سے کہ طبیعت اس پر مجبول ہے باوجود اس کے اہلیت خطاب شرع باقی ہے اکراہ ملجی اور غیر ملجی میں بواسطہ تحقق عقل اور بلوغ کے وہو نوعان تام وہو الملجی بتلف النفس او عضو او ضرب مبرح والا فناقص وہو غیر الملجی اور اکراہ دو قسم ہے کامل اور ناقص اکراہ کامل اور وہ اکراہ ملجی ہے یعنی جو مامور کو مضطر کردے جان یا عضو کے تلف ہو جانے سے یا نہایت سخت مار سے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ ناقص ہے اور وہی اکراہ غیر ملجی ہے م ضرب شد سے مراد وہ ضرب ہے جو موجب ہو تلف نفس یا عضو کی چنانچہ بدائع میں ہے ولہذا اتقانی نے کہا کہ اکراہ ملجی چنانچہ ڈرانا قتل نفس اور قطع عضو اور ضرب شدید متوالی ہے جس سے تلف ہونے کا خوف ہو اور غیر ملجی چنانچہ ڈرانا محبوس کرنے اور بیڑیاں پاؤں میں ڈالنے اور ضرب یسیر سے کذا فی الطحطاوی **وشرطہ اربعۃ قدرۃ المکرہ علی ایقاع** ما ہدد بہ سلطانا او لصا او نحوہ اور اکراہ کی شرطیں چار چیزیں ہیں ایک شرط قادر ہونا اکراہ کرنے والے کا اس چیز کے واقع کرنے پر جس سے اس نے تہدید اور تخویف کی ہے خواہ مکرہ بادشاہ ہو یا چور ڈاکو یا مانند اس کے اور شخص جابر م مانند اس کے زوج ہے اپنی زوجہ کے حق میں او

صغیر غیر محتلم مسلط سے اور مجنون مسلط سے اکراہ ممکن ہے تو اگر مجنون مذکور ایک شخص سے دوسرے کو قتل کروائے تلف نفس کی تخویف سے تو قاتل پر قصاص نہیں
اور نہ دیت تو قاتل مقتول کی میراث سے محروم نہ ہوگا اگر اس کا وارث ہو اور دیت مجنون کی قوم پر ہوگی کذا فی الطحطاوی والثانی خوف المکرہ بالفتح ایقاعه ای
ایقاع ما ھدد به فی الحال بغلبة ظنه لیصیر ملجأ اور دوسری شرط خوف ہے کرہ بالفتح کا یعنی جس پر اکراہ اور زبردستی ہوئی وہ اپنے ظن غالب سے ڈرتا ہو تہدید والی
چیز واقع کر دینے سے فی الحال تاکہ اس گمان سے وہ مضطرب اور مضطر ٹھہر جاوے م اور اگر ظن غالب ہو اس کے نہ واقع کرنے کا یا اکراہ کرنے والا وہاں
سے ٹل گیا تو اکراہ ثابت نہ ہوگا والثالث کون الشیء المکرہ به متلفا نفسا او عضوا او موجبا غما یعدم الرضی اور تیسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کے سبب سے
اکراہ ہو وہ چیز جان یا عضو کی تلف کرنے والی ہو یا موجب ہو ایسے غم اور اندوہ کی جو رضامندی کو نیست و نابود کر دے م شرح وقایہ میں ہے کہ اکراہ دو
قسم ہے ایک یہ کہ رضامندی کو تلف کر دے اور یہ اکراہ حبس یا ضرب سے ہوتا ہے اور اکراہ ثانی مفسد اختیار ہے وہ قتل اور قطع عضو کے خوف سے
ہوتا ہے تو فوت رضامندی فساد اختیار سے عام ہے تو حبس یا ضرب میں رضا فوت ہے لیکن اختیار صحیح باقی ہے اور قتل میں رضامندی نہیں لیکن اس کو
اختیار غیر صحیح ہے بلکہ اختیار فاسد ہے انتہی اور موجب غم کا ہے حبس ہوتا ہے اور کا ہے ضرب اور اکراہ میں مقدار حبس یہ ہے کہ جس سے غم بے طرح حاصل
ہو اور ضرب کی مقدار یہ ہے جس سے درد شدید پیدا ہو اور اس میں ایسی کوئی حد نہیں جس سے کمی اور زیادتی نہ ہو سکے اس واسطے کہ نصب مقادیر رائے سے
ممتنع ہے بلکہ یہ حاکم کی تجویز پر مفوض ہے کیونکہ مختلف باختلاف اشخاص ہے کذا فی الطحطاوی عن الزیلعی وھذا ادنی مراتبه وھو یختلف باختلاف الاشخاص
فان الاشراف یغمون بکلام خشن والارذال ربما لا یغمون الا بالضرب المبرح ابن کمال اور یہ یعنی موجب غم کم تر مرتبہ ہے اکراہ کا اور وہ مختلف باختلاف اشخاص
ہے اس واسطے کہ اشراف تو غمگین ہو جاتے ہیں سخت بات سے اور کمینے اکثر آزردہ نہیں ہوتے مگر ضرب شدید سے کذا ذکرہ ابن کمال والرابع کون
المکرہ ممتنعا عما اکرہ علیه قبله اما لحقه کبیع ماله او لحق شخص آخر کاتلاف مال الغیر او لحق الشرع کشرب الخمر والزنا اور اکراہ کی چوتھی شرط ممتنع ہونا مکرہ بالفتح کا قبل
از اکراہ اس فعل سے جس کے واسطے اس پر زبردستی ہوئی یعنی اگر اس پر اکراہ نہ ہوتا تو وہ فعل ہرگز نہ کرتا یا تو اپنے حق کے سبب سے نہ کرتا چنانچہ اپنا مال بیچنا یا
دوسرے شخص کے حق کے سبب سے چنانچہ غیر کا مال تلف کرنا یا حق شرع کی جہت سے نہ کرتا ہو چنانچہ شراب خوری اور زنا کاری م اپنے مال کے بیع میں اکراہ
غیر ملجی ہے اور اتلاف مال غیر اور شراب خوری میں اکراہ ملجی ہے فلو اکرہ بقتل او ضرب شدید متلف لا بسوط او سوطین الا علی المذاکیر والعین بزازیة تو اگر ایک شخص پر اکراہ
ہوا بسبب قتل اور ضرب شدید متلف کے نہ ایک دو کوڑے کی ضرب کہ وہ تلف کرنے والی نہیں مگر آلات تناسل اور آنکھ پر البتہ متلف ہے کذا فی البزازیہ
م زیلعی سے مذکور ہو چکا کہ ضرب شدید حاکم کی رائے پر مفوض ہے اس کی کچھ حد معین نہیں اور تصرفات مذکورہ متن کی اکراہ غیر ملجی سے ہوتی ہیں اور ضرب متلف تو
اکراہ ملجی میں داخل ہے کذا فی الطحطاوی یعنی شارح کو ضرب شدید میں متلف کی قید لگانے کی کچھ حاجت نہ تھی او حبس او قید مدیدین بخلاف حبس یوم او قید،
او ضرب غیر شدید الا لذی جاہ درر یا اکراہ ہو حبس دراز یا قید طویل سے برخلاف حبس یک روزہ یا قید یک روزہ یا ضرب خفیف کے کہ وہ اکراہ نہیں ہے مگر عزت دار
کے حق میں البتہ اکراہ ہے کذا فی الدرر م قید سے مراد بیڑیاں پاؤں میں ڈالنا ہے نہ حبس چنانچہ مشہور ہے عوام میں حتی باع او اشتری او اقر او آجر فسخ ما عقد
یعنی اگر ایک شخص پر تہدید قتل یا ضرب شدید یا حبس مدید یا قید طویل سے اکراہ ہوا یہاں تک کہ اس نے اپنا مال بیچا یا خرید کیا یا کسی کے حق کا اقرار کیا یا اجارہ کیا تو وہ شخص
عقود مذکورہ کو فسخ کر ڈالے بعد زوال اکراہ م عقود مذکورہ سے مراد وہ عقود ہیں جو قابل فسخ ہیں چنانچہ بیع اور شرا اور اجارہ اور صلح اور ابراء مدیون اور کفیل اور
ہبہ کذا فی الدرر ولا یبطل حق الفسخ بموت احدھما اور حق فسخ کا باطل نہیں ہوتا جابر یا مجبور کی موت سے م یعنی مکرہ بالفتح کا وارث اپنے مورث کا قائم مقام ہوگا فسخ
میں اور مکرہ بالکسر کا وارث اپنے مورث کے قائم مقام ہوگا یعنی اس کے ترکہ سے رجوع ہوگا ولا بموت المشتری ولا بالزیادة المنفصلة اور نہ حق فسخ باطل ہوگا مشتری
کی موت سے اور نہ زیادت منفصلہ سے م زیادت منفصلہ چنانچہ بچہ اور پھل تو زیادت متصلہ سے بطریق اولی فسخ باطل نہ ہوگا وتضمن بالتعدی اور زیادت منفصلہ کا

تاوان لازم ہوگا مشتری پر اس کی تعدی کرنے سے وتجئی انہ لیسترد وان تداولتہ الایدی اور آگے آوے گا کہ مبیع پھیر لیا جاوے گا اگرچہ دست بدست چند بار اس کی بیع ہوگئی ہو وامضی لان الاکراہ الملجی وغیر الملجی یعدمان الرضی والرضی شرط لصحۃ ہذہ العقود وکذا لصحۃ الاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ والامضاء یا مکرہ بالفتح چاہے تو عقود مذکورہ جاری اور ثابت رکھے اس واسطے کہ اکراہ ملجی رضامندی کو نیست و نابود کر دیتے ہیں اور حالانکہ رضامندی ان عقود کی صحت کی شرط ہے اور اسی طرح اقرار صحیح ہونے کے واسطے رضامندی شرط ہے تو اسی واسطے اس کا حق ہوگیا فسخ کر ڈالنے اور جاری رکھنے میں ثم ان تلک العقود نافذۃ عندنا پھر دریافت کرنا چاہیے کہ یہ عقود مذکورہ نافذ ہیں ہم حنفیوں کے نزدیک ہم مراد یہ ہے کہ مکرہ بالفتح کی عقود تحتمل الفسخ اگرچہ فاسد ہیں مگر قابل نفاذ مفید ملک ہیں مالک کے ثابت رکھنے سے نافذ سے لازم مراد نہیں کیونکہ مکرہ فسخ اور امضا میں مختار ہے اور قہستانی کا یہ قول کہ عقود مکرہ باطل نہیں منافی فساد عقود نہیں اور صاحب الیضاح کے اس قول کا کہ عقود مذکورہ نافذ ہیں مطلب یہ ہے کہ مفید ملک ہیں امضائے مالک سے اور اگر یوں تاویل نہ کیجیے تو یہ کیونکر ہو کہ باوجود انعدام شرط صحت کے عقود مذکورہ صحیح ہو جاویں درر میں مذکور ہے کہ تصرفات تولیہ مکرہ کے منعقد ہو جاتے ہیں بیع فاسد کے مانند اور فتاوی عالمگیری کی بھی عبارت فساد عقود مذکورہ کے مفید ہے ہاں یہ البتہ ہے کہ اور عقود فاسدہ سے یہ عقود مخالف ہیں چند احکام میں کذا فی الطحطاوی مختصرا بتصرف وحینئذ یملکہ المشتری ان قبض فیصح اعتاقہ اور اس وقت میں یعنی جب کہ ہم نے عقود مذکورہ پر نفاذ کا حکم کیا تو مشتری مالک ہوگا اگر اس پر قبضہ کرے تو مشتری کو غلام مبیع کا آزاد کرنا صحیح ہے وکذا کل تصرف لایمکن نقضہ اور اعتاق کے مانند ہر ایک وہ تصرف ہے جس کا نقض ممکن نہیں ہے چنانچہ تدبیر اور استیلاد اور طلاق کذا فی القہستانی ولزمہ قیمتہ وقت الاعتاق ولو معسرا زاہدی لاتلافہ بعقد فاسد اور مشتری کو قیمت اس کی جو اعتاق کے وقت ہوگی لازم ہوگی اگرچہ مشتری مفلس ہو کذا فی الزاہدی بسبب تلف کرنے مشتری کے عقد فاسد سے فان قبض ثمنہ او سلم المبیع طوعا قید للمذکورین نفذ یعنی لزم لما مر ان عقود المکرہ نافذۃ عندنا والمعلق علی الرضی والاجازۃ لزومہ لانفاذہ اذ اللزوم امر وراء النفاذ کما حققہ ابن کمال پھر جس پر اکراہ ہوا اگر ثمن اس کا خوشی سے لے یا مبیع کو رضامندی سے مشتری کو تسلیم کرے تو بیع نافذ ہوگی یعنی لازم اس واسطے کہ گذر گیا کہ مکرہ بالفتح کی عقود ہمارے نزدیک نافذ ہیں اور اس کی رضامندی اور اجازت پر لزوم عقد معلق ہے نہ اس کا نافذ ہونا اس واسطے کہ لزوم نفاذ کے سوا امر ہے چنانچہ ابن کمال نے ایضاح میں اس کو تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے ہم بعد قبض اور تسلیم بیع لازم ہوگی یعنی فاسد منقلب بہ صحیح ہوکر لازم ہو جاوے گی اس طرح کہ اب اس کو فسخ کا اختیار باقی نہ رہے گا اور شارح نے جو نفاذ عقود کا آگے مذکور کیا اس کی تاویل بھی مذکور ہو چکی اور ابن کمال نے شرح طحطاوی سے نقل کیا ہے کہ عقود مذکورہ نافذ ہیں مگر اس کو اختیار ہے فسخ کر ڈالنے کا نارضامندی کے سبب سے انتہی ظاہر النفاذ سے مراد افادہ ملک ہے نہ یہ کہ عقود صحیح ہیں اس واسطے کہ خود ابن کمال نے تصریح کی ہے کہ تمامی بیع کی اس کے منقلب ہو جانے سے صحیح ہوکر بائع کی رضا اور اجازت پر موقوف ہے تو اس کا ثمن قبض کرنا اور مبیع تسلیم کر دینا پلٹ کر بیع کو صحیح کر دیتا ہے اس واسطے کہ قبض اور تسلیم رضا اور اجازت پر دلالت کرتا ہے در بحر الرائق میں کتاب البیوع کے اندر شروط صحت بیع کے نزدیک مصرح ہے کہ من جملہ شروط صحت۔ رضامندی ہے تو مکرہ بالفتح کی بیع اور شرا فاسد ہے اور منار اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ مکرہ کی بیع فاسد ہے یعنی فاسد منعقد ہوتی ہے عدم رضا کے سبب سے جو نفاذ کی شرط ہے کذا فی الطحطاوی ملخصا قلت والضابط ان مالا یصح مع الہزل ینعقد فاسدا فلہ ابطالہ میں کہتا ہوں اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو عقد کہ صحیح نہیں ہزل اور بیہودگی سے چنانچہ بیع اور شرا اور اجارہ تو وہ اکراہ سے فاسد منعقد ہوتی ہے تو مالک کو اس کا باطل کر دینا جائز ہے وما یصح یصح فیضمن الحامل کما سیجئ اور جو عقد کہ ہزل اور بیہودگی سے صحیح ہے چنانچہ عتق اور تدبیر اور طلاق وہ اکراہ سے بھی صحیح ہے تو تاوان لے مالک حامل یعنی اکراہ کرنے والے سے چنانچہ اس کا ذکر عنقریب آوے گا وان قبض الثمن مکرہا لا یلزم اور اگر مالک نے ثمن اکراہ سے قبض کیا تو بیع لازم نہ ہوگی وردہ ولم یضمن ان ہلک الثمن لانہ امانۃ درر ان بقی فی یدہ لفسادہ اور ثمن کو پھیر دے اگر اس کے پاس باقی ہو کیونکہ عقد فاسد ہوگیا اور تاوان نہ دے گا اگر ثمن تلف ہوگیا ہو اس واسطے کہ وہ امانت ہے کذا فی الدرر ہم امانت اس واسطے تھا کہ اس نے مشتری کی اجازت سے لیا تھا لا علی سبیل التملک تو تاوان اس پر لازم نہ ہوگا لکنہ یخالف البیع الفاسد فی اربع صور لیکن بیع مکرہ مخالف ہے بیع فاسد کے چار صورتوں میں یجوز بالاجازۃ

والفعلیۃ پہلی صورت یہ ہے کہ بیع مکرہ جائز ہو جاتی ہے اجازت قولی اور فعلی سے برخلاف اور بیع فاسد کے کہ وہ اجازت سے منقلب بصحیح نہیں ہوتی والثانی انہ ینقض تصرف المشتری منہ وان تداولتہ الایدی اور دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری کا تصرف اس سے توڑا جاتا ہے اگرچہ دست بدست چند بار اس کی بیع ہو گئی ہو برخلاف اور بیوع فاسدہ کے اس واسطے کہ اور بیوع فاسدہ میں حق شرع کی جہت سے فساد ہے اور بیع مکرہ میں حق العبد کی جہت سے فساد ہے اور حق العبد حق الدین پر مقدم ہے کیونکہ عبد حاجت مند ہے اور حق تعالیٰ غنی کذا فی الطحطاوی والثالث تعتبر القیمۃ وقت الاعتاق دون وقت القبض اور تیسری صورت یہ ہے کہ بیع مکرہ میں وقت اعتاق کی قیمت معتبر ہے نہ قبض کے وقت بخلاف اور بیوع فاسدہ کے کہ ان میں وقت قبض کے قیمت معتبر ہے نہ وقت اعتاق کے والرابع الثمن والمثمن امانۃ فی ید المکرہ لاخذہ باذن المشتری فلا ضمان بلا تعد بخلافہما فی الفاسد بزازیۃ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ ثمن اور مثمن یعنی مبیع امانت ہے مکرہ بالفتح کے ہاتھ میں بسبب لینے ثمن کے مشتری کے اذن سے یا بسبب لینے مبیع کے بائع کے اذن سے تو بدون تعدی کے تاوان نہیں برخلاف ان دونوں ثمن اور مثمن کے بیع فاسد میں کہ امانت نہیں ہوتے کذا فی البزازیۃ م ثمن اور مبیع اس وقت امانت ہے جب کہ بائع پر ثمن لینے کا اکراہ ہوا اور مشتری پر مبیع لینے کا امر السلطان اکراہ وان لم یتوعدہ بادشاہ کا امر اکراہ ہے اگرچہ اس نے قتل یا حبس کی وعید اور تہدید نہ کی ہو م فتاوی عالمگیری میں ہے کہ بادشاہ نے ایک مرد سے کہا کہ یہ شراب پی یا یہ مردار کھا یا اس سور کا گوشت کھا اور نہیں تو میں تجھ کو قتل کروں گا تو اس کو کھانا جائز ہے بلکہ فرض ہے جب کہ اس کو گمان غالب ہو کہ اگر نہ کھاؤں تو مقتول ہوں گا پھر اگر اس نے نہ کھایا اور قتل ہوا تو گنہ گار ہو گا ظاہر الروایۃ میں اور شیخ الاسلام نے ذکر کیا کہ وہ گنہ گار ہو گا اور اپنے خون میں ماخوذ ہو گا لیکن اگر حالت ضرورت کی اباحت سے جاہل ہو گا اور نہ کھانے سے مقتول ہو گا تو امید ہے کہ ماخوذ نہ ہو گا اور اگر مباح ہونے کا عالم ہو گا تو ماخوذ ہو گا اور اگر اس کو یہ ظن غالب ہو کہ بادشاہ اس کو نہ کھانے سے قتل نہ کرے گا خوش طبعی سے تہدید قتل کی کرتا ہے تو اس کو کھانا درست نہیں اور اگر بادشاہ ایک مرد پر اکراہ کرے کہ وہ اپنا ہاتھ کاٹ ڈالے تو اس کو ہاتھ کاٹنا جائز ہے اگر وہ چاہے اور اگر بادشاہ نے کہا کہ تو اپنی ذات کو قتل کر نہیں تو تجھ کو قتل کروں گا تو اس کو اپنا قتل کرنا جائز نہیں انتہی مختصرا اور ملتقی اور اس کی شرح میں ہے اور اکراہ تہدید قتل ہوا اس پر کہ پہاڑ پر سے گر پڑے یا آگ میں گھس جائے یا اور مہلک چیز پر تو اس کو اختیار ہے امام کے نزدیک چاہے اقدام کرے چاہے صبر کرے اور صاحبین نے کہا کہ اس پر صبر لازم ہے کذا فی الطحطاوی ملخصا وامر غیرہ لا الا ان لم یعلم المامور بدلالۃ الحال انہ لو لم یمتثل امرہ یقتلہ او یقطع یدہ او یضربہ ضربا یخاف علی نفسہ او تلف عضوہ منیۃ المفتی وبہ یفتی اور بادشاہ کے سوا اور کسی کا امر اکراہ نہیں بشرطیکہ مامور دلالت حال سے نہ جانتا ہو کہ اگر اس کا کہنا نہ کرے گا تو وہ اس کو قتل کرے گا یا اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے گا یا اس کو اس طرح مارے گا جس سے اس کی جان یا عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو گا کذا فی منیۃ المفتی اور اسی قول کا فتوی ہے وفی البزازیۃ الزوج سلطان زوجتہ فیتحقق منہ الاکراہ اور بزازیہ میں ہے کہ شوہر بادشاہ ہے اپنی زوجہ کا تو اس سے اکراہ ثابت ہے م تہدید زوج اس صورت میں اکراہ ہے جب کہ وہ قادر ہو اس کے کرنے پر اور یہ دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے امام سے کذا فی الطحطاوی اکرہ المحرم علی قتل صید فابی حتی قتل کان ماجورا عند اللہ تعالیٰ اشباہ احرام باندھنے والے پر اکراہ ہوا شکار کے مارنے کا سو اس نے انکار کیا یہاں تک کہ وہ مارا گیا تو وہ ثواب پاوے گا حق تعالیٰ کے نزدیک کذا فی الاشباہ م پھر اگر محرم شکار مارے گا تو قیاس میں اس پر کچھ نہیں اور استحسان میں قاتل پر کفارہ ہے نہ اس کے آمر پر اور اگر آمر اور مامور دونوں محرم ہوں، تو دونوں پر کفارہ ہے کذا فی الطحطاوی ولو اکرہ البائع علی البیع لا المشتری وہلک المبیع فی یدہ ضمن قیمتہ للبائع بقبضہ بعقد فاسد اور اگر بائع کے بیچنے پر اکراہ ہوا نہ مشتری پر اور مبیع تلف ہو گئی مشتری کے ہاتھ میں تو مشتری اس کی قیمت کا بائع کو تاوان دے بسبب قبض کرنے مشتری کے مبیع کو عقد فاسد سے م تاوان قیمت کا مشتری پر لازم ہے اگرچہ بائع ثمن اس کا لے چکا ہو اور فائدہ لزوم تاوان کا یہ ہے کہ اگر قیمت زیادہ ہو ثمن سے تو زائد کو بائع مشتری سے بھرے اور اگر مشتری پر بھی اکراہ ہوا ہو اور مبیع اس کے پاس تلف ہو جائے بدون تعدی کے تو تاوان اس پر نہیں کیونکہ وہ اس صورت میں اس کے پاس امانت ہے کذا فی الطحطاوی عن الحموی عن الصغری والبائع المکرہ لہ ان یضمن ایا شاء من المکرہ بالکسر والمشتری او مکرہ بالفتح

یعنی بائع کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے تاوان لے مکرہ بالکسر یعنی اکراہ کرنے والے سے اور مشتری سے فان ضمن المکرہ رجع علی المشتری بقیمتہ پھر اگر مالک تاوان اکراہ کرنے سے تو وہ مشتری سے قیمت اس کی پھیرے یعنی اس واسطے کہ وہ ادائے ضمان سے اس کا مالک ہو گیا وان ضمن المشتری نفذ ای جاز لما مر کل شراء بعدہ ولا ینفذ ما قبلہ لو ضمن المشتری الثانی مثلا لصیرورۃ ملکہ فیجوز ما بعدہ لا ما قبلہ اور اگر مالک مکرہ نے مشتری سے مبیع کا تاوان لیا تو نافذ یعنی بدلیل گذشتہ جائز ہو جائے گی ہر خرید کہ بعد تاوان کے واقع ہوئی اور نافذ نہ ہوگی وہ خرید کہ تاوان سے پہلے واقع ہوئی اگر مثلاً مشتری ثانی تاوان دے کیونکہ مبیع قیمت کے تاوان دینے سے مشتری ثانی کی ملک ہو گئی تو اس کے بعد کی خریداری جائز ہوگی نہ قبل کی م مصنف نے ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ کے ضمن میں بیان کر دیا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع پر اکراہ ہو نہ مشتری پر اور مبیع تلف ہو جائے تو مالک چاہے اکراہ کرنے والے سے تاوان قیمت کا لے چاہے مشتری سے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مبیع مذکور کو مشتری اول مشتری ثانی کے ہاتھ بیع کرے اور ثانی ثالث کے ہاتھ اور ثالث رابع کے ہاتھ مثلاً اور مالک مشتری ثانی یا ثالث سے تاوان قیمت کا لے تو تاوان کے بعد کی خریداری جائز ہوگی نہ پہلے کی اور اگر مشتری اول سے تاوان لے گا تو تمام خریداریاں جائز ہو جاویں گی طحطاوی نے کہا کہ بہتر یہ تھا کہ مصنف اس مسئلہ کو علیحدہ ذکر کرتا اس واسطے کہ یہ مسئلہ تداول ایدی میں مفروض ہے اور پہلا مشتری واحد میں مفروض ہے فیرجع المشتری الضامن بالثمن علی بائعہ تو تاوان دینے والا مشتری ثمن مبیع کا اپنے بائع سے پھیر لے بخلاف ما اذا اجاز المالک احد البیاعات حیث تجوز الجمیع ویاخذ الثمن من المشتری الاول لزوال المانع بالاجازۃ برخلاف سابق یہ صورت ہے جب کہ مالک کسی بیع کو بیوع مذکورہ میں سے جائز رکھے اگرچہ عقد اخیر میں اجازت واقع ہو کذا فی الطحطاوی تو سب اگلی اور پچھلی بیوع جائز ہو جاویں گی اور مالک مشتری اول سے ثمن لے گا وجہ جواز کل بیوع زوال مانع ہے یعنی مانع صحت بیع نارضامندی تھی مالک کی سو اس کی اجازت سے مانع دفع ہو گیا فان اکرہ علی اکل میتۃ او دم او لحم خنزیر او شرب خمر باکراہ غیر ملجیٔ بحبس او ضرب او قید لم یحل اذ لا ضرورۃ فی اکراہ غیر ملجیٔ پھر اگر ایک شخص پر اکراہ واقع ہو امر دار یا خون یا سور کے گوشت کھانے یا شراب کے پینے پر بواسطہ اکراہ ملجی کے چنانچہ حبس یا ضرب یا قید کی تہدید سے تو کھانا حلال نہیں اس واسطے کہ کوئی ضرورت نہیں اکراہ غیر ملجی میں یعنی محرمات مذکورہ تو بضرورت مباح ہو جاتے ہیں چنانچہ مخمصہ میں اور جب جان یا عضو کے تلف ہونے کا خوف نہ ہوا تو ضرورت ثابت نہ ہوئی کذا فی المنح نعم لا یحد للشرب للشبہۃ ہاں یہ البتہ ہے کہ اکراہ مذکور سے اگر شراب کوئی پیے تو اس پر حد ماری جائے گی شبہ اباحت کے سبب سے وان اکرہ بملجیٔ بقتل او قطع عضو او ضرب مبرح ابن کمال حل الفعل بل فرض اور اکراہ ملجی واقع ہوا بسبب تہدید قتل یا قطع عضو یا ضرب شدید متلف کے کذا صرح ابن کمال تو فعل مذکور حلال ہے بلکہ فرض ہے یعنی اس واسطے کہ محرمات مذکورہ عند الضرورۃ مباح ہیں اور جان بچانے سے زیادہ کون ضرورت ہے م مسائل اکراہ تین قسم ہیں ایک قسم یہ ہے جس میں اقدام عزیمت ہے یعنی جس کے کرنے پر اکراہ واقع ہو اس کا کرنا افضل ہے اور اگر نہ کرے گا یہاں تک کہ قتل ہو گا تو گنہگار ہوگا اور وہ شرب خمر اور تناول مردار اور مانند اس کے ہے دوسری قسم میں عزیمت امتناع ہے اور اقدام رخصت ہے اور وہ معاذ اللہ اجراء کلمہ کفر اور دشنام نبی علیہ الصلوۃ والسلام ہے اور جو کہ کفر ہے اور استحقاق دین کا سبب ہے تیسری قسم میں امتناع عزیمت ہے اور اقدام میں رخصت نہیں کسی حال میں اور وہ قتل نفس معصوم محترم ہے یا اس کا قطع عضو کذا فی الاتقانی فان صبر فقتل اثم الا اذا اراد بہ مغایظۃ الکفار فلا باس بہ پھر اگر محرمات مذکورہ کے کھانے میں صبر کیا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا تو گنہگار ہوگا مگر جب کہ اس امتناع سے کفار کی غضبناکی اور کھلانے کا ارادہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں م وجہ عصیان یہ ہے کہ تناول محرمات اس حالت میں مباح ہے اور جان یا عضو نہ کھانے سے تلف کروانا حرام ہے کذا فی الزیلعی وکذا لو لم یعلم الاباحۃ بالاکراہ لا یاثم لخفائہ فیعذر بالجہل کالجہل بالخطاب فی اول الاسلام او فی دار الحرب اور اسی طرح اگر صابر مقتول اباحت محرمات مذکورہ کے اکراہ سے نہ جانتا ہو تو گنہگار نہ ہوگا بسبب مخفی ہونے اباحت کے تو معذور ہوگا نادانستگی سے جیسے احکام شرعیہ کی نادانستگی ابتدائے اسلام میں یا دار الحرب میں عذر ہے م اباحت محرمات عند الضرورۃ محل خفا ہے اور اس میں اختلاف بھی علماء اور صحابہ کے گمان امتناع معصیت سے احتراز ہے تو معذور ٹھہرا کذا فی الزیلعی ابتدائے اسلام میں مراد یہ ہے کہ کافر مسلمان ہو اور ہنوز احکام شرعی کے سیکھنے کی فرصت نہیں پائی یا دار الحرب میں مسلمان ہوا تو جہل سے معذور ہے کما فی المخمصۃ کما قدمنا فی الحج

جیسے شدت گرسنگی میں محرمات مذکورہ کے نہ کھانے اور مرجانے سے گنہ گار ہوگا چنانچہ ہم نے اس کو کتاب الحج میں بیان کیا ہے وان اکرہ علی الکفر باللہ او سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجمع وقدوری بقطع او قتل رخص لہ ان یظہر ما امر بہ علی لسانہ ویوری وقلبہ مطمئن بالایمان اور اگر اکراہ ہوا خدا کے انکار کا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشنام کا کذا فی المجمع والقدوری خواہ قطع عضو سے اکراہ ہو یا قتل سے تو اس کو جائز ہے کہ زبان سے ظاہر کرے جس کا اس کو امر ہوا اور دل سے توریہ کرے درآں حالیکہ اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ یعنی ثابت ہے بلا تغیر عقیدہ م توریہ عبارت ہے اظہار غیر مراد اور خلاف مقصود سے ثم ان وری لا یکفر وبانت امرأتہ قضاء لا دیانۃ بحر مکرہ بالفتح نے توریہ کیا اظہار کفر میں تو کافر نہ ہوگا اور اس کی عورت کا نکاح ٹوٹ جائے گا ظاہر حکم میں نہ عند اللہ م توریہ کی صورت یہ کہ کفر باللہ میں خبر کاذب کا قصد کرے اور انشاء کفر کا قصد نہ کرے کذا فی الحموی اور چنانچہ اس کو کسی نبی کے دشنام کا امر ہوا اور اس نے کہا کہ دشنام کے وقت میں نے مرد نصرانی کا ارادہ کیا تھا تو وہ قضاءً کافر ہوگا نہ دیانۃ کذا فی القہستانی قضاءً اس واسطے کافر ٹھہرا کہ کلمہ کفر اس کی زبان پہ گزرا اور دیانۃ اس واسطے کافر نہ ہوا کہ کفر کا اس نے ارادہ نہیں کیا وان خطر بالہ التوریۃ ولم یور کفر وبانت امرأتہ دیانۃ وقضاء نوازل وجلالیۃ اور اگر اس کے دل میں توریہ مخطور ہوا اور اس نے توریہ نہ کیا تو کافر ہوگیا اور اس کی عورت کا نکاح ٹوٹ گیا ہر طرح دیانۃً بھی اور قضاءً بھی کذا فی النوازل والجلالیۃ م اس واسطے کہ جب دل میں توریہ کا خطرہ آیا تو کفر سے بچ رہنا ممکن ہوا اور اظہار کفر کی ضرورت منعدم ہوگئی تو وہ راضی ٹھہرا کفر سے باقی رہی تیسری صورت وہ یہ ہے کہ مکرہ کہے کہ میرے دل میں توریہ مخطور نہ ہوا ولیکن میں نے اظہار کفر کیا اور حالانکہ میرا دل مطمئن بالایمان تھا تو اس کی عورت جدا نہ ہوگی استحسان میں اس واسطے کہ جب اسکے دل میں سوائے اس کے کچھ محفوظ نہ ہوا تو ضرورت متحقق ہوگئی اور ضرورت میں اظہار کفر کی رخصت ہے اور اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ توریہ اس حالت میں لازم ہے جب کہ اس کے دل میں توریہ مخطور ہو جاوے کذا فی الطحطاوی ویوجر لو صبر لترکہ الاجراء المحرم اور ثواب پاوے گا اگر صبر کرے گا بسبب ترک کرنے اجراء محرم کے م عمار اور خبیب رضی اللہ عنہما اس میں مبتلا ہوئے تھے عمار نے رخصت پر عمل کیا اور خبیب نے صبر کیا یہاں تک کہ سولی دیے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سید الشہداء فرمایا کذا فی الدرر ومثلہ سائر حقوقہ تعالی کافساد صوم وصلوۃ وقتل صید حرام وکلما ثبت فرضیتہ بالکتاب اختیار اور اکراہ علی الکفر کے مانند ہیں رخصت اور صبر میں باقی حقوق حق تعالی کے جیسے صوم وصلوۃ کا فاسد کر دینا اور حرم کا شکار مارنا یا حالت احرام میں شکار کرنا اور جس چیز کی فرضیت قرآن مجید سے ثابت ہوئی کذا فی الاختیار م زیلعی میں ہے اور اسی طرح جس فعل کی کہ حرمت ثابت ہے تو اکراہ کامل یعنی اکراہ ملجی کے نزدیک اس کے کرنے میں رخصت ہے اور وہ چنانچہ اتلاف مال غیر اور افساد صوم اور صلوۃ اور جنایت احرام اس واسطے کہ کفر کی حرمت محتمل سقوط نہیں تو اس میں اصلا اباحت متصور نہیں اور سوائے کفر کے اگرچہ عقلاً محتمل ہے لیکن موجود نہیں تو وہ ملحق ہوگیا غیر محتمل السقوط کے ساتھ تو اکراہ ملجی سے اس کی رخصت ثابت ہے نہ اباحت مطلقا اور غیر ملجی سے چنانچہ ضرب اور حبس سے رخصت ثابت نہ ہوگی ولم یرخص الاجراء بغیرہما بغیر القطع والقتل یعنی بغیر الملجی ابن کمال اذ التکلم بکلمۃ الکفر لا یحل ابداً اور اجراء کلمہ کفر رخص نہیں بغیر قطع اور قتل کے یعنی بغیر اکراہ ملجی کے اس واسطے کہ کلمہ کفر کا بولنا کبھی حلال نہیں م بغیر قطع اور بغیر قتل کی تفسیر شارح نے غیر ملجی اس واسطے کی تا کہ معلوم ہو کہ اکراہ ملجی قتل اور قطع میں منحصر نہیں بلکہ جو چیز نہایت مضطر کر دے وہ بھی قتل اور قطع کے حکم میں ہے چنانچہ آنکھ پہ اور آلات تناسل پہ مارنا اور عدم حلت اجراء کلمہ کفر قول سابق یعنی ترک اجراء محرم کی علت ہو سکتی ہے تو اسی کے پاس ذکر کرنا بہتر تھا کذا فی الطحطاوی ورخص لہ اتلاف مال مسلم او ذمی اختیار بقتل او قطع ویوجر لو صبر ابن ملک اور مکرہ بالفتح کو رخصت دی گئی ہے مال مسلم یا ذمی کے تلف کر ڈالنے میں تہدید قتل یا قطع سے کذا فی الاختیار اور اس کو ثواب ہوگا اگر وہ صبر کرے گا کذا صرح ابن ملک وضمن رب المال المکرہ بالکسر لان المکرہ بالفتح کالآلۃ اور صاحب مال اکراہ کرنے والے سے تاوان لے اس واسطے کہ جس شخص پر کہ اکراہ ہوا وہ ہتھیار کے مانند ہے م افعال دو قسم ہیں ایک فعل وہ ہے جس میں مکرہ بالفتح صلاحیت اس کی رکھتا کہ اس فعل میں مکرہ بالکسر کا آلہ یعنی ہتھیار ہو تو یہاں اکراہ کرنے والے کی طرف فعل منقول ہوگا تو گویا اس نے بذات خود وہ فعل کیا تو تاوان اسی پہ لازم ہوگا اور دوسرا فعل وہ ہے جس میں وہ آلہ نہیں ہو سکتا تو وہاں فعل اکراہ کرنے والے کی طرف منقول نہ ہوگا چنانچہ اکل اور وطی اور تکلم اس واسطے کہ آدمی غیر کے منہ سے نہیں کھا سکتا اور نہ دوسرے کے آلہ سے وطی کر سکتا ہے اور نہ غیر کی زبان سے بول سکتا ہے اور اتلاف مال پہلی قسم سے ہے اس واسطے کہ ممکن ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو پکڑ کے مال پہ گرا دے

اور مال تلف ہو جاوے کذا فی الطحطاوی لا یرخص قتلہ او سبہ او قطع عضوہ وما لا یستباح بحال اختیار اور رخصت نہیں اکراہ سے مسلمان کے قتل کی یا اس کے گالی دینے یا اس کے ہاتھ کاٹنے کی اور اس فعل کی جو کسی حالت میں مباح نہیں کذا فی الاختیار م لیکن قہستانی میں مضمرات سے منقول ہے کہ مسلم کو دشنام دینا اکراہ ملجی سے مرخص ہے انتہی اور فعل غیر مباح کی مثال چنانچہ گلا داب کر مار ڈالنا اور جان کا جلانا اور پانی میں گرا کے ڈبونا اور زنا کرنا کذا فی الطحطاوی ویقاد فی القتل العمد المکرہ بالکسر لو مکلفا علی ما فی المبسوط خلافا لما فی النہایۃ فقط لان القاتل کالآلۃ اور قتل عمد میں فقط مکرہ بالکسر یعنی اکراہ کرنے والے سے قصاص لیا جاوے گا اگر وہ عاقل اور بالغ ہو کذا فی المبسوط برخلاف اس قول کے جو نہایہ میں ہے فقط مکرہ بالکسر پر اس واسطے قصاص ہے کہ مکرہ بالفتح یعنی قاتل ہتھیار کے مانند م منح الغفار میں ہے کہ عنایہ میں نہایہ سے منقول ہے کہ قصاص آمر پر ہے خواہ وہ بالغ ہو یا غیر بالغ خواہ عاقل ہو یا معتوہ انتہی امام اور محمد کی دلیل یہ ہے کہ قاتل مذکور کا قتل بمقتضائے اس کی طبیعت کے ہے اپنی جان بچانے کے واسطے تو وہ آلہ ٹھہر گیا اس فعل میں جس میں وہ آلہ ہو سکتا ہے یعنی اتلاف میں نہ گناہ میں اور یہ اس واسطے ہے کہ وہ ہتھیار وہ ہے جو بمقتضائے اپنی طبیعت کے عمل کرے چنانچہ تلوار کہ قطع کرنا اس کی طبیعت ہے جب کہ وہ مستعمل ہو محل قطع میں اور چنانچہ آگ کہ اس کی طبیعت جلا دینا ہے اور چنانچہ پانی کہ اس کی طبیعت ڈبو دینا ہے اور آلہ کے استعمال کرنے سے استعمال کرنے والے پر قصاص واجب ہوتا ہے تو اسی طرح یہاں اکراہ ملجی میں آمر پر قصاص واجب ہوگا نہ مامور پر کذا فی الطحطاوی واوجبہ الشافعی علیہما اور امام شافعی نے آمر اور مامور دونوں پر قصاص واجب کیا ہے ونفاہ ابو یوسف عنہما للشبہۃ اور ابو یوسف نے دونوں سے قصاص کی نفی کی ہے بسبب شبہہ کے یعنی بسبب شبہہ عدم وجوب م اور زفر کے نزدیک مامور پر قصاص ہے اس واسطے کہ فعل اسی سے پایا گیا ہے حقیقۃً وحساً وحکماً یعنی در حق گناہ تو اسی پر قصاص واجب ہوگا ولو اکرہ علی الزنا لا یرخص لہ لان فیہ قتل النفس بضیاعہا اور اگر زنا پر اکراہ ملجی ہوا تو مامور کے واسطے رخصت نہیں اس واسطے کہ اس میں جان کا قتل کرنا ہے اس کے ضائع ہو جانے سے م اس واسطے کہ ولد الزنا حکماً ہالک ہے اس واسطے کہ اس کا کوئی پالنے والا نہیں تو زنا کسی صورت سے مباح نہیں مانند قتل کے کذا فی الدرر لکنہ لا یحد استحساناً لیکن مامور پر حد نہیں از روئے استحسان کے بل یغرم المہر ولو طائعۃ لانہما لا یسقطان جمیعاً شرح وہبانیۃ بلکہ زانی مامور مہر کا تاوان دے اگرچہ عورت راضی ہو اس واسطے کہ حد اور مہر دونوں کے دونوں ساقط نہیں ہو جاتے کذا فی شرح الوہبانیۃ م یعنی جب حد ساقط ہوئی تو مہر ساقط نہیں ہو سکتا کیونکہ وطی خالی نہیں ہوتی حد یا مہر سے وفی جانب المرأۃ یرخص لہا الزنا بالاکراہ الملجی لان نسب الولد لا ینقطع فلم یکن فی معنی القتل من جانبہا بخلاف الرجل اور عورت کی جانب میں رخصت ہے اس کو زنا کی اکراہ ملجی سے اس واسطے کہ نسب ولد کا اس کے زنا سے منقطع نہیں ہوتا تو زنا بمعنی قتل کے نہ ہوا عورت کی جانب سے برخلاف مرد کے کہ اس کی جانب سے زنا در حکم قتل کے ہے کما مر لا بغیرہ لکنہ لیسقط الحد فی زناہا لا زناہ لانہ لما لم یکن الملجی رخصۃ لہ لم یکن غیر الملجی شبہۃ لہ نہیں رخصت ہے عورت کو زنا کی اکراہ غیر ملجی سے یعنی ضرب اور حبس سے لیکن عورت کے زنا میں حد ساقط ہے نہ مرد کے زنا میں اس واسطے کہ جب اکراہ ملجی رخصت نہ ہوا مرد کے واسطے تو غیر ملجی اس کے واسطے شبہ نہ ہوا سقوط حد کا برخلاف عورت کے فرع مسئلۃ ملحقۃ شارح کا ظاہر تعلیلہم ان حکم اللواطۃ کحکم المرأۃ لعدم الولد فترخص بالملجی الا ان یفرق بکونہا اشد حرمۃ من الزنا لانہا لم تبح بطریق ما ولکون قبحہا عقلیا ولذا لا تکون فی الجنۃ علی الصحیح قالہ المصنف فقہا کی ظاہر تعلیل رخصت عورت اور عدم رخصت مرد کی اس پر دلالت کرتی ہے کہ لواطت کا حکم عورت کے حکم کے مانند ہو بسبب نہ ہونے ولد کے لواطت میں تو لواطت مرخص ہو اکراہ ملجی سے مگر یہ کہ زنا اور لواطت میں فرق کیجیے اس طرح پر کہ لواطت کی حرمت سخت تر ہے زنا سے اس واسطے کہ لواطت کسی راہ سے مباح نہیں اور اس وجہ سے کہ قباحت لواطت کی عقلی ہے اور اسی واسطے اغلام بہشت میں نہ ہوگا بر مذہب صحیح یہ کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں م تنف کی کتاب الاکراہ میں ہے کہ اگر زنا اور لواطت پر اکراہ ہو تو اس کی رخصت نہیں اگرچہ وہ قتل ہو انتہی تو اس روایت میں اغلام اکراہ ملجی سے ممنوع ہوا باوجودیکہ اہلاک ولد کا مؤدی نہیں اور نہ مفسد فراش ہے اور ظاہر اطلاق تنف فاعل اور مفعول دونوں کو شامل ہے کذا فی الطحطاوی

---

۵۱ بلکہ دلیل موافق مضمون لاحق کے ہونی چاہیے کہ نسب ولد الزنا کا مرد کی طرف نہیں رہتا اس لیے مرد کی جانب سے بحکم قتل کے ہے ۱۲

وصح نكاحه وطلاقه وعتقه لو بالقول لا بالفعل كشراء قريبه ابن کمال اور اکراہ سے مکرہ بالفتح کا نکاح اور طلاق اور عتق صحیح ہے اگر عتق قول سے ہو نہ فعل سے جیسے اپنے قرابت دار کا خرید کرنا کذا ذکرہ ابن کمال م لیکن جوہرہ کی یہ روایت اس کے مخالف ہے کہ جب محرم کی خرید پر اکراہ ہو تو وہ آزاد ہوگا اور اکراہ کرنے والے پر تاوان لازم ہوگا۔ اس واسطے کہ اس نے خرید پر اکراہ کیا نہ آزاد کرنے پر **ورجع بقيمة العبد ونصف المسمى ان لم يطأ** اور جس پر اکراہ ہو وہ اکراہ کرنے والے سے غلام کی قیمت بھر لے اور نصف مہر مسمی بھر لے اکراہ کرنے والے سے اگر اس نے مطلقہ کی وطی نہ کی ہو م یعنی عتق غلام میں قیمت لے مکرہ بالکسر سے اور نصف مہر مسمی لے بشرط عدم وطی اور اگر مہر مسمی نہ ہو تو وہ لے جو اس پر متعہ لازم ہوا کذا فی الدرر **ونذره ويمينه وظهاره ورجعته وايلاؤه وفيئه فيه اى فى الايلاء بقول او فعل** اور صحیح ہے اکراہ سے نذر مکرہ کی اور قسم اس کی اور ظہار اور رجعت اس کی اور ایلاء اس کا اور رجوع کرنا اس کا ایلاء میں قول سے یا فعل سے کذا فی الدرر الملتقى اور زیلعی اور درر میں فقط قول مذکور ہے نہ فعل **واسلامه ولو ذميا كما هو اطلاق كثير من المشائخ وما فى الخانية من التفصيل فقياس والاستحسان صحته مطلقا فليحفظ** اور صحیح ہے اسلام مکرہ کا اگرچہ ذمی اکراہ سے اسلام ظاہر کرے چنانچہ اسی طرح کلام ہے اطلاق اکثر مشائخ کا اور جو خانیہ میں تفصیل ہے کہ حربی کا اسلام اکراہ سے صحیح ہے نہ ذمی کا سو وہ قیاس ہے اور استحسان صحت اسلام ہے مطلقا خواہ حربی ہو یا ذمی اس کو یاد رکھنا چاہئے م کہ عمل استحسان پر ہوتا ہے نہ قیاس پر سوائے چند مسائل کے کہ یہ مسئلہ ان میں سے نہیں ہے تو اعتماد استحسان ہی پر ہوا کذا فی الطحطاوی **بلا قتل لو رجع للشبهة كما مر فى باب المرتد** اسلام مکرہ صحیح ہے بدون اس کے قتل کے اگر وہ اسلام سے پھر جاوے قتل نہیں بسبب شبہ چنانچہ باب المرتدین گزر گیا م شبہ یہ ہے کہ شاید اس نے دل سے اسلام قبول نہ کیا ہو تو وہ بالیقین مرتد نہ ٹھہرا جو قتل ہوتا **وتوكيله بطلاق وعتاق وما فى الاشباه من خلافه فقياس والاستحسان وقوعه** اور صحیح ہے وکیل کرنا مکرہ کا طلاق اور عتاق کے واسطے اور جو اشباہ میں اس کے مخالف مذکور ہے سو قیاس ہے اور استحسان وقوع طلاق اور عتاق ہے وکیل کی تطلیق اور اعتاق سے م اشباہ میں ہے کہ مکرہ کے وکیل کا طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوتا وجہ قیاس یہ ہے کہ وکالت باطل ہو جاتی ہے ہزل سے تو اسی طرح اکراہ سے چنانچہ بیع اور مانند اس کے وجہ استحسان یہ ہے کہ اکراہ مانع انعقاد بیع نہیں بلکہ اس کے فساد کا موجب ہے تو اسی طرح توکیل اکراہ سے منعقد ہوتی ہے اور شروط فاسدہ کا اثر وکالت میں نہیں ہوتا کذا فی الطحطاوی **والاصل عندنا ان كل ما يصح مع الهزل يصح مع الاكراه لان ما يصح مع الهزل لا يحتمل الفسخ وكل ما لا يحتمل الفسخ لا يؤثر فيه الاكراه وعدها ابو الليث فى خزانة الفقه ثمانية عشر وعددناها فى باب الطلاق نظما عشرين** اور قاعدہ کلیہ عقود مذکورہ کی صحت میں یہ ہے کہ جو عقد صحیح ہے ہزل کے ساتھ وہ اکراہ کے ساتھ بھی صحیح ہے اس واسطے کہ جو ہزل کے ساتھ صحیح ہے اس میں فسخ کا احتمال نہیں اور جس میں فسخ کا احتمال نہیں اس میں اکراہ اثر نہیں کرتا اور جو عقود کہ ہزل اور اکراہ کے ساتھ صحیح ہیں ان کو فقیہ ابو اللیث نے خزانة الفقہ میں اٹھارہ شمار کیا ہے اور باب الطلاق میں ہم نے ان کو نظم میں بیس گنا ہے م غیر محتمل الفسخ میں اکراہ اثر نہیں کرتا یعنی صحت عقد کا مانع نہیں ہوتا اس واسطے کہ اکراہ رضامندی کو فوت کر دیتا ہے اور فوت ہونا رضامندی کا موثر ہے عدم لزوم عقد او عدم لزوم مکرہ کو قادر کر دیتا ہے فسخ عقد پر تو اکراہ اس کو قدرت دیتا ہے فسخ پر ثابت ہو چکنے کے بعد سو جس عقد میں کہ فسخ کا احتمال نہیں اس میں اکراہ عمل نہیں کرتا کذا فی المنح **لا يصح مع الاكراه ابراء مديونه او ابراء كفيله بنفس او مال لان الابراء لا يصح مع الهزل** صحیح نہیں اکراہ کے ساتھ بری الذمہ کر دینا مکرہ بالفتح کا اپنے مدیون یا اپنے ضامن کا خواہ حاضر ضامن ہو یا مالی ضامن اس واسطے کہ برات صحیح نہیں ہزل یعنی بیہودگی کے ساتھ اور اکراہ کے بھی ساتھ صحیح نہ ہوگی **وكذا لو اكره الشفيع على ان يسكت عن طلب الشفعة فسكت لا يبطل شفعته** اور اسی طرح اگر شفیع پر اس کا اکراہ ہو کہ وہ طلب شفعہ سے ساکت رہے سو وہ ساکت رہا تو شفعہ اس کا باطل نہ ہوگا **ولو اكره على الردة بلسانه وقلبه مطمئن بالايمان فلا تبين زوجته لانه لا يكفر به والقول له استحسانا قلت وقدمنا عن النوازل خلافه فذ قياس فتامله** اور رد اس کا زبانی مرتد ہونا صحیح ہے اکراہ سے اور حالانکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن اور ثابت ہے تو اس کی زوجہ چھوٹ نہ جاوے گی اس واسطے کہ زبردستی کے ارتداد سے وہ کافر نہیں ہو جاتا اور عدم ارتداد قلبی میں اس کا قول معتبر ہے استحسان کی دلیل سے میں کہتا ہوں اور اس سے پہلے ہم نے خلاف نقل کیا ہے نوازل سے تو شاید کہ نوازل کا قول قیاس ہے نہ استحسان سو اس کو تامل کر

م نوازل اور جلالیہ سے شارح نے تفصیل نقل کی ہے کہ درصورت توریہ زوجہ قضاءً جھوٹ جاوے گی نہ دیانۃ اور اگر توریہ کا قصد نہ کیا باوجود اس کے دل میں مخطور ہونے کے تو دونوں طرح سے چھوٹ جائے گی اکرہ القاضی رجلا لیقر بسرقۃ اوقتل رجل بعمد او لیقر بقطع ید رجل بعمد فاقر بہ لک فقطعت یدہ اوقتل علی ما ذکر ان کان المقر موصوفا بالصلاح اقتص من القاضی وان متہما بالسرقۃ معروفا بہا وبالقتل لا یقتص من القاضی استحسانا للشبہۃ خانیۃ قاضی نے زبردستی کی ایک مرد پر تاکہ وہ چوری یا کسی مرد کے قتل عمد کا اقرار کرے یا عمداً کسی شخص کے ہاتھ کاٹنے کا اقرار کرے سو اس نے اس کا اقرار کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا یا وہ مقتول ہوا اپنے اقرار کے بموجب سو اگر اقرار کرنے والا موصوف بصلاح یعنی نیک بخت پرہیزگار ہو تو قاضی سے قصاص لیا جائے اگر مقر چرانے کے ساتھ متہم ہو اور چوری اور خون ریزی میں مشہور ہو تو قاضی سے قصاص لیا جاوے گا استحسان کی دلیل سے بسبب شبہ واقع ہونے کے کذا فی الخانیہ م شبہ یہ ہے کہ شاید اس نے کیا ہو جس کا اس نے اقرار کیا ہے قیل لہ اما ان تشرب ہذا الشرب او تبیع کرمک فہو اکراہ ان کان شرابا لا یحل کالخمر والا فلا قنیۃ قال وکذا الزنا وسائر المحرمات ایک شخص سے کہا گیا کہ یا اس مشروب کو پی لے یا اپنا انگور کا باغ بیع کر تو وہ اکراہ ہے اگر مشروب یعنی پینے کی چیز شریعت میں حلال نہ ہو چنانچہ شراب اور اگر مشروب حلال چیز ہو تو اکراہ نہیں کذا فی القنیہ صاحب قنیہ نے کہا اور اسی طرح کا حکم ہے زنا اور باقی محرمات کا م درصورت اکراہ جو اس نے بیچا تو اس بیع میں بعد زوال اکراہ کے مختار ہے چاہے بیع کو فسخ کرے چاہے قائم رکھے صادرہ السلطان و لم یعین بیع مالہ فباع صح لعدم تعینہ ایک شخص سے بادشاہ نے زبردستی مال طلب کیا اور اس کے مال بیچنے کی تعین نہیں کی سو اس نے کوئی چیز بیچ ڈالی پادشا کے واسطے تو بیع صحیح ہے یعنی لازم ہوگی بیع بلا خیار فسخ اس کے عدم تعیین کے سبب سے م یعنی پادشاہ نے مال طلب کیا اور یہ نہیں کہا کہ فلانی چیز بیچ کر دے تو وہ بیع میں طائع اور راضی ٹھہرا اس واسطے کہ ادائے مال بیع کے سوا قرض لینے سے بھی ہو سکتا ہے کذا فی العالمگیریۃ والحیلۃ ان یقول من این اعطی ولا مال لی فاذا قال الظالم بع کذا فقد صار مکرہا فیہ بزازیۃ اور حیلہ خیار فسخ کا یہ ہے کہ ظالم سے کہے کہ میں کہاں سے دوں میرے پاس تو مال نہیں پھر جب حاکم ظالم یوں کہے کہ فلانی چیز بیچ کر دے تو اب وہ مکرہ ٹھہر گیا اس کی بیع میں کذا فی البزازیۃ خوفہا الزوج بالضرب حتی وہبتہ مہرہا لم تصح الہبۃ ان قدر الزوج علی الضرب عورت کو اس کے شوہر نے مارنے پر دھمکایا یہاں تک کہ اس نے اپنا مہر معاف کر دیا تو بخشنا صحیح نہیں اگر شوہر مارنے پر قادر ہو م ظاہر اطلاق مصنف ضرب متلف اور غیر متلف دونوں کو شامل ہے لیکن قاضی کے فتاوی میں ضرب متلف کی قید ہے اور عدم صحت ہبہ صاحبین کا قول ہے وان ہددہا بطلاق او تزوج علیہا او تسر فلیس باکراہ خانیۃ اور اگر شوہر نے عورت کو طلاق دینے کی تہدید کی یا دوسری عورت سے نکاح کرنے کی یا لونڈی کے سریہ بنانے کی تو یہ اکراہ نہیں کذا فی الخانیۃ م اس واسطے کہ طلاق اور دوسرا نکاح اور لونڈی کی حرم کرنا یہ افعال شرع شریف میں درست ہیں اور لغو شرعیہ اکراہ نہیں ہو سکتے وفی مجمع الفتاوی منع امراتہ المریضۃ عن المسیر الی ابویہا الا ان تہبہ مہرہا فوہبت بعض المہر فالہبۃ باطلۃ لانہا کالمکرہۃ قلت ویوخذ منہ جواب حادثۃ الفتوی وہی زوج بنتہ البکر من رجل فلما ارادہ الزفاف منعہا الاب الا ان یشہد علیہا انہا استوفت منہ میراث امہا فاقرت ثم اذن لہا بالزفاف فلا یصح اقرارہا لکونہا فی معنی المکرہۃ وبہ افتی ابو السعود مفتی الروم فی شرح منظومتہ تحفۃ الاقران فی بحث الہبۃ اور مجمع الفتاوی میں ہے کہ شوہر نے اپنی زوجہ بیمار کو منع کیا اس کے والدین کی طرف جانے سے مگر یہ کہ وہ اس کو اپنا مہر بخش دے سو اس نے کچھ مہر بخش دیا تو ہبہ باطل ہے اس واسطے کہ وہ اس عورت کے مانند ہے جس پر اکراہ ہوا میں کہتا ہوں اور اس روایت سے ماخوذ ہوتا ہے استفتائے حادث کا جواب وہ استفتا یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی کواری بیٹی کا نکاح کیا ایک مرد سے پھر جب اس نے اپنے شوہر کے گھر جانے کا ارادہ کیا تو باپ نے اس کو منع کیا مگر اس طرح کہ وہ شاہدوں کو اپنے اس اقرار پر گواہ کرے کہ اس نے اپنی ماں کی میراث باپ سے پوری بھر لی ہے سو اس نے اس کا اقرار کیا تو یہ اقرار صحیح نہیں اس واسطے کہ وہ اس عورت کے مانند ہے جس پر اکراہ ہوا اور اسی کا فتوی دیا ہے ابو سعود مفتی روم نے یہ کہا ہے مصنف نے اپنے رسالہ منظومہ کی شرح میں جس کا نام تحفۃ الاقران ہے ہبہ کی بحث میں م ظاہراً مرض سے وہ مرض مراد ہے

جن میں والدین کی طرف جانے کی حاجت ہے اور خفیف مرض میں منع الخروج شرعاً جائز ہے اور ہبہ کل مہر بمنزلہ بعض مہر کے ہے اور بیع اور شرا اور اجارہ اقرار اور ہبہ کے مانند ہے اور جو ولی کہ قادر ہو منع پر وہ باپ کے مانند ہے اور اسی طرح بکارت قید نہیں کذا فی الطحطاوی المکرہ باخذ المال لا یضمن ما اخذہ اذا نوی الاخذ وقت الاخذ انہ یردہ علی صاحبہ والا یضمن جس شخص پر اکراہ ہوا دوسرے شخص کے مال چھین لینے کا تو اس پر تاوان نہیں جو اس نے لیا بشرطیکہ لینے والے نے لینے کے وقت یہ نیت کی ہو کہ مال مذکور پھیر دے گا اس کے مالک کو اور اگر یہ نیت نہیں کی تو تاوان اس پر لازم ہوگا م یعنی پھیر دینے کی نیت سے اس نے مال لیا پھر وہ مال تلف ہوگیا تو اس کا تاوان اکراہ کرنے والے پر ہے نہ لینے والے پر واذا اختلفا ای المالک والمکرہ فی النیۃ فالقول للمکرہ مع یمینہ ولا یضمن مجتبی اور جب کہ مالک مال اور مکرہ نے اختلاف کیا نیت میں یعنی مالک کہتا ہو کہ اس نے پھیر دینے کی نیت سے نہیں لیا تھا اور لینے والا کہتا ہو کہ میں نے پھیر دینے کی نیت سے لیا تھا تو مکرہ کا قول قسم کے ساتھ معقول ہے اور اس پر تاوان لازم نہ ہوگا کذا فی المجتبی یعنی اس واسطے کہ ظاہر اکراہ ظالم قرینہ ہے مکرہ کے صدق کا وفیہ المکرہ علی الاخذ والدفع انما یسعہ مادام حاضرا عند المکرہ والا لم یحل لزوال القدرۃ والالجاء بالبعد منہ وبہذا تبین انہ لا عذر لاعوان الظلمۃ فی الاخذ عند غیبۃ الامیر او رسولہ فلیحفظ اور مجتبی میں ہے کہ جس شخص پر اکراہ ہوا غیر کے مال لینے یا دینے کا تو اس کو لینا اور دینا اس وقت تک جائز ہے جب تک اس کے پاس اکراہ کرنے والا ظالم حاضر اور موجود ہو اور اگر حاضر نہ ہو تو لینا اور دینا حلال نہیں بسبب زائل ہو جانے قدرت ظالم اور مجبوری مظلوم کے اس کے دور ہو جانے سے اور اس قید سے ظاہر ہو گیا کہ حکام ظالمین کے نوکر چاکر مددگاروں کو کچھ عذر نہیں ناحق مال چھین لینے میں حاکم یا اس کے فرستادہ کے موجود نہ ہونے کے وقت تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م مبسوط میں ہے کہ تہدید قتل سے امیر کے سامنے غیر کا مال چھین لینا جائز ہے تہدید حبس اور قید سے اور نہ امیر کی غیبت میں اگرچہ اس کو یہ خوف ہو کہ امیر قتل کرے گا اگر مجھ کو پاوے گا ہاں اگر امیر کا فرستادہ مکرہ کے ساتھ ہو اس طرح کہ اگر یہ شخص وہ کام نہ کرے تو اس کو پکڑ لاوے اور قتل کرے تو انشاء اللہ تعالی جائز ہوگا کذا فی الطحطاوی فروع مسائل ملحقہ شارح کے اکرہ علی اکل طعام نفسہ ان جائعا لا رجوع وان شبعان رجع بقیمتہ علی المکرہ لحصول منفعۃ الاکل لہ فی الاول لا الثانی ایک شخص پر اپنے طعام کے کھانے کا اکراہ ہوا تو اگر صاحب طعام بھوکا ہو تو رجوع نہیں اور اگر آسودہ ہو تو قیمت طعام کی پھیرے اکراہ کرنے والے سے بسبب حاصل ہونے کھانے کی منفعت کے مالک کو پہلی صورت یعنی گرسنگی کے حال میں نہ دوسری صورت میں یعنی سیری میں قال اہل الحرب لنبی اخذوہ ان قلت لست بنبی ترکناک والا قتلناک لا یسعہ قول ذلک وان قیل لغیر نبی ان قلت ہذا لیس بنبی ترکناک وان قلت نبی قتلناہ وسعہ لامتناع الکذب علی الانبیاء کفار حربیوں نے اس نبی سے کہا جس کو انھوں نے گرفتار کیا کہ اگر تو یوں کہے کہ میں نبی نہیں ہوں تو ہم تجھ کو چھوڑ دیں گے اور اگر نہ کہے گا تو ہم تجھ کو قتل کریں گے تو نبی کو یہ قول کہنا درست نہیں اور نبی کے سوا اور شخص سے کہا گیا کہ اگر تو اس شخص کو یوں کہے کہ یہ نبی نہیں ہے تو ہم تیرے نبی کو چھوڑیں اور اگر تو کہے گا کہ یہ نبی ہے تو ہم اس کو قتل کریں گے تو اس کو یہ کہنا جائز ہے بسبب ممتنع ہونے کذب کے انبیاء علیہم السلام پر م اس مسئلہ سے اگر عظمت انبیاء کا بیان واقعی منظور ہے تو ظاہر ہے اور اگر نبی پر حکم کرنا منظور ہے تو غیر ظاہر ہے اس واسطے کہ حکم شرعی نبی سے معلوم ہوتا ہے نہ غیر نبی سے کذا فی الطحطاوی قال حربی لرجل ان دفعت جاریتک لازنی بہا دفعت لک الف اسیر لم یحل کافر حربی نے مسلمان مرد سے کہا کہ اگر اپنی لونڈی مجھ کو دے تا کہ میں اس سے بدکاری کروں تو میں تجھ کو ہزار قیدی مسلمان دوں تو لونڈی دینا حلال نہیں م اس واسطے کہ یہ اکراہ نہیں اور قیدیوں کی تخلیص پر قادر مطلق قادر ہے چاہے ان کو خلاص کرے چاہے بلا پر صبر عطا فرمائے اقر بعتق عبدہ مکرہا لم یعتق فی الاصح اقرار کیا اپنے غلام کی آزادی کا مجبور ہو کر تو وہ آزاد نہ ہوگا صحیح تر قول میں وہل الاکراہ باخذ المال معتبر شرعا ظاہر القنیۃ نعم اور مال چھین لینے کا اکراہ شرعا معتبر ہے یا نہیں ظاہر قنیہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہاں معتبر ہے م ینابیع میں ہے کہ سلطان نے وصی یتیم پر قتل یا اتلاف عضو کی تہدید کی تا کہ یتیم کا مال سلطان کو دے سو اس نے دیا تو وصی پر تاوان نہیں اور حبس اور قید کی تہدید میں ضمان ہے اور اگر وصی کے مال چھین لینے کی تہدید کی تا کہ

سلہ مثلاً زید نے عمرو سے کہا کہ خالد کا مال چھین لے ورنہ تجھ کو مار ڈالوں گا اور اس نے مال لے لیا تو اگر پھیر دینے کی نیت سے لیا تو عمرو پر ضمان نہیں ورنہ ضمان ہوگا ۱۲

مال یتیم تسلیم کرے اگر وصی جانے کہ سلطان بعض مال لے گا اور بعض چھوڑے گا اور یہ مال متروک اس کو کفایت کرے گا تو تسلیم جائز نہیں اور اگر دے گا تو تاوان مثل اس پر لازم ہوگا اور اگر وصی ڈرے کہ تمام مال چھین لے گا تو وہ معذور ہے یتیم کے مال دینے میں اس پر تاوان نہیں اور اگر سلطان نے یتیم کا مال وصی سے آپ چھین لیا تو ہر صورت میں وصی پر ضمان نہیں کذا فی الطحطاوی وفی الوہبانیۃ قال ؎ وان قال المدیون انی مرافع ؛ لتبری فالاکراہ معنی مصور ؛ اور وہبانیہ میں کہا ہے اور اگر مدیون نے کہا دائن سے کہ میں تیرا بھید ظاہر کرنے والا ہوں حاکم سے ورنہ تو مجھ کو اپنے دین سے بری کر دے تو یہ قول معنی اکراہ متصور ہوگا م شرنبلالی میں ہے کہ مدیون نے دائن سے کہا کہ تمسک کا وثیقہ پھیر دے اور یہ اقرار کر کہ میرا تجھ پر کچھ ادھار نہیں اور اگر تو قبول نہ کرے گا تو میں حاکم سے ظاہر کر دوں گا کہ تیرے پاس فلانے شخص کا اس قدر سونا ہے یعنی اور حاکم اس مال کی تلاش میں ہو سو دائن نے وثیقہ مذکورہ پھیر دیا اور اپنے دین نہ ہونے کا اقرار کیا نجم الائمہ بخاری نے جواب دیا کہ یہ در معنی اکراہ ہے اور اس کو جائز ہے کہ اس پر اپنے دین کا دعوی کرے یہ جواب اس صورت میں ہے جب کہ حاکم چغل خور کی چغلی سن کر مال چھین لیتا ہو کذا فی الطحطاوی ؎ وصح فی الاستحسان اسلام کرہ ؛ ولا قتل ان یرتد بعد فیجبر ؛ اور استحسان میں صحیح ہے اسلام لانا مکرہ بالفتح کا اور اگر وہ بعد اسلام کے مرتد ہو جاوے تو قتل نہیں ہوگا اور اس پر جبر ہوگا قبول اسلام میں م یہ مسئلہ مشروحاً بیان ہو چکا مبسوط میں ہے کہ ظالم نے کہا کہ یہ شراب پی یا یہ مردار کھا ورنہ میں تیرے باپ یا بیٹے یا کسی اور قرابت دار محرم کو قتل کر دوں گا یا تیرے باپ کو حبس کر دوں گا ورنہ تو اپنا غلام ہزار درم کو بیع کر دے سو اس نے غلام کو بیچا تو قیاس میں یہ بیع جائز ہے اور استحسان میں باطل ہے اور تصرف مذکور نافذ نہیں اس واسطے کہ یہ اکراہ ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً واللہ اعلم واستغفر اللہ الحکیم ۔

کتاب الحجر

یہ کتاب ہے حجر کے احکام میں م مصنف کتاب الحجر کو کتاب الاکراہ کے بعد اس واسطے لایا کہ دونوں میں سلب اختیار ہے مگر یہ کہ اکراہ قوی تر ہے حجر سے اس واسطے کہ اکراہ سلب اختیار اس شخص کا ہے جو صاحب اختیار صحیح کا اور صاحب ولایت کاملہ کا ہے بخلاف حجر لہذا اکراہ مقدم ہوا حجر پر اور محاسن حجر رعایت اور شفقت ہے محجورین پر اور گاہی غیر محجور پر شفقت اور رعایت منظور ہوتی ہے چنانچہ مدیون اور سفیہ کے حجر میں بقول صاحبین اور حجر غلام برعایت حق مولی ہو لغۃ المنع مطلقا حجر لغت میں بمعنی منع ہے مطلقا یعنی باز رکھنا اور روکنا ہر طرح سے خواہ منع قول سے ہو یا فعل سے یا اور مطلب سے قاموس میں حجر بحرکات ثلثہ حاء مہملہ و سکون جیم مذکور ہے و شرعا منع عن نفاذ تصرف قولی لا فعلی لان الفعل بعد وقوعہ لا یمکن ردہ فلا یتصور الحجر عنہ اور اصطلاح شرع میں حجر منع کرنا اور روکنا ہے تصرف قولی کے نافذ ہونے سے نہ تصرف فعلی سے اس لیے کہ فعل کا پھیرنا بعد اس کے واقع ہو جانے کے ممکن نہیں تو فعل سے روکنا متصور نہیں، م تصرف فعلی چنانچہ قتل اور اتلاف مال اور تصرف قولی چنانچہ بیع اور شرا اور ہبہ نفاذ سے مراد لزوم ہے اس لیے کہ محجور کا عقد موقوف ہے طحطاوی نے کہا بہتر یہ تھا کہ مصنف لزوم کہتا عوض نفاذ کے اس واسطے کہ نافذ عام ہے لازم سے اور تصرف قولی سے مراد وہ تصرف ہے جس میں ضرر ہو اور جس تصرف قولی میں سراسر نفع ہو چنانچہ قبول ہبہ اور اسلام تو اس میں صغیر بالغ کے مانند ہے قلت یشکل علیہ الرقیق لمنع نفاذ فعلہ فی الحال بل بعد العتق کما صرح بہ فی البدائع اللہم الا ان یقال الاصل فیہ ذلک لکنہ آخر لعتقہ لقیام المانع قائل میں کہتا ہوں اور تصرف فعلی کے اخراج پر غلام کے فعل سے اشکال واقع ہوتا ہے اس واسطے کہ اس کے فعل کا نافذ ہونا فی الحال ممنوع ہے یعنی اگر غلام مال قرض لے اور تلف کر ڈالے تو وہ فی الحال ماخوذ نہ ہوگا بلکہ آزاد ہونے کے بعد ماخوذ ہوگا چنانچہ بدائع میں مصرح ہے بار خدایا مگر یوں جواب دیا جائے اس اشکال کا کہ اس میں اصل تو یہی ہے کہ غلام اپنے افعال میں فی الحال ماخوذ ہوتا لیکن مواخذہ میں تاخیر واقع ہوئی اس کے آزاد ہونے تک بسبب قائم ہونے مانع کے اس کو تامل کرے م مانع حق مولی ہے یعنی اگر غلام اپنے فعل پر فی الحال ماخوذ ہو تو اس میں بیچا جائے اور اس میں حق مولی کا ابطال ہے طحطاوی نے کہا اشکال اس وقت میں وارد ہوتا جب کہ غلام اپنے فعل میں گلے سے ماخوذ نہ ہوتا تصرف قولی کے مانند قائل وسببہ صغر و جنون یعم القوی والضعیف کما فی المعتوہ و حکمہ کالصبی فی الماذون اور حجر کا سبب طفلی اور وہ جنون ہے جو شامل ہو قوی دیوانگی اور ضعیف دیوانگی کو چنانچہ معتوہ میں اور حکم معتوہ کا طفل تمیزدار کے مانند ہے چنانچہ کتاب الماذون میں آوے گا و رق اور سبب حجر کا رق ہے یعنی مملوکیت یعنی لونڈی غلام ہونا م چونکہ صغیر ناقص العقل اور مجنون عدیم العقل ہے کہ اپنے نفع و ضرر کو نہیں پہچانتے لہذا شرع میں ان کے تصرفات قولیہ ممنوع غیر معتبر ہوئے اور مملوک ہر چند عاقل ہے لیکن چونکہ جو اس کے پاس ہے وہ مولی کی ملک ہے تو برعایت حق مولی اس کا تصرف جائز نہ ہوا فلا یصح طلاق صبی و مجنون مغلوب ای لا یفیق بحال واما الذی یجن و یفیق فحکمہ کممیز نہایہ تو صحیح نہیں طلاق دینا صغیر اور مجنون مغلوب کا یعنی وہ مجنون جو کسی وقت ہوش میں نہیں آتا اور جو کہ کبھی دیوانہ ہو جاتا اور کبھی ہوشیار تو اس کا حکم طفل ممیز کے مانند ہے کذا فی النہایۃ م نہایہ اور غایۃ البیان میں ہے کہ معتوہ یعنی جو گاہے دیوانہ ہے اور گاہے ہوشیار وہ ممیز کے مانند ہے اور زیلعی میں ہے کہ وہ عاقل کے مانند ہے شبلی محشی زیلعی نے توفیق بین القولین میں کہا کہ اگر اس کی ہوشیاری کا وقت مقرر ہو اور وہ حال افاقہ میں کوئی عقد منعقد کرے تو اس میں نفاذ عقد کا حکم ہے

عاقل کے مانند اور اگر اس کی ہوشیاری کا وقت معین نہ ہو تو حکم اس میں توقف کا ہے صغیر کے مانند تو زیلعی کا کلام شق اول پر محمول ہے اور نہایہ اور غایۃ البیان کا شق ثانی پر کذا
فی الطحطاوی ولا اعتاقہما واقرارہما نظرا لہما اور نہ صغیر اور مجنون کا آزاد کرنا اور اقرار کرنا صحیح ہے برعایت ان کے حال کے یعنی عدم صحت طلاق اور اعتاق اور اقرار کی بنظر
ترحم اور شفقت کے ہے ان کے حال پر وصح طلاق عبد واقرارہ فی حق نفسہ فقط لا سیدہ اور صحیح ہے طلاق غلام کی اور اس کا اقرار فقط اس کی ذات کے حق میں نہ
اس کے مالک کے حق میں فلو اقر بمال اخر الی عتقہ لو لغیر مولاہ ولو لہ ہدر تو اگر غلام مال کا اقرار کرے تو اس کا مطالبہ پیچھے ڈالا جائے گا اس کے آزاد ہونے تک اگر
غیر مولی کے مال کا اقرار ہو اور اگر غلام اپنے مالک کے مال کا اقرار کرے تو لغو اور باطل ہے یعنی اس واسطے کہ مالک اپنے غلام پر مستوجب مال نہیں ہوتا کذا فی الدرد ویحد
وقود اقیم فی الحال لبقائہ علی اصل الحریۃ فی حقہما اور اگر غلام نے حد اور قصاص کا اقرار کیا تو حد اور قصاص اس پر فی الحال قائم کیا جائے گا بسبب باقی رہنے غلام کی حد اور قصاص
کے حق میں اصل حریت پر ومن عقد عقدا یدور بین نفع وضرر کما سیجی فی الماذون منہم من ہولاء المحجورین وہو یعقلہ یعرف ان البیع سالب للملک والشراء جالب اجازہ ولیہ او رد
اور جو کہ ان محجورین مذکورین میں سے وہ عقد منعقد کرے جو دائر ہے درمیان نفع اور ضرر کے چنانچہ یہ تصریح کتاب الماذون میں آوے گی اور حالانکہ عاقد اس کو
تعقل کرتا ہو یعنی اتنا سمجھتا ہو کہ بیع ملک بائع کو سلب کر دیتی ہے اور شراء ملک مشتری کو کھینچ لاتی ہے تو عاقد کا ولی چاہے عقد کو جائز رکھے اور چاہے رد کر ڈالے م
منہم کی ضمیر صغیر اور غلام اور معتوہ کی طرف پھرتی ہے اس واسطے کہ مجنون مغلوب میں تعقل مذکور نہیں ولی سے مراد قاضی اور باپ اور دادا اور وصی اور مولی ہے اور اگر قاضی
صغیر کو تصرف کا اذن دے اور اس کا باپ نہ مانتا ہو تو قاضی کا اذن صحیح ہے کذا فی الطحطاوی وان لم یعقل فباطل نہایۃ اور اگر شخص محجور عقد کو سمجھتا نہ ہو تو عقد باطل
ہے کذا فی النہایۃ وان اتلفوا ای ہولاء المحجورین سواء عقلوا او لا درر شیئا متقوما من مال او نفس ضمنوا اذ لا حجر فی الفعل اور اگر یہ محجورین مذکورین خواہ بوجھتے ہوں یا نہ بوجھتے
ہوں کذا فی الدرر تلف کر ڈالیں شی متقوم کو مال ہو وہ شی یا جان تو ضمان ان پر لازم ہوگا اس واسطے کہ تصرف فعلی میں حجر نہیں کہ ان کا تلف کر ڈالنا معتبر نہ ہو لکن ضمان العبد
بعد العتق علی ما مر لیکن غلام پر تاوان تلف کا بعد آزاد ہونے کے ہے چنانچہ گزر گیا وفی الاشباہ الصبی المحجور مواخذ بافعالہ فیضمن ما اتلفہ من المال للحال فاذا قتل فالدیۃ
علی عاقلتہ الا فی مسائل لو اتلف ما اقترضہ وما اودع عندہ بلا اذن ولیہ وما اعیر لہ وما بیع منہ بلا اذن اور اشباہ میں ہے کہ صغیر محجور ماخوذ اور مطالب ہے اپنے افعال سے تو اس
چیز کا تاوان دے گا فی الحال جس کو اس نے تلف کر ڈالا اور جب کہ قتل کرے گا تو دیت اس کی برادری پر واجب ہوگی مگر چار مسئلوں میں صغیر پر تاوان نہیں اگر
اس نے تلف کیا وہ مال جو اس نے قرض لیا اور تلف کی وہ چیز جو اس کے پاس ودیعت رکھی گئی بدون اذن اس کے ولی کے اور تلف کی وہ چیز جو صغیر کے
واسطے عاریت لی گئی اور تلف کی وہ چیز جو بیچی گئی اس سے بدون اذن کے م عدم اذن ولی چاروں مسئلوں کی قید ہے تو اتلاف بعد الاذن میں تاوان لازم ہے
شرح تنویر الاذہان میں ہے کہ اگر غیر کا مال بلا سبقت ایداع یا اقراض تلف کرے گا تو تاوان لازم ہوگا کذا فی الطحطاوی وتستثنی من ایداعہ ما اذا اودع صبی محجور مثلہ
دی ملک غیرہما فللمالک تضمین الدافع او الاخذ اور ایداع صغیر سے مستثنیٰ ہے وہ صورت جب کہ صغیر محجور نے اپنی مانند دوسرے صغیر کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی
حالانکہ وہ چیز غیر صغیرین کی ملک ہے تو مالک کو جائز ہے چاہے ودیعت دینے والے صغیر سے تاوان لے چاہے ودیعت رکھنے والے سے م اس مسئلہ
یہ قید بھی ہے کہ صغیر نے بلا اذن مالک ودیعت رکھی ہو کذا فی الطحطاوی ولا یحجر علی حر مکلف بسفہ ہو تبذیر المال علی خلاف مقتضی الشرع او العقل درر ولو فی الخیر
لصرفہ فی بنا المساجد ونحو ذلک فیحجر علیہ عندہما وتمامہ فی فوائد شتی الاشباہ اور حجر نہیں کیا جاتا امام کے نزدیک آزاد بالغ عاقل پر بسبب سفاہت کے اور سفاہت سے
مراد یہاں اسراف مال اور اس کا ضائع کرنا ہے خلاف مقتضائے شرع یا عقل کے کذا فی الدرر اور اگر امر خیر میں اسراف مال کرے چنانچہ بنائے مساجد اور
کے مانند امور دین میں مال صرف کرے تو اس کا تصرف منع کیا جائے گا صاحبین کے نزدیک اور پورا بیان اس کا اشباہ کے فوائد شتی میں ہے م سفہ بفتحتین
میں عبارت ہے حماقت اور خفت عقل سے اور شرع میں سفہ اور سفاہت سے مراد صرف بیہودہ ہے مخالف شرع یا عقل کے تو اس کے سوا اور معاصی کا
چنانچہ شراب خواری وزناکاری سفاہت مصطلح میں داخل نہیں حموی نے کہا کہ سفیہ کی عادت ہے اسراف کرنا نفقہ میں اور تصرف بلا غرض کرنا یا ایسی غرض میں صرف

جس کو عقلائے دین دار غرض شمار نہیں کرتے چنانچہ مغنین اور لاعبین کو مال دینا اور اڑنے والے کبوتروں کو گراں قیمت خریدنا اور خرید و فروخت میں بلا محمدت نقصان اٹھانا اور مراد یہ ہے کہ اول رشید تھا پھر سفیہ ہو گیا اور اگر بالغ ہوا سفاہت کی حالت میں تو اس کا مال اس کو نہ دیا جائے گا جب تک وہ ۲۵ برس کا نہ ہو کذا فی الطحطاوی وفسق ودین وغفلۃ اور حر مکلف محجور التصرف نہ ہوگا گنہگاری اور دادھا لینے اور غفلت کے سبب سے امام کے نزدیک م دین سے وہ دین مراد ہے جو اس کے اموال مملوکہ سے زیادہ ہو غفلت سے مراد یہ نہیں کہ مفسد ہو بلکہ سلیم القلب بھولا سیدھا آدمی ہو جو تصرفات نافعہ نہ کرنا جانتا ہو اور تجارت میں نقصان اٹھایا کرتا ہو کذا فی الطحطاوی بل یمنع مفت ماجن یعلم الحیل الباطلۃ کتعلیم الردۃ لتبین من زوجہا وتسقط عنہا الزکوۃ بلکہ منع کیا جائے فتوی دینے سے مفتی ماجن یعنی مفتی بیباک جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاوے جیسے ارتداد سکھانا کہ عورت اپنے زوج کے نکاح سے چھوٹ جائے یا اس سے زکوۃ دینا ساقط ہو جائے م زیلعی نے کہا مفتی ماجن وہ ہے جو حیل باطلہ سکھائے اور حرام کے حلال کہہ دینے اور حلال کے حرام بتا دینے میں بے پرواہ اور بیباک ہو جائے قاضیخاں میں ہے کہ مفتی ماجن وہ ہے جو حیل باطلہ کی تعلیم کرے اور فتوی جہالت سے دے یعنی علم فقہ نہ جانتا ہو اور فتوی دینے پر جرأت کرتا ہو وطبیب جاہل اور منع کیا جائے علاج کرنے سے طبیب جاہل م طبیب جاہل وہ ہے جو بیمار کو دوائے مہلک پلا دیتا ہو خواہ اس کو مہلک جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور جب کہ دوا مریض پر شدت کرے تو اس کا ضرر دور نہ کر سکتا ہو کذا فی الطحطاوی فتاوی قاضیخان میں ہے کہ طبیب جاہل وہ ہے جو لوگوں کو مضر اور مہلک دوا پلا دے اور وہ اس کو شفا اور دوا جانتا ہو ومکار مفلس اور منع کیا جائے مکار مفلس یعنی جانور کا کرایہ کرنے والا م حموی نے اپنی شرح میں کہا کہ حجر کے اسباب تین ہیں یعنی طفلی اور مملوکی اور جنون اور ان کے ساتھ تین اور ملحق ہیں یعنی مفتی حیلہ آموز اور طبیب جاہل اور مکاری مفلس یہ روایت ہے امام اعظم سے اور تینوں سے تین اور ملحق ہیں محتکر یعنی جو قحط میں غلہ نہ بیچے اور غلہ فروش جب کہ بیع میں تعدی کریں بسبب زیادتی قیمت کے اور کافر ذمی کا غلام مسلمان ہو جاوے اور وہ اس کو نہ بیچے تو قاضی اس کو بیچ ڈالے چنانچہ ابن فرشتہ نے شرح مجمع میں بیان کیا ہے اور صاحبین کے نزدیک سفیہ اور مغفل اور مدیون بھی محجور التصرف ہیں ابن ضیاء نے شرح مجمع میں کہا کہ یہ جو امام سے مروی ہے کہ ان کے نزدیک حجر نہیں مگر تین پر مفتی ماجن اور طبیب جاہل اور مکاری مفلس پر سو مراد اس سے حقیقت حجر کی نہیں ہے یعنی عدم نفوذ تصرف اس واسطے کہ اگر مفتی فتوی دے حجر کے بعد اور وہ فتوی ٹھیک دیوے تو جائز ہے اسی طرح اگر طبیب دوا بیچے حجر کے بعد تو بیع اس کی نافذ ہے تو معلوم ہوا کہ حجر حقیقی مراد نہیں بلکہ منع جس سے ظاہری مراد ہے اس طرح پر کہ وہ لوگ اپنے کام سے روکے جاویں اس واسطے کہ مفتی حیلہ آموز لوگوں کے دین میں فساد ڈالتا ہے اور طبیب جاہل ان کے ابدان فاسد کرتا ہے اور مکاری مفلس ان کے اموال تباہ کرتا ہے اس واسطے کہ جب مکاری نے اونٹ کا کرایہ کیا اور حالانکہ اس کے پاس نہ اونٹ ہے نہ اور جانور جس پر بار برداری کرے اور نہ اس کے پاس مال ہے جس سے جانور بار بردار خرید کرے اور لوگ اس پر اعتماد کر کے اپنا مال کرایہ میں دیتے ہیں اور وہ مال کو اپنی حاجات میں صرف کر ڈالتا ہے پھر جب سفر کا وقت آتا ہے تو وہ چھپ رہتا ہے اور لوگوں کے مال تلف ہوتے ہیں اور فساد اس شخص کا خلق اللہ کو پہنچتا ہے مفتی ماجن اور طبیب جاہل کے فساد کے مانند تو الحاق ضرر خاص واسطے دفع کرنے ضرر عام کے جائز ہے اور یہ از قسم امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہوا نہ از باب حجر تو تناقض لازم نہ ہوا کذا فی الطحطاوی وعندہما یحجر علی الحر بالسفہ والغفلۃ بہ ای بقولہما یفتی صیانۃ لمالہ اور صاحبین کے نزدیک حجر کیا جائے آزاد بالغ پر بسبب سفاہت اور غفلت کے اور صاحبین کے ہی قول پر فتوی ہے اس کے مال کے بچانے کے واسطے وعلی قولہما المفتی بہ فیکون فی احکامہ کصغیر اور بموجب قول مفتی بہ صاحبین کے سفیہ اور غافل اپنے احکام میں صغیر نابالغ کے مانند ہیں م یعنی اس سفیہ نابالغ کے عقود تحتمل الفسخ میں قاضی کو اختیار ہوگا چاہے جاری رکھے چاہے فسخ کر دے ثم ہذا الخلاف فی تصرفات تحتمل الفسخ ویبطلہا الہزل پھر دریافت کرنا چاہیے کہ یہ اختلاف صاحبین کا امام کے ساتھ ان تصرفات میں ہے جن میں فسخ کا احتمال ہو اور ہزل اور بیہودگی باطل کر دیتی ہووے م یعنی امام کے نزدیک سفیہ کے تصرفات کو نہ روکنا اور صاحبین کے نزدیک روکنا مخصوص تصرفات مذکورہ سے ہے چنانچہ بیع اور شرا اور ہبہ وغیرہ وذلک اما ما لا یحتملہ ولا یبطلہ الہزل فلا یحجر علیہ بالاجماع فلذا قال الا فی نکاح وطلاق وعتاق واستیلاد وتدبیر ووجوب زکوۃ وفطرۃ وحج وعبادات وزوال ولایۃ

ابیہ وجدہ وفی صحۃ اقرارہ بالعقوبات وفی الانفاق وفی صحۃ وصایاہ بالقرب من الثلث فھو ای فی ہذہ کبالغ اور ان تصرفات میں کہ جو فسخ کے محتمل نہیں اور ان کو ہزل باطل نہیں کرتا سفیہ پر بالاتفاق حجر نہ ہوگا، اسی واسطے مصنف نے کہا کہ سفیہ صغیر کے مانند ہے مگر نکاح اور طلاق اور عتاق اور استیلاد اور تدبیر اور زکوٰۃ اور صدقہ فطر اور حج اور عبادات بدنیہ کے واجب ہونے اور اس کے باپ اور دادا کی ولایت زائل ہوجانے میں اور اقرار عقوبات یعنی حد اور قصاص کے صحیح ہونے میں اور انفاق یعنی نفقہ زوجہ اور ذوی الارحام کے صحت اقرار میں اور حسنات کے وصایا کے صحیح ہونے میں ثلث مال سے کہ سفیہ ان امور مذکورہ میں بالغ کے مانند غیر محجور ہے یعنی جس طرح بالغ غیر محجور کے تصرفات صحیح ہیں اسی طرح سفیہ کے بھی یہ تصرفات بالاتفاق صحیح ہوں گے ان میں صاحبین کے نزدیک بھی حجر نہیں وفی کفارۃ کعبد اشباہ اور سفیہ کفارہ میں غلام کے مانند ہے کذا فی الاشباہ م خزانۃ الاکمل میں ہے کہ قسم اور نذر اور ظہار اور قتل کے کفارہ میں قاضی سفیہ کا مال صرف نہ ہونے دے بلکہ وہ روزے رکھے کذا فی الطحطاوی والحاصل ان کل ما یستوی فی الہزل والجد ینفذ من المحجور وما لا فلا الا باذن القاضی خانیۃ وخلاصہ کلام یہ ہے کہ جس تصرف میں ہزل اور جد برابر ہے وہ محجور کا بھی نافذ ہے اور جو برابر نہیں وہ تصرف محجور کا نافذ نہیں مگر قاضی کے اذن سے کذا فی الخانیۃ فان بلغ الصبی غیر رشید لم یسلم الیہ مالہ حتی یبلغ خمسا وعشرین سنۃ پھر اگر صغیر غیر رشید ہی بالغ ہو یعنی باوجود بلوغ ایسا ہوشیار نہ ہو کہ اپنا نفع اور ضرر پہچانے تو اس کا مال اس کو نہ دیا جائے یہاں تک کہ وہ ۲۵ برس کو پہنچے م درر میں ہے کہ ۲۵ برس کی قید اس واسطے لگائی کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عقل مرد کی انتہا کو پہنچ جاتی ہے جب کہ وہ ۲۵ برس کو پہنچ جاتا ہے خزانۃ الاکمل میں ہے کہ جب یتیم بالغ ہو تو وصی اس کا مال اس کو جلد نہ دے بلکہ توقف کرے اور اس کو کچھ مال سوداگری کے واسطے دے کر آزماکر دے پس اگر اس کو مصلح پاوے تو اس کا مال اس کو دے اور اگر مفسد بیباک دیکھے تو مال نہ دے پھر جب ۲۵ برس کو پہنچے تو مال اس کو دے خواہ وہ مصلح ہو یا نہ ہو کذا فی البدائع فصح تصرفہ قبلہ ای قبل المقدار المذکور من المدۃ تو صحیح ہے تصرف بالغ غیر ہوشیار کا قبل اس کے یعنی اس مدت کی مقدار مذکور سے پہلے م یعنی اگر ۲۵ برس سے پہلے بالغ غیر رشید بیع وغیرہ کا تصرف کرے گا اپنے مال میں تو صحیح ہوگا اس واسطے کہ بالغ عاقل پر حجر نہیں امام کے نزدیک اور ۲۵ برس تک غیر رشید کو نہ دینا حجر نہ تھا بلکہ تادیب کے واسطے تھا وبعدہ یسلم الیہ وجوبا حتی لو منعہ منہ بعد طلبہ ضمن وقبل طلبہ لا ضمان کما یفیدہ کلام المجتبی وغیرہ قالہ شیخنا اور ۲۵ برس کے بعد دینا واجب ہوگا یہاں تک کہ اگر اس کا ولی اس کو مال نہ دے اس کے مانگنے کے بعد تو ولی پر تاوان لازم ہوگا در صورت ہلاک ہو جانے مال کے اور مانگنے سے پہلے تاوان نہیں چنانچہ مجتبی وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے ایسا کہا ہے ہمارے استاد نے وان لم یکن رشیدا وقالا لا یدفع حتی یونس رشدہ ولا یجوز تصرفہ فیہ ۲۵ برس کے بعد مال دیا جائے گا اگرچہ رشید اور ہوشیار بھی نہ ہو اور صاحبین نے کہا کہ مال نہ دیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی ہوشیاری معلوم نہ ہو اور اس کا تصرف بھی قبل از ہوشیاری جائز نہیں اگرچہ وہ پیر فرتوت ہی ہوجائے والرشد المذکور فی قولہ تعالی فان آنستم منہم رشدا ہو کونہ مصلحا فی مالہ فقط ولو فاسقا قالہ ابن عباس رض اور وہ رشد جو مذکور ہے حق تعالیٰ کے اس قول میں کہ اگر تم یتیموں کا رشد معلوم کرو تو ان کے مال ان کو دو تو مراد اس سے یہ ہے کہ بہ فقط اپنے مال میں مصلح ہوں نہ مفسد اگرچہ فاسق ہو ایسا کہا ہے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے م اصلاح فی الحال سے مراد یہ ہے کہ مال کو حلال میں صرف کرے نہ حرام میں اور مسرف فضول خرچ نہ ہو اور امام شافعی کے نزدیک رشد سے مراد اصلاح فی المال اور اصلاح فی الدین دونوں مراد ہیں کذا فی الطحطاوی والقاضی یحبس الحر المدیون لیبیع مالہ لدینہ اور قاضی محبوس کرے آزاد مدیون کو تاکہ وہ اپنا مال بیچ ڈالے اپنے قرض ادا کرنے کے واسطے م ادا کرنا دین کا واجب ہے مدیون پر اور مماطلت یعنی ٹالنا آجکل کے وعدے پر ظلم ہے تو حاکم کو مدیون کا حبس کرنا دفع ظلم کے واسطے لازم ہوا وقضی دراہم دینہ من دراہمہ یعنی بلا امرہ وکذا لو کان دنانیر اور حاکم اس کے دین کے روپے کو مدیون کے روپیوں سے ادا کرے یعنی بلا امر مدیون کے اور اسی طرح اگر دین اشرفیاں ہوں تو مدیون کی اشرفیوں سے ادا کرے وباع دنانیرہ لدراہم دینہ وبالعکس استحسانا لاتحادہما فی الثمنیۃ اور قاضی مدیون کی اشرفیاں بیچ ڈالے ادھار کے روپیوں کے واسطے اور روپیہ بیچے اشرفیوں کے ادا کرنے کے واسطے استحسان کی وجہ سے اس واسطے کہ ثمن ہونے میں اشرفی اور روپیہ دونوں متحد ہیں لا یبیع القاضی عرضہ ولا عقارہ للدین خلافا لہما وبہ ای بقولہما یبیعہما للدین یفتی اختیار وصححہ فی تصحیح القدوری

نہ بیچے قاضی مدیون کے اسباب کو اور نہ زمین اور باغ وغیرہ مال غیر منقول کو دین کے واسطے برخلاف مذہب صاحبین کے اور فتوی ہے صاحبین کے اس قول پر کہ قاضی مدیون کے اسباب اور مال غیر منقول کو ادائے دین کے واسطے بیچ ڈالے چنانچہ اختیار شرح مختار میں ہے اور صحیح کیا ہے اس قول کو تصحیح قدوری میں و یبیع کل مالا یحتاج فی الحال اور بموجب قول مفتی بہ کے حاکم بیچ ڈالے ہر وہ چیز جس کی مدیون کو فی الحال حاجت نہیں ہم ادائے دیون کے واسطے اول نقود کی بیع ہو پھر اسباب کی پھر غیر منقول کی اور جس کی فی الحال حاجت نہیں وہ بیچی جائے تو نمدار اور دنی قالین موسم گرمی میں بیچا جائے اور شطرنجیاں موسم سرما میں اور لوہے کی انگیٹھی بیچی جائے مٹی کی انگیٹھی سے مدیون اپنا کام نکالے کذا فی الطحطاوی ولو اقر بمال یلزمہ بعد الدیون مالم یکن ثابتا ببینۃ او علم قاض فیزاحم الغرماء کمال استہلکہ اذ لا حجر فی الفعل کما مر اگر مدیون کسی شخص کے مال کا اقرار کرے تو اس کو ادا کرنا لازم ہوگا بعد ادا ہو جانے ان دیون کے جن کے واسطے وہ محبوس ہوا تا وقتیکہ مال مذکور گواہوں سے یا قاضی کے علم سے ثابت نہ ہوا اور اگر ثابت ہو تو مقر لہ اور اصحاب دیون کا مزاحم ہوگا یعنی ان کے وہ بھی اپنا دین لے گا مانند اس مال کے جس کو مدیون نے تلف کر ڈالا اس واسطے کہ حجر نہیں ہے فعل میں چنانچہ مذکور ہو چکا ہم قول معتمد یہ ہے کہ قاضی کو اپنی دانست پر بدون گواہوں کے حکم دینا جائز نہیں، کذا فی الطحطاوی افلس ومعہ عرض شراہ فقبضہ بالاذن من بائعہ ولم یؤد ثمنہ فبائعہ اسوۃ الغرماء فی ثمنہ ایک شخص مفلس ہو گیا اور اس کے پاس وہ متاع ہے جو اس نے خرید کی اور قبضہ کیا ہو اس متاع پر اس کے بائع کے اذن سے اور ہنوز اس کا ثمن ادا نہیں کیا تو اس کا بائع اور دین والوں کے برابر ہے متاع کے ثمن میں ہم یعنی بائع فسخ بیع کر کے متاع کو نہیں لے سکتا بلکہ وہ متاع بیع ہو کر بائع اور باقی ارباب دیون کو اس کا ثمن حصہ رسد دیا جائے گا اور باقی دین کے واسطے تا حصول مقدرت مدیون کو مہلت دی جائے گی اور یہ جو حدیث میں وارد ہے کہ جو اپنی متاع بعینہ مرد مفلس کے پاس پاوے تو وہ احق بالمتاع ہے اپنے غیر سے اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ جو اپنی متاع بعینہ مفلس کے پاس پاوے تو زیادہ تر وہ اس کا حقدار ہے تو اس متاع سے مراد وہ متاع ہے جو بطریق غصب اور عاریت اور ودیعت اور اجارہ اور رہن کے ہو کہ وہ بعینہ اس کا مال ہے اور مبیع تو بائع کا مال نہیں رہی اور نہ اس کی وہ متاع ہو گی بلکہ یہ چیز تو مشتری کا مال ٹھہرے گی کیونکہ وہ بائع کی ملک سے نکل گئی اور بیع اور قبض سے اس کا ضمان لازم ہو گیا کذا فی الطحطاوی توضیح فان افلس قبل قبضہ او بعدہ لکن بغیر اذن بائعہ کان لہ استردادہ وحبسہ بالثمن وقال الشافعی للبائع الفسخ پھر اگر مشتری مفلس ہو گیا قبل قبض مبیع کے یا بعد قبض کے لیکن قبض مبیع بغیر بائع کے اذن کے تھا تو بائع کو مبیع کا پھیر لینا اور اس کا روک رکھنا ثمن کے واسطے جائز ہے اور امام شافعی نے کہا کہ بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہے حجر القاضی علیہ ثم رفع الی قاض آخر فاطلقہ واجاز ما صنع المحجور کذا فی الخانیۃ وہو ساقط من الدرر والمنح جاز اطلاقہ قاضی نے ایک شخص پر حجر کیا یعنی بیع اور شراء وغیرہ سے اس کو روک دیا پھر اس کا مرافعہ دوسرے قاضی کے پاس ہوا سو اس نے اس کو کھول دیا مطلق العنان کر دیا اور جائز کر دیا اس تصرف کو جو محجور نے کیا کذا فی الخانیۃ تو قاضی ثانی کا اطلاق جائز ہے اور وہ یعنی اجازت تصرفات محجور کی ساقط اور رہ گئی ہے درر اور منح الغفار سے وما صنع المحجور فی مالہ من بیع وشراء قبل اطلاق الثانی او بعدہ کان جائزا لان حجر الاول مجتہد فیہ فیتوقف علی امضاء قاض آخر اور جو تصرف محجور نے کیا اپنے مال میں بیع یا شراء سے قبل اطلاق ثانی کے اور بعد اس کے وہ جائز ہوگا اس واسطے کہ قاضی اول کا حجر کرنا محل اختلاف مجتہدین ہے پس موقوف رہے گا دوسرے قاضی کے جاری رکھنے پر فروع مسائل ملحقہ شارح کے یصح الحجر علی الغائب لکن لا ینحجر مالم یعلم خانیہ صحیح ہے حجر کرنا شخص غائب پر لیکن وہ محجور نہ ہوگا جب تک اس کو معلوم نہ ہوگا کہ قاضی نے میرا تصرف منع کر دیا ہے کذا فی الخانیۃ ہم اور اگر غائب محجور تصرف کرے قبل العلم بعد الحجر تو اس کے تصرفات نافذ ہیں اور اگر یتیم بالغ ہو سفاہت کی حالت میں تو قبل از حجر قاضی محجور نہ ہوگا ابو یوسف کے نزدیک اور اس کے تصرفات نافذ ہوں گے اور محمد کے نزدیک محجور ہوگا بدون حجر کرنے کے کذا فی الخانیۃ ولا یرتفع الحجر بالرشد اور رشد کے پیدا ہوتے ہی حجر نہیں اٹھ جاتا بل باطلاق القاضی بلکہ جب قاضی اس کو اٹھنے کا حکم دیوے ولو ادعی الرشد وادعی خصمہ بقاءہ علی السفہ وبرہنا ینبغی تقدیم بینۃ بقاء السفہ اشباہ اور اگر دعوی کیا رشد اور ہوشیاری کا اور اس کے مخاصم نے اس کے باقی رہنے کا سفاہت پر اور دونو گواہ لائے اپنے دعوی پر تو بقائے سفاہت کے گواہوں کو مقدم رکھنا لائق ہے کذا فی الاشباہ ہم طحطاوی نے کہا صاحب اشباہ کی یہ بحث مخالف ہے منقول کے

اس واسطے کہ ظہیریہ میں ہے کہ ایک مرد صالح تھا پھر فاسد ہو گیا قاضی نے اس پر حجر کیا اور ایک انسان نے اس سے کچھ خریدا پھر محجور اور مشتری میں اختلاف ہوا مشتری نے کہا کہ میں نے تجھ سے اس کو خرید کیا تھا تیری صلاح کی حالت میں اور محجور نے کہا بلکہ حجر کی حالت میں تو محجور کا قول مقبول ہے اور اگر دونوں گواہ لادیں تو مدعی کی صحت کے گواہ مقبول ہیں انتہی اور ذخیرہ ناظر میں ہے کہ بقائے سفاہت سے زوال سفاہت کے گواہ مقدم ہیں وفی الوہبانیۃ ۵ ومن یدعی اقرارہ قبل حجرہ فمن یدعیہ وقتہ فہو احدر بہ ۵ اور وہبانیہ میں ہے اور جو دعوی کرے محجور کے اقرار کا محجور ہونے سے پہلے سو جو شخص کہ اقرار کا دعوی کرے حجر کے وقت کا تو وہی لائق تر مقبول ہے م شارح وہبانیہ نے مطلب یوں بیان کیا ہے کہ اگر محجور نے کہا صالح ہو جانے کے بعد کہ میں نے جو استہلاک درہم کا اقرار کیا تھا سو حالت حجر میں کیا تھا اور صاحب مال نے کہا کہ تو نے اس کا اقرار اپنی اصلاح کی حالت میں کیا تھا تو مقر کا قول مقبول ہوگا اس واسطے کہ حالت حجر منافی صحت اقرار ہے تو در حقیقت وہ منکر ٹھہرا تو اسی کا قول مقبول ہوگا اور وہ بمنزلہ غیر بالغ کے ہوا کذا فی الطحطاوی ۵ ولو باع والقاضی اجاز وقال لا تودی فاداہ من بعد تخسرا ۵ اور اگر محجور نے بیع کی اور قاضی نے بیع جائز رکھی اور قاضی نے مشتری سے کہا کہ تو اس کا ثمن محجور کو نہ دیجیو سو مشتری نے محجور کو ثمن ادا کیا بعد اس کے تو مشتری کا نقصان ہوگا۔ م اس واسطے کہ جب قاضی نے مشتری کو ادائے ثمن سے منع کیا تو قبض ثمن کا قاضی کے واسطے ثابت ہوگا تو اب محجور کو دینا ایسا ہوا جیسے اجنبی کو دیا تو مشتری نے اپنا مال ضائع کیا یعنی اس کا ثمن دوبارہ اس کو دینا پڑے گا۔ اور اگر قاضی نے بیع محجور کی جائز رکھی اور ادائے ثمن سے مشتری کو منع نہیں کیا اور مشتری نے محجور کو ثمن دیا تو جائز ہے اس واسطے کہ اجازت بیع درحقیقت دفع ثمن کی اجازت ہے کذا فی الطحطاوی **فصل** یہ فصل ہے صغیر کے بالغ میں م بلوغ لغت میں بمعنی وصول ہے اور اصطلاح میں عبارت ہے انتہائے حد طفلی سے اور چونکہ طفلی ایک سبب تھا اسباب حجر سے اور اس کی ایک نہایت تھی تو اس کی انتہا کا بیان واجب ہوا اور یہ فصل اس کے بیان میں ہوئی کذا فی النہر بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والاصل ہو الانزال بالغ ہونا طفل صغیر کا ثابت ہوتا ہے احتلام سے یعنی خواب میں منی ٹپکنے سے اور عورت کے حاملہ کر دینے سے اور انزال منی سے اور بلوغ میں اصل انزال ہی ہے م اصل انزال اس واسطے ہوا کہ احتلام معتبر نہیں بدون انزال کے اور عورت حاملہ نہیں ہوتی مگر انزال سے تو وہی اصل ٹھہرا اور احتلام اور احبال اس کے علامات سے ہے والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل ولم یذکر الانزال صریحا لانہ قلما یوجد منہا اور بالغ ہونا صغیرہ کا ثابت ہوتا ہے احتلام اور حیض اور حاملہ ہو جانے سے اور مصنف نے صغیرہ کے بلوغ میں انزال کو صریحا ذکر نہ کیا اس واسطے کہ صغیرہ کا انزال بہت کم دریافت ہوتا ہے م موئے زہار کا جمنا اور پستان کا اونچا ہونا ظاہر الروایۃ میں معتبر نہیں اور اسی طرح پنڈلی اور مونچھ اور بغل کے بال اور آواز کا بھاری ہو جانا معتبر نہیں بلوغ صغیر میں کذا فی الطحطاوی فان لم یوجد فیہما شیئ فحتی یتم لکل منہما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی لقصر اعمار اہل زماننا پھر اگر صغیر اور صغیرہ میں امور مذکورہ میں سے کوئی امر نہ پایا جاوے تو بلوغ کا حکم نہ ہوگا یہاں تک کہ صغیر اور صغیرہ کی پندرہ برس کی پوری عمر ہو اسی قول پر فتوی ہے بسبب کم ہونے ہمارے اہل زمانہ کی عمروں کے م در صورت عدم وجود علامات بلوغ امام کے نزدیک صغیر کی حد بلوغ اٹھارہ سال ہے اور صغیرہ کی سترہ سال اور صاحبین کے نزدیک پندرہ سال ہے اور امام سے بھی اس روایت ہے وجہ فتوی عادت غالبہ ہے اس واسطے کہ علامات بلوغ کی اس مدت میں اکثر ظاہر ہو جاتی ہیں تو اس مدت کو علامت بلوغ کی ٹھہرایا اس شخص کے حق میں جس میں علامت بلوغ ظاہر نہیں ہوئی کذا فی الدرر اور شارح نے کوتاہی عمر اہل زمانہ کو دلیل فتوی قرار دیا وادنی مدتہ اثنا عشرۃ سنۃ ولہا تسع سنین ہو المختار کما فی احکام الصغار اور کم تر مدت صغیر کے بالغ ہونے کی بارہ برس ہیں اور صغیرہ کی نو برس یہی قول مختار ہے چنانچہ احکام صغار میں ہے م شرح مجمع میں ہے کہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانچ یا اس سے کم تر سال کی صغیرہ اگر خون دیکھے تو وہ خون حیض نہیں اور نو برس یا زیادہ کی صغیرہ خون دیکھے تو وہ حیض ہے اور اختلاف ہے چھ اور سات اور آٹھ سال میں اور کافی میں بعضوں سے منقول ہے کہ کم تر مدت گیارہ سال ہے کذا فی الطحطاوی فان راہقا ای بان بلغا ہذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبہما الظا کذا قیدہ فی العمادیۃ وغیرہا فبعد ثنتی عشرۃ سنۃ یشترط شرطا آخر لصحۃ اقرارہ بالبلوغ وہو ان یکون بحال یحتلم مثلہ والا لا یقبل قولہ شرح وہبانیۃ پھر اگر صغیر اور صغیرہ قریب البلو ہوں یعنی اس ادنی مدت کو پہنچ گئے ہوں اور دونوں کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے ہیں تو ان کے قول کی تصدیق ہوگی اگر ظاہر حال ان کی تکذیب نہ کرے گا اسی طرح عدم تکذیب

کی تصدیق میں قید لگائی ہے عمادیہ وغیرہا میں اور بارہ برس کے بعد ایک اور شرط مشروط ہے اس کے بلوغ کے اقرار صحیح ہونے کے واسطے وہ شرط یہ ہے کہ صغیر کا ایسا حال ہو کہ ویسے صغیر کو احتلام ہوتا ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا کذا فی شرح الوہبانیہ یعنی اگر صغیر بارہ برس کے بعد اور صغیرہ نو برس کے بعد بلوغ کا دعویٰ کریں اور نہایت ناتوان اور لاغر اور خستہ حال ہوں تو ان کی تصدیق نہ ہوگی کیونکہ ظاہر حال ان کا ان کے قول پر دلالت نہیں کرتا۔ وہما حینئذ کبالغ حکما فلا یقبل جحود البلوغ بعد اقرارہ مع احتمال حالہ فلا ینقض قسمتہ ولا بیعہ اور صغیر اور صغیرہ اس وقت میں یعنی اقرار بلوغ کے وقت میں بعد شرائط مذکورہ کے بالغ جوان کے مانند ہیں حکم میں پس انکار بلوغ کا مقبول نہ ہوگا اقرار کے بعد باوجود احتمال رکھنے اس کی حالت کے تو اس کی قسمت اور بیع منقوض نہ ہوگی م فتاوی قاضی خان میں ہے کہ ایک لڑکا خرید و فروخت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بالغ ہوں پھر اگر بعد اس کے کہے کہ میں بالغ نہیں تو جب کہ اس نے بلوغ کا اظہار کیا تھا وہ محتمل بلوغ کا تھا یعنی بارہ برس یا زیادہ کا تھا تو اب اس کا انکار معتبر نہیں اور اگر بارہ برس سے کم کا ہے تو اقرار اس کا صحیح نہیں اور حموی میں ہے کہ دونوں کے احکام بالغوں کے مانند ہیں باقی تصرفات میں کذا فی الطحطاوی وفی الشرنبلالیۃ یقبل قول المراہقین قد بلغنا مع تفسیر کل بماذا بلغ بلا یمین اور شرنبلالیہ میں ہے کہ صغار قریب البلوغ کا یہ قول مقبول ہے کہ البتہ ہم بالغ ہو چکے ہر شخص کے اس بیان کے ساتھ کہ کون علامت سے وہ بالغ ہوا بدون قسم کے م یعنی تصدیق قسم پر موقوف نہیں لیکن بیان کیفیت بلوغ البتہ اس پر لازم ہے وفی الخزانۃ اقر بالبلوغ قبل اثنتی عشرۃ سنۃ لا تصح الا بالبینۃ وبعدہ تصح انتہی اور خزانہ میں ہے کہ صغیر نے بلوغ کا اقرار کیا تو بارہ برس سے پہلے صحیح نہیں مگر گواہوں سے اور بعد بارہ برس کے اقرار بدون شہادت صحیح ہے انتہی کلامہ م معائنہ انزال کی گواہی سے اقرار بلوغ کا صحیح ہوگا واللہ اعلم واستغفر اللہ الکریم

کتاب الماذون

یہ کتاب ہے عبد ماذون کے احکام میں م ماذون وہ غلام ہے جس کو مالک اس کا سوداگری کی اجازت دے مصنف اس کتاب کو کتاب الحجر کے بعد اس واسطے لایا کہ اذن مسبوقیت حجر کو مقتضی ہے الاذن لغۃ الاعلام اذن لغت میں عبارت ہے اعلام یعنی بتانے اور جتانے سے قاموس میں اذن بمعنی علم اور اباحت مذکور ہے وشرعا فک الحجر ای فی التجارۃ لان الحجر لاینفک عن العبد الماذون فی غیر باب التجارۃ ابن کمال اور شرع میں اذن عبارت ہے منع تصرف کے دور کر دینے سے یعنی تجارت میں اس واسطے کہ حجر یعنی منع تصرف جدا نہیں ہوتا عبد ماذون سے باب تجارت کے سوائے میں کذا ذکرہ ابن کمال م یعنی فک سے اطلاق حجر مطلقا مراد نہیں اس واسطے کہ عبد ماذون کو تبرع اور اعتاق اور تکفیر بالمال جائز نہیں بلکہ فقط امور تجارت کا اطلاق مراد ہے واسقاط الحق اور شرع میں اذن عبارت ہے اسقاط حق سے م اسقاط حق سے مراد اسقاط حق منع ہے نہ فقط مولی کا حق اس واسطے کہ اس صورت میں اذن فقط غلام کو شامل ہوگا نہ صغیر کو اور حالانکہ اذن غلام اور صغیر دونوں کو شامل ہے المسقط ہو المولی لو الماذون رقیقا والولی لو صبیا حق منع کا ساقط کرنے والا مولی ہوگا اگر ماذون غلام ہے اور ولی ہوگا اگر ماذون صغیر ہے وعند زفر والشافعی ہو توکیل وانابۃ اور زفر اور امام شافعی کے نزدیک اذن عبارت ہے وکیل کرنے اور نائب کرنے سے م ثمرہ خلاف کا ظاہر ہوتا ہے اس میں کہ تخصیص اذن کی ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے کہ غلام اس کے خلاف نہیں کر سکتا وکیل کے مانند اور ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہوتی ثم یتصرف العبد لنفسہ باہلیتہ فلا یتوقت بوقت ولا یتخصص بنوع تفریع علی کونہ اسقاطا یعنی جب مولی نے اذن دیا تو حجر منفک ہو گیا پس تصریف کرے گا غلام اپنی ذات کے واسطے بسبب اپنی اہلیت کے تو اذن اور تصرف کسی وقت کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور کسی قسم کی تجارت کے ساتھ مخصوص ہوگا یہ قول متفرع ہے اذن کے اسقاط ہونے پر م غلام عقل اور بلوغ کی جہت سے تصرف کی لیاقت رکھتا ہے لیکن وہ ممنوع التصرف ہے مولی کے حق کے سبب سے پھر جب کہ مولی نے اپنا حق ساقط کر دیا تو غلام ٹھہرا اپنی اہلیت اصلیہ کی وجہ سے کذا فی الزیلعی مختصرا ولا یرجع بالعہدۃ علی سیدہ لفکہ الحجر اور عہدہ تصرف غلام کی رجوع اس کے مولی پر نہ ہوگی بسبب دور کر دینے مولی کے منع تصرف کو م یعنی جب مولی نے غلام کو تصرف کا اذن دیا تو اگر غلام کوئی چیز خرید کرے گا تو اس کے ثمن کا مطالبہ مولی سے نہ ہوگا یہ قول متفرع ہے یتصرف لنفسہ پر فلو اذن لعبدہ تفریع علی فک الحجر یوما او شہرا صار ماذونا مطلقا حتی یحجر علیہ لان الاسقاطات لا تتوقت پھر اگر مولی نے اپنے غلام کو ایک دن یا ایک مہینے کے تصرف کا اذن دیا تو وہ ماذون ہو گیا مطلقا یعنی ہمیشہ یہاں تک کہ مولی اس کو منع کرے اس واسطے کہ اسقاطات توقیت اور تقیید کو قبول نہیں کرتی شارح نے کہا اذن غلام متفرع ہے فک حجر پر ولم یتخصص بنوع فاذا اذن فی نوع عم اذنہ فی الانواع کلہا لانہ فک الحجر لا توکیل اور اذن اور تصرف ایک قسم کی تجارت کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا پھر جب کہ مولی نے ایک قسم میں اذن دیا تو اس کا اذن عام اور شامل ہو جاوے گا تجارت کی سب قسموں کو اس واسطے کہ اذن فک حجر ہے نہ توکیل کہ عام نہ ہو سکے م پس اگر دریا کی تجارت کا اذن دیا اور خشکی کی تجارت سے منع کیا تھا تو یہ خشکی کی تجارت کا بھی اذن ہو گیا اگرچہ غلام خشکی کی تجارت کو نہ جانتا ہو اور مالک اس سے بھی واقف ہو کذا فی القہستانی ثم اعلم ان الاذن بالتصرف النوعی اذن بالتجارۃ وبالشخصی استخدام پھر اس کو دریافت کر کہ تصرف نوعی کا اذن تجارت کا اذن ہے اور

تصرف شخصی کا اذن استخدام یعنی خدمت لینا ہے نہ اذن تجارت م فتاوی عالمگیری میں ہے کہ حد فاصل تجارت اور استخدام میں یہ ہے کہ اگر غلام[سلہ] کو عقود کا بار بار اذن دیا اور معلوم ہوا کہ مراد مولی کی جلب منفعت ہے تو وہ اذن تجارت کا اذن ہے اور عقد واحد کا اذن دیا اور معلوم ہوا کہ منفعت مقصود نہیں تو وہ تجارت کا اذن نہیں بلکہ استخدام ہے عرف اور عادت میں یعنی اگر مولی نے کہا کہ کپڑے کی خرید و فروخت کر تو وہ ماذون تجارت میں ہوا آور اگر کہا کہ فلانے شخص کے پاس فلانے کام میں مزدوری کر تو وہ ماذون فی التجارۃ نہیں اس واسطے کہ ایک ہی عقد کا امر کیا اور اگر کہا کہ لوگوں کے یہاں فلانے کام میں مزدوری کر تو یہ اذن ہے تجارت کا بسبب عدم تعین مستاجر تو عقود مختلفہ کا اذن ہوا انتہی اتقانی نے کہا کہ اگر عمل خاص کا اذن بھی اذن عام ہو جاتا تو بڑی تنگی لوگوں پر پڑتی کہ ایک پیسے کے ساگ خرید کرانے سے غلام ماذون فی التجارۃ ٹھہر جایا کرتا اور استخدام کا مضمون فوت ہوتا اسی ضرورت سے ہر اذن اذن عام نہیں ہوتا بلکہ وہ استخدام اور توکیل ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا و تثبت الاذن دلالۃ فعبد رآہ سیدہ یبیع ملک اجنبی فلو ملک مولاہ لم یجز حتی یاذن بالنطق بزازیۃ و درر عن الخانیۃ اور ثابت ہوتا ہے اذن دلالۃ حال سے تو جس غلام کو اس کے مولی نے ملک اجنبی کو بیع کرتے دیکھا تو اگر مولی اپنے غلام کو اپنی ملک بیچتے دیکھے گا تو فقط سکوت سے اذن جائز نہ ہوگا جب تک زبان سے اذن دے چنانچہ بزازیہ اور درر میں ہے خانیہ سے م اذن جائز نہ ہوگا یعنی اذن ثابت نہ ہوگا اس تصرف میں جس میں سکوت واقع ہوا کما ذکرہ عزمی زادہ اور اور یہ مراد نہیں کہ اس تصرف کے سوا اور تصرفات میں بھی اذن ثابت نہ ہوگا جیسا کہ شرنبلالیہ کا مصنف سمجھا ہے کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود لکن سوی بینھما الزیلعی وغیرہ و جزم بالتسویۃ ابن کمال و صاحب الملتقی ورجحہ و فی الشرنبلالیۃ بان ما فی المتون والشروح اولی مما فی کتب الفتاوی فلیحفظ لیکن مال اجنبی اور مال مولی کو برابر کیا ہے زیلعی وغیرہ نے اور ابن کمال اور صاحب ملتقی نے دونوں مالوں کی برابری کا یقین کیا ہے اور شرنبلالیہ میں دونوں کی برابری کی ترجیح دی ہے اس طرح پر کہ جو روایت کہ متون اور شروح میں ہے وہ مقدم اور اولی ہے اس روایت سے جو فتاوی کی کتابوں میں ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م یہ استدراک بے موقع ہے اس واسطے کہ زیلعی کا کلام کہ غلام ماذون ہو جاتا ہے اس فعل کے بعد جس پر سکوت واقع ہوا اور یہ بزازیہ اور درر کے مغائر ہے اس واسطے کہ بزازیہ اور درر کا موضوع نفس فعل مسکوت عنہ ہے اور یہ مقتضی ہے فعل اول کے فرق کا تو اگر اجنبی کا مال ہو تو سکوت سے غلام ماذون ہوگا فعل مسکوت عنہ میں اور اس کے مابعد میں اور اگر مولی کا مال ہوگا تو غلام ماذون ہوگا مابعد میں نہ اس فعل مسکوت عنہ میں کذا فی الطحطاوی و یشتری ما اراد و سکت السید ماذون خبر لمبتدا تو جس غلام کو اس کے مولی نے ملک اجنبی کو بیع کرتے اور جو چاہا اس کو خرید کرتے دیکھا اور مالک نے سکوت کیا تو وہ غلام ماذون فی التجارۃ دلالۃ لا نطقاً ہے شارح نے کہا ماذون خبر ہے مبتدا کی اور مبتدا ہے فعبد رآہ الا اذا کان المولی قاضیا اشباہ سکوت مولی کا اذن ہے مگر جب کہ مولی قاضی ہو تو سکوت اذن نہیں کذا فی الاشباہ و لکونہ یکون ماذونا فی بیع ذلک الشیء او شرائہ فلا ینفذ علی المولی بیع ذلک المتاع لانہ یلزم ان یصیر ماذونا قبل ان یصیر ماذونا وہو باطل و لیکن غلام ماذون نہ ہوگا اس چیز مسکوت عنہ کی بیع یا اس کی خرید میں تو مولی پر اس متاع کی بیع نافذ نہ ہوگی اس واسطے کہ لازم آتا ہے کہ غلام ماذون ہو جاوے ماذون ہو جانے سے پہلے اور حالانکہ یہ باطل ہے قلت لکن قید القہستانی معزیا للذخیرۃ بالبیع دون الشراء من مال مولاہ ای فیصح فیہ و علیہ فیفتقر الی الفرق واللہ الموفق میں کہتا ہوں لیکن عدم اذن یا عدم نفاذ کو قہستانی نے ذخیرہ سے نقل کر کے مقید کیا ہے بیع کے ساتھ نہ اس خرید کے ساتھ جو مولی کے مال سے ہو یعنی تو اس میں بھی خرید صحیح ہوگی اور بموجب قید ذخیرہ کے بیع اور شرا کے فرق بیان کرنے کی حاجت پڑے گی اور حق تعالی توفیق دے فرق بیان کرنے کی م زیلعی میں ہے کہ اگر مولی نے اپنے غلام کو خرید کرتے دیکھا مولی کے دراہم یا دنانیر سے اور اس کو منع نہ کیا تو وہ ماذون ہو گیا انتہی تو غلام اسی عقد میں ماذون ہو گیا حموی نے کہا وجہ فرق یہ ہے کہ خرید میں مبیع داخل ہو جاتی ہے مولی کی ملک میں تو کچھ ضرر نہیں بخلاف بیع کہ اس میں زائل ہو جاتی ہے مولی کی ملک سے تو اس بیع میں سکوت اذن نہ ہوا لیکن اس میں خلل یہ ہے کہ بیع اور شرا دونوں میں ادخال اور اخراج ہے حلبی نے کہا شاید وجہ فرق وہ ہے جو فقہا نے باب الفضولی میں مذکور کیا ہے کہ شرا اسرع نفاذ ہے بیع سے اور شری الدین

[سلہ] یعنی اگر غلام سے ہر قسم کی بیع اور شرا کرائے تو معلوم ہوگا کہ اذن ہے اور جو گاہ گاہ اس سے کوئی چیز منگوائے تو یہ استخدام اور خدمت لینا ہے اذن نہیں ۱۲

نے اس عقد کو موقوف رکھا ہے مولی کی اجازت پر یعنی اگر مولی اجازت دے دے تو نافذ ہے اور اگر باطل کر دے تو باطل ہے کذا فی الطحطاوی وثبت صریحا فلو اذن مطلقا بلا قید صح کل تجارة منه اجماعا اور وہ اذن ثابت ہوتا ہے صریحًا تو اگر غلام کو اذن دیا مطلقا بدون قید کے تو ہر تجارت غلام کی بالاتفاق صحیح ہوگی م اذن مطلق کی یہ مثال ہے کہ مولی کہے کہ میں نے تجھ کو اذن دیا سوداگریوں میں یا یوں کہے کہ اذن دیا سوداگری میں اور چیز معین کے خرید کی قید نہ لگائی اور نہ کوئی قسم سوداگری کی بیان کی کذا فی المنح اما لو قید فعندنا یعم خلافا للشافعی اور اگر اذن میں قید عام لگا دے گا تو ہمارے نزدیک قید معتبر نہ ہوگی۔ اذن عام ثابت ہوگا برخلاف مذہب شافعی کے فیبیع ویشتری ولو بغبن فاحش خلافا لهما تو عبد ماذون بیچے اور خرید کرے اگرچہ بیع اور شرا غبن فاحش کے ساتھ ہو برخلاف مذہب صاحبین کہ ان کے نزدیک بیع اور شرا بغبن فاحش عبد ماذون کو جائز نہیں ہے ویوکل بهما ویرهن ویرتهن ویعیر الثوب والدابة لانه من عادة التجار اور خرید و فروخت میں غیر کو وکیل کرے اور اپنی چیز دوسرے کے پاس گرو رکھے اور غیر کی چیز اپنے پاس رہن رکھے اور کپڑے اور جانور کو عاریت دے اس واسطے کہ یہ سوداگروں کی عادت ہے ویصالح عن قصاص وجب علی عبده اور مال دے کر صلح کرے اس قصاص سے جو واجب ہو ماذون کے غلام پر و یبیع من مولاه بمثل القیمة واما باقل منها فلا اور ماذون بیع کرے اپنے مولی سے قیمت کی برابر اور قیمت سے کم تر کی بیع تو جائز نہیں م اور بیع اکثر قیمت سے بطریق اولی جائز ہے ویبیع مولاه منه بمثل القیمة او اقل اور مولی عبد ماذون سے بیع کرے برابر قیمت یا کم تر سے وللمولی حبس المبیع لقبض ثمنه من العبد اور مولی کو جائز ہے روک رکھنا مبیع کا اس کے ثمن کے لینے کے واسطے عبد ماذون سے ویبطل الثمن خلافا لما صححه شارح المجمع معزیا للمحیط لو سلم المبیع قبل قبضه لانه لا یجب له علی عبده دین فخرج مجانا حتی لو کان الثمن عرضا لم یبطل لتعینه بالعقد وهذا کله لو الماذون مدیونا والا لم یجز بینهما بیع نهایة اور ثمن باطل ہوگا اگر مولی مبیع کو قبل قبض ثمن تسلیم کرے اس واسطے کہ اس صورت میں ثمن دین ٹھہرے گا اور مولی کا دین اس کے غلام پر واجب نہیں ہوتا تو مبیع مولی کے ہاتھ سے مفت نکل گئی تو اگر ثمن متاع ہو نہ کیلی اور وزنی چیز تو ثمن باطل نہ ہوگا بسبب متعین ہو جانے متاع کے عقد کے سے اور یہ سب مذکور یعنی ماذون کی بیع مولی سے اور مولی کی ماذون سے اس شرط پر ہے جب کہ ماذون مدیون ہو اور اگر مدیون نہ ہو تو مولی اور اس کے غلام میں بیع جائز نہیں کذا فی النهایة م جب غلام ماذون لوگوں کا مدیون ہوا تو اجنبی کے مانند ہوا تو مبایعت دونوں میں جائز ہوگی اور در صورت عدم دین جو غلام کے پاس ہے وہ مولی کا مال ہے تو خرید و فروخت اپنی ذات سے لازم آئی ولو باع المولی منه باکثر حط الزائد او فسخ العقد ای یومر السید بان یفعل واحدا منهما لحق الغرماء اور اگر مولی نے کوئی چیز ماذون کے ہاتھ اکثر قیمت سے بیچی تو زائد کو کم کر ڈالے یا عقد بیع کو فسخ کرے یعنی مالک کو امر کیا جائے کہ دونوں کاموں میں سے ایک کام کرے دین والوں کے حق کے سبب سے فیما کان من التجارة مولی زائد کو کم کرے یا بیع فسخ کرے اس چیز میں جو تجارت کی قسم سے ہو م طحطاوی نے کہا کہ اس قید کا مفہوم میں نے کتابوں میں نہیں دیکھا اور شاید کہ یہ احتراز ہے اس مبیع سے جو طعام اور لباس کے واسطے ہو کہ اس میں فسخ بیع نہیں تو اس کی تنقیح اور تلاش کرنا چاہیے و تقبل الشهادة علیه ای علی العبد الماذون بحق ما اور عبد ماذون کے ضرر پر گواہی مقبول ہوگی ہر ایک حق کی م چنانچہ ماذون کی غصب اور استہلاک ودیعت کی گواہی یا اس کے اقرار غصب وغیرہ کی گواہی اور اسی طرح بیع یا شرا یا اجارہ ماذون کی گواہی وان لم یحضر مولاه گواہی ماذون پر مقبول ہے اگرچہ اس کا مولی اس وقت حاضر نہ ہو ولو محجورا لا تقبل یعنی لا تقبل علی مولاه بل علیه فیواخذ به بعد العتق اور اگر غلام محجور التصرف ہو تو گواہی مقبول نہیں یعنی اس کے مولی پر مقبول نہیں بلکہ غلام محجور پر مقبول ہوگی سو اس کا مواخذہ ہوگا غلام سے اس کے آزاد ہونے کے بعد ولو حضرا معا فان الدعوی باستهلاک مال او غصبه قضی علی المولی وان باستهلاک ودیعة او بضاعة علی المحجور تسمع علی العبد وقیل علی المولی اور اگر مولی اور غلام محجور دونوں حاضر ہوں تو اگر استہلاک مال یا اس کے غصب کا دعوی ہو تو مولی پر حکم ہوگا یعنی مولے سے خطاب ہوگا کہ اس کو بیچے اور تاوان دے اور اگر ودیعت یا بضاعت کے تلف کر ڈالنے کا مجور پر دعوی ہو تو غلام پر دعوی مسموع نہ ہوگا یعنی عتق کے بعد اس سے مواخذہ ہوگا اور قول ضعیف یہ ہے کہ مولی پر مسموع ہوگا ولو شهدوا علی اقرار العبد بحق لم تقبل علی المولی مطلقا وتمامه فی العمادیة اور اگر گواہ گواہی دیں غلام کے

اقرار کرنے پر سابقہ حق کے یعنی غلام نے کسی کے حق کا اقرار کیا ہے تو اس کے مولی پر حکم نہ ہوگا مطلقا خواہ مولی حاضر ہو یا غائب اور پورا بیان اس کا عمادیہ میں ہے ویاخذ الارض اجارۃ ومساقاۃ ومزارعۃ ولیشتری بذرا یزرعہ اور غلام ماذون غیر کی زمین لے بطریق اجارہ اور معاملہ اور مزارعت کے اور وہ بیج خرید کرے جس کو بووے ویواجر ویزارع اور ماذون اپنے غلاموں کو اور دوکانوں اور گھروں کو اجارہ دے اور زمین بطریق مزارعت لے کذا فی الطحطاوی ولیشارک عنانا لا مفاوضۃ اور ماذون شرکت عنان کرے نہ شرکت مفاوضہ ولیستاجر ویوجر ولو نفسہ اور ماذون اجارہ دے اگرچہ اپنی ذات کا اجارہ ہو م ہر چند ایجار نفس ماذون ایجار مطلق سے معلوم ہو چکا تھا لیکن تصریح اس واسطے کر دی کہ اس میں امام شافعی کا خلاف ہے یعنی ان کے نزدیک غلام ماذون کو اپنا اجارہ دینا جائز نہیں ولیقر بودیعۃ وغصب ودین اور ماذون اقرار کرے ودیعت اور غصب اور دین کا یعنی یہ اقرار صحیح ہے ولو علیہ دین لغیر زوج وولد ووالد وسید فان اقرارہ لہم بالدین باطل عندہ خلافا لہما اور اگر ماذون پر زوج اور بیٹے اور باپ اور مولی کے سوا کسی اور شخص کا دین ہو تو اقرار صحیح اس کا ہے اس واسطے کہ ماذون کا اقرار کرنا زوج اور بیٹے اور باپ اور مولی کے دین کا باطل ہے امام کے نزدیک برخلاف مذہب صاحبین کے کذا فی الدرر م یعنی اگر زوج اور بیٹا اور باپ ماذون کا آزاد ہو تو ان کے دین کا اقرار باطل ہے خواہ وہ کسی کا مدیون ہو یا نہ ہو ولو بعین صح ان لم یکن مدیونا وہبانیۃ اور اگر دین کے سوا کسی اور شخص مقبوض کا اقرار کرے کہ یہ چیز زوج یا بیٹے یا باپ یا مولی کی ہے تو صحیح ہے اگر ماذون مدیون نہ ہو کذا فی الوہبانیۃ ویہدی طعاما یسیرا لا یعد سرفا ومفادہ انہ لایہدی من غیر الماکول اصلا ابن کمال وجزم بہ ابن الشحنۃ اور ماذون تھوڑا کم قیمت کھانا تحفہ دے اس طرح پر کہ وہ اسراف اور فضول خرچی شمار نہ ہو اور اس قول سے مستفاد ہوتا ہے کہ کھانے کے سوا اور چیز اصلا تحفہ نہ دے کذا ذکرہ ابن کمال اور یقین کیا اس پر ابن شحنہ نے م ابن شحنہ نے تحفہ دینا مذکور نہیں کیا بلکہ ضیافت اور تصدق ماکول قلیل کو اس نے بیان کیا ہے کذا فی الطحطاوی والمحجور لایہدی شیئا اور غلام محجور کچھ تحفہ نہ دے کسی کو نہ قلیل نہ کثیر نہ طعام نہ غیر طعام وعن الثانی اذا دفع للمحجور قوت یومہ فدعا بعض رفقائہ للاکل معہ فلا باس بخلاف مالو دفع الیہ قوت شہر اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ جب غلام کو محجور کو ایک دن کا کھانا دیا گیا سو اس نے اپنے کسی ساتھی کو اپنے ساتھ کھانے کے واسطے بلایا تو کچھ مضائقہ نہیں برخلاف اس صورت کے کہ اگر اس کو مہینے بھر کا کھانا دیا گیا تو کسی اور شخص کو اپنے ساتھ کھلانا درست نہیں ولا باس للمراۃ ان تتصدق من بیت سیدہا او زوجہا بالیسیر کرغیف ونحوہ ملتقی اور عورت پر کچھ مضائقہ نہیں اس کا کہ اپنے مولی یا اپنے زوج کے گھر سے تھوڑی سی خیرات کرے چنانچہ ایک روٹی اور مانند اس کے کذا فی الملتقی م یعنی بدون اطلاع شوہر تھوڑا صدقہ دینا جائز ہے اس واسطے کہ اس قدر دینے کو منع کرنا رائج نہیں ولو علم منہ عدم الرضی لم یجز اور اگر اس قدر تصدق دینے کی نارضامندی مولی یا شوہر کی معلوم ہو تو اتنا بھی جائز نہیں ویضیف من یطعمہ اور ماذون ضیافت کرے اس شخص کی جو اس کو کھانا کھلاتا ہے ویتخذ الضیافۃ الیسیرۃ بقدر مالہ اور کم خرچ تھوڑی ضیافت کرے بقدر اپنے مال کے م محمد سے مروی ہے کہ اگر ماذون کے پاس سوداگری کا مال دس ہزار درہم ہو تو دس درم ضیافت میں خرچ کرنا قلیل میں داخل ہے اور اگر مال تجارت دس درم نہ ہو تو ایک دانگ کی بھی ضیافت کثیر ہے کذا فی الطحطاوی عن المحیط ویحط من الثمن بعیب قدر ما یحط التجار اور ماذون کم کر ڈالے ثمن سے مبیع کے عیب کے سبب سے جس قدر سوداگر کم کر ڈالتے ہوں یعنی زیادہ کم کرنا درست نہیں ہے ویحابی ویؤجل مجتبی اور ماذون جنس بیچے اس کے ثمن سے کم تر اور ثمن لینے کی مدت مقرر کرے کذا فی المجتبی م قاموس میں ہے کہ حبا عبارت ہے عطائے بلا عوض اور بلا احسان سے اور محاباۃ عبارت ہے تصرف اور اختصاص اور میلان سے انتہی اور یہاں ان معانی سے کوئی مراد نہیں یہاں تو مراد جنس کا بیچنا ہے اس کے ثمن سے کم تر کے ساتھ تقلیل ثمن اور تاجیل اس واسطے ماذون کو جائز ہوئی کہ اہل تجارت کو کبھی اس کی حاجت پڑتی ہے کذا فی الطحطاوی ولا یتزوج الا باذن اور ماذون نکاح نہ کرے مگر مالک کے اذن سے اس واسطے کہ یہ تجارت کے باب سے نہیں ہے اور اس میں ضرر ہے مولی کا مہر واجب ہو جانے سے ولا یتسری وان اذن لہ المولی اور سریہ یعنی لونڈی کو حرم نہ بنا دے اگرچہ مولی نے اس کو اذن دیا ہو م اس واسطے کہ حرم بنانا ملک رقبہ پر مبنی ہے اور ماذون کسی چیز کا مالک نہیں ولا یزوج رقیقہ وقال ابو یوسف یزوج الامۃ اور اپنے مملوک کا لونڈی ہو یا غلام نکاح نہ کر دے اور ابو یوسف نے کہا لونڈی کا نکاح کر دے ولا یکاتبہ الا ان یجیزہ المولی ولا دین علیہ وولایۃ القبض للمولی اور ماذون مکاتب

نہ کرے اپنے مملوک کو مگر اس طرح کہ مولی اس کی اجازت دے اور حالانکہ ماذون پر دین نہ ہوا در بدل کتابت کے قبض کرنے کی ولایت مولی کے واسطے ثابت ہے
ولا العتق بمال الاان یجیزہ الی آخرہ امرا ور ماذون مملوک کو بعوض مال کے آزاد نہ کرے مگر یہ کہ مولی اس کو جائز رکھے تا آخر شروط مذکور یعنی مولی اجازت دے اور ماذون
پر دین نہ ہو اور ولایت قبض مولی کے واسطے ہے نہ ماذون کے واسطے ولا بغیرہ اور نہ بدون مال کے آزاد کرے ولا یقرض ولا یہب ولو بعوض اور نہ ماذون
قرض دے اور نہ ہبہ کرے اگرچہ ہبہ بالعوض ہو ولا یکفل مطلقا بنفس او مال اور ضامنی نہ کرے مطلقا نہ حاضر ضامنی نہ مال ضامنی ولا یصالح عن قصاص وجب
علیہ اور ماذون صلح نہ کرے اس قصاص سے جو اس پر واجب ہو ولا العفو عن القصاص اور نہ قصاص کو معاف کرے ولیصالح عن قصاص موجب علی عبدہ خزانۃ
المفتہ اور ماذون صلح کرے اس قصاص سے جو اس کے غلام پر واجب ہو کذا فی خزانۃ المفتہ وکل دین وجب علیہ بتجارۃ او بما ہو فی معناہا امثلۃ الاول کبیع
وشراء واجارۃ واستیجار وامثلۃ الثانی غرم ودیعۃ وغصب وامانۃ جحدہا عبارۃ الدرر وغیرہا جحدہا بلا میم فتنبہ وعقر وجب بوطی مشریۃ بعد الاستحقاق کل ذلک
متعلق برقبتہ کدین الاستہلاک والمہر ونفقۃ الزوجۃ یباع فیہ اور جو دین کہ واجب ہوا ماذون پر اس کی تجارت کے سبب سے یا اس سبب سے ہو جو بمعنی تجارت کے
ہے اول کی مثالیں چنانچہ بیع اور شرا اور اجارہ اور استیجار اور ثانی یعنی بمعنی تجارت کی مثالیں چنانچہ ودیعت کا تاوان اور اس غصب اور امانت کا تاوان جن کا ماذون
انکار کر چکا اور وہ مہر جو واجب ہوا استحقاق کے بعد خریدی لونڈی کی وطی سے ہر ایک دین مذکور متعلق ہے اذن کی گردن سے دین استہلاک اور مہر اور نفقہ زوجہ
کی مانند ماذون بیچا جاوے گا اس دین میں یعنی اس کو قاضی بیع کرے گا شارح نے کہا اور درر کی عبارت یوں ہے (وغرم ودیعۃ وغصب وامانۃ وغیرہا جحدہا)
بدون میم کے سو آگاہ رہنا مصنف کی عبارت میں ضمیر تثنیہ کی ہے تو انکار فقط غصب اور امانت کی مخصوص ہوا اور درر کی عبارت میں ودیعت اور غصب اور امانت
وغیرہا کو شامل ہو گیا ولہم استسعاءہ ایضا زیلعی اور دین والوں کو ماذون سے سعی اور کوشش کروانا بھی جائز ہے کذا فی الزیلعی یعنی اس سے کسب کروانا اور اس کے
کسب سے اپنے دیون کو لینا درست ہے ومفادہ ان زوجتہ لو اختارت استسعاءہ لنفقۃ کل یوم ان یکون لہا ذلک ایضا بحر من النفقۃ اور ثبوت استسعاءہ سے مستفاد
ہوتا ہے کہ اگر ماذون کی زوجہ اس سے محنت مزدوری کروانا اختیار کرے ہر دن کی خوراک کے واسطے تو اس کو بھی یہ جائز ہے۔ کذا فی البحر من باب النفقۃ بحضرۃ
مولاہ او نائبہ لاحتمال ان یفدیہ بخلاف بیع الکسب فانہ لا یحتاج لحضور المولی لان العبد خصم فیہ دیون مذکورہ میں ماذون بیچا جاوے گا اس کے مالک کے سامنے یا اس
کے نائب کے روبرو مالک کے فدیہ دینے کے احتمال سے بخلاف کسب ماذون کہ اس میں حضور مولی کی حاجت نہیں اس واسطے کہ عبد ماذون صاحب معاملہ ہے اپنے کسب میں اور اس کی ذاتی بیع میں اس کا مولی
سامنے ہے ویقسم ثمنہ بالحصص اور ماذون کا ثمن مقسوم ہوگا دین والوں میں حصہ رسد وتعلق بکسب حصل قبل الدین او بعدہ اور دین مذکور متعلق ہوگا ماذون کی کمائی سے
خواہ کمائی قبل دین کے حاصل ہوئی یا دین کے بعد وتعلق بما وہب لہ وان لم یحضر مولاہ اور دین مذکور متعلق اس چیز سے ہے جو ماذون کو ہبہ کی گئی اگرچہ اس
کا مولی حاضر نہ ہو ہذا قید لکسب والاتہاب لکن یشترط حضور العبد لانہ الخصم فی کسبہ یعنی عدم حضور قید ہے کسب اور ہبہ قبول کرنے کی یعنی کسب اور موہوب کی
بیع میں ادائے دین کے واسطے مولی کا حاضر ہونا شرط نہیں لیکن غلام کا حاضر ہونا شرط ہے اس واسطے کہ وہ صاحب معاملہ ہے اپنی کمائی میں ثم انما یبدأ بالکسب
وعند عدمہ یستوفی من رقبتہ پھر دریافت کرنا چاہیئے کہ ادائے دین کے واسطے کسب ہی سے ابتدا ہوگی اور کمائی کے نہ ہونے کے وقت اس کی گردن سے دین ادا کیا
جاوے گا یعنی ماذون کو بیچ کر قلت واما الکسب الحاصل قبل الاذن فحق المولی فلہ اخذہ مطلقا قال شیخنا ومفادہ انہ لو اکتسب المحجور شیئا واودعہ عند آخر وہلک فی
ید المودع للمولی تضمینہ لانہ کمودع الغاصب فتاملہ میں کہتا ہوں اور وہ کسب جو حاصل ہوا ہے اذن سے پہلے سو وہ مولی کا حق ہے تو مولی کو اس کا لینا مطلقاً جائز
ہے خواہ ماذون پر دین ہو یا نہ ہو ہمارے استاد خیر الدین رملی نے کہا کہ مولی کے حق ہونے سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر غلام محجور کوئی چیز کسب کرے اور دوسرے
شخص کے پاس ودیعت رکھے اور مودع کے ہاتھ میں وہ چیز تلف ہو جائے تو مولی کو اس سے تاوان لینا جائز ہے اس واسطے کہ غاصب مودع کے مانند
ہے سو اس کو تامل کر لا یتعلق الدین بما اخذہ مولاہ منہ قبل الدین دین متعلق نہ ہوگا اس مال سے جو ماذون کے مولی نے اس سے لیا دین ہونے سے پہلے اس

واسطے کہ اس نے اپنا خالص حق لیا وطولب الماذون بما بقی من الدین زائدا عن کسبہ وثمنہ بعد عتقہ ولا یباع ثانیا اور ماذون سے اس دین کا جو زائد باقی رہ گیا ماذون کے کسب اور ثمن سے مطالبہ ہوگا اس کے آزاد ہونے کے بعد اور دوسری بار وہ نہ بیچا جاوے گا دین باقی ادا کرنے کے واسطے یعنی اس واسطے کہ اگر اس کی بیع دوبارہ جائز ہو تو کوئی مشتری اس کو جان کر خرید نہ کرے گا تو بیع اس کی ممتنع ہوگی بالکلیہ تو دین والوں کا ضرر ہوگا وللمولاہ اخذ غلۃ[1] مثلہ بوجود دینہ ومازاد للغرماء یعنی لو کان المولی یاخذ من العبد کل شہر عشرۃ دراہم مثلا قبل لحوق الدین کان لہ ان یاخذہا بعد لحوقہ استحسانا لانہ لو منع منہا لحجر علیہ فینسد باب الاکتساب اور ماذون کے مولی کو مثل ماذون کے کمائی لینا باوجود اس کے مدیون ہونے کے جائز ہے اور جو اس سے زیادہ ہو تو وہ دین والوں کا حق ہے یعنی اگر مولی غلام سے ہر مہینے دس درم مثلا لیتا ہو قبل لاحق ہونے دین کے تو اس کو دس درم کا لینا دین لاحق ہونے کے بعد بھی بطریق استحسان کے جائز ہے اس واسطے کہ مولی اگر اس قدر کے لینے سے روکا جائے تو وہ اپنے غلام کو ممنوع التصرف کردے تو کمائی کرنے کا دروازہ ہی بند ہوجائے تو دین والوں کا نقصان ہوگا وینحجر بحجرہ ان علم بہ ونفسہ لدفع الضرر عنہ واکثر اہل سوقہ ان کان الاذن شائعا اور عبد ماذون مجور ہو جاوے گا مولی کے حجر کرنے اور روک دینے سے بشرطیکہ خود ماذون کو اور اس کے اکثر اہل بازار کو حجر کرنے کا علم ہو اگر مولی کا ماذون مشہور ہو بازاریوں میں ماذون کا علم اس واسطے شرط ہوا تاکہ ضرر اس سے دفع ہو م یعنی اگر ماذون مجور ہو سکے بدون اس کی اطلاع کے تو جو کچھ وہ تصرف کرے گا بعد حجر کے وہ دین اس کو دینا پڑے گا آزاد ہونے کے بعد اپنے خالص مال سے اما اذا لم یعلم بہ ای بالاذن الا العبد وحدہ کفی فی حجرہ علمہ بہ فقط ولا یشترط مع ذلک علم اکثر اہل سوقہ لانتفاء الضرر اور جب کہ اذن مولی کو کوئی نہ جانتا ہو تنہا غلام کے سوا تو اس کے مجور کرنے میں فقط اسی کا علم کفایت کرتا ہے اور اس کے ساتھ اکثر اہل بازار کا معلوم کرنا شرط نہیں بسبب نہ ہونے ضرر کے وفی البزازیۃ باع عبدہ الماذون ان لم یکن علیہ دین صار محجورا علمہ اہل سوقہ ام لا لصحۃ البیع وان علیہ دین لا مالم یقبضہ المشتری لفساد البیع اور بزازیہ میں ہے کہ مولی نے اپنے عبد ماذون کو بیچا اگر اس پر کسی کا دین نہ ہو تو وہ مجور ہوگیا خواہ اہل بازار کو اس کے بک جانے کا علم ہو یا نہ ہو بسبب صحیح ہونے اس کی بیع کے اور اگر اس پر دین ہو تو مجور نہ ہوگا جب تک کہ اس کا مشتری اپنے قبضہ میں نہ لاوے بسبب فاسد ہونے بیع کے م بیع فاسد میں قبض کے بعد مشتری مالک ہوتا ہے وللغرماء فسخہ ان دیونہم حالۃ الا اذا کان بالثمن وفاء او ابرأوا العبد او ادی المولی وتمامہ فی السراجیۃ اور کیا دین والوں کو فسخ بیع ماذون کا اختیار ہے یا نہیں جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ان کے دیون بلا مدت کے فی الحال ہوں تو وہاں فسخ ان کے اختیار میں ہے مگر جب کہ ماذون کے ثمن سے ادائے دیون ممکن ہو یا دین والوں نے اس کو معاف کردیا ہو تو مولی نے دین ادا کردیا ہو تو بیع فسخ نہ ہوگی اور پورا بیان اس کا سراجیہ میں ہے وبموت سیدہ وجنونہ مطبقا وکذا بجنون الماذون ولحوقہ ایضا بدار الحرب مرتدا وان لم یعلم احد بہ لانہ موت حکما اور ماذون مجور ہوجاتا ہے اپنے مالک کی موت سے اور اس کے جنون مطبق ہونے سے اور اس کے دار الحرب میں مل جانے سے مرتد ہو کر اور اسی طرح ماذون کے جنون سے اور اس کے لاحق ہونے سے دار الحرب میں مرتد ہو کر اگرچہ لحوق دار الحرب کو کوئی نہ جانتا ہو اس واسطے کہ وہ حکمی موت ہے م محمد بن حسن سے روایت ہے کہ جنون مطبق وہ ہے کہ سال بھر رہے یا زیادہ اور جو اس سے کم ہو وہ مطبق نہیں کذا فی الطحطاوی وینحجر حکما باباقہ وان لم یعلم احد کجنونہ ولو عاد منہ او افاق من جنونہ لم یعد الاذن فی الصحیح زیلعی وقہستانی اور ماذون مجور ہوجاتا ہے حکما اس کے بھاگ جانے سے اگرچہ کوئی نہ جانتا ہو مانند مجنون ہو جانے ماذون کے اور اگر وہ پھر آوے بھاگنے کے بعد یا ہوش میں ہوجائے اپنے جنون سے تو اذن سابق عود نہ کرے گا صحیح قول میں کذا فی الزیلعی والقہستانی وباستیلادہا بان ولدت منہ فادعاہ کان حجرا دلالۃ مالم یصرح بخلافہ اور جاریہ ماذونہ مجور ہوجاتی ہے استیلاد سے اس طرح پر کہ جنی مولی سے پھر اس کے ولد کا مولی نے دعوی کیا تو یہ استیلاد حجر ہوگا حکما باعتبار دلالت حال کے جب تک کہ مولی اس کے خلاف کی تصریح نہ کرے م استیلاد اس واسطے حجر حکمی ہوا کہ عادت میں جاری ہے کہ ام ولد پردہ میں رہتی ہے اور مالک اس کے نکلنے سے اور لوگوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے خرید و فروخت میں راضی نہیں ہوتا تو یہ دلیل ہے حجر کی ہاں اگر مولی استیلاد کے بعد تصریح کردے اذن تجارت

---

[1] قال الطحطاوی الغلۃ کل ما یحصل من اجرۃ الغلام او ریع الارض او کراء انہار او نحو ذلک ۱۲ منہ

کی توجہ ثابت نہ ہوگا اس واسطے کہ دلالت سے صراحت فوق ہے کذا فی الطحطاوی لا تنجیر بالتدبیر ماذونۃ مجور نہیں ہوتی تدبیر سے یعنی اس واسطے کہ مدبرہ کو پردہ میں رکھنے کی عادت نہیں تو دلیل حجر کی نہ پائی گئی وضمن بہا قیمتہا فقط للغرماء لو علیہا دین محیط اور مولی استیلاد اور تدبیر سے ام ولد اور مدبرہ کی فقط قیمت کا تاوان دیگا دین والوں کو بشرطیکہ دونوں پر دین محیط ہووے م فقط کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر قیمت سے زیادہ دین ہو تو اس کا مطالبہ آزاد ہونے کے بعد ہوگا اقرارہ مبتدا بعد حجرہ ان مامعہ امانۃ او غصب او دین علیہ لا آخر صحیح خبر مجور ہونے کے بعد ماذون کا یہ اقرار کرنا کہ جو اس کے پاس ہے وہ امانت ہے یا غصب ہے یا اس پر دین ہے دوسرے شخص کا صحیح ہے شارح نے کہا اقرارہ مبتدا ہے اور صحیح اس کی خبر ہے فیقضیہ منہ وقالا لا یصح تو دین وغیرہ ادا کرے اپنے مال مقبوض سے اور صاحبین نے کہا کہ اس کا اقرار مذکور صحیح نہیں واحاط دینہ بمالہ ورقبتہ لا یملک سیدہ مامعہ ماذون کا دین محیط ہوگیا اس کے مال اور اس کی ذات کو تو اس کا مالک اس کے پاس کے مال کا مالک نہ ہوگا م اس واسطے کہ مولی اپنے غلام تاجر کے مال کا اس وقت مالک ہوتا ہے اس کا خلیفہ ہو کر جب اس کی حاجت سے فارغ ہو وارث کے مانند اور جس مال کو دین محیط ہے وہ اس کی حاجت میں مشغول ہے تو مولی اس میں خلیفہ نہ ہوگا اور وہ مال اس کی ملک میں داخل نہ ہوگا فلم یعتق عبد من کسبہ بتحریر مولاہ وقالا یملکہ فیعتق وعلیہ قیمتہ موسرا او معسرا فلہم ان یضمنوا العبد المعتق ثم یرجع علی المولی ابن کمال تو آزاد نہ ہوگا وہ غلام جو ماذون مدیون کی کمائی سے ہے اس کے مولی کے آزاد کرنے سے اور صاحبین نے کہا کہ مولی ماذون کے مال کا مالک ہے تو اس کے آزاد کرنے سے اس کا غلام آزاد ہوگا اور مولی پر اس کی قیمت دینی لازم ہوگی بلکہ مولی مقدور والا ہو اور اگر تنگ دست ہو تو ماذون کے دین والوں کو اختیار ہے کہ غلام آزاد سے تاوان لیں پھر غلام آزاد مولی سے بھر لے کذا مرح ابن کمال ولو اشتری ذارحم محرم من المولی لم یعتق ولو ملکہ لعتق اور اگر ماذون مولی کا قرابت دار محرم خرید کرے تو آزاد نہ ہوگا اور اگر مولی ماذون کی کمائی کا مالک ہوتا تو اس کا محرم آزاد ہو جاتا بمجرد خریدکے م یہ مسئلہ اور اس کے بعد کا مسئلہ اس پر متفرع ہے کہ مولی کسب ماذون مستغرق بالدین کا مالک نہیں ولو اتلف المولی مافی یدہ من الرقیق ضمن ولو ملکہ لم تضمن خلافا لہما بناء علی ثبوت الملک وعدمہ اور اگر مولی تلف کر ڈالے اس کو جو ماذون کے قبضہ میں غلام ہے تو مولی پر تاوان لازم ہوگا اور اگر مولی اس کی کمائی کا مالک ہوتا تو تاوان نہ دیتا برخلاف مذہب صاحبین کے بنا اس خلاف کی ثبوت ملک اور عدم ثبوت ملک پر ہے وان لم یحط دینہ بمالہ ورقبتہ صح تحریرہ اجماعا اور اگر ماذون کا دین اس کے مال اور اس کی ذات کو محیط نہ ہو تو مولی کا آزاد کرنا ماذون کے غلام کا باتفاق امام اور صاحبین کے درست ہے وصح اعتاقہ حال کون الماذون مدیونا ولو بمحیط اور صحیح ہے مولی کو آزاد کر دینا ماذون کا ماذون کے مدیون ہونے کی حالت میں اگرچہ دین محیط ہو م اعتاق ماذون بالاجماع صحیح ہے خلاف تو فقط ماذون کے کسب میں استغراق دین کے وقت ہے وضمن المولی للغرماء الاقل من دینہ وقیمتہ اور تاوان دے مولی ماذون کے دین والوں کو کمتر اس کے دین اور قیمت سے م یعنی اگر دین کم ہو قیمت سے تو دین کا تاوان دے اس واسطے کہ ان کا حق نہیں مگر دین میں اور اگر قیمت کم ہو دین سے تو قیمت کا تاوان دے اس واسطے کہ ان کا دین متعلق ہے اس کی ذات سے اور ذات کو اس کی تلف کر دیا یعنی آزاد کرنے سے کذا فی الدرر وان شاءوا اتبعوا العبد بکل دیونہم وباتباع احدہما لا یبرأ الآخر فہما کالکفیل مع المکفول عنہ اور اگر دین والے چاہیں تو غلام آزاد کا پیچھا کریں اپنے تمام دین کے واسطے اور مولی اور غلام آزاد میں ایک کے پیچھا کرنے سے دوسرا شخص بری الذمہ نہ ہوگا تو مولی اور اس کا غلام کفیل یعنی ضامن کے مانند ہے مکفول عنہ کے ساتھ م یعنی جس طرح کفیل سے مطالبہ کرنے سے مکفول عنہ بری الذمہ نہیں ہوتا اور مکفول عنہ کے مواخذہ سے کفیل بری الذمہ نہیں ہو جاتا وطولب بما بقی من دینہم اذا لم تف بہ قیمتہ بعد عتقہ لتقررہ فی ذمتہ اور جو ان کا دین باقی رہ گیا اس کا مطالبہ ہوگا ماذون کی آزادی کے بعد بسبب ثابت ہو جانے دین کے اس کے ذمہ پر مطالبہ اس وقت ہوگا جب کہ اس کی قیمت ادائے دین کے واسطے کفایت نہ کرے ولو دبرہ صح تدبیرہ ولا تنجیر ویخیر الغرماء کعتقہ الا ان من اختار احد الشیئین لیس لہ الرجوع شرح تکملہ اور صحیح ہے ماذون کو مدبر کرنا اور تدبیر سے وہ مجور التصرف نہ ہوگا اور دین والوں کو ہوگا تضمین مولی اور استسعاء ماذون میں اس کے عتق کے مانند مگر عتق اور تدبیر میں اتنا فرق ہے کہ جو دین والا ایک چیز اختیار کرے گا اس کا پھرنا درست نہیں کذا فی شرح التکملہ م یعنی اگر دین والے مولی سے غلام کی قیمت کا تاوان لیں تو وہ غلام سے مطالبہ نہیں کر سکتے اس کے آزاد ہونے تک اور وہ ماذون بنا رہے گا بحالہ

سابق اور اگر غلام سے سعی کرادیں تو اس کی محنت مزدوری سے اپنے دیون لیں اور وہ بطور سابق ماذون بنا رہے گا کذا فی الطحطاوی وفی الهداية ولو كان الماذون مدبرا اوام ولد لم يضمن قيمتهما لان حق الغرماء لم يتعلق برقبتهما لانهما لا يباعان بالدين اور هدایہ میں ہے اور اگر ماذون مدبر یا ام ولد ہو تو ان کی قیمت کا تاوان لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ دین والوں کا حق ان کی گردن سے متعلق نہیں ہوا کیونکہ ام ولد اور مدبر دین میں بیع نہیں ہوتے م یعنی اگر مدبر یا ام ولد کو مولی ماذون کرے اور ان پر لوگوں کا دین لازم ہو پھر ان کو مولی آزاد کر دے تو مولی پر تاوان قیمت لازم نہ ہوگا ولو اعتقه المولى باذن الغرماء فلهم تضمين مولاه زيلعي اور اگر ماذون کو مولی نے دین والوں کے اذن سے آزاد کر دیا تو ان کو اس کے مالک سے تاوان لینا جائز ہے کذا فی الزیلعی م یہ مسئلہ اعتاق سے متعلق ہے نہ مسئلہ مدبر سے والماذون ان باعه سيده باقل من الديون وغيبه المشتري قيد به لان الغرماء اذا قدروا على العبد كان لهم فسخ البيع كما مر ضمن الغرماء البائع قيمته لتعديه اور ماذون کو اگر اس کے مالک نے دیون سے کم تر کو بیچا اور مشتری نے اس کو غائب کر ڈالا تو دین والے بیچنے والے سے اس کی قیمت کا تاوان لیں بسبب تعدی مالک مصنف نے غائب کر ڈالنے کی قید اس واسطے لگائی کہ دین والے جب غلام پر قادر ہوں تو ان کو فسخ بیع کا اختیار ہے چنانچہ گزر گیا فان رد العبد عليه بعيب قبل القبض مطلقا وبخيار رؤية او شرط او بعده بقضاء رجع السيد بقيمته على الغرماء وعاد حقهم في العبد لزوال المانع سو اگر غلام پھیر دیا جائے عیب کے سبب سے قبل از قبض مشتری کے مطلقاً خواہ قضا سے یا رضا سے یا پھیرا جائے خیار الرؤیۃ یا خیار الشرط سے یا قبض کے بعد بحکم قاضی پھیرا جاوے تو مالک اس کی قیمت پھیر لے دین والوں سے اور دین والوں کا حق غلام مذکور میں پھر ثابت ہوگا بسبب دور ہو جانے مانع کے م یعنی تاوان مولی کا سبب زائل ہو گیا یعنی بیع اور تسلیم کذا فی المنح وان رد بعد القبض لا بقضاء فلا سبيل لهم على العبد ولا للمولى على القيمة لان الرد بالتراضي اقالة وهي بيع في حق غيرهما اور اگر غلام پھیر دیا قبض مشتری کے بعد بلا حکم قاضی تو دین والوں کے واسطے کوئی راہ نہیں غلام پر نہ رد بیع کی نہ استسعاء کی اور نہ مولی کے واسطے کوئی راہ ہے قیمت پر یعنی مولی نے جو دین والوں کو قیمت دی تھی اس کا استرداد نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ رد بیع تراضی سے درحقیقت اقالہ ہے بیع کا اور اقالہ بیع ہے غیر عاقدین کے حق میں یعنی غلام کے حق میں کذا فی الطحطاوی وان فضل من دينهم شيء رجعوا به على العبد بعد الحرية كما مر اور اگر بعد ضمان مولی دین والوں کے دین سے کچھ باقی رہے تو وہ لوگ غلام سے اس کو پھر لیں اس کی آزادی کے بعد چنانچہ مذکور ہو چکا او ضمنوا مشتريه عطف على البائع اي ان شاؤا ضمنوا المشتري ويرجع المشتري بالثمن على البائع یا دین والے تاوان لیں عبد مغیب کے مشتری سے یعنی اگر چاہیں تو مشتری سے تاوان لیں اور مشتری اس کا ثمن بائع سے پھیر لے شارح نے کہا قولہ او ضمنوا مشتریہ بائع پر عطف ہے م طحطاوی نے کہا یوں کہنا شارح کو بہتر تھا کہ ضمن الغرماء پر عطف ہے او اجازوا البيع واخذوا الثمن لا قيمة العبد یا دین والے بیع کو جائز رکھیں اور اس کا ثمن لیں نہ قیمت غلام کی م زیلعی میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ دین والوں کو تین چیزوں میں اختیار ہے چاہیں بیع کو جائز رکھیں اور چاہیں بائع سے تاوان لیں چاہیں مشتری سے اور جس سے تاوان لینا اختیار کریں گے تو دوسرا بری الذمہ ہو جائے گا وان باعه السيد معلما بدينه يعني مقرا به او منكرا كما سيجيء لتحقق المخاصمة ويسقط خيار المشتري لا الغرماء اور اگر ماذون کو اس کے مالک نے بیچا اس کا دین جتا کر یعنی مقر دین ہو کر نہ منکر ہو کر چنانچہ ان کا مسئلہ عنقریب آوے گا۔ اعلام دین کی قید اس واسطے لگائی تا مخاصمت مشتری کی ثابت ہو اور خیار مشتری کا ساقط ہو م قولہ مقرا به تفسیر ما قبل کی صلاحیت نہیں رکھتا تو یوں شارح کو بہتر تھا واقر المشتري بہ کہتا احتراز واقع ہوتا اس صورت سے جب کہ مشتری دین کا منکر ہو بائع کی غیبت میں تو اس حالت میں وہ مخاصم نہ ٹھہرے گا کذا فی الطحطاوی فللغرماء رد البيع یعنی اگر مالک نے دین جتا کر بیع کی اور مشتری دین کا مقر ہے تو دین والوں کو رد بیع میں اختیار ہے ان لم يصل ثمنه اليهم لان قبضهم الثمن دليل الرضى بالبيع رد بیع میں اختیار ہے بشرطیکہ دین والوں کو اس کا ثمن نہ پہنچا ہو اس واسطے کہ ان کا ثمن قبض کرنا بیع کی رضامندی کی دلیل ہے الا اذا كان فيه محاباة قبض ثمن رضامندی کی دلیل ہے مگر جب کہ ثمن میں محاباۃ ہو یعنی ثمن قیمت سے کم تر ہو م یعنی اگر ثمن قیمت سے کم تر ہوگا تو دین والوں کو رد بیع جائز ہے اگرچہ ثمن قبض کر چکے ہوں اس واسطے کہ وہ کہیں گے کہ ہم نے اس خیال سے قبض کیا تھا کہ وہ قیمت سے کم نہیں ہے اور اس کا محل وہ ہے جب کہ ثمن ان کے دین کو کفایت نہ کرے اور اگر کفایت کرے گا تو بیع نافذ ہوگی اگرچہ اس میں محاباۃ ہو اس واسطے کہ اس میں مالک کا نقصان ہے نہ دین والوں کا کذا فی الطحطاوی فاما ان

رفع او ینقص البیع ابن کمال اور اگر ثمن قیمت سے کم ہو تو یا ثمن ٹھہرایا جاوے یا بیع منقوض ہو کذا ذکرہ ابن کمال وقال المصنف ہذا اذا کان الدین حالا وکان البیع بلا طلب الغرماء والثمن لا یفی بدینہم والا فالبیع نافذ لزوال المانع اور مصنف نے شرح میں کہا کہ یہ یعنی دین والوں کو رد بیع کا اختیار اس وقت ہے جب کہ ان کا دین بلا مدت ہو اور بیع ان کی خواہش سے نہ ہو اور ثمن غلام کا ان کے ادائے دین کے واسطے کفایت نہ کرتا ہو اور نہیں تو بیع نافذ ہو گی زوال مانع کے سبب سے یعنی اگر دین موجل ہو یا بیع ان کی خواہش سے ہو یا ثمن ادائے دین میں کافی ہو تو ان کو فسخ بیع کا اختیار نہ رہے گا۔ اس واسطے کہ مانع نفاذ بیع ان کا حق تھا سو تینوں صورتوں میں ساقط ہو وان غاب البائع وقد قبضہ المشتری فالمشتری لیس بخصم لہم لو منکرا دینہ خلافا للثانی ولو مقرا فخصم کما مر اور اگر بائع ماذون کا غائب ہوا اور مشتری اس پر قبضہ کر چکا ہو تو مشتری دین والوں کا خصم نہیں اگر مشتری ماذون کے مدیون ہونے کا منکر ہو بخلاف مذہب ابو یوسف کے کہ وہ خصم ہے اور اگر مشتری دین کا مقر ہو تو وہ خصم ہے چنانچہ گزر گیا ولو بعکسہ بان غاب المشتری والبائع حاضر فالحکم کذلک ای لا خصومۃ اجماعا حتی یحضر المشتری لکن لہم تضمین البائع قیمتہ واجازۃ البیع واخذ الثمن اور اگر اس کا الٹا ہو یعنی مشتری غائب ہو اور بائع حاضر ہو تو بھی ایسا ہی حکم ہے یعنی خصومت نہیں بالاتفاق مشتری کے حاضر ہونے تک لیکن دین والوں کو اس کی قیمت کا تاوان لینا یا بیع کو جائز رکھنا اور اس کا ثمن لینا درست ہے عبد قدم مصرا وقال انا عبد فلان ماذون فی التجارۃ فباع واشتری فہو ماذون وحینئذ لزمہ کل شیٔ من التجارۃ ایک غلام شہر میں آیا اور بولا کہ میں فلانے کا غلام ماذون فی التجارۃ ہوں اور اس نے بیع اور شری کی تو وہ ماذون ہے اور اس وقت میں اس کو ہر چیز تجارت کی لازم ہو گی م یہ استحسان ہے اس واسطے کہ یہ خبر ہے معاملات میں اور ایک شخص کی خبر معاملات میں مقبول ہے وکذا الحکم ولو اشتری العبد وباع ساکتا عن اذنہ وحجرہ کان ماذونا استحسانا لضرورۃ التعامل وامر المسلم محمول علی الصلاح فیحمل علیہ ضرورۃ شرح الجامع ومفادہ تقیید المسئلۃ بالمسلم ابن کمال اور اسی طرح کا حکم ہے اگر غلام نے خرید و فروخت کی اپنے ماذون اور محجور ہونے سے ساکت ہو کر تو وہ غلام ماذون ٹھہرے گا استحسان کی راہ سے بسبب ضرورت تعامل کے اور مسلمان کا حال خیر اور صلاح پر محمول ہے تو اس کی خرید و فروخت ماذون ہونے پر محمول ہو گی کذا فی شرح الجامع اور تعلیل مذکور سے مستفاد ہوا قید لگانا مسئلہ کا مسلم کے ساتھ کذا ذکرہ ابن کمال یعنی خرید و فروخت ... بلا بیان اذن اور حجر کے اس وقت ماذون ہونے پر محمول ہو گی جب کہ غلام مسلمان ہو اور اگر غلام کافر ہو تو ماذون ہونا اس کا ثابت نہ ہو گا ولکن لا یباع لدینہ اذا لم یعرف کسبہ الا اذا اقر مولاہ بہ ای بالاذن او اثبتہ الغریم بالبینۃ ولیکن غلام مذکور اپنے دین میں بیچا نہ جاوے گا جب کہ اس کا کسب ادائے دین کے واسطے کافی نہ ہو گا مگر جب کہ اس کا مولی اذن کا اقرار کرے یا دین والا اذن کو گواہوں سے ثابت کرے وتصرف الصبی والمعتوہ الذی یعقل البیع والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام والاتہاب صح بلا اذن جو صغیر اور معتوہ کہ بیع اور شرا کو سمجھتا بوجھتا ہے اس کا تصرف اگر نافع محض ہے چنانچہ مسلمان ہونا اور ہبہ قبول کرنا تو صحیح ہے بلا اذن والی کے وان ضارا کالطلاق والعتاق والصدقۃ والقرض لا وان اذن بہ ولیہما اور اگر تصرف مضرت رساں ہو چنانچہ طلاق اور عتاق اور صدقہ اور قرض دینا تو صحیح نہیں اگرچہ اس تصرف کا صغیر اور معتوہ نے اذن دیا ہو م ضرر سے دنیوی ضرر مراد ہے اگرچہ اس میں آخرت کا نفع ہو چنانچہ صدقہ اور قرض دینا وما تردد من العقود بین نفع وضرر کالبیع والشراء توقف علی الاذن حتی لو بلغ فاجازہ نفذ اور عقود میں سے جو عقد کہ نفع اور ضرر کے درمیان میں دائر اور محتمل ہو چنانچہ بیع اور شرا تو وہ ولی کے اذن پر موقوف ہے تو اگر صغیر بالغ ہو جائے اور اس عقد کو جائز رکھے تو نافذ ہو گی م طحطاوی نے کہا اگر شارح بجائے حتی لو بلغ کے ولو بلغ کہتا تو بہتر ہوتا اس واسطے کہ تفریع کی کوئی وجہ نہیں فان اذن لہما الولی فہما فی شراء وبیع کعبد ماذون فی کل احکامہ اور اگر صغیر اور معتوہ کے ولی نے اذن دیا تجارت کا تو وہ دونوں خرید و فروخت میں عبد ماذون کے مانند ہیں، ماذون کے سارے احکام میں م من جملہ احکام مذکورہ یہ ہے کہ اذن تجارت کا ایک قسم کے ساتھ مقید نہ رہے گا اور مخصوص بزمان نہ ہو گا اور اگر صغیر اور معتوہ کو ان کا ولی خرید کرتے دیکھ کر سکوت کرے گا تو یہ سکوت بجائے اذن ہو گا وغیر ذلک من احکام الماذون والشرط لصحۃ الاذن ان یعقلا البیع سالبا للملک عن البائع والشراء جالبا لہ زاد الزیلعی وان یقصد الربح ویعرف الغبن الیسیر من الفاحش وہو ظاہر اور اذن صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ صغیر اور معتوہ اتنا بوجھتے ہوں کہ بیع ملک کی سلب کرنے والی ہے بائع سے اور خرید ملک کی کھینچ لانے والی ہے مشتری کے واسطے زیلعی نے اس قدر زیادہ بیان کیا ہے اور یہ شرط ہے کہ صغیر یا معتوہ خرید و فروخت سے نفع حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور نقصان قلیل کو نقصان

کثیر سے ممتاز کرتا ہو اور یہ قول ظاہر ہے وولیه ابوه ثم وصیه بعد موته ثم وصی وصیه کما فی القہستانی عن العمادیہ اور صغیر یا معتوہ کا ولی اس کا باپ ہے پھر اس کا وصی اس کی موت کے بعد پھر باپ کے وصی کا وصی چنانچہ قہستانی میں ہے عمادیہ سے ثم بعدہم جدہ الصحیح وان علا ثم وصیه ثم وصی وصیه قہستانی زاد القہستانی والزیلعی ثم الوالی بالطریق الاولی پھر ان تینوں کے بعد جد صحیح اس کا ولی ہے اگرچہ جد عالی ہو یعنی پردادا سردادا پھر اس کا وصی پھر دادا کے وصی کا وصی کذا فی القہستانی قہستانی اور زیلعی نے اتنا زیادہ کیا ہے پھر والی یعنی حاکم ولی ہے بطریق اولی م قہستانی اور زیلعی نے والی کو قاضی کے بعد ذکر کیا ہے اور مراد وہ والی ہے جس کی ولایت میں قضا ہے جو حاکم کہ قاضی نہیں اس کا اذن جائز نہیں کذا فی الطحطاوی ثم القاضی او وصیه ایہا تصرف یصح فلذا لم یقل ثم پھر قاضی یا اس کا وصی ولی ہے قاضی اور اس کا وصی جو کوئی ان میں سے تصرف کرے گا تو صحیح ہوگا سو اسی واسطے مصنف نے لفظ ثم نہ کہا یعنی یوں نہ کہا کہ ثم وصیه کیونکہ ثم ترتیب پر دلالت کرتا ہے اور قاضی اور اس کے وصی کے تصرف میں ترتیب نہیں دون الام او وصیها ہذا فی المال بخلاف النکاح کما مر یہ نہ ماں یا اس کا وصی یعنی ماں صغیر کی یا اس کا وصی صغیر کا ولی نہیں یہ تفصیل ولایت کی مال میں ہے بخلاف نکاح کی ولایت کے چنانچہ کتاب النکاح میں گزر گیا م اور ماں کے مانند چچا اور بھائی اور کوتوال شہر اور عمہ اور خالہ صغیر کی ولی نہیں کذا فی الطحطاوی رائی القاضی الصبی والمعتوہ او عبدہما او عبد نفسه کما مر یبیع ولیشتری فسکت لا یکون سکوته اذنا فی التجارۃ قاضی نے صغیر یا معتوہ یا دونوں کے غلاموں یا اپنے غلام کو دیکھا بیع کرتے اور خرید کرتے پھر ساکت رہا تو قاضی کا سکوت تجارت کا اذن نہ ہوگا عبد قاضی کا مسئلہ سابق مذکور ہو چکا والقاضی له ان یاذن للیتیم والمعتوہ اذ لم یکن له ولی ولعبدہما اذا کان لکل واحد منہما من الصبی والمعتوہ ولی و امتنع الولی من الاذن عند طلب ذلک منه ای من القاضی زیلعی اور قاضی کو جائز ہے کہ یتیم اور معتوہ کو تجارت کرنے کا اذن دے جب کہ یتیم یا معتوہ کا کوئی ولی نہ ہو اور یتیم اور معتوہ کے غلام کو اذن تجارت دینا قاضی کو جائز ہے جب کہ صغیر اور معتوہ ہر ایک کا ولی موجود ہو اور ولی اذن دینے سے انکار کرے جس صورت میں کہ اذن مطلوب ہو قاضی سے کذا فی الزیلعی م یہ ترکیب مصنف کی محل سے بہتر یوں تھا کہ اذا کان کے مقام پر اذ کان ہوتا فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر صغیر یا معتوہ کا باپ یا اس کا وصی یا دادا ہو پھر قاضی کے نزدیک صغیر یا معتوہ کو تجارت کا اذن دینا مصلحت معلوم ہو سو اس نے اذن دیا اور اس کے باپ نے نہ مانا تو قاضی کا اذن جائز ہے اگر قاضی کی ولایت متاخر ہے باپ کی ولایت سے چنانچہ محیط میں ہے اور اگر قاضی نے صغیر کے غلام کو اذن دیا تجارت کا اور صغیر کا باپ زندہ ہے اور اذن کو مکروہ جانتا ہے تو جائز ہے چنانچہ مغنی میں ہے انتہی مختصرا اور طلب اذن قید نہیں چنانچہ صاحب محیط کے قول سے معلوم ہوتا ہے اور وہبانیہ کی اول بیت سے نکلتا ہے کذا فی الطحطاوی قلت وفی البرجندی عن الخزانة لو ابی ابوہ او وصیه صح اذن القاضی له زاد شارح الوہبانیۃ ولا ینحجر بعد ذلک اصلا لانه حکم الا بحجر قاضی آخر فتدبر میں کہتا ہوں اور برجندی میں خزانہ سے منقول ہے اگر صغیر کا باپ یا اس کا وصی اذن سے انکار کرے تو قاضی کا اذن اس کے واسطے صحیح ہے شارح وہبانیہ نے اتنا زیادہ کیا اور اس کے بعد صغیر اصلا محجور نہ ہوگا اس واسطے کہ قاضی کا اذن حکم ہے اور حکم دفع نہیں ہوتا مگر دوسرے قاضی کے روک دینے سے سو اس کو غور کر فروع مسائل ملحقہ شارح کے لو اقر لانسان بما معہما من کسب او ارث صح فی الظاہر کماذون درر اگر صغیر اور معتوہ اقرار کریں کسی آدمی کے واسطے اس مال کا جو دونوں کے پاس ہے کمائی سے یا میراث سے تو اقرار ان کا صحیح ہے بموجب ظاہر الروایۃ کے غلام ماذون کے اقرار کے مانند کذا فی الدرر م یعنی اگر یوں اقرار کریں کہ جو مال ہم کو میراث میں ملا ہے وہ درحقیقت فلانے شخص کا ہے تو یہ اقرار صحیح ہے اور غیر ظاہر الروایۃ کا یہ قول ہے کہ کسب میں اقرار صحیح ہے میراث میں صحیح نہیں الماذون لا یکون ماذونا قبل العلم به الا فی مسئلة اذا قال بایعوا عبدی فانی اذنت له فبایعوا وهو لا یعلم بذلک صار ماذونا بخلاف قوله بایعوا ابنی الصغیر ماذون ماذون نہیں ہوتا اذن کے دریافت ہونے سے پہلے مگر اس مسئلہ میں جب کہ مولی نے کہا خرید و فروخت کرو میرے غلام سے کہ میں نے اس کو اذن دیا سو لوگوں نے اس سے خرید و فروخت کی اور حالانکہ غلام اس اذن کے دینے کو نہیں جانتا تو وہ ماذون ٹھہر جاوے گا برخلاف اس قول کے کہ باپ نے کہا لوگوں سے کہ میرے فرزند صغیر سے خرید و فروخت

کر دم اذن غلام میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں قبل علم ماذون ہوجاتا ہے اور دوسری روایت میں ماذون نہیں ہوتا اور اسی طرح صغیر میں دونوں روایتیں مذکور ہیں چنانچہ تنویر الاذہان سے معلوم ہوتا ہے کذا فی الطحطاوی لا یصح الاذن للآبق والمغصوب المجحود ولا بینۃ اذن صحیح نہیں غلام گریختہ کے واسطے اور نہ اس غلام کے واسطے جس کا غاصب غصب کرنے سے منکر ہے اور مالک کے گواہ نہیں م اور اگر مالک کے پاس گواہ ہوں اور غصب کی گواہی دیں تو اذن صحیح ہوگا ولا یصیر محجورا بہما علی الصحیح اشباہ اور غلام ماذون محجور نہیں ہوجاتا بھاگ جانے اور مغصوب ہوجانے سے بقول صحیح کذا فی الاشباہ وفی الوہبانیۃ ۵ ولو اذن القاضی لطفل وقد ابی ؕ ابوہ یصح الاذن منہ فیتجر ؎ اور وہبانیہ میں ہے اور اگر قاضی اذن دے صغیر کو اور حالانکہ اس کا باپ انکار کرتا ہے تو اذن صحیح ہے قاضی کی جانب سے سو صغیر تجارت کرے ۵ وضمن یعقوب الصغیر ودیعۃ ؎ وتحلیفہ یفتی بہ حیث ینکر ؎ اور ابو یوسف نے تاوان لازم کیا ہے صغیر پر استہلاک ودیعت میں اور صغیر کی قسم لینے پر فتوی دیا گیا ہے جب کہ وہ منکر ہے م یعنی اگر صغیر محجور نے ودیعت تلف کر ڈالی تو ابو یوسف کے نزدیک اس پر ضمان ہے اور طرفین کے نزدیک ضمان نہیں اور اگر ودیعت خود تلف ہوگئی تو بالاتفاق تاوان نہیں اور اگر ماذون ہو قبض ودیعت یا تجارت میں یا مکاتب ہو اور ودیعت تلف کر ڈالے تو اس پر اس تاوان ہے اور اگر صغیر ماذون پر کسی چیز کا دعوی ہو اور وہ انکار کرتا ہو تو اس کی تحلیف میں اختلاف ہے کتاب الاقرار میں مذکور ہے کہ تحلیف پر فتوی ہے کذا فی شرح الوہبانیۃ لعبد البر ۵ ولو رہن المحجور او باع او شری ؎ فجوزہ المولی فما یتغیر ؎ لتوقف التصرف المحجور علی الاجازۃ اور اگر محجور نے رہن رکھا یا بیع اور شرا کی اور مولی نے اس کو جائز رکھا تو رہن وغیرہ تغیر پذیر نہیں بسبب موقوف ہونے تصرف محجور کے اجازت پر م خواہ محجور غلام ہو یا صغیر عاقل فلو لم یجز بل اذن لہ فی التجارۃ فاجازہا العبد جاز استحسانا ولو لم یاذن لہ فاعتقہ فاجازہا لم تصح اجازتہ سو اگر مولی نے عقود مذکور کو جائز نہ رکھا بلکہ محجور کو تجارت کا اذن دیا سو عبد ماذون نے عقود مذکورہ کو جائز رکھا تو جائز ہے استحسان کی راہ سے اور اگر اس کو اذن تجارت کا نہ دیا ہو سو اس کو آزاد کر دیا سو اس نے عقود مذکورہ کو جائز رکھا تو اس کی اجازت صحیح نہیں قال ح کذا الصبی الممیز مصنف وہبانیہ نے کہا اور یہی حکم ہے صغیر ممیز کا جو بیع اور شرا بوجھتا ہے قلت ولا یخفی ان ما ہو تبرع ابتداء ضار فلا یصح باذن ولی الصغیر کالقرض میں کہتا ہوں اور یہ بات مخفی نہیں کہ جو عقد کہ ابتدا میں احسان بلا بدل ہے وہ مضر ہے تو امر مضر ولی صغیر کے اذن سے صحیح نہ ہوگا چنانچہ قرض م شرنبلالی نے ذکر کیا کہ من جملہ تصرفات موقوفہ قرض ہے اور قرض مضر محض ہے تو نافذ نہ ہوگا اگرچہ ولی اجازت دے حلبی نے کہا یہ اعتراض اس پر ہے جو وہبانیہ میں مذکور نہیں اور نہ اس سے مفہوم ہے واللہ تعالی اعلم واستغفر اللہ الحلیم ؎

کتاب الغصب

کتاب ہے غصب کے احکام میں ہو لغۃ اخذ الشیٔ مالا وغیرہ کالحر علی وجہ التغلب غصب بفتح غین معجمہ وسکون صاد مہملہ لغت میں عبارت ہے چیز کے لینے سے بطریق بردستی کے خواہ وہ چیز مال ہو یا مال نہ ہو چنانچہ شخص آزاد کا پکڑ رکھنا وشرعاً ازالۃ ید محقۃ ولو حکما کجحودہ لما اخذہ قبل ان یحولہ اور اصطلاح شرع میں غصب بارت ہے قبض محق کے زائل کر دینے سے اگرچہ ازالہ قبض حکمی ہو نہ حقیقی چنانچہ مودع کا انکار کرنا نقل مکان سے پہلے اس ودیعت کا جس کو اس نے ما ے لیا تھا قبضہ مودع بالفتح کا عینہ قبضہ ہے مودع بالکسر کا انکار کرنے سے پہلے پھر جب اس نے ودیعت کا انکار کیا تو مالک کا قبضہ زائل ہو گیا حکما باثبات مبطلۃ غصب عبارت ہے ازالہ مذکورہ سے قبض مبطل کے اثبات کے ساتھ یعنی حق دار کا قبضہ دور کر دینا اور ناحق قبضہ کر لینا یہ حقیقت ہے غصب کی ہم نفیوں کے نزدیک غصب عبارت ہے فقط ازالۃ الید محقۃ سے نہ اثبات ید مبطلۃ سے ولہذا اگر ایک شخص کے ہاتھ میں موتی ہو اور دوسرا آدمی اس پر ہاتھ مارے موتی دریا میں گر پڑے تو تاوان لازم ہے حالانکہ اثبات قبض یہاں ثابت نہیں اور اکثر فقہاء کے کلام سے ظاہر ہے کہ ازالہ قبض کے ساتھ اثبات قبض بھی ضرور ہے اور تحقیق یہ ہے کہ غصب دو قسم ہے ایک غصب وہ جو تاوان کا موجب ہے تو اس میں فقط ازالہ شرط ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو پھیر دینے کا موجب ہے تو اس میں اثبات قبض بھی شرط ہے واعتبر الشافعی اثبات الید فقط والثمرۃ فی الزوائد فثمرۃ بستان مغصوب لاتضمن عندنا خلافا لہ درر اور امام شافعی نے غصب کی تعریف میں فقط اثبات قبض کا اعتبار کیا ہے اور ثمرہ اختلاف کا مغصوب کی زائد چیزوں میں تو باغ مغصوب کا پھل ہمارے نزدیک مضمون نہیں برخلاف امام شافعی کے کذا فی الدرر یعنی اگر پھل غاصب تلف کر ڈالے تو اس پر تاوان ہمارے نزدیک نہیں بسبب عدم ازالہ کے ان کے نزدیک تاوان ہے اثبات ید کے سبب سے اور اگر مالک زوائد کو طلب کرے تو بالاجماع تاوان ہے کذا فی الطحطاوی فی مال فلا یتحقق فی میتۃ وحر ازالہ اور اثبات ہو مال میں تو غصب ثابت نہیں ہوتا مردار اور شخص آزاد میں اس واسطے کہ وہ مال نہیں متقوم ای مباح شرعا قہستانی فلا یتحقق فی مسلم ازالہ اور اثبات ہو مال متقوم میں یعنی جو شریعت میں مباح ہو کذا فی القہستانی تو غصب ثابت نہیں ہوتا مسلمان کی شراب میں اس واسطے کہ شراب مسلمان کے حق میں مباح الاستعمال نہیں محترم فلا یتحقق فی مال حربی ازالہ اور اثبات ہو مال محترم میں تو غصب ثابت نہیں ہوتا کافر حربی کے مال میں اس واسطے کہ اس کا مال ترم نہیں قابل للنقل فلا یتحقق بالعقار خلافا لمحمد مال مذکور قابل ہو نقل کرنے کے تو غصب ثابت نہیں ہوتا زمین وغیرہ غیر منقول میں برخلاف محمد کے غیر وقف میں شیخین کا قول صحیح ہے اور وقف میں محمد کا قول صحیح ہے کذا فی الطحطاوی بغیر اذن مالکہ احترز بہ عن الودیعۃ واعلم ان الموقوف مضمون بالاتلاف مع انہ لیس بمملوک اصلا صرح بہ فی البدائع فلو قال بلا اذن من لہ الاذن کما فعل ابن کمال لکان اولی ازالہ اور اثبات ہو مال مذکور میں اس کے مالک کے بلا اذن مصنف نے یہ قید لگا کر ودیعت سے احتراز کیا یعنی ودیعت اور اسی طرح عاریت میں ہر چند ازالہ ید محقہ ہے مال متقوم محترم قابل النقل سے لیکن چونکہ باذن مالک ہے لہذا غصب داخل نہیں اور یہ معلوم کر کہ مال موقوف لازم الضمان ہے تلف کر ڈالنے سے باوجودیکہ وہ اصلا کسی کا مملوک نہیں تصریح کی ہے اس کی بدائع میں تو اگر مصنف یوں کہتا کہ ازالہ قبض ہو بدون اذن اس شخص کے جس کو اذن کا اختیار ہے چنانچہ مالک یا متولی وقف جیسا کا ابن کمال نے کہا ہے تو البتہ خوب ہوتا یعنی اس واسطے کہ

لیکن احادیث میں زمین پر غصب مذکور ہے اور فقہ میں بھی جا بجا زمین مغصوب کے مسائل وارد ہیں پس یا تو غصب لغوی مراد ہے یا یہ کہ قول امام محمد کا درست ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ؟

ووقف کو بھی غصب شامل ہو جاتا الا الخفیۃ احترز بہ عن السرقۃ وفیہ لابن الکمال کلام ازالہ اور اثبات ہو نہ بطریق خفیہ کے مصنف نے یہ قید لگائی تا سرقہ نکل جائے
غصب سے اور اس میں ابن کمال کا کچھ کلام ہے م حاصل کلام ابن کمال یہ ہے کہ سرقہ کا حدود میں داخل ہونا اس کے داخل ہونے کا غصب میں منافی نہیں س
سرقہ غصب میں داخل ہے باعتبار اپنی اصل کے اور حدود میں باعتبار بعض خصوصیات کے داخل ہے چنانچہ بیع الفضولی غصب ہے اور حالانکہ کتاب البیوع
میں مذکور ہے بعض خصوصیات کی بیع کے سبب سے اور جس کو یہ نکتہ معلوم نہ ہوا اس نے لا علی سبیل الخفیۃ کی قید لگائی تا سرقہ غصب سے نکل جائے فاستخدام العب
وتحمیل الدابۃ غصب لازالۃ ید المالک تو خدمت لینا غیر کے غلام سے اور غیر کے جانور پر بوجھ لادنا غصب ہے بسبب دور کر دینے قبض مالک کے یعنی اور اثبات قبض نا
کے م غلام مشترک سے خدمت لینا بدون اذن شریک کے اس کے غصب ہونے میں اختلاف ہے مگر قول راجح لزوم تاوان کا ہے اور مشترک جانور پر سوار ہونا
شریک کے تاوان کا موجب ہے بالاتفاق چنانچہ قہستانی کے کلام سے نکلتا ہے کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود لا الجلوس علی البساط لعدم ازالتہا فلا الضمن ما
یہلک بفعلہ غصب نہیں بیٹھنا اس کا غیر کے فرش پر بسبب زائل کرنے قبض مالک کے تو جالس پر تاوان لازم نہ ہوگا جب تک کہ فرش تلف نہ ہو جائے اس
فعل کے سبب سے م اس واسطے کہ فرش بچھانا مالک کا فعل ہے تو فقط جلوس سے اس کا ازالہ نہیں ہوتا بدون نقل اور تحویل کے وکذا لو دخل دار انسان و
متاعا وجحد فہو ضامن وان لم یحولہ ولم یجحد لم یضمن ما لم یہلک بفعلہ او یخرجہ من الدار خانیۃ اور اسی طرح کا حکم ہے اگر غاصب ایک آدمی کے گھر میں داخل ہوا او
کچھ اسباب لیا اور منکر ہو گیا تو اس پر تاوان ہے اور اگر اس نے اسباب گھر سے باہر نہ نکالا اور اس کے لینے کا انکار نہ کیا تو تاوان نہیں جب تک وہ چیز ہلا
نہ ہو جائے اس کے فعل کے سبب سے یا اس کو گھر سے نکال لے جائے کذا فی الخانیۃ یعنی در صورت عدم انکار تاوان نہیں مگر اہلاک یا اخراج سے وحکمہ الاثم لم
علم انہ مال الغیر اور حکم یعنی اثر مترتب غصب کا گناہ ہے اس شخص کے حق میں جو جانتا ہو کہ مغصوب غیر کا مال ہے م غصب کا حرام ہونا قرآن اور حدیث سے ثاب
قال تعالیٰ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل حق تعالیٰ نے فرمایا نہ کھاؤ اپنے مالوں کو آپس میں ناحق اور حجۃ الوداع کی حدیث میں ثابت ہے کہ تمہارے خو
اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم اپنے رب سے ملو یعنی قیامت تک ایک شخص کا مال دوسرے پر حرام ہے اور متفق علیہ حدیث میں وارد ہے کہ ج
بالشت بھر زمین غصب کرے گا اس کی گردن میں حق تعالیٰ سات طبق زمین کا طوق ڈالے گا غصب کے گناہ ہونے میں دانست کی قید اس واسطے لگائی ک
سے گناہ معاف ہے چنانچہ دوسرے شخص کا مال تلف کر ڈالنا اپنا مال جان کر لیکن تاوان علم اور عدم علم دونوں صورتوں میں واجب ہوگا کذا فی الطحطاوی و
العین قائمۃ والغرم ہالکۃ بفعلہ او بغیرہ او آفۃ سماویۃ قہستانی اور حکم غصب کا پھیر دینا ہے غصب کی چیز کا اگر وہ قائم اور موجود ہو اور اس کا تاوان دینا
تلف ہو گئی خواہ اس کے فعل سے یا غیر کے یا آفت سماوی سے کذا فی القہستانی م غاصب نے مغصوب پھیر دیا اور مالک نے نہ لیا سو وہ اپنے گھر لے آیا اور اس
پاس تلف ہو گیا تو اس پر تاوان نہیں اس واسطے کہ غصب اس صورت میں امانت ہو گیا کذا فی الطحطاوی ولغیر من علم الاثم ان فلا اثم لانہ خطاء وہو مرفو
بالحدیث اور غصب کا حکم نادانستہ کے حق میں پھیرنے اور تاوان دینے کا ہے تو غاصب ناواقف پر گناہ نہیں اس واسطے کہ یہ خطا اور چوک ہے اور حالانکہ
پر مؤاخذہ نہیں بموجب حدیث کے المغصوب منہ مخیر بین تضمین الغاصب وغاصب الغاصب الا اذا کان فی الوقف المغصوب بان غصبہ
وقیمتہ اکثر وکان الثانی املأ من الاول فان الضمان علی الثانی کذا فی وقف الخانیۃ مغصوب منہ یعنی جس کا مال غصب ہو گیا وہ مختار ہے دو چیز
غصب کرنے والے سے تاوان لینے میں اور غصب کرنے والے کے غاصب سے تاوان لینے میں یعنی چاہے غاصب سے تاوان لے چاہے غاصب کے غاصب
مگر جب کہ غصب ثانی وقف مغصوب میں واقع ہوا اس طرح پر کہ غاصب ثانی نے غاصب اول سے غصب کیا ہو اور حالانکہ اس کی قیمت زیادہ تر ہو گئی ہو او
ثانی ہو زیادہ تر مالدار غاصب اول سے تو البتہ غاصب ثانی پر تاوان واجب ہوگا کذا فی وقف الخانیۃ م اگر مالک غاصب اول سے تاوان لے تو وہ غاص
ثانی سے بھرے اور غاصب ثانی سے تاوان لے تو وہ غاصب اول سے تاوان رجوع نہ کرے اور چونکہ عبارت خانیہ کی موہم ہے لہٰذا عبارت خانیہ کا ترجمہ نقل کر

ہوا وہ یہ ہے کہ ایک مرد نے وقف کی زمین غصب کی اور اس کی قیمت ہزار درہم تھی پھر دوسرے شخص نے غاصب سے وہ زمین غصب کر لی اور اب اس کی قیمت زیادہ ہو گئی دو ہزار درم کے برابر تو وقف کا متولی غاصب ثانی سے تاوان لے اگر وہ مالدار ہو اس واسطے کہ غاصب ثانی تاوان لینا وقف کے واسطے زیادہ نافع ہے اور اگر غاصب اول زیادہ تر مالدار ہو تو اول یا ثانی جس سے چاہے تاوان لے کذا فی الطحطاوی وفی غصبها غصب عجلاً فاستهلكه وبيبس لبن امه ضمن قيمة العجل ونقصان الام اور خانیہ کی کتاب الغصب میں ہے کہ غاصب نے بچھڑا غصب کیا پھر اس کو ہلاک کیا اور اس کی ماں کا دودھ سوکھ گیا تو غاصب تاوان دے بچھڑے کی قیمت کا اور اس کی ماں کے نقصان کا اس واسطے کہ بچہ کا غصب ماں کے نقصان کا موجب ہوا اگرچہ غاصب کا فعل اس کی ماں میں ظاہر نہیں تو یہ ضمان ہے تعدی کا نہ ضمان غصب وفی کراہیتها من هدم حائط غيره ضمن نقصانه ولم يؤمر بعمارته الا فی حائط المسجد اور خانیہ کی کتاب الکراہیت میں ہے کہ جس نے غیر شخص کی دیوار ڈھائی تو اس کے ناقص ہو جانے کا تاوان دے اور اس کو حکم نہ ہو گا دیوار کے بنانے کا مگر مسجد کی دیوار میں بنا دینے کا حکم ہو گا اور قنیہ میں ہے کہ غیر کی دیوار گرائی تو گھر کی قیمت کی جاوے دیواروں کے ساتھ پھر قیمت کی جاوے بدون دیواروں کے تو تاوان دے مابین قیمتین کے تفاوت کا وفی القنية تصرف فی ملک غيره ثم ادعى انه كان باذنه فالقول للمالك الا اذا تصرف فی مال امرأته فماتت وادعى انه كان باذنها وانكر الوارث فالقول للزوج اور قنیہ میں ہے کہ ایک شخص نے غیر کے ملک میں تصرف کیا پھر دعوی کیا کہ تصرف مالک کے اذن سے تھا تو مالک کا قول مقبول ہو گا مگر جب کہ اپنی عورت کے مال میں تصرف کیا ہو سو وہ مر گئی اور زوج نے دعوی کیا کہ تصرف اس کے اذن سے تھا اور وارث اس کا منکر ہے تو زوج کا قول مقبول ہو گا **ويجب رد عين المغصوب ما لم يتغير** تغيرا فاحشا مجتبی اور غاصب پر واجب ہے پھیر دینا مغصوب کا بعینہ جب تک مغصوب متغیر بتغیر فاحش ہو گیا ہو کذا فی المجتبی م جب کہ مغصوب غاصب کے فعل سے اتنا متغیر ہو کہ اس کا نام اور اس کا عمدہ فائدہ زائل ہو جائے تو مغصوب منہ کی ملک اس سے زائل ہو جاتی ہے اور غاصب اس کا مالک ہو جاتا ہے اور تاوان اس پر لازم ہوتا ہے اور بلا ادائے عوض غاصب کو اس سے نفع لینا حلال نہیں اور اگر مغصوب ناقص ہو گیا تو غاصب پر ضمان نقصان اور پھیر دینا لازم ہو گا اور اگر مغصوب زائد ہو گیا غاصب کے پاس تو مالک کو پھیر لینا زیادت کے ساتھ جائز ہے کذا فی الطحطاوی مغصوب کا نام زائل ہونا چنانچہ تھان پھاڑ کر قبا یا قمیص سینا یا گیہوں پیس کر روٹی پکانا **فی مكان غصبه** لتفاوت القيم باختلاف الاماكن پھیر دینا عین مغصوب کا واجب ہے اس کے غصب کرنے کے مکان میں بسبب متفاوت ہونے قیمتوں کے مکانات کے اختلاف **ويبرأ بردها ولو بغير علم المالك** فی البزازية غصب دراهم انسان من كيسه ثم ردها فيه بلا علمه برئ وكذا لو سلمه اليه بجهة اخرى كهبة او ايداع او شراء وكذا لو اطعمه فاكله خلافا للشافعی زيلعی اور غاصب بری الذمہ ہو جاتا ہے عین مغصوب کے پھیر دینے سے اگرچہ پھیرنا مالک کی نادانستگی سے ہو بزازیہ میں ہے کہ غاصب نے کسی آدمی کے دراہم اس کی تھیلی سے غصب کیے پھر ان کو اس میں رکھ دیا بلا علم مالک کے تو غاصب بری الذمہ ہو گیا اور اسی طرح اگر مغصوب نے سپرد کر دیا مالک کو دوسری جہت سے چنانچہ بطریق ہبہ یا ودیعت رکھنے یا بیچنے کے اور اسی طرح اگر مغصوب مطعوم ہو اور غاصب مالک کو کھلا دے اور مالک اس کو کھا دے تو بری الذمہ ہو گا برخلاف امام شافعی کے مطعوم میں کذا فی الزیلعی **ويجب رد مثله ان هلك وهو مثلی** یا واجب ہے پھیر دینا مثل مغصوب کا اگر وہ ہلاک ہو جاوے اور حالانکہ وہ مثلی یعنی کیلی ہے یا وزنی چیز ہے **وان انقطع المثل** بان لا يوجد فی السوق الذی يباع فيه وان كان يوجد فی البيوت ابن كمال فقيمته يوم الخصومة ای وقت القضاء وعند ابی يوسف يوم الغصب وعند محمد يوم الانقطاع ورجحا قهستانی اور اگر مثلی کا مثل منقطع ہو جاوے اس طرح پر کہ وہ پایا نہ جاوے اس بازار میں جس میں وہ بیچا جاتا ہے اگرچہ لوگوں کے گھروں میں موجود ہو کذا ذکرہ ابن کمال تو اس کی قیمت خصومت کے دن کی یعنی جس وقت حاکم کا حکم ہو اس وقت کی دینا واجب ہے اور ابو یوسف کے نزدیک غصب کے دن کی قیمت واجب ہے اور محمد کے نزدیک یوم الانقطاع کی قیمت واجب ہے اور قول ثانی اور ثالث کی ترجیح دی گئی کذا فی القہستانی م خزانہ میں امام کے قول کو اصح کہا ہے اور تحفہ میں اس کو صحیح کہا ہے اور نہایہ میں ابو یوسف کے قول کو مختار کہا ہے اور ذخیرۃ الفتاوی میں محمد کے قول کو مفتی بہ کہا ہے کذا فی الطحطاوی **ويجب القيمة فی القيمی يوم غصبه** اجماعا اور قیمت والی

چیز میں غصب کے دن کی قیمت واجب ہے باتفاق امام اور صاحبین کے کم بحر زاخر میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا کپڑا ضائع کیا پھر وہ اس کی قیمت
واپس لایا مالک نے کہا کہ میں قیمت نہیں چاہتا ہوں اور نہ میں تجھ کو معاف کرتا ہوں تو غاصب حاکم سے نالش کرے تاکہ وہ قبول کرنے پر جبر کرے اور اگر نالش
نہ کرے لیکن قیمت اس کی گود میں رکھ دے یا اس کے دونوں ہاتھوں میں تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اگر اس کے سامنے رکھ دے گا تو بری الذمہ نہ ہوگا
اور ودیعت اور عین غصب کے سامنے رکھ دینے سے بری الذمہ ہو جاوے گا کذا فی الطحطاوی والمثلی المخلوط بخلاف جنسہ کبر مخلوط بشعیر وشیرج مخلوط بزیت
ونحو ذلک کدہن بجنس قیمی فتجب قیمتہ یوم غصبہ اور جو مثلی چیز اپنے خلاف جنس سے مل گئی ہو جیسے گیہوں مخلوط ہو کے ساتھ اور تلوں کا تیل زیتون کے تیل کے
ساتھ اور مانند اس کے چنانچہ بجنس تیل کے ساتھ مخلوط ہو تو وہ قیمت والی چیز ہے مثلی باقی نہ رہی تو اس کے غصب میں اس کے غصب کے دن کی قیمت واجب
م فتاوی رشید الدین میں ہے کہ دو وزنی چیزیں جب مل جاویں اس طرح کہ جدا نہ ہو سکیں وہ مثلی نہیں رہتی ہیں قیمت والی ہو جاتی ہیں کذا فی الطحطاوی وکذا
موزون یختلف بالصنعۃ کقمقم وقدر ورد ودلیس ذکرہ فی الجواہر اور اسی طرح قیمت والا ہو جاتا ہے ہر موزون جو صنعت اور کاریگری سے مختلف ہو چنانچہ آفتابہ اور
دیگ کذا فی الدرر اور چنانچہ فنیرہ وتر کھجور کا کذا فی جواہر الفتاوی زاد المصنف ورب وقطران کلا منہما یتفاوت بالصنعۃ ولا یصح السلم فیہما ولا تثبت دینا فی الذمۃ
مصنف نے اپنی شرح میں اتنا زیادہ کہا ہے اور چنانچہ رب یعنی عصارہ ثمرات کا اور قطیر یعنی ٹپکائی چیز قیمت والی اس واسطے کہ ہر ایک ان میں سے صنعت سے
مختلف اور متفاوت ہوتا ہے اور بیع سلم اس میں صحیح نہیں اور وہ دین ہو کر ذمہ پر ثابت نہیں ہوتا تمام یعنی متفاوت القیمۃ ہونا اور بیع سلم کا اس میں جائز نہ
یہ دلیل ہے کہ مثلی نہیں قلت وفی الذخیرۃ والجبن قیمی فی الضمان مثلی فی غیرہ کالسلم میں کہتا ہوں اور ذخیرہ میں ہے اور پنیر قیمتی ہے تاوان میں اور مثلی ہے سوا
تاوان کے چنانچہ سلم میں وفی المجتبیٰ السویق قیمی لتفاوتہ بالقلی وقیل مثلی اور مجتبیٰ میں ہے کہ ستو قیمتی ہے بسبب متفاوت ہونے ستو کے بھوننے سے اور قول
ضعیف یہ ہے کہ وہ مثلی ہے وفی الاشباہ الفحم واللحم ولونیا والآجر قیمی اور اشباہ میں ہے کہ کوئلا اور گوشت اگرچہ کچا ہو اور پختہ اینٹ قیمتی ہے نہ مثلی وفی حاشیۃ
لابن المصنف ہنا وفیما یجلب التیسیر معزیا للفصولین وغیرہ وکذا الصابون والسرقین والورق والابرۃ والعصفر والعرم والجلد والدہن المتنجس وکذا الحقنۃ وکل مکیل
وموزون مشرف علی الہلاک مضمون بقیمتہ فی ذلک الوقت کسفینۃ موقورۃ اخذت فی الغرق والقی الملاح ما فیہا من مکیل وموزون یضمن قیمتہا ساعتئذ
فی المجتبیٰ اور فرزند مصنف نے حاشیہ اشباہ میں یہاں اور جلب تیسیر کے قاعدے میں فصولین وغیرہ کی طرف منسوب کر کے وارد ہے اور اسی طرح صابون
اور پانس اور ورق یعنی درخت کی پتیاں اور سوئیاں اور کسم اور کچا چمڑا اور پکا چمڑا اور ناپاک تیل اور اسی طرح مٹھی بھر کیلی اور وزنی چیز اور جو کیلی اور
موزون کہ قریب الہلاک ہو اس کی وہ قیمت لازم الضمان ہے جو تلف ہونے کے وقت اس کی قیمت ہو چنانچہ گرانبار کشتی جب ڈوبنے لگے اور اس وقت ملاح
نے جو کیلی چیز اور وزنی چیز اس میں تھی گرا دی تو اس ساعت کی قیمت کا تاوان لیا جاوے گا کذا فی المجتبیٰ ام ورق سے یہاں کاغذ مراد نہیں اس واسطے کہ کاغذ
مثلی ہے کذا فی العالمگیریۃ وفی الصیرفیۃ غصب ماء فی حنطۃ فافسدہا وزاد فی کیلہا ضمن قیمتہا قبل صبہ الماء لا مثلہا ہذا اذا لم ینقلہا فلو نقلہا لمکان ضمن المثل لانہ غص
وہو مثلی بخلاف ما لو صب الماء فی الموضع الذی فیہ الحنطۃ بغیر نقل انتہی والحاصل کما فی الدرر وغیرہا ان کل ما یوجد لہ مثل فی الاسواق بلا تفاوت یعتد بہ فہو مثلی و
لیس کذلک فقیمی فلیحفظ اور صیرفیہ میں ہے کہ ایک شخص نے پانی ڈال دیا گیہوں میں سو اس کو بگاڑ دیا اور اس کے کیل میں زیادتی ہو گئی بھیگنے سے
تو وہ شخص تاوان دے اس قیمت کا جو پانی ڈالنے سے پہلے اس کی قیمت تھی یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس نے گیہوں کو نہ اٹھایا ہو اور اگر دوسرے مکان
کی طرف اٹھا لے گیا اور پھر پانی ڈالا ہو تو ضمان مثل لازم ہوگا اس واسطے کہ اس نے اس کو غصب کیا اور حالانکہ وہ اس وقت مثلی تھا برخلاف اس صورت
کے کہ اگر پانی ڈالا اسی مکان میں جہاں گیہوں تھے بغیر نقل کے انتہی ما فی الصیرفیۃ اور حاصل کلام اور خلاصۂ مقام درر وغیرہ کے موافق یہ ہے کہ جس چیز کا مثل
اور مانند بازاروں میں بلا تفاوت قابل شمار پایا جاوے تو وہ چیز مثلی ہے اور جو ایسا نہ ہو یعنی جس میں تغیر فاحش اور تفاوت معتد بہ ہو وہ قیمت والی چیز

تو اس قاعدے کو یاد رکھنا چاہیے فان ادعی ہلاکہ مرتبط بوجوب رد العین لانہ الموجب الاصلی ورد المثل والقیمۃ مخلص علی الراجح حبس حتی یعلم الحاکم انہ لو بقی لظہر ای لاظہرہ ثم قضی الحاکم علیہ البدل من مثل وقیمۃ پھر اگر غاصب مغصوب کے تلف ہو جانے کا دعوی کرے تو وہ محبوس کیا جائے یہاں تک کہ حاکم یہ معلوم کر جائے کہ اگر مغصوب باقی رہا ہوتا تو البتہ ظاہر ہوتا یعنی غاصب اس کو ظاہر کر دیتا پھر حاکم اس پر عوض دینے کا حکم کرے مثل اور قیمت سے یعنی اگر مغصوب مثلی ہو تو مثل دلاوے اور اگر قیمتی ہو تو قیمت دلاوے شارح نے کہا اور دعائے ہلاکت وجوب رد عین سے مربوط ہے اس واسطے کہ رد عین موجب اصلی ہے اور رد مثل اور قیمت مخلص ہے قول راجح پر مخلص ہے یعنی جب کہ رد عین متعذر ہو اس وقت رد مثل یا رد قیمت کی طرف متعلق ۱۲ احتیاج ہوگی ولو ادعی الغاصب الہلاک عند صاحبہ بعد الرد وعکس المالک ای ادعی الہلاک عند الغاصب واقاما البرہان فبرہان الغاصب انہ ردہ وہلک عند المالک اولی خلافا للثالث فی ملتقی اور اگر غاصب نے دعوی کیا مغصوب کے تلف ہو جانے کا اس کے مالک کے پاس پھیر دینے کے بعد اور مالک نے بالعکس دعوی کیا یعنی اس کے تلف ہو جانے کا غاصب کے پاس دعوی کیا اور دونوں نے گواہ قائم کیے تو غاصب کی یہ گواہی کہ اس نے مغصوب کو پھیر دیا اور وہ مالک کے پاس ہو گیا مقدم ہے مالک کی گواہی پر برخلاف ابو یوسف کے کہ ان کے نزدیک مالک کے گواہ مقدم ہیں کذا فی الملتقی ولو اختلفا فی القیمۃ وبرہنا فالبینۃ للمالک ذیلعی اور اگر غاصب اور مالک نے مغصوب کی قیمت میں اختلاف کیا اور دونوں گواہ لائے اپنے دعوی پر تو مالک کے گواہ مقدم ہیں اور اس کا بیان آگے آوے گا ولو فی نفس المغصوب فالقول للغاصب اور اگر دونوں نے ذات مغصوب میں اختلاف کیا یعنی غاصب کہتا ہو کہ مغصوب یہی چیز ہے اور مالک کہتا ہو کہ یہ نہیں ہے تو غاصب ہی کا قول مقبول ہوگا یعنی اس واسطے کہ وہ قابض ہے والغصب انما یتحقق فیما ینقل فلو اخذ عقارا وہلک فی یدہ بآفۃ سماویۃ کغلبۃ سیل لم یضمن خلافا لمحمد وبقولہ قالت الثلثۃ وبہ یفتی فی الوقف ذکرہ العینی اور غصب ثابت ہوتا ہے مال منقول میں سو اگر ایک شخص نے مال غیر منقول چنانچہ زمین اور گھر اور درخت کسی کا لیا اور اس کے ہاتھ میں آسمانی آفت سے تلف ہو گیا چنانچہ سیلاب کے غلبہ سے زمین ڈوب گئی یا گھر گر پڑا تو غاصب پر ضمان نہیں شیخین کے نزدیک برخلاف محمد کے کہ ان کے نزدیک غیر منقول کے غصب پر بھی تاوان ہے اور یہی قول ہے ائمہ ثلثہ کا اور محمد کے قول پر فتوی ہے وقف میں علامہ عینی نے اس کو ذکر کیا ہے وذکر ظہیر الدین فی فتاویہ الفتوی فی غصب العقار والدور الموقوفۃ بالضمان وان الفتوی فی غصب منافع الوقف بالضمان اور ظہیر الدین نے اپنے فتاوی میں مذکور کیا ہے کہ موقوف غیر منقول اور موقوف گھروں کے غصب میں لزوم تاوان کا فتوی ہے اور منافع وقف کے غصب میں لزوم ضمان کا فتوی ہے طحطاوی نے کہا کہ لفظ موقوفہ عقار اور دور دونوں کی طرف راجع ہے وفی فوائد صاحب المحیط اشتری دارا وسکنہا ثم ظہر انہا وقف او کانت للصغیر لزمہ اجر المثل صیانۃ لمال الوقف والصغیر اور صاحب محیط کے فوائد میں ہے کہ ایک شخص نے گھر مول لیا اور اس میں رہا پھر ظاہر ہوا کہ وہ گھر وقف تھا یا کہ وہ صغیر کا مملوک تھا تو مشتری پر اجرت مثل لازم ہوگی مال وقف اور مال صغیر کی حفاظت کے واسطے وفی اجارۃ الفیض انما لا یتحقق الغصب عندہما فی العقار فی حکم الضمان اما فیما وراء ذلک الا تری انہ یتحقق فی حق الرد وکذا فی الاستحقاق الاجرۃ انتہی فلیحفظ اور فیض کی کتاب الاجارہ میں ہے کہ غصب شیخین کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا غیر منقول میں فقط تاوان دینے کے حکم میں اور لزوم تاوان کے ماسوا میں تو غصب شیخین کے نزدیک بھی متحقق ہے کیا تو نہیں جانتا ہے کہ غصب متحقق ہے پھیر دینے میں یعنی مغصوب غیر منقول کا پھیر دینا شیخین کے نزدیک بھی واجب ہے سو اسی طرح استحقاق اجرت میں بھی غصب ثابت ہے یعنی اگر غاصب عقار میں سکونت کرے تو کرایہ اس پر لازم ہوگا اگر وقف اور مال صغیر ہو انتہی مافی الفیض تو اس کو یاد رکھنا چاہیے قیل قائلہ الاستروشنی وعماد الدین فی فصولیہما والاصح انہ ای العقار یضمن بالبیع والتسلیم قول ضعیف یہ ہے کہ عقار یعنی غیر منقول مضمون ہے بیع اور تسلیم سے قائل اس قول ضعیف کا استروشنی اور عماد الدین ہے دونوں نے یہ قول اپنی فصول میں کہا ہے وکذا بالجحود فی العقار الودیعۃ اور اسی طرح ضمان لازم ہے غیر منقول ودیعت کے انکار کرنے سے یعنی اگر غیر منقول ودیعت ہو ایک شخص کے پاس پھر وہ ودیعت کا انکار کرے تو اس پر بالاتفاق تاوان لازم ہوگا کذا فی المنح وبالرجوع عن الشہادۃ بعد القضاء اور اسی طرح تاوان

لازم ہے گواہی کے پھر جانے سے قاضی کے حکم کر دینے کے بعد صورت اس کی یہ ہے کہ دو شاہدوں نے ایک شخص پر گواہی دی کہ جو گھر اس کے پاس ہے وہ فلانے شخص کا ہے سو قاضی نے وہ گھر دوسرے کو دلا دیا پھر شاہدوں نے کہا کہ ہماری گواہی غلط تھی تو گھر کا تاوان شاہدوں پر لازم ہوگا زیلعی نے کہا کہ یہ ضمان اتلاف ہے نہ ضمان غصب وفی الاشباہ العقار لا یضمن الا فی مسائل وعد ہذہ الثلثۃ اور اشباہ میں ہے کہ غیر منقول میں تاوان نہیں مگر چند مسائل میں تاوان ہے اور انھیں تینوں مسئلوں کو شمار کیا ہے یعنی بیع مع التسلیم اور انکار ودیعت اور رجوع عن الشہادۃ **وإذا نقص العقار بسکناہ وزراعتہ ضمن النقصان بالاجماع** اور جب کہ غاصب ناقص کر دے غیر منقول کو اپنی سکونت اور کاشتکاری سے تو نقصان کا تاوان دے بالاتفاق ہم نقصان کی تفسیر میں اختلاف ہے قول صواب اور مفتی بہ یہ ہے کہ اس میں خریداری کا اعتبار ہے یعنی تامل کرنا چاہیے کہ گھر یا زمین کی کیا قیمت ہے قبل استعمال کے اور کیا قیمت ہے بعد استعمال کے تو جس قدر دونوں قیمتوں میں تفاوت ہو وہی نقصان ہے فیعطی ما زاد البذر وصححہ فی المجتبیٰ پھر مغصوب منہ غاصب کو اس قدر دے جس قدر بیج نے اس کی مالیت زیادہ کر دی اور تصحیح کی ہے اس قول کی مجتبیٰ میں ہم یہ مسئلہ ظاہرا مرتبط معلوم ہوتا ہے ماقبل سے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ جداگانہ مسئلہ ہے زیادت تخم کی یہ صورت ہے کہ کھیت کی قیمت کی جاوے تخم ریزی کے ساتھ اور تخم سے مطلق تخم مراد نہیں بلکہ وہ تخم جس کے درخت کو مالک اکھاڑ سکتا ہے پھر اسی کھیت کی قیمت بدون تخم کی جاوے تو جس قدر دونوں میں تفاوت ہو اس قدر مالک غاصب کو دے اور اپنی زمین اس سے نکال لے کذا فی الطحطاوی وعن الثانی مثل بذرہ اور ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ غاصب کے تخم کی قیمت مثلی دے یعنی جس قدر مالیت تخم کی ہو وہ دے بلا اعتبار حق قلع وفی الصیرفیۃ ہو المختار اور صیرفیہ میں ہے کہ ابو یوسف کا قول مختار ہے ولو نبت لہ قلعہ وتمامہ فی المجتبیٰ اور اگر غاصب کا تخم جما تو مالک کو اس کا اکھاڑ ڈالنا جائز ہے اور پورا اس کا بیان مجتبیٰ میں ہے ہم مجتبیٰ میں ہے کہ غاصب نے غیر کی زمین میں زراعت کی اور کھیت جما تو مالک کو اختیار ہے کہ غاصب کو اس کے اکھاڑ ڈالنے کا امر کرے اگر وہ نہ اکھاڑے تو وہ آپ اکھاڑ ڈالے اور جمنے سے پہلے مالک مختار ہے چاہے رہنے دے یہاں تک کہ کھیت جمے پھر اکھاڑنے کا امر کرے اور چاہے بقدر زیادت تخم غاصب کو دے کذا فی الطحطاوی کما یضمن اتفاقا فی النقلی ما نقص بفعلہ کما فی قلع الاشجار جیسے کہ مغصوب منقول میں بالاتفاق اس قدر تاوان لازم ہے جتنا ناقص ہو گیا ہو غاصب کے فعل سے چنانچہ بالاتفاق قطع اشجار میں ضمان لازم ہے ہم منقول مغصوب کے نقصان میں مطلقاً ضمان لازم ہے خواہ غاصب کے فعل سے نقصان ہوا ہو یا بغیر اس کے فعل کے چنانچہ شرح مسکین میں مصرح ہے تو شارح کی تقیید غیر مناسب ہے کذا فی الطحطاوی ولو قطعہا رجل آخر وہدم البناء ضمن ہو لا الغاصب اور اگر اشجار کو دوسرے شخص نے قطع کیا یا عمارت کو ڈھایا تو قاطع یا ہادم تاوان دے نہ غاصب کما لو غصب عبدا واجر فنقص فی مدۃ الاجارۃ بالاستعمال وہذا ساقط من نسخ الشرح لدخولہ تحت قولہ چنانچہ ضمان نقصان لازم ہے اگر غاصب نے غلام غصب کیا اور اس کو اجارہ میں دیا پھر غلام میں کچھ نقصان عارض ہو گیا اجارہ کی مدت میں استعمال کے سبب سے شارح نے کہا اور یہ قول مصنف کی شرح کے نسخوں میں سے ساقط ہے بسبب داخل ہونے اس مضمون کے مصنف کے قول آئندہ میں ہم طحطاوی نے کہا یہ مضمون قول آئندہ میں داخل نہیں اس واسطے کہ تصدق غلہ ضمان نقصان کے مغائر ہے **وان استغلہ فنقصہ الاستغلال او اجر المستعار ونقص ضمن النقصان وتصدق بما بقی من الغلۃ** والاجرۃ خلافا لابی یوسف کذا فی الملتقی اور اگر مغصوب کرایہ میں دیا سو اس کو نقصان عارض ہوا کرایہ دینے سے یا عاریت کی چیز اجارہ دی اور اس کو نقصان عارض ہوا اجارہ سے تو ضمان نقصان کا دے اور جو باقی رہے ضمان کے بعد کرایہ اور اجرت سے اس کو خیرات کرے بخلاف ابو یوسف کے یعنی ان کے نزدیک تصدق واجب نہیں کذا فی الملتقی لکن نقل المصنف عن البزازیۃ ان الغنی یتصدق بکل الغلۃ فی الاصح لیکن مصنف نے اپنی شرح میں بزازیہ سے یہ نقل کیا کہ غاصب تونگر سب غلہ خیرات کرے صحیح قول میں ہم خلاصہ بزازیہ کے کلام کا یہ ہے کہ بعد ہلاک عین مغصوب اگر غاصب غنی ہے تو ادائے ضمان غلہ سے جائز نہیں بلکہ سب غلہ تصدق کرے اور اگر غاصب فقیر ہے تو ادائے ضمان غلہ سے درست ہے اور باقی کو خیرات کرے کذا فی الطحطاوی **کما لو تصرف فی المغصوب والودیعۃ بان باعہ وربح فیہ اذا کان ذلک متعینا بالاشارۃ** چنانچہ اگر مغصوب اور ودیعت میں تصرف کرے اس طرح کہ

اس کو بیچ ڈالے اور اس میں نفع حاصل ہو تو منفعت کو خیرات کرے جب کہ مال مغصوب اور ودیعت اشارہ کرنے سے متعین ہو م متعین ہونے کی یہ صورت ہے کہ مغصوب عروض یعنی از قسم اسباب کے ہو نہ درم اور دینار **او بالشراء بدراہم الودیعۃ او الغصب ونقدہا** یا متعین ہو خرید سے بواسطہ دراہم ودیعت یا غصب کے اور انھیں دراہم کے ادا کرنے سے م طحطاوی نے کہا مختصر اور واضح تر یوں کہنا تھا **اذا کان متعینا او غیر متعین ونقدہ** یعنی بیع اور شراء مغصوب کی منفعت کا تصدق واجب ہے خواہ وہ متعین بالاشارہ ہو خواہ غیر متعین ہو مگر ادائے ثمن مغصوب کے دراہم سے کرے **یعنی یتصدق بربح حصل فیہما اذا کانا متعینین بالاشارۃ** یعنی تصدق کرے اس منفعت کو جو حاصل ہوئی ہے غصب اور ودیعت کے تصرف میں جب کہ وہ دونوں اس قسم سے ہوں کہ اشارہ کرنے سے متعین ہو جاتے ہوں **وان کانا مما لا یتعین فعلی اربعۃ اوجہ فان اشار الیہا ونقدہا فکذلک یتصدق** اور اگر مغصوب اور ودیعت اس قسم سے ہوں کہ متعین نہ ہوتے ہوں چنانچہ دراہم تو چار صورتوں پر ہیں سو اگر دراہم کی طرف اشارہ کیا اور انھیں کو ثمن میں ادا کیا تو اسی متعین کے مانند منفعت کو تصدق کرے **وان اشار الیہا ونقد غیرہا او اشار الی غیرہا ونقدہا او اطلق ولم یشر ونقدہا لا یتصدق فی الصور الثلث عند الکرخی قیل وبہ یفتی والمختار انہ لا یحل مطلقا کذا فی الملتقی ولو بعد الضمان ہو الصحیح کما فی فتاوی النوازل** اور اگر دراہم غصب کی طرف اشارہ کیا اور ان کے سوا اور دراہم ادا کیے یا اشارہ کیا ان کے غیر کی طرف اور غصب کے دراہم دیے یا مطلق دراہم مذکور کیے اور اشارہ کسی طرف نہ کیا اور غصب کے دراہم دیے تو ان تینوں صورتوں میں منفعت تصدق نہ کرے کرخی کے نزدیک بعضوں نے کہا اسی قول پر فتوی دیا ہے اور مختار قول یہ ہے کہ نفع مطلقا حلال نہیں کذا فی الملتقی اگرچہ ضمان دینے کے بعد ہو یہی قول صحیح ہے چنانچہ فتاوی نوازل میں مذکور ہے **واختار بعضہم الفتوی علی قول الکرخی فی زماننا لکثرۃ الحرام وہذا کلہ علی قولہما وعند ابی یوسف لا یتصدق بشیء منہ کما لو اختلف الجنس ذکرہ الزیلعی فلیحفظ** اور بعضے فقیہوں نے کرخی کے قول کا فتوی مختار جانا ہے ہمارے اس زمانے میں بسبب کثرت حرام کے اور یہ تمام مذکور طرفین کے قول پر مبنی ہے اور ابو یوسف کے نزدیک منفعت غصب سے کچھ بھی تصدق نہ کرے چنانچہ اگر جنس مختلف ہو تو بالاتفاق تصدق لازم نہیں زیلعی نے اس کو ذکر کیا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م یعنی اگر ضمان اور بدل مضمون مختلف الجنس ہوں اس طرح کہ تاوان میں دراہم دیے ہوں اور غاصب کے ہاتھ بدل مضمون طعام یا عروض ہو تو بالاتفاق تصدق اس پر واجب نہیں اس واسطے کہ منفعت تو ظاہر ہوتی ہے اتحاد جنس کے نزدیک کذا فی الطحطاوی عن الزیلعی مختصرا **فان غصب وغیر المغصوب فزال اسمہ واعظم منافعہ ای اکثر مقاصدہ** پھر غاصب نے غصب کیا اور مغصوب کو متغیر کر دیا سو اس کا نام اور اعظم منافع یعنی اس کے اکثر مقاصد زائل ہو گئے م زوال اسم کی اس واسطے قید لگائی کہ اگر بکری غصب کر کے ذبح کر ڈالی تو مالک ضمان قیمت اور ضمان نقصان میں مختار ہے اس واسطے کہ فقط ذبح سے نام زائل نہیں ہوا کیونکہ اس کو حلال بکری بولتے ہیں **احترازا عن دراہم سبکہا بلا ضرب فانہ وان زال اسمہ لکن یبقی اعظم منافعہ ولذا لا ینقطع حق المالک عنہ کما فی المحیط وغیرہ فلم یکن زوال الاسم مغنیا عن اعظم منافعہ کما ظنہ ملا خسرو وغیرہ** شارح نے کہا اعظم منافع کی قید ان دراہم سے احتراز ہے جن کو غاصب نے پگھلایا بلا ضرب سکہ تو اگرچہ درم کا نام زائل ہو گیا لیکن اس کا اعظم منافع باقی ہے یعنی ثمن ہونا اور آرائش اور اسی واسطے مالک کا حق درہم مسبوک سے منقطع نہیں ہوتا چنانچہ محیط وغیرہ میں ہے تو زوال اسم اعظم منافع کی قید سے مغنی نہ ہوا جیسا کہ صاحب درر ملا خسرو وغیرہ نے گمان کیا ہے م اعظم منافع کی مثال مثلا گیہوں کو غصب کرنا اور پیس ڈالنا اس واسطے کہ مسلم گیہوں سے جو مقاصد متعلق تھے چنانچہ ان کا بننا اور پیسہ پکانا وہ پیسنے سے فوت ہو گئے کذا فی المنح **او اختلط المغصوب بملک الغاصب بحیث یمتنع امتیازہ کاختلاط برہ ببرہ او یمکن بحرج کبرہ بشعیر ضمنہ وملکہ بلا حل انتفاع قبل اداء ضمانہ ای رضی مالکہ باداء او ابراء او تضمین قاض** یا رل مل گیا مغصوب غاصب کی ملک سے اس طرح پر کہ اس کا جدا کرنا ممتنع ہو چنانچہ مالک کے گیہوں کا مل جانا غاصب کے گیہوں سے یا جدا کرنا حرج اور مشقت سے ممکن ہو جیسے گیہوں کا اختلاط جو سے تو ان تینوں صورتوں میں غاصب تاوان اس کا دے اور اس کا مالک ہو جاوے گا بلا حلت انتفاع قبل ادا کرنے اس کے تاوان کے ادائے ضمان سے رضائے مالک مراد ہے خواہ رضا ادائے ضمان سے ہو یا مالک کے معاف کر دینے سے ہو یا قاضی کے تاوان لینے سے ہو م تو اگر مالک غائب ہو یا حاضر ہو مگر تاوان لینے سے راضی نہ ہو تو غاصب کو اس کا کھانا یا غیر کو کھلانا

تا ادائے ضمان قیمت جائز نہیں والقیاس حلہ وہو روایۃ **فلو غصب طعاما فمضغہ حتی صار مستہلکا یبتلعہ حلالا فی روایۃ وحراما علی المعتمد حسما لمادۃ الفساد** اور قیاس یہ ہے کہ زوال اسم اور اختلاط سے مغصوب بلا رضائے مالک حلال ہو اور وہ روایت بھی ہے کہ طعام اگر غصب کیا سو اس کو چبایا یہاں تک کہ وہ مستہلک ہوگیا تو اس کو حلال نگلے گا بموجب روایت قیاسی کے اور حرام نگلے گا بنا بر استحسان معتمد کے تاکہ مادۂ فساد مٹ جائے م وجہ استحسان یہ ہے کہ اگر قبل رضائے مالک انتفاع حلال ہو تو غصب کا دروازہ کھلتا ہے اور حرام ہونے سے استیصال مادۂ غصب ہے **کذبح شاۃ** بالتنوین بدل الاضافۃ ای شاۃ غیرہ ذکرہ ابن سلطان چنانچہ شاۃ یعنی دنبہ ذبح کرنا شارح نے کہا شاۃ کی تنوین اضافت کے عوض ہے یعنی اپنے غیر کا دنبہ ذبح کرنا ابن سلطان نے یہ ذکر کیا ہے **وطبخہ او شیہا وطحن بر او زرعہ وجعل حدید اسیفا وصفر آنیۃ** چنانچہ غیر کا دنبہ ذبح کرنا اور اس کا پکانا اور بریاں کرنا اور گیہوں کا پیسنا یا اس کا کھیت میں بونا اور لوہے کی تلوار بنانا اور پیتل سے برتن بنانا م یہ مثالیں ہیں تغیر مغصوب کی مع زوال اسم **والبناء علی ساجۃ** بالجیم خشبۃ عظیمۃ تنبت بالہند **وقیمتہ** ای البناء **اکثر منہا** ای من قیمۃ الساجۃ **یملکہ الباقی بالقیمۃ** اور چنانچہ عمارت بنانا ساگون کے لٹھے پر اور حالانکہ قیمت عمارت کی زیادہ تر ہے ساگون کی قیمت سے مالک ساگون ہوگا عمارت بنانے والا اس کی قیمت دے کر شارح نے کہا ساج بحرف جیم لکڑی عظیم الجثہ ہے ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے یعنی ساگون م یہ مثال ہے اختلاط ملک غاصب کی جس کی امتیاز حرج کے ساتھ ممکن ہے **وکذا لو غصب ارضا فبنی علیہا او غرس او ابتلعت دجاجۃ لؤلؤۃ او ادخل البقر راسہ فی قدر او اودع فصیلا فکبر فی بیت المودع ولم یمکن اخراجہ الا بہدم الجدار وسقط دینارہ فی محبرۃ غیرہ ولم یمکن اخراجہ الا بکسرہا ونحو ذلک یضمن صاحب الاکثر قیمۃ الاقل** والاصل ان الضرر الاشد یزال بالاخف کما فی بدء القاعدۃ من الاشباہ اور اسی طرح اگر زمین غصب کی پھر اس پر عمارت بنائی یا درخت لگائے یا مرغی موتی نگل گئی یا بیل نے اپنا سر دیگ میں ڈال دیا یا بوتا ودیعت رکھا سو مودع کی کوٹھری میں جوان اونٹ ہوگیا اور اس کا نکالنا ممکن نہ ہو مگر دیوار ڈھا کر یا ایک شخص کی اشرفی دوسرے کی دوات میں گر پڑی اور اس کا نکالنا متصور نہیں مگر دوات توڑ کر اور مانند اس کے اور مثالیں تو ضمان دے اکثر قیمت کا مالک کمتر قیمت والے کو یعنی در صورت اختلاط ملکین جس کے مال کی زیادہ قیمت ہو وہ کمتر قیمت والے کو ضمان دے کر اس کا مالک ہو اور قاعدہ کلیہ ان مسائل کا یہ ہے کہ سخت تر ضرر سبکتر ضرر سے مٹایا جاتا ہے چنانچہ اشباہ کے اسی قاعدہ یعنی الضرر الاشد یزال بالاخف میں یہ سب کچھ مذکور ہے ثم قال ولو ابتلع لؤلؤۃ فمات لایشق بطنہ لان حرمۃ الآدمی اعظم من حرمۃ المال وقیمتہا فی ترکتہ وجوزہ الشافعیۃ قیاسا علی الشق لاخراج الولد قلت وقدمنا فی الجنائز عن الفتح انہ یشق ایضا فلا خلاف وفی تنویر البصائر انہ الاصح فلیحفظ پھر صاحب اشباہ نے کہا اور اگر انسان موتی نگل گیا پھر مرگیا تو اس کا پیٹ چیرا نہ جاوے گا موتی نکالنے کے واسطے اس کہ آدمی کی عزت مال کی عزت سے عظیم تر ہے اور قیمت اس موتی کی اس شخص کے متروکہ سے متعلق ہوگی اور شافعیوں نے موتی نکالنے کے واسطے پیٹ چیرنا جائز رکھا ہے لڑکا نکالنے کے چیرنے پر قیاس کر کے شارح نے کہا میں کہتا ہوں اور ہم باب الجنائز میں فتح القدیر سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ موتی کے واسطے بھی پیٹ چیرا جائے گا تو اب شافعیہ اور حنفیہ میں کچھ خلاف باقی نہ رہا اور تنویر البصائر میں ہے کہ موتی نکالنے کے واسطے پیٹ چیرنا صحیح تر قول ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے بقی لو کانت قیمۃ الساجۃ والبناء سواء فان اصطلحا علی شیء جاز وان تنازعا بیع البناء علیہما وتقسم الثمن بینہما علی قدر مالہما شرنبلالیۃ عن البزازیۃ باقی رہی یہ صورت کہ اگر ساگون اور عمارت کی قیمت برابر ہو تو اگر غاصب اور مالک کسی چیز پر صلح کر لیں تو جائز ہے اور اگر تنازع کریں تو وہ عمارت ساگون کے ساتھ علی رغم المتخاصمین بیع ہو اور اس کا ثمن دونوں شخصوں پر بانٹا جاوے بقدر ان کی مالیت کے کذا فی شرنبلالیہ عن البزازیہ بقی لو اراد الغاصب نقض البناء ورد الساجۃ ہل لہ ذلک ان قضی علیہ بالقیمۃ لایحل وقبلہ قولان لتضییع المال بلا فائدۃ وتمامہ فی المجتبی باقی رہ گئی یہ صورت کہ اگر غاصب نے عمارت توڑی اور ساگون پھیر دینے کا ارادہ کیا تو کیا یہ درست ہے یا نہیں سو اگر غاصب پر قیمت دینے ساگون کا حاکم نے حکم دیا ہو تو عمارت توڑنا حلال نہیں اور حکم حاکم سے پہلے دو قول ہیں ایک قول میں جواز ہے اور دوسرے میں عدم جواز وجہ عدم جواز ضائع کرنا ہے مال کا بے فائدہ اور پورا بیان اس کا مجتبیٰ میں ہے **وان ضرب الحجر ای درہما او دینارا او اناء لم یملکہ وہو لمالکہ مجانا**

خلافا لهما اور اگر غاصب نے چاندی اور سونے کے درم یا دینار بنائے یا برتن بنایا تو غاصب اس کا مالک نہ ہوگا اور وہ اس کے مالک کی مملوک ہے بخلاف صاحبین کے ہم امام کے نزدیک مالک اس واسطے صفت کا مالک ہوا کہ صنعت سے فقط جودت اور عمدگی حاصل ہے اور جودت مال ربوی میں متقوم نہیں فان ذبح شاة غيره وطبخها او كل طرحها المالك عليه واخذ قيمتها او ضمنه نقصانها پھر اگر غاصب نے غیر کا دنبہ ذبح کر ڈالا اور دنبہ کے مانند ہے ہر جانور ماکول اللحم تو مالک کو اختیار ہے چاہے مالک مذبوح کو غاصب پر ڈالے اور اس کی قیمت اس سے لے یا چاہے مذبوح لے اور غاصب سے اس کے نقصان کا تاوان لے ہم ماکول اللحم کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر غیر ماکول کو ذبح کرے گا تو تمام قیمت کا تاوان غاصب پر لازم ہوگا اور ضمان نقصان جائز نہیں امام کے نزدیک كذا في الطحطاوي وكذا الحكم لو قطع يدها او قطع طرف دابة غير ماكولة كذا في الملتقى قيل ولفظ غير غير سديد بنا قلت قوله غير سديد بثبوت الخيار في غير الماكولة ايضا اگر لكن اذا اختار ربها اخذها لا يضمنه شيئا وعليه الفتوى كما نقله المصنف عن العمادية فليحفظ بخلاف طرف العبد فان فيه الارش اور اسی طرح کا حکم ہے یعنی مالک مختار ہے غاصب نے جانور ماکول اللحم کا ہاتھ کاٹا یا جانور غیر ماکول اللحم کا ہاتھ پاؤں کاٹا كذا في الملتقى بعضوں نے ملتقی کی عبارت پر اعتراض کیا کہ یہاں لفظ غیر یعنی غیر ماکول اللحم میں غیر سدید ہے یعنی ٹھیک نہیں اس واسطے کہ تضمین اور اخذ عین ماکول اور رقیق میں ہے نہ غیر ماکول میں ہے شارح نے کہا میں کہتا ہوں کہ معترض کا قول غیر سدید ٹھیک نہیں ہے بسبب ثابت ہونے اختیار مالک کے غیر ماکول اللحم میں بھی لیکن فرق اتنا ہے کہ جب غیر ماکول کو مالک اس کا لینا اختیار کرے تو اس سے کچھ ضمان نہ لے گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ مصنف نے اپنی شرح میں عمادیہ سے نقل کیا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے برخلاف قطع دست غلام کہ اس میں تو خونبہا ہے ہم عیون میں ہے امام اعظم نے کہا کہ جب ایک مرد غیر کا گدھا یا خچر ہلاک کر ڈالے اس کا ہاتھ کاٹ کر یا ذبح کر کے اگر مالک چاہے غاصب سے ضمان لے اور مذبوح یا مقطوع غاصب کو سپرد کر دے اور چاہے اس کو اپنے پاس رکھے اور غاصب سے تاوان نہ لے اور اسی قول پر فتویٰ ہے انتہی تو جو ملتقی میں تضمین نقصان غیر ماکول مذکور ہے وہ غیر مفتی بہ ہے الحاصل خیار مالک ماکول اور غیر ماکول میں مختلف ہے سو ماکول میں مالک جانور کے لینے میں مع ضمان نقصان اور اس کے دینے میں مع اخذ قیمت مختار ہے اور غیر ماکول میں اس کے دینے اور اس کی قیمت لینے میں مختار ہے لیکن غاصب پر کچھ ضمان نہیں على ما عليه الفتوى تو معلوم ہوا کہ کلام مصنف کا صاحب ملتقی کے کلام کے مانند ہے امساک اور رجوع بالنقصان میں حالانکہ بلاشک یہ حکم مخصوص بالماکول ہے تو ذکر کرنا لفظ غیر کا یہاں غیر صواب ہے كذا في الطحطاوي او خرق ثوبا خرقا فاحشا وهو ما فوت بعض العين وبعض نفعه لا كله فلو كله ضمن كلها یا غاصب نے کپڑا پھاڑا بخرق فاحش خرق فاحش وہ ہے جو فوت کر دے کچھ کپڑے اور کچھ اس کی منفعت کو نہ کل کو تو اگر کل کو فوت کرے تو تمام کپڑے کی قیمت کا تاوان دے حاصل مسئلہ یہ ہے کہ خرق فاحش میں مالک مختار ہے چاہے کپڑا غاصب پر چھوڑے اور اس کی قیمت اس سے لے چاہے کپڑا اپنا لے اور بقدر نقصان اس سے تاوان لے وفي خرق يسير نقصه ولم يفوت شيئا من النفع ضمن النقصان مع اخذ عينه ليس غيره لقيام العين من كل وجه ما لم يجد وفيه صنعة او يكون ربويا كما بسطه الزيلعي اور جب پھاڑنے میں ہلکا نقصان ہے اور خرق مذکور نے کچھ منفعت کو فوت نہیں کر دیا تو مالک نقصان کا تاوان لے بعینہ کپڑا لینے کے ساتھ اس کے سوا مالک کسی بات کا مختار نہیں بسبب قائم ہونے ذات کے ہر وجہ سے تاوقتیکہ غاصب نے اس میں کچھ صنعت تازہ نہ کی ہو یا کہ وہ مال ہو جس میں بیاج جاری ہو سکتا ہو چنانچہ زیلعی نے اس کو مشرح بیان کیا ہے ہم اگر غاصب نے صنعت جدید کی مثلاً کپڑا پھاڑ کر قمیص سیا تو ہمارے نزدیک حق مالک اس سے منقطع ہو گیا زیلعی نے کہا خرق فاحش کا حکم یعنی تخییر مالک سب چیز میں جاری ہے سوائے اموال ربویہ کے اس واسطے کہ یہاں تعیب فاحش ہو یا یسیر مالک کی تخییر ثابت کرتی ہے امساک عین میں بلا ضمان غاصب اور تسلیم عین میں تضمین مثل یا قیمت کے ساتھ اس واسطے کہ تضمین نقصان متعذر ہے کیونکہ اس سے بیاج ثابت ہوتا ہے ومنه يعلم جواب حادثة هي غصبت حياصة فضة مموهة بالذهب فزال تموهها يخير مالكها بين تضمينها مموهة او اخذها بلا شيء لانه تابع مستهلك اور اس سے یعنی او یکون ربویا کے قول سے معلوم ہوتا ہے جواب ایک حادثہ کا وہ حادثہ یہ ہے کہ غصب ہوئی چاندی کی چوڑی جس پر سونے کا ملمع ہے سو اس کا ملمع غاصب کے پاس زائل ہو گیا تو مالک

اس کا مختار ہے چوڑی ملمع دار کے ضمان لینے میں یا چوڑی لینے میں بلا اخذ ضمان اس واسطے کہ ملمع کاری تابع مستہلک ہے ہم اور اس واسطے کہ بیاج لازم آتا ہے کذا فی الطحطاوی ولو کان مکان الغصب شراء بوزنہا فضۃ فلا رد لتعیبہا ولا رجوع بالنقصان للزوم الربا فاغتنمہ فقل من صرح بہ قالہ شیخنا اور اگر بجائے غصب چوڑی کی خریداری ہوئی اس کے برابر وزن چاندی سے پھر ملمع اس کا زائل ہو گیا تو ردبیع جائز نہیں بسبب عیب دار کر دینے کے یعنی مشتری کے پاس عیب حادث ہو گیا اور وہ مانع رد ہے اور عیب قدیم کے نقصان کا رجوع جائز نہیں بسبب لازم ہونے بیاج کے تو غنیمت جان اس جواب کو اس واسطے کہ کمتر فقہا نے اس کی تصریح کی ہے یہ کہا ہے ہمارے استاد یعنی خیر الدین رملی نے ومن بنی او غرس فی ارض غیرہ بغیر اذنہ امر بالقلع والرد ولو قیمۃ الساحۃ اکثر کما مر • اور جس نے عمارت بنائی یا درخت لگایا غیر کی زمین میں اس کے بلا اذن تو اس کو عمارت ڈھانے اور درخت اکھاڑنے کا اور زمین پھیر دینے کا امر کیا جائے اگر قیمت زمین کی زیادہ تر ہو عمارت اور درخت سے چنانچہ عنقریب مذکور ہو چکا وللمالک ان یضمن لہ قیمۃ بناء او شجر امر بقلعہ ای مستحق القلع فیقوم بدونہما ومع احدہما مستحق القلع فیضمن الفضل ان نقصت الارض بہ ای بالقلع اور اگر زمین قلع کرنے سے ناقص ہو جاتی ہو تو مالک کو جائز ہے ضمان دینا غاصب کو اس درخت یا عمارت کا جس کے قلع اور قمع کرنے کا یعنی مستحق القلع کا وہ مامور ہے تو زمین کی قیمت ٹھہرائی جاوے بدون عمارت اور درخت کے پھر قیمت مقرر کی جاوے ساتھ اس عمارت اور درخت کے جو مستحق القلع ہے سو جس قدر زیادت ہو دونوں قیمتوں میں اتنا غاصب کو ضمان دے ولو زرعہا یعتبر العرف فان اقتسموا الغلۃ انصافا او ارباعا اعتبر والا فالخارج للزارع وعلیہ اجر المثل واما فی الوقف فتجب الحصۃ او الاجرۃ بکل حال فصولین اور اگر غاصب نے زمین میں زراعت کی تو عرف اور رواج کا اعتبار ہو گا سو اگر مالک اور مزارع نصفا نصف یا چہارم بانٹ لیتے ہوں تو اسی رواج کا اعتبار ہو گا اور اگر بٹائی کا رواج نہ ہو تو غلہ مزارع کا ہے اور اس پر زمین کی اجرت مثل واجب ہو گی اور زمین وقف کی زراعت غصبی میں تو حصہ بٹائی کا یا اجرت زمین کی ہر حال میں واجب ہو گی کذا فی الفصولین ہم ہر حال سے مراد یہ ہے کہ ناظر زراعت باقی رکھنے پر راضی ہو یا اس کے اکھاڑنے کا طالب ہو اور ملک میں تو بلا رضائے المالک زراعت حصہ یا اجرت واجب نہ ہو گی کذا فی الحلبی غصب ثوبا فصبغہ لا عبرۃ للالوان بل لحقیقۃ الزیادۃ والنقصان او سویقا فلتہ بسمن فالمالک مخیر ان شاء ضمنہ قیمۃ ثوبہ ابیض ومثل السویق وفی المبسوط بالقیمۃ لتغیرہ بالقلی فلم یبق مثلیا وسماہ ہنا مثلیا لقیام القیمۃ مقامہ کذا فی الاختیار وقدمنا قولین عن المجتبیٰ کپڑا غصب کیا پھر اس کو رنگا رنگوں کا بیان اعتبار نہیں بلکہ زیادت اور نقصان کی حقیقت کا اعتبار ہے یا ستو غصب کیا پھر اس کو گھی سانا تو مالک مختار ہے اگر چاہے غاصب سے سفید کپڑے کی قیمت کا تاوان لے اور ستو کی مثل کا شارح نے مبسوط میں قیمت ستو کی بھی مذکور کی ہے اس واسطے کہ ستو بریاں کرنے سے مثلی باقی نہ رہا اور یہاں مصنف نے اس کو مثلی کہا ہے بسبب قائم ہونے اس کی قیمت کے مقام اس کے کذا فی الاختیار اور مقدم بیان کر چکے ہیں مجتبیٰ سے نقل کر کے کہ ستو کے مثلی اور قیمتی ہونے میں دو قول ہیں وان شاء اخذ المصبوغ او الملتوت وغرم ما زاد الصبغ وغرم السمن لانہ مثلی وقت اتصالہ بملکہ والصبغ لم یبق مثلیا قبل اتصالہ بملکہ لاقترانہ بالماء مجتبیٰ اور اگر مالک چاہے رنگین کپڑا یا گھی کا سنا ستو لے اور جس قدر رنگ سے کپڑے کی قیمت زیادہ ہو گئی اس کا اور گھی کا تاوان دے اس واسطے کہ گھی مالک کی ملک کے ساتھ متصل ہونے کے وقت مثلی تھا اور رنگ مثلی باقی نہ رہا قبل از اتصال بملک مالک بسبب مل جانے رنگ کے پانی کے ساتھ کذا فی المجتبیٰ رد غاصب الغاصب المغصوب علی الغاصب الاول برئ من ضمانہ غاصب کے غاصب نے مغصوب پھیر دیا پہلے غاصب کو تو مغصوب کے تاوان سے غاصب ثانی بری الذمہ ہو گا کما لو ہلک المغصوب فی ید غاصب الغاصب فادی القیمۃ الی الغاصب فانہ یبرأ ایضا لقیام القیمۃ مقام العین چنانچہ اگر مغصوب ہلاک ہو گیا غاصب الغاصب کے ہاتھ میں سو اس نے اس کی قیمت ادا کر دی غاصب اول کو تو بھی وہ بری الذمہ ہو گا بسبب قائم ہونے قیمت کے مقام عین مغصوب کے اذا کان قبضہ القیمۃ معروفا بالقضاء او بینۃ او تصدیق مالک لا باقرار الغاصب الاول فی حق نفسہ وغاصبہ عادیۃ ادائے قیمت سے غاصب ثانی اس وقت بری الذمہ ہو گا جب کہ غاصب اول کا قیمت قبض کرنا

معلوم ہو قاضی کے حکم سے یا گواہوں سے یا مالک کی تصدیق سے نہ غاصب اول کے اقرار سے مگر اپنے حق میں اور اپنے غاصب کے حق میں غاصب اول کا اقرار معتبر ہوگا کذا فی العمادیہ یعنی جب کہ غاصب اول قبض قیمت کا اقرار کرے گا تو اب غاصب ثانی سے مطالبہ نہیں کر سکتا لیکن مالک مطالبہ کر سکتا ہے اور جب کہ مالک غاصب ثانی سے درصورت اقرار مذکور قیمت لے گا تو غاصب ثانی غاصب اول سے قیمت پھیر لے گا بسبب اس کے اقرار کے غصب شیئا ثم غصبہ آخر منہ فاراد المالک ان یاخذ بعض الضمان من الاول وبعضہ من الثانی فلہ ذلک سراجیہ والمالک بالخیار فی تضمین ایہما شاء واذا اختار تضمین احدہما لم یملک ترکہ فتضمین الآخر وقیل یملک عمادیہ غصب کی ایک چیز پھر دوسرے شخص نے اس سے غصب کی سو مالک نے چاہا کہ بعض ضمان غاصب اول سے لے اور بعض غاصب ثانی سے تو اس کو یہ فعل درست ہے کذا فی السراجیہ اور مالک مختار ہے ایک غاصب سے پورا تاوان لینے میں جس سے چاہے اور جب کہ ایک سے ضمان لینا اختیار کرے تو پھر اس کے چھوڑنے کا اور دوسرے غاصب سے ضمان لینے کا مالک نہ رہے گا اور بعضوں نے کہا مالک رہے گا کذا فی العمادیہ الاجازۃ لا تلحق الاتلاف فلو اتلف مال غیرہ تعدیا فقال المالک اجزت او رضیت لم یبرأ من الضمان اشباہ معزیا للبزازیہ لکن نقل المصنف عن العمادیہ ان الاجازۃ تلحق الافعال ہو الصحیح قال وعلیہ فتلحق الاتلاف لانہ من جملۃ الافعال فلیحفظ اجازت لاحق نہیں ہوتی تلف کر دینے کو تو اگر غیر کا مال تلف کیا ظلم کی راہ سے پھر مالک نے کہا کہ میں نے اس کو جائز رکھا یا میں راضی ہو گیا تو تلف کرنے والا ضمان سے بری نہ ہوگا کذا فی الاشباہ منقولا من البزازیہ لیکن مصنف نے شرح میں عمادیہ سے نقل کیا ہے کہ اجازت افعال کو لاحق ہوتی ہے مصنف نے کہا پھر تو اس کے موجب تلف کر دینے کو بھی اجازت لاحق ہوگی اس واسطے کہ اتلاف منجملہ افعال کے ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م شیخ صالح ابن مصنف نے کہا کہ اگر افعال سے غیر اتلاف مراد لیجیے تو سب مشائخ کے اقوال پر عمل ہو سکتا ہے حموی نے کہا بعضے افعال اعدام ہوتے ہیں اور بعضے ایجاد تو مشائخ کا قول اس فعل پر محمول ہے جو اعدام نہ ہو کذا فی الطحطاوی کسر الغاصب الخشب کسرا فاحشا لم یملکہ ولو کسرہ الموہوب لہ لم ینقطع حق الرجوع اشباہ غاصب نے لکڑی بکسر فاحش توڑی تو اس کا مالک نہ ہوگا اگرچہ اس کی قیمت زیادہ ہو جائے توڑنے سے کذا فی القنیہ اور اگر لکڑی کو موہوب لہ توڑے تو واہب کے پھیر لینے کا حق منقطع نہ ہوگا کذا فی الاشباہ وفیہا آجر الغاصب ودفع اجرتہا الی المالک تطیب لہ لان اخذ الاجرۃ اجازۃ اور اشباہ میں ہے کہ غاصب نے غصب کی چیز اجارہ دی اور اس کی اجرت مالک کو پھیر دی تو اس کو یہ حلال ہے اس واسطے کہ اجرت لینا اجازت ہے اجارہ کی فروع مسائل ملحقہ شارح کے استعار منشارا فانقطع فی النشر فوصلہ بلا اذن مالکہ انقطع حقہ وعلی المستعیر قیمتہ منکسرا شرح وہبانیہ آرا عاریت لیا سو وہ ٹوٹ گیا چیرنے میں سو اس نے جوڑا بدون اذن مالک کے تو مالک کا حق اس سے منقطع ہو گیا اور مستعیر پر ٹوٹے آرے کی قیمت واجب ہے کذا فی شرح الوہبانیہ رکب دار غیرہ لاطفاء حریق وقع فی البلد فانہدم شئی برکوبہ لم یضمن لان ضرر الحریق عام فکان لکل دفعہ جوہرۃ ایک شخص غیر کے گھر پر چڑھا اس آگ بجھانے کو جو شہر میں واقع ہوئی سو کچھ عمارت منہدم ہو گئی اس کے چڑھنے سے تو اس پر کچھ ضمان نہیں اس واسطے کہ آتش زنی کا ضرر شامل ہے سب کو تو ہر شخص کو اس کے دفع کرنے اور بجھانے کا حق ہے کذا فی الجوہرۃ ولا یجوز دخول بیت انسان الا باذنہ الا فی الغزو جائز نہیں آدمی کے گھر میں گھسنا مگر اس کی اجازت سے مگر جہاد میں جائز ہے یعنی جہاد میں غازیوں کو کفار کے گھروں میں بلا اذن داخل ہونا جائز ہے واللہ اعلم وفیہا اذا سقط ثوبہ فی بیت غیرہ وخاف لو اعلمہ اخذہ اور غیر کے گھر میں بلا اذن مالک داخل ہونا اس صورت میں جائز ہے جب کہ ایک شخص کا کپڑا غیر کے گھر میں گر پڑا اور وہ ڈرا کہ اگر میں اس کو خبر کروں گا تو وہ اس کو خود دبا رکھے گا حفر قبرا فدفن فیہ آخر میتا فہو علی ثلثۃ اوجہ ان الارض للحافر فلہ نبشہ ولہ تسویتہ وان مباحۃ فلہ قیمۃ حفرہ وان وقفا فکذلک ولا یکرہ لو الارض متسعۃ لان الحافر لا یدری بای ارض یموت ایک شخص نے اپنے واسطے قبر کھود رکھی سو اس میں دوسرے شخص نے مردہ گاڑا تو وہ تین صورتوں پر ہے اگر وہ زمین قبر کھودنے والے کی مملوک ہو تو اس کو مردہ اکھاڑنا اور زمین کو برابر کر دینا جائز ہے اور اگر زمین مباح ہو تو اس کو قبر کھودنے کی قیمت یعنی اجرت ملے گی اور اگر وقف کی ہو تو اسی طرح اس کی اجرت ثابت

ہے اور یہ مکروہ نہیں اگرچہ زمین وقف کشادہ ہو اس واسطے کہ قبر کھودنے والا نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا م ولوالجیہ میں ہے کہ ایک مرد نے مقبرۂ وقف میں قبر کھودی پھر دوسرے نے اس میں دفن کرنے کا ارادہ کیا اگر مکان میں وسعت ہو تو اول شخص مزاحمت نہ کرے اور اگر وسعت نہ ہو تو مزاحمت کرے اور پہلی صورت میں دفن کرے گا تو مکروہ نہیں ایسا کہا ہے فقیہ ابو اللیث نے اس واسطے کہ جس نے اپنے واسطے قبر کھودی ہے وہ جانتا نہیں کہ کس زمین میں مرے گا کذا فی الطحطاوی لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا اذنہ ولا ولایتہ الا فی مسائل مذکورۃ فی الاشباہ جائز نہیں تصرف کرنا غیر کے مال پر بدون اس کے اذن کے اور بدون اپنی ولایت کے مگر چند مسائل میں تصرف مال غیر جائز ہے جو اشباہ میں مذکور ہیں م منجملہ مسائل مذکورہ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ فرزند کو والد مریض کے واسطے مایحتاج خرید کرنا بغیر اس کے اذن کے جائز ہے اور اسی طرح والد کو فرزند کے واسطے اس کے مال سے خرید درست ہے لیکن اور چیز سوائے طعام اور دوا کے خرید کرنا بدون اذن کے جائز نہیں اس واسطے کہ مایحتاج میں اذن باعتبار عادت کے ثابت ہے دوسرا مسئلہ یہ کہ مودع کو صاحب ودیعت کے والدین پر بدون اس کے اذن کے صرف کرنا اس مکان میں درست ہے جہاں رائے قاضی کا حاصل کرنا ممکن نہیں اور اس پر ضمان لازم نہ ہوگا باعتبار استحسان کے تیسرا مسئلہ یہ کہ ایک رفیق سفر میں مرگیا تو باقی رفیقوں نے اس کا اسباب بیچا اور اس کی تجہیز و تکفین اس کے ثمن سے کی اور باقی ثمن اس کے وارثوں کو دیا تو ان پر ضمان نہیں غصب حمارۃ فتبعہا جحشہا فاکلہ الذئب ضمنہ کما فی معایاۃ الوہبانیۃ ۵ وغاصب شیء کیف تضمین غیرہ + ولیس لہ فعل بما یتغیر + گدھی ایک شخص نے غصب کی سو اس کا بچہ اس کے پیچھے لگا چلا گیا سو اس کو بھیڑیا کھا گیا تو غاصب پر اس کا تاوان لازم ہوگا چنانچہ یہی مسئلہ وہبانیہ کی چیستان میں یوں مذکور ہے اور ایک چیز کا غاصب کیونکر ضمان دیتا ہے غیر مغصوب کا اور حالانکہ اس کا ایسا فعل نہیں جس سے وہ متغیر ہو جائے م عالمگیری میں ہے کہ غیر کی گدھی بلا اجازت ہانک لے گیا اور بھیڑیا اس کا بچہ کھا گیا یا بچہ ضائع ہوگیا اور اس نے مالک کو گدھی پھیر دی تو اگر غاصب بچہ کو گدھی کے ساتھ ہانک لے گیا ہو تو اس پر تاوان لازم ہوگا اور اگر بچہ پیچھے لگا چلا گیا بدون اس کے ہانکنے کے تو اس پر بچہ کا تاوان نہیں شارح وہبانیہ نے بھی یہی تفصیل نقل کی ہے اور بیت کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ گدھی کے ساتھ بچہ کو بھی وہ ہانک لے گیا اس واسطے وہ اب متعدی ٹھہرا ۵ وغاصب نہر ہل لہ منہ شربہ + وہل ثم نہر طاہر لا مطہر + اور نہر کے غاصب کو اس میں سے پینا درست ہے یا نہیں اور کیا وہاں نہر طاہر غیر مطہر ہے یا نہیں م سوال اول کا جواب یہ ہے کہ اگر غاصب نے تحویل مکان کی ہو یعنی نہر نے اس کے مکان کو ہٹایا ہو تو اس میں سے پانی پینا اور وضو کرنا مکروہ ہے اس واسطے کہ تحویل سے غصب کا اثر ظاہر ہو گیا اور بلا تحویل شرب اور وضو جائز ہے اس واسطے کہ نہر میں سے ہر شخص کو پینا اور توضی درست ہے اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہاں وہاں نہر طاہر غیر مطہر ہے کذا فی الطحطاوی عن شرح الوہبانیۃ

فصل یہ فصل ہے کتاب الغصب کی غیب بمجتہ ما غصبہ وضمن قیمتہ لمالکہ ملکہ عندنا ملکا مستندا الی وقت الغصب فتسلم لہ الاکساب لا الاولاد ملتقی غاصب نے جو غصب کیا اس کو غائب کر ڈالا اور اس کی قیمت کا مالک کو تاوان دیا تو ہمارے نزدیک وہ اس کا مالک ٹھہرے گا غصب کرنے کے وقت سے تو غاصب کو مغصوب کی کمائیاں حلال ہوں گی نہ اولاد مغصوب کذا فی الملتقی والقول لہ بیمینہ لو اختلفا فی قیمتہ ان لم یبرہن المالک علی الزیادۃ اور غاصب کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا اگر غاصب اور مالک نے مغصوب کی قیمت میں اختلاف کیا ہو بشرطیکہ مالک نے زیادتی قیمت گواہی سے ثابت نہ کی ہو فان برہن او برہنا فللمالک ولا تقبل بینۃ الغاصب لقیامہا علی نفی الزیادۃ ہو الصحیح زیلعی پھر اگر مالک گواہ لایا یا دونوں گواہ لائے اپنے دعوی پر تو گواہ مالک کے مقبول ہوں گے اور غاصب کے گواہ مقبول نہ ہوں گے اس واسطے کہ وہ شہادت نفی زیادت پر قائم ہے اور نفی کی گواہی مقبول نہیں یہی قول صحیح ہے کذا فی الزیلعی ونقل المصنف عن البحر والجواہر لو قال الغاصب او المودع المتعدی لا اعرف قیمتہ لکن علمت انہا اقل مما یقولہ فالقول للغاصب بیمینہ ویجبر علی البیان اور مصنف نے شرح میں بحر الرائق اور جواہر سے نقل کیا کہ اگر غاصب اور مودع متعدی کہے کہ میں مغصوب اور ودیعت

کی قیمت نہیں جانتا لیکن یہ جانتا ہوں کہ قیمت اس کی اس سے کم تر ہے جو مالک کہتا ہے تو غاصب اور اسی طرح مودع کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا اور بیان قیمت پر جبر کیا جاوے گا کام بحر الرائق کی تالیف تو کتاب الاجارۃ تک منتہی ہوگئی ہے تو مصنف نے غصب کا مسئلہ اس سے کیونکر نقل کیا شاید کہ یہ مسئلہ صاحب بحر نے استحلاف میں مذکور کیا ہو واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی **فان لم یبین حلف علی الزیادۃ فان نکل لزمتہ** پھر اگر غاصب قیمت مجہولہ بیان نہ کرے تو اس سے نفی زیادت پر قسم لی جاوے سو اگر وہ قسم سے انکار کرے تو زیادتی قسم کی اس کو لازم ہوگی **ولو حلف المالک ایضاً علی الزیادۃ اخذہا** اور اگر غاصب کی قسم کے بعد مالک نے بھی زیادت پر قسم کھائی تو وہ اس کو لے گا غاصب سے **ثم ان ظہر المغصوب فللغاصب اخذہ ودفع قیمتہ او ردہ واخذ القیمۃ** وہی من خواص کتابنا فلیحفظ بعد اس کے اگر مغصوب ظاہر ہوا تو غاصب کو جائز ہے مغصوب کا لینا اور اس کی قیمت دینا یا مغصوب کا مالک کو پھیر دینا اور اس سے قیمت پھیر لینا اور یہ تفصیل مسائل مذکورہ ہماری کتاب کی مخصوصات سے ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے **فان ظہر المغصوب وہی** ای قیمتہ **اکثر مما ضمن** او مثلہ او دونہ علی الاصح عنایۃ فالاولی ترک قولہ وہی اکثر **وقد ضمن بقولہ اخذہ المالک ورد عوضہ او امضی الضمان** پھر اگر مغصوب ظاہر ہوا اور حالانکہ اس کی قیمت زیادہ تر ہے اس سے جو غاصب نے ضمان دیا یا برابر ہے اس کے یا کمتر ہے اس سے بقول اصح کذا فی العنایۃ اور حالانکہ غاصب ضمان دے چکا ہے اپنے قول کے موافق تو مالک مختار ہے چاہے مغصوب اور عوض اس کے جو ضمان لیا ہے پھیر دے چاہے ضمان ہی کو جاری رکھے شارح نے کہا جب عنایہ کی روایت سے ثابت ہوا کہ بقول اصح قیمت کا برابر ہونا اور کمتر ہونا اور اکثر ہونا یکساں ہے حکم میں تو مصنف کو بہتر یہ تھا کہ اکثریت کی قید کو ترک کرتا ولا خیار للغاصب ولو قیمتہ اقل للزومہ باقرارہ ذکرہ الوانی نعم متی ملکہ بالضمان فلہ خیار عیب ورؤیۃ مجتبیٰ اور غاصب کا صورت مذکورہ میں کچھ اختیار نہیں اگرچہ قیمت مغصوب کی کمتر ہو ضمان سے بسبب لازم ہونے قیمت کے خود غاصب کے اقرار سے کذا ذکرہ الوانی محشی الدرر ہاں جب مالک ضمان کا مالک ہوگا تو اس کو خیار العیب اور خیار الرؤیۃ ثابت ہے کذا فی المجتبیٰ م اس واسطے کہ ضمان غصب ضمان معاوضہ ہے تو خیار العیب اور خیار الرؤیۃ اس کو لازم ہونا چاہیے **ولو ضمن بقول المالک او برہانہ او نکول الغاصب فہو لہ ولا خیار للمالک** لرضاہ حیث ادعی ہذا المقدار فقط اور اگر غاصب نے ضمان دیا مالک کے قول یا اس کے گواہ لانے یا غاصب کے انکار قسم کے سبب سے تو مغصوب ظاہر ہونے کے بعد غاصب کا مملوک ہوگا اور مالک کا اس میں اختیار باقی نہ رہے گا اس کی رضامندی کے سبب سے کیونکہ مالک نے فقط اسی مقدار کا دعوی کیا **وان باع الغاصب المغصوب فضمنہ المالک نفذ بیعہ** اگر غاصب نے مغصوب کو بیچ ڈالا پھر مالک نے اس کا تاوان لیا تو غاصب کی بیع نافذ ہو جاوے گی **وان حررہ** ای الغاصب لان تحریر المشتری من الغاصب نافذ فی الاصح عنایۃ **ثم ضمنہ لا** لان الملک الناقص یکفی لنفاذ البیع لا العتق اور غاصب نے مغصوب کو آزاد کردیا پھر مالک نے اس سے اس کا تاوان لیا تو عتق نافذ نہ ہوگا اس واسطے کہ ملک ناقص نفاذ بیع کے واسطے کافی ہے اور نفاذ عتق کے واسطے کافی نہیں شارح نے غاصب کا آزاد کرنا مراد لیا نہ غاصب کے مشتری کا اس واسطے کہ مشتری مذکور کا آزاد کرنا قول اصح میں نافذ ہے کذا فی العنایۃ **وزوائد المغصوب مطلقا** متصلۃ کسمن وحسن او منفصلۃ کدر وثمر **امانۃ لا تضمن الا بالتعدی او المنع بعد طلب المالک** لانہا امانۃ اور مغصوب کی زوائد مطلقاً خواہ زوائد متصلہ ہوں چنانچہ فربہی اور خوبصورتی مغصوب کی یا زوائد منفصلہ ہوں چنانچہ دودھ اور پھل امانت ہیں غاصب کے پاس ان کا تاوان نہیں مگر غاصب کی تعدی سے یا بعد طلب کرنے مالک کے اس کے نہ دینے سے البتہ ضمان لازم ہوگا اس واسطے کہ زوائد مذکورہ امانت ہیں م یہاں دعوی اور دلیل ایک ہی ہوگیا تو اگر شارح یوں کہتا کہ زوائد میں اس واسطے تاوان نہیں کہ ان میں غصب متحقق نہیں تو واضح تر ہوتا کذا فی الطحطاوی ولو طلب المتصلۃ لا یضمن اور اگر مالک زوائد متصلہ کو طلب کرے تو تاوان نہیں **وما نقصت الجاریۃ بالولادۃ مضمون ویجبر بولدہا** بقیمتہ او بغرتہ ان وفی بہ والا فیسقط بحسابہ اور جاریہ مغصوب نے جو اپنی قیمت ولادت کے سبب سے ناقص کردی تو اس کا تاوان غاصب پر لازم کیا جاوے گا اور لونڈی کا جبر نقصان اس کے ولد کی قیمت یا اس کے غرہ سے کیا جاوے گا اور اگر اس کے ساتھ برابر ہو اور اگر قیمت ولد نقصان جاریہ کی برابر نہ ہو کم ہو تو اس کے حساب کے موافق ضمان سے ساقط کیا جائے

م یعنی اگر جاریہ مغصوبہ کی قیمت سو درم تھی اور ولادت سے ساٹھ درم قیمت رہ گئی تو اگر اس کے ولد کی قیمت ۴۰ درم ہے تو جبر نقصان ہو گیا لونڈی اور اس کا ولد مالک کو پھیر دیا جائے غاصب پر کچھ تاوان لازم نہ ہوگا اور اگر ولد کی قیمت ۲۵ درم ہے تو بھی سے اس قدر ساقط کرکے ۱۵ درم کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا قیمت سے جبر نقصان اس وقت ہوگا جب کہ ولد زندہ پیدا ہو والآ غرہ سے جبر نقصان ہوگا غرہ مراد یہ ہے کہ ایک مرد نے جاریہ کے پیٹ پر ایسی ضرب ماری کہ لڑکا مردہ پیٹ سے گر پڑا تو اس پر غرہ یعنی دیت واجب ہوگی اسی سے جبر نقصان کیا جائے گا ولو ماتت و بالولد وفاء کفی ہو الصحیح اختیار اور اگر جاریہ مغصوبہ غاصب کے پاس مر گئی اور اس کے ولد کی قیمت اس کی قیمت کے ساتھ برابر ہے تو یہی کفایت ہے یہی قول اصح ہے کذا فی الاختیار یعنی غاصب پر کچھ ضمان نہیں **زنی بامۃ مغصوبۃ** ای غصبہا **فردہا حاملا فماتت بالولادۃ ضمن قیمتہا یوم علقت** زنا کیا اس جاریہ سے جس کو غاصب نے خود غصب کیا پھر جاریہ حاملہ مالک کو پھیر دی سو وہ ولادت سے مر گئی تو غاصب پر اس کی اس قیمت کا ضمان لازم ہوگا جو اس کی قیمت حاملہ ہونے کے دن تھی م چونکہ رد فاسد تھا لہذا اس پر ضمان لازم ہوا یعنی جب اس نے غصب کی تھی تو اس میں تلف ہو جانے کا کوئی سبب نہ تھا اور جب اس نے پھیر دی تو سبب تلف اس میں موجود تھا یعنی حمل تو پھیرنا صحیح نہ تھا **بخلاف الحرۃ لانہا لا تضمن بالغصب** لیبقی ضمان الغصب بعد فساد الرد بخلاف حرہ مغصوبہ کے پھیر دینے کے یعنی اگر حرہ مغصوبہ سے زنا کرکے حاملہ اس کو پھیر دیا اور وہ ولادت سے مر گئی تو غاصب پر ضمان نہیں اس واسطے کہ حرہ کا ضمان غصب سے نہیں ہوتا ہے تا کہ ضمان غصب بعد فساد رد باقی رہے ولو ردہا محمومۃ فماتت لا یضمن اور اگر جاریہ مغصوبہ پھیر دی اور حالانکہ اس کو تپ تھی سو وہ مر گئی تو غاصب پر ضمان نہیں اس واسطے کہ تپ میں غاصب کا کچھ دخل نہیں وکذا لو زنت عندہ فردہا فجلدت فماتت بہ ملتقی اور اسی طرح غاصب پر ضمان موت نہیں اگر جاریہ مغصوبہ نے غاصب کے پاس کسی اور شخص سے زنا کیا پھر غاصب نے مالک کو پھیر دی پھر اس پر بسبب زنا کے کوڑے مارے گئے سو وہ اس کے سبب سے مر گئی کذا فی الملتقی م زیلعی نے کہا لیکن غاصب پر نقصان زنا کا ضمان البتہ لازم ہوگا ولو زنی بہا واستولدہا ثبت النسب والولد رقیق درر اور اگر غاصب نے جاریہ مغصوبہ سے زنا کیا اور اس کو ام ولد بنایا تو نسب ثابت ہوگا اور لڑکا مملوک مالک کا ہوگا کذا فی الدرر **وبخلاف منافع الغصب استوفاہا او عطلہا فانہا** لا تضمن عندنا اور برخلاف منافع غصب کے خواہ غاصب نے منافع کو حاصل کر لیا ہو یا ان کو معطل چھوڑا ہو ان کا کچھ تاوان ہمارے نزدیک نہیں ہے ولو جعل فی بعض المتون ومنافع الغصب غیر مضمونۃ الخ لکن لا یلائمہ ما یاتی من عطف خمر المسلم الخ مع انہ اخصر فتدبر اور متن کے بعضے نسخے میں یوں عبارت ہے ومنافع الغصب غیر مضمونۃ الخ لیکن اس عبارت کی وہ عبارت جو آگے آوے گی یعنی عطف کرنا خمر مسلم کا مناسب نہیں باوجودیکہ عبارت سابقہ زیادہ تر مختصر ہے سو اس کو غور کر الا فی ثلث فیجب اجر المثل علی اختیار المتاخرین **ان یکون المغصوب وقفا للسکنی او للاستغلال** منافع غصب کا ضمان نہیں مگر تین صورتوں میں تو اجرت مثل واجب ہے بموجب اختیار کرنے فقہائے متاخرین کے پہلی صورت یہ ہے کہ مغصوب وقف ہو خواہ سکونت محتاجین کے واسطے وقف ہو خواہ کرایہ لینے کے واسطے وقف ہو **او مال یتیم** الا فی مسئلۃ سکنت امہ مع زوجہا فی دارہ بلا اجر لیس لہما ذلک ولا اجر علیہما کذا فی الاشباہ معزیا لوصایا القنیۃ یا مال یتیم کے منافع مغصوب ہیں اجرت مثل واجب ہے مگر اس مسئلہ میں کہ یتیم کی ماں اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ یتیم کے گھر میں بدون کرایہ رہی تو زوجین کو یہ جائز نہیں اور ان پر کرایہ بھی نہیں ہے چنانچہ اشباہ میں قنیہ کی کتاب الوصایا سے منقول ہے قلت ویستثنی ایضا سکنی شریک الیتیم فقد نقل المصنف وغیرہ عن القنیۃ انہ لا شیٔ علیہ وکذا الاجنبی بلا عقد وقیل دار الیتیم کالوقف انتہی میں کہتا ہوں اور وجوب اجرت مال یتیم سے سکونت شریک یتیم کا مسئلہ بھی مستثنی ہے اس واسطے کہ مصنف وغیرہ نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ شریک یتیم پر کچھ واجب نہیں اور اسی طرح اس اجنبی شخص پر واجب نہیں جو یتیم کے گھر میں بلا عقد اجارہ رہا اور بعضوں نے کہا کہ یتیم کا گھر وقف کی مانند ہے وجوب اجرت میں مطلقا انتہی قول المصنف م مفتی ابو السعود نے کہا یہی قول معتمد ہے کہ مال یتیم وقف کے مانند ہے تو درحقیقت کچھ استثنی نہیں قلت ویمکن حمل کلام الق علی قول المتقدمین بعدم اجرتہ واما علی قول المعتمد انہا کالوقف فتجب الاجرۃ علی الشریک والزوج لکون سکنی المرأۃ واجبۃ علیہ وہو غاصب الدار الیتیم فتلزمہ الاجرۃ در افتی ابن نجیم میں کہتا ہوں اور استثنی کے دونوں مسئلوں کا حمل کرنا متقدمین کے قول عدم اجرت پر ممکن ہے اور متاخرین کے تو قول معتمد پر یہ ہے کہ یتیم کا گ

وقف کے مانند ہے تو اجرت گھر کی یتیم کے شریک اور اس کی ماں کے شوہر پر واجب ہوگی اس واسطے کہ سکنی زوجہ کا زوج پر واجب ہے اور زوج مذکور گھر یتیم کا غاصب ہے تو اس پر کرایہ لازم ہوگا اور اسی قول کا فتویٰ دیا ہے ابن نجیم صاحب اشباہ نے ھم اور اگر یتیم کی ماں اس کے گھر میں رہے درصورتیکہ اس کا کوئی شوہر نہ ہو تو اس پر اجرت نہیں کذا فی الطحطاوی عن المحیط وما فی الصیرفیۃ من التفصیل لو الیتیم یقدر علی المنع فلا اجر والا فعلیہا غیر ظاہر اور صیرفیہ میں جو یہ تفصیل مذکور ہے کہ اگر یتیم منع پر قادر ہے اور اس نے منع نہ کیا تو اجرت نہیں اور اگر منع پر قادر نہیں تو زوجین پر اجرت واجب ہے غیر ظاہر ہے ھم قول مذکورہ کی ظاہر غیر ظاہر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صغیر غیر مکلف کا منع اور غیر منع لائق اعتبار کے نہیں ہے وعلیہ فہو علیہ لا علیہا کما افادہ فی تنویر البصائر اور بموجب اس کے یعنی بموجب قول معتمد کے تو اجرت زوج پر واجب ہے نہ یتیم کی ماں پر چنانچہ یہ افادہ تنویر البصائر میں مذکور ہے یعنی اس واسطے کہ سکنی زوجہ کا زوج پر واجب ہے تو وہ غاصب ٹھہرا ثم نقل عن الخانیۃ ان مسئلۃ الدار کمسئلۃ الارض وان الحاضر اذا سکن فیہا اذا کان لا یضرہا فللغائب ان یسکن قدر شرکہ قالوا وعلیہ الفتوی پھر صاحب تنویر البصائر نے خانیہ سے نقل کیا کہ گھر کا مسئلہ زمین کے مسئلے کے بموجب ہے اور شریک حاضر جب کہ گھر میں سکونت کرے جس صورت میں کہ سکونت گھر کو ضرر نہ کرے تو شریک غائب کو جائز ہے کہ اس میں بقدر اپنے شریک کے سکونت کرے علما نے کہا اور اسی پر فتویٰ ہے ھم حاویہ میں مذکور ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ اگر زراعت زمین کو نقصان نہ کرے نفع کرے تو شریک کو تمام زمین میں زراعت کرنا جائز ہے پھر جب شریک غائب آوے تو وہ بھی تمام زمین زراعت کرے اتنی مدت تک اس واسطے کہ رضامندی مالک کی ایسی صورت میں باعتبار دلالت حال کے ثابت ہے اور اگر زراعت زمین کو مضرت کرے تو جائز نہیں کذا فی الطحطاوی او معدا ای اعدہ صاحبہ للاستغلال ان بناہ لذلک او اشتراہ لذلک قبل او اجرہ ثلث سنین علی الولاء یا اس مغصوب کے منافع کے اجرت مثل واجب ہے جو مہیا ہو استغلال کے واسطے یعنی اس کے مالک نے اس کو تیار کیا ہو کرایہ لینے کے واسطے اس طرح پر کہ اس کو بنایا ہو اسی واسطے یا خرید کیا ہو اسی واسطے بعضوں نے کہا یا اس کو اجارہ دیا ہو تین برس علی الاتصال وفی الاشباہ لا تصیر الدار معدۃ لہ باجارتہا بل ببنائہا او شرائہا لہ ولا باعداد البائع بالنسبۃ للمشتری اور اشباہ میں ہے کہ گھر استغلال کے واسطے مہیا نہیں ٹھہر جاتا اس کے اجارہ دینے سے بلکہ اس کے بنانے یا خرید کرنے سے کرایہ لینے کے واسطے اور نہ بائع کے مہیا کرنے سے نسبت مشتری کی استغلال کے واسطے ہو سکتا ہے ویشترط علم المستعمل بکونہ معدا حتی یجب الاجر اور استعمال کرنے والے کا یہ جاننا شرط ہے کہ وہ گھر کرایہ کے واسطے مہیا ہے تب اجرت مثل واجب ہوگی وان لا یکون المستعمل مشہورا بالغصب اور وجوب اجرت کی یہ شرط ہے کہ استعمال کرنے والا غصب کرنے میں مشہور نہ ہو ھم اور اگر مشہور ہوگا غصب میں تو اس پر کرایہ نہیں اگرچہ گھر کرایہ کے واسطے مہیا ہو اور دونوں مسئلوں کی وجہ یہ ہے کہ اس نے سکونت نہیں کی کرایہ لازم کر کے کذا فی الطحطاوی قلت ولو اختلفا فی العلم وعدمہ فالقول لہ بیمینہ لانہ منکر والآخر مدع میں کہتا ہوں اور اگر صاحب خانہ اور رہنے والا علم اور عدم علم میں مختلف ہوں یعنی صاحب خانہ کہتا ہو کہ تو جانتا تھا کہ یہ گھر کرایہ کے واسطے بنا ہے اور رہنے والا کہتا ہو کہ مجھ کو اس کا علم نہ تھا تو رہنے والے کا قول اس کی قسم کے ساتھ مقبول ہوگا اس واسطے کہ وہ منکر ہے اور دوسرا مدعی ہے اور قول منکر کا مقبول ہوتا ہے نہ مدعی کا قال شیخنا وبموت رب الدار وبیعہ لا یبطل الاعداد ہمارے استاد نے کہا کہ صاحب خانہ کی موت سے اور اس کے بیچ ڈالنے سے اعداد یعنی کرایہ کے واسطے مہیا ہونا باطل ہو جاتا ہے ولو بنی لنفسہ ثم اراد ان یعدہ فان قال بلسانہ ویخبر الناس جاز ذکرہ المصنف اور اگر ایک شخص نے گھر اپنے واسطے بنایا پھر چاہا کہ اس کو کرایہ کے واسطے مہیا کر دے تو اگر وہ اپنی زبان سے یہ کہے اور لوگوں کو اس کی خبر کر دے تو جائز ہوگا مصنف نے اس کو اپنی شرح میں ذکر کیا ہے الا فی المعد للاستغلال فلا ضمان فیہ اذا سکن بتاویل ملک کبیت سکنہ احد الشرکاء فی الملک ولو لیتیم کما مر عن القنیۃ قنیہ مگر اس گھر میں ضمان نہیں جو کرایہ کے واسطے تیار ہوا جب کہ اس میں کسی شخص نے سکونت کی اپنی ملکیت کی تاویل اور توجیہ سے چنانچہ وہ گھر جس میں شرکاء ملک سے کوئی شریک رہا اگرچہ وہ گھر مشترک یتیم کا ہو چنانچہ عنقریب مذکور ہو چکا ہے قنیہ سے تو خبردار رہنا م شارح نے خبردار کر دیا اس بات پر کہ روایت قنیہ متقدمین کے قول پر مبنی ہے اور حالانکہ فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے وجوب اجرت میں اما فی الوقف اذا سکنہ احد بہا بالغلبۃ بلا اذن لزم الاجر لیکن وقف کے

مکان میں جب کہ ایک شریک اس میں سکونت کرے غالب ہو کر بدون اذن کے تو اجرت لازم ہو گی او عقد کبیت الرہن اذا سکنہ المرتہن ثم بان للغیر معدا للاجارۃ
فلا شیئ علیہ یا سکونت کی عقد کی تاویل سے چنانچہ رہن کے گھر میں مرتہن رہا پھر ظاہر ہوا کہ وہ گھر غیر شخص کا ہے درانحالیکہ وہ اجارہ کے واسطے مہیا ہے تو مرتہن مذکور پر
کچھ ضمان نہیں لکن لو آجر الغاصب احدہا فعلی المستاجر المسمی لا اجر المثل ولا یلزم الغاصب الاجر بل یرد ما قبضہ للمالک اشباہ وقنیۃ باقی رہی یہ بات کہ غاصب نے بیوت
ثلثہ مذکورہ سے یعنی وقف اور مال یتیم اور معد للاستغلال سے ایک گھر اجارہ دیا تو مستاجر پر اجرت معین واجب ہو گی نہ اجرت مثل اور اجرت مثل غاصب کو لازم
نہ ہو گی بلکہ جو غاصب نے اجرت لی ہو وہ مالک کو پھیر دے کذا فی الاشباہ والقنیۃ وفی الشرنبلالیۃ وینظر ما لو عطل المنفعۃ ہل یضمن الاجرۃ کما لو سکن اور شرنبلالیہ میں
ہے اور اس میں نظر اور تلاش کرنی چاہیے کہ صاحب تاویل ملک یا عقد اگر منفعت کو معطل چھوڑ دے کیا اجرت کا ضامن ہو گا چنانچہ سکونت کے حال میں ہو گا
خمر المسلم وخنزیرہ بان اسلم دہقانی دیدہ اذا اتلفہما مسلم او ذمی فلا ضمان اور برخلاف مسلمان کے شراب اور سور کے اس طرح پر کہ کافر مسلمان ہوا اور شراب او
سور اس کی ملک میں باقی رہے جب کہ دونوں مسلمان یا ذمی تلف کر ڈالے تو ضمان نہیں یعنی اس واسطے کہ مسلمان کے حق میں شراب اور سور مال متقوم نہیں
وضمن المتلف المسلم قیمتہما لان الخمر فی حقنا قیمی حکما لو کانا لذمی اور مسلمان شراب اور سور کا تلف کرنے والا دونوں کی قیمت کا تاوان دے اگر شراب اور سور کا
ذمی کی مملوک ہو تو قیمت کا تاوان ہوا اس واسطے کہ شراب ہم مسلمانوں کے حق میں قیمت والی چیز ہے باعتبار حکم شرع کے م ضمان اس واسطے لازم ہوا کہ ذمیوں کے
حق میں شراب اور سور مال متقوم ہے اور اگرچہ شراب مثلی چیز ہے نہ قیمت والی لیکن چونکہ مسلم اس کی تملیک اور تملک سے ممنوع ہے لہذا اس کی قیمت مسلم پ
واجب ہوئی والمتلف عنہ الامام او مامورہ بری ذلک عقوبۃ فلا یضمن ولا الزق خلافا لمحمد مجتبیٰ ضمان اس وقت واجب ہو گا جب کہ تلف کرنے والا بادشاہ یا اس
کا مامور نہ ہو جو اتلاف کو تعزیر جانتا ہے تو اب ضمان نہ ہو گا اور نہ شراب کی مشک کے تلف کرنے کا برخلاف محمد کے کذا فی المجتبیٰ م یعنی اگر بادشاہ یا اس کا مامور ش
اور سور کے اظہار بیع پر ان کو تلف کر ڈالے باعتبار تعزیر کے تو اس پر ضمان نہیں منح الغفار میں ہے کہ ذمی نے دار الاسلام میں خمر اور خنزیر کی بیع علانیہ
کی تو اس کو منع کیا جائے گا پھر اگر کوئی شخص شراب بہا دے یا خنزیر کو قتل کرے تو اس پر ضمان ہے لیکن اگر امام یہ کرے تعزیر جان کر تو اس پر تاوان نہیں
نہ مشک کا نہ شراب کا نہ سور کا ولا ضمان فی میتۃ ودم اصلا اور مردار اور خون کے تلف کرنے میں اصلا تاوان نہیں خواہ مسلم کے ہوں یا ذمی کے اس واسطے
کہ کسی اہل دین کے نزدیک یہ چیزیں مال نہیں بخلاف ما لو اشتراہا ای الخمر منہ ای الذمی وشربہا فلا ضمان ولا ثمن لانہ فعلہ بتسلیط بائعہ بخلاف غصبہا مجتبیٰ
اس مسئلہ کے اگر شراب ذمی سے خریدی اور پی تو نہ اس پر ضمان ہے نہ ثمن اس واسطے کہ مشتری نے یہ فعل اس کے بائع کے مسلط کرنے سے کیا بخلاف شراب
غصب کرنے کے کہ اس میں تسلیط مالک نہیں لہذا اس پر ضمان ہے کذا فی المجتبیٰ وفیہ اتلف ذمی خمر ذمی ثم اسلما او احدہما لا شیئ علیہ الا فی روایۃ علیہ قیمۃ الخمر اور مجتبیٰ م
ہے کہ ذمی نے دوسرے ذمی کی شراب تلف کی پھر دونوں مسلمان ہو گئے یا ایک تو تلف کرنے والے پر کچھ تاوان نہیں مگر ایک روایت میں اس پر تاوان مذکور ہے
غصب خمر مسلم فخللہا بما لا قیمۃ لہ کحنطۃ او ملح یسیر لا قیمۃ لہ او تشمیس او غصب جلد میتۃ فدبغہ بہ بما لا قیمۃ لہ کتراب وشمس اخذہما المالک مجانا شراب مسلما
کی غصب کی پھر اس کو سرکہ بنایا اس چیز سے جس کی کچھ قیمت نہیں چنانچہ تھوڑے گیہوں یا تھوڑا نمک ڈال کر جس کی کچھ قیمت نہیں یا سرکہ بنایا دھوپ میں رکھ
یا مردار کی کھال غصب کی پھر اس کی دباغت کی اس چیز سے جس کی کچھ قیمت نہیں چنانچہ مٹی اور دھوپ سے تو مالک سرکہ اور جلد مدبوغ کو مفت لے گا ولک
لو اتلفہما ضمن لا لو تلفاہ لیکن اگر سرکہ اور جلد مدبوغ کو غاصب تلف کرے گا تو ضمان دے گا اور اگر وہ خود بخود تلف ہو تو اس پر ضمان نہیں وفی شرح الوہبا
یضمن قیمتہ مدبوغا واعتمدہ فی الملتقی اور شرح وہبانیہ میں ہے کہ جلد مدبوغ کا غاصب ضمان دے اور اسی قول پر ملتقی میں اعتبار کیا ہے م یہ ضمان صورت اتلاف م
ہے کذا فی الطحطاوی ولو خللہا بذی قیمۃ کالملح الکثیر والخل ملکہ ولا شیئ علیہ لمالکہ خلافا لہما اور اگر غاصب نے شراب کو سرکہ بنایا قیمت والی چیز سے چنانچہ
نمک اور سرکہ ڈال کر تو غاصب اس کا مالک ہو جاوے گا اور مالک کے واسطے غاصب پر کوئی چیز واجب نہیں برخلاف صاحبین ولو دبغہ بہ بذی قیمۃ کقرظ وعفص

الجلد اخذه المالک ورد مازاد الدبغ اور اگر قیمت والی چیز سے جلد کی دباغت کی چنانچہ ببول کی چھال اور مازو سے تو مالک اس کو لے اور جس قدر قیمت جلد کی دباغت سے زیادہ ہوگئی وہ غاصب کو پھیر دے والغاصب حبسه حتی یاخذ حقه اور غاصب کو جلد مدبوغ کا روک رکھنا اپنے حق کے لینے تک درست ہے **ولو اتلفه لا یضمن** کالو تلف اور اگر غاصب جلد مدبوغ مذکور کو تلف کرے تو ضمان نہ دے گا چنانچہ اس صورت میں ضمان نہیں اگر وہ خود بخود تلف ہو جاوے ولا ضمان باتلاف المیتة ولو لذمی اور ضمان نہیں مردار کے تلف کر ڈالنے سے اگرچہ مردار ذمی کا ہو ولا باتلاف متروک التسمیة عمدا ولو لمن یبیحه ملتقی لان ولایة المحاجة ثابتة اور نہ اس ذبیحہ کے اتلاف سے ضمان ہے جس پر نام خدا عمداً ترک کیا اگرچہ متروک التسمیہ اس شخص کا ہو جو اس کو مباح کہتا ہے یعنی شافعی مذہب کا ہو کذا فی الملتقی اس واسطے کہ حجت انگیزی کا اختیار حنفی مذہب کو ثابت ہے م حجت حنفیہ یہ ہے کہ اس کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے قال اللہ تعالی ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیه یعنی نہ کھاؤ اس کو جس پر اللہ تعالی کا نام نہ لیا گیا **وضمن بکسر معزف** بکسر المیم آلة اللهو ولو لکافر ابن کمال **قیمته خشبا منحوتا صالحا لغیر اللهو** اور باجے کے توڑنے سے اگرچہ باجا کافر کا ہو کذا ذکرہ ابن کمال تاوان دے اس کی قیمت کا یعنی کھدی ہوئی لکڑی جو گانے بجانے کے لائق نہیں اس کی قیمت کا ضمان دے شارح نے کہا معزف بکسر میم عبارت ہے آلہ لہو سے یعنی گانے بجانے کا باجا م معازف چنانچہ بربط اور مزمار اور دف اور طبل اور طنبور کذا فی المنح قاضی خان نے کہا صالح لغیر اللهو کا مطلب یہ کہ دف توڑنے میں اس دف کی قیمت کا تاوان دے جس دف میں روئی رکھتے ہیں اور بربط کے توڑنے میں اس چوبی پیالہ کا ضمان دے جس میں ثرید وغیرہ طعام رکھا جاتا ہے **وضمن القیمة لا المثل باراقة سکر ومنصف** یجئ بیانه فی الاشربة اور ضمان قیمت دے نہ ضمان مثل سکر[لہ] اور منصف کے بہا دینے سے کتاب الاشربہ میں سکر اور منصف کا بیان آوے گا م سکر نام ہے کھجور کے کچے پانی کا جب کہ وہ گاڑھا ہو جاوے اور منصف وہ ہے جو آدھا جل جاوے آگ پر جوش کرنے سے کذا فی الہدایة **وصح بیعها** کلها وقالا لا یضمن ولا یصح بیعها وعلیه الفتوی ملتقی ودرر وزیلعی وغیرها واقره المصنف اور صحیح ہے بیع آلات لہو کی بالکل اور صاحبین[ٹہ] نے کہا کہ باجوں کے توڑنے والے پر تاوان نہیں اور تمام آلات لہو اور ساز غنا کی بیع صحیح نہیں اور اسی قول پر فتوی ہے کذا فی الملتقی والدرر والزیلعی وغیرہا اما طبل الغزاة زاد فی حظر الخلاصة والصیادین والدف الذی یباح ضربه فی العرس فمضمون اتفاقاً اور غازیوں کا طبل خلاصہ کی کتاب الحظر میں یہ زیادہ کیا ہے اور شکاریوں کا طبل اور وہ دف جس کا بجانا شادی میں مباح ہے تو اس کے توڑنے میں بالاتفاق تاوان ہے **کالامة المغنیة ونحوها کبش نطوح وحمامة طیارة ودیک مقاتل وعبد خصی** حیث تجب قیمتها غیر صالحة لهذه الامور جیسے ضمان غصب اور بیع صحیح ہے گانے والی لونڈی اور اس کے مانند کی چنانچہ ٹکر مارنے والا مینڈھا اور اڑنے والا کبوتر اور مرغ لڑنے والا اور خوجہ غلام کیونکہ ان کی قیمت واجب ہے اس طرح پر کہ امور مذکورہ کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں م یعنی جاریہ غیر مغنیہ اور غلام غیر خصی کی قیمت غاصب پر لازم ہوگی **ولو غصب ام ولد فهلکت لا یضمن بخلاف موت المدبر** لتقوم المدبر دون ام الولد وقالا یضمنها لتقومها اور اگر ام ولد کو غاصب نے غصب کیا پھر وہ ہلاک ہوگئی تو غاصب پر تاوان نہیں برخلاف غلام مدبر کے موت کے بسبب مال متقوم ہونے مدبر کے نہ ام ولد کے امام کے نزدیک اور صاحبین نے کہا ام ولد کا بھی ضمان غاصب دے اس کے مال متقوم ہونے کے سبب سے م مدبر کی قیمت دو ثلث ہے قن کی قیمت سے اور ام ولد کی قیمت صاحبین کے نزدیک سوی حصہ ہے **حل قید عبد غیره او رباط دابته او فتح باب اصطبله او قفص طائره فذهبت هذه المذکورات او سعی الی سلطان بمن یوذیه** والحال انه لا یدفع بلا رفع الی السلطان او سعی بمن یباشر الفسق ولا یمتنع بنهیه او قال لسلطان قد یغرم وقد لا یغرم فقال انه وجد کنزا فغرمه السلطان **شیئا لا یضمن** فی هذه المذکورات ایک شخص نے دوسرے کے غلام کی بیڑی یا اس کے جانور کے باندھنے کی رسی کھول دی یا اس کے اصطبل کا دروازہ کھول دیا یا اس کے چڑیا کے پنجرے کی کھڑکی کھول دی سو یہ سب چیزیں جاتی رہیں یا کسی شخص نے بادشاہ سے ایسے آدمی کی چغلی کھائی جو اس کو ستاتا ہے اور حال یہ ہے کہ بدون حاکم سے نالش کرنے کے وہ ستمگر مانتا نہیں یا ایسے کی چغلی کھائی جو فسق کا مرتکب ہے اور اس کے منع کرنے سے باز نہیں آتا یا کسی ایسے بادشاہ سے کہ کبھی ڈانڈ ڈالتا ہے اور کبھی نہیں ڈالتا یہ کہہ دیا کہ فلاں شخص نے گڑا ہوا مال پایا ہے پھر بادشاہ نے اس موذی یا فاسق پر یا خزانہ پانے والے پر کچھ ڈانڈ

[لہ] سکر بفتحتین نبیذ تمر کما فی قوله تعالی تتخذون منه سکرا ورزقا حسنا ۱۲ [ٹہ] قول مفتی بہ صاحبین آنست کہ بشکنندہ ساز غنا تاوان نیست و بیع آنہا صحیح نہ ۱۲ ف

ڈال دیا تو ان مجرموں سے ان سب صورتوں مذکورہ بالا میں تاوان نہ لیا جاوے گا یعنی نہ غلام اور گھوڑے وغیرہ کا اور نہ بادشاہ کے ڈانڈ ڈالنے کا **ولو غرم السلطان البتة بمثل ہذه السعاية ضمن** اور اگر بادشاہ ڈانڈ لیتا ہو قطعاً اور یقیناً اس طرح کی چغلی سے تو چغلخور ضمان دے **وکذا یضمن لو سعی بغیر حق عند محمد زجرا له** ای للساعی **وبه یفتی** وعزر ولو الساعی عبدا طولب بعد العتق اور اسی طرح ضمان لازم آتا ہے چغلخور پر محمد کے نزدیک اگر اس نے ناحق چغلی کھائی وجوب ضمان چغلخور کا زجر اور توبیخ کے واسطے ہے تاکہ دوبارہ مرتکب نہ ہو اور اسی قول پر فتوی ہے اور اس کو تعزیر دی جائے اور اگر چغلخور غلام ہو تو اس سے تاوان کا مطالبہ کیا جائے آزاد ہونے کے بعد **ولو مات الساعی فللمسعی به ان یاخذ قدر الخسران من ترکته** هو الصحیح جواهر الفتاوی اور اگر چغلخور مر گیا تو اس کو جس کی اس نے چغلی کھائی جائز ہے کہ بقدر اپنے نقصان کے اس کے ترکہ سے لے یہی قول صحیح ہے کذا فی جواہر الفتاوی ونقل المصنف انه لو مات المشکو علیه بسقوطه من سطح لخوفه غرم الشاکی دیته لا لو مات بالضرب لندرته وقدمه فی باب السرقة اور مصنف نے اپنی شرح میں نقل کیا یعنی عمادیہ سے اور اس کا شکوہ کیا گیا حاکم کے پاس اگر وہ مر گیا چھت پر سے گر کے اس کے خوف کے سبب سے تو شکوہ کرنے والا اس کی دیت کا تاوان دے نہ تاوان دے اس صورت میں کہ اگر ضرب سے وہ مر گیا بسبب ندرت موت کے ضرب سے اور البتہ یہ مسئلہ مذکور ہو چکا باب السرقہ میں **امر شخص عبد غیره بالاباق او قال له اقتل نفسک ففعل ذلک وجب علیه قیمته** اور ایک شخص نے غیر کے غلام کو بھاگ جانے کا امر کیا یا غلام سے اس نے کہا کہ تو اپنی ذات کو قتل کر سو وہ بھاگ گیا یا اس نے اپنی جان ہلاک کی تو اس شخص پر قیمت غلام کی واجب ہو گئی ولو قال له اتلف مال مولاک فاتلف لا یضمن الآمر والفرق ان امره بالاباق والقتل صار غاصبا لانه استعمله فی ذلک الفعل وبامره بالاتلاف لا یصیر غاصبا للمال بل للعبد وهو قائم لم یتلف وانما التلف لفعل العبد اور اگر ایک شخص نے غیر کے غلام سے کہا کہ اپنے مولی کا مال تلف کر سو اس نے تلف کیا تو امر کرنے والا شخص تاوان نہ دے اور فرق اس مسئلہ اور مسئلہ سابقہ میں یہ ہے کہ بھاگنے اور قتل کرنے کے امر سے وہ شخص غاصب ٹھہر گیا اس واسطے کہ اس نے غلام کو استعمال کیا اس فعل میں اور اتلاف مال کے امر سے وہ شخص مال کا غاصب نہ ٹھہرا بلکہ غلام کا غاصب ٹھہرا حالانکہ غلام موجود ہے تلف نہیں ہو گیا اور تلف ہونا مال کا غلام کے فعل سے ہوا اعلم ان الآمر لا ضمان علیه بالامر الا فی ستة اذا کان الآمر سلطانا او ابا او سیدا او المامور صبیا او عبدا او امره باتلاف مال غیر سیده او امره بحفر باب فی حائط الغیر غرم الحافر ورجع علی الآمر اشباه اور معلوم کر کہ امر کرنے والے پر تاوان نہیں بسبب امر کرنے کے مگر چھ امر کرنے والوں پر ضمان ہے جب کہ آمر بادشاہ ہو یا باپ یا مولی یا مامور صغیر ہو یا وہ غلام جس کو آمر نے مولی کے سوا اور کسی مال کے تلف کرنے کا امر کیا ہو اور جب کہ اس کو غیر کی دیوار میں دروازہ کھودنے کا امر کیا ہو تو کھودنے والا تاوان دے اور کھودنے والا امر کرنے والے سے بھر لے کذا فی الاشباہ سلطان آمر پر اس واسطے ضمان ہوا کہ اس کا امر اکراہ ہے کیونکہ مامور جانتا ہے کہ اگر میں اطاعت نہ کروں گا تو وہ عقاب کرے گا بخلاف غیر سلطان تو ضمان سلطان پر ہو گا نہ مامور پر اور پدر آمر کی یہ صورت ہے کہ باپ نے اپنے فرزند بالغ کو امر کیا کہ اس کی زمین میں آگ جلا دے سو اس نے آگ جلائی اور وہ آگ زمین ہمسایہ میں جا پڑی اور کوئی چیز تلف ہو گئی تو ضمان باپ پر ہو گا اس واسطے کہ امر صحیح ہے اور ظاہر اس صورت کا دلالت کرتا ہے کہ برا امر باپ کا فرزند بالغ کے واسطے ایسا نہیں تو اگر باپ امر کرے اس کو اتلاف مال یا قتل نفس کا تو ضمان فرزند پر ہو گا بسبب فاسد ہونے امر کے اور آمر مولی کی صورت یہ ہے کہ مولی نے غلام مامور کو تلف مال یا النفس کا امر کیا تو ضمان اس کا مولی آمر پر ہو گا اور صغیر مامور کی یہ صورت ہے کہ صبی مجور سے کہا کہ اس درخت پر چڑھ اور میرے واسطے پھل توڑ پھر وہ چڑھا اور گر پڑا تو اس کی دیت شخص آمر کی برادری پر ہو گی اور عبد مامور کا عنقریب مذکور ہو چکا جامع الفصولین میں ہے اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرے واسطے دروازہ کھود یعنی غیر کی دیوار میں تو ضمان اس کا آمر پر ہے نہ حافر پر اور اگر یوں نہ کہے کہ میرے واسطے کھود تو ضمان آمر پر نہ ہو گا بلکہ حافر پر ہو گا کذا فی الطحطاوی **استعمل عبد الغیر لنفسه** بان ارسله فی حاجته **وان لم یعلم انه عبد او قال ذلک العبد الذی استعمله انی حر ضمن قیمته ان هلک العبد** عمادیة کام لیا غیر کے غلام سے اپنی ذات کا اس طرح کہ اس کو اپنی حاجت میں بھیجا اگرچہ وہ نہ جانتا ہو کہ وہ غلام ہے یا اس غلام نے کہا جس کو اس نے اپنے کام میں لگایا کہ میں آزاد ہوں تو اس کی قیمت کا تاوان دے اگر غلام ہلاک ہو جائے کذا العمادیہ یعنی اس واسطے کہ استعمال سے وہ غاصب ٹھہرا

وفیہا جاء رجل الی آخر وقال انی حر فاستعملنی فی عمل فاستعملہ فہلک ثم ظہر انہ عبد ضمنہ علم اولم یعلم ہذا اذا استعملہ فی عمل نفسہ اور عمادیہ میں ہے کہ ایک مرد دوسرے پاس آیا اور بولا کہ میں آزاد ہوں سو مجھ سے کوئی کام لے سو اس نے اس سے کام لیا تو وہ ہلاک ہو گیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ غلام تھا تو اس کا تاوان دے خواہ وہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو یہ اس وقت ہے جب کہ اس نے اس سے اپنا ذاتی کام لیا ہو ولو استعملہ لغیرہ ای فی عمل غیرہ لاضمان علیہ لانہ لایصیر بہ غاصبا کقولہ لعبد ارق ہذہ الشجرۃ وانثر المشمش لتاکلہ انت فسقط لم یضمن الآمر ولو قال لتاکلہ انت وانا ضمن قیمتہ لانہ استعملہ کلہ فی نفعہ اور اگر غلام کو استعمال کیا اپنے سوا اور شخص کے کام میں تو آمر پر ضمان نہیں اس واسطے کہ اس سے وہ غاصب نہیں ہو جاتا چنانچہ اس کے یوں کہنے میں غلام سے کہ اس درخت پر چڑھ اور زرد آلو کو جھاڑ تا کہ تو کھائے سو غلام گر کے مر گیا تو آمر پر ضمان نہ ہوگا اور اگر یوں کہا تا کہ تو کھائے اور میں تو اس کی قیمت کا ضمان دے گا اس واسطے کہ اس نے تمام غلام کو اپنے نفع میں استعمال کیا م طحطاوی نے کہا تعلیل اخیر میں گفتگو ہے یعنی تمام غلام آمر کے نفع میں مستعمل نہیں **غلام جاء الی فصاد فقال افصدنی ففصدہ فصدا معتادا فغیرہ بالاول فمات من ذلک ضمن قیمۃ العبد عاقلۃ الفصاد** ایک غلام فصاد کے پاس آیا سو بولا کہ میری فصد کھول سو اس نے ایسی فصد کھولی جیسی عادت میں کھولا کرتے ہیں سو وہ مر گیا اس فصد کے زخم سے تو فصاد کی برادری اس غلام کی قیمت کا تاوان دے شارح نے کہا اور فصد غیر معتاد میں تو بطریق اولی ضمان لازم ہوگا م اس واسطے ضمان واجب ہوا کہ غلام کا اذن معتبر نہیں اگر چہ وہ ماذون ہو بلکہ مولی کا اذن لائق اعتبار کے ہے **وکذلک الحکم فی الصبی تجب دیتہ علی عاقلۃ الفصاد** عمادیہ اور ایسا ہی حکم ہے صغیر نابالغ کی فصد کھولنے اور اس کے مر جانے میں تو اس کی دیت فصاد کی برادری پر ہے کذا فی العمادیۃ فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا غصب عبدا ومعہ مال المولی صار غاصبا للمال ایضا بل قالوا یضمن ثیابہ تبعا للضمان عینہ بخلاف الحر عمادیہ غصب کیا غلام اور اس کے ساتھ مولی کا مال ہے تو وہ مال کا بھی غاصب ہو گیا بلکہ فقہا نے کہا کہ غلام کے کپڑوں کا غاصب تاوان دے باعتبار تبعیت ضمان ذات غلام کے بخلاف آزاد کے کذا فی العمادیہ یعنی آزاد کی ذات کا ضمان نہیں اور نہ اس کے کپڑوں کا وفی الوہبانیۃ شعر ولو نسی الحرفات یضمن نقصہا ٭ ولو نسی القرآن او شاخ یذکر ٭ اور وہبانیہ میں ہے اور اگر غلام مغصوب پیشوں کو بھول گیا تو ان کے نقصان کا غاصب تاوان دے اور اگر قرآن بھول جائے یا غلام جوان پیر ہو گیا تو اسی طرح ضمان مذکور ہے م مسائل مذکورہ میں علت شامل فوات وصف مرغوب فیہ ہے جس سے مالیت زیادہ ہوتی ہو ؎ ولو علم الدلال قیمۃ سلعۃ ٭ فقوم للسلطان انقص یخیر ٭ اور اگر دلال قیمت قماش کی جانتا ہو پھر حاکم کے واسطے کمتر قیمت اس کی بیان کرے تو اس پہ تاوان لازم آوے گا ؎ ویتلف احدی فردتین لیسلم ٭ البقیۃ والمجموع منہ یحضر ٭ اور جوڑے میں سے ایک فرد کے تلف کرنے والے کو باقی فرد بھی دی جاوے اور کل کی ضمان کو وہ حاضر کرے م جوڑے سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے مالک کو انتفاع مقصود حاصل نہ ہو دے بدون دونوں کے چنانچہ دو کواڑ اور دو موزے اور دو جوتے تو اگر غاصب ایک فرد اس میں سے غصب کرے تو دوسری فرد بھی اس کو مالک تسلیم کرے اور جوڑے کا تاوان اس سے لے قلت وعن ابی یوسف لایضمن الا الخف التی اتلفہا وفی البزازیۃ ہو المختار واقرہ الشرنبلالی میں کہتا ہوں اور ابو یوسف سے روایت یہ ہے کہ غاصب سے تاوان نہ لیا جائے مگر ایک ہی موزے کا جس کو اس نے تلف کر دیا اور بزازیہ میں ہے کہ یہی قول مختار ہے اور شرنبلالی نے اس کو ثابت رکھا ہے وذکر بالقید ان السلطان لیس بقید وانہ ینبغی القول بتضمین القاضی ایضا بما فی استبدال الوقف ومال الیتیم فلیحفظ واللہ اعلم اور شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں وہ قول ذکر کیا جو اس کا مفید ہے کہ وہبانیہ کی بیت میں قید قیمت دلال میں سلطان قید نہیں ہے اور یہ کہ تضمین قاضی کا بھی قول لائق ہے خصوصا استبدال وقف اور مال یتیم میں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے واللہ اعلم م یعنی اموال یتامی اور ویران اوقاف کی قیمت امیروں اور نوابوں اور حاکموں کے واسطے قیمت کرنے والی مقرر کرتے ہیں اور اس میں غبن فاحش ہوتا ہے اور قاضی ان کا حال جانتا ہے خصوصا استبدالات میں تو اس وقت بس لائق یہ ہے کہ قاضی کی بھی ضمان کے قائل ہو جیے کذا فی الطحطاوی عن الشرنبلالی مختصرا خاتمہ ایک شخص پر دین تھا سو وہ بھول گیا پھر مر گیا تو اس کا مواخذہ ہوگا قیامت کے دن یا نہ ہوگا جواب اس کا یہ ہے کہ اگر تجارت کا دین ہے تو امید یہ ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا اور اگر غصب کی جہت سے دین ہے تو مواخذہ ہوگا ایک شخص کا باپ مر گیا اور اس پہ دین تھا

اور وہ بھول گیا اور اس کا بیٹا جانتا ہے تو وہ ادا کرے اور اگر بیٹا بھی دین بھول کر مر گیا تو ماخوذ نہ ہوگا ایک شخص نے باپ کی چیز چوری کی پھر اس کا باپ مر گیا تو فرزند سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا اس واسطے کہ دین اور ضمان مسروق منتقل ہوا فرزند کی طرف باپ کی موت کے بعد لیکن چوری کا گناہ البتہ باقی رہا اگر مسلم نے کافر ذمی کی چوری کی یا غصب کیا تو اس کا عذاب قیامت میں ہوگا اور جھگڑا ذمی کا قیامت میں سخت تر ہوگا اس واسطے کہ کافر دوزخی رہے گا ہمیشہ اور بغیر کفر کے عذاب سے اس پر تخفیف ہوا کرے گی بسبب اس کی حق تلفیوں کے تو اس سے امید عفو کی نہیں اور مسلمان سے البتہ امید ہے اور جانور کی خصومت آدمی پر نہایت سخت تر ہے آدمی کی خصومت سے آدمی پر غاصب اگر خانہ مغصوب میں بیمار ہو تو اس کی عیادت نہ کرنی چاہیے ابو یوسف نے کہا ایک شخص نے زمین غصب کی اور اس میں مسجد بنائی اور دکانیں اور حمام تو اس مسجد میں نماز کا تو چنداں مضائقہ نہیں لیکن حمام میں نہ جانا چاہیے اور دونوں کا کرایہ نہ لینا چاہیے مگر خرید کرنے کے واسطے دکانوں میں جانا جائز ہے ہشام نے کہا میں مکروہ جانتا ہوں نماز اس مسجد میں یہاں تک کہ اس کے مالک راضی ہو جاویں اور ان دکانوں کو خرید کرنا بھی میرے نزدیک مکروہ ہے اور جو سوداگران دکانوں میں رہتے ہیں مغصوب جان کر ان کی گواہی مقبول نہیں کذا فی الطحاوی واللہ اعلم واستغفر اللہ الکریم ۔

کتاب الشفعة

یہ کتاب ہے شفعہ کے مسائل میں مناسبتہ تملک مال الغیر بغیر رضاہ شفعہ کی مناسبت غصب سے مالک ہونا ہے غیر کے مال کا بدون اس کی رضامندی کے یعنی غیر کے مال کا مالک ہونا بدون اس کی رضامندی کے غصب اور شفعہ میں مشترک امر ہے لہذا غصب کے بعد شفعہ کو مذکور کیا ہی لغۃ الضم شفعہ لغت میں بمعنی ضم ہے یعنی ملانا م زیلعی نے کہا شفعہ ماخوذ ہے شفع بمعنی ضم سے جو ضد ہے وتر کی اور اسی سے شفاعت رسول علیہ الصلوۃ والسلام ہے گنہگاروں کے واسطے اس لیے کہ حضرت کی شفاعت سے مذنبین فائزین کے ساتھ ملیں گے اور یہاں شفیع ماخوذ کو اپنے ملک کے ساتھ ملاتا ہے لہذا اس کا نام شفعہ ٹھہرا وشرعاً تملیک البقعۃ جبراً علی المشتری بما قام علیہ بمثلہ لو مثلیا والا فبقیمتہ اور شرع میں شفعہ عبارت ہے تملیک بقعہ (بالشفعۃ ۱۲) سے مشتری پر زبردستی کرکے بعوض اس مال کے جو مشتری پر خرید کرنے میں پڑا اور یہ تملیک ہو بعوض مثل ثمن مشتری کے اگر ثمن مثلی ہو اور نہیں تو برابر اس کی قیمت کے م مشتری کی قید سے ملک بلا عوض سے احتراز ہو گیا چنانچہ ہبہ بلا عوض اور میراث اور صدقہ سے اور اس ملک سے جو بعوض غیر عین کے ہو چنانچہ مہر اور اجارہ اور خلع اور صلح دم عمد سے اس واسطے کہ امور مذکورہ میں شفعہ نہیں اور اگر ہبہ بعوض ہو تو اس میں شفعہ ہے کیونکہ وہ باعتبار انتہا کے بیع ہے وسببہا اتصال ملک الشفیع بالمشتری لشرکۃ اوجوار اور شفعہ کا سبب متصل ہوتا ہے ملک شفیع کا خریدی چیز سے خواہ اتصال شرکت کے ساتھ ہو خواہ ہمسائگی کی جہت سے م خواہ شرکت بقعہ میں ہو خواہ حقوق میں چنانچہ آگے معلوم ہوگا لزوم شفعہ کی حکمت یہ ہے کہ تا کہ آدمی اجنبی شخص کی ہمسائگی سے تکلیف نہ پاوے وشرطہا ان یکون المحل عقاراً اور شفعہ کی شرط یہ ہے کہ محل عقار ہو م در المنتقی میں ہے کہ عقار سے مراد یہاں غیر منقول ہے تو عقار میں کرم اور چکی اور کنواں اور بالاخانہ داخل ہے اگرچہ اس کی راہ اسفل (مکان زیریں ۱۲) میں نہ ہو اور عمارت اور اشجار عقار سے نکل گئی اس واسطے کہ ان میں شفعہ نہیں مگر عقار کے ساتھ اگرچہ عمارت اور شجر کی بیع[1] میں حق القرار بین العقار عن الکل کذا فی الطحطاوی سفلاً کان او علواً شرط شفعہ عقار ہے اگرچہ عقار سفل ہو یا علو یعنی نیچے کا مکان ہو یا اوپر کا مکان م شفعہ بالاخانہ کی مثال یہ ہے کہ دو شخص شریک ہیں سفل اور علو میں سو ایک شریک نے بالاخانہ کا اپنا حصہ بیع کیا تو دوسرا شریک اس کا شفیع ہوگا بتبعیت عقار سے کذا فی الطحطاوی وان لم یکن طریقہ فی السفل لانہ التحق بالعقار بمالہ من حق القرار در شفعہ ثابت ہے اگرچہ بالاخانہ کی راہ نیچے والے مکان میں نہ ہو اس واسطے کہ بالاخانہ ملحق بعقار ہے اس واسطے کہ اس کے لیے حق ثبات اور قرار ثابت ہے کذا فی الدرر م اگر منزل بالا اور منزل زیریں کی ایک ہی راہ ہے تو استحقاق شفعہ بسبب طریق کے ہے اس وجہ سے کہ وہ شخص شریک فی الحقوق ہے اور اگر اس کی دوسری راہ ہے تو استحقاق شفعہ بسبب ہمسائگی کے ہے اور اگر منزل زیریں کی بیع ہوئی اور منزل بالا منہدم ہو تو بقیاس قول ابو یوسف شفعہ نہیں اور بقیاس قول محمد شفعہ ہے اور اگر منزل زیریں ایک شخص کی ہے اور منزل بالا دوسرے شخص کی اور دونوں کے پاس گھر بکتا ہے تو اس میں دونوں کا شفعہ ہے کذا فی الطحطاوی واما جزم بہ ابن الکمال فی اول باب ما ہی فیہ من ان البناء اذا بیع مع حق القرار یلتحق بالعقار فردہ شیخنا الرملی وافتی بعدمہا تبعا للبزازیۃ وغیرہا فلیحفظ اور وہ جو ابن کمال نے اس باب کے اول میں جس کے اندر شفعہ ہے اس کا یقین کر لیا ہے کہ جب بیچی جائے عمارت حق قرار کے ساتھ تو عمارت ملحق بعقار ہے تو اس میں شفعہ ثابت ہے سو اس کلام کو ہمارے استاد خیر الدین رملی نے رد کیا ہے اور فتوی دیا ہے عدم شفعہ کا بزازیہ وغیرہا کا تابع ہو کر تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م عمارت مع حق القرار کی مثال یہ ہے

---

[1] یعنی اس شرط کہ اسی زمین باغ پر رہنے دیے جائیں گے ۱۲

کہ زمین وقف میں عمارت بنائی گئی اور بقاء عمارت واقف یا متولی سے شرط کرلیا تو اگر عمارت مذکورہ کی بیع ہو تو ابن کمال اور مفتی ابو السعود کے نزدیک اس میں شفعہ ثابت ہے لیکن در المنتقی اور بزازیہ اور سراجیہ اور ولیہ اور قنیہ میں عدم شفعہ مصرح ہے سراجیہ میں یوں ہے کہ ایک مرد کا گھر ہے وقف کی زمین میں تو اس کے واسطے شفعہ نہیں اور اگر وہ شخص اپنی عمارت بیچے تو اس کے واسطے بھی شفعہ نہیں کذا فی الطحطاوی مختصرا **ورکنہا اخذ الشفیع من احد المتعاقدین عند وجود سببہا وشرطہا** اور شفعہ کا رکن لینا ہے شفیع کا بائع یا مشتری سے وجود سبب اور شرط شفعہ کے ہم یعنی جب کہ اتصال ملک شفیع ہو اور عقد معاوضہ اور بیع عقار ہو **وحکمہا جواز الطلب عند تحقق السبب ولو بعد سنین** اور حکم شفعہ جائز ہوتا ہے طلب کا سبب کے ثبوت کے نزدیک اگرچہ جواز طلب چند سال کے بعد ہو ہم سالہا سال کے بعد طلب شفعہ اس وقت جائز ہوگی جب کہ شفیع غائب ہو اور اس کو بیع کا حال معلوم نہ ہو **وصفتہا ان الاخذ بہا بمنزلۃ شراء مبتدا فیثبت بہا ما یثبت بالشراء کالرد بخیار رؤیۃ وعیب** اور شفعہ کی صفت یہ ہے کہ بواسطہ شفعہ کے لینا ابتداء خرید کے مانند ہے تو شفعہ سے وہ ثابت ہوتا ہے جو خریداری سے ثابت ہوتا ہے جیسے پھیر دینا بسبب خیار رویت اور خیار عیب کے **تجب لہ لا علیہ** شفعہ واجب ہے یعنی ثابت ہے شفیع کے منفعت کے واسطے نہ اس پر مضرت ہونے کو ہم شارح نے اس قول سے اشارہ کر دیا کہ یہاں وجوب بمعنی ثبوت کے ہے نہ وجوب مصطلح فقہاء جس کے ترک سے گناہ لازم آوے تو اگر شفیع شفعہ طلب نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں **بعد البیع ولو فاسدا انقطع فیہ حق المالک کما یاتی** شفعہ واجب ہے بعد بیع کے اگرچہ ایسی بیع فاسد ہو جس میں مالک کا حق منقطع ہو گیا چنانچہ آگے آوے گا ہم بیع فاسد میں حق مالک منقطع ہوتا ہے مشتری کے وقف کرنے اور رہن رکھنے اور وصیت کرنے سے **او بخیار المشتری** یا شفعہ واجب ہوتا ہے بعد بیع کے مشتری کے خیار سے یعنی اگر بائع کا خیار ہو یا بائع اور مشتری دونوں کا تو شفعہ نہیں **وتستقر بالاشہاد فی مجلسہ ای طلب المواثبۃ** اور شفعہ مستقر اور ثابت ہوجاتا ہے گواہ کرنے سے اس کی مجلس میں یعنی طلب مواثبۃ کی مجلس میں **فلا تبطل بعدہ** تو شفعہ باطل نہ ہوگا بعد گواہ کر لینے کے یعنی بعد استشہاد کے اگر تاخیر کرے گا قاضی کے پاس رجوع کرنے سے تو شفعہ باطل نہ ہوگا بموجب ظاہر مذہب مفتی بہ کے **وتملک بالاخذ بالتراضی او بقضاء القاضی** عطف علی الاخذ لثبوت ملک الشفیع بمجرد الحکم قبل الاخذ کما حررہ ملا خسرو اور عقار مبیع مملوک ہو جاتا ہے لینے سے باہم کی رضامندی سے یا مملوک ہوتا ہے قاضی کے حکم سے شارح نے کہا قضاء قاضی اخذ پر عطف ہے بسبب ثابت ہونے ملک شفیع کے مجرد حکم قاضی سے لینے سے پہلے چنانچہ درر میں ملا خسرو نے اس کو تحریر کیا ہے ہم شارح نے بیان عطف سے شبہ دفع کیا یعنی اگر قضاء قاضی کا عطف تراضی پر کوئی کہے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ ملک شفعہ لینے سے ہوتی ہے خواہ لینا تراضی سے ہو خواہ قاضی کے حکم سے حالانکہ یہ مطلب خلاف تحقیق ملا خسرو ہے **بقدر رؤس الشفعاء لا الملک خلافا للشافعی** شفعہ واجب ہوتا ہے بقدر رؤس شفعاء کے نہ بقدر ملک شفیعوں کے برخلاف مذہب شافعی کے ہم عدد رؤس شفعاء اور مقدار ملک کی صورت یہ ہے کہ ایک گھر تین شخصوں میں مشترک ہے ایک کا حصہ اس میں نصف آدھا ہے اور دوسرے کا ثلث تہائی اور تیسرے کا سدس چھٹا حصہ ۱۲ سو صاحب نصف نے اپنا حصہ بیچا اور باقی دو شریکوں نے شفعہ طلب کیا تو امام شافعی کے نزدیک حصہ مبیعہ میں اثلاث کا حکم[1] ہوگا بقدر ان کی ملک کے اور اگر صاحب سدس اپنا حصہ بیع کرے گا تو دونوں میں اخماس کا حکم ہوگا اور اگر صاحب ثلث نے بیع کی تو[3] ارباع کا حکم ہوگا اور ہم حنفیوں کے نزدیک دونوں شریکوں میں برابر نصف نصف کا حکم ہوگا سب صورتوں میں کذا فی الدرر یعنی جتنے شفیع ہوں گے برابر حصہ پاویں گے اگرچہ کسی کی زیادہ ملک ہو اور کسی کی کم **للخلیط متعلق بتجب فی نفس المبیع** شفعہ واجب ہوتا ہے واسطے خلیط کے یعنی جو شریک ہے ذات مبیع میں شارح نے کہا لفظ للخلیط کا تجب سے متعلق ہے ہم یہاں سے مصنف نے ترتیب شفعاء کا بیان شروع کیا **ثم ان لم یکن او سلم لہ فی حق المبیع وہو الذی قاسم وبقیت لہ شرکۃ فی حق العقار کالشرب والطریق خاصین** بعد اس کے اگر شریک نفس مبیع کا نہ ہو یا ہو مگر مشتری واسطے مبیع کو مسلم رکھے یعنی حق شفعہ کو طلب نہ کرے تو اس کا شفعہ واجب ہے جو حق مبیع میں شریک ہے اور حق بیع میں شریک ہے اور حق مبیع کا شریک وہ ہے

---

[1] یعنی دو تہائی ثلث والے کو اور ایک سدس والے کو ۱۲ [2] تین نصف والے کو اور دو ثلث والے کو ۱۲ [3] تین نصف والے کو اور ایک سدس والے کو ۱۲

جس نے مشترک چیز بانٹ لی اور اس کی شرکت حق عقار میں باقی رہی جیسے مخصوص پانی لینے کی باری کی شرکت اور طریق خاص کی شرکت ثم فسر ذلک بقوله **کشرب نہر صغیر لاتجری فیه السفن وطریق لاینفذ** پھر مصنف نے خاص باری اور خاص طریق کی تفسیر کی اپنے اس قول سے یعنی چنانچہ پانی کی باری اس نہر صغیر کی جس میں کشتیاں نہیں چلتیں اور جیسے کوچہ غیر نافذہ فلو عامین لاشفعة بهما تو اگر پانی کی باری عام ہو یعنی نہر کبیر ہو جس میں کشتیاں چلتی ہیں اور طریق عام ہو یعنی کوچہ نافذہ ہو تو ان دونوں شرکتوں سے شفعہ ثابت نہ ہوگا بیانه شرب نہر مشترک بین قوم تسقی اراضیهم منه بیعت ارض منها فلکل اہل الشرب الشفعة ولو النہر عاما والمسئلة بحالها فالشفعة للجار الملاصق فقط بیان نہر خاص کا یہ ہے کہ نہر صغیر کے پانی لینے کی باری مشترک ہے چند لوگوں میں کہ ان کی اراضی اس سے سینچی جاتی ہیں ان اراضی میں سے ایک کھیت بکا تو سب پانی لینے والوں کے واسطے شفعہ ثابت ہے یعنی سب لوگوں کا حق ہے اس کی خرید میں اور اگر نہر عام ہے جس میں کشتیاں چلتی ہیں اور باقی مسئلہ بحال سابق ہے تو سب پانی لینے والوں کا وہاں کی زمین کی بیع میں شفعہ نہیں بلکہ فقط ہمسایہ ملاصق کا شفعہ ہے ہم شارح نے طریق خاص کا بیان نہ کیا اس کے ظاہر ہونے کے سبب سے **ثم لجار ملاصق** ولو ذمیا او ماذونا او مکاتبا پھر حق مبیع کے خلیط کے بعد شفعہ ہمسایہ ملاصق کے واسطے واجب ہے اگرچہ ہمسایہ ملاصق ذمی یا عبد ماذون یا مکاتب ہو **بابه فی سکة اخری وظهر داره لظهرها** فلو بابه فی تلک السکة فهو خلیط کامر جار ملاصق وہ ہے جس کا دروازہ دوسرے کوچے میں ہے اور اس کے گھر کی پشت خانہ مبیعہ کی پشت سے ملی ہے تو اگر اس کا دروازہ اسی کوچہ میں ہو اور وہ کوچہ غیر نافذ ہے تو وہ خلیط حق مبیع میں نہ جار ملاصق چنانچہ مذکور ہو چکا اگرچہ اس کا دروازہ سامنے ہو خانہ مبیعہ کے ہم ترتیب شفعہ کی صورت یہ ہے کہ ایک منزل یعنی کوٹھری یا دالان مشترک ہے دو شخصوں میں اور وہ منزل واقع ہے ایک قوم کے گھر میں کوچہ غیر نافذہ کے اندر جب کہ احد الشریکین اپنا حصہ منزل سے بیع کرے گا تو منزل کا شریک احق ہے شفعہ کے ساتھ پھر اگر وہ تسلیم کرے تو گھر کے شریک احق ہیں کوچہ کے شریکوں سے اس واسطے کہ وہ اقرب ہیں صحن دار کی شرکت کے سبب سے پھر اگر وہ بھی تسلیم کریں تو اہل کوچہ احق ہیں راہ کی شرکت کے سبب سے پھر اگر وہ بھی تسلیم کریں تو جار ملاصق احق ہے کذا فی الدر طحطاوی میں ہے کہ ترتیب مذکور کی وجہ اس حدیث میں مذکور ہے الشریک احق من الخلیط والخلیط احق من الشفیع یعنی شریک زیادہ تر حقدار ہے خلیط سے اور خلیط احق ہے شفیع سے شریک سے مراد شریک فی نفس المبیع ہے اور خلیط سے خلیط فی حق المبیع مراد ہے اور شفیع سے جار ملاصق مراد ہے محبوبی نے ترتیب اس کی یوں مذکور کی ہے کہ اول شریک فی البیت ہے پھر شریک فی الدار پھر شریک فی الاساس پھر شریک فی الشرب پھر شریک فی الطریق پھر ہمسایہ ملاصق وہ ہے کہ اس کی دیوار ملا ہوا دوسرے کی دیوار سے ہے اور دونوں دیواروں میں راہ نہیں چلتے بسبب تنگی مر کے یا دونوں باہم ملحق ہوں تو اگر دونوں میں طریق نافذ ہو تو اس ہمسایہ کا شفعہ نہیں انتہی **وواضع جذوع علی حائط وشریک فی خشبة علیه جار** اور رکھنے والا دھنیوں کا دوسرے کی دیوار پر اور اس لکڑی کا شریک جو دیوار پر ہے وہ ہمسایہ ہے نہ شریک فی حق المبیع کذا فی الهدایة والکافی ولو فی نفس الجدار فشریک ملتقی قلت لکن قال المصنف ولو کان لبعض الجیران شرکة فی الجدار لا یتقدم علی غیره من الجیران لان الشرکة فی البناء المجرد بدون الارض لایستحق بها الشفعة اور اگر دیوار کی ذات میں شرکت ہو تو وہ شریک ہے نہ ہمسایہ میں کہتا ہوں لیکن مصنف نے اپنی شرح میں کہا کہ اگر ہمسایوں میں سے ایک ہمسایہ دیوار میں شریک ہو تو اور ہمسایوں پر مقدم نہ ہوگا اس واسطے کہ فقط عمارت کی شرکت سے بدون شرکت زمین کے استحقاق شفعہ کا نہیں ہوتا ہم یعنی ملتقی کی عبارت اس پر محمول ہے جب کہ زمین بھی مشترک ہو صورت اس کی یہ ہے کہ دو شریکوں نے مشترک زمین میں دیوار بنائی پھر زمین کی دونوں نے قسمت کر لی سوائے محل بنا کے تو اگر اس دیوار کی بیع ہوگی تو اس کے شفعہ کا شریک احق ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا وفی شرح المجمع وکذا للجار المقابل فی السکة الغیر النافذة الشفعة بخلاف النافذة اور شرح مجمع میں ہے اور اسی طرح شفعہ ہے اس سامنے کے ہمسایہ کا جس کا گھر کوچہ غیر نافذہ میں واقع ہے بخلاف کوچہ نافذہ کے کہ اس کا شفعہ نہیں **اسقط بعضهم حقه** من الشفعة بعد القضاء فلو قبله فلمن بقی اخذ الکل لزوال المزاحم **لیس لمن بقی اخذ نصیب التارک** لانه بالقضاء قطع حق کل واحد منهم فی نصیب الآخر زیلعی کسی شفیع نے اپنا حق شفعہ کا ساقط کر دیا

دیا بعد حکم قاضی کے تو باقی شفیعوں کو شفیع تارک کا حصہ لینا جائز نہیں اس واسطے کہ حکم قاضی سے ان میں سے ہر واحد کا حق جدا ہو گیا دوسرے کے حصہ سے کذا فی الزیلعی تو اگر شفیع اپنا حق ساقط کر دے قبل قضاء قاضی تو باقی شفیعوں کو تمام مبیع کا لینا جائز ہے بسبب دور ہو جانے مزاحمت کے ولو کان بعضہم غائبا یقضی بالشفعة بین الحاضرین فی الجمیع لاحتمال عدم طلبه فلا یؤخر بالشک اور اگر بعض شفیع غائب ہو تو شفعہ کا حکم ہو گا حاضرین کے اندر تمام مبیع میں شفیع غائب کے نہ طلب کرنے کے احتمال سے تو تاخیر نہ کی جاوے گی بسبب شک کے وکذا لو کان الشریک غائبا فطلب الحاضر یقضی له بالشفعة کلها اور اسی طرح اگر ایک شریک غائب ہو تو شریک حاضر نے شفعہ طلب کیا تو اسی کے واسطے تمام شفعہ کا حکم ہو گا ثم اذا حضر وطلب قضی به بها فلو مثل الاول قضی له بنصفه ولو فوقه فبکله ولو دونه منعه خلاصة پھر جب کہ شریک غائب یا شفیع غائب حاضر ہوا اور شفعہ طلب کرے تو اس کے واسطے شفعہ لینے کا حکم ہو گا سو اگر شفیع ثانی برابر ہو شفیع اول کے یعنی دونوں شریک ہوں تو اس کے واسطے نصف کا حکم ہو گا اور اگر ثانی فوق ہو اول سے یعنی ثانی شریک ہو اور اول ہمسایہ تو تمام شفعہ کا ثانی کے واسطے حکم ہو گا اور اگر ثانی کم تر ہو اول سے تو شفعہ ثانی کو قاضی باز رکھے کذا فی الخلاصة اسقط الشفیع الشفعة قبل الشراء لم یصح لفقد شرطه وهو البیع شفیع نے شفعہ ساقط کر دیا خریدار مشتری سے پہلے تو صحیح نہیں بسبب نہ پائے جانے اس کی شرط کے اور وہ شرط بیع ہے اراد الشفیع اخذ البعض وترک الباقی لم یملک ذلک جبرا علی المشتری لضرر تفریق الصفقة شفیع نے بعض شفعہ لینے کا اور بعض کے چھوڑنے کا قصد کیا تو وہ اس کا مالک نہیں مشتری پر جبر کر کے تفریق صفقہ کے ضرر کے سبب سے ولو جعل بعض الشفعاء نصیبه لبعض لم یصح وسقط حقه به لاعراضه وقسم بین البقیة اور اگر ایک شفیع نے اپنا حصہ دوسرے شفیع کے واسطے مقرر کر دیا تو صحیح نہیں بلکہ اور اس کا حق اس فعل سے ساقط ہو گا اس کی روگردانی سے اور مبیع بٹ جائے گا باقی شفیعوں میں بل لو طلب احد الشریکین النصف بناء علی انه یستحقه فقط بطلت شفعته اذ شرط صحتها ان یطلب الکل کما بسطه الزیلعی فلیحفظ بلکہ اگر دو شریکوں میں سے ایک شریک نصف شفعہ طلب کرے اس وجہ سے کہ وہ فقط نصف کا استحقاق رکھتا ہے تو اس کا شفعہ باطل ہو گیا اس واسطے کہ صحت شفعہ کی شرط یہ ہے کہ تمام شفعہ کو طلب کرے چنانچہ اس کو زیلعی نے مشرح بیان کیا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے وصح بیع دور مکة فتجب الشفعة فیها وعلیه الفتوی اشباه اور صحیح ہے بیع مکہ معظمہ کے گھروں کی تو ان میں شفعہ واجب ہے اور اسی قول پر فتوی ہے کذا فی الاشباہ ثم ملتقات میں مذکور ہے کہ مکہ معظمہ کے گھروں میں شفعہ نہیں وبه یفتی تو فتوی مختلف ہے چنانچہ ابو السعود نے مذکور کیا ہے شرح وہبانیہ میں تجنیس اور مزید سے مذکور ہے کہ وہاں کے وجوب شفعہ میں دو روایتیں ہیں اور جامع صغیر میں ہے کہ زمین مکہ کی بیع جائز نہیں اور عمارت کی بیع جائز ہے تو شفعہ واجب نہیں اور حسن کی روایت امام سے یہ ہے کہ شفعہ واجب ہے اور یہی قول ہے صاحبین کا اور اسی پر فتوی ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا قلت ومفاده صحة اجارتها بالاولی وقد قدمناه فلیحفظ لکنه یکره وسنحققه فی الحظر میں کہتا ہوں اور مکہ معظمہ کے گھروں کی بیع کی صحت کا مفاد یہ ہے کہ ان کا اجارہ بطریق اولی صحیح ہے اور مقرر ہم اس کو مقدم ذکر کر چکے ہیں تو یاد رکھنا چاہیے لیکن ان کا اجارہ مکروہ ہے اور آگے ہم اس کی تحقیق بیان کریں گے کتاب الحظر والاباحة میں ہم شارح نے کتاب الحظر میں اجارہ وہبانیہ اور تاتار خانیہ سے نقل کیا کہ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ میں مکروہ جانتا ہوں بیوت مکہ کا اجارہ ایام حج میں اور امام فتوی دیتے تھے اہل مکہ کے واسطے کہ گھروں کو حاجیوں کے واسطے خالی کر دیں بدلیل قول حق تعالی سواء العاکف فیه والباد یعنی مکہ معظمہ میں مقیم اور مسافر برابر ہے اور امام نے اجارہ جائز کیا ہے ایام حج کے سوائے میں تو اسی سے کراہت اور صحت اجارہ کا اختلاف رفع ہو گیا کذا فی الطحطاوی یعنی ایام حج میں اجارہ مکروہ ہے اور غیر حج میں اجارہ صحیح ہے وفیها ویصح الطلب من وکیل الشراء ان لم یسلم الی موکله وان سلم لا وبطلت وهو المختار اور اشباہ میں ہے اور صحیح ہے طلب کرنا شفعہ کا مشتری کے وکیل سے اگر مبیع اس نے اپنے موکل کو تسلیم نہ کر دی ہو اور اگر تسلیم کر دی ہو تو طلب شفعہ وکیل سے صحیح نہیں تو دعوی شفعہ اس سے باطل ہے یہی قول مختار ہے ہم مصنف اور شارح کا کلام اس کا موہم[1] ہے کہ وکیل مشتری جب کہ شفیع ہو تو اس کو اپنا شفعہ طلب کرنا صحیح ہے قبل تسلیم موکل کے اور بعد تسلیم باطل ہے حالانکہ درر اور

---

[1] موہم یعنی وہم میں ڈالنے والا ۱۲

عزر میں یوں ہے کہ وکیل مشتری خصم ہے شفیع کا جب تک موکل کو تسلیم نہ کرے اور تسلیم کے بعد تو موکل خصم ہے انتہی تو اس میں بطلان شفعہ مذکور نہیں اور نہ اسی طرح زیلعی میں مذکور نہیں کذا فی الطحطاوی لہذا مترجم نے ترجمہ میں کتب مذکورہ کی رعایت کی **ولا شفعۃ فی الوقف ولا لہ نوازل ولا بجوارہ شرح مجمع وخانیۃ خلافا للخلاصۃ والبزازیۃ ولعل لا ساقطۃ قالہ المصنف** اور شفعہ نہیں وقف میں اور نہ وقف کے واسطے شفعہ ہے کذا فی النوازل اور نہ وقف کے جوار میں شفعہ ہے کذا فی شرح المجمع والخانیۃ برخلاف خلاصہ اور بزازیہ کے اور شاید کہ لا ساقط ہے خلاصہ اور بزازیہ میں ایسا کہا ہے مصنف نے شرح میں ہم وقف میں اس واسطے شفعہ نہیں کہ اس کی بیع جائز نہیں اور اگر کوئی گھر یا مکان وقف کے قریب بیع ہو تو اس کو وقف کرنے والا بالطریق شفعہ نہیں لے سکتا اور نہ متولی اور نہ موقوف علیہ وقولہ لالہ ولا بجوارہ کا ایک ہی مطلب ہے تو شارح کو اقتصار لا بجوارہ پر بہتر تھا چنانچہ مصنف نے اپنی شرح میں ایسا ہی کیا ہے مصنف نے خلاصہ اور بزازیہ کی روایت یوں نقل کی وکذا تثبت الشفعۃ بجوار الوقف تو شاید اصل عبارت یوں ہو گی ولا تثبت الشفعۃ بجوار الوقف کذا فی الطحطاوی بتصرف **قلت وحمل شیخنا الرملی الاول علی الاخذ بہ والثانی علی اخذہ بنفسہ اذا بیع ففی الفیض حق الشفعۃ مبنی علی صحۃ البیع انتہی** میں کہتا ہوں اور ہمارے استاد خیر الدین رملی نے قول اول یعنی عدم شفعہ جوار وقف کو محمول کیا ہے شفعہ لینے پر بسبب وقف کے یعنی اگر جوار وقف میں کوئی گھر بکتا ہو تو واقف اور متولی کو اس کا حق شفعہ کے سبب سے جائز نہیں اور قول ثانی یعنی ثبوت شفعہ کو جو خلاصہ اور بزازیہ میں مذکور ہے محمول کیا ہے وقف کے خرید نے پر بسبب ذات وقف کے جب کہ اس وقف کی بیع ہو سو فیض میں ہے کہ حق شفعہ مبنی ہے صحت بیع پر انتہی کلامہ ہم یعنی اگر شرعاً کسی وقف کی بیع جائز ہو اور وہ بیع ہو وے تو اس کے جوار کے وقف کے متولی کو اس کا خرید کرنا بحق شفعہ درست ہے کذا فی الطحطاوی **فمفادہ ان ما لا یملک من الوقف بحال لا شفعۃ فیہ وما یملک بحال ففیہ الشفعۃ** تو رملی کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ جو وقف کہ مملوک نہ ہو سکتا ہو کسی حال میں تو اس میں شفعہ نہیں اور جو وقف کہ مملوک ہو سکتا ہو کسی حالت میں تو اس میں شفعہ ہے ہم مملوک ہونے وقف کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے وقف کیا دو فرزندوں پر بالمناصفہ اور ہر شخص کو اپنے حصہ کے استبدال میں مختار کیا سو ایک نے اپنا حصہ بمقتضائے شرط کے بیع کیا پھر دوسرے نے اسی طرح اپنا حصہ بیچا تو مشتری اول کو بحق شفعہ حصہ ثانی کا لینا جائز ہے کذا فی الطحطاوی **واما اذا بیع بجوارہ وکان لبعض المبیع ملکا ولبعضہ وقفا وبیع الملک فلا شفعۃ للوقف واللہ اعلم** اور جب کہ جوار وقف میں کوئی چیز بیع ہو یا بعض مبیع مملوک ہو اور بعض وقف اور مملوک بیع ہو تو وقف کے واسطے شفعہ نہیں واللہ اعلم

باب طلب الشفعۃ

یہ باب ہے شفعہ طلب کرنے کے مسائل میں ہم چونکہ ثبوت شفعہ طلب پر موقوف ہے لہذا اس کا بیان اور اس کی کیفیت اور تقسیم کا بیان شروع کیا **ویطلبہا الشفیع فی مجلس علمہ من مشتر او رسولہ او عدل او عدد بالبیع** اور شفعہ طلب کرے شفیع بیع دریافت ہونے کی مجلس میں خواہ علم بیع مشتری سے ہوا ہو یا اس کے فرستادہ سے یا کسی اور ایک متقی شخص کے کہنے سے یا عدد کثیر کی خبر دینے سے **وان امتد المجلس کالمخیرۃ ہو الاصح درر وعلیہ المتون خلافا لما فی جواہر الفتاوی انہ علی الفور وعلیہ الفتوی** مجلس علم بیع میں طلب لازم ہے اگرچہ مجلس دراز ہو عورت مخیرہ کی مانند یہی قول اصح ہے کذا فی الدرر اور اسی قول پر متون فقہ شامل ہیں برخلاف روایت جواہر الفتاوی کہ طلب علی الفور لازم اور علی الفور پر فتوی ہے ہم طحطاوی نے کہا جب کہ روایت علی الفور پر فتوی ہو تو مخالفت کی کیا وجہ ہے اور اسی روایت پر متفرع ہے نوازل کا مسئلہ کہ جب شفیع سلام کرے مشتری پر تو شفعہ باطل ہو گیا یعنی اس واسطے کہ طلب پر اس نے سلام کو مقدم کیا کیونکہ طلب بعد علم بیع فوراً واجب تھی اور زیلعی میں ہے اور اگر شفیع کو خبر بواسطہ خط کے ہوئی اور شفعہ اول یا اوسط خط میں لکھا تھا سو اس نے تمام خط پڑھا تو شفعہ باطل ہو گیا یعنی بسبب تاخیر طلب کے بشرطیکہ علم مشتری اور ثمن ہو گیا ہو اس واسطے کہ سکوت اس وقت رضا ہوتا ہے جب کہ مشتری اور ثمن معلوم ہو انتہی ما فی الطحطاوی **بلفظ یفہم طلبہا کطلبت الشفعۃ ونحوہ کانا طالبہا او اطلبہا** ایسے لفظ سے شفعہ طلب کرے جس سے طلب شفعہ سمجھی جائے چنانچہ یوں کہنا کہ میں نے شفعہ طلب کیا اور مانند اس کے چنانچہ یوں کہنا کہ میں شفعہ کا طالب ہوں یا میں اس کو طلب کرتا ہوں **ویسمی طلب المواثبۃ ای المبادرۃ** اور علم بیع کے بعد طلب کرنے کو طلب مواثبہ یعنی طلب مبادرت کہتے ہیں ہم مواثبت مفاعلت ہے وثوب بمعنی برجستن

سے اور وہ استعارہ ہے سرعت سے اس واسطے کہ جو اچھل کود کر چلتا ہے وہ زمین کو جلدی اور شتابی سے قطع کرتا ہے **والاشہاد فیہ لیس بلازم بل لمخافۃ الجحد** اور طلب مواثبت میں گواہ کرنا لازم نہیں بلکہ اس میں اشہاد خوف انکار کے دفع کرنے کے واسطے ہے ہم گواہ کرنا اس وقت میں لازم نہیں جب کہ مجلس علم میں گواہ نہ ہوں والا گواہ کرنا متعین اور لازم ہے کذا فی المنح خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس وقت گواہ ہوں تو ان کو اپنے طلب کرنے کا گواہ کرے اور اگر کوئی وہاں نہ ہو تو اپنی زبان سے طلب شفعہ کرے فائدہ طلب کا یہ ہے تاکہ اس کا حق عند اللہ ساقط نہ ہو جاوے اور اگر مشتری طلب مواثبہ کا منکر ہو تو شفیع کو قسم کھانا ممکن ہے اگر حاکم قسم کھلاوے **ثم یشہد علی البائع لو العقار فی یدہ او علی المشتری وان لم یکن ذا ید لانہ مالک او عند العقار** پھر شفیع گواہ کرے بائع پر اگر عقار مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر گواہ کرے اگرچہ وہ قابض نہ ہو اس واسطے کہ وہ مالک ہے اس کا یا گواہ کرے عقار کے نزدیک **فیقول اشتری فلان ہذہ الدار وانا شفیعہا وقد کنت طلبت الشفعۃ واطلبہا الآن فاشہدوا علیہ** وہو طلب اشہاد ویسمی طلب تقریر تو شفیع یوں کہے کہ فلاں نے یہ گھر خرید کیا اور میں اس کا شفیع ہوں اور مقرر میں مجلس علم میں شفعہ طلب کر چکا ہوں اور اب میں اس کو طلب کرتا ہوں سو تم گواہ رہو اس پر اور یہ طلب اشہاد ہے اور اس کو طلب تقریر بھی کہتے ہیں ہم اور اس کو طلب استحقاق بھی بولتے ہیں اور بعضے طلب اول کو طلب استحقاق کہتے ہیں **وہذا الطلب لابد منہ حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول ولم یشہد بطلت شفعتہ** اور طلب ثانی ضرور ہے تو اگر شفیع قادر ہو اس پر اگرچہ بواسطہ خط لکھنے یا رسول بھیجنے کے ہو اور باوجود اس کے گواہ نہ کرے تو اس کا شفعہ باطل ہوگا **وان لم یتمکن منہ لا یبطل** اور اگر اشہد پر قادر نہ ہو تو شفعہ باطل نہ ہوگا منح الغفار میں ذخیرہ سے ہے کہ اگر شفیع راہ مکہ میں ہو اور بعد علم بیع طلب مواثبہ کرے اور طلب اشہاد سے عاجز ہو گھر کے نزدیک یا صاحب ید کے نزدیک تو اس پر وکیل مقرر کرے اگر پاوے پھر اگر نہ پاوے تو قاصد بھیجے یا خط اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کا شفعہ قائم ہے پھر جب آوے طلب کرے اور اگر باوجود قدرت کچھ نہ کرے گا تو شفعہ باطل ہوگا **ولو اشہد فی طلب المواثبۃ عند احد ہولاء کفاہ وقام مقام الطلبین** اور اگر شفیع نے طلب اول یعنی طلب مواثبہ میں کسی کے پاس ان تینوں میں سے یعنی گھر یا بائع یا مشتری کے پاس گواہ کر لیا تو اس کو طلب ثانی سے یہ کفایت کرتا ہے اور وہ طلب قائم مقام دو طلب کے ہوگی **ثم بعد ہذین الطلبین یطلب عند قاض فیقول اشتری فلان دار کذا وانا شفیعہا بدار کذا لی لو قال بسبب کذا کما فی الملتقی لتشمل الشریک فی نفس المبیع** پھر ان دونوں طلب کے بعد قاضی کے پاس طلب کرے تو شفیع یوں کہے کہ فلانے شخص نے ایسی حویلی خرید کی ہے اور میں اس کا شفیع ہوں بسبب فلانے گھر کے جو میرا مملوک ہے شارح نے کہا اگر مصنف یوں کہتا کہ میں شفیع ہوں فلانے سبب سے بسبب شرکت یا جوار کے جس طرح ملتقی میں ہے تو شریک نفس مبیع کو بھی شامل ہوتا مصنف کی تعبیر میں حق مبیع کا شفعہ شامل ہے نہ شرکت نفس مبیع کا اور ملتقی کی تعبیر میں دونوں شامل ہیں **فمرہ بتسلیم الدار الیّ ہذا لو قبضہا المشتری وطلب الخصومۃ لا یتوقف علیہ** سو جناب قاضی صاحب حکم کیجیے اس کو کہ گھر مجھ کو دے شارح نے کہا یہ اس صورت میں ہے جب کہ گھر کو مشتری قبض کر چکے اور حالانکہ طلب خصومت فقط مشتری پر موقوف نہیں **وہو یسمی طلب تملیک وخصومۃ** اور اس طلب ثالث کو طلب تملیک اور طلب خصومت کہتے ہیں **ولا تسقط بتاخیرہ مطلقا بعذر وبغیرہ شہرا او اکثر لا تبطل الشفعۃ حتی یسقطہا بلسانہ بہ یفتی وہو ظاہر المذہب وقیل یفتی بقول محمد ان اخرہ شہرا بلا عذر بطلت کذا فی الملتقی یعنی دفعا للضرر قلنا دفعہ برفعہ للقاضی لیامرہ بالاخذ او الترک** اور طلب ثالث کی تاخیر کرنے سے ہر طرح خواہ تاخیر عذر سے ہو یا بلا عذر ایک مہینے کی تاخیر ہو یا زیادہ شفعہ باطل نہیں ہوتا جب تک شفیع اس کو اپنی زبان سے ساقط کر دے اسی قول کا فتویٰ ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ فتویٰ محمد کے قول پر ہے یعنی اگر طلب ثالث کو ایک مہینہ تاخیر کرے گا بدون عذر کے تو شفعہ باطل ہو جائے گا کذا فی الملتقی یعنی محمد کے قول پر فتویٰ دفع ضرر مشتری کے واسطے ہے ہم جواب میں کہتے ہیں اس دلیل کے کہ دفع ضرر مشتری کی نالش سے ممکن ہے تاکہ قاضی شفیع کو حکم کرے لینے کا یا چھوڑنے کا۔ سابق مذکور ہو چکا ہے کہ جب ظاہر مذہب پر فتویٰ ہو اور غیر ظاہر پر بھی فتویٰ ہو تو ظاہر الروایۃ مقدم ہے کذا فی الطحطاوی **واذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم ان مالکیۃ الشفیع لما یشفع بہ** اور جب کہ شفیع طلب خصومت کرے تو قاضی خصم یعنی مشتری یا بائع سے سوال کرے شفیع کے مالک ہونے سے اس چیز کا کہ جس کی

ملکیت کے سبب سے وہ شفعہ کا دعوی کرتا ہے م زیلعی نے کہا ملکیت شفیع کا سوال کرنا بعد طلب شفیع کے غیر مناسب ہے بلکہ قاضی مدعی سے اول سوال کرے قبل ملاحظہ کے کہ گھر کون شہر اور کس محلہ میں ہے اور اس کی حدیں کیا ہیں اس واسطے کہ اس نے حق کا دعوی کیا تو وہ معلوم چاہیے اس واسطے کہ دعوی مجہول صحیح نہیں پھر جب وہ بیان کرے تو سوال کرے کہ مشتری گھر کا قابض ہے یا نہیں اس واسطے کہ بلا قبض مشتری پر دعوی صحیح نہیں جب تک بائع حاضر نہ ہو پھر جب اس کو بیان کرے تو شفعہ کے سبب اور اس کے حدود سے سوال کرے اس واسطے کہ لوگ اس میں مختلف ہوتے ہیں شاید کہ وہ بسبب غیر صالح کے سبب سے دعوی کرتا ہو یا وہ اور شخص کے سبب سے مجوب ہو پھر جب سبب صالح کا بیان کرے اور مجوب نہ ہو تو اس سے سوال کرے کہ تجھ کو علم بیع کب سے ہوا اور تو نے کیا کیا تھا جب سنا تھا اس لیے کہ شفعہ باطل ہو جاتا ہے طول زمان اور اعراض یعنی طلب اول اور طلب ثانی کے ترک کرنے سے تو اس کا بھی ظاہر ہونا ضرور ہے پھر جب اس کو بیان کرے تو طلب تقریر سے سوال کرے کہ کیونکر کی اور کس کے پاس اشہاد واقع ہوا اور جس کے پاس اشہاد واقع ہوا وہ اقرب تھا اپنے غیر سے یا نہیں پھر جب کہ شفیع یہ سب کچھ بیان کر دے اور کسی شرط کو اس نے فوت نہ ہونے دیا ہو تو دعوی اس کا پورا اور کامل ہو گا تو اب مدعی علیہ کی طرف قاضی متوجہ ہو اور اس گھر کا سوال کرے جس کے سبب سے وہ شفعہ چاہتا ہے کذا فی الطحطاوی **فان اقر بها** ای بملکیۃ ما یشفع بہ **او نکل عن الحلف علی العلم او برہن الشفیع انها ملکہ سالہ عن الشراء ہل اشتریت ام لا** سو اگر مشتری اس کا اقرار کرے یعنی اس گھر کی ملکیت کا جس کے سبب سے وہ شفعہ چاہتا ہے یا انکار کرے قسم کھانے سے اپنی دانست پر یا شفیع گواہ گذرانے کہ وہ گھر اس کا مملوک ہے تو قاضی خریدار سے سوال کرے کہ آیا تو نے اس کو خرید کیا ہے یا نہیں م مصنف کو مناسب تھا کہ نکول کو گواہوں کے بعد مذکور کرتا اس واسطے کہ نکول اقامت برہان سے عاجز ہونے کے بعد ہوتا ہے **فان اقر بہ او نکل عن الیمین علی الحاصل** فی شفعۃ الخلیط **او علی السبب** فی شفعۃ الجوار بخلاف الشافعی کما مر فی کتاب الدعوی **او برہن الشفیع قضی لہ بها** پھر اگر مشتری خرید کا اقرار کرے یا انکار کرے قسم کھانے سے حاصل پر شفعہ خلیط میں یا قسم کھانے سے سبب پر شفعہ جوار میں بسبب خلاف ہونے شافعی کے چنانچہ کتاب الدعوی میں مذکور ہو چکا یا شفیع گواہ لا دے اس کی خرید پر تو قاضی شفیع کے واسطے ثبوت شفعہ کا حکم کر دے م امام شافعی شفعہ خلیط کے قائل ہیں نہ شفعہ جوار کے تو اگر شفعہ خلیط کا دعوی ہو تو مشتری حاصل پر قسم کھائے اس طرح کہ واللہ یہ شفیع میرے اوپر مستحق شفعہ نہیں ہے اور شفعہ جوار میں سبب شفعہ پر قسم کھائے کہ واللہ میں نے یہ گھر خرید نہیں کیا ہذا اذا لم ینکر المشتری طلب الشفیع الشفعۃ فان انکر فالقول لہ بیمینہ ابن کمال یعنی شفیع کے واسطے شفعہ کا حکم کرنا خرید کے اقرار کے بعد اس وقت ہے جب کہ مشتری نے شفیع کے شفعہ طلب کرنے کا انکار نہ کیا ہو سو اگر وہ منکر ہو اس کی طلب شفعہ کا تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہو گا کذا ذکرہ ابن کمال **وان لم یحضر الثمن وقت الدعوی** قاضی بعد اقرار خرید شفعہ شفیع کا حکم کر دے اگرچہ شفیع نے دعوی کے وقت ثمن حاضر نہ کر دیا ہو یعنی اس واسطے کہ احضار ثمن قبل قضا واجب نہیں **واذا قضی لزمہ احضارہ وللمشتری حبس الدار لیقبض ثمنہ** اور جب کہ قاضی ثبوت شفعہ کا حکم کرے تو شفیع کو حاضر کرنا ثمن کا لازم ہو گا اور مشتری کو گھر کا روک رکھنا ثمن لینے کے واسطے درست ہے **فلو قیل للشفیع** ای بعد القضاء واما قبلہ فتبطل عند محمدؒ لعدم التاکد کذا ذکرہ الزیلعی **اد الثمن فاخر لم تبطل شفعتہ** پھر اگر شفیع سے کہا گیا کہ ثمن ادا کر سو اس نے تاخیر کی ادائے ثمن میں تو اس کا شفعہ باطل نہ ہو گا بعد حکم قاضی کے اور قبل از حکم تو شفعہ باطل ہو گا تاخیر سے محمدؒ کے نزدیک اس کے موکد نہ ہونے کے سبب سے کذا ذکرہ الزیلعی **الخصم للشفیع المشتری مطلقا والبائع قبل التسلیم** الاول لملکہ والثانی لیدہ ابن کمال اور شفیع کا خصم مشتری ہے ہر طرح خواہ قابض ہو یا نہ ہو اور بائع خصم ہے قبل از تسلیم کے اول یعنی مشتری خصم ہے بسبب اس کے مالک ہونے کے اور ثانی یعنی بائع خصم ہے اپنے قبض سے کذا ذکرہ ابن کمال **ولکن لا تسمع البینۃ علیہ حتی یحضر المشتری** لانہ المالک ولیکن گواہ نہ سنے جاویں گے بائع پر جب تک مشتری حاضر نہ ہو اس واسطے کہ مالک تو مشتری ہے **ویفسخ بحضورہ ولو سلم للمشتری لا یلزم حضور البائع** لزوال الملک والید عنہ ابن کمال اور بیع فسخ کی جائے بائع کے سامنے اور اگر بائع نے بیع مشتری کو تسلیم کر دی ہو تو بائع کا حاضر ہونا فسخ کے وقت لازم نہیں بسبب زائل ہو جانے اس کی ملک اور قبض کے کذا ذکرہ ابن کمال **ویقضی القاضی بالشفعۃ والعہدۃ** لضمان الثمن عند الاستحقاق **علی البائع قبل**

تسلیم المبیع الی المشتری والعہدۃ علی المشتری لو لعدمہ لما مر اور قاضی شفعہ کا حکم کرے اور حالانکہ ثمن کے تاوان کا عہدہ ذمہ۱۲ استحقاق کے نزدیک بائع پر ہے قبل تسلیم کرنے مبیع کے مشتری کی طرف اور عہدہ ضمان کا مشتری پر ہے اگر بعد تسلیم کے استحقاق ثابت ہوا بدلیل گذشتہ یعنی اس واسطے کہ تسلیم کے بعد بائع سے اس کی ملک اور قبض دونوں زائل ہو گئے تو وہ اجنبی ہو گیا **وللشفیع خیار الرؤیۃ والعیب وان شرط المشتری البراءۃ منہ دون خیار الشرط والاجل** اختیار شفیع کے واسطے خیار رویت اور خیار عیب ثابت ہے اگرچہ مشتری نے برأت عیب کی شرط کر لی ہو نہ خیار شرط اور مدت کذا فی الاختیار یعنی خیار شرط شفیع کے واسطے ثابت نہیں اگرچہ مشتری کے واسطے خیار شرط ہوا ہو اور ثمن کی مدت بھی نہیں اگرچہ مشتری کا ثمن موجل ہو وفی الاشباہ والشفعۃ بیع فی کل الاحکام الا فی ضمان الغرور للجبر اور اشباہ میں ہے کہ شفعہ بیع ہے سب احکام میں فریب کے تاوان کے سوا جبر کے سبب سے م صورت اس کی یہ ہے کہ شفیع نے زمین لی بسبب شفعہ کے پھر اس میں عمارت بنائی یا درخت لگائے پھر وہ زمین غیر کی ملک نکلی سو مالک مستحق نے ازالہ عمارت اور درخت کا چاہا سو اس نے ویسا ہی کیا تو شفیع ثمن پھیرے مشتری سے اس واسطے کہ اب ظاہر ہوا کہ اگر مشتری کو ایسا دھوکا ہوگا تو بائع سے وہ نقصان پھیرے گا اس واسطے کہ بائع نے اس کو دھوکا دیا اور شفیع کو مشتری کی جانب سے تو دھوکا نہیں ہوا اس واسطے کہ شفیع نے تو مشتری سے زبردستی شفعہ لیا کذا فی الطحطاوی **وان اختلف الشفیع والمشتری فی الثمن والدار مقبوضۃ والثمن منقود وصدق المشتری بیمینہ لانہ منکر ولا یتحالفان** اور اگر شفیع اور مشتری ثمن میں اختلاف کریں اور حالانکہ گھر مشتری کا مقبوض ہے اور ثمن بائع کو نقد مل گیا ہے تو مشتری کے قول مع قسم کی تصدیق ہو گی اس واسطے کہ وہ منکر ہے وجوب تسلیم مبیع کا ثمن اول سے اور دونوں قسم نہ کھاویں گے م اس واسطے کہ تحالف[1] وہاں ہوتا ہے جب کہ انکار دونوں جانب سے ہو اور دعوی بھی طرفین سے ہو اور یہاں مشتری شفیع پر کچھ دعوی نہیں کرتا کذا فی الزیلعی مختصرا **وان برہنا فالشفیع احق لان بینتہ ملزمۃ** اور اگر شفیع اور مشتری دونوں گواہ لا دیں اپنے قول پر تو شفیع کے گواہ مقدم ہیں اس واسطے کہ شفیع کے گواہ ملزم ہیں مشتری کے م اور مشتری کے گواہ شفیع کے ملزم نہیں اس واسطے کہ مشتری کی جانب سے تخییر[2] ہے شفیع کے اخذ اور ترک میں **وان ادعی المشتری ثمنا وادعی بائعہ اقل منہ بلا قبضہ فالقول لہ ای للبائع** دعوی کیا مشتری نے ثمن کا اور اس کے بائع نے اس سے کمتر کا دعوی کیا بدون اس کے قبض کرنے کے تو بائع کا قول مقبول ہوگا یعنی شفیع بائع کے ثمن بتائے پر لے گا **ومع قبضہ للمشتری** اور قبض ثمن کے ساتھ مشتری کا قول مقبول ہوگا تو موجب اس کے شفیع لے گا **ولو عکسا فبعد قبضہ القول للمشتری وقبلہ تحالفان** اور اگر دونوں نے بالعکس کہا یعنی مشتری نے اقل ثمن کا دعوی کیا اور بائع نے اکثر کا تو قبض ثمن کے بعد مشتری کا قول مقبول ہے اور قبل قبض کے دونوں پہ قسم کھانا لازم ہوگا وای نکل اعتبر قول صاحبہ اور اگر کسی نے قسم سے انکار کیا تو دوسرے کا قول مقبول ہوگا وان حلفا فسخ البیع ویاخذ الشفیع بما قال البائع ملتقی اور اگر دونوں نے قسم کھائی تو بیع فسخ کی جائے اور شفیع بائع کے قول کے موافق لے گا کذا فی الملتقی **وحط البعض یظہر فی حق الشفیع فیاخذ بالباقی** وکذا ہبۃ البعض لا اذا کانت بعد القبض اشباہ اور کم کر ڈالنا بائع کا بعض ثمن کو ظاہر ہوتا ہے حق شفعہ میں پس شفیع گھرے گا باقی ثمن سے اور اسی طرح ہبہ بعض ثمن حق شفیع میں ظاہر ہوتا ہے مگر جب کہ ہبہ بعد قبض ہو تو وہ ہبہ مشتری کے حق میں ظاہر نہ ہوگا کذا فی الاشباہ یعنی اس واسطے کہ وہ ہبہ جداگانہ ہے از قبیل حط ثمن نہ ٹھہرے گا **وحط الکل والزیادۃ لا فیاخذہ بکل المسمی** اور بائع کا گرا دینا تمام ثمن کو اور زیادہ کر دینا ثمن مسمی پر حق شفیع میں ظاہر نہیں ہوتا تو شفیع اس کو لے گا تمام ثمن مسمی سے **ولو حط النصف ثم النصف یاخذ بالنصف الاخیر** اور اگر بائع نے نصف ثمن کم کر دیا بعد اس کے نصف باقی کو کم کر دیا تو شفیع نصف اخیر سے اس کو لے گا وعلم انہ شراہ بالف فسلم ثم حط البائع مائۃ فلہ الشفعۃ کما لو باعہ بالف فسلم ثم زاد البائع لہ جاریۃ او متاعا قنیہ اور اگر شفیع کو معلوم ہوا کہ مشتری نے اس کو ہزار سے خرید کیا تب شفعہ سے دست بردار ہوا پھر بائع نے اس میں سے سو کم کر دیے تو اب شفیع کے واسطے شفعہ ثابت ہے یعنی نو سو دے کر وہ لے گا چنانچہ اگر اس کو بعوض ہزار کے بیچا تو شفعہ سے انکار کیا بعد اس کے بائع نے مشتری کو ایک لونڈی یا کوئی اسباب زیادہ کر دیا تو شفعہ شفیع کا ثابت ہے کذا فی القنیۃ یعنی لونڈی اور اسباب کی

---

[1] دونوں کا قسم کھانا۱۲ [2] اختیار دینا۱۲

قیمت ثمن مسمی سے گھٹ جائے گی م یہ دونوں مسئلے حط ثمن کے جزئیات سے ہیں **و فی الشراء بمثلی ولو حکما کالخمر فی حق المسلم ابن کمال یاخذ بمثلہ** اور خرید میں مثلی چیز سے شفیع لے گا بعوض مثلی کے اگرچہ مثلی حکما ہو جیسے کہ شراب مسلم کے حق میں کذا ذکرہ ابن کمال م یہ کلام مقتضی ہے کہ شراب مثلی ہے حکما حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ قیمی ہے حکما مسلم کے حق میں اور اس کا مقتضی ہے کہ مسلم اس کو لے شراب کے مثل سے اور حالانکہ ایسا نہیں اور ابن کمال کی عبارت میں کچھ غبار نہیں کذا فی الحلبی یعنی شارح کی تعبیر سے یہ خلل ہو گیا نہ ابن کمال کی عبارت سے **و فی الشراء بقیمی بالقیمۃ** ای یوم الشراء اور خرید میں قیمت والی سے شفیع لے گا قیمت سے یعنی جو اس چیز کی قیمت ہو خریداری کے دن **ففی بیع عقار بعقار یاخذ الشفیع کلا من العقارین بقیمۃ الآخر** تو عقار کی بیع میں بعوض دوسرے عقار کے یعنی زمین کا قطعہ یا گھر بیع ہوا دوسرے قطعہ یا گھر کے عوض تو ہر شفیع دونوں عقار کو لے گا دوسرے کی قیمت سے یعنی اس گھر کا شفیع اس کو اس کی قیمت سے لے گا اور اس گھر کا شفیع اس کو اس کی قیمت سے لے گا **و فی الشراء بثمن مؤجل یاخذ بحال او طلب الشفعۃ فی الحال و اخذ بعد الاجل** اور مدت والے ثمن سے خرید کرنے میں شفیع لے ثمن نقد بلا مدت سے یا کہ شفیع شفعہ فی الحال طلب کرے اور بعد مدت کے اس کو لے **ولا تعجیل ما علی المشتری لو اخذ بحال** اور جو ثمن مؤجل مشتری پر ہے وہ معجل نہ ہو گا اگر شفیع نے ثمن حال سے اس کو لیا یعنی اس واسطے کہ مدت حق مشتری ہے سو تعجیل شفیع سے باطل نہ ہو گا **ولو سکت عنہ فلم یطلب فی الحال و صبر حتی یطلب عند حلول الاجل بطلت شفعتہ خلافا لابی یوسف** اور اگر شفیع ثمن موجل سن کر چپ رہا اس سے سو اس نے شفعہ فی الحال طلب نہ کیا اور صبر کیے رہا یہاں تک کہ طلب کیا مدت کے آنے کے وقت تو شفعہ باطل ہو گیا برخلاف ابی یوسف کہ ان کے نزدیک باطل نہ ہوا **و یاخذ بمثل الخمر و قیمۃ الخنزیر ان کان البائع والمشتری والشفیع ذمیا لا بد ان یکون البائع ایضا ذمیا والا یفسد البیع فلا تثبت الشفعۃ ابن کمال معزیا للمبسوط** اور شفیع مثل شراب اور سور کی قیمت سے لے اگر بائع اور مشتری اور شفیع ہر واحد ذمی ہو بہ قید ضرور ہے کہ بائع بھی ہو اور اگر بائع ذمی نہ ہو گا تو بیع فاسد ہو گی شفعہ ثابت نہ ہو گا چنانچہ ابن کمال نے بیان کیا ہے مبسوط کی طرف نسبت کر کے **و یاخذ بقیمتہا لامر لو کان الشفیع مسلما لمنعہ عن تملیکہا و تملکہا** اور شفعہ لے شراب اور سور کی قیمت دے کر بدلیل گذشتہ اگر شفیع مسلمان ہو بسبب ممنوع ہونے مسلمان کے شراب اور سور کے مالک کرنے اور مالک ہونے سے م یہاں سوال وارد ہوتا ہے کہ خنزیر کی قیمت اس کے ذات کے قائم مقام ہوتی ہے اس واسطے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ قیمتی کی قیمت لینا اس کی ذات کے لینے کے برابر ہے تو واجب ہوا کہ مسلم پر تملیک قیمت خنزیر حرام ہو برخلاف قیمت شراب کے کہ اس کے مثل ہونے سے اس کی قیمت لینا اس کی ذات کے لینے کے مانند نہیں اس کا جواب شارح نے آئندہ قول میں دیا **ثم قیمۃ الخنزیر ہنا قائمۃ مقام الدار لا مقام الخنزیر ولذا لا یحرم تملیکہا بخلاف المرور علی العاشر** پھر معلوم کر کہ خنزیر کی قیمت یہاں یعنی شفعہ لینے میں گھر کی قائم مقام ہے نہ خنزیر کے قائم مقام ہے اور اسی واسطے اس کی تملیک مسلم پر حرام نہیں بخلاف وارد ہونے ذمی کے عاشر[1] پر م یعنی قیمت خنزیر یہاں گھر کا بدلا ہے نہ خنزیر کا عوض جو اس کی تملیک حرام ہو بخلاف مرور علی العاشر یعنی اگر ذمی شراب اور سور لے کر عاشر پر گذر کرے تو وہ اس سے کچھ نہ لے گا شراب کا حکم تو ظاہر ہے اور خنزیر کی وجہ یہ ہے کہ اس کی قیمت لینا اس کی ذات کے لینے کے برابر ہے اور مسلم کو اس کی ذات کا لینا جائز نہیں تو اسی طرح اس کے قائم مقام کا لینا درست نہیں اور یہاں قیمت سوائے خنزیر کے اور چیز کا بدلا نہیں ہو سکتی کذا فی الطحطاوی **و طریق معرفۃ قیمۃ الخمر والخنزیر بالرجوع الی ذمی اسلم او فاسق تاب ولو اختلفا فیہ فالقول للمشتری عنایۃ** اور طریقہ خمر اور خنزیر کی قیمت کے معرفت کا رجوع کرنا ہے اس ذمی کی طرف جو مسلمان ہو گیا یا اس مسلمان فاسق کی طرف جس نے توبہ کی شراب خواری سے اور اگر شفیع اور مشتری خمر اور خنزیر کی قیمت میں مختلف ہوں تو مشتری کا قول مقبول ہو گا کذا فی العنایۃ **و یاخذ الشفیع بالثمن و قیمۃ البناء والغرس مستحق القلع کما مر فی الغصب** اور شفیع شفعہ لے ثمن سے اور اس عمارت اور درخت کی قیمت سے جو مستحق قلع ہے چنانچہ غصب میں مذکور ہو چکا **قلت ولو صبغہا بالوان کثیرۃ او طلاہا بجص کثیر خیر الشفیع بین ترکہا او اخذہا و اعطاء ما زاد الصبغ فیہا لتعذر نقضہ ولا قیمۃ لنقضہ بخلاف البناء حاوی الزاہدی** اور اگر مشتری نے بہت رنگوں کا روغن لگایا گھر میں یا بہت گچکاری کی اس میں تو شفیع مختار ہے اس گھر کے چھوڑ دینے

---

[1] وہ کہ لینے والا مال قابل زکوۃ سے ۱۲

میں یا اس کے لینے میں اور اس قدر کے دینے میں جس قدر گھر کی قیمت رنگ آمیزی سے زیادہ ہو گئی بسبب متعذر ہونے نقض رنگت کے اور حالانکہ اکھڑے رنگ کی کچھ
قیمت نہیں بخلاف نقض عمارت کہ اس کی قیمت کچھ باقی رہتی ہے کذا فی حاوی الزاہدی ولو بنی المشتری او غرس او کلف الشفیع المشتری قلعھما فللشفیع ثمن اور قیمت
عمارت اور درخت کی دے کر لے اگر مشتری نے عمارت بنائی ہو یا درخت لگائے ہوں یا کہ شفیع مشتری کو عمارت کھودنے اور درخت اکھاڑنے کی تکلیف دے
الا اذا کان فی القلع نقصان الارض فان الشفیع لہ ان یاخذھا مع قیمۃ البناء والغرس مقلوعۃ غیر ثابتۃ قہستانی مگر جب کہ اکھاڑنے میں زمین کا نقصان ہو تو شفیع کو جائز
ہے اس کا لینا کھودی عمارت اور اکھڑے درخت کی قیمت کے ساتھ کذا فی القہستانی وعن الثانی ان شاء اخذ بالثمن وقیمۃ البناء والغرس او ترک وبہ قال الشافعی
ومالک قلنا بنی فیما لغیرہ فیہ حق اقوی ولذا تقدم علیہ فینقضہ اور ابو یوسف سے روایت ہے اگر چاہے شفیع لیوے ثمن اور عمارت اور درخت کی قیمت سے یا چاہے
اس کو چھوڑ دے یعنی قلع عمارت کی تکلیف نہیں دے سکتا یہی کہا ہے امام شافعی اور مالکؒ نے ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مشتری نے اس میں عمارت بنائی
جس میں غیر مشتری کا قوی تر حق ہے ولہذا وہ مقدم ہو گیا اس کے لینے میں مشتری پر تو اس کو نقض[1] عمارت اور درخت میں بھی اختیار ہو گا کما ینقض الشفیع جمیع
تصرفاتہ ای المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والہبۃ زیلعی وزاہدی جس طرح منقوض کر دیتا ہے شفیع مشتری کے سب تصرفات کو یہاں تک کہ وقف
اور مسجد اور قبرستان اور ہبہ کو بھی کذا فی الزیلعی والزاہدی م یعنی اگر مشتری نے خرید کے بعد اس کو وقف کر دیا یا مسجد بنائی یا قبرستان کیا یا کسی ہبہ کر دیا تو
شفیع ان سب تصرفات کو دفع کر سکتا ہے طحطاوی نے قہستانی سے نقل کیا کہ نظم میں ہے کہ نقض مسجد اور نبش[2] موتی جائز نہیں اور شفعہ شفیع کا باطل ہے واللّٰہ
اعلم واما الزرع فلا یقلع استحسانا لان لہ نہایۃ معلومۃ ویبقی بالاجر اور زراعت تو نہ اکھاڑی جاوے گی اس واسطے کہ اس کی نہایت معلوم ہے اور اس کا باقی
رہنا بعوض اجرت کے ہو گا یعنی اگر مشتری نے خرید کے بعد زراعت کی زمین میں تو وہ قائم رہے گی پختگی تک اور مشتری پر اس کی اجرت لازم ہو گی ویرجع
الشفیع بالثمن فقط ان اخذ بالشفعۃ ثم بنی او غرس ثم استحقت فلا یرجع بقیمۃ البناء والغرس علی احد لانہ لیس بمغرور بخلاف المشتری اور شفیع فقط ثمن کو پھیر
لے اگر اس نے شفعہ کے سبب سے لیا پھر اس میں عمارت بنائی یا درخت لگایا پھر وہ زمین غیر بائع کی مملوک نکلی اور عمارت اور درخت کی قیمت شفیع کسی
شخص سے نہ لے گا اس واسطے کہ اس کو کسی نے فریب نہیں دیا بخلاف مشتری ویاخذ بکل الثمن ان خربت الدار او جف الشجر بلا فعل احد والاصل ان الثمن
یقابل الاصل لا الوصف اور شفیع کل ثمن سے لے اگر گھر خود بخود ویران ہو گیا یا درخت خشک ہو گیا اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ثمن مقابل ہوتا ہے اصل مبیع کے
نہ اس کے وصف کے م عمارت اور درخت وصف خانہ اور باغ نہیں بلکہ تابع ہیں تو یوں کہنا بہتر تھا کہ ثمن اصل کے مقابل ہوتا ہے نہ تابع کے کذا فی
الطحطاوی وہذا اذا لم یبق شیء من نقضہ او خشبہ اور یہ یعنی درصورت ویرانی خانہ اور خشکی باغ کے کل ثمن سے لینا اس وقت ہے جب کہ بناء منقوض
یا درختوں کی لکڑی سے کچھ باقی نہ رہا ہو فلو بقی واخذہ المشتری لانفصالہ من الارض حیث لم یکن تبعا للارض تسقط حصتہ من الثمن فیقسم الثمن علی قیمۃ الدار یوم
علی قیمۃ النقض یوم الاخذ زیلعی سو اگر عمارت کا مصالحہ اور لکڑی باقی ہے اور مشتری نے اس کو لیا بسبب اس کے جدا ہونے کے زمین سے کیونکہ وہ زمین کا
باقی نہ رہا تو بقدر اس کے حصہ کے ثمن سے ساقط ہو گا تو ثمن بانٹا جائے گھر کی قیمت پر جو یوم العقد تھی اور منقوض کی قیمت پر جو شفیع کے لینے کے دن ہے کذا
فی الزیلعی قلت فلو لم یاخذہ المشتری کان ہلک بعد الانفصال لم یسقط شیء من الثمن لعدم حبسہ اذ ہو من التوابع والتوابع لا یقابلہا شیء من الثمن وبالاخذ بالشفعۃ تحول
الصفقۃ الی الشفیع فقد ہلک ما دخل تبعا قبل القبض ولا یسقط بمثلہ شیء من الثمن قالہ شیخنا میں کہتا ہوں سو اگر مشتری مصالحہ اور لکڑی کچھ نہ لے اس طرح
پر کہ وہ تلف ہو جائے جدا ہونے کے بعد زمین سے تو ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہو گا مشتری کے عدم حبس کے سبب سے اس واسطے کہ مصالحہ اور لکڑی توا
سے ہے اور توابع کے مقابلے میں کچھ ثمن نہیں پڑتا اور شفیع کے لینے سے بسبب شفعہ کے عقد گھوم کر شفیع کی طرف ہو گیا تو جو چیز تبعاً داخل بیع تھی وہ قبل ال

---

[1] توڑنا ۱۲ [2] اکھاڑنا مردوں کا ۱۲

ہلاک ہوگئی تو ایسی صورت میں کچھ ثمن ساقط ہوتا یہ کہا ہے ہمارے استاد خیرالدین رملی نے بخلاف ما اذا تلف بعض الارض بغرق حیث یسقط من الثمن بحصتہ لان الفائت بعض الاصل زیلعی بخلاف اس صورت کے جب کہ کچھ زمین تلف ہوگئی بسبب ڈوب جانے کے کہ وہاں بقدر اس کے حصہ کے ثمن ساقط ہوگا اس واسطے کہ فوت ہونے والا بعض ہے اصل مبیع کا کذا فی الزیلعی ویاخذ بحصۃ العرصۃ من الثمن ان نقض المشتری البناء لانہ قصد الاتلاف وفی الاول الآفۃ سماویۃ ویقسم الثمن علی قیمۃ الارض والبناء یوم العقد بخلاف انہدامہ کما مر لتقدمہ بالحبس اور شفیع لے حصہ زمین کے ثمن کے عوض اگر مشتری نے عمارت گھر کی ڈھائی اس واسطے کہ اس نے تلف کر ڈالنے کا ارادہ کیا اور اول میں یعنی جب کہ خود بخود عمارت ویران ہوگئی آفت آسمانی تھی اور ثمن مقسوم ہوگا زمین اور عمارت کی قیمت پر جو یوم العقد تھی برخلاف اس کے منہدم ہو جانے کے کہ وہاں یوم الاخذ کی قیمت معتبر ہوگی چنانچہ مذکور ہو چکا حصہ منقوض اس واسطے ساقط ہوگا کہ منقوض مال متقوم ہے حبس مشتری کے سبب سے ونقض الاجنبی کنقضہ ای المشتری اور اجنبی شخص کا عمارت توڑنا مشتری کے توڑنے کے مانند ہے حکم میں یعنی بقدر اس کے حصہ کے ثمن ساقط ہوگا والنقض بالکسر المنقوض لا ای للمشتری ولیس للشفیع اخذہ لزوال التبعیۃ بالانفصال اور نقض بکسر اول بمعنی ملبہ مشتری کا ہے اور شفیع کو اس کا لینا نہیں چاہیے کیونکہ زمین سے جدا ہونے سے اس کا تابع نہ رہا ویاخذ ثمرہا استحسانا لاتصالہ ان ابتاع ارضا ونخلا وثمرا او اثمر بعد الشراء فی یدہ اور شفیع لے اس کے پھلوں کو ساتھ استحسان کی وجہ سے اگر مشتری نے زمین اور کھجور کے درخت اور پھل خرید کیے یا کہ پھل لگے خرید کے بعد مشتری کے قبض میں بسبب متصل ہونے پھلوں کے درخت سے وان جذہ المشتری فلیس للشفیع اخذہ لما مر اور اگر مشتری نے پھل توڑ لیے تو شفیع کو پھل لینے کا اختیار نہیں بدلیل گذشتہ یعنی پھل تابع ہیں نہ اصل اور تابع ہونا انفصال سے زائل ہوگیا او ہلک بآفۃ سماویۃ وقد اشتراہا بثمرہا سقطت بحصتہ من الثمن فی الاول ای شراہا بثمرہا وبکل الثمن فی الثانی لحدوثہ بعد القبض یا باغ تلف ہوگیا آفت آسمانی سے اور حالانکہ اس کو مشتری نے اس کے پھلوں کے ساتھ خرید کیا تھا ساقط ہوگا اس کا حصہ ثمن سے اول میں یعنی جس باغ کو پھل کے ساتھ خرید کیا اور کل ثمن سے شفیع لے گا ثانی میں یعنی جہاں پھل پیدا ہوا مشتری کے قبض میں بسبب حادث ہونے پھل کے بعد قبض کے یعنی تو مقابل اس کے کچھ ثمن واقع نہ ہوگا قضی بالشفعۃ للشفیع لیس لہ ترکہا شرح وہبانیۃ لتحول الصفقۃ الیہ بخلاف ما قبل القضاء قاضی نے شفیع کے واسطے شفعہ کا حکم کیا تو اس کو اس کا چھوڑنا جائز نہیں کذا فی شرح الوہبانیۃ بسبب پھر جانے عقد کے شفیع کی طرف قضا کے سبب سے بخلاف ما قبل قضا کے الطلب فی بیع فاسد وقت انقطاع حق البائع اتفاقا طلب شفعہ کرنا بیع فاسد میں انقطاع حق بائع کے وقت ہے بالاتفاق وفی ہبۃ بعوض مشروط ولا شیوع فیہما وقت التقابض اور اس ہبہ میں جو بعوض مشروط ہے اور حالانکہ بدلین میں شیوع نہیں تقابض البدلین کے وقت طلب شفعہ ہے م یہ ایک روایت ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ وقت عقد کے طلب شفعہ ہے کذا فی العالمگیریۃ وفی بیع فضولی او بخیار بائع وقت البیع عند الثانی ووقت الاجازۃ عند الثالث اور فضولی کی بیع میں اور خیار بائع کی بیع میں شفعہ طلب ہے وقت بیع کے ابو یوسفؒ کے نزدیک اور اجازت بیع کے وقت ہے محمد کے نزدیک وبخیار مشتر وقت البیع اتفاقا مجتبیٰ اور خیار مشتری بیع میں بیع کے وقت طلب شفعہ ہے بالاتفاق کذا فی المجتبیٰ من لم یر الشفعۃ بالجوار کالشافعی مثلا طلبہا عند حاکم یراہ یقول لہ ہل تعتقد وجوبہا ان قال نعم اعتقد ذلک حکم لہ بہا والا یفعل لا یحکم منیۃ وبزازیۃ جو شخص شفعہ جوار کا معتقد نہ ہو چنانچہ شافعی مذہب مثلا اور وہ شفعہ طلب کرے اس حاکم کے پاس جو شفعہ جوار کا معتقد ہے تو حاکم اس سے کہے کہ تو شفعہ جوار کا معتقد ہے اگر مدعی کہے کہ ہاں میں اس کا اعتقاد رکھتا ہوں تو اس کے واسطے شفعہ کا حکم دے اور اگر مدعی وہ نہ کہے تو حاکم حکم نہ دے ثبوت شفعہ کا کذا فی المنیۃ والبزازیۃ م یہ ایک قول ہے اقوال ثلثہ سے اور یہ حلوانی کا قول احسن اقوال ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حاکم حکم نہ کرے کیونکہ مدعی اس کا معتقد نہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ حاکم حکم دے اس واسطے کہ حاکم تو اس کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہی مشہور ہے کذا فی المنح فروع مسائل ملحقہ شارح کے اخر الشفیع ایجاب الطلب لکون القاضی لا یراہا فہو معذور شفیع نے ایجاب طلب شفعہ میں تاخیر کی اس واسطے کہ قاضی وقت وجوب شفعہ کا معتقد

نہیں تو شفیع معذور ہے یعنی اس عذر سے تاخیر طلب مبطل شفعہ نہ ہوگی وکذا لو طلب من القاضی احضارہ فامتنع بخلاف سبت الیہود کما یاتی اور اسی طرح شفیع تاخیر طلب میں معذور ہے اگر اس نے قاضی سے مشتری کا حاضر کرنا طلب کیا سو قاضی نے نہ مانا یا مشتری نہ حاضر ہوا کذا ذکرہ ابوالسعود بخلاف یہودی کے سبت کے چنانچہ آگے آوے گا یعنی اگر یہودی یوم السبت کی تعطیل کے سبب سے یا نصرانی یوم الاحد کی تعطیل سے طلب شفعہ میں تاخیر کرے گا تو معذور نہ ہوگا کذا فی شرح الحموی اشتری ارضا بمائۃ فرفع ترابہا وباعہ بمائۃ ثم اخذہا الشفیع بالشفعۃ اخذہا بخمسین لان ثمنہا یقسم علی قیمۃ الارض یوم الشراء قبل رفع التراب وعلی قیمۃ التراب الذی باعہ وہما سواء ایک شخص نے زمین خرید کی سو درم کو پھر اس کی مٹی اٹھائی اور سو درم کو بیچی پھر اس زمین کو شفیع نے لیا بسبب شفعہ کے تو شفیع اس کو ۵۰ درم سے لے اس واسطے کہ زمین کا ثمن یعنی سو درم بانٹا جائے زمین کی اس قیمت پر جو خرید کے دن تھی مٹی لینے سے پہلے اور اس مٹی کی قیمت پر جس کو اس نے بیچ لیا اور سو دونوں قیمتیں برابر ہیں م طحطاوی نے کہا یہ تعلیل ظاہر نہیں مگر جب کہ دونوں کی قیمتیں عند العقد برابر ہوں ولو کبسہا کما کانت فالجواب لا یتفاو ویقال للمشتری ارفع ما کبست فیہا فہو ملک حاوی الزاہدی اور اگر مشتری نے زمین مذکور مٹی سے بھر دی جیسی کہ پہلے تھی تو جواب متفاوت نہ ہوگا یعنی شفیع اس کو پچاس ہی درم سے لے گا اور مشتری سے کہا جاوے گا کہ نکال لے جو اس میں تو نے مٹی بھر دی ہے کہ وہ تو تیری ملک ہے کذا فی حاوی الزاہدی وفیہ شری دارا الی الحصاد فلیس للشفیع ان یعجل الثمن ویاخذہا بالشفعۃ لانہ ملکہا ببیع فاسد انتہی قلت ویجی انہ لا شفعۃ فیما بیع فاسدا ولو بعد القبض لاحتمال الفسخ نعم اذا سقط الفسخ ببناء ونحوہ وجبت اور حاوی زاہدی میں ہے کہ گھر خرید کیا کھیت کٹنے کی مدت تک تو شفیع کو جائز نہیں کہ ثمن معجل دے اور گھر کو بوجہ شفعہ لے اس واسطے کہ مشتری گھر کا مالک ہوا ہے بیع فاسد کے سبب سے انتہی ما فی الحاوی میں کہتا ہوں اور آگے آوے گا کہ اس میں شفعہ نہیں جس میں بیع فاسد ہوئی اگرچہ قبض کے بعد ہو احتمال فسخ کے سبب سے ہاں جب کہ فسخ ساقط ہو جائے مشتری کی عمارت بنانے سے اور مانند اس کے کوئی اور تصرف سے تو شفعہ واجب ہوگا وفی المبسوط الہبۃ بشرط العوض انما تثبت الملک للموہوب لہ اذا قبض الکل فلو وہب دارا علی عوض الف درہم فقبض احد العوضین دون الآخر ثم سلم الشفیع الشفعۃ فہو حتی اذا قبض العوض الآخر کان لہ ان یاخذ الدار بالشفعۃ اور مبسوط میں ہے کہ ہبہ بشرط عوض میں تو موہوب لہ کی ملک ثابت ہوتی ہے جس وقت کل پر قبضہ ہو یعنی دونوں عوضوں پر واہب اور موہوب لہ کا قبضہ ہو جائے تو اگر گھر ہبہ کیا ہزار درم کی عوض پر پھر ایک عوض پر قبضہ ہوا نہ دوسرے عوض پر پھر شفیع شفعہ سے دست بردار ہوا تو وہ باطل ہے یہاں تک کہ جب دوسرا عوض مقبوض ہو تو شفیع کو اختیار ہے کہ گھر لے شفعہ کے سبب سے واللہ اعلم ۞

باب ما تثبت ہی فیہ او لا تثبت

یہ باب ہے اس کا جس میں شفعہ ثابت ہوتا ہے یا ثابت نہیں ہوتا لا تثبت قصدًا الا فی عقار ملک بعوض خرج الہبۃ ہو مال خرج المہر شفعہ ثابت نہیں ہوتا قصدًا مگر اس عقار میں جو مملوک ہوئی اس عوض کے بدلے جو مال ہے عوض کی قید سے ہبہ بلا عوض خارج ہو گیا اور مال کی قید سے مہر نکل گیا م قصدًا کی قید اس واسطے لگائی کہ شفعہ غیر قصدًا غیر عقار میں بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ شجر اور ثمر میں شفعہ ثابت ہوتا ہے گھر کے ساتھ اور اسی طرح اشباہ میں ہے خانہ آسیا کے ساتھ اور اسی طرح نہر یا کے ساتھ وان لم یمکن تقسیم خلافا للشافعی کرحی ای بیت الرحی مع الرحی نہایۃ وحمام وبئر ونہر وبیت صغیر لا یمکن قسمتہ اگرچہ عقار اور مانند عقار قسمت نہ ہو برخلاف شافعی چنانچہ آسیا اور حمام اور کنواں اور نہر اور ایسا چھوٹا گھر جس کی قسمت ممکن نہ ہو یعنی قسمت کرنے سے لائق انتفاع کے نہ رہے نہایہ میں کہ آسیا سے مراد آسیا خانہ ہے آسیا کے ساتھ م یعنی اشیاء مذکورہ میں شفعہ ثابت ہے ہمارے نزدیک دفع ضرر جوار کی وجہ سے اور امام شافعی کے نزدیک ش نہیں دفع ضرر قسمت کی علت سے لا فی عرض بالسکون ما لیس بعقار فیکون ما بعدہ من عطف الخاص علی العام شفعہ ثابت نہیں عرض میں عرض بفتح اول ثانی وہ چیز ہے جو عقار نہ ہو تو جو معطوفات عرض کے بعد ہیں وہ من قبیل عطف خاص کے ہیں عام پر م صحاح میں ہے عرض بالسکون عبارت ہے متاع اور ہر چیز ہے وہ عرض ہے دینار اور درہم کے سوا و بفتحتین حطام دنیا وفلک خلافا لمالک اور شفعہ ثابت نہیں ناؤ میں برخلاف مذہب مالک

وبناء ونخل اذا بیعا قصداً ولو مع حق القرار خلافا لما فہمہ ابن الکمال لمخالفتہ المنقول کما افادہ شیخنا الرملی اور شفعہ نہیں عمارت اور نخلستان میں جب کہ ان کی بیع بالقصد ہو بلا تبعیت ارض کے اگرچہ مع حق قرار کے ساتھ ہو برخلاف اس کے جو کہ ابن کمال سمجھا ہے بسبب اس کے مخالف ہونے کے منقول سے چنانچہ ہمارے استاد خیر الدین رملی نے اس کو بیان کیا ہے ولا فی ارث وصدقۃ وہبۃ لا بعوض مشروط اور شفعہ ثابت نہیں موروث میں اور صدقہ اور ہبہ بلا عوض مشروط میں م اگر ایک شخص گھر کا مالک میراث کے سبب سے ہے تو اس میں شفعہ نہیں کذانی الدرر ودار قسمت او جعلت اجرۃ او بدل خلع او عتق او صلح عن دم عمد او مہراً وان قوبل ببعضہا ای الدار مال لان معنی البیع تابع فیہ اور اس گھر میں شفعہ نہیں جس کی قسمت ہو گئی شریکوں میں یا وہ گھر اجرت یا بدل خلع یا بدل عتق یا بدل صلح کا دم عمد سے ٹھہرایا گیا یا گھر مہر قرار دیا گیا اگرچہ بعض گھر کے مقابلہ میں مال واقع ہوا ہو اس واسطے شفعہ نہیں کہ بیع کے معنی اس میں تابع ہیں م بعض گھر کے مقابلہ میں مال واقع ہونے کی صورت یہ ہے کہ زوج نے زوجہ سے نکاح کیا ایک گھر کے مہر پر بایں شرط کہ زوجہ زوج کو ہزار درم پھیر دے طحطاوی نے کہا کہ بہتر یہ تھا کہ مصنف بجائے مہر بالجر کے مہراً بالنصب لاتا تا کہ اجرۃ پر عطف ہوتا اس واسطے کہ جب کہ گھر بدل ہوگا مہر کا اس طرح پر کہ زوج مہر کے بدلے زوجہ کو گھر دے تو اس میں شفعہ ثابت ہوگا چنانچہ زیلعی میں مذکور ہے اس واسطے کہ وہ مبادلہ ہے مال کا مال سے اس واسطے کہ گھر بدلا ہے اس کا جو زوج کے ذمہ پر مال ہے یعنی مہر واوجباہا فی حصۃ المال اور صاحبین نے شفعہ واجب کہا ہے حصہ مال میں یعنی جس قدر گھر مال کے مقابلہ میں پڑا اتنے میں صاحبین کے نزدیک شفعہ واجب ہے او دار بیعت بخیار البائع ولم یسقط خیارہ فان سقط وجبت ان طلبت عند سقوط الخیار فی الصحیح وقیل عند البیع وصحح یا اس گھر میں شفعہ نہیں جو بیع ہوا بائع کے اختیار پر اور ہنوز اس کا اختیار ساقط نہیں ہوا پھر اگر ساقط ہو گیا تو شفعہ واجب ہو گیا اگر شفیع نے سقوط اختیار کے وقت طلب کی قول صحیح میں اور بعضوں نے کہا کہ بیع کے وقت طلب کی اور اس قول کی بھی تصحیح ہوئی ہے او بیعت الدار بیعا فاسداً ولم یسقط فسخہ فان سقط حق فسخہ کان بنی المشتری فیہا ثبتت الشفعۃ کما مر یا اس گھر میں شفعہ نہیں جس کی بیع فاسد ہوئی اور ہنوز اس کا فسخ ساقط نہیں ہوا پھر اگر اس کا حق فسخ ساقط ہو گیا چنانچہ مشتری نے اس میں کچھ عمارت بنائی تو شفعہ ثابت ہوگا چنانچہ مذکور ہو چکا م اسی طرح ہبہ سے اور رہن میں دینے سے حق فسخ ساقط ہو جاتا ہے تو شفیع قیمت دے کر شفعہ لے گا کذانی الزیلعی

او ردت بخیار رؤیۃ او شرط او عیب بقضاء متعلق بالاخیر فقط خلافا لما زعمہ المصنف تبعا للدرر یا رد بیع ہوا خیار رویۃ یا خیار الشرط کے سبب سے یا رد بیع ہوا خیار العیب سے بحکم قاضی شارح نے کہا بقضاء فقط اخیر یعنی عیب سے متعلق ہے برخلاف اس کے جو مصنف نے شرح میں گمان کیا ہے اور درر کا تابع ہو کر م مصنف نے شرح میں کہا کہ بقضاء متعلق ہے رد سے تو مسائل ثلثہ سے حکم قاضی متعلق ہو گیا حالانکہ ایسا نہیں چنانچہ کلام زیلعی صریحاً اس کے مخالف ہے کذانی الطحطاوی بعد ما سلمت ای اذا بیع وسلمت الشفعۃ ثم رد البیع بخیار رؤیۃ او شرط کیف ما کان او بعیب بقضاء فلا شفعۃ لانہ فسخ لا بیع رد بیع ہوا تسلیم شفعہ کے بعد یعنی جب بیع ہوئی اور شفعہ سے شفیع نے انکار کیا پھر مبیع پھیر دیا گیا بسبب خیار الرویۃ کے یا بسبب خیار شرط کے یا رد بیع ہوا بسبب عیب کے قاضی کے حکم سے تو شفعہ نہیں اس واسطے کہ یہ فسخ ہے بیع نہیں ہے م یہ علت ہے مسائل ثلثہ کی یعنی شفعہ واجب ہوتا ہے بیع کے بعد نہ فسخ بیع کے بعد بخلاف الرد بعیب بعد القبض بلا قضاء او باقالۃ فان لہ الشفعۃ لان الرد بعیب بلا قضاء والاقالۃ بمنزلۃ بیع مبتداء برخلاف رد مبیع عیب سے قبض کے بعد بدون حکم قاضی کے یا اقالہ سے اس واسطے کہ شفیع کے واسطے اس میں شفعہ ثابت ہے اس واسطے کہ عیب سے پھیر دینا بدون حکم قاضی کے بمنزلہ بیع کے ہے شرح ہے اور اسی طرح اقالہ بیع جداگانہ ہے م اس واسطے کہ عیب سے بلا قضا پھیر لینا چونکہ واجب نہیں اور باوجود اس کے بائع نے اپنی خوشی سے پھیر لیا تو ایسا ہوا گویا اس نے خرید کیا اور اسی طرح اقالہ بیع ہے ثالث کے حق میں اور شفیع تیسرا ہے بائع اور مشتری کا کذانی الدرر وتثبت الشفعۃ للعبد الماذون المستغرق بالدین لاحاطۃ الدین برقبتہ وکسبہ لیس بشرط ابن کمال فی بیع سیدہ اور شفعہ ثابت ہے غلام ماذون کے واسطے جو دین میں ڈوبا ہے اپنے مولی کی بیع میں ابن کمال نے محیط ہونا دین کا غلام کی گردن اور کمائی کو ثبوت شفعہ کی شرط نہیں کیا م یعنی اگر مولی نے گھر بیچا تو اس کا شفعہ اس کے غلام تاجر مدیون

کے واسطے ثابت ہے اس واسطے کہ درصورت اذن تجارت جو غلام کے پاس ہے وہ مولیٰ کا مملوک نہیں ہے اور یہی علت ہے مولیٰ کے شفعہ لینے کی غلام ک
مبیع میں فتثبت لسیدہ فی مبیعہ بناء علی ان الاخذ بالشفعۃ بمنزلۃ الشراء وشراء احدہما من الآخر یجوز اور شفعہ ثابت ہے غلام ماذون کے مالک کے واسطے غلا
کے بیچے گھر میں اس وجہ سے کہ شفعہ سے لینا بمنزلہ خرید کے ہے اور ان میں سے ایک کا خرید کرنا دوسرے سے جائز ہے و تثبت لمن شری اصالۃ او وکالۃ او
اشتری لہ بالوکالۃ اور شفعہ ثابت ہے اس شخص کے واسطے جس نے اصالۃً یا وکالۃً خرید کیا یا اس کے واسطے دوسرے نے بطریق وکالت خرید کیا م یعنی ایک شخص
نے دوسرے کو خرید کرنے کا وکیل کیا سو وکیل نے موکل کے واسطے گھر خرید کیا اور حالانکہ موکل شفیع ہے تو اس کے واسطے شفعہ ثابت ہے صورت اس کی یہ
کہ ایک گھر تین شخصوں میں مشترک ہے اور اس گھر کا ایک شخص جار ملاصق ہے پھر جب وہ گھر بیع ہوا اور ایک شریک نے اس کو خرید کیا تو مشتری کے واسطے ش
ثابت ہے خواہ اس نے اصالۃً خرید کی ہو یا وکالۃً اور اسی طرح موکل کے واسطے شفعہ ثابت ہے جب کہ وکیل نے اسی کے واسطے خرید کی ہو اور دوسرے شریک
کے واسطے بھی شفعہ ثابت ہے کذافی الدرر یہ توضیح ہے شارح کے قول آیندہ کی وفائدتہ انہ لو کان المشتری او الموکل بالشراء شریکا وللدار شریک آخر فلہ
الشفعۃ ولو ہو شریکا وللدار جار فلا شفعۃ للجار مع وجودہ اور فائدہ ثبوت شفعہ کا مسئلہ مذکورہ میں یہ ہے کہ اگر مشتری یا خرید کا موکل شریک ہو اور گھر کا
شریک بھی تو دونوں کے واسطے شفعہ ثابت ہے اور اگر وہ شریک ہو اور گھر کا کوئی جار ملاصق ہو تو ہمسایہ کے واسطے شفعہ نہیں باوجود شریک کے یعنی اس
کہ شریک مقدم ہے ہمسایہ پر کذافی الدرر لا شفعۃ لمن باع اصالۃ او وکالۃ او بیع لہ ای وکل بالبیع او ضمن الدرک والاصل ان الشفعۃ تبطل باظہار الرغبۃ عنہا لا
شفعہ نہیں اس کا جس نے بیع کی اصالۃً یا وکالۃً یا بیع ہوگی اس کی طرف سے یعنی دوسرے کو اس نے بیع کرنے کا وکیل کیا یا ضمان درک[1] کیا یعنی اگر مبیع غیر کی مملوک
ثمن کا ضمان اس پر ہے اور قاعدہ کلیہ ثبوت اور عدم ثبوت شفعہ کا یہ ہے کہ شفعہ باطل ہو جاتا ہے شفعہ سے بے رغبتی ظاہر کرنے میں اور باطل نہیں ہوتا
خواہش سے اس میں م چونکہ بیع اور ضمان استحقاق مبیع کی عدم خواہش پر دلالت کرتا ہے لہذا شفعہ باطل ہوگیا

باب ما یبطلہا

یہ باب ہے اس کا جو شفعہ باطل کر دیتا ہے یبطلہا ترک طلب المواثبۃ ترکہ بان لا یطلب فی مجلس اخبر فیہ بالبیع ابن کمال وتق
ترجمہ شفعہ کو باطل کرتا ہے طلب مواثبہ کا ترک کرنا اور ترک طلب مواثبہ کی صورت یہ ہے کہ شفیع شفعہ طلب نہ کرے اس مجلس
جس میں اس کو بیع کی خبر پہنچی کذا ذکرہ ابن کمال اور ترجیح خیار مجلس کی مقدم مذکور ہو چکی یعنی طلب مواثبہ آخر مجلس تک ممتد ہے اور یہی قول راجح ہے طلب علی ال
یا او ترک طلب الاشہاد عند عقار او ذی ید لا الاشہاد عند طلب المواثبۃ لانہ غیر لازم مع القدرۃ کما مر یا مبطل شفعہ ہے باوجود قدرت کے طلب اشہاد کا
کرنا عقار یا ذی الید کے نزدیک نہ کہ گواہ کرنا طلب مواثبہ کے نزدیک اس واسطے کہ وہ غیر لازم ہے چنانچہ مذکور ہو چکا م طلب اشہاد کی یہ صورت مذکور ہو چکی ک
یوں کہے کہ فلانے شخص نے یہ گھر خرید کیا اور میں اس کا شفیع ہوں اور میں قبل اس کے طلب مواثبہ کر چکا ہوں اور اب بھی طلب کرتا ہوں سو تم شاہد رہو اس پر
قدرت کی صورت یہ ہے کہ کسی نے شفیع کا منہ بند نہ کر لیا ہو اور وہ نماز کے اندر نہ ہو و یبطلہا تسلیمہا بعد البیع علم بالسقوط او لا فقط لا قبلہ کما مر ودنظ لبعد
کے تسلیم شفعہ مبطل ہے اس کی خواہ علم سقوط شفعہ کا بسبب تسلیم کے اس کو ہو یا نہ ہو اور قبل بیع کے تسلیم شفعہ مبطل نہیں چنانچہ مذکور ہو چکا م تسلیم شفعہ عبارت ہے اسق
حق شفعہ سے اور اسقاط حق نہیں ہو سکتا مگر بعد وجوب کے اور وجوب شفعہ نہیں ہوتا مگر بیع کے بعد لہذا تسلیم شفعہ قبل بیع کے صحیح نہیں اور بعد بیع کے صحیح ہے
تسلیمہا من اب ووصی خلافا لمحمد فیما بیع بقیمتہ او اقل ملتقی تسلیم شفعہ مبطل شفعہ ہے اگرچہ تسلیم صغیر کے باپ یا وصی کی طرف سے ہو برخلاف محمد کے اس میں جس کی بیع
کی قیمت کے موافق یا اقل قیمت سے ہوئی ہو کذافی الملتقی م یعنی صغیر کا باپ اگر صغیر کا شفعہ ساقط کرے تو یہ تسلیم صحیح ہے امام کے نزدیک یعنی بعد بلوغ کے صغیر اس
نہیں کر سکتا خواہ بیع بقیمت اکثر یا مساوی یا اقل ہوئی ہو اور محمد کا مذہب یہ ہے کہ درصورت مساوات یا قلت قیمت تسلیم باپ اور وصی کی مبطل شفعہ نہیں الو کی

---

[1] درک بفتحتین وسکون ثانی مہملہ ثمن بعد استحقاق مبیع کے کذافی القہستانی ۱۲

بطلہا اذا اسلم الشفعۃ او اقر علی الموکل بتسلیم الشفعۃ صح لو کان التسلیم او الاقرار عند القاضی والا لم یصح لکنہ یخرج من الخصومۃ طلب شفعہ کا وکیل جب کہ شفعہ تسلیم
ے یا اپنے موکل پر تسلیم شفعہ کا اقرار کرے تو تسلیم صحیح ہے اگر یہ تسلیم اور اقرار قاضی کے پاس ہو اور قاضی کے حضور نہ ہو تو صحیح نہیں لیکن وکیل خصومت سے خارج ہو
جاتا ہے وسکوت من یملک التسلیم تسلیم اور ساکت رہنا اس کا جو تسلیم کا اختیار رکھتا ہے تسلیم ہے م مثلاً باپ یا وصی کو تسلیم کا اختیار ہے اور انھوں نے بیع کے وقت
سکوت کیا طلب شفعہ سے صغیر کے واسطے تو یہ سکوت بجائے تسلیم ہے ویبطلہا صلحہ منہا علی عوض ای بغیر المشفوع لما یاتی اور شفعہ باطل کرتا ہے صلح کرنا شفیع کا شفعہ
سے عوض پر یعنی عوض غیر مشفوع پر بدلیل آئندہ م قول آئندہ یہ ہے دو سطر کے بعد ولو صالح علی اخذ نصف الدار ویلیہ رد لانہ رشوۃ اور شفیع پر عوض کا پھیر دینا واجب ہے
س واسطے کہ وہ رشوت ہے م چونکہ شفعہ عبارت ہے حق تملک سے بلا ملک لہذا اس کا عوض لینا صحیح نہیں ویبطلہا بیع شفعتہ بمال ولا یلزم المال اور شفعہ کو باطل کرتا
ہے بیچنا اپنے شفعہ کا مال سے اور اس بیع سے مال لازم نہ ہوگا یعنی اس واسطے کہ وہ رشوت ہے وکذا الکفالۃ بخلاف القود اور اسی طرح کفالت باطل ہو جاتی ہے بیع سے
لاف قصاص کے م کفالت سے یہاں مراد حاضر ضامنی ہے یعنی اگر صاحب حق نے حاضر ضامن سے کہا کہ میں تیرے ہاتھ حاضر ضامنی بیچتا ہوں اتنے مال پر تو ضامنی ساقط
ہو جاوے گی اور مال واجب نہ ہوگا بخلاف قصاص کے کہ اس کا عوض لینا درست ہے اور اسی طرح ملک نکاح اور اسقاط رق کا اعتیاض درست ہے اس واسطے کہ ان
شیا میں ملک ثابت ہے ولو صالح علی اخذ نصف الدار بنصف الثمن صح اور اگر شفیع نے صلح کی نصف گھر کے لینے پر بعوض بعض ثمن کے تو صحیح ہے ولو صالح علی اخذ بیت
صتہ من الثمن لا لجہالۃ الثمن عند الاخذ ولا تسقط شفعتہ اور اگر شفیع نے صلح کی گھر میں سے ایک مکان کے لینے پر بقدر اس کے حصہ کے ثمن سے تو صحیح نہیں بسبب
ہول ہونے ثمن کے لینے کے وقت اور اس صلح غیر صحیح سے شفعہ شفیع کا ساقط نہ ہوگا م نصف گھر کی صلح میں ثمن مجہول نہیں اس واسطے کہ نصف گھر کا ثمن نصف ثمن
ے کی ہے اور تمام گھر میں سے ایک کوٹھری یا ایک دالان کا ثمن معلوم نہیں کہ کتنا ہے لہذا مسئلہ سابقہ میں صلح صحیح اور شفعہ باطل اور اس مسئلہ میں صلح غیر صحیح اور
شفعہ ثابت ہے ویبطلہا موت الشفیع قبل الاخذ بعد الطلب او قبلہ ولا تورث خلافا للشافعی ولو مات بعد القضاء لا تبطل اور شفعہ کو باطل کرتا ہے شفیع کا
جانا شفعہ لینے سے پہلے طلب کے بعد یا قبل طلب کے اور شفعہ موروث نہیں ہوتا برخلاف شافعی کے اور اگر شفیع مرے گا قاضی کے حکم کرنے کے بعد تو شفعہ باطل
گا م وجہ بطلان یہ ہے کہ شفعہ تو عبارت ہے مجرد حق تملک سے اور وہ باقی نہیں رہتا صاحب حق کے مر جانے کے بعد تو اس میں کیونکر میراث جاری ہو کذا فی الدرر
بطلہا موت المشتری لبقاء المستحق شفعہ کو باطل نہیں کرتی مشتری کی موت بسبب باقی رہنے مستحق کے یعنی شفیع کے ویبطلہا وبیع ما یشفع بہ قبل
القضاء بالشفعۃ مطلقا علم ببیعہا ام لا اور جس زمین اور گھر کے سبب سے شفعہ لیا جاتا ہے اس کا بیچ ڈالنا قبل اس کے کہ قاضی ثبوت شفعہ کا حکم کرے ہر
رح مبطل ہے شفعہ کا خواہ شفیع کو اس گھر کی بیع کا جس کا وہ شفیع ہے علم ہو یا نہ ہو وکذا لو جعل ما یشفع بہ مسجدا او مقبرۃ او وقفا مسجلا در اور اسی طرح شفعہ باطل ہوتا ہے
اس مقام کو جس کے سبب سے شفعہ ثابت ہوتا ہے مسجد بنائی یا قبرستان یا وقف مسجل قرار دیا کذا فی الدرر یعنی اس واسطے کہ شفعہ ثابت ہوتا ہے ملک سے اور مسجد
یرہ سے ملک زائل ہو جاتی ہے لہذا شفعہ ثابت نہیں ہوتا بشرطیکہ قاضی نے ثبوت شفعہ کا حکم نہ دیا ہو والا شفعہ ثابت ہوگا کذا فی الطحطاوی ولو باع بشرط الخیار لنفسہ
ا تبطل لبقاء السبب اور جس کے سبب سے شفعہ حاصل ہوتا ہے اس کو بیچا بشرط اختیار اپنی ذات کے تو شفعہ باطل نہیں ہوتا بسبب باقی رہنے سبب کے یعنی سبب
تحقاق شفعہ کا ملک ہے اس مقام کی جو دار مشفوعہ سے متصل ہے سو ہنوز ملک بسبب بیع بشرط خیار کے بائع سے زائل نہیں ہوتی ویبطلہا شراء الشفیع من
لمشتری اور شفعہ کو باطل کرتا ہے خرید کرنا شفیع کا مشتری سے یعنی جب شفیع نے دار مشفوعہ کو مشتری سے خرید کیا تو یہ خرید کرنا اعراض ہوا طلب سے اور اعراض
بطل شفعہ ہے فلمن دونہ او مثلہ اخذہ منہ بالشفعۃ بالعقد الاول والثانی تو جو شخص کمتر ہے شفیع مذکور سے استحقاق شفعہ میں یا اس کی برابر ہے تو اس کو دار مشفوعہ
لینا شفیع سے بوجہ شفعہ درست ہے خواہ بعقد اول لے یا بعقد ثانی م اس واسطے کہ جب شفیع کا استحقاق خرید کرنے سے باطل ہو گیا تو شفیع ما دون کا حق بسبب
وال مانع کے ثابت ہو جاوے گا بخلاف ما لو اشتراہا ابتداء حیث لا شفعۃ لمن دونہ برخلاف اس کے کہ اگر شفیع نے گھر کو خرید کیا شروع سے یعنی بائع سے اس واسطے

کہ وہاں شفیع ماورا کا شفعہ ثابت نہ ہوگا جو سابق مذکور ہو چکا کہ اگر شریک خرید کرے تو جار ملاصق کے واسطے شفعہ نہیں ہے وکذا یبطلہا ان استاجرہا او ساومہا بیعا او اجارۃ ملتقی اور اسی طرح شفعہ کو باطل کرتا ہے اگر شفیع نے مشتری سے گھر کرایہ لیا یا اس کی خرید یا اجارہ کی بات چیت کی کذا فی الملتقی یعنی بعد علم بیع کرایہ لینا یا مول چکانا دلیل ہے تسلیم کی لہذا شفعہ باطل ہوگا او طلب منہ ان یولیہ عقد الشراء یا شفیع مشتری سے یہ طلب کرے کہ اس کو عقد خرید کا متولی کرے م اس واسطے کہ مشتری سے تولیت عقد کو بطریق وکالت کے طلب کرنا تسلیم کی دلیل ہے اور تسلیم بیع مبطل شفعہ ہے لیکن طحطاوی نے کہا کہ بیع التولیہ مراد ہے اور یہ مراد نہیں کہ اس کو متولی عقد کرے بطریق وکالت کے اس واسطے کہ اس سے شفعہ باطل نہیں ہوتا بسبب اس کے ہونے کے قبل عقد کے واللہ اعلم او ضمن الدرک مستدرک بما مر انفا فتبطل فی الکل لدلیل الاعراض زیلعی یا شفیع ثمن کی ضمانت کرے استحقاق کے وقت شارح نے کہا ضمان درک کا مسئلہ زائد حاجت ہے بسبب اس کے کہ عنقریب مذکور ہو چکا یعنی باب سابق میں تو سب تینوں صورتوں میں شفعہ باطل ہوتا ہے اعراض کی دلیل سے کذا فی الزیلعی قیل للشفیع انہا بیعت بالف فسلم ثم علم انہا بیعت باقل او ببر او شعیر او عددی متقارب قیمتہ الف او اکثر فلہ الشفعۃ ولو بان انہا بیعت بدنانیر او بعرض قیمتہا الف فلا شفعۃ والفرق بینہما ان ہذا قیمی وذاک مثلی فربما یسہل علیہ وان کثر شفیع سے کہا گیا کہ گھر بیچا گیا بعوض ہزار درم کے سو اس نے بیع مسلم رکھی پھر اس کو معلوم ہوا ہزار درم سے کم ثمن کو بیع ہوئی یا بعوض گیہوں یا جو عددی متقارب سے بیع ہوئی تو شفیع کا شفعہ ثابت ہے اور اگر یہ ظاہر ہو کہ گھر بکا ان دیناروں یا اسباب کی عوض جن کی قیمت ہزار درم ہے تو شفعہ ثابت نہیں اور فرق دونوں میں یعنی متاع میں اور گیہوں جو میں یہ ہے کہ یہ یعنی اسباب متاع قیمت والی چیز ہے اور وہ یعنی گیہوں اور جو اور عددی متقارب مثلی ہے تو گاہے مثلی چیز شفیع پر آسان ہو سکتی ہے اگرچہ زیادہ ہو م مسئلہ اولی میں شفعہ اس واسطے ثابت ہوا کہ تسلیم تھی کثرت ثمن سے یا تعذر جنس سے پھر جب اس کے خلاف ظاہر ہوا تو اس کو شفعہ لینا جائز ہوا اس واسطے کہ رغبت مختلف ہوتی ہے اختلاف ثمن سے تو تسلیم بعض وجہ سے کل وجوہ کی تسلیم کی مستلزم نہیں اور مسئلہ ثانیہ میں اختلاف دینار اور درم سے اس واسطے شفعہ ثابت نہ ہوا کہ دونوں جنس واحد ہیں ثمنیت میں اور مسئلہ متاع میں قیمت واجب ہے اور وہ درم یا دینار ہیں تو آسانی اس میں ظاہر نہیں کذا فی الطحطاوی ولو علم ان المشتری زید فسلم ثم بان انہ بکر فلہ الشفعۃ اور اگر شفیع نے جانا کہ مشتری زید ہے سو اس نے بیع تسلیم کی پھر ظاہر ہوا کہ مشتری تو بکر ہے تو شفیع کے واسطے شفعہ ثابت ہے م اس واسطے کہ آدمی اخلاق میں متفاوت ہیں سو بعض کی ہمسائگی قبول ہوتی ہے اور بعضے کی نہیں تو ایک کے حق میں تسلیم کرنا اس کے غیر کے حق میں تسلیم کرنے کا مستلزم نہیں ولو علم ان المشتری ہو مع غیرہ کان لہ اخذ نصیب غیرہ لعدم التسلیم فی حقہ اور اگر شفیع نے جانا کہ مشتری زید ہے دوسرے آدمی کے ساتھ تو اس کو دوسرے آدمی کا حصہ بطریق شفعہ کے لینا جائز ہوگا اس واسطے کہ دوسرے کے حق میں تسلیم حاصل نہیں م حلبی نے کہا اگر مصنف بجائے لو علم کے لو ظہر کہتا تو مناسب تر ہوتا ولو بلغہ شراء النصف فسلم ثم بلغہ شراء الکل فلہ الشفعۃ فی الکل ولا فی عکسہ بان اخبر بشراء الکل فسلم ثم ظہر شراء النصف لا شفعۃ لہ علی الظاہر لان التسلیم فی الکل تسلیم فی کل ابعاضہ بخلاف عکسہ اور اگر شفیع کو نصف کے خرید کی خبر پہنچی سو اس نے بیع تسلیم کی پھر اس کو خبر پہنچی تمام گھر کے خرید کی تو اس کے واسطے شفعہ ثابت ہے سب گھر میں اور اس کے بالعکس میں اس طرح کہ شفیع کو خبر ہوئی تمام گھر کے خرید کی سو اس نے تسلیم کی پھر ظاہر ہوا نصف کا خرید کرنا تو اس کے واسطے شفعہ نہیں ظاہر الروایۃ میں اس واسطے کہ کل میں تسلیم کرنا جمیع اجزا میں تسلیم کرنا ہے برخلاف اس کے عکس کے یعنی تسلیم بعض تسلیم کل نہیں ثم شرع فی الحیل فقال وان باع رجل عقارا الا ذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعۃ لعدم الاتصال پھر مصنف نے حیلوں کا یعنی تدابیر سقوط شفعہ کا بیان شروع کیا سو یوں کہا اور اگر ایک مرد نے زمین یا گھر بیچا مگر مثلا ایک گز نہیں بیچا حد شفیع کی میں تو شفیع کو شفعہ نہ ملے گا بسبب عدم اتصال کے م شفعہ کا سبب اتصال ملک شفیع تھا سو اگر اس نے گز بھر یا ہاتھ بھر یا بالشت بھر یا انگل بھر زمین شفیع کی جانب کی بیع نہ کی تو اب شفیع اس میں شفعہ کا دعوی نہیں کر سکتا بشرطیکہ طول مستثنی شفیع کے تمام گھر کو ملاصق ہو اور یہ حیلہ ہے شفعہ جوار کے اسقاط کا والقول بان ذراعا سہو اور یہ قول کہ ذراعا کا نصب سہو ہے سہو ہے م یہ تعریض ہے صاحب درر کی طرف اس واسطے کہ صاحب درر نے یوں کہا ہے کہ وقایہ میں جو یہ عبارت

ولا فیما بیع الاذرعا بنصب ہے سو کاتب کی سہو سے ہے شارح نے کہا کہ اس کو سہو کہنا سہو ہے اس واسطے کہ کلام تام موجب ہیں مستثنیٰ کا نصب واجب ہے وکذا لاشفعۃ لموہوب ہذا القدر للمشتری وقبضہ اور اسی طرح شفعہ نہیں اگر اس قدر یعنی بقدر ایک گز طول میں بائع نے مشتری کو ہبہ بلاعوض کر دیا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کرلیا م عدم ثبوت شفعہ کی وجہ یہ ہے کہ جو متصل شفیع تھا وہ موہوب ہو گیا اور موہوب میں شفعہ نہیں طحطاوی نے کہا خواہ ہبہ قبل بیع کے ہو خواہ بعد بیع کے وان ابتاع سہامنہ بثمن ثم ابتاع بقیتہا فالشفعۃ للجار فی سہم الاول فقط والباقی للمشتری لانہ شریک اور اگر مشتری نے اس کا ایک حصہ مثلاً دسواں حصہ کچھ ثمن سے خرید کیا پھر باقی گھر خرید کیا تو ہمسایہ کے واسطے شفعہ ثابت ہو گا فقط پہلے حصہ میں اور باقی گھر مشتری کا ہو گا اس واسطے کہ مشتری شریک ہو گیا بائع کا سہم اول کی خرید سے اور شریک متقدم ہے جار پر م سہم اول میں اس واسطے شفعہ ثابت ہے کہ پہلے بیع اسی کی ہوئی اور شرکت مشتری کی بائع سے عقد ثانی کے وقت ہو گی شفعہ لینے سے پہلے اور مراد یہ ہے کہ شفیع کو خبر بیع کی نہ ہوئی مگر دونوں عقد کے بعد وحیلۃ کلا ان لیشتری الذراع والسہم بکل الثمن الا درہما ثم الباقی بالباقی اور تمام شفعہ کے اسقاط کا یہ حیلہ ہے کہ مشتری خرید کرے ایک گز کو مسئلہ اولیٰ میں یا سہم کو خرید کرے اس مسئلہ میں تمام ثمن سے سوائے ایک درم کے اور باقی گھر کو باقی ایک درم سے خرید کرے مثلاً ہزار درم پر خرید کرنا منظور ہے تو اس گھر کا ہزارواں حصہ ۹۹۹ درم سے خریدا اور باقی گھر ایک درم سے خرید کرے تو شفیع کا شفعہ ہزارویں حصہ میں ثابت ہو گا ۹۹۹ درم کی ثمن سے اور باقی گھر میں شفعہ نہیں اس واسطے کہ مشتری شریک ہو گیا اور وہ احق ہے جار سے کذا فی الدر ولیس لہ تحلیفہ باللہ ما اردت بہ ابطال شفعتی اور جائز نہیں شفیع کو قسم دینا مشتری کو اس طرح کہ واللہ تو نے اس فعل سے میرے شفعہ کے باطل کر دینے کا ارادہ نہیں کیا ولہ تحلیفہ باللہ ان البیع الاول ما کان تلجیۃ مؤید زادہ معزیا للوجیز اور شفیع کو قسم دینے کا اختیار ہے کہ واللہ کہ بیع اول تلجیہ نہ تھی کذا ذکرہ مؤید زادہ عن الوجیز م تلجیہ اس بیع کو کہتے ہیں کہ بائع اور مشتری بیع ظاہر کریں دشمن کے خوف سے اور حالانکہ وہ حقیقت میں بیع نہیں بلکہ وہ ہزل ہے اس کی تحلیف کا اس واسطے اختیار ہوا کہ اگر وہ تلجیہ کا اقرار کرے گا تو بائع کی ملک ثابت رہے گی اور شفعہ جوار قائم رہے گا کذا فی الطحطاوی وان ابتاعہ بثمن کثیر ثم دفع ثوبا عنہ فالشفعۃ بالثمن لا بالثوب فلا یرغب فیہ اور اگر بیع خرید کیا ثمن کثیر سے پھر ثمن کی عوض کپڑا دیا تو شفعہ ثابت ہو گا ثمن سے نہ کپڑے سے تو اس میں خواہش نہ ہو گی م مثلاً ایک گھر کی قیمت سو درم ہے اس کو ہزار درم ثمن سے خرید کیا پھر ثمن کے عوض بائع کی رضامندی کے ساتھ ایک تھان دیا تو اگر شفیع دعوی کرے گا تو اس کو شفعہ ہزار درم کی عوض ملے گا نہ تھان کی عوض اس واسطے کہ ہزار درم کی عوض تھان دینا دوسرا عقد ہے اور گھر کی عوض تو وہی ہزار درم کا ثمن ہے وہذہ حیلۃ تعم الشریک والجار لکنہا تضر للبائع اذ یلزمہ کل الثمن اذا استحق المنزل اور یہ حیلہ شریک اور جار دونوں کو عام ہے لیکن بائع کو مضر ہے اس واسطے کہ بائع کو تمام ثمن دینا لازم ہو گا جب کہ منزل مبیع غیر کی ملک ثابت ہو گی فالاولی بیعہ دراہم الثمن بدینار لیبطل الصرف اذا استحق تو بیچا دراہم ثمن کا ایک دینار سے بہتر ہے تاکہ یہ عقد صرف باطل ہو جائے جب کہ استحقاق ملک غیر کا ثابت ہو م ثمن کے دراہم مثلاً سو تھے مشتری کے ذمہ پر پھر بائع نے سو درم کو ایک دینار سے مثلاً بیچا پھر جب کہ استحقاق ملک غیر کا ثابت ہو گا تو یہ عقد صرف فاسد ہو گی اس واسطے کہ اب ظاہر ہو گیا کہ مشتری کے ذمہ پر کچھ نہ تھا تو جو مشتری نے دیا وہی بائع کو پھیرنا پڑے گا یعنی دینار کذا فی الطحطاوی وحیلۃ اخری احسن واسہل وہی المتعارفۃ فی الامصار ذکرہ بقولہ وکذا لو اشتری بدراہم معلومۃ بوزن او اشارۃ مع قبضۃ فلوس اشیر الیہا وجہل قدرہا وضیع الفلوس بعد القبض فی المجلس لان جہالۃ الثمن تمنع الشفعۃ درر قلت ونحوہ فی المضمرات اور ایک دوسرا حیلہ بہتر اور سہل تر سب حیل مذکورہ سے اور وہی مشہور ہے شہروں میں اس کو مصنف نے اپنے اس قول سے ذکر کیا ہے اور اسی طرح شفعہ ساقط ہو جاتا ہے اگر مشتری نے دراہم معلومہ سے خواہ تعین دراہم کا وزن سے ہو خواہ اشارہ سے خرید کیا اور ان کے ساتھ مٹھی بھر فلوس بھی دیے جن کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور ان کی مقدار مجہول رہی اور فلوس بائع نے تلف کر دیے بعد قبض کے مجلس کے اندر اس واسطے کہ جہالت ثمن شفعہ کی مانع ہے کذا فی الدر میں کہتا ہوں اور اسی کے مانند مضمرات میں ہے م جب فلوس مشار الیہ پر بائع کا قبضہ ہوا تو ثمن عقد کے وقت معلوم اور متعین ٹھہرا لہذا بیع صحیح ہو گئی اور فلوس تلف ہو جانے کے بعد جہالت مقدار سے شفعہ کے وقت ثمن مجہول ہو گیا معلوم نہیں کہ فلوس مذکورہ کتنے تھے اور جہالت ثمن شفعہ کے وقت ثبوت شفعہ کی مانع ہے طحطاوی نے کہا

فی المجلس کی قید نہ منح الغفار میں مذکور ہے نہ درر میں اور اس کا تعلق نہ ضائع ہونے فلوس سے ظاہر ہوتا ہے نہ قبض سے اس واسطے کہ مدار عدم وقوف مقدار پر ہے اور یہ برابر ہے خواہ مجلس میں ہو خواہ بعد مجلس کے وینبغی ان الشفیع لو قال انا اعلم قیمۃ الفلوس وہی کذا ان یاخذہا بالدراہم وقیمتہا کالو اشتری دارا بعرض او عقار للشفیع اخذہا بالقیمۃ کما مر قال المصنف ثم نقل عن مقطعات الظہیریۃ مایوافقہ قلت ووافقہ فی تنویر البصائر واقرہ شیخنا لکن تعقبہ ابنہ فی زواہر الجواہر بانہ مخالف لاطلاق ما فی المتون والشروح مقدم علی الفتاوی کما مر مرارا انتہی اور لائق بقواعد فقہ یہ ہے کہ اگر شفیع کہے کہ میں فلوس کی قیمت جانتا ہوں اور وہ فلوس اتنے تھے تو شفعہ لے دراہم سے اور فلوس کی قیمت سے چنانچہ اگر مشتری گھر خرید کرے متاع یا عقار سے تو شفیع کو گھر کا لینا متاع یا عقار کی قیمت سے جائز ہے چنانچہ مذکور ہو چکا یہ کہا ہے مصنف نے شرح میں پھر مصنف نے مقطعات ظہیریہ سے وہ روایت نقل کی جو قول مذکور کے موافق ہے میں کہتا ہوں اور اسی کے موافق کہا ہے تنویر البصائر حاشیہ اشباہ میں اور ہمارے استاد نے قول کو ثابت رکھا لیکن اس قول پر مصنف کے فرزند شیخ صالح نے اعتراض کیا ہے زواہر الجواہر حاشیہ اشباہ میں اس طرح کہ یہ قول مخالف ہے قول اول کے جو متن میں مذکور ہے اور جو متون اور شروح میں ہے وہ فتاوی پر مقدم ہے چنانچہ یہ قاعدہ چند بار مذکور ہو چکا انتہی ما فی زواہر الجواہر متون اور شروح میں جو مذکور ہے وہ اس کا مفید ہے کہ شفیع کا قول قیمت فلوس اور تعیین مقدار میں مقبول نہ ہوگا اس واسطے کہ اگر مقبول ہو تو اس حیلہ مذکورہ کا کچھ فائدہ نہ رہے مگر جب کہ شفیع ساکت رہے کذا فی الطحطاوی وقدمنا انہ لاشفعۃ فیما بیع فاسدا ولو بعد القبض لاحتمال الفسخ نعم اذا سقط الفسخ بالبناء ونحوہ وجبت واللہ اعلم اور ہم مقدم کر چکے ہیں کہ شفعہ نہیں اس میں جس کی بیع فاسد ہوئی اگرچہ قبض کے بعد ہو بسبب احتمال فسخ ہو جانے بیع فاسد کے ہاں جب کہ فسخ ساقط ہو جائے مشتری کی عمارت بنانے وغیرہ سے تو شفعہ واجب ہوگا واللہ اعلم تکرہ الحیلۃ لاسقاط الشفعۃ بعد ثبوتہا وفاقا کقولہ للشفیع اشترہ منی ذکرہ البزازی مکروہ ہے حیلہ کرنا اسقاط شفعہ کے واسطے بعد ثابت ہو جانے شفعہ کے بالاتفاق چنانچہ مشتری کا یوں کہنا شفیع سے کہ تو اس منزل کو مجھ سے خرید کر لے ذکر کیا ہے اس کو بزازی نے م شفعہ ثابت ہوتا ہے بعد بیع کے پھر جب مشتری نے شفیع سے کہا کہ مجھ سے خرید کر لے تو اگر وہ خرید کا ارادہ کرے گا تو شفعہ باطل ہوگا تو یہ اسقاط شفعہ کا حیلہ ہے ثبوت کے بعد سو یہ ابو یوسفؒ اور محمدؒ دونوں کے نزدیک مکروہ ہے واما الحیلۃ لدفع ثبوتہا ابتداء فعند ابی یوسفؒ لاتکرہ وعند محمد تکرہ ویفتی بقول ابی یوسف فی الشفعۃ وقیدہ فی السراجیۃ بما اذا کان الجار غیر محتاج الیہ واستحسنہ محشی الاشباہ اور ابتداء سے دفع ثبوت شفعہ کا حیلہ کرنا یعنی تدبیر کرنا جس سے شفعہ ثابت نہ ہو سکے سو ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں یعنی اس واسطے کہ وہ منع ہے حق واجب ہونے سے نہ اسقاط حق ثابت کا اور محمدؒ کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے اور ابی یوسفؒ کے قول کا فتوی ہے شفعہ میں سراجیہ میں جواز حیلہ کی یہ قید لگائی ہے جب کہ ہمسائے کو اس گھر کی حاجت نہ ہو اور محشی اشباہ نے اس کو خوب کہا ہے محشی اشباہ شرف الدین غزی نے تنویر البصائر میں کہا ہے کہ اس قول پر اعتماد کرنا چاہیے اس کے حسن اور خوبی کے سبب سے شرح وقایہ میں ہے کہ شفعہ تو دفع ضرر جوار کے واسطے مشروع ہوا ہے تو اگر مشتری ایسا شخص ہو کہ پڑسیوں کو اس سے ضرر ہو تو اسقاط شفعہ کا حیلہ کرنا حلال نہیں اور اگر مشتری نیک مرد ہو اور شفیع متعنت ہو جس کی ہمسائگی پسند نہ ہو تو اسقاط شفعہ کا حیلہ کرنا حلال ہے وبضدہ الکراہۃ فی الزکوۃ والحج وآیۃ السجدۃ جوہرہ اور اس کے مخالف یعنی کراہت ہے حیلہ زکوۃ اور حج اور آیت سجدہ میں کذا فی الجوہرہ ۱۲ منع زکوۃ کا یہ حیلہ ہے کہ جس مال میں زکوۃ واجب ہو وہ سال بھر کے گذرنے سے پہلے اپنے فرزند صغیر کو ہبہ کرے یا سال سے پہلے اس قدر خیرات کر دے جس سے نصاب پوری باقی نہ رہے شرح وقایہ میں کہا کہ یہ حیلہ نہایت قبیح ہے بخیلی اختیار کرنا ہے اور فقیروں کا رزق قطع کرنا ہے اور وعید عدم انفاق میں داخل ہونا ہے اور حج کا حیلہ یہ ہے کہ آفاقی داخل مواقیت[1] کسی محل میں داخل ہو پھر مکہ معظمہ میں بلا احرام داخل ہو اور یہ حیلہ اسقاط احرام کا ہے نہ اسقاط حج کا اور آیت سجدہ کا یہ حیلہ کہ آیت سجدہ نہ پڑھے اور سابق اور لاحق کی آیتیں پڑھے

---

[1] جمیع میقات وہ مقام جہاں سے بدون احرام کے آفاقی کو مکہ کی طرف جانا حرام ہے ۱۲ہ اصل ترجمہ میں یہی عبارت ہے مگر کتاب الحج میں اس کی صورت یوں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے مقام کی نیت سے جاوے جو میقات کے اندر اور حرم سے خارج ہو اور اس کا ارادہ مکہ میں جانے کا نہ ہو مثلاً جدہ میں جانا چاہے تو اس کو میقات پر احرام کی کچھ ضرورت نہیں جدہ میں بلا احرام چلا جاوے اور جب جدہ میں پہنچ جاوے گا تو وہاں کے باشندوں کا حکم پیدا کرے گا یعنی اب کہ معظمہ میں بدون احرام جا سکتا ہے ۱۲ہ بلکہ اسقاط حج کا حیلہ وہی ہے جو زکوۃ میں گذرا یعنی اہلاک

وجوب سجدہ کے خوف سے والحیلۃ موجودۃ فی کلامھم لاسقاط الحیلۃ بزازیۃ قال وطلبنا ہا کثیرا فلم نجدہا اور کوئی حیلہ موجود نہیں فقہا کے کلام میں حیلہ ساقط کرنے کے واسطے کذا فی البزازیۃ کہا بزازی نے اور ہم نے اس کو بہت تلاش کیا سو اس کو نہ پایا اذا اشتری جماعۃ عقارا والبائع واحد بتعدد الاخذ بالشفعۃ بتعددہم فللشفیع ان یاخذ نصیب بعضھم ویترک الباقی وبعکسہ وھو ما اذا تعدد البائع واتحد المشتری لا یتعدد الاخذ بہا بل یاخذ الکل او یترک لان فیہ تفریق الصفقۃ علی المشتری بخلاف الاول لقیام الشفیع مقام احدھم فلم تتفرق الصفقۃ بلا فرق بین کونہ قبل القبض او بعدہ سمی لکل بعض ثمنا او سمی لکل جملۃ لان العبرۃ لاتحاد الصفقۃ لا لاتحاد الثمن جب کہ ایک جماعت نے زمین مول لی اور بائع ایک ہے تو شفعہ لینا متعدد ہوگا مشتری کے شمار کے موافق تو شفیع کو یہ جائز ہوگا کہ ایک مشتری کا حصہ لے اور باقی کو چھوڑ دے اور بالعکس اس کے یعنی جب کہ بائع کئی شخص ہوں اور مشتری ایک ہو تو شفعہ لینا متعدد نہ ہوگا بلکہ شفیع یا سب مبیع کو لے یا سب کو چھوڑ دے اس واسطے کہ اس میں مشتری پر تفریق عقد ہے بخلاف اول مسئلہ کے اس واسطے کہ وہاں شفیع قائم مقام ہے ایک مشتری کے تو عقد متفرق نہ ہوا اس میں کچھ فرق نہیں کہ شفعہ لینا قبض کرنے سے پہلے ہو یا بعد اس کے ہر مشتری کے ثمن کا علیحدہ علیحدہ نام لیا گیا ہو یا تمام ثمن مجملاً مذکور رہا ہو اس واسطے کہ یہاں اتحاد عقد کا اعتبار ہے نہ اتحاد ثمن کا واعلم انہ لو طلب الحصۃ فہو علی شفعتہ اور معلوم کر اس کو کہ اگر شفیع در صورت تعدد مشتری ایک حصہ کو طلب کرے تو باقی حصوں میں وہ اپنے شفعہ پر قادر ہے م اور قول ضعیف یہ ہے کہ باقی کا شفعہ باطل ہو گیا کذا فی در المنتقی ولو اشتری دارین او قریتین او مصرین صفقۃ اخذ ہما شفیعہما معا او ترکہما لا احدہما ولو احدہما بالشرق والاخری بالمغرب شرح مجمع ویاتی اور اگر مشتری نے دو گھر یا دو گاؤں خرید کیے دو شہروں میں ایک عقد یعنی ایک ایجاب اور قبول سے تو ان دونوں گھروں کا شفیع ان کو ساتھ ہی لے یا دونوں چھوڑے اور یہ نہیں کہ ایک گھر کو لے اگرچہ ایک گھر مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں کذا فی شرح المجمع اور اس کا ذکر آگے آوے گا م اور اگر شفیع ایک ہی گھر کا ہو نہ دوسرے کا اور بیع دونوں گھروں کی ایک ایجاب اور قبول سے ہوئی ہو تو شفیع کو شفعہ لینا نہیں پہنچتا مگر اسی گھر کا جو اس کے پاس ہے اور ایسا کہا ہے محمد نے ان دونوں گھروں میں جو متصل ہوں اور شفیع ایک گھر کا ہمسایہ ہو اور حسن نے امام سے روایت کی کہ شفیع کو دونوں کا لینا درست ہے شفعہ سے کرخی نے کہا حسن کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ امام نے روایت سابقہ سے رجوع کیا ہے کذا فی العالمگیریۃ والمعتبر فی ہذا ای العدد والاتحاد العاقد لتعلق حقوق العقد بہ دون المالک فلو وکل احد جماعۃ فللشفیع اخذ نصیب بعضہم اور اس تعدد اور اتحاد عقد میں عاقد معتبر ہے نہ مالک اس واسطے کہ حقوق عقد کے عاقد کی طرف متعلق ہوتے ہیں نہ مالک کی طرف تو اگر ایک مالک نے ایک جماعت کو وکیل کیا یعنی خرید کا تو شفیع کو ایک وکیل کا حصہ لینا جائز ہے م یہ اس صورت میں ہے کہ ہر وکیل کو ایک ایک حصہ کی خرید میں وکیل کیا ہو اور اگر سب کو تمام کی خرید کا وکیل کیا تو شفعہ نہیں مگر تمام میں کذا فی الطحطاوی اشتری نصف دار غیر مقسوم فقاسم المشتری البائع اخذ الشفیع نصیب المشتری الذی حصل لہ بالقسمۃ وان وقع فی غیر جانبہ علی الاصح آدھا گھر غیر مقسوم خرید کیا سو مشتری نے بائع سے بانٹ لیا تو شفیع مشتری سے وہ حصہ لے جو اس کو حاصل ہوا قسمت سے اگرچہ وہ حصہ شفیع کی جانب میں نہ پڑا ہو بموجب اصح قول کے م بخلاف اصح قدوری کا قول ہے کہ شفیع وہی حصہ لے گا جو اس کی جانب میں واقع ہے نہ غیر جانب کا ولیس لہ ای للشفیع نقضہا مطلقا سواء قسم بحکم او رضی علی الاصح لانہا من تمام القبض اور شفیع کو نقض قسمت مطلقا جائز نہیں خواہ قسمت قاضی کے حکم سے ہوئی ہو یا بائع کی رضامندی سے اس واسطے کہ قسمت قبض کی تمامی ہے یعنی بدون قسمت کے مشترک چیز کا پورا قبض نہیں ہوتا اور حالانکہ تمام قبض عقد کا حکم ہے حتی لو قاسم الشریک کان للشفیع القبض کما ذکرہ بقولہ بخلاف ما اذا باع احد الشریکین نصیبہ من دار مشترکۃ وقاسم المشتری الشریک الذی لم یبع حیث یکون للشفیع نقضہ کنقض بیعہ وہبتہ تو اگر مشتری نے قسمت کر لی بائع کے شریک سے تو شفیع کو نقض قسمت جائز ہے چنانچہ مصنف نے اس کو ذکر کیا اپنے اس قول سے برخلاف اس کے جب کہ دو شریکوں میں کہ ایک شریک نے اپنا حصہ بیع کیا مشترک گھر سے تو مشتری نے دوسرے اس شریک سے جس نے بیع نہیں کی قسمت کر لی کہ وہاں شفیع کو نقض قسمت جائز ہے جس طرح اس کی بیع اور ہبہ کا نقض جائز ہے م یہ تفریع ہے عدم نقض قسمت کی تعلیل پر یعنی اگر قسمت تمام قبض سے نہ ہو چنانچہ مثال مذکور میں ہے تو نقض قسمت درست ہے اس واسطے کہ قبضہ

اس شخص سے واقع ہوا جس سے قسمت کر لی تو یہاں قسمت تمام قبض سے نہ ہوئی جو بعقد کا حکم ہے لہذا شفیع اس کو توڑ سکتا ہے کما لو اشتری اثنان دارا وہما شفیعان ثم جاء شفیع ثالث بعد ما اقتسما بقضاء او غیرہ فلہ ای للشفیع ان ینقض القسمۃ ضرورۃ صیرورۃ النصف ثلثا شرح وہبانیۃ چنانچہ اگر دو شخصوں نے گھر مول لیا اور وہ دونوں شفیع ہیں اس گھر کے پھر تیسرا شفیع آیا دونوں کی قسمت کر لینے کے بعد خواہ قسمت قاضی کے حکم سے ہوئی ہو یا سوائے اس کے مثلاً رضامندی سے تو شفیع کو قسمت کا توڑ دینا جائز ہے نصف کی تہائی ہو جانے کی ضرورت سے کذا فی شرح الوہبانیۃ م پر تنبیہ ہے نقض قسمت کی صورت اس کی یہ ہے کہ ایک گھر کے تین پڑوسی ملاصق ہیں مثلاً ان میں سے دو نے وہ گھر خرید کر کے بانٹ لیا نصف نصف پھر تیسرے پڑوسی نے شفعہ طلب کیا تو قسمت مذکورہ متوقف ہوگی اس ضرورت سے کہ ہر شخص تہائی تہائی کا مستحق ہے اور دونوں مشتریوں میں سے ہر ایک کے پاس نصف نصف ہے اور باقی نہیں رہ سکتا اختلف الجار والمشتری فی ملکیۃ الدار التی یسکن فیہا الشفیع الذی ہو الجار فالقول للمشتری لانہ ینکر استحقاق الشفعۃ اختلاف کیا پڑوسی اور مشتری نے اس گھر کی ملکیت میں جس میں وہ شفیع رہتا ہے جو پڑوسی ہے تو مشتری کا قول مقبول ہوگا اس واسطے کہ وہ استحقاق شفعہ کا منکر ہے وللجار تحلیفہ ای تحلیف المشتری علی العلم عند ابی یوسف وبہ یفتی اور پڑوسی کو مشتری کا قسم دینا اس کی دانست پر جائز ہے ابو یوسف کے نزدیک اور اسی کا فتوی ہے م یعنی مشتری یوں قسم کھائے کہ واللہ یہ گھر میرے علم میں شفیع کا مملوک نہیں علم پر اس واسطے قسم ہوئی کہ غیر کے فعل پر تحلیف ہے اور غیر کے فعل پر یقین قطعی نہیں ہوتا کما لو انکر المشتری طلب المواثبۃ فانہ یحلف علی العلم جیسے کہ مشتری اگر طلب مواثبہ کا منکر ہو تو اس سے علم پر قسم لی جائے گی یعنی اس واسطے کہ یہ بھی تحلیف ہے غیر کے فعل پر وان انکر المشتری طلب الاشہاد عند لقائہ حلف المشتری علی البتات لانہ محیط بہ علما دون الاول حاوی الزاہدی اور اگر مشتری نے اپنی ملاقات کے وقت طلب اشہاد سے انکار کیا تو مشتری قسم کھائے قطع اور یقین پر اس واسطے کہ مشتری کا علم طلب اشہاد کو محیط ہے نہ طلب مواثبہ کو کذا فی حاوی الزاہدی م اگرچہ طلب اشہاد بھی غیر کا یعنی شفیع کا فعل ہے لیکن چونکہ حالف کے سامنے کا فعل ہے لہذا قطعی قسم لازم ہوئی پر اس وقت ہے جب کہ شفیع طلب اشہاد کا مدعی ہو اور گواہوں سے اس کو ثابت نہ کر سکے ولو برہنا فبینۃ الشفیع احق وقال ابو یوسف بینۃ المشتری اور اگر شفیع اور مشتری دونوں گواہ لاویں تو شفیع کے گواہ احق اور مقدم ہیں اور ابو یوسف نے کہا کہ مشتری کے گواہ مقدم ہیں فروع مسائل ملحقہ شارح کے باع مافی اجارۃ الغیر وہو شفیعہا فان اجاز البیع اخذہا بالشفعۃ وبطلت الاجارۃ وان ردہ مالک نے وہ چیز بیع کی جو غیر کے اجارہ میں ہے اور حالانکہ مستاجر اس کا شفیع ہے سو اگر مستاجر نے بیع اس کی جائز رکھی تو اس کو لے گا بذریعہ شفعہ کے یعنی اور اجارہ باطل ہو جاوے گا اور اگر بیع جائز نہ رکھی تو اجارہ باطل ہوگا اگرچہ شفعہ رد کر دے م یعنی عدم اجازت بیع کے ساتھ شفعہ بھی طلب کیا تو اجارہ باطل ہوگا اس واسطے کہ طلب شفعہ صحیح نہیں مگر بعد بطلان اجارہ کذا فی الوہبانیۃ شری لطفلہ والاب شفیعہ لہ الشفعۃ والوصی کالاب قلت لکن فی شرح المجمع مایخالفہ فتنبہ باپ نے اپنے طفل صغیر کے واسطے خرید کی اور حالانکہ باپ شفیع ہے تو اس کا شفعہ ثابت ہے اور وصی باپ کے مانند ہے میں کہتا ہوں لیکن شرح مجمع میں اس کے مخالف ہے سو خبردار رہنا م شرح مجمع میں یوں ہے کہ باپ کی قید اس واسطے لگائی کہ وصی شفعہ نہیں لے سکتا اتفاقاً اس واسطے کہ شفعہ لینا بمنزلہ خرید کے ہے اور وصی کو یتیم کا مال خرید کرنا جائز نہیں اپنی ذات کے واسطے لو کانت دار الشفیع ملاصقۃ لبعض المبیع کان لہ الشفعۃ فیما لاصقہ فقط ولو فیہ تفریق الصفقۃ اگر شفیع کا گھر متصل ہو بعض مبیع سے تو اس کا شفعہ فقط اسی قدر میں ثابت ہوگا جو کہ متصل ہے اگرچہ اس میں تفریق صفقہ ہوتی ہو م صورت اس کی یہ ہے کہ دو گھر کی بیع ہوئی اور شفیع کا گھر ایک ہی گھر کے پاس ہے جار ملاصق وہ ہے کہ ہر ایک کی دیوار علیحدہ ہو اور دونوں دیواروں میں راہ نہ ہو مکان کی تنگی کے سبب سے یا کہ دونوں کے اتصال کے سبب سے کذا فی الطحطاوی عن الحموی الابراء العام من الشفیع یبطلہا قضاء مطلقا لا دیانۃ ان لم یعلم بہا شفیع کی جانب سے ابراء عام کرنا شفعہ کو باطل کر دیتا ہے قضاءً ہر طرح سے اور دیانۃً مبطل نہیں اگر شفیع شفعہ کو نہ جانتا ہو م صورت اس کی یہ ہے کہ ایک گھر بکا تو بائع یا مشتری نے کہا شفیع سے کہ تو ہم کو بری الذمہ کر دے ہر خصومت سے جو تیری خصومت کہ ہماری جانب ہو سو اس نے ابراء عام کر دیا اور حالانکہ شفیع جانتا

نہیں ہے کہ ان کی جانب اس کا شفعہ واجب ہوا ہے تو اس ابراء عام سے قاضی کے نزدیک اس کا شفعہ باطل ہو گا لیکن فیما بینہ وبین اللہ شفعہ باقی رہے گا اس واسطے کہ اگر وہ جانتا تو شفعہ نہ چھوڑتا ناز واہر الجواہر میں ہے کہ یہ محمد کے قول پر ہے اور ابو یوسف کے قول پر برأت من المجہول سے براءت ثابت ہو جاتی ہے قضاء بھی اور دیانۃً بھی وعلیہ الفتوی چنانچہ شرح منظومہ اور خلاصہ اور خزانۃ الفتاوی میں ہے کذا فی الطحطاوی عن الحلبی اذا صبغ المشتری البناء فجاء الشفیع خیران شاء اعطاہ مازاد الصبغ او ترک جب کہ مشتری نے عمارت میں رنگ آمیزی کی پھر شفیع آیا تو وہ مختار ہے چاہے اس کو اتنا دے جس قدر اس کی قیمت رنگ آمیزی سے زیادہ ہو گئی اور چاہے شفعہ ترک کرے اخر الجار طلبہ لکون القاضی لا یراہا فہو معذور شفیع جار نے طلب شفعہ میں تاخیر کی اس واسطے کہ قاضی شفعہ جوار کا اعتقاد نہیں رکھتا تو وہ معذور ہے یہودی سمع بالبیع یوم السبت فلم یطلب لم یکن عذرا یہودی نے سنیچر کے دن بیع سنی اور شفعہ طلب نہ کیا تو یہ عذر نہ ہو گا م یہ تینوں مسئلے مکرر ہو گئے کہ سابق مذکور ہو چکے ہیں قلت یؤخذ منہ ان الیہودی اذا طلب خصمہ من القاضی احضارہ یوم سبتہ فانہ یکلفہ الحضور ولا یکون سبتہ عذرا وہی واقعۃ الفتوی قالہ المصنف قلت وہی فی واقعات الحسامی میں کہتا ہوں یوم السبت کے عذر نہ ہونے سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جب یہودی اپنے مدعا علیہ کا احضار چاہے قاضی سے اس کے یوم السبت میں تو قاضی اس کو حاضر کر دا دے اور اس کا یوم السبت عذر نہ ہو گا اور یہ مسئلہ فتوی طلب ہو چکا یہ کہا ہے مصنف نے میں کہتا ہوں اور یہی مسئلہ واقعات حسامی میں مذکور ہے ادعی الشفیع علی المشتری انہ احتال لابطالہا یحلف وفی الوہبانیۃ خلافہ قلت وسنذکرہ لان ابن المصنف فی حاشیۃ الاشباہ ایدہ بما لا مزید علیہ فلیحفظ شفیع نے مشتری پر یہ دعوی کیا کہ مشتری نے شفعہ باطل کرنے کا حیلہ کیا ہے تو مشتری سے قسم لی جائے اس پر اور وہبانیہ میں اس کے مخالف عدم تحلیف مذکور ہے میں کہتا ہوں اور عنقریب ہم وہبانیہ کا قول مذکور کرتے ہیں اس واسطے کہ مصنف کے فرزند نے اشباہ کے اپنے حاشیہ میں کلام وہبانیہ کی اس طرح تائید کی ہے کہ اس پر تائید زیادہ نہیں ہو سکتی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م خلاصہ تائید مذکور یہ ہے کہ قاضی خاں اور ولوالجی کے کلام مدلل سے مصرح ہے کہ مشتری پر قسم لازم نہیں تعلیق ابطالہا بالشرط جائز ابطال شفعہ کا تعلیق کرنا شرط سے جائز ہے م صورت اس کی یہ ہے کہ شفیع نے مشتری سے کہا کہ میں نے شفعہ تیرے واسطے مسلم رکھا اگر تو نے اپنی ذات کے واسطے خرید کی ہو سو اگر مشتری نے کسی اور شخص کے واسطے خرید کی تو اس کا شفعہ ثابت ہے کذا فی الطحطاوی عن منیۃ المفتی والمجتبی لدعوی فی رقبۃ الدار وشفعۃ فیہا یقول ہذہ الدار داری وانا ادعیہا فان وصلت الی والا فانا علی شفعتی فیہا ایک شخص کا دعوی ملک ہے گھر کے رقبہ میں اور شفعہ کا بھی اس میں دعوی ہے تو یوں دعوی کرے کہ یہ گھر میرا ہے اور میں اس کا دعوی کرتا ہوں سو اگر یہ گھر مجھ کو پہنچا تو بہتر ہے اور اگر نہ پہنچا تو میں اس میں اپنے شفعہ کے دعوی پر ہوں م یہ مسئلہ ظہیریہ میں یوں مذکور ہے کہ اگر ایک گھر دوسرے کے پاس بکا اور صاحب خانہ اس کا شفیع ہے اور اس کا زعم یہ ہے کہ خانہ مبیع میرا مملوک ہے سو وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں اس کی ملک کا دعوی کروں تو شفعہ باطل ہوتا ہے اور اگر شفعہ کا دعوی کروں تو ملک رقبہ کا دعوی باطل ہوتا ہے تو وہ شخص یوں دعوی کرے کہ یہ میرا گھر ہے اور میں اس کے رقبہ کا دعوی کرتا ہوں سو اگر وہ مجھ کو پہنچا تو بہتر ہے اور نہیں تو میں اپنے شفعہ کے دعوی پر ہوں اس واسطے کہ یہ سب ایک کلام ہے تو طلب شفعہ سے سکوت ثابت نہ ہو گا کذا فی الطحطاوی عن الحموی استولی الشفیع علیہا بلا قضاء ان اعتمد علی قول عالم لا یکون ظالما والا کان ظالما شفیع نے غلبہ کر کے عمل کر لیا گھر پر بدون حکم قاضی کے تو اگر شفیع نے کسی عالم کے قول پر اعتماد کیا ہے تو وہ ظالم نہ ہو گا اور نہیں تو وہ ظالم ٹھہرے گا م شیخ صالح ابن مصنف نے کہا کہ مجھ کو اس مسئلہ میں اعتراض ہے اس واسطے کہ درر وغیرہ کتب فقہ میں یہ مصرح ہے کہ شفیع کی ملک ثابت نہیں مگر تراضی یا قضاء قاضی سے پھر جب کہ بدون اس کے بمجرد قول عالم کے اس نے استیلا کیا تو یہ استیلا ہوا غیر کی ملک پر تو یہ صریح ظلم ہے اور اگر مجرد استقرار شفعہ کو اعتبار کیجیے تو وہ فقط گواہ کرنے سے موجود ہو جاتا ہے تو عالم کے قول کی بھی کچھ حاجت نہیں اور نہ تراضی اور قضاء قاضی کی حلبی نے کہا جب ظالم ٹھہرے گا تو اس پر تعزیر ہو گی اشیاء علی عدد الرؤس العقل والشفعۃ واجرۃ القسام والطریق اذا اختلفوا فیہ الکل فی الاشباہ چند چیزیں عدد اشخاص پر ہیں ایک تو دیت دوسرے شفعہ تیسرے قسمت کرنے والے کی اجرت چوتھے راہ جب کہ اس میں لوگ اختلاف کریں یہ سب مسائل مذکورہ

اشباہ میں ہیں ہم دیت کی صورت یہ ہے کہ اگر مقتول پایا گیا مکان مملوک میں تو اس کی دیت اس مکان کے سب مالکوں پر لازم ہوگی برابر خواہ کسی کی ملک کم ہو یا زیادہ اور شفعہ کی برابری خود مذکور ہو چکی اور اجرت قسام کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے زمین کی قسمت کر دی شریکوں میں تو اس کی اجرت امام کے نزدیک سب پر برابر ہے اگرچہ ایک کا حصہ قلیل ہو اور دوسرے کا کثیر اور صاحبین کے نزدیک اجرت بقدر ملک ہے اور راہ سے کوچہ غیر نافذہ مراد ہے اس واسطے کہ شارع عام کسی کا مملوک نہیں اور طریق کے مانند گھر کا صحن ہے جب کہ ارباب بیوت اس میں اختلاف کریں اس واسطے کہ وہ لوگ چلنے اور وضو کرنے اور لکڑی چیرنے اور اسباب رکھنے میں سب برابر ہیں یعنی اگرچہ ایک شخص کا دالان طویل ہو اور دوسرے کی کوٹھری کوتاہ کذا فی حاشیۃ الاشباہ لابی السعود ولا شفعۃ لمرتد ہنا یہ شفعہ کا حق ثابت نہیں مرتد کے واسطے کذا فی العنایۃ صبی شفیع لا ولی لہ لا تبطل شفعتہ وان نصب القاضی قیما بطلبہا جاز جوہرہ ایک لڑکا شفیع ہے جس کا کوئی والی نہیں تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا اور اگر قاضی اس کی طرف سے کوئی کارپرداز قائم کرے اور وہ شفعہ لڑکے کے واسطے طلب کرے تو جائز ہے کذا فی الجوہرۃ شری کرما ولہ شفیع غائب فاثمرت الاشجار فاکلہا المشتری ثم اتی الشفیع واخذہ ان الاشجار وقت القبض مثمرۃ سقط بقدرہ والا لا انہ لا حصۃ لہ من الثمن حینئذ مؤید زادہ معزیا لواقعات الحسامی انگور کا باغ خرید کیا اور اس کا شفیع غائب ہے سو درخت پھل لائے اور مشتری نے ان کو کھایا پھر شفیع آیا اور اس نے وہ باغ بدعوی شفعہ لیا اگر درخت قبض مشتری کے وقت پھلے ہو تو بقدر قیمت پھلوں کے ثمن سے ساقط ہوگا اور اگر پھلے نہ ہوں گے قبض کے وقت تو ثمن سے کچھ ساقط نہ ہوگا اس واسطے کہ پھل کا کچھ حصہ نہ تھا ثمن میں اس وقت کذا ذکرہ مؤید زادہ من واقعات الحسامی وفی الوہبانیۃ ؎ یاخذ فیما اشتری لصغیرہ اب ووصی للبلوغ لو اخر ؛ اور وہبانیہ میں ہے اور باپ شفعہ لے اس میں جو اس نے اپنے صغیر فرزند کے واسطے خرید کیا اور وصی مخاصمت میں تاخیر کرے یتیم کے بلوغ تک ہم اگرچہ خصومت میں تاخیر جاہیے لیکن وصی کو لازم ہے کہ طلب شفعہ کرے اور خرید کے دن گواہ کر رکھے چنانچہ خزانۃ الاکمل میں ہے یعنی اس واسطے کہ تاخیر طلب سے شفعہ باطل نہ ہو جائے ؎ ولیس لہ تفریق دارین بیعتا ؛ ولو بغیر جار فالتفرق احید ؛ اور شفیع کو جائز نہیں تفریق کرنا ان دو گھروں کا جو ساتھ ہی بیچے اور وہ دونوں کا شفیع ہے اور اگر شفیع ہمسایہ نہیں دوسرے گھر کا تو تفریق لائق تر ہے تفریق اس واسطے کہ وہ تفریق صفقہ کے موجب ہے اور ایک گھر کا شفیع ہے اور دوسرے کا نہیں تو تفریق جائز ہے چنانچہ سابق میں مذکور ہو چکا ؎ وما ضر اسقاط التحیل مسقطا ؛ وتحلیفہ فی النکر لا شک انکر ؛ اور ضرر نہیں کرتا اسقاط شفعہ کا حیلہ سے درانحالیکہ وہ قاصد ہے اسقاط کا یعنی کچھ مضائقہ نہیں قصداً شفعہ ساقط کرنے میں حیلہ سے اور تحلیف احد العاقدین کی حالت انکار میں بلا شک منکر اور معیوب ہے شرعاً یعنی اگر بائع یا مشتری انکار کریں کہ ہم نے اسقاط شفعہ کا ارادہ نہیں کیا تو شفیع کو ان سے قسم لینا جائز نہیں کذا فی فتاوی قاضی خان واللہ اعلم واستغفر اللہ الحلیم ؛

◆

کتاب القسمۃ

یہ کتاب ہے قسمت کے بیان میں یعنی ساجھے کی چیز بانٹنا مناسبتہا ان احد الشریکین اذا اراد الافتراق باع فتجب الشفعۃ اوقسم قسمت کی مناسبت شفعہ سے یہ ہے کہ احد الشریکین جب افتراق کا ارادہ کرے تو اپنا حصہ بیع کرے گا تو شفعہ واجب ہوگا یا قسمت کرے گا بدون بیع کے ہی لغۃً اسم للاقتسام کالقدوۃ للاقتداء قسمت لغت میں اسم ہے اقتسام یعنی بانٹ لینے کا جیسے قدوۃ اسم ہے اقتداء کا وشرعا جمع نصیب شائع لہ فی مکان معین اور شرع میں قسمت عبارت ہے ایک شخص کے حصہ شائعہ کے جمع کر دینے سے ایک معین مکان میں ھ مثلاً ایک گھر کے تین شریک ہیں تو ہر شخص کا حصہ ہر جگہ اس گھر میں شائع ہے بلا تعیین پھر جب اس کے تین حصے ہو گئے تو ہر شخص کا حصہ خاص خاص مکان میں مجتمع ہو گیا اسی تعیین حق شائع کا نام قسمت ہے وسببہا طلب الشرکاء او بعضہم الانتفاع بملکہ علی وجہ الخصوص فلو لم یوجد طلبہم لا تصح القسمۃ اور قسمت کا سبب طلب کرنا ہے سب شریکوں کا یا بعض کا اپنی ملک سے منفعت حاصل کرنے کے واسطے بروجہ خصوص تو اگر شریکوں کی طلب نہ پائی جائے تو قسمت کرنا صحیح نہیں ھ مشترک چیز میں ہر شریک نفع لیتا ہے اپنے غیر کے حصہ سے تو طلب قسمت حاکم سے یہ سوال کرنا ہے کہ اس کو اپنے حصہ کے انتفاع سے خاص کر دے اور غیر کو اس کے انتفاع سے روک دے تو حاکم پر اس کی اجابت واجب ہے کذا فی الزیلعی ورکنہا ہو الفعل الذی یحصل بہ الافراز والتعیین بین الانصباء ککیل وذرع اور قسمت کا رکن وہ فعل ہے جس سے جدائی اور تمیز حاصل ہو جائے حصوں کے درمیان چناں چہ پیمانہ کرنا اور گز سے ناپنا ھ یعنی چناں چہ کیلی چیز کو پیمانہ کرنا اور وزنی چیز کو تولنا اور عددی چیز کو شمار کرنا اور ذرعی چیز کو گز سے ناپنا یہ رکن ہے قسمت کا کہ بدون اس کے قسمت کا وجود نہیں وشرطہا عدم فوت المنفعۃ بالقسمۃ ولذا لا یقسم نحو حائط وحمام اور شرط قسمت کی یہ ہے کہ مشترک چیز کی منفعت فوت نہ ہو جاوے بانٹنے سے اور اسی واسطے قسمت نہیں کی جاتی دیوار اور حمام اور مانند اس کے ھ عدم فوت منفعت یہ شرط ہے زبردستی قسمت کی اس واسطے کہ قسمت سے غرض مقصود توفیر منفعت ہے پھر جب منفعت ہی نہ رہی تو حاکم قسمت پر جبر نہیں کر سکتا ایک شریک کے طلب سے ہاں اگر سب شریک طلب کریں تو قسمت صحیح ہے چناں چہ آگے مذکور ہوگا وحکمہا تعیین نصیب کل من الشرکاء علیحدۃ اور حکم یعنی قسمت کا اثر مترتب معین کر دینا ہے ہر شریک کے حصہ کا علیحدہ علیحدہ وتشتمل مطلقا علی معنی الافراز وہو اخذ عین حقہ وعلی معنی المبادلۃ وہی اخذ عوض حقہ اور مطلقا یعنی مثلی اور قیمتی دونوں میں قسمت شامل ہے معنی افراز اور معنی مبادلہ پر افراز سے مراد لینا ہے اپنے حق کا بعینہٖ اور مبادلہ سے مراد بدلہ لینا ہے اپنے حق کا ھ بیان اشتمال یہ ہے کہ جو حصہ ہر شریک لیتا ہے اس کے اجزاء میں ہر جزو شامل ہے نصفین کو ایک نصف تو اسی شریک کا ہے تو اس کا لینا افراز ہوا یعنی اپنا حق بعینہٖ پایا اور دوسرا نصف اس کے شریک کا تھا اس کو لیا اس کے عوض جو اس کے حصہ میں سے شریک ثانی کے قبضہ میں ہے تو اس کا لینا بھی مبادلہ ظہرا کذا فی الشمنی والافراز ہو الغالب فی المثلی ومافی حکمہ کالعددی المتقارب فان معنی الافراز غالب فیہ ایضا ابن کمال عن الکافی اور افراز یعنی اپنا حق بعینہٖ لینا غالب ہے مثلی چیز اور جو مثلی کے حکم میں ہے چناں چہ عددی متقارب جیسے بیضہ اور جوز اس واسطے کہ افراز کے معنی اس میں بھی مثلی کے مانند غالب ہیں ایسا نقل کیا ہے ابن کمال نے کافی سے ھ مثلی میں معنی افراز اس واسطے غالب ہیں کہ اس کی ابعاض اور افراد میں تفاوت نہیں اس واسطے کہ مثلاً گیہوں اور جو میں سے جو ایک شریک لیتا ہے وہ اس کی مثل ہے

ظاہر اور باطن میں جو دوسرا شریک لیتا ہے تو اس کو بعینہٖ اس کا قرار دینا ممکن ہے والمبادلۃ غالبۃ فی غیرہ ای غیر المثلی وھو القیمی اور مبادلہ غالب ہے مثلی کے سوا یعنی قیمی میں ہم قیمت والی چیز چناں چہ حیوانات اور اسباب اور زمین میں اس واسطے مبادلہ غالب ہوا کہ ان میں بہت تفاوت ہوتا ہے چناں چہ ایک گھوڑا سو درم کا اور دوسرا ہزار درم کا تو اس کو عین حق قرار دینا ممکن نہیں ہے کیوں کہ دونوں حصوں میں بالیقین معادلہ اور مساوات ثابت نہیں اذا تقرر ہذا الاصل فیاخذ الشریک حصتہ لغیبۃ صاحبہ فی الاول ای المثلی لعدم التفاوت لا الثانی ای القیمی لتفاوتہ جب کہ یہ قاعدہ ثابت ہو چکا کہ مثلی میں افراز غالب ہے اور قیمی میں مبادلہ تو شریک اپنا حصہ لے اپنے ساتھی شریک کے غائب ہونے سے اول میں یعنی مثلی میں عدم تفاوت افراد کے سبب سے نہ حصہ لے اس کی غیبت سے ثانی میں یعنی قیمی میں اس کے تفاوت افراد کے سبب سے فی الخانیۃ مکیل او موزون بین حاضر و غائب او بالغ و صغیر فاخذ الحاضر او البالغ نصیبہ نفذت القسمۃ ان سلم حظ الآخرین والا لا خانیہ یعنی فتاوی قاضی خان میں کیلی یا وزنی چیز مشترک ہے درمیان حاضر اور غائب کے یا درمیان بالغ اور صغیر کے سو شریک حاضر یا شریک بالغ نے اپنا حصہ لیا تو قسمت نافذ ہوگی اگر دونوں شریکوں کا حصہ تسلیم کر دیا اور اگر تسلیم نہیں کیا تو قسمت نافذ نہ ہوگی اور اگر ما بقی تلف ہوگیا غائب یا صغیر کے وصول سے پہلے تو دونوں کا نقصان ہوگا یعنی غائب اور حاضر کا یا بالغ اور صغیر کا نہ فقط غائب اور صغیر کا کصبرۃ بین دہقان وزارع امرہ الدہقان بقسمتہا ان ذہب بما افرزہ الدہقان اولا فہلاک الباقی علیہما وان بحظ نفسہ اولا فالہلاک علی الدہقان خاصۃ کذا قالہ بعض المشائخ انتہی منح چناں چہ اناج کا ڈھیر مشترک ہے درمیان زمیندار اور مزارع کے زمیندار نے مزارع کو اس کے بانٹنے کا امر کیا تو اگر مزارع وہ اناج جس کو زمیندار کے واسطے جدا کیا تھا زمیندار کی طرف لے گیا پہلے تو باقی اناج کا تلف ہوجانا دونوں پر پڑے گا اور اگر مزارع پہلے اپنا حصہ لے گیا تو باقی کی ہلاکی فقط زمیندار پر پڑیگی یہ کہا ہے بعض مشائخ نے انتہی کلام قاضیخان ملخصاً ہم عالمگیری میں یہ مسئلہ ذخیرہ سے یوں منقول ہے کہ قاعدہ کلیہ قسمت مکیل اور موزون میں یہ ہے کہ جب ایک شریک کا حصہ ہلاک ہوگیا قبل قبض تو قسمت منقوض ہوگی اور ویسا حال ہوجاویگا جیسا کہ قسمت سے پہلے تھا اور اگر اس کا حصہ تلف ہوگیا جس نے خود کیل اور وزن کیا نہ دوسرے کا حصہ تو قسمت برقرار ہے اسی قاعدہ سے ہم نے یہ کہا کہ اگر زمیندار مزارع سے کہے کہ غلہ بانٹ اور میرا حصہ اپنے حصہ سے جدا کر سو اس نے ایسا ہی کیا تو اگر زمین دار کا حصہ قبل از قبض ہلاک ہوگیا تو قسمت منقوض ہے اور زمیندار مزارع کے حصہ سے نصف لے گا اس واسطے کہ زمیندار کا حصہ قبل از قبض تلف ہوگیا اور اگر مزارع کا حصہ تلف ہوگیا تو قسمت برقرار ہے انتہی اور جو شارح نے قاضی خان سے نقل کیا وہ اس کے مخالف ہے اور ظاہر الروایت عالمگیری کے ذخیرہ سے معتمد علیہ ہے و لہٰذا قاضی خان نے اس قول کو بعض مشائخؒ کی طرف نسبت کیا ہے تو یہ وجہ اختلاف پر دلیل ظاہر ہے کذا فی الطحطاوی وان اجبر علیہا ای علی قسمۃ غیر المثلی فی متحد الجنس منہ فقط سوی رقیق غیر المغنم عند طلب الخصم فیجبر لما فیہا من معنی الافراز ایک شریک دوسرے شریک کی غیبت میں اپنا حصہ نہیں لیتا قیمی میں اگرچہ غیر مثلی کی قسمت پر جبر کیا جاتا ہے فقط متحد الجنس میں ماسوائے اس غلام کے جو غنیمت کا نہیں جب کہ خصم قسمت طلب کرے تو قیمی میں جبر اس واسطے ہے کہ اس میں معنی افراز ہے ہم یہ جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ مبادلہ غالب ہے غیر مثلی میں باوجودیکہ متحد الجنس غیر مثلی میں قسمت پر جبر کیا جاتا ہے حالاں کہ مبادلہ میں جبر جاری نہیں خلاصہ جواب یہ ہے کہ جبر علی القسمۃ باعتبار معنی افراز کے ہے کہ اس میں تکمیل منفعت ہے اور متحد الجنس میں مقاصد متقارب ہیں تو جبر اس پر جائز ہوتا کہ ضرر دفع ہو اس واسطے کہ طالب قسمت چاہتا ہے کہ میرا انتفاع میرے حصہ سے مخصوص ہوجاوے اور اس کی ملک میں غیر کا تصرف نہ رہے اور دوسرا جواب شارح اور دیتا ہے علی ان المبادلۃ قد یجری فیہا الجبر عند تعلق حق الغیر کما فی الشفعۃ وبیع ملک المدیون لوفاء دینہ اس کے علاوہ یہ ہے کہ مبادلہ میں گاہے جبر جاری ہوتا ہے حق غیر کے متعلق ہونے کے نزدیک چناں چہ شفعہ میں اور مدیون کی ملک بیچنے میں اس کے دین کے ادا کرنے کے واسطے وینصب قاسم یرزق من بیت المال لیقسم بلا اخذ اجرۃ منہم وہو احب وما فی بعض النسخ واجب غلط اور مقرر کیا جاوے ایک قاسم جس کو روزی دی جائے بیت المال سے تو وہ قسمت کر دیا کرے

بدون یعنی اجرت کے شریکوں سے اور وہ یعنی تقسیم بلا اجرت مستحب ہے اور یہ جو بعض نسخ در المختار میں ہے کہ تقسیم بلا اجرت واجب ہے سو غلط ہے وان نصب باجر المثل صح لانہا لیست بقضاء حقیقۃ فیجاز لہ اخذ الاجرۃ علیہا وان لم یجز علی القضاء ذکرہ اخی زادہ اور اگر قسمت کرنے والا اجرت مثل پر مقرر کیا جائے تو صحیح ہے اس لیے کہ قسمت کرنا حقیقت میں قضا نہیں تو قاسم کو اجرت لینا قسمت کرنے پر جائز ہے اگرچہ قضا پر اجرت لینا درست نہیں کذا ذکرہ اخی زادہ ھم اور اگر قاضی خود قسمت کرے تو اجرت لینے میں اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ جائز نہیں کذا فی الغرر وہو علی عدد الرؤس مطلقا لا الانصباء خلافا لہما اور وہ یعنی اجر مثل شریکوں کی شمار پر ہے مطلقا یعنی خواہ سب شریک طالب قسمت ہوں یا بعض نہ حصوں پر برخلاف صاحبین کے ھم صاحبین کے نزدیک اجرت مثل حصوں کے موافق ہے تو زیادہ حصہ والا زیادہ اجرت دے اور کم حصہ والا کم دے قیدنا بالقاسم لان اجرۃ الکیال والوازن لقدر الانصباء اجماعا وکذا سائر المؤن کاجرۃ الراعی والحمل والحفظ وغیرہا شرح مجمع زاد فی الملتقی ان لم یکن للقسمۃ وان لہا فعلی الخلاف لکن ذکرہ فی الہدایۃ بلفظ قیل وتمامہ فیما علقتہ علیہ اختلاف اجرت میں ہم نے قاسم کی قید لگائی اس واسطے کہ کیل کرنے والے اور وزن کرنے والے کی اجرت بقدر حصوں کے ہے باتفاق امام اور صاحبین کے اور اسی طرح باقی مصارف شرکت میں اجرت بقدر حصوں کے ہے جیسے چرانے والے کی اجرت اور بار برداری کی اجرت اور حفاظت کی اجرت وغیر ذلک کذا فی شرح المجمع ملتقی میں اتنی قید زیادہ لگائی ہے کہ اجرت بقدر حصہ اس وقت ہے جب کہ وہ چیز قسمت کے واسطے نہ ہو اس طرح کہ دو شریکوں نے مکیل یا موزون خرید کیا اور ایک آدمی سے اس کے کیل یا وزن کا امر کیا تا اس کی مقدار معلوم ہو تو اس کی اجرت بقدر سہام ہوگی کذا فی درالمنتقی اور اگر وہ چیز قسمت کے واسطے ہو تو اس میں وہی خلاف ہے امام اور صاحبین کا لیکن ہدایہ میں اس قید کو بلفظ قیل جو ضعف پر دلالت کرتا ہے ذکر کیا ہے اور پورا اس کا بیان ملتقی کی ہماری شرح میں ہے ولقاسم یجب کونہ عدلا امینا عالما بہا اور واجب ہے ہونا قاسم کا متقی اور امانت دار اور قسمت کا واقف کار ھم تو فاسق اور خائن اور اس جاہل کا قسمت کرنا جائز نہیں جو قسمت کرنا نہیں جانتا ہے اگرچہ وہ مولوی ہو ولا یتعین واحد لہا لئلا یتحکم بالزیادۃ اور ایک شخص قسمت کرنے کے واسطے متعین نہ کیا جاوے تاکہ وہ زیادت اجرت مثل پر تحکم نہ کرے ولا یشترک القسام خوف تواطئہم اور قسمت کرنے والے لوگ باہم شرکت نہ کرلیں ان کے اتفاق کے خوف سے ھم یعنی اگر ان میں اشتراک ہوگا تو اس کا خوف ہے کہ اتفاق کرکے اجرت گراں کردیں تو اس میں لوگوں کا ضرر ہوگا طحطاوی نے کہا قسام جمع ہے قاسم کی وصحت برضی الشرکاء الا اذا کان فیہم صغیر او مجنون لا نائب عنہ او غائب لا وکیل عنہ لعدم لزومہا حینئذ الا باجازۃ القاضی او الغائب او الصبی اذا بلغ او ولیہ ہذا لو ورثۃ ولو شرکاء بطلت منیۃ المفتی وغیرہا اور قسمت صحیح ہے سب شریکوں کی رضامندی سے مگر جب کہ ان میں کوئی شریک صغیر یا مجنون ہو جس کی طرف سے کوئی نائب نہیں ہے یا کوئی شریک غائب ہے جس کی طرف سے کوئی وکیل نہیں قسمت مذکورہ صحیح نہ ہوگی اس کے نہ لازم ہونے کے سبب سے اس وقت میں مگر قاضی یا غائب یا صغیر کی اجازت سے جب کہ وہ بالغ ہوجائے یا اس کے ولی کی اجازت سے قسمت صحیح ہوگی یہ یعنی قسمت کی صحت کا موقوف ہونا اشخاص مذکورین کی اجازت پر اس وقت ہے جب کہ شرکاء وارث ہوں اور اگر شریک ہوں یعنی کسی چیز کے خرید کرنے سے ان میں شرکت حاصل ہوئی ہو تو قسمت باطل ہے کذا فی منیۃ المفتی وغیرہا ھم طحطاوی میں عالمگیری سے یوں منقول ہے اور اگر شریک مشتری ہوں تو قسمت نہ ہوگی ایک شریک کے غائب ہونے سے تا حضور غائب اگرچہ شرکاء حاضرین گواہ لاویں خریداری پر وقسم نقلی یدعون ارثہ بینہم او ملکہ مطلقا او شراءہ صدر الشریعۃ فلا فرق فی النقلی بین شراء و ارث و ملک مطلق اور قسمت کیا جائے وہ مال منقول جس کی میراث کا اپنا بینہم شرکاء دعوی کرتے ہیں یا اس کی ملک مطلق کا دعوی کرتے ہیں یا اس کی خریداری کا دعوی کرتے ہیں کذا فی شرح الوقایۃ لصدر الشریعۃ تو کچھ فرق نہیں نقلی یعنی مال منقول میں درمیان خریدار اور میراث اور ملک مطلق کے ھم منقول کی قسمت بلا مزید تحقیق اس واسطے جائز ہوئی کہ منقول معرض تلف میں ہے تو قسمت میں اس کا حفظ ہے اور حق دار کا حق پہنچتا ہے اور قبضہ دلیل ہے ملک کی اور اقرار دلیل ہے

صدق کی اور کوئی ان کے ساتھ منازع نہیں قلت ومن المنقول البناء والاشجار حیث لم تتبدل المنفعۃ بالقسمۃ وان تبدلت فلا جبر قالہ شیخنا میں کہتا ہوں اور منجملہ مال منقول عمارت اور اشجار ہیں جہاں منفعت بتبدل نہ ہو قسمت کرنے سے اور اگر منفعت بدل جاتی ہو قسمت سے تو وہاں قسمت پر جبر نہیں یہ کہا ہے ہمارے استاد نے وعقار یدعون شراءہ او ملکہ مطلقا اور قسمت کیا جائے وہ مال غیر منقول جس کی خرید کا یا اس کی ملک مطلق کا شرکا دعویٰ کرتے ہیں **فان ادعوا انہ میراث عن زید لا یقسم حتی یبرہنوا علی موتہ وعدد ورثتہ** پھر اگر شریک دعویٰ کریں کہ غیر منقول میراث ہے زید سے تو اس کی قسمت نہ کی جائے یہاں تک کہ گواہ لاویں زید کی موت پر اور اس کے وارثوں کے شمار پر وقالا یقسم باعترافہم کما فی الصورۃ الاخریٰ اور صاحبین نے کہا کہ غیر منقول کی بھی تقسیم کی جائے گی محض ان کے اقرار سے چنانچہ اور صورتوں میں قسمت ہوتی ہے یعنی خرید اور ملک مطلق کی صورت میں **ولو ان برہنا ان العقار معہما حتی یبرہنا انہ لہما اتفاقا فی الاصح** لانہ یحتمل انہ معہما باجارۃ او اعارۃ فتکون قسمۃ حفظ والعقار محفوظ بنفسہ اور قسمت نہ ہوگی اگر دو شخصوں نے دعویٰ کیا کہ غیر منقول ان کے ساتھ ہے یعنی ان کے قبضہ میں ہے یہاں تک کہ گواہ لاویں اس پر کہ غیر منقول انھیں دونوں کا مملوک ہے باتفاق امام اور صاحبین کے قول اصح میں اس لیے کہ احتمال رکھتا ہے کہ غیر منقول ان کے قبضہ میں بطریق اجارہ یا عاریت کے ہو تو اس صورت میں قسمت حفاظت کی ٹھہرے گی اور حالانکہ غیر منقول بذات خود محفوظ ہے **ولو برہنا علی الموت وعدد الورثۃ** وہو ای العقار قلت قال شیخنا وکذا المنقول بالاولیٰ **وفیہم صغیر او غائب قسم بینہم ونصب قابض لہما** نظرا للغائب والصغیر اور اگر گواہ لائے مورث کی موت پر اور وارثوں کی شمار پر اور وہ یعنی عقار غیر منقول ان کے قبضہ میں ہے اور وارثوں میں صغیر حاضر ہے یا ایک وارث کبیر غائب ہے تو ورثہ حاضرین میں قسمت کی جائے اور صغیر کے واسطے ایک شخص ان کے حصہ کا قبض کرنے والا مقرر کیا جائے تاکہ ان کی حق تلفی نہ ہو ولا بد من البینۃ علی اصل المیراث عندہ ایضا خلافا لہما کما مر اور ضرور ہے شہادت سے اصل میراث پر بھی امام کے نزدیک برخلاف صاحبین چنانچہ مذکور ہو چکا ہے اصل میراث کی گواہی یہ کہ یہ گھر ان کی میراث ہے ان کے باپ کی جانب سے مثلا کذا فی الطحطاوی **فان برہن وارث واحد لا یقسم** اذ لا بد من حضور اثنین ولو احدہما صغیرا او موصی لہ اور ایک وارث اگر موت اور عدد ورثہ پر گواہ لاوے تو قسمت نہ ہوگی اس واسطے کہ دو وارثوں کا حاضر ہونا ضروری ہے اگرچہ ان میں سے ایک صغیر ہو یا موصی لہ **او کانوا** ای الشرکاء **مشترین** ای شرکاء بغیر الارث **وغاب احدہم** لان فی الشراء لا یصلح الحاضر خصما عن الغائب بخلاف الارث یا شریک خریدار ہوں یعنی شریک ہوں بدون میراث کے اور ایک شریک ان میں سے غائب ہو تو قسمت نہ ہوگی اس واسطے کہ خریداری کی شرکت میں شریک حاضر شریک غائب کی طرف سے خصم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا برخلاف میراث کے کہ اس میں ایک وارث اور وارثوں کی طرف سے خصم ہو سکتا ہے **او کان** فی صورۃ ارث العقار او بعضہ **مع الوارث الطفل او الغائب او کان شیء منہ لا یقسم** للزوم القضاء علی الطفل او الغائب بلا خصم حاضر عنہما یا کہ عقار یا بعض عقار کی میراث کی صورتوں میں وارث صغیر یا غائب وارث کے قبضے میں ہو یا عقار سے کچھ ہو تو اس کی قسمت نہ ہوگی بسبب لازم ہونے قضا کے صغیر یا غائب پر بدون حاضر ہونے خصم کے دونوں کی طرف سے ھ صغیر کی مانند اس کی ماں ہے اور غائب کے مانند اس کا مودع ہے حلبی نے کہا شارح کا قول او بعضہ مکرر ہو گیا متن کے اس قول کے ساتھ او شیء منہ **وقسم المال المشترک بطلب احدہم ان انتفع کل بحصتہ بعد القسمۃ** اور مال مشترک قسمت کیا جائے ایک شریک کی طلب سے اگر ہر شریک اپنے حصہ سے نفع حاصل کر سکے قسمت کے بعد **وبطلب ذی الکثیر ان لم ینتفع الآخر لقلۃ حصتہ** اور زیادہ حصہ والے کی طلب سے قسمت کی جائے اگر دوسرے شریک کو نفع حاصل نہ ہو قلت حصہ کے سبب سے ھ یعنی اگر ایک شریک کو نفع حاصل ہوتا ہو کثرت حصوں کے سبب سے اور دوسرے کو ضرر ہوتا ہو قلت حصہ کے سبب سے تو اگر صاحب کثرت قسمت طلب کرے تو قسمت ہوگی اور اگر صاحب قلت طلب کرے تو قسمت نہ ہوگی یہ خصاف نے ذکر کیا ہے کافی میں کہا یہ قول اصح ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے

کذا فی الدرر و فی الخانیہ یقسم بطلب کل وعلیہ الفتوی لکن المتون علی الاول فعلیہا المعول اور خانیہ میں ہے کہ مال مشترک قسمت کیا جائے صاحب قلیل اور صاحب کثیر ہر ایک کی طلب سے اور اسی پر فتوی ہے لیکن متون فقہ قول اول پر شامل ہیں یعنی عدم قسمت پر صاحب قلیل کی طلب سے تو متون ہی کی روایت قابل اعتماد کے ہیں وان تضرر الکل لم یقسم الا برضاہم لئلا یعود علی موضوعہ بالنقض اور اگر قسمت سے سب شریکوں کو ضرر ہوتا ہے تو قسمت نہ ہوگی مگر سب شرکوں کی رضامندی سے تاکہ قسمت عود نہ کرے اپنے موضوع پر منقوض ہوکر ھ یعنی موضوع قسمت یہ تھا کہ ہر شریک نفع پاوے اپنی خاص ملک سے سو یہاں مفقود ہے کذا فی العینی ہاں اگر سب راضی ہوں تو قسمت درست ہے کہ حق ان کا ہے اور وہ اپنی حاجت سے زیادہ تر واقف ہیں لیکن قاضی اس کا مباشر نہ ہوا اگرچہ وہ طلب کریں اور نہ اس کو منع کرے کذا فی الزیلعی۔ فی المجتبی حانوت لہما یعملان فیہ طلب احدہما القسمۃ ان امکن لکل ان یعمل فیہ بعد القسمۃ ما کان یعمل فیہ قبلہا قسم والا لا مجتبی میں ہے کہ ایک دکان ہے شریکوں کی جس میں وہ اپنا کام کرتے ہیں سو ایک شریک نے قسمت طلب کی اور دوسرا شریک نہیں مانتا ہے تو اگر ایسا ممکن ہو کہ ہر ایک اس میں کام کرے قسمت کے بعد جیسا کام کہ قسمت سے پہلے کرتا تھا تو قسمت کی جائے اور اگر ایسا نہ ہو تو قسمت نہ کی جائے وقسم عروض اتحد جنسہا لا الجنسان بعضہما فی بعض لوقوعہا معاوضۃ لا تمیزا فیعتمد التراضی دون جبر القاضی اور قسمت کی جائے ان عروض اور اسباب کی جن کی جنس متحد ہے نہ قسمت کی جاویں دو جنسیں اس طرح کہ بعض جنس بعضے شریک کو دی جائے بسبب واقع ہونے قسمت کے معاوضہ ہوکر نہ تمیز ہوکر تو اختلاف جنس پر تراضی شرکا پر اعتماد کیا جائے نہ قاضی کے جبر کرنے پر ھ یعنی اگر متاع اور اسباب ایک جنس ہے چنانچہ مکیل یا موزون یا عددی متقارب یا چاندی سونا تو اس میں ایک شریک کی طلب سے قاضی جبر کرے گا قسمت پر اس طرح کہ کچھ اس شریک کو دے گا اور کچھ دوسرے کو اس واسطے کہ مقصود دونوں میں برابر ہے تو قسمت تمیز واقع ہوئی لہذا قاضی کو اس میں جبر کا اختیار ہوگا اور درر میں ہے کہ جنسین کی قسمت میں ادخال بعض کا بعض میں اس طرح صحیح نہیں کہ ایک شریک کو اونٹ دیجئے اور دوسرے کو دو بکریاں مثلاً اس جنس کو دوسری جنس سے مقابلہ کرکے اس واسطے کہ دونوں جنسوں میں اختلاط اور اتحاد نہیں تو یہاں قسمت تمیز واقع نہ ہوئی بلکہ معاوضہ ہوگئی تو یہاں تراضی پر اعتماد ہوگا نہ قاضی کے جبر پر اس واسطے کہ قاضی کو جبر کا وہاں اختیار رہے جہاں قسمت بمعنی تمیز ہو نہ بمعنی معاوضہ انتہی ولا الرقیق وحدہ لفحش التفاوت فی الادمی اور نہ قسمت کیا جائے فقط مملوک یعنی لونڈی غلام اس واسطے کہ آدمی میں تفاوت بہت ہوتا ہے ھ آدمی میں تفاوت ہونا معانی باطنہ کے سبب سے چنانچہ ذہن اور ہوشیاری بخلاف باقی حیوانات کہ ان میں تفاوت قلیل ہے اتحاد جنس کی صورت میں فقط کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر لونڈی غلام کے ساتھ کوئی اور چیز قابل قسمت نہ ہوگی تو اس وقت مملوک کی بھی اس کے ساتھ مل کر قسمت ہو جاوے گی باتفاق امام اور صاحبین کے وقالا یقسم لو ذکورا فقط او اناثا فقط کما یقسم الابل والغنم ورقیق المغنم اور صاحبین نے کہا کہ اگر مملوک فقط غلام ہو یا فقط لونڈیاں ہوں تو قسمت ہوگی جیسے اونٹ اور بھیڑ بکری اور غنیمت کے لونڈی غلام کی قسمت ہوتی ہے ولا الجواہر لفحش تفاوتہا اور نہ قسمت کیے جاویں جواہرات ان کی کثرت تفاوت کے سبب سے ھ اگرچہ جواہر ایک ہی جنس ہوں تو بھی قسمت نہ ہوگی اس واسطے کہ ان کی قیمت میں بڑا تفاوت ہوتا ہے تو تعدیل نہیں ہوسکتی ولا الحمام والبئر والرحی والکتب وکل ما فی قسمتہ ضرر اور نہ کیا جائے قسمت حمام اور کنواں اور چکی اور کتابیں اور جس چیز کی قسمت میں ضرر ہو ھ شارح نے عدم قسمت کی چند مثالیں دے کر بطور عطف عام کے علت عدم قسمت پر اشارہ کر دیا کہ جس چیز کی قسمت میں ضرر ہوتا ہے وہ قسمت پذیر نہیں اس واسطے کہ قسمت تو تکمیل منفعت کے واسطے ہے پھر جب ہر شخص کا حصہ انتفاع مقصود کے لائق نہ رہا تو معنی قسمت مستحق نہ ہوئے الا برضاہم لما مر مگر شریکوں کی رضامندی سے قسمت جائز ہے بدلیل گزشتہ ھ یعنی اگر اشیاء مذکورہ کی قسمت میں باوجود ضرر کے شرکاء راضی ہوں قسمت جائز ہوگی کہ حق تو انھیں کا ہے ولو اراد احدہما البیع وابی الاخر لم یجبر علی بیع نصیبہ خلافا لمالک اور اگر ایک شریک نے بیع کا ارادہ کیا اور دوسرا شریک نہیں مانتا ہے تو اس کے حصہ کی بیع پر جبر نہ کیا جاوے گا برخلاف مذہب امام مالک رح وفی الجواہر لا تقسم الکتب

بین الورثۃ ولکن ینتفع کل بالمهایاۃ ولا تقسم بالاوراق ولو برضاهم اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ کتابیں قسمت نہ ہوں گی وارثوں میں ولیکن ہر وارث ان سے نفع حاصل کرے باری باری اور قسمت کتابوں کی ورقوں کے شمار سے نہ ہوگی اگرچہ وہ اس پر راضی ہوں وکذا لوکان کتابا ذا مجلدات کثیرۃ اور اسی طرح جلد جلد کی قسمت نہ ہوگی اگر ایک کتاب کی بہت مجلدات ہوں ھم یعنی اگر بڑی کتاب جو کئی مجلدات میں تمام ہو چنانچہ فتاوی عالمگیری مثلاً جس کی پانچ چھ مجلد جلد ہوتی ہیں تو ایسی کتاب کی مجلدات کی قسمت نہ ہوگی کہ کوئی شریک کتاب الطہارۃ لے مثلاً اور کوئی کتاب الحج اور کوئی کتاب البیع ولو تراضیا ان تقوم الکتب ویاخذ کل بعضها بالقیمۃ لوکان بالتراضی جاز والا لا اور اگر دو شریک باہم راضی ہو جائیں اس پر کہ کتاب کی قیمت معین کی جائے اور ہر شریک بعض کتب لے قیمت سے تو اگر یہ تراضی طرفین سے ہو تو جائز ہے اور اگر تراضی نہ ہو تو جائز نہیں وفی التتارخانیۃ دار او حانوت بین اثنین لا یمکن قسمتها تشاجرا فیه فقال احدهما لا اکری ولا انتفع وقال الآخر ارید ذلک امر القاضی بالمهایات ثم یقال لمن لا یرید الانتفاع ان شئت فانتفع وان شئت فاغلق الباب اور تاتارخانیہ میں ہے ایک ایسا گھر یا دکان مشترک ہے دو شریکوں میں جس کی قسمت ممکن نہیں ہے دونوں نے اس میں جھگڑا کیا سو ایک شریک کہتا ہے کہ میں اس کو کرایہ نہ دوں گا اور نہ اس سے نفع لوں گا سکنے وغیرہ سے اور دوسرا شریک کہتا ہے کہ میں اس کا ارادہ رکھتا ہوں یعنی کرایہ دینے کا یا رہنے کا تو قاضی حکم کرے مہایاۃ کا یعنی باری باری فائدہ لینے کا پھر اس شریک سے کہا جائے جو انتفاع کا ارادہ نہیں رکھتا ہے تو اگر چاہے تو اس گھر سے فائدہ لے اور اگر چاہے تو دروازہ بند کر رکھے یعنی اپنی باری میں اس کو انتفاع اور عدم انتفاع کا اختیار ہے اور دوسرے کی باری میں دوسرے کو انتفاع کا اختیار ہوگا چاہے کرایہ دے چاہے آپ رہے دور مشترکۃ او دار وضیعۃ او دار وحانوت قسم کل وحدها منفردۃ مطلقا ولو متلازقۃ او فی محلتین او مصرین مسکین چند گھر مشترک ہیں یا ایک گھر اور زمین مشترک ہے یا ایک گھر اور دکان مشترک ہے تو ہر ایک کی قسمت علیحدہ علیحدہ جدا جدا ہوگی ہر حال میں اگرچہ گھر وغیرہا باہم متصل ہوں یا ایک شہر کے دو محلوں میں ہوں یا دو شہروں میں ہوں کذا فی شرح مسکین ھم یعنی مشترک گھروں میں اس طرح قسمت نہ ہوگی کہ ایک گھر ایک شریک لے اور دوسرا گھر دوسرا شریک اس لیے کہ گھروں کا مقصود نہایت مختلف ہوتا ہے باعتبار محلوں اور پڑوسیوں اور مسجد اور پانی کے نزدیک ہونے کے تو ان کی قسمت میں برابری ممکن نہیں تو ایک شریک کا حصہ ایک گھر میں جمع کر دینا ممکن نہیں بدون آپس کی رضامندی کے اور گھر اور زمین اور گھر اور دکان کی قسمت اختلاف جنس سے جائز نہیں کذا فی الزیلعی اور بیوت قسمت پذیر ہیں مطلقاً اور منازل اگر مجتمع ہوں ایک گھر میں تو قسمت پذیر ہیں اور اگر جدا جدا ہوں تو قسمت پذیر نہیں اس واسطے کہ منزل بیت سے زیادہ اور دار سے کم ہوتی ہے تو منازل متصلہ بیوت سے ملحق ہوئی اور متباینہ دار سے کذا فی الدرر اذا کانت کلها فی مصر واحد او لا دور مشترک وغیرہا کی قسمت مجتمعہ نہ ہوگی جب کہ وہ سب ایک شہر میں ہوں یا نہ ہوں ھم مصنف کے اس قول سے اطلاق معلوم ہوگیا تو شارح کا قول سابق جو شرح مسکین سے نقل کیا مکرر ہوگیا وقالا ان الکل فی مصر واحد فالرأی فیه للقاضی وان فی مصرین فقولهما کقوله اور صاحبین نے کہا کہ سب اشیاء مذکورہ اگر ایک ہی شہر میں واقع ہوں تو اس میں قاضی کی تجویز کو دخل ہے اور اگر اشیاء مذکورہ دو شہروں میں ہوں تو صاحبین کا قول امام کے قول کے مانند ہے یعنی قسمت مجتمعہ جائز نہیں دو شہروں میں اور ایک شہر میں جائز ہے اگر قاضی اس کو بہتر سمجھے والا جائز نہیں ولیصور القاسم ما یقسمه علی قرطاس لیرفعه للقاضی ویعدله علی سهام القسمۃ اور قاسم نقشہ بنا دے کاغذ پر اس کا جس کی قسمت کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ نقشہ قاضی کے سامنے کرے اور مقسوم کی قسمت کے حصوں پر تعدیل اور تسویہ کرے ھم تسویہ سہام قسمت کی یہ صورت ہے کہ کم تر سہام کو تامل کرے تو مقسوم کو اسی پر جاری کرے تو اگر اقل سہام ثلث ہو تو اس کو اثلاث کرے اور اگر سدس ہو تو اسداس کرے کذا فی الطحاوی عن الشمنی ویذرعه اور گز سے اس کو پیمائش کرے اس واسطے کہ مساحت کی مقدار گز سے معلوم ہوتی ہے ویقوم البناء اور عمارت کی قیمت مقرر کرے ھم تقویم عمارت اس واسطے ہے کہ عمارت کی قسمت علیحدہ ہوتی ہے تو جب زمین کی قسمت پیمائش سے ہو چکی اور عمارت ایک شریک کے حصے

واقع ہو تو صاحب عمارت دوسرے شریک کو اس کی قیمت دے کذا فی النہایۃ ویفرز کل نصیب بطریقہ وشربہ اور قاسم جدا کر دے ہر حصہ کو اس کے راہ اور پانی کی آمد کے ساتھ ہم ہر حصہ کی راہ وغیرہ جدا کر دینے سے یہ فائدہ ہے تاکہ ایک شخص کا حصہ دوسرے شریک کے حصہ سے متعلق نہ رہے تو تمیز اور افراز کے معنی علی وجہ الکمال حاصل ہوں ویلقب الانصباء بالاول والثانی والثالث وہلم جرا اور قاسم حصوں کو ملقب کرے اول اور ثانی اور ثالث کے ساتھ وعلی ہذا القیاس رابع اور خامس بقدر حاجت کے ہم ترتیب حصص جس طرف سے چاہے شروع کرے تاکہ ہر شریک کے الزام پہ قادر ہو قرعہ نکلنے کے وقت کذا فی الزیلعی ویکتب اسامیہم ویقرع لتطییب النفوس اور شریکوں کے نام لکھے اور قرعہ ڈالے تسکین قلوب کے واسطے ہم ہر شریک کا نام علیحدہ علیحدہ پرچہ کاغذ پہ لکھے اور کاغذ کو مٹی یا موم کے اندر رکھ کر گولی بنا دے جوہرہ میں ہے کہ قرعہ واجب نہیں غرض اس سے تسکین قلوب ہے تاکہ کسی کو جانب داری معلوم نہ ہو تو اگر قاضی بدون قرعہ ڈالنے کے ہر شریک کا حصہ معین کر دے تو جائز ہے فمن خرج اسمہ اولا فلہ السہم الاول ومن خرج ثانیا فلہ السہم الثانی الی ان ینتہی الی الاخیر سو جس کا نام قرعہ میں پہلے نکلے تو اس کے لیے پہلا حصہ ہے اور جس کا نام کہ دوسری بار نکلے اس کا دوسرا حصہ ہے یہاں تک کہ آخیر تک پہنچ جاوے ہم شرح وقایہ میں ہے کہ قاسم خانہ مقسومہ میں جدول کے قلم سے کل ذراع فی ذراع کو بشکل خشت خام کے خانہ بندی کرے اور صحن اور مکانات کو گزوں سے پیمائش کرے اور جدھر سے چاہے قسمت شروع کرے تو اگر غربی جانب کو اول قرار دے تو اس کے متصل کو ثانی ٹھہرا دے اور اس کے متصل کو ثالث وعلی ہذا القیاس تو جس کا نام قرعہ میں اول نکلے تو اس کا حصہ جانب غربی سے دے عمارت اور زمین سے تا اینکہ اس کا حصہ پورا ہو جائے پھر جس کا نام دوسری بار نکلے اس کا حصہ اول کے ساتھ متصل دے خواہ حصص متساوی ہوں خواہ متفاوت ہم طحطاوی میں ہے کہ اگر عقار مشترک میں تین شریک ہوں ایک شریک کا سدس اور دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا نصف ہو مثلاً تو زمین یا گھر کے چھ سہم ٹھہرا دے اور اول کو ملقب بہ سہم اول کرے اور اس کے پاس والے کو ملقب بسہم ثانی وعلیٰ ہذا القیاس سادس تک کرے اور شریکوں کے نام لکھے اور قرعہ ڈالے جس کا نام پہلے نکلے تو اس کو سہم اول دے اور اگر صاحب سدس ہو تو وہ اپنا حق لے اور اگر صاحب ثلث ہو تو اول سہم لے اور اس کے پاس والا دوسرا سہم لے اور اگر صاحب نصف ہو تو اول سہم اور اس کے پاس کے دو سہم اور لے واعلم ان الدراہم لاتدخل فی القسمۃ للعقار الا برضاہم فلو کان ارض وبناء او منقول قسم بالقیمۃ عند الثانی وعند الثالث یرد من العرصۃ بمقابلۃ البناء فان بقی فضل ولا یمکن التسویۃ رد الفضل دراہم للضرورۃ واستحسنہ فی الاختیار اور یہ جان رکھ کہ نقد درم زمین اور گھر کی قسمت میں داخل نہیں ہوتے ہیں مگر شریکوں کی رضامندی سے تو اگر زمین اور عمارت یا مال منقول ہو تو اس کی قسمت قیمت کر کے ہو گی ابو یوسف کے نزدیک اور محمد کے نزدیک زمین پھیر دی جائے عمارت کے مقابلہ میں پھر اگر کچھ عمارت زیادہ باقی رہے زمین دے کر اور برابری دونوں حصوں میں ممکن نہ ہو تو بقدر زیادت درم پھیر دیئے جائیں ضرورت کے سبب سے اور اختیار میں اس قول کو پسند کیا ہے ہم صورت اس کی یہ ہے کہ ایک گھر ہے جماعت کا سو انھوں نے قسمت کا ارادہ کیا اور ایک جانب میں زیادہ عمارت ہے سو ایک شریک نے چاہا کہ عمارت کے عوض درہم دے اور دوسرے نے چاہا کہ اس کے عوض زمین لے تو عوض زمین ہی دی جائے گی اور صاحب عمارت سے درم نہ دلائے جاویں گے مگر جب کہ زمین کا عوض متعذر ہو تو اب قاضی کو یہ درست ہے یعنی درہم دلانا اس واسطے کہ قسمت حقوق ملک سے ہے اور شرکت ان لوگوں کی گھر میں ہے نہ درموں میں تو اس کی قسمت جائز نہ ہو گی جو مشترک نہیں کذا فی الدرر قسم ولاحدہم مسیل ماء او طریق فی ملک الآخر والحال انہ لم یشترط فی القسمۃ صرف عنہ ان امکن والا فسخت القسمۃ اجماعا واستونفت مشترک گھر کی قسمت ہو گئی اور ایک شریک کا نابدان اور راہ آمد و رفت کی دوسرے شریک کی ملک میں ہے اور حالانکہ اشتراک مسیل اور طریق قسمت میں مشروط نہیں ہوا تو نابدان اور راہ اس کی طرف سے دوسری طرف پھیری جائے اگر ممکن ہو اور اگر نہ ہو تو قسمت فسخ کی جائے باتفاق امام اور صاحبین اور پھر سر نو سے قسمت کی جائے اس طرح کہ ہر

شریک کا نابدان اور راہ جدا ہو ھ اور اگر اشتراک راہ اور نابدان کا قسمت میں مشروط ہوگیا تو قسمت برقرار رہے گی کذا فی الجوہرۃ ولو اختلفوا فقال بعضھم ابقینا مشترکا کما کان ان امکن افراز کل فعل کما لبسط الزیلعی اور اگر شریکوں نے اختلاف کیا سو بعضوں نے کہا کہ ہم نے اس کو یعنی راہ کو مشترک باقی رکھا جیسا کہ قبل قسمت کے تھا تو اگر ممکن ہو جدا کرنا ہر شخص کے واسطے تو حاکم ویسا ہی کرے چنانچہ زیلعی نے اس کو مشرح بیان کیا ہے ھ زیلعی میں یوں ہے کہ اگر قسمت کے اندر ادخال طریق میں اختلاف ہوا اس طرح کہ بعضوں نے کہا کہ راہ کی قسمت نہ ہوگی بلکہ وہ مشترک باقی رہے گی جیسے کہ قبل قسمت تھی تو اس میں حاکم تامل کرے سو اگر ہر ایک شریک اپنے حصہ میں راہ نکال سکتا ہو تو حاکم جماعت کی راہ کے سوا اور راہ قسمت کردے تکمیل منفعت کے واسطے تاکہ ہر طرح سے جدائی ہو جائے اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو راہ کو قسمت سے اٹھا رکھے یعنی راہ کو مشترک باقی رکھے کذا فی الطحطاوی مختصرا اختلفوا فی مقدار عرض الطریق جعل عرضہا قدر عرض باب الدار واما فی الارض فبقدر ممر الثور زیلعی شریکوں نے اختلاف کیا عرض طریق کی مقدار میں تو راہ کا عرض گھر کے دروازے کے عرض کے برابر کیا جائے اور زمین میں تو عرض راہ کا بقدر چلنے بیل کے کیا جائے گا در صورت اختلا کذا فی الزیلعی ھ یعنی جب گھر کی قسمت ہوگئی شریکوں میں اور ہر حصہ کی راہ کے عرض میں اختلاف ہوا تو ہر حصہ کی راہ مشترک گھر کے دروازہ کے عرض کے برابر کی جائے گی اس واسطے کہ گھر کا دروازہ متفق علیہ ہے تو مختلف فیہ متفق علیہ کی طرف پھیرا جائے گا اور اس مسئلہ کی دوسری صورت وہ ہے جو مصنف نے اپنی شرح فتاوی قاضیخان سے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک گھر دو شریکوں میں مشترک ہے اور اس گھر میں تیسرے شخص کے مکان کی راہ ہے سو شریکوں نے گھر کی قسمت چاہی اور صاحب طریق نے چاہا کہ ان کو قسمت سے منع کرے تو اس کو منع کا اختیار نہیں لیکن اس شخص کے واسطے اتنی چوڑی راہ چھوڑی جاوے گی جتنا اس گھر کا بڑا دروازہ چوڑا اور لمبا ہے گھر کے دروازہ سے شخص ثالث کے مکان تک اور باقی گھ کی قسمت ہوگی اور مسیل بمنزلہ طریق کے ہے کذا فی الطحطاوی بطولہ ای ارتفاعہ حتی یخرج کل واحد منہم جناحا فی نصیبہ ان فوق الباب لا فیما دونہ لان قدر طول الباب من الہواء مشترک والبناء علی الہواء المشترک لا یجوز الا برضی الشرکاء جلالیہ طریق کے اختلاف میں عرض اس کا بقدر عرض دروازہ ٹھہرایا جا اس کے طول کے ساتھ یعنی دروازہ کی ارتفاع اور بلندی کے ساتھ یعنی بقدر باب اعظم گھر کی راہ مشترک کے چوڑائی اور بلندی کرنا چاہیے تا ہر شخص شریکوں میں سے جھروکا نکالے اپنے حصہ میں اگر وہ دروازے سے اونچا ہو نہ دروازے سے کمتر میں اس واسطے کہ ہوا بقدر طول اور بلندی دروازے کی مشترک ہے اور ہوائے مشترک پر بنا ناجائز نہیں مگر شریکوں کی رضامندی سے کذا فی الجلالیہ ھ یعنی گھر کی راہ مشترک میں جب کا ارتفاع اور عرض گھر کے باب اعظم کے دروازے کی برابر قرار دیا گیا اگر کسی شریک کا مکان اس راہ کے کنارے پر پڑے اور وہ جھروکا یا کھڑکی یا روشن دان اپنے مکان میں راہ کی جانب بنانا چاہے تو اگر باب اعظم کی بلندی سے اوپر بناوے تو درست ہے اور اس سے نیچے میں بنا درست نہیں ولو شرطوا ان یکون الطریق فی قسمۃ الدار علی التفاوت جاز وان وصلیۃ کان سہامہم فی الدار متساویۃ وذلک لان القسمۃ علی التفاوت بالتراضی فی غیر الاموال الربویۃ جائزۃ فجاز قسمۃ التبن بالکرام لانہ لیس بوزنی لا العنب بالشریجۃ علی الصحیح بل بالقبان او المیزان لانہ وزنی اور اگر شریکوں نے شرط کی کہ گھر کی قسمت میں راہ متفاوت ہو تو جائز ہے اگرچہ ان کے حصے گھر میں برابر ہوں اور یہ اس واسطے ہے تفاوت پر قسمت کرنا آپس کی رضامندی سے جائز ہے سوائے ان مالوں کے جن میں سود اور بیاج ہوتا ہے تو جائز ہے بھس کا بانٹنا ر سے یعنی جالی جو بھس وغیرہ کے اٹھانے کے واسطے رسیوں سے بنائی جاتی ہے اس واسطے کہ بھس وزنی چیز نہیں ہے جس میں بیاج کا اح ہو اور جائز نہیں انگور کا بانٹنا کھجور کی ٹوکری سے بر قول صحیح بلکہ قبان یا ترازو سے اس واسطے کہ وہ وزنی ہے ھ فتاوی قاضیخان کی عبا یہ ہے وقسمۃ التبن[ف] بالحبال ذکر فی النوازل انہ یجوز لقلۃ التفاوت لانہ لیس بوزنی انتہی تو بتابعت اس عبارت کے اکار کا ترجمہ رسی

[ف] یعنی بھس کا بانٹنا رسیوں سے نوازل میں مذکور ہے کہ قلت تفاوت کی جہت سے درست ہے کیونکہ وہ وزنی نہیں ١٢

یا اس واسطے کہ اگر ارجع ہے کہ بالفتح کی اور وہ بمعنی رسی کے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اگر ارجع ہو کہ بالضم کی اور وہ عبارت ہے پیمانہ
اق سے قاموس میں قبان کا ترجمہ قسطاس کیا ہے اور وہ عبارت ہے ترازوئے بزرگ سے تو تردید کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ انگور کی قسمت
ڑی یا چھوٹی ترازو سے جائز ہے واللہ اعلم سفل لہ ای فوقہ علو مشترکان وسفل مجرو مشترک والعلو لآخر وعلو مجرو مشترک والسفل لآخر قوم کل
واحد من ذلک علیحدۃ وقسم بالقیمۃ عند محمد وبہ یفتی نیچے اوپر کا مکان دونوں مشترک اور فقط نیچے کا مکان مشترک اور اوپر کا مکان دوسرے شخص
کا اور فقط اوپر کا مکان مشترک اور اس کے نیچے کا مکان اور شخص کا ہے تو ان مکانات مشترکہ کی قیمت ٹھرائی جاوے علیحدہ علیحدہ اور شریکوں
یں قسمت کی جائے قیمت سے محمد کے نزدیک اور اسی قول پر فتوی ہے ھم امام اعظم کے نزدیک قسمت قیمت سے نہ ہوگی بلکہ نیچے کے مکان کا ایک
ز بمقابلہ دو گز کے ہوگا اوپر کے مکان سے اور ابو یوسف کے نزدیک ایک ہی گز کے ہے اور محمد کے قول پر اس واسطے فتوی ہوا کہ نیچے کا مکان
س کی صلاحیت رکھتا ہے جو اوپر کے مکان میں صلاحیت نہیں چنانچہ اس میں کنواں کھودنا اور تہ خانہ بنانا اور اصطبل کرنا وغیر ذلک تو وہ دونوں
کان بمنزلہ دو جنسوں کے ہو گئے تو تعدیل اور برابری شریکوں کے حصوں کی ممکن نہیں ہو سکتی مگر قیمت سے اقر بعض الشرکاء بعد القسمۃ استیفاء
صیبہ وشہد القاسمان بالاستیفاء لحقہ تقبل وان قسما باجر فی الاصح ابن ملک بعض شرکاء نے بعد قسمت کے پورا پانے سے اپنے حصہ کے انکار
یا اور دو قسمت کرنے والوں نے پورا ملنے سے اس کے حق کی گواہی دی تو گواہی ان کی مقبول ہوگی اگرچہ انھوں نے اجرت لے کر قسمت کی ہو کذا ذکرہ
بن ملک ولو شہد قاسم واحد لا لانہ فرد اور اگر ایک قاسم گواہی دے تو مقبول نہ ہوگی اس واسطے کہ وہ اکیلا ہے اور ایک شخص کی گواہی معتبر
ہیں ولو ادعی احدہم ان من نصیبہ شیئا وقع فی ید صاحبہ غلطا وقد کان اقر بالاستیفاء او لم یقر بہ ذکرہ البرجندی لم یصدق الا ببرہان
او اقرار الخصم او نکولہ فلو قال الا بحجۃ لعمت ولا تناقض لانہ اعتمد علی فعل الامین ثم ظہر غلطہ اور اگر ایک شریک نے دعوی کیا کہ میرے حصہ میں سے
ازروئے غلط کاری کے میرے ساتھی شریک کے قبضہ میں پڑ گیا ہے اور حالانکہ اس نے پورا حصہ پانے کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو کذا ذکرہ
البرجندی تو اس کی تصدیق نہ ہوگی مگر گواہی سے یا خصم کے اقرار سے یا اس کے قسم نہ کھانے سے تو اگر مصنف بجائے الا ببرہان کے الا بحجۃ
ہتا تو گواہی اور اقرار اور انکول سب کو شامل ہو جاتا اور اقرار استیفا اور ادعائے غلط سے تناقض دعوی مدعی کا ثابت نہ ہوگا اس واسطے
ہ اس نے امین یعنی قاسم کے فعل پر اعتماد کر کے استیفا کا اقرار کیا پھر تامل کے بعد اس کی خطا ظاہر ہوئی تو وہ ماخوذ نہ ہوگا اپنے اقرار پر بعد
ظاہر ہو جانے حق کے کذا فی الدرر وان قال قبضتہ فاخذ شریکی بعضہ وانکر شریکہ ذلک حلف لانہ منکر اور اگر ایک شریک نے کہا کہ میں
نے اپنے حصہ پر قبضہ کیا پھر شریک نے اس میں سے کچھ لے لیا اور شریک اس کا منکر ہے تو اس سے قسم لی جائے اس واسطے کہ وہ منکر ہے وان
قال قبل اقرارہ بالاستیفاء اصابنی من ذلک کذا الی کذا ولم یسلمہ الی وکذبہ شریکہ تحالفا وتفسخ القسمۃ کالاختلاف فی قدر المبیع اور
اگر ایک شریک نے قبل اقرار استیفا حق کے کہا کہ مجھ کو پہنچا ہے اس میرے حصے سے یہاں سے یہاں تک اور شریک نے تمام حصہ مجھ کو
تسلیم نہیں کیا اور شریک اس کا اس کی تکذیب کرتا ہے تو دونوں قسم کھاویں اور قسمت فسخ کر ڈالی جائے جیسے مقدار مبیع کے اختلاف میں طرفین
قسم لازم آتی ہے کما مر فی احکام التحالف فی الدعوی ولو اقتسما دارا واصاب کلا طائفۃ فادعی احدہما بیتا فی ید الآخر من نصیبہ وانکر الآخر
علیہ البینۃ لانہ مدع اور اگر دو شریکوں نے گھر بانٹ لیا اور ہر شریک کو کچھ مکان پہنچا سو ایک شریک نے ایک کوٹھڑی کا دعوی کیا کہ دوسرے شریک
کے تصرف میں آگئی میرے حصے سے اور دوسرا شریک اس کا منکر ہے تو اس پر گواہی لانا واجب ہے کیونکہ وہ مدعی ہے وان اقاما ہا فالعبرۃ لبینۃ

حاشیہ دیقیہ

المدعی لانہ خارج وان کان قبل الاستشہاد علی القبض تحالفا وفسخت وکذا لو اختلفا فی الحدود اور اگر دونوں شریکوں نے گواہ قائم کیے تو مدعی کی گواہی کا اعتبار ہوگا اس واسطے کہ وہ خارج ہے اور اگر قبض پر گواہی لانے سے پہلے ہو تو دونوں شریک قسم کھا دیں اور قسمت فسخ کر ڈالی جائے اور اسی طرح کا حکم ہے اگر دونوں حدود میں اختلاف کریں وان استحق بعض معین من نصیبہ لا تفسخ القسمۃ اتفاقا علی الصحیح اور اگر ایک شریک کے حصہ سے بعض معین میں استحقاق ملک غیر ثابت ہوا تو قسمت فسخ نہ ہوگی باتفاق امام اور ابو یوسف کے بر قول صحیح م اس لیے کہ مستحق جدا باقی رہا بحال خود اس میں غیر کا حق نہیں کذا فی الطحطاوی وفی استحقاق بعض شائع فی الکل تفسخ اتفاقا اور بعض شائع غیر معین کے استحقاق میں سب حصوں کے اندر قسمت فسخ ہوگی باتفاق مذکور م اس واسطے کہ استحقاق شائع سے ایک اور شریک ظاہر ہوا اور قسمت بدون اس کے صحیح نہیں وفی استحقاق بعض شائع من نصیبہ لا تفسخ جبرا خلافا للثانی بل المستحق منہ یرجع بحصۃ ذلک فی نصیب شریکہ ان شاء او نقض القسمۃ دفعا لضرر التشقیص اور بعض شائع کے استحقاق میں ایک شریک کے حصہ سے قسمت زبردستی سے فسخ نہ ہوگی برخلاف ابو یوسف کے بلکہ مستحق منہ اس قدر پھیر لے اپنے شریک کے حصہ سے اگر وہ چاہے یا قسمت توڑ دے تاکہ حصص سازی مندفع ہو جائے قلت قد بقی ہہنا احتمال آخر وہو ان یستحق بعض من نصیب کل واحد فان کان شائعا فسخت وان کان معینا فان تساویا فظاہر والا فالعبرۃ لذلک الزائد کما مر فلذا لم یفردہا بالذکر میں کہتا ہوں یہاں ایک اور احتمال باقی ہے وہ یہ ہے کہ اگر بعض مستحق ہو ہر شریک کے حصہ میں تو اگر بعض شائع غیر معین ہو تو قسمت فسخ ہوگی اور اگر بعض معین ہو تو اگر دونوں حصوں میں برابر ہو تو ظاہر ہے صحت قسمت کی اور اگر کم وبیش ہو تو اسی زائد کا اعتبار ہے چنانچہ گزر گیا تو اسی واسطے مصنف نے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا م کمی بیشی کی یہ صورت ہے کہ ایک شریک کے حصہ میں چار گز کا استحقاق ہے اور دوسرے کے حصہ میں چھ گز کا تو ثانی اول کو ایک گز پھیر دے ولو ظہر دین فی الترکۃ المقسومۃ تفسخ القسمۃ الا اذا قضوہ ای الدین او ابرأ الغرماء ذمم الورثۃ او یبقی منہا ای من الترکۃ ما یفی بہ لزوال المانع ترکہ مقسومہ میں دین ظاہر ہوا تو قسمت فسخ کی جائے گی یعنی اس واسطے کہ دین مقدم ہے میراث پر مگر جب کہ وارث دین کو ادا کر دیں یا ارباب دیون وارثوں کو بری الذمہ کر دیں یا ترکہ سے اتنا باقی رہ گیا ہو جو ادائے دین کے واسطے کفایت کرتا ہو تو قسمت فسخ نہ ہوگی مانع کے دور ہو جانے کے سبب سے ولو ظہر غبن فاحش لا یدخل تحت التقویم فی القسمۃ فان کانت بقضاء بطلت اتفاقا لان تصرف القاضی مقید بالعدل ولم یوجد اور اگر قسمت میں ایسا نقصان کثیر ظاہر ہوا جو قیمت کرنے والوں کی تجویز میں داخل نہیں ہوتا تو اگر قسمت بحکم قاضی ہو تو قسمت باطل ہوگی بالاتفاق اس واسطے کہ قاضی کا تصرف مقید ہے عدل کے ساتھ اور حالانکہ وہ یہاں پایا نہیں گیا ولو وقعت بالتراضی تبطل ایضا فی الاصح لان شرط جوازہا المعادلۃ ولم توجد فوجب نقضہا خلافا لتصحیح الخلاصۃ قلت فلو قال کالکنز تفسخ لکان اولی اور اگر قسمت تراضی طرفین سے ہو تو بھی باطل ہوگی قول اصح میں اس واسطے کہ جواز قسمت میں برابری حصوں کی شرط ہے اور وہ نہیں پائی گئی تو اس کا توڑ واجب ہوگیا برخلاف تصحیح خلاصہ کے میں کہتا ہوں تو اگر مصنف کنز کے مانند بجائے بطلت کے تفسخ کہتا تو بہتر ہوتا م کنز میں یوں ہے ولو ظہر غبن فاحش فی القسمۃ تفسخ یعنی اگر غبن فاحش قسمت میں ظاہر ہو تو قسمت فسخ کی جائے گی چونکہ یہ عبارت مختصر ہے اور قسمت قاضی اور قسمت تر دونوں کو شامل ہے لہذا شارح نے اس کو بہتر کہا کذا فی الطحطاوی وتسمع دعواہ ذلک ای ما ذکر من الغبن الفاحش ان لم یقر بالاستیفاء وان اقر بہ لا تسمع دعوی الغلط والغبن للتناقض الا اذا ادعی الغصب فتسمع دعواہ وتمامہ فی الخانیۃ اور شریک کا دعوی یعنی غبن فاحش کا مس ہوگا اگر اس نے حصہ پانے کا اقرار نہ کیا ہو اور اگر اس کا اقرار کر چکا ہو تو سماعت نہ ہوگی دعوی غلط اور غبن فاحش کی بسبب تناقض کے مگر جب کہ وہ غصب کا دعوی کرے یعنی یوں کہے کہ قسمت کے بعد میرا حصہ اس نے غصب کر لیا تو دعوی مسموع ہوگا اور پورا اس کا

خانیہ میں ہے ادعی احد المتقاسمین للترکۃ دینا فی الترکۃ صح دعواہ لانہ لاتناقض لتعلق الدین بالمعنی والقسمۃ بالصورۃ متروکہ بانٹ لینے والوں میں سے ایک شخص نے دین کا دعوی کیا متروکہ میں تو اس کا دعوی صحیح ہے اس واسطے کہ قسمت کر لینے اور دعوی دین میں تناقض نہیں بسبب متعلق ہونے دین کے معنی متروکہ سے اور متعلق ہونے قسمت کی صورت متروکہ سے ہم دین معنی سے متعلق ہے یعنی متروکہ کی مالیت سے اس کا تعلق ہے تو اگر متروکہ کے وارث ہوں تو ان کو دین کا ادا کرنا اپنے پاس سے اور متروکہ کو اپنے واسطے مخصوص کر لینا درست ہے کذا فی الطحطاوی ولو ادعی عینا بای سبب کان لاتسمع للتناقض اذ الاقدام علی القسمۃ اعتراف بالشرکۃ اور اگر دین کے سوا کسی عین کا دعوی کیا کسی سبب سے خواہ عاریت یا غصب سے تو دعوی مسموع نہ ہوگا بسبب تناقض کے اس واسطے کہ قسمت پر پیش قدمی کرنا اقرار ہے شرکت کا د فی الخانیۃ اقتسموا دارا او ارضا ثم ادعی احدہم فی قسم الآخر بناء او نخلا زعم انہ بناہ او غرسہ لم تقبل بینتہ اور خانیہ میں ہے کہ شریکوں نے ایک گھر یا زمین بانٹ لی پھر ایک نے دوسرے کے حصہ میں عمارت یا درخت کا مطالبہ کیا یعنی یہ کہا کہ مدعی نے اس کو بنایا ہے اور درخت کو لگایا ہے تو اس کے گواہ مقبول نہ ہوں گے یعنی بسبب تناقض کے وقعت شجرۃ فی نصیب احدہما اغصانہا متدلیۃ فی نصیب الآخر لیس لہ ان یجبرہ علی قطعہا بہ یفتی لانہ استحق الشجرۃ باغصانہا اختیار درخت ایک شریک کے حصہ میں پڑا اس کی شاخیں لٹک رہی ہیں دوسرے شریک کے حصہ میں تو اس کو نہیں پہنچتا ہے کہ اس پر زبردستی کرے شاخوں کے کاٹنے پر اسی قول پر فتوی ہے اس واسطے کہ وہ درخت کا مستحق ہو گیا ہے اس کی شاخوں کے معامہ کذا فی الاختیار یعنی بحالت مذکورہ وہ مستحق ہوا ہے تو جبر کی کونسی وجہ ہے بنی احدہما ای احد الشریکین بغیر اذن الآخر فی عقار مشترک بینہما فطلب شریکہ رفع بنائہ قسم العقار فان وقع البناء فی نصیب البانی فبہا ونعمت والا ہدم البناء وحکم الغرس کذلک بزازیہ ایک شریک نے دوسرے شریک کے بدون اذن کے عمارت بنائی اس زمین میں جو دونوں میں مشترک ہے سو اس کے دوسرے شریک نے عمارت کا رفع کرنا چاہا تو زمین کی قسمت کی جائے سو اگر عمارت مذکورہ بنانے والے کے حصہ میں پڑے تو خوب ہے اور نہیں تو عمارت ڈھائی جائے اور اسی طرح کا حکم درخت کا ہے کذا فی البزازیہ ہم ہاں اگر وہ شریک کو راضی کر لے تو ہدم نہ ہوگا کذا فی العالمگیریۃ القسمۃ تقبل النقض فلو اقتسموا واخذوا حصتہم ثم تراضوا علی الاشتراک بینہم صح وعادت الشرکۃ فی عقار وغیرہ لان قسمۃ التراضی مبادلۃ ویصح فسخہا ومبادلتہا بالتراضی بزازیہ قسمت قابل نقض ہے یعنی ٹوٹ سکتی ہے تو اگر شریکوں نے مشترک کو بانٹ لیا اور اپنے حصے لے چکے پھر وہ راضی ہو گئے آپس کے ساجھے سے تو یہ قسمت کا توڑ دینا صحیح ہے اور شرکت پھر آوے گی زمین یا اس کے غیر میں اس واسطے کہ آپس کی رضامندی کی قسمت مبادلہ ہے اور اس کا فسخ کرنا اور بدل ڈالنا باہم کی رضامندی سے صحیح ہے کذا فی البزازیہ المقبوض بالقسمۃ الفاسدۃ کقسمۃ علی شرط ہبۃ او صدقۃ او بیع من المقسوم او غیرہ یثبت الملک فیہ ویفید جواز التصرف فیہ لقابضہ ویضمنہ بالقیمۃ جو چیز قسمت فاسدہ سے مقبوض ہوئی چنانچہ قسمت ہونا ہبہ کی شرط پر یا صدقہ کرنے کی شرط پر یا مقسوم کے بیچ ڈالنے کی شرط پر یا سوائے اس کے تو قبض کرنا اس کا ملکیت کو اس میں ثابت کر دیتا ہے اور قابض کے واسطے اس میں جواز تصرف کا مفید ہے اور اس کا ضمان لازم ہوتا ہے قیمت سے کالمقبوض بالشراء الفاسد فانہ یفید الملک کما مر فی بابہ جس طرح شراء فاسد کا مقبوض ملک کا مفید ہے چنانچہ بیع الفاسد کے باب میں گذر گیا وقیل لا یثبتہ جزم بالقیل فی الاشباہ وبالاول فی البزازیہ اور قول ضعیف یہ ہے کہ مقبوض بقسمت فاسدہ ملک قابض کو ثابت نہیں کرتا ہے اور قول ضعیف پر یقین کیا ہے اشباہ میں اور قول اول پر یقین کیا ہے بزازیہ میں ولو تہایا فی سکنی دار واحدۃ فیسکن ہذا بعضا وذا بعضا وہذا شہرا وذا شہرا او دارین یسکن کل دارا او فی خدمۃ عبد یخدم ہذا یوما وذا یوما او عبدین یخدم ہذا ہذا والآخر الآخر او فی غلۃ دار او دارین کذلک صح التہایؤ فی الوجوہ الستۃ استحسانا اتفاقا اور اگر دو شریک نوبت اور باری

مقرر کریں ایک گھر مشترک کے رہنے میں اس طرح کہ یہ شریک رہے گھر کے بعضے مکان میں اور وہ شریک بعضے میں یا یہ شریک مہینہ بھر رہے اور وہ شریک مہینہ بھر یا دو گھروں میں باری مقرر کریں کہ ہر شریک ایک ایک گھر میں رہے یا باری معین کریں غلام مشترک کی خدمت میں کہ ایک روز اس کی خدمت کرے اور ایک روز دوسرے کی یا دو غلاموں مشترک کی خدمت میں کہ یہ غلام اس کی خدمت کرے اور دوسرا غلام دوسرے شریک کی یا باری مقرر کریں ایک گھر یا دو گھر کی حاصلات اور کرایہ میں اسی طرح تو یہ باری مقرر کرنا وجوہ ستہ میں بطریق استحسان بالاتفاق صحیح ہے ھ مہایاۃ اور تہایو مفاعلۃ اور تفاعل ہے ہیئت سے اور ہیئت عبارت ہے اس شخص کی حالت ظاہر سے جو کسی چیز پر مستعد اور تیار ہے اور تحقیق اس کی عنایہ میں یوں ہے کہ ہر شریک ایک ہیئت پر راضی ہے اور شریک ثانی مشترک سے نفع لیتا ہے جس طرح سے شریک اول نے اس سے نفع لیا اور فقہا کی اصطلاح میں مہایاۃ عبارت ہے منافع کی قسمت سے اور قیاساً یہ جائز نہیں کیونکہ مبادلہ ہے منفعت کا اس کے ہم جنس سے لیکن استحساناً یہ جائز ہے بدلیل آیہ کریمہ لہا[1] شرب ولکم شرب یوم معلوم والاصح ان القاضی یہائی بینہما جبراً بطلب احدہما اور قول صحیح تر یہ ہے کہ قاضی باری مقرر کر دے دو شریکوں میں زبردستی ایک شریک کے طلب کرنے سے یعنی اگرچہ دوسرا شریک قبول نہ کرتا ہو ولا تبطل بموت احدہما ولا بموتہما اور باری باطل نہیں ہوتی ایک شریک کی موت سے اور نہ دونوں شریکوں کی موت سے ولو طلب احدہما القسمۃ فیما یقسم بطلت اور اگر ایک شریک قسمت طلب کرے اس مشترک میں جو قابل قسمت ہے تو باری باطل ہو جاوے گی ھ ذخیرہ میں ہے کہ ہر شریک کو نقض مہایاۃ عذر سے وبلاعذر جائز ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ باری باہم کی تراضی سے ہو اور اگر حکم حاکم ہو تو جب تک کہ دونوں نقض پر راضی نہ ہوں گے تو نقض جائز نہ ہوگی اور اگر تراضی سے باری مقرر کی پھر توڑی تو اب اس کا اعادہ نہ ہوگا بلکہ قاضی کے حکم سے قسمت کی جاوے گی اور باری میں عمارت بنانا یا توڑنا عمارت کا یا دروازہ پھوڑنا جائز نہیں کذا فی العالمگیریۃ ولو اتفقا علی ان نفقۃ کل عبد علی من یخدمہ جاز استحساناً بخلاف الکسوۃ اور اگر دو شریک متفق ہوئے اس پر کہ خوراک ہر غلام کی اس شریک پر ہے جس کی وہ خدمت کرے تو جائز ہے استحساناً برخلاف لباس کے کہ اس میں تفصیل ہے ھ جب کہ لباس کی مقدار معین دونوں نے مذکور نہ کی ہو تو نہ قیاساً جائز ہے نہ استحساناً اور اگر مقدار معین مذکور ہوئی ہو تو قیاساً جائز نہیں اور استحساناً جائز ہے کذا فی العالمگیریۃ وما زاد فی نوبۃ احدہما فی الدار الواحدۃ مشترک لا فی الدارین اور جو حاصلات اور کرایہ زیادہ ہو گیا ایک شریک کی نوبت کے اندر ایک گھر میں تو وہ مشترک ہے دونوں میں نہ دو گھر کی حاصلات میں ھ اگر ایک گھر کے کرایہ لینے پر باری مقرر ہوئی سو ایک شریک کی نوبت میں کرایہ گراں ہو گیا دوسرے کی نوبت سے تو زیادت میں دونوں شریک ہوں گے اور اگر دو گھروں میں ایک گھر کا کرایہ گراں ہو گیا تو زائد میں شرکت نہ ہوگی کذا فی الکافیۃ مختصراً تجوز فی عبد ودار علی السکنی والخدمۃ وکذا فی کل مختلفی المنفعۃ ملتقی وتمامہ فیما علقنہ علیہ اور باری مقرر کرنا غلام کی خدمت اور گھر کی سکونت میں جائز ہے یعنی ایک شریک غلام سے خدمت لے اور دوسرا شریک گھر میں رہے تو یہ درست ہے اور اسی طرح ہر ایک دو چیز مختلف المنفعۃ میں نوبت مقرر کر لینا جائز ہے کذا فی الملتقی اور پورا اس کا بیان ہماری شرح ملتقی میں ہے ھ شارح کی شرح ملتقی میں ہے کہ جب باری متحد المنفعۃ میں جائز ہوئی تو مختلف المنفعۃ میں بطریق اولیٰ جائز ہوگی چنانچہ سکونت دار اور زراعت ارض اور جیسے حمام اور گھر ولو تہایئا فی غلۃ عبدا وفی غلۃ عبدین او تہایئا فی غلۃ بغل او بغلین او فی رکوب بغل او بغلین او فی ثمرۃ شجرۃ او فی لبن شاۃ لا یصح فی المسائل الثمان اور اگر دو شریکوں نے باری مقرر کر لی ایک غلام کی اجرت میں یا دو غلام کی اجرت میں یا نوبت معین کی ایک خچر کے کرایہ میں یا دو خچر کے کرایہ میں یا ایک خچر کی سواری میں یا دو خچر کی سواری میں یا ایک درخت کے پھل میں یا بکری کے دودھ میں تو ان آٹھوں

---

[1] یعنی اس کی ایک باری اور تم کو باری ایکدن کی مقرر یہ ذکر حضرت صالح علیہ السلام کے ناقہ کا ہے کہ ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور ایک دن دوسرے مواشی ۱۲ ⁂

مسئلوں میں باری معین کرنا درست نہیں ہم اجرت غلام کی باری میں بالاتفاق جائز نہیں اس واسطے کہ باری نہیں ہو سکتی مگر دو زمانے میں تو احتمال ہے حاصلات کی کمی بیشی کا برخلاف خدمت کہ اس میں مسامحہ مروج ہے اور دو غلاموں کی اجرت کی باری امام کے نزدیک جائز نہیں اس واسطے کہ باری تو ضرورت کے سبب سے جائز ہوئی ہے اور اجرت میں کچھ ضرورت نہیں اس لیے کہ اجرت میں قسمت ممکن ہے اور صاحبین کے نزدیک امکان تعادل سے جائز ہے اور کرایہ خچر کی باری بالاتفاق جائز نہیں اور دو خچروں میں اختلاف ہے وعلی ہذا القیاس سواری ایک خچر کی بالاتفاق جائز نہیں مساوات۱۲ اور دو خچروں میں اختلاف ہے اور پھل اور دودھ کی باری بالاتفاق جائز نہیں اس واسطے کہ پھل اور دودھ کی قسمت آسان ہے تو باری کی کیا حاجت ہوئی کذا فی الطحطاوی وحیلۃ الثمار ونحوہا ان یشتری حظ شریکہ ثم یبیع کلہا بعد مضی نوبتہ او ینتفع باللبن بمقدار معلوم استقراضا لنصیب صاحبہ اذ قرض المشاع جائز اور یہ پھل اور اس کے مانند اور چیز کی باری کا یہ حیلہ ہے کہ ایک شریک دوسرے شریک کا حصہ مول لے پھر شریک مشتری سب پھلوں کو بیچ ڈالے اپنی باری کے گذر جانے کے بعد دوسرے شریک کے ہاتھ یا مقدار معین دودھ سے انتفاع لے اپنے شریک کے حصہ کو قرض لے کر اس واسطے کہ مشاع کا قرض جائز ہے فروع مسائل لحقہ شارح کے الغرامات ان کانت لحفظ الاملاک فالقسمۃ علی قدر الملک وان لحفظ الانفس فعلی عدد الرؤس ولا یدخل صبیان ونساء فلو غرم السلطان قریۃ تقسم علی ہذا لغرامات یعنی ڈانڈ یعنی جو مال کہ زبردست کو دینا پڑے جان اور مال کے بچانے کے واسطے تو اگر املاک کی حفاظت کے واسطے ہو تو اس کی قسمت لوگوں پر بقدر ملک کے ہے اور اگر جانوں کی حفاظت کے واسطے ہو تو لوگوں کے شمار پر ہے اور اطفال اور عورات شمار میں داخل نہ ہوں گے تو اگر بادشاہ ایک گاؤں سے ڈانڈ لے تو اس کی قسمت اہل قریہ پر اسی طرح ہوگی ولو خیف الغرق فاتفقوا علی القاء امتعۃ فالغرم بعدد الرؤس لانہا لحفظ الانفس اور اگر کشتی یا جہاز کے ڈوبنے کا ڈر ہوا سو لوگوں نے اس کو ہلکا کرنے کے واسطے اسباب گرا دینے پر اتفاق کیا تو ڈانڈ آدمیوں کے شمار پر ہے اس واسطے کہ یہ جانوں کی حفاظت کے واسطے ہے ہم اور اگر بدون اتفاق کے ایک شخص نے دوسرے کا مال گرا دیا تو اس پر قیمت کا تاوان لازم ہوگا اور اس غائب پر کچھ مال لازم نہ ہوگا جس کا مال کشتی میں ہے اور اس نے گرانے کی اجازت نہیں دی اور اگر پانی کی قلت سے آدمی کے ڈوبنے کا خوف نہ ہو بلکہ اسباب کے تلف ہو جانے کا خوف ہو تو ڈانڈ بقدر اموال ہوگا نہ بقدر رؤس اور اگر مال اور جان دونوں کے تلف ہو جانے کا خوف ہو تو دونوں طرح پر مال لازم ہوگا کذا فی الطحطاوی مختصرا المشترک اذا انہدم فابی احدہما العمارۃ ان احتمل القسمۃ لا جبر وقسم والا بنی ثم اجرہ لیرجع بما انفق لو بامر القاضی والا فبقیمۃ البناء وقت البناء اور مکان مشترک جب کہ منہدم ہو گیا سو ایک شریک اس کی عمارت بنانے سے انکار کرتا ہے اگر وہ مکان قابل قسمت کے ہے تو جبر نہیں اور بانٹ ڈالا جائے اور اگر مانند حمام کے لائق قسمت کے نہیں ہے تو ایک شریک اس کی تعمیر کرے پھر اس کو کرایہ پر چلا دے تاکہ جو اس نے خرچ کیا ہے کرایہ سے بھر لے اور اگر تعمیر بحکم قاضی ہوئی ہو اور اگر بحکم قاضی تعمیر نہ کی ہو تو کرایہ سے عمارت کی قیمت بھر لے وہ قیمت جو بنانے کے وقت ہو ولہ التصرف فی ملکہ وان تضرر جارہ فی ظاہر الروایۃ الکل فی الاشباہ اور انسان کو تصرف کرنا اپنی ملک میں جائز ہے اگرچہ اس تصرف میں اس کے پڑوسی کو ضرر ہوتا ہو ظاہر الروایۃ میں یہ سب مسائل مذکور ہیں اشباہ میں ہم صاحب اشباہ نے قول مفصل کو چھوڑ دیا یعنی اگر ضرر صریح ہو تو تصرف ممنوع ہے اور نہیں تو جائز ہے اور اسی پر فتوی منقول ہے شرح وہبانیہ میں اور اسی قول کو صحیح کہا ہے نسفی میں اور عمادیہ میں ہے کہ اسی قول کو ہمارے اکثر مشائخ نے لیا ہے اور اسی پر فتوی ہے کذا فی الطحطاوی عن الزاہدی وفی المجتبی وبہ یفتی وفی السراجیۃ الفتوی علی المنع قال المصنف فقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ اور مجتبی میں ہے کہ جواز تصرف پر فتوی ہے اگرچہ ہمسایہ متضرر ہو اور سراجیہ میں ہے کہ فتوی منع تصرف پر یعنی در صورت ضرر مصنف نے اپنی شرح میں کہا تو جواز

اور عدم جواز کے فتوی میں اختلاف پڑا اور ایسی صورت میں لائق یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ پر اعتماد کیا جائے یعنی جواز تصرف پر گو ہمسایہ ضرر پائے قلت ومرئی متفرقات القضاء میں کہتا ہوں اور یہ مسئلہ مذکور ہو چکا متفرقات قضا میں وفی الوہبانیۃ وشرحہا ـہ ولو زرع الانسان ارضا بدارہ ؞ فلیس بجار منعہ لم یعزر ؞ اور وہبانیہ اور اس کی شرح میں ہے اور اگر آدمی کچھ بودے اپنے گھر میں تو اس کے پڑوسی کو اس کے منع کرنے کا اختیار نہیں اگرچہ اس کو ضرر ہوئے م یہ وہی مسئلہ ہے جو اشباہ سے مذکور ہوا کہ تصرف اپنی ملک میں جائز ہے اگرچہ پڑوسی کو ضرر ہو ـہ وحیط لہ اہل فحل واحد ؞ ولا حمل فیہ قبل لیس یغیر ؞ اور ایک دیوار ہے جس کے اہل یعنی شریک ہیں سو ایک شریک نے اس پر دھنیاں رکھیں اور حالانکہ قبل اس کے اس پر دھنیوں کا بوجھ نہیں تو اس کو دوسرا شریک تغیر نہ کرے گا م یعنی ایک مشترک دیوار جس پر دھنیاں نہیں ہیں سو اگر ایک شریک اس پر دھنیاں رکھے تو دوسرا شریک اس کو رفع نہیں کر سکتا اور اگر دوسرا شریک دھنیوں پر اور دھنیاں رکھے یا اس پر پردہ بنادے یا دروازہ وغیرہ لگادے تو بدون اجازت شریک کے جائز نہیں کذا فی الطحطاوی عن شرح الوہبانیۃ ـہ وما لشریک ان یعلی حیطہ ؞ وقیل التعلی جائز فیعمر ؞ اور شریک کو جائز نہیں کہ اپنی مشترک دیوار کو اونچا کرے اور بعضوں نے کہا کہ اونچا کرنا جائز ہے تو تعمیر کر لے م عبدالبر شارح وہبانیہ نے کہا لائق یوں ہے کہ تفصیل اطلاق معتمد ہو یعنی اگر اونچا کرنا مخالف رسم کے ہو تو جائز نہیں اور اگر موافق رسم اور رواج کے ہو تو جائز ہے ـہ وممنوع قسم عند منع مشارک ؞ من الرم قاض موجر فیعمر ؞ اور جس مشترک کی قسمت ممنوع ہے چنانچہ حمام تو شریک کی منع ترمیم سے قاضی اس کو کرایہ دے پھر کرایہ سے اس کی تعمیر کرے م مثلاً ایک مشترک حمام منہدم ہوا جاتا ہے اور ایک شریک اس کی مرمت پر مستعد ہے اور دوسرا شریک نہیں مانتا ہے تو قاضی حمام کو کرایہ پر چلادے اور جو کرایہ حاصل ہو اس سے اس کی مرمت کرے لیکن یہ قول غیر مختار ہے اور قول مختار اگلی بیت میں مذکور ہے ـہ وینفق فی المختار راض باذنہ ؞ ویمنع نفعا من ابی قبل یخسر ؞ اور قول مختار میں جو شریک راضی ہے مرمت کا وہ اس کی مرمت میں اپنے پاس سے خرچ کرے قاضی کے اذن سے اور روکا جائے اس کے فائدہ لینے سے وہ شریک جو مرمت سے انکار کرتا ہے قبل تاوان دینے کے یعنی جس شریک نے مرمت کی ہے جب تک وہ اپنا صرف کرایہ سے نہ لے گا تب تک دوسرا شریک اس کا کرایہ نہیں لے سکتا ہے ـہ وخذ منفقا بالاذن منہ لحاکم ؞ وخذ قیمۃ ان لا وہذا المحرر ؞ اور لے مرمت کے صرف کو اگر حاکم کے اذن سے مرمت کی ہو اور قیمت لے اگر باذن حاکم مرمت نہ کی ہو اور یہی قول منقح. اور محقق ہے م طحطاوی نے کہا پہلے تین بیتیں وہبانیہ کی ہیں اور چوتھی اور پانچویں علامہ عبدالبر شارح وہبانیہ کی اصلاح سے ہیں اور چھٹی بیت شارح کی زیادت سے ہے مسئلہ ملحقہ مترجم ایک شخص مرگیا اس نے تین بیٹے چھوڑے اور پندرہ مٹلیاں چھوڑیں پانچ مٹلیاں سرکہ سے مملو ہیں اور پانچ میں نصف نصف سرکہ ہے اور پانچ خالی ہیں اور سب برابر ہیں تو بیٹوں نے چاہا کہ بدون اٹھانے کے برابر بانٹ لیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک فرزند کو دو بھری مٹلیاں اور ایک آدھی بھری اور دو خالی دی جاویں اور دوسرے فرزند کو بھی اسی طرح دی جاوے تو اب باقی رہیں پانچ ایک بھری اور ایک خالی اور تین آدھ بھری تو یہ پانچوں تیسرے فرزند کو دی جائیں تو سب کا حصہ برابر ہو گا کذا فی فتاوی قاضیخان واللہ اعلم واستغفر اللہ الحلیم ؞

* * *

کتاب المزارعۃ

یہ کتاب ہے مزارعت کی یعنی بٹائی پر کھیت دینا اور مزارعت کو مخابرت اور محاقلت بھی کہتے ہیں اور اہل عراق فراح بولتے ہیں مناسبتہا ظاہرۃ مناسبت کتاب المزارعت کی کتاب القسمۃ سے ظاہر ہے یعنی جو کھیت میں اناج وغیرہ پیدا ہوتا ہے اس میں قسمت جاری ہوتی ہے درمیان مزارع اور صاحب زمین کے ہی لغۃ مفاعلۃ من الزرع مزارعت لغت میں مفاعلت ہے زرع سے وشرعا عقد علی الزرع ببعض الخارج اور شرع میں مزارعت عبارت ہے اس عقد سے جو زراعت پر منعقد ہو بتقرر بعض خارج یعنی تہائی یا چوتھائی اناج پیدا ہوئے زراعت پر ایجاب اور قبول کرنا یہ حقیقت ہے مزارعت کی وارکانہا اربعۃ ارض وبذر وعمل وبقر اور مزارعت کے ارکان چار ہیں زمین اور بیج اور محنت اور بیل ولا تصح عند الامام لانہا کقفیز الطحان اور مزارعت درست نہیں امام اعظم کے نزدیک اس واسطے کہ وہ قفیز الطحان کے مانند ہے ہم امام کی حدیث وہ دلیل ہے جو رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی مخابرت سے اور وہ مزارعت ہے زمین کی تہائی یا چوتھائی وعندہما تصح وبہ یفتی للحاجۃ وقیاسا علی المضاربۃ اور صاحبین کے نزدیک مزارعت درست ہے اور اسی قول پر فتوی ہے بسبب حاجت کے اور مضاربت پر قیاس کرنے سے ہم درر میں ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوی ہے اس واسطے کہ رسول علیہ السلام نے خیبر کی نخلستان وہاں کے لوگوں کو دیے بطریق معاملہ کے اور اس کی زمین دی بطور مزارعت کے اور اسی پر صحابہ اور تابعین کا عمل تھا اور اب تک مسلمین میں جاری ہے اور ایسی صورت میں خبر واحد اور قیاس متروک ہو جاتا ہے بشروط ثمانیۃ صلاحیۃ الارض للزرع صاحبین کے نزدیک مزارعت صحیح ہے آٹھ شرطوں سے پہلی شرط لائق ہونا زمین کا کاشت کاری کے واسطے ہم تو اگر زمین شور اور ریگستان ہو تو مزارعت صحیح نہیں واہلیۃ العاقدین اور دوسری شرط اہلیت ہے عاقدین کی یعنی عاقل ہوں تو مجنون اور صغیر غیر عاقل کا عقد صحیح نہیں لیکن بلوغ اور حریت شرط نہیں اور اسلام بھی شرط نہیں کذا فی الطحطاوی وذکر المدۃ ای مدۃ متعارفۃ فتفسد بما لا یمکن فیہا منہا وبما لا یعیش الیہا احدہما غالبا اور تیسری شرط مدت کا ذکر کرنا یعنی وہ مدت جو مزارعین میں معروف اور مروج ہے یعنی ایک سال یا دو سال تو عقد فاسد ہوگا اس کم تر مدت سے جس میں زراعت نہیں ہو سکتی اس مدت طویل سے کہ وہاں تک احد العاقدین غالبا نہیں جیتا وقیل فی بلادنا تصح بلا بیان مدۃ وتقع علی اول زرع واحد وعلیہ الفتوی مجتبی وبزازیہ واقرہ المصنف اور بعضوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں مزارعت بدون بیان کرنے مدت کے بھی صحیح ہے اور عقد واقع ہوگا پہلے ایک زراعت پر اور اسی قول پر فتوی ہے کذا فی المجتبی والبزازیۃ اور مصنف نے اپنی شرح میں اس قول کو ثابت رکھا ہے وذکر رب البذر اور چوتھی شرط صاحب تخم کا ذکر کرنا ہم اس واسطے کہ اگر بیج مالک کی طرف سے ہے تو مزارعت استیجار عامل ہو گی اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہے تو مزارعت استیجار ارض ٹھہرے گی تو بدون ذکر صاحب تخم معقود علیہ مجہول ہوگا اور دونوں کے احکام بھی مختلف ہیں اس واسطے کہ جس کا بیج نہیں تو اس کے حق میں عقد لازم ہے فی الحال اور صاحب تخم کو بدون تخم ریزی کے عقد لازم نہیں وقیل یحکم العرف اور بعضوں نے کہا بیج میں عرف حاکم ہے یہ قول ہے ابوبکر بلخی کا یعنی اگر عقد وہاں ہو جہاں بیج مزارع کا ہوتا ہے تو وہی

مزدور کا

کرایہ یعنی زمین کا ۱۲

معتبر ہے اگر وہاں ہو جہاں مالک زمین کا بیج ہوتا ہو تو وہی قابل اعتبار کے ہے بشرطیکہ عرف دائمی ہو اور اگر عرف مشترک ہو تو عقد صحیح نہیں وذکر جنسہ اور پانچویں شرط ذکر کرنا ہے بیج کے جنس کا یعنی گیہوں یا جو یا باجرہ یا جوار ھم بیان جنس تخم اس واسطے شرط ہوا کہ عامل کی اجرت اسی سے ہوگی اور جنس اجرت کا بیان کرنا ضرور ہے کذا فی الزیلعی لا قدرہ لعلمہ باعلام الارض وشرطہ فی الاختیار اور مقدار تخم ذکر کرنا شرط نہیں بسبب اس کے معلوم ہونے کے زمین کے بتا دینے سے یعنی زمین سے خود معلوم ہو جاتا ہے کہ اتنی زمین میں اتنا بیج پڑے گا اور اختیار شرح مختار میں مقدار تخم کو بھی شرط کہا ہے وذکر قسط العامل الآخر اور چھٹی شرط ذکر کرنا ہے دوسرے شخص کا حصہ ھم مراد اس شخص کا حصہ ہے جس کی طرف سے بیج نہیں ہے اس واسطے کہ حصہ عمل یا زمین کی اجرت ہے تو اس کا معین ہونا ضرور ہوا کذا فی الزیلعی ولو بینا حظ رب البذر وسکتا عن حظ العامل جاز استحسانا اور اگر عاقدین نے صاحب تخم کا حصہ بیان کیا اور عامل کے حصہ سے سکوت کیا تو استحساناً جائز ہے ھم اور اگر عاقدین نے اس کا حصہ بیان کر دیا جس کا بیج نہیں ہے تو مزارعت جائز ہے قیاساً واستحساناً کذا فی الخلاصۃ وبشرط التخلیۃ بین الارض ولو مع البذر والعامل اور مزارعت صحیح ہے تخلیہ کی شرط سے یعنی تخلیہ کر دینا درمیان زمین اور عامل کے اگرچہ زمین کا تخلیہ بیج کے ساتھ ہو ھم تو اگر صاحب زمین کا عمل بھی شرط ہو یا دونوں کا عمل مشروط ہو تو عقد صحیح نہیں تخلیہ نہ ہونے کے سبب سے اور تخلیہ یہ ہے کہ زمین کا مالک کہے کہ میں نے زمین تجھ کو تسلیم کی کذا فی الطحطاوی وبشرط الشرکۃ فی الخارج اور مزارعت صحیح ہے شرکت فی الخارج کی شرط سے یعنی جو غلہ پیدا ہو اس میں دونوں کی شراکت ضرور ہے تو اگر یہ شرط ہو کہ غلہ ایک ہی شخص کا ہو تو عقد صحیح نہیں ثم فرع علی الاخیر بقولہ فتبطل ان شرط لاحدہما قفیزان مسماۃ پھر مصنف نے شرط اخیر یعنی شرکت فی الخارج پر تفریع کی اس قول سے تو مزارعت باطل ہوگی اگر احد العاقدین کے واسطے چند قفیز معین شرط ہوں یعنی کچھ غلہ ایک شخص لے اور باقی دونوں میں نصفا نصف ہو او ما یخرج من موضع معین یا ایک کے واسطے وہ غلہ شرط ہو جو موضع معین میں پیدا ہو اور باقی نصفا نصف او رفع رب البذر بذرہ یا یہ شرط ہو کہ صاحب تخم اپنا بیج اٹھا لے یعنی جس قدر اس نے بیج ڈالا اس کو پہلے نکال لے پھر باقی نصفا نصف او رفع الخراج الموظف وتنصیف الباقی بعد رفعہ یا خراج موظف کا نکال لینا اور اس کے نکال لینے کے بعد باقی کو نصفا نصف کر لینا شرط ہو ھم تنصیف الباقی چاروں مسئلوں سے متعلق ہے اور بہتر یہ تھا کہ شارح لفظ بعد رفعہ کو حذف کرتا تاکہ تنصیف سب مسائل کو شامل رہتی اور ان صورتوں میں مزارعت اس واسطے باطل ہوئی کہ غلہ میں گاہے قطع شرکت ہو سکتی ہے اس واسطے کہ شاید اتنا ہی غلہ پیدا ہو جتنا مشروط ہوا یعنی بقدر تخم یا بقدر خراج موظف کذا فی الطحطاوی بخلاف شرط رفع خراج المقاسمۃ کثلث او ربع او شرط رفع العشر للارض او لاحدہما لانہ مشاع فلا یؤدی الی قطع الشرکۃ برخلاف اس شرط کے کہ خراج مقاسمت نکال لیا جائے چنانچہ تہائی یا چوتھائی یا یہ شرط ہو کہ عشر یعنی دسواں حصہ زمین کا نکال لیا جائے یا دسواں حصہ احد العاقدین لے تو مزارعت باطل نہیں اس واسطے کہ بٹائی کا خراج اور عشر مشاع ہے یعنی غیر معین ہے تو یہ قطع شرکت کی طرف نہیں پہنچاتا ہے او شرط التبن لاحدہما والحب للآخر ای تبطل لقطع الشرکۃ فیما ہو المقصود یا بھوسا شرط ہو ایک کے واسطے اور دانہ دوسرے کے واسطے یعنی اس شرط سے مزارعت باطل ہوگی بسبب قطع ہو جانے شرکت کے اس میں جو مقصود زراعت ہے یعنی اناج او شرط تنصیف الحب والتبن لغیر رب البذر لانہ خلاف مقتضی العقد یا دانہ اور بھوسے کی تنصیف شرط ہو صاحب تخم کے سوا اور شخص کے واسطے تو مزارعت باطل ہے اس واسطے کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے مخالف ہے او شرط تنصیف التبن والحب لاحدہما لقطع الشرکۃ فی المقصود یا بھوسا نصفا نصف شرط ہوا دونوں میں اور دانہ شرط ہوا ایک شخص کے واسطے تو مزارعت باطل ہے بسبب قطع ہو جانے شرکت کے مقصود

میں وان شرط تنصیف الحب والتبن لصاحب البذر کما ہو مقتضی العقد او لم یتعرض التبن صحت اور اگر یہ شرط ہو کہ دانہ تو دونوں میں نصفا نصف ہو اور بھوسا فقط صاحب تخم کا ہو چنانچہ یہی مقتضائے عقد ہے یا بھوسہ کا کچھ تعرض نہ ہوا تو مزارعت صحیح ہے ھم عدم تعرض بھوسہ کا اس واسطے مبطل عقد نہ ہوا کہ مقصود تو دانہ ہے اور بھوسا اس کے تابع ہے اور تابع سے سکوت کرنا فساد عقد کا موجب نہیں ہوتا کذا فی الدرر وحینئذ التبن لرب البذر وقیل بینہما تبعا للحب کذا قال المصنف تبعا للصدر وغیرہ لکن اعتمد صاحب الملتقی الثانی حیث قدمہ فقال والتبن بینہما وقیل لرب البذر اور اس وقت میں یعنی جب بھوسہ کا تعرض نہ ہوا تو بھوسا بیج والے کا ہو گا اور قول ضعیف یہ ہے کہ بھوسا دونوں میں نصفا نصف ہو گا دانہ کے تابع ہو کر ایسا کہا ہے مصنف نے صدر الشریعۃ وغیرہ کا تابع ہو کر لیکن صاحب ملتقی نے قول ثانی پر اعتماد کیا ہے کیونکہ اسی کو مقدم ذکر کیا ہے سو یوں اس نے کہا ہے اور بھوسا دونوں میں نصفا نصف ہو گا اور بعضوں نے کہا کہ صاحب تخم کا ہو گا قلت وفی شرح الوہبانیۃ عن القنیۃ المزارع بالربع لا یستحق من التبن شیئا وبالثلث یستحق النصف میں کہتا ہوں اور شرح وہبانیہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ چوتھائی کا مزارع مستحق بھوسہ کا نہیں ہوتا اور تہائی کا مزارع آدھے بھوسے کا مستحق ہوتا ہے ھم مقتضائے فقہ یہ ہے کہ بھوسا دونوں میں مشترک ہو بقدر ان کے حصہ کے مگر یہ کہ عرف یا شرط اس کے مخالف ہو چنانچہ عنایہ میں مذکور ہے کہ جہاں عاقدین کی شرط منصوص نہ ہو وہاں عرف کا اعتبار ہے تو قنیہ کی عبارت اسی پر محمول ہے یعنی مزارع بالربع مستحق نہیں ہوتا بسبب شرط یا عرف کے اور مزارع بالثلث مستحق نصف کا ہوتا ہے شرط اور عرف کے سبب سے اور اس تقریر سے اشکال زائل ہو گیا اور اس پر دلیل بدائع کا قول ہے کہ ہمارے زمانہ میں نجم الائمہ بخاری کا جواب مختار ہے کہ مزارع بالربع کے واسطے کچھ بھوسا نہیں عرف اور رواج کے سبب سے کذا فی الحلبی والطحطاوی مختصرا وکذا صحت لو کان الارض والبذر لزید والبقر والعمل للآخر او الارض لہ والباقی للآخر او العمل لہ والباقی للآخر فہذہ الثلثۃ جائزۃ اور اسی طرح مزارعت صحیح ہے اگر زمین اور بیج زید کا ہو اور بیل اور عمل دوسرے کا یا زمین زید کی اور باقی تین چیزیں یعنی بیل اور بیج اور عمل دوسرے کا ہو یا عمل زید کا ہو اور باقی تین چیزیں یعنی زمین اور بیج اور بیل دوسرے کا ہو تو یہ تین صورتیں جائز ہیں وبطلت فی اربعۃ اوجہ لو کان الارض والبقر لزید والبقر والبذر لہ والآخران للآخر او البقر او البذر لہ والباقی للآخر فہی بالتقسیم العقلی سبعۃ اوجہ لانہ اذا کان من احدہما واحد والثلثۃ من الآخر فہی اربعۃ واذا کان من احدہما اثنان واثنان من الآخر فہی ثلثۃ اور مزارعت باطل ہے چار صورتوں میں اگر زمین اور بیل زید کے ہوں یا بیل اور بیج اس کا اور باقی دو چیزیں دوسرے کی ہوں یا بیل یا بیج زید کا ہو اور باقی دوسرے کا ہو تو یہ صورتیں باعتبار تقسیم عقل کے سات وجہ پر ہیں اس واسطے کہ ارکان اربعہ یعنی زمین اور بیج اور بیل اور عمل میں سے احد العاقدین کی طرف سے ایک ہو اور باقی تین دوسرے کی طرف سے تو یہ چار صورتیں ہیں اور جب کہ ایک طرف سے دو ہوں اور دوسرے کی طرف سے بھی دو ہوں تو یہ تین صورتیں ہیں ومتی دخل ثالث فاکثر بحصۃ فسدت اور جب کہ داخل ہو تیسرا شخص زیادہ حصہ مقرر کر کے تو مزارعت فاسد ہو گی ھم اور اگر چار شخص شریک ہوں مزارعت میں اس طرح کہ ایک کی زمین ہو اور دوسرے کا بیج اور تیسرے کا عمل اور چوتھے کا بیل تو یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کذا فی الطحطاوی عن الوہبانیۃ وشرحہا واذا صحت فالخارج علی الشرط اور جب کہ مزارعت صحیح ہو گئی تو جو غلہ پیدا ہو وہ شرط کے موافق قسمت ہو ولا شئ للعامل ان لم تخرج شئ فی الصحیحۃ اور عامل کے واسطے کچھ نہیں اگر کچھ غلہ پیدا نہ ہو مزارعت صحیحہ میں ھم اس واسطے کہ استحقاق عامل کا شرکت فی الخارج سے ہے اور خارج کچھ نہیں برخلاف مزارعت فاسدہ چنانچہ اس کا بیان آگے آوے گا ویجبر من ابی علی المضی الا رب البذر فلا یجبر قبل القائہ وبعدہ یجبر درر اور زبردستی کی جائے مزارعت قائم رکھنے کی اس شخص پر جو انکار

کرتا ہے مگر صاحب تخم کو اس پر جبر نہ ہوگا بیج ڈالنے سے پہلے اور بیج ڈالنے کے بعد جبر ہوگا کذا فی الدرر ومتی فسدت المزارعۃ فالخارج لرب البذر لانہ نماء ملکہ اور جب کہ مزارعت فاسد ہو تو جو غلہ وغیرہ پیدا ہو وہ بیج والے کا ہے اس واسطے کہ اس کی ملک کی افزائش اور بڑھوتی ہے یعنی جو پیدا ہوا بیج سے پیدا ہوا ویکون للآخر اجر مثل عملہ او ارضہ ولا یزاد علی الشرط بالغا ما بلغ عند محمد اور دوسرے شخص کو اس کے عمل یا اس کی زمین کی اجرت مثل ہوگی یعنی اگر صاحب تخم صاحب زمین ہے تو عامل کو اس کے عمل کی مزدوری دی جاوے گی اور اگر صاحب تخم عامل ہے تو صاحب زمین کو زمین کا اجر دیا جاوے گا اور اجرت زیادہ نہ کی جاوے گی شرط پر پہنچے جہاں تک پہنچے محمد کے نزدیک وان لم یخرج شیئ فی الفاسدۃ فان کان البذر من قبل العامل فعلیہ اجر مثل الارض والبقر وان کان من قبل رب الارض فعلیہ اجر مثل العامل حاوی اور اگر مزارعت فاسدہ میں کچھ پیدا نہ ہو تو اگر بیج عامل کی طرف سے ہووے تو ویسی زمین اور بیل کی اجرت اس پر واجب ہوگی اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہو تو اس پر ویسی عامل کی اجرت لازم ہوگی کذا فی الحاوی ولو امتنع رب الارض من المضی فیہا وقد کرب العامل فی الارض فلا شیئ لہ لکرابہ حکما ای فی القضاء اذ لا قیمۃ للمنافع ولیسترضی دیانۃ فیفتی بان یوفیہ اجر مثلہ لغررہ اور اگر زمین کا مالک مزارعت کے جاری رکھنے سے باز رہے اور حالانکہ عامل نے زمین میں جوتائی کی ہے تو قاضی کے حکم میں اس کے واسطے کچھ نہیں اجرت اس کے جوتنے کی اس واسطے کہ منافع کی قیمت نہیں ہوتی اور دیانت میں یعنی فیما بینہ وبین اللہ اس کو راضی کرنا چاہیے تو یہ فتوی دیا جائے کہ زمین کا مالک عامل کی اجرت مثل ادا کرے بسبب فریب کھانے کے یعنی عقد مزارعت سے اس نے فریب کھایا کہ اور کام سے باز رہا اور جوتنے میں مشغول رہا وتفسخ المزارعۃ بدین محوج الی بیعہا اذا لم ینبت الزرع لکن یجب ان یسترضی المزارع دیانۃ اذا عمل کما مر اور عقد مزارعت فسخ کر ڈالا جائے بسبب اس دین کے جو مضطر کر دے زمین کی بیع کرنے کی طرف جب کہ کھیت نہ اگا ہو لیکن دیانۃً واجب یہ ہے کہ مزارع کو راضی کیا جائے جب کہ وہ کچھ محنت کر چکا ہو چنانچہ مذکور ہو چکا یعنی جوتائی کی اجرت اس کو دینا چاہیے ہم دین محوج[۱] الی البیع وہ ہے کہ کوئی جائیداد نہ ہو اس کے ادا کرنے کی ثمن ارض کے سوا اما اذا نبت ولم یستحصد لم تبع الارض لتعلق حق المزارع حتی لو اجاز جاز اور اگر کھیت اگا ہو اور ہنوز پختہ نہیں ہوا کہ کاٹا جائے تو زمین کی بیع نہ ہوگی بسبب متعلق ہونے حق مزارع کے تو اگر مزارع بیع کو جائز کر دے تو بیع جائز ہوگی فان مضت المدۃ قبل ادراک الزرع فعلی العامل اجر مثل نصیبہ من الارض الی ادراکہ ای الزرع کما فی الاجارۃ پھر اگر مزارعت کی مدت گذر جائے کھیت کی پختگی سے پہلے تو عامل یعنی مزارع پر کھیت کے پختہ ہونے تک اجرت واجب ہے بقدر اس کے حصہ کے زمین سے چنانچہ اجارہ میں اجرت واجب ہوتی ہے ہم یعنی اگر مزارع کا حصہ غلہ میں تہائی ہو تو زمین کی اجرت کی تہائی اس پر واجب ہے والنفقۃ علیہما اور نفقہ دونوں پر ہوگا اس صورت میں کذا فی الدرر بخلاف ما لو مات احدہما قبل ادراک الزرع حیث یکون الکل علی العامل او وارثہ لبقاء العقد استحسانا کما سیجیئ برخلاف اس صورت کے کہ اگر عامل یا صاحب زمین مر گیا کھیت پکنے سے پہلے کیونکہ وہاں کل یعنی عمل اور کھیت کا خرچ اور نگہبانی کی اجرت کذا فی الزیلعی عامل پر یا اس کے وارث پر ہوگی بسبب باقی رہنے عقد کے استحسانا چنانچہ آگے آوے گا ہم طحطاوی نے کہا یہ دوسرے محل کی گفتگو ہے اس کا ذکر آگے آوے دفع رجل ارضہ الی آخر علی ان یزرعہا بنفسہ وبقرہ والبذر بینہما نصفان والخارج بینہما کذلک فعملا علی ہذا فالمزارعۃ فاسدۃ ویکون الخارج بینہما نصفین ولیس للعامل علی رب الارض اجر لشرکتہ فیہ والعامل یجب علیہ اجر نصف الارض لصاحبہا لفساد العقد ایک مرد نے اپنی زمین دوسرے کو دی اس شرط پر کہ وہ شخص بذات خود

---

[۱] قرض میں بیع حاجت مند کرنے والا ۱۲ ✤

اور اپنے بیل سے زراعت کرے اور بیج دونوں میں نصفا نصف ہو اور جو غلہ پیدا ہو وہ بھی دونوں میں اسی طرح نصفا نصف ہے سو مزارع اور اس کے بیل نے اسی شرط پر زراعت کی تو مزارعت فاسد ہے اور غلہ دونوں میں نصفا نصف ہوگا اور مزارع کا صاحب زمین پر کچھ اجر لازم نہیں بسبب اس کے شریک ہو جانے کے غلہ میں اور عامل پر نصف زمین کی اجرت واجب ہے صاحب زمین کے واسطے بسبب فاسد ہونے عقد کے **وکذا لو کان البذر ثلثین من احدہما وثلثہ من الآخر والربع بینہما نصفین او علی قدر بذرہما فہو فاسد ایضا لاشتراط الاعارۃ فی المزارعۃ عمادیۃ** اور اسی طرح اگر دو تہائی بیج ایک شخص کی طرف سے ہو اور ایک تہائی دوسرے کی طرف سے ہو اور حاصل غلہ دونوں میں آدھوں آدھ یا غلہ بقدر ان کے بیج کے تو وہ بھی فاسد ہے بسبب شرط کرنے مالک زمین کے عاریت دینے کو مزارعت میں **کذا فی العمادیۃ** یعنی اس واسطے کہ مالک زمین نے عامل پر بیل کا عاریت دینا شرط کیا **کذا فی الطحطاوی واعلم ان نفقۃ الزرع مطلقا بعد مضی مدۃ المزارعۃ علیہما بقدر الحصص** اور معلوم کر کہ کھیت کا خرچ مطلقًا بعد گذر جانے مدت مزارعت کے دونوں پر ہے بقدر ان کے حصوں کے **ھم مطلقًا** یعنی خواہ صرف کی حاجت ہو کھیت کے پختہ ہونے سے پہلے یا بعد اس کے **کذا فی الحلبی واما قبل مضیہا فکل عمل قبل انتہاء الزرع کنفقۃ بذر ومؤنۃ حفظ وکری نہر علی العامل ولو بلا شرط فاذا تناہی لبقی مالا مشترکا بینہما فتجب علیہما مؤنتہ کحصاد ودیاس کذا حررہ المصنف وحمل علیہ اصل صدر الشریعۃ فلیحفظ** اور مزارعت کی مدت گذر جانے سے پہلے تو جو عمل کھیت پختہ ہونے کے قبل ہے جیسے بیج کا صرف اور نگہبانی اور نہر صاف کرنے کی محنت سب وہ عامل پر ہے اگرچہ اس کی شرط نہ ہوئی ہو پھر جب کھیت پختہ ہو کر کمال کو پہنچا تو اب مال مشترک ہو کر باقی رہے گا تو عامل اور مالک زمین دونوں پر خرچ اس کا واجب ہوگا چنانچہ کھیت کے کٹنے اور دائیں[ع] چلانے کی اجرت اسی طرح تحریر کی ہے مصنف نے اپنی شرح میں اور اسی پر یعنی ماقبل مضی مدت پر صدر الشریعۃ کے قاعدہ کو محمول کیا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے **ھم** صدر الشریعۃ نے یوں کہا ہے کہ جو عمل قبل پختگی کھیت کے ہے وہ عامل پر ہے مصنف نے یہ محمول قبل انقضائے مدت مزارعت پر تا بقاء عقد اور استحقاق عمل عامل پر مقصود کیا کیونکہ مدت کے بعد نہ عقد ہے نہ استحقاق **فان شرطاہ علی العامل فسدت کما لو شرطاہ علی رب الارض** پھر اگر عاقدین نے بعد پختگی عمل شرط کیا عامل یعنی مزارع پر تو عقد فاسد ہے جیسے کہ فاسد ہے اگر صاحب زمین پر عمل کو شرط کیا یعنی اس واسطے کہ اس شرط کو عقد مقتضی نہیں **کذا فی الطحطاوی بخلاف ما لو مات رب الارض والزرع بقل فان العمل فیہ جمیعا علی العامل او وارثہ لبقاء مدت العقد والعقد لوجب علی العامل عملا یحتاج علیہ الی انتہاء الزرع کما مر** برخلاف سابق یہ صورت ہے کہ اگر صاحب زمین مرگیا اور کھیت ہنوز گھاس اور ساگ ہے یعنی دانہ نہیں نکلا تو اس میں تمام عمل عامل پر ہے یا اس کے وارث پر بسبب باقی رہنے مدت عقد کے اور عقد واجب کرتا ہے عامل پر وہ عمل جس کی طرف حاجت ہے تا انتہاء زرع چنانچہ مذکور ہو چکا **ھم** حلبی نے کہا قولہ بخلاف مرتبط ہے قولہ **ونفقۃ الزرع علیہما بالحصص** سے **ولو مات قبل البذر بطلت ولا شیٔ لکرابہ کما مر وکذا لو فسخت بدین محوج مجتبی** اور اگر زمین کا مالک مرگیا بیج ڈالنے سے پہلے تو عقد باطل ہو گیا اور مزارع کی جوتائی کی کچھ اجرت نہیں چنانچہ مذکور ہو چکا اور اسی طرح جوتائی کی کچھ اجرت نہ ہوگی اگر مزارعت فسخ کی گئی بسبب اس دین کے جو مضطر کر دے بیع زمین کی طرف **کذا فی المجتبی وصح اشتراط العمل کحصاد ودیاس ونصف علی العامل عند الثانی للتعامل وہو الاصح وعلیہ الفتوی ملتقی** اور صحیح ہے شرط کر لینا عمل کا چنانچہ کھیت کاٹنا اور باندنا بیلوں سے روندنا ۱۲ اور غلہ کو بھوسے سے صاف کرنا ابو یوسف کے نزدیک بسبب رواج اور عرف کے اور یہی قول اصح ہے اور اسی پر فتوی ہے **کذا فی الملتقی ھم** عمل مذکور بلا شرط عاقدین پر ہے اور شرط سے مزارع پر لازم ہے بحکم عرف **کذا فی الطحطاوی عن الخانیۃ**

[ع] دائیں چلانا یعنی بیلوں کو کھلیان پر چلانا ۱۲

الغلۃ فی المزارعۃ مطلقا ولو فاسدۃ امانۃ فی ید المزارع ثم فرع علیہ بقولہ مزارعت میں مطلقا اگرچہ مزارعت فاسدہ ہو غلہ امانت ہے مزارع
کے ہاتھ میں پھر مصنف نے اس قول پر تفریع کی بقول آئندہ فلا ضمان علیہ لو ہلکت الغلۃ فی یدہ بلا صنعۃ فلا تصح بہا الکفالۃ تو مزارع پر تاوان
نہیں اگر غلہ تلف ہو گیا اس کے پاس بدون اس کے کرتب کے تو غلہ کی ضامنی صحیح نہیں ثم لو کفل بحصتہ ان استہلکہا صحت المزارعۃ والکفالۃ
ان لم تکن علی وجہ الشرط والا فسدت المزارعۃ خانیۃ ہاں اگر ایک شخص ضامن ہوا صاحب زمین کے حصہ کا اگر مزارع اس کو تلف کر ڈالے تو مزارعت
اور ضمانت دونوں صحیح ہیں بشرطیکہ کفالت بطریق شرط کے نہ ہو اور اگر بطریق شرط کے ضمانت ہو گی تو مزارعت فاسد ہو جاوے گی کذا فی الخانیۃ
ھم کفالت مذکورہ اس واسطے صحیح ہوئی کہ وجوب ضمان کے سبب کی طرف مضاف ہوئی یعنی استہلاک کی طرف ومثلہ فی الحکم المعاملۃ ای المساقاۃ
فان حصۃ الدہقان فی ید العامل امانۃ اور مزارعت کے مانند حکم میں معاملت یعنی مساقاۃ ہے اس واسطے کہ زمیندار کا حصہ عامل کے ہاتھ میں
امانت ہے واذا قصر المزارع فی سقی الارض حتی ہلک الزرع بہذا السبب لم یضمن المزارع فی المزارعۃ الفاسدۃ ویضمن فی الصحیحۃ لوجوب العمل
علیہ فیہا کما مر وہی فی یدہ امانۃ فیضمن بالتقصیر اور جب کہ مزارع نے قصور کیا زمین کے سینچنے میں یہاں تک کہ کھیت خشک ہو گیا اس سبب سے
تو مزارع تاوان نہ دے مزارعت فاسدہ میں اور مزارعت صحیحہ میں تاوان دے بسبب واجب ہونے عمل کے مزارع پر صحیحہ میں نہ فاسدہ میں چنانچہ
مذکور ہو چکا اور غلہ اس کے پاس امانت ہے تو ضمان دے گا بسبب تقصیر کے فی السراجیۃ اکار ترک السقی عمدا حتی یبس ضمن وقت ما ترک السقی قیمتہ
نابتا فی الارض وان لم یکن للزرع قیمۃ قومت الارض مزروعۃ وغیر مزروعۃ فیضمن فضل ما بینہما سراجیہ میں ہے ایک مزارع نے سینچنا عمدا چھوڑ
دیا یہاں تک کہ کھیت خشک ہو گیا تو سینچائی چھوڑنے کے وقت جو زمین میں جے کھیت کی قیمت ہو اس کا تاوان دے اور اگر کھیت کی کچھ قیمت
نہ ہو تو زمین مزروعہ اور غیر مزروعہ کی قیمت مقرر کی جائے تو جس قدر دونوں میں زیادتی ہو اتنا ضمان دے ھم یعنی مثلاً اگر زمین مزروعہ کی قیمت چالیس
ہو اور غیر مزروعہ کی تیس تو دس کا ضمان دے فروع مسائل ملحقہ شارح کے اخر الاکار السقی ان تاخیر امعتادا لا یضمن والا ضمن مزارع نے سینچائی
میں تاخیر کی تو اگر ویسی تاخیر کی عادت ہو مزارعین میں اور کھیت خشک ہو جائے تو تاوان نہ دے اور اگر تاخیر غیر معتاد ہو تو تاوان دے
شرط علیہ الحصاد فتغافل حتی ہلک ضمن الا ان یؤخر تاخیر امعتادا مزارع پر کھیت کاٹنا مشروط ہوا سو اس نے یہاں تک غفلت کی کہ وہ
تلف ہو گیا تو تاوان دے مگر یہ کہ اتنی تاخیر کرے جس کی عادت ہے تو تاوان نہیں۔ ترک حفظ الزرع حتی اکلہ الدواب ضمن وان لم یرد الجراد
حتی اکل کلہ ان امکن طردہ ضمن والا لا بزازیۃ مزارع نے نگہبانی کھیت کی یہاں تک چھوڑی کہ اس کو چوپائے جانور کھا گئے تو تاوان دے
اور اگر اس نے ٹڈی نہ ہانکی یہاں تک کہ سارا کھیت کھا گئی تو اگر اس کا ہانکنا ممکن تھا تو تاوان دے اور اگر ممکن نہ تھا تو تاوان نہیں کذا
فی البزازیۃ زرع ارض رجل بلا امرہ طالبہ بحصۃ الارض فان کان العرف جری فی تلک القریۃ بالنصف او بالثلث ونحوہ وجب ذلک ایک مرد
نے دوسرے مرد کی زمین میں زراعت کی بدون اس کے امر کے تو صاحب زمین اس سے حصہ زمین کا مطالبہ کرے تو اگر اس کا گاؤں میں
عرف جاری ہو نصف یا ثلث اور مانند اس کے تو وہی واجب ہوگا حرث بین رجلین الی احدہما ان یسقیہ اجبر فلو فسدت قبل رفعہ للحاکم لا ضمان
علیہ وان رفع الی القاضی وامرہ بذلک ثم امتنع ضمن جواہر الفتاوی ایک کھیت ہے دو شخصوں کی شراکت میں ایک شخص نے اس کے سینچنے
سے انکار کیا تو اس پر زبردستی کی جائے سینچنے میں اور اگر کھیت بگڑ گیا حاکم سے نالش کرنے سے پہلے تو اس پر تاوان نہیں اور اگر اس
نے قاضی سے نالش کی اور اس نے اس کو سینچنے کا حکم کیا پھر بھی اس نے نہ مانا تو اس پر تاوان لازم ہوگا کذا فی جواہر الفتاوی ھم ظاہرا
اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ کھیت شترک ہے نہ بطریق مزارعت کے اس واسطے کہ مزارعت کا حکم مصنف اور شارح ذکر کر چکا

رط البذر على المزارع ثم زرعها رب الارض ان على وجہ الاعانۃ فمزارعۃ والا تنتقض لما بیج شرط ہوا مزارع پر پھر کھیت بویا صاحب زمین نے تو وہ بوجہ اعانت ہے تو مزارعت ہے اور نہیں تو مالک کا بونا مزارعت کا توڑ دینا ہے ودفع الارض المستاجرۃ من الاجیر مزارعۃ جاز ان البذر من ستاجر ومعاملۃ لم یجز مستاجر نے اجارہ کی زمین مالک زمین کو دی بطریق مزارعت کے تو جائز ہے اگر بیج مستاجر کا ہو اور اگر بطریق مساقاۃ کے تو جائز نہیں استاجرہا صاحبہا لیعمل فیہا جاز الکل من منح المصنف مستاجر نے زمین اجارہ لی پھر مستاجر سے مالک ن نے زمین اجارہ لی تا کہ اس میں عمل کرے تو جائز ہے یہ سب مسائل مصنف کی شرح منح الغفار سے منقول ہیں ہم عمل سے ہر قسم کا عمل مراد ے سوائے مساقاۃ کے اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ مالک کو بطریق مساقات کے زمین دینا جائز نہیں قلت وفی آخر باب جنایۃ البھیمۃ معزیا لاصۃ لبستانی ضیع امر البستان وغفل حتی دخل الماء وتلفت الکروم والحیطان قال یضمن الکروم لا الحیطان ولو فیہ حصرم ضمن الحصرم لا العنب النہایۃ ار حفظہ علیہما قلت ویضمن العنب فی عرفنا انتہی میں کہتا ہوں اور منح الغفار میں جنایۃ البھیمۃ کے آخر باب میں خلاصہ سے منقول ہے کہ بستانی مساقی نے ضائع کر دیا کام باغ کا اور غافل ہو گیا یہاں تک کہ پانی باغ میں داخل ہوا اور انگور کے درخت اور دیواریں تلف ہو گئیں ب خلاصہ نے کہا کہ تاوان دے درختوں کا نہ دیواروں کا اور اگر درختوں میں خام انگور ہو تو اس کا بھی تاوان دے نہ پختہ انگور کا اس واسطے • اپنے کمال کو پہنچ گیا تو اس کی نگہبانی مساقی اور مالک دونوں پر واجب ہو گی میں کہتا ہوں اور ہمارے عرف میں انگور کا بھی تاوان انتہی ما فی المنح انفق بلا اذن الآخر ولا امر قاض فھو متبرع کمرمۃ دار مشترکۃ خرچ کیا بلا اذن دوسرے کے اور بدون امر قاضی کے تو وہ برع ہے یعنی اس نے احسان کیا دوسرے سے خرچ کا مطالبہ نہیں کر سکتا جیسے مشترک گھر کا مرمت کرنا بلا اذن شریک موجب رجوع نہیں صورت اس کی یہ ہے کہ مزارع غائب ہے انقضائے مدت سے پہلے تو شخص حاضر خرچ کرے قاضی کا حکم لے کر اور صرف کیا غائب ے پھیر لے خواہ کھیت باقی رہے یا تلف ہو جائے اور اسی طرح اگر مزارع محتاج ہو جس کا کچھ مال نہیں تو یہی جواب ہے اور اگر بدون حکم ضی صرف کرے گا تو متبرع ہو گا اور اگر مدت اجارہ منقضی ہو گئی اور مالک زمین غائب ہو گیا اور کھیت ہنوز گھاس اور ساگ ہے قاضی مزارع کو صرف کرنے کا حکم نہ دے مگر جب گواہی سے ثابت ہو کہ کھیت اس میں اور غائب میں مشترک ہے اور اگر بدون قاضی خرچ کرے گا تو متطوع ٹھہرے گا کذا فی الطحطاوی مختصرا مات العامل فقال وارثہ انا اعمل الی ان یستحصد فلہ ذلک وان ابی رب الارض ی مزارع مر گیا سو اس کے وارث نے کہا کہ میں عمل کروں کھیت کاٹنے تک تو وہ اس کو درست ہے اگرچہ صاحب زمین نہ مانے کذا فی ستقی وفی الوہبانیۃ ؎ ویاخذ ارضا للیتیم وصیہ مزارعۃ ان کان ما ہو یبذر ∴ اور یتیم کا وصی یتیم کی زمین لے بطریق مزارعت اگر یتیم نہ ہو بیج الے والاھم اگر بیج وصی کا ہو تو مزارعت جائز ہے اور اگر یتیم کا بیج ہو تو جائز نہیں اور اسی پر فتوی ہے کذا فی الطحطاوی ؎ ولو قال بذر الارض فی مزارع ∴ لہ القول بعد الحصد والخصم ینکر ∴ اور اگر مزارع کہے کہ زمین کا بیج میرا ہے تو اسی کا قول مقبول ہو گا کھیت کاٹنے کے بعد اور حالانکہ طرف ثانی اس کا منکر ہے واللہ تعالی اعلم واستغفر اللہ الکریم ∴

⁂

کتاب المساقاۃ

یہ کتاب ہے مساقاۃ کے احکام میں لاتخفی مناسبتها پوشیدہ نہیں مناسبت مساقاۃ کی مزارعت سے ہم اس واسطے کہ دونوں عقد شرعی ہیں تحصیل منفعت کے واسطے فرق اتنا ہے کہ مزارعت میں کھیت کی خبرگیری ہے سینچنے وغیرہ سے اور مساقاۃ میں باغ اور درختوں کی اصلاح ہے سنچائی وغیرہ سے ہی المعاملة بلغة اہل المدینة مساقاۃ اہل مدینہ کی زبان میں معاملت ہے یعنی اہل مدینہ مساقاۃ کو معاملہ کہتے ہیں فہی لغة وشرعا معاقدة دفع الشجر والکروم وہل للمراد بالشجر مالیم غیر المثمر کالجوز والصفصاف لم اره الی من یصلحه بجزء معلوم من ثمرہ تو مساقاۃ باعتبار لغت اور شرع کے عبارت ہے معاقدہ دفع شجر سے یعنی درخت اور انگور کی بیل دینا اس شخص کو جو درخت کی اصلاح کرے کچھ اس کے معین پھلوں پر اور کیا شجرہ سے وہ درخت بھی مراد ہے جو درخت غیر مثمر کو بھی شامل ہو چنانچہ جوز اور صفصاف[1] کا درخت میں نے اس کو نہیں دیکھا کتب فقہ میں ہم یعنی مساقاۃ کے معنی لغوی اور شرعی میں کچھ فرق نہیں اور یہی قول نہایہ میں ہے اور ظاہر کلام زیلعی اور عینی اور مسکین اور درمختار پر دلالت کرتا ہے زیلعی نے اور اسی طرح صاحب درر نے کہا مساقاۃ معاملت ہے سقی سے حلبی نے کہا تعریف مساقاۃ میں ثمر مصرح ہے تو اشجار غیر مثمرہ کو کیونکہ شامل ہوگی مگر یوں جواب دیا جائے کہ ذکر اس کا بنا بر عادت حال کے ہے وہی کالمزارعة حکما وخلافا اور مساقاۃ مزارعت کے مانند ہے از راہ حکم اور اختلاف کے یعنی امام کے نزدیک مساقاۃ صحیح نہیں برخلاف صاحبین کے اور حکم مساقاۃ یہ ہے کہ وہ صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے وکذا شروطا تمکن ہنا لیخرج بیان البذر ونحوہ اور اسی طرح مساقاۃ مزارعت کے مانند ہے ان شرطوں میں جو یہاں ممکن ہیں امکان کی قید اس لیے لگائی تا بیج وغیرہ کا جیسا کہ اس کی جنس اور مقدار کا بیان کرنا نکل جاوے ہم شروط ممکنہ مساقاۃ چنانچہ اہلیت متعاقدین کی اور بیان کرنا حصہ عامل کا اور تخلیہ کر دینا عامل اور اشجار میں اور شرکت پھل میں جو پیدا ہوا الا فی اربعة اشیاء فلا تشترط ہنا اذا امتنع احدہما یجبر علیه اذلا ضرر بخلاف المزارعة کما مر مگر چار چیزوں میں سو وہ یہاں شرط نہیں ہوتی ایک یہ کہ جب کہ احد العاقدین انکار کرے تو اس پر مساقاۃ میں جبر کیا جاوے گا اس واسطے کہ کوئی ضرر نہیں برخلاف مزارعت چنانچہ مذکور ہو چکا یعنی اگر صاحب تخم مزارعت میں انکار کرے تو اس پر جبر نہیں واذا انقضت المدة ترک بلا اجر ویعمل بلا اجر وفی المزارعة باجر اور جب کہ مساقاۃ کی مدت منقضی ہو جائے تو چھوڑ دیا بدون اجر کے اور اس میں عمل کیا جائے بدون اجر کے اور مزارعت میں اجرت کے ساتھ ہم یعنی مدت مساقاۃ اگر منقضی ہو جائے اور پھل خام ہوں تو عامل کو جائز ہے کہ خبرگیری کیا کرے پھل پختہ ہونے تک جس طرح مزارع کو جائز ہے لیکن مزارعت میں مزارع پر اجرت زمین کی بقدر اس کے حصہ کے واجب ہوگی اور مساقات میں بقدر اس کے حصہ کے اجرت واجب نہیں اس واسطے کہ اشجار کا اجارہ درست نہیں برخلاف مزارعت کے کہ وہاں زمین کا اجارہ ہوگا اور وہ درست ہے کذا فی الطحطاوی عن الزیلعی واذا استحق النخیل یرجع العامل باجر مثله وفی المزارعة لقیمة الزرع اور جب کہ نخلستان میں استحقاق غیر ثابت ہو تو عامل اپنی اجرت مثل بھر لے اور مزارعت میں کھیت کی قیمت

---

[1] صفصاف بالفتح درخت بید کو کہتے ہیں اور جوز کی جگہ سرو یعنی سرو ہوتا تو اچھا ہوتا ۱۲ ✣

ہم عامل اس وقت اجر مثل لے گا جب کہ کھجور مثمرہ ہو اور اگر پھل نہ ہوں تو کچھ اجر نہیں کذا فی الطحطاوی عن تاتارخانیہ **والرابع بیان المدۃ** **لیس بشرط ہہنا استحسانا للعلم بوقتہ عادۃ** اور چوتھی چیز جو مزارعت میں شرط ہے اور مساقاۃ میں نہیں بیان کرنا ہے مدت کا بیان مدت یہاں استحسانا شرط نہیں بسبب معلوم ہونے اس کے وقت کے بطریق عادت کے ہم یعنی پختگی پھل کا وقت مقرر ہے اس میں کم تفاوت پڑتا ہے **وحینئذ تقع علی اول ثمر یخرج فی اول السنۃ** اور اس وقت یعنی درصورت عدم ذکر مدت مساقاۃ واقع ہوگی پہلے پھل پر اور جو پیدا ہوا اول سال میں ہم یعنی مساقاۃ منعقد ہوگی اول ثمر پر جو اس سال میں خارج ہوا اس واسطے کہ وہ متیقن ہے اور مابعد اس کا مشکوک ہے **وفی الرطبۃ علی ادراک بذرہا اذ الرغبۃ فیہ وحدہ** اور درصورت عدم بیان مدت رطبہ میں مساقاۃ منعقد ہوگی اس کے بیج کے پکنے پر اس واسطے کہ اس کی فقط بیج ہی میں رغبت ہوتی ہے ہم رطبہ بفتح اول ولایت میں عمدہ چارہ ہے ایک بار کا بویا سالہا سال رہتا ہے اس کے بیج کی زیادہ قدر ہوتی ہے طحطاوی نے کہا رطبہ جب تک تر رہتا ہے اس کو قضب کہتے ہیں اور اہل مصر برسیم کہتے ہیں اور خشک کو درلیس بولتے ہیں اور بعضوں نے کہا رطبہ سے بقول مراد ہیں چنانچہ شارح نے قول ثانی پر اقتصار کیا ہے اگلی عبارت میں انتہی اور فارسی میں رطبہ کو سپیست کہتے ہیں

فان لم تخرج فی تلک السنۃ ثمرۃ فسدت اور اگر اس سال میں پھل نہ پیدا ہو تو مساقات فاسد ہوگی درصورت عدم بیان مدت **ولو ذکر مدۃ لا تخرج الثمرۃ فیہا فسدت** اور اگر ایسی کمتر مدت ذکر کرے جس میں پھل ہو پیدا تو مساقاۃ فاسد ہے **ولو تبلغ الثمرۃ فیہا اولا تبلغ صح لعدم التیقن بفوات المقصود** اور اگر اتنی مدت مذکور ہو کہ گاہے اس میں پھل پختہ ہو اور گاہے نہ پختہ ہو تو عقد صحیح ہے بسبب عدم تیقن فوت مقصود کے ہم بلکہ اس مدت میں مقصود کا احتمال ہے اور بسبب حدوث آفت کے احتمال موجود ہے ہر مساقاۃ اور مزارعت میں **فلو خرج فی الوقت المسمی فعلی الشرط لصحۃ العقد والا فسدت فللعامل اجر المثل لعدم عملہ الی ادراک الثمر** تو اگر پھل پیدا ہوا وقت مسمے میں تو مساقاۃ اپنے مشروط پر ثابت ہے بسبب صحیح ہوجانے عقد کے اور اگر پیدا ہو تو مساقاۃ فاسد ہے سو عامل کے واسطے اجرت مثل ہے تا کہ اس کا عمل ہمیشہ رہا ہے پھل پکنے تک **ولو دفع غراسا فی ارض لم تبلغ الثمرۃ علی ان یصلحا فما خرج کان بینہما تفسد ہذہ المساقاۃ ان لم یذکر اعواما معلومۃ وان ذکر ذلک صح** اور اگر ایسے پودے درخت کے جو زمین میں قائم ہیں اور ہنوز ان کے پھلنے کی نوبت نہیں پہنچی مالک نے باغبان کو دیے اس شرط پر کہ ان کی خبرگیری اور درستی کرے اور جو پھل پیدا ہوا وہ دونوں میں نصفا نصف ہو تو یہ مساقاۃ فاسد ہے اگر وہ چند سال معین کو ذکر نہ کرے اور اگر ذکر کرے اس کو تو عقد صحیح ہے ہم بیان مدت اس صورت میں اس لیے ضرور ہوا کہ نئے درختوں کا پھل لانا نہایت متفاوت ہوتا ہے باعتبار قوت اور ضعف اراضی کے تو اس کا اول ثمر پر محمول کرنا ممکن نہیں کذا فی الزیلعی **وکذا لو دفع اصول رطبۃ فی ارض مساقاۃ ولم یسم المدۃ** اور اسی طرح مساقاۃ فاسد ہے اگر رطبہ کی جڑیں جو زمین کے اندر ہیں بطور مساقات کے دیں ہم یعنی بقا اصول تک مساقاۃ فاسد ہے اس واسطے کہ اس کی انقطاع کی حد مقرر نہیں کیونکہ رطبہ کی جڑیں بڑھا کرتی ہیں جب تک زمین میں قائم ہیں تو مدت مجہول ٹھہری کذا فی الزیلعی **بخلاف الرطبۃ فانہ یجوز وان لم یسم المدۃ ویقع علی اول جزۃ یکون** برخلاف رطبہ کے کہ اس کی مساقاۃ جائز ہے اگرچہ مدت مذکور نہ ہو اور عقد واقع ہوگا اول تراش پر جو عقد کے بعد ہو ہم اس واسطے کہ اس کی نہایت کی حد ہے چنانچہ چھ مہینے کذا فی الدرر **ولو دفع رطبۃ انتہی جذاذہا علی ان یقوم علیہا حتی یخرج بذرہا ویکون بینہما نصفین جاز بلا بیان المدۃ والرطبۃ لصاحبہا** اور اگر مالک وہ رطبہ دے جس کے قطع کا وقت منتہی ہوگیا اس شرط پر کہ عامل اس کی خبرگیری کیا کرے یہاں تک کہ اس کا بیج پیدا ہو اور بیج دونوں میں نصفا نصف ہو تو مساقاۃ جائز ہے بدون بیان کرنے مدت کے اور رطبہ اس کے مالک کی ہے ہم اس واسطے کہ بیج کا وقت مزارعین کے نزدیک معلوم ہے

ف۱ بفتح سین مہملہ وکسر بار فارسی وسکون سین مہملہ ساگ نرم اور چکنا ہے جس کے کھانے سے مواشی فربہ ہو جاتے ہیں ۱۲

اور بیج نکلا عامل کی محنت سے تو مناصفہ شرط کرنا صحیح ہو گیا اور رطبہ فقط مالک کا ہوا اس واسطے کہ عامل کی محنت کا اسمیں کچھ اثر نہیں کذا فی الدرر **ولو شرطا الشرکۃ فیہما** ای فی الرطبۃ **فسدت لشرطہما الشرکۃ فیما لا ینمو بعملہ** اور اگر دونوں نے رطب میں بھی شرکت شرط کی تو مساقاۃ فاسد ہے اس واسطے کہ انھوں نے اس میں شرکت شرط کی جو نہیں بڑھا عامل کی محنت سے یعنی رطبہ تو موجود تھا اس کی محنت سے پہلے **وتصح فی الکرم والشجر والرطاب** المراد منہا جمیع البقول **واصول الباذنجان والنخل** وخصہا الشافعی بالکرم والنخل اور مساقاۃ صحیح ہے انگور کی بیل اور درخت اور رطاب میں سے مراد جمیع بقول ہیں اور مساقاۃ صحیح ہے بیگن کی جڑوں میں اور کھجور میں اور امام شافعی نے مساقاۃ کو مخصوص کیا ہے انگور اور کھجور میں **لو فیہ** ای الشجر المذکور **ثمرۃ غیر مدرکۃ** یعنی تزید **بالعمل وان مدرکۃ** قد انتہت **لا تصح کالمزارعۃ** لعدم الحاجۃ مساقات صحیح ہے اگر درخت مذکور میں کچا پھل ہو یعنی جو عامل کی محنت سے بڑھے اور اگر پختہ پھل ہو جو اپنی نہایت کو پہنچ گیا تو مساقات صحیح نہیں مزارعت کے مانند عدم حاجت کے سبب سے **دفع ارضا بیضاء مدۃ معلومۃ لیغرس وتکون الارض والشجر بینہما لا تصح** لاشتراطہ الشرکۃ فیما ہو موجود قبل الشرکۃ فکان کقفیز الطحان فتفسد زمین سفید یعنی خالی صاف زمین دی مدت معین پر تاکہ عامل اس میں درخت لگا دے اور زمین اور درخت دونوں میں نصفا نصف ہو تو مساقاۃ صحیح نہیں بسبب مشروط ہونے شرکت کے اس چیز میں جو موجود ہے شرکت سے پہلے یعنی زمین تو یہ قفیز الطحان کے مانند ہوا تو فاسد ہوگا **والثمر والغرس لرب الارض** تبعا لارضہ **وللآخر قیمۃ غرسہ** یوم الغرس **واجر مثل عملہ** اور مسئلہ مذکورہ میں پھل اور درخت صاحب زمین کا ہے اس کی زمین کا تابع ہو کر اور دوسرے شخص یعنی عامل کے واسطے اس کے درخت کی قیمت ہے جو قیمت کہ درخت لگانے کے دن تھی اور اس کے عمل کی اجرت مثل ہے وحیلۃ الجواز ان یبیع نصف الغراس بنصف الارض ویستاجر رب الارض العامل ثلث سنین مثلا بشیٔ قلیل لیعمل فی نصیبہ صدر الشریعۃ اور شرکت مذکورہ کی جواز کا یہ حیلہ ہے کہ عامل آدھے درختوں کو بعوض آدھی زمین کے بیع کرے اور زمین کا مالک عامل کو مثلاً تین سال کے واسطے نوکر رکھ لے تھوڑی سی اجرت پر تاکہ مالک کے حصہ میں وہ محنت کر کے درخت تیار کر دے کذا فی شرح الوقایۃ لصدر الشریعۃ ھم تو اس تدبیر سے صاحب زمین نصف زمین اور نصف درختوں کا مالک ہوگا اور اسی طرح عامل نصف زمین اور نصف درختوں کا مالک ٹھہرے گا اور تین سال سے مراد وہ مدت ہے جس میں درخت پھلنے کے لائق ہو جاویں **ذہبت الریح بنواۃ رجل والقتہا فی کرم آخر فنبت منہا شجرۃ فہی لصاحب الکرم** اذ لا قیمۃ للنواۃ ایک مرد کی گٹھلی کو ہوا اڑا لے گئی اور دوسرے شخص کے باغ میں اس کو ڈالا سو اس سے درخت جما تو زمین کے مالک کا ہوگا اس واسطے کہ گٹھلی کی کچھ قیمت نہیں **وکذا لو وقعت خوخۃ فی ارض غیرہ فنبتت** لان الخوخۃ لا تنبت الا بعد ذہاب لحمہا اور اسی طرح اگر شفتالو دوسرے کی زمین میں گرا پھر وہاں جما تو زمین کے مالک کا ہوگا اس واسطے کہ شفتالو نہیں جمتا مگر اس کے گوشت کے جانے کے بعد یعنی جمنے کے وقت فقط گٹھلی باقی رہی اور گٹھلی کی کچھ قیمت نہیں **وتبطل** ای المساقاۃ **کالمزارعۃ بموت احدہما ومضی مدتہا والثمر نیٔ** ہذا قید لصورتی الموت ومضی المدۃ اور مساقات مزارعت کے مانند باطل ہو جاتی ہے احد العاقدین کی موت سے اور مساقاۃ کی مدت منقضی ہو جانے سے اور حالانکہ پھل کچا ہے شارح نے کہا یہ یعنی خامی ثمر موت اور انقضائے مدت دونوں کی قید ہے **فان مات العامل تقوم ورثتہ علیہ** ان شاؤا **حتی یدرک الثمر وان کرہ الدافع** ای رب الارض وان ارادوا القلع لم یجبروا علی العمل سو اگر عامل مرگیا تو اس کے وارث اس پر قائم رہیں اگر چاہیں یہاں تک کہ پھل پختہ ہو اگرچہ دینے والا یعنی زمین کا مالک اس کو پسند نہ کرے اور اگر وارث پھل توڑنا چاہیں تو عمل کرنے پر ان پر جبر نہ ہوگا ھم اور مالک زمین کو اس صورت میں تین امر میں اختیار ہے چاہے وارثوں کے ساتھ وہ بھی

بقیہ حاشیہ ✣ (دیکھیے صفحہ کا حاشیہ)

کچا پھل توڑ لے اور قسمت کر لے اور چاہے عامل کے حصہ کی قیمت دے اور سب پھلوں کا مالک ہو اور چاہے خرچ کر کے پھلوں کی خبر گیری کرا دے ان کی پختگی تک اور جو صرف ہو وہ عامل کے حصہ سے جو پھلوں میں ہے مجرا کر لے کذا فی الطحطاوی **وان مات الدافع یقوم العامل کما کان وان کرہ ورثۃ الدافع** دفعا للضرر اور اگر دینے والا یعنی مالک زمین مرجائے تو قائم رہے عامل عمل پر جس طرح پہلے تھا اگرچہ مالک کے وارث راضی نہ ہوں یہ حکم دفع ضرر کے سبب سے ہے ھ اور اگر عامل کچے پھل توڑ لینے پر راضی ہو تو اس کو اختیار ہے اس واسطے کہ عقد کا باقی رکھنا اس کے ضرر دفع کرنے کے واسطے تھا اور اگر وہ راضی ہوا اپنے ضرر پر تو عقد باطل ہوگا اور مالک زمین کے وارثوں کو خیارات ثلثہ متقدمہ ہیں کذا فی الطحطاوی **وان ماتا فالخیار فی ذلک لورثۃ العامل** کما مر اور اگر عامل اور مالک زمین دونوں مرگئے تو اس میں عامل کے وارثوں کا اختیار ہے چنانچہ مذکور ہو چکا **وان لم یمت احدہما بل انقضت مدتہا** ای المساقاۃ **فالخیار للعامل** ان شاء عمل علی ما کان اور اگر احد العاقدین سے کوئی نہ مرگیا بلکہ مساقاۃ کی مدت منقضی ہوگئی تو عامل کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو عمل کیا کرے جس طرح مدت کے اندر کرتا تھا تا پختگی ثمر اور چاہے نہ عمل کرے **وتفسخ بالعذر کالمزارعۃ** کما فی الاجارۃ اور مساقاۃ فسخ کی جاتی ہے عذر سے مزارعت کے مانند چنانچہ اجارات میں فسخ ہوتا ہے عذر سے **ومنہ کون العامل عاجزا عن العمل وکونہ سارقا یخاف علی ثمرہ** وسعفہ منہ دفعا للضرر اور منجملہ عذرات عامل کا عاجز ہونا عمل سے اور اس کا چور ہونا کہ اس کی طرف سے خوف ہو اس کے پھل اور شاخوں پر فسخ جائز ہوا دفع ضرر کے واسطے **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے ما قبل الادراک کسقی وتلقیح وحفظ فعل العامل وما بعدہ کجذاذ وحفظ فعلیہما ولو شرط علی العامل فسدت اتفاقا ملتقی والاصل ان ما کان من عمل قبل الادراک کسقی فعلی العامل وبعدہ کحصاد علیہما کما بعد القسمۃ فلیحفظ جو عمل کہ پختگی ثمر سے پہلے ہے چنانچہ سینچنا اور تلقیح[له] خرما اور نگہبانی سو وہ عمل پر ہے اور جو عمل کہ پختگی کے بعد ہے جیسے پھل توڑنا اور نگہبانی سو عامل اور مالک دونوں پر لازم ہے اور اگر عمل بعد از پختگی بھی عامل پر شرط کیا جائے تو مساقاۃ فاسد ہوگی بالاتفاق کذا فی الملتقی اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو عمل کہ قبل از پختگی ہو جیسے سینچنا تو وہ عامل پر ہے اور جو بعد پختگی ہو چنانچہ قطع کرنا وہ دونوں پر ہے چنانچہ قسمت کے بعد دونوں پر ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے **دفع کرمۃ معاملۃ بالنصف ثم زاد احدہما علی النصف ان زاد رب الکرم لم یجز لانہ ہبۃ مشاع یقسم وان زاد العامل جاز لانہ اسقاط** مالک نے انگور کی بیل نصفا نصف پر بطور مساقات کے دی پھر ایک شریک نے نصف پر کچھ زیادہ مقرر کر دیا تو اگر مالک انگور نے زیادہ کر دیا تو جائز نہیں اس واسطے کہ یہ ہبہ ہے اس مشاع کا جو قسمت پذیر ہے اور اگر عامل نے زیادہ کر دیا تو جائز ہے اس واسطے کہ یہ اسقاط ہے یعنی اپنا حق کم کر دیا **دفع الشجر لشریکہ مساقاۃ لم یجز** فلا اجر لہ لانہ شریک فیقع العمل لنفسہ درخت دے اپنے شریک کو بطور مساقاۃ کے تو جائز نہیں اور اس کے واسطے اجرت بھی نہیں اس واسطے کہ وہ شریک ہے تو عمل اس کی ذات کے واسطے واقع ہوگا ھ یعنی عمل اصالتاً اپنی ذات کے واسطے ہوگا اور بقا غیر کے واسطے وفی الوہبانیۃ ســه وما للمساقی ان یساقی غیرہ ؛ وان اذن المولی لہ لیس ینکر ؛ اور وہبانیہ میں ہے اور مساقی یعنی عامل کو جائز نہیں یہ کہ اپنے غیر کو بطور مساقات کے دے اور اگر مالک اذن دے اس کو تو معیوب نہیں ھ یعنی اگر مالک یوں کہے کہ عمل کر اپنی عقل اور تجویز پر تو دوسرے سے عامل کو مساقاۃ کرنا درست ہے جیسے شرح وہبانیہ اور عالمگیریہ سے مستفاد ہوتا ہے تو اگر ناظم بجائے اذن اطلق بولتا تو بہتر ہوتا کذا فی الطحطاوی وفی معایاتہا ســه وای شیاہ دون ذبح یحلہا ؛ وای المساقی والمزارع یکفر ؛ اور وہبانیہ کی پہیلیوں میں سے یہ پہیلی ہے اور کس بکری کو ذبح کرنے کے شارع حلال رکھتا ہے اور کونسی مساقی اور مزارع کو کافر کہتے ہیں ھ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ بکری مردہ

[له] نر کی شگوفہ کا پانی مادہ میں پہنچانا تاکہ مور لا دے ۱۲ ؛

ہے جو جنگل میں وحشی ہوگئی کسی طرح اس کے مالک کو نہیں ملتی ہے کہ اس کو ذبح کرے تو وہ زخمی کر دینے سے حلال ہوجاتی ہے خواہ زخم ہاتھ پاؤں میں لگے خواہ پیٹ یا پیٹھ میں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر مساقی اور مزارع کافر ہے اس واسطے کہ کفر لغت میں بمعنی چھپانے کے ہے اور ہر باغبان اور کاشتکار تخم بوتا ہے تو اس کو خاک میں چھپاتا ہے تو یہاں کافر لغوی مراد ہے نہ کافر اصطلاحی خاتمہ منح الغفار میں ہے کہ محمد بن فضل کے فتاوی میں کہا کہ قولہ تعالی (یا ایہا الذین اٰمنو کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً) میں حلال تو معلوم ہے اور طیب وہ ہے کہ زمین لے بطریق مزارعت یا مساقاۃ کے یا اپنی زمین میں زراعت کرے اس طرح کہ نماز پنجگانہ جماعت سے اوقات مستحبہ میں ادا کرے تو حلال طیب حاصل ہو لیکن اگر ایک نماز میں بھی بسبب اشتغال زراعت کے تاخیر کرے گا وقت مستحب سے تو اس کی زراعت طیب نہ رہے گی اور اسی طرح اگر بیج بو دے گا یا درخت لگا دے گا بدون طہارت کے یا مزدور کی مزدوری نہ دے گا یا مزدوری دینے میں اتنی دیر کرے گا کہ پسینہ مزدور کا خشک ہوگیا یا ادائے عشر میں مدت معین کے ہوجانے کے بعد تاخیر کرے گا یا عشر متفرق دے گا بدون رضامندی بالغ کے تو اس کی کھیتی طیب نہ رہے گی اور مستحب یہ ہے کہ بیج زمین میں ڈالے طہارت کر کے پھر کھیت کے کنارہ پر دو رکعتیں نماز پڑھے اور یہ دعا کرے (اللہم[ف۱] انی عبد ضعیف سلمت ہذا الیک فسلمہ لی وبارک لی فیہ) پھر درود پڑھے حق سبحانہ تعالی اس کھیت کو آفات سے بچا دے گا اور اس میں برکت کرے گا اور جب کھیت پختہ ہو تو مستحب مؤکد یہ ہے کہ کیل یا وزن کرنے والا طہارت کر کے قبلہ رخ بیٹھے اور نہیں تو برکت نہ ہوگی پھر جب کیل یا وزن کر چکے تو دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے (یا رب[ف۲] القیت بذراً قلیلاً واعطیتنی شیئاً کثیراً فاجعلہا قوت طاعۃ ولا تجعلہا قوت معصیۃ واجعلنی من الشاکرین) اور اسی طرح درخت لگانے میں کرنا چاہیے کذا فی الطحطاوی بتصرف واللہ اعلم واستغفر اللہ الحلیم الکریم ∴

* * *

[ف۱] الٰہی میں بندہ ضعیف ہوں اس کو میں نے تیرے حوالہ کیا تو اس کو میرے حوالے کرنا اور مجھ کو اس میں برکت دینا ۱۲ ∴

[ف۲] الٰہی میں نے تھوڑا بیج ڈالا اور تو نے مجھ کو بہت کچھ دیا پس اس کو غذائے طاعت کر اور غذائے معصیت مت کر ، اور مجھ کو شکر گزاروں میں سے کر ۱۲ ∴

کتاب الذبائح

یہ کتاب ہے حیوانات مذبوحہ کے احکام میں ذبائح جمع ہے ذبیحہ کی مناسبتہا للمزارعۃ کونہما اتلافا فی الحال للانتفاع بالنبات واللحم فی المآل مناسبت کتاب الذبائح کی کتاب المزارعت سے ہونا دونوں کا اتلاف فی الحال اور نفع حاصل کرنا نباتات اور گوشت سے انجام کار میں ھم مناسب یہ تھا کہ شارح ذبائح اور مساقاۃ میں مناسبت مذکور کرتا اس واسطے کہ ذبائح مساقاۃ کے بعد مذکور ہے نہ مزارعت کے بعد تو وجہ مناسبت میں یوں کہنا حق ہے ہر ایک میں خورش انسانی مذکور ہے مساقاۃ میں پھل اور ذبائح میں گوشت کذا فی الحموی الذبیحۃ اسم ما یذبح کالذبح بالکسر واما بالفتح فقطع الاوداج ذبیحہ اس حیوان کا نام ہے جو ذبح کیا جائے جیسے ذبح بالکسر حیوان مذبوح کا نام ہے اور ذبح بالفتح تو عبارت ہے قطع عروق سے **حرم حیوان من شانہ الذبح** خرج السمک والجراد فیحلان بلا ذکاۃ ودخل المتردیۃ والنطیحۃ **وکل مالم یذک ذکاۃ** شرعیا اختیار یا کان او اضطراریا جو جاندار کہ شرعا لائق اور قابل ذبح ہے وہ حرام ہے جب تک ذبح نہ کیا جائے بطریق ذبح شرعی کے خواہ ذبح اختیاری ہو خواہ اضطراری شارح نے کہا لیاقت ذبح کی قید سے مچھلی اور ٹڈی نکل گئی تو وہ دونوں حلال ہیں بدون ذبح کے اور حرمت میں داخل ہوا وہ جانور جو اونچے پر سے گر کے مرگیا اور جو جانور سینگ وغیرہ کا زخم کھا کر مرگیا اور جو حیوان کہ ذبح نہ کیا گیا ھم حلبی نے کہا کہ شارح نے جو ماتن کی عبارت میں تصرف کیا سو تصرف فاسد ہے کہ متن قید نہ رہا تعریف میں انتہی لہذا مترجم نے عبارت متن کا ترجمہ مقدم جانا **وذکاۃ الضرورۃ** جرح وطعن وانہار دم **فی ای موضع وقع من البدن** اور ضرورت کا ذبح زخمی کرنا اور کوچنا اور خون کا بہانا ہے بدن میں سے جہاں کہیں زخم واقع ہو ھم کوچنا اور خون بہانا بدون زخم کے نہیں ہوتا تو طعن اور انہار دم کی کچھ حاجت نہ تھی **وذکاۃ الاختیار ذبح بین الحلق واللبۃ** بالفتح المنحر من الصدر اور ذبح اختیاری ذبح کرنا ہے درمیان حلق اور لبہ کے لبہ بفتح لام وتشدید با د نحر کرنے کا مقام ہے سینہ سے ھم واضح تر زیلعی کا قول ہے کہ ذبح اختیاری زخم لگانا ہے درمیان لبہ اور لحیین کے اتقانی نے کہا کہ لبہ سر سینہ ہے اور لحیان ذقن ہے اور مصباح میں ہے لبہ فتحہ موضع ہے اس کے نحر کرنے کا فارابی نے کہا کہ لبہ عبارت ہے منحر سے اور منحر موضع ہے نحر کا حلق سے اور موضع قلادہ کا ہے صدر سے کذا فی الطحطاوی وعروقہ الحلقوم کلہ وسطہ او اعلاہ او اسفلہ وہو مجری النفس علی الصحیح اور ذبح کے عروق میں سے ایک حلقوم ہے بالکل خواہ ذبح حلقوم کے درمیان ہو یا اس کے اوپر یا اس کے نیچے اور حلقوم دم کے آنے جانے کی راہ ہے بر قول صحیح جس کو اہل ہند نرخرا کہتے ہیں ھم ہدایہ میں کہا کہ حلقوم مجری ہے طعام اور شراب کا سو کاتب وغیرہ کا سہو ہے بلکہ حلقوم سانس آنے جانے کی راہ ہے کذا فی شرح الوقایہ طحطاوی نے کہا صاحب مواہب نے کہا کہ ذبح متعین ہے درمیان حلق اور لبہ کے نیچے گرہ کے کمال باشانے کہا کہ ذبح جائز نہیں فوق العقدۃ یعنی گرہ کے اوپر اور بعضوں نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور زیلعی نے کہا ہمارے علماء نے اگرچہ عروق اربعہ کا قطع شرط کیا ہے سو حلقوم اور مری میں سے ایک کا قطع سب کے نزدیک ضروری ہے اور جب کہ عقدہ حلقوم میں سے جانب سر کچھ باقی نہ رہے گا تو ایک کا بھی قطع حاصل نہ ہوگا تو وہ ماکول نہ ہوگا بالاجماع اور اسی طرح شمنی اور ملا علی اور شرنبلالی نے کہا ہے اور فتاویٰ عالمگیری اور تجنیس اور مزید میں واقعات سے زیلعی کے موافق منقول ہے تو ظاہراً زیلعی اور اس کے ساتھیوں کا قول حق ہے بالجملہ احتیاطا

یہ ہے کہ متفق علیہ پر عمل کرنا چاہیے انتہی مختصرا والمری ہو مجری الطعام والشراب اور منجملہ عروق اربعہ مری ہم وزن امیر ہے یعنی کھانے اور پینے کی راہ ھم اطبا نے تصریح کی ہے کہ اقتضائے فم میں دو منفذ ہیں ایک دم آنے جانے کا منفذ ہے پھیپھڑے کی طرف اس کو قصبہ ریہ کہتے ہیں اور دوسرا طعام اور شراب کا منفذ ہے معدہ کی طرف اس کو مری بولتے ہیں اور حلقوم اور قصبہ ریہ سامنے ہے اور مری اس کے پیچھے ہے پشت کی طرف والودجان مجری الدم اور منجملہ عروق اربعہ ودجان ہیں جن میں خون پھرتا ہے جن کو شاہ رگ بولتے ہیں ھم دونوں رگیں حلقوم اور مری کے چپ و راست واقع ہیں یہ چاروں عروق ذبح کے واسطے اس لیے متعین ہوئیں کہ دونوں شاہ رگ کا قطع خون نکل جانے کے واسطے ہے اور حلقوم اور مری کا قطع تعجیلا کے واسطے ہے یعنی تاکہ جان جلد نکل جاوے کذا فی الطحطاوی وحل المذبوح بقطع ای ثلث منہا اذ للاکثر حکم الکل اور حیوان مذبوح حلال ہو جاتا ہے عروق اربعہ میں سے تین رگوں کے کٹ جانے سے کوئی کیوں نہ ہو اس واسطے کہ اکثر کے واسطے کل کا حکم ہے یعنی اکثر کل کے برابر ہے ھم تین رگوں کا قطع ضرور ہے خواہ حلقوم اور مری اور ایک شہ رگ خواہ حلقوم اور دو شہ رگ خواہ مری اور دو شہ رگ وہل یکفی قطع اکثر کل منہا خلاف[۵۱] اور کیا کفایت کرتا ہے کل عروق اربعہ میں سے ہر رگ کے اکثر کا قطع ہونا اس میں خلاف ہے ھم شلبی نے حاشیہ میں کہا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عروق اربعہ میں سے کوئی تین رگیں جب کہ قطع ہو جاویں تو ذبیحہ حلال ہے اور ابو یوسف سے تین روایتیں ہیں ایک تو یہی روایت ہے کہ مذکور ہو چکی دوسری روایت یہ ہے کہ حلقوم اور دو رگوں کا قطع کرنا شرط ہے تیسری روایت یہ ہے کہ قطع حلقوم اور مری اور ایک شہ رگ کا شرط ہے اور محمد کے نزدیک عروق اربعہ میں سے ہر رگ کا اکثر کٹ جانا ضروری ہے یعنی اگر ہر رگ دو حصہ قطع ہو جائے اور ایک حصہ قطع سے باقی رہے تو ذبیحہ حلال ہے کذا فی الطحطاوی وحل الذبح بکل ما افری الاوداج اراد بالاوداج کل اربعۃ تغلیبا وانہر الدم ای اسالہ ولو بنار او بلیطۃ ای قشر قصب او مر ہی حجر ابیض کالسکین یذبح بہا اور ذبح کرنا حلال ہے ہر ایک تیز چیز سے جو اوداج کو کاٹ دے اور خون کو بہا دے اگرچہ قطع اور خونریزی آگ سے ہو یا بانس یا نرکل کے پوست سے یا باڑھ دار پتھر سے شارح نے کہا مصنف نے اوداج سے چاروں رگوں کا ارادہ کیا باعتبار تغلیب کے اور مروہ وہ سفید پتھر چھری کے مانند ہے جس سے ذبح کرتے ہیں ھم شلبی نے حاشیہ میں کہا ایک غریب مسئلہ ہے کہ اتقانی نے ہدایہ کی کتاب الجنایات میں ذکر کیا ہے کہ آگ سے ذکاۃ یعنی ذبح ہو سکتا ہے اگر آگ رکھی جائے موضع ذبح پر اور حلقوم اور دونوں شہ رگ کو قطع کر دے تو اس کا کھانا حلال ہے اس کو قدوری نے اپنی شرح میں مذکور کیا ہے انتہی اور اس کے خط سے حاشیہ پر یوں مذکور ہے کہ یہ روایت اصول شمس الائمہ اور اصول فخر الاسلام کے مخالف ہے کہ ذکاۃ آگ سے نہیں واقع ہوتی کذا فی الطحطاوی الا سنا وظفرا قائمین مگر جمے دانت اور جمے ناخن سے ذبح کرنا حلال نہیں ولو کانا منزوعین حل عندنا مع الکراہۃ لما فیہ من الضرر بالحیوان کذبحہ بشفرۃ کلیلۃ اور اگر دانت اور ناخن منزوع ہوں یعنی علیحدہ اور جدا ہوں منہ اور انگلی سے تو ہم حنفیوں کے نزدیک ان سے ذبح کرنا حلال ہے کراہت کے ساتھ اس واسطے کہ اس میں ضرر یعنی حیوان کو تکلیف ہے جیسے جانور کو ذبح کرنا کند چھری سے مکروہ ہے ھم امام شافعی کے نزدیک دانت اور ناخن سے ذبح کرنا حرام ہے کیونکہ حدیث میں منع وارد ہے کہ وہ حبشیوں کی چھریاں ہیں یعنی حبشی لوگ جانور کو دانتوں اور ناخن سے ذبح کرتے تھے اور حنفیوں کے نزدیک یہ حدیث غیر منزوع پر محمول ہے کہ حبشیوں سے یہی صادر ہوتا ہے طحطاوی نے کہا کہ ظاہرا کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے چنانچہ تعلیل کراہت

---

[۵۱] بعض نسخوں میں اس کے بعد یہ بھی مذکور ہے وصحح البزازی قطع حلقوم ومری واکثر ودج یعنی بزازی نے تصحیح کی ہے کل حلقوم اور مری کی اور ایک شہ رگ میں سے اکثر کے کٹنے کی اور بعض نسخوں میں یہ عبارت بھی ہے وسیجئی انہ یکفی من الحیوۃ قدر ما یبقے فی المذبوح ۱۲ ؛

اس پر دلالت کرتی ہے **وندب احداد شفرتہ قبل الاضجاع وکرہ بعدہ کالجر برجلہا الی المذبح** اور مستحب ہے تیز کر لینا چھری کا ذبح کے لٹانے سے پہلے اور تیز کرنا لٹانے کے بعد مکروہ ہے جس طرح اس کا پاؤں پکڑ کے کھینچنا مذبح کی طرف مکروہ ہے ھم حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احسان کرنا ہر چیز پر فرض کیا ہے تو جب قتل کرو تو اچھی طرح کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح کرو اور چاہیے کہ تیز کر لے اپنی چھری کو اور آرام دے اپنے ذبیحہ کو **وذبحہا من قفاہا** ان بقیت حیۃ حتی تقطع العروق والا لم تحل لموتہا بلا ذکاۃ اور مکروہ ہے جانور کا ذبح کرنا اس کی گردن کے پیچھے سے اگر وہ زندہ رہے رگوں کے کٹ جانے تک اور اگر اس قدر زندہ نہ رہے تو اس کا کھانا حلال نہیں بدون مذبوح کے مرجانے سے ھم وجہ کراہت مخالفت سنت کی ہے اور اس واسطے کہ اس میں بلا حاجت زیادہ تکلیف رسانی ہے **والنخع** بفتح فسکون بلوغ السکین النخاع وہو عرق ابیض فی جوف عظم الرقبۃ اور مکروہ ہے ذبح شدید یہاں تک کہ حرام مغز تک چھری پہنچ جائے شارح نے کہا نخع بفتح نون وسکون خائے معجمہ پہنچنا چھری کا نخاع تک ہے اور نخاع سفید رگ ہے گردن کی ہڈی کے اندر ھم نخاع بالکسر اور فتحہ اور ضمہ بھی لغت میں درست ہے حرام مغز کو کہتے ہیں جو گردن اور پیٹھ کی گریوں میں دبنالہ کے مانند واقع ہے طحطاوی نے کہا بعضوں نے کہا نخع یہ ہے کہ گردن کو کھینچے تا کہ ذبح کا مکان ظاہر ہو اور بعضوں نے کہا کہ نخع گردن کا توڑنا ہے ٹھنڈے ہونے سے پہلے اور یہ سب افعال مکروہ ہیں کہ بلا فائدہ تعذیب ہے جیسا کہ زیلعی میں ہے **وکرہ کل تعذیب بلا فائدۃ مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد** ای تسکن من الاضطراب وہو تفسیر باللازم کما لا یخفی اور بدون فائدہ کے ہر تعذیب اور تکلیف رسانی مکروہ ہے چنانچہ سر کا کاٹنا اور کھال کا ادھیڑنا ٹھنڈے ہوجانے سے پہلے یعنی سکون من الاضطراب سے پیشتر اور وہ تفسیر باللازم ہے چنانچہ مخفی نہیں یعنی برودت کو سکون عن الاضطراب لازم ہے بدون عکس اس واسطے کہ گاہے سکون عن الاضطراب ہوتا ہے اور برودت اس سے متاخر ہوتی ہے اور منجملہ تعذیب بے فائدہ سے یہ ہے کہ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا کذا فی الطحطاوی **وکرہ ترک التوجہ الی القبلۃ** لمخالفۃ السنۃ اور مکروہ ہے ذبح کے وقت قبلہ رخ نہ ہونا بسبب مخالفت سنت کے **وشرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صیدا** فصید الحرم لا تحلہ الذکاۃ فی الحرم مطلقا اور شرط ہے ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اور محرم نہ ہونا اور حرم مکہ معظمہ سے باہر ہونا غیر محرم اور خارج حرم ہونا اس وقت شرط ہے جب کہ ذبیحہ وحشی شکار ہو تو وحشی شکار کو حرم شریف میں ذبح کرنا حلال نہیں مطلقا خواہ ذابح محرم ہو یا حلال ھم پس اگر محرم ہو اور شکار کو حلال کرنے تو وہ حلال ہے **او کتابیا ذمیا او حربیا** الا اذا سمع منہ عند الذبح ذکر المسیح یا شرط ہے ذابح کا اہل کتاب ہونا خواہ ذمی ہو یا حربی مگر جب کہ اس سے ذبح کے وقت مسیح علیہ السلام کا ذکر سنا جائے تو ذبیحہ حلال نہیں ھم یہود اور نصاریٰ کا ذبیحہ اس واسطے حلال ہے کہ وہ توحید کے مدعی ہیں اور اصل اس میں یہ آیت قرآنی ہے (وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم) یعنی اہل کتاب کا طعام تمہارے واسطے حلال ہے اور طعام سے مراد وہ طعام ہے جس کو وہ ذبح کریں اور جس طعام کو ذبح لاحق نہیں ہوتا اس میں اہل کتاب اور مجوسی برابر ہے چنانچہ مجمل کذا فی الدر رفتاوی عالمگیری میں ہے کتابی کا ذبیحہ اس وقت کھایا جائے جس وقت ذبح کے وقت مسلم وہاں موجود نہ ہو اور کتابی سے کچھ سنا نہ ہو یا ذبح کے وقت اس سے فقط اللہ تعالیٰ کا نام سنا ہو اور جب کہ کچھ نہ سنا ہو تو اس پر محمول ہے کہ اس نے خدا کا نام لیا ہوگا باعتبار حسن ظن کے مسلم کے مانند اور جب کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا نام سنا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے مسیح علیہ السلام کا ارادہ کیا علماء نے کہا ہے کہ ذبیحہ ماکول ہے مگر جب کہ وہ تصریح کرے اس طرح بسم اللہ الذی ہو ثالث ثلثۃ یعنی وہ اللہ جو تیسرا ہے تین کا تو اب ذبیحہ حلال نہیں انتہی **فتحل ذبیحتہما ولو الذابح مجنونا او امرأۃ او صبیا یعقل التسمیۃ والذبح** ویقدر تو حلال ہے ذبیحہ مسلمان اور کتابی کا اگرچہ ذبح کرنے والا دیوانہ یا عورت یا ایسا لڑکا ہو جو اللہ تعالیٰ کے نام کو اور ذبح کرنے کو بوجھتا سمجھتا ہو اور ذبح کر سکتا ہو

م یعنی صغیر اتنا جانتا ہو کہ ذبیحہ اس وقت حلال ہوتا ہے جب کہ اس پر خدا کا نام لیا جائے اور دیوانہ اور صغیر جب کہ نام خدا کو سمجھتے ہوں اور ذبح کرنا جانتے ہوں اور اس پر قادر ہوں تو وہ عاقل بالغ کے مانند ہیں کذا فی الدر منح الغفار میں ہے کہ اگر مجنون اور صغیر ایسے ہوں کہ تعقل اور ضبط التسمیہ نہ کریں تو ان کا ذبیحہ حلال نہیں طحطاوی نے کہا عورت کا ذبیحہ ہر طرح حلال ہے خواہ اس وقت وہ حائض ہو یا نفاس والی یا جنب **او اقلف او اخرس ذبیحہ مسلم** اور کتابی کا حلال ہے اگرچہ اس کا ختنہ نہ ہوا ہو کہ وہ گونگا ہو گونگا زبان سے نام خدا لینے سے عاجز ہے تو وہ معذور ہے اور اس کا دین قائم مقام نام لینے کے ہے تو وہ ناسی کے مانند ہے یعنی جو ذابح کہ ذبح کے وقت نام خدا لینے سے بھول جائے بلکہ گونگا ناسی سے زیادہ تر معذور ہے کذا فی المنح **لا تحل ذبیحہ غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد و جنی** حلال نہیں ذبیحہ غیر کتابی کا منجملہ بت پرست اور مجوسی آتش پرست اور مرتد اور جنی کے یعنی دیو پری ھ جن کا ذبیحہ اس واسطے حلال نہ ہوا کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذبائح الجن یعنی حضرت نے منع فرمایا ذبائح جن سے چنانچہ اشباہ میں ہے ملتقط سے اور ظاہرا محل اس کا وہ ہے جب کہ جن آدمی کی صورت پکڑ کے ذبح نہ کرے اور اگر آدمی کی صورت پر ہو کر ذبح کرے تو بنظر ظاہر صورت کے اس کا ذبیحہ حلال ہو اس کی تحریر اور تحقیق کرنا چاہیے کذا فی الطحطاوی **وجبری لو ابوہ سنیا ولو ابوہ جبریا حلت اشباہ لانہ صار کمرتد قنیۃ** اور حلال نہیں ذبیحہ جبری مذہب کا اگر اس کا باپ بھی جبری ہو تو ذبیحہ حلال ہے کذا فی الاشباہ اس واسطے کہ سنی کے فرزند نے جب جبری مذہب اختیار کیا اہل سنت اور جماعت کو چھوڑ کر تو وہ مرتد کے مانند ہو گیا کذا فی القنیۃ ھ مصنف نے منح الغفار میں کہا اور فوائد زینیہ میں ہے کہ جائز نہیں ذبیحہ جبری کا اگر اس کا باپ سنی ہو اور اگر جبری ہو تو حلت ہے میں کہتا ہوں اور ظاہرا صاحب فوائد زینیہ نے جو مصنف ہے اشباہ کا یہ قول قنیہ سے لیا ہے اور قنیہ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابوعلی سے منقول ہے کہ ذبیحہ مجبرہ کا اگر اس کے آباء اور اجداد مجبرہ ہوں تو وہ ذمیوں کے مانند ہیں اور اگر ان کے باپ اہل عدل سے ہوں تو حلال نہیں اس واسطے کہ وہ بمنزلہ مرتدین کے ہیں انتہی ما فی القنیۃ میں کہتا ہوں اور صاحب قنیہ کی مراد ابوعلی سے ابوعلی جبائی ہے جو فرقہ معتزلہ کا رئیس ہے اور مجبرہ سے اہل سنت و جماعت مراد ہیں اس واسطے کہ معتزلہ اہل سنت کو مجبرہ کہتے ہیں چنانچہ بیہقی جیشمی معتزلی کے کلام سے یہ ظاہر ہے اور اہل عدل سے مراد معتزلہ ہیں ان کے گمان میں چنانچہ علم کلام میں مذکور ہے تو صاحب فوائد نے مجبرہ کو جبرہ سے بدل ڈالا انتہی ما فی المنح اور زواہر الجواہر حاشیہ اشباہ میں ہے اور ظاہرا مصنف یعنی صاحب اشباہ نے جبریہ اور مجبرہ کے فرق کی طرف التفات نہیں کیا اور جبریہ اہل ہوا سے اور اہل بدعت ہیں اور عقیدہ ان کا یہ ہے کہ بدون استطاعت اور قدرت افعال کی اصلا نہیں اور تمام خلق اپنے افعال میں مجبور ہیں انتہی اور اہل بدعت کی تکفیر میں علماء سلف اور خلف میں اس کا اختلاف ہے اور اس میں شک نہیں کہ جس کا مذہب اور مودی بدعت الی الکفر ہو اور وہ تاویل نہ کرتا ہو تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور جس کا مذہب بطریق تاویل کے ہو اور اجتہاد اور خطا باعث بدعت کی ہو تو اس کے تکفیر میں اختلاف ہے بعضے علماء تمام بدعتِ اہل کو کافر کہتے ہیں اور یہ قول ہے اکثر سلف کا فقہاء اور متکلمین سے اور بعض نے ان کو جماعت مسلمین سے نہیں نکالا ہے اور وہ اکثر فقہاء اور متکلمین ہیں سو انھوں نے کہا ہے کہ وہ عاصی گمراہ ہیں ان پر احکام اسلام کے جاری ہیں اور مسلمین سے میراث پاویں گے ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں کہا ہاں اکثر اہل مذہب ان کو کافر کہتے ہیں لیکن یہ کلام فقہاء مجتہدین کا نہیں اور غیر فقہاء کا کلام معتبر نہیں اور مجتہدین سے عدم تکفیر منقول ہے انتہی ما فی تبئین المحارم تو اس منقول سے ظاہر ہوا کہ جبریہ مومن ناجی ہیں اور ایمان کے احکام سے حلت ذبیحہ ہے خواہ اس کا باپ سنی ہو یا جبری شارح کو مناسب نہ تھا یہ مسئلہ ذکر کرنا اور بدون رد کرنے کے اس کو چھوڑ دینا باوجودیکہ یہ مبنی ہے عقیدہ فاسدہ پر کذا فی الطحطاوی **تنصرا بخلاف یہودی او مجوسی تنصر لانہ یقر علی ما انتقل الیہ عندنا فیعتبر ذلک عند الذبح حتی لو تمجس یہودی لا یحل ذکاتہ** برخلاف اس یہودی اور مجوسی کے جو نصرانی ہو گیا کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے اس واسطے کہ وہ ثابت رکھا

جاوے گا ہمارے نزدیک اسی ملت نصرانیت پر جس کی طرف اس نے انتقال کیا یعنی اس واسطے کہ تمام کفر ایک ہی ملت ہے تو وہی ملت معتبر ہوگی ذبح کے وقت تو اگر یہودی مجوسی ہو جائے تو اس کا ذبح حلال نہ ہوگا والمتولد بین مشرک وکتابی کتابی لانہ اخف اور جو لڑکا پیدا ہوا درمیان مشرک اور کتابی کے تو کے مانند ہے یعنی اس کا ذبیحہ حلال ہے اس واسطے کہ کتابی سبکتر ہے یعنی مشرک سے اس کی بدی کمتر ہے **وتارک تسمیۃ عمدا** خلافا للشافعی اور حلال نہیں ذبیحہ اس کا جو نام خدا قصداً ترک کرے ذبح کے وقت برخلاف امام شافعی کے ہم بقولہ تعالیٰ (ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ) یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ کھاؤ اس کو جس پر اللہ کا نام مذکور نہ ہو اور امام شافعی سے پہلے اس کی حرمت پر اجماع منعقد ہو گیا تو اگر قاضی ذبیحہ متروک التسمیہ عمداً کے جواز بیع پر حکم دے تو حکم اس کا نافذ نہ ہوگا اس واسطے کہ مخالفت اجماع کے ہے **فان ترکہ ناسیا حل** خلافا لمالک پھر اگر نام خدا بھول کر ترک کیا تو ذبیحہ حلال ہے برخلاف امام مالک کے یعنی ان کے نزدیک عمداً اور نسیاناً ترک تسمیہ سے حلت نہیں ہوتی ہم ہماری دلیل یہ ہے کہ شارع نے ناسی کو ذاکر کے مانند قرار دیا ہے عذر سے تو دین کو قائم مقام ذکر کے کر دیا چنانچہ اکل ناسیا کو قائم مقام امساک کے کر دیا صوم میں اسی سبب سے **وان ذکر** مع اسمہ تعالیٰ غیرہ **فان وصل** بلا عطف کرہ **کقولہ بسم اللہ اللہم تقبل من فلان** او منی ومنہ بسم اللہ محمد رسول اللہ بالرفع لعدم العطف فیکون مبتدئا لکن یکرہ للوصل صورۃ ولو بالجر او النصب حرم درر اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کے غیر کو ذکر کرے تو اگر غیر خدا کو ملاوے بدون عطف کے تو مکروہ ہے چنانچہ یوں کہنا بسم اللہ اللہم تقبل من فلان اور منی یعنی قبول کر فلانے شخص کی طرف سے یا میری طرف سے اور وصل بلا عطف سے ہے یوں کہنا بسم اللہ محمد رسول اللہ بہ رفع دال محمد عطف نہ ہونے کے سبب سے تو ذابح شروع کرنے والا کلام کا ہوا کذا فی الطحطاوی یا محمد کا لفظ مبتدا ہوا یعنی تو جدا کلام ٹھہرا لیکن مکروہ ہے وصل ظاہری کے سبب سے اور اگر دال کو زیر یا زبر دے تو ذبیحہ حرام ہوگا کذا فی الدرر عن غایۃ البیان ہم حموی میں نوازل سے منقول ہے کہ دال کے زیر دینے سے ذبیحہ حرام ہوگا اور فتاوی عالمگیری میں نہایہ سے منقول ہے کہ رفع نصب جر تینوں صورتوں میں ذبیحہ حلال ہے اس واسطے کہ رسول علیہ السلام مذکور ہے بدون عطف کے کذا فی الطحطاوی قیل ہذا اذا عرف النحو بعضوں نے کہا یہ یعنی رفع دال سے مکروہ ہونا اور جر اور نصب سے حرام ہونا اس وقت ہے جب کہ ذابح علم نحو کو جانتا ہو والا وجہ ان لا یعتبر الاعراب بل یحرم مطلقا بالعطف لعدم العرف زیلعی کما افادہ بقولہ اور قول وجیہ تر یہ ہے کہ اعراب کا اعتبار نہ کیا جاوے بلکہ ذبیحہ حرام ہوگا مطلقاً خواہ نحو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو بسبب عطف کرنے کے عدم عرف کی جہت سے کذا فی الزیلعی چنانچہ مصنف نے اس کو قول آئندہ میں بیان کیا ہے ہم شلبی نے حاشیہ زیلعی میں کہا کہ میری دیکھی زیلعی کے سب نسخوں میں یہی عبارت ہے اور وہ غیر ظاہر ہے اس واسطے کہ یہاں عدم عطف میں کلام ہے تو یوں کہنا ظاہر ہے بل لا یحرم مطلقا دون العطف یعنی بلکہ حرام نہیں مطلقاً بدون عطف کے اور مؤید اس کلام کا وہ ہے جو ہم نے فتاوی عالمگیری سے عن النہایہ نقل کیا ہے کذا فی الطحطاوی **وان عطف حرمت نحو بسم اللہ واسم فلان او وفلان** اور اگر ذابح نے خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کو ذکر کیا بطریق عطف کے تو ذبیحہ حرام ہوگا چنانچہ یوں کہنا بسم اللہ واسم فلان یا یوں کہنا بسم اللہ وفلاں یعنی خواہ لفظ اسم کو اسم پر عطف کرے خواہ غیر خدا کو لفظ خدا پر عطف کرے دونوں صورتوں میں حرمت ثابت ہے لانہ اہل بہ لغیر اللہ قال علیہ الصلوۃ والسلام موطنان لا اذکر فیہما عند العطاس وعند الذبح غیر خدا کے ذکر کرنے سے بطریق عطف کے اس واسطے ذبیحہ حرام ہوا کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا یعنی اور حالانکہ قرآن مجید میں اس ذبیحہ کھانے کا حکم نہیں رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا دو مکان ہیں جن میں مجھ کو ذکر نہ کرنا چاہیے ایک تو چھینکنے کے وقت اور دوسرے ذبح کرنے کے وقت **فان فصل صورۃ ومعنی کالدعاء قبل الاضجاع** والدعاء قبل التسمیۃ او بعد الذبح لا باس بہ لعدم القران اصلا پھر اگر ذابح نے ذکر غیر خدا کو نام خدا سے علیحدہ

اور جدا ذکر کہا باعتبار صورت اور معنی کے چنانچہ دعا کرنا ذبیحہ کے گرانے اور لٹانے سے پہلے اور دعا کرنا بسم اللہ کہنے سے پہلے یا دعا کرنا ذبح کرنے کے بعد تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ اس میں غیر خدا کا اصلا اتصال نہیں نہ ظاہر میں نہ حقیقت میں ھ بلکہ دعا کرنا قبل ذبح کے مسنون ہے اس واسطے کہ ابوداؤد اور ترمذی میں جابر[1] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن دو خصی مینڈھے ذبح کیے سو ان کو جب قبلہ رخ گرایا تو یہ دعا کی (انی وجہت وجہی للذی فطر السموٰت والارض علی ملة ابراہیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین اللہم منک ولک والیک اللہم عن محمد وامتہ بسم اللہ واللہ اکبر) پھر حضرت ؐ نے ذبح کیا اور دوسری روایت جابرؓ سے ترمذی میں یوں ہے کہ حضرت نے اپنے دست مبارک سے مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا (بسم اللہ واللہ[2] اکبر اللہم ہذا عنی وعمن لم یضح من امتی) **والشرط فی التسمیة ہو الذکر الخالص عن شوب الدعاء وغیرہ فلا یحل بقولہ اللہم اغفرلی** لانہ دعاء وسوال **بخلاف الحمد للہ او سبحان اللہ مریدا بہ التسمیة** فانہ یحل اور تسمیہ یعنی نام خدا لینے میں شرط یہ ہے کہ ذکر خالص ہو دعا وغیرہ کے اختلاط سے تو ذبیحہ حلال نہیں فقط یوں کہنے سے اللہم اغفرلی یعنی الٰہی مجھ کو بخش اس واسطے کہ یہ تو دعا اور سوال ہے تو خالص ذکر نہ ہوا برخلاف الحمد للہ اور سبحان اللہ کہنے کے جب کہ ذابح اس قول سے تسمیہ کا ارادہ کرے تو ذبیحہ حلال ہوگا **ولو عطس عند الذبح فقال الحمد للہ لا یحل فی الاصح** لعدم قصد التسمیة اور اگر ذابح کو چھینک آئی ذبح کے وقت سو اس نے الحمد للہ کہا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا قول صحیح تر میں بسبب عدم قصد تسمیہ کے ھ اس واسطے کہ عاطس الحمد للہ سے شکر نعمت کا ارادہ کرتا ہے نہ تسمیہ کا **بخلاف الخطبة** حیث یجزیہ قلت ینبغی حملہ علی ما اذا نوی والا لا لیوفق بینہ وبین ما مر فی الجمعة فتامل برخلاف خطبہ کے کہ وہاں اگر خطیب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو یہ کہنا ثبوت خطبہ کے واسطے کفایت کرتا ہے میں کہتا ہوں اور اس کا حمل کرنا اس صورت پر لائق ہے جب کہ خطیب الحمد للہ سے خطبہ کا ارادہ کرے اور اگر ارادہ نہ کرے گا تو خطبہ ادا نہ ہوگا یہ اس واسطے قید لگائی تا کہ موافقت ہو جائے اس میں جو مذکور ہو چکا جمعہ میں سو تامل کر ھ مصنف نے جمعہ میں کہا کہ اگر خطیب نے چھینک کے واسطے الحمد للہ کہا تو قائم مقام خطبہ کے نہ ہوگا انتہی ولوالجی نے کہا کہ اگر تسمیہ کے مقام پر الحمد للہ یا سبحان اللہ کہا اور تسمیہ کا ارادہ کیا تو کفایت کرتا ہے اور اگر تحمید کا قصد کیا اور تسمیہ کا ارادہ نہ کیا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا اور اسی طرح اگر اللہ اکبر کہا اور تسمیہ کا قصد نہ کیا اس واسطے کہ یہ الفاظ باب تسمیہ میں صریح نہیں ہیں صریح تو فقط بسم اللہ ہے تو یہ الفاظ کنایہ ٹھہرے اور کنایہ قائم مقام صریح کے نہیں ہوتا مگر نیت سے چنانچہ باب الطلاق میں مصرح ہے کذا فی الطحطاوی **والمستحب ان یقول بسم اللہ اللہ اکبر بلا واو وکرہ بہا** لانہ یقطع فور التسمیة کما عزاہ الزیلعی للحلوانی وقال قبلہ والمتداول المنقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالواو اور ذبح کے وقت یوں کہنا مستحب ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر بدون واو کے اور واؤ کے ساتھ یوں کہنا کہ بسم اللہ واللہ اکبر۔ مکروہ ہے اس لیے کہ فوریت تسمیہ کا قاطع ہے چنانچہ نسبت کیا ہے زیلعی نے اس قول کو شمس الائمہ حلوانی کی طرف اور زیلعی نے اس سے پہلے کہا کہ مشہور اور معمول اور منقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واؤ کے ساتھ ہے ھ اگر واو سے قطع فوریت ہوتی ہو تو لازم آتا ہے کہ ذبیحہ مردار ہو جائے اور وہ وجوب حذف واؤ کا مقتضی ہے نہ استحباب کا مگر یہ کہ فور متقارب پر حمل کیجیے علاوہ یہ ہے کہ زیادت واؤ قاطع فوریت نہیں فتاوی عالمگیری میں بدائع سے

---

[1] میں نے اپنا منہ پھیرا اس شخص کی طرف جس نے بنایا آسمانوں اور زمینوں کو ملت ابراہیم پہ ایک طرفہ ہو کر اور میں نہیں ہوں مشرکوں سے میری نماز اور حج کے افعال اور جینا اور مرنا اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھ کو حکم ہوا اور میں مسلمانوں سے ہوں الٰہی یہ تجھ سے ہے اور تیری لیے اور تیری طرف الٰہی یہ محمدؐ کی اور اس کی امت کی طرف سے ہے بسم اللہ واللہ اکبر ۱۲ [2] الٰہی یہ میری جانب سے ہے اور اس شخص کی طرف سے جس نے میری امت میں سے قربانی نہ کی منہ ۱۲

منقول ہے کہ تسمیہ کا وقت ذکاۃ اختیاری میں ذبح کا وقت ہے تقدیم تسمیہ ذبح پر جائز نہیں مگر بزمان قلیل جس سے بچنا ممکن نہیں اور جس طرح حدیث میں وارد منقول ہے اسی طرح علی مرتضی اور ابن عباس سے بھی وارد منقول ہے بقالی نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ کہے بسم اللہ واللہ اکبر واو کے ساتھ کذا فی الطحطاوی **ولو سمّی ولم تحضره النیة صح بخلاف ما لو قصد بها التبرک فی ابتداء الفعل** او نوی بہا امرا آخر فانہ لا یصح تحل اور اگر ذابح بسم اللہ زبان سے بولا اور تسمیہ کی نیت حاضر نہ ہوئی تو تسمیہ صحیح ہے برخلاف اس کے اگر اس نے تسمیہ سے برکت لینے کا قصد کیا شروع فعل میں یا تسمیہ سے اور کسی امر کا ارادہ کیا سوائے ذبح کے تو تسمیہ صحیح نہیں تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا ھ درصورت عدم نیت اس واسطے صحت ہوئی کہ ذابح کو جس کا امر ہوا تھا اس کو صریحا لایا یعنی لفظ صریح نیت کا محتاج نہیں درصورت قصد تبرک یا نیت امر آخر اس واسطے حلت نہیں کہ اس نے غیر مامور کی نیت کی چنانچہ خانیہ میں ہے **تنبیہ** اگر ذابح بسم اللہ بولا اور اس نے ہائے ہوز کو ظاہر نہ کیا اگر ذکر اللہ کا ارادہ کیا تو حلال ہے اور اگر ذکر اللہ کا قصد نہ کیا اور اس کو ترک کیا قصدا تو حلال نہیں کذا فی الطحطاوی **کما لو قال اللہ اکبر واراد بہ متابعة المؤذن فانہ لا یصیر شارعا فی الصلوۃ** بزازیہ چنانچہ اگر کسی نے اللہ اکبر کہا اور اس سے مؤذن کی متابعت کا ارادہ کیا نہ دخول فی الصلوۃ کا تو وہ اس تکبیر سے شروع کرنے والا نماز کا نہ ہوگا کذا فی البزازیہ وفیہا **وتشترط التسمیة من الذابح حالة الذبح** او الرمی لصید والارسال او حال وضع الحدید لحمار الوحش اذا لم یقعد عن طلبہ کما سیجیئ اور بزازیہ میں ہے اور شرط ہے بسم اللہ کہنا ذابح سے ذبح کی حالت میں شکار کے واسطے تیر مارنے کی حالت میں یا باز یا شکاری کتے چھوڑنے کی حالت میں یا لوہا رکھنے کی حالت میں گورخر کے شکار کے واسطے بشرطیکہ شکار کرنے والا نہ بیٹھ رہا ہو اس کی تلاش سے چنانچہ آگے آوے گا **والمعتبر الذبح عقب التسمیة قبل تبدل المجلس** حتی لو اضجع شاتین احداہما فوق الاخری فذبحہما ذبحة واحدة بتسمیة واحدة حلا بخلاف ما لو ذبحہما علی التعاقب لان الفعل یتعدد فتتعدد التسمیة ذکرہ الزیلعی فی الصید اور معتبر ہے ذبح کرنا تسمیہ کے بعد قبل از تبدل مجلس تو اگر لٹایا دو بکریوں کو ایک بکری کو دوسری بکری پر پھر دونوں کو ذبح کیا ایک ہی بار کے ذبح کرنے سے ایک ہی بار بسم اللہ کہنے سے تو دونوں حلال ہیں برخلاف اس کے اگر دونوں کو علی التعاقب ذبح کیا یعنی پہلے ایک ذبح کی پھر دوسری اور تسمیہ ایک ہی بار کہا تو دوسری بکری حلال نہ ہوگی اس واسطے کہ فعل یعنی ذبح متعدد ہوا تو تسمیہ کا بھی تعدد لازم ہوا ذکر کیا ہے اس کو زیلعی نے کتاب الصید میں **ولو سمّی الا انہ ثم اشتغل باکل او شرب ثم ذبح ان طال وقطع الفور حرم والا لا وحد الطول ما یستکثرہ الناظر واذا حدد الشفرة ینقطع الفور** بزازیہ اور اگر ذبح کرنے والا بسم اللہ بولا پھر کھانے یا پینے میں مشغول ہو گیا پھر اس نے ذبح کیا اگر زمانہ دراز ہو گیا اور فوریت قطع ہو گئی تو ذبیحہ حرام ہو گیا اور نہیں تو حرام نہیں ہوا اور طول کی حد وہ ہے جس کو دیکھنے والا زیادہ اور کثیر جانے اور جب کہ ذابح نے تسمیہ کیا اور چھری تیز کی پھر ذبح کیا تو فوریت منقطع ہو گئی کذا فی البزازیہ ھم طحطاوی نے کہا ان مسائل میں اور مسائل سابقہ میں تحریر کا فرق چاہیے **وحب بالحاء نحر الابل فی اسفل العنق وکرہ ذبحہا والحکم فی غنم وبقر عکسہ** فندب ذبحہا وکرہ نحرہا لترک السنة ومنعہ مالک اور مستحب ہے اونٹ کا نحر کرنا یعنی نیزہ مارنا نیچے گردن کے اور مکروہ ہے اس کا ذبح کرنا اور بھیڑ بکری دنبہ اور گائے بیل میں بالعکس اس کے حکم ہے یعنی ان کا ذبح کرنا مستحب ہے اور ان کا نحر کرنا مکروہ ہے ترک سنت سے اور امام مالک نے اس کو منع کیا ہے ھم زیلعی نے کہا نحر عبارت ہے قطع عروق سے اسفل عنق میں صدر کے نزدیک اور ذبح عبارت ہے قطع عروق سے اعلائے عنق میں تحت اللحیین انتہی استحباب سے مراد یہاں سنت ہے اس واسطے کہ صاحب ہدایہ نے کہا کہ استحباب نحر ہے بسبب موافقت سنت متواترہ کے تو کچھ مخالفت نہ رہی کنز کی عبارت سے کہ اس نے اس کو سنت کہا ہے فتاوی عالمگیری میں خزانة المفتین سے منقول ہے کہ اگر ذبح کیا جس میں نحر مستحب ہے یا نحر کیا جس میں ذبح مستحب ہے تو جائز ہے لیکن ترک سنت ہے

اور آبیاری کی شرح کنز میں ہے کہ شتر مرغ اور لطا اونٹ کے مانند ہے نحر میں اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کی گردن طویل ہے اس کو نحر کرنا چاہیے اور قہستانی میں تنف سے منقول ہے کہ آداب ذبح سے یہ ہے کہ جانور کو آسانی سے بائیں کروٹ لٹا دے اور قبلہ رخ ہو اور فقط تین پاؤں باندھے اور داہنے ہاتھ سے ذبح کرے اور چھری اول تیز کرلے اور چھری چلانے میں حلقوم پر اور ذبح میں نہایت جلدی کرے کذا فی الطحطاوی **ولا بد من ذبح صید مستانس لان ذکاۃ الاضطرار انما یصار الیہا عند العجز من ذکاۃ الاختیار** اور ضروری ہے ذبح کرنا اس وحشی جانور کا جو مانوس ہوگیا اس واسطے کہ ذکاۃ اضطراری کی طرف تو اس صورت میں حاجت ہوتی ہے جب ذکاۃ اختیاری سے عاجزی ثابت ہو **وکفی جرح نعم کبقر وغنم توحش فیجرح کصید او تعذر ذبحہ کان تردی فی بئر او ند او صال حتی لو قتلہ المصول علیہ مرید ا ذکاتہ حل** اور کفایت کرتا ہے زخمی کرنا چوپائے جانور کا جو وحشی ہوگیا چنانچہ گائے بیل اور بھیڑ بکری زخمی کی جائے شکاری جانور کے مانند یا چوپائے غیر وحشی کا ذبح کرنا متعذر ہوگیا چنانچہ وہ گر گیا کنوئیں میں یا سرکش ہوگیا یا آدمی پر حملہ کرنے لگا تو اگر اس نے اس کو قتل کیا جس پر اس نے حملہ کیا ذکاۃ کی نیت سے تو وہ حلال ہے وفی النہایۃ بقرۃ تعسرت ولادتہا فادخل ربہا یدہ وذبح الولد حل وان جرحہ فی غیر محل الذبح ان لم یقدر علی ذبحہ حل وان قدر لا اور نہایہ میں ہے کہ مادہ جانور کا جننا مشکل ہوگیا سو اس کے مالک نے اپنا ہاتھ داخل کرکے بچہ ذبح کر ڈالا تو بچہ حلال ہوگیا اور اگر اس کو زخمی کیا محل ذبح کے سوا اور محل میں تو اگر قادر نہ ہوسکا اس کے ذبح کرنے پر تو حلال ہے اور اگر قادر تھا ذبح پر تو حلال نہیں **قلت ونقل المصنف ان من التعذر ما لو ادرک صیدہ حیا او اشرف ثورہ علی الہلاک وضاق الوقت علی الذبح او لم یجد آلۃ الذبح فجرحہ حل فی روایۃ** میں کہتا ہوں اور مصنف نے نقل کیا کہ تعذر ذبح کی صورتوں میں سے ایک صورت وہ ہے کہ اگر اپنے شکار کو زندہ پایا یا اس کا بیل قریب الہلاک ہوگیا اور ذبح کی فرصت تنگ ہوگئی یا اس نے ذبح کرنے کا ہتھیار نہ پایا سو اس کو زخمی کر دیا تو ایک روایت میں وہ حلال ہوگیا ہم بہتر یہ تھا کہ شارح بجائے فی روایۃ قول کہتا اس واسطے کہ یہ قول ہے بعض مشائخ کا اور بعضوں نے کہا کہ اس کا کھانا حلال نہیں بدون قطع عروق کے کذا فی الطحطاوی فتاوی عالمگیری میں ہے کہ ایک مرغی درخت پر اٹک گئی اور اس کا مالک اس تک نہیں پہنچ سکتا تو اگر اس کی فوت اور موت کا خوف نہ ہو اور اس کو تیر سے مارے تو اس کا کھانا جائز نہیں اور اگر فوت ہوجانے کا ڈر ہو تو اس کا کھانا جائز ہے اور کبوتر جب کہ مالک کے پاس سے اڑ گیا پھر اس کے مالک یا کسی اور شخص نے اس کو تیر مارا تو فقہا نے کہا کہ اگر وہ اپنے مکان پر نہ آسکتا ہو تو اس کا کھانا حلال ہے خواہ تیر ذبح کے مقام پر لگے خواہ اور کہیں اس واسطے کہ ذکاۃ اختیاری سے عاجزی ثابت ہوئی اور اگر کبوتر اپنے مکان پر آسکتا ہو تو اگر تیر ذبح کے مقام پر لگے تو حلال ہے اور اگر اور مقام پر لگا تو اس میں اختلاف ہے اور قول صحیح یہ ہے کہ حلال نہیں وفی منظومۃ النسفی ؎ ان الجنین مفرد بحکمہ ٭ لم یتذک بذکاۃ امہ ٭ فحذف المصنف ان اور منظومہ نسفی میں ہے کہ پیٹ کا بچہ مستقل ہے اپنے حکم میں حلال نہیں ہوجاتا اپنی ماں کے حلال ہوجانے سے تو مصنف نے ان شرطیہ کا لفظ حذف کیا ہم یعنی اگر پیٹ کا بچہ ذبح کیا گیا تو حلال ہے ورنہ حلال نہیں اور وہ اپنی ماں کا تابع نہیں کہ اس کے حلال ہونے سے وہ بھی حلال ہوجائے **وقالا ان تم خلقہ اکل لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ وحملاہ علی التشبیہ ای کذکاۃ امہ بدلیل انہ روی بالنصب** اور صاحبین نے کہا کہ اگر جنین یعنی پیٹ کے بچہ کی خلقت پوری ہوچکی ہے تو کھایا جائے بدلیل قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جنین کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے اور امام اعظم نے اس حدیث کو تشبیہ پر محمول کیا ہے یعنی جنین کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ کے مانند ہے اس دلیل سے کہ اس کی روایت نصب سے بھی آئی ہے ہم اکمل نے شرح ہدایہ میں کہا کہ ذکاۃ امہ برفع ونصب دونوں طرح مروی ہے تو اگر منصوب ہو تو کچھ اشکال نہیں اس کی تشبیہ ہونے میں اور اگر مرفوع ہو تو بھی اشکال نہیں اس واسطے کہ وہ قوی تر ہے تشبیہ میں اول سے کقول الشاعر ؎ ع وعیناک[1] عیناہا وجیدک جیدہا کذافی

---

[1] اور تیری آنکھیں اسی کی آنکھیں ہیں اور تیری گردن اسی کی گردن یعنی اسی کی سی ۱۲ ٭

الطحطاوی ولیس فی ذبح الام اضاعۃ الولد لعدم التیقن بموتہ اور ماں کے ذبح کرنے میں بچہ کا ضائع کرنا نہیں ہے کیونکہ اس کی موت کا تیقن نہیں ہے یعنی جنین تام الخلقۃ ماں کے ذبح کرنے سے زندہ بھی رہتا ہے تو اس کی موت یقینی نہ ہوئی ھ یہ بقیہ ہے دلیل امام کا اور جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ اگر بچہ کا کھانا اس کی ماں کے ذبح کرنے سے حلال نہ ہو تو اس کی ماں کا ذبح کرنا جائز نہ ہوا اس واسطے کہ اس میں مال کا ضائع کرنا ہے اور حالانکہ مال ضائع کرنا حدیث میں ممنوع ہے چنانچہ زیلعی میں ہے کذا فی الحلبی **ولا یحل ذو ناب** یصید بنابہ فخرج نحو البعیر **او مخلب** یصید بمخلبہ ای ظفرہ فخرج نحو الحمامۃ **من سبع** بیان لذی ناب والسبع کل مختطف منتہب جارح قاتل عادۃ **او طیر** بیان لذی مخلب اور حلال نہیں نیش والا درندہ جو شکار کرتا ہو اپنے نیش سے یا وہ طائر پنجہ گیر چنگل والا جو شکار کرتا ہو اپنے چنگل یعنی ناخن سے تو شکار نیش کی قید سے اونٹ سا جانور نکل گیا حرمت سے اس واسطے کہ اگرچہ وہ نیش دار ہے لیکن نیش سے شکار نہیں کرتا اور شکار چنگل کی قید سے کبوتر سا طائر حرمت سے نکل گیا اس واسطے کہ ہرچند وہ چنگل دار ہے لیکن چنگل سے شکار نہیں کرتا ہے شارح نے کہا سبع یعنی درندہ ہر جانور اوچک لے جانے والا غارت گر پھاڑنے والا قاتل بنا بر عادت کے ھ حرمت کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہر نیش دار پرندہ اور ہر چنگل دار طائر کے کھانے سے اور بالاجماع سبع ذی ناب سے وہ مراد ہے جو اپنے نیش سے چیر پھاڑ کر شکار کرتا ہو اور ذی مخلب سے بھی وہ مراد ہے جو اپنے چنگل سے شکار کرتا ہو اور وجہ حرمت یہ ہے کہ طبیعت ان حیوانات کی مذموم واقع ہوئی ہے شرعاً تو خوف یہ تھا کہ ان کے گوشت کھانے سے انھیں کی خوئے بد انسان میں بھی پیدا ہوگی تو بنی آدم کی تکریم کے واسطے حیوانات مذکورہ حرام ہو گئے کذا فی الطحطاوی **ولا الحشرات** ہی صغار دواب الارض واحدہا حشرۃ اور حلال نہیں حشرات یعنی چھوٹے جانور زمین پر چلنے والے اور رینگنے والے جو زمین میں رہتے ہیں حشرات جمع ہے حشرۃ بالتحرک کی کذا فی القاموس ھ ہوام اور حشرات الارض جیسا بچھو چوہا اور گھوس اور نیولا اور سیہی جو زمین میں رہتے ہیں حرام ہیں اس واسطے کہ مستخبث ہیں قال اللہ تعالیٰ ویحرم[له] علیہم الخبائث اور اس واسطے کہ غالباً وہ نجاست خور ہیں کذا فی الطحطاوی عن الاتقانی **والحمر الاہلیۃ** بخلاف الوحشیۃ فانہا ولبنہا حلال اور حلال نہیں پالو گدھے برخلاف وحشی گدھوں یعنی گورخر کے کہ وہ اور ان کا دودھ حلال ہے ھ پالو گدھا حرام ہے اگرچہ وہ وحشی ہو جائے اور گورخر حلال ہے اگرچہ وہ اہلی اور مانوس ہو جائے اور اس پر پالان باندھا جائے کذا فی العالمگیریۃ **والبغل** الذی امہ حمارۃ فلو امہ بقرۃ اکل اتفاقا ولو فرسا فکامہ اور وہ خچر حلال نہیں جس کی ماں گدھی ہو تو اگر خچر کی ماں گائے ہو اور باپ اس کا گدھا تو وہ حلال اور ماکول ہے بالاتفاق اور اگر خچر کی ماں گھوڑی ہو تو وہ اپنی ماں کے مانند ہے یعنی امام کے نزدیک مکروہ ہے اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے ھ قاعدہ کلیہ اس میں یہ ہے کہ جو بچہ مختلف الجنس سے پیدا ہو تو اس کی ماں کا اعتبار ہے اگر ماں حلال ہے تو وہ بھی حلال ہے اگرچہ اس کا باپ حرام ہو اور اگر ماں حرام ہے تو بچہ بھی حرام ہے اگرچہ باپ اس کا حلال ہو **والخیل** وعندہما والشافعی تحل وقیل ان اباحنیفۃ رجع عن حرمتہ قبل موتہ بثلثۃ ایام وعلیہ الفتوی عمادیۃ اور حلال نہیں گھوڑا اور گھوڑی امام کے نزدیک اور صاحبین اور شافعی کے نزدیک حلال ہے اور بعضوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے تین دن اپنی موت سے پہلے اس کی حرمت سے رجوع کی اور اس کے حلال ہونے کے قائل ہوئے اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی العمادیۃ ھ ہدایہ میں گھوڑے کی کراہت تحریمی کو اصح کہا ہے اور درر میں بقول فخر الاسلام اور ابوالمعین کے کراہت تنزیہی کو اصح کہا ہے تو درصورت کراہت تنزیہی امام اور صاحبین میں کچھ خلاف باقی نہ رہے گا اس واسطے کہ صاحبین اگرچہ حلت کے قائل ہیں لیکن کراہت تنزیہی کے ساتھ کذا فی الطحطاوی ولا باس بلبنہا علی الاوجہ اور گھوڑی کے دودھ

[له] اور حرام کرتا ہے ان پر خبیث چیزیں ۱۲

میں کچھ مضائقہ نہیں برقول وجیہ تر ھم اس واسطے کہ اس کے دودھ پینے میں سامان جہاد کی کچھ کمی متصور نہیں بخلاف گوشت حلال کھا جانے کے کذا فی المنح **والضبع والثعلب** لان لهما نابا وعند الثلثة یحل اور حلال نہیں بجو اور لومڑی اس واسطے کہ دونوں نیش دار ہیں اور امام شافعی اور مالک اور احمد کے نزدیک وہ حلال ہیں **والسلحفاة** بریۃ او بحریۃ اور حلال نہیں کچھوا خشکی کا ہو یا دریائی **والغراب الابقع** الذی یاکل الجیف لانہ یلحق بالخبائث قالہ المصنف ثم قال والخبیث ما یستخبثہ الطباع السلیمۃ اور حلال نہیں ابلق کوا جو مردار کھاتا ہے اس واسطے کہ وہ حیوانات خبیثہ کے ساتھ ملحق ہے یہ کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں پھر مصنف نے کہا کہ خبیث وہ چیز ہے جس سے طبائع سلیمہ گھنائیں اور اس کو مکروہ اور خبیث جانیں ھم غراب البقع وہ ہے جس میں سیاہی اور سفیدی ہو کذا فی الطحطاوی عن المکی عن الکشف **والغداف** بوزن غراب النسر جمعہ غدفان قاموس اور حلال نہیں غداف یعنی جنگلی سیاہ بڑا کوا شارح نے کہا غداف بروزن غراب نسر یعنی گدھ ہے اور جمع اس کی غدفان ہے کذا فی القاموس ھم صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں اور صاحب درر نے غداف کا ترجمہ کلاغ سیاہ بزرگ کیا ہے اور شارح نے قاموس سے نسر ترجمہ کیا ہے حالانکہ قاموس میں غداف کا ترجمہ غراب گرما اور نسر کثیر الریش واقع ہے اغلب کہ یہ کاتب کے اغلاط سے ہو قاموس کی عبارت یہ ہے الغداف[۱۵] کغراب غراب القیظ والنسر کثیر الریش جمعہ غدفان **والفیل والضب** وما روی من اکلہ محمول علی الابتداء اور حلال نہیں ہاتھی اور سوسمار یعنی گوہ اور جو سوسمار کھانے کی روایت ہے وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے یعنی ابتدائے اسلام میں حلال تھا اب حلال نہیں لیکن امام شافعی کے نزدیک حلال ہے **والیربوع وابن عرس والرخم والبغاث** وہو طائر فی الھمۃ یشبہ الرخم وکلہا من سباع البہائم اور حلال نہیں موش دشتی اور نیولا اور کرگس کذا فی المنتخب اور بغاث اور وہ کم ہمت پرندہ ہے مشابہ رخم کے اور یہ تمام سباع درندہ ۱۲ بہائم سے ہیں ھم یربوع جانور ہے چوہے کے مانند لیکن اس کی دم اور کان چوہے سے زیادہ تر دراز ہیں اور دونوں پاؤں دونوں ہاتھوں سے دراز تر ہیں کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود تو ظاہرا یربوع کا ترجمہ اردو میں گھوس ہوا اور مخزن الادویہ میں یربوع کا ترجمہ فارسی میں خرگوش اور ہندی میں گھوس کیا ہے واللہ اعلم وقیل الخفاش لانہ ذو ناب اور بعضوں نے کہا کہ حلال نہیں چمگادڑ اس واسطے کہ وہ نیش دار ہے ھم اتقانی نے کہا کہ دلیل میں خلل ہے اس واسطے کہ ہر نیش دار حرام نہیں بلکہ وہ نیش دار جانور حرام ہے جو اپنے نیش سے شکار کرتا ہو انتہی اور فتاوی عالمگیری میں چمگادڑ کی حلت اور حرمت کے دو قول مذکور ہیں کذا فی الطحطاوی **ولا یحل حیوان مائی** اور حلال نہیں دریائی اور پانی کا جانور ھم حیوان مائی سے مراد وہ ہے جس کا ماوی اور معاش پانی میں ہو کذا فی المنح **الا السمک** الذی مات بآفۃ ولو متولدا فی ماء نجس ولو طافیۃ مجروحۃ وہبانیۃ سب دریائی جانور حرام ہیں مگر وہ مچھلی حرام نہیں جو کسی آفت کے سبب سے مر گئی ہو اگرچہ مچھلی ناپاک پانی میں پیدا ہوئی ہو اور گو زخمی مچھلی پانی پر اچھل آئی ہو کذا فی الوہبانیہ ھم قاعدہ کلیہ مچھلی میں حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جو مچھلی کسی سبب سے مر گئی تو وہ حلال ہے چنانچہ وہ مچھلی کہ گرفتار ہونے سے مر گئی اور جو مچھلی بغیر سبب مر گئی تو وہ حلال نہیں چنانچہ پانی پر کی اتری ہوئی مچھلی کذا فی الدرر **غیر الطافی** علی وجہ الماء الذی مات حتف انفہ وہو ما بطنہ من فوق مچھلی حلال ہے مگر وہ مچھلی حلال نہیں جو پانی پر اچھل آئی ہے یا جو خود بخود اپنی موت سے مر گئی بلا آفت اور مچھلی طافی وہ ہے جس کا پیٹ پانی پر آسمان کی طرف ہے فلو ظہرہ من فوق فلیس بطاف فیوکل کما یوکل ما فی بطن الطافی تو اگر مچھلی کی پیٹھ اوپر کی طرف ہو تو وہ طافی نہیں اس کا کھانا حلال ہے جیسے اس مچھلی کا کھانا حلال ہے جو طافی مچھلی کے پیٹ میں ہے ھم جو مچھلی کہ دوسری مچھلی کے پیٹ میں ہو تو اس کی موت آفت اور سبب سے ثابت ہوئی یعنی تنگی مکان کے سبب سے کذا فی شرح الوہبانیۃ اور منح الغفار میں ہے کہ اگر ایک مچھلی دوسری مچھلی کو نگل گئی تو دونوں کا کھانا حلال ہے یعنی اس واسطے کہ دونوں کی موت آفت سے ہوئی،

---

[۱۵] غداف بروزن غراب گرمی کا کوا اور گدھ بہت پر دن والا اس کی جمع غرفان ہے ۱۲ ⁘

وما مات بحر الماء او بربطه فيه او القاء شئ فموته بآفة وهبانية اور جو مچھلی مرگئی پانی کی گرمی یا سردی کے سبب سے یا پانی میں باندھنے کے سبب سے جال وغیرہ سے یا کسی چیز کے ڈالنے سے یعنی کوئی دوا پانی میں ڈالی اور مچھلی اس کو کھا کر مرگئی تو اس کی موت آفت کے سبب سے ہوئی یعنی تو حلال مرگئی کذا فی الوہبانیۃ **هم** اگر مچھلی کو پرندہ دریائی نے قتل کیا یا مچھلی مرگئی پانی کے گڑھے میں یا ایک شخص نے مچھلی گھیری خطیرہ میں کہ اس سے نکل نہیں سکتی اور وہ شخص اس کو پکڑ سکتا ہے سو اس میں وہ مرگئی یا جال میں مچھلی مرگئی اور وہ اس حال میں تھی کہ جال سے نکل نہ سکتی تھی یا مچھلی کو پانی میں بستہ کیا سو وہ برف میں باقی رہ گئی اور مرگئی تو وہ حلال ہے اور اگر پانی کی گرمی یا سردی سے مرگئی تو وہ ماکول ہے ایک روایت میں کیونکہ اس کی موت کا سبب پایا گیا اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ حلال نہیں اس واسطے کہ پانی مچھلی کو مارتا نہیں ہے گرم ہو یا سرد چنانچہ کافی میں ہے کذا فی الدر **ولا الجریث** سمک اسود **والمار ماہی** سمک فی صورۃ الحیۃ وافردہما بالذکر للخفاء وخلاف محمد اور حلال نہیں دریائی جانور مگر جریث اور مار ماہی حلال ہے جریث سیاہ مچھلی ہے اور مار ماہی سانپ کی صورت پر مچھلی ہے مصنف نے دونوں کو جدا اس واسطے ذکر کیا کہ ان کے مچھلی ہونے میں پوشیدگی تھی اور محمد کے خلاف کی جہت سے علیحدہ بیان کیا **هم** عینی نے کہا جریث بکسر جیم وتشدید رائے مکسورہ ایک ہی قسم ہے مچھلی کی مدور یعنی گول ہوتی ہے جیسے ڈھال انتہی اور یہ جو محمد سے مغرب میں منقول ہے کہ سب مچھلیاں حلال ہیں سوائے جریث اور مار ماہی کے سو ضعیف قول ہے غایۃ البیان میں ہے کہ بعض روافض اور اہل کتاب جریث کے کھانے کو مکروہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک دیوث تھا وہ لوگوں کو اپنی جورو کے پاس بلاتا تھا سو مسخ ہو کر جریث ہوگیا سو باطل قول ہے کہ جو مسخ ہوا وہ تین دن کے بعد مرگیا اس کی نسل باقی نہیں رہی کذا فی الطحطاوی والدر مار ماہی کو اہل ہند بام کہتے ہیں اور جریث کو بعض اہل ہند سنگی بولتے ہیں **وحل الجراد** وان مات حتف انفہ بخلاف السمک اور حلال ہے ٹڈی اگرچہ وہ خود بخود بلا سبب ظاہر مرگئی ہو برخلاف مچھلی کے کہ وہ بلا سبب خود بخود مرنے سے حلال نہیں **والانواع السمک بلا ذکاۃ** لحدیث احلت لنا میتتان السمک والجراد ودمان الکبد والطحال بکسر الطاء اور سب اقسام مچھلی کے حلال ہیں بدون ذبح کرنے کے اس حدیث کی دلیل سے کہ حلال ہوئے ہمارے واسطے دو مردے مچھلی اور ٹڈی اور حلال ہوئے دو خون کلیجہ اور تلی شارح نے کہا طحال بکسر الاول ہے **وحل غراب الزرع الذی یاکل الحب** اور کھیت کا کوا حلال ہے جو دانہ کھاتا ہے **هم** یعنی نجاست خور نہیں ہے شہر میں نہیں آتا ہے صغیر الجثہ ہوتا ہے مثل فاختہ کے واللہ اعلم **والارنب والعقعق** ہو غراب یجمع بین اکل جیف وحب والاصح حلہ اور حلال ہے خرگوش اور عقعق عقعق وہ کوا ہے کہ مردار اور دانہ دونوں کھاتا ہے اور اس کا حلال ہونا اصح قول ہے **هم** عقعق بوزن قنفذ پرندہ ابلق سیاہ اور سفید ہوتا ہے اور اس کی آواز میں عین اور قاف معلوم ہوتا ہے کذا فی القاموس بعضے لوگ اس کو مہوکھا کہتے ہیں طحطاوی نے حاشیۂ مکی سے نقل کیا کہ عقعق بروزن جعفر پرندہ ہے کبوتر کے مانند لمبی دم والا اس میں سپیدی اور سیاہی ہے اور وہ اقسام غراب سے ہے بدشگونی اس سے لیتے ہیں انتہی اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے عقعق کو پوچھا تو فرمایا لا باس یعنی اس کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں تو میں نے کہا وہ نجاست کھاتا ہے تو امام نے فرمایا کہ نجاست کو ملاتا ہے دوسری چیز سے پھر کھاتا ہے تو امام کے نزدیک قاعدہ یہ ٹھہرا کہ جو نجاست کو دوسری چیز سے ملا کر کھاوے چنانچہ مرغی تو اس کا مضائقہ نہیں ابو یوسف نے کہا کہ عقعق مکروہ ہے جیسے مرغی مخلات مکروہ ہے کذا فی فتاوی قاضی خان **معہا** ای مع الذکاۃ کھیت کا کوا اور خرگوش اور عقعق حلال ہیں ذبح کرنے کے ساتھ **هم** اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حیوانات کو ذکر کیجیے جن کی حلت اور حرمت کتب معتمدہ میں مذکور ہے فتاوی قاضی خان میں مذکور ہے کہ انعام ماکولہ بالکل چنانچہ اونٹ اور اونٹنی اور گائے بیل اور بھیڑ اور بکری اور دنبہ حلال ہیں اور اسی طرح ماسوائے انعام جو درندہ نہیں ہیں چنانچہ ہرن اور خرگوش اور گورخر اور نیل گاؤ اور وہ طیور جو چنگل سے شکار نہیں کرتے چنانچہ مرغی مرغا اور کبوتر اور بط اور غراب الزرع جو فقط دانہ کھاتا ہے اور ابابیل

اور قمری اور سودانی[1] اور زرزور اور عصافیر یعنی جمیع اقسام گنجشک کی اور فاختہ اور ٹڈی وہ حلال ہیں اور حرام ہے ہر نیش دار درندہ چنانچہ شیر اور بھیڑیا اور تیندوا اور چیتا اور لومڑی اور بجو اور کتا اور بلی جنگلی ہو یا پالو اور سنجاب اور سمور اور ریچھ اور بندر اور موش دشتی اور گوہ اور نیولا اور گیدڑ اور ہاتھی اور سور اور سانپ اور مینڈک اور جس جانور میں کہ خون نہیں چنانچہ زنبور یعنی بھڑ اور مچھر اور مکھی اور پسو اور جوں اور چچڑی اور ہر پنجہ گیر پرندہ جو شکار کرتا ہے چنانچہ سقر یعنی برہ اور باز اور گدھ اور عقاب اور باشہ اور شاہین اور بغاث[2] اور چیل اور جو مردار خور پرندہ ہو چنانچہ غراب البقع یعنی ابلق کوا یہ سب حرام ہیں انتہی مافی الہندیہ **فائدہ** جو جانور خشکی میں رہتے ہیں تین قسم ہیں ایک وہ جن میں اصلا خون نہیں دوسری قسم وہ جن میں خون ہے مگر خون رواں نہیں اور تیسری قسم وہ جن میں خون سائل اور رواں ہے سو جن میں خون نہیں چنانچہ ٹڈی اور بھڑ اور مکھی اور مکڑی اور گبریلا اور بچھو اور مانند اس کے تو ان کا کھانا سوائے ٹڈی کے حلال نہیں اور اسی طرح جن میں خون سائل نہیں چنانچہ سانپ اور چھپکلی جس کو گھگھلی بھی کہتے ہیں اور سام ابرص[3] اور جمیع حیوانات حشرات اور ہوام الارض چنانچہ چوہا اور سیہی اور گوہ اور یربوع یعنی موش دشتی یا گھوس اور نیولا اور مانند ان کے اور ان کی حرمت میں اختلاف نہیں مگر گوہ امام شافعی کے نزدیک حلال ہے اور جن میں خون سائل ہے وہ دو قسم ہیں مانوس اور وحشی سو مانوس بہائم سے چنانچہ اونٹ اور گائے بیل اور غنم بالاجماع حلال ہیں اور وحشی چنانچہ ہرن اور نیل گاؤ اور گورخر اور جنگلی اونٹ سو باجماع مسلمین حلال ہیں اور درندے مانوس چنانچہ کتا اور چیتا اور پالو بلی سو حلال نہیں اور اسی طرح وحشی درندے جن کو سباع عقور کہتے ہیں چنانچہ شیر اور بھیڑیا اور بجو اور تیندوا اور چیتا اور لومڑی اور جنگلی بلی اور سنجاب اور سمور اور وشق[4] اور ریچھ اور بندر اور مانند ان کے سباع طیر چنانچہ باز اور باشہ اور چرغ اور شاہین اور چیل اور بغاث اور گدھ اور عقاب اور جو ان کے مانند ہو یہ سب حرام ہیں کذا فی الطحطاوی عن الدمیری الشافعی صاحب حیوۃ الحیوان **وذبح ما لا یوکل یطہر لحمہ وشحمہ وجلدہ** تقدم فی الطہارۃ ترجیح خلافہ اور جو جانور ماکول اللحم نہیں اس کا ذبح کر ڈالنا اس کے گوشت اور چربی اور چمڑے کو پاک کر دیتا ہے شارح نے کہا کتاب الطہارۃ میں اس کے خلاف کی ترجیح مقدم مذکور ہو چکی ہم طہارۃ میں اس کی ترجیح مذکور ہو چکی کہ ذبح سے گوشت پاک نہیں ہوتا چمڑا پاک ہو جاتا ہے طہارۃ سے مطلب یہ ہے کہ اگر مائعات یعنی رقیق چیزوں میں چمڑا یا چربی غیر ماکول اللحم مذبوح کی پڑ جائے تو وہ چیز رقیق نجس نہیں ہو جاتی اس واسطے کہ ذبح ازالہ رطوبت نجسہ میں دباغت کے مانند ہے اور اس کے حامل کی نماز باطل نہیں ہوتی اور کھانے کے سوا اس کی چربی سے فائدہ لینا درست ہے یا نہیں بعضوں نے کہا کہ جائز نہیں اور بعضوں نے کہا جائز ہے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی **الا الآدمی والخنزیر** کما مر سوائے آدمی اور سور کے چنانچہ کتاب الطہارۃ میں مذکور ہو چکا **ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت او خرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حیوتہ عند الذبح** بیمار بکری ذبح کی پھر اس نے جنبش کی یا خون نکلا تو وہ حلال ہے اور اگر حرکت نہ کی یا اس کا خون نہ نکلا تو وہ حلال نہیں اگر اس کی زندگی ذبح کے وقت معلوم نہ ہوئی ہو ہم حرکت اور خروج خون نہیں ہوتا مگر زندہ سے کیونکہ مردہ جنبش نہیں کرتا اور اس سے خون نہیں بہتا شرح طحطاوی میں ہے کہ خون کا نکلنا زندگی پر دلالت نہیں کرتا مگر اس صورت میں جب کہ زندہ کے مانند خون نکلے **وان علم حیوتہ حلت مطلقا وان لم تتحرک ولم یخرج الدم** وہذا یاتی فی منخنقۃ ومتردیۃ ونطیحۃ والتی بقر الذئب بطنہا فذکاۃ ہذہ الاشیاء تحلل وان کان حیوتہا خفیفۃ وعلیہ الفتوی لقولہ تعالی (الا ما ذکیتم) من غیر فصل وسیجیء فی الصید اور اگر مذبوح کی حیات معلوم ہو گئی تو وہ ہر طرح حلال ہے اگرچہ اس نے جنبش اور حرکت نہ کی ہو اور خون بھی نہ نکلا ہو اور اس کا بیان آگے آوے گا اس جانور میں جس کا گلا دبایا گیا اور جو نیچے گر پڑا اور جس کو دوسرے جانور نے سینگ سے

---

[1] سودانی اور زرزور دو پرندوں کے نام ہیں مثل مولے کے ۱۲ [2] ایک پرند ہے مردار خور ۱۲ ؛ [3] فارسی میں کربسہ کہتے ہیں چھپکلی کی قسم ہے ۱۲

[4] معرب ولہ اور اس کو قاقم کہتے ہیں اور جنگلی بلی کو کہتے ہیں ۱۲ ؛

مارا اور جس کا پیٹ بھیڑیے نے پھاڑ ڈالا تو ان چیزوں کو ذبح کر دینا حلال کر دیتا ہے اگرچہ حیوانات مذکورہ کی زندگی پوشیدہ غیر ظاہر ہو اور اسی پر فتوی ہے بدلیل قول حق تعالیٰ کے الا ما ذکیتم یعنی رہا وہ حلال ہے جس کو تم نے ذبح اور حق تعالیٰ نے اس میں کچھ تفصیل نہیں فرمائی حرکت یا خروج خون کی اور اس کا ذکر آگے آوے گا کتاب الصید میں **ذبح شاۃ لم تدر حیوتها وقت الذبح** ولم تحرک ولم یخرج الدم **ان فتحت فاها لا توکل وان ضمت اکلت وان فتحت عینها لا توکل وان ضمتها اکلت وان مدت رجلها لا توکل وان قبضتها اکلت وان نام شعرها لا توکل وان قام اکلت** لان الحیوان یسترخی بالموت ففتح فم وعین ومد رجل ونوم شعر علامة الموت لانها استرخاء ومقابلها حرکات تختص بالحی فدل علی حیوته وهذا کله اذا لم تعلم الحیوة **وان علمت حیوتها** وان قلت **وقت الذبح اکلت مطلقا** بکل حال زیلعی بکری ذبح کی اور اس کا زندہ ہونا ذبح کے وقت معلوم نہ ہوا اور اس نے جنبش نہ کی اور خون بھی نہ نکلا تو اگر اس نے منہ کھول دیا تو اس کا کھانا حلال نہیں اور اگر اس نے منہ بند کر لیا تو کھانا حلال ہے اور اگر اس نے آنکھ کھول دی تو اس کا کھانا حلال نہیں اور اگر آنکھ اس نے بند کر لی تو کھانا حلال ہے اور اگر اس نے پاؤں پھیلا دیا تو کھانا درست نہیں اور اگر کھینچ لیا تو درست ہے اور اگر اس کے بال سو گئے یعنی گر پڑے تو اس کا کھانا حلال نہیں اور اگر بال کھڑے ہو گئے تو درست ہے اس واسطے کہ جانور موت سے ڈھیلا ہو جاتا ہے تو منہ اور آنکھ کا کھولنا اور پاؤں کا پھیلانا اور بال کا گر پڑنا علامت ہے موت کی اس واسطے کہ یہ افعال استرخا ہیں یعنی ڈھیلے ہو جانے سے ہوتے ہیں اور ان افعال کے مقابل یعنی منہ اور آنکھ کا بند کر لینا اور پاؤں کا کھینچنا اور بال کھڑا ہونا یہ حرکات صرف زندے کے ساتھ مخصوص ہیں تو اس کی زندگی پر دلالت ہوگی اور یہ سب علامات مذکورہ اس وقت معتبر ہیں جب کہ زندگی معلوم نہ ہو اور اگر اس کی زندگی معلوم ہو ذبح کے وقت اگرچہ حیات قلیل ہو تو اس کا کھانا مطلقا حلال ہے ہر حال میں خواہ علامات مذکورہ پائی جاویں یا نہ پائی جاویں کذا فی الزیلعی **سمکة فی سمکة فان کانت المظروفة صحیحة حلتا** یعنی المظروفة والظرف لموت المبلوعة بسبب حادث ایک مچھلی نکلی دوسری مچھلی کے پیٹ میں تو اگر مظروفہ یعنی وہ مچھلی جو پیٹ کے اندر ہے تندرست ہے تو دونوں حلال ہیں یعنی مظروفہ اور ظرف کیونکہ نگلی ہوئی مچھلی کی موت سبب حادث سے ہے یعنی تنگی مکان کے سبب سے اور نگلنے والے کی موت ابھر جانے سے **والا تکن صحیحة حل الظرف لا المظروف** کما لو خرجت من دبرها لاستحالتها عذرة جوهرة وقد غیر المصنف عبارة متنه الی ما سمعته اور اگر پیٹ کی مچھلی تندرست نہ ہو سڑ گل گئی ہو تو ظرف حلال ہے نہ مظروف یعنی نگلنے والی حلال ہے نہ نگلی گئی چنانچہ اگر مظروفہ اس کی مقعد سے نکلی تو حلال نہیں اس واسطے کہ مستحیل اور متغیر ہو کر گوہ ہو گئی کذا فی الجوہرۃ اور البتہ مصنف نے اپنے متن کی عبارت بدل ڈالی جو تو نے سنی ھم اشباہ کی عبارت یوں تھی سمکة فی سمکة فان کانت صحیحة حلا والا لا یعنی مچھلی کے اندر کی مچھلی ہے تو اگر مظروفہ صحیح اور سالم ہے تو دونوں حلال ہیں اور نہیں تو حلال نہیں یہ عبارت اس کے موہم ہے کہ درصورت عدم تندرستی مظروفہ دونوں حلال نہیں اور حالانکہ یہ مطلب نہیں بلکہ ظرف حلال ہے نہ مظروف تو مصنف کی تغییر عبارت سے یہ خلل دفع ہو گیا ولو وجد فیها درة ملکها حلالا ولو خاتما او دینارا مضروبا او هو لقطة اور اگر مچھلی کے اندر موتی پایا تو پانے والے کو اس کی ملک حلال ہے اور اگر اس کے اندر انگوٹھی یا سکہ دار اشرفی پائی تو پانے والا اس کا مالک نہیں اور وہ لقطہ ہے ھم اس مسئلہ میں تفصیل ہے جو ولوالجیہ میں یوں مذکور ہے کہ موتی مچھلی کے پیٹ میں پایا تو اگر موتی صدف کے اندر ہے تو وہ پانے والے کا ہے اور اگر مچھلی بیچی اور مشتری نے موتی پایا تو وہ مشتری کا ہے اور اگر موتی صدف میں نہیں ہے تو وہ پانے والے کا ہے اور اگر مچھلی بیچی اور مشتری نے موتی پایا تو وہ مشتری کا ہے اور اگر موتی صدف میں نہیں ہے تو وہ پانے والے کا . . . مملوک ہے اور وہ لقطہ ہوگا اس واسطے کہ ظاہرا وہ صیاد کے ہاتھ سے اس کو پہنچا کذا فی الطحطاوی **ذبح لقدوم الامیر ونحوه** کواحد من العظماء **یحرم** لانه اهل به لغیر الله **ولو** وصلیة **ذکر اسم الله تعالی** ذبح کیا حاکم کے آنے کے واسطے یا حاکم کے مانند کسی اور شخص جلیل القدر کے آنے کے سبب سے ذبح کیا تو ذبیحہ حرام ہے اگرچہ ذابح نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو ذبح کے وقت اس واسطے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا ھم دستور عوام میں یوں ہے کہ جب نیا حاکم قلعہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کی تعظیم کے واسطے یا دیو بھوت کے بھوگ دینے کے واسطے تاکہ تکلیف نہ دے جانور ذبح کرتے ہیں اور حاکم کو اس کا گوشت نہیں کھلاتے ہیں

کر دے تو قرار دی جائے طحطاوی نے کہا ذبیحہ مذکور مردار ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کا خالص نام اس پر لیا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ تعظیم غیر خدا حرمت کی علت ٹھہرائی جاوے انتہی تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ جو ہندوستان میں جاہلوں میں رواج ہے کہ منت مان کر سید احمد کبیر کی گائے اور شیخ سدو کا بکرا ذبح کرتے ہیں وہ گائے اور بکرا مردار ہے اس واسطے کہ ذبح سے تعظیم غیر خدا اور تقرب مخلوق کا ارادہ کرتے ہیں اور یہ جو بعضے لوگ کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت نام خدا کے ذکر کرنے سے ذبیحہ حلال اور پاک ہو جاتا ہے گو نیت عوام کی خراب ہو ان کی غلط فہمی ہے اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ در صورت تعظیم غیر خدا ذبیحہ مردار ہو جاتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کا خالص نام لیا جائے صحیح مسلم۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع مروی ہے لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ یعنی خدا لعنت کرے اس پر جو خدا کے غیر کے واسطے ذبح کرے ولو ذبح للضیف لا یحرم لانہ سنۃ الخلیل واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ اور اگر مہمان کے واسطے ذبح کرے تو ذبیحہ حرام نہیں ہوتا اس واسطے کہ ذبح کرنا دعوت مہمان کے واسطے سنت ہے خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کی اور تکریم مہمان کی اللہ تعالیٰ کی تکریم ہے ھ منح الغفار میں ہے کہ جو یہ گمان کرتا ہے کہ مہمان کے واسطے ذبح کرنا حلال نہیں اس واسطے کہ یہ ذبح تکریم ابن آدم کے واسطے ہے تو گویا ذبح صورت ہوا غیر خدا کے واسطے تو اس شخص نے قرآن اور حدیث اور عقل کے مخالف کہا اس واسطے کہ اس میں شک نہیں کہ قصاب منفعت کے واسطے ذبح کرتا ہے اور اگر وہ [illegible] تو ذبح نہ کرے تو اس جاہل پر لازم ہے کہ قصاب کے ذبیحہ کو نہ کھاوے اور نہ اس کو کھائے جو ولیمہ اور عرس یعنی شادی اور عقیقہ میں ذبح ہو والفارق انہ ان قدمہا لیاکل منہا کان الذبح للّٰہ والمنفعۃ للضیف او للولیمۃ او للربح وان لم یقدمہا لیاکل منہا بل یدفعہا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم اور وجہ فرق درمیان حرمت ذبیحہ قدوم امیر کے اور حلت ذبیحہ وغیرہ کی یہ ہے کہ اگر ذبیحہ اس واسطے پیش کیا تاکہ اس میں سے آپ یا مہمان کھائے تو ذبح اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوا اور گوشت کی منفعت مہمان کے واسطے یا ولیمہ کے واسطے یا قصاب کے فائدہ حاصل کرنے کے واسطے ہوئی اور اگر کھانے کے واسطے ذبیحہ پیش نہ کیا بلکہ غیر کو دیا تو یہ غیر خدا کی تعظیم ہوئی تو ذبیحہ حرام ہوگا ھ حموی شارح اشباہ نے کہا کہ اس مسئلہ میں حاصل کلام یہ ہے کہ ذبح متصل بنام خدا اگر آنے والے کے آنے سے پہلے ضیافت کے واسطے یا اس کے آنے کے بعد تھوڑی دیر میں اس کی ضیافت کے واسطے ہو تو اس کے جائز ہونے میں کچھ شبہ نہیں اور اگر آنے کے وقت ہو تو اگر ضیافت کا قصد ہے تو اسی طرح درست ہے بلا شبہ اور اگر مجرد تعظیم ہو تو حرام اور مذبوح مردار ہے پھر شارح کا فرق مذکور بیان کیا انتہی پھر معلوم کرنا چاہیے کہ یہ فرق ظاہر نہیں اس لیے کہ گاہے تعظیم غیر خدا مقصود ہوتی ہے اور قاصد خود اس کو کھاتا ہے اور اس کے عیال بھی تو بہتر یہ ہے کہ مناط حکم کا تعظیم کے قصد پر ہو کذا فی الطحطاوی یعنی اگر غیر خدا کی تعظیم ذبح سے مقصود ہے تو حرام ہے والا حلال ہے وہل یکفر قولان بزازیہ وشرح وہبانیۃ اور کیا ذابح لغیر اللہ کافر ہے اس میں دو قول ہیں یعنی بعضوں کے نزدیک کافر ہے اور بعضوں کے نزدیک کافر نہیں گنہگار ہے کذا فی البزازیۃ وشرح الوہبانیۃ قلت وفی صید المنیۃ انہ یکرہ ولا یکفر لانا لا نسیٔ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الآدمی بہذا النحر ونحوہ فی شرح الوہبانیہ عن الذخیرۃ ولنظمہ فقال سے وفاعلہ جمہور ہم قال کافر ٭ وفضلی واسمٰعیل لیس یکفر ٭ میں کہتا ہوں اور منیہ کی کتاب الصید میں یہ ہے کہ غیر خدا کے واسطے ذبح کرنا مکروہ ہے اور ذابح کافر نہیں ہے اس واسطے کہ ہم مسلمان کے ساتھ یہ گمان بد نہیں کرتے ہیں کہ وہ اس ذبح سے تعظیم اور تقرب آدمی کا چاہتا ہے اور مانند اس قول کے شرح وہبانیہ میں ہے اور شارح وہبانیہ نے اس مضمون کو نظم کر کے یوں کہا ہے اور اس ذبح کا کرنے والا اکثر علماء کے نزدیک کافر ہے اور امام فضلی اور اسمٰعیل اس کو کافر نہیں کہتے ہیں ھ ہر چند تکفیر اختلافی میں عدم تکفیر راجح ہے لیکن امر مختلف فیہ کو اشد الکبائر جاننا اور اس سے بچنا اور بچانا چاہیے واللہ ہو الموفق والمعین العضو یعنی الجزء المنفصل من الحی حقیقۃ وحکما لانہ مطلق فینصرف للکامل کما حققہ فی تنویر البصائر قلت لکن ظاہر المتن التعمیم بدلیل الاستثناء فتامل میتۃ کالاذن المقطوعۃ والسن الساقطۃ الا فی حق صاحبہ فطاہر وان کثر اشباہ من الطہارۃ وہو المختار کما فی تنویر البصائر عضو یعنی جو چیز کہ جدا ہو گیا جاندار حی یعنی زندہ سے وہ مردار کے مانند ہے

چنانچہ کنکان اور گرادانت مگر دانت والے کے حق میں دانت طاہر ہے اگرچہ دانتوں میں کثرت ہو چنانچہ اشباہ میں ہے کتاب الطهارة سے اور طہارة کا قول ہی مختار ہے چنانچہ تنویر البصائر میں ہے شارح نے کہا حیوان حی یعنی زندہ سے وہ مراد ہے جو حقیقتاً اور حکماً زندہ ہو اس واسطے کہ حی کا لفظ مطلق ہے تو حی کا فرد کامل مراد ہوگا چنانچہ اس کی تحقیق تنویر البصائر حاشیہ اشباہ اور نظائر میں مذکور ہے میں کہتا ہوں لیکن ظاہر متن تعمیم پر دلالت کرتا ہے استثنا کی دلیل سے سو اس کو تامل کر هم اگر زندہ حقیقةً یعنے صورةً اور حکماً مراد لیجئے تو جز کہ منفصل ہوا مذبوح سے قبل اس کی موت کے تو وہ منفصل ہے زندہ صورةً سے نہ زندہ حکماً سے تو اس وقت میں استثناء آیندہ کی کچھ حاجت نہیں چنانچہ شیخ صالح محشی اشباہ نے کہا ہے تعمیم سے مراد یہ ہے کہ خواہ زندہ حقیقةً اور حکماً ہو خواہ فقط حقیقةً یعنی صورةً زندہ ہو تو در صورت تعمیم کے استثناء کی البتہ حاجت ہوگی تو یہاں گفتگو اس میں ہے کہ حی سے یہاں فرد کامل مراد ہے یا عام مراد ہے اگرچہ حکم مختلف نہیں ہے دونوں صورتوں میں اور عضو منفصل سے مراد وہ عضو ہے جو ہڈی اور گوشت سے جدا ہو جائے اگرچہ کھال سے متصل رہا ہو اور جو عضو کہ گوشت سے متصل ہے وہ ماکول ہے اور کلام ہے مچھلی اور ٹڈی کے غیر میں اس واسطے کہ مچھلی اور ٹڈی مردہ بھی حلال ہے کذا فی الطحطاوی ؎ الا من مذبوح قبل موتہ فیحل اکلہ لو من الحیوان الماکول لان مابقی من الحیوٰة غیر معتبر اصلاً بزازیہ قلت لکن یکرہ کما مر مگر جو عضو کہ حیوان مذبوح سے جدا ہو اس کی موت سے پہلے تو اس کا کھانا حلال ہے اگر وہ حیوان ماکول اللحم ہو اس واسطے کہ جس قدر زندگی حیوان مذبوح میں باقی ہے وہ اصلا معتبر نہیں کذا فی البزازیہ میں کہتا ہوں لیکن عضو کا جدا کرنا حیوان مذبوح کے ٹھنڈے ہونے سے پہلے مکروہ ہے چنانچہ اسی کتاب میں مذکور ہو چکا وحررنا فی الطهارة قول الوہبانیة اور ہم نے قول آیندہ وہبانیہ کی تحریر کی ہے کتاب الطهارة میں قبل تیمم کے هم کتاب الطهارة میں شارح نے بیان کیا ہے کہ غلبہ مشابہت کا کچھ اعتبار نہیں اس واسطے کہ فقہائے نے تصریح کی ہے کہ وہ بھیڑیا حلال ہے جو بکری سے پیدا ہوا اپنی ماں کے اعتبار سے ؎ وقد حللا لحم البغال وامہا من الخیل قطعا والکراہة اور البتہ صاحبین نے حلال کہا ہے قطعاً خچروں کا گوشت حالانکہ ماں ان کی گھوڑی ہے اور کراہت بھی مذکور ہے یعنے جس خچر کی ماں گھوڑی ہے وہ صاحبین کے نزدیک حلال ہے مگر کراہت بھی مذکور ہے ؎ وان ینز کلب فوق عنز فجاء ہا نتاج لہ راس ککلب فینظر ✤ اور اگر جست کی کتے نے بکری پر یعنی جفتی کی تو اس کے بچہ پیدا ہوا جس کا سر کتے کے مانند ہے تو اس کو دیکھنا چاہیے ؎ فان اکلت لحما فکلب جمیعہا ✤ وان اکلت تبنا فذا الراس یبتر ✤ سو اگر اس نے گوشت کھایا تو وہ بالکل کتا ہے اور اگر اس نے گھاس کھائی تو اس کا سر کاٹا جائے یعنی اس کا کھانا نہ چاہیے ؎ ویوکل باقیہا وان اکلت لذا ✤ وذا فاضربنہا والصیاح یخبر ✤ اور سوائے سر کے باقی گوشت کھایا جائے اور اگر گوشت اور گھاس دونوں کھائے تو اس کو مارنا اور اس کا چلانا خبردار کرے گا هم یعنی اگر مارنے سے کتے کی مانند بھونکے تو نہ کھانا چاہیے اور اگر بکری کی مانند چلائے تو حلال کرنے کے بعد سر پھینکا جائے اور باقی کھایا جائے کذا فی الطحطاوی ؎ وان اشکلت فاذبح فان کرشہا بدا ✤ فعنز والا فہو کلب فیطمر ✤ اور اگر مشکل اور مشتبہ ہو یعنی کتے اور بکری دونوں کی طرح آواز کرے تو اس کو ذبح کر تو اگر اس کی اوجھڑی ظاہر ہو تو وہ بکری ہے لیکن سر اس کا دور کیا جائے اور اگر اوجھڑی نہ نکلے تو وہ کتا ہے دفن کیا جائے یعنی اس کا کھانا نہ چاہیے دفی معایا تہا اور وہبانیہ کی چیستان میں یہ ہے ؎ وای شباہ دون

ذبح یملہا ∴ ومن ذا الذی ضحی ولادم یہر ∴ اور کون بکری ہے جس کو بدون ذبح کے شارع حلال رکھتا ہے اور کون ہے وہ شخص جو اپنے گھر میں رہا یہاں تک کہ وقت ضحی داخل ہوا اور اس نے خون نہیں جاری کیا ھم مصرعہ اول کا جواب کتاب المساقاۃ کے آخر میں مذکور ہو چکا اور مصرعہ ثانی کا جواب خود ترجمہ میں مذکور ہو گیا حل سوال فقط لفظ ہے ضحی کا تو ظاہرا اس کا مطلب یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کون شخص ہے جس نے قربانی کی اور حالانکہ خون نہیں بہایا قربانی کرنے اور عدم خونریزی میں منافات ظاہر ہے تو ناظم کا مطلب وہ ہے جو ترجمہ میں مذکور ہوا نہ قربانی کرنا خاتمہ آٹھ چیزیں ہیں مردار سے جن سے انتفاع درست ہے سینگ ۱ اور کھر ۲ اور عصب ۳ اور صوف ۴ اور وبر ۵ یعنی روئیں اور بال ۶ اور پر ۷ اور ہڈی ۸ خواہ حیوان ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول ہے کذا فی الطحطاوی عن زواہر الجواہر واللہ اعلم استغفر اللہ الحلیم ∴

کتاب الاضحیۃ

یہ کتاب ہے اضحیہ یعنی قربانی کے مسائل میں من ذکر الخاص بعد العام کتاب الذبائح کے بعد کتاب الاضحیہ کا لانا خاص کا ذکر کرنا ہے عام کے بعد یعنی ذبیحہ عام ہے اور قربانی خاص ہے ہی لغۃ اسم لما یذبح ایام الاضحیٰ من تسمیۃ الشیٔ باسم وقتہ اضحیہ لغت میں اس حیوان کا نام ہے جو ایام اضحیٰ میں ذبح کیا جائے من قبیل نام رکھنے شے کے اس کے وقت کے نام کے ساتھ ھم جو حیوان مذبوح ہوا ایام نحر میں اس کو اضحیہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وقت ضحی یعنی دن چڑھے اس کو ذبح کرتے ہیں کذا فی الدرر تو اس کا نام ماخوذ ہوا اس کے وقت کے نام سے کذا فی الحلبی طحطاوی نے کہا زیلعی میں ہے تقربات مالیہ دو قسم ہیں ایک قسم تملیک ہے چنانچہ صدقہ اور دوسری قسم اتلاف ہے چنانچہ اعتاق اور اضحیہ میں دونوں معنی مجتمع ہوئے کہ خونریزی سے وہ اتلاف ہے پھر گوشت میں تصرف کرنے سے تملیک اور اباحت ہے انتھی واقعات میں ہے کہ قربانی کا خرید کرنا دس درم سے بہتر ہے ہزار درم کی خیرات سے اس واسطے کہ جو قربت خوں ریزی سے حاصل ہوتی ہے وہ صدقات سے نہیں ہوتی **وشرعا ذبح حیوان مخصوص بنیۃ القربۃ فی وقت مخصوص** اور اصطلاح شرع میں اضحیہ عبارت ہے حیوان مخصوص کے ذبح کرنے سے عبادت کی نیت سے مخصوص وقت میں م حیوان مخصوص یعنی گائے بیل بھیڑ بکری اونٹ اور وقت مخصوص یعنی ایام نحر **وشرائطھا الاسلام والاقامۃ والیسار الذی یتعلق بہ وجوب صدقۃ الفطر کما مر** اور شرائط قربانی کی الام اور مقیم ہونا اور اس قدر تونگری اور مالداری جس قدر سے وجوب صدقہ فطر متعلق ہے چنانچہ آخر کتاب الزکاۃ میں مذکور ہو چکا ھم اسلام اور اقامت ایام نحر کی آخر وقت کی معتبر ہے تو اگر اول نحر میں کافر تھا اور آخر میں مسلمان ہوا یا اول میں مسافر تھا اور آخر میں مقیم ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہوگی فتاوی عالمگیری میں ہے ظاہر الروایۃ میں تونگر اور مالدار وہ ہے جس کے پاس ۲۰۰ درم یعنی ۵۰ روپیہ یا سات تولہ سونا ہو مسکن اور متاع مسکن اور سواری اور خادم کے سوا اور کوئی چیز ہو اس قدر مالیت کی چنانچہ رہنے کے سوا اور گھر یا باغ یا چار پائے جانور یا غلام یا گھوڑے یا تجارت کا اسباب وغیرہ ہو ۵۰ روپے کا تو اس پر قربانی واجب ہوگی اور اگر قرآن شریف ہو اس قدر مالیت کا تو اگر وہ شخص قرآن پڑھتا ہو یعنی پڑھ سکتا ہو تو اس پر قربانی نہیں خواہ بالفعل اس میں پڑھتا ہو یا نہ پڑھتا ہو اور اگر قادر نہ ہو قرات پر تو قربانی واجب ہے اور کتابوں سے آدمی غنی نہیں ٹھہرتا مگر اس وقت جب . . . . . . ایک کتاب کے دو نسخے ہوں اور احادیث اور تفسیر کی کتابوں سے غنی نہیں ہوتا اگرچہ دو دو نسخے ہوں اور کتب طب اور نجوم اور ادب سے غنی ہوتا ہے جب ان کی قیمت بقدر نصاب کے ہو کذا فی الطحطاوی تبصرف **لا الذکورۃ فتجب علی الانثی** خانیۃ اور مرد ہونا قربانی کی شرط نہیں تو قربانی واجب ہے عورت پر کذا فی الخانیۃ **وسببھا الوقت وھو ایام النحر وقیل الراس وقدمہ فی التتارخانیۃ** اور قربانی کا سبب وقت ہے اور وقت سے نحر کے دن مراد ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ قربانی کا سبب آغاز ایام نحر ہے نہ تمام وقت اور تاتارخانیہ میں اسی قول کو ترجیح دی ہے **ورکنھا ذبح ما یجوز ذبحہ من النعم لا غیر فیکرہ ذبح دجاجۃ ودیک لانہ تشبہ بالمجوس** بزازیۃ اور قربانی کا رکن ذبح کرنا ہے اس کا جس کا ذبح کرنا جائز ہے منجملہ چوپایوں کے نہ سوائے اس کے تو مکروہ ہے ذبح کرنا مرغی اور مرغ کا قربانی کی نیت سے اس واسطے کہ وہ تشبہ ہے مجوسیوں کے ساتھ کذا فی البزازیہ **وحکمھا**

الخروج عن عھدۃ الواجب فی الدنیا والوصول الی الثواب بفضل اللہ تعالیٰ فی العقبی مع صحۃ النیۃ اذ لا ثواب بدونھا اور قربانی کا حکم یعنی اثر مترتب قربانی کا دنیا میں نکل جانا واجب کے عہدہ[سلہ] سے اور ثواب کا ملنا ہے اللہ کے فضل سے آخرت میں نیت صحیح ہونے کے ساتھ اس واسطے کہ ثواب نہیں ہوتا بدون صحیح ہونے نیت کے **فتجب التضحیۃ ای اراقۃ الدم من النعم عملا لا اعتقادا** تو واجب ہے قربانی کرنا یعنی چوپایوں کا خون بہانا یہ وجوب باعتبار عمل کے ہے نہ باعتبار اعتقاد کے ھم وجوب خون ریزی پر دلیل یہ ہے کہ اگر زندہ اضحیہ کو تصدق کر دے تو واجب ادا نہ ہوگا اور ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ قربانی واجب ہے اور ابو یوسف سے روایت یہ ہے کہ سنت ہے اور طرفین سے روایت یہ ہے کہ فرض ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ واجب ہے چنانچہ مضمرات میں ہے لیکن قربانی کا وجوب کفارہ یمین اور صدقہ فطر سے کم تر ہے سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھو اور جو تم میں سے قربانی کا ارادہ کرے وہ اپنے بال اور ناخن روک رکھے یعنی نہ کاٹے اور تعلیق بالارادہ منافی وجوب ہے اور واجب ہونے کی یہ حدیث دلیل ہے کہ من وجد سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا کہ جو کشایش پاوے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے پاس نہ جاوے اور اس طرح کی وعید نہیں ہوتی مگر ترک واجب میں اور حدیث اول میں ارادہ سے مراد سہو کی ضد ہے نہ تخییر تو ارادہ ذکر کرنا نفی وجوب پر دلالت نہیں کرتا چنانچہ اس حدیث میں کہ من اراد الحج فلیستعجل یعنی جو حج کا ارادہ کرے وہ شتابی کرے مع جب قربانی واجب عملی ہوئی نہ واجب اعتقادی تو اس کا منکر کافر نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی ملخصًا **بقدرۃ ممکنۃ** قربانی کرنا واجب ہے قدرت ممکنہ سے ھم یعنی قادر کر دینے والی قدرت سے ممکنہ اسم فاعل ہے تمکین سے نہ امکان سے **ہی ما یجب بمجرد التمکن من الفعل فلا یشترط بقاؤھا لبقاء الوجوب لانھا شرط محض** قدرت ممکنہ وہ ہے جو واجب ہو بمجرد قادر ہونے کے فعل سے تو بقاء قدرت مشروط نہیں بقائے وجوب کے واسطے اس لیے کہ قدرت ممکنہ شرط محض ہے یعنی اس میں معنی علت نہیں اور شرط کا مطلق وجود بلا اشتراط دوام کفایت کرتا ہے مشروط کے پائے جانے کے واسطے **لا میسرۃ ہی ما یجب بعد التمکن بصفۃ الیسر فغیرہ من العسر الی الیسر فیشترط بقاؤھا لانھا شرط فی معنی العلۃ کما مر فی الفطرۃ** وجوب قربانی کا قدرت میسرہ سے نہیں اور قدرت میسرہ وہ ہے جو واجب ہو بعد قادر ہونے کے فعل سے آسانی کی صفت کے ساتھ تو قدرت میسرہ نے وجوب کو بدل ڈالا تنگی سے آسانی کی طرف تو قدرت مذکورہ کا باقی رہنا مشروط ہے اس واسطے کہ وہ شرط بمعنی علت کے ہے چنانچہ مذکور ہو گیا فطرہ کے بیان میں ھم جب شرط بمعنی علت ہوئی تو علت کا دوام مشروط ہے دوام معلول کے واسطے **بدلیل وجوب تصدقہ بعینھا او بقیمتھا لو مضت ایامھا** قربانی کا واجب ہونا قدرت ممکنہ سے نہ قدرت میسرہ سے ثابت ہے وجوب تصدق کی دلیل سے یعنی قربانی کا بعینہ تصدق کرنا یا اس کی قیمت کا تصدق کرنا واجب ہے اگر قربانی کے ایام گذر جاویں ھم تو قربانی اور فطرہ اور حج بعد واجب ہونے کے مال تلف ہو جانے سے ساقط نہ ہوگا کیونکہ ان کا وجوب قدرت ممکنہ سے ہے نہ میسرہ سے برخلاف زکوٰۃ اور عشر اور خراج کے اس واسطے کہ قدرت میسرہ کا بقا شرط ہے نہ قدرت ممکنہ کا **علی حر مسلم مقیم بمصر او قریۃ او بادیۃ عینی فلا تجب علی حاج مسافر فاما اہل مکۃ فتلزمھم وان حجوا وقیل لا تلزم المحرم سراج** قربانی کرنا واجب ہے آزاد مسلمان پر جو مقیم ہے شہر یا گاؤں یا جنگل میں کذا فی العینی تو قربانی واجب نہیں حاجی مسافر پر اور مکہ والوں پر تو قربانی لازم ہے اگرچہ وہ حج کرتے ہوں اور بعضوں نے کہا کہ محرم پر قربانی لازم نہیں اگرچہ وہ اہل مکہ سے ہو کذا فی السراج طحطاوی نے کہا سراج کے مانند شرح طحطاوی میں ہے **موسر یسار الفطرۃ عن نفسہ لا عن طفلہ علی الظاہر بخلاف الفطرۃ** اس مقدور والے پر جس کو فطرہ کا سا مقدور ہے قربانی واجب ہے اپنی ذات سے نہ اپنے طفل سے بنا بر ظاہر الروایۃ کے بخلاف

[سلہ] یعنی واجب کا ذمہ پر سے ساقط ہونا ۱۲ ؞

نذاہ کہ اپنی ذات اور اپنے طفل کی طرف سے واجب ہے ھ اور ظاہر الروایۃ پر فتوی ہے اور حسن کی روایت امام سے یہ ہے کہ واجب ہے قربانی اپنے اس ولد صغیر اور اپنے اس پوتے کی طرف سے جس کا باپ نہیں اور ممالیک کی طرف سے مستحب ہے کذا فی الطحطاوی **شاۃ** بالرفع بدل من ضمیر تجب او فاعلہ **او سبع بدنۃ** ہی الابل والبقر سمیت بہ لضخامتہا اور جو جانور قربانی کیا جائے وہ دنبہ بھیڑ بکری ہے یا ساتواں حصہ بدنہ کا اور بدنہ عبارت ہے شتر اور گاؤ سے شتر اور گاؤ کو بدنہ نام رکھا ان کی ضخامت یعنی تنداری اور بڑاپے کے سبب سے شارح نے کہا شاۃ بالرفع بدل ہے تجب کی ضمیر سے یا اس کا فاعل ہے ھ فاعل تجب کا تو تضحیہ مصرح ہے تو شاۃ نہ اس سے بدل پڑ سکتا ہے نہ اس کا فاعل ہو سکتا ہے بلکہ وہ خبر ہے مبتدا محذوف کی تقدیر اس کی یوں ہے والمضحی بہ شاۃ کذا فی الطحطاوی لہذا مترجم نے شارح کے موافق ترجمہ نہ کیا الحاصل بھیڑ بکری ایک شخص کی طرف سے قربانی ہوتی ہے اور شتر اور گاؤ سات شخصوں کی طرف سے اور قیاس یہ تھا کہ اونٹ اور گائے ایک ہی کی طرف سے قربانی ہوتی اس واسطے کہ خون ریزی قربت واحدہ ہے اور وہ متجزی نہیں مگر یہ قیاس متروک ہوا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گاؤ قربانی کی سات کی طرف سے اور چونکہ بھیڑ بکری میں نص موجود نہ تھی تو وہ اصل قیاس پر باقی رہی کذا فی الدرر **ولو لاحدہم اقل من سبع لم یجز عن احد** اور اگر ایک شخص کا حصہ شتر اور گاؤ سے ساتویں حصہ کم تر ہو تو کسی کی طرف سے قربانی جائز نہ ہوگی ھ یعنی شتر اور گاؤ کی قربانی سات شخصوں کی طرف سے جائز ہے بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو صورت اس کی یہ ہے کہ ایک مرد بیٹا اور زوجہ اور گائے یا بیل میراث چھوڑ کر مر گئی پھر بیٹے اور زوجہ نے گائے قربانی کی تو بیٹے کے حصہ میں قربانی جائز نہ ہوگی بسبب فوت ہو جانے وصف قربت کے بعض میں اور بسبب عدم تجزی اس فعل کے قربت ہونے میں کذا فی الدرر یعنی زوجہ کا حصہ آٹھواں تھا اس گائے میں تو ساتویں سے کمتر ہوا لہذا کسی کی طرف سے قربانی نہ ہوئی اس واسطے کہ جب بعض قربت نہ ٹھہرا تو کل بھی قربت نہ ہوا **او تجزی عما دون سبعۃ بالاولی** اور شتر اور گاؤ کی قربانی کم تر سات سے بطریق اولی جائز ہے یعنی چھ یا پانچ شخصوں کی طرف سے بطریق اولی درست ہے بشرطیکہ ہر ایک کا حصہ ساتواں ہو یا زیادہ کذا فی العلمی **فجر** نصب علی الظرفیۃ **یوم النحر الی آخر ایامہ** وہی ثلثۃ افضلہا اولہا واجب ہے قربانی کرنا یوم النحر کی فجر سے ایام النحر کے پچھلے دن تک اور ایام نحر تین دن ہیں یعنی دسویں اور گیارھویں اور بارھویں تاریخ ذی الحجہ کی اور افضل دن قربانی کا پہلا دن ہے شارح نے کہا فجر کا لفظ منصوب ہے بنا بر ظرفیت کے یعنی ظرفیت وجوب ھ اور ایام مذکورہ کی راتوں میں قربانی جائز ہے لیکن مکروہ ہے بسبب خوف غلط کے تاریکی میں کذا فی الحموی **ویضحی عن ولدہ الصغیر من مالہ** صححہ فی الہدایۃ **وقیل لا** صححہ فی الکافی قال ولیس للاب ان یفعلہ من مال طفلہ ورجحہ ابن الشحنۃ قلت وہو المعتمد لما فی متن مواہب الرحمن من انہ اصح ما یفتی بہ وعللہ فی البرہان بانہ ان کان المقصود الاتلاف فالاب لا یملکہ فی مال ولدہ کالعتق او التصدق باللحم فمال الصبی لا یحتمل صدقۃ التطوع وعزاہ للمبسوط فلیحفظ اور باپ قربانی کرے اپنے فرزند صغیر کی طرف سے صغیر کے مال سے صحیح کہا ہے اس قول کو ہدایہ میں اور بعضوں نے کہا کہ قربانی نہ کرے صغیر کے مال سے اس قول کو صحیح کہا ہے کافی میں صاحب کافی نے کہا کہ باپ کو یہ کرنا اپنے طفل کے مال سے درست نہیں اور ترجیح دی ہے اس قول کو ابن شحنہ نے میں کہتا ہوں اور یہی قول معتمد ہے اس واسطے کہ مواہب الرحمن کے متن میں یہ مذکور ہے کہ فتوی دینے میں یہی قول صحیح تر ہے اور برہان میں اس کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ اگر قربانی سے اتلاف مقصود ہے تو باپ اس کا مالک نہیں اپنے فرزند کے مال میں چنانچہ اس کے غلام کے آزاد کرنے کا مالک نہیں اور اگر گوشت کا تصدق مقصود ہے تو صغیر کا مال صدقہ نفل کا احتمال نہیں رکھتا ہے اور اس قول کو مبسوط کی طرف نسبت کیا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ثم فرع علی قول الاول بقولہ **واکل منہ الطفل وادخر لہ قدر حاجتہ وما بقی یبدل بما ینتفع الصغیر بعینہ** کثوب وخف لا بما یستہلک کخبز ونحوہ

ابن کمال وکذا الجد والوصی پھر مصنف نے قول اول پر تفریع کی اپنے اس قول سے اور طفل کھائے اپنے قربانی سے اور گوشت اٹھا رکھا جائے لق
اس کی حاجت کے اور جو گوشت باقی رہے وہ بدل ڈالا جائے اس چیز سے جس کے بعینہ ذات سے صغیر فائدہ حاصل کرے چنانچہ کپڑا اور موزہ نہ اس
چیز سے بدلنا چاہیے جس کے استہلاک سے فائدہ حاصل ہو چنانچہ روٹی اور مانند اس کے کذا صرح بہ ابن کمال اور اسی طرح یعنی باپ کے مانند
اور وصی ہے **وصح اشتراک ستۃ فی بدنۃ شریت لاضحیۃ** ای ان نوی وقت الشراء لاشراک صح استحسانا والا لا استحسانا اور ایک شخص
کے ساتھ صحیح ہے شریک ہو جانا چھ شخصوں کا اس شتر اور گاؤ میں جو خرید کیا گیا قربانی کے واسطے یعنی اگر خرید کے وقت خرید کرنے والے نے شریک
کر لینے کی نیت کی تو صحیح ہے از روئے استحسان کے اور اگر شریک کی نہیں نیت کی خرید کے وقت تو صحیح نہیں از روئے استحسان کے ھم صورت مس
یہ ہے کہ قربانی خرید کی اپنی ذات کے واسطے پھر اس میں شریک کر لیا عالمگیریہ میں ہے اگر قربانی کے ارادہ سے خرید کی پھر اس میں چھ شخصوں کو شریک
کر لیا تو مکروہ ہے اور قربانی ساتوں کی طرف سے کفایت کرے گی اور اگر خرید کے وقت شریک کر لینے کا ارادہ کرے تو مکروہ نہیں اور از قب
از خرید اس کا ارادہ کرے تو بہتر ہے اور زیلعی میں ہے کہ گائے خرید کی اس ارادہ سے کہ قربانی کرے اپنی ذات سے پھر چھ آدمی اس کے سا
شریک ہو گئے تو کفایت کرتا ہے از روئے استحسان کے اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو اس لیے کہ مہیا کر چکا اس کو قربت کے واسطے تو بی
اس کی تمول ممتنع ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ گاہے آدمی موٹی گائے پاتا ہے اور شریکوں کو نہیں پاتا ہے خرید کے وقت سو اس کو خرید کر لیتا
پھر شریکوں کو طلب کرتا ہے اور اگر یہ جائز نہ ہو تو لوگ حرج میں پڑیں اور حرج شرعاً مدفوع ہے انتہی اور سیاق کلام شارح اس کا مفید
کہ گائے خرید کی شرکت کی نیت سے اور حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ صورت مسئلہ یہ ہے بلا نیت شرکت خرید کی پھر اس نے شریک کو پایا اس وا
کہ اگر شرکت کی نیت سے خرید کرے گا تو مخالف قیاس نہ ہوگا کما ذکرہ الوالی کذا فی الطحطاوی ملخصا وذا ای الاشتراک **قبل الشراء احب** اور
یعنی اشتراک خرید کرنے سے پہلے مستحب اور بہتر ہے **ویقسم اللحم وزنا لا جزافا** اور مشترک قربانی کا گوشت قسمت کیا جائے تول کر نہ اٹکل ک
ھم فتاوی خلاصہ اور فیض میں ہے کہ تعلیق قسمت کی شریکوں کے ارادہ پر ہے کذا فی الطحطاوی **الا اذا ضم معہ من الاکارع او الجل**
صرفا للجنس بخلاف جنسہ مگر جب کہ گوشت کے ساتھ پائے یا کھال ملائی جاوے تو وزن کا برابر ہونا ضرور نہیں جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیر
کے سبب سے ھم یعنی ہر جانب میں کچھ گوشت ہو اور کچھ پائے یا ہر جانب میں کچھ گوشت ہو اور کچھ کھال یا ایک جانب میں گوشت اور پا
ہوں اور دوسری جانب میں گوشت اور کھال ہو تو اب جائز ہے صرف کرنا جنس کا خلاف جنس کی طرف کذا فی الدرر **واول وقتہا ب**
الصلوۃ ان ذبح فی مصر ای بعد اسبق صلوۃ عید ولو قبل الخطبۃ لکن بعدہا احب اور قربانی کا اول وقت بعد نماز کے ہے اگر ش
میں ذبح کیا ہو یعنی اس نماز عید کے بعد اول وقت ہے جو سب سے پہلے نماز ہو گئی ہو اگرچہ خطبہ عید سے پہلے قربانی کی ہو لیکن
خطبہ کے بعد قربانی مستحب ہے ھم اور قبل از خطبہ قربانی کرنے سے بد کار ٹھہرے گا کذا فی الحلبی وبعد مضی وقتہا لو لم یصلوا العذر ویج
فی الغد وبعدہ قبل الصلوۃ لان الصلوۃ فی الغد تقع قضاء لا اداء زیلعی وغیرہ اور قربانی کا اول وقت نماز عید کے وقت گذر جانے کے بع
اگر لوگوں نے عذر کے سبب سے نماز نہ پڑھی ہو اور گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو قبل از نماز عید قربانی جائز ہے اس واسطے کہ گیا
بارہویں کی نماز قضا واقع ہوگی نہ ادا کذا فی الزیلعی ھم عذر سے مراد غیر فتنہ ہے چنانچہ آگے مذکور ہوگا **وبعد طلوع فجر یوم الن**
ان ذبح فی غیرہ اور قربانی کا اول وقت یوم النحر کی فجر کے طلوع ہونے کے بعد ہے اگر قربانی ذبح کی شہر کے سوا گاؤں یا جنگل می
واخرہ قبیل غروب یوم الثالث وجوزہ الشافعی فی الرابع اور آخر وقت قربانی کا یوم ثالث یعنی بارہویں تاریخ کے غروب ہونے سے پہلے اور امام شا

تیرھویں تاریخ میں بھی قربانی جائز رکھی ہے ھ ایام نحر کے تین ہیں اور ایام تشریق[١] کے بھی تین ہیں اور دونوں ایام گذر جاتے ہیں چاروں میں
اول روز نحر ہے تشریق نہیں اور پچھلا دن تشریق ہے نحر نہیں اور تشریق ہیں ایام نحر دسویں گیارہویں اور بارہویں اور ایام تشریق گیارہویں
بارہویں تیرھویں **والمعتبر مکان الاضحیۃ لا مکان من علیہ** اور معتبر قربانی کا مکان ہے نہ اس شخص کا مکان جس پہ قربانی واجب ہے ھ تو اگر قربانی دیہات
میں ہو اور قربانی کرنے والا شہر میں ہو تو بعد طلوع فجر قربانی جائز ہے اور اگر قربانی شہر میں ہو اور قربانی کرنے والا دیہات میں تو قربانی جائز نہیں
مگر بعد نماز عید کے برخلاف صدقہ فطر کہ اس میں مکان فاعل معتبر ہے فحیلۃ مصری اراد التعجیل ان یخرجہا لخارج المصر فیضحی بہا اذا طلع الفجر مجتبی
تو اس شہری کا حیلہ جو شتابی قربانی کیا چاہتا ہے نماز عید سے پہلے یہ ہے کہ قربانی نکال دے شہر سے باہر یعنی اس مکان میں جہاں مسافر کو
قصر صلوٰۃ جائز ہے پھر وہاں فجر کے طلوع ہوتے قربانی کرے کذا فی المجتبی **والمعتبر آخر وقتہا للفقیر وضدہ والولادۃ والموت فلو کان
غنیا فی اول الایام فقیرا فی آخرہا لا یجب علیہ وان ولد فی الیوم الآخر یجب علیہ وان مات فیہ لا یجب علیہ** اور معتبر قربانی کا پچھلا
وقت ہے فقیر اور غنی اور ولادت اور موت کے واسطے تو وہ اگر غنی ہو اول ایام نحر میں اور فقیر ہو ان کے پچھلے دن میں تو اس پر قربانی واجب نہیں
اور اگر طفل پیدا ہو پچھلے دن میں تو اس پہ قربانی واجب ہے اور اگر غنی مرگیا پچھلے دن میں تو اس پہ قربانی واجب نہیں ھ صغیر کے مال میں قربانی واجب
ہے بموجب ایک قول کے چنانچہ مذکور ہو چکا **تبین ان الامام صلی بغیر طہارۃ تعاد الصلوٰۃ دون الاضحیۃ** لان من العلماء من قال لا یعید الصلوٰۃ
الا الامام وحدہ فکان للاجتہاد فیہ مساغا زیلعی بعد نماز اور قربانی کے ظاہر ہوا کہ امام نے نماز عید کی پڑھائی بدون طہارت کے تو فقط نماز پھیری جائے
نہ قربانی اس واسطے کہ علماء میں سے بعضا عالم وہ ہے جو کہتا ہے کہ نماز کا اعادہ نہ کرے مگر امام تنہا تو اس میں اجتہاد مجتہدین کی گنجائش ٹھہری کذا
فی الزیلعی یعنی جب مقتدیوں پر اعادہ واجب نہ ہوا تو قربانی کا اعادہ کیونکر ہوا تو سقوط جماعت جواز قربانی کا عذر ٹھہرا تا کہ قربانیاں فساد سے
محفوظ رہیں وفی المجتبی انما تعاد قبل التفرق لا بعدہ اور مجتبی میں ہے کہ نماز اعادہ نہ کی جائے گی مگر متفرق ہونے سے پہلے نہ بعد متفرق ہو جانے مقتدیوں
کے ھ یہ تقیید ہے اطلاق متن کی اس واسطے کہ اعادہ بعد التفرق میں مشقت ہے وفی البزازیۃ بلدۃ فیہا فتنۃ فلم یصلوا وضحوا بعد طلوع الفجر جاز فی المختار
اور بزازیہ میں ہے کہ ایک شہر ہے جس میں فتنہ ہے یعنی وہاں کا کوئی حاکم نہیں ہے تو شہر والوں نے نماز نہ پڑھی حاکم کے نہ ہونے کے سبب سے
اور قربانی کے بعد طلوع ہونے فجر کے تو جائز ہے قول مختار میں ھ اس واسطے کہ شہر بمنزلہ دیہات کے ہو گیا اس حکم میں زیلعی حلبی نے کہا اور یہ معارض
ہوا اس قول کے جو پہلے منقول ہو چکا زیلعی سے طحطاوی نے کہا تو عذر مقدم غیر فتنہ پر محمول ہے چنانچہ مذکور ہو چکا اور یہ فتنہ پر محمول ہے تو تعارض
نہ رہا لکن فی الینابیع لو تعمد الترک فمن اول وقتہا لا یجوز الذبح حتی تزول الشمس انتہی لیکن ینابیع میں ہے اور اگر حاکم نے عمداً نماز عید ترک کی پھر کسی
شخص نے قربانی کی اول وقت یعنی بعد طلوع فجر سنت قربانی کی ادا کی تو ذبح کرنا قربانی کا جائز نہیں جب تک زوال شمس نہ ہوا انتہیٰ مافی الینابیع
ھ قربانی قبل زوال اس واسطے جائز نہیں کہ شاید قبل زوال تک حاکم نماز عید کا ارادہ کرے طحطاوی نے کہا اس استدراک کی کوئی وجہ نہیں
اس واسطے کہ قبل اس کے نماز ترک ہوئی تھی عذر کے سبب سے اور یہ بلا عذر ترک ہوئی وقیل لا یجوز قبل الزوال فی الیوم الاول وتجوز فی بقیۃ
الایام قلت وقدمنا انہ مختار الزیلعی وغیرہ وبہ جزم فی المواہب فتنبہ اور بعضوں نے کہا کہ قربانی جائز نہیں قبل زوال کے اول دن میں اور جائز ہے باقی
دنوں میں میں کہتا ہوں اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ قول زیلعی وغیرہ کا مختار ہے اور اسی پر یقین کیا ہے مواہب الرحمن میں تو خبردار رہنا
کما لو شہدوا انہ یوم العید عند الامام فصلوا ثم ضحوا ثم بان انہ یوم عرفۃ اجزاتہم الصلوٰۃ والتضحیۃ لانہ لا یمکن التحرز عن مثل ہذا

---

[١] تشریق کے معنی گوشت کے قیمہ کرنے کے ہیں چونکہ ان دنوں میں قربانی کا گوشت ہوتا ہے اس لیے ایام تشریق نام ہوا ۱۲

الطحاوی نحکم بالجواز صیانۃ لجمیع المسلمین چنانچہ اگر گواہوں نے امام کے نزدیک گواہی دی کہ وہ عید کا دن ہے سو لوگوں نے نماز عید کی پڑھی اور قربانی کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ عرفہ کا دن تھا تو ان کو نماز اور قربانی کفایت کرتی ہے اس واسطے کہ ایسی خطا کا بچنا ممکن نہیں تو جواز صلوۃ اور قربانی کا حکم کیا جاوے گا جمیع مسلمین کے بچاؤ کے واسطے یعنی تا ان کی نماز اور قربانی فساد سے محفوظ ہے **وکرہ تنزیہا الذبح لیلا لاحتمال الغلط** اور مکروہ تنزیہی ہے ذبح کرنا قربانی کا رات کو غلط اور خطا ہو جانے کے احتمال سے **ولو ترکت التضحیۃ ومضت ایامہا تصدق بہا حیۃ ناذر فاعل تصدق لمعینۃ ولو فقیرا** اور اگر نذر کرنے والے نے قربانی کرنا چھوڑا اور قربانی کے دن گذر گئے تو معین جانور کا نذر کرنے والا اس کو زندہ خیرات کر دے اگرچہ نذر کرنے والا فقیر ہو شارح نے کہا ناذر فاعل ہے تصدق کا یعنی جس کے ملک میں بکری یا بھیڑ ہو اور وہ یوں نذر کرے کہ خدا کے واسطے مجھ پر واجب ہے یہ کہ میں اس کو قربانی کروں گا کذا فی الدرر **ولو ذبحہا تصدق بلحمہا** اور اگر نذر والی قربانی کو ذبح کیا تو اس کا گوشت خیرات کر دے **ولو نقصہا تصدق بقیمۃ النقصان ایضا** اور اگر اس کو ناقص کر دیا بسبب عیب دار کر دینے کے تو اس کے نقصان کی قیمت بھی خیرات کر دے **ولا یاکل الناذر منہا فان اکل تصدق بقیمۃ ما اکل** اور نذر کرنے والا نذر کی قربانی سے نہ کھائے اور اگر کھائے تو جس قدر گوشت کھایا اس کی قیمت خیرات کرے **وفقیر** عطف علیہ **شراہا لہا** لوجوبہا علیہ بذلک حتی یمتنع علیہ بیعہا اور محتاج نے جانور خرید کیا قربانی کرنے کے واسطے اور قربانی کے دن گذر گئے تو اس کو زندہ تصدق کر دے بسبب واجب ہو جانے قربانی کے محتاج پر بسبب خرید کرنے کے تو اس پر ممنوع ہوگا اس کا بیچنا شارح نے کہا فقیر کا لفظ عطف ہے ناذر پر ھم یعنی ہر چند محتاج پر قربانی واجب نہیں لیکن جب کہ قربانی کی نیت سے خرید کرے گا تو اس پر واجب ہو جائے گی ہمارے نزدیک کذا فی الدرر فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر قربانی خرید کی پھر اس کی بیع کی تو اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ قربانی کی نیت سے خرید کی دوسری صورت یہ کہ بدون نیت کے خرید کی تیسری یہ کہ بلا نیت خرید کی پھر اس کا قربانی کرنا زبان سے واجب کر لیا اس طرح کہ خدا کے واسطے مجھ پر لازم ہے اس کا قربانی کرنا اسی سال میں تو پہلی صورت میں قربانی نہ ہو جاوے گی جب تک زبان سے اس کو واجب نہ کرے گا ظاہر الروایۃ میں اور صاحبین کے نزدیک قربانی ٹھہر جاوے گی اور دوسری صورت کا حکم ظاہر الروایۃ میں مذکور نہیں اور حسن کی روایت امام سے یہ ہے کہ وہ قربانی نہ ہو گی تو اگر اس کو بیع کر ڈالے تو جائز ہے اور یہی قول ماخوذ ہے اور تیسری صورت میں بالاتفاق قربانی ہو جاوے گی کذا فی الطحطاوی **وتصدق بقیمتہا غنی شراہا** اولا لتعلقہا بذمتہ شراہا اولا فالمراد بالقیمۃ قیمۃ شاۃ تجزی فیہا اور بعد گذر جانے ایام نحر کے اس کی قیمت کو مالدار تصدق کرے خواہ اس نے قربانی خرید کی ہو یا نہ خرید کی ہو بسبب متعلق ہونے قربانی کے غنی کے ذمہ پر خرید کرے یا نہ کرے تو قیمت سے مراد اس بھیڑ بکری کی قیمت جو قربانی کرنے میں کافی ہے ھم در صورت عدم خرید فقط قیمت کا خیرات کرنا تو ظاہر ہے اور جب کہ خرید کی تو وہ مختار ہے چاہے اس کی قیمت تصدق کرے چاہے اس کو زندہ خیرات کر دے تاکہ اس کے عہدہ سے خارج ہو جیسے جمعہ کی قضا فوت ہو جانے کے بعد ظہر ہے اور صوم کی قضا عاجز ہونے کے بعد فدیہ ہے **وصح الجذع ذو ستۃ اشہر من الضان** ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لا یمکن التمییز من بعد اور قربانی کے واسطے صحیح ہے جذع یعنی چھ مہینے کا پٹھا دنبہ کا بشرطیکہ ایسا قد آور ہو کہ اگر سال بھر کی بھیڑ بکریوں میں ملایا جاوے تو اس کی تمیز دور سے ممکن نہ ہو ھم ضان سے مراد وہ جس کے الیہ ہو یعنی چکتی کذا فی صدر الشریعۃ والدرر والمنح طحطاوی نے کہا دلیل جواز یہ حدیث ہے جس کو احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ یجوز الجذع من الضان اضحیۃ یعنی جائز ہے چھ مہینے کا پٹھا دنبہ سے قربانی کے واسطے اتقانی نے کہا اور اگر صغیر الجثہ ہو تو جائز نہیں جب تک ایک سال پورا نہ ہوا اور دوسرا سال شروع نہ ہوا ہو **وصح الثنی فصاعدا من الثلثۃ** اور ثنی اور اس سے زیادہ صحیح ہے تینوں قسموں سے یعنی غنم اور بقر اور ابل سے **والثنی ہو ابن خمس من الابل وحولین من البقر والجاموس وحول من الشاۃ والمعز** اور ثنی اونٹ سے پا

سال کا ہوتا ہے اور گائے بیل اور بھینس سے دو سال کا ہوتا ہے اور بھیڑ بکری سے سال بھر کا ہوتا ہے ھم تقدیر اسنان مذکورہ مانع نقصان
مانع زیادت تو اگر ان سے کم عمر کا ذبح ہوگا تو جائز نہ ہوگا اور اگر ان سے زیادہ عمر کا ذبح ہوگا تو جائز ہے بلکہ افضل ہے کذا فی العالمگیریۃ
ولد بین الاہلی والوحشی یتبع الام قال المصنف اور جو جانور پیدا ہوا اہلی اور وحشی سے وہ اپنی ماں کا تابع ہے ایسا کہا ہے مصنف نے ھم یعنی اگر
کی ماں کی قربانی جائز ہے تو اس کی بھی جائز ہے اور اگر اس کی ماں کی قربانی جائز نہیں تو اس کی بھی جائز نہیں فروع مسائل ملحقہ شارح کے
شاۃ افضل من سبع البقرۃ اذا استویا فی القیمۃ واللحم بھیڑ بکری بہتر ہے گائے بیل کے ساتویں حصہ سے اگر قیمت اور گوشت میں دونوں برابر ہوں
الکبش افضل من النعجۃ اذا استویا قیمتھا اور مینڈھا بہتر ہے بھیڑ سے جب کہ دونوں کی قیمت برابر ہو ھم اور اگر بھیڑ کی قیمت زیادہ ہو یا اس کا
گوشت زیادہ ہو تو وہ مینڈھے سے افضل ہے کذا فی الذخیرۃ والانثیٰ من المعز افضل من التیس اذا استویا قیمۃ اور مادہ بکری بہتر ہے نر بکری سے جب
دونوں قیمت میں برابر ہوں والانثیٰ من الابل والبقر افضل حاوی اور اونٹنی اور گائے افضل ہے اونٹ اور بیل سے کذا فی الحاوی وفی
وہبانیۃ ان الانثیٰ افضل من الذکر اذا استویا قیمۃ واللہ اعلم اور وہبانیہ میں ہے کہ مادہ بہتر ہے نر سے جب کہ دونوں کی قیمت برابر ہو واللہ
م طحطاوی نے کہا کہ ابل اور بقر میں مادہ افضل ہے نر سے اس واسطے کہ ان دونوں قسموں میں مادہ کا گوشت عمدہ ہوتا ہے نر کے گوشت
ولدت الاضحیۃ ولدا قبل الذبح یذبح الولد معھا وعند بعضھم یتصدق بہ بلا ذبح قربانی بچہ جنی ذبح ہونے سے پہلے تو بچہ بھی ذبح کیا جائے اس کے
اور بعضوں کے نزدیک بچہ خیرات کیا جائے بدون ذبح کرنے کے ضلت او سرقت فاشتری اخری ثم وجدھا فالافضل ذبحھما وان ذبح الاولی
ولذا الثانیۃ لو قیمتھا کالاولی او اکثر وان اقل ضمن الزائد ویتصدق بہ بلا فرق بین غنی وفقیر وقال بعضھم ان وجبت عن یسار فکذا الجواب وان عن
ذبحھما ینابیع قربانی گم ہوگئی یا چوری گئی سو دوسری قربانی خرید کی پھر پہلی مل تو دونوں کا ذبح کرنا افضل ہے اور اگر پہلی قربانی کو ذبح
ے گا تو بھی درست ہے اور اسی طرح اگر دوسرے کو ذبح کرے گا تو بھی درست ہے بشرطیکہ دوسری کی قیمت پہلی کی برابر ہو یا زیادہ ہو اور اگر
ری کی قیمت پہلی کی قیمت سے کم تر ہو تو زائد کا ضمان دے اور اس کو خیرات کر دے اس میں کچھ فرق نہیں مالدار اور محتاج کا اور بعضوں نے
اگر قربانی مالداری کے سبب سے واجب ہوئی ہے تو اسی طرح کا جواب ہے جو مذکور ہو چکا اور اگر محتاجی میں خرید کرنے کی سبب سے واجب
دونوں قربانیوں کو ذبح کرے کذا فی الینابیع یعنی دونوں قربانیوں کا ذبح کرنا واجب ہے کذا فی الطحطاوی عن الخانیۃ ولیضحی بالجماء والخصی
الثولاء ای المجنونۃ اذا لم یمنعھا من السوم والرعی اور قربانی کرے منڈے کو یعنی جس کے سر پر سینگ نہ ہوں اور خصی یعنی بدھیا کو اور قربانی
اس دیوانے کو جس کو دیوانگی چرنے چگنے سے نہ روکے وان منعھا لا یجوز التضحیۃ بھا اور اگر چرنے چگنے سے دیوانگی باز رکھے تو ایسے دیوانے
کو ذبح کرنا جائز نہیں والجرباء السمینۃ فلو مھزولۃ لم یجز لان الجرب فی اللحم نقص اور قربانی کرے موٹے خارشی جانور کو تو اگر خارشی جانور دبلا
درست نہیں اس واسطے کہ گوشت میں خارش ہونا نقصان ہے ھم یعنی کھال کی خارش سے گوشت میں نقصان نہیں لہذا اس کی قربانی درست
اور جب خارش سے جانور دبلا ہوگیا تو معلوم ہوا کہ خارش گوشت تک پہنچ گئی اس واسطے درست نہیں لا بالعمیاء والعوراء والعجفاء
التی لا مخ فی عظامھا جائز نہیں قربانی اندھے اور کانے اور ایسی نہایت دبلے جانور کی جس کی ہڈیوں میں گودا نہیں والعرجاء التی
الی المنسک ای المذبح اور اس لنگڑے کی قربانی جائز نہیں جو ذبح کرنے کے مقام تک نہ چل سکے ھم بزازیہ میں ہے کہ اگر ایسا
جانور ہو جو تین پاؤں سے چلے اور چوتھا پاؤں زمین پہ نہ رکھے تو اس کی قربانی جائز نہیں اور اگر چوتھے پاؤں کو تھوڑا ٹیکتا ہو اور جھکا
تاہم تو اس کی قربانی درست ہے والمریضۃ البین مرضھا اور اس بیمار کی قربانی جس کی بیماری صاف ظاہر ہے والمقطوع اکثر الاذن او

الذنب او العین ای التی ذہب اکثر نور عینہا فاطلق القطع علی الذہاب مجازا و انما یعرف بتقریب العلف اور اس جانور کی قربانی جائز نہیں جس کا اکثر کان یا دم یا آنکھ قطع ہوگئی ہو یعنی جس جانور کی آنکھ کا اکثر نور جاتا رہا ہو تو مصنف نے ذہاب پر قطع کا اطلاق کیا باعتبار مجاز کے اور اکثر روشنی کا جانا چارہ نزدیک رکھنے سے معلوم ہوتا ہے ہم صورت اس کی یہ ہے کہ جب جانور بھوکا ہو تو کم روشن آنکھ کو بند کرے اور اس کے سامنے چارہ رکھے پھر نظر کرے کہ کتنی دور سے اس نے چارے کو دیکھا اور اس کی طرف رغبت کی پھر تندرست روشن آنکھ کو بند کرے اور چارہ سامنے رکھے پھر نظر کرے کہ کتنی دور سے اس نے چارہ دیکھا پھر دونوں مکانوں کے تفاوت کو اندازہ کرے اگر تہائی کا تفاوت ہو تو تہائی روشنی گئی اسی طرح اتم یا اکثر معلوم کرے طحطاوی نے کہا اکثر کا رعایت کرنا فقیہ ابو اللیث کا قول ہے اور مجتبی میں اسی قول پر فتویٰ مذکور ہے اور شرنبلالی میں قاضی خان سے منقول ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ تہائی اور اس سے کم قلیل میں داخل ہے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ کثیر ہے اور اس پر فتویٰ ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں فتویٰ مختلف ہے **او اکثر الالیۃ** لان للاکثر حکم الکل بقاء و ذہابا فیکفی بقاء الاکثر وعلیہ الفتوی مجتبی اور جس دنبہ کی اکثر چکتی کٹی ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اس لیے کہ اکثر کے واسطے کل کا حکم ہے رہنے اور جانے میں تو اکثر کان اور دم اور آنکھ اور چکتی کا باقی رہنا کفایت کرتا ہے قربانی کے واسطے اور اسی قول پر فتویٰ ہے کذا فی المجتبی **ولا بالہتماء** التی لا اسنان لہا ویکفی بقاء الاکثر **وقیل** ما تعتلف بہ اور قربانی جائز نہیں پوپلے جانور کی جس کے دانت نہیں اور اکثر دانتوں کا باقی رہنا کفایت کرتا ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ اس قدر دانتوں کا باقی رہنا کافی ہے جس قدر سے چارہ کھا سکے یعنی اگرچہ نصف سے کم ہوں **والسکاء** التی لا اذن لہا خلقۃ فلو لہا اذن صغیرۃ اجزأت زیلعی اور جائز نہیں قربانی بوچے کی جس کے پیدائشی کان نہیں اور اگر جانور کے چھوٹے کان ہوں تو اس کی قربانی کافی ہے کذا فی الزیلعی ہم اگر پیدائشی ایک کان ہو تو قربانی اس کی درست نہیں کذا فی العالمگیریۃ **والجذاء** مقطوعۃ رؤس ضرعہا او یابسہا اور اس جانور کی قربانی جائز نہیں جس کے تھنوں کی نوکیں کٹی ہوں یا وہ خشک ہوں **ولا الجدعاء** مقطوعۃ الانف اور قربانی درست نہیں نکٹے جانور کی جس کی ناک کٹی ہو **ولا المصرمۃ** اطباؤہا وہی التی عولجت حتی انقطع لبنہا اور نہ وہ جانور جس کے تھنوں کی نوکیں مقطوع ہوں یعنی جس جانور کا علاج کرنے سے دودھ منقطع ہوگیا **ولا التی** لا الیۃ لہا خلقۃ مجتبی اور درست نہیں قربانی اس دنبہ کی جس کے پیدائشی چکتی نہ ہو کذا فی المجتبی **ولا بالخنثی** لان لحمہا لاینضج شرح وہبانیۃ وتمامہ فیہ اور جائز نہیں قربانی خنثیٰ کی اس واسطے کہ اس کا گوشت پختہ نہیں ہوتا کذا فی شرح الوہبانیۃ اور اس کا پورا بیان اسی کتاب میں ہے **ولا الجلالۃ** التی تاکل العذرۃ ولا تاکل غیرہا اور جائز نہیں قربانی نجاست خور جانور کی جو گوہ کھاتا ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں کھاتا ہم اس قید سے معلوم ہوا کہ اگر نجاست بھی کھاتا ہو اور چارہ بھی کھاتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے کذا فی الطحطاوی تتمہ قربانی جائز ہے اس جانور کی جس کو کھانسی آتی ہے اور اس کی جو بڑھاپے سے جن نہیں سکتی اور اس کی جو داغا گیا ہے اور اس کے دودھ نہیں اترتا بلا مرض اور جس کی چھوٹی چکتی ہے دم کے برابر اور جس کی زبان کٹی ہے بشرطیکہ چارہ کھا سکتا ہو کذا فی الطحطاوی **ولو اشتراہا سلیمۃ ثم تعیبت بعیب مانع** کما مر فعلیہ اقامۃ غیرہا مقامہا ان کان غنیا وان کان فقیرا اجزاہ **ذلک** اور اگر قربانی تندرست خرید کی پھر اس میں وہ عیب لگ گیا جو مانع ہے جواز قربانی کا چنانچہ عیوب مانعہ مذکور ہو چکے تو اس پر واجب ہے کہ اور قربانی اس کے قائم مقام کرے اگر خرید کرنے والا مالدار ہو اور اگر محتاج ہو تو وہی عیب دار قربانی اس کے واسطے کفایت کرتی ہے وکذا لو کانت معیبۃ وقت الشراء لعدم الوجوب علیہ بخلاف الغنی اور اسی طرح معیوب قربانی محتاج کے واسطے کافی ہے اگر قربانی میں عیب موجود ہو خریداری کے وقت اس واسطے کہ محتاج پر قربانی واجب نہیں برخلاف مالدار کے کہ اس پر واجب ہے تو اس کے حق میں کافی نہ ہوگی **ولا یضر تعیبہا من اضطرابہا عند الذبح** اور ضرر نہیں کرتا عیب دار

جانا قربانی کا اس کے تڑپنے کے سبب سے ذبح کے وقت وکذا لو ماتت فعلی الغنی غیرہا لا الفقیر اور اگر قربانی مرگئی تو مالدار پہ دوسری قربانی
ں کے سوا واجب ہے نہ محتاج پر ولو ضلت او سرقت فشری اخری فظہرت فعلی الغنی احدہما وعلی الفقیر کلاہما شمنی اور اگر قربانی گم ہوگئی یا چوری گئی
اس نے دوسرا جانور خرید کیا تو غنی پر ایک جانور کا قربانی کرنا واجب ہے اور محتاج پہ دونوں کا قربانی کرنا ضروری ہے کذا فی الشمنی ھم یہ مسئلہ
ر ہوگی وان مات احد السبعة المشترکین فی البدنة وقال الورثة اذبحوا عنہ وسلم صح عن الکل استحسانا لقصد القربة من الکل ولو ذبحوہا بلا اذن
رثتہ لم یجزہم لان بعضہا لم یقع قربة اور اگر گائے یا اونٹ کے سات شریکوں میں سے ایک شریک مرگیا اور میت کے وارثوں نے کہا کہ ذبح کرو
ت کی طرف سے اور اپنی طرف سے تو سب کی طرف کی قربانی صحیح ہوگی استحسان کی راہ سے اس واسطے کہ عبادت کا قصد سب کی طرف سے
ل ہوا اور اگر شریکوں نے میت کے وارثوں کے بلا اذن اس کو ذبح کیا تو شریکوں کی طرف سے بھی قربانی ادا نہ ہوگی اس واسطے کہ ساتواں حصہ
دت واقع نہ ہوا یعنی جب بعض عبادت نہ ٹھہرا تو کل بھی عبادت نہ ہوا عدم تجزی کے سبب سے کذا فی الکافی وان کان شریک الستة نصرانیا او مریدا
م لم یجز عن واحد منہم لان الاراقة لا تتجزی ہدایة لما مر اور اگرچہ شریکوں کے ساتھ ساتواں شریک نصرانی ہو یا فقط گوشت لینے کا ارادہ رکھتا تو ان میں
ی کی طرف سے قربانی ادا نہ ہوگی اس واسطے کہ خون ریزی متجزی نہیں ہوتی کذا فی الہدایة بدلیل گذشتہ ھم اور یہی حکم ہے باقی قربات شرکت پذیر میں
ں جب متقرب کے ساتھ وہ شخص شریک ہو جو قربت کا قصد نہیں رکھتا ہے تو عبادت ادا نہ ہوگی اور درصورت قربت عبادت ادا ہوگی اگرچہ قربت
جہت مختلف ہو اس طرح پر کہ بعض شریک قربانی کا ارادہ کرے اور بعض جزاء صید[1] اور بعض ہدی احصار اور بعض کفارہ احرام اور بعض ہدی تطوع اور
دم متعہ یا قران کا ارادہ کرے اور اسی طرح اگر بعض اپنے فرزند کے عقیقہ کا قصد کرے ایسا بیان کیا ہے امام محمد نے فوائد ضحایا میں اور اس
ب سے پہلے محمد نے ذکر کیا ہے کہ قربانی کے واجب ہونے نے عقیقہ وغیرہا ہر ذبح کو منسوخ کردیا اور محمد کی نص سابق اس کے مفید ہے کہ نسخ
فقط وجوب کی راہ سے ہے والا عقیقہ بھی قربت ہے اور یہ مخالف ہے اس بحث کے جو شرنبلالی نے ذکر کیا ہے کہ عقیقہ مکروہ ہے کذا فی الطحطاوی
اصہ یہ ہے کہ عقیقہ کا قربت اور عبادت ہونا خود امام محمد کے کلام سے ثابت ہے اور یہ جو امام محمد نے کہا ہے کہ عقیقہ وغیرہا کو قربانی نے منسوخ
دیا تو مطلب یہ ہے کہ عقیقہ واجب نہیں رہا ہے تو اس سے نفی استحباب یا اباحت کی لازم نہیں اور اس کو مکروہ کہنا تو قول بے دلیل ہے اس
سطے کہ عقیقہ احادیث معتمدہ سے ثابت ہے اور اہل اسلام میں جاری ہے فروع[2] مسائل ملحقہ شارح ولو ان ثلثة نفر اشتری کل واحد منہم شاة
حیة احدہم بعشرة والآخر بعشرین والآخر بثلثین وقیمة کل واحد مثل ثمنہا فاختلطت حتی لا یعرف کل واحد شاتہ بعینہا واصطلحوا علی ان یاخذ کل واحد
شاة یضحی بہا اجزاتہم ویتصدق صاحب الثلثین بعشرین وصاحب العشرین بعشرة ولا یتصدق صاحب العشرة بشیٔ وان اذن کل واحد منہم ان
حیہا عنہ اجزاتہ ولا شیٔ علیہ کما لو ضحی اضحیة غیرہ بغیر امرہ ینابیع اور اگر تین شخصوں نے ایک ایک بکری قربانی کے واسطے خرید کی ایک شخص
ے دس درم کو خرید کی اور دوسرے نے بیس درم کو خرید کی اور تیسرے نے تیس درم کو خرید کی اور ہر بکری کی قیمت اس کے ثمن کی برابر ہے پھر تینوں
ریاں اس طرح مختلط ہوگئیں کہ تینوں شخصوں سے کوئی شخص بھی اپنی خاص بکری کو نہیں پہچانتا ہے اور تینوں نے اس پر اتفاق کرلیا ہے
ہ ہر ایک شخص ایک ایک بکری لے کر قربانی کرے تو اس طرح قربانی کرنا کفایت کرے گا اور تیس۳۰ درم والا ۲۰ درم خیرات کرے اور ۲۰ درم
والا ۱۰ درم تصدق کرے اور ۱۰ درم والا کچھ خیرات نہ کرے اور ہر شخص اگر دوسرے کو اذن دے کہ تو میری طرف سے قربانی کردے تو اس کے
واسطے قربانی کافی ہوگی اور اس پر کچھ خیرات کرنا واجب نہ ہوگا چنانچہ اگر کوئی شخص غیر کی قربانی کو قربانی کرے بدون اس کے حکم کے تو اس پر

---

[1] یعنی حرم کے شکار کا بدلہ اور ہدی احصار یعنی حج سے رکنا [2] اور ایک نسخے میں فروع کی جگہ قلت ہے ۱۲ ۞

تصدق لازم نہیں کذا فی الینابیع ھ ۳۰ درم والے پر ۲۰ درم کی خیرات اس احتمال سے لازم آئی کہ شاید اس نے وہ بکری قربانی کی موجود ۱۰ درم سے خرید ہوئی اور اسی احتمال سے ۲۰ درم والے پر دس درم کی خیرات لازم آئی اور ۱۰ درم والے پر قلت کا احتمال نہیں لہذا اس پر کچھ تصدق بھی نہیں ویاکل من لحم الاضحیۃ ویوکل غنیا ویدخر وندب ان لا ینقص التصدق عن الثلث وندب ترکہ لذی عیال توسعۃ علیہم اور قربانی کرنے والا کھاوے اپنی قربانی سے اور مقدور والے کو کھلا دے اور ذخیرہ کر رکھے اور مستحب یہ ہے کہ تصدق تہائی گوشت سے کم نہ کیا جائے اور ترک تصدق مستحب ہے عیال دار کے واسطے ان پر کشایش کرنے کے لیے ھ مستحب یہ ہے کہ اپنی قربانی سے کھائے اور غیر کو کھلاوے اور افضل یہ ہے کہ تہائی گوشت خیرات کرے اور تہائی میں اقارب اور دوستوں کی مہمانی کرے اور تہائی اپنے واسطے اٹھا رکھے گوشت دینا غنی اور فقیر اور مسلم اور ذمی کو درست ہے اور اگر سب گوشت خیرات کرنے تو جائز ہے اور اگر سب گوشت اپنے واسطے ذخیرہ کر رکھے اگرچہ تین دن سے زیادہ رکھے تو بھی درست ہے اور قربانی کرنے والے کو کھانا اس قربانی میں ہے جو منذور نہ ہو اور اگر قربانی نذر مان کر اپنے اوپر واجب کر لی ہو تو قربانی کرنے والے کو اس کا کھانا اور مالداروں کو کھلانا حلال نہیں خواہ نذر کرنے والا غنی ہو یا فقیر اس واسطے کہ نذر میں تو تصدق کرنا لازم ہے اور متصدق کو اپنے صدقہ سے کھانا یا غنی کو کھلانا ہرگز جائز نہیں کذا فی البدائع والعالمگیریۃ وان یذبح بیدہ ان علم ذلک والا یعلم یشہدہا بنفسہ ویامر غیرہ بالذبح کیلا یجعلہا میتۃ اور مستحب یہ ہے کہ قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اگر ذبح کرنا جانتا ہو اور اگر ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو ذبح کے وقت خود موجود ہو اور غیر شخص کو اس کا ذبح کرنے کا امر کرے تا ناواقف قربانی کو مردار نہ کر ڈالے ھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کھڑی ہو اور اپنی قربانی پر حاضر ہو اس واسطے کہ تیری مغفرت ہوگی قربانی کے اول قطرہ کے نکلتے اور یوں کہہ ان صلوتی[لہ] ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ جان رکھ کہ اس کا گوشت اور خون تیری ترازو میں رکھا جائے گا ستر گنا ہو کر کذا فی الطحاوی وکرہ ذبح الکتابی واما المجوسی فیحرم لانہ لیس من اہلہ درر اور اہل کتاب کا ذبح کرنا قربانی کو مکروہ ہے اور مجوسی کا ذبح کرنا حرام ہے اس لیے کہ مجوسی ذبح کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا ہے کذا فی الدرر ویتصدق بجلدہا او یعمل منہ نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلو اور قربانی کی کھال خیرات کرے یا اس سے مانند چھلنی اور جھولی اور مشک اور دستار خوان اور ڈول بناوے او یبدلہ بما ینتفع بہ باقیا کما مر یا کھال کو بدلے اس چیز سے جس سے فائدہ حاصل ہو سکے اس کو باقی رکھ کے چنانچہ مذکور ہو چکا یعنی مشک اور ڈول وغیرہ سے بدل لے لا بمستہلک کخل ولحم ونحوہ کدراہم نہ بدلے کھال کو مستہلک چیز سے یعنی جس سے فائدہ حاصل نہ ہو سکے بدون استہلاک کے چنانچہ سرکہ اور گوشت اور مانند اس کے چنانچہ روپے یا پیسے یا کوڑی فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بمستہلک او بدراہم تصدق بثمنہ ومفادہ صحۃ البیع مع الکراہۃ وعن الثانی باطل لانہ کالوقف مجتبی پھر اگر قربانی کا گوشت یا چمڑہ بیچا گیا مستہلک چیز سے یا روپیوں سے تو اس کے ثمن تو تصدق کر دے اور تصدق ثمن سے صحت بیع کراہت کے ساتھ حاصل ہوا اور ابو یوسف سے روایت یہ ہے کہ بیع مذکور باطل ہے اس واسطے کہ وہ وقف کے مانند ہے کذا فی المجتبی ولا یعطی اجر الجزار منہا لانہ کبیع واستفیدت من قولہ علیہ الصلوۃ والسلام من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ ہدایۃ اور نہ دے قصاب کی مزدوری قربانی کے گوشت وغیرہ سے اس واسطے کہ مزدوری دینا قربانی سے اس کی بیع کے مانند ہے اور یہ مسئلہ مستفاد ہوا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کہ جس نے اپنی قربانی کا چمڑا بیچا تو اس کی قربانی نہ ہوئی کذا فی الہدایۃ وکرہ جز صوفہا قبل الذبح لینتفع بہ فان جزہ تصدق بہ ولا یرکبہا ولا یحمل علیہا شیئا ولا یوجرہا فان فعل تصدق بالاجرۃ حاوی القدسی لانہ التزم اقامۃ القربۃ بجمیع اجزائہا اور قربانی کے روئیں اور بال نہ کترے ذبح کرنے سے پہلے تاکہ اس سے فائدہ حاصل کرلے

[لہ] البتہ میری نماز اور افعال حج اور زندگی اور موت اللہ کے واسطے ہے جو پروردگار ہے جہانوں کا اس کا کوئی شریک نہیں ۱۲

ھر اگر کترے تو اس کو خیرات کر دے اور قربانی پر سوار نہ ہو اور نہ اس چیز پر کوئی لا دے اور نہ اس کو کرایہ دے سوا گر ایسا کرے تو اجرت کو خیرات ر دے کذا فی حاوی الفتاوی امور مذکورہ اس واسطے جائز نہیں کہ عبادت کا قائم کرنا اس کے تمام اجزا سے لازم کیا گیا ہے **بخلاف ما بعد** صول المقصود مجتبی برخلاف بعد ذبح کرنے کے کہ صوف کا کترنا درست ہے بسبب حاصل ہو جانے مقصود کے کذا فی المجتبی یعنی قربانی سے مقصود ربت تھی سو ذبح کرنے سے حاصل ہو چکی اب انتفاع کے واسطے صوف کترنا اور دودھ کا دہنا درست ہے **ویکرہ الانتفاع بلبنہا قبلہ کما** ی الصوف ومنہم من اجازہما للغنی لوجوبہا فی الذمۃ فلا تتعین زیلعی اور مکروہ ہے نفع حاصل کرنا قربانی کے دودھ سے ذبح کرنے سے پہلے چنانچہ وف میں انتفاع قبل ذبح مکروہ ہے اور فقیہوں میں سے بعضا فقیہ وہ ہے جس نے صوف کترنا اور دودھ دہنا قبل ذبح کے جائز رکھا ہے ال دار کے واسطے بسبب واجب ہونے قربانی کے مالدار کے ذمہ پر تو اس پر مخصوص قربانی متعین نہیں ہے کذا فی الزیلعی **ولو غلطا اثنان** **وذبح کل شاۃ صاحبہ** یعنی عن نفسہ علی ما دل علیہ قولہ غلطا اولم یغلطا فیکون کل واحد وکیلا عن الآخر دلالۃ ہدایۃ قالہ ابن الکمال وظاہر کلام صدر الشریعۃ وغیرہ وقوعہ ن صاحبہ **صح استحسانا بلا غرم** اور اگر دو شخص غلط کار ہوئے اور ہر شخص نے اپنے ساتھی کی بکری ذبح کی تو یہ قربانی صحیح ہے باعتبار استحسان کے دون لازم ہونے تاوان کے شارح نے کہا مراد مصنف یہ ہے کہ ہر شخص نے دوسرے کی بکری از راہ خطا اپنی ذات کی طرف سے قربانی کی بدلیل ول صاحب الیضاح کہ دونوں نے خطا کی ہو یا نہ کی ہو تو ہر شخص دوسرے شخص کا وکیل ٹھہر جاوے گا دلالت حال کے سبب سے یعنی دونوں کو قربا رنا منظور تھا سو اس طرح سے بھی حاصل ہوا کذا فی الہدایۃ یہ کہا ہے ابن کمال شارح ایضاح نے اور صدر الشریعۃ وغیرہ کا ظاہر کلام اس پر لالت کرتا ہے کہ ہر بکری کا ذبح واقع ہوا اس کے مالک کی طرف سے حم طحطاوی نے کہا کہ صدر الشریعۃ کا ذکر کرنا بلا وجہ ہے اس واسطے کہ سوائے زفرح کے تمام اہل مذہب کا اسی پر اجماع ہے کہ ذبح مالک کی طرف سے ہے بقرینہ اذن حالی ویتحالان ولو اکلا ولم یعرفا ثم عرفا ہدایۃ ر دونوں شخص باہم حلت کی درخواست کریں یعنی معاف کر دالیں اگر قربانی کا گوشت کھایا ہو اور نہ پہچانا ہو پھر بعد اس کے پہچانا ہو کذا فی الہدایۃ ان تشاحا ضمن کل لصاحبہ قیمۃ لحمہ وتصدق بہا اور اگر دونوں نے باہم بخل کیا اور معاف نہ کر دیا تو ہر شخص دوسرے شخص کے گوشت کی قیمت کا وان دے اور ہر شخص قیمت کو خیرات کر دے قلت وفی اوائل القاعدۃ الاولی من الاشباہ لو ترا ہا بنیۃ الاضحیۃ فذبحہا غیرہ بلا اذن فان خذہا مذبوحۃ ولم یضمنہ اجزاتہ وان ضمنہ لا تجزیہ وہذا اذا ذبحہا عن نفسہ اما اذا ذبحہا عن مالکہا فلا ضمان علیہ انتہی فراجعہ میں کہتا ہوں اور اشباہ کے پہلے قاعدے اوائل میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر ایک شخص نے جانور خریدکیا قربانی کرنے کی نیت سے پھر دوسرے شخص نے اس کو ذبح کر ڈالا دون اس کے اذن کے سو اگر مالک نے اس مذبوح کو لیا اور اس سے تاوان نہ لیا تو اس کے حق میں قربانی کفایت کر گئی اور اگر اس کا تاوان لیا ذبح کرنے والے سے تو قربانی ادا نہ ہوگی یہ اس صورت میں ہے جب کہ غیر شخص نے جانور کو اپنی طرف سے ذبح کیا ہو اور اگر مالک کی طرف سے ذبح کیا ہو گا تو اس پر تاوان نہیں ہے انتہی قول الاشباہ سو اشباہ کی طرف سے مراجعت کر **کما تصح لو ضحی بشاۃ الغصب** ان ضمنہ قیمتہا حیۃ جیسے قربانی صحیح ہے اگر ایک شخص نے بکری غصب کر کے قربانی کی بشرطیکہ غاصب نے مغصوب منہ کو زندہ بکری کی قیمت کا تاوان دیا ہو حم زندہ بکری کا ضمان اس واسطے لازم آیا کہ غاصب اس کا مالک ٹھہر گیا غصب کے وقت سے بطریق استناد کے اگرچہ قربانی صحیح ہے لیکن غاصب گنہگار ہوا غصب سے تو اس پر یہ اور استغفار لازم ہے اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ تاوان کے بعد ذبیحہ حلال ہے اور حرام پر بسم اللہ کہنے سے کفر لازم نہیں آتا ہے بلکہ کفر لازم نہیں آتا ہے جب تک کہ غصب کرنے کو حلال نہ جانے گا کذا فی الطحطاوی کما اذا باعہا جیسے بیع صحیح ہے اگر غصب کی بکری کو غاصب بیع کریگا اور مالک کو اسکی قیمت کا تاوان دیگا وکذا لو اتلفہا ضمن لصاحبہا قیمتہا بدایۃ لظہور ملکہ لہا بالضمان من وقت الغصب اور اسی طرح اگر غصب کی بکری کو غاصب تلف کرے تو تاوان دے اس کی

قیمت کا اس کے مالک کو کذا فی الہدایۃ شاۃ مغصوبہ کی قربانی صحیح ہو گئی بسبب ظاہر ہو جانے بکری کے ملک کے تاوان دینے سے غصب کے وقت سے لا الودیعۃ ان ضمنہا لان سبب ضمانہ ہنا بالذبح والملک یثبت بعد تمام السبب وہو الذبح فیقع فی غیر ملکہ قربانی صحیح نہیں امانت کی بکری کی اگرچہ اس کے مالک کو تاوان بھی دے اس واسطے کہ تاوان کا سبب یہاں ذبح ہے اور ملک ثابت ہوتی ہے سبب کے تمام ہونیکے بعد اور وہ سبب ذبح ہے تو ذبح واقع ہوا اسکے غیر ملک میں قلت وبظاہر ان العاریۃ کالودیعۃ والمرہونۃ کالمغصوبۃ لکونہا مضمونۃ بالدین وکذا المشترکۃ فلیراجع میں کہتا ہوں اور مسئلہ امانت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاریت امانت کے مانند ہے یعنی عاریت کی بکری کے ذبح کرنے سے قربانی صحیح نہیں ہے اور مرہون بکری مغصوب بکری کے برابر ہے اس واسطے کہ وہ مضمون بالدین ہے اور اسی طرح مشترک بکری مغصوب بکری کے مانند ہے تو ان مسائل کو کتب فقہ میں تلاش کرنا چاہیے تاکہ تصریح حکم معلوم ہو جائے ہم بدائع میں عاریت کو ودیعت کے مانند مصرح بیان کیا ہے عدم صحت قربانی میں اور خانیہ اور خلاصہ میں مسئلہ رہن برخلاف شارح مذکور ہے یعنی مرہون جانور کی قربانی صحیح نہیں باوجود تاوان دینے کے تو اس تصریح کے مقابل میں شارح کی تجویز لائق اعتبار کے نہ رہی خزانہ میں مذکور ہے کہ دو بکریاں مشترک ہیں دو شخصوں میں سو دونوں نے ان کو قربانی کیا تو کافی ہے انتہی اور اگر ایک شریک نے مشترک کی قربانی کی تو اس میں تجویز علماء مختلف ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً فروع مسائل ملحقہ شارح کے لون اضحیتہ علیہ الصلوۃ والسلام سو اور رسول خدا علیہ الصلوۃ والسلام کی قربانی کی رنگت سیاہ بھی ہم طحطاوی نے کہا شاید کسی سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ رنگ کی قربانی کی ہو حدیث میں تو تصریح یہ ہے کہ حضرت نے قربانی کیے دو خصی مینڈھے شاندار سفید رنگ جن میں کچھ سیاہ بال بھی موجود تھے نذر عشر اضحیات لزمہ ثنتان لمجیئ الاثر بہما خانیۃ والاصح وجوب الکل لایجابہ ما للہ من جنسہ ایجاب شرعاً ایک شخص نے دس قربانی کی نذر مانی تو اس پر دو قربانی لازم آویں گی اس واسطے کہ دو قربانی کی حدیث آئی ہے یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کو قربانی کیا ہے چنانچہ ابھی اس کا مذکور ہو چکا کذا فی الخانیہ اور صحیح تر قول وجوب کل ہے یعنی دس قربانی کا واجب ہونا صحیح تر ہے بسبب واجب کر لینے ناذر کے اس چیز کو جس کی ہم جنس ایجاب ربانی موجود ہے کذا فی شرح الوہبانیۃ قلت مفادہ لزوم النذر بما من جنسہ واجب اعتقادی او اصطلاحی قالہ المصنف فلیحفظ میں کہتا ہوں اور شرح وہبانیہ کے مسئلہ مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے لازم ہو جانا اس نذر کا جس کے ہم جنس شرع میں واجب ہو خواہ واجب اعتقادی ہو خواہ واجب اصطلاحی ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں تو اس کلیہ کو یاد رکھنا چاہیے غنم بین رجلین ضحیا بہا جاز بخلاف العتق لصحۃ قسمۃ الغنم لا الرقیق بھیڑ بکریاں دو شخصوں میں شریک ہیں سو دونوں نے ان کو قربانی کیا تو جائز ہے بخلاف آزاد کرنے شریک مملوک کے بسبب صحیح ہونے قسمت غنم کے نہ رقیق کے ضحی بشتین فالاضحیۃ کلاہما وقیل الزائد لحم ایک شخص نے دو جانور قربانی کیے تو دونوں قربانی ٹھہریں گے اور بعضوں نے کہا کہ زیادہ گوشت والا جانور قربانی ٹھہرے گا والافضل الاکثر قیمۃ فان استویا فالاکثر لحما فان استویا فاطیبہما لو ضحی بالکل فالکل فرض کارکان الصلوۃ فان الفرض منہا ما ینطلق الاسم کما لو اطالہا تقع الکل فرضاً مجتبیٰ اور افضل قربانی زیادہ تر قیمت والی ہے اور اگر قیمت میں دونوں برابر ہوں تو زیادہ تر گوشت والی افضل ہے اور اگر گوشت میں برابر ہوں تو عمدہ گوشت کی قربانی افضل ہے اور اگر سب کی قربانی کی تو سب فرض واقع ہوں گے جیسے نماز کے ارکان کہ ان میں سے فرض تو اسی قدر ہے جس پر رکن کا نام بولا جائے پھر جب نمازی نے اس کو طول کر دیا مثلاً تین آیت سے زیادہ قراءت کی یا پانچ بار رکوع اور سجود میں تسبیح کہی تو سب فرض ہی واقع ہوگا کذا فی المجتبیٰ ہم فرض سے مراد فرض عملی ہے کذا فی الطحطاوی شری اضحیۃ وامر رجلا بذبحہا فقال ترکت التسمیۃ عمدا لزمہ قیمتہا لیشتری الآمر بہا اخری ویضحی ویتصدق ولا یاکل لو ایام النحر باقیۃ والا تصدق بقیمتہا علی الفقراء خانیہ قربانی کا جانور خرید کیا پھر ایک مرد کو اس کے ذبح کرنے کا امر کیا سو ذابح نے کہا کہ میں نے بسم اللہ کہنا قصداً ترک کیا تو مامور پر اس کی قیمت دینا لازم ہوگا تاکہ امر کرنے والا اس قیمت سے اور قربانی خرید کرے اور اس کو قربانی کرے اور خیرات کر دے اور آپ نہ کھاوے یہ اس وقت ہے اگر نحر کے ایام باقی ہوں اور اگر باقی نہ رہے ہوں تو اس کی قیمت فقیروں پر تصدق کرے کذا فی الخانیۃ وفیہا اراد التضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح سمی کل وجوباً فلو ترکہا احدہما او ظن ان تسمیۃ احدہما تکفی حرمت وفی تصلح لغزا فیقال ای شاۃ لاتحل بالتسمیۃ مرۃ بل لا بد ان یسمی علیہا مرتین اور خانیہ میں ہے کہ ایک شخص نے قربانی کرنے کا ارادہ کیا سو اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ رکھا ذبح کرنے میں اور اس کی مدد کی ذبح کرنے پر تو ہر شخص بسم اللہ کہے بنا بر وجوب کے پھر اگر بسم اللہ کو ایک شخص بھی ترک کرے گا یا گمان کرے گا کہ ایک شخص کا بسم

سنا کفایت کرتا ہے تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا اور یہ مسئلہ چیستان ہونے کی لیاقت رکھتا ہے تو یوں سوال کیا جائے کہ کون بھیڑ بکری ہے جو ایک بار بسم اللہ
لنے سے حلال نہیں ہوتی بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس پر دو بار بسم اللہ کہنا چاہیے وقد نظمہ شیخنا الخیر الرملی فقال ــہ ای ذبح لابد للحل فیہ :: ان یثنی بذکر ذی التنزیہ
:: فاجبت عنہ بالقول فانا لا نراہ نثرا ولا نرتضیہ اور البتہ اس کو نظم کیا ہے ہمارے استاد خیر الدین رملی نے اور وہ نظم یہ ہے کون ذبح ہے جس کی حلت میں یہ ضرور ہے کہ
دو بار ذکر کی جائے صاحب تنزیہ کی یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے سو اس کا جواب دے نظم سے اس واسطے کہ ہم نثر کو نہیں دیکھتے اور پسند نہیں کرتے فقلت
الجواب ــہ خذہ بالنظم کما تبتغیہ :: من فقیہ مرویہ عن فقیہ :: خیر الدین رملی نے کہا تو میں نے جواب سوال مذکور میں یوں کہا کہ لے جواب نظم میں جیسا کہ تو
چاہتا ہے اس فقیہ سے جس کی روایت ثابت ہے فقیہ سے ــہ ہی شاۃ فی ذبحہا اشترک اثنان :: فتکرار الذکر شرط کما نرویہ :: ذاک ذبح قصاب وضع الید
مع الصاحب الذی یکفیہ :: وہ بھیڑ بکری ہے جس کے ذبح کرنے میں دو شخص شریک ہوئے تو دو بار نام خدا ذکر کرنا شرط ہے جیسا کہ ہم روایت کرتے ہیں
وہ ذبح کرنا اس قصاب کا ہے جس نے ہاتھ رکھا تو اس صاحب کے ساتھ جو اس کی امید رکھتا ہے یا خوف کرتا ہے کہ شاید ایک شخص کی قوت سے ذبح
ہو سکے ــہ فعلی کل واحد منہما ان :: یذکر اللہ جل عن تشبیہ :: تو ان دو شخصوں میں سے ہر شخص پر واجب ہے یہ کہ ذکر کرے اللہ کو در آنحالیکہ وہ پاک
تشبیہ اور تمثیل سے وفی الوہبانیۃ وشرحہا قال ــہ ولو ذبحا شاۃ معا ثم واحد :: اخل ببسم اللہ فالشاۃ تحجر اور وہبانیہ اور اس کی شرح میں کہا اور اگر
شخصوں نے بکری کو ساتھ ہی ذبح کیا پھر ایک شخص بسم اللہ نہ بولا تو بکری متروک ہو گئی یعنی حرام واجب الترک ہے ــہ وان یشتری منہا ثلثا ثلاثۃ
واشکل فالتوکیل بالذبح یحضر :: اور اگر تین شخص تین بکریاں خرید کریں اور اشکال واقع ہو یعنی تینوں شخص اپنی اپنی بکریوں کی شناخت میں حیران
ں تو ذبح کا وکیل کر دینا کاشف حیرت ہے ھ شرح وہبانیہ میں صورت مذکورہ میں یوں چاہیے کہ تینوں شخص ہر ایک کو ذبح کرنے میں وکیل
یں سو اگر اپنی بکری ذبح کی تو جائز ہے اور غیر کی بکری ذبح کی اس کے اذن سے تو بھی جائز ہے ــہ وکیل شراء الشاۃ للعزان شری :: لیصح خلاف
لعکس والقود بحیر :: خرید شاۃ کا وکیل اگر عنز یعنی بکری خرید کرے تو صحیح ہے برخلاف عکس کے یعنی اگر بکری کی خرید کا وکیل شاۃ خرید کرے تو
ح نہیں اور ہانکنے کی اجرت میں وکیل نقصان اٹھا دے گا ھ وجہ صحت یہ ہے کہ شاۃ اسم جنس ہے ضان اور معز یعنی بھیڑ اور بکری دونوں
شامل ہے برخلاف عکس یعنی اگر بکری کی خرید کا وکیل کیا سو اس نے شاۃ من الضان یعنی بھیڑ خرید کی تو موکل کو اس کا لینا لازم نہیں چنانچہ
یہ میں ہے فتاوی عالمگیریہ میں ہے کہ اگر قربانی خرید کرنے کا وکیل کیا سو وکیل نے خرید کی اور اس کے ہانکنے کے واسطے ایک
م پر کوئی آدمی مقرر کیا تو موکل پر یہ اجرت لازم نہیں یعنی وکیل کو دینا پڑے گا ــہ ولو قال سودا فغیر صح لا :: اذا کان فی قرنا عینا لیغیر ::
ر اگر موکل نے کہا کہ سیاہ رنگ گائے یا بکری خرید کرنا سو وکیل نے غیر اس کے سرخ یا سفید خرید کی تو صحیح ہے اور اگر وکیل نے شاخدار سیاہ
م قربانی کی خرید میں تغیر کی تو صحیح نہیں ھ اس واسطے کہ شاخ دار سیاہ چشم کی خرید میں لوگ رغبت کرتے ہیں تو مخالف وکیل مفر ہو گی برخلاف
ول صورت کے ــہ ثنتین من بنذر العشر الزموا :: وتصحیح ایجاب الجمیع محرر :: علماء نے دو قربانیوں کو لازم کیا ہے اس شخص
کے حق میں جس نے دس قربانی کی نذر مانی اور سب دس قربانی کی ایجاب کی تصحیح منقح اور محقق قول ہے یعنی صحیح قول یہ ہے کہ تمام نذر
جب اور لازم ہو گی چنانچہ یہ مسئلہ سابق مذکور ہو چکا ــہ وعن میت بالامر الزم تصدقا :: وان فعل منہا بذا المخیر :: اور اگر قربانی
ی میت کی طرف سے اس کے امر سے تو لازم جان اس کا خیرات کرنا اور اگر قربانی میت کی بدون امر ہوئی ہے میت کی طرف سے تو
اس کے گوشت کو اور یہ قول مختار اور پسندیدہ ہے ــہ وعن مال طفل فالصحیح سقوطہا :: وعن ابہ فی حقہ وہو الظہر :: اور صغیر کے مال سے تو
قط قربانی کا قول صحیح ہے اور صغیر کے باپ کے مال سے باپ کے حق میں قربانی ہونا صحیح ہے اور یہی قول ظاہر الروایۃ میں ہے چنانچہ یہ مسئلہ اول کتاب الاضحیۃ

ــہ وفی نسخۃ بذکر ۱۲ ::

میں مذکور ہو چکا ہے ۵ وواہب شاۃ راجع بعد ذبحھا ؛ فیجزئی من ضحی علیہا ولو جبر ؛ اور بکری کا ہبہ کرنے والا اس کے ذبح ہو جانے کے بعد رجوع کرسکتا ہے تو کفایت ہوگی اس کی طرف سے جس نے اس پہ قربانی کی اور اس کو ثواب ملے گا م یعنی زید پہ قربانی واجب تھی سو خالد نے اس کو ایک بکری ہبہ کی سو اس نے قربانی کی پھر خالد نے ذبح کے بعد ہبہ میں رجوع کی یعنی مذبوح بکری پھیر لی تو رجوع درست ہے امام کے نزدیک خلافا لابی یوسف کذا فی الطحطاوی اور زید کی طرف سے قربانی ادا ہوگی اور اس کو قربانی کا ثواب ملے گا واللہ اعلم واستغفر اللہ الکریم ؛

کتاب الحظر والاباحۃ

یہ کتاب ہے حظر اور اباحت کی یعنے اس میں فعل ممنوع اور مباح کا مذکور ہے م مباح کا ذکر اس واسطے ہے کہ کوئی اس کو مکروہ گمان نہ کرے لا اس میں فرض بھی مذکور ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کا ترک کرنا حرام اور ممنوع ہے فقہ کی بعضی کتابوں میں کتاب الحظر والاباحۃ کو کتاب الکراہیۃ کہا ہے اس واسطے کہ اس میں افعال مکروہ اور غیر مکروہ مذکور ہوتے ہیں اگرچہ ذکر مکروہ اہم ہے اور بعضی کتاب میں کتاب الزہد والورع مذکور ہے اس سطے کہ اس میں اکثر مسائل مباح مذکور ہیں اور ان سے احتراز کرنا زہد اور ورع ہے اور بعضی کتاب میں اس کو کتاب الاستحسان بیان کیا ہے اس سطے کہ اس میں وہ افعال مذکور ہیں جن کو شرع نے نیک یا بد کہا ہے مناسبۃ ظاہرۃ کتاب الحظر والاباحۃ کی مناسبت کتاب الاضحیہ سے ظاہر ہے ں واسطے کہ اضحیہ میں اکثر محظورات اور مباحات داخل ہیں بلکہ یہ کتاب ہر کتاب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے کذا فی الطحطاوی والحظر لغۃ المنع والحبس ظر بفتح حاء مہملہ و ظاء معجمہ لغت میں عبارت ہے منع اور حبس سے وشرعا ما منع من استعمالہ شرعا اور اصطلاح شرع میں حظر وہ ہے جس کا استعمال شرعاً نوع ہے م یہ تعریف ہے محظور کی نہ حظر کی والمحظور ضد المباح اور محظور ضد ہے مباح کی م یہ تعریف بالاعم ہے اس واسطے کہ فرض اور حرام اور مکروہ ی ضد مباح ہیں تو محظور کی تعریف خاص یہ ہے کہ جس کا ممنوع ہونا بدلیل قطعی ثابت ہو قرآن سے یا حدیث سے یا اجماع سے یا اس دلیل سے جس کا رجع دلائل ثلثہ مذکورہ ہوں کذا فی الطحطاوی والمباح ما اجیز للمکلفین فعلہ وترکہ بلا استحقاق ثواب وعقاب نعم یحاسب علیہ حسابا یسیرا اختیار اور مباح و ل ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے کی مکلف لوگوں کو اجازت ہو بلا استحقاق ثواب اور بلا ترتب عقاب ہاں البتہ یہ ہے کہ مباح پر کچھ ہلکا سا حساب گا کذا فی الاختیار م عدم ثواب اور عذاب درصورت عدم نیت کے ہے اور اگر مباح میں عبادت کی نیت کرے تو ثواب ہوگا اور اگر گناہ کی نیت ے تو عذاب ہوگا قال صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات[1] کل مکروہ ای کراہۃ تحریم حرام ای کالحرام فی العقوبۃ بالنار عند محمد واما المکروہ کراہۃ نزیہ فالی الحل اقرب اتفاقا جو مکروہ تحریمی ہے وہ حرام کے مانند ہے دوزخ کے عذاب میں محمد کے نزدیک اور مکروہ تنزیہی تو حلال کی طرف نزدیک تر ہے باتفاق امام اور شیخین کے م حرام وہ ہے جو بدلیل قطعی یقینی ممنوع ہوا اور اس کا ترک فرض ہے چنانچہ شراب کا پینا اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو یل ظنی ممنوع ہوا اور اس کا ترک کرنا واجب ہے جیسے سوسمار کا کھانا اور شطرنج کا کھیلنا تو امام محمد جب اپنی کتابوں میں کراہت بولتے ہیں تو اس ے حرام مراد رکھتے ہیں اور مکروہ تحریمی کو حرام نہیں کہتے ہیں اس واسطے کہ اس کی دلیل قطعی نہیں جو حرمت پر دلالت کرے تو جس کی حرمت دلیل غیر قطعی نی خبر احاد یا قول صحابی سے ثابت ہے اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہ جو کہا کہ مکروہ تنزیہی حلال سے نزدیک تر ہے یعنے اس کے کرنے والے پر عذاب نہیں لیکن اس کا تارک کچھ تھوڑا ثواب پاوے گا کذا فی الطحطاوی وعندھما وھو الصحیح المختار ومثلہ البدعۃ والشبہۃ الی الحرام اقرب[2] اور م اعظم اور ابو یوسف کے نزدیک مکروہ تحریمی حرام کی طرف نزدیک تر ہے اور یہی مذہب صحیح اور مختار ہے اور بدعت اور شبہ مکروہ تحریمی کے مانند ہے یخین کے نزدیک مکروہ تحریمی میں حلت اور حرمت کے دلائل متعارض ہیں لیکن جانب حرمت کی غالب ہے فالمکروہ تحریما بالنسبۃ الی

---

[1] یعنے اعمال کے ثواب کا مدار نیتوں پر ہے ۱۲

[2] یعنے قریب بحرام ۱۲

الحرام کنسبۃ الواجب الی الفرض فیثبت بما یثبت بہ الواجب یعنی بظنی الثبوت ویاثم بارتکابہ کما یاثم بترک الواجب ومثلہ السنۃ المؤکدۃ تو مکروہ
تحریمی کی نسبت حرام کی طرف ایسی ہے جیسے واجب کی نسبت فرض کی طرف تو مکروہ تحریمی ثابت ہوتا ہے اس دلیل سے جس سے واجب ثابت
ہوتا ہے یعنی جس دلیل کا ثبوت ظنی ہے اور دلالت قطعی ہے اس سے مکروہ تحریمی اور واجب ثابت ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی کے کرنے سے آدمی
گنہگار ہوتا ہے جیسے واجب کے ترک کرنے سے گنہگار ہوتا ہے اور واجب کے مانند سنت موکدہ ہے م دلائل شرعی چار قسم ہیں اول وہ دلیل
جس کا ثبوت اور دلالت مطلب دونوں قطعی اور یقینی ہیں چنانچہ آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ صریحہ جس میں کسی طرح تاویل کا احتمال نہیں یہ مفید یقین
ہے اور ایسی دلیل سے فرض اعتقادی اور حرام ثابت ہوتا ہے ثانی وہ دلیل ہے جس کا ثبوت قطعی ہے اور دلالت ظنی چنانچہ وہ آیات اور احادیث جن
میں تاویل کا احتمال ہے اور یہ مفید ظن ہے اور اس سے فرض عملی ثابت ہوتا ہے ثالث وہ دلیل ہے جس کا ثبوت ظنی ہے اور دلالت مقصود قطعی
چنانچہ اخبار آحاد صریحہ ایسی دلیل سے واجب اور مکروہ تحریمی ثابت ہوتا ہے رابع وہ دلیل ہے جس کا ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہیں جیسے اخبار آحاد
محتمل المعانی ایسی دلیل مفید سنت اور استحباب ہے اور گاہے فرض بولتے ہیں اور قطعی اور عملی مراد لیتے ہیں اور کبھی واجب کہتے ہیں اور اس سے فرض
عملی کا ارادہ کرتے ہیں کذا فی الطحطاوی وفی الزیلعی فی بحث حرمۃ الخیل القریب من الحرام ما تعلق بہ محذور دون استحقاق العقوبۃ بالنار بل العتاب کترک
السنۃ المؤکدۃ فانہ لا یتعلق بہ عقوبۃ النار ولکن یتعلق بہ الحرمان عن شفاعۃ النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم لحدیث من ترک سنتی لم ینل شفاعتی فترک السنۃ
المؤکدۃ قریب من الحرام ولیس بحرام انتہی اور زیلعی میں گھوڑوں کی حرمت کی بحث میں یہ مطلب ہے کہ مکروہ قریب بحرام وہ ہے جس سے محذور
متعلق ہو نہ عذاب دوزخ کا استحقاق بلکہ عتاب کا استحقاق ہے جیسے سنت موکدہ کے ترک سے عذاب دوزخ متعلق نہیں ولیکن اس کے ترک
سے نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی متعلق ہے اس حدیث کی دلیل سے کہ جو شخص میری سنت کو ترک کرے گا وہ میری شفاعت کو نہ
پاوے گا تو ترک سنت موکدہ قریب ہے حرام سے اور وہ خود حرام نہیں ہے انتہی ما فی الزیلعی م حرمان شفاعت سے یہاں شفاعت مخصوصہ مراد ہے
چنانچہ ترقی درجات کی شفاعت اور یہ مراد نہیں کہ مطلق شفاعت سے محرومی ہوگی اس واسطے کہ مرتکب کبیرہ بھی شفاعت سے محروم نہ رہے گا
بدلیل حدیث کے کہ شفاعتی[1] لاہل الکبائر من امتی تو مرتکب مکروہ یا تارک سنت موکدہ کیونکر محروم ہوگا حاصل کلام مقدسی کا یہ ہے کہ محمد نے مکروہ تحریمی
پر حرام کا اطلاق کیا ہے اور اس کو حلال نہیں کہا ہے کیونکہ اس کی حلت پر دلیل قاطع نہیں اور شیخین نے اس کو حلال میں داخل کیا ہے اس فائدے
کہ اصل اشیاء کی حلت ہے اور اس کی حرمت پر قطعی دلیل ثابت نہیں انتہی خلاصہ مقام یہ ہے کہ مکروہ محمد کے نزدیک حرام کی ایک قسم ہے کیونکہ ان
کے نزدیک قطعی بھی حرام ہے اور ظنی بھی اور دونوں کا مرتکب معاقب بالنار ہے اگرچہ عذاب متفاوت ہو اور شیخین کے نزدیک مکروہ تحریمی حلال
غیر قطعی میں داخل ہے اور حلت سے اباحت لازم اور مرتکب مکروہ تحریمی کا گنہگار اور معاتب ہے نہ معاقب بالنار تو معلوم ہوا کہ خلاف مابین محمد
اور شیخین کے لفظی نہیں ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا **الاکل للغذاء** والشرب للعطش ولو من حرام او میتۃ او مال غیرہ وان ضمنہ **فرض** یثاب علیہ بحکم الح
کھانا غذا کے واسطے اور پینا دفع عطش کے واسطے فرض ہے اس پر ثواب ملے گا بحکم حدیث کے اگرچہ اکل اور شرب حرام سے ہو یا مردار سے یا غیر
کے مال سے اگرچہ مال غیر کا تاوان اس پر لازم ہو م حدیث مذکور یہ ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالی یوجر فی کل شئ حتی اللقمۃ یرفعہا الع
الی فیہ کذا فی شرنبلالیہ یعنی حق تعالی ہر چیز میں ثواب دیتا ہے یہاں تک کہ اس لقمہ میں ثواب دیتا ہے جس کو بندہ اپنے منہ تک اٹھاتا ہے
اور مردار اور غیر کا مال کھانا حالت اضطرار میں ہے اور منتقی میں ہے کہ جو شخص مردار نہ کھائے مخمصہ میں یا روزہ رکھتا جائے اور نہ کھائے پیا

---

[1] یعنی میری شفاعت میری امت میں کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے ۱۲

تک کہ مر جائے تو وہ گنہگار ہے اور اضطرار کی تعریف میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ فرض نہ ادا کر سکے اور بعضوں نے کہا تین دن کے بعد اور صحیح یہ ہے کہ غیر موقت ہے اس واسطے کہ طبائع آدمیوں کی مختلف ہوتی ہیں کذا فی الطحطاوی **ولکن مقدار ما یدفع الانسان الهلاک عن نفسه** کھانا فرض ہے لیکن اتنا جتنے سے آدمی اپنی ذات سے ہلاکت کو دفع کرے **وما جور علیه وهو مقدار ما یمکن به من الصلوة قائما ومن صومه** مفاده جواز تقلیل الاکل بحیث یضعف عن الفرض لکنه لم یجز کما فی الملتقی وغیرہ اور ایک کھانا وہ ہے جس پر ثواب ہوتا ہے اور وہ اس قدر کھانا ہے جس سے آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اور روزہ رکھ سکے شارح نے کہا اس کلام سے اس قدر تقلیل طعام کا جواز مستفاد ہوتا ہے جس سے آدمی ادائے فرض سے ضعیف ہو جائے لیکن ایسی تقلیل مضعف درست نہیں ہے چنانچہ ملتقی وغیرہ میں مصرح ہے قلت وفی[1] المبتغی بالغین الفرض بقدر ما یندفع به الهلاک ویمکن معه الصلوة قائما انتهى فقیر میں کہتا ہوں اور مبتغی بغین معجمہ میں یوں مذکور ہے کہ اس قدر کھانا فرض ہے جس قدر سے ہلاکی دور ہو اور اس کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ممکن ہو انتہی کلام المبتغی تو خبردار ہو جا کہ اس قدر کھانا اس واسطے فرض ہوا کہ فرض عبادت ادا نہیں ہو سکتی بدون اس کے **ومباح الى الشبع لتزید قوته** اور کھانا مباح ہے سیری اور آسودگی تک تاکہ آدمی کی قوت زیادہ ہو **وحرام** عبر فی الخانیة بیکره **وهو ما فوقه** ای الشبع وهو اکل طعام غلب علی ظنه انه یفسد معدته وکذا فی الشرب قهستانی اور وہ کھانا حرام ہے جو سیری اور آسودگی سے زیادہ ہو یعنی اتنا کھانا کہ کھانے والے کو گمان غالب ہو کہ اس کے پیٹ میں فساد کرے گا یعنی بدہضمی ہو گی یا ہیضہ ہو گا اور خانیہ میں اس کو مکروہ کہا ہے یعنی مکروہ تحریمی جو قریب بحرام ہے قہستانی میں کہا کہ اسی طرح اتنا پینا بھی حرام ہے جو مفسد معدہ ہو م زیادہ کھانا اس واسطے حرام ہوا کہ مال کا ضائع کرنا ہے اور اپنی ذات کو بیمار ڈالنا حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کے حق میں کسی برتن کا بھرنا ایسا بدتر نہیں جیسا کہ پیٹ کا بھرنا بدتر ہے سو اگر ضرورت ہو تو پیٹ کے تین حصے کرے ایک تہائی کھانے کی اور ایک تہائی پانی کی اور ایک تہائی دم لینے کے واسطے اور بہت عذاب ان پر ہے جو بہت پیٹ کو بھرتے ہیں ابوداؤد نے روایت کی جو حمد اور شکر کرے کھانے اور پہننے کے بعد اس کی مغفرت ہو گی کذا فی الطحطاوی عن الدر المنتقی **الا ان یقصد قوة صوم الغد او لئلا یستحی ضیفه** او نحو ذلک آسودگی سے زیادہ کھانا حرام ہے مگر اس نیت سے حرام نہیں ہے کہ کل کے روزے رکھنے کی قوت حاصل ہو یا کہ اس کا مہمان نہ شرما دے یا مانند اس کے کسی اور عذر سے کھانا درست ہے حرام نہیں ہے م عذر مذکور چنانچہ زیادہ کھانا قے کرنے کے واسطے حرام نہیں انس بن مالک صحابی طرح طرح کے کھانے کھاتے تھے اور قے کر ڈالتے تھے سوا ان کو یہ فائدہ کرتا تھا کذا فی البزازیة والخانیة **ولا تجوز الریاضة بتقلیل الاکل حتی یضعف عن اداء العبادة** اور جائز نہیں تھوڑے کھانے کی اس قدر ریاضت کہ ادائے عبادت سے ضعیف ہو جائے **ولا باس بانواع الفواکه وترکه افضل** اور طرح طرح کے میووں کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اس کا ترک افضل اور بہتر ہے **واتخاذ الاطعمة سرف** اور طرح طرح کے کھانے پکوانا سرف ہے یعنی فضول خرچی ہے م مگر حاجت کے وقت کثرت اطعمہ سرف نہیں ہے چنانچہ اگر ایک کھانے کو نہیں کھا سکتا تو تکثیر اطعمہ درست ہے تا ہر قسم سے تھوڑا تھوڑا اتنا کھا لے جس قدر سے ادائے عبادت پر قادر ہو یا مہمانوں کی دعوت منظور ہو تو تکثیر اطعمہ میں کچھ مضائقہ نہیں کذا فی الخلاصة **وکذا وضع الخبز فوق الحاجة** اور اسی طرح روٹیاں رکھنا حاجت سے زیادہ بیہودہ صرف ہے م مگر بہ نیت دعوت درست ہے کذا فی العالمگیریة **وسنة الاکل البسملة اوله والحمدلة آخره وغسل الیدین قبله وبعده ویبدأ بالشباب قبله وبالشیوخ بعده** ملتقی اور کھانے کے وقت سنت ہے کھانے کے پہلے بسم اللہ کہنا اور بعد اس کے الحمد للہ کہنا اور قبل از طعام اور بعد از طعام دونوں ہاتھ دھونا اور کھانے سے پہلے جوانوں کے ہاتھ دھلانے سے ابتدا کی جائے اور کھانے کے بعد بڈھوں کے

---

[1] ایک نسخہ میں وفی کی جگہ لفظ وهو ہے ۱۲

ہاتھ دھلانے سے ابتدا کی جائے کذا فی المنتقی م اور اگر اول میں بسم اللہ کہنا بھولے تو یوں کہے بسم اللہ[1] علی اولہ و آخرہ اور جب بسم اللہ کہے تو بلند آواز سے تاکہ اس کے ساتھی بھی بسم اللہ کہیں اگر کھانا حلال ہو تو بسم اللہ کہے اور الحمد للہ تو ہر حال میں آخر کو کہے اور الحمد للہ بلند آواز سے نہ کہے مگر جب کہ سب لوگ کھانے سے فراغت کریں اور اس کی سنت میں ایک ہاتھ دھونا یا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دھونا کفایت نہیں کرتا بلکہ دونوں ہاتھ بند دست تک دھونا چاہیے قبل از طعام ہاتھ دھوکر رومال سے پوچھنا نہ چاہیے اور بعد از طعام پوچھنا چاہیے تاکہ اثر طعام کا زائل ہو جائے سبوس سے ہاتھ دھونا اگر آٹا اس میں باقی نہ رہا ہو تو فتاوی قاضی خاں میں لاباس[2] بہ مذکور ہے اور نوادر ہشام میں آٹے اور ستو سے ہاتھ دھونا امام اور صاحبین سے منقول ہے اور تطہیر فم[3] جمیع مواضع میں مستحب ہے اور لائق یوں ہے کہ برتن لے کر اپنے ہاتھ پر پانی ڈالے اور غیر سے اس میں استعانت نہ کرے مانند وضو کے اور سنت یہ ہے کہ نمک سے شروع کرے اور نمک پر ختم کرے اور نہایت گرم کھانا نہ کھائے اور نہ اس کو سونگھے اور نہ اس کو اور پانی کو پھونکے ہاں اگر پھونکنے میں مانند اف کے آواز نہ نکلے تو پھونکنا درست ہے اور ہاتھ پوچھنے سے پہلے انگلیوں کا چاٹنا اور رکابی کا چاٹنا اور جو نوالہ دسترخوان پر گر پڑا ہو اس کو کھانا یہ سب امور مذکورہ سنت ہیں راہ میں کھانا مکروہ ہے اور سر برہنہ کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں اور کھانا پینا تکیہ لگا کر ہو یا بایاں ہاتھ زمین پر رکھ کر یا کسی چیز پر ٹیک دے کر مکروہ ہے الکل من العالمگیریۃ تتمہ اپنے اوپر اور اپنے عیال پر خرچ کرے اس طرح کہ نہ اسراف ہو نہ بخل نہ ان کے جمیع مرغوبات کی تلاش کرتا رہے نہ جمیع مشتہیات کو روکتا رہے بلکہ میانہ روی اختیار کرے سنت یہ ہے کہ رکابی کے درمیان سے نہ کھائے اس واسطے کہ برکت درمیان میں نازل ہوتی ہے بلکہ ایک طرف سے کھائے اس واسطے کہ طعام یکساں ہے ہاں اگر طبق میں رنگ برنگ میوے ہوں تو جدھر سے چاہے کھائے اسی طرح اگر طبق میں الوان اطعمہ ہوں تو ہر طرف سے کھانا درست ہے حدیث میں وارد ہے کہ جو رکابی کو چاٹے کھانے کے بعد تو رکابی کہتی ہے کہ اللہ تجھ کو دوزخ سے آزاد کرے جیسے تو نے مجھ کو شیطان سے آزاد کیا اور امام احمد کی روایت یوں ہے کہ رکابی اس کے واسطے مغفرت طلب کرتی ہے حدیث میں وارد ہے کہ تکریم کرو روٹی کی کہ وہ برکات سموات اور ارض سے ہے اور جس قوم نے روٹی کا استخفاف اور حقارت کی تو حق تعالی ان کو گرسنگی اور محتاجی کے ساتھ مبتلا کرتا ہے اور اس کے اکرام سے یہ ہے کہ جب روٹی سامنے آوے تو سالن کا انتظار نہ کرے یعنی روکھے کھانے لگے امام محمد نے کہا کہ لوگوں پر محتاج کا کھانا دینا اس وقت میں جبکہ وہ خروج اور طلب سے عاجز ہو فرض ہے تو جو اس کا حال جانتا ہو اس کو اتنا کھانا دینا فرض ہے جس قدر سے وہ خروج اور ادائے عبادت پر قادر ہو اور اگر محتاج خروج پر قادر تھا سو وہ مر گیا اور کسی نے اس کو کھانا نہ دیا تو جو لوگ اس کا حال جانتے ہوں گے سب گناہ میں شریک ہوں گے اور جو محتاج کسب پر قادر ہو تو اس پر کسب واجب ہے اور سوال کرنا اس کو حلال نہیں کذا فی الطحطاوی **وکرہ لحم الاتان ای الحمارۃ الاہلیۃ خلافا لمالک ولبنہا** اور مکروہ ہے گدھی کا گوشت اور اس کا دودھ یعنی پالو گدھے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے برخلاف مالک کے م کراہت بحمار وغیرہ سب کے حق میں ہے اور حمار وحشی یعنی گورخر کا گوشت اور دودھ حلال ہے کذا فی الطحطاوی **ولبن الجلالۃ التی تاکل العذرۃ ولبن الرمکۃ ای الفرس وبول الابل واجازہ ابو یوسف للتداوی** اور مکروہ ہے جلالہ کا دودھ جلالہ وہ گائے یا بکری یا اونٹنی ہے جو گوہ کھاتی ہو اور مکروہ ہے گھوڑی کا دودھ اور اونٹ کا پیشاب اور ابو یوسف نے اونٹ کا پیشاب علاج کے واسطے جائز کہا ہے م ہدایہ میں ہے کہ امام اعظم کے نزدیک گھوڑی کا دودھ حلال ہے چنانچہ کتاب الاشربہ میں آوے گا **وکرہ لحمہما ای لحم الجلالۃ والرمکۃ** اور جلالہ اور گھوڑی کا گوشت مکروہ ہے **وتحبس الجلالۃ حتی یذہب**

---

[1] یعنی شروع بنام خدا سے اول میں اور آخر میں ۱۲ [2] یعنی کچھ مضائقہ نہیں ۱۲ [3] یعنی منہ کا پاک کرنا ۱۲ ق

نتن لحمہا وقدر بثلثۃ ایام لدجاجۃ واربعۃ لشاۃ وعشرۃ لابل وبقر علی الاظہر اور گوہ کھانے والا جانور بند رکھا جائے یہاں تک کہ اس کے گوشت کی گندگی اور بدبو دفع ہو جائے اور حبس کی مدت ٹھہرائی گئی ہے بموجب ظاہر الروایۃ کے مرغی کے واسطے تین دن اور بھیڑ بکری کے واسطے چار دن اور اونٹ اور گائے کے واسطے دس دن **ولو اکلت النجاسۃ وغیرہا بحیث لم ینتن لحمہا حلت کما حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمہ لا یتغیر وما غذی بہ یصیر مستہلکا لا یبقی لہ اثر** اور اگر جانور نجاست اور غیر نجاست دونوں کھاتا ہو اس طرح کہ اس کا گوشت گندہ نہ ہو تو حلال ہے جیسے وہ حلوان حلال ہے جو پالا گیا سور کے دودھ سے اس واسطے کہ اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور جو دودھ اس کا غذا ہوا وہ نیست اور نابود ہو جاتا ہے اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا ہے م اور اسی طرح جو کھیت نجاسات سے سینچے جاویں تو اس کا کھانا مکروہ نہیں **ولو سقی مایوکل لحمہ خمرا فذبح من ساعتہ حل اکلہ ویکرہ** زیلعی وصید شرح وہبانیۃ اور اگر ماکول اللحم جانور کو شراب پلائی گئی پھر وہ اسی وقت ذبح کیا گیا تو اس کا کھانا حلال ہے اور مکروہ ہے کذا فی الزیلعی وکتاب الصید من شرح الوہبانیۃ **وکرہ الاکل والشرب والادہان والتطیب من اناء ذہب وفضۃ للرجل والمرأۃ** لاطلاق الحدیث اور مکروہ ہے کھانا اور پینا اور تیل لگانا اور خوشبو ملنا سونے اور چاندی کے برتن سے مرد اور عورت دونوں کے حق میں اطلاق حدیث کی دلیل سے م حدیث مذکور بخاری اور مسلم میں حذیفہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ پہنو حریر اور دیبا اور نہ پیو سونے چاندی کے برتنوں میں اور نہ کھاؤ ان کی رکابیوں میں اس واسطے کہ یہ برتن کافروں کے واسطے ہیں دنیا میں اور تمہارے واسطے ہیں آخرت میں انتہے پھر جب کھانا پینا ان میں منع ہوا تو اسی طرح ان برتنوں سے تیل لگانا اور خوشبو لگانا بھی منع ہوا کذا فی المنح **وکذا یکرہ الاکل بملعقۃ الفضۃ والذہب والاکتحال بمیلہما** وما اشبہ ذلک من الاستعمال کمکحلۃ ومرأۃ وقلم ودواۃ ونحوہا اور اسی طرح مکروہ تحریمی ہے کھانا چاندی اور سونے کے چمچے سے اور سرمہ لگانا ان کی سلائیوں سے اور جو استعمال اس کے مشابہ ہے چنانچہ چاندی سونے کا سرمہ دان اور قلم اور دوات اور مانند اس کے مکروہ ہے م ظروف مذکورہ کے مانند ہے چاندی سونے کی چینی اور سلپچی اور آفتابہ اور انگیٹھی اور جس چیز کا فائدہ بدن کو حاصل ہو وہ مرد اور عورت کو درست نہیں کذا فی الطحطاوی یعنے اذا استعملت ابتداء فیما صنعت لہ بحسب متعارف الناس والا فلا کراہۃ حتی لو نقل الطعام من اناء الذہب الی موضع آخر او صب الماء او الدہن فی کفہ لا علی رأسہ ابتداء ثم استعملہ لا باس بہ مجتبی وغیرہ وبہا حررہ فی الدرر فلیحفظ یعنے ظروف اور آلات مذکورہ کی کراہت اس وقت ہے جب کہ ان کو ابتداءً استعمال کیجیے ان کاموں میں جن کے واسطے وہ بنائے گئے ہیں لوگوں کے رواج کے موافق اور اگر ابتداءً استعمال نہ ہو تو کراہت نہیں تو اگر کھانا نقل کیا جائے سونے کے برتن سے دوسری جگہ یا پانی یا تیل کف دست میں ڈالے نہ اپنے سر پر ابتداءً پھر اس کو استعمال کرے تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں کذا فی المجتبی وغیرہ اور اسی مطلب کو تحریر کیا ہے درر میں تو اس قید کو یاد رکھنا چاہیے م درر میں یوں مذکور ہے کہ ظروف صغیرہ جو تیل وغیرہ کے واسطے مصنوع ہیں ان کا استعمال اس وقت حرام ہے جب کہ ان میں ظروف سے تیل سر پر ڈالا جائے اس واسطے کہ وہ ظروف اسی واسطے مصنوع ہوئے ہیں کہ اسی طرح مستعمل ہوں اور اگر ان میں ہاتھ ڈالے اور تیل ہاتھ میں لے کر سر پر ڈالے تو کراہت نہیں اس واسطے کہ ان سے ابتداءً استعمال نہ ہوا انتہی لیکن محشی درر میں یعنی علامہ وانی اور نوح نے اس تخصیص کو رد کیا ہے اس طرح کہ استعمال چاندی سونے کا ممنوع ہے اس واسطے کہ اصل اسباب میں یہ حدیث ہے کہ ہذان حرامان[1] علی ذکور امتی حل لاناثہم اور جب کہ معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ عورتوں کو فقط زیور حلال ہے تو ورائے زیور کے حرمت باقی رہی خواہ استعمال بالذات ہو خواہ بواسطہ کیونکہ احادیث نہی کی مطلق ہیں کذا فی الطحطاوی م ہر چند

---

[1] یعنے یہ دونوں حرام ہیں میری امت کے مردوں پر حلال ہیں ان کی عورتوں پر ۱۲ منہ

درر کے موافق فتاوی عالمگیری میں محیط سے بھی منقول ہے لیکن احتیاط یہ ہے کہ کسی طرح استعمال نہ کرے واللہ اعلم **واستثنی القہستانی وغیرہ استعمال البیضۃ والجوشن والساعدان منہما فی الحرب للضرورۃ** اور قہستانی وغیرہ میں چاندی سونے کے خود اور زرہ اور دستانوں کو جنگ میں ضرورت کے سبب سے مستثنی کیا ہے کراہت سے **وہذا فیما یرجع للبدن واما لغیرہ تجملا باوانی متخذۃ من ذہب وفضۃ وسریر کذلک وفرش علیہ من دیباج ونحوہ فلا باس بہ بل فعلہ السلف خلاصۃ حتی اباح ابوحنیفۃ توسد الدیباج والنوم علیہ کما یاتی** اور یہ یعنی ظروف فضیہ اور ذہبیہ کی تحریم اس صورت میں ہے جب کہ استعمال نفع بدن کے واسطے راجع ہو اور اس کے سوا تجمل کرنا سونے اور چاندی کے برتنوں سے اور اسی طرح سونے چاندی کی چارپائی سے اور اس پر دیبا اور مانند اس کے فرش کرنا تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ اس کو سلف نے کیا ہے کذا فی الخلاصۃ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ نے دیبا کا تکیہ لگانا اور اس پر سونا مباح کیا ہے چنانچہ آگے آوے گا **وکرہ الاکل فی نحاس او صفر والافضل الخزف قال صلی اللہ علیہ وسلم من اتخذ اوانی بیتہ خزفا زارتہ الملٰئکۃ اختیار** اور مکروہ ہے کھانا تانبے اور پیتل کے برتن میں اور افضل اور بہتر مٹی کا برتن ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر میں مٹی کے برتن رکھے اس کی زیارت فرشتے کرتے ہیں کذا فی الاختیار م ظاہرا کراہت اس وقت ہے جب تانبے اور پیتل کا برتن بے قلعی ہو اور ظروف چینی میں تو نفاست اور تجمل اور ادائے سنت دونوں موجود ہیں اس واسطے کہ وہ مٹی کے برتن ہیں **لا یکرہ ماذکر من اناء رصاص وزجاج وبلور وعقیق خلافا للشافعی** اور مکروہ نہیں کھانا رانگ اور شیشے اور بلور اور عقیق کے برتن سے برخلاف امام شافعی کہ ان کے نزدیک کراہت ہے **وحل الشرب من اناء مفضض ای مزوق بالفضۃ** اور حلال ہے پینا ظرف مفضض سے یعنی جو برتن کہ مزین اور منقش اور مرصع ہو چاندی سے فارسی میں اس کو سیم کوب کہتے ہیں ہندی میں بدرا اور جڑاؤ م منح الغفار میں مفضض کی تفسیر مزوق ہے اور شمنی میں مرصع ہے اور قہستانی میں مزین بفضۃ ہے اور ابو یوسف کے نزدیک مفضض بھی جائز نہیں زیلعی نے کہا یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ چاندی برتن سے جدا ہو سکے اور مموہ یعنی اگر چاندی کا ایسا پتلا پانی برتن پر ملا ہو جو جدا نہ ہو سکے تو وہ بالاجماع درست ہے اس واسطے کہ وہ مستہلک ہے اس کے باقی رہنے کا کچھ اعتبار نہیں چنانچہ شارح اس کو بیان کرے گا کذا فی الطحطاوی **والرکوب علی سرج مفضض والجلوس علی کرسی مفضض لکن بشرط ان یتقی ای یجتنب موضع الفضۃ بفم قیل وبید وجلوس سرج ونحوہ** اور حلال ہے سوار ہونا مفضض زین پر اور حلال ہے بیٹھنا کرسی مفضض پر ولیکن اس شرط سے حلال ہے مفضض برتن میں پینا کہ چاندی کی جگہ سے منہ علیحدہ رکھے اور قول ضعیف یہ ہے کہ ہاتھ بھی جدا رکھے چاندی کی جگہ سے اور زین کے جلوس اور اس کے مانند میں بھی بدن جدا رکھے م اجتناب فم کا اعتبار ہے نہ اجتناب ید اور باقی اعضا کا چنانچہ اختیار اور ہدایہ اور جوہرہ میں مذکور ہے یہ حکم ہے ظرف مفضض کا اور جو ظرف خالص چاندی کا ہے اس کا استعمال تو کسی طرح جائز نہیں کذا فی الطحطاوی **وکذا الاناء المضبب بذہب او فضۃ والکرسی المضبب بہما وحلیۃ مرآۃ ومصحف بہما** اور اسی طرح حلال ہے ظرف مضبب یعنے برتن میں چاندی سونے کے پتر جڑے ہیں اس کے استحکام کے واسطے اور اسی طرح پر چاندی سونے کے پتر جڑی کرسی اور زیور آئینہ اور مصحف کا چاندی اور سونے سے م فتاوی عالمگیری میں ہے کچھ مضائقہ نہیں کھانے پینے کا ظرف مذہب[1] اور مفضض[2] میں جب کہ سونے چاندی پہ منہ نہ رکھے اور اسی طرح ظرف مضبب[3] اور کرسی اور سریر جب کہ چاندی سونے پر نہ بیٹھے اور اسی طرح حلقہ آئینہ کا چاندی سونے سے اور اسی طرح مجمر اور لگام اور زین اور دمچی اور رکاب مفضض یا مضبب درست ہے بشرطیکہ اس پر قعود نہ واقع ہو اور ابو یوسف کے نزدیک یہ سب مکروہ ہے لیکن مضمرات میں ہے کہ امام اعظم کا قول صحیح ہے انتہی **کما لو جعلہ ای التفضیض فی نصل سیف وسکین او فی قبضتہما او لجام او رکاب ولم یضع یدہ موضع الذہب والفضۃ** چنانچہ

---

[1] سونا جڑا ہوا ۱۲ [2] چاندی جڑا ہوا ۱۲ [3] سونے یا چاندی کے پتر لگا ہوا ۱۲

چاندی سونے کا کام کرنا درست ہے اگر تلوار اور چھری کی کوٹھی میں یا ان دونوں کے قبضے میں یا لگام یا رکاب میں کرے اور اپنا ہاتھ نہ رکھے سونے چاندی کی جگہ یہ حکم کافی میں ہے جب کہ چھری کو کوٹھی میں اور تلوار کے قبضہ میں چاندی ہو تو امام اعظم نے کہا کہ اگر چاندی کی جگہ پکڑے گا تو مکروہ ہے اور نہیں تو مکروہ نہیں ہے کذا فی الطحطاوی وکذا کتابة الثوب بذہب او فضة وفی المجتبی لاباس بالسکین المفضض والمحابر والرکاب وعن الثانی یکرہ الکل واسی طرح درست ہے کپڑے پر چاندی سونے سے لکھنا اور مجتبی میں ہے کہ چھری مفضض اور دوات اور رکاب کا کچھ مضائقہ نہیں اور ابو یوسف کے نزدیک یہ سب مکروہ ہیں م امام اعظم کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری میں انس سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تو موضع شق چاندی کی زنجیر سے جکڑا گیا اور احمد کی روایت میں ہے کہ انس بن مالک کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدح یعنی پیالہ تھا اس پر چاندی کا پتر چڑھا تھا والخلاف فی المفضض اما المطلی فلاباس به بالاجماع بلا فرق بین لجام ورکاب وغیرہما لان الطلاء مستھلک لایخلص فلاعبرة للونه عینی وغیرہ اور خلاف ابو یوسف اور امام کا مفضض میں ہے یعنے جس چیز میں چاندی سونا علیحدہ ہو سکتا ہو اور مطلا یعنی جس پر سونے چاندی کا پانی پھرا ہو سو وہ تو بالاجماع درست ہے بدوں فرق کے درمیان لگام اور رکاب وغیرہما کے اس واسطے کہ طلا یعنی چاندی سونے کا پانی مستھلک ہے جدا نہیں ہو سکتا تو اس کی فقط رنگت کا کچھ اعتبار نہیں کذا فی العینی وغیرہ **ویقبل قول کافر ولو مجوسیا قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل او قال اشتریته من مجوسی فیحرم** ولا یردہ بخبر الواحد اور مقبول ہے کافر کا یہ قول اگرچہ کافر مجوسی ہو کہ میں نے یہ گوشت مول لیا ہے یہودی یا نصرانی سے تو اس گوشت کا کھانا حلال ہو گا یا کافر نے کہا کہ میں نے مجوسی سے گوشت خرید کیا تو گوشت حرام ہو گا اور اس کے قول کو خبر واحد کے سبب سے مردود نہ کرے وحاصله ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانات وعلیه یحمل قول الکنز ویقبل قول الکافر فی الحل والحرمة یعنی الحاصلین فی ضمن المعاملات لامطلق الحل والحرمة کما توہمه الزیلعی اور اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کافر کی خبر مقبول ہے بالاجماع معاملات میں نہ دیانات میں اور اسی قاعدہ پر کنز کا یہ قول محمول ہے اور کافر کا قول مقبول ہے حلت اور حرمت میں یعنی وہ حلت اور حرمت کہ ضمن معاملات کے حاصل ہے نہ ہر طرح کی حلت اور حرمت جیسا کہ زیلعی شارح کنز نے توہم کیا ہے م ایک شخص کا قول مقبول ہے معاملات میں خواہ وہ شخص متقی ہو خواہ فاسق آزاد ہو یا غلام مرد ہو یا عورت مسلمان ہو یا کافر بسبب ضرورت اور دفع حرج کے اور منجملہ معاملات وکالت اور مضاربت اور رسالت فی الہدایة اور اذن تجارت ہے لیکن باایں ہمہ صدق خبر کا گمان غالب ہونا ضرور ہے تو اگر اس کے صادق ہونے کا گمان غالب ہو تو اس پر عمل کرے اور اگر گمان غالب نہ ہو اس کے صدق کا یا شک ہو تو اس پر عمل نہ کرے کذا فی الطحطاوی عن الکافی والسراج معاملات وہ امور ہیں جو فیما بین الناس جاری رہتے ہیں چنانچہ بیع اور شرا اور وکالت وغیر ذلک اور دیانات وہ امور ہیں جو فیما بین خدا اور بندے کے ہوتے ہیں چنانچہ عبادات اور حلت اور حرمت **ویقبل قول المملوک ولو انثی والصبی فی الہدیة** سواء اخبر باہداء المولی غیرہ او نفسه اور مملوک کا قول اگرچہ وہ عورت ہو اور صغیر کا قول مقبول ہے تحفہ پہنچانے میں خواہ غلام نے یہ خبر دی ہو کہ میرے مالک نے یہ تحفہ دیا ہے اور شخص کو یا یوں کہا ہو کہ اور شخص نے یہ تحفہ دیا ہے مالک کو **والاذن** سواء کان بالتجارة او بدخول الدار مثلا اور مقبول ہے غلام اور صغیر کا قول اذن میں خواہ تجارت کا اذن ہو یا مثلا دخول دار کا اذن م سراج میں ہے کہ اگر ایک شخص کے غلام یا طفل صغیر نے دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہونے کا اذن دیا تو قیاس یہ ہے کہ گمان غالب پر عمل کرے لیکن عادت جاری یوں ہے کہ اس سے لوگ باز نہیں رہتے لہذا یہ جائز ہے کذا فی الطحطاوی وقیدہ فی السراج بما اذا غلب علی رایه صدقهم فلو شری صغیر نحو صابون واشنان لاباس ببیعه ولو نحو زبیب وحلوی لاینبغی بیعه لان الظاہر کذبه وتمامه فیه اور اذن تجارت میں سراج میں اس کی قید لگائی ہے جب کہ اس کی رائے میں ان کا صدق غالب ہو تب قول مقبول ہے تو اگر صغیر صابون اور اشنان ایسی چیز کی خرید کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھ بیچنا کچھ مضائقہ نہیں اور اگر منقے اور حلوا ایسی چیز کے مول لینے کا قصد کرے تو اس کے ہاتھ بیچنا لائق نہیں اس واسطے کہ صغیر کا کذب ظاہر حال ہے اور اس کا پورا بیان سراج میں ہے م مٹھائی وغیرہ کی

طرف اطفال مشتاق رہتے ہیں تو ظاہر حال اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے پیسے مٹھائی کھانے کے واسطے چرا لایا ہوگا تو اس کا یہ قول کہ میرے ماں باپ نے منگوایا ہے مقبول نہ کرنا چاہیے لیکن اغنیاء کے اطفال پہ یہ اشتباہ نہیں ہو سکتا ہے **ویقبل قول الفاسق والکافر والعبد فی المعاملات** لکثرۃ وقوعھا اور فاسق اور کافر اور غلام کا قول مقبول ہے معاملات میں وقوع معاملات کی کثرت کے سبب سے م اصل یہ ہے کہ معاملات میں ہر ممیز کا قول مقبول ہے تو اگر معاملات میں عدالت عادل ہونا شرط ہو تو حرج عظیم واقع ہو اس واسطے کہ عدالت کی شرائط مستجمع کمیاب ہے کہاں اس کو آدمی پا دے کہ اس سے معاملہ کرے یا اس کو نوکر رکھے اور لوگوں کے پاس معاملات کے واسطے بھیجا کرے اور سامع کو کوئی دلیل نہیں سوا خبر کے تو اگر ممیز کی خبر مقبول نہ ہو تو معاملات کا دروازہ بند ہوتا ہے اور اس واسطے کہ معاملات کثیر الوقوع ہیں تو اس میں عدالت کا شرط ہونا باعث حرج ہے لہذا اس میں فقط تمیز کفایت کرتی ہے کذا فی الزیلعی **کما اذا اخبر انہ وکیل فلان فی بیع کذا فیجوز الشراء منہ** ان غلب علی الرأی صدقہ کما مر ویجئ آخر الحظر چنانچہ اگر فاسق یا کافر یا غلام نے خبر دی کہ وہ وکیل ہے فلانے شخص کا فلانی چیز کے بیچنے میں تو اس سے اس کا خرید کرنا جائز ہے اگر خرید کرنے والے گمان میں اس کی راستی غالب ہو چنانچہ مذکور ہو چکا اور کتاب الحظر کے آخیر میں بھی اس کا ذکر آدے گا **وشرط العدالۃ فی الدیانات** ہی التی بین العبد والرب اور مشروط ہے عدالت اور پرہیزگاری دیانات میں دیانات وہ امور ہیں جو بندے اور مالک علی الاطلاق کے درمیان واقع ہیں م چونکہ دیانات معاملات کے مانند کثیر الوقوع نہیں تو اس میں عدالت کی شرط کرنی حرج نہیں اور قول فاسق اور کافر اور صغیر کے قبول کرنے کی اس میں کچھ ضرورت اور حاجت نہیں **کالخبر عن نجاسۃ الماء فیتیمم ولا یتوضأ ان اخبر بہا مسلم عدل** منزجر عما یعتقد حرمتہ **ولو عبدا او امۃ** جیسے نجاست پانی کی خبر سے تیمم کرے اور اس پانی سے وضو نہ کرے اگر نجاست کی خبر دی ہو مسلمان پرہیزگار نے پرہیزگار وہ ہے جو باز رہتا ہو اس چیز سے جس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہو اگرچہ وہ غلام ہو یا لونڈی م عدالت مسقط احتمال کذب ہے تو اس احتیاط کی حاجت نہیں کہ پانی گرا کر تیمم کرے **ویتحری فی خبر الفاسق** بنجاسۃ الماء وخبر المستور ثم یعمل بغالب ظنہ اور اٹکل دوڑا دے فاسق اور مستور الحال کی خبر میں پھر عمل کرے اپنے ظن غالب پر یعنی اگر فاسق اور مستور یعنی جس کا فسق اور عدالت معلوم نہیں وہ کہیں کہ یہ پانی ناپاک ہے تو وہاں اٹکل کر کے ظن غالب پر عمل کرے نہ ان کے قول پہ **ولو اراق الماء فیتیمم فیما اذا غلب علی رأیہ صدقہ ولو توضأ وتیمم فیما اذا غلب علی رأیہ کذبہ کان احوط** اور اگر پانی کو گرا دے پھر تیمم کرے اس صورت میں جب کہ اس کو ظن غالب ہو کہ فاسق سچا ہے نجاست کی خبر میں اور وضو اور تیمم کرے اس صورت میں جب کہ اس کو گمان غالب ہو اس کے کذب کا تو یہ احوط ہوگا یعنی اس میں زیادہ تر احتیاط ہے وفی الجوہرۃ وتیممہ بعد الوضوء احوط اور جوہرہ میں ہے اور اس کا تیمم کرنا وضو کے بعد احوط ہے م اس میں اشارہ ہے کہ تقدیم تیمم کی وضو پر احتیاط ہے اور تاخیر تیمم کی وضو سے احوط ہے کذا فی الطحطاوی واما الکافر فاذا غلب صدقہ علی کذبہ فاراقتہ احب قہستانی وخلاصہ وخانیہ اور کافر کا تو یہ حکم ہے کہ جب اس کے کذب پر صدق کا گمان غالب ہو تو پانی کا بہا دینا مستحب ہے کذا فی القہستانی والخلاصۃ والخانیۃ م یعنی اگر کافر نے خبر دی کہ یہ پانی نجس ہے اور اس کے صدق کا گمان غالب ہو تو اگر اس پانی سے وضو کرے اور نماز پڑھے تو نماز جائز ہے اس واسطے کہ کافر متہم ہے اس کی خبر ملزم نہیں لیکن پانی گرا کر تیمم سے نماز پڑھنا مستحب ہے قلت لکن لو تیمم قبل اراقتہ لم یجز تیممہ بخلاف خبر الفاسق لصلاحیتہ ملزما فی الجملۃ بخلاف الکافر میں کہتا ہوں درصورتیکہ کافر کی اخبار نجاست کے صدق پر گمان غالب ہو لیکن اگر تیمم کرے پانی گرا دینے سے پہلے تو اس کا تیمم جائز نہ ہوگا بخلاف خبر فاسق کے کہ وہاں تیمم مذکورہ جائز ہوگا اس واسطے کہ فاسق کی خبر فی الجملہ الزام کی صلاحیت رکھتی ہے اور کافر کی خبر ملزم ہونے کے لائق نہیں م فاسق کی خبر کی فی الجملہ ملزم ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اگر فاسق کی گواہی قبول کر کے حکم دے تو اس کا حکم نافذ ہوگا اگرچہ اس کی گواہی قبول کرنا حرام ہے اور اگر کافر کی گواہی پہ

حکم دے گا یعنی مسلم کی خصومت میں تو حکم اس کا نافذ نہ ہوگا ولو اخبر عدل بطہارتہ وعدل بنجاستہ حکم بطہارتہ بخلاف الذبیحۃ اور اگر مسلم متقی نے پانی کی طہارت کی خبر دی اور دوسرے متقی نے اس کو نجاست کی خبر دی تو پانی کی طہارت کا حکم دیا جائے گا برخلاف ذبیحہ کے کہ وہاں درصورت تناقض حرمت کا حکم ہوگا م پانی کی طہارت کا اس واسطے حکم ہوا کہ دونوں خبریں بسبب تناقض کے ساقط الاعتبار ہوگئیں تو اصل پر یعنی طہارت پر حکم ہوا وتعتبر الغلبۃ فی اوان طاہرۃ ونجسۃ وذکیۃ ومیتۃ فان الاغلب طاہرا تحری وبالعکس والسواء لا الا للعطش اور غلبہ معتبر ہے ظروف پاک اور ناپاک میں جو باہم مل گئے اور مذبوح جانور اور مردار میں جو باہم مخلوط ہوگئے تو اگر پاک برتن یا مذبوح جانور اکثر ہوں تو طہارت اور شرب اور اکل کے واسطے غور کرے اور اقل دور ڈال دے اور اگر ناپاک برتن یا مردار جانور زیادہ ہوں یا دونوں پاک اور ناپاک برابر ہوں تو ظن غالب کا کچھ اعتبار نہیں مگر دفع عطش کے واسطے البتہ ظروف میں گمان غالب معتبر ہوگا وفی الثیاب یتحری مطلقا اور کپڑوں میں ہر طرح کا گمان غالب معتبر ہے م خواہ اکثر کپڑے طاہر ہوں یا نجس اس واسطے کہ ستر عورت میں کپڑے کا کچھ بدلا نہیں اور پانی کا بدلا مٹی ہے تیمم کے واسطے **دعی الی ولیمۃ وثمۃ لعب او غناء قعد واکل** لو المنکر فی المنزل ولو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا لقولہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین کوئی شخص شادی کی دعوت میں بلایا گیا اور وہاں لہو ولعب یا راگ ہے تو بیٹھے اور کھائے بشرطیکہ امر خلاف شرع مکان میں ہو اور دسترخوان پر نہ ہو اور اگر غیر مشروع دسترخوان پر ہو تو اب بیٹھنا لائق نہیں وجوباً بلکہ نکل جاوے ناخوش ہوکر اس واسطے کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مت بیٹھ نہی کے یاد ہونے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ م ولیمہ شادی کے کھانے کا نام ہے جو زوجین کی ملاقات کے بعد ہو اور بعضوں نے کہا دونوں طعام کا نام ولیمہ ہے طعام ولیمہ سنت ہے حدیث میں آیا ہے کہ ولیمہ کر اگرچہ ایک ہی بکری کا ہو تمرتاشی نے کہا اجابت دعوت میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک اجابت واجب ہے اور اکثر کا قول یہ ہے کہ سنت ہے اور افضل یہ ہے کہ اگر ولیمہ ہو تو دعوت قبول کرے اور نہیں تو وہ مختار ہے لیکن اجابت افضل ہے اس واسطے کہ اس میں دل مومن کا خوش کرنا ہے مگر فاسق معلن کی دعوت قبول نہ کرے تاکہ معلوم ہو کہ تو اس کے فسق سے راضی نہیں اور اسی طرح اس کی دعوت قبول نہ کرے جس کا اکثر مال حرام ہے ہاں اگر وہ کہے کہ اصل مال حلال ہے میراث سے یا قرض لینے سے تو دعوت قبول کرے اور کھائے اور اگر اس کا غالب مال حلال ہے تو اس کا تحفہ قبول کرنا درست ہے جب کہ دعوت قبول کی اور اس کے مکان پر گیا تو جو اس کے ذمہ پر تھا ساقط ہوگیا اختیار ہے کھائے یا نہ کھائے نہ کھانے سے کچھ حرج نہیں اور کھانا افضل ہے اگر روزہ دار نہ ہو اور اگر صاحب دعوت کا قصد مذموم ہو یعنی اپنی شیخی اور نام آوری اور شکرگزاری چاہے تو خصوصاً اہل علم کو اس کی دعوت قبول کرنا نہ چاہیے اس واسطے کہ اجابت میں آپ کو ذلیل کرنا ہے اور ذمی کی دعوت قبول کرنا جائز ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا **فان قدر علی المنع فعل** پھر اگر دعوت میں گیا اور وہاں ناچ رنگ ہے تو اگر یہ شخص منع کرنے پر قادر ہے تو منع کرے م یعنی منع کرنا قادر پر واجب ہے اگر نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا اس واسطے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جو شخص خلاف شرع دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے سو اگر قادر نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی ظاہر کر دے اور یہ بھی اگر نہ ہو سکے تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ اضعف الایمان ہے **والا یقدر صبر ان لم یکن ممن یقتدی بہ** اور اگر منع کرنے پر قادر نہ ہو تو صبر کرے اگر ان لوگوں میں نہ ہو جن کے قول اور فعل کے لوگ اقتدا اور پیروی کرتے ہوں یعنی اگر مقتدائے خلق نہ ہو تو صبر کرے دل سے ناخوش ہوکر **فان کان مقتدی ولم یقدر علی المنع خرج ولم یقعد** لان فیہ شین الدین سو اگر وہ شخص مقتدا ہو اور منع کرنے پر قادر نہ ہو تو وہاں سے نکل جائے اور نہ بیٹھے اس واسطے کہ اس کے ٹھہرنے میں عیب لگتا ہے دین میں م اور اس میں معصیت کا دروازہ کھولنا ہے

مسلمین پر کہ وہ اس بزرگ کی پیروی کریں گے والمحکی عن الامام کان قبل ان یصیر مقتدی بہ اور جو قول امام سے منقول ہے کہ میں ایک بار لہو کی دعوت میں مبتلا ہوا تھا سو میں نے صبر کیا تو یہ ان کے مقتدا ہونے سے پہلے ہوا تھا کذا فی الایضاح وان علم اولا باللعب لا یحضر اصلا سواء کان ممن یقتدی بہ اولا لان حق الدعوۃ انما یلزمہ بعد الحضور لا قبلہ ابن کمال اور اگر لہو لعب کو پہلے معلوم کر جائے تو اصلا وہاں نہ جائے خواہ مقتدا ہو یا غیر مقتدا اس واسطے کہ حق دعوت کا لازم ہوتا ہے حاضر ہونے کے بعد نہ قبل اس کے کذا ذکرہ ابن کمال م نہ جانے کی بہتر وجہ یہ ہے کہ اجابت دعوت اس وقت ہے جب کہ وہاں امر غیر مشروع نہ ہو کذا فی الزیلعی وفی السراج ودلت المسئلۃ ان الملاہی کلہا حرام اور سراج میں ہے اور مسئلہ دعوت نے دلالت کی کہ سب کھیل اور ناچ رنگ حرام ہیں م ملاہی سے تین مستثنی ہیں بموجب حدیث کے مرد کی ملاعبت اپنی عورت کے ساتھ اور تادیب اپنے گھوڑے کی اور تیر اندازی ویدخل علیہم بلا اذنہم لانکار المنکر اور ارباب ملاہی کے گھر میں گھس جائے بدوں ان کے اذن خلاف شرع کے مٹانے کے واسطے م یعنی ہر چند کسی کے گھر میں بلا اذن جانا درست نہیں لیکن جب ان لوگوں نے خلاف شرع کے ارتکاب سے اپنی حرمت ساقط کر دی تو ان کی ہتک حرمت جائز ہو گی کذا فی المنح قال ابن مسعودؓ صوت اللہو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ لہو اور راگ کی آواز دل میں نفاق کو اگاتی ہے جیسے پانی گھاس کو اگاتا ہے م نفاق سے نفاق عملی مراد ہے نہ نفاق اعتقادی جو کفر ہے قلت وفی البزازیۃ استماع صوت الملاہی کضرب قصب ونحوہ حرام لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم استماع الملاہی معصیۃ والجلوس علیہا فسق والتلذذ بہا کفر ای بالنعمۃ فصرف الجوارح الی غیر ما خلق لاجلہ کفر بالنعمۃ لا شکر فالواجب کل الواجب ان یجتنب کیلا یسمع لما روی انہ علیہ الصلوۃ والسلام ادخل اصبعہ فی اذنہ عند سماعہ اشعار العرب لو فیہا ذکر الفسق کرہ انتہی میں کہتا ہوں اور بزازیہ میں ہے کہ باجوں کی آواز جیسے بانسری بجانے کی آواز اور مانند اس کے حرام ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ استماع ملاہی گناہ ہے اور اس پر بیٹھنا فسق ہے یعنے طاعت ربانی سے باہر نکل جانا ہے اور اس سے لذت لینا کفر ہے یعنے کفران نعمت ہے تو اعضا کو صرف کرنا اس چیز کی طرف جس کے واسطے وہ بنائے نہیں گئے نعمت کا کفران ہے نہ شکر اس نعمت کا تو واجب کمال واجب یہ ہے کہ کنارہ گیر ہو جائے تاکہ آواز کو نہ سنے اس واسطے کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ نے انگشت مبارک کو اپنے کان مقدس میں داخل کر لیا تھا اس کی سماعت کے وقت اور عرب کے اشعار اگر ان میں فسق کا ذکر ہو تو وہ مکروہ ہیں انتہی مافی البزازیۃ ولتغلیظ الذنب کما فی الاختیار اوللاستحلال کما فی النہایۃ یا تلذذ سماع کو کفر فرمایا اس گناہ کی بڑائی جتانے کو کما فی الاختیار شرح المختار یا کفر فرمایا اس کو حلال سمجھنے کے سبب سے کما فی النہایۃ فائدہ ومن ذلک ضرب النوبۃ للتفاخر فلو للتنبیہ فلا باس بہ کما اذا ضرب فی ثلثۃ اوقات لتذکر ثلث نفخات الصور لمناسبۃ بینہما فبعد العصر للاشارۃ الی نفخۃ الفزع وبعد العشاء الی نفخۃ الموت وبعد نصف اللیل الی نفخۃ البعث وتمامہ فیما علقتہ علے الملتقی اور منجملہ ملاہی نوبت کا بجانا ہے تفاخر اور نام آوری کے واسطے تو اگر نوبت نوازی تنبیہ کے واسطے ہو تو اس کا مضائقہ نہیں چنانچہ جب کہ تین وقت نوبت بجے صور کی تین بار پھونکے جانے کی یاددہانی کے واسطے اس لئے کہ نوبت کی آواز اور صور کی آواز میں فی الجملہ مناسبت ہے عصر کے بعد کی نوبت اشارہ ہے نفخۂ دہشت اور بعد عشا کے اشارہ ہے نفخۂ موت کا اور آدھی رات کے بعد اشارہ ہے نفخۂ بعث کا یعنی قبروں سے اٹھنے کا اور پورا اس کا بیان اس شرح میں ہے جو ہم نے ملتقی الابحر پر معلق کی ہے م شرح ملتقی میں شارح نے کہا حسن سے مروی ہے کہ شادی نکاح میں دف بجانا جائز ہے شہرت نکاح کے واسطے اور سراجیہ میں ہے دف اس وقت درست ہے جب کہ اس میں جلاجل یعنی جھانجیں نہ ہوں اور اس کا بجانا برہیئت تطرب نہ ہو تتمہ پہلا گانے والا ابلیس ہے کذا فی القہستانی اور رقص اور تواجد کو سامری کے لوگوں نے اول ایجاد کیا جب کہ سامری نے گوسالہ بنایا تو گوسالہ پرست

اس کے سامنے ناچے اور وجد کرنے لگے تو یہ کفار گوسالہ پرستوں کا دین ہے اور طریقہ محمدیہ میں ہے کہ حرمت رقص پر نص قرآنی موجود ہے قال تعالی وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا یعنے مت چل زمین اتراتے اور تبختر کی راہ سے اور رقص میں نہایت تبختر اور سجاوٹ اور اتراؤ ہوتا ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ رقص گناہ کبیرہ ہے اور اس پر اجماع ہے اور بعضے فقیہوں نے کہا کہ غلبہ وجد میں رقص منع نہیں جیسے صوفیہ کے ہوتا ہے مجلس ذکر اور سماع میں تاتارخانیہ میں وہ مضمون ہے جو جواز رقص پر دلالت کرتا ہے اس مغلوب الحال کے واسطے جس کی حرکات مرتعش کے مانند ہیں اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ وجد صادق ہو اور قیام میں وہ شخص مغلوب ہو اور ایک چیز گاہے حلال ہوتی ہے اور کبھی حرام ہو جاتی ہے اختلاف مقاصد کے سبب سے کما ذکرہ ابوالسعود اور شرح ملتقی میں ہے کہ جو ہمارے زمانہ کے متصوفہ سماع کے وقت آواز بلند کر کے نعرے مارتے ہیں حرام ہے وہاں بیٹھنا جائز نہیں اور صوفیہ سابقین ایسا نہیں کرتے تھے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعر سننا اباحت غنا پر دلالت نہیں کرتا ہے وہ اشعار حکمت اور وعظ پر مشتمل تھے اور حدیث تواجد نبوی صحیح نہیں سری سقطی نے فرمایا وجد کرنے والے کی شرط یہ ہے کہ اس حد کو اس کا وجد پہونچ جائے کہ اگر اس کے چہرہ پر تلوار پڑے تو اس کو کچھ خبر نہ ہو درد اور الم کی انتہی ما فی شرح الملتقی کذا فی الطحطاوی اور حرمت آلات سرود کی اور اختلاف غنائے مجرد کا کتاب الشہادت میں مفصل مذکور ہو چکا فلینظر ثمہ

فصل فی اللبس

یہ فصل ہے لباس کے مسائل میں م فرض لباس وہ ہے جو عورت کو چھپاوے اور گرمی اور سردی کو دفع کرے بہتر یہ ہے کہ پوشاک روئی یا کتان یا صوف کی ہو سنت کے موافق یعنے اس کا دامن نصف ساق تک ہو اور آستین[1] انگلیوں تک اور آستین کا عرض بقدر ایک بالشت کے چنانچہ نتف میں مصرح ہے متوسط لباس چاہیے نہ نفیس نہ خسیس اس واسطے کہ خیر الامور اوساطہا اور اس واسطے کہ نہی وارد ہے لباس شہرت سے یعنے جو نہایت نفیس ہو اور نہایت خسیس اور مستحب وہ لباس ہے جو آرائش اور نعمت الٰہی کے اظہار کے واسطے ہو اور مباح لباس جمیل ہے زینت کے واسطے عید اور جمعہ اور مجامع خلق میں نہ جمیع اوقات میں اور مکروہ لباس وہ ہے جو تبختر اور تکبر کے واسطے ہو اور سپید لباس مستحب لباس ہے کذا فی الطحطاوی ملخصا **یحرم لبس الحریر ولو بحائل بینہ وبین بدنہ علی المذہب الصحیح وعن الامام انما یحرم اذا مس الجلد قال فی القنیۃ وہی رخصۃ عظیمۃ فی موضع عم بہ البلوی** اور حرام ہے پہننا حریر یعنے ریشمی کپڑے کا اگرچہ کوئی اور کپڑا حائل ہو درمیان ریشمی کے اور بدن کے بموجب مذہب صحیح کے اور امام اعظم سے روایت ضعیف یہ ہے کہ ریشمی تو اس وقت حرام ہے جب کہ وہ کھال سے لگا ہو قنیہ میں کہا اور یہ رخصت عظیمہ ہے وہاں جہاں ریشمی کا عموم بلوی ہو م جب معلوم ہوا کہ مذہب صحیح میں ریشمی کی حرمت علی الاطلاق ہے خواہ بدن سے متصل ہو یا غیر متصل تو روایت ضعیف قابل اعتبار کے نہیں طحطاوی نے شمس الائمہ حلوانی سے نقل کیا کہ صحیح یہ ہے کہ کل حرام ہے اور قول ضعیف مذکور کو بعض مشائخ کی طرف نسبت کیا ہے نہ امام کی طرف حریر وہ کپڑا ہے جس کا تانا بانا دونوں ریشم ہو چنانچہ گلبدن اور دریائی اور تافتہ اور اطلس اور کمخاب ابوداؤد اور نسائی میں علی مرتضے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشمی کپڑا لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا اور فرمایا کہ یہ دونوں حرام ہیں میری امت کے مردوں پر اور ترمذی اور نسائی کی دوسری روایت ہے کہ لباس حریر اور سونے کا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور ان کی عورتوں پر حلال ہے اور صحیحین اور نسائی میں عمر فاروق سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں حریر وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے کذا فی التیسیر **او فی الحرب فانہ یحرم ایضا عندہ وقالا یحل فی الحرب** اگرچہ ریشمی جنگ میں پہنے سو وہ بھی حرام ہے امام کے نزدیک اور صاحبین نے کہا کہ لڑائی میں ریشمی لباس حلال ہے م صاحبین کے نزدیک جنگ میں گاڑھا کپڑا ریشمی

---

[1] بہتر کام درمیانی ہوتے ہیں ۱۲

درست ہے جو سلاح کی مضرت سے بچاوے نہ باریک ریشمی کذا فی العالمگیریۃ علی الرجل لا المرأۃ الا قدر اربع اصابع کاعلام الثوب مضمومۃ قیل منشورۃ وقیل بین بین ریشمی حرام ہے مرد پر نہ عورت پر مگر مرد پر بقدر چار انگل کے حرام نہیں جیسے ریشمی بوٹیاں کپڑے کی حرام نہیں چار انگلیاں ملی ہوئیں مراد ہیں اور بعضوں نے کہا کہ کھلی ہوئیں اور بعضوں نے کہا نہ ملیں نہ کھلیں مراد ہیں م نجم الائمہ بخاری نے کہا کہ رخصت حریر میں معتبر چار انگلیاں ہیں نہ بہایت ملیں اور نہ نہایت کھلیں کذا فی العالمگیریۃ عن القنیۃ وظاہر المذہب عدم جمع المتفرق ولو فی عمامۃ کما بسط فی القنیۃ اور ریشمی بوٹیوں میں ظاہر مذہب عدم جمع متفرق ہے اگرچہ متفرقات بوٹیاں عمامہ میں ہوں چنانچہ قنیہ میں مشرح بیان ہے م اس کی توضیح قنیہ میں یوں مذکور ہے کہ عمامہ کی متفرقات بوٹیاں کے جمع کرنے میں اختلاف ہے نجم الائمہ بخاری نے کہا کہ نہ جمع کرنا متفرقات کا یہی ظاہر مذہب ہے مگر جب کہ ایک خط ریشم کا ہو اور ایک خط کسی اور چیز کا اس طرح پر کہ سب ریشم ہی نظر آتا ہو تو جائز نہیں ہے اور اگر ریشم اور غیر ریشم جدا جدا ظاہر ہو جیسے عمامہ کا طرہ تو ظاہر مذہب عدم جمع ہے کذا فی العالمگیریۃ یعنی اگر کپڑے یا پگڑی پر ریشم کی بوٹیاں متفرق کثرت سے ہوں اگر ان سب کو جمع کیجیے تو چار انگل سے زیادہ ہو جائیں تو ظاہر مذہب میں یہ جمع کرنا معتبر نہیں وہ کپڑا حلال ہے وفیہا عمامۃ طرازہا قدر اربع اصابع من ابریسم من اصابع عمر رضی اللہ عنہ وذلک قیس شبرنا یرخص فیہ اور قنیہ میں ہے کہ ایک عمامہ ہے جس کا نقش ونگار ریشم کا ہے چار انگل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی انگلیوں سے اور فاروق کی چار انگلیاں ہمارے بالشت کے ساتھ قیاس کی گئی ہیں تو اس قدر نقش ونگار میں رخصت ہے م عالمگیری میں قنیہ سے طرہ عمامہ یعنی کنارہ اور آنچل پگڑی کا مذکور ہے نہ طراز ظہیر الدین تمرتاشی نے کہا کہ معتبر چار انگلیاں ہیں اپنی ہیئت اور شکل پر سلف کی انگلیاں معتبر نہیں ہیں کذا فی العالمگیریۃ عن القنیۃ طحطاوی نے کہا اصابع منشورہ غیر معتبر ہیں تو بہتر یہ تھا کہ شارح اس عبارت کو ذکر نہ کرتا **وکذا المنسوج بذہب یحل اذا کان ہذا المقدار اربع اصابع والا لا یحل للرجل** زیلعی اور اسی طرح جو سونے سے بنا ہو حلال ہے جب کہ اس مقدار پر ہو یعنی چار انگل اور اگر چار انگل سے زیادہ ہو تو مرد کو حلال نہیں ہے کذا فی الزیلعی وفی المجتبے العلم فی العمامۃ فی موضعین او اکثر یجمع وقیل لا اور مجتبی میں ہے کہ نقش ونگار اور بوٹی عمامہ میں دو جگہ ہے یا زیادہ تر تو جمع کرنا چاہیے یعنی چار انگل سے زیادہ ہو تو درست نہیں اور بعضوں نے کہا کہ متفرق کا جمع کرنا ضروری نہیں م عنقریب مذکور ہو چکا کہ ظاہر مذہب عدم جمع متفرق ہے تو اس عبارت کا ذکر ضرور نہ تھا وفیہ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالے عمامۃ علیہا علم من قصب فضۃ قدر ثلث اصابع لا باس ومن ذہب یکرہ وقیل لا یکرہ اور مجتبے میں امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ عمامہ پر نقش ونگار ہے چاندی سے بقدر تین انگل کے تو کچھ مضائقہ نہیں اور سونے کا نقش ونگار مکروہ ہے اور دوسرا قول ضعیف یہ ہے کہ مکروہ نہیں وفیہ تکرہ الجبۃ المکفوفۃ بالحریر قلت بہذا ثبت کراہتہا اعتادہ اہل زماننا من القمص البصریۃ اور مجتبے میں ہے کہ مکروہ ہے جبہ مکفوفہ بحریر یعنی جس پیراہن کے اطراف میں ریشمی کپڑا سیا ہو میں کہتا ہوں اس روایت سے ثابت ہو گئی کراہت اس کی جو ہمارے اہل زمانے کی عادت ہے بصری پیراہنوں کے پہننے کی م طحطاوی نے کہا یہ روایت مخالف ہے جمہور فقہاء کے اس واسطے کہ عالمگیری میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ مکفوف بالحریر عمامہ علماء فقہاء کے نزدیک درست ہے انتہی اور ہدایہ میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جبہ مکفوفہ بالحریر پہنتے تھے عینی محشی ہدایہ نے کہا کہ یہ حدیث صحیحین میں اس طرح ہے کہ اسماء بنت ابی بکر صدیق نے جبہ نکالا اور کہا کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے سو اس میں دیبا کا گریبان سیا تھا اور اس کے دونوں چاک دیبا سے سیے تھے سو کہا کہ یہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس تھا جب وہ مر گئیں تو میں نے اس کو لیا سو آنحضرتؐ اس کو پہنتے تھے سو ہم اس کو دھو لیتے ہیں بیماروں کے واسطے سو اس کی برکت سے شفا حاصل ہوتی ہے اور ابو داؤد کی روایت میں یوں ہے کہ اس جبہ کی جیب اور دونوں آستین اور دونوں چاک دیبا سے سیے تھے اور بخاری کی ادب مفرد میں یوں روایت ہے کہ اس جبہ کا گریبان دیبا تھا بالشت بھر اور دونوں چاک دیبا سے سیے تھے حضرت اس کو مہمانوں کے آنے کے وقت اور جمعہ کے دن پہنتے تھے انتہی ای العینی مختصراً وفیہ المرخص العلم فی عرض الثوب قلت

ادہ ان القلیل فی طولہ یکرہ انتہی قال المصنف وبہ جزم ملا خسرو وصدر الشریعۃ لکن اطلاق الہدایۃ وغیرہا یخالفہ اور مجتبیٰ میں ہے کہ کپڑے کے
ین حکم مرخص ہے میں کہتا ہوں اور اس سے مستفاد ہوا کہ علم قلیل کپڑے کے طول میں مکروہ ہے انتہی ما فی المجتبیٰ مصنف نے اپنی شرح
ا اور اسی قول یعنی طول کے عدم جواز پر یقین کیا ہے ملا خسرو صاحب درر وغرر نے اور صدر الشریعۃ نے لیکن ہدایہ وغیرہا کا اطلاق یعنی عدم قید
وعرض مجتبیٰ کے مخالف ہے وفی السراج عن السیر الکبیر العلم حلال مطلقا صغیرا کان او کبیرا قال المصنف رحمہ اللہ تعالی وہو مخالف لما مر من التقیید
ع اصابع وفیہ رخصۃ عظیمۃ لمن ابتلی بہ فی زماننا انتہی قلت قال شیخنا واظن ان الرایۃ وما یعقد علی الرمح فانہ حلال ولو کبیرا لانہ لیس بلبس وبہ
ں التوفیق اور سراج میں ہے سیر کبیر سے کہ علم ہر طرح کا حلال ہے خواہ صغیر ہو یا کبیر مصنف رحمہ نے کہا اور یہ قول مخالف ہے اس قول کے جس
ر انگل کی قید مذکور ہو چکی اور علم کے صغیر اور کبیر کی حلت میں رخصت عظیم ہے اس شخص کے لئے جو علم کبیر کے استعمال کے ساتھ مبتلا ہے ہمارے
ں انتہی ما فی شرح المصنف میں کہتا ہوں ہمارے استاد نے کہا اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ جھنڈا اور نشان اور جو ریشمی کپڑا نیزے پر
یا جاتا ہے سو وہ حلال ہے اگرچہ زیادہ ہو اس واسطے کہ وہ لباس آدمی کا نہیں اور اس تقریر سے دونوں قولوں کا اختلاف رفع ہو گیا یعنی اربع
ی قید لباس میں ہے اور سیر کبیر کا اطلاق غیر ملبوس پر محمول ہے م روایت کی لبشر نے عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ کہ مضائقہ نہیں علم کا حریر سے
ہیں جب کہ علم چار انگل ہو یا اس سے کم اور اس میں کچھ خلاف مذکور نہیں کیا اور شمس الائمہ سرخسی نے سیر میں کہا کہ علم کا کچھ مضائقہ نہیں اس
ہ وہ تابع ہے اور اس کی مقدار بیان نہیں کی چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں ہے تو تابع کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ علم ثوب مراد ہے نہ علم
اس واسطے کہ اگر بالکل جھنڈا حریر کا ہو تو جائز ہے جیسے دروازہ کا پردہ حریر سے درست ہے تو ظاہرا یہ اختلاف علم ثوب میں ہے نہ علم رایت میں
کذا فی الطحطاوی یعنی تو شارح کے استاد کے قول سے توفیق بین القولین حاصل نہ ہوئی ولا باس بکلۃ الدیباج ہو ما سداہ ولحمتہ ابریسم
وہبانیۃ للرجال مردوں کے واسطے کچھ مضائقہ نہیں دیبا کے چھپر کھٹ اور مسہری میں دیبا وہ کپڑا ہے جس کا تانا اور بانا دونوں ریشم کا ہو
شرح الوہبانیۃ الکلۃ بالکسر پشخانہ والناموسیۃ لانہ لیس بلبس کلہ بکسر کاف وتشدید لام پشخانہ اور ناموسیہ ہے اس واسطے وہ جائز ہے کہ وہ
ینے بدن سے علیحدہ رہتا ہے م قاموس میں ہے کہ کلہ باریک پردہ اور باریک گھٹاٹوپ ہے مچھروں سے بچنے کے واسطے یعنے چھپر کھٹ اور
اور پشخانہ معرب پشہ خانہ ونظمہ شارح الوہبانیۃ فقال سہ وفی کلۃ الدیباج فالنوم جائز ۰۰ وفی القنیۃ والملتقی ذا مسطر ۰۰ اور شارح
ہبانیہ نے اس کو نظم کیا ہے سو یوں کہا ہے اور ریشمی چھپر کھٹ میں سو رہنا جائز ہے اور قنیہ اور ملتقی میں یہ جواز مرقوم ہے وتکرہ التکۃ منہ اسے
دیباج وہو الصحیح وقیل لا باس بہا اور مکروہ ہے ریشمی ازار بند یہی قول صحیح ہے اور اس کے جواز کا قول ضعیف ہے م ریشمی ازار بند اگرچہ
ہ درست نہیں اس واسطے کہ وہ مستقل اور جداگانہ چیز ہے برخلاف سجاف وغیرہ کے کہ وہ تابع ہے نہ مستقل کذا فی الطحطاوی وکذا تکرہ
نسوۃ وان کانت تحت العمامۃ اور اسی طرح مکروہ تحریمی ہے ریشمی ٹوپی اگرچہ وہ عمامہ کے نیچے چھپی ہو م مرد کو ریشمی یا چاندی سونے
ی یا جس ٹوپی پر ریشم بہت سیا ہو یا کوئی چیز چاندی سونے کی چار انگل سے زیادہ ٹوپی پر سی ہوئی ہو مکروہ تحریمی ہے کذا فی العالمگیریۃ تو
ہوا کہ گوٹا پٹھا اور بنت طلائی یا نقرئی اگر چار انگل یا کم ہو ٹوپی پر تو درست ہے والکیس الذی یعلق قنیۃ اور اسی طرح ریشم کی وہ
مکروہ ہے جو بدن پر لگائی جاوے کذا فی القنیۃ اس واسطے کہ تعلیق مشابہ ملبوس ہے واختلف فی عصابۃ الجراحۃ بہ اے بالحریر
فی المجتبیٰ اور اختلاف ہے زخم کی ریشمی پٹی میں کذا فی المجتبیٰ م طحطاوی نے کہا کہ صحیح قول یہی ہے کہ ریشمی پٹی مکروہ ہے ازار بند کے مانند وفی ان
تزین بیتہ بالدیباج وتجمل باوانی ذہب وفضۃ بلا تفاخر اور مجتبیٰ میں ہے کہ مسلمان کو اپنا گھر آراستہ کرنا ریشمی کپڑے سے اور تجمل کرنا سونے
چاندی کے برتنوں سے درست ہے بشرط عدم تفاخر وتکبر یعنے مکان میں اطلس وغیرہ کا چھت پردہ لگانا درست ہے بشرط عدم تجبر وفی القنیۃ

یحسن للفقہاء لف عمامۃ طویلۃ ولبس ثیاب واسعۃ اور قنیہ میں ہے کہ فقیہوں کے واسطے عمامہ طویلہ باندھنا اور کشادہ لباس پہننا اچھا ہے وفیہا
لاباس بشد خمار اسود علی عینیہ من ابریشم لعذر قلت ومنہ الرمد اور قنیہ میں ہے کچھ مضائقہ نہیں ریشمی سیاہ کپڑا باندھنا اپنی دونوں آنکھوں پر عذر
کے سبب سے میں کہتا ہوں اور منجملہ عذر مذکور رمد جوش کرنا ہے آنکھ کا وفی شرح الوہبانیۃ عن المنتقی لاباس بعروۃ القمیص وزرہ من الحریر لانہ تبع
اور شرح وہبانیہ میں ہے منتقی سے کچھ مضائقہ نہیں پیراہن میں ریشمی تکمہ اور گھنڈی لگانا اس واسطے کہ وہ تابع ہے پیراہن کا یعنے خود لباس مستقل
نہیں وفی التتارخانیۃ عن السیر الکبیر لاباس بازرار الدیباج والذہب اور تاتارخانیہ میں سیر کبیر سے منقول ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں ریشمی اور سونے
کی گھنڈیوں میں وفیہا عن مختصر الطحاوی لایکرہ علم الثوب من الفضۃ ویکرہ من الذہب قالوا وہذا مشکل فقد رخص الشرع فی الکفاف والکفاف
قد یکون من الذہب انتہی اور تاتارخانیہ میں مختصر طحاوی سے منقول ہے کہ مکروہ نہیں نقش ونگار کپڑے کا چاندی سے اور مکروہ ہے سونے سے
علما نے کہا اور یہ یعنے عدم جواز علم زر مشکل ہے اس واسطے کہ شرع نے کفاف یعنے حاشیہ کی رخصت دی ہے اور کفاف کبھی سونے کا ہوتا
ہے انتہی ما فی التتارخانیۃ م قنیہ میں ہے علم یعنے نقش ونگار سونے سے ذہب منسوج کے مانند چار انگل مرد کے واسطے جائز ہے اور اسی
طرح ٹوپی میں ظاہر مذہب میں جائز ہے چار انگل اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں جیسے حریر کی جائز نہیں انتہی طحطاوی نے کہا کفاف سے
ظاہرا اس عبارت میں بمعنی خیاطت مراد ہے اور حالانکہ قاموس میں کفاف بالفتح بمعنی مثل اور رزق بقدر کفایت مذکور ہے اور بمعنی خیاطت
کف ہے نہ کفاف اور شارح علیہ الصلوۃ والسلام سے جبہ مکفوفہ بحریر کا پہننا ثابت ہے اس میں چاندی سونا مذکور نہیں تو اس کی تحریر کرنا چاہیے تامل
سے مجھ کو غلبہ تشویشات سے فرصت نہیں انتہی مختصرا م وباللہ التوفیق قاموس میں مذکور ہے کہ کفہ قمیص وہ ہے جو دامن کے گرد ہو اور جو لبنا ہو چنانچہ
حاشیہ ثوب کا اور کفاف بالکسر کنارہ ہے اس کا اور جو اس کے گرد ہو انتہی تو صاف معلوم ہو گیا کہ کفاف سے حاشیہ زریں اور دامن کا کنارہ مراد ہے
اور جب قنیہ سے ظاہر ہوا کہ چار انگل کا حاشیہ زریں ظاہر مذہب میں جائز ہے تو رخصت شرع بھی ثابت ہو گئی واللہ اعلم وحل توسدہ وافتراشہ والنوم
علیہ وقالا والشافعی ومالک حرام وہو الصحیح کما فی المواہب قلت فلیحفظ ہذا لکنہ خلاف المشہور اور ریشمی کپڑے کا تکیہ بنانا اور اس کا فرش بچھانا
اور اس پر سو رہنا حلال ہے اور صاحبین اور امام شافعی اور مالک نے کہا حرام ہے اور یہی قول حرمت کا صحیح ہے کما فی المواہب میں کہتا ہوں
تو اس تصحیح کو یاد رکھنا چاہیے لیکن یہ تصحیح مذہب مشہور کے مخالف ہے م شرنبلالیہ میں ہے کہ یہ تصحیح متون معتبرہ مشہورہ اور شروح کے مخالف ہے
اور بعضوں نے کہا ہے کہ ابو یوسف امام کے ساتھ ہیں حلت کے قول میں کذا فی الطحطاوی واما جعلہ دثارا او ازارا فانہ یکرہ بالاجماع سراج اور کپڑے کے
اوپر ریشمی پہننا یا ریشمی پاجامہ پہننا سو وہ تو بالاتفاق سب کے نزدیک مکروہ ہے کذا فی السراج م شعار وہ کپڑا ہے جو بدن سے لگا ہوا اور دثار وہ ہے
جو بدن سے متصل نہ ہو واما الجلوس علی الفضۃ فحرام بالاجماع شرح مجمع اور چاندی کی چیز پر تو بیٹھنا بالاجماع حرام ہے کذا فی شرح المجمع وحل لبس
ماسداہ ابریسم ولحمتہ غیرہ ککتان وقطن وخز لان الثوب انما یصیر ثوبا بالنسج والنسج باللحمۃ فکانت ہی المعتبرۃ دون السدی ۔ اور حلال ہے [illegible]
جس کا تانا ریشم ہے اور اس کا بانا ریشم کے سوا اور چیز کا ہے چنانچہ کتان یا السی کی چھال کا یا روئی کا یا خز یعنے دریائی جانور کے روئیں کا اس واسطے
کہ کپڑا تو کپڑا نہیں ہوتا مگر بناوٹ سے اور بناوٹ ہوتی ہے بانے سے تو کپڑے کی حقیقت میں بانا ہی معتبر ٹھہرا نہ تانا قلت وفی الشرنبلالیۃ عن المواہب
یکرہ ماسداہ ظاہر کالعتابی وقیل لایکرہ ونحوہ فی الاختیار قلت ولایخفی ان المرجح اعتبار اللحمۃ کما یعلم من العزمیۃ بل فی المجتبی ان اکثر المشائخ افتوا
بخلافہ میں کہتا ہوں اور شرنبلالیہ میں مواہب سے ہے کہ مکروہ ہے وہ کپڑا جس کا تانا ظاہر اور نمودار ہو چنانچہ عتابی کپڑے میں بانے سے زیادہ
تانا ریشم کا ظاہر رہتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ وہ مکروہ نہیں اور اسی کے مانند اختیار میں ہے میں کہتا ہوں بانے کے اعتبار کرنے کا قول

رجح ہے چنانچہ عزمیہ سے معلوم ہوتا ہے بلکہ مجتبےٰ میں صاف مذکور ہے کہ اکثر مشائخ نے یہ خلاف اس کے فتوی دیا ہے یعنے برخلاف کراہت کے
م کراہت پر فتوے دیا ہے م ملتقی اور اس کی شرح میں ہے جس کا تانا ریشم ہے اور بانا روئی وغیرہ کا ہے تو وہ حلال ہے خواہ بانا کم ہو یا زیادہ
ا پر ریشم کے اور بعضوں نے کہا جب بانا غالب ہو تب حلال ہے اور صحیح پہلا قول ہے چنانچہ محیط اور قہستانی میں ہے کذا فی الطحطاوی وفی شرح
ع الخز صوف غنم البحر انتہی قلت وہذا کان فی زمانہم واما الان فمن الحریر وحینئذ فیحرم برجندی وتاتارخانیہ فلیحفظ اور شرح مجمع میں ہے کہ خز بفتح خاء
ء وزاء منقوطہ مشددہ دریائی بھیڑ کا صوف ہے انتہی میں کہتا ہوں اور یہ یعنی اطلاق خز کا صوف پر فقہائے سابقین کے زمانے میں تھا اور اب تو
حریر سے ہوتا ہے اور اس وقت میں تو خز حرام ہے کذا فی البرجندی والتتارخانیہ تو اس اصطلاح متقدمین اور متاخرین کو یاد رکھنا چاہیے تو حرام کو
تدلال قول سابقین کوئی حلال نہ سمجھے وحل عکسہ فی الحرب فقط لو صفیقا یحصل بہ اتقاء العدو فلو رقیقا حرم بالاجماع لعدم الفائدۃ سراج اور
س سابق حلال ہے فقط لڑائی میں یعنی جس کا تانا روئی وغیرہ کا ہو اور بانا ریشم کا ہو وہ جنگ میں درست ہے بشرطیکہ وہ گاڑھا ہو جس کے سبب
ے صدمات دشمن سے بچاؤ حاصل ہو تو اگر باریک ہوگا تو وہ لڑائی میں باتفاق حرام ہے بے فائدہ ہونے کے سبب سے کذا فی السراج م لفظ
ع کا خلل عنقریب معلوم ہوگا واما خالصہ فیکرہ فیہا عندہ خلافا لہما ملتقی اور خالص حریر یعنی جس کا تانا اور بانا دونوں ریشم ہو تو وہ امامؒ کے نزدیک
ۂ میں حرام ہے اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے کذا فی الملتقی م جوہرہ میں ہے کہ اگر حریر باریک ہو تو اس کا پہننا جنگ میں باتفاق امام اور
ین سے حلال نہیں اس واسطے کہ حفاظت عدو کا فائدہ اس میں حاصل نہیں انتہی لیکن ظاہر ہدایہ اس کے مخالف ہے اس واسطے کہ اس میں لو
کہ حریر اور دیبا جنگ میں صاحبین کے نزدیک جائز ہے اس واسطے کہ اس میں ضرورت ہے اور حریر خالص اذیت سلاح کا دافع ہے اور دشمن
نکھ میں رعب ڈالتا ہے اپنی چمک دمک سے انتہی تو جب حریر خالص مطلقاً صاحبین کے نزدیک جائز ہوا جنگ میں تو جس کا فقط بانا ریشم ہے کیونکر
ز نہ ہوگا تو اجماع سابق کی حکایت صحیح نہیں کذا فی الطحطاوی قلت ولم ار مالو خلطت اللحمۃ بابریسم وغیرہ والظاہر اعتبار الغالب میں کہتا ہوں
ں نے اس کپڑے کا حکم نہیں دیکھا جس کا بانا ریشم اور غیر ریشم سے مخلوط ہو اور ظاہر اغالب کا اعتبار ہے یعنے اگر ریشم غالب ہے تو حرام ہے اور اگر
یشم غالب ہے تو حلال وفی الحاوی الزاہدی یکرہ ماکان ظاہرہ قزا وخطا منہ خز وخطا منہ قز وظاہر المذہب عدم جمع المتفرق الا اذا کان خط منہ قز و
منہ غیرہ بحیث یری کلہ قزا فاما اذا کان کل واحد مستبینا کالطراز فی العمامۃ فظاہر المذہب انہ لا یجمع انتہی واقرہ شیخنا قلت وقد علمت ان العبرۃ
ملا للظاہر علی الظاہر فافہم اور حاوی زاہدی میں ہے کہ مکروہ ہے جس کے ظاہر میں تو ریشم نمودار ہو اور حالانکہ اس کی ایک دھاری اون کی
ور ایک دھاری ریشم کی اور ظاہر مذہب عدم جمع متفرق ہے مگر اس صورت میں خطوط متفرقہ جمع کئے جاویں گے جب کہ اس میں ایک دھاری
کی ہو اور ایک غیر ریشم کی ہو اس طرح پر کہ سب ریشم ہی دکھائی دیتا ہو سو اگر ایک دھاری جدا جدا نمودار ہو جیسے عمامہ کا نقش ونگار تو ظاہر مذہب
ہے کہ متفرقات کو جمع نہ کریں گے انتہی مانی الحاوی اور ہمارے استاد نے اس قول کو مان لیا ہے میں کہتا ہوں اور مقرر تو عنقریب معلوم کر
ہے کہ حلت اور حرمت میں بانے کا اعتبار ہے نہ ظاہر کی نمودار کا بنا بر قول ظاہر المذہب کے تو اس کو سمجھ لے یعنے اگر اس کپڑے کا
ریشم کا نہیں تو وہ مکروہ نہیں گو ریشم ہی نمودار ہو وکرہ لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال اور مردوں کو مکروہ ہے کسم کا رنگا کپڑا
ور زعفران کا رنگا کپڑا سرخ اور زرد م یعنے دونوں قسم کا زعفرانی رنگ سرخ اور زرد مکروہ ہے اور زعفران کے سوا اور چیز کا زرد رنگ مکروہ
ں کذا فی الطحطاوی تو معلوم ہوا کہ ہلدی اور ناسپال اور ہارسنگار وغیرہ کا زرد رنگ مکروہ نہیں مرد کو ہاں مگر ورس کا رنگ بھی مکروہ ہے چنانچہ
ری قاضی خاں میں ہے ورس ایک گھاس ہے اس کا رنگ زرد ہوتا ہے مفادہ انہ لا یکرہ للنساء مرد کی قید اس کی مفید ہے کہ کسم اور زعفران

کا رنگ عورتوں کے واسطے مکروہ نہیں ہے ولا باس بسائر الالوان اور کچھ مضائقہ نہیں کسم اور زعفران کے باقی رنگوں میں مرد کے واسطے دفی المجتبے والقہستانی وشرح النقایۃ لابی المکارم لاباس بلبس الثوب الاحمر انتہی ومفادہ ان الکراہۃ تنزیہیۃ اور مجتبے اور قہستانی اور ابوالمکارم کی شرح نقایہ میں ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں سرخ کپڑے کے پہننے میں انتہی اور یہ کلام کراہت تنزیہی کا مفید ہے م اس واسطے کہ لاباس کا کلمہ اکثر ترک اولی میں مستعمل ہوتا ہے کذا فی المنح یہ گفتگو ہے اس سرخی میں جو کسم اور زعفران کے سوا اور چیز سے ہو چنانچہ لاکھ اور مجیٹھ اور آل اور کرمدانہ کی لکن صرح فی التحفۃ بالحرمۃ فافاد انہا تحریمیۃ وہی المحمل عند الاطلاق قالہ المصنف قلت وللشرنبلالی فیہا رسالۃ فیہا ثمانیۃ اقوال منہا انہ مستحب لیکن تحفہ میں ثوب احمر کی حرمت کی تصریح کی ہے تو حرمت کی لفظ نے کراہت تحریمی کا فائدہ دیا اور کراہت تحریمی ہی محمل اطلاق کے وقت یعنے جب مطلق کراہت بولتے ہیں بلاقید تنزیہ اور تحریم کے تو کراہت تحریمی ہی مراد ہوتی ہے ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں شارح نے کہا میں کہتا ہوں اور شرنبلالی کا سرخی کے احکام میں ایک رسالہ ہے اس میں آٹھ قول مذکور ہیں از انجملہ ایک قول یہ ہے کہ ثوب احمر مستحب ہے م امام اعظم رح سے روایت ہے کچھ مضائقہ نہیں سرخ اور سیاہ رنگ میں کذا فی العالمگیریۃ عن الملتقط **ولا یتحلی الرجل بذہب وفضۃ مطلقا** اور مرد زیور نہ پہنے سونے چاندی کا مطلقا کسی حال میں نہ جنگ میں نہ اس کے سوا میں **الا بخاتم ومنطقۃ وحلیۃ سیف منہا** ای الفضۃ **اذا لم یرد بہ التزین** مرد کو سونے چاندی کا زیور حلال نہیں مگر انگوٹھی اور کمر بند پیٹی اور تلوار کا زیور چاندی سے حلال ہے بشرطیکہ اس سے آرائش کا قصد نہ کرے یعنے وہ آرائش جو منجر بہ تجبر اور تکبر ہو م قنیہ میں ہے کچھ مضائقہ نہیں اس کمر بند کا جس کے دونوں کناروں پر چاندی کے دو حلقے ہوں انتہی ظہیریہ میں ہے کہ اگر تمام منطقہ چاندی کا ہو یا اکثر تو مکروہ ہے انتہی اور تلوار کا زیور اس شرط سے حلال ہے کہ چاندی کی جگہ پر ہاتھ نہ لگا دے اور حمائل سیف منجملہ حلیہ سیف ہے ہر چند کمر بند اور حلیہ سیف سونے کا درست نہیں لیکن چاندی پر سونے کا ملمع درست ہے اس واسطے کہ طلا مستہلک ہے کذا فی الطحطاوی وفی المجتبی لا یحل استعمال منطقۃ وسطہا من دیباج وقیل یحل اذا لم یبلغ عرضہا اربع اصابع وفیہ بعد سبع ورق ولا یکرہ فی المنطقۃ حلقۃ حدید ونحاس وعظم ویجئ حکم لبس اللؤلؤ اور مجتبے میں ہے کہ استعمال ایسی پیٹی کا حلال نہیں جس کا بیچ دیبا ہو اور بعضوں نے کہا حلال ہے بشرطیکہ عرض اس کا ۴ انگل کا نہ ہو اور اس میں سات ورق کے بعد یوں ہے کہ پیٹی میں حلقہ لوہے اور تانبے اور ہڈی کا مکروہ نہیں اور موتیوں کے پہننے کا حکم آگے آوے گا **ولا یتختم الا بالفضۃ** لحصول الاستغناء بہا اور انگوٹھی نہ پہنے مگر چاندی کی بسبب حاصل ہو جانے بے پروائی کے چاندی سے یعنے چاندی سے حاجت رفع ہو گئی تو اب سونے اور لوہے وغیرہا کی کچھ حاجت باقی نہ رہی فیحرم بغیرہا کحجر وصحح السرخسی جواز الیشب والعقیق وعمم ملا خسرو **وذہب وحدید وصفر** ورصاص وزجاج وغیرہا لما مر تو چاندی کے سوا انگوٹھی پہننا حرام ہے جیسے پتھر اور سونے اور لوہے اور پیتل اور رانگ اور سیسے وغیرہا بدلیل گذشتہ یعنی چاندی نے کسی کی حاجت باقی نہ رکھی اور سرخسی نے جواز یشب اور عقیق کی تصحیح کی ہے اور ملا خسرو نے دُرر غرر میں سب پتھروں کی انگوٹھی کو جائز کہا ہے م یہ گفتگو حلقہ انگشتری میں ہے اور نگین تو بالاتفاق درست ہے چنانچہ اس کا ذکر عنقریب آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیتل کی انگوٹھی کو فرمایا کہ اس سے بتوں کی بو آتی ہے اور لوہے کی انگوٹھی کو فرمایا کہ دوزخیوں کا زیور ہے اور سونے کی انگوٹھی کو فرمایا کہ یہ زیور ہے بہشتیوں کا کذا فی العینی شرح الہدایۃ عن ابی داؤد والتر والنسائی لبعض اشخاص یشب میں کشف اور ریشم درست کہتے ہیں فاذا ثبت کراہۃ لبسہا للتختم ثبت کراہۃ بیعہا وصوغہا لما فیہ من الاعانۃ علی ما لا یجو وکل ما ادی الی ما لا یجوز لا یجوز وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ پھر جب سونے وغیرہ کی انگوٹھی پہننے کی کراہت ثابت ہو گئی تو اس کو بیچنے اور بنانے کی بھی کراہت ثابت ہو گئی اس لئے کہ اس میں اعانت ناجائز ہے اور جو فعل کہ ناجائز کی طرف موذی ہو وہ بھی ناجائز ہے اور اس کا تمام بیان شرح وہبانیہ میں ہے **والعبرۃ بالحلقۃ** من الفضۃ **لا بالفص فیجوز** من حجر وعقیق ویاقوت وغیرہا اور چاندی کی انگشتری میں حلقہ کا اعتبار ہے نگین کا

سو اگر چاندی کا حلقہ ہو تو نگینہ ہر چیز پتھر اور عقیق اور یاقوت وغیرہا کا جائز ہے م یہ جو مذکور ہوا کہ پتھر کی انگوٹھی جائز نہیں تو مراد یہ ہے کہ پتھر کا حلقہ انگشتری کا درست نہیں پتھر کا نگینہ درست ہے وحل مسمار الذہب فی حجر الفص اور حلال ہے سونے کی کیل پتھر کے نگین میں م کیل ٹھونکی جاتی ہے استحکام کے واسطے تاکہ نگینہ مضبوط ہے جدا نہ ہو وجہ جواز یہ ہے کہ سونا یہاں چاندی کا تابع ہے حریر کے نقش ونگار کے مانند ویجعلہ ببطن کفہ فی یدہ الیسری وقیل الیمنی الا انہ من شعار الروافض فیجب التحرز عنہ قہستانی وغیرہ قلت ولعلہ کان وبان فتبصر اور انگوٹھی کو کف دست کے اندر رکھے بائیں ہاتھ میں اور بعضوں نے کہا دہنے ہاتھ میں مگر یہ طریقہ ہے رافضیوں کا تو اس سے پرہیز کرنا واجب ہے کذا فی القہستانی وغیرہ میں کہتا ہوں اور شاید کہ یہ کبھی رافضیوں کا طریقہ ہوگا سو منفصل اور منقرض ہو گیا سو دیکھ لے م عورتیں انگوٹھی ظاہر کف دست کی طرف رکھیں برخلاف مردوں کے اس واسطے کہ عورت زینت کے واسطے پہنتی ہے اور مرد حاجت کے واسطے کذا فی محیط السرخسی وینقش اسمہ او اسم اللہ تعالیٰ لا لتمثال طیر او انسان ولا محمد رسول اللہ ولا یزیدہ علی مثقال اور نگین پر اپنا نام یا اللہ تعالیٰ کا نام نقش کرے چڑیا یا آدمی کی صورت نقش نہ کرے اور نہ محمد رسول اللہ کندہ کرے اور نہ وزن انگوٹھی کا مثقال سے زیادہ کرے م اگر اللہ تعالیٰ کا نام ہو تو انگوٹھی بہ استنجا یا داہنے ہاتھ میں کرے اگر بائیں ہاتھ میں ہو محمد رسول اللہ کا کندہ اس واسطے درست نہ ہوا کہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نقش خاتم تھا اس طرح کہ ایک سطر میں محمد منقوش تھا اور دوسری سطر میں رسول اور تیسری میں اللہ اور صدیق اکبر کے نگین پر نعم القادر اللہ[1] تھا اور عمر فاروق کا نقش نگین کفی بالموت واعظاً[2] اور ذی النورین کا نقش لتصبرن او لتندمن[3] اور علی مرتضیٰ کا نقش الملک للہ[4] اور امام ابو حنیفہ کا نقش قل الخیر والا فاسکت[5] اور امام ابو یوسف کا نقش من عمل برایہ فقد ندم[6] اور محمد بن حسن کا نقش من صبر ظفر[7] تھا کذا فی الطحطاوی عن الدر المنتقی عن البستان مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشے ہے وترک التختم لغیر السلطان والقاضی وذی حاجۃ الیہ کمتولی افضل اور سلطان اور قاضی اور محتاج الیہ چنانچہ متولی کے غیر کو انگوٹھی کا ترک کرنا افضل ہے م یعنے بادشاہ اور قاضی اور متولی وقف محتاج الیہ خلائق ہیں تو ان کو مہر رکھنا ضروری ہے ان کے سوا اور شخصوں کو حاجت نہیں تو بہتر یہ ہے کہ ترک تختم کریں یہ قول ہے تمرتاشی کا اور فقیہ ابو اللیث نے کہا بعضوں نے غیر سلطان کے واسطے انگوٹھی رکھنا مکروہ کہا ہے لیکن جمہور علما نے اس کی اجازت دی ہے چنانچہ جواہر اخلاطی میں لکھا ہے کذا فی العالمگیریۃ ولا یشد سنہ المتحرک بذہب بل بفضۃ وجوزہما محمد اور اپنے ہلتے دانت کو سونے کے تار سے نہ باندھے بلکہ چاندی سے باندھے اور محمد نے چاندی سونے دونوں سے جائز کہا ہے ویتخذ انفا منہ لان الفضۃ تنتنہ اور سونے سے ناک بنا دے یعنی درصورت قطع اس واسطے کہ چاندی گندہ کر دیتی ہے اس کو وکرہ الباس الصبی ذہبا او حریرا فان ما حرم لبسہ وشربہ حرم الباسہ واشرابہ اور طفل صغیر کو سونا اور ریشمی کپڑا پہنانا مکروہ ہے اس لئے کہ جس کا پہننا اور پینا حرام ہے اس کا پہنانا اور پلانا بھی حرام ہے م حدیث میں سونا اور ریشمی کپڑا مرد پر حرام ہے خواہ مرد بالغ ہو یا نابالغ لا یکرہ خرقۃ لوضوء بالفتح بقیۃ بللہ او مخاط او عرق لو لحاجۃ ولو للتکبر تکرہ مکروہ نہیں رومال رکھنا وضو کا پانی پونچھنے کے واسطے یا رینٹ یا پسینہ پونچھنے کے واسطے بشرطیکہ رفع حاجت کے واسطے ہو اور اگر رومال تکبر اور تجبر کے واسطے ہو تو مکروہ ہے شارح نے کہا وضو بفتح واو عبارت ہے اس تری سے جو وضو کرنے کے بعد اس اعضا پر باقی ہو ولا الرتیمۃ ہی خیط یربط باصبع او خاتم للتذکر الشیٔ والحاصل ان کل ما فعل تجبرا کرہ وما فعل لحاجۃ لا عنایۃ اور رتیمہ مکروہ نہیں رتیمہ وہ تاگا ہے جو انگلی یا انگوٹھے پر باندھا جائے بات یاد رکھنے کے واسطے اور خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز تکبر کے واسطے کرے وہ مکروہ اور جو ضرورت اور حاجت کے واسطے کرے وہ مکروہ نہیں کذا فی العنایۃ

ف نقوش نگین اکابر [1] اچھا قادر اللہ تعالیٰ رب ہے ۱۲ [2] کافی ہے موت نصیحت کو ۱۲ [3] صبر کر ورنہ ندامت اٹھائے گا ۱۲ [4] ملک اللہ کا ہے ۱۲

[5] بہتر کہہ ورنہ چپ رہ ۱۲ [6] جس نے اپنی رائے پر عمل کیا وہ شرمندہ ہوا ۱۲ [7] جس نے صبر کیا وہ جیت گیا ۱۲

فرع مسئلہ ملحقہ شارح فی المجتبے التمیمۃ المکروہ ماکان بغیر العربیۃ مجتبے میں ہے کہ مکروہ تعویذ وہ ہے جو عربی کے سوا اور زبان میں ہو تعلیق تعویذ میں
لٹکانا ۱۲
مضائقہ نہیں لیکن بیت الخلا جانے میں اور قربت کے وقت میں اتار ڈالے کذافی العالمگیریۃ

فصل فی النظر والمس

اس فصل میں دیکھنے اور چھونے کے احکام مذکور ہیں

وینظر الرجل من الرجل ومن غلام بلغ حد الشہوۃ مجتبے ولو امرد صبیح الوجہ وقد مر فی الصلوۃ اور دیکھے ایک مرد دوسرے مرد کے بدن کو اور اس گبرو کے بدن کو جو حد شہوت کو پہونچ گیا ہو یعنی مراہق قریب البلوغ کو کذافی المجتبے اگرچہ وہ بے ریشہ خوبصورت ہو اور اس کا ذکر کتاب الصلوۃ میں گذر گیا م امرد صبیح کا دیکھ اس وقت حلال ہے جب کہ شہوت کی راہ سے اس کو نہ دیکھے والا وہ بمنزلہ عورت کے ہے از سر تا قدم اس کو دیکھنا اور خلوت کرنا حلال نہیں کذا فی العالمگیریۃ والاولی تنکیر الرجل لئلا یتوہم ان الاول عین الثانی وکذا الکلام فیما بعد قہستانی قلت وقرینۃ المقام تکفی فتدبر اور بہتر یہ تھا کہ مصنف لفظ رجل کو نکرہ لاتا نہ معرف بالف ولام تاکہ اس کا وہم نہ آتا کہ رجل اول رجل ثانی کا عین ہے اس واسطے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب باللام مکرر آتا ہے تو ثانی عین ہوتا ہے اول کا اور اسی طرح کا کلام ہے اس کے مابعد میں یعنے تنظر المرأۃ من المرأۃ کذافی القہستانی میں کہتا ہوں اور قرینہ مقام مغائرت کے واسطے کفایت کرتا ہے ثم نقل عن الزاہدی انہ لو نظر لعورۃ غیرہ باذنہ لم یاثم قلت وفیہ نظر ظاہر بل لفظ الزاہدی نظر لعورۃ غیرہ وہی غیر بادیۃ لم یاثم انتہی فلیحفظ پھر قہستانی نے زاہدی سے یہ نقل کیا کہ ایک مرد دوسرے مرد کی شرمگاہ کو دیکھے اس کے اذن سے تو گنہگار نہ ہوگا میں کہتا ہوں اس میں تو صریحاً اعتراض ہے بلکہ زاہدی کی عبارت یوں ہے کہ ایک مرد نے غیر شخص کی شرمگاہ کی طرف نظر کی اور حالانکہ اس کی شرمگاہ غیر ظاہر ہے یعنے کپڑے سے ڈھکی ہے تو دیکھنے والا گنہگار نہ ہوگا انتہی کلام البزازی تو قہستانی کی غلط فہمی کو یاد رکھنا چاہیے م زیلعی میں ہے عورت کے بدن میں تامل کرنے کا مضائقہ نہیں اگر اس پر کپڑے ہوں بشرطیکہ کپڑے سے اس کا حجم معلوم نہ ہوتا ہو اور اگر حجم معلوم ہوتا ہو تو نظر نہ کرے بدلیل حدیث رسول خدا علیہ الصلوۃ والسلام کے کہ جو شخص عورت کو تامل کرے اور اس کے کپڑے دیکھے یہاں تک کہ اس کی ہڈیوں کا حجم ظاہر ہو جائے ت وہ شخص بہشت کی خوشبو نہ سونگھے گا کذافی الطحطاوی سوی مابین سرتہ الی ماتحت رکبتہ فالرکبۃ عورۃ لاالسرۃ ایک مرد دوسرے مرد کے بدن کو دیکھے سوائے اس بدن کے جو مابین اس کی ناف کے ہے اس کے گھٹنوں کے نیچے تک یعنی زیر ناف سے زیر زانو تک نظر کرنا حلال نہیں تو عبارت متن سے معلوم ہوا کہ زانو عورت اور واجب الستر ہے اور ناف عورت نہیں م عورت غلیظہ مبال اور مبرز ہے اس کے بعد ران اس کے بعد زا تو اگر غیر شخص کا زانو کھلا دیکھے تو اس پر نرمی سے انکار کرے نزاع نہ کرے اور اگر ران کھلی دیکھے تو اس پر درشتی سے انکار کرے اور اگر عورت غلیظ کھلی دیکھے تو ڈھکنے کا امر کرے اور ادب دے یعنے اگر نہ مانے تو مارے کذافی العالمگیریۃ ومن عرسہ وامتہ الحلال لہ وطیہا فخرج المجوسیۃ والمکا والمشترکۃ ومنکوحۃ الغیر والمحرمۃ برضاع او مصاہرۃ فحکمہا کالاجنبیۃ مجتبے ویشکل بالمفضاۃ فانہ لایحل لہ وطیہا وینظر الیہا قہستانی قلت وقد یجاب بانہ اعلی الی فرجہا بشہوۃ وغیرہا والاولی ترکہ لانہ یورث النسیان اور مرد اپنی زوجہ کی اور اپنی اس لونڈی کی جس کی قربت اس کو حلال ہے فرج کی طرف نظر کرے شہوت سے اور بدوں شہوت کے اور شرمگاہ کا نہ دیکھنا بہتر ہے کہ نسیان پیدا کرتا ہے حلال لونڈی کی قید سے مجوسی لونڈی اور مکاتبہ لونڈی اور شراکت کی لونڈی اور غیر کی منکوحہ لونڈی اور جو لونڈی کہ شیر خوارگی یا مصاہرت کے سبب سے حرام ہے نکل گئی اس واسطے کہ ان لونڈیوں کا حکم بیگانی لونڈی کی برابر ہے کذافی المجتبے اور اس قاعدہ پر کہ جس کی وطی درست ہے اس کی شرمگاہ دیکھنا درست ہے لیکن وارد ہوتا ہے اس عورت کا جس کا پیش[1] اور پس[2] ایک ہوگیا ہے پردہ پھٹ کر کہ اس کی وطی تو حلال نہیں اور نظر کرنا حلال ہے کذافی القہستانی

---

[1] پیشاب کی جگہ ۱۲
[2] پاخانے کی جگہ ۱۲

کہتا ہوں اور گاہے یوں جواب دیا جاتا ہے اس اعتراض کا کہ قاعدہ مذکورہ اکثری ہے نہ کلی م لونڈی کی حرمت بالمصاہرۃ کی صورت یہ ہے کہ مدخولہ وہ ماں ہو یا بیٹی زیلعی میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ زوجین میں سے ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی اپنی زوجہ کے پاس جاوے تو تستر کرے جتنا ہو سکے اور دونوں برہنہ نہ ہو جاویں گدھوں کے مانند کذا فی الطحطاوی ومن محرمہ ہی من لا یحل لہ نکاحہا ابدا بنسب او سبب ولو بزنی الی الراس والوجہ والصدر والساق والعضد ان امن شہوتہ وشہوتہا ایضا ذکرہ فی الہدایۃ فمن قصر علی الاول فقد قصر ابن کمال اور دیکھے مرد اپنی محرم عورت کا سر اور منہ اور سینہ اور پنڈلی او بازو اگر اپنی شہوت سے بے خوف ہو اور اس کی شہوت سے بھی ایسا ذکر کیا ہے ہدایہ میں سو جس شخص نے مرد کی شہوت پر اقتصار کیا سو اس نے قصور کیا بیان میں کذا ذکرہ ابن کمال محرم وہ عورت ہے جس کے ساتھ نکاح کرنا مرد کو کبھی حلال نہیں بسبب نسب کے یا سبب کے اگرچہ حرمت سببی حرامکاری سے ہو م محرمات نسبی چنانچہ ماں بہن خالہ عمہ دادی نانی اور محرمات سببی چنانچہ دایہ اور اس کے اصول اور فروع اور خوشدامن والا لا اور اگر طرفین سے خوف ہو شہوت کا تو اعضاء مذکور کی طرف نظر کرنا حلال نہیں لا الی الظہر والبطن خلافا للشافعی والفخذ نہ دیکھے مرد اپنی محرم عورت کی پیٹھ اور پیٹ اور ران کی طرف پیٹھ اور پیٹ میں امام شافعی کا خلاف ہے واصلہ قولہ تعالی ولا یبدین زینتہن الا لبعولتہن الآیۃ وتلک المذکورات مواضع الزینۃ بخلاف الظہر ونحوہ اور نظر محارم میں اصل اللہ تعالے کا یہ قول ہے کہ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنی ازواج کو یا اپنے آباء اور اجداد کو یا اپنی ازواج کے آباء اور اجداد کو یا اپنے فرزندوں کو یا اپنی ازواج کے فرزندوں کو یا اپنے بھائیوں کو یا بھتیجوں کو یا بھانجوں کو یا اپنی عورتوں کو یا مملوک کو اور یہ اعضاء مذکورہ مواضع ہیں زینت کے برخلاف پیٹھ اور پیٹ کے کہ وہ زینت کے مکان نہیں م آیہ شریف میں نفس زینت اور زیور مراد نہیں اس واسطے کہ زیور کو مطلقاً نظر کرنا مباح ہے لیکن مواضع زینت کے مراد ہیں تو سر تاج کا مکان ہے اور چہرہ سرمہ کا مکان ہے اور گردن اور سینہ ہار اور جگنو وغیرہ کا موضع ہے اور کان بالیوں کی جگہ ہے اور بازو موضع ہے بازوبند کا اور کلائی کنگن اور چوڑیوں کی جگہ ہے اور کف دست موضع انگشتری اور حنابندی ہے اور پنڈلی موضع خلخال ہے اور قدم محل حنابندی ہے کذا فی الزیلعی اور بال موضع ہے موباف کا کذا فی العینی وحکم امتہ غیرہ ولو مدبرۃ او ام ولد کذلک فینظر الیہا کمحرمہ اور غیر شخص کی لونڈی کا حکم اگرچہ وہ مدبرہ یا ام ولد ہو اسی طرح ہے تو مرد اس کو دیکھے اپنی محرم عورت کے مانند م لونڈیاں گھر باہر کے کام کے واسطے ہوتی ہیں تو اگر ان کے اعضاء مذکورہ کا کھلنا جائز نہ ہوتا غیروں سے تو نہایت تنگی ہوتی تو ضرورت اباحت نظر اور لمس کی موجب ہوئی وما حل نظرہ مما مر من ذکر او انثی حل لمسہ[1] اذا امن الشہوۃ علی نفسہ وعلیہا لانہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یقبل راس فاطمۃ وقال علیہ الصلوۃ والسلام من قبل رجل امہ فکانما قبل عتبۃ الجنۃ وان لم یامن ذلک او شک فلا یحل لہ النظر والمس کشف الحقائق لابن سلطان والمجتبے اور جس کا دیکھنا حلال ہے منجملہ مرد یا عورت کے جو بیان ہو چکا تو اس کا چھونا بھی حلال ہے بشرطیکہ مرد کو اپنی ذات پر اور عورت کو اپنی ذات پر شہوت کا خوف نہ ہو اس واسطے چھونا درست ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا علیہا السلام کا سر چومتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مرد اپنی ماں کا قدم چومے تو اس نے گویا آستانہ بہشت کو چوما اور اگر شہوت کا خوف ہو یقیناً یا تردد کرے شہوت اور عدم شہوت میں تو اس کو حلال نہیں نظر کرنا اور چھونا کذا فی کشف الحقائق لابن سلطان والمجتبی الا من اجنبیۃ فلا یحل مس وجہہا وکفہا وان امن الشہوۃ لانہ اغلظ ولذا ثبت بہ حرمۃ المصاہرۃ جس کا دیکھنا حلال اس کا چھونا حلال ہے اجنبی عورت کے سوا کہ اس کا چہرہ اور کف دست دیکھنا حلال مگر ان کا چھونا حلال نہیں اگرچہ مرد کو شہوت کا خوف نہ ہو اس واسطے کہ چھونا سخت تر ہے نظر سے اور اسی واسطے چھونے سے حرمت

---

[1] ایک نسخہ میں مسہ ہے بجائے لمسہ کے ۱۲

مصاہرت کی ثابت ہو جاتی ہے وہذا فی الشابۃ واما العجوز التی لاتشتہی فلا باس بمصافحتہا ومس یدہا اذا امن اور یہ یعنی چہرہ اور کف دست کا نہ چھونا اجنبی جوان عورت کے حق میں ہے اور ایسی نذیٹ بڈھی جو شہوت اور رغبت کے لائق نہیں رہی تو اس کے مصافحہ کرنے اور اس کے چھونے کا مضائقہ نہیں جب کہ شہوت سے نڈر ہو ومتی جاز المس جاز سفرہ بہا ویخلو اذا امن علیہ وعلیہا والا لا اور جب کہ بڈھی کا ہاتھ چھونا درست ہوا تو مرد کو اس کے ساتھ سفر کرنا بھی درست ہوگا اور خالی مکان میں اس کے پاس ہونا بھی جائز ہے بشرطیکہ دونوں طرف سے شہوت کا خوف نہ ہو اور اگر شہوت کا احتمال ہو تو خلوت اس کے ساتھ بھی درست نہیں کذا فی العالمگیریۃ عن المحیط وفی الاشباہ الخلوۃ بالاجنبیۃ حرام الا لملازمۃ مدیونۃ ہربت ودخلت خربۃ او کانت عجوزا شوہاء او بحائل اور اشباہ میں ہے کہ خلوت یعنی خالی مکان میں مرد کا ہونا اجنبی غیر محرم عورت کے ساتھ حرام ہے مگر اس عورت مدیونہ کی ملازمت کے واسطے خلوت درست ہے جو صاحب دین سے بھاگی اور ویرانے گھر میں گھس گئی یا خلوت درست ہے اس بڈھی عورت سے جو نہایت بدصورت ہو یا خلوت درست ہے کسی چیز کے حائل ہونے کے سبب سے یعنی کوئی چیز مرد و عورت اجنبی کے درمیان آڑ اگر ہو اور وہ دونوں ایک مکان میں ہوں کذا فی الطحطاوی عن الاشباہ والخلوۃ بالمحرم مباحۃ الا الاخت رضاعا والصہرۃ الشابۃ اور خلوت محرم عورت کے ساتھ مباح ہے مگر رضاعی بہن اور خوش دامن جوان کے ساتھ خلوت مباح نہیں فی الشرنبلالیۃ معزیا للجوہرۃ ولایکلم الاجنبیۃ الا عجوزا عطست او سلمت فیشمتہا ویرد السلام علیہا والا لا اور شرنبلالیہ میں جوہرۃ سے منقول ہے اور مرد نہ بولے اجنبی عورت سے مگر جب کہ بڈھی عورت چھینکے یا سلام کرے تو مرد اس کو یرحمک اللہ کہے اور سلام کا جواب دے اور اگر جوان ہو تو جواب نہ دے یعنے بلند آواز سے م خانیہ میں ہے کہ جب غیر محرم عورت مرد کو سلام کرے اگر بڈھی ہے تو مرد آواز سے جواب دے کہ وہ سنے اور اگر جوان عورت ہو تو سلام کا جواب اپنے دل میں کہے اور مرد اگر اجنبی عورت کو سلام کرے تو اس میں بالعکس حکم ہے خانیہ میں ہے کہ اگر مرد چھینکے اور عورت یرحمک اللہ کہے تو اگر بڈھی ہے تو جواب دے اور اگر جوان ہے تو اپنے دل میں جواب دے غرائب میں ہے کہ اگر جوان خوبصورت عورت چھینکے تو غیر محرم مرد پکار کے یرحمک اللہ نہ کہے کذا فی الطحطاوی وبہ بان ان لفظۃ لا فی نقل القہستانی ویکلمہا بما لا یحتاج الیہ زائدۃ فتنبہ اور جوہرہ کی روایت مذکورہ سے ظاہر ہو گیا کہ لفظ لا قہستانی کی اس نقل میں زیادہ ہے یعنے ویکلمہا[1] بما لا یحتاج الیہ تو آگاہ رہنا م یعنے اگر لا کا لفظ زائد نہ ہو تو کلام غیر ضروری کا جواز ثابت ہوا اور حالانکہ جوہرہ سے مذکور ہو چکا کہ اجنبی عورت سے کلام نہ کرے ولہ مس ذلک ای ما حل نظرہ اذا اراد الشراء وان خاف شہوتہ للضرورۃ وقیل لا فی زماننا وبہ جزم فی الاختیار اور اس کا چھونا یعنے جس کا دیکھنا حلال ہے اس کا چھونا مرد کو درست ہے جب کہ لونڈی کی خرید کا ارادہ کرے اگرچہ چھونے میں شہوت کا خوف ہو چھونا درست ہوا ضرورت کے سبب سے اور قول ضعیف یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں چھونا درست نہیں اور عدم جواز پر یقین کیا ہے اختیار میں م یعنی اگر لونڈی کی خرید کا ارادہ کرے تو چہرہ اور ہاتھ پاؤں ٹٹولنا درست ہے تا معلوم ہو کہ نرم بدن ہے یا سخت وامۃ بلغت حد الشہوۃ لا تعرض علی البیع فی ازار واحد یستر ما بین السرۃ والرکبۃ لان ظہرہا وبطنہا عورۃ اور جو لونڈی حد شہوت کو پہونچ گئی ہو اس کو بیع کے واسطے پیش کرنا نہ چاہیے ایک تہبند میں جو ناف سے زانو تک چھپا دے اس واسطے کہ اس کی پیٹھ اور پیٹ کا چھپانا فرض ہے وینظر من الاجنبیۃ ولو کافرۃ مجتبے الی وجہہا وکفیہا فقط للضرورۃ قیل والقدم والذراع اذا اجرت نفسہا للخبز تتارخانیۃ اور اجنبی غیر محرم عورت کے بدن سے اگرچہ وہ کافر ہو کذا فی المجتبی دیکھے مرد فقط اس کے چہرہ اور دونوں کف دست کو ضرورت کے سبب سے بعضوں نے کہا اور قدم اور ہاتھ کو بھی دیکھنا جائز ہے جب کہ وہ نوکری روٹی پکانے کی کرے کذا فی التاتارخانیہ م قدم اجنبیہ کی عورت

---

[1] کلام کرے اس کے ساتھ جس کی حاجت نہ ہو ۱۲

ہونے میں امام اور مشائخ سے اختلاف ہے ہدایہ اور قاضی خاں کی شرح جامع صغیر میں اس کی تصریح ہے کہ قدم عورت نہیں اور محیط میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اقطع اور قاضی خاں نے اپنے فتاوی میں اس کے عورت ہونے کی تصریح کی ہے اور اسبیجابی اور مرغینانی نے اسی کو پسند کیا ہے اور صاحب اختیار نے اس کی تصحیح کی ہے کہ نماز میں تو قدم عورت نہیں اور نماز کے باہر عورت ہے اور شرح منیہ میں مطلقاً عورت ہونے کی ترجیح دی ہے احادیث سے کذا فی الطحطاوی **وعبدہا کالاجنبی معہا** فینظر لوجہہا وکفیہا فقط نعم یدخل علیہا بلا اذنہا اجماعا ولا یسافر بہا اجماعا خلاصۃ وعند الشافعی ومالک ینظر کمحرمہ اور عورت کا غلام اس کے ساتھ اجنبی مرد کی برابر ہے تو فقط اس کا چہرہ اور کف دست پر نظر کرے ہاں اس کے پاس جایا کرے بدوں اس کے اذن کے بالاتفاق اور تنہا اس کے ساتھ سفر نہ کرے بالاتفاق کذا فی الخلاصۃ اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک غلام اپنی بی بی کو دیکھے اس کے محرم کے مانند **فان خاف الشہوۃ او شک امتنع نظرہ الی وجہہا** فحل النظر مقید بعدم الشہوۃ والا فحرام وہذا فی زمانہم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ قہستانی وغیرہ پھر اگر شہوت کا خوف ہو یا شک ہو شہوت اور عدم شہوت میں تو مرد کا نظر کرنا عورت کے چہرہ ممنوع ہے تو نظر کا حلال ہونا شہوت نہ ہونے کے ساتھ مقید ہے اور نہیں تو حرام ہے اور یہ یعنی حلت نظر در صورت عدم شہوت اگلے لوگوں کے زمانہ میں تھا اور ہمارے زمانہ میں تو جوان عورت کا چہرہ دیکھنا ہر طرح ممنوع ہے یعنے فساد زمانہ کے سبب سے کذا فی القہستانی وغیرہ **الا النظر والمس لحاجۃ کقاض وشاہد یحکم ویشہد علیہا** لف ونشر مرتب لا لتحمل الشہادۃ فی الاصح مگر اجنبی عورت کا دیکھنا اور چھونا حاجت اور ضروریات کے سبب سے حلال ہے چنانچہ اس قاضی کا عورت کو دیکھنا جو فیصلہ کرتا ہے اور اس شاہد کا دیکھنا جو مدعا علیہا عورت پر گواہی دیتا ہے جائز نہیں شاہد کا دیکھنا تحمل شہادت کے واسطے صحیح تر قول میں شارح نے کہا یحکم اور یشہد میں لف نشر مرتب ہے م یعنے اگر عورت اپنے دعوے کرنے کے واسطے کسی کو شاہد کرتی ہو تو اس کو نظر کرنا درست نہیں اور اگر کسی مدعی نے عورت پر دعوے کیا ہو تو اس صورت میں شاہد کو نظر کرنا شناخت کے واسطے حلال ہے زیلعی نے کہا کہ قاضی اور شاہد پر واجب ہے کہ صرف حکم اور ادائے شہادت کی نیت سے دیکھیں نہ قضاء شہوت کے واسطے تا بقدر امکان امر قبیح سے بچیں **وکذا مرید نکاحہا** ولو عن شہوۃ بنیۃ السنۃ لا قضاء الشہوۃ اور اسی طرح نکاح کے ارادہ کرنے والے کو عورت کا چہرہ دیکھنا درست ہے گو بشہوت ہو اتباع سنت کی نیت سے دیکھے نہ قضائے شہوت کے قصد سے م ترمذی اور نسائی میں ہے کہ جب مغیرہ بن شعبہ نے ایک عورت سے نکاح کا قصد کیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دیکھ تا کہ تم دونوں میں موافقت اور الفت رہے زیلعی نے کہا لیکن عورت مذکورہ کا چہرہ اور کف دست چھونا درست نہیں کذا فی الطحطاوی **وشراءہا ومداواتہا** اور اسی طرح عورت کے خرید کرنے والے کو اور اس کے علاج کرنے والے کو نظر کرنا درست ہے **ینظر الطبیب الی موضع مرضہا بقدر الضرورۃ** اذ الضرورات تتقدر بقدرہا علاج کرنے والا طبیب عورت کی بیماری کی جگہ کو بقدر ضرورت کے نظر کرے اس واسطے کہ امور ضروریہ بقدر ضرورت ہی کے متعین ہوتے ہیں م شمس الائمہ حلوانی نے کتاب الصوم کی شرح میں کہا کہ حقنہ فقط ضرورت میں جائز ہے اور اگر ضرورت نہ ہو ولیکن اس میں ظاہر منفعت ہو اس طرح کہ حقنہ کے سبب سے قوت باہ حاصل ہوتی ہو تو ہمارے مذہب میں حقنہ حلال نہیں اور اگر خشکی بدن کی اور نحافت ایسی غالب ہو جس سے تلف ہو جانے کا خوف ہو تو حلال ہے اور نہیں تو حلال نہیں کذا فی الطحطاوی **وکذا نظر قابلۃ وختان** اور اسی طرح دائی جنائی کا نظر کرنا اور ختنہ کرنے والے کا بقدر ضرورت حلال ہے م سراجیہ میں ہے کہ حتی الامکان نظر کو بند رکھے یعنی اگر ہاتھ سے کام نکلے تو نظر نہ کرے اور اگر بدوں نظر کے مطلب نہ ہو سکے تو فقط ایک دو بار موضع مرض پر کفایت کرے اجازت عام نہ سمجھے **وینبغی ان یعلم امرأۃ تداویہا** لان نظر الجنس الی الجنس اخف اور لائق یوں ہے کہ طبیب عورت کا علاج کرنا کسی عورت کو سکھا دے کہ وہ عورتوں کا علاج کیا کرے اس واسطے کہ ہم جنس کی نظر سبک تر ہے غیر جنس سے م عورت کو علاج کرنا سکھانا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے چنانچہ فتاوی قاضی خاں

کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عورت کے قرحہ ہے وہاں جہاں مرد کو دیکھنا حلال نہیں تو اس کا علاج عورت کو سکھا دے اور اگر عورت نہ ملے یا عورت بے سلیقہ ہو تعلیم سے علاج نہ کر سکے اور خوف ہو شدت درد اور ہلاکی کا تو سارا بدن چھپا کر فقط قرحہ کی جگہ مرد دیکھے پھر اس کی دوا کرے اور اپنی آنکھ بچائے رہے سوا اس جگہ کے اور اس میں محرم اور غیر محرم عورت کا کچھ فرق نہیں ہے اس واسطے کہ اعضاء واجب الستر کا دیکھنا حلال نہیں محرمیت کے سبب سے بھی **وتنظر المرأۃ المسلمۃ من المرأۃ کالرجل من الرجل** عورت مسلمان دیکھے عورت کو جس قدر مرد نظر کرتا ہے دوسرے مرد کو م یعنی زیر ناف سے زیر زانو تک عورت کا دیکھنا عورت کو حلال نہیں اس کے سوا اور بدن کا نظر کرنا درست ہے اس واسطے کہ ضرورت داعی انکشاف ہے آپس میں مجانست کی جہت سے اور انعدام شہوت کے سبب سے غالباً سراجیہ میں ہے کہ عورت کو عورت کا پیٹ دیکھنا شہوت سے درست نہیں وقیل کالرجل لمحرمہ والاول اصح سراج اور بعضوں نے کہا ایک عورت دوسری عورت کو دیکھے جس قدر مرد دیکھتا ہے اپنے محرم کو یعنی پیٹھ اور پیٹ کو نہ دیکھے اور پہلا قول صحیح تر ہے کذا فی السراج **وکذا تنظر المرأۃ من الرجل کنظر الرجل من الرجل ان امنت شہوتہا** اور اسی طرح عورت مرد کو دیکھے جتنا مرد دیکھتا ہے مرد کو بشرطیکہ اس کو شہوت ہونے کا خوف نہ ہو فلو لم تامن او خافت او شکت حرم استحسانا کالرجل ہو الصحیح فی الفصلین تتارخانیہ معزیا للمضمرات اور اگر عورت کو شہوت سے امن ہو یا خوف شہوت ہو یا شک ہو شہوت اور عدم شہوت میں تو عورت کو مرد کی طرف نظر کرنا حرام ہے بدلیل استحسان کے جیسے مرد کو عورت کی طرف نظر کرنا درصورت خوف شہوت یا شک کے حرام ہے اور یہی قول صحیح ہے دونوں صورتوں میں یعنی عورت کی نظر میں مرد کی طرف یا مرد کی نظر میں عورت کی طرف کذا فی تتارخانیہ منسوباً الی المضمرات **والذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ** مجتبی اور ذمیہ یعنے کافرہ مطیع الاسلام اجنبی مرد کی مانند ہے صحیح تر قول میں تو ذمیہ عورت مسلمان عورت کی طرف نظر نہ کرے سوائے چہرہ اور کف دست کے کذا فی المجتبی م اور لائق نہیں کہ صالحہ عورت کو فاجرہ بدکار عورت دیکھے اس واسطے کہ وہ اس کی صورت کو مردوں سے بیان کرے گی تو اپنی چادر اور اوڑھنی اس کے سامنے نہ اتارے اور حلال نہیں عورت مومنہ کو کہ اپنی شرمگاہ مشرکہ یا کتابیہ کے سامنے کھولے کذا فی السراج **وکل عضو لا یجوز النظر الیہ قبل الانفصال لا یجوز بعدہ ولو بعد الموت کشعر عانۃ وشعر رأسہا وعظم ذراع حرۃ میتۃ وساقہا وقلامۃ ظفر رجلہا دون یدہا** مجتبی اور جس عضو کا دیکھنا جائز نہیں قبل از انفصال بدن کے تو اس کا نظر کرنا بعد انفصال کے بھی جائز نہیں اگرچہ انفصال موت کے بعد ہو چنانچہ موئے زہار عورت یا مرد کے اور عورت کے سر کے بال اور آزاد مردہ عورت کی کلائی اور پنڈلی کی ہڈی اور عورت کے پاؤں کا ناخن تراشا ہوا نہ اس کے ہاتھ کا کذا فی المجتبی **وفیہ النظر الی ملاءۃ الاجنبیۃ بشہوۃ حرام** اور مجتبے میں ہے کہ عورت اجنبی کی چادر کی طرف نظر کرنا شہوت سے حرام ہے **وفی الاختیار ووصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواء کان شعرہا او شعر غیرہا لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ والواشرۃ والمستوشرۃ والنامصۃ والمتنمصۃ النامصۃ التی تنتف الشعر من الوجہ والمتنمصۃ التی تفعل بہا ذلک** اور اختیار شرح مختار میں ہے اور جوڑنا بال کا آدمی کے بال سے حرام ہے خواہ اسی عورت کا بال ہو یا غیر عورت کا بدلیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ خدا لعنت کرے اس عورت پر جو بال جوڑ دے دوسری عورت کے اور جو جڑوا دے اور جو عورت دوسری عورت کا بدن گودے اور جو گدوائے اور جو عورت دوسری عورت کے دانت گھس کر باریک بنا دے اور جو دانت باریک کرا دے اور جو عورت دوسری عورت کے منہ کے بال موچنے سے چنے اور جو چنا دے **والخصی والمجبوب والمخنث فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل** اور خصی اور مجبوب اور مخنث عورت اجنبی کی طرف نظر کرنے میں مرد مجامع کے برابر ہیں م خصی وہ جس کے فوطے نکل گئے اور مجبوب وہ جس کا آلہ تناسل اور فوطے کاٹے گئے اور مخنث وہ ہے جو مرد کو اپنے اوپر قادر کرے ان تینوں شخصوں سے عورت کو پردہ کرنا چاہیئے اس واسطے کہ خصی کو شہوت ہوتی ہے اور جماع کر سکتا ہے بلکہ بعضوں نے کہا کہ وہ قوی الجماع ہوتا ہے اس واسطے کہ اس کا نا نرہ سست نہیں ہوتا اور اسی طرح مقطوع الذکر والخصیین کو بھی شہوت ہوتی ہے اور سحاق کرتا ہے

اور اس کو انزال بھی ہوتا ہے اور لوطی تو مرد صریح ہے اور مخنث زنانے اور زنخے کو بھی کہتے ہیں جس کے اعضا اور زبان میں عورتوں کے مانند نرمی ہو اور عورتوں کی اس کو مطلق خواہش نہ ہو تو بعضے فقہاء نے کہا کہ ایسے نامرد کا اختلاط عورتوں کے ساتھ رخصت ہے لیکن اصح قول یہ ہے کہ اس کا بھی اختلاط جائز نہیں کذا فی الطحطاوی ملخصا وقیل لاباس بالمجبوب جف ماءہ لکن فی الکبری ان من جوزہ فمن قلۃ التجربۃ والدیانۃ اور بعضوں نے کہا کہ اس مقطوع الذکر والخصیتین کے نظر کرنے کا مضائقہ نہیں جس کی منی خشک ہو گئی لیکن فتاوی کبری میں ہے کہ جس نے اس کو تجویز کیا ہے تو قلت امتحان اور قلت دیانت سے ہے م اصح یہ ہے کہ حلال نہیں بدلیل عموم نص کذا فی الزیلعی نص یہ ہے قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم یعنے حق تعالی نے فرمایا کہ اے رسول کہہ دے ایماندار مردوں سے کہ اپنی نظروں کو روکیں اور اپنی شرمگاہوں کو نگاہ رکھیں خلاصہ یہ ہے کہ خصی اور مجبوب اور مخنث مومنین میں داخل ہیں تو ان کا نظر کرنا اجنبی عورتوں کی طرف حلال نہیں **وجاز عزلہ عن امتہ بغیر اذنہا وعن عرسہ بہ** اے باذن حرۃ او مولے امۃ وقیل یجوز بدونہ لفساد الزمان ذکرہ ابن سلطان اور عزل یعنے انزال کے وقت عورت سے جدا ہو کر منزل ہونا اپنی لونڈی سے جدا ہونا بدون اس کے اذن کے جائز ہے اور اپنی منکوحہ سے باذن درست ہے یعنے اگر منکوحہ آزاد ہے تو اس کے اذن سے اور غیر کی لونڈی ہے تو اس کے مالک کے اذن سے درست ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ عزل بدون اذن کے بھی جائز ہے فساد زمانہ کے سبب سے کذا ذکرہ ابن سلطان

باب الاستبراء وغیرہ

یہ باب ہے استبراء وغیرہ کے احکام میں م استبراء لغت میں عبارت ہے طلب برائت سے مطلقاً اور شرع میں رحم جاریہ کی طلب برأت حمل سے عبارت ہے یعنی ملک جاریہ کے بعد حیض تک انتظار کرنا کہ حاملہ ہے یا نہیں اگر حاملہ نہیں ہے تو اسی وقت تصرف کرنا اور نہیں تو وضع حمل کے بعد **من ملک** خالی ہونا **استمتاع امۃ بنوع من انواع الملک کشراء وارث وہبۃ ورفع جنایۃ وفسخ بیع بعد القبض ونحوھا** جو شخص مالک ہو لونڈی کے استمتاع کا یعنے اس سے انتفاع کا بوجہ من وجوہ الملک جیسے ملک حاصل خرید سے یا میراث میں پانے سے یا جہاد میں پکڑ لانے سے یا رفع جنایت[1] سے یا فسخ ہو جانے بیع کے بعد قبض سے اور ما منذان کے چنانچہ ہبہ یا رجوع عن ہبہ یا خلع یا صلح یا کتابت یا عتق غلام اس طرح پر کہ لونڈی عوض ملے خلع یا عتق کے یا صدقہ یا وصیت یا بعوض اجارہ کذا فی الطحطاوی وقیدت بالاستمتاع لیخرج شراء الزوجۃ کما سیجئ اور ملک جاریہ میں استمتاع کی قید لگائی گئی تاکہ خرید زوجہ کا مسئلہ نکل جائے چنانچہ آگے آوے گا **ولو بکرا او مشتراۃ من عبد او امراۃ ولو عبدہ کمکاتبہ ومأذونہ لو مستغرقا بالدین والا لا** استبراء واجب ہے اگرچہ جاریہ باکرہ ہو یا غلام یا عورت سے خریدی ہو اگرچہ وہ مشتری کا غلام ہو جیسے اپنے مکاتب اور ماذون سے خریدی ہو بشرطیکہ غلام ماذون مستغرق بدین ہو ورنہیں تو استبرا کی کچھ حاجت نہیں م باکرہ میں سبب معتبر مظہرا یعنی حدوث ملک وتصرف وحکمت یعنی تعرف پہچاننا ۱۲ برائت رحم اور چونکہ مکاسب کمایاں ۱۲ مکاتب اور ماذون مستغرق بالدین کے مولی کی ملک نہیں امام کے نزدیک لہذا صحیح ہو گی تو استبرا بھی واجب ہو گا بخلاف مکاسب غیر مستغرق **او من محرمہا غیر رحم** لیلا تعتق علیہ یا جاریہ خریدی ہو جاریہ کے محرم غیر نسبی سے غیر نسبی کی قید اس واسطے لگائی تاکہ جاریہ آزاد نہ ہو جائے محرم پر م محرم غیر نسبی چنانچہ خرید کرنا جاریہ کا اس کی رضاعی بہن سے یا ابن واطی سے کذا فی الطحطاوی والحسن الچلپی علی شرح الوقایۃ **او من مال صبی ولو طفلہ** یا جاریہ خریدی ہو صغیر کے مال سے اگرچہ صغیر مشتری کا لڑکا ہو **حرم علیہ وطیہا** جماع اور شہوت ۱۲ **وکذا دواعیہ فی الاصح** لاحتمال وقوعہا فی غیر ملکہ لظہورہا حبلی جو مالک ہوا جاریہ مذکورہ کا تو اس پر جماع ان کا اور اسی طرح دواعی اور موجبات جماع کے حرام ہیں صحیح تر قول میں بسبب احتمال واقع ہونے جماع کے اس کی غیر ملک میں بیع جاریہ ۱۲ اس کے حاملہ ہونے کے ظہور کے سبب سے م دواعی جماع

---

[1] یعنے اگر کسی نے دوسرے کا قصور ایسا کیا جس کے عوض میں لونڈی دینی پڑے اور ایک نسخہ میں رفع جنایہ کے بدلے دفع بجنایۃ ہے اور مترجم اول نے رفع خیانت لکھا تھا ۱۲

چنانچہ مساس اور بوسہ یعنی اگر جاریہ حاملہ ہوئی اور اس کا حمل ظاہر ہو گیا اور بائع نے اس کے ولد کا دعویٰ کیا تو جاریہ اس کی ام ولد ہو گئی اور بیع اس کی باطل ہو گئی تو بوسہ وغیرہ غیر ملک میں واقع ہوا حتی یستبرئہا بحیضۃ فیمن تحیض وبشہر فی ذوات الاشہر ای صغیرۃ وآئسۃ ومنقطعۃ حیض جو لونڈی کا مالک ہوا تو اس پر اس کا جماع اور دواعی جماع حرام ہے یہاں تک کہ اس کے رحم کی صفائی معلوم ہو جائے ایک بار حیض ہونے سے حیض ہونے والی عورت میں اور مہینہ گذرنے سے مہینوں والی عورت میں اور وہ صغیرہ ہے اور کبیرہ جس کا حیض بند ہو گیا پیری سے اور جس کا حیض منقطع ہے یعنی اس کو کبھی حیض نہیں آتا کذا فی الطحطاوی یعنے اگر جوان لونڈی ہو تو ایک بار حیض آنے سے برأت رحم کی معلوم ہو گی اور اگر نابالغہ یا بڈھی ہے یا وہ جوان جس کو کبھی حیض نہیں آتا تو ایک مہینہ گزر جانے سے م وجوب استبرا میں وہ حدیث اصل ہے جو ابو داؤد میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جنگ اوطاس کی گرفتار ہوئی لونڈیوں کے حق میں فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ حاملہ کا جماع نہ کیا جائے وضع حمل تک اور نہ غیر حاملہ کا یہاں تک کہ ایک بار حیض اس کو آ جاوے کذا فی العینی ولو حاضت فیہ بطل الاستبراء بالایام اور اگر صغیرہ یا کبیرہ یا منقطعہ کو مہینہ کے اندر حیض آ گیا تو ایام کا استبرا باطل ہو گیا یعنے استبرا میں اصل حیض ہے اور مہینہ اس کا بدل تو اصل کے ہوتے بدل کی کچھ حاجت نہ رہی ولو ارتفع حیضہا بان صارت ممتدۃ الطہر وہی ممن تحیض استبرأہا بشہرین وخمسۃ ایام عند محمد وبہ یفتی اور اگر جاریہ کا حیض مرتفع ہو گیا اس طرح پہ کہ اس کا طہر دراز ہو گیا اور حالانکہ وہ حیض جاری ہونے والی عورتوں میں سے ہے تو اس کا استبرا دو مہینے اور پانچ دن کا ہے محمدؒ کے نزدیک اور اسی قول پر فتویٰ ہے والمستحاضۃ یدعہا من اول الشہر عشرۃ ایام برجندی وغیرہ فلیحفظ اور مستحاضہ کا استبرا یہ ہے کہ اول مہینہ سے دس دن تک اس کی قربت کو چھوڑ دے کذا فی البرجندی وغیرہ تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ولو وضع الحمل فی الحال اور استبرا کرے حاملہ میں بچہ پیدا ہونے سے ولا یعتد بحیضۃ ملکہا فیہا ولا التی بعد الملک قبل قبضہا ولا بولادۃ حصلت کذلک اے بعد ملکہا قبل قبضہا اور استبرا میں شمار نہ کرے اس حیض کو جس میں مشتری اس کا مالک ہوا اور نہ اس حیض کو جو حاصل ہو ملک کے بعد اس پر قبضہ ہونے سے پہلے اور نہ شمار کرے اس ولادت کو جو اسی طرح حاصل ہوئی یعنے بعد ملک قبل قبض کے کما لا یعتد بالحاصل من ذلک اے من حیضۃ ونحوہا بعد البیع قبل اجازۃ بیع فضولی وان کانت فی ید المشتری جیسے شمار نہیں کیا جاتا وہ حیض وغیرہ جو حاصل ہوا بعد بیع قبل اجازت فضولی کے اگر جاریہ مشتری کے قبضہ میں ہو یعنے اس واسطے کہ بیع فضولی میں ملک پوری نہیں ہوتی بدون اجازت کے ولا یعتد ایضا بالحاصل بعد القبض فی الشراء الفاسد قبل ان یشتریہا شراء صحیحا لانتفاء الملک اور شمار میں نہیں آتا وہ حیض وغیرہ بھی جو حاصل ہوا قبض کے بعد شراء فاسد میں قبل اس بات کے کہ اس کو بشراء صحیح خرید کرے بسبب نہ ہونے ملک کے یعنے ملک کامل بیع فاسد میں نہیں جو حیض استبرا میں شمار کیا جائے ویجب لشراء نصیب شریکہ من امۃ مشترکۃ بینہما لتمام ملکہا الآن اور واجب ہے استبرا بسبب خرید کرنے حصے اپنے شریک کے اس لونڈی سے جو مشترک ہے دونوں میں بسبب پوری ہو جانے اس کی ملکیت کے اب یعنی ایک لونڈی دو شخصوں میں مشترک ہے سو ایک نے دوسرے کا حصہ مول لیا تو اس پر استبرا واجب ہے اس واسطے کہ شریک مشتری اب اس کا پورا مالک ہوا وتجزی بحیضۃ حاضتہا وہی مجوسیۃ او مکاتبۃ بان شری امۃ مجوسیۃ او مسلمۃ وکاتبہا بعد الشراء قبل الاستبراء فحاضت ثم اسلمت المجوسیۃ او عجزت المکاتبۃ لوجودہا بعد الملک اور استبرا کے واسطے کفایت کرتا ہے وہ حیض جو لونڈی کو ہوا اور حالانکہ وہ مجوسیہ یا مکاتبہ ہے صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے مجوسی یا مسلمان لونڈی خریدی اور مسلمہ کو مکاتب کیا بعد خرید قبل استبرا کے پھر ان کو حیض آیا پھر مجوسی لونڈی مسلمان ہو گئی یا مکاتب لونڈی ادائے بدل کتابت سے عاجز ہوئی بسبب پائے جانے حیض کے مالک ہونے کے بعد یعنے حیض مذکور اس واسطے استبرا میں کفایت کر گیا کہ وہ حاصل ہوا مالک ہونے کے بعد ولا یجب عند عود الآبقۃ اے فی دار الاسلام خانیۃ اور استبرا واجب نہیں جاریہ گریختہ کے پھر آنے کے وقت دار الاسلام میں کذا فی الخانیۃ م اتقانی نے کہا اس

مسئلہ میں تفصیل ہے شرح طحطاوی میں ہے کہ اگر جاریہ بھاگ گئی دارالحرب میں پھر پلٹ آئے اپنے مالک کے پاس کسی وجہ سے تو اس پر استبرا نہیں امام کے نزدیک اس واسطے کہ کفار اس کے مالک نہیں ہو گئے اور صاحبین رح کے نزدیک اس پر استبرا ہے کیونکہ کفار اس کے مالک ہو گئے اور اگر کفار نے جاریہ کو دارالاسلام میں گرفتار کیا اور حالانکہ وہ گریختہ تھی اور اس کو پکڑ کے دارالحرب میں لے گئے تو امام اور صاحبین سب کے نزدیک مالک ہو گئے سو اگر اب وہ اپنے مالک کے پاس پلٹ آوے گی تو سب کے نزدیک اس پر استبرا واجب ہوگا انتہی تو بموجب اس تفصیل کے گریختہ سے وہ جاریہ مراد ہے جو دارالحرب میں بھاگ گئی اور کفار اس کو نہیں لے گئے پھر وہ اپنے مالک کے پاس آئے انتہی اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ ماتن اور شارح کے کلام میں کتنا خلل ہے کذا فی الطحطاوی **و ردّ المغصوبۃ** ای اذا لم یبعہا الغاصب خانیۃ اور جاریہ مغصوبہ کے پھیر دینے سے استبرا واجب نہیں بشرطیکہ اس کو غاصب نے نہ بیچ ڈالا ہو کذا فی الخانیۃ م اور اگر غاصب نے بیع مع التسلیم کی پھر مالک نے بحکم حاکم یا مشتری کی رضا سے لونڈی پھیر لی تو اگر مشتری غصب کرنا نہ جانتا ہو گا تو مالک پر استبرا واجب نہیں اور اگر جانتا ہو گا تو درصورت عدم جماع کے استبرا نہیں اور بعد جماع مشتری استبرا واجب ہے کذا فی الطحطاوی **والمستاجرۃ وفک المرہونۃ** لعدم استحداث الملک اور ردّ مستاجرہ اور فک مرہونہ سے استبرا واجب نہیں ملکیت کے حادث نہ ہونے کے سبب سے یعنے اجارہ اور رہن جاریہ سے مالک کی ملک زائل نہ ہو گئی تھی جو استبرا واجب ہوتا **ولو اقال البیع قبل القبض** لا استبراء علی البائع کما لو باعہا بخیار وقبضت ثم ابطلہ بخیارہ لعدم خروجہا عن ملکہ اور اگر بیع کو توڑ دیا مشتری کے قبضہ ہونے سے پہلے تو بائع پر استبرا واجب نہیں جیسے اگر جاریہ کو بیچا بشرط خیار یعنے جائز اور مشتری نے اس پر قبضہ کیا پھر بائع نے اپنی شرط کے سبب سے بیع کو باطل کر دیا تو استبرا واجب نہیں اس واسطے کہ جاریہ بائع کی ملک سے خارج نہیں ہوئی دونوں صورتوں میں **وکذا لو باع مدبرتہ او ام ولدہ وقبضت ان لم یطأہا المشتری** اور اسی طرح اگر بائع نے اپنی مدبرہ یا ام ولد بیچی اور اس پر قبضہ ہوا پھر رد بیع ہوا تو استبرا واجب نہیں اگر مشتری نے اس کی قربت نہ کی ہو م اس میں اعتراض یہ ہے کہ مدبرہ اور ام ولد کی بیع باطل ہے تو جاریہ قبض سے مملوک نہ ہو گی تو مشتری کی قربت زنا ٹھہرا اس میں استبرا کیونکر واجب ہوگا تو اس کی تحریر کرنا چاہیے کذا فی الطحطاوی **وکذا لو طلقہا الزوج قبل الدخول** ان کان زوجہا بعد الاستبراء وان قبلہ فالمختار وجوبہ زیلعی اور اسی طرح اگر جاریہ منکوحہ کو زوج نے طلاق دی قبل دخول کے تو مالک پر استبرا نہیں بشرطیکہ جاریہ کا نکاح کر دیا ہو بعد استبرا کے اور اگر قبل استبرا کے نکاح کر دیا ہو تو وجوب استبرا مختار اور پسندیدہ ہے کذا فی الزیلعی قلت وفی الجلالیۃ شری معتدۃ الغیر وقبضہا ثم مضت عدتہا لم یستبرئہا لعدم حل وطیہا للبائع وقت وجود السبب میں کہتا ہوں اور جلالیہ میں ہے غیر کی عدت والی جاریہ خریدی اور اس پر قبضہ کیا پھر اس کی عدت منقضی ہو گئی تو اس کا استبرا نہ کرے اس واسطے کہ اس کی وطی حلال نہیں بائع کو وجود سبب کے وقت یعنے ملک اور قبض مشتری کے وقت م صواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ وجود سبب کے وقت مشتری کو اس کی وطی حلال نہیں اتقانی نے شرح طحطاوی سے نقل کیا کہ جاریہ خریدی کی اور وہ عدت میں تھی خواہ عدت وفات ہو یا طلاق اور اس کی عدت سے ایک روز یا کم باقی رہا ہو اور بعد قبض مشتری کے عدت منقضی ہو گئی تو اس پر استبرا واجب نہیں پھر اگر عدت قبل از قبض منقضی ہو گئی تو مشتری کو حلال نہیں بدون استبرا کے کذا فی الطحطاوی **ولا باس بحیلۃ اسقاط الاستبراء اذا علم ان البائع لم یقربہا فی طہرہا ذلک والا لا یفعلہا بہ یفتی** اور کچھ مضائقہ نہیں اسقاط استبرا کے حیلہ میں جب کہ یہ معلوم ہو جائے کہ بائع نے جاریہ کی قربت نہیں کی اس طہر میں اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو استبرا کے ساقط کرنے کا حیلہ نہ کرے اسی قول پر فتوی ہے م ابو یوسف کے نزدیک حیلہ اسقاط کا مطلقاً جائز ہے اور محمد کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے لیکن مفتی بہ تفصیل ہے یعنی اگر بائع کی عدم قربت معلوم ہو تو ابو یوسف کے قول پر فتوے ہے اور درصورت قربت محمدؒ کے قول پر فتوی ہے بدلیل اس حدیث کے کہ جو دو مرد خدا اور آخرت کا ایمان رکھتے ہیں ان کو حلال نہیں کہ ایک عورت پر

ف ایک نسخہ میں لم یبعہا کی جگہ لم یعصہا ہے یعنی بشرطیکہ غاصب نے اس سے جماع کیا ہو یعنے مطلق غصب موجب استبرا نہیں ۱۲

اجتماع کریں ایک طہر میں تو جب بائع نے اس طہر میں قربت نہ کی تو یہ نہی متحقق نہ ہوئی اور قربت اور عدم قربت دونوں معلوم نہ ہوں تو عدم جواز ظاہر ہے توہم شغل رحم سے کذا فی الطحطاوی وہی اذا لم تکن تحتہ حرۃ اور اربع اماء ان ینکحہا ویقبضہا ثم یشتریہا فتحل للحال لانہ بالنکاح لا یجب ثم اذا اشتری زوجتہ لا یجب ایضاً اور وہ یعنی اسقاط استبرا کا حیلہ جس وقت کہ اس کے نیچے آزاد عورت یا چار منکوحہ لونڈیاں نہ ہوں یہ ہے کہ جاریہ سے نکاح کر لے اور اس پر قبضہ کرے پھر اس کو خرید کر لے تو وہ جاریہ اسی وقت اس کو حلال ہو گی اس واسطے کہ نکاح سے استبرا واجب نہیں ہوتا پھر جب کہ اس نے اپنی زوجہ کو خرید کیا تو بھی استبرا واجب نہ ہو گا م قبل خرید کے قبض اس واسطے شرط ہوا کہ قبض بعد خرید سے استبرا ساقط نہ ہو گا اس واسطے کہ خرید سے نکاح فسخ ہو جاوے گا تو استبرا واجب ہو گا لیکن ہدایہ اور ذخیرہ اور محیط میں اطلاق مختار ہے بالجملہ یہاں تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ تقدم قبض اور دخول دونوں شرط ہیں چنانچہ ظہیریہ میں ہے اور دوسرا قول حلوانی کا یہ ہے کہ قبض شرط ہے نہ دخول اور تیسرا قول سرخسی کا ہے کہ نکاح فقط کافی ہے نہ قبض شرط ہے نہ دخول اور یہ قول وسیع تر ہے اور قول ثانی اعدل ہے کذا فی الطحطاوی ملخصاً ونقل فی الدرر عن ظہیر الدین اشتراط وطیہ قبل الشراء وذکر وجہہ اور درر میں ظہیر الدین سے نقل کیا شرط ہونا وطی کا خرید کرنے سے پہلے اور اس کی وجہ بھی ذکر کی ہے م وجہ مذکور یہ ہے کہ بعد وطی کے خرید کرنے سے اس کا مالک ہو گا اور حالانکہ جاریہ اس کی عدت میں ہو گی اور اگر وطی نہیں کی تو مجرد خرید کے نکاح باطل ہو جاوے گا پھر جب ملک کے وقت نکاح نہ رہا تو استبرا واجب ہو گیا اس کے سبب متحقق ہونے سے یعنے استحداث[1] حلت وطی بملک یمین کذا فی الدرر وان کانت تحتہ حرۃ فالحیلۃ ان ینکحہا البائع اے یزوجہا ممن یثق بہ کما سیجی قبل الشراء او ان ینکحہا المشتری قبل قبضہ لما فلو بعدہ لم یسقط من موثوق بہ لیس تحتہ حرۃ اور اگر اس کے تحت حرہ ہے یا منکوحہ چار لونڈیاں ہیں کذا فی الطحطاوی تو حیلہ اسقاط کا یہ ہے کہ بائع جاریہ کا نکاح کر دے مشتری کی خرید سے پہلے اس شخص سے جس پر اس کو اعتماد ہو طلاق دینے کا چنانچہ اس کا ذکر قریب آوے گا یا بعد خرید قبل قبض کے جاریہ کا نکاح مشتری کر دے اس معتمد شخص سے جس کے نیچے آزاد عورت نہیں شارح نے کہا قبل قبض کے نکاح شرط ہے تو اگر بعد قبضہ کرنے کے نکاح کر دے گا تو استبرا ساقط نہ ہو گا ویزوجہا بشرط ان یکون امرہا بیدہا او بیدہ یطلقہا متی شاء ان خاف ان لا یطلقہا یا جاریہ کا نکاح کر دے کسی شخص سے بایں شرط کہ جاریہ اپنے طلاق کی مختار ہے یا بائع یا مشتری کو طلاق کا اختیار ہے جب چاہے اس کو طلاق دے یہ اس وقت ہے جب کہ بائع یا مشتری اس سے ڈرے کہ جاریہ کا زوج اس کو طلاق نہ دے گا ثم یشتری الامۃ ویقبض او یقبض فیطلق الزوج قبل الدخول بعد قبض المشتری فیسقط الاستبرا م پھر نکاح کے بعد مشتری جاریہ کو خرید کرے اور اس پر قبضہ کرے در صورت تزویج بائع کے یا مشتری جاریہ پر قبضہ کرے در صورت تزویج مشتری کے پھر زوج اس کو طلاق دے قبل دخول بعد قبض مشتری کے تو استبرا ساقط ہو گا م الحاصل اگر اس کے تحت میں حرہ ہو تو حیلہ اسقاط یہ ہے کہ بائع جاریہ کا نکاح کر دے قبل خرید کرنے مشتری کے اس مرد سے جس پر طلاق دینے کا اعتماد ہو پھر مشتری اس کو خرید کرے پھر زوج اس کو طلاق دے تو استبرا واجب نہ ہو گا اس واسطے کہ اس نے غیر کی منکوحہ خرید کی اور اس کی وطی مشتری کو حلال نہیں تو اس پر استبرا نہیں پھر جب اس کے شوہر نے قبل دخول کے طلاق دی تو جاریہ مشتری پر حلال ہو گئی اور اس وقت میں حدوث ملک پایا نہیں گیا جو وجوب استبرا کا سبب ہے تو استبرا واجب نہ ہوا اور اگر مشتری نے بعد خرید قبل قبض کے جاریہ کا نکاح کر دیا مرد معتمد سے پھر نکاح کے بعد اس پر قبضہ کیا پھر زوج نے قبل دخول اس کو طلاق دی تو استبرا واجب ہوا بعد قبض کے اور اس وقت میں وطی مشتری کو قیام نکاح سے حلال نہ تھی اور جب وطی حلال ہوئی طلاق زوج کے بعد تو اس وقت استبرا کا سبب یعنے حدوث ملک پایا نہیں گیا کذا فی شرح الوقایۃ وقیل المسئلۃ التی اخذ ابو یوسف رح علیہا مائۃ الف درہم ان زبیدۃ حلفت الرشید ان لا یشتری علیہا جاریۃ ولا یستوہبہا فقال یشتری نصفہا ویوہب لہ نصفہا ملتقط اور بعضوں نے کہا کہ جس مسئلہ پر قاضی ابو یوسف نے لاکھ درم لیے وہ یہ ہے

---

[1] پیدا ہونا جماع کی حلت کا ملک یمین کے باعث سے ۱۲

کہ زبیدہ خاتون نے ہارون الرشید کو قسم دلائی کہ کسی جاریہ کو اس پر خرید نہ کرے اور نہ ہبہ قبول کرے تو ابو یوسف نے کہا کہ نصف جاریہ خرید کرے اور نصف اس کو ہبہ کی جائے کذا فی المنتقط یعنی تو اس طریق سے یہ بات صادق آئی کہ تمام اور کمال نہ خرید کی نہ ہبہ ہوئی تو قسم بھی قائم رہی اور جاریہ کا تصرف بھی حلال ہو گیا او یکاتبہا المشتری بعد الشراء والقبض کما یفیدہ اطلاقہم وعلیہ فیطلب الفرق بین الکتابۃ والنکاح بعد القبض وقد نقلہ المصنف عن شیخہ بحثا کما سنذکرہ ولکن فی الشرنبلالیۃ عن المواہب التصریح بتقیید الکتابۃ بکونہا قبل القبض فلیحرر قلت ثم وقفت علی البرہان شرح مواہب الرحمن فلم ار التقیید المذکور فتدبر یا مشتری جاریہ کو مکاتب کرے بعد خرید اور بعد قبضہ کرنے کے چنانچہ اشتراط قبض کو فقہا کا اطلاق مفید ہے اور بموجب اس کے تو طلب فرق کرنا چاہیے درمیان کتابت اور نکاح بعد القبض کے یعنے اگر مشتری جاریہ کا نکاح کر دے بعد خرید اور قبض کے تو استبرا ساقط ہو اور اگر بعد قبض اس کا نکاح کر دے تو استبرا ساقط نہ ہو تو کیا فرق ہے کتابت اور نکاح میں اور البتہ مصنف نے اپنی شرح میں فرق مذکور کو نقل کیا ہے اپنے استاد سے بحث کی راہ سے نہ روایت کی راہ سے چنانچہ اُس فرق کو مذکور کریں گے یعنے اگلے قول میں یعنے شرنبلالیہ میں مواہب الرحمن سے تصریح ہے تقیید کتابت کے قبل قبض کے ہونے سے یعنے مشتری کو قبضہ کرنے سے پہلے کتابت کرنا چاہیے تو اس مقام کو تحریر کرنا چاہیے میں کہتا ہوں پھر میں واقف ہوا برہان شرح مواہب الرحمن پر سو میں نے قید مذکور کو نہیں دیکھا سو تامل کر لے م بعضوں نے یوں جواب دیا ہے شارح کو کہ شرنبلالی نے فقط مواہب سے نقل نہیں کی تو عبارت اس کی مجموعہ ہے چند کتب سے تو اگر صاحب مواہب نے قید مذکور کی تصریح نہیں کی تو ممکن ہے کہ اس کی غیر نے تصریح کی ہو کذا فی الطحطاوی ثم یفسخ برضاہا فیجوز لہ الوطی بلا استبراء لزوال ملکہ بالکتابۃ ثم تجددہ بالتعجیز لکن لم یحدث ملک حقیقۃ فلم یوجد سبب الاستبراء وہذہ اسہل الحیل تاتارخانیہ پھر کتابت کے بعد مشتری عقد کتابت کو فسخ کر دے جاریہ مکاتبہ کی رضامندی سے تاکہ مشتری کو وطی اس کے بدوں استبرا کے جائز ہو جائے بسبب زائل ہو جانے ملک مشتری کی کتابت سے پھر ملک جدید حاصل ہونے سے بسبب عاجز کرنے کے ادائے بدل کتابت سے لیکن درحقیقت ملک کا حدوث نہیں ہوا تو استبرا کا سبب پایا نہ گیا اور یہ حیلہ سب حیلوں سے آسان تر ہے کذا فی التاتارخانیہ م یہ وجہ فرق ہے درمیان کتابت اور نکاح کے جس کے ذکر کا شارح نے وعدہ کیا تھا مصنف نے اپنی شرح میں کہا کہ شاید وجہ فرق یہ ہے کہ کتابت سے جاریہ مولی کے قبضہ سے نکل گئی کیونکہ وہ حرہ ہو گئی تصرف کی راہ سے اور اپنے مکاسب کی مالک ٹھہری تو گویا مولی کی ملک زائل ہو گئی کتابت سے پھر اس کی ملک جدید حاصل ہوئی تعجیز بدل کتابت سے لیکن درحقیقت ملک رقبہ حادث نہیں ہوئی تو جو سبب کہ موجب استبرا تھا یعنی حدوث ملک وہ پایا نہیں گیا چنانچہ نہایہ میں ہے کہ جب جاریہ ملک مولی سے نہ نکلے ولیکن اس کے تصرف سے نکلے پھر اس کے تصرف میں آوے تو استبرا واجب نہ ہوگا اور اس کے خارج ہونے کی تصرف مولی سے یہ دلیل ہے کہ اگر مولی مکاتبہ کی وطی کرے تو اس پر عقر لازم ہوگا کذا فی الطحطاوی ملخصاً صورت اس حیلہ کی یہ ہے کہ جاریہ کو بعد خرید اور قبض کے مکاتب کر دے مثلاً یوں کہے کہ میں نے تجھ کو ہزار درم پر مکاتب کیا کہ سو درم کی قسط ہر مہینہ ادا کر پھر جب وہ عاجز ہو ادائے بدل کتابت سے تو اس کی رضامندی سے کتابت کو فسخ کر دے تو اب جاریہ فی الفور مولی پر حلال ہو جاوے گی استبرا واجب نہ ہوگا بدلیل گذشتہ تو یہ حیلہ سب حیلوں سے سہل تر ہے خصوصاً کہ کتابت مال کثیر پر ہو اور جلد جلد اس کی قسط مقرر کرے تو وہ ادائے بدل کتابت سے عاجز ہو کر فسخ کتابت پر خواہ مخواہ راضی ہو جاوے گی لہ امتان لایجتمعان نکاحا اختان ام لا فقبلہما فلو قبل او وطی احداہما حل لہ وطیہا وتقبیلہا دون الاخری الشہوۃ فی التقبیل لاتعتبر بل فی المس والنظر ابن کمال حرمتا علیہ ایک شخص کی ایسی دو لونڈیاں ہیں جو ساتھ ہی نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں خواہ وہ دونوں بہنیں ہوں یا نہ ہوں یعنی خالہ بھانجی ہوں یا عمہ بھتیجی ہوں سو مالک نے دونوں کا بوسہ لیا شہوت سے تو دونوں اس پر حرام ہو گئیں سو اگر ایک لونڈی کا بوسہ لیا یا اس سے قربت کی تو اسی لونڈی کا بوسہ لینا اور قربت کرنا مالک کو حلال ہوگا نہ دوسری لونڈی کا ابن کمال نے کہا کہ بوسہ میں شہوت معتبر نہیں بلکہ مساس اور نظر میں شہوت شرط ہے

یعنی بوسہ سے حرمت ہر طرح ثابت ہوتی ہے شہوت ہو یا نہ ہو اور مساس اور نظر سے حرمت بشرط شہوت کے ثابت ہوتی ہے م جمع بین الاختین نکاح میں تو بالاجماع جائز نہیں لیکن جمع بین الاختین بملک یمین جمہور صحابہ کرام کے نزدیک جائز نہیں زیلعی نے کہا اور اسی طرح جمع بین الاختین دواعی وطی میں حلال نہیں اس واسطے کہ دواعی وطی بمنزلہ وطی کے ہیں وکذلک یحرم علیہ الدواعی کالنظر والتقبیل حتی یحرم فرج احدہما علیہ ولو بغیر فعلہ کاستیلاء الکفار علیہا ابن کمال اور اسی طرح مولی پر حرام ہیں دواعی وطی کی چنانچہ نظر کرنا اور بوسہ لینا جب تک کہ ایک لونڈی کی شرمگاہ اس پر حرام ہو جائے اگرچہ حرمت بدون فعل مولی کے ہو چنانچہ کفار کا غالب ہو جانا جاریہ پر کذا ذکرہ ابن کمال م شارح نے ابن کمال کے قول سے اشارہ کیا کہ یحرم حرمت سے ہے نہ تحریم سے بملک ولو لبعضہا بای سبب کان او نکاح صحیح لا فاسد الا بالدخول او عتق ولو لبعضہا او کتابۃ لانہا تحرم فرجہا بخلاف تدبیر ورہن واجارۃ حرمت ایک جاریہ کی ثابت ہوتی ہے ملک غیر سے اگرچہ بعض جاریہ کی ملک ہو کسی سبب سے یعنے بیع یا ہبہ سے یا نکاح صحیح سے نہ نکاح فاسد سے اس واسطے کہ نکاح فاسد سے جاریہ مولی پر حرام نہیں ہوتی بدون دخول کے یا حرمت ثابت ہو ایک جاریہ کے آزاد کر دینے سے اگرچہ بعض یعنی نصف یا ثلث جاریہ آزاد کیا ہو یا کتابت سے اس واسطے کہ کتابت اس کی شرمگاہ کو حرام کر دیتی ہے بخلاف تدبیر اور رہن اور اجارہ کے ان سے حرمت ثابت نہیں ہوتی قلت والمستحب ان لا یمسہا حتی یمضی حیضۃ علی الحرمۃ کما بسطنا فی شرح الملتقی میں کہتا ہوں اور مستحب یہ ہے کہ حلال جاریہ کو ہاتھ نہ لگاوے جب تک جاریہ محرمہ پر ایک بار حیض نہ گذر جائے چنانچہ ہم نے اس کو شرح ملتقی میں مشرح بیان کیا ہے وکرہ تحریما قہستانی تقبیل الرجل فم الرجل او یدہ او شیئا منہ کذا تقبیل المراۃ المراۃ عند لقاء او وداع قنیۃ وہذا لو عن شہوۃ واما علی وجہ البر فجائز عند الکل خانیۃ وفی الاختیار عن بعضہم لا باس بہ اذا قصد البر وامن الشہوۃ کتقبیل وجہ فقیہ ونحوہ اور قہستانی میں ہے کہ مکروہ تحریمی ہے بوسہ لینا مرد کو مرد کے منہ کا یا اس کے ہاتھ کا یا اس کے عضو کا اور اسی طرح مکروہ ہے بوسہ لینا عورت کا عورت کو ملاقات کے وقت یا رخصت کے وقت کذا فی القنیۃ اور یہ یعنے کراہت بوسہ اس وقت ہے جب کہ شہوت کی راہ سے ہو ولیکن بوجہ نیکوکاری اور مزید احسان کے تو بوسہ لینا جائز ہے سب علماء کے نزدیک کذا فی الخانیہ اور اختیار میں ہے بعض فقہاء سے منقول کہ بوسہ کا کچھ مضائقہ نہیں جب کہ نیکوکاری کا قصد کرے اور شہوت سے بے خوف ہو جیسے چومنا فقیہ اور مانند اس کے اور بزرگ کے چہرے کا م فقیہ ابو جعفر نے کہا کچھ مضائقہ نہیں چومنے ایک مرد میں دوسرے مرد کے چہرہ کو جب کہ وہ فقیہ یا عالم یا تارک دنیا ہو اعزاز اور تکریم دین کی نیت سے کذا فی العالمگیریۃ وکذا معانقتہ فی ازار واحد اور اسی طرح مکروہ ہے مرد کا مرد سے معانقہ یعنے گلے سے گلا لگا کر ملنا ایک تہمد میں یعنی کرتہ اور انگرکھہ بدن پر نہ ہو فقط لنگی یا جامہ سے زیر ناف سے زیر زانو تک چھپا ہو ایسی حالت میں معانقہ مکروہ ہے کہ موجب شہوت ہے اور مراد یہ ہے کہ ہر شخص پر تہمد ہے اور یہ مراد نہیں کہ دونوں شخص ایک تہمد میں ہوں اس واسطے کہ یہ تو صاف حرام ہے اور کراہت پر وہ حدیث دلیل ہے کہ انس رضہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم میں سے ایک شخص دوسرے کے واسطے انحنا کرے یعنے جھکے فرمایا کہ نہیں ہم نے عرض کیا کہ ایک دوسرے کا معانقہ کرے فرمایا نہیں ہم نے عرض کیا کہ دوسرے کا مصافحہ کرے فرمایا ہاں اس حدیث سے سلام کے وقت جھکنے کی کراہت معلوم ہوئی کذا فی الطحاوی یہ حدیث طحاوی کی معانی الآثار میں اسناد کے ساتھ مذکور ہے کذا فی العینی شرح الہدایۃ دریافت کرنا چاہیے کہ نہی معانقہ اُس صورت پر محمول ہے جب کہ فقط تہمد بدن پر ہو اس واسطے کہ جواز معانقہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کما سیجئ وقال ابو یوسف رح لا باس بالتقبیل و المعانقۃ فی ازار واحد ابو یوسف نے کہا کچھ مضائقہ نہیں چومنے اور معانقہ کرنے میں ایک تہمد میں ولو کان علیہ قمیص او جبۃ جاز بلا کراہۃ بالاجماع وصححہ فی الہدایۃ وعلیہ المتون اور اگر مرد کے بدن پر کرتہ یا جبہ ہو تو معانقہ کرنا بدون کراہت کے باجماع شیخین اور ابو یوسف کے جائز ہے اور اسی قول کو صحیح کہا ہے ہدایہ میں اور اسی قول پر متون فقہ شامل ہیں م حدیث میں ثابت ہے کہ جب جعفر طیار رضہ فتح خیبر میں حبشہ سے آئے تو رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا معانقہ کیا اور ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور زید بن حارثہ سے معانقہ کیا اور اصحاب کبار رضی اللہ عنہم معانقہ کرتے تھے اور کافی میں ہے کہ اعراب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اطراف مبارک کو چومتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے معانقہ کا سوال ہوا تو کہا سب سے پہلے ابراہیم خلیل الرحمن نے معانقہ شروع کیا وہ مکہ معظمہ میں تھے جب ذوالقرنین وہاں وارد ہوئے پھر جب ابطح میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس شہر میں ابراہیم علیہ السلام ہیں تو ذوالقرنین نے کہا مجھ کو سوار ہونا لائق نہیں اس شہر میں جس میں خدا کا دوست موجود ہو پھر ذوالقرنین سواری سے اترے اور چلے ابراہیم علیہ السلام کی طرف تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کو سلام کیا اور ان سے معانقہ کیا کذا فی الزیلعی معانقہ جعفر طیار کی حدیث مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمر سے بسند صحیح مذکور ہے اور طحاوی اور بیہقی اور دارقطنی اور طبرانی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور زید بن حارثہ سے معانقہ کرنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ترمذی میں ثابت ہے کذا فی العینی شرح الہدایہ وفی الحقائق لو القبلۃ علی وجہ البرۃ دون الشہوۃ جاز بالاجماع اور حقائق میں ہے کہ اگر چومنا بروجہ نیکوکاری اور تکریم کے ہے نہ بطریق شہوت کے تو بالاتفاق جائز ہے **کالمصافحۃ** اے کما یجوز المصافحۃ لانہا سنۃ قدیمۃ متواترۃ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من صافح اخاہ المسلم وحرک یدہ تناثرت ذنوبہ یعنی معانقہ جائز ہے جیسے مصافحہ جائز ہے اس واسطے کہ مصافحہ قدیم متواتر سنت ہے بدلیل قول نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کا مصافحہ کرے اور اپنا ہاتھ ہلا دے تو اس کے گناہ جھڑ جاویں گے اھ یہ حدیث معجم طبرانی میں حذیفہ بن یمان سے یوں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایک مومن دوسرے مومن سے ملتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کی پتیاں جھڑ جاتی ہیں اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث مرفوع ہے کہ جو دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے دونوں کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور ترمذی میں عبداللہ بن مسعود سے حدیث مرفوع ہے کہ ہاتھ کا پکڑنا تمامی ہے تحیۃ کی یعنی سلام پورا نہیں ہوتا بدوں مصافحہ کے واطلاق المصنف تبعا للدرر والکنز والوقایۃ والنقایۃ والمجمع والملتقی وغیرہا یفید جوازہا مطلقا ولو بعد العصر وقولہم انہ بدعۃ اے مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ وعلیہ یحمل مانقلہ عنہ شارح المجمع من انہا بعد الفجر والعصر لیس بشئ توفیقا فتأملہ اور مصنف کا اطلاق یعنی بلا قید مصافحہ کا جواز رکھنا درر اور کنز اور وقایہ اور نقایہ اور مجمع اور ملتقی میں وغیرہا متون فقہ کا تابع ہو کر مفید ہے جواز مصافحہ کا ہر وقت اگرچہ مصافحہ بعد عصر کے ہو اور علماء کا یہ کہنا کہ مصافحہ عصر کے بعد بدعت ہے یعنی مباح اور بدعت حسنہ ہے چنانچہ نووی شافعی نے اس کو اپنی کتاب اذکار میں بیان کیا ہے اور نووی کے سوا اور علماء نے بھی اور کتابوں میں مذکور کیا ہے اور اسی پر محمول ہے جو شارح مجمع نے نووی سے یہ نقل کیا ہے کہ مصافحہ فجر اور عصر کے بعد کچھ چیز نہیں یہ حمل کرنا توفیق کے واسطے ہے سو تامل کر اس کو یعنی لیس بشئ کو اباحت اور بدعت حسنہ پر اس واسطے کہ اذکار نووی کے مخالف تر ہے اھ اذکار نووی میں یوں ہے کہ مصافحہ مستحب ہے ہر ملاقات کے وقت اور یہ جو فجر اور عصر کی لوگوں کی عادت ہے تو اس کی شرع میں اس وجہ خاص سے کچھ اصل نہیں لیکن اس کا بھی کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ اصل مصافحہ سنت ہے تو بعض وقت میں مصافحہ کرنا اور اکثر اوقات میں نہ کرنا یعنے وقت کے کرنے کو مصافحہ مشروعہ سے خارج نہیں کردیتا کذا فی الطحطاوی خلاصہ یہ ہے کہ اصل مصافحہ سنت ہے اور خصوصیت وقت کی بدعت حسنہ ہے وفی القنیۃ السنیۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ وتمامہ فیما علقناہ علی الملتقی اور قنیہ میں ہے کہ سنت مصافحہ[1] میں ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرے اور پورا اس کا بیان ہماری شرح ملتقی میں ہے اھ سنت یہ ہے کہ مصافحہ کرنے میں کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو اور ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ ہو اور مصافحہ کرنے پر ابہام یعنے انگوٹھے کو پکڑے حدیث میں آیا ہے کہ جب تم مصافحہ کرو تو ابہام پکڑو اس واسطے کہ اس میں ایک رگ ہے جس سے محبت پیدا ہوتی ہے یہ مذکور شرنبلالی کے رسالہ مصافحہ میں ہے شرح ملتقی میں ہے شارح نے رسالہ مذکورہ سے جو ذکر ہو چکا بیان کیا اور کہا کہ مصافحۃ الصالح[2] صفحۃ کف بکف. اور اقبال وجہ

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ترجمہ مشکوٰۃ میں بیان کیا ہے کہ مصافحہ اس طرح کرے کہ اپنی طرف سے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا پکڑے اس طرح کہ ہتھیلیاں ملائیں اور بائیں ہاتھ کو داہنے کا معاون کردے ۱۲ [2] علامہ بیہقی کے رنج کا رغ

بوجہ بے عبارت ہے تو انگلیوں کا پکڑنا سنت نہیں برخلاف روافض کے کذا فی الطحطاوی ولا یجوز للرجل مضاجعۃ الرجل وان کان کل واحد منہما فی جانب من الفراش قال علیہ الصلوۃ والسلام لا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی الثوب الواحد اور جائز نہیں مرد کو دوسرے مرد کے پاس لیٹنا اگرچہ ہر ایک بچھونے کے کنارے پر ہو فرمایا علیہ الصلوۃ والسلام نے کہ نہ ٹھہرے اور نہ لپٹے ایک مرد دوسرے مرد سے ایک کپڑے میں اور نہ لپٹے ایک عورت دوسری عورت کو ایک کپڑے میں م یعنے ایک کپڑے میں دو مرد کا لیٹنا بلا حائل کپڑے اتار کر جائز نہیں کذا فی الطحطاوی واذا بلغ الصبی او الصبیۃ عشر سنین یجب التفریق بینہما وبین اخیہ واختہ وامہ وابیہ فی المضجع لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام وفرقوا بینہم فی المضاجع وہم ابناء عشر وفی النتف اذا بلغوا ستا کذا فی المجتبی اور جب کہ لڑکا یا لڑکی دس برس کو پہونچے تو دونوں کی خواب گاہ اور بستر کا جدا کرنا اور اس کے بھائی اور بہن اور اس کی ماں اور باپ کی جدائی کرنا بستر میں واجب ہے بدلیل قول علیہ الصلوۃ والسلام کے کہ جدائی کر دو ان کے بستروں میں جب کہ وہ دس برس کے ہوں اور نتف میں ہے کہ جب چھ برس کو پہونچے یعنے جدا کرنا چاہیے کذا فی المجتبی م شاید کہ مراد اس سے ہم بستری مع التجرد ہے ایک لحاف میں والاجماعت کا پاس لیٹنا کہ ہر انسان کا اوڑھنا جدا جدا ہو ممنوع نہیں کذا فی الطحطاوی وفیہ الغلام اذا بلغ حد الشہوۃ کالفحل اور مجتبے میں ہے کہ پھر جب حد شہوت کو پہونچا تو بالغ مرد کے مانند ہے نظر وغیرہ کے احکام میں والکافرۃ کالمسلمۃ اور کافر عورت مسلمان عورت کے مانند ہے جیسے مسلمہ کا بدن سوائے چہرہ اور کف دست دیکھنا درست نہیں ویسے ہی کافرہ کا درست نہیں عن ابی حنیفۃ لصاحب الحمام ان ینظر الی العورۃ وحجۃ الختان امام اعظم رح سے روایت ہے کہ حمامی کو شرمگاہ دیکھنا درست ہے اور حجت اس کی ختان یعنے جیسے ختنہ کرنے والے کو دیکھنا درست ہے ویسا ہی حمامی کو م فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ یہ ضرورت کی حالت میں ہے نہ غیر ضرورت میں کذا فی العالمگیریۃ وقیل فی ختان الکبیر اذا امکنہ ان یختن نفسہ فعل والالم یفعل الا ان لا یمکنہ النکاح او شراء الجاریۃ اور بعضوں نے بالغ کے ختنہ میں کہا کہ جب اس کو بذات خود ختنہ کر لینا ممکن ہو تو کرے اور اگر آپ نہ ختنہ کر سکے تو نہ کرے مگر درصورت امکان نکاح یا خرید جاریہ کے ختنہ کرنا چاہیے م یعنے ختنہ کرنے والی عورت سے نکاح کر لے یا اگر وہ لونڈی ہو تو اس کو خرید کر کے اس سے اپنا ختنہ کروائے اور اگر بڈھا مسلمان ہوا اور اذیت ختنہ کا متحمل نہ ہو اگر اہل بصارت کہیں کہ اس کو طاقت نہیں تو ترک کرے اس واسطے کہ واجب کا ترک عذر سے جائز ہے تو ترک سنت عذر سے بطریق اولے جائز ہے کذا فی الخلاصۃ طحطاوی نے کہا حذف کرنا لفظ لا کا لا یمکنہ سے صواب ہے اس واسطے کہ فتاوی عالمگیری میں یوں ہے والالم[1] یفعل الا ان یمکنہ ان یتزوج او یشتری ختانۃ تختنہ والظاہر فی الکبیر انہ یختن ویکفی قطع الاکثر اور ظاہر مذہب کبیر السن کے حق میں یہ ہے کہ مقررہ ختنہ کرے اور قطع اکثر قلفہ پوست سر ذکر کفایت کرتا ہے حصول سنت میں ولا باس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک درر اور کچھ مضائقہ نہیں مرد عالم اور متقی کے ہاتھ چومنے میں بطریق تبرک کے کذا فی الدرر م بلکہ قبلہ تحیۃ کا سنت ہونا یا مستحب ہونا احادیث سے ثابت ہوتا ہے شرنبلالی نے رسالہ مصافحہ میں بعد گفتگوئے تقبیل کے کہا کہ اس سے پانچ قول حاصل ہوئے قبلہ تحیۃ میں اول کراہت تقبیل مطلقاً اور یہ امام کا قول ہے ثانی قول صاحبین رح کہ لا باس بہ مطلقاً یعنی کچھ مضائقہ نہیں مطلقاً ۱۲ اور قول ثالث تفصیل یعنے اگر بوسہ تبرک کے واسطے ہے جیسے عالم اور متورع اور سلطان عادل کا ہاتھ چومنا تو اس میں بعض متاخرین نے رخصت دی ہے اور احادیث سے اس کی سنیت یا استحباب معلوم ہوتا ہے بقول علامہ عینی اور قول رابع تقبیل غیر متبرک ہے غرض دنیا کے واسطے سو وہ مکروہ ہے اور قول خامس یہ ہے کہ اگر فاعل کو تعظیم مسلم اور اس کا اکرام منظور ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کذا فی الطحطاوی عینی نے شرح ہدایہ میں کہا عالم اور متقی کے مانند والدین اور استاد کا ہاتھ چومنا درست ہے اور جو شخص تعظیم اور تکریم کا مستحق ہے اس کی تقبیل ید جائز ہے ونقل المصنف عن الجامع انہ لا باس بتقبیل ید الحاکم المتدین

---

[1] ورنہ نہ کرے مگر درصورتیکہ نکاح کرسکتا ہو ختانہ عورت کو جو اس کی ختنہ کرے ۱۲

اور مصنف نے شرح میں جامع سے نقل کیا کہ کچھ مضائقہ نہیں حاکم دیندار کے ہاتھ چومنے کا طحطاوی نے کہا اس کی کچھ حاجت نہ تھی کہ یہ تو قول ائمہ میں داخل ہے اس واسطے کہ سلطان صاحب سلطنت اور حکومت کو کہتے ہیں **والسلطان العادل** وقیل سنۃ مجتبی اور سلطان عادل کے ہاتھ چومنے میں مضائقہ نہیں اور بعضوں نے اس کو سنت کہا ہے کذا فی المجتبی م تقبیل میں احادیث کثیرہ مروی ہیں از انجملہ عبداللہ بن عمر سے ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ہم لڑائی سے پلٹ کر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ہم نے آپ کا دست مبارک چوما اور ابو داؤد اور ترمذی اور نسائی میں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چال ڈھال میں کسی کو میں نے فاطمہ بنت رسولؐ سے زیادہ تر مشابہ نہیں دیکھا جب فاطمہ آتی تھیں تو حضرتؐ ان کے واسطے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور ان کو چومتے تھے اور اپنے مقام پر بٹھلاتے تھے اور ترمذی اور نسائی نے روایت کی کہ یہود کی قوم نے حضرت کے ہاتھ اور پانوں چومے اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی کہ جب عثمان بن مظعون مر گئے تو حضرت علیہ الصلوۃ والسلام ان پر جھکے اور ان کا بوسہ لیا اور اتنا روئے کہ آنسو چہرۂ مبارک پر بہے ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے تو ان احادیث سے اباحت تقبیل ید رجل ثابت ہوئی اور سر اور کوکھ کی اور احادیث سے ثابت ہے اور تقبیل بین العینین وعلی الشفتین عبداللہ بن جعفر کی حدیث سے جس کو بیہقی نے بوسہ دینا ۱۲ روایت کیا ہے ثابت ہے لیکن یہ جواز بشرط تعظیم اور تکریم سے ہے اور اگر بطریق شہوت کے ہو تو جائز نہیں درمیان دو چشم ۱۲ دونوں لبوں پر ۱۲ مگر زوجین کے حق میں کذا فی العینی شرح الہدایہ مختصراً وتقبیل راسہ ای راس العالم اجود کما فی البزازیۃ اور چومنا اس کے سر یعنی عالم کے سر کا جید تر ہے کذا فی البزازیہ م طحطاوی نے کہا شاید کہ اجود بمعنی اکثر ثواب کے ہے ولا رخصۃ فیہ ای فی تقبیل الید لغیرہما ای لغیر عالم وعادل ہو المختار مجتبی وفی المحیط ان لتعظیم اسلامہ واکرامہ جاز وان لنیل الدنیا کرہ اور رخصت نہیں ہے سوائے عالم اور عادل کے ہاتھ چومنے میں یہی قول مختار ہے کذا فی المجتبی اور محیط میں ہے کہ اگر غیر عالم اور عادل کا ہاتھ چومنا فقط اس کے اسلام کی تعظیم اور اکرام کے واسطے ہو تو جائز ہے اور اگر دنیا حاصل کرنے کے واسطے یہ خوشامد ہے تو مکروہ ہے طلب من عالم او زاہد ان یدفع الیہ قدمہ ویمکنہ من قدمہ لیقبلہ اجابہ وقیل لا یرخص فیہ کما یکرہ تقبیل المرأۃ فم اخری او خدہا عند اللقاء او الوداع کما فی القنیۃ مقدما للقیل ایک شخص نے عالم یا زاہد سے اس کی درخواست کی کہ اپنا قدم اُس کی طرف بڑھا دے اور اپنا قدم اس کو چومنے دے تو اس کو عالم یا زاہد مان لے یعنے چومنے دے اور بعضوں نے کہا کہ نہ مانے چومنے کی رخصت نہ دے جیسے عورت کو دوسری عورت کا منہ اور گال چومنا مکروہ ہے ملنے اور رخصت ہونے کے وقت چنانچہ قنیہ میں ہے بتقدیم قول بعض یعنی صاحب قنیہ نے عدم اجابت کو مقدم ذکر کیا اجابت پر قال وما یفعلہ الجہال من تقبیل ید نفسہ اذا لقی غیرہ فہو مکروہ فلا رخصۃ فیہ صاحب قنیہ نے کہا اور یہ جو بعض جہال کی عادت ہے اپنے ہاتھ منہ چومنے کی جب غیر شخص سے ملاقات کرے تو وہ مکروہ ہے سو اس میں رخصت نہیں یعنی مکروہ تحریمی ہے واما تقبیل ید صاحبہ عند اللقاء فمکروہ اجماعا اور اپنے ساتھی کی تقبیل ید ملاقات کے وقت تو بالاجماع مکروہ ہے م طحطاوی نے کہا یہ قول تو اقوال سابقہ سے جدا نہیں ہے تو حکایت اجماع کی اس میں کیا وجہ ہے وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ آثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن اور یہ لوگ جو زمین کو چومتے ہیں عالموں اور سلاطین اور امیروں کے سامنے سو حرام ہے اور کرنے والا اور جو اس فعل سے راضی ہو عالم ہو یا سلطان دونوں گنہگار ہیں اس واسطے کہ اس طرح زمین کا چومنا بت پرستی کے مشابہ ہے یعنی اس واسطے کہ اس میں سجدۂ غیر خدا کی صورت معلوم ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی وہل یکفران علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر وان علی وجہ التحیۃ لا وصار آثما مرتکبا للکبیرۃ اور کیا زمین کا چومنے والا کافر ہو جاتا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ اگر بروجہ عبادت اور تعظیم کے کرتا ہے تو کافر ہو گیا اور اگر بروجہ تحیۃ اور سلام کے کرتا ہے تو کافر نہ ہو گا گنہگار مرتکب کبیرہ ہو جاوے گا وفی الملتقط التواضع لغیر اللہ حرام اور ملتقط میں ہے کہ غیر خدا یعنے مخلوق کے واسطے تواضع کرنا یعنے گڑگڑانا اور بہت جھکنا حرام ہے م طحطاوی نے کہا مراد یہ ہے

کہ غرض دنیاوی کے حاصل کرنے کے واسطے اور شہوت پرستی کے لیے تواضع کرنا حرام ہے اور اگر فقیر اور کبیر السن کے واسطے تواضع اور انکسار کرے تو وہ تواضع درحقیقت خدا کی طرف ہی راجع ہے یعنے اس سے غرض دین ہے نہ غرض دنیا وفی الوہبانیۃ یجوز بل یندب القیام تعظیما للقادم کما یجوز القیام ولو للقاری بین یدے العالم وتجی نظما اور وہبانیہ میں ہے کہ جائز بلکہ مستحب ہے کھڑا ہوجانا آنے والے مسافر کے لیے جیسے جائز ہے کھڑا ہوجانا قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے اور آخر کتاب الحظر میں یہ مسئلہ نظم میں آوے گا شرنبلالی نے کہا فقیہوں کا کلام قیام میں مختلف ہے سو بعضوں نے قیام کو منع کیا بدلیل حدیث ابوداؤد کے کہا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نکلے عصا کو ٹیکے تو ہم اصحاب کھڑے ہوگئے تو فرمایا کہ نہ کھڑے ہو جیسے عجمی لوگ ایک دوسرے کے واسطے کھڑے ہوجاتے ہیں اور بعضوں نے قیام کو مباح کہا ہے باستدلال قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فاطمہؓ کے واسطے چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں مروی ہے اور بعضوں نے اس میں تفصیل کی ہے چنانچہ قاضی خاں نے کہا ہے چند لوگ قرآن پڑھتے ہیں یا ایک شخص قرآن پڑھتا ہے پھر اس کے پاس کوئی اشراف میں سے آیا تو فقہا نے کہا کہ اگر مرد آنے والا عالم ہو یا قاری کا باپ یا استاد ہو تو اس کے واسطے اٹھنا جائز ہے اور اس کے سوا قیام جائز نہیں انتہی اور مجمع فتاوی النفاکی میں ہے قیام قاری کا جائز ہے جب کوئی اس سے زیادہ تر عالم یا اس کا استاد جس نے اس کو قرآن یا علم سکھایا آوے یا اس کے والدین آویں اور ان کے سوا اور کسی کے واسطے قیام جائز نہیں اگرچہ آنے والا جلیل القدر اور شریف ہو اور شرنبلالی نے ابن وہبان سے نقل کیا کہ ہمارے زمانے میں قیام مستحب ہے اس واسطے کہ ترک قیام کینہ اور بغض اور عداوت کا مورث ہوتا ہے خصوصاً جس ملک میں قیام کی عادت ہو اور وہ جو قیام پر وعید واقع ہے وہ ان کے حق میں محمول ہے جو کھڑے رہنے کو اپنے سامنے پسند رکھتے ہیں چنانچہ ترک اور اہل عجم کی عادت ہے اور اصحاب کبار کا نہ اٹھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کراہت قیام پر دلالت نہیں کرتا اس واسطے کہ تعظیم کے واسطے کھڑا ہوجانا عرب کی عادت نہ تھی اور جب سعدؓ آئے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا قوموا لسیدکم یعنے اپنے سردار کے واسطے اٹھو کذا فی الطحطاوی فائدہ قیل التقبیل علی خمسۃ اوجہ قبلۃ المودۃ للولد علی الخد وقبلۃ الرحمۃ لوالدیہ علی الراس وقبلۃ الشفقۃ لاخیہ علی الجبہۃ وقبلۃ الشہوۃ لامرأتہ وامتہ علی الفم وقبلۃ التحیۃ للمؤمنین علی الید وزاد بعضہم قبلۃ الدیانۃ للحجر الاسود جوہرہ قلت تقدم فی الحج تقبیل عتبۃ الکعبۃ فائدہ اقسام تقبیل میں بعضوں نے کہا کہ چومنا پانچ قسم پر ہے اول چومنا مودت اور پیار کا فرزند کے لئے گال پر اور دوم چومنا رحمت کا اپنے والدین کے واسطے سر پر اور سوم چومنا شفقت کا اپنے بھائی کے واسطے پیشانی پر اور چہارم چومنا شہوت کا اپنی عورت کو یا اپنی حلال لونڈی کو منہ پر اور پنجم چومنا تحیۃ اور سلام کا مومنین کے واسطے ہاتھ پر اور بعضوں نے بوسہ عبادت اور دیانت کو زیادہ کیا ہے حجر اسود کے واسطے کذا فی الجوہرۃ میں کہتا ہوں اور کتاب الحج میں آستانہ کعبہ کا چومنا مقدم مذکور ہوچکا یعنے یہ بھی بوسہ دیانت ہے وفی القنیۃ فی باب ما یتعلق بالمقابر تقبیل المصحف قیل بدعۃ لکن روی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یاخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجہہ اور قنیہ میں ہے متعلقات مقابر کے باب میں کہ مصحف شریف کا چومنا بعضوں نے کہا بدعت ہے لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مصحف کو ہر صبح لیتے تھے اور چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ میرے رب کا عہد ہے اور وصیت ہے اور کتاب اور فرمان ہے میرے رب عزوجل کا اور عثمان رضی اللہ عنہ مصحف کو چومتے تھے اور اپنے چہرے پر اس کو ملتے تھے واما تقبیل الخبز فحرر الشافعیۃ انہ بدعۃ مباحۃ وقیل حسنۃ وقالوا یکرہ دوسہ لا بوسہ ذکرہ ابن قاسم فی حاشیتہ علی شرح المنہاج لابن حجر فی بحث الولیمۃ وقواعدنا لا تاباہ اور روٹی کے چومنے کو تو شافعیوں نے کہا کہ بدعت مباح ہے اور بعضوں نے بدعت حسنہ کہا ہے اور شافعیوں نے کہا کہ روٹی کا پاؤں سے روندنا مکروہ ہے نہ اس کا چومنا یہ بیان کیا ہے ابن قاسم نے اپنے حاشیہ میں جو ابن حجر کی شرح منہاج میں ہے ولیمہ کی بحث میں اور ہمارے قواعد بھی اس کو رد نہیں کرتے یعنی روٹی کا چومنا قواعد حنفیہ سے بھی مباح معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ تکریم اس کی حدیث میں مروی اور تقبیل منجملہ تکریم ہے

واللہ اعلم وجاز لا تقطعوا الخبز بالسکین واکرموہ فان اللہ اکرمہ اور حدیث میں آیا ہے کہ روٹی کو چھری سے نہ کاٹو اور اس کی تعظیم و تکریم کرو کہ حق تعالیٰ نے اس کو بزرگی دی ہے یعنے انسان اشرف المخلوقات کا قوت اس کو مقرر کیا ہے

فصل فی البیع

یہ فصل ہے بیع وغیرہ کے بعضے احکام میں م مسلمان کو تجارت اور سوداگری اور بیپار کرنا نہ چاہیے جب تک کہ خرید اور فروخت کے مسئلے دریافت نہ کرلے کہ کس چیز کی خرید و فروخت شرع میں جائز ہے اور کس کی نہیں زمانہ سابق میں سوال ہوا کہ قوم ترک بازاروں میں خرید فروخت کرتے ہیں اور ان کا اکثر مال حرام ہے اور ان میں بیاج اور عقود فاسدہ رائج ہیں تو جواب ہوا کہ اس کی تین صورتیں ہیں اوّل یہ کہ اگر ظن غالب معلوم ہو کہ یہ چیز انہوں نے غیر سے ظلم لی ہے اور وہ چیز بعینہ بلا تغیر موجود ہے اور بازار میں بیچی ہے تو اس کا خرید کرنا نہ چاہیے اگرچہ دست بدست کئی بار وہ بک گئی ہو ثانی یہ کہ وہ چیز تو بعینہ موجود ہے لیکن اور چیز سے اس طرح مخلوط ہو گئی ہو کہ جدا نہیں ہو سکتی تو امام اعظم کے قاعدہ پر خلط سے اس کی ملک میں داخل ہو گئی مگر اس سے خرید کرنا نہ چاہیے جب تک کہ وہ مالک کو راضی نہ کرلے بدلا دے کر تو اگر بلا ادائے ضمان خرید کرے گا تو مشتری مالک ہو گا مع الکراہۃ ثالث یہ کہ جب معلوم ہو کہ غصب اور بیاج وغیرہ کی چیز اس کے پاس باقی نہیں اس نے بیچ ڈالی غیر کے ہاتھ تو واقف کو ان سے خرید کرنا درست ہے اور یہ فتویٰ ہے اور بہتر یہ ہے کہ ان سے خرید نہ کرے بالجملہ طلب حلال ان بلاد میں دشوار ہے جواہر الفتاوے میں ہے کہ ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ اس زمانہ میں حرام محض کا ترک اپنے اوپر لازم جان اس واسطے کہ ایسی چیز نہ پاوے گا جس میں شبہ نہ ہو قنیہ میں ہے اگر ظن غالب ہو کہ اہل بازار کی اکثر بیوع فساد سے خالی نہیں تو اگر حرام غالب ہو تو خرید کرنے سے کنارہ کرے ولیکن باوجود اس کے اگر خرید کرے گا تو اس کے حق میں حلال ہو گی بشرطیکہ اخیر مشتری کی بیع صحیح ہو گی کذا فی العالمگیریۃ کرہ بیع العذرۃ رجیع الآدمی خالصۃ یعنے آدمی کے خالص گوہ کی بیع مکروہ ہے م برجندی نے خزانہ سے نقل کی کہ آدمی کے گوہ کی بیع باطل ہے لیکن اگر اس پر مٹی غالب ہو تو جائز ہے لا یکرہ بل یصح بیع السرقین اے الزبل خلافا للشافعی مکروہ نہیں بلکہ صحیح ہے گوبر اور لید اور مینگنی کی بیع برخلاف شافعی کے شارح نے کہا سرقین عبارت ہے زبل بالکسر سے یعنے فضلہ حیوانات م سرقین معرب ہے سرگین کا وہ عبارت ہے روث اور بعر اور خثی سے کذا فی الحموی وصح بیعہا مخلوطۃ بتراب او رماد غلب علیہا فی الصحیح اور آدمی کے گوہ کی بیع صحیح ہے جب کہ وہ مخلوط ہو گیا اس قدر مٹی اور راکھ سے جو گوہ پر غالب ہے قول صحیح میں م قہستانی نے کہا کہ خلط کی صورت یہ ہے کہ مٹی اور راکھ اٹھا کر گوہ پر ڈالی ہو نہ بالعکس اس واسطے کہ نجس کا اٹھانا ممنوع ہے محیط اور اختیار میں صحت بیع مخلوط بلا قید تراب مذکور ہے تو یا مطلق کو مقید پر حمل کیجئے یا رخصت اور استحباب پر کذا فی الطحطاوی کما صح الانتفاع بمخلوطہا اے العذرۃ بل بہا خالصۃ علی ما صححہ الزیلعی وغیرہ خلافا لتصحیح الہدایۃ فقد اختلف التصحیح بیع کے مانند آدمی کے مخلوط گوہ سے نفع لینا یعنے باغ اور کھیت میں بانس ڈالنا صحیح ہے بلکہ خالص گوہ سے انتفاع درست ہے زیلعی وغیرہ کی تصحیح کے بموجب برخلاف تصحیح ہدایہ تو تصحیح میں اختلاف واقع ہوا وفی الملتقی ان الانتفاع کالبیع اے فی الحکم فافہم اور ملتقی میں ہے کہ انتفاع عذرہ بیع کے مانند ہے یعنے حکم میں برابر ہے تو اس کو سمجھ لے یعنے جیسے بیع میں خلط شرط ہے ویسے ہی انتفاع میں وجاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحۃ بیعہ اور مسلمان کو جائز ہے اپنا دین لینا جو کافر پر ہے شراب کے ثمن سے بسبب صحیح ہونے بیع شراب کے یعنے شراب کافر کے حق میں مال متقوم ہے تو ثمن کا مالک بائع ہو گا تو اس سے دین لینا درست ہو گا برخلاف مسلم کے کہ شراب اس کے حق میں مال متقوم نہیں تو ثمن کا مالک مشتری ٹھہرے گا نہ بائع بخلاف دین علی المسلم لبطلانہ الا اذا وکل ذمیا ببیعہ فیجوز عندہ خلافا لہما وعلی ہذا لو مات مسلم وترک ثمن خمر باعہ مسلم لا یحل لورثتہ کما بسطہ الزیلعی برخلاف اس دین کے جو مسلمان پر ہے تو ثمن شراب کا لینا درست نہیں بسبب باطل ہونے بیع مذکور کے مگر جب کہ مسلمان ذمی کو اپنا وکیل کرے شراب کے بیچنے میں تو امام کے نزدیک یہ بیع جائز ہے برخلاف صاحبین کے اور بنا بر اس کے یعنے بطلان بیع کے اگر مسلمان مر گیا اور اس نے ثمن اس شراب کا متروکہ چھوڑا جس کی بیع کسی مسلمان نے کی تھی تو اس کے وارثوں

کو حلال نہیں چنانچہ اس کو زیلعی نے شرح بیان کیا ہے م زیلعی نے کہا فقہائنے کہا اگر مرد مرگیا اور اس کی کمائی شراب بیچنے یا ظلم یا رشوت کی تھی تو اس کے وارث اس کو نہ لیں اور اس مال کے مالکوں کو پھیر دیں اگر ان کو جانتے ہوں اور اگر نہ جانتے ہوں تو مال کو خیرات کر دیں یعنی مالکوں کے ثواب کی نیت سے اس واسطے کہ حرام کمائی کا طریقہ تصدق ہے جب مالک پہ رد نہ ہو سکے کذا فی الطحطاوی وفی الاشباہ الحرمۃ تنتقل مع العلم الا للوارث الا اذا علم ربہ اور اشباہ میں ہے کہ حرمت منتقل ہوتی ہے مگر وارث کے حق میں منتقل نہیں ہوتی مگر جب کہ وارث مال حرام کے مالک کو جانتا ہو تو وارث کے حق میں بھی حرمت انتقال کرتی ہے قلت ومر فی البیع الفاسد لکن فی المجتبیٰ مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال ثم رمز وقال لا ناخذ بھذہ الروایۃ وھو حرام مطلقا علی الورثۃ قنیہ میں کہتا ہوں اور اشباہ کا قول بیع فاسد میں مذکور ہو چکا لیکن مجتبیٰ میں ہے کہ ایک شخص مرگیا اور اس کا کسب حرام ہے تو میراث حلال ہے پھر صاحب مجتبے نے رمز لکھی اور کہا کہ ہم اس روایت کو نہیں لیتے ہیں اور وہ مال حرام ہے مطلقاً وارثوں پر خواہ وارث صاحب مال کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں تو خبردار رہیو کہ اشباہ کا قول ضعیف ہے لائق حجت کے نہیں ہے م ملتقی میں امام محمد سے روایت ہے کہ نوحہ گر عورت یا طبل یا مزمار بجانے والے نے مال کمایا اگر نوحہ اور بجانے کی شرط پر مال حاصل ہوا تو مالکوں کو وہ مال پھیر دے اگر جانتا ہو اس واسطے کہ یہ مال بمقابلہ گناہ کے ہے تو اس کا لینا گناہ ہے اس کو پھیر دینا چاہیے اور اگر صاحب مال معلوم نہ ہو تو خیرات کر دے مالکوں کی طرف سے تاکہ اگر عین مال ان کو نہیں ملا تو ثواب ان کو ملے اور اگر بلا شرط نوحہ گری اور سرود کے مال ملا تو یہ حلال ہے کذا فی الطحطاوی ہندوستان میں رائج ہے کہ اکثر قوال اور گانے والوں سے اجرت نہیں ٹھہراتے اور شرط نہیں کرتے بعد فراغت شادی کے رواج اور معمول کے موافق دیتے ہیں تو اگرچہ ظاہر میں یہ شرط نہیں لیکن درحقیقت یہ بھی شرط ہے اس واسطے کہ فقہ کا قاعدہ کہ المعروف کالمشروط یعنے معمولی اور مروج مشروط کے برابر ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے وجاز تحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد اور جائز ہے آرائش مصحف مجید کی چاندی سونے سے اس واسطے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے جیسے مسجد کی نقش کاری اور آرائش میں تعظیم اور جلالت قدر ہے م خانیہ میں ہے کہ آرائش مصحف کی سونے اور چاندی سے درست ہے اور ابو یوسف کے نزدیک مکروہ انتہی اور مسئلہ مسجد میں اختلاف ہے سراجیہ میں ہے مسجد میں نقش کاری چونہ اور ساگون اور سونے کے پانی سے لاباس بہ اور فقیروں کو دینا افضل ہے نقش کاری سے مضمرات میں ہے کہ اسی قول پر فتوی ہے کہ بعض مشائخ نے کہا کہ محراب اور دیوار قبلہ پر نقش کاری قلیل ہو یا کثیر مکروہ ہے اس واسطے کہ نمازی کا دل مشغول ہو جاتا ہے تماشا میں نماز سے غافل ہو جاتا ہے اور چھت کی نقش کاری قلیل ہو تو جائز ہے اور کثیر مکروہ جو مٹی نجس پانی سے تر ہوئی اس کا لگانا مسجد میں مکروہ ہے برخلاف لید اور گوبر کے جب مٹی میں ملائی گئی تو اس کا مسجد میں لگانا درست ہے استحکام کی ضرورت کے سبب سے مسجد میں کھانا اور سونا مکروہ ہے مگر معتکف کو درست ہے اور جب کھانے اور سونے کا مسجد میں قصد کرے تو اعتکاف کی نیت کر لے پھر مسجد میں جائے اور ذکر خدا کرے جس قدر مدت کی اعتکاف کی نیت ہو یعنے گھڑی یا دو گھڑی کی یا نماز پڑھے پھر اس کے بعد کھانا یا لیٹنا جو چاہے کرے چنانچہ سراجیہ میں ہے مسجد میں درخت لگانا سایہ کی نیت سے درست ہے بشرطیکہ مسجد میں تنگی نہ ہوتی ہو اور صف میں خلل نہ پڑتا ہو تعظیم مسجد پندرہ طرح پر ہے اول یہ کہ دخول مسجد کے وقت سلام کرے اگر لوگ بیٹھے ہوں اور ذکر وغیرہ میں مشغول نہ ہوں اور اگر نماز پڑھتے ہوں تو یوں کہے السلام علینا[1] من ربنا وعلی عباد اللہ الصالحین ۲ نماز پڑھے دو رکعت تحیۃ المسجد بیٹھنے سے پہلے ۳ خرید و فروخت نہ کرے ۴ تلوار نہ نکالے ۵ گم ہوئی چیز وہاں تلاش نہ کرے ۶ سوائے ذکر خدا کے وہاں آواز بلند نہ کرے ۷ دنیا کی باتیں نہ کرے ۸ اندر جانے کے واسطے لوگوں کی گردنوں پر نہ پھاندے ۹ مکان کے واسطے نزاع نہ کرے کہ میں یہاں بیٹھوں گا تو وہاں بیٹھ ۱۰ کسی پر تنگی نہ کرے صف میں ۱۱ نمازی کے آگے نہ چلے ۱۲ مسجد میں نہ تھوکے ۱۳ وہاں انگلیاں نہ چٹکاوے ۱۴ نجاسات اور لڑکوں اور دیوانوں اور اقامت حدود سے مسجد کو پاک رکھے ۱۵ اللہ

ف احکام مسجد

[1] یعنے ہم پر سلام ہو ہمارے پروردگار کی طرف سے اور اللہ تعالی کے نیک بندوں پر ۱۲

کی یاد اس میں بہت کرے کذا فی العالمگیریہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب مسجد میں جائے تو اول داہنا پانوں رکھے اور درود پڑھے اور یہ دعا کرے اللّٰھم افتح علی ابواب رحمتک اور جب باہر نکلے تو اول بایاں پانوں بڑھا دے اور درود پڑھے اور یوں دعا کرے اللّٰھم افتح علی ابواب فضلک **وتعشیرہ** اور قرآن مجید کی دس دس آیتوں پر علامت بنانا جائز ہے **ونقطہ** ای اظہار اعرابہ وبہ یحصل الرفق جدا خصوصاً للعجم فیستحسن اور قرآن مجید کا نقطہ یعنی اس کے اعراب کو ظاہر کرنا لکھ کر جائز ہے اور اعراب کی تحریر سے یقیناً آسانی حاصل ہوتی ہے خصوصاً عجمیوں کو یعنی عرب کے سوا اور ملک والوں کو تو اعراب دینا مستحب ہے امام برہان میں ہے کہ اصل روایت یہ ہے کہ تعشیر اور نقط مصحف میں مکروہ ہے اس واسطے کہ اس میں ترک تجرید ہے اور عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ قرآن کو مجرد رکھو اور اس میں اس چیز کو نہ ملاؤ جو اس میں داخل نہیں اور تجرید دو معنی کی محتمل ہے ایک تجرید فی التلاوۃ یعنی قرآن کے ساتھ غیر قرآن کو نہ پڑھنا دوسری تجرید فی الخط یعنی قرآن کے لکھنے میں نقط اور تعشیر نہ کرنا کذا فی الطحطاوی لیکن متاخرین کے نزدیک تسہیل کے واسطے درست ہے **وعلی ہذا لاباس بکتابۃ اسامی السور وعدد الآی وعلامات الوقف ونحوہا فہی بدعۃ حسنۃ** درر وقنیۃ اور بنا بر اس کے نظر بہ تسہیل کچھ مضائقہ نہیں سورتوں کے نام اور آیتوں کی شمار اور وقف کی نشانیوں کے اور ان کے مانند چنانچہ لفظ سجدہ علامت آیات سجود کے لکھنے میں تو وہ بدعت حسنہ ہے کذا فی الدرر والقنیۃ **وفیہا لاباس بکواغذ اخبار ونحوہا فی مصحف وتفسیر وفقہ وتکرہ فی کتب نجوم وآداب** اور قنیہ میں ہے کہ مضائقہ نہیں اخبار وغیرہا کاغذات کا مصحف اور تفسیر اور فقہ کی دفتیوں میں لگانا اور نجوم اور ادب یعنی صرف ونحو بلاغت وغیرہا کا دفتیوں میں لگانا مکروہ ہے **م** فتاوی عالمگیری میں ہے کہ ابو حامد محمد غزالی ۱۲ سے سوال ہوا کواغذ اخبار اور متعلقات کا جن کو وراق غلاف میں استعمال کرتے ہیں یعنی صحاف دفتیوں میں لگاتے ہیں تو جواب دیا کہ مصحف اور کتب تفسیر اور فقہ میں درست ہے نہ کتب ادب اور نجوم میں انتہی لیکن یہ بیان نہیں کہ اخبار سے احادیث مراد ہیں یا تواریخ کذا فی الطحطاوی **ویکرہ تصغیر مصحف وکتابتہ بقلم دقیق** یعنی تنزیہا و **لا یجوز لف شئ فی کاغذ فقہ ونحوہ وفی کتب الطب یجوز** مصحف کی چھوٹی تختی کرنا اور باریک قلم سے لکھنا مکروہ بکراہت تنزیہی ہے اور فقہ وغیرہ دینی کتاب کے کاغذ میں کسی چیز کو لپیٹنا جائز نہیں اور طب کی کتابوں میں لپیٹنا جائز ہے **م** کتاب قرآن کا جو قصد کرے اس کو لائق ہے کہ واضح تر اور خوشخط کتابت کرے عمدہ سفید ورق پر جلی قلم اور روشن سیاہی سے لکھے اور بین السطور کشادہ رکھے اور مصحف کی ضخامت اور حجم زیادہ کرے کذا فی القنیۃ **وجاز دخول الذمی مسجداً مطلقاً وکرہہ مالک مطلقاً وکرہہ محمد والشافعی واحمد فی المسجد الحرام** اور جائز ہے داخل ہونا ذمی کا ہر مسجد میں اگرچہ مسجد الحرام ہو اور مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے ہر مسجد میں اور محمد اور شافعی اور احمد نے مسجد الحرام کے جانے کو مکروہ کہا ہے ذمی کے حق میں **م** امام کی دلیل وہ حدیث ہے جو سنن ابو داؤد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کو مسجد میں اتارا اور مسند احمد اور طبرانی میں بھی اس مضمون کی حدیث وارد ہے کذا فی العینی شافعی کی دلیل یہ آیت ہے انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ہذا یعنی مشرک ناپاک ہیں تو مسجد الحرام کے قریب نہ جاویں اس سال کے بعد اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ غسل جنابت اس طرح نہیں کرتے کہ جنابت دفع ہو اور نجاست کی دلیل سے مالک نے کہا کہ کسی مسجد میں ان کا جانا روا نہیں شارح نے اس کا جواب اگلے قول میں دیا **قلنا النہی تکوینی لا تکلیفی** ہم جواب کہتے ہیں کہ قرآن کی نہی تکوینی ہے نہ نہی تکلیفی **م** تکوینی نسبت ہے تکوین کی طرف اور تکوین ماتریدیوں کے نزدیک وہ صفت قدیم ہے جس کے طرف افعال کی صفات راجع ہوتی ہیں تو آیت شریفہ کے معنی یہ کہ حق تعالیٰ مشرکین میں مسجد الحرام کی نزدیکی کو پیدا نہ کرے گا امر تکوینی کی مثال ائتیا طوعا او کرہا اور امر تکلیفی کی مثال اقیموا الصلوۃ اور تکوینی اور تکلیفی کا فرق یہ ہے کہ امتثال متخلف نہیں ہوتا امر تکوینی سے عقلاً اور تکلیفی سے متخلف ہوتا ہے کذا فی الحلبی **وقد جوزوا عبور عابر السبیل جنبا** اور البتہ شافعیوں نے جائز رکھا ہے جنابت میں مسجد کے اندر چلنا راہ چلنے کے مانند **م** یعنی یہ جو شافعیوں نے جنابت کفار کو عدم

---

[1] الٰہی کھول دے مجھ پر دروازے اپنی رحمت کے ۱۲

[2] الٰہی کھول دے مجھ پر دروازے اپنے فضل کے ۱۲

[3] یعنے فرمانبرداری اسی وقت ہو جاتی ہے اس میں درنگ نہیں ہوتی ۱۲

دخول مسجد پر دلیل ٹھہرایا ہے سو دلیل ناتمام ہے اس واسطے کہ ان کے نزدیک مسجد میں بلا توقف گزرنا درست ہے ومعنی لا یقربوا لا یحجوا ولا یعتمروا عراۃ بعد حج عامہم ہذا عام التسع حین امر الصدیق رضہ ونادی علیؓ علی بعیرہ بسورۃ براءۃ وقال الا لا یحج بعد عامنا ہذا مشرک ولا یطوف عریان رواہ الشیخان وغیرہما فلیحفظ پھر جب نہی تکوینی ٹھہری تو آیت شریفہ کا مطلب یہ ہوا کہ مشرکین حج اور عمرہ برہنہ نہ کریں گے اس سال یعنی ہجری نویں سال کے بعد جب کہ حضرت صدیق اکبر امیر حج ہوئے تھے اور حضرت علیؓ نے اپنے اونٹ پر سے سورہ براءت بآواز بلند سنا دی اور کہا خبردار رہو کہ ہمارے اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ طواف نہ کرے اس کو شیخین یعنی بخاری اور مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م اتقانی نے کہا کہ آیت ہمارے اصحاب کے نزدیک اس پر محمول ہے کہ مشرک منع کئے جاویں مسجد حرام کی تولیت اور کارپردازی سے یا برہنہ طواف پر محمول ہے چنانچہ جاہلیت میں کرتے تھے تو حق تعالیٰ نے تنزیہ مسجد الحرام کا امر فرمایا نہ یہ کہ نفس دخول ممنوع ہے بدلیل حدیث صحیح بخاری کے کہ مذکور ہو چکی تو یہ حکم یا فقط مومنین کو ہے کہ ان کو روکیں یا مومنین اور کفار دونوں کو بموجب اس قول کے کہ کفار فروع شریعت سے مخاطب ہیں اور یہ نہی تکوینی نہیں ہے اس واسطے کہ نہی تکوینی کا مدلول نہی سے عقلاً مختلف نہیں ہوتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے انتہی طحاوی نے کہا یعنی یہ کیونکر معلوم ہو کہ بعد اس نہی کے کسی مشرک نے برہنہ طواف نہیں کیا تو بہتر یہ تھا کہ شارح وہ استدلال کرتا جو اور اہل مذہب نے کیا ہے انتہی مختصراً بتصرف ولا تنس ما مر فی فصل الجزیۃ اور وہ مضمون جو جزیہ کی فصل میں گذر گیا م فصل جزیہ میں یہ ہے کہ محمد نے سیر کبیر میں دخول کافر کو مسجد الحرام میں منع کیا ہے اور جامع صغیر میں عدم منع مذکور کیا ہے اور سیر کبیر پچھلی تصنیف ہے محمد کی تو ظاہر اس میں وہ مسئلہ وارد کیا ہے جو آخر کار خوب ثابت ہو گیا ہے وجاز عیادتہ بالاجماع اور جائز ہے بیمار پرسی ذمی کی بالاتفاق م بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ یہودی لڑکا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا جب بیمار ہوا تو حضرت اس کی عیادت کو تشریف لے گئے پھر فرمایا مسلمان ہو جا سو وہ مسلمان ہو گیا تو حضرت نے فرمایا شکر ہے خدا کو جس نے اس کو دوزخ سے آزاد کیا کذا فی العینی اور اس واسطے کہ عیادت ایک قسم کا احسان ہے اور قرآن مجید میں حربی کفار کے احسان سے منع فرمایا برخلاف غیر حربی کے لیکن جامع صغیر میں یہودی اور نصرانی کی عیادت کا جواز مذکور ہے وفی عیادۃ المجوسی قولان اور مجوسی کی عیادت میں دو قول ہیں جواز اور عدم جواز وجاز عیادۃ فاسق علی الاصح لانہ مسلم والعیادۃ من حقوق المسلمین اور جائز ہے بیمار پرسی فاسق کی بر قول اصح اس واسطے کہ فاسق مسلمان ہے گنہگار اور بیمار پرسی تو مسلمانوں کے حقوق میں سے ہے وجاز خصاء البہائم حتی الہرۃ اور جائز ہے خصی کرنا چارپائے جانوروں کا یہاں تک کہ بلی کا بھی م خصی وہ جس کا خصیہ نکالا جائے ہندی میں اس کو بدھیا کہتے ہیں واما خصاء الآدمی فحرام اور آدمی کا خصی کرنا تو حرام ہے م خوجوں سے خدمت لینا اور ان کو عورتوں میں جانے دینا مکروہ ہے امام اعظم نے کہا کہ اگر لوگ ان سے خدمت نہ لیتے تو خصی کرنے والے ان کو کیوں خصی کرتے بعضوں نے کہا کہ خوجے مخصوص بچند امور ہیں اول یہ کہ مسلم کے صلب سے پیدا نہیں ہوتے اور نہ ان سے مسلمان پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کی تادیب میں زبردست اور خود بے ادب اور عورتوں کی مجلس میں آرزو کرتے ہیں کہ کاش ہم بھی عورت ہوتے اور مال جمع کرنے میں نہایت حریص ہوتے ہیں اور شدت سے بخیل ہوتے ہیں باوجودیکہ اولاد نہیں رکھتے کذا فی العینی قیل والفرس بعضوں نے کہا اور گھوڑے کا آختہ کرنا حرام ہے م شیخ الاسلام نے کہا حرام ہے اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک آختہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں وقیدوہ بالمنفعۃ والا فحرام اور خصی کرنے میں فقہاء نے منفعت کی قید لگائی اور اگر منفعت نہ ہو تو حرام ہے م یعنی اگر گھوڑے کے سوا اور جانوروں کے خصی کرنے میں فائدہ حاصل ہوتا ہو تو درست ہے اور اگر منفعت یا دفع مضرت نہ ہو تو حرام ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے ذخیرہ سے وانزاء الحمیر علی الخیل کعکسہ قہستانی اور گدھا چڑھانا گھوڑی پر اور گھوڑا چڑھانا گدھی پر جائز ہے یعنے بچہ لینے کے واسطے کذا فی القہستانی والحقنۃ للتداوی ولو للرجل بطاہر لا بنجس اور حقنہ اور عمل لا بیماری کے علاج کے واسطے پاک چیز سے نہ ناپاک سے درست ہے اگرچہ حقنہ مرد کے واسطے ہو م دفع مرض کے واسطے حقنہ درست ہے نہ

بدن کے واسطے سنن ابو داؤد میں ابو درداء سے روایت ہے فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے بیماری اور دوا اتاری ہیں اور ہر بیماری کی دوا مقرر کی ہے تو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا نہ کیجیو کذا فی العینی وکذا کل تداو. لایجوز الا بطاہر لا بنجس اور اسی طرح ہر علاج کرنا جائز نہیں مگر پاک چیز سے نہ نجس سے وجوزہ فی النہایۃ بمحرم اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاء ولم یجد مباحا یقوم مقامہ اور نہایہ میں حرام چیز سے علاج کرنے کو جائز کہا ہے بشرطیکہ مسلمان طبیب نے اس کو خبر دی ہو کہ اسی حرام چیز سے شفا ہے اور کوئی مباح چیز اس کے قائم مقام نہیں پائی ہو ذخیرہ میں ہے ایک بیمار سے طبیب نے شراب پینے کو کہا علماء بلخ کی ایک جماعت نے کہا نظر کرنا چاہیے اگر یقیناً جانتا ہو کہ چنگا ہو جائے گا تو حلال ہے اور فقیہ عبدالملک نے اپنے استاد سے نقل کیا کہ حلال نہیں تمرتاشی میں ہے خون اور پیشاب پینا اور مردار کھانا بیمار کو علاج کے واسطے جائز ہے جبکہ طبیب مسلم نے اس سے کہا ہو کہ تیری اس میں شفاء ہے اور کوئی مباح چیز اس کے قائم مقام نہیں اور اگر طبیب نے کہا کہ اس میں جلد شفا ہو گی تو اس میں اختلاف ہے کذا فی العالمگیریۃ قلت وفی البزازیۃ ومعنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم نفی الحرمۃ عند العلم بالشفاء ودل علیہ جواز اساغۃ اللقمۃ بالخمر وجواز شربہ لازالۃ العطش انتہی وقد قدمناہ میں کہتا ہوں اور بزازیہ میں ہے کہ اس حدیث کا یعنے مقرر اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا مقرر نہیں کی اس چیز میں جس کو تم پر حرام کی مطلب نفی حرمت ہے شفا معلوم ہونے کے وقت یعنے جب یقیناً بلا تردد معلوم ہو جائے کہ اسی حرام چیز میں شفا ہے تو اب اس کی حرمت باقی نہ رہی دلالت کرتا ہے اس مطلب پر لقمہ اتارنے کا جواز شراب سے اور شراب پینے کا جواز دفع تشنگی کے واسطے انتہی اور اس کو مقدم ذکر کر چکے ہیں یعنے اگر لقمہ حلق میں اٹک گیا کسی طرح نہیں اترتا اور پانی نہیں ملتا تو اس وقت شراب پینا بقدر لقمہ اتارنے کے درست ہے اور اسی طرح عطش شدید میں شراب پی لینا بقدر دفع عطش مہلک کے درست ہے اور حالانکہ شراب نجس اور حرام ہے تو معلوم ہو گیا کہ اس وقت اس کی حرمت باقی نہ رہی والاجواز کی کون صورت ہے تتمہ دوا کرنا درست ہے اگر یہ اعتقاد ہو کہ شافی اللہ تعالیٰ ہے اور دوا کو اس نے سبب ٹھہرایا ہے اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ دوا شافی ہے تو درست نہیں معلوم کرنا چاہیے کہ ازالہ ضرر کے اسباب تین قسم ہیں ایک تو سبب قطعی اور یقینی ہے چنانچہ پانی ضرر عطش کا مزیل ہے اور روٹی ضرر گرسنگی کی مزیل ہے دوسرا سبب ظنی جیسے فصد اور پچھنے لگانا اور مسہل پینا اسی طرح سائر ابواب طب یعنے برودت کا معالجہ حرارت سے اور حرارت کا برودت سے اور یہی اسباب طب میں ظاہر ہیں تیسرا سبب موہوم جیسے داغنا اور افسون تو قطعی سبب کا ترک کرنا توکل نہیں بلکہ اگر موت کا خوف ہو تو اس کا ترک کرنا حرام ہے اور سبب موہوم کا ترک کرنا توکل کی شرط ہے اس واسطے کہ حدیث میں متوکلین کا وصف یوں ہی فرمایا ہے کہ وہ داغتے نہیں اور افسون نہیں کرتے اور درجہ متوسط یعنے سبب ظنی جیسے علاج کرنا اسباب طب سے تو اس کا کرنا توکل کے مخالف نہیں بخلاف سبب موہوم اور اس کا نہ کرنا بھی ممنوع اور محظور نہیں برخلاف ترک سبب قطعی بلکہ گاہے ترک علاج افضل ہوتا ہے اس کے فعل سے بعض احوال میں بعض اشخاص کے واسطے چنانچہ عمادیہ میں ہے ظہیریہ سے ایک شخص کا پیٹ جاری ہو گیا یا آنکھیں جوش میں آئیں سو اس نے دوا نہ کی یہاں تک کہ ناتواں ہو کر مر گیا تو اس پر گناہ نہیں اور اگر بھوکا رہا اور اس نے نہ کھایا باوجود قدرت کے یہاں تک کہ مر گیا تو وہ گنہگار ہو گا اور دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ کھانا بقدر قوت کے آسودہ کر دیتا ہے یقیناً تو اس کا ترک کرنا اپنی جان کو ہلاک کرنا ہے اور معالجہ اور دوا کرنا ایسا نہیں یعنی حصول شفا کا سبب قطعی نہیں ہے حجامت یعنی خون کا نکالنا پچھنوں سے ہر شخص کو مستحب ہے اور حجامت بعد نصف ماہ بروز شنبہ بہتر اور نافع ہے اور پندرھویں تاریخ سے پہلے مکروہ ہے ذخیرہ میں ہے کہ آدمی اور سور کے سوا اور حیوانات کی ہڈیوں سے علاج کرنا درست ہے لیکن اگر مردار جانور ہو تو اس کی خشک ہڈی سے علاج درست ہے نہ تر سے قنیہ میں ہے کہ عورت کے دودھ کا ناس لینا مرد کو اور علاج کے واسطے پینا درست ہے لیکن جواہر اخلاطی میں ہے کہ اجزاء آدمی سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں خلاصہ میں ہے کہ تریاق کا کھانا مکروہ

ہے جب کہ اس میں سانپ کا گوشت پڑا ہو لیکن بیع اس کی درست ہے اور اگر یقیناً معلوم ہو کہ اس میں سانپ نہیں پڑا ہے تو اس کا پینا درست ہے محیط میں ہے کہ لڑکوں کا داغنا مرض سے اور اسی طرح حیوانات کا داغنا نشانی کے واسطے درست ہے خزانۃ الفتاوی میں ہے کہ قرآن کے افسون کرنے میں اختلاف ہے یعنے مریض پر قرآن پڑھنا یا کاغذ میں لکھنا اور مریض پر لٹکانا یا برتن میں لکھ کے دھونا اور بیمار کو پلانا عطا اور مجاہد کے نزدیک مباح ہے اور نخعی کے نزدیک مکروہ ہے خزانۃ مفتیین میں ہے کہ نوروز کے ایام میں کاغذ پہ دعا وغیرہ لکھنا اور دروازوں پر چپکانا حرام ہے اس واسطے کہ اس میں اللہ تعالی کے نام پاک کی اہانت ہے اور نجومیوں سے مشابہت ہے الکل من العالمگیریۃ وجاز رزق القاضی من بیت المال لو بیت المال حلالا جمع بحق والا لم یحل اور جائز ہے قاضی کا رزق بیت المال یعنے خزانۂ سلطانی سے بشرطیکہ بیت المال حلال واجبی جمع ہوا ہو نہ غیر واجبی ظلم سے جمع ہوا ہو تو قاضی کو اس میں سے لینا حلال نہیں یعنی اس واسطے کہ وہ غیر کا مال ہے اس کے مالک کو پھیر دینا چاہیے کذا فی الزیلعی وعبر بالرزق لیفید تقدیرہ بقدر ما یکفیہ واہلہ فی کل زمان ولو غنیا فی الاصح اور مصنف نے وظیفۂ قاضی کو تعبیر برزق کیا تاکہ معلوم ہو کہ مقدار اس کی بقدر کفایت قاضی کے اور اس کے عیال کے چاہیے ہر زمانہ کے موافق اگر قاضی مالدار ہو تو بھی روزی اس کی بیت المال سے متعلق ہے قول اصح میں م اس واسطے کہ اس نے اپنی ذات کو روک رکھا مصلحت مسلمین کے واسطے اور حبس منجملہ اسباب نفقہ ہے وہذا لو بلا شرط ولو بہ کالاجرۃ فحرام لان القضا طاعۃ فلم یجز کسائر الطاعات قلت وہل یجری فیہ کلام المتاخرین لیحرر اور یہ یعنی بیت المال سے قاضی کی روزی کی حلت اس وقت ہے جب کہ روزینہ بدون شرط کے مقرر ہوا ہو اور اگر شرط سے ہو اجرت کے مانند تو اب قاضی کو بیت المال سے لینا حرام ہے اس واسطے کہ فیصل کرنا مقدمات کا طاعت اور عبادت ہے تو اس کا اجارہ جائز نہ ہوگا جیسے اور باقی طاعات کا جائز نہیں میں کہتا ہوں اور کیا قضا میں متاخرین کا کلام جاری ہوگا یا نہیں اس کی تحریر کرنا چاہیے م متاخرین کا کلام یہ ہے کہ طاعت پر استیجار پر درست ہے طحطاوی نے کہا تحریر اس کی یہ ہے کہ جس کے نزدیک قرأت قرآن اور فقہ مخصوص بجواز اجارہ ہے تو قضا وغیرہ حاجات میں اجارہ جائز نہ ہوگا اور جو عموم طاعات کے اجارہ کو جائز رکھتا ہے تو اس کے نزدیک درست ہوگا وجاز سفر امۃ وام الولد والمکاتبۃ والمبعضۃ بلا محرم ہذا فی زمانہم اما فی زماننا فلا لغلبۃ اہل الفساد وبہ یفتی ابن کمال اور لونڈی اور ام ولد اور مکاتبہ اور جو لونڈی کہ نصف یا ثلث آزاد ہے تو اس کا سفر کرنا بدون محرم کے درست ہے یہ حکم تھا زمانہ قدما کا ہمارے زمانہ میں تو سفر غیر محرم کے ساتھ لونڈیوں کا جائز نہیں اہل فساد کے غلبہ کے سبب سے اور اسی قول پر فتوی ہے کذا ذکرہ ابن کمال وجاز شراء ما لا بد للصغیر منہ وبیعہ اے بیع ما لا بد للصغیر منہ لاخ وعم وام وملتقط ہو فی حجرہم اے فی کنفہم والا لا اور صغیر کے واسطے خرید کرنا اس چیز کا جو اس کے واسطے ضروری ہے چنانچہ نفقہ اور کسوت اور دایہ نوکر رکھنا اور بیچنا اس کا جو صغیر کے واسطے ضروری ہے جائز ہے اس کے بھائی اور چچا اور ماں کو اور اس کو جس نے لاوارث لڑکا پڑا پایا بشرطیکہ صغیر اشخاص مذکورین کی حفظ اور پرورش میں ہو اور اگر ان کی پرورش میں نہ ہو تو خرید فروخت صغیر کے مال کی درست نہیں وجاز اجارتہ لامہ فقط لو فی حجرہا وکذا الملتقط علی الاصح کذا عزاہ المصنف لشرح المجمع ولم ارہ فیہ ویاتی متنا ما ینافیہ فتنبہ اور فقط اس کی ماں کو صغیر کا اجارہ دینا جائز ہے اگر اس کی پرورش میں ہو اور اسی طرح لاوارث لڑکا پلنے والے کو صغیر کا اجارہ درست ہے بنا بر قول اصح کے چنانچہ مصنف نے اپنی شرح میں اس قول کو شرح مجمع کی طرف نسبت کیا ہے اور میں نے اس میں نہیں دیکھا اور آگے متن میں وہ مضمون آوے گا جو اس کے مخالف ہے تو آگاہ رہو م طحطاوی نے کہا کہ مؤید قول مصنف زیلعی میں ہے قدوری کی روایت سے یعنے صغیر کا اجارہ ملتقط کو جائز ہے اس واسطے کہ اس میں ضرورت ہے اور صغیر کے واسطے محض نفع ہے وکذا العم عند الثانی خلافا للثالث اور اسی طرح صغیر کے چچا کو اس کا اجارہ دینا درست ہے ابو یوسف کے نزدیک نہ محمد کے نزدیک م یہ شارح کی غلط فہمی ہے اس واسطے کہ اس نے نقل کلام کا شرنبلالیہ سے قصد کیا ہے حالانکہ شرنبلالیہ میں یوں ہے کہ اگر صغیر

چچا کی پرورش میں ہو اور اس کی ماں اس کو اجارہ دے تو ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہے اور محمد کے نزدیک جائز نہیں کذا فی الطحطاوی ولو آجر الصغیر نفسہ لم یجز الا اذا فرغ العمل لتمحضہ نفعا فیجب المسمی اور اگر صغیر نے اپنی ذات کو خود اجارہ دیا تو جائز نہیں مگر جب کہ اجارہ کے کام سے فراغت حاصل ہو گئی ہو تو جائز ہے کیونکہ اب اجارہ نفع محض ہو گیا تو اجر مسمی واجب ہوگا یعنے علت عدم جواز احتمال ضرر تھا سو بعد از فراغ عمل ضرر کا احتمال نہ رہا اجرت حاصل ہونے سے سراسر نفع ہو گیا وصح اجارۃ اب وجد وقاض ولو بدون اجر المثل فی الاصح کما یعلم من الدرر فلیتبصر اور صحیح ہے اجارہ دینا صغیر کا باپ اور دادا اور قاضی کو اگرچہ اجارہ بدون اجر مثل کے ہو صحیح قول میں چنانچہ درر سے یہ معلوم ہوتا ہے تو اس کو دیکھ لے وجاز بیع عصیر عنب ممن یعلم انہ یتخذہ خمرا لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ بل بعد تغیرہ وقیل یکرہ لاعانتہ علی المعصیۃ اور نچوڑا شیرہ انگور کا بیچنا اس شخص سے جس کو بائع جانتا ہے کہ اس کی شراب بنا دے گا درست ہے اس واسطے کہ گناہ قائم نہیں ہوتا شیرہ کی ذات سے بلکہ گناہ ثابت ہوتا ہے شیرہ کے متغیر ہونے کے بعد یعنے شیرہ میں نشہ نہیں جو اس کی بیع ناجائز ہو بلکہ جب اس کی حقیقت بدل کر شراب بنے گی تب گناہ ثابت ہوگا اور قول ضعیف یہ ہے کہ شیرہ انگور کی بیع شراب بنانے والے کے ہاتھ مکروہ ہے گناہ کی اعانت کی سبب سے م شیرہ انگور کی بیع درست ہے جیسے جاریہ مغنیہ اور ٹکر مارنے والے مینڈھے اور اڑنے والے کبوتر اور لڑنے والے مرغ کی بیع درست ہے اس واسطے کہ ان اشیاء کی ذات خلاف شرع نہیں بلکہ ان کا استعمال خلاف شرع ہے یعنی گوانا اور ٹکر لگوانا اور کبوتر اڑانا اور مرغ لڑانا خلاف شرع ہے برہان میں ہے کہ شیرہ انگور کی بیع شافعی اور مالک کے نزدیک جائز نہیں بدلیل قولہ تعالی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنے حق تعالی نے فرمایا کہ باہم مددگاری نہ کرو گناہ اور سرکشی پر اور ہماری دلیل یہ آیت ہے واحل اللہ البیع یعنے حق تعالی نے بیع کو حلال کیا کذا فی الطحطاوی

ونقل المصنف عن السراج والمشکلات ان قولہ ممن ای من کافر اما بیعہ من المسلم فیکرہ ومثلہ فی الجوہرۃ والباقانی وغیرہما زاد القہستانی معزیا للخانیۃ انہ یکرہ بالاتفاق اور مصنف نے اپنی شرح میں سراج اور مشکلات سے نقل کیا کہ شیرہ انگور کی بیع کافر شراب ساز سے مکروہ نہیں اور مسلمان شراب ساز سے تو اس کی بیع مکروہ ہے اور اسی کی مانند جوہرہ اور باقانی وغیرہما میں ہے اور قہستانی نے خانیہ سے اتنا زیادہ نقل کیا ہے کہ اس کی بیع بالاتفاق مکروہ ہے بخلاف بیع امرد ممن یلوط بہ وبیع سلاح من اہل الفتنۃ لان المعصیۃ تقوم بعینہ برخلاف بیع امرد کے اس شخص سے جو اغلام کرتا ہے اور ہتھیار کا بیچنا اہل فتنہ سے کہ وہ جائز نہیں اس واسطے کہ یہاں گناہ بعینہ قائم ہوتا ہے بلا تغیر ثم الکراہۃ فی مسئلۃ الامرد مصرح بہا فی بیوع الخانیۃ وغیرہا

واعتمدہ المصنف علی خلاف ما فی الزیلعی والعینی وان اقرہ المصنف فی باب البغاۃ قلت وقدمنا ثمۃ معزیا للنہر ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریما والا فتنزیہا فلیحفظ توفیقا پھر دریافت کرنا چاہیے کہ مسئلہ امرد کی کراہت خانیہ وغیرہا کی کتاب البیوع میں مذکور ہے اور مصنف نے اسی پر اعتماد کیا ہے یہاں برخلاف قول زیلعی اور عینی کے اگرچہ مصنف نے عدم کراہت کو ثابت رکھا ہے اپنی شرح میں میں باب البغاۃ کے اندر میں کہتا ہوں اور ہم وہاں باب البغاۃ میں ذکر کر چکے ہیں نہر الفائق سے کہ جس چیز میں بعینہ گناہ ثابت ہوتا ہے تو اس کی بیع مکروہ تحریمی ہے اور اگر بعد تغیر کے گناہ ثابت ہوتا ہے تو اس کی بیع مکروہ تنزیہی ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے تناقض دفع ہونے کے واسطے م یعنے تو اس تقریر سے خانیہ اور زیلعی کا تناقض دفع ہو گیا یعنے نفی کراہت زیلعی تحریمی پر محمول ہے اور کراہت خانیہ تنزیہی پر محمول ہے واللہ اعلم وجاز تعمیر کنیسۃ اور تعمیر کنیسہ جائز ہے م کنیسہ عبادت خانہ یہودیان فارسی میں اس کو کنشت کہتے ہیں تعمیر سے مرمت مراد ہے نہ اعادہ لعدم الہدم دوبارہ بنانا ڈھ جانے کے بعد ۱۲ منح الغفار میں ہے کہ اگر مسلمان کنیسہ کی مرمت میں مزدوری کرے تو لا باس بہ اس واسطے کہ عین عمل میں معصیت نہیں اور اگر ناقوس بجانے کی نوکری کرے تو لائق نہیں کذا فی الطحطاوی وحمل خمر ذمی بنفسہ او دابتہ باجر اور کافر ذمی کی شراب لادنا اپنی پیٹھ پر یا اپنے جانور پر مزدوری لے کر جائز ہے امام کے نزدیک م اور صاحبین کے نزدیک یہ مکروہ ہے اس واسطے کہ شراب میں دس شخصوں پر لعنت ہے منجملہ ان کے حامل بھی ہے امام کی دلیل یہ ہے کہ عین فعل معصیت نہیں اس واسطے کہ حمل گاہے شراب کے گرا دینے یا سرکہ بنانے کے واسطے بھی ہوتا ہے اور ملعون وہ حامل ہے جو معصیت کا قصد کرے فخر الاسلام نے کہا کہ قول امام قیاس ہے اور قول صاحبین استحسان کذا فی الحموی لا عصرہا لقیام المعصیۃ بعینہ اور شراب ٹپکانے کی مزدوری جائز نہیں اس واسطے کہ معصیت بعینہ قائم ہے وجاز اجارۃ بیت بسواد الکوفۃ ای قراہا لا بغیرہا علی الاصح واما الامصار والقری غیر الکوفۃ فلا یمکنون لظہور شعار الاسلام فیہا وخص سواد الکوفۃ

لان غالب اہلہا اہل الذمۃ لیتخذ بیت نار او کنیسۃ او بیعۃ او یباع فیہ الخمر وقالا لاینبغی ذلک لانہ اعانۃ علی المعصیۃ وبہ قالت الثلثۃ زیلعی اور قریات کوفہ میں گھر کرایہ دینا آتش خانہ یا کنشت یا کلیسا بنانے کے واسطے یا اس میں شراب بیچنے کے واسطے جائز ہے نہ اس واسطے قریات مذکورہ کے بنا بر قول اصح کے اور شہروں اور غیر کوفہ کی دیہات میں تو امور مذکورہ کی قدرت نہ دی جائے کافروں کو علامات اسلام کی ظاہر ہو جانے کے سبب سے اور قریات کوفہ میں یہ بات اس واسطے مخصوص ہوئی کہ اکثر وہاں کے رہنے والے ذمی تھے اور صاحبین نے کہا کہ کرایہ دینا امور مذکورہ کے واسطے لائق نہیں اس واسطے کہ یہ گناہ کی اعانت ہے اور یہی قول ہے امام شافعی اور مالک اور احمد کا کذا فی الزیلعی م امام کی دلیل یہ ہے کہ اجارہ واقع ہے منفعت مکان پر ولہذا اجرت بمجرد تسلیم کے واجب ہوتی ہے اور اس میں معصیت نہیں معصیت تو مستاجر کے فعل سے ہوتی ہے اور اس میں مختار ہے پھر جب فعل مختار درمیان میں واقع ہوا تو معصیت کی نسبت صاحب مکان سے قطع ہو گئی واللہ اعلم وجاز بیع بناء بیوت مکۃ وارضہا بلاکراہۃ وبہ قال الشافعی وبہ یفتی عینی وقدمر فی الشفعۃ اور مکہ معظمہ کے گھروں کی عمارت اور زمین کی بیع بلا کراہت جائز ہے اور یہی قول ہے شافعی کا اور اسی کا فتوی دیا ہے عینی نے اور یہ مسئلہ گذر گیا ہے کتاب الشفعۃ میں م وہاں کی بیع تو بالاجماع جائز ہے اور زمین کی بیع صاحبین کے نزدیک اور امام کی ایک روایت میں درست ہے اور اسی پر فتوی ہے اور دوسری روایت امام سے یہ ہے کہ اراضی مکہ کی بیع جائز نہیں وفی البرہان فی باب العشر ولا یکرہ بیع ارضہا کبنائہا وبہ یعمل اور برہان کے باب العشر میں ہے کہ زمین مکہ کی بیع وہاں کی عمارت کی مکروہ نہیں اور اسی کے مانند پر عمل ہے وفی مختارات النوازل لصاحب الہدایۃ لاباس ببیع بنائہا واجارتہا لکن فی الزیلعی وغیرہ یکرہ اجارتہا اور صاحب ہدایہ کے مختارات النوازل میں ہے کہ مکہ معظمہ کی عمارت بیچنے میں اور اس کے کرایہ میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن زیلعی وغیرہ نے کہا کہ اس کا کرایہ مکروہ ہے وفی آخر الفصل الخامس من التتارخانیۃ واجارۃ الوہبانیۃ قال قال ابوحنیفۃ رح اکرہ اجارۃ بیوت مکۃ فی ایام الموسم وکان یفتی لہم ان ینزلوا علیہم فی دورہم لقولہ تعالی سواء العاکف فیہ والباد ورخص فیہا فی غیر ایام الموسم انتہی فلیحفظ قلت وبہذا یظہر الفرق والتوفیق وہکذا کان ینادی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایام الموسم ویقول یا اہل مکۃ لاتتخذوا لبیوتکم ابوابا لینزل البادی حیث شاء ثم یتلو الآیۃ فلیحفظ اور تاتارخانیہ کی فصل خامس کے آخیر اور وہبانیہ کتاب الاجارہ میں دونوں کتاب والوں نے کہا کہ امام اعظم نے کہا کہ مکروہ جانتا ہوں میں مکہ معظمہ کے گھروں کا کرایہ موسم حج کے دنوں میں اور امام اہل مکہ کو فتوے دیتے تھے کہ حاجیوں کو اتاریں اپنے گھروں میں بدون کرایہ کے بدلیل اس آیت کے کہ مکہ میں رہنے والا اور مسافر برابر ہے اور موسم حج کے سوا اور دنوں میں وہاں کے کرایہ کی رخصت دیتے تھے انتہی ما فی التتارخانیۃ والوہبانیۃ تو اس کو یاد رکھنا چاہیے میں کہتا ہوں اور اس تقریر سے فرق ایام حج اور غیر حج کا اور دفع تناقض کراہت اجارہ اور عدم کراہت کا ظاہر ہو گیا اور اسی طرح فتوی امام کے موافق امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایام موسم حج میں بلند آواز سے فرماتے تھے کہ اے اہل مکہ اپنے گھروں کے دروازے نہ بناؤ یعنی بند نہ کرو تاکہ مسافر وہاں اترے جہاں اس کا جی چاہے پھر آیت مذکورہ پڑھتے تھے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے وجاز قید العبد تحرزا عن التمرد والاباق وہو سنۃ المسلمین فی الفساق اور جائز ہے قید کرنا غلام کا بیڑی ڈال کر تمرد اور بھاگ جانے کے سبب سے اور وہ مسلمانوں کا طریق ہے بدکاروں کے حق میں یعنی اس قصد سے قید کرنا درست ہے اور اگر اس کا خوف نہ ہو تو جانور محترم کو تکلیف دینا ناحق مکروہ ہے اور یہی حکم ہے لونڈی کا کذا فی الطحاوی وقبول ہدیتہ تاجرا واجابۃ دعوتہ واستعارۃ دابتہ استحسانا اور غلام کا تحفہ قبول کرنا جائز ہے جب کہ وہ باذن مولے سوداگری کرتا ہو اور اس کی دعوت قبول کرنا اور اس کا جانور عاریت لینا درست ہے از روئے استحسان کے م قیاس یہ ہے کہ اس کا ہدیہ وغیرہ قبول نہ ہو کیونکہ وہ تبرع کے لائق نہیں ہے لیکن بطریق استحسان کے درست ہے تاکہ اہل معاملہ اس کی طرف رجوع کریں اور سوداگری اس کی رواج پکڑے اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کا تحفہ قبول کیا ان کے آزاد ہونے سے پہلے اور بریرہ کا تحفہ قبول کیا اور فرمایا کہ اس کے حق میں صدقہ ہے اور ہمارے واسطے تحفہ کذا فی الزیلعی وکرہ کسوتہ اے قبول ہدیتہ العبد ثوبا

وابداؤہ النقدین لعدم الضرورۃ اور مکروہ ہے اس کی کسوت یعنی غلام کے کپڑے کا تحفہ قبول کرنا اور روپیہ اشرفی کا ہدیہ دینا اس کا مکروہ ہے عدم ضرورت کے سبب سے یعنے یہ امور منجملہ سوداگری کے نہیں واستخدام الخصی ظاہرہ الاطلاق وقیل بل دخولہ الحریم لو سنہ خمسۃ عشر اور خصی یعنی خوجہ سے خدمت لینا مکروہ ہے ظاہر اس کلام کا اطلاق پر دلالت کرتا ہے خواہ باہر خواہ گھر میں اور قول ضعیف یہ ہے کہ خوجہ سے باہر خدمت لینا مکروہ نہیں بلکہ اس کا جانا گھر کے اندر عورت میں مکروہ ہے اگر اس کی عمر پندرہ سال یا زیادہ کی ہو وکرہ اقراض ای اعطاء بقال کخباز وغیرہ دراہم او بر لخوف ہلکہ لو بقی بیدہ یشترط لیأخذ متفرقا منہ بذلک ما شاء ولو لم یشترط حال العقد لکن یعلم انہ یدفع لذلک شرنبلالیہ لانہ قرض جر نفعا وہو بقاء مالہ اور مکروہ ہے اقراض یعنے روپیہ یا گیہوں بقال کا چنانچہ نانبائی وغیرہ کو دینا تلف ہو جانے کے خوف سے اگر اس کے پاس رہے یہ شرط کر لینا کہ بقال سے بعوض اس کے لیا کرے گا متفرق جو چاہے گا اور اگر یہ شرط حال عقد یعنے دینے کے وقت نہ کی لیکن بقال جانتا ہے کروہ اسی واسطے دیتا ہے تو بھی مکروہ ہے کذا فی الشرنبلالیہ دلیل کراہت کی یہ ہے کہ اس طرح دینا وہ قرض ہے جس سے مالک نے نفع حاصل کیا یعنی مالک کا مال باقی رہنا م اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بقال وغیرہ کے پاس روپیہ رکھ دیتا ہے اس خیال سے کہ میرے پاس باقی نہ رہے گا خرچ ہو جائے گا تو بقدر ضرورت اندک اندک اس سے لیا کرتا ہے تو یہ مکروہ ہے اس واسطے کہ اس قرض سے نفع حاصل ہوا باقی رہنے مال کا خواہ دینے کے وقت متفرق لینے کی شرط کرے یا نہ کرے اس واسطے کہ معروف کالمشروط ہے سعید بن منصور کی سنن اور بیہقی میں حدیث مرفوع ہے کہ جب قرض دے تو مستقرض کا ہدیہ قبول نہ کرے اور اس کی سواری پر سوار نہ ہو مگر اس وقت جب کہ ہدیہ دینا اور سوار ہونا دونوں میں قرض سے پہلے بھی جاری ہو اور بیہقی کی دوسری روایت یہ ہے کل قرض جر منفعۃ فہو وجہ من وجوہ الربوا یعنے جو قرض نفع کھینچے تو وہ بھی ایک وجہ ہے ربا کی وجوہ سے کذا فی العینی شرح الہدایۃ فلو اودعہ لا یکرہ لانہ لو ہلک لا یضمن تو اگر روپیہ وغیرہ بقال کے پاس امانت اور ودیعت رکھ دے اور اس سے متفرق لیا کرے تو مکروہ نہیں اس لئے کہ اگر روپیہ وغیرہ تلف ہو جائے بقال کے پاس تو اس پر تاوان نہیں م جب ودیعت میں ضمان نہ ہوا تو قرض ثابت نہ ہوا لہذا جر منفعت مکروہ نہ ٹھیرا وکذا لو شرط ذلک قبل الاقراض ثم اقرضہ لم یکرہ اتفاقا قہستانی و شرنبلالیہ اور اسی طرح اگر یہ متفرق لینا قرض دینے سے پہلے شرط کر لیا پھر قرض دیا تو بالاتفاق مکروہ نہیں کذا فی القہستانی والشرنبلالیہ م تجنیس اور خریدیہ میں اس کی تین صورتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ لینا بطریق تبرع یا خرید کے قرض میں شرط کرے دوسرے یہ کہ شرط نہ کرے لیکن معلوم ہو کہ اسی کے واسطے دیتا ہے یہ دونوں صورتیں مکروہ ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ قرض دینے سے پہلے شرط کرے بعد اس کے قرض دے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں نفس عقد میں منفعت شرط نہیں کذا فی الطحطاوی عن الشرنبلالیۃ وکرہ تحریما اللعب بالنرد اور نرد کھیلنا مکروہ تحریمی ہے م یہ کھیل اردشیر بن بابک نے نکالا ہے لہذا اس کو نردشیر کہتے ہیں کذا فی القاموس قہستانی نے کہا کہ یہ کھیل شاپور بن اردشیر کی موضوعات سے ہے اور وہ دوسرا بادشاہ ہے ملوک ساسانیہ سے اور یہ حرام ہے اور مسقط عدالت ہے بالاجماع انتہی اور حرمت نردشیر کی حدیث مرفوع میں ثابت ہے چنانچہ جامع صغیر میں ہے اور عینی نے اس میں صحیح مسلم سے روایت کی ہے وکذا الشطرنج بکسر اولہ ویہمل ولا یفتح الا نادرا اور اسی طرح شطرنج مکروہ ہے شطرنج بکسر شین معجمہ ہے اور سین مہملہ بھی جائز ہے اور اس کو فتحہ نہیں دیا جاتا مگر بقلت م ہر چند شطرنج کی حرمت چند احادیث ضعیفہ میں مذکور ہے لیکن عمدہ دلیل اس کی تحریم پر یہ ہے کہ وہ لہو و لعب ہے اور ان ملاعب ثلثہ سے جن کا استثنا حدیث معتمد میں ثابت ہے خارج ہے کذا فی العینی شرح وقایہ میں ہے کہ شطرنج کھیلنے میں فوت نماز کا مظنہ ہے اور عمر ضائع کرنا ہے اور نظر باطل کا ایسا استیلا ہے کہ کھیلنے والے کو بھوک پیاس کی خبر نہیں رہتی اور چیز کا کیا ذکر ہے واباحہ الشافعی وابو یوسف رح فی روایۃ ونظمہا شارح الوہبانیۃ فقال ؎ ولا باس بالشطرنج وہی روایۃ * عن الحبر قاضی الشرق والغرب تؤثر * اور شطرنج کو مباح کہا ہے شافعی اور ابو یوسف نے ایک روایت میں اور اس کو نظم کیا ہے

شارح وہبانیہ نے سویوں کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں شطرنج میں اور ایک روایت ہے منقول علامہ شرق غرب کے قاضی سے یعنے ابو یوسف سے وہذا اذا لم یقامر ولم یداوم ولم یخل بواجب والا فحرام بالاجماع اور یہ اباحت شافعی اور ابو یوسف کے نزدیک اس وقت ہے جب کہ قماربازی نہ کرے اور ہمیشہ نہ کھیلے اور ادائے واجب میں مثلاً جمعہ اور جماعت پنجگانہ میں خلل نہ ڈالے اور نہیں تو سب کے نزدیک حرام ہے وکرہ کل لہو لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم کل لہو المسلم حرام الا ثلثۃ ملاعبۃ اہلہ وتادیبہ لفرسہ ومناضلتہ بقوسہ اور ہر کھیل مکروہ ہے بدلیل قول رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام ہے مگر تین کھیل حرام نہیں اپنی زوجہ سے ملاعبت کرنا اور اپنے گھوڑے کو تعلیم اور تادیب کرنا اور اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا سبقت کے واسطے م لہو اور لعب اور عبث معنے واحد ہیں کذا فی شرح التاویلات اور حرمت ملاہی قرآن مجید میں بھی مصرح ہے افحسبتم انما خلقناکم عبثا یعنی کیا یہ تم نے گمان کیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے لنسائی کی حدیث مرفوع میں تعلم سباحت یعنے پانی میں تیرنا بھی حرمت ملاہی سے مستثنے ہے وکرہ جعل الغل طوق لہ رایۃ فی عنق العبد یعلم باباقہ وفی زماننا لا باس بہ لغلبۃ الاباق خصوصا فی السودان وہو المختار کما فی شرح المجمع للعینی [1] اور کیل والا طوق غلام کے گلے میں ڈالنا جس سے اس کا بھاگنا ثابت ہو مکروہ ہے اور ہمارے زمانہ میں طوق ڈالنا مکروہ نہیں بسبب کثرت بھاگنے کے خصوصاً حبشی غلاموں میں اور یہی قول مختار ہے چنانچہ عینی کی شرح مجمع میں ہے م رایت وہ علامت ہے جو غلام کے گلے میں ڈالے تاکہ معلوم ہو کہ یہ گریختہ ہے اور وہ طوق ہے جس میں مسمار عظیم ہے جو تحریک سر سے مانع ہے کذا فی الطحطاوی وکرہ قولہ فی دعائہ بمقعد العز من عرشک ولو بتقدیم العین اور اپنی دعا میں یوں کہنا مکروہ ہے کہ بمقعد العز من عرشک اگرچہ عین کی تقدیم ہو قاف پر م بیاں دو صورتیں ہیں مقعد یعنی تقدیم قاف کی عین پر اور معقد یعنے تقدیم عین کی قاف پر سو دونوں طرح مکروہ ہے اس واسطے کہ مقعد مشتق ہے قعود سے تو تمکن عرش پر ثابت ہوا اور حالانکہ یہ قول مجسمہ کا باطل ہے اور معقد بتقدم عین بھی جائز نہیں اس لئے کہ عرش کو موضع عقد عزت کہنا موہم حدوث ہے اس واسطے کہ عرش قدیم نہیں محدث ہے تو عزت متعلق بعرش بھی حادث ٹھہرے گی حالانکہ عزت رب العالمین قدیم ہے کذا فی العینی ملخصا وعن ابی یوسف رح لا باس بہ وبہ اخذ ابو اللیث رح للاثر اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ دعا میں بمعقد العز من عرشک کہنا مکروہ نہیں اور اسی قول کو فقیہ ابو اللیث نے پسند کیا ہے بدلیل اثر کے م اثر مذکور بیہقی کی کتاب الدعوات میں عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بارہ رکعت نماز ادا کر رات یا دن میں اور دو رکعت میں تشہد پڑھ اور آخر نماز میں ثنائے خدائے عز وجل کر اور درود پڑھ اور سجدہ میں سات بار سورۂ فاتحہ پڑھ اور آیۃ الکرسی سات بار پڑھ اور لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیء قدیر دس بار کہہ پھر یہ دعا کر [3] اللھم انی اسئلک بمعاقد العز من عرشک ومنتہی الرحمۃ من کتابک واسمک الاعظم وکلماتک التامۃ پھر اپنی حاجت مانگ پھر اپنا سر اٹھا پھر داہنے بائیں سلام کر اور احمقوں کو یہ دعا نہ سکھا اس واسطے کہ وہ دعا کریں گے تو قبول ہو گی انتہی ابن جوزی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور ابن معین اور حبان نے اس کی تکذیب کی کذا فی العینی شرح الہدایۃ طحطاوی نے شرح حموی سے نقل کیا کہ اگر لفظ عز کو عرش کی صفت قرار دیجیے نہ صاحب عرش کی تو یہ دعا جائز ہو گی اس واسطے کہ توصیف عرش کی بلفظ کرم اور مجد کے ثابت ہے اور فقیہ ابو اللیث نے جو

---

[1] ایک نسخہ میں اس کے بعد یہ عبارت ہے بخلاف القید فانہ حلال کما مر اور بخلاف القید متن ہے باقی شرح یعنے بخلاف بیڑی ڈالنے کے کہ وہ حلال ہے جیسے اوپر گذرا چونکہ مسئلہ مکرر ہوتا تھا اور مترجم اول نے اس کو ترک کر دیا تھا لہذا ترک کیا گیا ۱۲

[2] نہیں ہے کوئی معبود بجز خدا کے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کو سلطنت ہے اور اسی کو تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲

[3] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بطفیل تیرے عرش کے جگہوں کے جن میں تیری عزت وابستہ ہے اور بطفیل منتہائے رحمت کے تیری کتاب سے اور تیرے اسم اعظم اور کلمات تامہ کے طفیل سے ۱۲

اس کو اختیار کیا ہے تو اس کی یہی وجہ وجیہ ہے واللہ اعلم بالصواب والاحوط الامتناع لکونہ خبر واحد فیما یخالف القطعی اذ المتشابہ انما یثبت القطعی ہدایہ اور زیادہ تر احتیاط اس دعا کی امتناع میں ہے اس واسطے کہ خبر واحد ہے اس امر میں جو دلیل قطعی کے مخالف ہے اس واسطے کہ متشابہ تو قطعی سے ثابت ہوتا ہے کذا فی الہدایۃ م یعنے تنزیہ رب العالمین شوائب حدوث اور جسمانیت سے بدلیل قطعی ثابت ہے اور یہ خبر موہم حدوث ہے تو اس کی ترک میں احتیاط ہے بلکہ جب اس کا موضوع ہونا ثابت ہوا تو ترک واجب ہے وفی التاتارخانیۃ معزیا للمنتقی عن ابی یوسف رح ن ابی حنیفۃ رح لاینبغی لاحد ان یدعو اللہ الا بہ والدعاء الماذون فیہ المامور بہ ما استفید من قولہ تعالیٰ وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بہا قال وکذا لایصلی حد علی احد الا علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم اور تاتارخانیہ میں منسوب بمنتقی ابو یوسف سے عن ابی حنیفۃ منقول ہے کہ کسی کو دعا مانگنا لائق نہیں مگر بذریعہ ذات اور صفات اور اسماء الٰہی کے اور دعاء ماذون فیہ اور مامور بہ وہ ہے جو حق تعالیٰ کے اس قول سے مستفاد ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء حسنے ہیں سو انہیں اسماء سے دعا کیا کرو کہا اور اسی طرح صلوۃ اور درود کوئی کسی کو نہ کہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنی بالاستقلال لفظ صلوۃ درست نہیں لیکن بالتبع درست ہے م خانیہ میں ہے کہ غیر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر تنہا صلوۃ کہنا اس طرح کہ اللّٰھم[1] صلے علے فلان مکروہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملا کر یوں کہنا اللّٰھم[2] صلے علے محمد وعلے آلہ واصحابہ تو جائز ہے انتہی لیکن ملائکہ علیہم السلام پر بالاستقلال صلوۃ درست ہے اور سلام بجائے صلوۃ کافی ہے کذا فی الطحطاوی وکرہ قولہ بحق رسلک وانبیائک واولیائک او بحق البیت لانہ لاحق للخلق علی الخالق تعالیٰ اور مکروہ ہے یوں کہنا دعا میں بحق رسلک[3] وبحق انبیائک یا بحق بیت اللہ اس واسطے کہ خلق کا کچھ حق ثابت نہیں خالق تبارک وتعالیٰ پر م انبیا اور اولیا علیہم السلام کا حق خالق تعالیٰ پر وجوباً ثابت نہیں لیکن تفضلاً وکرماً ثابت ہے یہاں تک کہ از راہ کرم حق سائلین بھی ثابت ہے چنانچہ حصن حصین میں حدیث ثابت ہے اللّٰھم[4] انی اسالک بحق السائلین علیک اور حق سے اگر حرمت اور عظمت اور وجاہت مراد لیجیے تو بطریق وسیلہ درست ہے قال تعالیٰ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کذا فی الطحطاوی تعرف ولو قال لآخر بحق اللہ او باللہ ان تفعل کذا لایلزمہ ذلک وان کان الاولی فعلہ در اور اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ بحق خدا یا بخدا ایسا کرو تو اس پر یہ کرنا لازم نہیں اگرچہ ویسا کر دینا بہتر ہے کذا فی الدر یعنے واجب نہیں مستحب ہے وفی المختارات قال ابن المبارک یسال لوجہ اللہ او بحق اللہ یعجبنی ان لایعطیہ شیئاً لانہ عظم ما حقر اللہ اور مختارات میں ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ ایک شخص نے دوسرے سے صدقہ بذات خدا یا بحق خدا سوال کیا مجھ کو یہ پسند آتا ہے کہ اس کو کچھ نہ دے اس واسطے کہ اس نے تعظیم کی اس چیز کی جس کو خدا نے حقیر اور ذلیل کیا یعنی دنیا مانگی پروردگار جل شانہ کا نام لے کر طحطاوی نے کہا یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ سوال سائل کا بے ضرورت معلوم ہو وفیہا قرأ القرآن ولا یعمل بموجبہ یثاب علی قراءتہ کمن یصلے ویعصے اور مختارات میں ہے کہ قرآن مجید پڑھا اور اس کے موجب عمل نہ کیا تو پڑھنے کا ثواب پاوے گا مانند اس شخص کے کہ نماز پڑھتا ہے اور گناہ کرتا ہے یعنے اگرچہ ترک عمل سے گنہگار ہوگا تو ثواب ہوا ایک جہت سے اور گناہ ہوا دوسری جہت سے فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا بل یکرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء قیل نعم وتمامہ قبیل جنایات البزازیۃ کیا مکروہ ہے آواز بلند کرنا ذکر اور دعا میں بعضوں نے کہا ہاں مکروہ ہے اور اس کا پورا بیان بزازیہ کی کتاب الجنایات کے پہلے مذکور ہے م جہر ذکر اور دعا میں اختلاف ہے اور ظاہر اس کا حکم باختلاف احوال ذاکر مختلف ہے استحضار قلب اور عدم استحضار اور ریا اور عدم ریا کے سبب سے کذا فی الطحطاوی وکرہ احتکار قوت البشر کتین وعنب ولوز والبہائم کتبن وقت فی بلد یضر باہلہ اور احتکار یعنے بند کر رکھنا آدمی کا قوت چنانچہ انجیر اور انگور

اور طلب کرو طرف اس کے وسیلہ ۱۲

---

[1] الٰہی صلوۃ نازل کر فلاں شخص پر ۱۲ [2] الٰہی رحمت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل اور اصحاب پر ۱۲ [3] بحق اپنے رسولوں کے اور بحق اپنے انبیا کے اور بحق اپنے اولیاء کے تو دعا قبول کر ۱۲ [4] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ پر سوال کرنے والوں کے حق کی وجہ سے ۱۲

اور بادام اور جانوروں کا قوت چنانچہ بھوسہ اور چارہ خشک یا تر مکروہ ہے اس شہر میں جہاں کے لوگوں کو بند رکھنا ضرر پہنچاتا ہو م احتکار یعنے حبس طعام اور علف گرانی یا قحط کی نیت سے مکروہ تحریمی ہے امام کے نزدیک اور اسی پر فتوی ہے اور ابو یوسف کے نزدیک جس کا حبس خلق کو مضر ہو وہ احتکار ہے اگرچہ سونا یا چاندی یا کپڑا ہو احتکار ثابت ہوتا ہے بم دن یا مہینہ بھر کے حبس سے اصل یہ ہے کہ طعام کی تجارت بقصد احتکار و انتظار گرانی کے بہتر نہیں لیکن اگر گرانی کی نیت نہ ہو تو بہتر ہے کذا فی الطحطاوی لحدیث الجالب مرزوق والمحتکر ملعون احتکار مکروہ ہے بدلیل اس حدیث کے کہ جالب مرزوق ہے اور محتکر ملعون ہے م یہ حدیث بروایت عمر بن الخطابؓ سنن ابن ماجہ اور اسحق بن راہویہ اور دارمی اور عبد اللہ بن حمید اور ابو علی کی مسانید میں اور بیہقی کی شعب الایمان میں ثابت ہے جالب وہ جو غلہ باہر سے خرید کر شہر میں بیچنے کو لادے تو وہ مرزوق یعنے اس کی روزی میں برکت ہے اس لئے کہ لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے دعاء مسلمین کے لائق ہے اور قوت کا بند کر رکھنے والا بدخواہ خلائق ہے لہذا اس پر لعنت ہے اصطلاح شرع میں احتکار یہ ہے کہ آدمی اور جانور کا قوت بند کر رکھے اس کو نہ بیچے گرانی کے انتظار سے مہینہ بھر یا زیادہ بشرطیکہ غلہ اُسی شہر میں خرید کیا ہو اور لوگوں کو ضرر ہوتا ہو جس سے یعنے اگر اور مقام سے لا کر غلہ بند کر رکھا ہو شہر میں یا خلق کو حاجت نہ ہو تو وہ احتکار مکروہ نہیں کذا فی العینی فان لم یضر لم یکرہ سوا اگر احتکار ضرر نہ کرتا ہو تو وہ مکروہ نہیں م ضرر کی صورت یہ ہے کہ شہر چھوٹا ہو اور اگر ضرر نہ ہو اس طرح پر کہ شہر بڑا ہو یعنے جہاں ہر طرف سے غلہ آتا ہو تو وہاں احتکار مکروہ نہیں اس لئے کہ اس نے اپنا مال رکھ چھوڑا بلا مضرت غیر کذا فی الزیلعی ومثلہ تلقی الجلب اور مانند احتکار کے تلقی جلب ہے م تلقی جلب یعنی شہر سے نکل کر کھیپ اور بھرتی لانے والوں سے غلہ مول لینا اگر مضر ہو شہر والوں کو تو درست نہیں اور نہیں تو درست ہے بشرطیکہ غلہ کے نرخ کو غلہ لانے والوں سے نہ چھپاوے والا تلقی جلب مطلقاً مکروہ ہے خواہ اہل شہر کو مضر ہو یا نہ ہو کذا فی الہدایہ و شرح حماد ویجب ان یامرہ القاضی ببیع ما فضل عن قوتہ و قوت اہلہ فان لم یبع بل خالف امر القاضی عزرہ بما یراہ رادعا لہ و باع القاضی علیہ طعامہ وفاقا علی الصحیح اور یہ واجب ہے کہ جس قدر غلہ محتکر کا زیادہ ہو اس کی اور اس کے گھر والوں کی قوت سے اُس کے بیچ ڈالنے کا قاضی حکم دے پھر اگر وہ نہ بیچے بلکہ حکم قاضی کی مخالفت کرے تو قاضی اس کو تعزیر دے جیسا مناسب دیکھے اس کی زجر اور توبیخ کے واسطے اور قاضی اس کا غلہ زبردستی بیچ ڈالے باتفاق امام اور صاحبین رح کے بقول اصح م ہر چند امام کے نزدیک حجر جائز نہیں لیکن در صورت ضرر عام کے درست ہے کذا فی الطحطاوی وفی السراج لو خاف الامام علی اہل بلد الہلاک اخذ الطعام من المحتکرین وفرق علیہم فاذا وجدوا سعۃ ردوا مثلہ وہذا لیس بحجر بل للضرورۃ ومن اضطر لمال غیرہ وخاف الہلاک تناولہ بلا رضاہ ونقلہ الزیلعی عن الاختیار واقرہ اور سراج وہاج میں ہے کہ اگر بادشاہ اہل شہر کے ہلاک ہو جانے سے ڈرے تو غلہ بند کرنے والوں سے اناج لے اور اہل شہر کو بانٹ دے پھر جب اہل شہر کو کشائش ہو تو اس کے برابر اناج مالکوں کو پھیر دیں اور یہ لینا بادشاہ کا زبردستی حجر نہیں بلکہ ضرورت کے سبب سے ہے اور جو شخص کہ غیر کے مال کی طرف مضطر ہو اور اپنے ہلاک ہو جانے سے ڈرے وہ اس کو لے بلا رضامندی مالک کے اور زیلعی نے یہ مسئلہ اختیار سے نقل کیا اور اس کو ثابت رکھا ولا یکون محتکرا بحبس غلۃ ارضہ بلا خلاف ومجلوبہ من بلد آخر خلافا للثانی اور محتکر نہیں ہوتا آدمی اپنی زمین کا غلہ بند کر رکھنے سے بالاتفاق اور اس کے غلہ کے حبس سے جس کو لاد لایا ہے دوسرے شہر سے برخلاف ابو یوسف کے م اپنی زمین کے حبس غلہ سے اس واسطے احتکار نہیں کہ اس کا خالص حق ہے حق عوام اُس سے متعلق نہیں تو مبطل حق خلق نہ ہوا اور مجلوب کے حبس سے اس واسطے احتکار نہیں کہ اہل شہر کا حق اُس سے متعلق نہیں فقیہ ابو اللیث نے شرح جامع صغیر میں ذکر کیا کہ اس کی تین صورتیں ہیں ایک صورت درست ہے اور دوسری مکروہ اور تیسری میں اختلاف ہے مکروہ صورت یہ ہے کہ شہر میں غلہ مول لے اور نہ بیچے اور لوگوں کو اس کے نہ بیچنے سے ضرر ہوتا ہو اور جو

صورت درست ہے وہ یہ ہے کہ اس کی زمین کا غلہ ہو یا دوسرے شہر سے اس کو لے آیا ہو یا شہر ہی میں غلہ خرید کیا ہو لیکن لوگوں کو مضر نہ ہو اور مختلف صورت یہ ہے کہ شہر کے متصل قریات سے غلہ خرید کرے اور شہر میں بند کر رکھے تو امام کے نزدیک درست ہے اور محمد کے نزدیک مکروہ اور یہی قول ماخوذ ہے انتہی تو یہ جو صاحب ہدایہ نے مجلوب کو مکروہ کہا ہے ابو یوسف کے نزدیک سو مسلم نہیں اس واسطے کہ فقیہ ابو اللیث نے اس کو قسم متفق علیہ میں داخل کیا ہے قدوری نے کتاب التقریب میں روایت کی کہ ابو یوسف نے کہا کہ اگر نصف میل سے غلہ لاوے تو وہ احتکار نہیں اور اسی طرح مختصر کرخی میں ہے تو مجلوب بلد آخر ابو یوسف کے نزدیک کیونکر احتکار ہو گا کذا فی العینی شرح الہدایہ مختصرا وعند محمد ان کان یجلب منہ عادۃ کرہ درالمختار اور محمد کے نزدیک اگر غلہ لانے کی اس شہر سے عادت ہو تو وہاں سے غلہ لا کر بند کر رکھنا احتکار مکروہ ہے اس واسطے کہ تمام شہر کا حق اس سے متعلق ہے اور یہی قول مختار ہے ولا یسعر الحاکم لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لا تسعروا فان اللہ ہو المسعر القابض الباسط الرازق اور حاکم نرخ مقرر نہ کرے بدلیل قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ نرخ مقرر نہ کرو اس واسطے کہ بالتحقیق اللہ تعالے ہی نرخ ٹھہرا [illegible] دینے والا قابض اور باسط رازق ہے یعنی تنگی اور کشائش اناج کی اسی کی طرف سے ہے م ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ نرخ گراں ہو گیا سو ہمارے واسطے نرخ مقرر کر دیجیے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ ہو المسعر القابض الباسط الرازق میں چاہتا ہوں کہ خدا سے ملوں اور تم میں سے کوئی شخص مجھ سے مطالبہ نہ کرے ظلم کرنے کا نہ خون کا نہ مال کا ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور دارمی اور بزار اور ابو یعلی موصلی نے اپنی مسندوں میں اس کو روایت کیا ہے کذا فی العینی الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فلیسعر بمشورۃ اہل الرأی مگر جب کہ غلہ فروش قیمت میں تعدی فاحش کریں تو حاکم اہل رائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کر دے م تعدی فاحش کی صورت عینی اور زیلعی وغیرہما نے یہ بیان کی ہے کہ دوونی قیمت پر بیع کرتے ہوں وقال مالک علی الوالی التسعیر عام الغلاء اور امام مالک نے کہا کہ حاکم پر گرانی کے سال میں نرخ کرنا واجب ہے م تو امام اعظم اور مالک کے مذہب لزوم اور عدم لزوم کا فرق ہے یعنے ہمارے مذہب میں نرخ حاکم پر واجب نہیں درصورت تعدی جائز ہے اور مالک کے نزدیک واجب ہے وفی الاختیار ثم اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لا یحل للمشتری وحیلتہ ان یقول لہ بعنی بما تحب اور اختیار میں ہے پھر جب کہ حاکم نرخ مقرر کر دے اور بائع ڈرے حاکم کی ضرب سے اگر اس کے نرخ سے کمی کرے تو مشتری کو وہ غلہ حلال نہیں یعنے مالک کی نارضامندی کے سبب سے توحیلہ جواز کا یہ ہے کہ مشتری بائع سے کہے کہ میرے ہاتھ تو بیچ جس قدر تو چاہے ہکذا فی العینی عن المحیط ولو اصطلحوا علی سعر الخبز واللحم ووزن ناقصا رجع المشتری بالنقصان فی الخبز لا اللحم لشہرۃ سعرہ عادۃ بخلاف اللحم اور اگر ایک شہر کے لوگ روٹی اور گوشت کا نرخ مقرر کر لیں اور بائع کسی شخص کو کم تول دے تو مشتری نقصان بھر لے روٹی میں نہ گوشت میں اس واسطے کہ عادت یہ ہے کہ روٹی کا نرخ مشہور ہو برخلاف گوشت کے کہ اس میں شہرت نہیں ہوتی مگر لقبت م یہ تفصیل مشتری مسافر پر محمول ہے اور اگر مشتری اس شہر کا رہنے والا ہو تو وہ روٹی اور گوشت دونوں کا نقصان بھر لے اس واسطے کہ معروف کالمشروط ہے کذا فی الزیلعی وغیرہ قلت وافاد ان التسعیر فی القوتین لا غیر وبہ صرح العتابی وغیرہ لکنہ اذا تعدی ارباب غیر القوتین وظلموا علی العامۃ فیسعر علیہم الحاکم بناء علی ما قال ابو یوسف ینبغی ان یجوز ذکرہ القہستانی فان ابا یوسف یعتبر حقیقۃ الضرر کما تقرر فتدبر میں کہتا ہوں اور مصنف نے اشارہ کر دیا کہ حاکم کا نرخ مقرر کر دینا انسان اور حیوان کی قوت میں ہے نہ قوت کے سوا اور چیزوں میں اور اس کو صریح بیان کر دیا ہے عتابی وغیرہ نے لیکن اگر غیر قوت کے بائع زیادتی کریں گرانی میں اور لوگوں پر ظلم کریں سو حاکم ان پر زبردستی نرخ مقرر کر دے ابو یوسف کے قول پر تو لائق یوں ہے کہ یہ جائز ہو ایسا ذکر کیا ہے قہستانی نے اس واسطے کہ ابو یوسف کے نزدیک حقیقت ضرر کا اعتبار ہے قوت میں ضرر ہو یا غیر قوت میں چنانچہ یہ ثابت ہے تو اس کو غور کر لے ویکرہ امساک الحمامات ولو فی برجہا ان کان یضر بالناس بنظر او جلب اور مکروہ ہے کبوتروں کا رکھنا اگرچہ کبوتر اپنے دربوں میں رہتے ہیں

بشرطیکہ لوگوں کو ضرر ہوتا ہو نظر سے یا جلب سے م نظر کا ضرر یہ کہ لوگوں کے مکانات اور عورات پر کبوتر باز کی نظر پڑتی ہو اور جلب یہ کہ اس کے کبوتر کے ساتھ غیر شخص کا کبوتر اڑ آتا ہو اور یہ شخص اس کو پکڑ لیتا ہو والاحتیاط ان یتصدق بہا ثم یشتریہا او توہب لہ مجتبے اور جو غیر کا کبوتر پکڑ لے اور اس کے مالک کو نہ جانتا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ کبوتر خیرات کر دے محتاج کو پھر اس کو محتاج سے خرید کر لے یا اس کو ہبہ کر دیا جائے تصدق کے بعد کذا فی المجتبے م تصدق کی وجہ یہ ہے کہ جب مالک چیز کا معلوم نہ ہو تو اس کا رکھنا حلال نہیں اس کو تصدق کرنا چاہیے مالک کے ثواب رسانی کی نیت سے **فان کان یطیرہا فوق السطح مطلعا علی عورات المسلمین ویکسر زجاجات الناس برمیۃ تلک الحمامات عزر ومنع اشد المنع فان لم یمتنع بذلک ذبحہا** ای الحمامات المحتسب پھر اگر کبوتر باز ان کو اڑاتا ہو چھت کے اوپر جھانکتا عورات مسلمین کو اور توڑتا لوگوں کے شیشے کبوتروں کے مارنے اور ہانکنے سے تو تعزیر دیا جاوے اور نہایت سختی سے منع کیا جائے پھر اگر باوجود اس کے باز نہ رہے تو کبوتروں کو محتسب ذبح کر ڈالے وصرح فی الوہبانیۃ بوجوب التعزیر وذبح الحمامات ولم یقیدہ بما مر ولعلہ اعتمد علی عادتہم اور وہبانیہ میں وجوب تعزیر اور ذبح کر ڈالنے کبوتروں کی تصریح کی ہے اور قید نہیں لگائی اطلاع عورات اور برتن توڑنے کی اور شاید کہ اس نے ان کی عادت پر اعتماد کیا یعنے صاحب وہبانیہ کے زمانے میں تاکنے جھانکنے اور پتھریاں پھینکنے کی عادت ہوگی لہذا اس نے اس قید لگانے کی حاجت نہ دیکھی واما للاستیناس فمباح کشراء عصافیر لیعتقہا ان قال من اخذہا فہی لہ ولا تخرج عن ملکہ باعتاقہ وقیل یکرہ لانہ تضییع المال جامع الفتاوی اور کبوتر کا پالنا دفع وحشت اور جی لگانے کے واسطے ہے تو مباح ہے جیسے کنجشک خرید کرنا چھوڑ دینے کے واسطے مباح ہے بشرطیکہ چھوڑنے کے وقت یوں کہا کہ ان کو پکڑ لے تو وہ اسی کے ہیں اور چھوڑ دینے سے اس کی ملک سے باہر نہیں ہو جاتے یعنے تا وقتیکہ دوسرا شخص ان کو پکڑ نہ لے اور بعضوں نے کہا کہ کنجشک خرید کر چھوڑنا مکروہ ہے اس واسطے کہ مال کا ضائع کرنا ہے کذا فی جامع الفتاوی وفی المختارات سیب دابۃ قال ہی لمن اخذہا لم یاخذہا من اخذہا و مر فی الحج اور مختارات میں ہے کہ اپنا جانور ایک شخص نے چھوڑ دیا مطلق العنان کر دیا اور کہا یہ اس کا مملوک ہے جو اس کو پکڑ لے تو اس کے پکڑنے والے سے چھوڑ دینے والا نہ لے اور کتاب الحج میں یہ مسئلہ گذر گیا وجاز رکوب الثور وتحمیلہ والکراب علی الحمیر بلا جہد وضرب اذ ظلم الدابۃ اشد من ظلم الذمی والذمی اشد من ظلم المسلم اور سوار ہونا بیل پر اور اس کا لادنا اور گدھوں سے کھیت جوتنا بدوں مشقت شدید اور مارنے کے جائز ہے اس واسطے کہ ظلم جانور کا سخت تر ہے کافر ذمی کے ظلم سے اور ذمی کا ظلم سخت تر ہے مسلمان کے ظلم سے م یعنے مافوق طاقت مشقت لینا جانور سے اور اس کو بہت مارنا ظلم شدید ہے وجہ شدت یہ ہے کہ جانور کا کوئی ناصر اور حامی نہیں سوائے خدائے تعالیٰ کے روایت میں وارد ہے کہ سخت تر غضب اللہ تعالیٰ کا اس شخص پر ہے جس نے ظلم کیا اس پر جس کا کوئی مددگار نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور ظلم ذمی مسلم سے اس واسطے سخت تر ہے کہ وہ شدت طلب کرے گا اپنے ظالم پر تا کہ اس کے ساتھ عذاب میں شریک رہے کذا فی الطحطاوی **ولا باس بالمسابقۃ فی الرمی والفرس** والبغل والحمار کذا فی الملتقی والمجمع واقرہ المصنف خلافا لما ذکرہ فی مسائل شتی فتنبہ **والابل وعلی الاقدام** لانہ من اسباب الجہاد فکان مندوبا اور کچھ مضائقہ نہیں باہم سبقت لے جانے کا تیر اندازی اور گھوڑا اور اونٹ دوڑانے میں اور قدموں کے دوڑنے میں اس واسطے کہ امور مذکورہ جہاد کے اسباب میں تو مسابقت مستحب ہوئی ملتقی اور مجمع میں کہا کہ خچر اور گدھے کی مسابقت بھی درست ہے اور مصنف نے اپنی شرح میں بیان تو اس کو ثابت رکھا اور مسائل شتے میں اس کے مخالف ذکر کیا ہے تو خبردار رہنا م مسائل شتے میں حلت مسابقت گھوڑے اور اونٹ اور اقدام پیادہ پا اور تیر اندازی میں مخصوص کی ہے وعند الثلثۃ لا یجوز فی الاقدام ای بالجعل اور ائمہ ثلثہ یعنے مالک اور شافعی اور احمد کے نزدیک اقدام میں مسابقت جائز نہیں یعنے مال شرط کر کے درست نہیں واما بدونہ فیباح فی کل الملاعب کما یاتی اور بلا شرط مال کے تو مسابقت مباح ہے سب ملاعب اور ملاہی

چنانچہ آگے آوے گا م ظاہر یہ کلام ائمہ ثلثہ کے کلام سے مرتبط ہے اور مضمون آئندہ اس کا مفید ہے کہ یہ کلام ہے اہل مذہب کا کذا فی الطحطاوی **حل الجعل** وطاب لانہ یصیر مستحقا ذکرہ البرجندی وغیرہ وعللہ البزازی بانہ لا یستحق بالشرط شیئ لعدم العقد والقبض انتہی ومفادہ لزومہ بالعقد کما یقول الشافعیۃ فتبصر مسابقت کا مال مشروط حلال اور طیب ہے اور یہ نہیں کہ وہ مستحب مستحق ہو جاتا ہے کہ حاکم زبردستی دلاوے ایسا ذکر کیا ہے برجندی وغیرہ نے اور بزازی نے اس کی علت بیان کی ہے کہ شرط سے کوئی چیز مستحق نہیں ہوتی بسبب نہ ہونے عقد اور قبض کے انتہی کلام البزازی اور یہ کلام لزوم مال مشروط کا مفید ہے عقد ہونے کے سبب سے چنانچہ شافعی مذہب کہتے ہیں تو اس کو دیکھ سمجھ لے یعنی عقد یا قبض سے استحقاق مال ثابت ہوگا تو حاکم زبردستی دلادے گا **ان شرط المال فی المسابقۃ من جانب واحد** مسابقت کا مال مشروط حلال ہے اگر مسابقت میں ایک جانب سے مال کی شرط کی ہو م مثلاً حامد نے محمود سے کہا کہ اگر میرا تیر سبقت کرے تیرے تیر سے یا میرا گھوڑا یا اونٹ آگے بڑھ جائے تیرے گھوڑے اور اونٹ سے تو میں دس یا سو درم تجھ سے لوں گا اور اگر تیری طرف سبقت ہوگی تو میں کچھ نہ دوں گا **وحرم لو شرط فیہا من الجانبین** لانہ یصیر قمارا اور مسابقت کا مال مشروط حرام ہے اگر مسابقت میں دونوں جانبوں سے مال مشروط ہوا ہو اس واسطے کہ یہ قمار اور جوا ہو گیا اس لئے کہ قمار وہ ہے جس میں جانبین برابر ہوں احتمال غرامت نقصان اٹھانا میں کذا فی الزیلعی **الا اذا ادخلا ثالثا محللا بینہما** بفرس کفء لفرسیہما تتوہم ان یسبقہما والا لم یجز ثم اذا سبقہما اخذ منہما وان سبقاہ لم یعطہما وفیما بینہما ایہما سبق اخذ من صاحبہ جانبین کا مال مشروط حرام ہے مگر اس صورت میں حرام نہیں جب کہ دونوں نے تیسرے شخص محلل کو اپنے درمیان داخل کر لیا بشرطیکہ اس کا گھوڑا دونوں شخصوں کے گھوڑے سے اس طرح برابر ہو کہ اس کا آگے بڑھ جانا دونوں گھوڑوں سے ممکن ہو اور اگر اس کا گھوڑا ایسا نہ ہو تو ایک کو دوسرے کا مال حلال نہیں پھر اگر تیسرا محلل آگے بڑھ گیا تو دونوں شخصوں سے مال مشروط لے اور اگر دونوں شخص تیسرے سے بڑھ گئے تو تیسرا ان کو کچھ نہ دے گا اور دونوں شخص آپس میں جو بڑھ جاوے گا وہ اپنے ساتھی دوسرے سے لے گا م محمد نے کتاب میں کہا کہ ثالث کو اس وقت جواز کا حیلہ ہوگا جب کہ اس کا سابق اور مسبوق ہونا متوہم ہو اور اگر اس کی سبقت دونوں سے متیقن ہو یا اس کا مسبوق ہونا یقینی ہو تو جائز نہیں عالمگیری میں ہے کہ جب جانبین نے محلل کو فیما بین اپنے داخل کیا پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تو سبقت کرے مجھ پر تو تیرے واسطے اتنا مال ہے اور اگر میں سبقت کروں تو میں اتنا لوں اور اگر تیسرا سبقت کرے تو کچھ نہ پاوے اور خلاصہ میں ہے کہ جانبین نے تیسرے کو داخل کیا اور تیسرے سے کہا کہ اگر تو ہم دونوں پر سبقت کرے تو دونوں کا مال مشروط تیرا ہے اور اگر ہم تجھ پر سبقت کریں تو ہم کچھ نہ لیں تو از راہ استحسان یہ جائز ہے انتہی اس سے معلوم ہوا کہ ادخال ثالث کی دو صورتیں ہیں زیلعی نے کہا وجہ جواز یہ ہے کہ ثالث پر کچھ غرامت نہیں قطعاً ویقیناً ہر تقدیر پر اس میں تو فقط یہی احتمال ہے کہ پاوے یا نہ پاوے تو اس سبب سے قمار ہونا ثابت نہ ہوا تو گویا ایک ہی جانب سے شرط ہوئی اس واسطے کہ قمار وہ ہے جس میں جانبین احتمال غرامت میں مساوی ہوں کذا فی الطحطاوی **وکذا الحکم فی المتفقہۃ** فاذا شرط لمن معہ الصواب صح وان شرطاہ لکل علی صاحبہ لا درر ومجتبی اور اسی طرح کا حکم ہے فرقہ فقہا کی مسابقت میں سو جب کہ مال شرط ہو اس کے واسطے جس کے ساتھ صواب اور حق ہے تو صحیح ہے اور اگر دونوں نے مال شرط کیا ہر شخص کے واسطے دوسرے ساتھی پر تو صحیح نہیں کذا فی الدرر والمجتبی م جب صاحب حق کے واسطے مال مشروط ہوا تو یہ قمار کی صورت ہے اس واسطے کہ احتمال زیادت ونقصان ہر شخص میں موجود ہے بلکہ حلت مال کی یہ صورت ہے کہ مال مثلاً زید کو دیا جائے اگر حق گوئی اس کی جانب ظاہر ہو اور اگر دوسرے کی طرف حق گوئی ثابت ہو تو وہ کچھ نہ پاوے یا تیسرے فقیہ کو داخل کریں اگر مسئلہ تین صورت کا محتمل ہو اور مال تیسرے کے واسطے مقرر کریں اگر اس کی حق گوئی ظاہر ہو اور اگر دونوں میں سے ایک شخص کی حق گوئی ثابت ہو تو تیسرے پر کچھ نہیں کذا فی الطحطاوی **والمصارعۃ لیست ببدعۃ الا للتلہی فتکرہ** برجندی

اور کشتی کرنا بدعت نہیں مگر بقصد بازی اور لہو لعب کے تو مکروہ ہے کذا فی البرجندی م جواہر فتاوی میں ہے کہ کشتی بدعت نہیں مگر بقصد بازی مکروہ ہے منع کرنا چاہیے اور اگر بقصد تحصیل قوت کے ہو تا کہ کفار سے جہاد کرنے پر قدرت حاصل ہو تو جائز ہے اور ثواب پاوے گا واما السباق بلا جعل فیحل فی کل شئے کما یاتی اور باہم سبقت کرنا بدون اشتراط مال کے تو ہر چیز میں حلال ہے چنانچہ مسائل شتے میں آوے گا وعند الشافعیۃ المسابقۃ بالاقدام والطیر والبقر والسباحۃ والصولجان والبندق والسفن ورمی الحجر واشالتہ بالید والشباک والوقوف علی رجل ومعرفۃ ما بیدہ من زوج او فرد واللعب بالخاتم وکذا یحل کل لعب خطر لحاذق تغلب سلامتہ کرمی الرام وصید لحیۃ ویحل التفرج علیہم حینئذ وحدیث حدثوا عن بنی اسرائیل یفید حل سماع الاعاجیب والغرائب من کل ما لا یتیقن کذبہ بقصد الفرجۃ لا الحجۃ بل وما یتیقن کذبہ لکن یقصد ضرب الامثال والمواعظ وتعلیم نحو الشجاعۃ علی السنۃ آلادمیین او حیوانات ذکرہ ابن حجر اور شافعی مذہبوں کے نزدیک مسابقت حلال ہے قدموں سے اور پرندہ اور بیل اور پانی میں تیرنے اور چوگان اور غلیلہ اندازی اور سفن[1] اور پتھر پھینکنے اور زمین سے ہاتھ اٹھا دینے اور انگلیاں قینچی کر کے پنجہ کرنے اور ایک پاؤں پر کھڑے ہونے اور بوجھنے میں کہ دوسرے شخص کے ہاتھ میں کیا ہے جفت یا طاق اور انگوٹھی سے بازی کرنے میں اور اسی طرح حلال ہے ہر بازی خطرناک ماہر تجربہ کار کو جس کا سلامت رہنا خطرہ سے اکثر امر ہے چنانچہ تیر اندازی تیر انداز کو اور سانپ کا پکڑنا اور ان پر اس وقت میں تماشا دیکھنا بھی حلال ہے اور یہ حدیث کہ نقل کی بنی اسرائیل سے اس کے مفید ہے کہ عجائب وغرائب کی سماعت کرنا تمام ان حکایات سے جس کا کذب بالیقین ثابت نہیں درست ہے انبساط خاطر کے واسطے بلکہ جس کا کذب یقینی ہے اس کی بھی سماعت حلال ہے لیکن ضرب المثل اور نصائح کی نیت سے اور شجاعت وغیرہ کی تعلیم کے واسطے آدمیوں یا جانوروں کی زبان سے چنانچہ کتاب کلیلہ دمنہ اور طوطی نامہ ہے ایسا ذکر کیا ہے ابن حجر شافعی نے م طحطاوی نے کہا میں نہیں جانتا فروع شافعیہ کے ذکر کرنے کی وجہ ہاں اس کا ذکر اس وہم میں البتہ ڈالتا ہے کہ قواعد حنفیہ بھی اسی کو مقتضی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ قواعد مذہب اس کے مقتضی ہیں کہ اکثر امور مذکورہ چنانچہ چوگان وغیرہ حرام لہو ہیں واللہ اعلم فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ قصہ خوانی تین طرح پر ہے ایک یہ کہ اس میں مذاکرہ علم کا ہو تو وہ بہتر ہے سو رہنے سے دوسرے یہ کہ حکایات کاذبہ اور مضحکہ ہنسانے والی ۱۲ ہو تو وہ مکروہ ہے تیسرے یہ کہ دفع وحشت کے واسطے بات چیت ہو اور دروغ گوئی اور قول باطل سے اجتناب ہو تو اس کا مضائقہ نہیں لیکن ترک اس کا افضل ہے اور جب ایسا کریں تو لائق ہے کہ آخر کو ذکر اللہ اور تسبیح اور استغفار کی طرف رجوع کریں تاکہ امر خیر پر خاتمہ ہو اور شہر کے امور تازہ وغیر ذلک کو پوچھنا قول مختار یہ ہے کہ اس کے پوچھنے میں اور خبر دینے میں مضائقہ نہیں چنانچہ خلاصہ میں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ سماع اکاذیب حلال نہیں اور آگے مذکور ہوگا کہ جن قصوں کی کچھ اصل نہیں وہ مکروہ ہیں کذا فی الطحطاوی ویستحب قلم اظافیرہ الا المجاہد فی دار الحرب فیستحب توفیر شاربہ واظفارہ یوم الجمعۃ وکونہ بعد الصلوۃ افضل الا اذا اخرہ الیہ تاخیرا فاحشا فیکرہ لان من کان ظفرہ طویلا کان من رزقہ ضیقا اور جمعہ کے دن ناخن تراشنا مستحب ہے مگر غازی کو دار الحرب میں سوا اس کو مونچھیں اور ناخن بڑھانا مستحب ہے اور ناخن تراشنا بعد نماز جمعہ افضل ہے مگر جب کہ جمعہ کے دن تاخیر کی ہو بہت سی تاخیر کر کے تو اس طرح پر جمعہ پر معین رکھنا مکروہ ہے اس واسطے کہ جس کا ناخن دراز ہوگا اس کا رزق تنگ ہوگا م لائق یوں ہے کہ ناخن تراشے اور بال منڈے ہوئے زمین کے اندر دفن کر دے اور اگر ان کو پھینک دے تو مضائقہ نہیں اور اگر پاخانہ یا غسل خانہ میں پھینک دے تو مکروہ ہے اس واسطے کہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے کذا فی الخانیۃ عنایہ میں ہے کہ چار چیزیں دفن کرنا چاہیے ناخن اور بال اور خون اور لتہ حیض کا وفی الحدیث من قلم اظافیرہ یوم الجمعۃ اعاذہ اللہ من البلایا الی الجمعۃ الاخری وزیادۃ ثلثۃ ایام در حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے ناخن کاٹے جمعہ کے دن تو حق تعالی

---

[1] مترجم اول نے اس کا ترجمہ نہیں کیا ظاہر اس سے کشتیوں کی مسافت ہے ۱۲ ف روز جمعہ ناخن تراشیدن مستحب است ف استماع حکایات کاذبہ مکروہ ہے

اس کو بلایا سے محفوظ رکھے دوسرے جمعہ تک اور تین دن اور زیادہ کذافی الدرر وعنہ صلے اللہ علیہ وسلم من قلم اظفارہ مخالفا لم ترمد عینہ ابدا یعنے کقول علے رضی اللہ عنہ ؎ قلموا اظفارکم بسنۃ وادب ٭ یمینہا خوابس یسارہا اوخسب ٭ وبیانہ وتمامہ فی مفتاح السعادۃ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جو اپنے ناخن مخالف تراشے اس کی آنکھ کبھی نہ جوش کرے یعنے علی مرتضے رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مانند کہ اپنے ناخن کاٹو سنت اور ادب سے داہنا ہاتھ خوابس اور بایاں اوخسب ہے اور اس کا بیان اور پورا ذکر مفتاح السعادۃ میں ہے م اس بیت میں ہر حرف سے انگلی کے نام کی طرف اشارہ ہے تو خا معجمہ سے مراد ہے خنصر[1] اور واؤ سے وسطی اور الف سے ابہام اور ب سے بنصر اور سین سے سبابہ اور بائیں ہاتھ میں علے ہذا القیاس اور آگے معلوم ہوگا کہ یہ نسبت علی مرتضے رض کی طرف باطل اور موضوع ہے وفی الشرح الغزنویۃ وروی انہ صلے اللہ علیہ وسلم بدأ بمسبحۃ الیمنے الی الخنصر ثم بخنصر الیسرے الے الابہام وختم بابہام الیمنے وذکر لہ الغزالی فی الاحیاء وجہا وجیہا اور شرح غزنویہ میں اور مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ناخن تراشا داہنے ہاتھ کے کلمۂ شہادت کی انگلی سے شروع کیا چھنگلی تک پھر بائیں ہاتھ سے شروع کیا داہنے ہاتھ کے انگوٹھے تک اور ختم کیا داہنے ہاتھ کے انگوٹھے پر اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس کی وجہ معقول بیان کی ہے م وجہ مذکور یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں سے بلاشک افضل ہے اور داہنے ہاتھ میں کلمہ شہادت کی انگلی بلا ریب افضل ہے تو اسی سے ابتدا کرنا بہتر ٹھہرا پھر اس کی جانب یمین وسطی ہے اور اس کے یمین بنصر اور اس کے یمین خنصر ہے پھر داہنے ہاتھ اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملائیے تو بائیں ہاتھ کی خنصر جانب یمین ہے علے ہذا القیاس تا ابہام یمنی اور یمین افضل ہے شمال سے لہذا اختتام ہوا ابہام یمنی پر واللہ اعلم ولم یثبت فی اصابع الرجل نقل والاولی تقلیمہا کتخلیلہا اور پاؤں کی انگلیوں میں روایت ثابت نہیں اور بہتر ہے پاؤں کے ناخن تراشنا اس کے خلال کرنے کی مانند یعنی ابتدا کرنا خنصر یمنی سے اور اختتام خنصر یسری پر قلت وفی المواہب اللدنیۃ قال الحافظ ابن حجر انہ یستحب کیف ما احتاج الیہ ولم یثبت فی کیفیتہ شئ ولا فی تعیین یوم لہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم میں کہتا ہوں اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی نے کہ ناخن تراشنا مستحب ہے جس طرح کہ اس کی حاجت ہو اور اس کی کیفیت میں کچھ روایت ثابت نہیں اور اس کے واسطے روز مقرر کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت صحیح ثابت نہیں م تعلیم اظفار وغیرہ میں جو احادیث مذکور ہوئیں محدثین اور فقہاء محققین کے نزدیک لائق اعتماد کے نہیں وما یعزی من النظم فی ذلک للامام علی ثم لابن حجر قال شیخنا انہ باطل اور کیفیت تعلیم اظفار میں جو نظم مذکور کہ امیر المومنین علی مرتضے کی طرف پھر ابن حجر کی طرف منسوب ہے ہمارے استاد خیر الدین رملی نے کہا کہ وہ باطل اور موضوع ہے ویستحب حلق عانتہ وتنظیف بدنہ بالاغتسال فی کل اسبوع مرۃ والافضل یوم الجمعۃ وجاز فی کل خمسۃ عشر وکرہ ترکہ وراء الاربعین مجتبے اور موئے زہار کا مونڈنا اور اپنا بدن پاک صاف کرنا غسل کرنے سے مستحب ہے ہر ہفتہ میں ایک بار اور جمعہ کا دن اس کے واسطے افضل ہے اور جائز ہے ہر پندرہ دن میں اور ترک کرنا حلق اور اغتسال کا ۴۰ دن سے زیادہ مکروہ ہے کذافی المجتبے م یعنے مکروہ تحریمی چنانچہ مجتبے کی اس عبارت سے نکلتا ہے کہ بعد اربعین اس میں کچھ عذر نہیں اور وہ وعید کا مستحق ہے غرائب میں ہے کہ حلق عانہ زیر ناف سے شروع کرے اور نورہ لگا کر موئے زہار دفع کرنا بھی جائز ہے اور بغل کے بال دور کرنا اکھاڑنے اور مونڈنے سے درست ہے لیکن اکھاڑنا افضل ہے قنیہ میں ہے کہ سینہ اور پشت کے بال مونڈنے میں ترک ادب ہے کذا فی الطحاوی وفیہ حلق الشارب بدعۃ وقیل سنۃ ولا باس بنتف الشیب واخذ اطراف اللحیۃ والسنۃ فیہا القبضۃ اور مجتبے میں ہے کہ مونچھ کا مونڈنا بدعت ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ سنت ہے اور مضائقہ نہیں ہے سپید بال کے اکھاڑ ڈالنے اور اطراف ریش کے کتر ڈالنے

---

[1] خنصر چھنگلی اور بنصر اس کے پاس کی اور وسطی بیچ کی اور سبابہ انگشت شہادت اور ابہام انگوٹھا ۱۲

میں اور ڈاڑھی میں قبضہ بھر رکھنا سنت ہے م محیط سرخسی میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ مرد اپنی ڈاڑھی قبضہ میں پکڑے جس قدر قبضہ سے باہر ہو اس کو قطع کرے ایسا ذکر کیا ہے محمد نے کتاب الآثار میں امام اعظمؒ سے محمدؒ نے کہا اسی قول کو ہم لیتے ہیں انتہی مجتبے میں ہے کہ اتنا مونچھوں کا کترنا کہ لب بالا کے کنارے کے ساتھ برابر ہو جاویں یہ سنت ہے بالاتفاق انتہی غرائب میں ہے کہ نتف فنیکین یعنے زیر لب کے دونوں طرف کے بال اکھاڑنا بدعت ہے قنیہ میں ہے کہ ناک کے بال اکھاڑنا مورث آکلہ ہے کذا فی الطحطاوی وفیہ قطعت شعر رأسہا اثمت ولعنت زاد فی البزازیۃ وان باذن الزوج لانہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال انتہی اور مجتبے میں ہے کہ عورت نے اپنے سر کے بال کاٹ ڈالے تو وہ گنہگار ہے اور اس پر لعنت ہے بزازیہ میں اتنا زیادہ کہا کہ اگرچہ عورت نے اپنے شوہر کے اذن سے بال کاٹے ہوں اس واسطے کہ مخلوق کی طاعت خالق کے گناہ میں جائز نہیں اور اسی واسطے حرام ہے مرد پر دوسرے مرد کی ڈاڑھی کا قطع کرنا اور معنی مؤثر یعنی علت نفتی قطع موئے زن کی حرمت میں مشابہت پیدا کرنا ہے مردوں سے اور عورت کی تشبیہ برجال مردوں سے جائز نہیں انتہی ما فی البزازیۃ قلت واما حلق رأسہ ففی الوہبانیۃ قال وقد قیل ؎ حلق الرأس فی کل جمعۃ یحب وبعض بالجواز یعبر ۞ میں کہتا ہوں اور سر مونڈنے کو تو وہبانیہ میں کہا ہے کہ بعضوں نے کہا کہ سر مونڈنا ہر جمعہ میں مستحب ہے اور بعضے اس کو جائز کہتے ہیں ۞ مستحب رجل تعلم علم الصلوۃ او نحوہ لیعلم الناس وآخر لیعمل بہ فالاول افضل لانہ متعد ایک مرد ہے کہ نماز یا اس کے مانند علم دین سیکھتا ہے تا کہ لوگوں کو تعلیم کرے اور دوسرا شخص علم سیکھتا ہے تا اس پر عمل کرے تو پہلا شخص افضل ہے اس واسطے کہ اس کے علم کا فائدہ غیروں کو بھی پہونچتا ہے اور دوسرے کا فائدہ اسی کی ذات کو مخصوص ہے اول غریق کو نکالتا ہے اور ثانی اپنی خیر مناتا ہے وروی مذاکرۃ العلم ساعۃ خیر من احیاء لیلۃ اور روایت میں آیا ہے کہ باہم علم کا ذکر کرنا ایک ساعت بہتر ہے ایک رات کی عبادت سے یعنی بشرط حسن نیت م عالمگیری میں ہے کہ علم اور فقہ کی طلب فرض ہے اور جب کہ نیت صحیح ہو تو سب نیک اعمال سے افضل ہے اسی طرح زیادت علم کا اشتغال بشرط صحت نیت افضل ہے اس واسطے کہ اس کا فائدہ عام تر ہے لیکن اس شرط سے کہ ادائے فرائض میں نقصان واقع نہ ہو اور صحت نیت یہ کہ رضائے حق تعالی اور دار آخرت کا قصد کرے نہ طلب دنیا اور جاہ اور حشمت کا اور اگر خروج من الجہل جہل سے باہر آنا ۱۲ اور نفع خلق اور احیاء علم کا ارادہ کرے تو بعضوں کے نزدیک یہ بھی صحت نیت میں داخل ہے کذا فی ذخیرۃ الکروری اور اگر تصحیح نیت پر قادر نہ ہو تو بھی علم سیکھنا ترک علم سے بہتر ہے علم چند قسم ہے لیکن فقہ افضل ہے تو تعلم فقہ پر اہتمام زیادہ کرنا چاہیے جب فقہ سیکھ چکے تو سزاوار یہ ہے کہ علم زہد اور کلام حکماء دین اور شمائل صالحین میں نظر کرے طلب علم بقدر ضرورت دین و دنیا فرض ہے سوائے اس کے فرض نہیں پھر اگر اس سے زیادہ علم حاصل کیا تو افضل ہے اور اگر ترک کیا تو گناہ نہیں علم تین قسم ہے ایک تو علم نافع جس کا حاصل کرنا واجب ہے وہ معرفت معبود کا علم ہے بعد اس کے علم حلال اور حرام اور امر و نہی کا علم اور جس کے واسطے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے تیسرا علم وہ ہے جس سے پرہیز کرنا واجب ہے یعنے علم سحر اور علم فلسفہ اور طلسمات اور علم نجوم مگر بقدر معرفت اوقات نماز پنجگانہ اور طلوع فجر اور سمت قبلہ اور ہدایت طریق کی درست ہے اور ایک علم اور ہے جس کا نفع آخرت میں نہیں وہ علم جدل اور مناظرات کا ہے تو اس کے اشتغال میں عمر کا ضائع کرنا ہے غرض اس سے الزام خصم ہے نہ اظہار حق کذا فی الطحطاوی مختصرا ولہ الخروج لطلب العلم الشرعی بلا اذن والدیہ لو ملتحیا وتمامہ فی الدرر اور نوجوان کو علم شرعی کی طلب کے واسطے سفر کرنا اپنے والدین کے بلا اذن درست ہے اگر وہ ڈاڑھی والا ہو اور پورا بیان درر میں ہے م اور اگر امرد ہو تو والدین کو سفر سے منع کرنا درست ہے اور مراد علم شرعی ہے نہ علم کلام اور مانند اس کے جو ہذیان فلاسفہ

ف اقسام علم

اور ان کے اباطیل سے مملو ہے ہذا تمام ما فی الدرر۱؎ واذا کان الرجل یصوم ویصلی ویضر الناس بیدہ ولسانہ فذکرہ بما فیہ لیس بغیبۃ حتی لو اخبر السلطان بذلک لیزجرہ لا اثم علیہ اور جب کہ ایک شخص نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو اور لوگوں کو تکلیف دیتا ہو اپنے ہاتھ اور زبان سے تو اس کی برائی کا ذکر کرنا غیبت نہیں یہاں تک کہ اگر حاکم کو اس کی خبر دے تا کہ وہ اس کو ڈانٹے تو مخبر پر کچھ گناہ نہیں م اس بدگوئی اس وجہ سے غیبت میں نہیں کہ وہ گناہ کو علانیہ کرتا ہے اور جس گناہ کو چھپاتا ہو تو اس کا ذکر کرنا غیبت میں داخل ہے وقالوا ان علم ان اباہ یقدر علی منعہ اعلمہ ولو بکتابۃ والا لا کیلا تقع العداوۃ وتمامہ فی الدرر اور مختار نے کہا کہ اگر جانے کہ اس کا باپ اس کے منع کرنے پر قادر ہے تو اس کو آگاہ کر دے اگرچہ اعلام لکھ بھیجنے سے ہو اور اگر وہ منع پر قادر نہ ہو تو آگاہ نہ کرے تا کہ باپ اور بیٹے میں عداوت نہ پڑ جائے اور پورا اس کا بیان درر میں ہے وکذا لا اثم علیہ لو ذکر مساوی اخیہ علی وجہ الاہتمام لا یکون غیبۃ انما الغیبۃ ان یذکر علی وجہ الغضب یرید السب اور اسی طرح اس پر گناہ نہیں اگر اپنے بھائی مسلمان کی برائیاں ذکر کرے بطریق اہتمام اور افسوس کرنے کے اور اس طرح کا بیان عیوب غیبت نہیں غیبت تو یہی ہے کہ عیب ذکر کرے بر وجہ غضب کے دشنام اور تحقیر اور عیب جوئی کا قصد کر کے ولو اغتاب اہل قریۃ فلیس بغیبۃ لانہ لا یرید بہ کلہم بل بعضہم وہو مجہول خانیۃ فتباح غیبۃ مجہول ومتظاہر بقبیح ولمصاہرۃ ولسوء اعتقاد تحذیرا منہ ولشکوی ظلامۃ للحاکم شرح وہبانیۃ اور اگر ایک گاؤں والوں کی غیبت کرے تو وہ غیبت محرمہ نہیں ہے اس واسطے کہ اس بدگوئی سے وہ سب رہنے والوں کا ارادہ نہیں کرتا ہے بلکہ بعض لوگوں کا قصد رکھتا ہے اور وہ بعض مجہول ہیں معین نہیں کذا فی الخانیہ تو غیبت مباح ہے پانچ شخصوں کی ایک تو شخص غیر معین کی دوسری جو اعلانیہ گناہ کرتا ہے تیسری مصاہرت یعنی ناتا رشتہ کرنے کی وجہ سے چوتھی بداعتقادی کے سبب سے تا کہ وہ عقیدہ فاسدہ سے باز رہے پانچویں حاکم کے سامنے اپنی مظلومی کی شکایت سے کذا فی الشرح الوہبانیہ م مصاہرت کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کہیں نکاح کا ارادہ کیا اور دوسرے سے مشورہ لیا تو اس کے عیب کا بیان کر دینا درست ہے اور اسی طرح اگر معاملہ یا اس کے ساتھ سفر کا ارادہ کیا یا کوئی چیز خرید کرنے کا قصد کیا اور وہ اس کا عیب نہیں جانتا ہے تو صاحب مشورہ کو عیب بیان کرنا درست ہے اور اسی طرح رواۃ اور شیوخ میں مجروحین کی جرح جائز ہے تا مسلمین شر سے محفوظ رہیں اور جیسے حاکم سے بیان کرنا ظلم ظالم کا درست ہے ویسے مفتی سے اس طرح فتوی پوچھنا درست ہے کہ مجھ پر فلانے شخص نے یہ ظلم کیا یا میرا زوج ایسا کرتا ہے اس کا شرع میں کیا حکم ہے اور تعیین کے واسطے القاب مشہورہ کا ذکر کرنا چنانچہ فلانا چپڑا یا لنگڑا درست ہے یہ غیبت میں داخل نہیں کذا فی الطحطاوی مختصراً وکما تکون الغیبۃ باللسان صریحا تکون ایضا بالفعل وبالتعریض والکتابۃ وبالحرکۃ وبالرمز وبغمز العین والاشارۃ بالید وکل ما یفہم منہ المقصود فہو داخل فی الغیبۃ وہو حرام اور جیسے صریحاً زبان سے غیبت ہوتی ہے ویسے ہی فعل سے اور تعریض یعنی قول غیر صریح سے اور لکھنے اور حرکت سے اور اعضا کے اشارہ کرنے سے بھی غیبت ہوتی ہے اور جس چیز سے مقصود مفہوم ہو سو وہ غیبت میں داخل اور وہ حرام ہے م غیبت فعلی جیسے کسی کے قد اور افعال کی نقل کرنا اور تعریض جیسے یوں کہنا کہ میں طفیلی نہیں ہوں ومن ذلک ما قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا دخلت علینا امراۃ فلما ولت اومأت بیدی ای قصیرۃ فقال صلے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اغتبتیہا اور منجملہ غیبت فعلی کے وہ روایت ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک عورت ہمارے پاس آئی پھر جب وہ پلٹ چلی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی وہ ٹھگنی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس کی غیبت کی ومن ذلک المحاکاۃ کان یمشی متعارجا او کما یمشی فہو غیبۃ بل اقبح لانہ اعظم فی التصویر والتفہیم اور اسی غیبت فعلی سے حکایت اور نقل کرتا ہے چنانچہ لنگڑا کر چلنا یا جس طرح کہ وہ چلتا ہو تو نقل کرنا بھی غیبت ہے بلکہ غیبت فعلی بدتر ہے

۱؎ یہ بقیہ ہے اس کا جو درر میں ہے ۱۲

ف پانچ شخصوں کی غیبت مباح ہے

غیبت قولی سے اس واسطے کہ وہ بتصویر اور تفہیم میں زیادہ تر اور عظیم تر ہے قولی سے ومن الغیبۃ ان یقول بعض من مر بنا الیوم او بعض من رأیناہ اذا کان المخاطب یفہم شخصا معینا لان المحذور تفہیمہ دون ما بہ التفہیم واما اذا لم یفہم عینہ جاز وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ م اور منجملہ غیبت یہ ہے کہ کہے کہ جو شخص آج کے دن ہمارے پاس ہوکر نکلا یا جس کو ہم نے دیکھا وہ ایسا ہے یہ قول اس وقت غیبت ہے جب کہ مخاطب معین شخص کو سمجھے اس واسطے کہ محذور اور ممنوع تفہیم شخص ہے نہ وہ قول یا فعل جس سے تفہیم ہو اور جب کہ مخاطب اس کی ذات کو نہ سمجھے تو جائز ہے اور پورا بیان اس کا شرح وہبانیہ میں ہے م اور بعضے نسخہ میں بجائے شرح وہبانیہ کی شرح شرعہ ہے وفیہا الغیبۃ ان تصف اخاک حال کونہ غائبا بوصف یکرہہ اذا سمعہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتدرون ما الغیبۃ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذکرک اخاک بما یکرہ قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول اغتبتہ وان لم یکن فیہ فقد بہتہ اور شرح مذکور میں ہے کہ غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کے غائب ہونے کے وقت اس کا ایسا حال یا قال تو بیان کرے جو اس کو برا لگے جب کہ وہ اس کو سنے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصحاب سے کہ تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے اصحاب نے کہا اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ تر دانا ہے فرمایا کہ اپنے بھائی مسلمان کا وہ حال بیان کرنا جو اس کو مکروہ معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا کہ یا حضرت بتایئے تو کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب واقعی ہو جو میں کہتا ہوں تو بھی غیبت ثابت ہوگی فرمایا کہ اس میں وہ ہے جس کو تو کہتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے تو البتہ تو نے اس پر بہتان باندھا یعنے عیب واقعی کا ذکر کرنا یہی تو غیبت ہے اور غیر واقعی عیب کا بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ بہتان اور افترا ہے غیبت سے قبیح تر طحطاوی نے کہا مسلمان کی قید احترازی نہیں تو ذمی کی بھی غیبت حرام ہے اور جو حکم مردوں میں ثابت ہے وہ عورتوں میں بھی ثابت ہے الا بدلیل مخصص اور جس طرح غیبت حرام ہے ویسا ہی اس کا استماع بھی حرام ہے حق تعالیٰ اس بلائے عام سے ہم کو نجات بخشے آمین حدیث مذکور ابو داؤد اور ترمذی میں ہے ترمذی نے کہا کہ حدیث صحیح ہے واذا لم تبلغہ یکفیہ الندم والا شرط بیان کل ما اغتابہ اور جس شخص کی غیبت کی اور اس کو اس کی خبر نہیں پہونچی تو غیبت کرنے سے ندامت اور شرمندہ ہونا کفایت کرتا ہے اور اگر اس کو غیبت کی خبر پہونچ گئی ہے تو جس چیز کی غیبت کی ہے اس کا بیان کرنا مغتاب کے سامنے اور معاف کروانا شرط ہے رفع گناہ میں م یعنے درصورت عدم علم مغتاب تو یہ کفایت کرتی ہے اور درصورت علم اس کے سامنے یوں بیان کرنا چاہیے کہ میں نے تیری یوں غیبت کی ہے سو تو اس کو معاف کر دے غیبت کردہ شد ۱۲ تب غیبت کا گناہ معاف ہوگا طحطاوی نے کہا ظاہراً برأت عامہ[1] کفایت نہ کرے گی واللہ اعلم وصلۃ الرحم واجبۃ ولو کانت بسلام وتحیۃ وہدیۃ ومعاونۃ ومجالسۃ ومکالمۃ وتلطف واحسان اور صلہ رحم یعنی عطا اور حسن سلوک قرابت والوں سے واجب ہے اگرچہ صلہ رحم سلام کرنے اور دعا دینے اور تحفہ رسانی اور مددگاری اور ہم نشینی اور باہم بات چیت کرنے اور مہربانی کرنے اور احسان سے ہو ویزورہم غبا لیزید حبا بل یزور اقربائہ کل جمعۃ او شہر ولا یرد حاجتہم لانہ من القطیعۃ فی الحدیث ان اللہ یصل من وصل رحمہ و یقطع من قطعہا وفی الحدیث صلۃ الرحم تزید فی العمر وتمامہ فی الدرر اور ملاقات کیا کرے اپنے قرابت والوں سے ایک روز درمیان دے کر تا محبت زیادہ ہو بلکہ اپنے اقربا سے ملاقات کرے ہر جمعہ یعنے ہر سات دن میں یا ہر مہینے میں اور ان کی حاجت کو نہ روکے اس واسطے کہ حاجت روائی نہ کرنا قطع رحم میں داخل ہے حدیث میں ہے کہ مقرر حق تعالیٰ احسان کرتا ہے اس سے جو اپنی برادری سے احسان کرتا ہے اور قطع کرتا ہے اس سے جو اپنی برادری سے قطع کرتا ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ قرابت والوں کے ساتھ احسان کرنا عمر کو زیادہ کرتا ہے اور اس کا پورا بیان درر میں ہے م درر میں ہے کہ ہر قبیلہ اور عشیرہ کمک اور مددگاری میں غیروں پر بمنزلہ ذات واحد کے ہے اظہار حق میں انتہی اور مددگاری قرابت

---

[1] یعنے اس طرح کہنا کہ جو میں نے تیری غیبت کی ہے اس کو معاف کر اور وہ معاف کردے تو کافی نہیں جب تک کہ غیبت کی تعیین نہ کرے ۱۲

والے کی اس شرط پر ہے جب کہ وہ مخالف شرع کے نہ ہو اور نہیں تو اس کا ساتھ چھوڑنا بلحاظ حق شرع کے درست ہے تبیین المحارم میں ہے اختلاف ہے اس قرابت میں جس کی معاونت واجب ہے بعضوں نے کہا کہ قریب محرم مراد ہے اور بعضوں نے کہا ہر قرابت دار مراد ہے محرم ہو یا نہ ہو تو اگر قرابت والوں کے پاس ہے تو ان کو ہدیہ دینا اور ان کی ملاقات کرنا واجب ہے اور اگر احسان کی قدرت نہیں تو ملاقات کرنا اور ان کے کام میں اعانت کرنا لازم ہے اگر ان کو اعانت کی حاجت ہو اور اگر اہل قرابت سے ایک شخص دشمنی کرتا ہو تو اس کی دشمنی سے قطع احسان نہ کرے بلکہ زیادہ احسان کرے اور اہل قرابت سے دور ہو تو خط لکھا کرے اور ان کی ملاقات کے واسطے چلنا افضل ہے اگر ہو سکے اور بڑا بھائی باپ کے مانند ہے اور اسی طرح دادا پردادا اور بڑی بہن اور خالہ ماں کے مانند ہے ماں کے بعد اور چچا باپ کے مانند ہے حسن سلوک میں بنا بر ایک قول کے اور صلہ رحمی میں دس فضیلتیں ہیں ۱ خوشنودی حق تعالیٰ کی ۲ ادخال سرور ۳ فرشتوں کا خوش کرنا ۴ نیک نامی ۵ شیطان کو غمگین کرنا ۶ عمر کا زیادہ ہو جانا ۷ رزق میں برکت ہونا ۸ سرور اموات ۹ محبت زیادہ ہونا ۱۰ ثواب زیادہ ہونا موت کے بعد اس واسطے کہ جب اس کا احسان یاد کریں گے دعاء خیر کریں گے زیادت عمر کی تاویل میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک زیادت حقیقی مراد ہے اور بعضوں نے کہا کہ بعد موت کے اس کا ثواب لکھا جاتا ہے تو گویا وہ زندہ ہے اور بعضوں نے کہا کہ لوح محفوظ میں طول عمر صلہ رحمی پر متعلق ہے کذا فی الطحطاوی بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم یعنے قرابت عرش سے معلق ہے کہتی ہے جو مجھ سے جوڑے اللہ اس سے جوڑے گا اور جو مجھ سے توڑے اللہ اس سے توڑے گا اور بخاری میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کو اپنے رزق کی کشادگی اور اپنی موت کی تاخیر خوش معلوم ہو وہ اپنی برادری سے احسان کرے اور ترمذی میں روایت ہے کہ اپنے انساب کو سیکھو تا اپنی صلہ رحمی کرو اس واسطے کہ صلہ رحمی سے قرابت والوں میں محبت ہوتی ہے اور مال میں برکت اور موت میں تاخیر ہوتی ہے اور نسائی میں سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محتاج کی خیرات میں فقط ایک ثواب ہے خیرات کا اور قرابت والے کے دینے میں دو ثواب ہیں ایک خیرات کا اور دوسرا صلہ رحمی کا کذا فی تیسیر الوصول وتسلیم المسلم علی اہل الذمۃ لولہ حاجۃ الیہ والا کرہ وہو الصحیح کما کرہ للمسلم مصافحۃ الذمی کذا فی نسخ الشرح واکثر المتون بلفظ وتسلیم فاولتہا ہکذا ولکن بعض نسخ المتن ولا تسلیم وہو الاحسن الاسلم فافہم اور سلام کرے مسلمان ذمیوں کو اگر مسلمان کو ذمی کی طرف حاجت ہو اور اگر حاجت نہ ہو تو سلام کرنا مکروہ ہے یہی قول صحیح ہے جیسے مسلمان کو ذمی کا مصافحہ کرنا مکروہ ہے اسی طرح شرح مصنف اور متن کے اکثر نسخوں میں بلفظ وتسلیم کے وارد ہے تو میں نے اس کی یوں تاویل اور توجیہ کی یعنے سلام مسلم ذمی کو بشرط حاجت جائز ہے اور بلا حاجت مکروہ ہے ولیکن متن کے بعضے نسخوں میں ولا تسلیم ثابت ہے اور وہ یعنی نفی کا نسخہ اثبات کے نسخہ سے بہتر اور سالم تر ہے تاویل سے تو اس کو سمجھ لے م فتاوی عالمگیری میں ہے مجاہد نے کہا کہ جب یہودی یا نصرانی کو خط لکھے کسی حاجت میں تو یوں سلام لکھے السلام علی من اتبع الہدی کراہت مصافحہ ذمی غیر ہمسایہ پر محمول ہے اور اگر ہمسایہ ہو تو قنیہ میں ہے کہ ہمسایہ نصرانی کا مصافحہ درست ہے جب کہ سفر سے آوے اور ترک مصافحہ سے اس کو رنج ہوتا ہو محیط میں عبد الرحمن کاتب سے منقول ہے کہ اگر مسلمان ایک دو بار مجوسی وغیرہ اہل شرک کے ساتھ کھانا کھانے میں مبتلا ہو تو مضائقہ نہیں اور اس پر ہیشگی کرنا مکروہ ہے زیلعی میں ہے کہ ذمی کو جواب سلام کا دینا درست اور وعلیکم سے زیادہ نہ کہے اور اس سے ابتدائے سلام نہ کرے اس واسطے کہ اس میں اس کی تعظیم اور تکریم ہے اور اگر اس کی طرف حاجت ہو تو ابتدائے سلام میں مضائقہ نہیں اور اس کے واسطے دعائے مغفرت نہ کرے لیکن دعائے ہدایت

ف فضائل صلہ رحم

لہ سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے ۱۲

درست ہے اور طول عمر کی دعا میں اختلاف ہے کذا فی الطحطاوی وفی شرح البخاری للعینی فی حدیث ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف قال وہذا التعمیم مخصوص بالمسلمین فلا یسلم ابتداءً علی کافر لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا تبدؤا الیہود والنصاریٰ بالسلام فاذا لقیتم احدہم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ رواہ البخاری اور عینی کی شرح صحیح بخاری میں اس حدیث میں کہ کون اسلام یعنے کون صفت اسلام کی بہتر ہے فرمایا کہ تو کھانا کھلاوے اور سلام کرے اس کو جس کو تو پہچانتا ہے اور جس کو نہیں پہچانتا عینی نے کہا اور تعمیم سلام مخصوص مسلمین سے ہے تو کافر کو ابتداء سلام نہ کرے بدلیل اس حدیث کے جس کو بخاری نے روایت کیا کہ یہودیوں اور نصرانیوں کو ابتداء سلام نہ کیا کرو پھر جب تم ان میں سے کسی کو راہ میں ملو تو ان کو تنگ راہ کی طرف مضطر کرو م تنگ راہ میں ان کو کر دینا اس صورت میں ہے جب کہ اس کا امکان ہو اور ضرر کا خوف نہ ہو یعنے اسلام کی شوکت کے سبب سے وکذا یخص منہ الفاسق بدلیل آخر اور اسی طرح عموم سلام سے فاسق مخصوص ہے دوسری دلیل کے سبب سے م فاسق سے فاسق معلن مراد ہے نہ مستور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کافر اور مبتدع سے ترش روئی کے ساتھ ملاقات کرے اور مجتبےٰ میں ہے کہ محمد نے کہا کہ فاسق معلن کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر اس کا فسق اعلان کے ساتھ نہ ہو تو مکروہ نہیں اور یہ اُس صورت میں ہے جب کہ خوف نہ ہو اور ضرورت داعی نہ ہو کذا فی الطحطاوی واما من شک فیہ فالاصل فیہ البقاء علی العموم حتے یثبت الخصوص اور جس شخص کے اسلام اور کفر میں شک ہو تو اس میں باقی رکھنا حدیث کا عموم پر اصل ہے یہاں تک کہ خصوص ثابت ہو م اور اگر فاسق اور صالح ہونے میں شک واقع ہو تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ مسلمین کے ساتھ حسن ظن لازم ہے ویمکن ان یقال ان الحدیث المذکور کان فی ابتداء الاسلام لمصلحۃ التالیف ثم ورد النہی انتہی فلیحفظ اور ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ حدیث مذکور یعنے عموم سلام کی حدیث ابتدائے اسلام میں تھی تالیف قلوب کی مصلحت سے پھر کافر اور فاسق کے سلام کی نہی وارد ہو گئی انتہی کلام العینی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ولو سلم یہودی او نصرانی او مجوسی علی مسلم فلا باس بالرد ولکن لا یزید علی قولہ وعلیک کما فی الخانیۃ اور اگر یہودی یا نصرانی یا مجوسی مسلمان کو سلام کرے تو اس کے جواب دینے کا مضائقہ نہیں لیکن وعلیک سے زیادہ نہ کہے چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے م یعنے جواب میں فقط وعلیک کہے وعلیک السلام نہ کہے اس واسطے کہ کافر کبھی مسلمان کو السام علیک کہتا ہے یعنے تجھ پر موت ہے اور کبھی کہتا ہے السلام علیک بکسر سین یعنی تجھ پر پتھر ہے تو جب وعلیک کہا تو اس کا قول اسی پر ڈالا کالائے بد بریش خاوند ولو سلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر اور اگر ذمی کو سلام کرے تکریم اور تعظیم کی نیت سے تو کافر ہو جائے گا اس واسطے کہ تکریم کافر کی کفر ہے ولو قال لمجوسی یا استاد تبجیلا کفر کما فی الاشباہ اور مجوسی کو کہے یا استاد تعظیم کی راہ سے تو کافر ہو جائے چنانچہ اشباہ میں ہے وفیہا لو قال لذمی اطال اللہ بقاءک ان نوی لقلبہ لعلہ یسلم او یؤدی الجزیۃ ذلیلا فلا باس بہ اور اشباہ میں ہے اگر مسلمان نے ذمی سے کہا حق تعالیٰ تیری بقا اور زندگی کو دراز کرے تو اگر اپنے دل میں یہ نیت کرے کہ شاید درازئ زندگی سے سمجھے اور مسلمان ہو جائے یا جزیہ دیا کرے ذلیل ہو کر تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں م یہ جو ہندوستانی نصاریٰ کے نوکر عرائض میں ان کو دام اقبالہ لکھتے ہیں سو حرام ہے اس لئے کہ کفار کی خیر خواہی ہے لیکن اگر دوام اقبال بشرط ایمان دل میں مراد رکھیں تو شاید مضائقہ نہ ہو مگر یہ نیت کون کرتا ہے ولا یجب رد سلام السائل لانہ لیس للتحیۃ ولا یسلم وقت الخطبۃ خانیۃ اور بھیک مانگنے والے کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے کذا فی الخانیۃ م قاضی پر محکمہ میں اور جو شخص مسجد میں بیٹھا ہے انتظار نماز کے واسطے یا تسبیح اور قرأت قرآن میں مشغول ہے اور مذاکرہ علم کے وقت اور اذان اور اقامت کے حال میں جواب سلام کا دینا واجب نہیں عنایہ میں ہے کہ قول صحیح یہ ہے کہ ان مواضع میں جواب نہ دے انتہی تنبیہ سوار پیدل کو اور کھڑا بیٹھے کو اور قلیل کثیر کو اور صغیر کبیر کو سلام کرے اور جو پیچھے آتا ہو وہ اگلے

کو سلام کرے اس لئے کہ سلام موضوع ہے اس لئے کہ دو ملنے والوں کا خوف زائل ہو جائے یا ایک کا خوف دور ہو یا تواضع کے واسطے جو مومن کو مناسب ہے یا تعظیم کے واسطے تو سلام سے مقصود دو امر ہیں یا محبت حاصل کرنا یا استدفاع مکروہ تو سوار کا پیدل کو اور قائم کا قاعد کو ازالہ خوف کے واسطے ہے اور قلیل کا سلام کثیر کو تواضع کے واسطے ہے اور صغیر کا سلام کبیر کو توقیر بڑائی کا ماننا ۱۲ کے واسطے ہے ہر چند یہ قول ہے نووی شافعی رح کا لیکن ہمارے قواعد کے موافق ہے محیط میں ہے کہ ثواب کس کا زیادہ ہے بعضوں نے کہا جواب دینے والے کا اور بعضوں نے کہا سلام کرنے والے کا کذا فی الطحطاوی مختصرا وفیہا واذا اتی دار انسان یجب ان یستاذن قبل السلام ثم اذا دخل یسلم اولا ثم یتکلم ولو فی فضاء یسلم اولا اور خانیہ میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی آدمی کے گھر جائے تو سلام سے پہلے یہ واجب ہے کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرے پھر جب اجازت پاوے اور داخل ہو تو اول سلام کرے پھر بات کرے اور اگر وہ شخص گھر میں نہ ہو میدان میں ہو تو اول سلام کرے یعنی اس صورت میں دخول کی اجازت مانگنے کی حاجت نہیں ولو قال السلام علیک یا زید لم یسقط برد غیرہ اور اگر ایک شخص نے کہا کہ السلام علیک یا زید تو غیر شخص کے جواب دینے سے جواب دینا زید پر سے ساقط نہ ہوگا ولو قال یا فلان او اشار لمعین سقط اور یوں کہا کہ السلام علیک یا فلان یا معین شخص کو سلام کیا بدون نام لئے تو غیر کے جواب دینے سے جواب ساقط ہو جاتا ہے م اور اگر ایک جماعت کو سلام کیا اور دوسری جماعت نے جواب دیا تو جواب ساقط نہ ہوگا کذا فی تبیین المحارم وشرط فی الرد وجواب العاطس اسماعہ فلو اصم یریہ تحریک شفتیہ انتہی اور جواب سلام میں اور چھینک کے جواب میں اس کا سنانا شرط ہے اور اگر سلام کرنے والا یا چھینکنے والا بہرا ہو تو اس کو اپنے لبوں کی حرکت دکھا دے یعنی تاکہ وہ جانے کہ جواب دیا انتہی ما فی الخانیۃ قلت وفی المبتغی ویسقط عن الباقین برد صبی یعقل لانہ من اہل اقامۃ الفرض فی الجملۃ بدلیل حل ذبیحتہ وقیل لا میں کہتا ہوں اور مبتغی میں ہے کہ ساقط ہوتا ہے جواب سلام کا دینا باقی لوگوں سے صغیر عاقل کے جواب دینے سے اس واسطے کہ صغیر عاقل اقامت فرض میں فی الجملہ اہلیت رکھتا ہے اس دلیل سے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ صغیر عاقل کے جواب سے باقی جماعت سے جواب ساقط نہیں ہوتا وفی المجتبی ویسقط برد العجوز وفی رد الشابۃ والصبی والمجنون قولان وظاہر التاجیۃ ترجیح عدم السقوط اور مجتبی میں ہے کہ جواب جماعت سے ساقط ہو جاتا ہے بڈھی عورت کے جواب دینے سے اور جوان عورت اور صغیر اور مجنون کے جواب میں دو قول ہیں سقوط اور عدم سقوط میں اور تاجیہ کا ظاہر عدم سقوط کی ترجیح پر دلالت کرتا ہے ویسلم علی الواحد بلفظ الجمع وکذا الرد اور سلام کرے مسلمان کو بصیغہ جمع اور اسی طرح جواب سلام میں صیغہ جمع بولنا چاہیے م یعنی ایک شخص کو بھی السلام علیک نہ کہے بلکہ السلام علیکم اور جواب میں وعلیکم السلام کہے اس واسطے کہ تعظیم مسلمان کی عمدہ بات ہے علاوہ اس کے ہر مسلمان کے ساتھ فرشتے بھی ہوتے ہیں تو جمع کے لفظ سے وہ بھی داخل ہو جاویں گے طحطاوی نے تاتارخانیہ سے نقل کیا کہ بہتر یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اور جواب دینے والا بھی اسی طرح کہے واؤ عطف زیادہ کر کے یعنے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور حذف واؤ بھی درست ہے اور اگر یوں سلام کرے سلام علیکم یا السلام علیکم تو مجیب دونوں صورتوں میں سلام علیکم والسلام علیکم کہے لیکن الف کے ساتھ کہنا افضل ہے انتہی ولا یزید[1] علی وبرکاتہ اور زیادہ نہ کرے وبرکاتہ پر م ابن عباس رض نے کہا کہ ہر شئے کا منتہی ہے اور سلام کا منتہی برکات ہے کذا فی المحیط ورد السلام وتشمیت العاطس علی الفور اور سلام کا جواب چھینکنے والے کا جواب فی الفور واجب ہے م ظاہرا تاخیر بلا عذر مکروہ تحریمی ہے اور گناہ جواب دینے سے مرتفع نہ ہوگا بلکہ توبہ سے کذا فی الطحطاوی اور ویجب رد جواب کتاب التحیۃ کرد السلام اور خط کے اندر لکھے سلام کا جواب دینا واجب ہے جیسے سلام قولی کا جواب واجب ہے اس واسطے کہ

---

[1] اور ایک نسخہ میں ولا یزید الراد ہے یعنے جواب دینے والا وبرکاتہ سے زیادہ نہ کہے ۱۲

ف خط کے سلام کو پڑھ کر جواب دینا واجب ہے

غائب کی طرف سے خط بمنزلہ خطاب کے ہے حاضر کی طرف سے کذا فی المجتبیٰ اور لوگ اس سے غافل ہیں خط پڑھ کر جواب سلام کا نہیں دیتے تتارخانیہ میں ہے کہ اگر مجلس میں دوسری بار سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں ولو قال لآخر اقرأ فلانا السلام یجب علیہ ذلک اور اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ فلانے شخص کو میرا سلام کہہ دینا تو اس پر ابلاغ سلام واجب ہے یعنے اگر اس کا سلام نہ پہونچا دے گا تو گنہگار رہیگا امام محمد نے کتاب السیر میں وہ حدیث نقل کی جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو کسی انسان کو غائب کی طرف سے سلام پہونچا دے تو اس پر لازم ہے کہ پہونچانے والے کو اول سلام کا جواب دے پھر غائب کو کذا فی العالمگیریۃ یعنے یوں کہے وعلیکم وعلیہم السلام ویکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا والا لا کما یکرہ علی عاجز عن الرد حقیقۃ کآکل او شرعا کمصلے او قارئ ولو سلم لایستحق الجواب انتہی اور مکروہ ہے سلام کرنا فاسق پر اگر علانیہ گناہ کرتا ہو اور اگر گناہ کو چھپاتا ہو تو مکروہ نہیں جیسے مکروہ ہے سلام کرنا اس پر جو حقیقۃً جواب نہیں دے سکتا چنانچہ کھانے والا یعنے جس کے منہ میں لقمہ ہے اور وہ چبا رہا ہے یا عاجز ہو جواب سے شرعاً چنانچہ نماز کا پڑھنے والا اور قرآن خواں اور اگر ان تینوں کو سلام کوئی کرے تو جواب سلام کا مستحق نہ ہوگا انتہی ما فی المنتقی وقدمنا فی باب ما یفسد الصلوۃ کراہتہ فی نیف وعشرین موضعا وانہ لایجب رد سلام علیکم بجزم المیم اور مفسدات صلوٰۃ کے باب میں ہم مقدم ذکر کر چکے ہیں کراہت سلام کرنے کے بیس اور چند مقام ہیں اور یہ کہ واجب نہیں جواب دینا سلام علیکم کا بجزم میم یعنی اگر سلام کے میم کو جزم کے ساتھ کہے تنوین اور ضمہ حذف کرے تو جواب واجب نہیں اس واسطے کہ مخالف سنت کے ہے اور عربی بولی کے موافق نہیں کذا فی الطحطاوی لیکن ظاہر اعوام جو اعراب سے واقف نہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں ولو دخل ولم یر احدا یقول السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اور اگر مکان میں داخل ہو اور کسی کو نہ دیکھے تو یوں کہے السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین یعنے ہم پر سلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر م عباد صالحین سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو سلام کرنے والے کے ساتھ ہیں اور حاضرین جن تتارخانیہ میں ہے کہ سلام کرنا ہر بار کے داخل ہونے میں چاہیے فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار کما فی الاختیار ومتن المواہب الرحمٰن لان علیا تصدق بخاتمہ فی الصلوۃ فمدحہ اللہ بقولہ ویؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون مسجد میں سوال کرنے والے کو دینا مکروہ ہے مگر جب کہ سائل لوگوں کے گردنوں پر قدم اٹھا کر نہ پھاندتا ہو تو اس کو دینا بقول مختار مکروہ نہیں کذا فی الاختیار ومتن مواہب الرحمٰن اسی واسطے کہ علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی نماز میں خیرات دی سو حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں ان کی مدح کی کہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور حالانکہ رکوع میں ہوتے ہیں م یعنے وہ نماز مسجد میں تھی تو دلیل پوری ہوگئی یا جب کہ نماز میں جو افضل اعمال ہے تصدق درست ہوا تو مسجد میں بطریق اولیٰ درست ہوگا تو معلوم ہوا کہ کراہت اعطاء سائل مسجد بعلت تخطی رقاب ہے کذا فی الطحطاوی احب الاسماء الی اللہ تعالیٰ عبد اللہ و عبد الرحمٰن دوست ترین اسماء حق تعالیٰ کے نزدیک عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہے م مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں عبد اللہ بن عمر سے حدیث مرفوع منقول ہے کہ احب الاسماء الی اللہ عبد اللہ وعبد الرحمٰن مناوی نے کہا اور عبد اللہ افضل ہے مطلقاً حتے کہ عبد الرحمٰن سے بھی اور ان دونوں ناموں کے بعد محمد افضل ہے پھر احمد پھر ابراہیم انتہی قول المناوی طبرانی میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے احب الاسماء الی اللہ ما تعبد بہ یعنے سب ناموں میں پسندیدہ تر خدا کے نزدیک وہ نام ہے جس سے عبدیت ثابت ہو چنانچہ عبد اللہ اور عبد القادر کذا فی الطحطاوی وجاز التسمیۃ بعلی ورشید وغیرہما من الاسماء المشترکۃ ویراد فی حقنا غیر ما یراد فی حق اللہ تعالیٰ لکن التسمیۃ بغیر ذلک فی زماننا اولی لان العوام یصغرونہا عند النداء کذا فی السراجیۃ اور جائز ہے آدمی کا نام علی اور رشید رکھنا اور ان کے سوا ان اسماء سے جو مشترک ہیں خالق اور مخلوق میں ان کا تسمیہ بھی درست ہے اور ہمارے حق میں اسماء مذکورہ سے اس کے غیر معانی مراد ہوتے ہیں جو

حق تعالے کے حق میں مراد ہوتے ہیں لیکن ان کے سوا اور نام رکھنا ہمارے زمانہ میں بہتر ہے اس لئے کہ عوام لوگ پکارنے کے وقت اسماء ممدوحہ کو حقیر کرکے پکارتے ہیں کذا فی السراجیہ مثلاً علی حق تعالیٰ کے حق میں بمعنے عالی رتبہ ہے ہر شے سے اور آدمی کے حق میں عالی رتبہ ہے اپنے ہمسروں سے اور رشید حق تعالیٰ کے حق میں بمعنی مؤصل[3] الی الہدایۃ والی کل خیر اور آدمی کے حق میں تقرب الی اللہ حاصل کرنے والا اور جو راشد اور مرشد ہو غیر کا تعلم اور تعلیم سے **ومن کان اسمہ محمدا لا باس بان یکنی ابا القاسم** لان قولہ صلے اللہ علیہ وسلم سموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی قد نسخ لان علیا رضی اللہ عنہ کنی ابنہ محمد بن الحنفیۃ ابا القاسم اور جس کا نام محمد ہو اس کی کنیت ابوالقاسم سے رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ یہ حدیث کہ میرا نام تو رکھو اور میری کنیت نہ رکھو البتہ منسوخ ہے اس واسطے کہ علی مرتضے رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند محمد بن حنیفہ کی کنیت ابوالقاسم رکھی م سبب کراہت کا یہ تھا کہ ابوالقاسم کہہ کر یہود پکارتے تھے پھر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف التفات فرماتے تو وہ کہتے کہ ہم نے اور شخص کو پکارا نہ تم کو **ویکرہ ان یدعو الرجل اباہ وان تدعو المرأۃ زوجہا باسمہ** انتہی بلفظہ اور یہ مکروہ ہے کہ مرد اپنے باپ کا نام لے کر اور عورت اپنے شوہر کا نام لے کر پکارے انتہی ما فی السراجیۃ بلفظہ م چونکہ والد کا حق ولد پر اور زوج کا حق زوجہ پر نہایت زیادہ ہے تو تعظیم اور تکریم کے ساتھ خطاب کرنا چاہیے نام لینے میں ظاہر بے ادبی ہے حدیث میں وارد ہے کہ اگر سجدہ کا کسی کے واسطے امر ہوتا تو زوجہ کو زوج کے سجدہ کرنے کا حکم ہوتا **وفیہا یکرہ الکلام فی المسجد وخلف الجنازۃ وفی الخلاء وفی حالۃ الجماع** وزاد ابو اللیث رح فی البستان وعند قراءۃ القرآن وزاد فی الملتقی تبعا للمختار وعند التذکرۃ فما ظنک[1] به عند الغناء الذی یسمونہ وجدا اور سراجیہ میں ہے کہ مکروہ ہے کلام کرنا مسجد میں اور جنازہ کے پیچھے اور بیت الخلاء میں اور جماع کی حالت میں اور فقیہ ابو اللیث نے بستان میں اتنا زیادہ بیان کیا ہے اور مکروہ ہے کلام کرنا قرآن پڑھنے کے وقت اور ملتقی میں باتباع مختار اتنا اور زیادہ کہا ہے اور وعظ اور تذکیر کے وقت کلام مکروہ ہے سو تیرا کیا گمان ہے قرآن پڑھنے کے وقت اس راگ کا جس کو بعضے صوفی وجد کہتے ہیں م یعنی جب کلام مباح وعظ کے وقت مکروہ ہوا تو غنا محرم وعظ کے وقت ظلم عظیم ہے طحطاوی نے کہا شارح کو یوں کہنا تھا فما ظنک بالغناء عند التذکیر تاتارخانیہ میں ہے کہ فجر کے بعد نماز تک کلام نہ کرے مگر امر خیر میں اور بعضوں نے کہا اور نماز کے بعد سے کلام نہ کرے تا طلوع آفتاب **للعربیۃ فضل علی سائر الالسن وہو لسان اہل الجنۃ من تعلمہا او علم غیرہ فہو ماجور** وفی الحدیث احبو العرب لثلث لانی عربی والقرآن عربی ولسان اہل الجنۃ فی الجنۃ عربی عربی زبان فضل ہے باقی زبانوں سے اور بہشتیوں کی زبان عربی ہے جو اس کو سیکھے اور غیر کو سکھاوے وہ ثواب پاوے گا اور حدیث میں وارد ہے کہ عرب کو دوست رکھو تین وجہ سے اس واسطے کہ میں عربی ہوں اور قرآن شریف عربی ہے اور اہل جنت کی زبان جنت میں عربی ہے م جامع صغیر میں احبوا بصیغہ جمع امر حاضر ہے حاکم نے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ احفظونی[2] فی العرب لثلث چنانچہ سیوطی نے ذکر کیا ہے اور حب عرب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں چنانچہ عراقی نے علٰحدہ کتاب اس میں تالیف کی ہے از انجملہ افراد دارقطنی میں ابن عمرؓ سے روایت مرفوع ہے کہ حب العرب ایمان وبغضہم نفاق یعنے محبت عرب کی ایمان ہے اور عداوت ان کی نفاق ہے اور ابو الشیخ نے ابو ہریرہؓ سے حدیث مرفوع روایت کی کہ دوست رکھو عرب کو اور ان کے باقی رہنے کو اس واسطے کہ عرب کی بقا نور ہے اسلام میں اور ان کا فنا ہو جانا ظلمت ہے اسلام سے کذا فی الطحطاوی **وفیہا تطیین القبور لا یکرہ فی المختار** وقیل یکرہ وقال البزدوی لو احتیج الی الکتابۃ کیلا یذہب الاثر ولا یمتہن لا باس بہ ذکرہ المصنف فی آخر باب الوصیۃ للاقارب وقدمناہ فی الجنائز اور سراجیہ میں ہے کہ قبروں پر مٹی لگانا اور کہگل کرنا قول مختار میں مکروہ نہیں اور بعضوں نے کہا مکروہ ہے اور بزدوی نے کہا اور اگر کتابت کی حاجت ہو تا اثر نہ جاتا رہے اور گمنام

---

[1] یعنے تیرا کیا گمان ہے غنا پر وعظ کے وقت ۱۲ [2] میرا لحاظ اور تعظیم کرو عرب میں تین باتوں کے سبب سے ۱۲ [3] پہنچانے والا ہدایت پر اور بہتری پر ۱۲

نہ ہو تو مضائقہ نہیں اس کا ایسا ذکر کیا ہے مصنف نے وصیت اقارب کے آخر باب میں اور ہم اس کو باب الجنائز میں پہلے ذکر کر چکے ہیں

فائدہ زیارت قبور مرد اور عورت کو درست ہے اور کیفیت زیارت یہ ہے کہ جس طرح میت کی حیات میں قرب یا بُعد سے زیارت کرتا تھا اسی طرح بعد موت کے زیارت کرے اور جب زیارت کا قصد کرے تو مستحب یہ ہے کہ اپنے گھر میں دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں فاتحہ اور آیۃ الکرسی ایک بار اور سورہ اخلاص تین بار پڑھے اور اس کا ثواب میت کے واسطے مقرر کرے حق تعالیٰ قبر کو نورانی کر دے گا اور مصلی کو بہت ثواب ہوگا پھر قبرستان کی طرف چلے اور راہ میں بیہودہ اشتغال نہ کرے جب قبرستان میں پہونچے میت کے سامنے قبلہ کو پشت دے کر کھڑا ہو اور یوں کہے السلام علیکم یا اہل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر[1] اور اگر شہید ہو تو یوں کہے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار[2] اور جب میت کے واسطے دعا کا ارادہ کرے تو قبلہ رخ ہو کر دعا کرے پھر سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور اذا زلزلت والہکم التکاثر پڑھے قرآن پڑھنا قبرستان میں بلند آواز سے مکروہ ہے اور آہستہ پڑھنا مکروہ نہیں اور زیارت کے افضل ایام دوشنبہ اور پنج شنبہ اور جمعہ اور ہفتہ ہیں لیکن جمعہ میں نماز کے بعد اور ہفتہ میں طلوع آفتاب اور پنج شنبہ میں اول روز یا آخر روز اور اسی طرح متبرک راتوں میں چنانچہ شب برات اور اسی طرح ازمنہ متبرک میں چنانچہ عشرہ ذی الحجہ اور عیدین اور عاشورا ابوبکر بن ابی سعید سے منقول ہے کہ زیارت کے وقت سورہ اخلاص سات بار پڑھنا مستحب ہے مجھ کو روایت پہونچی ہے کہ جو سات بار پڑھے اگر میت غیر مغفور ہے تو اس کی مغفرت ہوتی ہے اور اگر مغفور ہے تو پڑھنے والے کی مغفرت ہوتی ہے اور میت کو ثواب ملتا ہے اور جو قبر پر بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ[3] پڑھے تو عذاب اور تنگی اور تاریکی قبر والے سے ۴۰ برس تک دور ہو جاتی ہے قبر پر ہاتھ رکھنا بعضوں کے نزدیک درست ہے اور بعضوں کے نزدیک بدعت ہے اور قبر کا ملنا اور بوسہ لینا جائز نہیں کہ نصاریٰ کی عادت ہے لیکن قبر والدین کے چومنے مضائقہ نہیں پھولوں کا ڈالنا قبروں پر درست ہے اور اگر پھولوں کی قیمت خیرات کر دے تو بہتر ہے اور اخراج شموع قبروں کی طرف بدعت ہے الکل فی العالمگیریۃ ویکرہ تمنی الموت لغضب او ضیق عیش الا لخوف

نکالنا چراغوں کا ۱۲

الوقوع فی معصیۃ ای فیکرہ لخوف الدنیا لا الدین لحدیث فبطن الارض خیر لکم من ظہرہا خلاصہ آرزو کرنا موت کی غضب یا معاش کی تنگی سے مکروہ ہے اور گناہ میں پڑ جانے کے خوف سے تمنا موت کی مکروہ نہیں یعنی خوف دنیا سے آرزو مکروہ ہے نہ دین کے خوف سے بدلیل اس حدیث کے کہ زمین کا پیٹ تمہارے واسطے بہتر ہے اس کی پیٹھ سے کذا فی الخلاصۃ یعنی ایام فتنہ میں مرنا جینے سے بہتر ہے لا باس بلبس الصبی باللؤلؤ وکذا البالغ کذا فی شرح الوہبانیۃ معزیا للمنیۃ وقاس علیہ الطرطوسی بقیۃ الاحجار کیاقوت وزمرد ونازعہ ابن وہبان بانہ یحتاج الی نقل صریح وجزم فی الجوہرۃ بحرمۃ اللؤلؤ قلت وحمل المصنف ما فی المنیۃ علی قولہ وما فی الجوہرۃ علی قولہما وقال وقد رجحوا قولہما ففی الکافی قولہما اقرب لعرف دیارنا فیفتی بہ ثم قال المصنف وعلیہ فالمعتمد فی المذہب حرمۃ لبس اللؤلؤ ونحوہ علی الرجال لانہ من حلی النساء مضائقہ نہیں موتی کے پہننے میں صغیر کو اور اسی طرح بالغ کو ایسا مذکور ہے شرح وہبانیہ میں منیۃ المفتی کی طرف منسوب کر کے اور موتی پر طرطوسی نے باقی پتھروں کو مثل یاقوت اور زمرد کو قیاس کیا ہے اور ابن وہبان نے طرطوسی سے یہ نزاع کیا ہے کہ اس کی حلت میں نقل صریح چاہیے یعنی غیر مجتہد کا قیاس حجت نہیں اور جوہرہ میں موتی کے حرام ہونے پر یقین کیا ہے میں کہتا ہوں اور مصنف نے اپنی شرح میں موتی کی اباحت کو جو منیۃ المفتی میں مذکور ہے امام کے قول پر محمول کیا ہے اور جو جوہرہ میں حرمت مذکور ہے صاحبین کے قول پر محمول کیا ہے

---

[1] سلام تم پر اے قبر والو بخشے اللہ ہم کو اور تم کو تم ہم سے پہلے پہونچے اور ہم تمہارے بعد ہیں ۱۲ ف زیارت قبور

[2] سلام تم پر اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا سو کیا اچھا ہے پچھلا گھر ۱۲

[3] اللہ کے نام سے اور رسول اللہ صلعم کے طریق پر ۱۲

مصنف نے کہا اور البتہ علماء نے صاحبین کے قول پر ترجیح دی ہے سو کافی میں یوں مذکور ہے کہ صاحبین کا قول قریب تر ہے ہمارے دیار کے رواج سے تو اسی کا فتوی دینا چاہیے پھر مصنف نے کہا اور بموجب اس کے تو مذہب میں موتی اور اس کے مانند اور پتھروں کے پہننے کی حرمت معتمد ہے مردوں پر اس واسطے کہ وہ عورتوں کا زیور ہے ویکرہ للولی الباس الخلخال والسوار للصبی اور ولی کو پہنانا گوجری اور کنگن کا صغیر کو مکروہ ہے یعنے اس واسطے کہ عورت کا زیور ہے کذا فی الطحطاوی اور اسی طرح ہاتھ پاؤں میں کڑے اور جوشن اور گھونگرو لڑکوں کو پہنانا درست نہیں ولا باس بثقب اذن البنت والطفل استحسانا ملتقط بیٹی اور طفل کے کان چھیدنے میں مضائقہ نہیں باعتبار استحسان کے کذا فی الملتقط م ظاہر الطفل سے مذکر مراد ہے عطف کے قرینہ سے لیکن فتاوی عالمگیری میں کبری سے منقول ہے لا باس ان یثقب آذان الطفل من البنات اس واسطے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے بلا انکار انتہی تو اس میں کن چھیدن اناث کے واسطے مخصوص ہے کذا فی الطحطاوی وہل یجوز الخزام فی الانف لم ارہ اور کیا جائز ہے نتھنی پہننا ناک چھید کر میں نے اس کا حکم کسی کتاب میں نہیں دیکھا امام طحطاوی نے کہا میں کہتا ہوں اگر نتھنی کو زینت کے واسطے عورتیں پہنتی ہوں چنانچہ بعضے بلاد میں رائج ہے تو ان ملکوں میں ناک چھیدنا نتھنی کے واسطے ایسا ہے جیسے کان کا چھیدنا درست ہے بالیوں کے واسطے ویکرہ للذکر والانثی الکتابۃ بالقلم المتخذ من الذہب او الفضۃ او من دواۃ کذلک سراجیہ اور مرد اور عورت کو مکروہ ہے لکھنا سونے چاندی کے قلم بنائے ہوئے سے یا سونے چاندی کی دوات سے کذا فی السراجیہ تم

قال لا باس بتمویہ السلاح بذہب وفضۃ ولا باس بسرج ولجام وثفر من الذہب عند ابی حنیفۃ خلافا لابی یوسف پھر سراجیہ میں یوں کہا کچھ مضائقہ نہیں سونے چاندی کے ملمع کا ہتھیار پر اور مضائقہ نہیں زین اور لگام اور رکاب[2] کا سونے سے امام اعظم کے نزدیک برخلاف ابو یوسف کے م ان مسائل کی تفصیل اس کتاب کے اول میں مذکور ہو چکی جاریۃ لزید قال بکر وکلنی زید ببیعہا حل لعمرو شراؤہا ووطیہا بقبول قول بکر ان اکبر رایہ صدقہ کما مر وان اکبر رایہ کذبہ لا یقبل قولہ ولا یشتری منہ ولو لم یخبرہ ان ذلک الشئ لغیرہ فلا باس بشرائہ منہ زید کی لونڈی ہے سو بکر نے کہا کہ مجھ کو زید نے اس کے بیچنے کا وکیل کیا تو عمرو کو اس کی خرید اور قربت کرنا درست ہے بسبب قبول کر لینے بکر کے قول کے بشرطیکہ عمرو کو اس کی راستی کا ظن غالب ہو چنانچہ اول کتاب میں مذکور ہو چکا اور اگر اس کے کذب کا گمان غالب ہو تو اس کے قول کو قبول نہ کرے اور نہ اس سے خرید کرے اور اگر ایک شخص مشتری کو اس کی خبر نہ کرے کہ یہ چیز غیر شخص کی ہے تو اس کے خرید کرنے میں قابض سے کچھ مضائقہ نہیں یعنی اس واسطے کہ قبضہ دلیل ہے ملک کی کما حل وطی من زفت الیہ وقال النساء ہی امرأتک جیسے حلال ہے قربت اس عورت کی جو زوج کے پاس پہونچائی گئی نکاح کے بعد اور عورتوں نے کہا کہ یہ تیری زوجہ ہے یعنی اس واسطے کہ خبر دلیل شرعی ہے درصورت عدم معارض وحل نکاح من قالت طلقنی زوجی وانقضت عدتی او کنت امۃ لفلان اعتقنی ان وقع فی قلبہ صدقہا وتمامہ فی الخانیۃ قلت وحاصلہ انہ متی اخبرت بامر محتمل فان ثقۃ او وقع فی قلبہ صدقہا لا باس بتزوجہا وان بامر مستنکر لا ما لم یستفسرہا اور حلال ہے نکاح کر لینا اس عورت کے ساتھ جس نے کہا کہ میرے زوج نے مجھ کو طلاق دی اور میری عدت گذر گئی یا میں فلانے شخص کی لونڈی تھی سو اس نے مجھ کو آزاد کر دیا بشرطیکہ مرد کے دل میں اس کی راستی واقع ہو جائے اور اس کا پورا بیان خانیہ میں ہے میں کہتا ہوں خلاصہ اس مقام کا یہ ہے کہ جب عورت خبر دے امر محتمل کی تو اگر عورت ثقہ اور معتمد ہو یا مرد کے دل میں اس کی راستی جم جائے تو اس کے ساتھ نکاح کر لینا درست ہے اور اگر عورت امر مستنکر

---

[1] نہیں مضائقہ صغیر لڑکیوں کے کان چھیدنے کا ۱۲

[2] مترجم اول نے ثفر بالتحریک کا ترجمہ رکاب کیا ہے مگر کتب لغت میں دمچی یا لینڈی کو کہتے ہیں جس کی فارسی پاردم ہے ۱۲

اور غیر معلوم کی خبر دے تو اس کے نکاح پر جرأت نہ کرے جب تک کہ اس کا حال دریافت نہ کر لے لوگوں سے م امر مستنکر چنانچہ عورت نے ایک مرد سے نکاح کیا پھر دوسرے مرد سے بولی کہ میرا نکاح فاسد تھا یا میرا زوج مسلمان نہ تھا تو دوسرے مرد کو اس کا قول مان لینا درست نہیں اور نہ اس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے اس واسطے کہ اس نے امر مستنکر کی خبر دی کذا فی العالمگیریۃ اور چنانچہ مطلقہ ثلثہ نے زوج اول سے کہا کہ میں تجھ کو حلال ہو گئی تو اس کے ساتھ نکاح حلال نہیں بدون استفسار کے اس واسطے کہ بعضے علماء کے نزدیک بمجرد نکاح کے بلا وطی زوج ثانی کے حلت ہو جاتی ہے تو شاید اس عورت نے اسی قول ضعیف پر اعتماد کیا ہو تو استفسار ضرور ہوا کذا فی الطحاوی فروع مسائل ملحقہ شارح کے کتب ما قول الشافعی یکتب جواب ابی حنیفۃ؟ مستفتی نے لکھا کہ اس مسئلہ میں مثلاً شافعی کا کیا قول ہے تو امام ابو حنیفہؒ کا جواب لکھے م یہ مبنی ہے علماء کے اس قول پر کہ اپنے مذہب کو صواب محتمل خطا اعتقاد کرنا واجب ہے اور غیر کے مذہب کو بالعکس اس کے اور اس کی بنا اس پر ہے کہ تقلید مفضول کی باوجود افضل کے جائز نہیں اور حق یہ ہے کہ تقلید مفضول کی بھی جائز ہے اور اعتقاد مذکور تو مجتہد کے حق میں ہے نہ تابع مقلد کے حق میں اس واسطے کہ مقلد تو نجات پاتا ہے ائمہ اربعہ کے ایک کی تقلید کرنے سے فروع میں اور اس پر ترجیح واجب نہیں کذا فی الطحاوی واذا کتب المفتی بدین یکتب ولا یصدق قضاءً لیقتضی القاضی بحنثہ اور جب مفتی لکھے کہ یہ امر دیانۃً درست ہے یعنی فیما بینہ وبین اللہ اپنی نیت پر عمل کرنا چاہیے تو یہ بھی مفتی کو لکھنا چاہیے اور اس کی تصدیق قضاءً نہ کرنا چاہیے تاکہ قاضی حکم کرے اس کے حانث ہونے سے مثلاً م شاید کہ یہ بر سبیل اولویت کے ہے والاقتصار قاضی اس قول کتابت پر موقوف نہیں مگر جب کہ قاضی احکام شرعی سے جاہل ہو اور فتیائے مفتی پر اعتماد کرتا ہو کذا فی الطحاوی الترجیع بالقرآن والاذان بالصوت الطیب طیب ان لم یزد فیہ الحروف قرآن پڑھنے اور اذان کہنے میں ترجیع یعنے تردید صوت حلق میں خوش آوازی سے جائز ہے اگر ترجیع میں حروف زیادہ نہ ہو جائیں م منح الغفار میں اس قول کو اصح نقل کیا ہے اور عالمگیری میں ہے کہ اکثر مشائخ نے کہا کہ ترجیع مکروہ ہے حلال نہیں اس لئے کہ فاسقوں کی حالت فسق سے مشابہ ہے یعنے مغنیوں کی گٹکری سے مشابہ ہے اور یہ گمان کوئی نہ کرے کہ ترجیع مذکور سے لحن مراد ہے اس واسطے کہ لحن بلا خلاف حرام ہے وان زاد کرہ لہ ولمستمعہ اور اگر ترجیع سے حرف زیادہ ہو جائے مثلاً فتحہ سے الف اور کسرہ سے یا اور ضمہ سے واؤ پیدا ہو تو قاری اور مؤذن کو اور اس کی سماعت کرنے والے کو ترجیع مکروہ ہے وقولہ احسنت ان لسکوتہ تحسن وان لتلک القراءۃ یخشیٰ علیہ الکفر اور مستمع کا یوں کہنا قاری مرجع مذکور سے کہ کیا خوب کیا تو نے تو اگر اس کے چپ رہنے کے واسطے یہ قول کہا تو بہتر ہے اور اگر اس قرأت محرمہ کے واسطے کہا تو اس پر کفر کا خوف ہے م وجہ خوف کفر یہ ہے کہ اس نے حرام متفق علیہ کو بہتر کہا کذا فی الطحاوی المناظرۃ فی العلم لنصرۃ الحق عبادۃ ولاحد ثلثۃ حرام لقہر مسلم واظہار علم ونیل دنیا او مال او قبول مناظرہ اور مباحثہ علم میں کرنا نصرت اور تائید حق کے واسطے عبادت ہے اور تین امور میں سے کسی امر کے واسطے مناظرہ حرام ہے مسلمان کے مغلوب کرنے کے واسطے اور اپنے علم اور قابلیت کے اظہار کرنے کے واسطے اور حصول دنیا یا مال یا قبول خلائق کے واسطے حرام ہے التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنۃ الانبیاء والمرسلین ولریاسۃ ومال وقبول عامۃ من ضلالۃ الیہود والنصاری وعظ اور درس کہنا منبروں پر غیروں کے اور اپنی پند پذیری کے واسطے انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور تحصیل ریاست اور مال اور قبول عوام کے واسطے وعظ کہنا یہود ونصاری کی گمراہی سے ہے م اسی کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید میں فخلف[1] من بعدہم خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض ہذا الادنی الآیۃ قراءۃ القرآن بالقراءۃ معروفۃ وشاذۃ دفعۃ واحدۃ مکروہ کما فی الحاوی القدسی قرآن پڑھنا مشہور اور غیر مشہور

[1] پھر اس کے پیچھے آئے ناخلف وارث کتاب کے لیتے اسباب ادنیٰ زندگی کا یعنے رشوت لے کر مسئلہ غلط کہنے لگے ۱۲

قرأت سے یکبارگی مکروہ ہے چنانچہ حاوی قدسی میں ہے م قرأت عشرہ سے زیادہ قرأت شاذہ غیر مشہور ہے اور جب مشہورہ اور غیر مشہورہ کا ساتھ پڑھنا مکروہ ہوا تو فقط شاذ قرأت پڑھنا بطریق اولی مکروہ ہوگا کذا فی الطحطاوی یستحب للرجل خضاب شعرہ ولحیتہ ولو فی غیر حرب فی الاصح والاصح انہ علیہ الصلوۃ والسلام لم یفعلہ ویکرہ بالسواد وقیل لا مجمع الفتاوی والکل من منح المصنف مستحب ہے مرد کو خضاب کرنا اپنے بالوں اور ڈاڑھی میں اگرچہ خضاب کرے سوائے جہاد کے قول اصح میں اور صحیح تر قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا اور سیاہی کا خضاب کرنا مکروہ ہے اور بعضوں نے کہا مکروہ نہیں کذا فی مجمع الفتاوی اور سب مسائل مصنف کی شرح منح الغفار سے منقول ہیں م ہاتھ پاؤں میں مہندی کا خضاب مکروہ ہے عورتوں کی مشابہت کے سبب سے بالوں کا خضاب درست ہے اگرچہ نساء اور جواری کے پسند آنے کے واسطے کرے ابو یوسف رح سے روایت ہے کہ جیسے مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میری عورت میرے واسطے اپنا سنگار اور آرائش کرے ویسے ہی عورت کو میری آرائش پسند آتی ہے اکثر مشائخ کا قول یہی ہے کہ سیاہی کا خضاب مکروہ ہے کذا فی الطحطاوی حنا اور کتم کا خضاب بالاتفاق درست ہے اور احادیث میں وارد ہے لیکن کتم میں اختلاف ہے کہ وسمہ ہے یا کوئی اور گھاس ہے جو حنا کے ساتھ بوئی جاتی ہے مترجم نے اساتذہ دہلی سے سنا کہ سیاہی کے خضاب سے وسمہ کا خضاب مستثنی ہے اس واسطے کہ صحیح بخاری میں وارد ہے کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شہید ہو کر شام کو گیا تھا تو ریش مبارک میں وسمہ کا خضاب تھا تو معلوم ہوا کہ اور ادویہ کی سیاہی مکروہ ہے نہ وسمہ کی الکتب التی لا ینتفع بہا یمحی عنہا اسم اللہ وملائکتہ ورسلہ ویحرق الباقی ولا بأس بان تلقی فی ماء جار کما ہی او تدفن وہو احسن کما فی الانبیاء وہ کتابیں جن سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا بوسیدگی کے سبب سے ان سے حق تعالی اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا نام مٹایا جائے اور باقی جلا دی جائیں اور بہتے پانی میں اسی طرح بلا محو اسماء مقدسہ ان کا ڈالنا درست ہے یا زمین میں دفن کر دی جائیں اور دفن کرنا جلانے اور بہانے سے افضل ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کو دفن کرتے ہیں بعد موت کے القصص المکروہ ان یحدثہم بما لیس لہ اصل معروف او یعظہم بما لا یتعظ بہ او یزید وینقص یعنی فی اصلہ اما التزیین بالعبارات اللطیفۃ المرققۃ والشرح لفوائدہ فذلک حسن وعظ میں مکروہ قصہ بیان کرنا یہ ہے کہ لوگوں سے وہ قصہ بیان کرے جس کی کچھ اصل مشہور اور معلوم نہیں اہل روایت کے نزدیک یا ان کو اس چیز کی نصیحت کرے جس پر خود عمل نہیں کرتا یا اصل قصہ اور مطلب میں کچھ زیادہ کر دے یا کم کر ڈالے لیکن کلام کا آراستہ کرنا عبارتوں لطیف دل نرم کرنے والوں سے اور شرح کر دینا قرآن اور حدیث کے فوائد کا سو وہ بہتر ہے م اکثر جہال واعظین یا دنیا پرست اور مرثیہ کہنے والوں کی عادت ہے کہ حکایات کاذبہ اور روایات موضوعہ جس کی اہل حدیث کے نزدیک کچھ اصل نہیں مزید رقت اور گرمی محفل کے واسطے بیان کرتے ہیں یا کمی بیشی کر دیتے ہیں سو معلوم ہوا کہ درست نہیں مکروہ ہے جاہل کے وعظ گوئی میں یا حریص عالم کے بیان میں اکثر ایسے فساد دینی واقع ہوتے ہیں والافضل مشارکۃ اہل محلتہ فی اعطاء النائبۃ لکن فی زماننا اکثرہا ظلم فمن تمکن من دفعہ عن نفسہ فحسن وان اعطی فلیعط من عجز اور مشارکت اپنے اہل محلہ کی اس مال کے دینے میں جس کو حاکم مقرر کر لیتا ہے بہتر ہے لیکن ہمارے زمانے میں اکثر نوائب ظلم ہیں سو جو شخص کہ اس کے دفع کرنے پر اپنی ذات سے قادر ہو تو بہتر ہے اور اگر دے تو عاجز ہونے کے سبب دینا چاہیے یعنے اگر اہل محلہ پر سے نہ ٹال سکے عاجز ہو تب دے م دفع کرنا اپنی ذات سے اس وقت درست ہے جب کہ اس کا حصہ غیر پر نہ ڈالا جائے فتاوی عالمگیری میں قنیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص پر ناحق تقصور باندھا گیا تو اس کو ٹالنا اپنی ذات پر سے درست ہے بشرطیکہ باقی لوگوں پر اس کا حصہ نہ ڈالا جائے اور افضل یہ ہے کہ اپنی ذات سے دفع نہ کرے یعنے دینے میں اہل محلہ کے شریک رہے کذا فی الطحطاوی لیس لذی الحق ان یاخذ غیر جنس حقہ وجوزہ الشافعی وہو الاوسع صاحب حق کو جائز نہیں کہ لے اپنے حق کے غیر جنس کو اور غیر جنس کے لینے کو

عورتوں اور لونڈیوں ۱۲

ف وسمہ کا خضاب مکروہ نہیں

شافعی نے جائز کہا اور شافعی کا قول وسیع تر ہے استیفاء حق میں م یعنے اگر مثلاً ایک شخص کے دوسرے پر گیہوں قرض ہیں اور اُس سے وصول نہیں اور وہ اس کے جو یا چاول پاوے تو اس کو لینا درست نہیں اس واسطے کہ اُس کے ہم جنس نہیں غیر جنس ہیں مجتبے میں ہے کہ دراہم اور دینار ایک جنس ہیں تو اگر درم کے بدلے دینار لے تو درست ہے معلم طلب من الصبیان اثمان الحصیر فجمعا فشری ببعضها واخذ بعضها له ذلک لانہ تملیک له من الاباء معلم نے لڑکوں سے فرش مکتب کی چٹائیوں کے واسطے پیسے طلب کئے سو جمع کئے تحصیل کر کے پھر کچھ پیسوں سے چٹائیاں خریدیں اور کچھ پیسے آپ لئے تو اس کو یہ درست ہے اس واسطے کہ اس طرح کا دینا لڑکوں کے باپوں کی طرف سے تملیک ہے معلم کو م طحطاوی نے کہا کہ اس میں تامل ہے اس لئے کہ معلم بمنزلہ وکیل کے ہے خرید میں یعنے وکیل کو بعض ثمن کا لینا درست نہیں کہ خیانت ہے لاباس بوطی المنکوحۃ بمعاینۃ الامۃ دون عکسہ کچھ مضائقہ نہیں منکوحہ کی قربت کرنے میں لونڈی کے سامنے نہ بالعکس اس کے یعنی لونڈی کی قربت منکوحہ کے سامنے درست نہیں م مجتبے میں یہ مسئلہ بعض مشائخ سے منقول ہے اور قبل اس کے محمد کا قول یوں ذکر کیا ہے کہ دو لونڈیوں یا دو عورتوں کا جمع کرنا ایک فرش پر اور ایک کی قربت دوسرے کے سامنے مکروہ ہے کذا فی الطحطاوی ظاہر کراہت کا قول معتمد ہے اس واسطے کہ اگرچہ مرد کا ستر دیکھنا منکوحہ یا لونڈی کو درست ہے لیکن لونڈی کو منکوحہ کا ستر دیکھنا کیونکر درست ہوگا وجد مالا قیمۃ له لاباس بالانتفاع بہ ایک شخص نے غیر کی وہ چیز پائی جس کی کچھ قیمت نہیں اور اس سے فائدہ لینا درست ہے یعنے بلا اجازت مالک کے ولو له قیمۃ وہو غنی لتصدق بہ اور اگر اس چیز کی کچھ قیمت ہے اور پانے والا غنی ہے اور مالک معلوم نہیں تو اس کو خیرات کر دے لاباس بالجماع فی بیت فیہ مصحف ملبوی کچھ مضائقہ نہیں جماع کرنے میں اس کوٹھری یا دالان کے اندر جس میں مصحف رکھا ہے یہ جائز ہوا بسبب تکلیف اور مشقت کے م مجتبے میں اسی طرح مطلق مذکور ہے اور قنیہ میں یہ قید مذکور ہے کہ مصحف مستور ہو اور اگر اولویت پر نظر کیجیے تو منافات زائل ہو جائے لاترکب مسلمۃ علی السرج للحدیث ہذا لو للتلہی ولو لحاجۃ لغزو او حج او مقصد دینی او دنیوی لابد لہا منہ فلا باس بہ سواری نہ کرے مسلمان عورت زین پر بسبب نہی حدیث کے یہ عدم جواز اس وقت ہے جب لہو لعب تماشا منظور ہو سوار ہونے سے اور اگر جہاد یا حج کی حاجت کے سبب سے عورت زین پر سوار ہو یا کسی مقصد دینی یا دنیوی کے لئے جو اس کے واسطے ضروری ہے سوار ہو تو مضائقہ نہیں م حدیث مذکور طحطاوی میں یوں مذکور ہے کہ لعن[1] اللہ الفروج علی السروج تغنی بالقرآن ولم یخرج بالحانہ عن قدر ہو صحیح فی العربیۃ مستحسن قرآن پڑھا خوش آوازی سے اور بسبب الحان نہ خارج ہو گیا اس مقدار سے جو زبان عرب میں صحیح ہے تو وہ خوب ہے م قرآن میں خوش آوازی وہاں تک درست ہے جس میں قواعد موسیقی کی رعایت نہ ہو یعنے راگ اور راگنی کو دخل نہ دے یعنے حسن صوت طبیعی مستحسن ہے نہ صناعی جس میں حروف اور حرکات اور سکنات میں تغیر ہو جاتا ہے ذکر اللہ من طلوع الفجر الی طلوع الشمس اولی من قراءۃ القرآن ذکر اللہ کرنا طلوع فجر سے تا طلوع آفتاب بہتر ہے قرآن کے پڑھنے سے وتستحب القراءۃ عند الطلوع او الغروب اور مستحب ہے قرأت قرآن کی طلوع یا غروب کے وقت م فتاوی عالمگیری میں غرائب سے منقول ہے کہ طلوع آفتاب اور ان اوقات میں جن میں نماز درست نہیں درود پڑھنا اور دعا کرنا اور تسبیح پڑھنا بہتر ہے قرآن کے پڑھنے سے اور سلف ان اوقات میں تسبیح کیا کرتے تھے اور قرآن نہیں پڑھتے تھے انتہی تو شاید یوں کہنا حق تھا کہ طلوع یا غروب کے وقت قرأت مستحب نہیں یا ذکر مستحب ہے ان اوقات میں کذا فی الطحطاوی لاباس للامام عقیب الصلوۃ بقراءۃ آیۃ الکرسی وخواتیم سورۃ البقرۃ والاخفاء افضل مضائقہ نہیں امام کو نماز کے بعد آیت الکرسی یا آمن الرسول کے پڑھنے میں بلند آواز سے اور چپکے پڑھنا ان کا افضل قراءۃ الفاتحۃ بعد الصلوۃ جہراً للمہمات بدعۃ قال استاذنا لکنہا مستحسنۃ للعادۃ والاثار سورۃ فاتحہ کا پڑھنا نماز کے بعد پکار کے رفع حاجات کے واسطے بدعت ہے ہمارے استاذ یعنی بدیع نے کہا لیکن وہ بدعت حسنہ ہے بسبب عادت مسلمین کے اور بسبب وارد ہونے اخبار اور آثار کے

---

[1] لعنت کرے اللہ عورت کو زینوں پر ۱۲

م فتاوی عالمگیری میں اس مسئلہ میں تفصیل واقع ہے یعنے اگر اُس نماز کے بعد سنت ہو چنانچہ ظہر یا مغرب یا عشا تو سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اور نہیں تو مکروہ نہیں انتہی یعنی اس واسطے کہ فرض اور سنت میں سوائے اللھم انت السلام یا اَور اذکار ماثورہ کے فصل کرنا نہ چاہیے الرشوۃ لا تملک بالقبض رشوت مملوک نہیں ہو جاتی قبضہ کرنے سے مرتشی کے رشوت لینے والا ۱۲ یعنے راشی رشوت دینے والا ۱۲ کو اس کا پھیر لینا درست ہے م اگر عالم کو تحفہ دیا اس واسطے کہ وہ سفارش کرے یا ظلم کو دفع کر دے تو یہ رشوت ہے ایک شخص نے دوسرے کی حاکم سے سعی کی اور اس کا کام نکال دیا تو بعد کار برآری کے ہدیہ قبول کرنا درست ہے اور کار برآری سے پہلے اس کے طلب کرنے سے ہدیہ حرام ہے اور بدوں طلب کے مختلف فیہ ہے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک درست ہے اور شاگردوں کے تحفہ قبول کرنے میں اختلاف ہے مشائخ کا کذا فی الطحطاوی عن المجتبے لا باس بالرشوۃ اذا خاف علی دینہ کچھ مضائقہ نہیں رشوت دینے میں جب کہ آدمی اپنے دین پر خوف کرے م یا اپنا حق حاصل کرنے کو رشوت دے تو یہ دینے والے کے حق میں رشوت نہیں محیط برہانی میں ہے کہ ایک مرد ایک گاؤں میں رہتا ہے اور اس میں ظالم ہے اور یہ مرد اُس ظالم کو میوہ جات یا مطعومات تحفہ دیتا ہے دفع ظلم کے واسطے تو درست ہے والنبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یعطی الشعراء ولمن یخاف لسانہ وکفی بسہم المؤلفۃ من الصدقات دلیلا علے امثالہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شاعروں کو اور جس کی زبان درازی اور بدگوئی سے خوف کرتے تھے اُس کو مال عطا فرماتے تھے اور مؤلفۃ القلوب کا حصہ مقرر ہونا اموال زکوٰۃ سے ایسے مسائل کی دلیل ہونے کے واسطے کفایت کرتا ہے م مؤلفۃ القلوب رؤسائے کفار تھے جن کو زکوٰۃ کا حصہ تالیف قلوب کے واسطے دیا جاتا تھا ابتداء اسلام میں جمع اہل المحلۃ للامام یحسن اہل محلہ نے کچھ قوت زاد باہم امام کے واسطے جمع کر دیا تو یہ بہتر ہے م امام سے ظاہرا امام مسجد مراد ہے بدلیل محلہ ومن السحت ما یوخذ علی کل مباح کملح وکلاء وماء ومعادن اور حرام مال سے وہ مال مراد ہے جو مباح چیز پر لیا جاوے چنانچہ نمک اور گھاس اور پانی اور کھانیں م اشیاء مذکورہ اصلی مباح ہیں سب آدمی اس میں شریک ہیں لیکن جب آدمی نمک کو مثلاً اس کے کھان سے اٹھا لاوے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے تو اب اس کو بیچنا درست ہے وما یاخذہ غاز لغزو وشاعر لشعرہ ومسخرۃ وحکواتی قال تعالے ومن الناس من یشتری لہو الحدیث اور منجملہ اموال محرمہ کے وہ مال ہے جس کو غازی بواسطہ غزا اور شاعر بذریعہ شعر گوئی اور مسخرا اور حکواتی لیتا ہے فرمایا حق تعالی نے اور بعضا آدمی وہ ہے جو لہو الحدیث یعنے کھیل کی بات خرید کرتا ہے م مراد وہ غازی ہیں جو اہل شہر سے زبردستی مال لیں لہو الحدیث سے وہ مراد ہے جو امور ضروریہ سے غفلت میں ڈالے چنانچہ احادیث بے اصل اور قصص غیر معتبرہ اور مضاحک اور فضول کلام یہ آیت نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں اتری وہ سوداگری کو ملک عجم میں جاتا وہاں سے اخبار عجم خرید کر لاتا اور قریش سے بیان کرتا اور کہتا کہ محمد تم سے عاد اور ثمود کا قصہ بیان کرتے ہیں اور میں تم سے رستم واسفندیار وغیرہما کا قصہ ذکر کرتا ہوں تو کافر اس کی حکایات سنتے اور قرآن کی سماعت ترک کرتے تب یہ آیت اتری واصحاب معازف وقراد وکاہن ومقامر وواقفۃ وفروعہ کثیرۃ اور حرام ہے وہ مال جس کو باجوں کے بجانے والے لیتے ہیں اور قراد[1] اور غیبی خبر بتانے والا اور قمار باز اور عورت نیل سے بدن کی گودنے والی لیتی ہے اور مال حرام کی فروع اور شاخیں بہت ہیں م از انجملہ اجرت واشرہ یعنے اس عورت کی اجرت جو دوسری عورت کے دانت گھس کر باریک کر دے اور جو متوسط عقد نکاح کا ہو کر کچھ مال لے اور جو دو شخصوں میں صلح کروا کے مال لے اور شراب اور مسکرات کا ثمن اور جو مال کہ جانوروں کی جفتی پر لیا جاوے اور جانور مردار اور درندوں کی کھال کی قیمت قبل از دباغت اور خرچی اور شرط کر کے حجام یعنے پچھنے لگانے والے کی اجرت یہ سب مال حرام ہیں کذا فی الطحطاوی قیل لہ یا خبیث ونحوہ جاز لہ الرد فی کل شتیمۃ لا توجب الحد وترکہ افضل کسی نے کسی کو کہا یا خبیث اور مانند اس کے کوئی کلمہ سخت تو مخاطب کو پھیر کے کہنا اس

---

[1] اس کو مترجم اول نے قواد لوادسے ترجمہ کیا تھا دوسرے نسخہ میں قراد بہ دانے چہلا تھا تو وہی مناسب معلوم ہوا اس کے معنی ہیں بندر نچانے والا ۱۲

گالی میں جائز ہے جو گالی کہ حد کی موجب نہیں ہے اور ترک اس کا افضل یعنے صبر افضل ہے جواب دینے سے کرہ قول الصائم المتطوع اذا سئل اصائم حتی انظر فانہ نفاق او حمق نفل کے روزہ دار سے کسی نے سوال کیا کہ کیا تو روزہ دار ہے تو اس کا یوں کہنا کہ دیکھا چاہیے مکروہ ہے اس واسطے کہ یہ نفاق ہے یا حمق اور جہالت م یعنے یہ منافقین کا طریقہ ہے تا معلوم ہو کہ یہ اپنے عمل کو چھپاتا ہے بلکہ یوں جواب دینا بہتر ہے کہ ہاں میں روزہ دار ہوں اس واسطے کہ صوم میں ریا کو دخل نہیں طحطاوی من له اطفال ومال قلیل لا یوصی بنفل جس شخص کے چھوٹے لڑکے ہوں اور تھوڑا مال ہو وہ نفل وصیت نہ کرے م لیکن اگر مریض پر صلوات اور کفارات ہوں تو حاضرین کو چاہیے کہ مریض سے بطریق احسن وصیت کراویں مگر یہ کہ مریض عالم متقی ہو اور یہ جو حدیث ہے کہ اپنے بیماروں سے وصیت کا امر کرو تو مطلب اس کا یہ ہے کہ بیمار اپنی اولاد اور عیال اور دوستوں کو جمع کرے اور حمد الٰہی بجا لاوے اور لا اله الا الله محمد رسول الله کی گواہی دے اور اس کی گواہی دے کہ بہشت اور دوزخ اور قیامت کا آنا حق ہے پھر اولاد سے کہے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد پھر ان کو ایمان کی وصیت کرے اور ان سے کہے کہ نہ مرو مگر مسلمان جیسے حضرت ابراہیمؑ اور یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی پھر اس کے بعد جو چاہے وصیت کرے کذا فی المجتبے یعنے حقوق الله اور حقوق العباد جو اس پر ہوں ان کی وصیت کرنا چاہیے وصیت ایمانی کے بعد اس واسطے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ تین دن سے زیادہ وصیت میں تاخیر نہ کرے من صلے او تصدق یرائی به الناس لا یعاقب بتلک الصلوة ولا یثاب بها قیل ہذا فی الفرائض وعممه الزاہدی للنوافل لقولهم الریاء لا یدخل الفرائض جو شخص نماز پڑھتا ہو یا زکوٰۃ اور خیرات دیتا ہو لوگوں کے دکھلانے کے واسطے تو اس نماز ریائی کے سبب سے اس پر عذاب نہ ہوگا اور نہ اس کو اس کا ثواب ملے گا بعضوں نے کہا کہ یہ عدم عقاب اور ثواب فرائض میں ہے نہ نوافل میں اور زاہدی نے اس کو نوافل کے واسطے بھی عام کہا ہے فقہا کے اس قول کی دلیل سے کہ ریا فرائض میں داخل نہیں ہوتا م شارح کو یوں کہنا بہتر تھا وخصه[1] الزاہدی بالنوافل اس واسطے کہ زاہدی کی عبارت مجتبے میں ہے ولکن[2] نص فی الواقعات ان الریاء لا یدخل فی الفرائض فتعین النوافل انتہی تو اس صورت میں تعلیل ظاہر ہے اور تعمیم میں ظاہر نہیں کذا فی الطحطاوی غزل الرجل علے ہیئة غزل المرأة یکرہ سوت کاتنا مرد کا عورت کی ہیئت اور وضع پر مکروہ ہے یعنے اس واسطے کہ مرد کو عورت کی مشابہت کرنا اور عورت کو مرد کی مشابہت کرنا جائز نہیں اور حدیث میں اس پر لعنت وارد ہے یکرہ للمرأة سؤر الرجل وسؤرها له عورت کو مرد کا جھوٹا اور مرد کو عورت کا جھوٹا مکروہ ہے م مراد جھوٹا پانی ہے عورت غیر حلال کا اور یہ کراہت درصورت تلذذ کے ہے والا ظاہرا مکروہ نہیں اس کا تحریر کرنا چاہیے کذا فی الطحطاوی وله ضرب زوجته علے ترک الصلوة علے الاظہر اور شوہر کو جائز ہے مارنا اپنی زوجہ کا نماز کے چھوڑنے پر بنا بر ظاہر مذہب کے م اور اسی طرح اپنی ولد اور یتیم کا مارنا ترک صلوٰۃ پر جائز ہے کذا فی المجتبے لا یجب علے الزوج تطلیق الفاجرة زوج پر واجب نہیں طلاق دینا حرام کار زوجہ کا طحطاوی نے کہا فجور زنا وغیرہ کو شامل ہے لا یجوز الوضوء من الحیاض المعدة للشرب فی الصحیح جائز نہیں وضو کرنا ان حوضوں سے جو پینے کے واسطے بنائے گئے ہیں قول صحیح میں م لیکن وضو کے حوضوں سے پینا درست ہے ویمنع من الوضوء منه وفیه اور پانی پینے کے حوض سے پانی لے کر وضو کرنا اور خود حوض میں وضو کرنا منع کیا جاوے وحمله لاہله ان ماذونا به جاز والا لا اور اس حوض سے پانی لانا اپنے اہل و عیال کے پینے کے واسطے اگر مالک کی اجازت ہو لے جانے کی تو درست ہے اور نہیں تو جائز نہیں الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لان عین الکذب حرام قال وہو الحق قال تعالے قتل الخراصون الکل من المجتبی جھوٹ بولنا اپنے حق

ف وصیت کا طریق [1] یعنے مخصوص کیا ہے اس کو زاہدی نے نوافل سے ۱۲ [2] لیکن واقعات میں تصریح ہے کہ ریا فرائض میں نہیں داخل ہوتا تو نفلیں ہی متعین ہو گئیں ۱۲

کے ظاہر کرنے کے واسطے اور اپنے اوپر سے ظلم کے دفع کرنے کے واسطے مباح ہے اور کذب سے مراد تعریض ہے یعنی مخالف تصریح اس واسطے کہ عین کذب حرام ہے صاحب مجتبیٰ نے کہا اور یہی قول حق ہے کہ کذب سے تعریض مراد ہے نہ عین کذب حق تعالے نے فرمایا کہ جھوٹھ بولنے والے لعنت کئے گئے یہ مسائل یعنے مسئلہ محو کتب غیر منتفعہ سے بیان تک مجتبی سے منقول ہیں وفی الوہبانیۃ قال وللصلح جاز الکذب او دفع ظالم ٭ اہل لترضے والقتال لیظفر ٭ اور وہبانیہ میں کہا جھوٹھ بولنا درست ہے صلح بین المومنین کے واسطے یا دفع ظالم کے واسطے اور زوجہ سے جھوٹ بولنا درست ہے تا وہ راضی رہے وحشت میں نہ آوے اور لڑائی میں کذب درست ہے تا فتح حاصل ہو م شارح وہبانیہ نے کہا کذب سے معاریض مراد ہے نہ کذب خالص وغیرہ فی الحمام لتغمیز خادم ٭ ومن شاء تنویرا فقالوا یوزر ٭ اور حمام میں خدمتگار کا دابنا اور چپی کرنا مکروہ ہے اور جو چاہے نورا کنایات لگانا تو علما نے کہا ہے کہ اپنے ہاتھ سے نورہ لگاوے م کپڑے پر چپی کرنا بلا ضرورت مکروہ ہے اور بضرورت درست ہے اور بلا حیلولت ثوب ران پر چپی کروانا حرام ہے چنانچہ جاہلوں کی عادت ہے سو حرام ہے کذا فی شرح الوہبانیۃ ویفسق معتاد المرور بجامع ٭ ومن علم الاطفال فیہ ویوزر ٭ اور عادت گرفتہ مرور در جامع مسجد فاسق ہے اور اسی طرح جو معلم کہ اس میں لڑکے پڑھاوے اور وہ گنہگار ہے م شارح وہبانیہ نے کہا تعلیم فی المسجد کو کسی نے پڑھانا فسق نہیں کہا ہاں اس کو گناہ کہا ہے تو ناظم کے کلام کی یوں توجیہ ہوسکتی ہے کہ جب اس نے گناہ پر اصرار کیا تو فاسق ہو گیا ومن قام اجلالا لشخص فجائز ٭ وفی غیر اہل العلم لبعض لیقرر ٭ اور جو کھڑا ہو گیا کسی شخص کی تعظیم اور تکریم کے واسطے تو جائز ہے اور بعضے علما غیر اہل علم میں اس کو ثابت رکھتے ہیں م شخص سے مراد مسلمان ہے نہ کافر اس واسطے کہ اسباب میں مذکور ہو چکا کہ کافر کی تعظیم جائز نہیں اور بعضوں کے نزدیک قیام اہل علم کے واسطے مخصوص ہے چنانچہ قنیہ میں ہے وجوز نقل المیت البعض مطلقا ٭ وعن بعضہم ما فوق میلین بحظر ٭ اور بعضوں نے میت کا نقل کرنا جائز کہا ہے مطلقاً خواہ دو میل ہو یا زیادہ اور بعض فقہا سے منقول ہے کہ دو میل سے زیادہ جائز نہیں م طرطوسی نے ذکر کیا کہ میت کو اٹھالے جانا دو میل سے زیادہ قبل از دفن مکروہ ہے بلا خلاف اور بعد دفن کے نقل کرنا حرام ہے بالاتفاق اور ناظم وہبانیہ نے ذکر کیا کہ جواز نقل میت میں دو میل سے زیادہ اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک مطلقاً جائز ہے قبل دفن اور بعد دفن کے مسافت کم ہو یا زیادہ میت نے اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو عبد البر شارح وہبانیہ نے کہا کہ یہ جو ناظم نے خلاف نقل کیا ہم اس پر مطلع نہیں علما کے کلام سے اور ظاہرا طرطوسی کا کلام حق ہے وللزوجۃ التسمین لا فوق شبعہا ٭ ومن ذکرہا التعویذ للحب نحظر ٭ اور زوجہ کا اپنا بدن موٹا کرنا مقوی طعام کھا کر درست ہے بشرطیکہ آسودگی سے زیادہ نہ کھائے اور زوجہ کا تعویذ لکھوانا زوج کی محبت کے واسطے ممنوع ہے م تسمین زوجہ بشرط رضائے زوج جائز ہے خانیہ میں ہے کہ ایک عورت آیات تعویذ لکھواتی ہے تا اس کا زوج اس کو چاہے اور اس کی طرف سے نفرت چھوڑے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے کہ یہ حرام ہے حلال نہیں انتہی ابن وہبان نے توجیہ اس کی یوں بیان کی ہے کہ ایک طرح کا یہ بھی سحر ہے اور سحر حرام ہے ویکرہ ان تسقے لاسقاط حملہا ٭ وجاز لعذر حیث لا یتصور ٭ اور عورت کا دوا پینا اپنے حمل کے اسقاط کے واسطے مکروہ ہے اور اسقاط کرنا عذر کے سبب سے درست ہے جب کہ حمل کی صورت نہ بن گئی ہو م حمل کا گرانا بلا عذر مباح نہیں اور عذر سے درست ہے بشرطیکہ صورت نہ بن گئی ہو عذر اسقاط یہ ہے کہ مثلاً عورت لڑکے کو دودھ پلاتی ہے اور حمل رہنے سے دودھ جاتا رہا اور اس کے زوج کو دایہ رکھنے کی قدرت نہیں ہے اور ہلاکی طفل کا خوف ہے تو اس صورت میں حمل کا گرا دینا علاج وغیرہ سے درست ہے جب تک حمل ٹھہرا ہوا اعضا نہ بن گئے ہوں وان اسقطت میتا ففی السقط غرۃ ٭ لوالدہ من عاقل الام تحضر ٭ اور اگر عورت نے علاج وغیرہ سے مردہ لڑکا گرا دیا تو جنین میت کے باپ کے واسطے ماں کی برادری سے غرہ حاضر

---

[1] اور ایک نسخہ میں تسقے بعین مہملہ ہے بجائے قاف اور یہ معنی کی رو سے مناسب تر ہے اور نیز بلا زحاف آجاتا ہے ۱۲

کیا جاوے م غرہ بضم غین معجمہ عبارت پانچ سو درم سے ہے جو ایک سال کے اندر لیا جائے اور اگر عورت کی برادری نہ ہو تو عورت کے مال سے اسی قدر لیا جائے اور اگر عورت نے زندہ گرا دیا پھر وہ مر گیا تو عورت کی برادری سے خونبہا ہے تین سال کے اندر اور اگر برادری نہیں تو عورت کے مال سے اس قدر لیا جائے کذا فی الطحطاوی × وفی یوم عاشوراء یکرہ کحلہم × ولاباس بالمعتاد خلطا ویوجر × اور یوم عاشورا یعنے محرم کی دسویں تاریخ سرمہ لگانا مکروہ ہے اور کچھ مضائقہ نہیں خلط اطعمہ کی عادت میں اور ثواب ہے × وبعضہم المختار فی الکحل جائز × لفعل رسول اللہ فھو المقرر × اور بعضوں کے نزدیک یوم عاشورا کو سرمہ لگانا جائز اور مختار ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کے سبب سے تو وہی مقرر ہے م وجہ کراہت سرمہ یہ ہے کہ علامت ہے دشمنان اہل بیت نبوت کی اس واسطے کہ یزید اور ابن زیاد نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون سے سرمہ لگایا تھا اور دوسری روایت یہ ہے کہ اثمد کا سرمہ لگایا تھا قتل امام کی فرحت سے قنیہ میں ہے کہ خلط اطعمہ میں یوم عاشورا کو کوئی اثر قوی وارد نہیں لیکن اس میں مضائقہ نہیں بدلیل حدیث من وسع علی عیالہ وسع اللہ علیہ سائر سنتہ تو لوگوں نے اسی سے وسعت طعام کی عادت کی ہے کذا فی الطحطاوی عن شرح الوہبانیہ اور سفر السعادت فیروزآبادی میں ہے کہ استحباب صیام عاشورا ثابت ہے اور سائر احادیث فضل عاشورا اور فضل صلوۃ وانفاق وخضاب وادہان واکتحال وطبخ حبوب وغیر ذلک مجموع موضوع ومفتری ہے ائمہ حدیث نے کہا کہ اس میں سرمہ لگانا بدعت ہے کہ قاتلین حسین رض کی ایجاد ہے شیخ عبدالحق دہلوی نے سفر السعادت کی شرح صراط المستقیم میں کہا کہ احادیث فضل عاشورا اور وقوع وقائع عظیمہ چنانچہ قبول توبہ آدم و رفع ادریس آسمان پر اور نجات ابراہیم کی آتش نمرود سے اور اترنا نوح کا کشتی سے اور اترنا توریت کا موسیٰ پر اور فدیہ اسمٰعیل کا اور نکلنا یوسف کا قید خانہ سے اسی طرح اور وقائع انبیاء علیہم السلام کے محدثین کے نزدیک موضوع اور باطل ہیں تکثیر طعام میں عیال پر احادیث ضعیفہ وارد ہیں کہ تعدد طرق سے جبر نقصان ہو سکتا ہے حافظ زین الدین عراقی نے اپنی امالی میں طریق بیہقی سے حدیث مرفوع روایت کی کہ من وسع علی عیالہ واہلہ یوم عاشورا وسع اللہ علیہ سائر سنتہ اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ولیکن بعضوں کے نزدیک حسن ہے اور دوسرے طریق سے بعضوں کے نزدیک صحیح ہے الحاصل صواعق محرقہ میں ہے کہ اہل سنت کا طریقہ یہ ہے کہ اس روز میں بدعات روافض سے چنانچہ نوحہ گری وغیرہ سے اجتناب کریں اسی طرح بدعات نواصب اور دشمنان اہل بیت سے پرہیز کریں چنانچہ اس دن میں عید کرنا اور اظہار فرحت اور آرائش کرنا سرمہ لگانا خضاب کرنا ثیاب جدیدہ پہننا اور توسیع نفقات کرنا وغیر ذلک کہ نہ حدیث صحیح سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے اور نہ چاروں اماموں سے اور نہ کسی کتاب معتبر میں وارد ہے انتہی مافی صراط المستقیم مختصرا وضرب عبید الغیر جائز بامرہ × وما جاز فی الاحرار والاب یامر × اور غیر کے غلاموں کو مارنا مالک کے حکم سے جائز ہے اور جائز نہیں احرار کا مارنا اگرچہ باپ امر کرے اپنے طفل کے مارنے کا م لیکن معلم کا مارنا بتملیک پدر جائز ہے مصلحت کے سبب سے شرنبلالی نے کہا صغیر کو ہاتھ سے مارے نہ لکڑی سے اور تین ضرب سے زیادہ نہ مارے اور قاضی کے امر سے مارنا اس صورت میں ہے جب کہ قاضی عادل ہو اور حجت ملزمہ کا مشاہدہ ہو گیا اور اس زمانے میں فقط قاضی کے حکم پر اعتماد نہ کرنا چاہیے کذا فی الطحطاوی × والثوب من ذکر القرآن استماعہ × وقالوا الثواب للطفل یحیر × اور قرآن کے پڑھنے سے قرآن کی سماعت میں زیادہ ثواب ہے اور علما نے کہا ہے کہ طفل کا ثواب طفل ہی کے واسطے مخصوص ہے م استماع قرآن کا ثواب پڑھنے سے اس واسطے زیادہ ہوا کہ استماع واجب ہے اور پڑھنا مستحب ہے اور عبادات طفل کا طفل ہی کو ثواب ہے اور اس کے باپ کو تعلیم کا ثواب ہے ودرسک باقی الذکر اولی من الصلوۃ × نفلا ودرس العلم اولے والنظر × اور سیکھنا باقی قرآن کا افضل اور مقدم ہے نفل نماز سے اور سیکھنا علم کا یعنی علم مفترض کا مقدم تر ہے باقی قرآن کے سیکھنے کا م اس واسطے کہ تعلم جمیع قرآن فرض کفایہ ہے اور تعلم مسائل فقہ بقدر ضرورت فرض عین ہے اور

۱؎ جو شخص عاشورا کے دن اپنے کنبے اور گھر والوں پر وسعت کرے یعنے بہت سا پکاوے اللہ تعالیٰ اس پر تمام سال وسعت کرے گا ۱۲

شتغال بفرض عین اولی ہے فرض کفایہ کے اشتغال سے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلم باقی قرآن کا افضل ہے اس فقہ کے تعلم سے جو قدر حاجت
سے زیادہ ہے و قدر ہو اواللہ اعلم ونحوہ ٭ لاعلام ختم الدرس حین یعتبر ٭ اور البتہ فقیہوں نے مکروہ کہا ہے واللہ اعلم کہنے کو اور مانند اس کے چنانچہ درود
ڑھنے کو اختتام درس کے اعلام کے واسطے وقت مقرر کرنے کو اور وجہ کراہت یہ ہے کہ اس نے اس لفظ کو بے محل صرف کیا یعنے وسیلہ اعلام
ور اطلاع کا قرار دیا اسی طرح اگر ایک شخص محفل میں آیا اور اس نے کہا یا اللہ مثلاً تا کہ اہل مجلس اس کے آنے سے خبردار ہوں اور اس کے لائق
یٹھنے کو جگہ دیں اور تعظیم کریں یا چوکیداریوں کے لاالہ الا اللہ اور مانند اس کے تا لوگ اس کے جاگنے اور چوکیداری سے آگاہ ہوں تو یہ سب مکروہ
ہے اس واسطے کہ ذکر مقصود نہیں ہاں اگر دو قصد مجتمع ہوں یعنی اعلام بھی اور ذکر بھی تو قصد غالب کا اعتبار ہوگا کذا فی الطحطاوی فائدہ طحطاوی نے
ہا کہ طرطوسی اور بطلیوسی مجتمع ہوئے اور حلال روزی میں گفتگو کرنے لگے کہ اب اس میں سے کچھ باقی ہے تو بطلیوسی نے کہا کہ اصول حلال کے دس
ں حق تعالی انھیں سے وسعت کرتا ہے اپنے بندوں میں اول تجارت بشرط صدق وراست گوئی ۲ اجارہ بشرط خیرخواہی مالک ۳۔ ہدیہ اور تحفہ
لودرمتقی کا ۴۔ میراث اصل طیب سے یعنے جس مورث نے حلال مال جمع کیا نہ حرام ۵۔ جو غلہ کہ زمین غیر مملوکہ میں پیدا ہوا یعنے غلہ خود رو ۶ خمس غنیمت
اجب کہ عدل اور انصاف سے اس کی قسمت ہوئی ہو ۷ شکار خشکی کا ۸ شکار دریا کا ۹ سوال کرنا سخت ضرورت کے وقت ۱۰ احیاء موات تو
رطوسی نے کہا کہ ہر مسلمان پر واجب ہے تقیید ان اصول کی تا وہ حلال پاک حاصل ہو جو اہم المہمات ہے اور سب امور سے مقدم ہے ۔
واللہ اعلم واستغفر اللہ الکریم

کتاب احیاء الموات

یہ کتاب ہے احیاء موات کے مسائل میں هم موات بفتح وضم میم بروزن حیات وفرات وہ زمین ہے جس کا کوئی مالک نہیں اور احیا یعنی زندہ کرنے سے مراد یہ کہ زمین غیر مزروع زراعت کے لائق ہو جاوے یعنی ویران زمین آباد ہو جائے اس واسطے کہ ہر چیز کی حیات اس چیز کے لائق اور مناسب ہوتی ہے لعل مناسبتہ ان فیہ مایکرہ ومالایکرہ شاید کہ مناسبت اس کتاب کی کتاب الکراہیۃ سے یہ ہے کہ اس کتاب میں وہ حکم ہے کہ مکروہ ہے اور وہ حکم بھی ہے جو مکروہ نہیں الحیاۃ نوعان حاسۃ ونامیۃ والمراد ہہنا النامیۃ حیات دو قسم ہے حاسہ یعنی جس سے حس اور حرکت حاصل ہو اور نامیہ یعنی جس سے نشو و نما حاصل ہو اور یہاں مراد حیات نامیہ ہے نہ حاسہ وسمی مواتا لبطلان الانتفاع بہ اور زمین غیر مملوکہ غیر نامیہ کو موات کہا بسبب باطل ہونے اس کی انتفاع کے تو وہ مردہ ٹھہری نہ زندہ م عدم انتفاع کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں زمین ڈوب گئی یا سینچنے کا پانی وہاں نہیں یا جنگل ہو گیا وغیرذلک من موانع الانتفاع واحیاؤہ ببناء او غرس او کرب او سقی اور احیاء موات یعنی زمین مردہ کا زندہ کرنا عمارت بنانے سے ہوتا ہے یا درخت لگانے سے یا جوتنے یا سینچنے سے اذا احیی مسلم او ذمی ارضا غیر منتفع بہا ولیست مملوکۃ لمسلم ولا ذمی فلو مملوکۃ لم تکن مواتا فلو لم یعرف مالکہا فہی لقطۃ یتصرف فیہا الامام ولو ظہر مالکہا ترد الیہ ویضمن نقصانہا ان نقصت بالزرع وہی بعیدۃ من القریۃ اذا صاح من باقصی العامر وہو جہوری الصوت بزازیۃ لا یسمع بہا صوتہ ملکہا عند ابی یوسف وہو المختار کما فی المختار وغیرہ جب کہ مسلمان یا ذمی آباد کرے اس زمین ویران کو جس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور وہ کسی مسلمان یا ذمی کی مملوک نہیں اور وہ دور واقع ہے گاؤں سے اس طرح کہ اگر چیخے وہ شخص جو منتہائے آبادی پر ہے بشرطیکہ وہ شخص بلند آواز ہو کذا فی البزازیۃ تو اس زمین تک اس کی آواز نہ سنائی دے تو وہ آباد کرنے والا مسلمان یا ذمی اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے ابو یوسف کے نزدیک اور یہی قول مختار ہے چنانچہ مختار وغیرہ میں مصرح ہے سو اگر زمین ویران کسی مسلمان یا ذمی کی مملوک ہو تو وہ موات نہیں ہے پھر اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو تو وہ لقطہ یعنی لاوارث مال ہے اس میں بادشاہ اسلام تصرف کرے اور اگر بعد اس کے اس کا مالک ظاہر ہو تو وہ زمین اسی کو پھیر دی جائے اور اس کے نقصان کا تاوان دے اگر زراعت کرنے سے زمین میں کچھ نقصان ہو گیا ہو ثم زمین مذکورہ کا آباد کرنے والا مالک ہو گا اگر مسلمان ہے تو اس پر عشر واجب ہو گا اور اگر ذمی ہے تو خراج واجب ہو گا اور اگر خراج کے پانی سے اس کو سینچے گا تو اس کو اختیار ہو گا کذا فی الاختیار ولم یعتبر محمد عدم ارتفاق اہل القریۃ وبہ قالت الثلثۃ قلت وبہذا ظاہر الروایۃ وبہ یفتی کما فی زکوۃ الکبری ذکرہ القہستانی وکذا فی البرجندی عن المنصورۃ عن قاضی خان ان الفتوی علی قول محمد فالعجب من الشرنبلالی کیف لم یذکر ذلک فلیحفظ اور محمدؒ نے اہل قریہ کی عدم احتیاج کو اس زمین کی طرف معتبر کیا ہے یعنی موات وہ زمین غیر مملوک ہے جس سے اہل قریہ منتفع نہ ہوتے ہوں خواہ قریب ہو خواہ بعید اور یہی قول ہے ائمہ ثلثہ کا میں کہتا ہوں اور یہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی کا فتوی ہے چنانچہ فتاوی کبری کی کتاب الزکوۃ میں ہے ایسا ذکر کیا ہے قہستانی نے اور اسی طرح برجندی میں ہے عن منصوریہ عن قاضی خاں کہ محمد کے قول پر فتوی ہے تو شرنبلالی سے تعجب ہے کہ اس نے اس کو کیوں بیان نہ کیا تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ہم فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ صحیح تر قول موات میں وہ ہے کہ اگر منتہائے آبادی میں آدمی کھڑا ہو کر بلند آواز سے چلا دے تو جہاں آواز نہ پہنچے وہ موات ہے اور جہاں تک آواز پہنچے وہ آبادی کے لواحق سے ہے کہ وہاں تک مواشی چرانے وغیرہ کی اہل قریہ کو حاجت ہوتی ہے انتہی تو شاید قاضی خاں نے کسی اور کتاب میں محمد کے قول پر فتوی بیان کیا ہوگا واللہ اعلم ان اذن لہ الامام فی ذلک وقالا یملکہا بلا اذنہ احیاء موات سے مسلم مالک اس کا ہو جاتا ہے اگر امام نے اس کو آباد کرنے میں حکم دیا ہو اور صاحبین نے

ما کہ اس کا مالک ہو جاتا ہے بدون اس کے حکم کے بھی وہذا لو مسلما فلو ذمیا شرط الاذن اتفاقا اور یہ یعنی اشتراط اذن امام اور عدم اشتراط اس وقت ہے جبکہ وہ سلم ہو اور اگر آباد کرنے والا ذمی ہو تو بادشاہ اسلام کا اذن باتفاق امام اور صاحبین کی شرط ہے ولو مستامنا لم یملکہا اصلا اتفاقا قہستانی اور اگر آباد کرنے والا کافر ستامن ہو تو زمین کا اصلا مالک نہ ہوگا بالاتفاق کذا فی القہستانی ولو ترکہا بعد الاحیاء وزرعہا غیرہ فالاول احق بہا فی الاصح اور اگر آباد کرنے والے نے مین کو چھوڑ دیا آباد کرنے کے بعد اور غیر شخص نے اس کو بویا تو پہلا شخص اس کا زیادہ ترحقدار ہے صحیح تر قول میں ولو احیی ارضا میتۃ ثم احاط الاحیاء بجوانبہا لاربعۃ من اربعۃ نفر علی التعاقب تعین طریق الاول فی الارض الرابعۃ اور اگر ایک شخص نے ویران زمین کو آباد کیا پھر اس کے چاروں طرف سے بادی محیط ہو گئی چار شخصوں کے آباد کرنے سے علی التعاقب نہ یکبارگی تو پہلے آباد کرنے والے کی راہ چوتھی زمین میں متعین ہوگی م اور اگر سب زمین کی آبادی ایک شخص نے کی تو اس کی راہ مقرر کرنے میں ہر طرف سے اس کو اختیار ہے اور اگر جوانب اربعہ میں چاروں شخصوں نے ساتھ ہی آبادی کی تو شخص اول جس طرف سے چاہے راہ مقرر کرے کذا فی العالمگیریہ ومن حجر ارضا ای منع غیرہ منہا بوضع علامۃ من حجر او غیرہ ثم اہملہا ثلث سنین دفعت الی غیرہ وقبلہا ہو احق بہا وان لم یملکہا لانہ انما یملکہا بالاحیاء والتعمیر لا بمجرد التحجیر اور جس نے روک ڈالا زمین کو یعنی غیر کا تصرف وہاں سے منع کر دیا پتھر وغیرہ کی نشانی رکھ کر پھر اسکو چھوڑ دیا تین سال تک تو وہ زمین غیر شخص کو دی جائے آبادی کے واسطے اور تین سال سے پہلے وہی شخص نشانی رکھنے والا زیادہ تر اس کا حقدار ہے اگرچہ وہ اس کا مالک نہیں ہوگیا اس واسطے کہ آدمی اس کا مالک ہوتا ہے آبادی اور تعمیر سے نہ فقط روک ڈالنے سے ولو کربہا او ضرب علیہا المسناۃ او شق لہا نہرا او بذرہا فہو احیاء مبسوط اور اگر ویران زمین کو جوتا یا اس پر بان باندھا سیلاب روکنے کو یا اس کے واسطے نہر کھودی یا اس میں بیج ڈالا تو وہ اس کا زندہ کرنا اور آباد کرنا ہے کذا فی المبسوط م مسناۃ بضم میم وتشدید نون وہ چیز ہے جو سیلاب کے واسطے بنایا جاوے یا پانی کو ہٹاوے اور ایسا مذکور ہے غایۃ البیان اور مغرب میں اور مصباح العلوم میں ہے کہ مسناۃ دیوار ہے پانی کے اندر بنائی جاتی ہے جس کو سد کہتے ہیں کذا فی الطحطاوی اور قاموس میں مسناۃ کی تفسیر عرم کی ہے اور عرم مشترک ہے سد وغیرہ میں ولا یجوز احیاء ما قرب من العامر بل یترک مرعی لہم ومطرحا لحصائدہم لتعلق حقہم بہ فلم یکن مواتا وکذا لو کان محتطبا اور جائز نہیں آباد کرنا اس زمین کا جو آبادی سے قریب ہے بلکہ اس کو چھوڑنا چاہیے لوگوں کی چراگاہ کے واسطے اور ان کے کھلیان ڈالنے کے واسطے اس لیے کہ لوگوں کے حق اس زمین سے متعلق ہیں تو وہ زمین موات نہ ٹھہری اور اسی طرح وہ زمین موات نہیں جہاں لوگ لکڑیاں اور ایندھن رکھتے ہوں و اعلم انہ لیس لامام ان یقطع مالا غنی للمسلمین عنہ من المعادن الظاہرۃ وہی ما کان جوہرہا الذی اودعہ اللہ فی جواہر الارض بارزا کمعادن الملح والکحل والقار والنفط اور یہ معلوم کر کہ بادشاہ کو جائز نہیں یہ کہ کسی کو عطا کرے وہ چیز جس سے مسلمان بے پرواہ نہیں ظاہر کھانوں سے اور ظاہر کھان وہ ہے کہ جس کا وہ جوہر جو اللہ تعالیٰ نے زمین کے مواضع اور بقاع میں ودیعت رکھا ہے ظاہر اور آشکارا ہو چنانچہ نمک اور سرمہ اور قیر اور نفط کی کھانیں م قار اور قیر اور نفط چکنی رطوبت ہے جو زمین کے چشموں سے جوش کر کے نکلتی ہے قیر کا روغن جہاز وغیرہ میں ملا جاتا ہے اور نفط کمان وغیرہ میں استحکام کے واسطے ملی جاتی ہے والآبار التی لم تملک بالاستنباط والسعی اور چنانچہ وہ کنوئیں جو کسی کے مملوک نہیں کھود کر پانی نکالنے اور کوشش کرنے سے وفی المستنبط بالسعی کماء القنی والماء المحرز فی الظرف فملک للمحرز والمستنبط وتمامہ فی شرح المصابیح فی حدیث المسلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار اور وہ پانی جو زمین کھود کر کوشش سے نکالا گیا چنانچہ کاریزوں کا پانی اور وہ پانی جو بھر کر رکھا گیا برتن میں سو وہ پانی بھرنے والے اور زمین کھودنے والے کی ملک ہے اور اس کا پورا بیان شرح مصابیح میں ہے اس حدیث کی شرح میں کہ سب مسلمان شریک ہیں تین چیزوں میں پانی اور گھاس اور آگ میں م قُنِیّ بضم قاف وکسر نون وتشدید یا جمع قناۃ بمعنی کاریز ہے کاریز وہ نہر ہے جو زمین کے اندر اندر کھودی جائے التی یستقی منہا الناس زیلعی یعنی التی لم تملک بالاستنباط والسعی چنانچہ وہ کنوئیں جن سے لوگ پانی لیتے ہیں اور سینچتے ہیں کذا فی الزیلعی

---

[1] بفتح اول وکسر ثانی بند ہائے آب ۱۲

یعنی وہ کنوئیں کہ کسی کے مملوک نہیں بواسطہ استنباط اور سعی کے م عدم ملک کا مضمون مکرر ہو گیا اس کی کچھ حاجت نہ تھی کذا فی الطحطاوی فلو اقطع ہذہ المعادن الظاہرۃ لم یکن لاقطاعہا حکم بل المقطع وغیرہ سواء تو اگر سلطان ان ظاہر کھانوں کو عطا کرے کسی شخص کو تو اس کے عطا کا حکم جاری نہ ہوگا بلکہ جس کو عطا ہوئی اور غیر شخص برابر ہیں انتفاع میں فلو منعہم المقطع کان بمنعہ متعدیا وکان لما اخذہ مالکا لانہ متعدیا بالمنع لا بالاخذ وکف عن المنع وصرف عن مداومۃ العمل لئلا یشتبہ اقطاعہ بالصحۃ او یصیر معہ فی حکم الاملاک المستقرۃ ذکرہ العلامۃ قاسم فی رسالتہ احکام اجارۃ اقطاع الجندی پھر اگر لوگوں کو نمک اور پانی وغیرہ کے لینے سے منع کیا اس نے جس کو سلطان نے عطا کیا تو وہ منع کرنے کے سبب سے متعدی ظالم ٹھہرے گا اور جو چیز کھان سے لیگا اس کا مالک ہوگا اس واسطے کہ وہ متعدی ہے منع کرنے سے نہ بسبب لینے کے اور باز رکھا جائے روکنے سے اور پھیرا جائے دوام عمل سے یعنی ہمیشہ کھان سے وہی شخص لیا کرے تا عطاء سلطانی کی صحت کا اشتباہ واقع نہ ہو یا وہ چیز اس کے ساتھ در حکم املاک مستقرہ کے نہ ہو جائے ایسا ذکر کیا ہے علامہ قاسم نے اپنے رسالہ میں اجارہ اقطاع لشکری کے احکام میں لکھا ہے م املاک مستقرہ وہ جو اس کی ملک میں سابق سے داخل ہوں کذا فی الطحطاوی وحریم بئر الناضح وہی التی ینزح الماء منہا بالبعیر کبئر العطن وہی التی ینزح الماء منہا بالید والعطن مناخ الابل حول البئر اربعون ذراعا من کل جانب وقالا ان للناضح ستون اور گرداگرد بیر ناضح کا بیر عطن کی مانند ۴۰ گز ہے ہر جانب سے اور صاحبین نے کہا کہ بیر ناضح کا اگر حریم ہے تو ۶۰ گز ہے بیر ناضح وہ کنواں ہے جس سے پانی بھرا جاتا اور نکالا جاتا ہے اونٹوں سے یعنی کھیت سینچنے کے واسطے کذا فی العینی شرح الہدایۃ اور بیر عطن وہ کنواں ہے جس سے پانی بھرا جاتا ہے ہاتھ سے یعنی اونٹوں کے پلانے کے لیے اور عطن عبارت ہے اونٹوں کی نشست گاہ سے کنوئیں کے گرد وفی الشرنبلالیۃ عن شرح المجمع لو عمق البئر فوق اربعین یزاد علیہا انتہی لکن نسبہ القہستانی لمحمد ثم قال والفتوی بقول الامام وعزاہ للتتمۃ ثم قال وقیل التقدیر فی بیر وعین بما ذکر فی اراضیہم لصلابتہا وفی اراضینا رخاوۃ فیزاد لئلا ینتقل الماء الی الثانی وعزاہ للہدایۃ وعزاہ البرجندی للکافی فلیحفظ اور شرنبلالیہ میں شرح مجمع سے یوں ہے کہ اگر کنوئیں کا عمق ۴۰ گز سے زیادہ ہو تو حریم ۴۰ گز سے زیادہ کیا جاوے گا انتہی لیکن قہستانی نے اس قول کو محمد کی طرف نسبت کیا ہے پھر کہا اور فتوی امام کے قول پر ہے کہ حریم ۴۰ گز سے زیادہ نہیں اور اس کو قہستانی نے تتمہ کی طرف نسبت کیا ہے پھر یوں کہا ہے کہ بعضوں نے کہا کہ کنوئیں اور چشمہ کی حریم کی مقدار مذکور فقہاء سابقین کی اراضی میں تھی بسبب سخت ہونے ان کی اراضی کے اور ہماری اراضی میں نرمی ہے تو حریم ۴۰ گز سے زیادہ کرنا چاہیے تا کنوئیں کا پانی دوسرے کنوئیں میں منتقل نہ ہو جائے اور اس کو ہدایہ کی طرف منسوب کیا ہے اور برجندی نے اس قول کو کافی کی طرف نسبت کیا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م تاتارخانیہ میں اور کبری میں ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوی ہے تو معلوم ہوا کہ امام اور صاحبین دونوں کا قول مفتی بہ ہے حموی نے کہا جب حاجت کا اعتبار رہا نہ تقدیر کا تو مسئلہ میں خلاف معنوی باقی نہ رہا کذا فی الطحطاوی اذا حفرہا فی موات باذن الامام کنوئیں کا حریم ۴۰ گز اس وقت ہے جب کہ کنواں زمین موات میں سلطان کے حکم سے کھودا ہو فلو فی غیر موات او فیہ بلا اذن الامام لم یکن الحکم کذلک کذا ذکرہ المصنف تو اگر کنواں موات میں نہ ہو یعنی غیر شخص کی زمین میں ہو یا موات میں ہو بدوں اذن سلطان کے تو اس کا حکم ایسا نہ ہوگا یعنی ۴۰ گز اس کا حریم نہ ہوگا ایسا ذکر کیا ہے مصنف نے اپنی شرح میں وعبارۃ القہستانی وفیہ رمز الی انہ لو حفر فی ملک الغیر لا یستحق الحریم فلو حفر فی ملکہ فلہ من الحریم ما شاء والی ان الماء لو غلب علی ارض فترکہا الملاک او ماتوا وانقرضوا لم یجز احیاؤہا فلو ترکہا الماء بحیث لا یعود الیہا ولم یکن حریما لعامر جاز احیاؤہا وعزاہ الی المضمرات اور عبارت قہستانی کی یوں ہے اور اس میں یعنی اس کے ماتن کے قول میں اشارہ ہے اس طرف کہ اگر کنواں کھودے غیر کے ملک میں یعنی اس کے اذن سے تو وہ مستحق حریم کا نہیں ہے الا باشتراط حریم کذا فی الطحطاوی تو اگر اپنے ملک میں کنواں کھودا تو اس کو حریم رکھنے کا اختیار ہے جتنا چاہے اور اس کی طرف اشارہ ہے کہ اگر پانی غالب ہو گیا زمین پر اور مالکوں نے اس کو چھوڑ دیا یا وہ مر گئے یا منقرض ہو گئے تو اس زمین کا آباد کرنا جائز نہیں سو اگر پانی وہ زمین اس طرح چھوڑ دے کہ پھر اس کا عود اسکی طرف نہ ہوگا اور وہ زمین آبادانی کی حریم نہیں ہے اس کا آباد کرنا درست ہے اور اس قول کو قہستانی نے مضمرات کی طرف نسبت کیا ہے وحریم العین خمسمائۃ ذراع من کل جانب کما فی الحدیث اور چشمہ آب کا حریم ۵۰۰ گز ہے ہر جانب سے چنانچہ حدیث

ب ہے م ابویوسف نے کتاب الخراج میں زہری سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حریم عین ۵۰۰ گز ہے اور بیر عطن کا حریم ۴۰ گز ہے اور بیر ناضح
حریم ۶۰ گز ہے کذا فی العینی شرح الہدایۃ **والذراع ہو المکسرۃ وہو ست قبضات وکان ذراع الملک ای ملک الاکاسرۃ سبع قبضات فکسر منہ قبضہ** اور گز
ے مکسور گز مراد ہے چھ مٹھی کا اور سلطان اکاسرہ کا سات مٹھی گز تھا سو اس میں سے ایک قبضہ بھر کم کر ڈالا گیا **ویمنع غیرہ من الحفر وغیرہ فیہ لانہ ملکہ فلو حفر**
اول ردمہ او تضمینہ وتمامہ فی الدرر اور صاحب حریم کا غیر منع کیا جائے کنواں وغیرہ کھودنے سے حریم میں اس واسطے کہ حریم تو چشمہ اور کنوئیں والے
ی ملک ہے تو اگر غیر شخص حریم کے اندر کنواں کھودیگا تو پہلے شخص کو اسکا پاٹ دینا یا بقدر نقصان تاوان لینا درست ہے اور اس کا پورا بیان درر میں ہے **ولو حفر الثانی**
منتہی حریم البیر الاولی باذن الامام فذہب ماء البیر الاولی وتحول الی الثانیۃ فلا شیئ علیہ لانہ غیر متعد والماء تحت الارض لا یملک فلا مخاصمۃ کمن بنی
حانوتا بجنب حانوت غیرہ فکسدت الحانوت الاولی بسببہ فانہ لا شیئ علیہ درر وزیلعی اور اگر دوسرے شخص نے کنواں کھودا منتہائے حریم میں
یعنی ۴۰ گز کے بعد پہلے کنوئیں سے سلطان کے اذن سے سو پہلے کنوئیں کا پانی جاتا رہا اور دوسرے کنوئیں کی طرف منتقل ہو گیا تو حافر ثانی پر کچھ
وان اور مواخذہ نہیں اس واسطے کہ وہ متعدی نہیں ہے اور پانی جو زمین کے نیچے ہے وہ مملوک نہیں تو اس کے ساتھ کچھ مخاصمت نہیں اس شخص کے مانند
س نے دوکان بنائی غیر کی دوکان کے برابر پہلو میں سو پہلی دوکان دوسری دوکان کے سبب سے کاسد ہو گئی جاری نہ رہی تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں
ذا فی الدرر وزیلعی وفیہ لو ہدم جدار غیرہ فلصاحبہ ان یواخذہ بقیمتہ لا ببناء الجدار ہو الصحیح اور زیلعی میں ہے کہ اگر ایک شخص نے غیر کی دیوار گرادی تو دیوار کے
الک کو اس کی قیمت کا مواخذہ پہنچتا ہے نہ دیوار بنا دینے کا یہی قول صحیح ہے **وللحافر الثانی الحریم من الجوانب الثلاثۃ دون الجانب الاول لسبق**
لک الاول فیہ اور منتہائے حریم کے دوسرے کھودنے والے کا تین طرف سے حریم ہے نہ پہلے کنوئیں کی جانب سے اس واسطے کہ حافر اول کی ملک اس میں سبقت
ی **وللقناۃ ہی مجری الماء تحت الارض حریم بقدر ما یصلحہ لالقاء الطین ونحوہ** وعن محمدؒ کالبیر ولو ظہر الماء فکالعین وفی الاختیار فوضہ لرای الامام ای لو
اذنہ والا فلا شیئ وذکرہ البرجندی اور کاریز یعنی پانی بہنے کا مکان زمین کے نیچے اس کا حریم بقدر اس کے اصلاح کے ہے اندر کی مٹی ڈالنے کے واسطے مانند اس کے اور
سے روایت ہے کہ کاریز کا حریم کنوئیں کے مانند چالیس گز ہے طحطاوی نے غایۃ البیان سے نقل کیا کہ یہی قول ہے شیخینؒ کا بھی اگر کاریز کا پانی اوپر کی زمین پھوٹ کے
ر ظاہر ہو گیا تو اس کا حکم چشمہ کے مانند ہے یعنی پانچ سو گز اس کا حریم ہوگا اور اختیار میں کاریز کا حریم سلطان کی رائے پر مفوض کیا ہے یعنی اگر سلطان کے حکم سے
کاریز کھودی گئی ہو اور نہیں تو اس کا کچھ حریم نہیں ایسا ذکر کیا ہے برجندی نے **وحریم شجر یغرس فی الارض الموات خمسۃ اذرع من کل جانب فلیس لغیرہ**
ان یغرس فیہ اور جو درخت زمین موات میں لگایا گیا اس کا حریم پانچ گز ہے ہر طرف سے تو اور شخص کو جائز نہیں کہ اس میں درخت لگائے **ویلحق ما امتنع عود دجلۃ**
والفرات الیہ بالموات اذا لم یکن ذلک حریما لعامر اور جہاں دجلہ اور فرات کا پانی پھر آنا ممتنع ہو گیا وہ زمین موات سے ملحق ہے بشرطیکہ وہ آبادانی کی حریم
نہ ہوم دجلہ اور فرات بطریق تمثیل کے ہے یعنی اگر زمین پر دریا کا پانی غالب ہو گیا اور پھر اس طرح سمٹ گیا کہ پھر آنے کی توقع نہ رہی تو وہ زمین موات میں داخل
ہے اس کا احیا یعنی آباد کرنا جائز ہے علی الخلاف **فان کان حریما او جاز عودہ لم یجز احیاءہ لانہ لیس بموات** پھر اگر زمین دریا برد حریم ہو آبادانی کی یا پانی
کا پھر آنا جائز اور متوقع ہو تو اس کا آباد کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ زمین موات نہیں ہے **والنہر فی ملک الغیر لا حریم لہ الا ببرہان** اور جو نہر غیر کی ملک میں ہے اس کا حریم
نہیں امام کے نزدیک مگر گواہ کرنے سے البتہ حریم ثابت ہوگا **وقالا مسناۃ النہر لمشیہ والقاء طینہ** اور صاحبین نے کہا کہ صاحب نہر کے واسطے مینڈ کی ملکیت
ہے اس کے آنے جانے کے واسطے اور نہر کی مٹی ڈالنے کے واسطے یعنی اگر نہر مٹی سے پٹ جائے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈ پر ڈالی جائے وقدرہ محمد بقدر
عرض النہر من کل جانب وہو اوفق ملتقی وقدرہ ابو یوسف بنصف بطن النہر وعلیہ الفتوی قہستانی معزیا للکرمانی اور محمدؒ نے مینڈ کی تقدیر بقدر عرض نہر کے بیان کی
ہے ہر طرف سے اور یہ قول سہل اور موافق تر ہے کذا فی الملتقی اور ابو یوسف نے اس کی تقدیر بیان کی ہے بقدر نصف بطن نہر کے اور اسی قول پر فتوی ہے کذا
فی القہستانی عن الکرمانی وفیہ معزیا للاختیار والحوض علی ہذا الاختلاف اور قہستانی میں ہے اختیار سے منقول اور حوض کا حریم بھی اسی اختلاف پر ہے یعنی امام

کے نزدیک حریم نہیں مگر باقامت شہود اور صاحبینؒ کے نزدیک حریم ہے محمدؒ کے نزدیک بقدر عرض حوض اور ابو یوسفؒ کے نزدیک بقدر نصف بطن حوض وفیہ معزیا للکافی ولو کان النہر صغیرا یحتاج الی کریہ فی کل حین فلہ حریم بالاتفاق اور قہستانی میں کافی سے منقول ہے اور اگر ایسی نہر صغیر ہو جس کی مٹی صاف کرنے کی ہر وقت حاجت ہو تو اس کا حریم باتفاق امام اور صاحبینؒ کے ثابت ہے وفیہ معزیا للکرمانی ان الخلاف فی نہر مملوک لمسناۃ فارغۃ یلزقہا ارض لغیر صاحب النہر فالمسناۃ عندہما لصاحب النہر وعندہ لصاحب الارض اور قہستانی میں کرمانی سے منقول ہے کہ البتہ امام اور صاحبینؒ کا اس نہر مملوک میں اختلاف ہے جس کی مینڈ خالی ہو بند وغیرہ سے اس کے متصل اور برابر دوسرے شخص کی زمین ہو صاحب نہر کے سوا تو اس صورت میں صاحبینؒ کے نزدیک مینڈ صاحب نہر کی ملک ہے اور امام کے نزدیک صاحب ارض کی ہے م اگر مینڈ فارغ نہ ہو بلکہ صاحب نہر یا صاحب ارض کے درختوں وغیرہ سے مشغول ہو تو بالاتفاق درختوں کا مالک مینڈ کا بھی مالک ہے کذا فی الطحطاوی من الدر عینی میں قاضی خان سے منقول ہے کہ اگر مینڈ زمین کی برابر نہ ہو بلکہ اونچی ہو تو وہ صاحب نہر کی مملوک ہے اس واسطے کہ ظاہر ارتفاع اس کا نہر کی مٹی سے ہوگا وفیہ عن التتمۃ الصحیح ان لہ حریما بالاتفاق بقدر ما یحتاج الیہ لالقاء الطین ونحوہ انتہی قلت وممن نقل الاتفاق الشرنبلالی عن الاختیار وشرح المجمع اور قہستانی میں تتمہ سے منقول ہے کہ قول صحیح یہ ہے کہ صاحب نہر کے واسطے حریم بالاتفاق ثابت ہے اس قدر جس قدر مٹی وغیرہ ڈالنے کی حاجت ہو انتہی ما فی القہستانی میں کہتا ہوں جن لوگوں نے اتفاق نقل کیا ہے ان میں سے شرنبلالی ہے ناقل عن الاختیار وشرح المجمع

فصل فی الشرب یہ فصل ہے شرب کے مسائل میں ہو لغۃ نصیب الماء وشرعا نوبۃ الانتفاع بالماء سقیا للزراعۃ والدواب شرب بالکسر لغت میں عبارت ہے پانی کے حصہ سے اور شرع میں عبارت ہے پانی سے فائدہ حاصل کرنے کی باری سے زراعت سینچنے کے واسطے اور جانوروں کے پلانے کے لیے والشفۃ شرب بنی آدم والبہائم بالشفاہ اور شفہ بنی آدم کا پینا ہے اور لبوں سے جانوروں کا پینا ہے م یہاں شرب بضم شین مصدر ہے بمعنی نوشیدن اور شرب سے مراد بنی آدم کا استعمال ہے دفع تشنگی کے واسطے یا کھانا پکانے یا وضو یا غسل یا کپڑا دھونے کے لئے اور مانند اس کے اور بہائم کے حق میں شرب سے مراد دفع تشنگی ..... اور جو اس کے مناسب ہے کذا فی الطحطاوی ولکل حقہا فی کل ماء لم یحرز باناء او حب اور ہر جاندار کے واسطے اپنے پینے کا حق ثابت ہے ہر پانی میں جو برتن یا مٹکے کے اندر بھر رکھا نہیں گیا م پانی میں حق عام اس وقت تک ہے جب تک وہ اپنے مقام میں ہے یعنی دریا میں یا کنوئیں میں اور جب کسی نے پانی گھڑے یا مٹکے یا حوض میں بھر رکھا اور پانی کا جاری ہونا منقطع ہو گیا تو وہ شخص پانی کا مالک ہو گیا اور مصنف نے احراز کہا نہ اخذ اس میں اشارہ ہے کہ اگر کنوئیں سے ڈول بھرا اور کنوئیں کے مہرے سے ہنوز جدا نہیں ہوا تو شیخینؒ کے نزدیک بھرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا اس واسطے کہ احراز عبارت ہے ایک شے کے کر دینے سے موضع مضبوط میں کذا فی الطحطاوی ولکل سقی ارضہ من بحر او نہر عظیم کدجلۃ والفرات ونحوہما لان الملک بالاحراز ولا احراز لان قہر الماء یمنع قہر غیرہ اور ہر آدمی کو اپنی زمین کے سینچنے کا حق ثابت ہے سمندر یا نہر عظیم سے چنانچہ دجلہ بغداد اور فرات کوفہ اور مانند ان کے چنانچہ نیل مصر کا اور گنگ اور جمن ہند کے اس واسطے کہ آدمی کی ملک پانی میں احراز سے ثابت ہوتی ہے اور دریا اور نہر میں احراز نہیں اس واسطے کہ پانی کا غلبہ غیر پانی کے غلبہ کو مانع ہوتا ہے ولکل شق نہر لسقی ارضہ منہا او لنصب الرحی ان لم یضر بالعامۃ لان الانتفاع بالمباح انما یجوز اذا لم یضر باحد کالانتفاع بالشمس والقمر والہواء اور ہر شخص کو سمندر اور نہر عظیم سے نہر کھود لے جانا اپنی زمین میں سینچنے کے واسطے یا پنچکی قائم کرنے کے واسطے جائز ہے بشرطیکہ نہر کھودنے سے عوام خلق کو ضرر نہ پہنچتا ہو اس واسطے کہ مباح چیز سے فائدہ حاصل کرنا اس صورت میں مخصوص ہے جب کہ کسی کو ضرر نہ ہوتا ہو جیسے آفتاب اور ماہتاب سے اور ہوا سے فائدہ لینا ہر شخص کو مباح ہے بشرط عدم ضرر خلق م نہر سے ضرر خلق کی یہ صورت ہے کہ پانی ریلا کرے ایک طرف کنارہ توڑ کر اور دیہات اور اراضی غرق ہو جائیں تو اس صورت میں نہر کھودنا درست نہ ہوگا اس واسطے کہ دفع ضرر لوگوں سے واجب ہے کذا فی الطحطاوی عن خزانۃ المفتین لا سقی دوابہ ان خیف تخریب النہر لکثرتہا ولا سقی ارضہ وشجرہ وزرعہ ونصب دولاب ونحوہا من نہر غیرہ وقناتہ وبیرہ الا باذنہ لان الحق لہ فیتوقف علی اذنہ جائز نہیں اپنے جانوروں کو پانی پلانا اگر نہر کے ویران ہونے کا خوف ہو بسبب جانوروں کی کثرت کے سبب سے اور نہ زمین اور درخت اور زراعت کا سینچنا اور نہ دولاب یعنی چرخ اور رہٹ کا قائم کرنا غیر کی نہر اور کاریز اور کنوئیں سے جائز ہے مگر مالک کے اذن سے اس واسطے کہ حق اسی کا ہے

تو انتفاع اسکے اذن پر موقوف ہوگا۔ زمین اور زراعت کا سینچنا غیر کی نہر اور کنوئیں سے بلا اذن جائز نہیں خواہ اضطرار ہو یا نہ ہو لیکن اگر بلا اذن سینچیگا تو اسپر تاوان نہیں اور اگر چند بار بلا اذن سینچیگا تو حاکم اس کو تعزیر دے ضرب یا حبس سے اگر مصلحت جانے کذا فی الطحطاوی عن الخانیہ ولہ سقی شجر او خضر زرع فی دارہ حملا الیہ بجرارہ واوانیہ فی الاصح وقیل لا الا باذنہ اور اپنے گھر کے اندر کا درخت سینچنا یا زراعت خانگی کا سرسبز کرنا غیر کی نہر یا کنوئیں کا پانی اٹھا لا کر گھڑوں اور برتنوں سے بلا اذن درست ہے اصح قول میں اور بعضوں نے کہا کہ درست نہیں مگر مالک کے اذن سے ھم خانیہ اور وجیز میں قول ثانی کو اصح کہا ہے تو دونوں قول مصحح ٹھہرے کذا فی الطحطاوی والمحرز فی کوز وحب بمہملۃ مضمومۃ الخابیۃ لا ینتفع بہ الا باذن صاحبہ لملکہ باحرازہ اور جو پانی کسی نے بھر رکھا کوزے اور مٹکوں میں تو اس سے فائدہ لینا نہ چاہیے مگر اس کے مالک کے اذن سے بسبب اس کے مالک ہو جانے کے بھر رکھنے سے ولو کانت البئر او الحوض او النہر فی ملک رجل فلہ ان یمنع مرید الشفۃ من الدخول فی ملکہ اذا کان یجد ماء بقربہ اور اگر کنواں یا حوض یا نہر ایک مرد کی ملک میں ہو اور کوئی شخص اس میں سے پانی پینے کا ارادہ کرے تو مالک کو جائز ہے کہ اس کو اپنے مملوک مکان میں داخل نہ ہونے دے بشرطیکہ طالب آب قریب اس کے پانی پا سکتا ہو م بشرطیکہ متصل پانی کسی کا مملوک نہ ہو پیاسے کا منع کرنا اس واسطے جائز ہوا کہ اس کو کچھ ضرر نہیں دوسری جگہ سے پانی پیوے گا کذا فی الطحطاوی فان لم یجد یقال لہ ای لصاحب البئر ونحوہ اما ان تخرج الماء الیہ او تترکہ لیاخذ الماء بشرط ان لا یکسر ضفتہ[2] ای جانب النہر ونحوہ لان لہ حینئذ حق الشفۃ لحدیث احمد المسلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار سو اگر پانی کا طالب اس کے متصل پانی نہ پاوے تو کنوئیں کے مالک اور مانند اس کے نہر وغیرہ کے مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کو پانی نکال دے یا اس کو چھوڑ مت روک تا وہ خود پانی لے بشرطیکہ پانی لینے والا نہر اور مانند اس کے حوض کا کنارہ اور لگر نہ توڑ ڈالے اس واسطے کہ اس وقت میں یعنی جب پانی کا طالب متصل اس کے مباح پانی نہ پاوے تو اس کو پانی پینے کا حق ثابت ہے مسند احمد کی اس حدیث کی دلیل سے کہ سب مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں پانی اور گھاس اور آگ میں ھم مراد حدیث شرکت اباحت ہے نہ شرکت ملک سو جو شخص مباح پانی یا گھاس یا آگ پر پہلے دخل کرے اور اس پر اپنا قبضہ کرے بطریق احراز کے تو وہ احق ہے اور وہ اس کا مالک ہے دوسرا اس کا مالک نہیں اس کو اس کی تملیک بجمیع وجوہ تملیک کے درست ہے گھاس سے مراد وہ گھاس ہے جو خود رو ہووے تو صاحب زمین اس کا مالک نہیں تو جو اس کو چھیل یا کاٹ لے وہ اس کا مالک ہوگا برخلاف درخت کے کہ اگر وہ خود رو ہو کسی آدمی کی زمین میں تو صاحب زمین اس کا مالک ہے اس کو کوئی نہیں لے سکتا بلا اذن صاحب زمین کے اور آگ سے وہ آگ مراد ہے جو جنگل میں کسی آدمی نے جلائی ہو تو اس میں سب شریک ہیں تو اگر دوسرا آدمی آوے اور اس کے گرد بیٹھ کر تاپا چاہے یا اس کی روشنی میں کچھ سیا چاہے یا چراغ روشن کیا چاہے تو آگ جلانے والا اس کو روک نہیں سکتا اور اگر اپنے موضع مملوک میں آگ جلا دے تو اس کو اپنی ملک سے انتفاع سے روکنا درست ہے جلانے کی لکڑیاں لینا غیر کی ملک سے جائز نہیں بدوں اس کے اذن کے اور غیر مملوک سے لینا درست ہے اور حطب کی نسبت کسی گاؤں یا جماعت کی طرف مضر نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ ان کی مملوک ہے اور لکڑیاں جمع کرنے والا فقط جمع کرنے سے مالک ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے رسی سے نہ باندھی ہوں کذا فی الطحطاوی وحکم الکلاء کحکم الماء فیقال للمالک اما ان تقطع وتدفع الیہ والا تترکہ لیاخذ قدر ما یرید زیلعی اور گھاس کا حکم پانی کے حکم کے مانند ہے تو مالک زمین سے کہا جاوے اگر وہ اپنی زمین میں آنے دے کہ یا تو گھاس کاٹ کر طالب کو دے اور نہیں تو اس کا روکنا چھوڑ تو وہ لے جتنا اس کا جی چاہے کذا فی الزیلعی ھم گھاس کا کاٹ کر دینا اس وقت ہے جب کہ قریب اس کے دوسری زمین میں مباح گھاس موجود نہ ہو کذا فی العالمگیریہ ولو منعہ الماء وہو یخاف علی نفسہ ودابتہ العطش کان لہ ان یقاتلہ بالسلاح لاثر عمر رضی اللہ عنہ اور اگر ایک شخص دوسرے کو مباح پانی سے روکے اور وہ ڈرتا ہو اپنی جان اور اپنے جانور کے ہلاک ہو جانے سے پیاس سے تو اس کو

---

[1] اصل میں مہموز اللام ہے ہمزہ کو یا سے بدل لیا ہے معنی اس کے ختم کے ہیں ۱۲ [2] ضفۃ النہر بفتح المعجمۃ وتشدید الفاء کنارہٗ آں ۱۲

اس سے لڑنا درست ہے ہتھیار سے بدلیل اس اثر کے جو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے **وان کان محرزا فی الاوانی قاتلہ بغیر السلاح کطعام عند المخمصۃ درر واذا کان فضل عن حاجتہ لملکہ بالاحراز فصار نظیر الطعام وقیل فی البئر ونحوہا الاولی ان یقاتلہ بغیر سلاح لانہ ارتکب معصیۃ فکان کالتعزیر** اور اگر پانی بھر رکھا ہو برتنوں میں اور خوف ہلاکی کا ہو پیاس سے اور مالک پانی نہ دیتا ہو تو پیاسا اس سے بدوں ہتھیار کے لڑے یعنی لاٹھی وغیرہ سے لڑے نہ تلوار سے جیسے کوئی طعام سے روکے شدت گرسنگی کے وقت کذا فی الدرر لڑنا اس شرط سے ہے جب کہ پانی اس کی حاجت سے زیادہ ہو بسبب مالک ہو جانے اس شخص کے بھر رکھنے سے تو پانی طعام کے مانند ہو گیا اور بعضوں نے کہا کنوئیں وغیرہ کے پانی روکنے میں بہتر یہ ہے کہ بدوں ہتھیار کے اس سے لڑے اس واسطے کہ مانع مرتکب ہوا گناہ کا تو لاٹھی سے لڑنا بمنزلہ تعزیر کے ہوا کافی یعنی مرتکب معصیت مستحق تعزیر ہوتا ہے تادیب اور زجر کے واسطے **وکری نہر ای حفرہ غیر مملوک من بیت المال فان لم یکن ثمہ ای فی بیت المال شئ یجبر الناس علی کریہ ان امتنعوا عنہ دفعا للضرر** اور نہر غیر مملوک کا کھودنا بیت المال سلطان سے ہے سو اگر وہاں یعنی بیت المال میں کچھ مال نہ ہو تو لوگوں سے زبردستی کرنا چاہیئے اس کے کھدوانے پر اگر وہ انکار کرتے ہوں اس سے یہ زبردستی ہے دفع ضرر کے واسطے م یہ کمتر ہے کہ عوام مال صرف کریں مصالح پر اپنے اختیار سے لہذا سلطان کو ان پر جبر کرنا درست ہے جیسے لشکرا سامان کے واسطے جبر درست ہے کذا فی الحموی **وکری النہر المملوک علی اہلہ ویجبر من ابی منہم علی ذلک** اور مملوک نہر کا کھودنا اور صاف کرنا مٹی سے اس کے مالکوں پر ہے اور جو ان میں سے انکار کرے اس پر زبردستی کی جائے **وقیل فی الخاص لا یجبر** اور بعضوں نے کہا کہ نہر خاص میں جبر نہ کیا جاوے م نہر خاص وہ ہے جس میں شفعہ واجب ہو اور نہر عام وہ ہے جس میں شفعہ واجب نہ ہو اور اس کی تحدید کا اختلاف ہے بہتر قول اس میں یہ ہے کہ اگر نہر کے شریک سو سے کمتر ہیں تو شرکت خاص ہے اس میں استحقاق شفعہ ثابت ہے اور اگر شریک سو ہیں یا زیادہ تو شرکت عام ہے اس میں ہر شریک کے واسطے شفعہ واجب نہیں بلکہ شفعہ ہمسایہ کے واسطے خاص ہے کذا فی العینی **وہل یرجعون ان بامر القاضی نعم** اور کیا خرچ کرنے والے سے بھر لیں گے یا نہیں تو اگر یہ خرچ کرنا قاضی کے حکم سے ہے تو رجوع درست ہے اور نہیں تو درست نہیں **ومؤنۃ کری النہر المشترک علیہم من اعلاہ** اور نہر مشترک کے کھودنے کا خرچ شریکوں پر ہے نہر کے اوپر کی جانب سے م بیان اس کا یوں ہے کہ اگر نہر کے دس شریک ہوں تو کھودنے کا خرچ ہر شخص پر دسواں حصہ ہے وہاں تک کہ ایک کی زمین سے نہر تجاوز کرے تو اس وقت میں خرچ نہر کا باقی لوگوں پر رہے گا ہر شخص پر نواں حصہ **فان جاوز ارض رجل منہم بری من مؤنۃ الکری وقالا علیہم کریہ من اولہ الی آخرہ بالحصص کما یستوون فی استحقاق الشفۃ**[1] پھر اگر نہر بڑھ جائے ایک شریک کی زمین سے تو وہ بری ہو گیا کھودنے کے خرچ سے اور صاحبین نے کہا کہ سب شریکوں پر کھودنے کا خرچ ہے اول نہر سے آخر تک بقدر حصوں کے جیسے وہ سب برابر ہیں شرب میں م بہتر یوں تھا کہ شارح یوں کہتا فی استحقاق الشفعۃ یعنی جیسے وہ برابر ہیں شفعہ کے استحقاق میں چنانچہ زیلعی میں ہے اس واسطے کہ حق شرب شریکوں کو مخصوص نہیں کذا فی الطحطاوی **ولا کری علی اہل الشفۃ** اور کھودنا واجب نہیں پانی پینے والوں پر یعنی اس واسطے کہ وہ نہر کے مالک نہیں ان کا حق تو فقط شرب میں ہے جب کہ پانی موجود ہو **وتصح دعوی الشرب بغیر ارض استحسانا** اور پانی کی باری کا دعویٰ بدوں زمین کے درست ہے از روئے استحسان کے م وجہ استحسان یہ ہے کہ باری مرغوب فیہ اور انتفاع کے لائق ہے اور یہ ممکن ہے کہ آدمی بدوں زمین کے میراث یا وصیت سے مالک ہو باری کا اس لیے کہ گاہے زمین بک جاتی ہے بدوں پانی کی باری کے تو فقط باری کا باقی رہنا متصور ہے بدوں ارض کے **واذا کان لرجل ارض ولآخر فیہا نہر واراد رب الارض ان لا یجری النہر فی ارضہ لم یکن لہ ذلک ویترک علی حالہ** اور جب کہ ایک مرد کی زمین ہو اور دوسرے شخص کی اس زمین میں نہر ہو اور زمین کا مالک چاہے کہ اس کی زمین میں نہر جاری نہ رہے تو اس کو اس کے روکنے کا اختیار نہیں اور چھوڑے نہر کو اس کے قدیم حال پر **وان لم یکن فی یدہ ولم یکن جاریا فیہا ای فی الارض**

---

[1] اور ایک نسخہ میں الشفعہ ہے بجائے الشفۃ کے ۱۲

فعلیہ البیان ان ہذہ النہر لہ وانہ قد کان لہ[1] مجراہ فی ہذا النہر مسوق لسقی اراضیہ اور اگر نہر اس کے تصرف میں نہ ہو یعنی اس کے درخت نہ ہوں نہر کے کنارے پر کذا فی العینی اور اس زمین میں جاری نہ ہو یعنی اس کا جاری ہونا زمان ماضی میں معلوم نہ ہو تو مدعی پر بیان اور ثابت کرنا گواہوں سے لازم ہے کہ یہ نہر اس کی مملوک ہے یا اس کا پانی اس نہر میں جاری تھا اس کی روانگی تھی مدعی کی زمین سینچنے کے واسطے م قولہ وانہ قد کان کا واو بمعنی او ہے اس واسطے کہ دعوی ملک نہر میں ہے یا حق اجرا میں چنانچہ زیلعی میں مصرح ہے کذا فی الطحطاوی وعلی ہذا المصب فی نہر او علی سطح او المیزاب او الممشی کل ذلک فی دار غیرہ فحکم الاختلاف فیہ نظیرہ فی الشرب زیلعی اور اسی قیاس پر پانی گرنے کا مکان ہے نہر میں یا چھت پر وعلی ہذا القیاس پرنالہ یا راہ یہ سب مذکور دوسرے شخص کے گھر میں واقع ہیں تو اس میں اختلاف متخاصمین کا حکم پانی کی باری کے حکم کے مانند ہے م مصب یعنی آب ریز سے مراد پانی کے وہ فضلات ہیں جو وضو یا غسل یا مینہ کا پانی نہر میں یا چھت پر گرتا ہو یعنی اگر قدیم سے دوسرے کی نہر میں فضلات مذکورہ گرا کرتے ہیں یا کسی کے گھر میں دوسرے کا پرنالہ یا راہ واقع ہو تو وہ اس کو منع نہیں کر سکتا اور اگر دعوی کے وقت اشیاء مذکورہ موجود نہ ہوں تو اس پر گواہوں سے اپنا دعوی ثابت کرنا لازم ہوگا نہر بین قوم اختصموا فی الشرب فہو بینہم علی قدر اراضیہم لانہ المقصود نہر مشترک ہے ایک قوم میں انھوں نے جھگڑا کیا زیادتی اور کمی باری میں تو باری ان کے درمیان میں بقدر ان کی اراضی کے ہوگی اس واسطے کہ باری سے تو زمین کا سینچنا مقصود ہے یعنی پانی کی حاجت مختلف ہوتی ہے باعتبار اراضی کے تو ہر شخص کا حق بقدر اس کی زمین اور حاجت کے ہوگا بخلاف اختلافہم فی الطریق فانہم یستوون فی ملک رقبتہ بلا اعتبار سعۃ الدار وضیقہا لان المقصود الاستطراق بخلاف راہ کے اختلاف کے کہ رقبہ طریق کی ملکیت میں سب شریک برابر ہیں بلا اعتبار کشادگی اور تنگی گھر کے اس واسطے کہ مقصود راہ آمد و رفت ہے اور وہ مختلف نہیں گھر کی کشادگی اور تنگی سے ولیس لاحد من الشرکاء فی النہر ان یشق منہ نہرا او ینصب علیہ رحی الا رحی وضع فی ملکہ ولا یضر بنہر ولا بماء وقایۃ اور نہر کے شریکوں میں کسی کو درست نہیں یہ کہ اس سے دوسری نہر جاری کرے یا اس پر پنچکی قائم کرے مگر وہ پنچکی قائم کرنا درست ہے جو خاص اس کی زمین میں واقع ہو اور نہر اور پانی کو ضرر نہ کرے کذا فی الوقایۃ م پنچکی قائم کرنا اس واسطے درست نہ ہوا کہ نہر کا کنارہ ٹوٹتا ہے اور کنارہ ٹوٹنے سے پانی بیکار بہ جاتا ہے کسی کام میں نہیں آتا نہر کے عدم ضرر سے مراد یہ ہے کہ اس کا کنارہ نہ ٹوٹے اور پانی کے عدم ضرر سے مراد یہ ہے کہ اس کے جاری ہونے میں خلل واقع نہ ہو او دالیۃ کنا عورۃ او جسرا او قنطرۃ یا قائم کرے مشترک نہر پر ڈھیکلی چنانچہ دولاب یا قائم کرے چوبی پل یا خشتی اور سنگی پل تو شریک کو جائز نہیں او یوسع فم النہر او یقسم بالایام والحال انہ قد کانت القسمۃ بالکوی بکسر الکاف جمع کوۃ وفتحہا النقب لان القدیم یترک علی قدمہ لظہور الحق فیہ یا ایک شریک نہر کا دہانہ کشادہ کرے یا پانی کی قسمت دنوں کے شمار سے کرے حالانکہ قدیمی قسمت تھی بطور نقب کے تو یہ سب امور درست نہیں اس واسطے کہ قدیم چیز اپنی قدامت پر چھوڑی جاتی ہے بسبب ظاہر ہونے حقیقت کے قدامت میں کوی بکسر کاف جمع ہے کوہ کا یعنی نقب م اصل اس کی نقب بیت ہے لیکن یہاں مستعار ہے کشت زار کے مفاتح آب کے واسطے کذا فی المغرب او یسوق نصیبہ الی ارض لہ اخری لیس لہا منہ ای من النہر شرب یا شریک لے جائے اپنا حصہ پانی کا اپنی دوسری زمین کی طرف حالانکہ اس نہر مشترک سے اس کے واسطے باری مقرر نہیں ہے بلا رضاہم یتعلق بالجمیع امور مذکورہ جائز نہیں بدون رضامندی باقی شریکوں کے شارح نے کلام و مناسب اشیاء مذکورہ سے متعلق ہے یعنی نہر مشترک سے دوسری نہر نکالنا اور پنچکی اور ڈھیکلی وغیرہ اس پر قائم کرنا اور دہانہ وسیع کرنا اور پانی کی قسمت جدید مقرر کرنا اور دوسری زمین میں پانی بدون رضامندی شریکوں کے لے جانا درست نہیں ولہم نقضہ بعد الاجازۃ ولورثتہم من بعدہم اور شرکاء کو اجازت کے بعد اس کا توڑ دینا یعنی اجازت دیکر پھر رد کر دینا درست ہے اور شریکوں کے بعد ان کے وارثوں کو بھی یہی اختیار حاصل ہے ولیس لاہل الاعلی سد النہر بلا رضاہم وان لم تشرب ارضہ بدونہ ملتقی اور نہر کے اوپر جانب والے کو جائز نہیں نہر کا باندھنا بدون رضامندی شریکوں کے اگرچہ اس کی زمین سیراب ہوتی ہو بدون بند باندھنے کے م اور اگر شریک راضی ہو جاویں اعلی کے باندھنے پر بقدر اس کے حصہ کے یا ہر شریک اپنی باری میں نہر باندھنے پر راضی ہو جائے

---

[1] اور ایک نسخہ میں عبارت اس طرح ہے قد کان لہ قدیما مجری لسقی اراضیہ یعنی قدیم سے مدعی کا ایک پانی اس نہر میں پانی سینچنے کے لیے تھا جس کو وہ سینچنے کے واسطے رواں کرتا تھا اسلئے یعنی جن جاہوں سے کھیت میں پانی آتا ہو ''

تو جائز ہے ولیکن اگر تختوں وغیرہ کے روکنے سے پانی رک جائے تو مٹی اور پتھر سے باندھنا درست نہیں بدوں رضامندی شریکوں کے اور اگر سب شریکوں کی اراضی کو پانی نہ پہنچتا ہو بدوں نہر باندھنے کے تو اسفل سے باندھنا چاہیے درجہ بدرجہ حصہ بحصہ تا اعلیٰ بدلیل قول ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہ اسفل نہر کے لوگ امیر ہیں اعلیٰ نہر کے لوگوں پر تاکہ وہ سیراب ہو جاویں کذا فی العینی والطحطاوی کطریق مشترک اراد احدہم ان یفتح فیہ بابا الی دار اخری ساکنہا غیر ساکن ہذہ الدار التی مفتحہا فی ہذا الطریق بخلاف ما اذا کان ساکن الدارین واحدا حیث لا یمنع لان المارۃ لا تزداد چنانچہ ایک راہ مشترک ہے چند شخصوں میں سو ایک شریک نے یہ چاہا کہ اس میں اس دوسرے گھر کا دروازہ پھوڑے جس کا رہنے والا غیر ہے اس گھر کے رہنے والے کا جس کا دروازہ اس راہ میں ہے برخلاف اس صورت کے کہ دونوں گھروں کا رہنے والا ایک ہی شخص ہو وہاں دروازہ لگانا اس راہ میں ممنوع نہیں اس واسطے کہ اس صورت میں آمد و رفت کرنے والے زیادہ نہیں ہو جاتے ہیں اور پہلی صورت میں زیادہ ہو جاتے ہیں اس لیے پہلی ناجائز ہوئی اور پچھلی جائز ویورث الشرب ویوصی بالانتفاع اما الایصاء ببیعہ فباطل اور میراث جاری ہوتی ہے پانی کی باری میں اور وصیت کی جاتی ہے اس سے نفع لینے کی لیکن اس کے بیع کی وصیت باطل ہے ولا یباع الشرب ولا یوہب ولا یوجر ولا یتصدق بہ لانہ لیس بمال متقوم فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتوی کما سیجیء اور پانی کی باری بیچی نہیں جاتی اور اس کا ہبہ نہیں ہوتا اور نہ وہ اجارہ دی جاتی ہے اور نہ خیرات دی جاتی ہے اس واسطے کہ باری مال متقوم نہیں ہے ظاہر الروایۃ میں اور اسی پر فتوی ہے چنانچہ آگے آوے گا ولا یوصی بذلک ای ببیعہ واخویہ اور وصیت نہیں کی جاتی اس کی بیع اور ہبہ اور اجارہ کی ولا یصلح الماء بدل خلع وصلح عن دم عمد ومہر نکاح وان صحت ہذہ العقود لانہا لا تبطل بالشرط الفاسد۔ لان الشرب لا یملک بسبب ما حتی لو مات وعلیہ دین لم یبع الشرب بلا ارض اور باری کا پانی لیاقت نہیں رکھتا بدل خلع اور بدل صلح ہونے کے عمداً خون سے اور لیاقت نہیں رکھتا نکاح کے مہر ہونے کی اگرچہ یہ عقود مذکورہ صحیح ہو جاویں گے باری کے عوض ڈالنے سے اس واسطے کہ عقود مذکورہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہو جاتی پانی بدل خلع اور مہر اس واسطے نہیں کہ پانی کی باری قابل تملیک کے نہیں کسی سبب تملیک سے یہاں تک کہ اگر ایک شخص مر گیا اور اس پر دین ہے تو اس کے دین میں باری بدوں زمین کے بیچی نہ جاوے گی فلو لم یکن لہ ارض قیل یجمع الماء فی کل نوبۃ فی حوض فیباع الماء الی ان ینقضی دینہ وقیل ینظر الامام الی ارض لا شرب لہا فیضمہ الیہا فیبیعہا برضا ربہا فینظر بقیمۃ الارض بلا شرب وبقیمتہا معہ فیصرف تفاوت ما بینہما لدین المیت وتمامہ فی الزیلعی تو اگر میت مدیون کی زمین نہ ہو فقط باری ہو تو بعضوں نے کہا کہ ہر باری کا پانی جمع کیا جاوے ایک حوض میں پھر وہ پانی ہر باری میں بکا کرے یہاں تک کہ دین آخر ہو جاوے اور بعضوں نے کہا کہ حاکم اس زمین کو دیکھے اور تلاش کرے جس کی باری نہیں ہے تو میت کی باری کو اس زمین کے ساتھ ملاوے پھر زمین کو باری کے ساتھ بیع کرے مالک زمین کی رضامندی سے پھر دیکھے کہ زمین کی قیمت بدوں باری کے کتنی ہے اور باری کے ساتھ اس کی قیمت کتنی ہے تو مابین کے تفاوت کو میت کے دین میں صرف کرے اور پورا بیان اس کا زیلعی میں ہے یعنی اگر مثلاً زمین کی قیمت بدوں باری کے سو درم ہو اور باری کے ساتھ ۱۲۵ درم تو ۲۵ درم میت کے دین میں صرف ہوں ولا یضمن من ملأ ارضہ ماء فنزت ارض جارہ او غرقت لانہ متسبب غیر متعد وہذا اذا سقاہا سقیا معتادا بتحمل ارضہ عادۃ والا فیضمن وعلیہ الفتوی اور تاوان نہ دیگا وہ شخص جس نے اپنی زمین میں پانی بھرا سو اس کے پڑوسی کی زمین نے اس کا پانی سوک لیا یا اس کی زمین غرق ہو گئی اس لیے کہ وہ متسبب غیر متعدی ہے اور متسبب میں تاوان اس وقت ہوتا ہے جب کہ تعدی ثابت ہو اور یہ یعنی عدم تاوان اس وقت ہے جب کہ اس نے عادت کے موافق سینچی ہو اور باعتبار عادت کے اس کی زمین اس قدر پانی کی متحمل ہو اور اگر عادت سے زیادہ اس نے پانی بھرے اور پڑوسی کی زمین ناقص ہو گئی تو اس پر تاوان لازم ہوگا اور اسی قول پر فتوی ہے وفی الذخیرۃ ہذا اذا سقی فی نوبتہ مقدار حقہ اما اذا سقی فی غیر نوبتہ او زاد علی یضمن علی ما قال اسماعیل الزاہد قہستانی اور ذخیرہ میں ہے اور یہ یعنی عدم تاوان اس وقت ہے جبکہ اس نے اپنی باری میں اپنے حصے کے موافق زمین سینچی ہو اور اگر

؎ ایک نسخہ میں الماء کی جگہ الشرب ہے اور مال واحد ہے ۱۲

باری کے سوا نے میں سینچی ہو یا اپنے حصہ سے پانی زیادہ لیا ہو تو اس پر تاوان لازم ہوگا بموجب قول اسمٰعیل زاہد کے کذا فی القہستانی ولا یضمن من سقی ارضہ او زرعہ من شرب غیرہ بغیر اذنہ فی روایۃ الاصل وعلیہ الفتوی شرح وہبانیۃ وابن الکمال عن الخلاصۃ لما مر انہ غیر متقوم اور تاوان نہ دے وہ شخص جس نے اپنی زمین یا زراعت سینچی غیر شخص کی باری سے بدوں اس کے اذن کے اصل کی روایت میں اسی پر فتوی ہے چنانچہ شرح وہبانیہ اور ابن کمال میں ہے خلاصہ سے اس واسطے تاوان نہیں کہ مذکور ہو چکا کہ باری کا پانی مال متقوم نہیں ہے ولو تصدق بزرعہ فحسن لبقاء الماء الحرام فیہ بخلاف العلف المغصوب فان الدابۃ اذا سمنت بہ انعدم وصار شیئا آخر قہستانی اور اگر اس کے پیدا ہوئے غلہ یا پھل کو خیرات کر دے تو خوب ہے بسبب باقی رہنے حرام پانی کے اس میں برخلاف مغصوب چارے کے اس لیے کہ جب جانور موٹا ہو گیا چارا کھانے سے تو چارا معدوم ہو گیا اور دوسری چیز بن گیا یعنی خون اور گوشت ہو گیا کذا فی القہستانی فان تکرر ذلک منہ لا ضمان وادبہ الامام بالضرب والحبس ان رأی الامام ذلک خانیۃ وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ پھر اگر یہ یعنی غیر کا پانی لینا چند بار واقع ہو اس شخص سے تو تاوان نہیں اور تعزیر دے اس کو حاکم مارنے اور قید کرنے سے اگر حاکم اس کو مصلحت جانے کذا فی الخانیہ اور اس کا پورا بیان شرح وہبانیہ میں ہے وقال وجوز بعض مشائخ بلخ بیع الشرب لتعامل اہل بلخ والقیاس یترک بالتعامل ونوقض بانہ تعامل اہل بلدۃ واحدۃ اور مصنف وہبانیہ نے کہا اور بعض مشائخ بلخ نے پانی کی باری بیچنے کو تجویز کیا ہے بسبب رواج اہل بلخ کے اور قیاس متروک ہو جاتا ہے رواج کے سبب سے اور یہ تجویز توڑی گئی اس طرح کہ یہ ایک شہر والوں کا رواج ہے یعنی اور ایک شہر والوں کے رواج سے قیاس متروک نہیں ہوتا وافتی الناصحی بضمانہ ذکرہ فی جواہر الفتاوی قال وینفذ الحکم بصحۃ بیعہ فلیحفظ اور ناصحی نے فتوی دیا ہے اس کے تاوان کا یعنی جو غیر کا پانی بلا اذن لے یہ مذکور ہے جواہر الفتاوی میں اور یہ کہا ہے کہ باری کی بیع کا حکم نافذ ہو جاتا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م اس فتوی میں ناصحی منفرد ہے تو عدم ضمان کا معارض نہ ہوگا اور عدم ضمان صحیح تر ہے چنانچہ ظہیریہ میں ہے اور صحت بیع کا حکم نافذ نہ ہوگا اس واسطے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ قاضی اپنے مذہب کے غیر معتمد قول پر حکم نہ کرے کذا فی الطحطاوی قلت وفی الہدایۃ وشروحہا من البیع الفاسد انہ یضمن بالاتفاق فلو سقی ارض نفسہ بماء غیرہ ضمنہ وبہ جزم فی النقایۃ ہنا فافہم میں کہتا ہوں اور ہدایہ اور اس کی شروح میں بیع فاسد سے یہ مذکور ہے کہ ضمان لازم آتا ہے تلف کرنے سے تو اگر اپنی زمین سینچی غیر کے پانی سے تو مالک کو تاوان دے اور اسی قول پر یقین کیا ہے نقایہ میں یہاں سو اس کو سمجھ لے م شارح نے اشارہ کیا کہ صاحب نقایہ نے اس مقام کے سوا اور مقام میں جمہور کے موافق یقین کیا ہے قلت وقدم ما علیہ الفتوی فتنبہ میں کہتا ہوں اور البتہ مذکور ہو چکا وہ قول جس پر فتوی ہے تو خبردار رہنا م مراد جمہور کا فتوی ہے عدم ضمان کا جو شرح وہبانیہ سے مذکور ہو چکا ناصحی کا فتوی کذا فی الطحطاوی وفی الوہبانیۃ وساق لشرب الغیر لیس بضامن : وضمنہ بعض وما مر اظہر : اور وہبانیہ میں ہے اور سینچنے والا غیر کی باری سے ضامن نہیں اور بعضوں نے اس پر تاوان لازم کیا ہے اور جو قول عدم ضمان کا گذر گیا ظاہر تر ہے وما جوزوا اخذا لتراب الذی علی + جوانب نہر دون اذن لیقرر + اور فقہاء نے اس مٹی کا لینا جو نہر کے جوانب پر ہے تجویز نہیں کیا ہے بدوں اذن مالک کے جو ثابت کرے لینے کو + ولو حفروا نہرا والقوا ترابہ فلو فی حریم لیس بالنقل یؤمر + اور اگر لوگوں نے نہر کھودی اور اس کی مٹی باہر ڈالی تو اگر نہر کے حریم کے اندر ڈالی تو مٹی کے وہاں سے اٹھانے کا حکم نہ ہوگا م صورت اس کی یہ ہے کہ ایک قوم کی نہر ہے دوسرے شخص کی زمین میں اور ان لوگوں نے نہر کی مٹی اس کی زمین میں ڈالی تو اگر مٹی حریم کے اندر ہے تو صاحب زمین مٹی اٹھانے کا ان سے مواخذہ نہیں کر سکتا اور اگر مٹی حریم کے باہر ڈالی ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ ان سے نقل تراب کا مواخذہ کرے یہ دونوں مسئلے وہبانیہ کی دو بیتوں میں مذکور ہیں شارح نے اصلاح کی وہ مطلب ایک بیت میں بیان کر دیا کذا فی الطحطاوی واللہ تعالی اعلم واستغفر اللہ الحلیم الکریم ؛

* * * *

کتاب الاشربۃ

یہ کتاب ہے اشربہ یعنی شرابوں کے احکام میں م اشربہ محرمہ کے حرام ہونے کی خوبیاں ظاہر ہیں اس لیے کہ مزیل عقل ہیں اور عقل اشرف الاشیاء ہے جس سے آدمی ممتاز ہے حیوانات سے اور اسی سے خطاب شرع متعلق ہے لیکن خمر اگلی امتوں پر مباح تھی ان کی طول اعمار اور جسامت ابدان کے سبب سے تو بسبب اپنی قوت کے آفت شراب کے متحمل تھے اور ان پر مستی غالب ہوتی تھی تو اس کی اباحت میں ان کے واسطے صلاح تھی کثرت منافع کے سبب سے اور یہ امت تو کم عمر ضعیف البدن ہے تو ان پر مستی غالب ہو جاتی ہے شراب قلیل سے بھی اس لیے کہ ان کے حق میں یہی صلاح تھی کہ خمر بالکل قلیل یا کثیر ان پر حرام ہو اور ابتدائے اسلام میں اس واسطے مباح ہوئی تھی تا فساد خمر کو معائنہ کرلیں پھر جب حرام ہوئی تو معلوم ہو گیا کہ یہی دین حق ہے یہ چیز حرام ہونے کے لائق تھی کذا فی العینی طحطاوی نے کہا مستی اور نشہ سب دینوں میں حرام تھا اور خمر کا تھوڑا بھی پینا امت محمدی پر حرام ہوا ان کی تعظیم اور تکریم کے واسطے تا امر قبیح میں واقع نہ ہوں کیونکہ یہ امت مشہود بالخیر ہے ہی جمع شراب والشراب لغۃ کل مائع یشرب واصطلاحا ما یسکر اشربہ جمع ہے شراب کی اور شراب لغت عرب میں عبارت ہے ہر چیز رقیق سائل سے جو پی جائے چنانچہ پانی اور شربت اور عرق خواہ حلال ہو یا حرام نشہ کرے یا نہ کرے اور اصطلاح شرع میں شراب وہ ہے جو نشہ کرے مست اور بیہوش کر دے م عرف ہندوستان میں شراب اس کو کہتے ہیں جو دیگ میں ڈال کر بطور عرق کے کشید ہو اور نشہ کرے خواہ انگور کا عرق ہو خواہ اور پھل کا خواہ گڑ کا والمحرم منہا اربعۃ انواع اور شرابوں میں سے چار قسم کی شرابیں حرام ہیں یعنی خمر اور طلا اور سکر اور نقیع زبیب چنانچہ تفصیل اس کی آگے معلوم ہوگی م اصول اشربہ چار چیزیں ہیں ایک تو ثمار یعنی پھل مثل انگور اور کھجور اور مویز[1] یعنی انگور خشک جس کو اہل ہند منقی کہتے ہیں دوسرے حبوب جیسے گیہوں اور جو اور جوار تیسرے شیریں چیزیں چنانچہ شکر اور گڑ اور شہد چوتھے البان یعنی اونٹ کا دودھ اور گھوڑے کا دودھ سو انگور سے پانچ یا چھ شرابیں بنتی ہیں یعنی خمر اور باذق اور منصف اور مثلث اور بختج یعنی پختہ اور منقی سے دو شرابیں بنتی ہیں یعنی نقیع اور نبیذ اور کھجور سے تین شرابیں بنتی ہیں یعنی سکر بفتحتین اور فضیخ اور نبیذ اور حبوب اور فواکہ اور شہد وغیرہا سے ایک ہی چیز ہوتی ہے اگرچہ نام اس کے چند قسم کے ہیں تو یہ گیارہ یا زیادہ نام ہوئے سو اشربہ انگوری کی تفصیل یہ ہے کہ جب انگور کا عرق نچوڑا گیا تو اس کو عصیر کہتے ہیں جب تک وہ شیریں ہے پھر جب وہ جوش کھا کر جھاگ لایا اور کڑوا ہو گیا اس کا نام خمر ہے اور جب کھٹا ہو گیا تو وہ سرکہ انگوری ہے اور اگر انگور کے عرق کو تھوڑا آگ پر پکایا کہ نصف سے کم جلا پھر وہ جوش کھا کر جھاگ لایا تو اس کا نام باذق ہے اور اگر یہاں تک پکایا کہ نصف باقی رہا تو وہ منصف ہے اور اگر اتنا پکایا کہ دو تہائی جل گیا تو اس کا نام مثلث ہے اور مثلث کو جب پانی ڈال کر پتلا کیا پھر اس کو پکایا تو اس کا نام پختہ ہے اور اس کو یعقوبی اور ابا یوسفی بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کے واسطے اس کو مرتب کیا تھا اور جمہوری اور حمیدی بھی اس کو بولتے ہیں اور منقی سے نقیع اور نبیذ بناتے ہیں نقیع یہ کہ منقی کو پانی میں چند روز رکھا یہاں تک کہ پانی شیریں ہو گیا اور نبیذ یہ کہ منقے کا پانی تھوڑا پکایا گیا اور کھجور سے سکر اور فضیخ[2] اور نبیذ بناتے ہیں سکر کچا پانی ہے تمر پختہ کا اور فضیخ کچا پانی ہے گدر کھجور کا اور نبیذ پختہ یا گدر کھجور کا پانی ہے جو تھوڑا سا پکایا گیا کذا فی العینی و قاضی خاں ملتقطا الاول الخمر وہی النیئ بکسر النون فتشدید الیاء من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف ای رمی بالزبد ای الرغوۃ پہلی چار حرام شرابوں سے پہلی شراب خمر ہے اور خمر کچا پانی ہے انگور کا جب کہ وہ جوش کھائے

---

[1] جسیانده انگور خشک ۱۲ [2] بمعجمہ ہا بروزن امیر شراب نخوردہ خام ۱۲

اور ابلے اور اشتداد پکڑے اور جھاگ ڈالے شارح نے کہا نے[1] بکسر نون اور تشدید یائے تحتانیہ ہے اور زبد بفتح زائے معجمہ و بائے موحدہ عبارت ہے رغوہ سے اور رغوہ کو ہندی میں جھاگ اور پھینا کہتے ہیں جوش سے مراد جوش کامل ہے اس طرح پر کہ نیچے کا پانی اوپر ہو جائے اور اوپر کا نیچے کذا فی الطحطاوی اور اشتداد سے مراد قوت اور کثرت ہے جوش کھانے کی جس سے مست کر دینے کی قوت حاصل ہو جائے اور بعضوں نے کہا اشتداد سے وہ حالت مراد ہے جو شارب کے حواس کو فہم اور درک سے روکے اور بعضوں نے کہا صلاحیت اسکار یعنی مست کر دینے کی لیاقت مراد ہے کذا فی بنایۃ العینی ولم یشترطا قذفہ و بہ قالت الثلثۃ و بہ اخذ ابو حفص الکبیر و ہو الاظہر کما فی الشرنبلالیۃ عن المواہب و یاتی ما یفیدہ اور صاحبینؒ نے خمر کی حقیقت میں جھاگ ڈالنا شرط نہیں کیا یعنی فقط غلیان اور اشتداد سے نشہ حاصل ہو جاتا ہے بدوں جھاگ ڈالنے کے اور یہی قول ہے تینوں اماموں کا اور اسی قول کو ابو حفص کبیر نے لیا ہے اور یہی قول ظاہر تر ہے چنانچہ شرنبلالیہ میں مواہب سے منقول ہے اور آگے آوے گا جو اس مطلب کا مفید ہے یعنی قولہ والکل حرام اذا غلی واشتد م اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ لذت مطربہ اور قوت مسکرہ اشتداد سے حاصل ہو جاتی ہے اور یہی موثر ہے ایقاع عداوت اور نماز کے روکنے میں اور جھاگ ڈالنا وصف زائد ہے اس کو مستی پیدا کرنے میں تاثیر نہیں اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ غلیان اشتداد کی ابتدا ہے اور کمال اشتداد جھاگ ڈالنے سے ہے اس واسطے کہ جھاگ ڈالنے سے صافی ممتاز ہو جاتا ہے مکدر سے اور احکام شرعی جو خمر سے متعلق ہیں وہ قطعی ہیں چنانچہ حد اور تکفیر مستحل اور مانند اس کے لہذا مناط احکام نہایت اور کمال پر ہوا کذا فی الزیلعی و قد تطلق الخمرۃ علی غیر ما ذکر مجازا اور گاہے خمر کا اطلاق ہوتا ہے غیر مذکور پر باعتبار مجاز کے م ابن اعرابی امام اہل لغت نے کہا خمر اس واسطے نام ہوا کہ وہ رکھی گئی یہاں تک کہ مختمر ہو گئی اور اختمار عبارت ہے تغیر ریح سے اور بعضوں نے کہا کہ خمر نام ہوا اس کی مخامرت کے سبب سے عقل کو وہ چھپا ڈالتی ہے قول اول حنفیہ کے موافق ہے اور قول ثانی ائمہ ثلثہ کے موافق ہے اس واسطے کہ ان کے نزدیک ہر مسکر خمر ہے اور دلیل ان کی وہ احادیث ہیں جو اطلاق کی مفید ہیں چنانچہ مسلم کی حدیث[2] کل مسکر خمر و کل مسکر حرام اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جو تعریف خمر کی ہم نے کی ہے اس پر اہل لغت کا اتفاق ہے اس کے سوا اور مسکرات کو بادہ اور مثلث وغیرہ ذلک کہتے ہیں تو غیر خمر کو خمر کہنا باعتبار مجاز کے ہے نہ باعتبار حقیقت کے اور مجاز ہونے پر حدیث مسلم وغیرہ محمول ہے یا بیان حکم پر محمول ہے کذا فی الزیلعی اور مزید تفصیل اس کی کتب مطولہ میں ہے ثم شرع فی احکامہا العشرۃ فقال وحرم قلیلہا و کثیرہا بالاجماع لعینہا اے لذاتہا پھر مصنف نے خمر کے دس حکموں کا بیان شروع کیا سو یوں کہا کہ خمر کا قلیل اور کثیر باتفاق امت حرام ہے بحرمت ذاتی یعنی خمر کی ذات حرام ہے نشہ کرے یا نہ کرے م بعضوں نے کہا کہ قلیل خمر حرام نہیں اس واسطے کہ قلیل مسکر نہیں جو موجب فساد ہو اور یہ قول کفر ہے اس میں قرآن اور حدیث اور اجماع کا انکار ہے اس لیے کہ قرآن میں خمر کو رجس فرمایا اور رجس نجس[3] العین کو کہتے ہیں چنانچہ لحم خنزیر کو نجس فرمایا ہے تو خمر اور لحم خنزیر نجاست ذاتی میں برابر ہیں اور حرام ہونے میں یکساں وفی قولہ تعالی انما الخمر والمیسر الایۃ عشر دلائل علی حرمتہا مبسوطۃ فی المجتبی وغیرہ اور انما الخمر والمیسر کی آیت میں دس دلیلیں خمر کے حرام ہونے پر مجتبی وغیرہ میں مشرح مذکور ہیں م دلائل مذکورہ یہ ہیں ۱ خمر کو قمار اور اصنام کے ساتھ ذکر فرمایا ۲ اس کو رجس یعنی نجس العین کہا ۳ اعمال شیطانی سے اس کو شمار کیا ۴ اجتناب کا حکم کیا ۵ اجتناب خمر پہ فلاح معلق کی ۶ شیطان ایقاع عداوت کا ارادہ کرتا ہے خمر سے ایقاع بغض کا قصد رکھتا ہے اس کے سبب سے ۸ روکتا ہے یاد خدا سے ۹ روکتا ہے نماز سے ۱۰ نہی بلیغ بصیغہ استفہام تہدیدی کذا فی الحلبی وہی نجسۃ بنجاسۃ مغلظۃ کالبول اور خمر نجاست مغلظہ ہے پیشاب کے مانند اس واسطے کہ اس کی حرمت بدلیل قطعی قرآنی ثابت ہے **ویکفر مستحلہا** اور کافر ہو جاتا ہے خمر کا حلال کہنے والا اس واسطے کہ وہ دلیل قطعی کا منکر ہوا **وسقط تقومہا فی حق المسلم لا مالیتہا فی الاصح** اور خمر کا مال متقوم ہونا مسلمان کے حق میں ساقط ہے نہ مالیت اس کی صحیح تر قول میں م مال متقوم مسلمان کے حق میں اس واسطے نہیں کہ حق تعالی نے اس کی اہانت کی نجس العین فرمایا اور متقوم

---

[1] اور سب حرام ہیں جب جوش کھائیں اور شدت پکڑیں ۱۲ [2] ہر نشہ آور خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے ۱۲ [3] جس کی ذات ناپاک ہو ۱۲

بونا عزت کا مشعر ہے اور خمر کی مالیت ہونے میں اختلاف ہے اور صحیح تر قول یہ ہے کہ وہ مال ہے بسبب میلان طبائع کے اس کی طرف **وحرم الانتفاع بہا ولو لسقی دواب اولطین اونظر للتلہی اوفی دواء اودہن اوطعام اوغیر ذلک** اور حرام ہے فائدہ حاصل کرنا خمر سے اگرچہ جانوروں کا پلانا ہو یا اس سے مٹی کا تر کرنا دیوار بنانے کو یا اس کا دیکھنا تماشے کے واسطے یا دوا میں اس کا ڈالنا یا تیل میں یا کھانے میں یا اس کے سوا اور طرح سے استعمال کرنا جائز نہیں حرام ہے **الا لتخلیل اولخوف عطش بقدر الضرورۃ ولو زاد فسکر حد مجتبی** مگر خمر کا سرکہ بنانا یا خوف تشنگی سے بقدر ضرورت کے پینا حرام نہیں اور اگر ضرورت سے زیادہ پی کر مست ہوگا تو اس پر حد ماری جاوے گی کذا فی المجتبی **ولا یجوز بیعہا** لحدیث مسلم ان الذی حرم شربہا حرم بیعہا اور جائز نہیں خمر کا بیچنا صحیح مسلم کی اس حدیث کی دلیل سے مقرر جس نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے م مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک مرد مشک خمر تحفہ لایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ نے فرمایا کہ تجھ کو کیا معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پینا حرام کیا ہے پھر اس نے دوسرے آدمی کے کان میں چپکے بات کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے کیا سرگوشی کی اس نے کہا کہ میں نے اس کے بیچ ڈالنے کا امر کیا تب یہ حدیث فرمائی کہ جس نے پینا حرام کیا اس نے اس کا بیچنا حرام کیا پھر اس مرد نے مشک کا دہانہ کھول دیا تو جو اس میں خمر تھی سب جاتی رہی کذا فی العینی **ویحد شاربہا وان لم یسکر منہا** اور حد ماری جائے خمر کے پینے والے پر اگرچہ وہ مست نہ ہو جائے اس سے م باوجود عدم سکر حد لازم ہے اس واسطے کہ اس کی حرمت ذاتی ہے نہ فقط سکر کے سبب سے کیونکہ وہ ام الخبائث ہے مبسوط میں حدیث مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب مرد خمر کا پیالہ اپنے ہاتھوں پر رکھتا ہے تو اس پر آسمانوں اور زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں پھر اگر اس نے پی تو اس کی نماز چالیس رات مقبول نہیں ہوتی اور اگر اس کو ہمیشہ پیا کرتا ہے تو وہ بت پرست کے مانند ہے کذا فی الطحطاوی عن القہستانی **ویحد شارب غیرہا ان سکر** اور خمر کے سوا اور مسکرات کے پینے والے کو حد ماری جاتی ہے جب کہ اس کو بیہوشی اور نشہ ہو م فتاوی عالمگیری میں ہے کہ ہمارے زمانے میں محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوی ہے تو حد ماری جاوے گی اس پر جو مست ہو جائے اور ان شرابوں کو پی کر جو حبوب اور شہد اور دودھ اور انجیر سے بنائی جاتی ہیں اس واسطے کہ فاسق لوگ ان شرابوں پر اجتماع کرتے ہیں ہمارے زمانے میں اور لہو ولعب کا قصد کرتے ہیں اور اس کے پینے سے مست ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں انتہی **ولا یوثر فیہا الطبخ** اور خمر کا آگ پر پکانا اس کے ازالہ حرمت میں اثر نہیں کرتا ہے یعنی پکانے سے اس کی حرمت زائل نہیں ہوتی اس واسطے کہ پکانا شرع میں ثبوت حرمت کے منع کرنے کے واسطے ہے نہ اس واسطے کہ اس کی حرمت کو باطل کر دے حرمت کے ثابت ہو جانے کے بعد یعنی خمر ہو جانے سے پہلے طبخ البتہ مؤثر ہے اور جب کہ خمر بن گئی تو اس کے بعد طبخ کچھ اثر نہیں کرتا کذا فی الطحطاوی **الا انہ لا یحد فیہا مالم یسکر منہ لاختصاص الحد بالنی ذکرہ الزیلعی واستظہرہ المصنف وضعف ما فی القنیۃ والمجتبی ثم نقل عن ابن وہبان انہ لا یلتفت لما قالہ صاحب القنیۃ مخالفا للقواعد مالم یعضدہ نقل من غیرہ انتہی وفیہ کلام لابن الشحنۃ** مگر یہ کہ خمر مطبوخ کے پینے میں حد ماری نہ جاوے گی جب تک اس سے مست نہ ہوگا بسبب مخصوص ہونے حد کے کچی خمر کے ساتھ ایسا ذکر کیا ہے زیلعی نے اور قوی کیا ہے اس قول کو مصنف نے اپنی شرح میں اور ضعیف کہا ہے اس قول کو جو قنیہ اور مجتبی میں ہے یعنی جب خمر پکائی گئی اور اس کی تلخی دور ہوگئی تو حلال ہو جاتی ہے پھر مصنف نے ابن وہبان سے یہ قول نقل کیا کہ التفات نہ کیا جائے اس کے قول کی طرف جو صاحب قنیہ نے قواعد مذہب کے مخالف کہا ہے جب تک کہ اس کی تائید کسی اور فقیہ کی نقل سے ثابت نہ ہو انتہی اور اس تضعیف میں ابن شحنہ شارح وہبانیہ نے گفتگو کی ہے م خمر مطبوخ پر بلا سکر حد کا نہ واقع ہونا ایک قول ہے اور دوسرا قول شمس الائمہ سرخسی کا یہ ہے کہ اس کے شارب پر حد واقع ہوگی تھوڑی پیئے یا بہت چنانچہ فتاوی عالمگیری میں کافی سے منقول ہے اور اسی طرح قاضی خاں اور بدائع میں ہے ابن شحنہ نے کہا صاحب قنیہ کی مراد یہ ہے کہ خمر مطبوخ حلال ہوتی ہے جب کہ اس سے اوصاف خمریت کے یعنی تلخی اور مست کر دینا زائل ہو جائے کیونکہ اس کی حقیقت بدل گئی جیسے سرکہ ہو جانے سے اس کی حقیقت بدل جاتی ہے اور یہ جو صاحب مبسوط نے کہا ہے کہ طبخ سے خمر حلال نہیں ہو جاتی تو مراد اس کی یہ ہے کہ جب خمریت کے اوصاف موجود ہوں کیونکہ انقلاب اور استحالہ نہیں پایا گیا جو مقتضی ہے اباحت کا اور یہ جو کہا

طبخ کو اس کی حلت کے اثبات میں اثر نہیں مخالف اس کے نہیں اس لیے کہ مؤثر انقلاب ہے طبخ کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں کذا فی الطحطاوی **ولا یجوز بها التداوی** علی المعتمد قال المصنف قلت ولو باحتقان واقطار فی احلیل نہایۃ اور جائز نہیں خمر سے دوا کرنا بنا بر قول معتمد کے ایسا کہا ہے مصنف رح نے شرح میں کہتا ہوں اگرچہ خمر سے حقنہ کیا جائے اور پیشاب کے سوراخ میں ٹپکائی جائے کذا فی النہایۃ ہم ہر چند حقنہ وغیرہ میں احتمال سکر کا نہیں لیکن نجس العین ہونے سے یہ بھی درست نہیں اسی طرح اس کا سرمہ اور ناس میں ڈالنا جائز نہیں **ویجوز تخلیلها ولو بطرح شیء فیها** خلافا للشافعی اور جائز ہے خمر کا سرکہ بنانا اگرچہ کوئی چیز مانند نمک وغیرہ کے ڈال کر سرکہ بنے برخلاف شافعی رحم امام شافعی رح کے نزدیک اگر خمر خود بخود سرکہ ہو جائے تو حلال ہے اور نمک وغیرہ ڈال کر سرکہ بنانا درست نہیں پھر جب خمر سرکہ ہوگئی تو جہاں تک سرکہ ہے وہاں تک برتن پاک ہوگیا اور اس کی اوپر کی جانب اس کی تبعیت سے پاک ہوگئی ابوسعود رح نے اپنے استاد سے نقل کیا کہ یہی قول مفتی بہ ہے کذا فی الطحطاوی **والثانی الطلاء بالکسر وهو العصیر یطبخ حتی یذهب اقل من ثلثیه ویصیر مسکرا** وصوب المصنف ان هذا یسمی الباذق اور دوسری قسم اشربہ محرمہ سے طلاء بالکسر ہے اور وہ رس ہے انگور کا جو پکایا گیا یہاں تک کہ دو تہائی سے کمتر جل گیا اور وہ مسکر ہو گیا اور مصنف رح نے اپنی شرح میں کہا کہ حق یہ ہے کہ اس کا نام بادہ ہے نہ طلاء ہم ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے کہ جس عصیر کا دو تہائی سے کمتر جل گیا وہ بادہ ہے اور قاضی خاں کے فتاوی میں دو تہائی کی قید نہیں بلکہ یوں کہا کہ انگور کا پانی جب تھوڑا پکایا گیا وہ بادہ ہے طحطاوی نے شرح مسکین سے نقل کیا کہ اقل کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر تہائی جل جاوے گا تو جب تک شیریں ہے سب کے نزدیک حلال ہے اور بعد غلیان اور اشتداد کے جب تک نشہ نہ کرے تب تک شیخین رح کے نزدیک حلال ہے خلافا لمحمد **واما الطلاء فما ذکرہ بقوله وقیل ما طبخ من ماء العنب حتی ذهب ثلثاه وبقی ثلثه وصار مسکرا** وهو الصواب کما جری علیه صاحب المحیط وغیرہ یعنی فی التسمیۃ لا فی الحکم لان حل هذا المثلث المسمی بالطلاء علی ما فی المحیط ثابت بشرب کبار الصحابۃ رضی اللہ عنهم کما فی الشرنبلالیۃ اور دوسرا قول یہ ہے کہ طلاء وہ مشروب ہے کہ انگور کا پانی پکایا جاوے یہاں تک کہ اس کی دو تہائیاں جل جاویں اور ایک تہائی باقی رہے اور وہ مسکر ہو جائے اور اسی مشروب کو طلا کہنا حق ہے چنانچہ صاحب محیط وغیرہ اسی پر چلے ہیں یعنی فقط تسمیہ میں نہ حکم میں یعنی صاحب محیط وغیرہ نے اس مثلث کو طلا کہا ہے اس کو حرام نہیں کہا ہے اس واسطے کہ حلال ہونا اس مثلث کا جو مسمی بطلا ہے بموجب روایت محیط کے ثابت ہے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے پینے سے چنانچہ شرنبلالیہ میں ہے ہم خلاصہ یہ کہ طلا بتفسیر اول یعنی بادہ حرام ہے اور طلا بہ تفسیر ثانی یعنی مثلث عنبی بشرط عدم اسکار حلال ہے تو مثلث حرام نہیں الا بقدر مسکر کذا فی الطحطاوی **وسمی الطلاء بقول عمر رضی اللہ عنہ ما اشبه هذا بطلاء البعیر وهو القطران الذی یطلی به البعیر الجربان** اور مثلث کا نام طلاء رکھا گیا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے اس قول کے سبب سے کہ یہ مثلث کیا خوب مشابہ ہے اونٹ کے طلاء کے ساتھ اور وہ یعنی طلاوہ قطران ہے جو خارشتی اونٹ کو ملا جاتا ہے ہم طلا بالکسر قطران ہے اور قطران بفتح وکسرہ چیز ہے جو خارشتی اونٹ پر ملی جاتی ہے خلاصہ یہ کہ مثلث عنبی غلظت قوام میں از بسکہ مشابہ تھا طلا سے لہذا اس کو فاروق اعظم رض نے فرمایا **ونجاسته ای الطلاء علی التفسیر الاول** کذا قال المصنف **کالخمر به یفتی** اور اس کی نجاست یعنی طلا کی بنا بر تفسیر اول چنانچہ مصنف نے کہا ہے خمر کے مانند نجس ہے اسی قول پر فتوی ہے ہم طلا بتفسیر اول یعنی دو تہائی سے کمتر جلے جو مسمی بہ بادہ ہے اس کی نجاست غلیظہ ہے اور تفسیر ثانی کے موافق یعنی مثلث عنبی چونکہ وہ حلال ہے تو ظاہر ہے **والثالث السکر بفتحتین وهو النیء من ماء الرطب اذا اشتد وقذف بالزبد** اور اشربہ محرمہ سے تیسری شراب سکر ہے بفتح سین وکاف اور وہ کچا رس ہے پختہ تر کھجور کا جب کہ وہ خوب جوش مارے اور جھاگ ڈالے یعنی اور اس میں قوت اسکار کی حاصل ہو تو اگر شیریں ہوگا تو بالاتفاق حلال ہے کذا فی الطحطاوی عن القهستانی **والرابع نقیع الزبیب وهو النیء من ماء الزبیب بشرط ان یقذف بالزبد بعد الغلیان** اور اشربہ محرمہ سے چوتھی شراب نقیع زبیب ہے یعنی خیساندہ مویزی اور وہ کچا پانی ہے مویز کا یعنی جس پانی میں انگور خشک کو چند مدت تر رکھا بشرط اس کے جھاگ ڈالنے کے جوش کھانے کے بعد **والکل ای الثلثة المذکورة حرام اذا غلی واشتد** اور تمام یعنی تینوں مذکور شرابیں یعنی بادہ اور سکر اور نقیع زبیب حرام ہیں جب کہ جوش کھاویں اور اشتداد پکڑیں

والا لم یحرم اتفاقا اور اگر جوش اور اشتداد نہ ہو تو بالاتفاق حرام نہیں ہم امام کے نزدیک اس واسطے حرام نہیں کہ شرط حرمت کی غلیان اور اشتداد و جھاگ ڈالنا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس وجہ سے حرام نہیں کہ شرط حرمت کی غلیان اور اشتداد ہے سو حاصل نہیں وان قذف حرم اتفاقا اور اگر جھاگ ڈالا تو بالاتفاق حرام ہے ہم امام کے مذہب پر تو ظاہر ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس لیے حرام ہے کہ جب فقط غلیان اور اشتداد پر حرمت ہوئی تو جھاگ ڈالنے سے بطریق اولی حرمت ہو گئی وظاہر کلامہ کبقیۃ المتون انہ اختار ہہنا قولہما قالہ البرجندی ثم قال القہستانی وترک القید ہہنا لانہ اعتمد علی السابق فتنبہ اور ماتن کا ظاہر کلام باقی اور متنوں کے مانند یہ ہے کہ اس نے اس مقام میں صاحبینؒ کا قول پسند کیا ہے کہ فقط غلیان اور اشتداد پر کفایت کی اور جھاگ ڈالنے کو مذکور نہیں کیا ایسا کہا ہے برجندی نے ہاں قہستانی نے کہا کہ ماتن نے یہاں جھاگ ڈالنے کی قید ترک کی اس واسطے کہ بیان سابق پر اعتماد کیا یعنی چونکہ خمر کی حقیقت میں جھاگ ڈالنا مذکور کر چکا تھا یہاں اس کے ذکر کو ضرور نہ جانا تو اس سے خبردار رہنا ہم طحطاوی نے کہا کہ مصنف کی شرح سے قہستانی کے کلام کی تائید نکلتی ہے اس واسطے کہ اس نے سکر کی حرمت میں جھاگ ڈالنے کو غلیان کے بعد ذکر کیا ہے تو یہی قید نقیع زبیب میں بھی جاری ہو گی اس واسطے کہ دونوں میں یکساں خلاف ہے ولم یبین حکم نجاسۃ السکر بالنقیع ومفاد کلامہ انہا خفیفۃ وہو مختار السرخسی واختار فی الہدایۃ انہا غلیظۃ اور مصنفؒ نے سکر بفتحتین اور نقیع کی نجاست کا جو بیان نہیں کیا اور اس کے کلام سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کی نجاست خفیفہ ہے اور یہی قول شمس الائمہ سرخسیؒ کا مختار ہے اور ہدایہ میں یہ اختیار کیا ہے کہ نجاست غلیظہ ہے وحرمتہا دون حرمۃ الخمر فلا یکفر مستحلہا لان حرمتہا بالاجتہاد اور حرمت اشربہ ثلاثہ یعنی بادہ اور سکر اور نقیع کی کمتر ہے خمر کی حرمت سے تو ان کا حلال جاننے والا کافر نہ کہا جاوے گا اس واسطے کہ حرمت ان کی اجتہاد کے سبب سے ہے اور حرمت خمر کی بدلیل قرآنی قطعی ہے ہم کشف میں ہے کہ یکفر کو اکفار سے کہنا بہتر ہے تکفیر سے اس واسطے کہ اول نسبت الی الکفر میں خاص اور ثانی مشترک ہے اور خاص دلالت مراد میں اولی ہے مشترک سے کذا فی الطحطاوی والحلال منہا اربعۃ انواع الاول نبیذ التمر والزبیب ان طبخ ادنی طبخۃ یحل شربہ وان اشتد اور اشربہ سے چار مشروب حلال ہیں اول نبیذ تمر اور زبیب ہے یعنی خشک کھجور اور خشک انگور کا پانی بشرطیکہ تھوڑا سا پکایا جاوے یعنی یہاں تک کہ نضج حاصل ہو کذا فی الزیلعی تو اس کا پینا حلال ہے اگرچہ جوش کھا کر قوی ہو جاوے ہم اشتداد کے ساتھ قذف کو ذکر نہیں کیا بیان سابق پر اکتفا کر کے چنانچہ رمز میں ہے عینی نے کہا متخذ من التمر کی حرمت میں احادیث وارد ہیں اور اس کی حلت میں بھی احادیث وارد ہیں تو اگر حرام کو خام پر محمول کیجیے اور حلال کو مطبوخ پر تو توافق حاصل ہو اور تعارض دفع ہو جائے وہذا اذا شرب منہ بلا لہو وطرب فلو شرب للہو فقلیلہ وکثیرہ حرام اور یہ یعنی حلت نبیذ تمر اور زبیب کی اس وقت ہے جبکہ وہ پیا جائے بدوں لہو اور طرب کے تو اگر لہو ولعب کے واسطے شرب ہو گا تو اس کا قلیل اور کثیر سب حرام ہے ہم مختار میں ہے کہ طرب سبکی ہے جو انسان کو شدت حزن یا سرور کے بعد حاصل ہوتی ہے درر میں کہا کہ یہ قید ان اشربہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اگر پانی وغیرہ مباحات کو لہو اور طرب کے ساتھ استعمال کرے فاسقوں کی وضع پر تو حرام ہے ومالم یسکر فلو شرب ما یغلب علی ظنہ انہ مسکر فیحرم اور یہ حلت اس وقت تک ہے جب تک وہ نشا نہ کرے تو اگر اسقدر پیے گا جس قدر کے پینے سے اس کے نشہ کرنے کا گمان غالب ہو گا تو وہ پینا حرام ہے نہ مشروب تمامہ بحر رائق میں ہے کہ جس نے نو پیالے پیے خمر کے سوا اشربہ حلال سے اور اس کو نشہ نہ ہوا پھر اس نے دسواں پیالہ پیا سو اس نے نشہ کیا تو حرام دسواں پیالہ ہے نہ اگلے پیالے ابو یوسفؒ نے کہا کہ اگر مست ہونے کی نیت سے بیٹھا تو قدح اول ہی حرام ہے اور وہاں کا بیٹھنا حرام اور اس کی طرف چلنا حرام ہے کذا فی الطحطاوی والثانی الخلیطان من الزبیب والتمر اذا طبخ ادنی طبخۃ وان اشتد یحل بلا لہو اور اشربہ حلال سے مشروب ثانی خلیطین ہے یعنی خشک انگور اور خشک کھجور کا مخلوط پانی جب کہ وہ تھوڑا سا پکایا جاوے اگرچہ جوش کھا کر اشتداد اس میں حاصل ہو حلال ہے بدوں لہو ولعب کے ہم حلت کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ہم مٹھی بھر تمر اور مٹھی بھر زبیب رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے واسطے برتن میں ڈالتے تھے اور پانی اس پر ڈالتے تھے سو جو علی الصباح تر کر رکھتے تھے حضرت صلعم اس کو شام کو پیتے تھے اور جو شام کو بھگو رکھتے اس کو علی الصباح پیتے تھے اور وہ جو احادیث میں خلیطین سے نہی وارد ہے وہ قحط کی حالت پر محمول ہے تاکہ دو نعمتوں کا اجتماع نہ ہووے اور حالانکہ پڑوسی محتاج ہے بلکہ ایک چیز پڑوسی کو دے اور ایک آپ استعمال کرے اور اباحت فراخ حالی میں تھی یہ توجیہ ابراہیم نخعی سے منقول ہے کذا فی الطحطاوی **والثالث نبیذ العسل والتین والبر والشعیرۃ والذرۃ یحل سواء طبخ اولا بلا لہو وطرب** اور تیسرا اشربہ حلال سے شہد اور انجیر اور گیہوں جو اور جوار کا نبیذ ہے یعنی خیسا ندہ ان چیزوں کا حلال ہے خواہ پکایا گیا ہو یا نہیں بدوں لہو اور طرب کے **والرابع المثلث العنبی** وان اشتد وہو ما طبخ ماء العنب حتی یذہب ثلثاہ ویبقی ثلثہ اذا قصد بہ استمراء الطعام والتداوی والتقوی علی طاعۃ اللہ ولو للہو لا یحل اجماعاً حقائق اور اشربہ حلال سے چوتھا مشروب مثلث انگوری ہے اگرچہ اس میں اشتداد حاصل ہو اور مثلث انگوری وہ ہے کہ انگور کا رس پکایا جاوے یہاں تک کہ اس کی دو تہائیاں جاتی رہیں اور ایک تہائی باقی رہے یہ اس وقت حلال ہے جب کہ اس کے پینے سے ہضم طعام اور دوا کرنا اور حق تعالیٰ کی طاعت پر قوت حاصل کرنا مقصود ہو اور اگر لہو ولعب کے واسطے پیتا ہے تو شیخین اور محمدؒ سب کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے کذا فی الحقائق م شیخینؒ کے نزدیک مثلث عنبی بشرط مذکور حلال ہے اور محمد اور آئمہ ثلثہ کے نزدیک حرام ہے منجملہ دلائل حلت شیخینؒ کے ایک دلیل وہ روایت ہے جو نسائی میں سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ ہم نے وہ مکتوب جو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا پڑھا اس میں یہ تھا کہ شام کا قافلہ مشروب[لہ] غلیظ اسود لایا طلاء ابل کے مانند یعنی گاڑھا سیاہ رنگ میں نے ان سے سوال کیا کہ تم اس کو کتنا پکاتے ہو سو انھوں نے مجھ کو خبر دی کہ دو تہائیاں جلا ڈالتے ہیں اس کے دو ثلث اخبث جاتے رہے ایک ثلث بدبو کا اور ایک ثلث اشتداد اور سکر کا سو اپنے لوگوں سے حکم کر کہ اس کو پیا کریں اور دوسری روایت نسائی کی یوں ہے کہ اپنے مشروب کو تم پکاؤ یہاں تک کہ شیطان کا حصہ جاتا رہے سو شیطان کے دو حصے ہیں اور تمہارا ایک حصہ ہے انتہی عینی نے شرح ہدایہ میں کہا کہ ابو حفص کبیر سے مثلث کا سوال ہوا تو جواب دیا کہ اس کا پینا حلال نہیں سائل نے کہا کہ تم امام اعظمؒ اور ابو یوسفؒ کے خلاف کرتے ہو جواب دیا کہ وہ ہضم طعام کے واسطے حلال کہتے تھے اور ہمارے زمانہ میں لوگ لہو ولعب اور فسق وفجور کے واسطے پیتے ہیں ابو یوسف سے امالی میں روایت ہے کہ اگر کشتی کے واسطے مثلث پیے تو قلیل اور کثیر سب حرام ہے اور وہاں کا بیٹھنا اور اس طرف کا چلنا حرام ہے امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ میں نبیذ تمر کو حرام نہیں کہتا باعتبار دیانت کے یعنی اس واسطے کہ اکابر دین اس کو استعمال کرتے تھے اور میں اس کو نہیں پیتا ہوں باعتبار مروت کے انتہی ما فی العینی **وصح بیع غیر الخمر** مما مر اور خمر کے سوا جو اشربہ مذکور ہو چکے ان کی بیع صحیح ہے **م** یعنی اشربہ محرمہ یعنی منصف اور سکر اور نقیع زبیب کی بیع شیخینؒ کے نزدیک صحیح ہے لیکن مکروہ ہے اس واسطے کہ معصیت بعینہا قائم ہے کذا فی الطحطاوی ومفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون قلت وقد سئل ابن نجیم عن بیع الحشیشۃ ہل یجوز فکتب لا یجوز فیحمل علی ان مرادہ بعدم الجواز عدم الحل قالہ المصنف اور متن کے قول سے بھنگ اور افیون کی بیع کی صحت مستفاد ہوتی ہے یعنی اس واسطے کہ دونوں غیر خمر ہیں میں کہتا ہوں اور ابن نجیم سے بھنگ کی بیع کا سوال ہوا کہ کیا جائز ہے تو جواب لکھا کہ جائز نہیں تو یہ محمول اس پر ہے کہ عدم جواز سے ابن النجیم کی مراد عدم حلت ہے ایسا کہا ہے مصنفؒ نے شرح میں **وتضمن ہذہ الاشربۃ بالقیمۃ لا بالمثل لمنعنا عن تملیک عینہ وان جاز فعلہ** اور تاوان دیا جائے گا ان شرابوں کا بسبب تلف کر ڈالنے کے قیمت سے نہ مثل سے اس واسطے کہ ہم ممنوع ہیں اس کی ذات کی تملیک سے اگرچہ تملیک کا فعل جائز ہے **م** جواز فعل تملیک سے صحت اور ثواب مراد ہے کذا فی الطحطاوی **بخلاف الصلیب حیث تضمن قیمتہ صلیبا لانہ مال متقوم فی حقہ وقد امرنا بترکہم وما یدینون** زیلعی برخلاف اتلاف صلیب کے یعنی اگر کوئی مسلمان نصرانی ذمی کا چلیپا تلف کر ڈالے تو اس کے مانند چلیپا کی قیمت کا تاوان دیا جاوے گا اس لیے کہ چلیپا مال متقوم ہے ذمی کے حق میں اور ہم مامور ہیں ان کے دین کے عدم تعرض پر کذا فی الزیلعی **وحرمہا محمد ای الاشربۃ المتخذۃ من العسل والتین**

[لہ] پینے کی چیز گاڑھی سیاہ رنگ ۱۲

ونحوہما قال المصنف مطلقا قلیلہا وکثیرہا وبہ یفتی ذکرہ الزیلعی وغیرہ اور حرام کہا ہے ان کو محمدؒ نے مصنف نے شرح میں میں کہا یعنی جو شرابیں کہ بنائی جاویں شہد اور انجیر اور ان کے مانند سے وہ محمد کے نزدیک مطلقا حرام ہیں خواہ قلیل ہوں خواہ کثیر اور اسی قول پر فتوی ہے ایسا ذکر کیا ہے زیلعی وغیرہ نے ھ قہستانی نے کہا خلاصہ یہ ہے کہ حبوب اور حلاوات کا نبیذ یعنی ان کا بوزہ بشروط مذکورہ شیخین کے نزدیک حلال ہے تو جو ان کو پی کر مست ہو اس پر حد نہیں اور اس کی طلاق واقع نہیں اور محمدؒ کے نزدیک وہ حرام ہے اور طلاق واقع ہوگی چنانچہ کافی میں ہے اور محمدؒ کے قول پر فتوی ہے چنانچہ کفایہ وغیرہ میں ہے حموی نے کہا قول اصح اور مختار ہمارے زمانہ میں یہ ہے کہ اشربہ مذکورہ سے جو نشا کرے علی العموم اس کا قلیل اور کثیر حرام ہے کسی نوع سے ہو بدلیل حدیث صحیح مسلم کہ کل مسکر خمر و کل مسکر حرام (یعنی جو نشہ کرنے والی چیز ہے وہ خمر ہے اور ہر مسکر حرام ہے اور بدلیل حدیث مسند احمدؒ و ابن ماجہؒ و دار قطنی کہ (ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام) یعنی جس چیز کا کثیر نشہ کرتا ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے اور فتوی محمد کے قول پر ہے اور بزازیہ میں ہے کہ محمد کے نزدیک قلیل اس کا اور کثیر سب حرام ہے فقہا نے کہا کہ ہم محمدؒ کے قول کو لیتے ہیں اور محمد کا مذہب یہ ہے کہ وہ نجس ہے جیسا مذہب شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ اور ابو داؤدؒ ظاہری کا ہے انتہی اور یہ اختلاف شیخینؒ اور محمدؒ کا چار اشربہ حلال میں ہے اور اشربہ محرمہ میں سے تو قدر قلیل باتفاق شیخینؒ اور محمدؒ کے حرام ہے گو کہ اس قدر سے نشہ نہ ہوا اگرچہ حد لازم نہ ہوگی بدوں نشہ کرنے کے کذا فی الطحطاوی مختصرا واختارہ شارح الوہبانیۃ وذکر انہ مروی عن الکل اور پسند کیا ہے محمدؒ کے قول کو وہبانیہ کے شارح نے اور ذکر کیا ہے کہ قول مذکور یعنی وجوب حد مروی ہے شیخینؒ اور محمدؒ سب سے ھ اور جب حد واجب ہوئی تو حرمت ثابت ہوگئی شرح وہبانیہ میں عبارت سے یوں مذکور ہے کہ صدر الاسلام ابو الیسر بزدوی سے حکایت ہے کہ اس نے ہمارے سب اصحاب سے یہ روایت پائی کہ حد واجب ہے اس واسطے کہ جس سے نشہ واقع ہو وہ حرام ہے اور نشہ فساد کا سبب ہے تو حد واجب ہوئی تا کہ اس کے پینے سے لوگ باز رہیں تا روئے زمین سے فساد دفع ہو اور یہ امر تو موجود ہے خمر کے سوا باقی اشربہ میں بھی کذا فی الطحطاوی ملخصا ونظمہ فقال ؎ وفی عصرنا فاختیر حد واوقعوا ٭ طلاقا لمن مسکر الحب یسکر وعن کلہم یروی وافتی محمد ٭ بتحریم ما قد قل وہو المحرر ٭ اور شرح وہبانیہ نے اس کو نظم کیا ہے سو یوں کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں وجوب حد مختار ہے اور علما نے طلاق واقع کر دی ہے اس شخص کی جو اناج کی شراب یعنی بوزے سے مست ہوا اور شیخینؒ اور محمدؒ سب علما سے وجوب حد مروی ہے اور محمد نے قلیل کی بھی تحریم کا فتوی دیا ہے اور یہی قول منقح اور محقق ہے وفی طلاق البزازیۃ وقال محمد ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام وہو نجس ایضا ولو سکر منہا المختار فی زماننا انہ یحد زاد فی الملتقی ووقوع طلاق من سکر منہا تابع للحرمۃ والکل حرام عند محمد وبہ یفتی والخلاف انما ہو عند قصد التقوی اما عند قصد التلہی فحرام اجماعا انتہی وتمامہ فیما علقتہ علیہ اور بزازیہ کی کتاب الطلاق میں ہے اور محمد نے کہا کہ جس چیز کا کثیر نشہ کرے اس کا قلیل بھی حرام ہے اور وہ ناپاک بھی ہے اور اگر اس سے کوئی مست ہو تو ہمارے زمانہ میں قول مختار یہ ہے کہ اس پر حد ماری جائے ملتقی میں اتنا زیادہ کہا ہے کہ جو شخص مست ہوا اس کے پینے سے تو اس کی طلاق کا واقع ہونا حرام ہونے کا تابع ہے اور سب مسکرات حرام ہیں محمدؒ کے نزدیک اور اسی قول پر فتوی ہے اور یہ خلاف شیخینؒ اور محمدؒ کا تو قصد تقویت پر مخصوص ہے اور لہو لعب کے قصد سے تو قلیل اور کثیر جمیع مسکرات کا باجماع شیخینؒ اور محمدؒ کے حرام ہے انتہی ما فی الملتقی اور پورا بیان اس کا اس شرح میں ہے جو ہم نے ملتقی پر لکھی ہے زاد القہستانی ان لبن الابل اذا اشتد لم یحل عند محمد خلافا لہما والسکر منہ حرام بلا خلاف والحد والطلاق علی الخلاف قہستانی نے اس قدر زیادہ بیان کیا کہ اونٹ کا دودھ جب جوش کھا کر مستی لاوے تو محمد کے نزدیک حلال نہیں برخلاف شیخینؒ کے اور نشہ ہونا اس سے تو بلا خلاف حرام ہے اور اس کے مست پر حد واقع ہونا اور اس کی طلاق واقع ہونی اسی خلاف پر مبنی ہے یعنی شیخین کے نزدیک واقع نہ ہوگی اور محمد کے نزدیک واقع ہوگی وکذا لبن الرماک ای الفرس اذا اشتد لم یحل وصحح فی الہدایۃ حلہ وفی الخزانۃ انہ یکرہ تحریما عند عامۃ المشائخ علی قولہ اور اسی طرح گھوڑی کا دودھ جب کہ جوش کھائے حلال نہیں اور ہدایہ میں اس کے حلال ہونے کو صحیح کہا ہے یعنی امام کے کے نزدیک تا عدم سکر اور خزانہ میں یوں ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے سب مشائخ کے نزدیک امام کے قول پر ھ حلت اس وقت تک ہے جب تک نشا نہ کرے

زیلعی میں قول اصح یہ ہے کہ گھوڑے کا دودھ امامؒ کے نزدیک حلال ہے بموجب ذکر کرنے صاحب ہدایہ کے اس لیے کہ اس کے گوشت کی کراہت احترام کے سبب سے ہے اور اس لیے کہ مادہ جہاد منقطع نہ ہو جائے تو یہ کراہت اس کے دودھ کی طرف متعدی نہ ہوگی انتہی کذا فی الطحطاوی **وحل الانتباذ اتخاذ النبیذ فی الدباء جمع دباۃ وہی القرع** حلال ہے نبیذ بنانا تونبیوں میں دباء بتشدید باء جمع ہے دباءۃ کی جو بمعنی کدو ہے **والحنتم جرۃ خضراء والمزفت المطلی بالزفت ای القیر والنقیر الخشبۃ المنقورۃ وما ورد من النہی نسخ** اور حلال ہے نبیذ بنانا حنتم یعنی سبز گھڑے اور مرتبان میں اور اس برتن میں جس پر زفت یعنی روغن قیر کا ملا ہے اور لکڑی کے کھدے ہوئے برتن میں اور جو حدیث میں ان ظروف کے استعمال سے نہی وارد ہے سو منسوخ ہے م محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں عن ابی حنیفۃ عن علقمۃ بن مرثد عن ابی برید عن ابیہ حدیث مرفوع روایت کی کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو اب زیارت کیا کرو اور بیہودہ گوئی نہ کرو اور محمدؐ کو اپنی ماں کی زیارت کا حکم ہوا اور منع کیا تھا قربانی کے گوشت کو کہ تین دن سے زیادہ نہ رکھا جاوے سو اب رکھو جتنا تم چاہو منع اسی واسطے کیا تھا کہ مالدار فقیر پر کشائش کرے اور دباء اور حنتم اور مزفت میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا سو اب پیو ہر برتن میں اس واسطے کہ برتن کسی چیز کو حلال اور حرام نہیں کرتا اور نہ پیو نشہ کرنے والی چیز کو کذا فی العینی شرح الہدایہ ان برتنوں میں شراب بنائی جاتی ہے سو اگر ان میں شراب ہو تو بعد پاک کرنے کے ان کا استعمال درست ہے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر پرانا برتن ہو تو تین بار دھو ڈالے اور اگر نیا برتن ہو تو محمدؒ کے نزدیک وہ کبھی پاک نہیں ہوتا اور ابو یوسف کے نزدیک تین بار دھونے اور ہر بار خشک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں بار بار پانی بھرے اور گراتا رہے یہاں تک کہ صاف پانی نکلے جس میں نہ شراب کا مزا ہے نہ رنگ نہ بو فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ اسی قول پر فتوی ہے **وکرہ شرب دردی الخمر ای عکرہ والامتشاط بالدردی لان فیہ اجزاء الخمر وقلیلہ ککثیرہ کما مر ولکن لایحد شاربہ عندنا بلا سکر وبہ یحد اجماعا** اور خمر کی تلچھٹ پینا اور اس کو کنگھی میں ملا کر بالوں میں لگانا مکروہ ہے اس واسطے کہ درد اور تلچھٹ میں خمر کے اجزا موجود ہیں اور خمر کا قلیل اس کے کثیر کے مانند حرام ہے چنانچہ مذکور ہو چکا ولیکن اس کے پینے والے پر ہمارے نزدیک حد نہ ماری جاوے گی بدوں نشہ کے اور نشہ کے ساتھ باجماع حد ماری جاوے گی **ویحرم اکل البنج والحشیشۃ ہی ورق القنب والافیون لانہ مفسد للعقل ویصد عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ** اور بنج یعنی خراسانی اجوائن اور حشیشہ یعنی ورق القنب اور افیون کا کھانا حرام ہے اس واسطے کہ ہر واحد اشیاء ثلثہ سے مفسد عقل ہے اور یاد خدا سے اور نماز سے باز رکھتا ہے اور روکتا ہے م طحطاوی نے بنج اور حشیش میں عطف تفسیری سمجھا ہے حالانکہ یہ خطا ہے اس لیے کہ بنج بفتح باء موحدہ وسکون نون خراسانی اجوائن ہے اور حشیش ورق القنب یعنی بنگ ہے جس کو جاہل فقیر پیتے ہیں چنانچہ بنج کی ماہیت مخزن الادویہ میں یوں مذکور ہے کہ بنج یعنی خراسانی اجوائن نباتی ست شبیہ بہ برگ بادرنجبویہ ولبسیار غلیظ در طول وعرض ازاں بزرگ تر ولبسیار سبز مائل بسیاہی وبرگ وساق غلیظ آں مزغب وثمر آں در غلافی شبیہ بشکل انار وشاخہائے آں یکے زیر دیگرے ومملو از تخمے شبیہ بحلبہ ولبسیار ریزہ ترازاں وغیر مدور وسہ نوع است سیاہ وسرخ وسفید ہر دو نوع اول باسمیت وغیر مستعمل ونوع سوم کہ مفید است مستعمل وکمیاب بعضے سرخ آنرا استعمال نمایند اور صاحب مخزن نے قنب میں کہا کہ بفارسی کتب وبنگ وبہندی بھانگ وباصطلاح ورق الخیال وحشیش وحشیشۃ الفقراء گویند درخت آں بلند وساق آں مجوف وگل آں سفید وتخم آں مدور کہ آں را شہدانج ولبفارسی شاہدانہ گویند انتہی شیخ الاسلام عینی نے شرح ہدایہ میں بنج کی ماہیت صاحب مخزن کے مانند ذکر کی ہے اور کہا تو اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ بنج وہ گھاس ہے جس کو قلندریہ استعمال کرتے ہیں جو لغت عرب میں حشیش مشہور ہے سو غلط اور خطا ہے بلکہ بنج مغایر ہے حشیش کی اس واسطے کہ حشیش قاتل نہیں لیکن مخدر[1] اور مفتر اور مکسل ہے اور اس میں اوصاف ذمیمہ ہیں لہذا متاخرین کا اس کی تحریم پر اجماع واقع ہو گیا ہے شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اپنی شرح میں کہا کہ قلیل سقمونیا اور بنج مباح ہے دوا کے واسطے اور جو اس پر زیادہ ہو اور قتل کرے یا عقل کو زائل کرے وہ حرام ہے انتہی ما فی العینی طحطاوی نے قہستانی عن شرح اللباب سے نقل کیا کہ

---

[1] سن کرنے والی اور سستی کرنے والی ۱۲

بنج دو قسم ہے ایک مزیل عقل وہ حرام ہے اسی پر فتویٰ ہے اور دوسری قسم مباح ہے افیون کے مانند اس واسطے کہ اگرچہ اس سے اختلال عقل ہوتا ہے لیکن زوال عقل نہیں ہوتا اور ہدایہ وغیرہ میں جو اباحت بنج کی مذکور ہے وہ اسی قسم ثانی پر محمول ہے انتہیٰ لکن دون حرمۃ الخمر فان اکل شیئا من ذلک لا حد علیہ وان سکر منہ بل یعزر بما دون الحد کذا فی الجوہرۃ خراسانی اجوائن اور بنگ اور افیون حرام ہے لیکن حرمت خمر سے ان کی حرمت کمتر ہے سو اگر کوئی شخص ان میں سے کھائے تو اس پر حد نہیں اگرچہ اس سے مست ہو جائے بلکہ اس کو تعزیر دی جائے حد سے کمتر کذا فی الجوہرۃ وکذا تحرم جوز الطیب لکن دون حرمۃ الحشیشۃ قالہ المصنف اور اسی طرح جوز الطیب یعنی جائے پھل حرام ہے لیکن اس کی حرمت بنگ کی حرمت سے کمتر ہے ایسا کہا ہے مصنف نے ثم مصنف نے شرح میں حرمت جائے پھل شافعیہؒ سے نقل کی ہے اور اس کو ثابت رکھا ہے اپنے قواعد کے موافق جان کر کذا فی الطحطاوی مخزن الادویہ میں مذکور ہے کہ جوز الطیب مسکر ہے ونقل عن الجامع وغیرہ من قال بحل البنج والحشیشۃ فہو زندیق مبتدع بل قال نجم الدین الزاہد انہ یکفر ویباح قتلہ ثم مصنف نے شرح میں جامع وغیرہ سے نقل کیا کہ جو بنج اور بنگ کے حلال ہونے کا قائل ہو وہ ملحد بدعتی ہے بلکہ نجم الدین زاہد نے کہا کہ وہ منسوب بہ کفر ہے اور اس کا قتل مباح ہے ثم مصنفؒ نے جامع الفتاوی سے یہ نقل کیا کہ حافظ الدین نے شرح تمرتاشی سے ذکر کیا کہ شمس الائمہ سرخسی سے حلت اور حرمت حشیش یعنی بھنگ کا سوال ہوا سو کہا کہ امام ابوحنیفہؒ سے کچھ منقول نہیں اس واسطے کہ ان کے وقت میں اس کا استعمال مشہور نہ تھا تو اباحت پر باقی رہا اور سلف سے بھی کچھ منقول نہیں مزنی کے زمانے تک جو شاگرد ہیں امام شافعی کے اور اسد بن عمر شاگرد امام اعظمؒ کے عراق اور عجم میں تھے اور وہ اس کی اباحت کے قائل تھے پھر جب اس کی بلا عام ہو گئی اور یہ فتنہ عام میں پھیلا اور سفاہت عقل پر غالب ہو گئی اس کے استعمال سے تو تمام علماء ماوراء النہر نے مزنی کے مانند اس کی حرمت اور اس کے جلانے اور اس کے بائع کی تعزیر کا فتویٰ دیا تو اب شافعیؒ اور حنفیؒ دونوں مذہبوں کا اس کے حرام ہونے پر فتویٰ ہے یہاں تک کہ اس کی حلت کے قائل کو زندیق اور مبتدع کہا ہے اور حکم کیا ہے کہ جو بھنگ سے مست ہو اور طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہو گی زجر اور توبیخ کی وجہ سے کذا فی الطحطاوی قلت ونقل شیخنا النجم الغزی الشافعی فی شرحہ علی منظومۃ ابیہ البدر المتعلقۃ بالکبائر والصغائر عن ابن حجر المکی انہ صرح بتحریم جوز الطیب باجماع الائمۃ الاربعۃ وانہا مسکرۃ میں کہتا ہوں اور ہمارے استاد نجم غزی شافعی مذہب نے اپنی شرح میں جو ان کے باپ بدر الدین کی منظومہ پر ہے جو کبائر اور صغائر کے بیان میں ہے ابن حجر مکی سے یوں کہا ہے کہ اس نے تصریح کی ہے جائے پھل کے حرام ہونے پر باتفاق چاروں اماموں کے اور یہ کہ وہ نشہ کرتا ہے ثم قال شیخنا النجم والتتن الذی حدث و کان حدوثہ بدمشق فی سنۃ خمسۃ عشر بعد الالف یدعی شاربہ انہ لا یسکر وان سلم لہ فانہ مفتر وہو حرام لحدیث احمد عن ام سلمۃ قالت نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر قال ولیس من الکبائر تناولہ المرۃ والمرتین ومع نہی ولی الامر عنہ حرم قطعا علی ان استعمالہ ربما اضر بالبدن نعم الاصرار علیہ کبیرۃ کسائر الصغائر انتہی بحرفہ پھر کہا ہمارے استاد نجم شافعیؒ نے کہ تنباکو جو نو پیدائش ہے اور اس کی پیدائش دمشق شام میں ایک ہزار پندرہ سال ہجری میں ہوئی اس کا پینے والا یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ نشہ نہیں کرتا اگر اس کے عدم سکر کو مان لیجیے تو البتہ وہ مفتر ہے یعنی اگرچہ عقل کو زائل نہیں کرتا مگر حواس کو منکسر اور ضعیف کرتا ہے اور جو چیز مفتر ہے وہ حرام ہے بدلیل اس حدیث کے جو مسند احمد میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ منع فرمایا رسول خدا صلعم نے ہر مسکر اور مفتر یعنی نشہ کرنے والی اور سست کرنے والی چیز سے کہا نجم مذکور نے کہ تنباکو کا ایک دو بار استعمال کرنا کبیرہ گناہ نہیں اور باوجود منع کر دینے سلطان وقت کے وہ یقینا حرام ہے علاوہ یہ کہ اس کا استعمال اکثر بدن کو ضرر کرتا ہے ہاں اس کو ہمیشہ استعمال اکثر بدن کو ضرر کرتا ہے ہاں اس کو ہمیشہ استعمال کرنا کبیرہ گناہ ہے جیسے باقی صغائر کا دوام کبیرہ گناہ ہو جاتا ہے انتہی کلام النجم الشافعیؒ بلفظہ ثم ابوالسعود مفتی روم نے کہا کہ تنباکو کی حرمت علماء شافعیہؒ کے مخالف ہے اس واسطے کہ شافعیہؒ نے تصریح کی ہے کہ اگر زوجہ حقہ پیتی ہو تو زوج پر اس کا سامان کر دینا واجب ہے انتہی اور ہم نے ثقات شافعیہ سے دریافت کیا سو انہوں نے کہا کہ جو ابن حجر نے حرمت بیان کی ہے سو قول ضعیف ہے اور مذہب صحیح یہ ہے کہ تنباکو مکروہ تنزیہی ہے مگر لعارض

اور حفظ اس وقت زوج پر واجب ہے جب زوجہ کو اس کی عادت ہو اور ترک اس کا ضرر نہ کرے تو از قبیل تفکہات ہوگا اور اگر اس کا ترک ضرر کرتا ہو تو من قبیل علاج کے ہوگا تو اب زوج پر لازم نہ ہوگا انتہی کلام الشافعیۃ اور یہ جو ضرر بدن کا مذکور کیا سو حقیقت حال یہ ہے کہ یہ مختلف ہے اختلاف مستعملین کے یعنی ہر کسی کو مضر ہے اور کسی کو نافع و فی الاشباہ فی قاعدۃ الاصل الاباحۃ او التوقف و یظہر اثرہ فیما اشکل حالہ کالحیوان المشکل امرہ والنبات المجہول سمتہ انتہی قلت فیفہم منہ حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبہ اور اشباہ میں اس قاعدہ کے اندر کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یا توقف اور ظاہر ہوتا ہے اثر اس قاعدے کا اس چیز میں جسکا حال معلوم نہیں چنانچہ وہ جانور جسکا حال معلوم نہیں اور وہ گھاس جسکا زہر ہونا ثابت نہیں ہوا انتہی کلام الاشباہ میں کہتا ہوں تو اس قاعدے سے پوچھا جاتا ہے حکم اس گھاس اور بوٹی کا جو ہمارے زمانہ میں شائع اور پھیل گئی ہے جس کا نام تتن یعنی تمباکو ہے تو خبردار رہنا ہم یعنی بموجب اس قاعدہ کے اصل اشیا میں اباحت ہے تمباکو مباح ہے اور بموجب اس قاعدہ کے اصل اشیا میں توقف ہے یعنی نہ اباحت ہے نہ حرمت بلا حکم شرع کے تو نہ مباح ہے نہ حرام وقد کرہہ شیخنا العمادی فی ہدیۃ الحاقا لہ بالثوم والبصل بالاولی فتدبر اور البتہ تمباکو کو ہمارے استاد عمادی نے اپنے رسالہ ہدیۃ العمادی میں مکروہ کہا ہے اس کو لہسن پیاز کے ساتھ بطریق اولی ملحق کر کے سو اس کو غور کر لے امام مفتی روم ابو السعود نے کہا کہ مراد کراہت تنزیہی ہے لہسن پیاز کے الحاق کی دلیل سے اور مکروہ تنزیہی سے جواز نکلتا ہے انتہی اس الحاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں حقہ پینا مکروہ تحریمی ہے جیسے لہسن پیاز وہاں مکروہ تحریمی ہے اور قرآن خوانی کے وقت اس کا استعمال صریح بے ادبی ہے کذا فی الطحطاوی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے جواب استفتا میں بیان کیا ہے کہ جو لوگ (کل دخان حرام)[1] سے قلیان کشی کو حرام کہتے ہیں سو یہ حدیث نہیں لیکن حقہ کشی کو تین امر لازم ہیں ایک تو بدبو آنا حقہ کش کے منہ سے دوسرے ملابست آتش کی تیسرے دھواں نکلنا منہ سے کہ مشابہ اہل دوزخ ہے ہر چند ہر واحد کراہت تنزیہی کا موجب ہے لیکن باجتماع امور ثلثہ کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے انتہی ملخص کلامہ الشریف واللہ اعلم و من جزم بحرمۃ الحشیشۃ شارح الوہبانیۃ فی الحظر و نظمہ فقال ؎

وافتوا بتحریم الحشیش وحرقہ ؞ وتطلیق محتش لزجر و قرروا ؞ لبائعہ التادیب والفسق اثبتوا ؞ وزندقۃ للمستحل و حرروا ؞

اور ان علما میں سے جو بنگ کی حرمت پر یقین کر چکے ہیں شارح وہبانیہ نے بیان کیا ہے اس کو کتاب الحظر میں اور اس کو نظم کیا ہے اور یوں کہا ہے اور علما نے فتوی دیا ہے بنگ کے حرام ہونے اور اس کے جلا دینے اور بنگ نوش کی طلاق واقع ہونے پر زجر اور توبیخ کی وجہ سے اور ثابت کی ہے علما نے بنگ فروش کی تعزیر اور فسق اور اس کے حلال کہنے والے کا زندقہ اور کفر ثابت کیا ہے اور اس کو منقح اور محقق بیان کیا ہے واللہ اعلم و استغفر اللہ الکریم ؞

* * *

---

[1] ہر دھواں حرام ہے ۱۲

کتاب الصید

یہ کتاب ہے صید یعنی شکار کے احکام میں ہم قہستانی نے مطرزی سے نقل کیا کہ صید وہ حیوان ممتنع متوحش ہے جس کا پکڑنا ممکن نہیں مگر بحیلہ تو ممتنع کی قید سے مرغی اور بط نکل گئی اس لیے کہ ممتنع سے وہ مراد ہے کہ اس کے پاؤں یا پر ہوں جن سے وہ بھاگ سکے اور متوحش کی قید سے کبوتر نکل گیا اس واسطے کہ متوحش سے مراد یہ ہے کہ آدمیوں سے مالوف نہ ہو نہ رات نہ دن اور وحشت طبیعی کی قید سے وہ پالو جانور نکل گیا جو وحشی ہو گیا کہ وہ شکار کرنے سے حلال نہیں بلکہ ذکوۃ ضرورت سے حلال ہے اور اسی قید سے متوحش مالوف داخل ہوا صید میں چنانچہ پالو ہرن جس کا پکڑنا ممکن نہیں مگر بحیلہ لعل مناسبتہ ان کلامنہما یورث السرور شاید کہ مناسبت صید کی کتاب الاشربہ سے یہ ہے کہ دونوں چیز مورث سرور ہوتی ہیں ہو مباح لخمسۃ عشر شرطا مبسوطۃ فی العنایۃ وسنقررہ فی اثناء المسائل شکار کرنا مباح ہے پندرہ شرطوں سے جو مفصل مذکور ہیں عنایہ میں اور ہم ان کی تقریر بیان کریں گے اس کتاب کے اثناء مسائل میں ہم مجملہ شروط مذکورہ پانچ شرطیں ہیں شکار کرنے والے میں ۱ ہونا اس کا مسلم یا کتابی ۲ چھوڑنا اس کا کلب یا باز کو ۳ شریک نہ ہونا اس کے چھوڑتے میں غیر مسلم یا کتابی کا ۴ ترک بسم اللہ عمداً نہ کرنا ۵ چھوڑنے اور شکار کے پکڑنے کے اندر دوسرے کام میں مشغول نہ ہونا اور یہ پانچ شرطیں کلب وغیرہ میں ہیں ۱ معلم ہونا اس کا یعنی تعلیم یافتہ ہو ۲ جانا اس کا بطریق چھوڑنے کے ۳ عدم مشارکت کلب غیر معلم کی ۴ قتل کرنا شکار کا زخم سے ۵ شکار کا نہ کھانا اور پانچ شرطیں شکار میں ہیں ایک اس کی خورش نیش دار دانت اور چنگل سے نہ ہو ۲ شکار کا حشرات الارض سے نہ ہونا ۳ سوائے مچھلی کے آبی جانور نہ ہونا ۴ قادر ہونا شکار کا اپنے بچانے پر اپنے پاؤں سے یا پروں سے ۵ مرجانا شکار کا شکار کرنے سے قبل اس کے ذبح کرنے کے کذا فی العالمگیریہ عن النہایۃ پہلی تینوں شرطیں حلت اکل کے واسطے ہیں نہ مطلق شکار کے واسطے ا منح الغفار میں ہے کہ شکار کا سبب مختلف ہوتا ہے شکاری کے اختلاف حال سے اس لیے کہ شکار کرنا کبھی حاجت کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اظہار بہادری کے واسطے اور کبھی دل بہلانے کے واسطے اور غایۃ البیان میں ہے کہ شکار کرنا مباح ہے حلال جانور میں اور حرام میں حلال تو کھانے کے واسطے اور حرام جانور کا شکار اور غرض کے واسطے یا اس کی کھال یا بال سے فائدہ لینا یا دفع اذیت کے واسطے منح الغفار میں ہے کہ شکار کرنا مشروع ہے قرآن سے قال اللہ تعالیٰ واذا حللتم فاصطادوا وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما یعنی جب تم حلال ہو یعنی محرم نہ ہو تو شکار کرو اور حرام کر دیا گیا تم پر شکار کرنا خشکی میں جب تک تم محرم ہو اور مشروع ہے حدیث سے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی بن حاتم سے کہ جب اپنا کتا چھوڑے تو اس پر بسم اللہ کہہ پھر اگر اس نے شکار پکڑ رکھا اور تو نے اس کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کر اور اگر تو نے اس کو مقتول پایا اور حالانکہ کتے نے اس کو نہیں کھایا تو اس کو کھا اس واسطے کہ کتے کا پکڑنا بھی ذبح ہے یہ حدیث بخاری اور مسلم اور مسند احمد میں ہے اور اجماع امت اس کے مشروع ہونے پر قائم ہے اور عقل سے بھی اس کی خوبی ثابت ہے اس واسطے کہ یہ قسم ہے اکتساب کی اور یہ اکتساب مباح ہے انتہی ما فی المنح الا للمحرم فی غیر الحرم شکار کرنا مباح ہے مگر محرم کو غیر حرم میں مباح نہیں ہم حلبی نے کہا یوں کہنا بہتر تھا الا المحرم او فی الحرم یعنی شکار مباح ہے مگر محرم کو یا حرم میں مباح نہیں اس واسطے کہ یہ عبارت تینوں شکاروں کو شامل ہے شکار محرم کو حل یا حرم میں اور شکار حلال کو حرم میں اھ ملتقی کما ہو ظاہر یا شکار کرنا مباح ہے مگر لہو ولعب کے واسطے چنانچہ یہ ظاہر ہے او حرفۃ علی ما فی الاشباہ قال المصنف

وانما زدتہ تبعا لہ والا فالتحقیق عندی اباحۃ اتخاذہ حرفۃ لانہ نوع من الاکتساب وکل انواع الکسب فی الاباحۃ سواء علی المذہب الصحیح کما فی

البزازیۃ وغیرہا یا شکار کرنا مباح ہے مگر شکار کا پیشہ اختیار کرنا مباح نہیں بہ عدم اباحت بموجب اشباہ کے ہے مصنف نے شرح میں کہا کہ میں نے عدم اباحت حرفہ متن میں زیادہ کی اشباہ کی تبعیت سے ورنہ میرے نزدیک شکار کے پیشہ اختیار کرنے کی اباحت تحقیق ہے اس واسطے کہ یہ بھی ایک قسم ہے اکتساب کی اور سب اقسام اباحت کے برابر ہیں بموجب مذہب صحیح کے چنانچہ بزازیہ وغیرہ میں ہے م مصنف شاگرد ہے صاحب اشباہ کا ادب کی راہ سے اس کے قول ضعیف کو بھی علانیہ رد نہ کیا لنصب شبکۃ لصید ملک ما تعلق بہا بخلاف ما اذا نصبہا للجفاف فانہ لا یملک ما تعلق بہا ایک شخص نے شکار کے واسطے جال لگایا تو وہ مالک ہوگا اس جانور کا جو اس میں پھنس گیا برخلاف اس صورت کے جب کہ جال لگایا اس کے خشک کرنے کے لیے تو وہ مالک نہ ہوگا اس کا جو پھنس گیا اس میں م تو اول صورت میں دوسرا شخص شکار کو نہیں لے سکتا اور دوسری صورت میں جو شخص اس کو پکڑ لے گا مالک ہوگا جال والا اس سے نہیں لے سکتا وان وجد المقلش او غیرہ خاتما او دینارا مضروبا بضرب الاسلام لا یملکہ ویجب تعریفہ اور اگر نیاریا یا کوئی اور شخص انگوٹھی یا اشرفی جس پر اسلام کا سکہ ہے پاوے تو اس کا مالک نہ ہوگا اور اس کی تعریف یعنی پہنچوانا واجب ہے کہ جس کا ہو سو اس کو لے م مقلش بضم میم وسکون قاف وکسر لام وشین معجمہ عرف میں اس کو کہتے ہیں جو زمین کی مالیت کی چیز تلاش کرتا پھرے کذا فی الطحطاوی اور جس پر ضرب کفر کی ہو وہ رکاز میں داخل ہے اعلم اسباب الملک ثلثۃ ناقل کبیع وہبۃ وخلافۃ کارث واصالۃ وہو الاستیلاء حقیقۃ بوضع الید او حکما بالتہیئۃ کنصب شبکۃ لصید لا لجفاف علی المباح الخالی عن مالک فلو استولی فی مفازۃ علی حطب غیرہ لم یملکہ ولم یحل للمقلش ما یجدہ بلا تعریف معلوم کر کہ ملک کے سبب تین ہیں ایک سبب ناقل ہے یعنی ایک مالک سے دوسرے مالک کی طرف ملکیت منقول ہو جائے جیسے بیع اور ہبہ سے ملک دوسرے کی ہو جاتی ہے اور دوسرا سبب ملک کا خلافت ہے یعنی ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کا مالک ہونا چنانچہ میراث اور تیسرا سبب ملک کی اصالت ہے یعنی استیلا اور قادر ہونا اس مباح چیز پر جو خالی ہے مالک سے خواہ حقیقۃ استیلا اور قدرت ہو تصرف میں کر لینے سے یا حکما قدرت ہو اس کے تہیہ اور سامان کرنے سے چنانچہ جال کا لگانا شکار کے واسطے نہ جال خشک کرنے کے لیے تو اگر ایک شخص مستولی ہو جنگل میں غیر شخص کی لکڑی پر تو مالک نہ ہوگا یعنی اس واسطے کہ ملک غیر سے خالی نہیں اور زمین کے تلاش کرنے والے کو حلال نہیں وہ چیز جو پاوے بدوں تعریف کے و تمام التعریف[1] فی المطولات اور شکار کی تعریف تمام بڑی بڑی کتابوں میں ہے م تمام تعریف صید کی قہستانی سے ترجمہ میں مذکور ہو چکی ویحل الصید بکل ذی ناب ومخلب تقدم فی الذبائح من کلب وباز ونحوہما ویشترط قابلیۃ التعلیم وبشرط کونہ لیس بنجس العین اور حلال ہے شکار کرنا ہر نیش دار اور چنگل گیر سے کتا ہو یا باز اور مانند ان کے چنانچہ چیتا اور شکرا بشرط قابل ہونے تعلیم کے اور بشرط اس کے نجس العین نہ ہونے کے کتاب الذبائح میں نیشدار اور چنگل گیر کی تفصیل ہو چکی یعنی ہر نیشدار اور ہر چنگل والا مراد نہیں اس لیے کہ اونٹ بھی نیش دار ہوتا ہے اور کبوتر چنگل والا لیکن یہ شکار نہیں کرتے نیش اور چنگل سے ثم فرع علی ما مہد من الاصل بقولہ فلا یجوز الصید بدب واسد لعدم قابلیتہما التعلیم فانہما لا یعملان للغیر الاسد لعلو ہمتہ والدب لخساستہ والحق بعضہم بالدب الحداۃ لخساستہا پھر مصنفؒ نے تفریع کی اس قاعدے پر جس کی تمہید کی اس قول سے تو جائز نہیں شکار کرنا ریچھ اور شیر سے اس واسطے کہ ان میں تعلیم کی قابلیت نہیں کیونکہ وہ دونوں غیر کے لیے عمل نہیں کرتے شیر اپنی علو ہمت سے غیر کا کام نہیں کرتا اور ریچھ بسبب اپنی خساست اور حرص کے دوسرے کا کام نہیں کرتا اور بعضوں نے ریچھ کے ساتھ چیل کو بھی ملحق کیا ہے اس کی خساست کی وجہ سے م اور بعضوں نے بھیڑیے کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا ولا بخنزیر لنجاسۃ عینہ وعلیہ فلا یجوز بالکلب علی القول بنجاسۃ عینہ الا ان یقال ان النص ورد فیہ فتنبہ اور سور سے شکار کرنا درست ہے اس کے نجس العین ہونے کے سبب سے اور بموجب اس قاعدے کے

---

[1] ایک نسخہ میں التفریع بجائے تعریف کے یعنی اس مسئلے کی پوری تفریع بڑی کتابوں میں ہے ۱۲

تو کتے سے بھی شکار جائز نہ ہوا ان لوگوں کے نزدیک جو کتے کو نجس العین کہتے ہیں مگر یوں جواب دیجیے کہ کتے کے جواز شکار میں نص وارد ہے تو کتا مستثنیٰ ہے اس قاعدے سے آگاہ رہنا وبہ یندفع قول القہستانی ان الکلب نجس العین عند بعضہم والخنزیر لیس بنجس العین عند ابی حنیفۃ علی ما فی التجرید وغیرہ فتامل اور اس جواب سے قہستانی کا یہ قول مندفع ہوتا ہے کہ کتا نجس العین ہے بعضوں کے نزدیک اور سور نجس العین نہیں ابوحنیفہ کے نزدیک چنانچہ تجرید وغیرہ میں ہے سو تامل کر لے وبشرط علمہما علی ذی ناب ومخلب نیش دار اور چنگل گیر کا شکار حلال ہے ان کی تعلیم یافتگی کی شرط سے وذا بترک الاکل اما الشرب من الصید فلا یضر قہستانی وبانی تلثا فی الکلب نحوہ وبالرجوع اذا دعوتہ فی البازی ونحوہ اور یہ یعنی ان کی تعلیم یافتگی کتے وغیرہ میں تین بار نہ کھانے سے ثابت ہوتی ہے اور باز وغیرہ میں پلٹ آنے سے جب کہ تو اس کو بلاوے اور شکار کا خون پی لینا تو مضر تعلیم کا نہیں چنانچہ قہستانی میں ہے اور آگے مذکور ہوگا ام یعنی جب تین بار کتا شکار پکڑے اور اس کی کھال اور گوشت اور ہڈی اور پر وغیرہ کچھ نہ کھائے تو اس کا معلم ہونا ثابت ہوگا اس واسطے کہ کتے کی عادت غارتگری اور لے بھاگنا ہے اور باز وغیرہ کی عادت وحشت ہے پھر جب دونوں نے اپنی عادت چھوڑی تو تعلیم یافتگی ثابت ہوئی خواہ باز گوشت دیکھ کر پلٹ آتا ہو یا بدوں گوشت کے اور اگر باز شکار سے کچھ کھا دے گا تو یہ اس کی تعلیم یافتگی کو مضر نہیں کرتا ہے کذا فی الطحطاوی وبشرط جرحہما فی ای موضع منہ علی الظاہر وبہ یفتی اور شکار حلال ہے بشرط زخم لگانے کتے اور باز کے کسی شکار کے مقام میں بموجب ظاہر الروایہ کے اور اسی پر فتوی ہے یعنی فقط گلا زخمی کرنا شرط نہیں بلکہ زکوۃ اضطراری ہر زخم سے ثابت ہو جاتی ہے کہ جس سے خون نکل جاتا ہے وعن الثانی یحل بلا جرح وبہ قال الشافعی اور ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ شکار حلال ہوتا ہے بدوں زخم کے بھی اور یہی قول ہے امام شافعی کا وبشرط ارسال مسلم او کتابی اور شکار حلال ہوتا ہے بشرطیکہ کتے یا باز کو مسلمان یا اہل کتاب چھوڑے شکار پر یعنی اگر کتا یا باز شکار کا پیچھا کرے بدوں ارسال کے اور اس کو پکڑ کے قتل کرے تو حلال نہ ہوگا وبشرط التسمیۃ عند الارسال ولو حکما فالشرط عدم ترکہا عمدا علی حیوان ممتنع ای قادر عن الامتناع بقوائمہ او بجناحیہ متوحش فالذی وقع فی الشبکۃ او سقط فی البئر او استانس لا یحقق فیہ الحکم المذکور ولذا قال ماکول لان الکلام فی صید الاکل وان حل صید غیرہ کما سیجئ او اعم لحل الانتفاع بالجلد مثلا کما یاتی فتامل اور شکار حلال ہوتا ہے بشرطیکہ بسم اللہ کہے کتے یا باز کے چھوڑنے کے وقت جانور ممتنع متوحش ماکول پر اگرچہ بسم اللہ کہنا حقیقۃ نہ ہو بلکہ حکما تو شرط حلت عدم ترک تسمیہ عمداً ہے یعنی ترک تسمیہ نسیاناً مضر نہیں ممتنع سے اس واسطے کہ جانور اپنے بچانے پر قادر ہو اپنے پاؤں سے یا دونوں پروں سے متوحش کی قید اس واسطے لگائی کہ جو جانور جال میں پھنسا یا کنوئیں میں گر پڑا یا وحشی مانوس ہو گیا تو اس میں حکم مذکور یعنی ارسال اور زخم سے اس کی حلت ثابت نہ ہوگی بلکہ ذبح کرنے سے وہ حلال ہوگا اور اسی واسطے مصنفؒ نے شکار میں ماکول ہونے کی قید لگائی اس واسطے کہ گفتگو بیان حلال شکار میں ہے اگرچہ غیر ماکول کا بھی شکار کرنا حلال ہے چنانچہ آگے مذکور ہوگا یا عام تر ہے ماکول اور غیر ماکول سے اس واسطے کہ مثلاً کھال سے فائدہ حاصل کرنا حلال ہے چنانچہ آگے آوے گا سو تامل کر لے وبشرط ان یشرک الکلب المعلم کلب لا یحل صیدہ ککلب غیر معلم وکلب مجوسی او لم یرسل او لم یسم علیہ اور شکار حلال ہوتا ہے اس شرط سے کہ کلب معلم یعنی تعلیم یافتہ کتے کے ساتھ وہ کتا شریک نہ ہو گیا ہو جس کا شکار کرنا حلال نہیں بدوں سیکھا کتا اور مجوسی کا کتا یا وہ کتا جو چھوڑا نہ گیا بلکہ خود کتا شکار پر دوڑ پڑا یا ارسال کے وقت عمداً بسم اللہ کہنا اس پر ترک ہوا تو ان صورتوں میں شکار حلال نہ ہوگا وبشرط ان لا یطول وقفتہ بعد ارسالہ لیکون الاصطیاد مضافا للارسال اور حلال ہے شکار بشرطیکہ کتے یا باز نے چھوڑنے کے بعد شکار پکڑنے میں زیادہ وقفہ اور توقف نہ کیا ہو یہ اس واسطے شرط ہوا تاکہ شکار کرنا ارسال کی طرف منسوب اور مضاف ہو بخلاف ما اذا اکمن واستخفی کالفہد لانہ لا یمکن الفہد علی وجہ الحیلۃ لا للاستراحۃ برخلاف اس صورت کے جبکہ کتا یا باز دبک رہا اور چھپ گیا چیتے کے مانند یعنی جیسے چیتا دبک رہتا ہے بطریق حیلہ اور گھات کے نہ بطریق استراحت و آرام کے

م یہ بمنزلہ استثنا کے ہے یعنی اگر وقفہ کرنا شکار کی گھات میں مضر نہیں کرتا تو اگر چیتا یا کتا یا باز ارسال کے بعد شکار کی گھات میں دبک رہے نہ بطریق استراحت کے پھر شکار کو پکڑے اور قتل کرے تو کچھ مضائقہ نہیں شکار حلال ہے اور اگر ارسال کے بعد کچھ کھانے لگے یا پیشاب کرے تو حلال نہیں کذا فی الطحطاوی عن قہستانی عن المحیط مختصرا وللفہد خصال حسنۃ ینبغی لکل عاقل العمل بہا کما بسطہ المصنف اور چیتے کے چند عادات ہیں ہر عاقل کو لائق ہے ویسا کرنا چنانچہ مصنف نے شرح میں ان کو مفصل بیان کیا ہے؎ از انجملہ یہ ہے کہ چیتا دبک رہتا ہے یہاں تک کہ شکار پر قادر ہوتا ہے اسی طرح عاقل کو لازم ہے کہ دشمن پر عداوت ظاہر نہ کرے فرصت تاکتا رہے تا بلا مشقت مطلب حاصل ہو از انجملہ یہ ہے کہ اس کا سیکھنا مارنے سے نہیں ہوتا بلکہ کتا اس کے سامنے مارا جاتا ہے اور چیتا اس کو دیکھ کر سیکھ جاتا ہے اسی طرح عاقل کو لائق ہے کہ غیر کا حال دیکھ کر عبرت پکڑے کما قیل؎ السعید من وعظ بغیرہ از انجملہ یہ ہے کہ خبیث اور گندہ نہیں کھاتا بلکہ اپنے ملک سے طیب طلب کرتا ہے اسی طرح عاقل کو لازم ہے کہ نہ کھاوے مگر حلال طیب از انجملہ یہ ہے کہ تین بار یا پانچ بار شکار کے واسطے حملہ کرتا ہے اگر نہ پایا بیٹھ رہتا ہے کہتا ہے میں اپنی جان کیوں ہلاک کروں غیر کے واسطے ایسا ہی عاقل کو مناسب ہے کذا فی المنح عن السرخسی عن الحلوائی فان اکل منہ البازی ل لان تعلیمہ لیس بترک اکلہ پھر اگر شکار میں سے باز نے کچھ کھایا تو باقی حلال ہے کھایا جائے گا اس واسطے کہ اس کی تعلیم کھانا ترک کرنے سے نہیں بلکہ اس کی تعلیم ہے بلانے کے بعد وان اکل الکلب ونحوہ لا یوکل مطلقا عندنا اور اگر کتے اور مانند اس کے نے شکار سے کچھ کھایا تو باقی نہ کھایا جائے گا ہمارے مذہب میں طرح خواہ اس کو کھانے کی عادت ہو یا نہ ہو کاکلہ منہ اے کما لا یوکل الصید الذی اکل الکلب منہ بعد ترکہ للاکل ثلث مرات لانہ علامۃ الجہل جیسے اس کا کھانا سے یعنی جیسے وہ شکار کھایا نہیں جاتا جس میں سے کتے نے کھایا تین بار کھانا چھوڑنے کے بعد یعنی تین بار اس نے شکار پکڑا اور نہ کھایا پھر چوتھی بار کھایا شکار اس کا حلال نہیں اس واسطے کہ وہ علامت ہے اس کی جہالت اور ترک تعلیم کی وکذا لا یوکل ما صادہ بعدہ حتی یتعلم ثانیا بترک الاکل ثلثا اور اسی طرح وہ شکار بھی نہ کھایا جائے گا جو اس نے شکار کیا بعد کھا جانے کے یہاں تک کہ دوسری بار تعلیم یافتہ ہو جائے تین بار کے چھوڑ دینے سے یعنی کھانے کے بعد جب تین بار شکار کرے اور نہ کھائے تب چوتھی بار شکار حلال ہوگا او ما صادہ قبلہ لو بقی فی ملکہ فان ما تلف من الصید لا تظہر فیہ الحرمۃ اتفاقا لفوت المحل وفیہ اشکال ذکرہ القہستانی وہ بھی شکار حلال نہیں جو کتے نے کھانے سے پہلے شکار کیا بشرطیکہ شکار صیاد کی ملک میں باقی رہا ہو اس لیے کہ جس شکار کو وہ تلف کر چکا ہے یعنی مثلاً کھا چکا تو اس میں اتفاق امامؒ اور صاحبینؒ کے حرمت ظاہر نہ ہوگی بسبب فوت ہو جانے محل حرمت کے اور اس میں اشکال ہے جس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے؎ خلاصہ مقام یہ ہے شکار غیر موجود ہے یا موجود اگر غیر موجود ہے تو اس کا حکم شارح نے بیان کیا کہ اس میں حرمت ظاہر نہیں عدم بقائے محل کے سبب سے اور اگر موجود ہے تو جنگل میں موجود ہے یا صیاد کے ملک میں موجود ہے اگر جنگل میں ہے تو اس میں بالاتفاق حرمت ثابت ہے اور اگر اس کی ملک میں ہے تو اس میں اختلاف ہے سو امام کے نزدیک حرام ہے اور صاحبین کے نزدیک حرام نہیں خواہ مدت دراز ہو یا کوتاہ بقول صحیح حاصل اشکال مذکور یہ ہے کہ حکم وجود کا مقتضی نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہم مردہ باندی کے آزادی کا حکم کرتے ہیں دعوی دار کے نزدیک انتہی محصل اشکال یہ ہے کہ انعدام محلیت حرمت اکل کے حکم کا مانع نہیں ہے اور لائق یہ ہے کہ حکم بالحرمۃ ثمرہ ظاہر ہو جب کہ شکار بک گیا تو مشتری بائع سے ثمن پھیرے گا کیونکہ مبیع مردار تھا اور اظہر ہوتا ہے توبہ میں اس کے کھانے کے بعد اور اگر یہ کہیے کہ حکم وجود کا مقتضی ہے تو جو شخص غیر کا مال غصب یا چوری سے کھا جائے تو چاہیے کہ حرمت ساقط ہو جائے محل کے فوت ہو جانے سے کذا فی الطحطاوی کصقر فر من صاحبہ فمکث حینا ثم رجع الیہ فارسلہ فصاد لم یوکل لترکہ ما صار بہ معلما فیکون کالکلب اذا اکل چنانچہ وہ چرغ جو بھاگ گیا یعنی اڑ گیا اپنے مالک کے پاس سے سو چند مدت چھوٹا رہا پھر پلٹ آیا مالک کے پاس سو اس نے شکار پر چھوڑا سو اس نے شکار پکڑا تو وہ کھایا نہ جاوے گا اس لیے کہ چرغ نے وہ فعل چھوڑ دیا جس سے وہ تعلیم یافتہ ہو گیا تھا یعنی اس نے ترک اجابت کی تو وہ اس کتے کے مانند جاہل ہو گیا جو شکار سے کھا لیتا ہے ولو اخذ الصیاد الصید من الکلب

؎ نیک بخت وہ ہے جو غیر کے حال سے نصیحت پکڑے ۱۲

وقطع منه بضعة والقاها اليه فاكلها او خطف الكلب منه واكله ما بقي كما لو شرب الكلب من دمه لانه من غاية علمه اور اگر صیاد نے شکار لے لیا کتے سے اور اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹا اور کتے کی طرف ڈال دیا سو اس نے اس کو کھا لیا یا کتا شکار میں سے صیاد کے ہاتھ سے جھپٹا مار کر لے گیا اور کھا گیا تو باقی شکار حلال کھایا جائے گا جیسے وہ شکار حلال ہے جس کا خون کتا پی گیا اس واسطے کہ یہ حرکت اس کی نہایت علم اور دانستگی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس نے وہ چیز لی کہ جو مالک کے لائق نہ تھی یعنی خون اور باقی رکھی وہ چیز جو مالک کے لائق ہے یعنی گوشت کذا فی المنح ولو نهش الصيد فقطع منه بضعة فاكلها ثم ادركه فقتله ولم ياكل منه لا يوكل لاكله حالة الاصطياد اور اگر کتے نے شکار کو دانتوں سے نوچا سو اس میں سے نصف کاٹا اور کھایا پھر شکار کو پکڑا اور قتل کیا اور نہ کھایا تو وہ حلال نہیں کھایا نہ جاوے گا شکار کرنے کی حالت میں کھا جانے کے سبب سے م تو یہ شکار ہوا کلب جاہل کا ولو القى ما نهشه واتبع الصيد فقتله ولم ياكل منه حتى اخذه صاحبه ثم اكل ما القى حل لانه حينئذ لو اكل من نفس الصيد لم يضر كما مر اور اگر کتے نے وہ ٹکڑا ڈال دیا جو نوچا اور پیچھا کیا گیا شکار کا سو اس کو قتل کیا اور اس میں سے نہ کھایا یہاں تک کہ اس سے مالک نے شکار لیا پھر کتے نے کھایا جو ڈالا تھا تو شکار حلال ہے اس واسطے کہ اس وقت میں یعنی شکار کر چکے کے بعد اگر خود شکار کی ذات سے کتا کھاتا تو حلت میں ضرر نہ کرتا چنانچہ عنقریب گذر گیا واذا ادرك المرسل او الرامي الصيد حيا بحيوة فوق ما في المذبوح ذكاه وجوبا اور جب کہ کتے یا باز کا چھوڑنے والا یا تیر انداز شکار کو زندہ پاوے ایسی زندگانی کے ساتھ جو حیات مذبوح سے زیادہ ہے تو اس کو ذبح کر لے بنا بر وجوب کے م یعنی اگر شکار کو بعد مقتول ہونے کے پایا تو وہ حلال ہے ذکوۃ اضطراری کے سبب سے اور اگر زندہ پایا تو حلال نہیں بدوں ذبح کرنے کے سو اسطے کہ اس نے ذکوۃ اختیاری کو ترک کیا باوجود قدرت کے طحطاوی نے عالمگیری سے نقل کیا کہ اگر فوق ما في المذبوح حیات باقی نہیں اس طرح پر کہ شکار کا پیٹ پھٹ گیا اور انتڑیاں نکل پڑیں پھر وہ مر گیا تو وہ حلال ہے اور بعضوں نے کہا کہ یہ قول ہے صاحبین کا لیکن امام کے نزدیک حلال نہیں اس واسطے کہ جب زندہ ملا تو بدوں ذبح کے حلال نہ ہوگا اسی قول پر فتوی ہے چنانچہ کافی میں ہے وشرط حله بالرمي التسمية ولو حكما كما مر اور شکار کے حلال ہونے میں تیر مارنے سے بسم اللہ کہنا تیر لگانے کے وقت شرط ہے اگرچہ تسمیہ حکمی ہو چنانچہ گذر گیا یعنی نسیان سے ترک تسمیہ مضر حلت نہیں وشرط الجرح ليتحقق معنى الذكوة اور شرط ہے زخم لگنا تیر سے تاکہ ذکوۃ کا مطلب یعنی تطہیر خون نکل جانے سے ثابت ہو وشرط ان لا يقعد عن طلبه لو غاب الصيد متحمل بسهمه فما دام في طلبه يحل وان قعد عن طلبه ثم اصابه ميتا لا يوكل لاحتمال موته بسبب آخر اور یہ شرط ہے کہ تیر انداز بیٹھ نہ رہے شکار کی تلاش سے اگر شکار غائب ہو گیا ہو اس کے تیر کو اٹھائے ہوئے تو جب تک تیر انداز اس کی طلب میں ہے وہ حلال ہے اور اگر اس کی تلاش اور طلب سے بیٹھ رہا پھر اس شکار کو مردہ پایا تو اس کا کھانا حلال نہیں اس احتمال سے کہ شاید شکار کی موت دوسرے سبب سے ہوئی ہو تیر کے زخم کے سوا اس واسطے کہ محرمات میں موہوم متحقق کے مانند ہوتا ہے کذا فی الزیلعی وشرط في الخانية لحله ان لا يتوارى عن بصره وفيه كلام مبسوط في الزيلعي وغيره اور فتاوی قاضی خاں میں حلت شکار کی یہ شرط مذکور کی ہے کہ شکار چھپ نہ گیا ہو تیر انداز کی نظر سے اور اس شرط میں اعتراض ہے جو زیلعی وغیرہ میں مذکور ہے م وجہ شرط یہ ہے کہ جب شکار نظر سے غائب ہو شاید اور کسی سبب سے مر گیا ہو خلاصہ اعتراض زیلعی یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے آخر کلام میں اس شرط کی طرف اشارہ کیا ہے اور اول کلام طلب اور عدم طلب پر مبنی ہے اور اس پر اکثر کتب ہمارے مذہب کی ہیں مسلم اور احمد اور ابو داؤد اور نسائی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ثعلبہ سے فرمایا کہ جب تو نے اپنا تیر مارا اور شکار غائب رہا تجھ سے تین دن پھر تو نے اس کو پایا سو کھا جب تک وہ گندہ نہیں ہو گیا یہ حدیث اباحت غائب پر دلالت کرتی ہے تو حجت ہے اس شخص پر جو اس کا مانع ہے انتہی ملخص کلام یہ ہے کہ عدم اشتراط اس شرط کا راجح ہے کذا فی الطحطاوی فان ادركه الرامي او المرسل حيا ذكاه وجوبا فلو تركها حرم ويجئ پھر اگر تیر انداز یا چھوڑنے والا کتے یا باز کا شکار زندہ پاوے واجب ہے کہ اس کو ذبح کرے اور اگر ذبح کو ترک کرے گا تو شکار حرام ہوگا اور آگے آوے گا اور آگے آوے گا م یہ مسئلہ مقرر ہو گیا والحيوة

بقا مایکون فوق ذکوۃ المذبوح بان یعیش یوماً وروی اکثرہ مجمع اور جو حیات کہ یہاں یعنی ذبح شکار میں معتبر ہے وہ ذکوۃ مذبوح سے زائد ہے اس طرح کہ شکار ایک دن زندہ رہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اکثر یوم زندہ رہے کذا فی المجمع اما مقدارہا و ہو ما لا یتوہم بقاءہ کما فی الملتقی فلا یعتبر بہہنا حتی لو وقع فی ماءلم یحرم اور حیات مذبوح کی مقدار یعنی جس قدر زندگی سے اس کا باقی رہنا متوہم نہ ہو چنانچہ ملتقی میں ہے سو وہ زندگی یہاں معتبر نہیں یہاں تک کہ اگر اس قدر حیات شکار میں ہو اور صیاد اس کو ذبح نہ کرے اور وہ پانی میں گر پڑے تو وہ حرام نہ ہوگا ھم صدر الشہید نے ذکر کیا کہ یہ قول باجماع امام اور صاحبینؒ کے ہے اور بعضوں نے کہا کہ یہ صاحبینؒ کے نزدیک ہے اور امامؒ کے نزدیک حیات مخفیہ میں بھی ذبح کرنا ضروری ہے متردیہ وغیرہا کے مانند کذا فی الحموی والمعتبر فی المتردیۃ واخواتہا کنطیحۃ وموقوذۃ وما اکل السبع والمریضۃ مطلق الحیوۃ وان قلت کما اشرنا الیہ وعلیہ الفتوی وتقدم فی الذبائح اور متردیہ اور اس کے مانند چنانچہ نطیحہ اور موقوذہ میں جس کو درندے نے کھایا اور بیمار میں مطلق حیات معتبر ہے اگرچہ زندگی نہایت کم ہو چنانچہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کر دیا اور اسی قول پر فتوی ہے اور یہ مقدم مذکور ہو چکا کتاب الذبائح میں ھم متردیہ وہ جانور ہے جو اوپر سے گر پڑا اور نطیحہ وہ جس کو دوسرے جانور نے اپنے سینگ سے مارا اور موقوذہ وہ ہے جو لاٹھی وغیرہ کے مارنے سے قریب الہلاک ہو گیا یعنی حیوانات مذکور بدون ذبح کے حلال نہیں بدون ذبح کے اور اسی طرح شکار میں بھی حیات قلیلہ خفیفہ کے معتبر ہونے کا فتوی ہے سید حموی نے کہا تو کھانا شکار مذکور کا حلال نہیں بدون ذبح کے خواہ اس کی زندگی ظاہر اور باہر ہو یا نہ ہو کتے وغیرہ کے زخم سے یا تیر سے اور اسی قول پر فتوی ہے بدلیل اس آیہ کے وما اکل السبع الا ما ذکیتم اور بدلیل حدیث عدی مذکور یعنی اگر کتا شکار کو پکڑ رکھے اور تو اس کو زندہ پاوے تو ذبح کر اس کو کذا فی الطحطاوی **فان ترکہا ای الذکاۃ عمدا مع القدرۃ علیہا فمات حرم** پھر اگر صیاد نے شکار کو زندہ پایا اور ذبح کرنے کو ترک کیا عمداً باوجود قادر ہونے کے اس پر پھر وہ مرگیا تو حرام ہو گیا **وکذا یحرم لو عجز عن التذکیۃ فی ظاہر الروایۃ عن ابی حنیفۃ وابی یوسف یحل وہو قول الشافعی** قال المصنف وفی متنی ومتن الوقایۃ اشارۃ الی حلہ والظاہر ما صنعنہ انتہی قلت وجہ الظاہر ان العجز عن التذکیۃ فی مثل ہذا لا یحل الحرام اور اسی طرح شکار حرام ہوگا ظاہر الروایۃ میں اگر صیاد عاجز ہو گیا ذبح کرنے سے اس طرح کہ اس کے پاس ذبح کا ہتھیار نہیں یا وقت تنگ ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے بغیر ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ در صورت عجز حلال ہے اور یہی قول ہے شافعی کا مصنف نے اپنی شرح میں کہا اور میرے متن میں اشارہ اس حلال ہو جانے کی طرف یعنی قدرت کی قید لگانے سے اور ظاہر الروایۃ کو تو سن چکا فی شرح المصنف میں کہتا ہوں اور ظاہر الروایۃ کی دلیل یہ ہے کہ عاجز ہونا ذبح کرنے سے ایسی صورت میں حرام کو حلال نہیں کر دیتا ھم برخلاف اس صورت کے کہ پانی اور کھانا حاصل کرنے سے عاجز ہوگا تو شراب اور مردار کا استعمال مباح ہوگا **اوارسل مجوسی کلبہ فزجرہ مسلم فانزجر** یا مجوسی نے اپنا کتا چھوڑا شکار پر سو مسلمان نے کتے کو تیز کیا اور بھڑکایا شور کر کے سو وہ تیز ہو گیا اور اس نے شکار مارا سو وہ شکار حرام ہے ھم ہر چند زجر لغت میں بمعنی منع اور نہی کے ہے لیکن زجر سے یہاں مراد ترغیب اور خواہش دلانا ہے شکار کرنے پر اور انزجار سے مراد اظہار زیادت طلب ہے چنانچہ عینی شرح ہدایہ اور طحطاوی میں ہے معلوم کرنا چاہیے کہ جب ارسال اور زجر مجتمع ہوں تو ارسال معتبر ہوگا تو اگر ارسال مجوسی یا مرتد یا بت پرست یا تارک تسمیہ سے ہو اور زجر مسلمان سے تو شکار حرام ہے اور بالعکس اس کے حلال ہے یعنی ایک مسلمان نے کتے کو شکار پر چھوڑا اور مجوسی نے اس کو تیز کیا تو اعتبار چھوڑنے کا کیا جاوے گا اور شکار حلال ہوگا اور اگر ارسال موجود نہ ہو اور زجر موجود ہو تو اب زجر ہی معتبر ہوگا پھر اگر زجر مسلم سے ہے تو حلال ہے اور اگر مجوسی سے ہے تو حرام ہے **او قتلہ معراض بعرضہ** وہو سہم لا ریش لہ سمی بہ لاصابتہ بعرضہ یا شکار کو معراض نے قتل کیا اپنی عرض سے تو وہ حرام ہے اور معراض وہ تیر ہے جس میں پر نہیں اور معراض اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ نشانہ پر لگتا ہے اپنی عرض کی طرف سے نہ طول کی طرف سے ھم معراض بوزن محراب تیر ہے بدون پر کا دونوں کنارے اس کے باریک اور درمیان میں موٹا وہ نشانہ پر عرض کی جانب سے لگتا ہے نہ تیزی کی طرف سے کذا فی القاموس **ولو لہ راس محدد فاصاب بحدہ حل** اور اگر معراض کے کنارے پر حدت اور تیزی ہو پھر وہ شکار کو تیزی کی طرف سے

گولی کا شکار حلال نہیں

لگے تو وہ حلال ہے او بندقۃ ثقیلۃ ذات حدۃ حرم لقتلہا بالثقل لا بالحد یا قتل کیا شکار کو بھاری غلیلہ باڑھ والے نے تو شکار حرام ہے بسبب اس کے قتل کرنے کے بوجھ سے اور گرانی سے نہ باڑھ اور تیزی سے ھم بندقہ بضم با موحدہ وسکون نون مدور مٹی ہے اس سے مارتے ہیں اور اس کو جلاہق بھی کہتے ہیں کذا فی المغرب ہندی میں اس کو غلولہ اور غلیلہ کہتے ہیں جس کو غلیل سے چلاتے ہیں ولو کانت خفیفۃ بہا حدۃ حل لقتلہا بالجرح حینئذ ولو لم یجرحہ لا یؤکل مطلقا وشرط فی الجرح الادماء وقیل لا ملتقی وتمامہ فیما علقتہ علیہ اور اگر غلیلہ ہلکا نوکیلا ہو تو شکار حلال ہوگا اس لیے کہ اس وقت میں نوکیلا غلیلہ زخم سے قتل کرتا ہے اور اگر غلیلہ نے شکار کو زخمی نہ کیا تو اس کا کھانا مطلقا درست نہیں خواہ غلیلہ بھاری ہو یا ہلکا گول ہو یا نوکیلا اور زخم میں خون بہنا شرط ہے اور بعضوں کے نزدیک شرط نہیں کذا فی الملتقی اور اس کا پورا بیان ملتقی کی ہماری شرح میں ہے ھم فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ غلیلہ اور پتھر اور معراض اور لاٹھی اور اس کے مانند کا شکار حلال نہیں اگرچہ شکار زخمی ہو گیا ہو اس لیے کہ اشیاء مذکورہ چیرتی پھاڑتی نہیں ہیں ہاں اگر انگور دراز نوک دار تیر کے مانند کرلے اور اس کا پھینک مارنا ممکن ہو اور وہ چیرے پھاڑے اپنی حدت اور تیزی سے تو کھانا اس کا حلال ہوگا اور اگر اندر زخم ہو گیا بسبب کوفت کے اور ظاہر میں نہ پھٹا تو حلال نہیں اس لیے کہ اس سے خون کا بہنا حاصل نہیں ہوتا انتہی خلاصہ یہ ہے کہ اگر قتل ثقل اور گرانی سے حاصل ہے تو حلال نہیں اگرچہ خون نکلا ہو چنانچہ درر میں اس کی طرف اشارہ ہے اور یہی جواب لکھا شیخ زین صاحب بحر الرائق نے جب ان سے یہ استفتا ہوا کہ جو شخص چڑیوں کا شکار کرتا ہے سیسے اور مٹی کی گولی سے اس کا کھانا درست ہے یا نہیں تو جواب لکھا کہ اس کا کھانا حلال نہیں زیلعی میں ہے کہ اس قسم کے مسائل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر موت شکار کے زخم سے بالیقین حاصل ہوئی ہے تو وہ حلال ہے اور اگر ثقل اور گرانی سے ہوئی ہے تو بالیقین حرام ہے اور اگر شک ہے اس میں کہ زخم سے موت ہوئی یا ثقل سے تو احتیاطا حلال نہیں انتہی میں کہتا ہوں کہ سیسے کی گولی کے شکار میں احتیاط یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال نہیں اس واسطے کہ گولی تو اندفاع عنیف کے سبب سے قتل کرتی ہے نہ اپنی حدت اور باڑھ کی تیزی سے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی او رمی صید فوقع فی ماء لاحتمال قتلہ بالماء فیحرم یا شکار کو تیر مارا سو وہ گر پڑا پانی میں اور مر گیا تو حرام ہوگا کہ شاید قتل اس کا پانی سے ہوا ہو نہ تیر سے ولو الطیر مائیا فوقع فیہ فان انغمس جرحہ فیہ حرم والا حل ملتقی اور اگر شکار آبی چڑیا ہو پھر تیر لگنے کے بعد پانی میں گر پڑی سو اگر اس کا زخم پانی میں ڈوب گیا تو وہ حرام ہو گئی اور اگر پانی میں زخم نہیں ڈوبا تو حلال ہے کذا فی الملتقی اس واسطے کہ پہلی صورت میں احتمال ہے کہ پانی نے قتل کیا اور دوسری صورت میں احتمال نہیں یہ سب اس وقت ہے جب کہ ایسا زخم لگا ہو جس میں زندگی کی امید ہو اور اگر ایسا زخم ہو کہ زندگی کی امید نہ ہو تو شکار حلال ہے کہ وہاں احتمال مذکور منعدم ہے کذا فی العالمگیریۃ او وقع علی سطح او جبل فتردی منہ الی الارض حرم فی المسائل کلہا لان الاحتراز عن مثل ہذا ممکن یا تیر لگنے کے بعد چڑیا چھت پر یا پہاڑ پر گری پھر وہاں سے زمین پر گر پڑی تو حرام ہے ان سب مسائل میں اس واسطے کہ ایسی صورتوں سے بچنا ممکن ہے ھم یعنی یہ ضرور نہیں کہ جب زخمی چڑیا گرے تو پانی یا چھت یا پہاڑ ہی پر گرے اور اسی طرح کا حکم ہے درخت یا دیوار یا کھڑی برچھی یا پتھر کے کنارہ پر گرنے کا اور اگر چڑیا چھت یا پہاڑ وغیرہ پر گر کر باقی رہی زمین پر نہ آئی یا اینٹ یا پتھر کے مانند پر گری تو حلال ہے اس واسطے کہ وہ بمنزلہ زمین کے ہے کذا فی الحموی فان وقع علی الارض ابتداء اذ الاحتراز عنہ غیر ممکن فیحل پھر اگر تیر کی زخمی چڑیا پہلے سے زمین پر گری اور مر گئی تو حلال ہے اس واسطے کہ اس سے بچاؤ ممکن نہیں ھم یعنی زمین پر گرنے سے احتراز غیر ممکن ہے تو یہ احتمال کہ شاید زمین کے گرنے سے چڑیا مر گئی ہو تو ساقط الاعتبار ہے ورنہ شکار کے باب کا انسداد ہوگا او ارسل مسلم کلبہ فزجرہ اے اغراہ بصیاحہ مجوسی فانزجر اذ الزجر دون الارسال والفعل یرفع بما ہو فوقہ او مثلہ کنسخ الحدیث یا مسلمان نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا سو مجوسی نے اس کو زجر کیا یعنی شور کر کے اس کو بھڑکایا اور تیز کر دیا سو وہ تیز ہو گیا اور شکار کو مارا تو شکار حلال ہے اس واسطے کہ زجر کمتر ہے ارسال سے اور فعل رفع ہو جاتا ہے اس فعل سے جو اس سے فوق ہے یا برابر اس کے ہے نہ کمتر اور ضعیف سے

جیسے صحیح حدیث منسوخ ہوتی ہے اصح یا صحیح سے نہ ضعیف سے ہم زجر اس واسطے کمتر ہے ارسال سے کہ زجر مبنی ہے ارسال پر کہ اس کی تاکید ہے تو حلت اور حرمت میں ارسال معتبر ہے نہ زجر او لم یرسلہ احد فزجرہ مسلم فانزجر اذ الزجر ارسال حکما یا کتے کو کسی نے نہیں چھوڑا پھر مسلمان نے اس کو شکار پر بھڑکایا اور گرم کیا سو وہ گرم اور تیز ہو گیا اور شکار مارا تو حلال ہے اس واسطے کہ زجر ارسال حکمی ہے یعنی بمنزلہ ارسال کے ہے درصورت عدم ارسال او اخذ غیر ما ارسل الیہ لان غرضہ اخذ کل صید تمکن حتی لو ارسلہ علی صیود کثیرة بتسمیة واحدة فقتل الکل اکل الکل یا کتے نے اور شکار مارا سوائے اس کے جس پر چھوڑا گیا تھا تو وہ حلال ہے اس واسطے کہ صیاد کی غرض ہر ایک اس شکار کا پکڑنا ہے جس پر کتا قادر ہو سکے یہاں تک کہ اگر صیاد نے کتا چھوڑا بہت سے شکاروں پر ایک بار بسم اللہ کہہ کر سو اس نے سب شکاروں کو قتل کیا تو سب کا کھانا حلال ہے یعنی خلاصہ یہ ہے کہ تعیین شکار کا اعتبار نہیں اکل فی الوجوہ المذکورة لما ذکرنا وجوہ مذکورہ میں ہر شکار حلال اور ماکول ہے ان دلائل سے جن کو ہم نے ذکر کیا ہم قولہ اکل جزا ہے فان وقع اور اس کے معطوفات کی کصید رمی فقطع عضو منہ فانہ یوکل لا العضو خلافا للشافعی ولنا قولہ علیہ الصلوة والسلام ما ابین من الحی فھو میتة چنانچہ شکار تیر سے زخمی ہوا سو اس کا کوئی عضو کاٹ لیا گیا تو شکار کا کھانا حلال ہے نہ عضو مقطوع کا برخلاف شافعیؒ یعنی ان کے نزدیک عضو مقطوع کا بھی کھانا حلال ہے اور ہماری دلیل آنحضرت علیہ الصلوة والسلام کا قول ہے کہ جو عضو جدا کیا گیا زندہ جانور سے وہ مردار ہے ہم ابوداؤد اور ترمذی میں ابو واقد لیثی سے یوں روایت ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما قطع من البھیمة وھی حیة فھو میتة یعنی جو چیز چوپائے جانور سے کاٹی گئی اور وہ زندہ ہے تو وہ مردار ہے اور مسند احمد اور ابن ابی شیبة اور اسحق بن راہویہ اور دارمی اور ابو یعلی کی مسانید میں بھی یہ مضمون مروی ہے کذا فی العینی شرح الھدایہ وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں زندہ مطلقا مذکور ہے خواہ حقیقة ہو یا حکما سو جس وقت اس کا عضو قطع ہوا تو وہ حقیقتاً زندہ تھی کیونکہ حیات اس میں قائم ہے اور اسی طرح حکما بھی زندہ ہے کہ سلامت رہنا اس کا اس زخم کے بعد متوہم ہے حموی نے کہا قطع اس عضو کا مراد ہے جس کے قطع کے بعد حیوان زندہ رہے چنانچہ پاؤں یا ران یا اقل نصف راس سے ولو قطعہ ولم یبنہ واحتمل الالتئام اکل العضو ایضا والا لا ملتقی اور اگر عضو قطع کیا اور جدا نہیں کر دیا اور اس کا بدن سے التیام یعنی ملنا اور جڑ جانا محتمل ہے تو اس عضو کا کھانا بھی حلال ہے اور اگر التیام اور اندمال اس کا نہیں ہو سکتا تو عضو مقطوع کا کھانا حلال نہیں کذا فی الملتقی وان قطعہ الرامی ثلاثا واکثرہ مع عجزہ او قطع نصف راسہ او اکثرہ او قدہ نصفین اکل کلہ لان فی ہذہ الصور لا یمکن حیاة فوق حیاة المذبوح فلم یتناولہ الحدیث المذکور اور اگر تیر انداز نے شکار کو تین تہائی قطع کیا اور اس کا اکثر بدن اس کی ڈھڈی اور دم کے ساتھ رہا یعنی ایک تہائی سر کی طرف رہی اور دو تہائیاں دم کی طرف باقی رہیں یا شکار کا نصف سر یا اکثر کاٹا یا شکار کا جسم نصفا نصف پھاڑا سر سے دم تک تو تمام شکار کا کھانا حلال ہے اس واسطے کہ ان صورتوں میں اس کی زندگی مذبوح کی زندگی سے زیادہ ممکن نہیں تو حدیث مذکور اس کو شامل نہ رہی ہم اس واسطے کہ حدیث مذکور زندہ حقیقی اور حکمی کو شامل ہے اور ان صورتوں میں حیات حکمی بھی صادق نہیں اس واسطے کہ اس کی سلامتی اور رہنا ایسے زخموں کے بعد متوہم نہیں لو فی الحال اس کی ذکوة واقع ہو گئی تو وہ بالکل حلال ٹھہرا عینی نے کہا مراد قدہ سے شق طولانی ہے بخلاف ما لو کان اکثرہ مع راسہ للامکان المذکور برخلاف اس صورت کے کہ اگر شکار کا اکثر بدن اس کے سر کے ساتھ رہا تو اس کا اکثر ماکول ہے نہ اقل امکان مذکور کے سبب سے یعنی اگر ایک تہائی دم کی طرف کٹ رہی اور دو تہائیاں سر کے ساتھ باقی رہیں تو سر کی جانب حلال ہے نہ دم کی طرف اس واسطے کہ جانب سر کی حیات مذبوح کی حیات سے زیادہ ممکن ہے کذا فی المنح وحرم صید مجوسی ووثنی ومرتد ومحرم لانھم لیسوا من اہل الذکاة بخلاف کتابی لان ذکاة الاضطرار کذکاة الاختیار اور حرام ہے شکار مجوسی اور بت پرست اور مرتد اور احرام باندھنے والے کا اس لیے کہ اشخاص مذکورین ذبح کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے برخلاف اہل کتاب کے اس واسطے کہ ذبح اضطراری ذبح اختیاری کے مانند ہے وان رمی صیدا فلم یثخنہ فرماہ آخر فقتلہ فھو للثانی وحل اور اگر شکار کو ایک شخص نے تیر مارا تو اس کو قتل کیا تو وہ شکار دوسرے

شخص کا مملوک ہے اور حلال ہے یعنی اس واسطے کہ دوسرے نے اس کو حیز امتناع سے خارج کر دیا **وان اثخنہ الاول بان اخرجہ عن حیز الامتناع وفیہ من الحیوۃ ما یعیش فالصید للاول وحرم لقدرتہ علی ذکاۃ الاختیار فصار قاتلا لہ فیحرم** اور اگر اول شخص نے شکار کے زخم کاری لگایا اس طرح پر کہ حیز امتناع سے اس کو خارج کر دیا یعنی اب بھاگ نہیں سکتا اور اس میں اتنی حیات ہے جس سے جیتا رہے بعد اس کے دوسرے نے اس کو تیر مارا اور قتل کیا تو وہ شکار شخص اول کا ہے اور اس کا کھانا حرام ہے بسبب قادر ہونے شخص اول کے ذکاۃ اختیاری پر تو دوسرا شخص اس کا قاتل ہو گیا تو وہ حرام ٹھہرا امام زیلعی نے کہا جب کہ شخص اول نے اس کو زخم کاری لگایا تو وہ حیز امتناع سے خارج ہو گیا اور وہ اس کے ذبح پر قادر ہو گیا تو اس پر ذبح کرنا واجب ہوا اور حالانکہ اس نے اس کو ذبح نہ کیا اور دوسرا شخص اس کا قاتل ٹھہر گیا اس وجہ سے وہ حرام ہو گیا اور جب کہ ترک ذبح مع القدرۃ سے حرمت ثابت ہوتی ہے تو قتل سے بطریق اولی حرمت ثابت ہو گی **وضمن الثانی للاول قیمتہ کلہا وقت اتلافہ غیر ما نقصتہ جراحتہ** اور دوسرا شخص پہلے شخص کو تاوان دے اس کی پوری قیمت کا جو اس کی قیمت ہو اس کے تلف کر ڈالنے کے وقت سوائے اس نقصان کے جو اول کے زخم لگانے سے حاصل ہوا ام وجہ تاوان یہ ہے کہ ثانی نے غیر کے مملوک شکار کو تلف کر دیا اس واسطے کہ پہلا شخص زخم کاری لگانے سے اس کا مالک ہو گیا تھا تو وقت اتلاف کے اس پر قیمت لازم آویگی جراحت اول کا نقصان وضع کر کے توضیح اس کی یوں ہے کہ وہ شکار دس درم کا تھا مثلا سو شخص اول کے زخم سے دو درم کا نقصان ہو گیا پھر دوسرے نے تیر مارا تو آٹھ[1] درم کا نقصان ہوا پھر شکار مر گیا تو دوسرا شخص آٹھ درم کا تاوان دے کذا فی المنح **وحل اصطیاد ما یوکل لحمہ وما لا یوکل لحمہ لمنفعۃ جلدہ او شعرہ او ریشہ او لدفع شرہ وکلہ مشروع لاطلاق النص** اور حلال ہے شکار کرنا اس جانور کا جس کا گوشت حلال ہے اور جس کا گوشت حلال نہیں اس کی کھال یا بال یا پر کی منفعت سے یا اس کی شر اور اذیت کے دفع کرنے کے واسطے اور سب شکار ماکول اور غیر ماکول شرع میں درست ہے نص قرآنی کی مطلق دلیل سے یعنی حق تعالی نے فرمایا (واذا حللتم فاصطادوا) یعنی جس وقت حج کا احرام باندھے نہ ہو تو شکار کرو اس آیت میں ماکول اور غیر ماکول کی قید نہیں اور لغت عرب میں ماکول اور غیر ماکول دونوں کو شکار کہتے ہیں **وفی القنیۃ یجوز ذبح الھرۃ والکلب لنفع ما والاولی ذبح الکلب اذا اخذتہ حرارۃ الموت** اور قنیہ میں ہے کہ بلی اور کتے کا ذبح کرنا کسی منفعت کے واسطے جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ جب کتا مرنے لگے تو اس کو ذبح کر ڈالے م جب کہ بلی موذی ہو تو اس کو نہ مارے نہ اس کے کان ملے بلکہ اس کو ذبح کر ڈالے چنانچہ وجیز میں ہے اور اگر کلب عقور ہو یعنی کاٹتا ہو تو اس کا قتل جائز ہے اور اس کا مالک تاوان نہیں لے سکتا کذا فی الطحطاوی **ویطہر لحم غیر نجس العین کخنزیر فلا یطہر اصلا وجلدہ وقیل یطہر جلدہ لا لحمہ وہذا اصح ما یفتی بہ کما فی الشرنبلالیۃ عن المواہب ہنا ومر فی الطہارۃ** پاک ہو جاتا ہے گوشت اور چمڑا غیر نجس العین کا چنانچہ سور کہ وہ اصلا پاک نہیں ہوتا اور بعضوں نے کہا کہ غیر ماکول کی کھال پاک ہو جاتی ہے نہ گوشت اس کا اور یہ قول اقوال مفتی بہا میں صحیح تر ہے چنانچہ شرنبلالیہ میں مواہب سے کتاب الصید میں منقول ہے اور یہ گذر گیا کتاب الطہارۃ میں **اخذ الطیر لیلا مباح والاولی عدم فعلہ** خانیہ پرند کا پکڑنا رات کو مباح ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے کذا فی الخانیۃ **یکرہ تعلیم البازی بالطیر الحی لتعذیبہ** مکروہ ہے باز کو شکار سکھانا زندہ پرند پر اس لیے کہ پرند کو اس سے تکلیف ہوتی ہے **سمع الصائد حس انسان او غیرہ من الاہلیات کفرس وشاۃ فرمی الیہ فاصاب صیدا لم یحل** شکاری نے آدمی یا اس کے سوا پالو جانور چنانچہ گھوڑے اور بکری کی آہٹ سنی سو اس کی طرف تیر پھینکا سو شکار کو لگ گیا تو وہ شکار حلال نہیں م یہ مسئلہ کتب فقہ میں مختلف مذکور ہے ہدایہ میں شکار مذکور حلال کہا ہے او مضمرات میں اس کو قول مختار قرار دیا ہے ملتقی نے اس کو غیر ماکول کہا اس واسطے کہ اس نے تیر مارا اور شکار کرنے کا قصد نہیں کیا زیلعی نے اسی کو پسند کیا اس وجہ سے کہ آدمی وغیرہ کی طرف تیر مارنا اصطیاد نہیں ہے اگرچہ تیر شکار کو لگ جاوے

---

[1] اس کے بیان کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ۱۲ ۔

کذا فی الطحطاوی بخلاف ما اذا سمع حس اسد او خنزیر فرمی الیہ او ارسل کلبہ فاذا ہو صید حلال الاکل حل برخلاف اس صورت کے کہ جب شیر یا سور کی آہٹ سنے سو اس کی طرف تیر مارا یا کتا چھوڑا پھر ناگہاں وہ شکار ماکول اللحم نکلا تو وہ حلال ہے لو لم یعلم ان الحس صید او غیرہ لم یحل جوہرۃ لانہ اذا اجتمع المبیح والمحرم غلب المحرم اور اگر معلوم نہ ہو کہ آہٹ شکار کی یا غیر شکار کی آہٹ ہے تو حلال نہیں کذا فی الجوہرۃ اس واسطے کہ جب مبیح اور محرم مجتمع ہوتے ہیں تو محرم غالب ہو جاتا ہے احتیاط کی راہ سے رمی ظبیا فاصاب قرنہ او ظلفہ فمات ان ادماہ اکل لوجود الجرح والا لا تیر مارا ہرن کو سو لگا اس کے سینگ یا کھر کو سو وہ مر گیا اگر اس کو خون آلودہ کر دیا تو وہ ماکول ہوگا زخم کے موجود ہو جانے سے اور اگر خون نہیں نکلا تو وہ ماکول نہیں والعبرۃ بحالۃ الرمی فحل الصید[1] بردتہ اذا رمی مسلما لا باسلامہ او راہلیت اصطیاد میں تیر اندازی کی حالت معتبر ہے تو شکار حلال ہے تیر انداز کے مرتد ہو جانے سے جب کہ اس نے تیر لگایا ہو اسلام کی حالت میں اور شکار حلال نہیں تیر انداز کے اسلام لانے سے جب کہ اس نے تیر لگایا ہو بت پرستی کی حالت میں ھم عتابیہ میں ہے کہ تیر لگانے اور کلب معلم کے چھوڑنے کے وقت اسلام شرط ہے تو اگر اس نے تیر مارا یا کتا چھوڑا حالت اسلام میں پھر وہ مرتد ہو گیا تو شکار حلال ہے اور اس کے بالعکس حلال نہیں کذا فی العالمگیریہ ووجب الجزاء بحلہ اذا رمی محرما لا باحرامہ وسیجئ قبیل کتاب الدیات اور بدلا دینا شکار کا واجب ہوگا محرم کے حلال ہو جانے سے جبکہ اسنے تیر مارا حالت احرام میں نہ اسکے محرم ہو جانے سے یعنی اگر غیر محرم تے تیر مارا شکار کو پھر اُسنے احرام باندھا تو جزا واجب نہیں اور یہ مسئلہ کتاب الدیات سے پہلے آویگا فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا لو ان بازیا معلما اخذ صیدا فقتلہ ولا یدری ارسلہ انسان او لا لا یوکل لوقوع الشک فی الارسال ولا اباحۃ بدونہ وان کان مرسلا فہو مال الغیر فلا یجوز تناولہ الا باذن صاحبہ زیلعی اگر تعلیم یافتہ باز نے شکار پکڑا پھر اس کو قتل کیا اور معلوم نہیں کہ اس کو کسی انسان نے چھوڑا ہے شکار پر یا نہیں تو اس کا کھانا درست نہیں شک پڑنے کے سبب سے ارسال میں اور حالانکہ شکار کی اباحت نہیں بدوں ارسال کے اور اگر باز آدمی نے چھوڑا بھی تو وہ غیر کا مال ہے تو بھی اس کا کھانا درست نہیں بدوں مالک کے اذن کے کذا فی الزیلعی قلت قد وقع فی عصرنا حادثۃ الفتوی وہی ان رجلا وجد شاتہ مذبوحۃ ببستان ہل یحل اکلہا ام لا ومقتضی ماذکرناہ انہ لا یحل لوقوع الشک فی ان الذابح ممن تحل ذکوتہ ام لا وہل سمی اللہ تعالی علیہا ام لا میں کہتا ہوں البتہ ہمارے زمانہ میں ایک حادثہ فتوی طلب واقع ہوا وہ یہ ہے کہ ایک مرد نے اپنی بکری کو باغ میں مذبوح پایا تو اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں اور جو مسئلہ کہ ہم نے زیلعی سے ابھی ذکر کیا اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس بکری کا کھانا حلال نہیں شک واقع ہونے سے اس میں کہ اس کا ذبح کرنے والا ان لوگوں میں ہے جن کا ذبح حلال ہے یا ان میں سے نہیں ہے اور اگر ہے تو اس نے ذبح کے وقت اللہ تعالی کا نام پاک لیا یا نہیں لیا لکن فی الخلاصۃ من اللقطۃ قوم اصابوا بعیرا مذبوحا فی طریق البادیۃ ان لم یکن قریبا من الماء ووقع فی قلبہ ان صاحبہ فعل ذلک اباحۃ للناس لا باس بالاخذ والاکل لان الثابت بالدلالۃ کالثابت بالصریح انتہی فقد اباح اکلہا بالشرط المذکور فعلم ان العلم بکون الذابح اہلا للذکوۃ لیس بشرط قالہ المصنف لیکن خلاصہ میں ہے کتاب اللقطہ سے کہ ایک قوم نے ذبح کیا ہوا اونٹ پایا جنگل کی راہ میں اگر وہ پانی کے نزدیک نہ ہو اور اس کے دل میں یہ بات جم جائے کہ اس کے مالک نے یہ کیا ہے لوگوں پر مباح کرنے کے واسطے تو اس کے لینے اور کھانے میں مضائقہ نہیں اس واسطے کہ جو امر دلالت حال سے ثابت ہو وہ اس کے مانند ہے جو صریح قول سے ثابت ہے انتہی ما فی الخلاصۃ تو صاحب خلاصہ نے اس کا کھانا بشرط مذکور مباح کہا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا دریافت ہونا کہ ذابح اہل ہے ذکوۃ کا شرط نہیں ہے ایسا کہا ہے مصنفؒ نے شرح میں ھم یہ قول استدراک ہے عدم حلت کے قول پر پانی کے قریب کی قید اس واسطے لگائی کہ جب پانی کے قریب ہوگا تو یہ محتمل ہے کہ پانی میں گر کے مر گیا اور دریائی جانور نے اس کو پھاڑ ڈالا اور پانی کی موج نے اس کو باہر ڈال دیا اور بعضوں نے کہا ظن اباحت معتبر ہے خواہ پانی قریب ہوئے یا نہ ہوئے قلت قد یفرق بین حادثۃ الفتوی واللقطۃ بان الذابح فی الاول غیر المالک قطعا وفی الثانی یحتمل میں کہتا ہوں استفتاء مذکور اور مسئلہ لقطہ میں

---

[1] اور نسخہ میں الصید ہے بجائے الطیر کے ۱۲

فرق بیان کیا جاتا ہے کہ ذبح کرنے والا اول میں غیر مالک ہے یقینا اور ثانی میں احتمال یہ ہے کہ مالک نے ذبح کیا ہو یا غیر مالک نے
م اس فرق سے کچھ حاصل نہیں کہ اگر بالفرض مالک ہی ذابح ہوا تو یہ تو معلوم نہیں کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں کذا فی الحلبی والطحطاوی ورأیت
بخط ثقة سرق شاة فذبحها بتسمیة فوجد صاحبها هل تؤکل الاصح لا لکفره بتسمیته علی الحرام القطعی بلا تملک ولا اذن شرعی انتهی فلیحرر اور میں نے دیکھا
فقیہ معتمد کے خط سے یہ مضمون کہ ایک شخص نے بکری چورائی پھر اس کو ذبح کیا بسم اللہ کہہ کر پھر بکری کے مالک نے اس کو پایا تو اس کا
کھانا حلال ہے یا نہیں جواب اس کا یہ ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ اس کا کھانا درست نہیں بسبب کافر ہو جانے ذابح کے حرام قطعی پر
بسم اللہ کہنے سے بدوں ملکیت اور بلا اذن شرعی کے انتہی قولہ تو اس کی تحریر اور تحقیق کرنا چاہیے م یہ صورت حادثہ فتوی طلب کے
مغائر ہے کیونکہ یہاں ذابح اور تسمیہ معلوم ہے اور حرمت اور وجہ سے لازم آئی اور وہاں ذابح اور تسمیہ معلوم نہیں اور یہ جو کہا کہ حرام قطعی پر تسمیہ
سے کافر ہو گیا سو معتمد قول یہ ہے کہ اس قدر سے کافر نہیں ہوتا بلکہ جب اس کو حلال جانے گا تب کافر ہوگا اور تسمیہ علی الحرام سے
اعتقاد حلت کا لازم نہیں اور اس کا موید فقہاء کا یہ قول کہ شاۃ غصب کی قربانی صحیح ہے چنانچہ مجتبی میں ہے کہ جس نے بکری غصب کی اور
قربانی کی تو اس کی قیمت کا تاوان اس پر لازم آیا اور قربانی ادا ہو گئی کیونکہ غصب سابق سے وہ مالک ہو گیا کذا فی الطحطاوی وفی الوهبانیة قال
ے ومامات لا تطعمه کلبا فانه * خبیث حرام نفعه متعذر * اور وہبانیہ میں کہا اور جو جانور مر گیا وہ کتے کو نہ کھلا کہ وہ ناپاک حرام متعذر النفع
ہے م یعنی مردار کو کتے کے پاس لانا جائز نہیں لیکن کتے کو اس کی طرف لے جانا جائز ہے چنانچہ شرنبلالی میں ہے مگر ظاہر وہبانیہ مطلقا
حرمت پر دلالت کرتا ہے قنیہ کے مانند قنیہ میں یوں ہے کہ ہمارے علماء نے کہا کہ مردار سے نفع لینا کسی وجہ پر جائز نہیں اور کتوں کو بھی نہ کھلاوے
اور شاید کہ یہاں دو قول ہوں کذا فی الطحطاوی وتملیک عصفور لواجده اجزه اور اجازت دی گئی تملیک کنجشک کی اس کے پانے والے کو
م یعنی ارسال کے وقت اس کی تملیک بوجہ اباحت مراد ہے تجنیس اور مزید میں ہے کہ ایک مرد نے اپنا جانور چھوڑ دیا اور دوسرے
نے اس کو لیا اور اس کی درستی اور خبر گیری کی پھر اس کا مالک آیا سو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اس نے چھوڑنے کے وقت یہ کہا کہ جو اس کو
پکڑ لے ہم نے اس کو اس کا کر دیا یا یہ نہ کہا تو پہلی صورت میں مالک اس کو نہیں لے سکتا اس واسطے کہ اس نے تملیک کو مباح کر دیا اور
دوسری صورت میں اس کو لینا جائز ہے عدم اباحت کے سبب سے یہی قول ہمارا ہے شکار کے چھوڑ دینے میں کذا فی الطحطاوی مختصرا
واعتاقه لبعض الائمة ینکر اور اس کے اعتاق کو یعنی کنجشک کے چھوڑنے کو بعضے علماء انکار کرتے ہیں یعنی ارسال بلا اباحت کو جائز نہیں
کہتے ہیں شارح وہبانیہ نے کہا کہ لفظ بعض اس پر دلالت کرتا ہے کہ اکثر علماء اس کے مجوز ہیں حالانکہ ایسا منقول نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ مذہب
یہی ہے کہ حرام ہے کذا فی الطحطاوی وان یلقه مع غیره جاز اخذه اور اگر مالک نے عصفور مرسل کو غیر واجد کے ساتھ پایا تو مالک کو اس کا لینا
جائز ہے م یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ مالک نے ارسال کے وقت لینے والے پر مباح نہ کر دیا ہو چنانچہ تجنیس اور مزید سے مذکور ہو چکا
کذا فی الطحطاوی کقشر رمان رماه المقشر جیسے لینا جائز ہے چھلکا اس انار کا جس کو چھلکے والے نے پھینک دیا م بزازیہ میں ہے کہ شئے حقیر
بے قیمت کا زمین سے اٹھا لینا شیخین کے نزدیک درست ہے لیکن بعد التقاط مالک اس کو لے سکتا ہے کذا فی شرح الوہبانیة لعبد البر
وفی معایاتها وای حلال لا یحل اصطیاده * صیود وما صیدت ولا هی تنفر * اور وہبانیہ کی پہیلیوں میں یہ ہے وہ کون غیر محرم غیر ارض
حرم میں ہے جس کا شکار کرنا حلال نہیں ان شکاروں کا جن کو غیر اس کے نے شکار نہیں کیا اور نہ اس سے متنفر ہووے نہ بھاگے م اس کا جواب
شارح نے اگلے قول میں دیا ہو صید دخل دار رجل فغلق علیه بابه ملکه فلا یملکه غیره ولو بعد خروجه یعنی مراد وہ شکار ہے جو ایک مرد کے گھر میں گھس گیا

ہو اس نے اس کا دروازہ بند کر لیا یعنی قصداً اس طرح سے بند کر لیا کہ اس کے پکڑنے پر قادر ہو گیا تو اب اس کا کوئی مالک نہ ہوگا سوائے صاحب خانہ کے اگرچہ بعد اس کے خروج کے ہم یعنی شکار گھر میں گھسا پھر جب صاحب خانہ نے دیکھا تو دروازہ بند کر لیا اس طرح کہ وہ نکل نہیں سکتا اور صاحب خانہ اس کے پکڑ لینے پر قادر ہے بدوں شکار کرنے کے تو صاحب خانہ اس کا آخذ اور مالک ہو گیا اور اگر اس نے دروازہ بند کر لیا اور حالانکہ شکار اس کو معلوم نہیں تو اس کا آخذ اور مالک نہ ہوگا تو اگر پہلی صورت میں شکار باہر نکل گیا اور غیر صاحب خانہ نے اس کو پکڑ لیا تو وہ مالک نہ ہوگا اور دوسری صورت میں مالک ہوگا چنانچہ شرح وہبانیہ میں ہے قولہ ما صیدت میں نفی صید سے مراد صید حقیقی ہے نہ صید حکمی اور غیر محرم سے غیر صاحب خانہ مراد ہے کذا فی الطحطاوی واللہ اعلم واستغفر اللہ العظیم۔

کتاب الرہن

یہ کتاب ہے مسائل رہن یعنی گرو کرنے کے احکام میں مناسبتہ ان کلامن الرہن والصید سبب لتحصیل المال مناسبت کتاب الرہن کی کتاب الصید سے یہ ہے کہ رہن اور شکار کرنا ہر ایک تحصیل مال کے سبب ہیں ہو لغۃ حبس الشیئ وہ یعنی رہن لغت میں عبارت ہے حبس شئے سے یعنی چیز کے روکنے اور بند کرنے سے خواہ وہ چیز مال ہو یا غیر مال وشرعا حبس شیئ مالی ای جعل الشیئ محبوسا لان الحابس ہو المرتہن اور اصطلاح شرع میں عبارت ہے مالی چیز کے حبس کرنے سے یعنی چیز کو محبوس کر دینا اس واسطے کہ حبس کرنے والا مرتہن ہے نہ راہن م شارح نے حبس شیئ کی تفسیر جعل الشیئ محبوسا اس واسطے کی تا راہن حابس نہ ٹھہرے اس واسطے کہ حابس تو مرتہن ہے نہ راہن بلکہ راہن تو شئی کا محبوس کر دینے والا ہے اور تعریف میں حبس مرتہن اس واسطے معتبر نہ ہوا کہ کلام ہے اس رہن میں جو راہن کا فعل ہے نہ ارتہان میں جو مرتہن کا فعل ہے مثلا زید نے خالد سے سو درم لیے اور اپنا باغ اس کے پاس گرو رکھ دیا تو زید راہن ہے اور خالد مرتہن اور باغ مرہون بحق یمکن استیفاءہ ای اخذہ منہ کلا او بعضا کان قیمۃ المرہون اقل من الدین رہن عبارت ہے حبس شئے سے بعوض اس حق کے جس کا حاصل کرنا اور لینا شئی مرہون سے ممکن ہو خواہ تمام حق کا اس سے لینا ہو سکے یا بعض حق کا چنانچہ اگر قیمت مرہون کی دین سے کم ہو تو بعض حق کا حصول ممکن ہو گا نہ کل کا م امکان اخذ کی قید سے وہ چیز نکل گئی جو نہیں ٹھہرتی چنانچہ برف کذا فی الطحطاوی کالدین کاف الاستقصاء لان العین لا یمکن استیفاءہ من الرہن الا اذا صار دینا حکما کما سیجیئ چنانچہ دین کا حاصل کر لینا مرہون سے حق مذکور سے دین اس واسطے مراد ہوا کہ عین کا حاصل کرنا مرہون سے ممکن نہیں مگر جس وقت کہ عین دین حکمی ہو جائے چنانچہ دین حکمی کا بیان بعد ایک سطر کے آتا ہے شارح نے کہا کالدین کا کاف استقصاء اختصار ۱۲ کا کاف ہے نہ تمثیل کا یعنی حق منحصر ہے دین میں تو دین کل حق ہے نہ بعض م استیفاء عین مرہون سے اس واسطے ممکن نہیں کہ عین میں تو صورت مطلوب ہے سو اس کا نکلنا اور حاصل ہونا دوسری شئے سے ممکن نہیں برخلاف دین کے کہ اس کا استیفاء مرہون سے ممکن ہے اس کو بیچ کر کذا فی شرح الوقایۃ حقیقۃ وہو دین واجب ظاہرا وباطنا او ظاہرا فقط کثمن عبد او خل وجد حرا او خمرا خواہ دین حقیقۃ اور دین حقیقی وہ ہے جو ذمہ پر ظاہر اور باطن میں واجب ہو یا فقط ظاہر میں واجب ہو جیسے اس غلام کا ثمن جو آزاد نکلا یا وہ سرکہ جو خمر ثابت ہوا م تو بنظر ظاہر رہن صحیح ہے تو تاوان لازم آوے گا بائع پر اس کے ہلاک ہو جانے سے تو اگر غلام اور سرکہ کی قیمت دس درم ہو مثلا تو بائع پر مشتری کو دس درم دینا لازم ہوگا محمدؒ نے مبسوط اور جامع میں تصریح کی کہ مقبوض بحکم رہن فاسد لازم الضمان ہے یہی قول مختار ہے کذا فی الطحطاوی عن الاختیار او حکما کالاعیان المضمونۃ بالمثل او القیمۃ کما سیجیئ خواہ دین حکما ہو چنانچہ وہ اعیان جن کا ضمان مثل یا قیمت سے ہوتا ہے چنانچہ آگے مذکور ہوگا م مضمون بالمثل او القیمۃ کو مضمون بنفسہ بھی کہتے ہیں تاج الشریعۃ نے کہا مضمون بنفسہ وہ ہے جس کے تلف ہو جانے کے وقت مثل واجب ہے اگر اس کا مثل ہو یا قیمت واجب ہے اگر اس کا مثل نہ ہو چنانچہ مغصوب اس واسطے کہ اگر غاصب مغصوب کے بدلے مالک کے پاس کوئی چیز رہن رکھ دے تو رہن صحیح ہے حالانکہ مغصوب دین نہیں ہے اور چنانچہ مقبوض[1] علی سوم الشراء اور مقبوض بحکم بیع فاسد اور مہر اور بدل خلع اور بدل صلح عن دم العمد اور مضمون بغیرہ چنانچہ وہ مبیع جو بائع کے پاس ہے تو اس کا تاوان یعنی درصورت تلف ہو جانے کے ثمن سے ہے نہ قیمت سے کذا فی العینی حسن چلپی نے شرح وقایہ کے حاشیہ میں کہا کہ عین مضمون بنفسہ کی عوض رہن رکھنا صحیح ہے جیسے بعوض دین کے رہن صحیح ہے اس واسطے کہ اس کا

---

[1] قبض کی ہوئی چیز بارادہ خریداری ۱۲

مآل کار دین ہے انتہی خانیہ میں ہے رہن رکھنا بعوض ہر دین کے جائز ہے لیکن رہن بعوض اعیان کی اس طرح ہے کہ رہن بعوض ان اعیان کے جو امانت اور ودیعت اور عاریت اور مال مضاربت اور بضاعت ہیں سو جائز نہیں ہے اور اسی طرح رہن بعین مستاجرہ باطل ہے اور اسی طرح اعیان مضمونہ بغیر ہا سے رہن جائز نہیں چنانچہ بائع نے عین کو بیچا اور بعوض مبیع کوئی چیز رہن رکھ دی مشتری کے پاس قبل تسلیم کے تو وہ باطل ہے ہاں مگر اعیان مضمونہ بالقیمۃ سے رہن رکھنا مانند مغصوب کے بالاتفاق جائز ہے اور اسی طرح رہن بعوض مہر اور بدل خلع کے جائز ہے خواہ وہ عین ہو یا دین انتہی ما فی الحاشیۃ مختصراً خلاصہ یہ ہے کہ عین مضمون بنفسہ در حکم دین ہے تو رہن کی یہ تعریف صادق آئی کہ رہن نہیں ہوتا مگر دین میں خواہ دین حقیقی ہو یا حکمی **وینعقد بایجاب وقبول حال کونہ غیر لازم** وحینئذ **فللراہن تسلیمہ والرجوع عنہ** کما فی الہبۃ اور رہن منعقد ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے درحالیکہ وہ عقد غیر لازم ہے اور اس وقت میں تو راہن کو تسلیم مرہون کی اور رہن کے عقد سے رجوع کرنا جائز ہے چنانچہ ہبہ میں جائز ہے ھ رہن غیر لازم ہے کیونکہ تبرع کا عقد ہے مانند ہبہ اور صدقہ کے ولہذا راہن پر جبر نہیں رہن رکھنے میں **فاذا اسلمہ وقبضہ المرتہن حال کونہ محوزا لا متفرقا کثمر علی شجر مفرغا لا مشغولا بحق الراہن کشجر بدون الثمر ممیزا لا مشاعا** ولو حکما بان اتصل المرہون بغیر المرہون خلقۃ کالثمر بالشجر وسیتضح **لزم** پھر جب راہن نے مرہون تسلیم کر دیا مرتہن کو اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا اس حالت میں کہ مرہون مجتمع اور مضموم ہے نہ متفرق مانند متفرق ہونے پھل کے درخت پر خالی نہ مشغول بحق راہن جیسے رہن رکھنا درخت کا بدون پھل کے ممیز اور مقسوم ہے نہ مشاع اگرچہ شیوع حکمی ہو اس طرح کہ مرہون متصل ہو غیر مرہون سے باعتبار پیدائش کے چنانچہ اتصال درخت کا زمین مرہونہ سے اور یہ آگے واضح ہوگا تو رہن لازم ہوگا بعد تسلیم اور قبض کے بشروط مذکورہ ھ جب عدم تفرق مرہون کا شرط ہوا تو پھل کا رہن رکھنا بدوں درخت کے اور زراعت کا رہن بدوں رہن کے جائز نہ ہوا اور جب مرہون کا خالی ہونا حق راہن سے شرط ہوا تو درخت کا رہن بدوں پھل کے اور زمین کا بدوں درخت کے اور گھر کا رہن بدوں متاع راہن کے جائز نہ ہوا افاد ان القبض شرط اللزوم کما فی الہبۃ وصحح فی المجتبی انہ شرط الجواز مصنف کا کلام مذکور اس کا مفید ہے کہ قبض مرہون کا عقد رہن کے لازم ہو جانے کی شرط ہے جیسے ہبہ میں قبض لزوم کی شرط ہے اور مجتبیٰ میں اس کی تصحیح کی ہے کہ قبض جواز رہن کی شرط ہے ھ جب کہ قبض لزوم کی شرط ہو گئی تو مطلب یہ ہے کہ رہن صحیح ہے بدوں قبض کے مگر بدوں قبض کے لازم نہیں اور جب جواز کی شرط ہوئی تو مطلب یہ ہے کہ رہن صحیح نہیں بدوں قبض کے **والتخلیۃ بان الرہن والمرتہن قبض حکما علی الظاہر** اور تخلیہ کر دینا درمیان مرہون اور مرتہن کے درحکم قبض کے ہے ظاہر الروایۃ میں یعنی قبض کا حکم جاری ہے تخلیہ میں تو اگر بعد تخلیہ مرتہن اس کو نہ لے اور وہ ضائع ہو تو تاوان اس کا مرتہن پر لازم آوے گا کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود ثم تخلیہ یہ کہ راہن مرہون کو ایسے موضع میں رکھ دے کہ مرتہن اس کے لینے پر قادر ہو یہ ظاہر الروایۃ ہے اور ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ منقول میں قبضہ ثابت نہیں ہوتا بدوں نقل کے کذا فی شرح الوقایۃ **کالبیع** فانہا فیہ ایضا قبض تخلیہ رہن میں قبض ہے مانند بیع کے اس واسطے کہ تخلیہ بیع میں بھی قبض ہے **وہو مضمون اذا ہلک بالاقل من قیمتہ ومن الدین** اور جب مرہون تلف ہو جائے مرتہن کے پاس تو مرتہن پر اس کا تاوان کمتر قیمت اور دین سے لازم آوے گا ھ یہ مراد نہیں کہ قیمت اور دین دونوں سے کمتر ضمان ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے جو کمتر ہے اس کا ضمان ہے تو اگر دین اقل ہے قیمت مرہون سے تو اس قدر تاوان ہے مرتہن پر اور اگر قیمت اقل ہے تو وہ تاوان ہے کذا فی شرح الوقایۃ تلف ہو جانے کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر مرتہن مرہون کو تعدی سے تلف کر ڈالے گا تو تمام مرہون کا تاوان اس پر لازم ہوگا چنانچہ محیط میں ہے اور اگر راہن اس شرط پر گرو رکھے کہ اگر ضائع ہو جاوے تو منت بلا ضمان ضائع ہو تو رہن جائز ہے اور شرط باطل ہے تو تاوان لازم ہو کیونکہ یہ تبدیل مشروع ہے اور اگر بعض مرہون تلف ہو تو دین قسمت کیا جاوے گا مالک اور موجود پر مثلاً اگر گھر پر رہن رکھا اور اس کی قیمت ہزار ہے پھر گھر ویران ہو گیا تو ہزار کی قسمت ہوگی عمارت اور زمین کی قیمت پر یوم القبض سو عمارت کا حصہ ساقط ہوگا اور زمین کا حصہ باقی رہے گا کذا فی الطحطاوی وعند الشافعی ہو امانۃ اور شافعی

کے نزدیک مرہون امانت ہے تو تاوان لازم نہ آوے گا والمعتبر قیمتہ یوم القبض لا یوم الہلاک کما توہم فی الاشباہ لمخالفتہ للمنقول کما حررہ المصنف اور مرہون کی قیمت وہ معتبر ہے جو اس کی قیمت یوم القبض ہو یا یوم الہلاک کی قیمت جیسا وہم کا کھایا ہے صاحب اشباہ نے کیونکہ وہ منقول مذہب کے مخالف ہے چنانچہ مصنف نے شرح میں اس کی تحقیق بیان کی ہے المقبوض علی سوم الرہن اذا لم یبین المقدار ای مقدار ما یرید اخذہ من الدین لیس بمضمون فی الاصح کذا فی القنیۃ والاشباہ جس مرہون پر قبضہ ہو بطریق گفتگوئے رہن کے جب کہ مقدار اس دین کی مذکور نہ ہوئی ہو جس کو راہن طلب کرتا ہے تو اس کا تاوان لازم نہیں صحیح تر قول میں چنانچہ قنیہ اور اشباہ میں ہے م یعنی راہن نے مرتہن سے کہا کہ یہ چیز میں نے تیرے پاس گرو رکھی کچھ قرض میں تجھ سے لوں گا اور مقدار قرض بیان نہ کی اور مرہون ہلاک ہو گیا تو اس پہ تاوان نہیں اور اگر مقدار مذکور ہو چکی تو تاوان لازم ہوگا فان ہلک وساوت قیمتہ الدین صار مستوفیا دینہ حکما سو اگر مرہون مرتہن کے پاس تلف ہو گیا اور اس کی قیمت دین کے برابر ہے تو مرتہن اپنا دین بحکم شرع پا چکا یعنی جتنا لینا تھا اور جتنا تاوان دینا لازم آیا تو برابر سرابر ہو گیا گویا دین بھر پایا او زادت کان الفضل امانۃ فیضمن بالتعدی یا قیمت مرہون کے دین سے زیادہ ہے تو جس قدر زائد ہے وہ امانت ہے تو اس کا تاوان تعدی سے لازم ہوگا یعنی جب امانت ٹھہری تو اس کے ہلاک ہونے سے ضمان نہیں مگر جب کہ مرتہن تعدی سے اس کو ہلاک کرے گا او نقصت سقط بقدرہ ورجع المرتہن بالفضل لان الاستیفاء بقدر المالیۃ یا قیمت مرہون کی کم ہے دین سے تو بقدر قیمت کے دین ساقط ہوگا اور زائد کو مرتہن راہن سے بھر لے اس واسطے کہ حاصل ہونا تو بقدر مالیت کے ہوتا ہے م خلاصہ یہ ہے کہ اگر دس درم دین ہے اور دس درم مرہون کی قیمت ہے تو ہلاک ہو جانے سے اس صورت میں گویا مرتہن نے اپنا دین بھر پایا اور اگر پندرہ درم قیمت ہے تو پانچ درم مرتہن کے پاس امانت ہے اور اگر پانچ درم قیمت ہے تو پانچ درم مرتہن راہن سے بھر لے گا وضمن المرتہن بدعوی الہلاک بلا برہان مطلقا سواء کان من اموال ظاہرۃ او باطنۃ وخصہ مالک بالباطنۃ اور تاوان دے گا مرتہن مرہون کے دعوی ہلاک سے بدوں شہادت کے ہر طرح خواہ مرہون اموال ظاہرہ سے ہو چنانچہ اراضی اور دار اور غلام وغیرہ خواہ اموال باطنہ سے ہو چنانچہ نقد اور زیور امام مالکؒ نے تاوان خصوص باموال باطنہ کیا ہے ولہ طلب دینہ من راہنہ ولہ حبسہ بہ وان کان الرہن فی یدہ لان الحبس جزاء مطلہ اور مرتہن کو جائز ہے اپنا دین طلب کرنا اس کے راہن سے اور اس کو اختیار ہے راہن کے حبس کرنے کا دین کے سبب سے اس واسطے کہ حبس اور دین کی تاخیر کا بدلا ہے یعنی باوجود قبض مرہون کے دین کا تقاضا کرنا اور راہن کو سرعت ادائے دین کے واسطے محبوس کرنا مرتہن کو درست ہے ولہ حبس رہنہ بعد الفسخ للعقد حتی یقبض دینہ او یبرئہ لان الرہن لا یبطل بمجرد الفسخ بل یبقی رہنا ما بقی القبض والدین معا فاذا فات احدہما لم یبق رہنا ملتقی ودرر وغیرہما اور مرتہن کو جائز ہے محبوس رکھنا مرہون کا عقد رہن کے فسخ ہو جانے کے بعد یہاں تک کہ وہ اپنا دین پاوے یا دین کو معاف کر دے اس واسطے کہ رہن باطل نہیں ہو جاتا بمجرد فسخ عقد کے بلکہ رہن باقی رہتا ہے جب تک کہ قبضہ اور دین ساتھ ہی باقی رہیں پھر جب دونوں میں سے ایک فوت ہوا یعنی قبضہ نہ رہا یا دین کو معاف کر دیا تو اب رہن باقی نہ رہے گا کذا فی الزیلعی والدرر وغیرہما لا الانتفاع بہ مطلقا لا باستخدام ولا سکنی ولا لبس ولا اجارۃ او اعارۃ سواء کان من مرتہن او راہن الا باذن کل للآخر جائز نہیں منفعت حاصل کرنا مرہون سے ہر طرح نہ غلام لونڈی کی خدمت لینے سے نہ مکان کی سکونت لینے سے نہ کپڑے کے پہننے سے نہ اجارہ دینے یا عاریت دینے سے برابر ہے کہ یہ انتفاع مرتہن لے یا راہن کسی کو درست نہیں مگر باذن ہر ایک کے دوسرے کو یعنی مرتہن راہن کو انتفاع کی اجازت دے یا راہن مرتہن کو تب البتہ درست ہے م صیرفیہ میں ہے کہ عدم انتفاع مرتہن تو سب متون فقہ میں مذکور ہے لیکن عدم انتفاع راہن مجمع سے ماخوذ ہے اور غایۃ البیان میں اقطع سے یہ منقول ہے کہ ہمارے اصحاب نے کہا کہ راہن کو استیفاء منافع رہن جائز نہیں مگر مرتہن کے اذن سے اور اسی طرح اس میں تصرف کرنا کذا فی الطحطاوی عن ابی السعودؒ وقیل لا یحل للمرتہن لانہ ربوا اور بعضوں نے

اک فائدہ لینا مرتہن کو جائز نہیں اگرچہ راہن اجازت دے اس واسطے کہ یہ تو بیاج ہے م جب مرتہن نے اپنا دین پورا پایا تو جو منفعت حاصل وہ فضل ہے یہی تو بیاج ہے اسی لیے بعض علما اس بات کے قائل ہوئے کہ مرتہن کو رہن سے نفع لینا درست نہیں مصنف نے شرح میں اس قول کو دیانت اور ی پر محمول کیا ہے اور جو کتب معتبرہ میں حلت انتفاع باذن راہن کو ذکر ہے اسکو حکم اور فتوی پر محمول کیا ہے کذا فی الطحطاوی و قیل ان شرط کان ربوا والا لا اور بعضوں نے کہا کہ عقد رہن میں استیفاد منافع شرط لیا ہے تو بیاج ہے اور اگر شرط نہیں تو بیاج نہیں وفی الاشباہ والجواہر اباح الراہن للمرتہن اکل الثمار او سکنی الدار او لبن الشاۃ المرہونۃ فاکلہا یضمن و لہ منعہ ثم افاد فی الاشباہ انہ یکرہ للمرتہن الانتفاع بذلک و سیجیٔ آخر الرہن اور اشباہ اور جواہر میں ہے کہ راہن نے مرتہن کو درختوں کا پھل کھانا یا گھر کا رہنا اور رہن کی بکری کا دودھ مباح کر دیا سو مرتہن نے وہ کھایا تو اس پر ان منافع کا تاوان نہیں اور راہن کو اباحت کے بعد منع کر دینا بھی جائز ہے پھر اشباہ میں یہ فائدہ بیان کیا کہ مرتہن کو یہ نفع لینا مکروہ ہے اور اس کا بیان کتاب الرہن کے آخر میں آوے گا ھ غالب حال لوگوں یہی ہے کہ رہن رکھنے سے انتفاع کا قصد رکھتے ہیں اور اگر فائدہ متوقع نہ ہو تو قرض نہ دیں تو یہ بمنزلہ شرط کے ہے اس واسطے کہ معروف کالمشروط ہے یہ تائید ہے عدم جواز کی کذا فی الطحطاوی **ماتت الشاۃ فی ید المرتہن قسم الدین علی قیمۃ الشاۃ و لبنہا الذی شربہ فحظ الشاۃ یسقط و حظ اللبن یاخذ المرتہن** بکری مر گئی مرتہن کے پاس یعنی وہ بکری جس کے دودھ پینے کی راہن نے مرتہن کو اجازت دی تو دین قسمت کیا جائے گا بکری اور اس دودھ کی قیمت پر جو مرتہن نے پیا تو بکری کا حصہ ساقط ہوگا اور دودھ کا حصہ مرتہن لے گا م ایک مرد نے بکری گرو رکھی اور مرتہن کو اس کا دودھ مباح یا تو مرتہن کو پینا جائز ہے اور اس پر ضمان نہیں پھر اگر بکری اس کے پاس مر گئی تو دین کی قسمت ہوگی باری اور دودھ کی قیمت پر سو بکری کا حصہ ساقط ہوگا دین سے اور دودھ کے حصہ کو مرتہن راہن سے بھر لے گا اس واسطے کہ مرتہن کا پینا راہن کے اذن سے بمنزلہ راہن کے پینے کے ہے کذا فی الخانیہ طحطاوی نے یہ مسئلہ عالمگیری عن المحیط سے نقل کیا ہے اس کی عبارت میں کچھ ساقط ہو گیا ہے **فلو حصل الانتفاع بہ قبل اذنہ صار متعدیا و لم یبطل الرہن بہ** پھر اگر مرتہن نے مرہون سے فائدہ حاصل کیا قبل از اذن راہن کے تو وہ متعدی ہو گیا اور رہن باطل نہ ہوگا اس کی اس تعدی سے **واذا طلب المرتہن دینہ امر باحضار رہنہ لئلا یصیر مستوفیا مرتین** اور جب کہ مرتہن اپنا دین طلب کرے تو اس کو مرہون کے حاضر کر دینے کا حکم ہوگا تاکہ وہ دو بار مستوفی نہ ٹھہر جائے م اس واسطے کہ رہن کا قبضہ استیفا کا قبضہ ہے تو مال پر قبضہ کرنا باوجود قیام بہ استیفا جائز نہیں اس واسطے کہ اس میں تکرار استیفاء لازم آتا ہے اس صورت میں جب کہ مرہون ہلاک ہو جائے مرتہن کے پاس اور یہ امر محتمل ہے کذا فی الزیلعی **الا اذا کان لہ حمل او عند العدل لانہ لم یأتمنہ** شرح مجمع مگر اس صورت میں احضار رہن ضرور نہیں جبکہ مرہون کے حاضر کرنے کے واسطے بار برداری کی حاجت ہو یا مرہون کسی معتمد کے پاس رکھا ہو اس واسطے کہ راہن نے مرتہن کو معتمد نہ سمجھا اب دوسرے کے پاس رکھا کذا فی شرح المجمع **فان احضر مسلم لہ دینہ اولا ثم سلم المرتہن رہنہ تحقیقا للتسویۃ** پھر اگر مرتہن نے مرہون کو حاضر کر دیا تو اس کا پورا دین اس کو دیا جاوے گا پہلے پھر مرتہن اس کے مرہون کو تسلیم کرے تاکہ تعین حق میں برابری ثابت ہو جائے م یعنی حق مرتہن دین میں متعین ہو جائے جیسے راہن کا حق مرہون میں متعین ہے یہ علت ہے اختیار کی اور پہلے دین تسلیم کرنے کی یہ علت ہے کہ رہن محبوس ہے استیفاء دین کے واسطے تو جب تک دین حاصل نہ ہوگا مرتہن دفع مرہون کا مامور نہ ہوگا **وان طلب دینہ فی غیر بلد العقد للرہن فکذلک الحکم ان لم یکن للرہن مؤنۃ وان کان لحملہ مؤنۃ سلم دینہ وان لم یحضر لان الواجب علیہ التسلیم ای بمعنی التخلیۃ لا النقل من مکان الی مکان** اور اگر مرتہن نے اپنا دین طلب کیا عقد رہن کے غیر شہر میں تو اسی طرح احضار کا حکم ہے اگر مرہون کے لانے میں بار برداری کی مشقت نہ ہو اور اگر اس کے لانے میں مشقت ہو تو دین اس کو دیا جائے گا اگرچہ مرتہن مرہون کو حاضر نہ کرے اس واسطے کہ مرتہن پر تسلیم مرہون بمعنی تخلیہ واجب ہے نہ نقل کرنا مرہون کا ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف **و نقل القہستانی عن الذخیرۃ انہ لو لم یقدر علی احضارہ اصلا مع قیامہ**

ہو مرہونہ انتہی فلیحفظ اور قہستانی نے ذخیرہ سے نقل کیا کہ اگر مرتہن مرہون کو حاضر کرنے پر قادر نہ ہو باوجود موجود ہونے مرہون کے تو اس پر حاضر کرنے کا حکم نہ ہوگا انتہی قولہ تو اس کو یاد رکھنا چاہیے یعنی اگرچہ مرتہن عقد رہن کے شہر میں ہو ولکن للراہن ان یحلفہ باللہ ما ہلک ولیکن راہن کو اختیار ہے کہ مرتہن سے قسم لے خدا کی کہ مرہون موجود ہے تلف نہیں ہوا ہے یعنی درصورت عدم احضار وہذا کلہ اذا ادعی الراہن ہلاکہ لا اذا لم یدعہ فلا فائدۃ فی احضارہ وکذا الحکم عند کل نجم حل اور یہ سب مذکور اس وقت ہے جب کہ راہن مرہون کے تلف ہو جانے کا دعوی کرتا ہے اور اگر ہلاک کا مدعی نہ ہو تو مرہون کے حاضر کرنے میں کچھ فائدہ نہیں ہے اور اسی طرح کا حکم ہے ہر ایک اس قسط کے نزدیک جس کی مدت پہنچ گئی ہو م یعنی اگر دین بطور قسط بندی کے ہو اور قسط کی مدت آ جائے اور مرتہن بقدر قسط کے طلب کرے تو مرتہن پر اظہار مرہون کا جبر نہ ہوگا کما حررہ ابن الشحنۃ وقال ولا دفع مالم یحضر الرہن او یکن بغیر مکان العقد والحمل لعسر چنانچہ مضمون مذکور کو ابن شحنہ شارح نے تحریر کیا ہے اور یوں کہا ہے اور تمام دین کا دینا راہن کو لازم نہیں جب تک مرہون کو حاضر نہ کرے یا کہ مرتہن ہو عقد رہن کے غیر شہر میں اور حالانکہ اس کی باربرداری میں دشواری ہے یعنی درصورت عدم دشواری غیر شہر میں حاضر کرنا ضرور ہوگا خواہ راہن مدعی ہلاک ہو یا نہ ہو وکذا النجم اولا دون دعوی مدینہ ہلاکا وہذا فی النہایۃ یذکرہ اسی طرح قسط کا حکم ہے کہ بدوں احضار مرہون راہن پر تسلیم قسط لازم نہیں یا کہ مرتہن پر اظہار رہن لازم نہیں بدوں دعوی ہلاک راہن کے اور یہ تفصیل قول اخیر کی نہایہ شرح ہدایہ میں مذکور ہے م یہ تنویع قول اشارہ ہے ہدایہ اور نہایہ کے اختلاف کا ہدایہ میں یوں ہے کہ جیسے استیفائے کل دین کے واسطے احضار مرہون ضرور ہے ویسے ہی استیفاء ہر قسط کے واسطے احضار لازم ہے بسبب احتمال تلف ہو جانے کے اور نہایہ اور زیادات میں ہے کہ اگر راہن مدعی ہلاک ہے تو احضار ضرور ہے تا اس کی خاطر جمع ہو جائے ورنہ احضار میں کچھ فائدہ نہیں کذا فی الطحطاوی مختصرا ولا یکلف مرتہن قد طلب دینہ احضار رہن قد وضع عند العدل بامر الراہن اور جس مرتہن نے اپنا دین طلب کیا وہ مکلف نہ ہوگا اس مرہون کے حاضر کرنے کا جو اس نے رکھا ہے معتمد شخص کے پاس راہن کے امر سے یعنی اس واسطے کہ راہن نے مرتہن پر اعتماد نہیں کیا تب اس نے دوسرے کے پاس رکھا ولا احضار ثمن رہن باعہ المرتہن بامرہ ای بامر الراہن حتی یقبضہ لانہ بذلک اور نہ مکلف ہوگا مرتہن اس مرہون کے ثمن حاضر کرنے کا جس کو مرتہن نے بیچ ڈالا ہے راہن کے امر سے یہاں تک کہ ثمن پر قبضہ کرے عدم احضار ثمن کی وجہ اذن ہے راہن کا بیع وحینئذ فاذا قبضہ ای الثمن یکلف احضارہ لقیام البدل مقام المبدل اور اس وقت میں جب کہ مرتہن ثمن پر قبضہ کرے گا تو ثمن حاضر کرنے کا مکلف ہوگا بسبب قائم ہونے بدل کے مقام مبدل کے م بدل ثمن ہے اور مبدل مرہون یعنی جیسے مرہون کا حاضر کرنا درصورت طلب دین لازم ہے اسی طرح بعد قبض ثمن کے ثمن کا حاضر کرنا لازم ہوگا کیونکہ وہ بدل ہے مرہون کا ولا یکلف مرتہن معہ رہنہ تمکین الراہن من بیعہ لیقضی دینہ بثمنہ لان حکم الرہن الحبس الدائم حتی یقبض دینہ اور جس مرتہن کے ساتھ مرہون ہے وہ اس کا مکلف نہ ہوگا کہ راہن کو بیع مرہون پر قادر کرے تا وہ اپنا دین اس کے ثمن سے ادا کرے اس واسطے کہ رہن کا حکم دائمی حبس ہے یا قبض دین ولا یکلف من قضی بعض دینہ او ابرأ بعضہ تسلیم بعض رہنہ حتی یقبض البقیۃ من الدین او یبرئہ اعتبارا بحبس المبیع اور جس مرتہن کا کچھ دین ادا کیا گیا یا اس نے کچھ دین معاف کر دیا وہ بعض مرہون کی تسلیم کا مکلف نہ ہوگا جب تک وہ قبضہ نہ کرے گا اپنے باقی دین پر یا باقی کو معاف کر دیا حبس مبیع کے قیاس پر م یعنی اگر مشتری نے بعض ثمن ادا کیا تو بائع پر جبر نہیں تسلیم مبیع کا اسی طرح بعض دین کے قبض یا ابراء سے بعض مرہون کی تسلیم مرتہن پر لازم نہیں ویجب علی المرتہن ان یحفظہ بنفسہ وعیالہ کما فی الودیعۃ اور مرتہن پر واجب ہے کہ مرہون کی حفاظت کرے اپنی ذات سے اور اپنے اہل و عیال سے جس طرح ودیعت کی حفاظت واجب ہے م حفظ عیال میں مساکنت معتبر ہے نہ نفقہ اور اگر زوجہ مرہون اپنے زوج کے حفظ میں دے تو اس پر ضمان نہیں اگرچہ زوجہ پر زوج کا نفقہ نہیں کذا فی الحموی وضمن ان حفظ بغیرہم کما فیہا اور مرتہن پر ضمان لازم ہوگا اگر غیر عیال سے اس کی حفاظت کراوے گا چنانچہ کتاب الودیعۃ میں گزر گیا اور ضمان سے غصب کا ضمان مراد ہے نہ رہن کا ضمان

كذا في الطحطاوي وضمن بايداعه واعارته واجارته واستخدامه وتعديه كل قيمته فيسقط الدين بقدره اور مرتہن پر ضمان لازم ہوگا اس کی ودیعت رکھنے اور عاریتہ دینے اور اجارہ دینے اور خدمت لینے اور تعدی سے مرہون کی تمام قیمت کا تو دین ساقط ہو جاوے گا بقدر اس کے یعنی اور باقی کا مطالبہ کرے گا راہن پر وكذا يضمن كل قيمته بجعل خاتم الرہن في خنصره سواء جعل فصه لبطن كفه اولا به يفتي برجندی اليسرى واليمنى على ما اختاره الرضي اور اسی طرح مرتہن تاوان دے گا پوری قیمت کا رہن کی انگوٹھی پہننے سے اپنی بائیں یا داہنی چھنگلی میں بنا بر اس قول کے جس کو رضی نے پسند کیا ہے خواہ انگوٹھی کے نگین کو اپنی باطن کف میں کرے یا نہ کرے اسی کا فتویٰ ہے کذا فی البرجندی م ضمان اس واسطے لازم آیا کہ یہ استعمال ہے نہ حفاظت لكن قدمنا في الحظر عن البرجندي منها انه شعار الروافض وانه يجب التحرز عنه فتنبه قلت ولكن جرت العادة في زماننا بلبسه كذلك فينبغي لزوم الضمان قياسا على مسئلة السيف الآتية فليحرر لیکن ہم نے کتاب الحظر میں مقدم ذکر کیا ہے برجندی سے کہ داہنی چھنگلی میں انگوٹھی پہننا رافضیوں کی علامت اور اس سے پرہیز کرنا واجب ہے تو آگاہ رہنا میں کہتا ہوں ولیکن ہمارے زمانہ میں تو داہنی چھنگلی میں انگوٹھی پہننے کی عادت جاری ہو گئی ہے تو لازم ہونا ضمان کا لازم ہے مسئلہ سیف پر قیاس کرنے سے جو آگے آتا ہے تو اس کی تحریر اور تنقیح کرنا چاہیے لا بجعله في اصبع اخرى الا اذا كان المرتہن امرأة فتضمن لان النساء يلبس كذلك فيكون استعمالا لا حفظا ابن الكمال معزيا للزيلعي ضمان لازم نہ ہوگا سوائے چھنگلی کے دوسری انگلی میں پہننے سے مگر جس صورت میں مرتہن عورت ہوگی تو دوسری انگلی کے پہننے سے بھی تاوان دے گی اس واسطے کہ عورتیں اسی طرح چھنگلی کے سوا اور انگلیوں میں بھی پہنتی ہیں تو ان کے حق میں یہ استعمال ہوا نہ حفظ چنانچہ ابن کمال نے یہ ذکر کیا ہے زیلعی کی طرف نسبت کر کے م یہ جو کہا کہ اور انگلی سے ضمان لازم نہ ہوگا تو مراد یہ ہے کہ ضمان غصب لازم نہ ہوگا اور یہ نہیں کہ اصلاً ضمان لازم نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں تلف ہو جانے سے قیمت یا دین سے جو کمتر ہوگا اس قدر ضمان لازم آوے گا کذا فی الزیلعی ومثله تقلد سيفي الرہن لا الثلاثة فان الشجعان يتقلدون في العادة بسيفين لا الثلاثة اور انگوٹھی کے مانند دو تلواروں کا باندھنا ہے نہ تین تلواروں کا اس واسطے کہ بہادر عادت میں دو تلواریں باندھتے ہیں نہ تین تلواریں یعنی اگر رہن کی دو تلواریں باندھیں تو ضمان لازم ہوگا کیونکہ یہ استعمال ہے اور اگر تین تلواریں باندھیں تو ضمان لازم نہ ہوگا کیونکہ یہ حفاظت ہے نہ استعمال وفي لبس خاتمه اي خاتم الرہن فوق آخر يرجع الى العادة فان كان ممن يتجمل بلبس خاتمين ضمن والا كان حافظا فلا يضمن اور رہن کی انگوٹھی پہننے میں دوسری انگوٹھی پر عادت کی طرف رجوع کیا جاوے گا تو اگر مرتہن ان لوگوں میں سے ہے جو تجمل اور آرائش کرتے ہیں دو انگوٹھیاں پہن کر تو تاوان دے گا اور اگر ان لوگوں میں نہیں تو محافظ ٹھہرے گا تو ضمان نہ دے گا ثم ان قضى بها اي بالقيمة المذكورة من جنس الدين يلتقيان قصاصا بمجرده اي بمجرد القضاء بالقيمة اذا كان الدين حالا وطالب المرتہن الراہن بالفضل ان كان ثمه فضل پھر اگر مرتہن نے قیمت مذکور ادا کی دین کی جنس سے تو ادائے ضمان اور دین دونوں مل کر برابر ہو جاویں گے بمجرد ادا کرنے قیمت کے جس وقت کہ دین حال ہو نہ موجل اور مرتہن راہن سے زائد کا مطالبہ کرے گا اگر وہاں دین زیادہ ہوگا قیمت سے م دراہم اور دنانیر دو جنسیں مختلف ہیں چنانچہ معدن میں مصرح ہے اور شرح حموی سے مستفاد ہوتا ہے کذا فی الطحطاوی وان كان الدين مؤجلا فيضمن المرتہن قيمته وتكون رہنا عنده فاذا حل الاجل اخذه بدينه اور اگر دین مؤجل ہو تو مرتہن اس کی قیمت کا تاوان دے اور قیمت مذکور مرتہن کے پاس رہے گی پھر جب مدت دین کی آوے گی تو مرتہن اس کو لے گا اپنے دین کے بدلے وان قضى بالقيمة من خلاف جنسه كان الضمان رہنا عنده الى قضاء دينه لانه بدل الرہن فاخذ حكمه اور اگر مرتہن نے قیمت ادا کی جنس دین کے مخالف تو تاوان رہے گا مرتہن کے پاس اس کے دین کے ادا ہونے تک اس واسطے کہ تاوان بدلہ ہے مرہون کا تو بدل نے مبدل کا حکم لیا محبوس رہنے میں واجرة بيت حفظه وحافظه ومأوى الغنم على المرتہن اور مرہون کی حفاظت کے گھر کا کرایہ اور اس کی نگہبانی کی اجرت اور بھیڑ بکری کے رہنے کا مکان مرتہن پر لازم ہے واجرة راعيه لو حيوانا ونفقته

الرہن والخراج والعشر علی الراہن اور مرہون کے چرانے والے کی اجرت اگر مرہون جانور ہو اور نفقہ مرہون کا اور مرہون زمین کا خراج اور عشر راہن
پر ہے والاصل فیہ ان کل مایحتاج الیہ لمصلحۃ الرہن بنفسہ وتبقیتہ فعلی الراہن لانہ ملکہ وکل ما کان لحفظہ فعلی المرتہن لان حبسہ لہ اور قاعدہ کلیہ اس میں یہ ہے
کہ جو چیز ذات مرہون اور اس کے باقی رکھنے کی مصلحت کے واسطے محتاج الیہ ہو سو وہ راہن پر واجب ہے اس لیے کہ مرہون راہن کی ملک ہے اور
جو چیز مرہون کی محافظت کے واسطے ہو سو وہ مرتہن پر لازم ہے اس واسطے کہ اس کا محبوس رہنا اس کے حق کے واسطے ہے م نفس مرہون کے
محتاج الیہ چنانچہ طعام اور پانی اور لباس اور اجرت دایہ اور چرانے والے کی اور چارا اور باغ کی سیچائی وغیر ذلک من المصلحات واعلم انہ لا یلزم شئی من
لو اشترط علی الراہن قہستانی عن الذخیرۃ اور یہ جان رکھ کہ جو چیز مرتہن پر لازم ہے اس میں سے کچھ لازم نہ ہوگا اگر مرتہن راہن پر شرط کرے کذا فی القہستا
عن الذخیرۃ م چنانچہ زخم مرہون کا اور دوا کی قیمت اور طبیب کی اجرت مرتہن پر لازم ہے بشرطیکہ مرتہن کے پاس زخم لگا ہو تو شرط کرنے سے یہ امور راہن پر لاز
نہ ہوں گے کذا فی الطحطاوی عن القہستانی واما مؤنۃ ردہ کجعل آبق اور د جزء منہ کمداواۃ جریح الی یدہ ای الی ید المرتہن فتنقسم علی المضمون والامانۃ
فالمضمون علی المرتہن والامانۃ مضمونۃ علی الراہن لو قیمتہ اکثر من الدین اور مرتہن کے پاس مرہون کے پھیر لانے کا خرچ چنانچہ غلام گریختہ کے لا
والے کا اجر یا اس کے کسی جزء کے پھیر لانے کی اجرت چنانچہ عضو زخمی کا معالجہ سو منقسم ہے مضمون اور امانت پر سو جس قدر مضمون ہے اسی قدر کا خرچ
پر ہے اور امانت کا خرچ راہن پر بشرطیکہ مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہو م مثلاً دین سو درم ہے اور غلام مرہون کی قیمت دو سو درم ہے تو سو درم کا ضمان مرتہن پ
ہے اور زیادہ دین سے امانت ہے سو اگر غلام گریختہ کے پھیر لانے میں دس درم صرف ہوئے تو نصف مرتہن پر لازم ہوں گے اور نصف راہن پر
والا فعلی المرتہن اور اگر مرہون کی قیمت دین سے زیادہ نہیں یعنی قیمت دین کے برابر ہے یا کم تو اس کا خرچ پھیر لانے کا مرتہن پر ہے نہ راہن پر وکذ
معالجۃ امراض وقروح وفداء جنایۃ اور اسی طرح کا حکم ہے معالجہ امراض اور قروح اور فدیہ جنایت کا وکل ما وجب علی احدہما فاداہ الآخر کان متبرع
الا ان یامرہ القاضی بہ ویجعلہ دینا علی الآخر فحینئذ یرجع علیہ وبمجرد امر القاضی بلا تصریح بجعلہ دینا علیہ لا یرجع کما فی الملتقط اور جو چیز مرتہن یا راہن
پر واجب ہو پھر دوسرا اس کو ادا کرے تو وہ متبرع ہوگا اس کا دعوی نہیں کر سکتا مگر یہ کہ قاضی اس کو اس کا حکم کرے اور اس کو دین ٹھہرا دے دوسرے پر ت
اس وقت میں وہ دوسرے سے اپنا خرچ بھر لے گا اور بمجرد امر قاضی کے بدوں اس تصریح کے کہ اس کو دوسرے پر دین ٹھہرا دے رجوع نہیں کر سکتا چنانچ
یہ ملتقط میں مصرح ہے وعن الامام لا یرجع لو صاحبہ حاضرا مطلقا خلافا للثانی وہی مسئلۃ الحجر زیلعی اور امام سے ایک روایت یوں ہے کہ خرچ کرنے والا رجو
نہ کرے گا اگر اس کا ساتھی موجود رہے مطلقا رجوع نہیں خواہ قاضی امر کرے یا نہ کرے برخلاف ابو یوسف کے کہ ان کے نزدیک امر اور بدون امر ہر طرح
رجوع ہے اور یہ حجر کا مسئلہ ہے کذا فی الزیلعی م یعنی امام کے نزدیک مکلف حاضر پر قاضی حجر نہیں کر سکتا اور ابو یوسف کے نزدیک قاضی کو اس کا اختیا
فتاوی عالمگیری میں جواہر اخلاطی سے منقول ہے کہ قول اول پر فتوی ہے یعنی بامر قاضی ایک دوسرے سے اپنا خرچ بھر لے گا کذا فی الطحطاوی قال الراہن
الرہن غیر ہذا وقال المرتہن بل ہذا ہو الذی ارہنتہ عندی فالقول للمرتہن لانہ القابض راہن نے کہا کہ یہ میرا مرہون نہیں اور مرتہن نے کہا کہ یہ و
مرہون ہے جس کو تو نے میرے پاس رکھا تھا تو مرتہن ہی کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ وہ قابض ہے اور قول معتبر نہیں مگر قابض کا بخلاف ما
لو ادعی المرتہن ردہ علی الراہن بعد قبضہ فان قول الراہن لانہ المنکر برخلاف اس صورت کے کہ اگر مرتہن نے اس کو پھیر دینے کا دعوی کیا اپنے قبضہ کرنے
بعد تو اب راہن کا قول مقبول ہوگا اس واسطے کہ وہ منکر ہے یعنی رد عارض مرہون کا وہ منکر ہے فان برہنا فللراہن ایضا وسقط الدین لاثبا
الزیادۃ پھر اگر راہن اور مرتہن گواہ گذرانیں تو بھی راہن ہی کے مقبول ہوں گے بسبب زیادت اثبات کے اور دین مرتہن کا ساقط ہو جاو
ولو قبل قبضہ فالقول للمرتہن لانکارہ دخولہ فی ضمانہ اور اگر اختلاف ہو اس کے مقبوض ہونے سے پہلے یعنی مرتہن کہتا ہو کہ مرہون تلف ہو گیا راہ
پاس میرے قبضہ کرنے سے پہلے اور راہن کہتا ہو بلکہ تیرے قبضہ کرنے کے بعد تلف ہوا تو مرتہن کا قول معتبر ہوگا اس واسطے کہ وہ اس کے دخول فی

کا منکر ہے کذا فی الطحطاوی عن البزازیۃ وان برہنا فللراہن لاثباتہ الضمان بزازیۃ اور اگر دونوں اپنے دعوی پر گواہ لاویں تو راہن کے گواہ مقبول ہوں گے بسبب اس کے ثابت کرنے ضمان کے کذا فی البزازیۃ ویجوز لہ السفر بہ بالرہن اذا کان الطریق آمنا کما فی الودیعۃ وان کان لہ حمل ومؤنۃ اور مرتہن کو جائز ہے مرہون کا سفر میں لیجانا جب کہ راہ بے خوف ہو جیسے ودیعت کو سفر میں لیجانا بشرط امن طریق جائز ہے اگرچہ مرہون کے لے جانے کے واسطے باربرداری اور خرچ کی حاجت ہو وکذا الانتقال عن البلد وکذا العدل الذی الرہن فی یدہ کما فی العمادیۃ معزیا للعدۃ علی خلاف ما فی فتاوی القاضیین[1] ولعل ما فی العدۃ قول الامام وما فی الفتاوی قولہما کما یفیدہ کلام القنیۃ اور اسی طرح مرہون کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانا درست ہے اگرچہ مدت سفر نہ ہو اور اسی طرح اس معتمد شخص کو سفر جائز ہے جس کے قبضے میں مرہون ہے چنانچہ عمادیہ میں ہے عدہ سے منقول برخلاف دو قاضیوں کے فتاوی یعنی قاضی خاں اور قاضی ظہیر الدین کے فتاوی کے اور شاید کہ جو روایت عدہ میں ہے وہ امام کا قول ہے اور جو دونوں فتاووں میں ہے وہ صاحبینؒ کا قول ہے چنانچہ یہ مفہوم ہوتا ہے قنیہ کے کلام سے م شاید کہنے کی کچھ حاجت نہیں اس واسطے کہ فتاوی قاضی خاں میں قول صاحبین کا صریحا مذکور ہے کذا فی الطحطاوی **فائدۃ** فی الحدیث اذا عمی الرہن فہو بما فیہ قالوا معناہ اذا اشتبہت قیمتہ بعد ہلاکہ بان قال کل لا ادری کم کانت قیمتہ ضمن بما فیہ من الدین کما ذکرہ المصنف اول الباب **فائدہ** حدیث میں ہے کہ جب رہن دکھائی نہ پڑے تو وہ بعوض اس دین کے ہے جس میں وہ مرہون ہے شراح حدیث نے کہا مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جب مرہون کی قیمت مشتبہ ہو اس کے ہلاک ہو جانے کے بعد اس طرح پر کہ راہن اور مرتہن ہر ایک کہتا ہو کہ میں نہیں جانتا کہ اس کی قیمت کتنی تھی تو مرتہن تاوان دے اس قدر دین کا جس قدر میں وہ رہن تھا یعنی دین راہن سے ساقط ہو جاوے گا جب کہ مرتہن کے پاس مرہون ہلاک ہو جائے ایسا ذکر کیا ہے مصنفؒ نے شرح میں کتاب الرہن کے شروع میں م یہ حدیث مسند اور مرسل دونوں طرح مروی ہے مسند کی تو دارقطنی نے بسند ضعیف روایت کی ہے اور مرسل کی ابو داؤد نے اپنے مراسیل میں روایت کی ہے میں کہتا ہوں مرسل ابو داؤد صحیح ہے بقول سعید ابن قطان کذا فی العینی شرح الہدایۃ

باب مایجوز ارتہانہ ومالا یجوز

یہ باب ان مسائل میں ہے کہ کون چیز کا رہن رکھنا جائز ہے اور کس کا جائز نہیں لا یصح رہن مشاع لعدم کونہ ممیزا کما مر صحیح نہیں رہن رکھنا مشاع یعنی غیر مقسوم کا اس کے ممتاز اور جدا نہ ہونے کے سبب سے چنانچہ شروع میں گذر گیا مطلقا مقارنا او طاریا من شریکہ او غیرہ یقسم اولا مشاع کا رہن مطلقا صحیح نہیں خواہ شیوع عقد رہن کے متصل ہو یا پیچھے سے طاری ہو گیا خواہ اپنے شریک سے اس کو رہن رکھے یا اور اجنبی سے مشاع قسمت پذیر ہو یا نہ ہو ثم الصحیح انہ فاسد یضمن بالقبض وجوزہ الشافعی پھر یہ دریافت کرنا چاہیے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ رہن مشاع کا باطل نہیں فاسد ہے مرتہن پر اس کا ضمان قبضہ کرنے سے لازم ہوگا اور رہن مشاع کو امام شافعی نے جائز رکھا ہے م انعقاد رہن کی شرط یہ ہے مال ہو اور اس کے مقابل بھی مال مضمون ہو تو اگر شرط جواز کی پائی گئی تو رہن صحیح منعقد ہوگا اور اگر کوئی شرط مفقود ہوئی تو رہن فاسد منعقد ہوگا اور جہاں رہن مال نہ ہو چنانچہ آزاد یا خمر ہو یا مقابل اس کے مال مضمون نہ ہو تو رہن اصلا منعقد نہ ہوگا اسی کا رہن باطل نام ہے وفی الاشباہ ما قبل البیع قبل الرہن الا فی اربعۃ المشاع والمشغول والمتصل بغیرہ والمعلق عتقہ بشرط قبل وجودہ بخلاف المدبر فیجوز بیعہا لا رہنہا اور اشباہ میں ہے کہ جو چیز بیع قبول کرتی ہے سو رہن بھی قبول کرتی ہے یعنی جس چیز کی بیع صحیح اس کا رہن رکھنا بھی صحیح ہے سوائے چار چیزوں کے مشاع اور مشغول اور متصل بغیرہ اور وہ غلام جس کا عتق معلق ہوا کسی شرط سے قبل اس کے وجود کے سوائے غلام مدبر کے تو ان چاروں کی بیع تو جائز ہے رہن رکھنا ان کا جائز نہیں م مشغول کو مطلق کہا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مشغول بملک راہن مانع رہن ہے اور مشغول بملک غیر کا رہن جائز ہے اور عتق معلق کی صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنے غلام کو کہا کہ تو اگر اس گھر میں داخل ہوگا تو تو آزاد ہے تو اس کی بیع تو درست ہے مگر رہن درست نہیں ہاں مگر مدبر مطلق کی بیع بھی درست نہیں لیکن مدبر مقید کی بیع جائز ہے

---

[1] اور ایک نسخہ میں القاضیین کی جگہ قاضی خاں ہے ۱۲

کذا فی الطحطاوی وفیہا الحیلۃ فی جواز رہن المشاع ان یبیعہ النصف بالخیار ثم یرہنہ النصف ثم یفسخ البیع قال المصنف وفیہ نظر ولعلہ مفرع علی الضعیف فی الشیوع الطاری اور اشباہ میں جواز رہن مشاع کا یہ حیلہ مذکور ہے کہ نصف مشاع کی بیع بشرط خیار کے کرے پھر مشتری کے پاس نصف باقی کو رہن رکھے پھر بائع شرط خیار کے سبب سے بیع فسخ کر ڈالے مصنفؒ نے شرح میں کہا کہ اس میں اعتراض ہے اور شاید کہ یہ حیلہ متفرع ہے شیوع طاری میں ضعیف قول پر م برہان میں ابو یوسفؒ کا ضعیف قول یوں مذکور ہے کہ شیوع طاری بقاء حکم رہن کا مانع نہیں کذا فی الطحطاوی قلت بل ولا علی الصحیح لانہ بالخیار لایخلو اما ان یبقی فی ملکہ او یعود لملکہ وعلی کل مایکون رہن المشاع ابتداء کما بسطہ فی تنویر البصائر فتنبہ میں کہتا ہوں بلکہ وہ بنا بر قول صحیح کے ضعیف قول پر بھی متفرع نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ شرط خیار سے دو حال سے خالی نہیں کہ باقی رہے گا اس کی ملک میں یا اس کی ملک کی طرف عود کرے گا اور ہر حال میں مشاع کا رہن ابتدا سے ہوگا چنانچہ مشرح بیان کیا ہے اس کو تنویر البصائر میں تو خبردار رہنا م شرف الدین غزی کی تنویر البصائر حاشیہ اشباہ والنظائر میں مذکور ہے کہ یہ حیلہ اس پر متفرع ہے کہ شیوع طاری مضر نہیں بلکہ ظاہر اس پر بھی متفرع نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ جب بائع نے بیع کی اس شرط پر کہ مجھ کو اختیار ہے تو بیع بائع کی ملک سے باہر نہ گیا پھر جب اس کے ملک سے باہر گیا تو اس نے اپنے بعض ملک کو رہن رکھا تو رہن مشاع ابتدا سے ثابت ہوا اور اگر مشتری نے اپنا خیار شرط کیا تو صاحبینؒ کے قول پر ظاہر ہے اس واسطے کہ ان کے نزدیک ملک مشتری میں داخل ہو گیا تو رہن رکھنا مشاع کا اپنے شریک کے پاس لازم آیا اور وہ جائز نہیں اور امام کے قول پر اگرچہ مدت خیار میں ملک مشتری میں داخل نہیں ہوا لیکن بعد مدت کے یا مشتری کی ملک میں داخل ہوگا یا بائع کی ملک میں عود کرے گا اور ہر حال میں رہن مشاع کا ابتدا سے ثابت ہوگا کذا فی الطحطاوی مختصراً قلت والحیلۃ الصحیحۃ مافی حیل منیۃ المفتی اراد رہن نصف دارہ مشاعا یبیع نصفہا من طالب الرہن ویقبض منہ الثمن علی ان المشتری بالخیار ویقبض الدار ثم ینقض البیع بحکم الخیار فیبقی فی یدہ بمنزلۃ الرہن بالثمن واعتمدہ ابن المصنف فی زواہر الجواہر میں کہتا ہوں اور صحیح حیلہ جواز رہن مشاع میں وہ ہے جو منیۃ المفتی کے حیلوں میں مذکور ہے ایک شخص نے اپنے گھر میں سے نصف غیر مقسوم کے رہن رکھنے کا ارادہ کیا تو اس کے نصف کو طالب رہن کے ہاتھ بیع کرے اور اس سے ثمن اس کا لے اس شرط پر کہ مشتری کو اختیار ہے اور مشتری گھر پر قبضہ کرے پھر بیع کو توڑ دے بحکم خیار کے تو نصف گھر مشتری کے قبضہ میں باقی رہے گا بمنزلہ رہن بعوض ثمن کے اور اس حیلہ پر شیخ صالح ابن مصنفؒ نے زواہر جواہر میں اعتماد کیا م اور اسی طرح حموی نے حاشیہ اشباہ میں اس حیلہ کو ثابت رکھا منح الغفار میں ہے کہ اگر مشتری کے پاس تلف ہوگا تو مالک پر سے ثمن ساقط ہوگا اور اگر عیب دار ہو جاوے گا تو اس کے حساب کے موافق ثمن گھٹ جاوے گا وفیہا الشیوع الثابت ضرورۃ لایفسد لما فی لولوالجیۃ ولو جاء بثوبین وقال خذ احدہما رہنا والآخر بضاعۃ عندک فان نصف کل منہما یصیر رہنا بالدین لان احدہما لیس باولی من الآخر فیشیع الرہن فیہما بالضرورۃ فلا یضر اور زواہر الجواہر میں ہے کہ جو شیوع ضرورت کے سبب سے ثابت ہو وہ رہن کے واسطے مضر نہیں اس واسطے کہ ولوالجیہ میں ہے کہ اگر ایک شخص دو کپڑے لایا اور بولا کہ ان میں سے ایک کپڑا رہن رکھ اور دوسرا کپڑا بضاعت رکھ اپنے پاس تو ہر کپڑے سے نصف نصف رہن ٹھہر جاوے گا دین کی عوض اس واسطے کہ ایک کپڑا رہن یا بضاعت کے واسطے اولی اور مقدم نہیں تو رہن شائع ہو شائع ہوگا دونوں کپڑوں میں عدم ترجیح کی ضرورت کے سبب سے تو یہ شیوع ضروری رہن کو مضر نہیں کرتا ولا رہن ثمرۃ علی نخل دونہ ولا زرع ارض او نخل او بناء بدونہا اور جائز نہیں رہن رکھنا اس پھل کا جو درخت پر ہے بدوں درخت کے اور نہ زمین کی زراعت یا درخت یا عمارت کا بدوں زمین کے وکذا عکسہ ای رہن الشجر لا الثمر والارض لا النخل اور اسی طرح کا حکم ہے اس کے عکس میں چنانچہ رہن رکھنا درخت کا بدوں پھل اور زمین کا رہن رکھنا بدوں درخت کے م اور اگر اخراج شجر کی تصریح نہ کی تو درخت بھی رہن میں بالتبع داخل ہوگا والاصل ان المرہون متی اتصل لغیر المرہون خلقۃ لایجوز لامتناع قبض المرہون وحدہ دررالہ قاعدہ کلیہ ان مسائل میں یہ ہے کہ جب مرہون متصل ہو غیر مرہون سے باعتبار پیدائش کے تو رہن جائز نہیں بسبب ممتنع ہونے قبض مرہون کے فقط

کذا فی الدرر وعن الامام جاز رہن الارض بلا شجر اور امامؒ سے ایک روایت ہے کہ زمین کا رہن بدوں درخت کے جائز ہے ولو رہن الشجر بمواضعها او الدار بما فیها جاز ملتقی لانہ متصل اتصال مجاورۃ اور اگر رہن کیا درختوں کو ان کے مواضع کے ساتھ یا گھر رہن کیا اس کے ساتھ جو اس کے اندر ہے کذا فی الملتقی اس واسطے کہ وہ متصل ہے باتصال مجاورت اور مقاربت کے وفی القنیۃ رہن دارا والحیطان مشترکۃ بینہ وبین الجیران صح فی العرصۃ ولا یضر اتصال السقف بالحیطان المشترکۃ لکونہ تبعا اور قنیہ میں ہے کہ ایک گھر رہن رکھا اور حالانکہ اس کی دیواریں مشترک ہیں فی مابین راہن اور پڑوسیوں کے تو رہن صحیح ہے صحن اور انگنائی میں اور چھت کا متصل ہونا مشترک دیواروں سے مضر رہن کا نہیں اس لیے کہ وہ تابع ہے نہ اصل م قنیہ میں پوری روایت یوں ہے کہ رہن صحیح ہے صحن اور چھت اور راہن کی خاص دیواروں میں کذا فی الطحطاوی ولا رہن الحر والمدبر والمکاتب و ام الولد والوقف اور جائز نہیں رہن رکھنا آزاد غلام کا اور غلام مدبر اور غلام مکاتب اور ام ولد اور وقف کا تم لما ذکر ما لا یجوز رہنہ ذکر ما لا یجوز الرہن بہ فقال **ولا بالامانات کودیعۃ وامانۃ** پھر جب کہ مصنف نے وہ چیزیں ذکر کیں جن کا رکھنا درست نہیں اب اس کا ذکر شروع کیا جس کے بدلے رہن رکھنا درست نہیں تو مصنفؒ نے یوں کہا اور رہن جائز نہیں بدلے امانتوں کے چنانچہ ودیعت اور امانۃ م اور اسی طرح عاریۃ اور مال مضاربۃ اور مال شرکت کے بدلے رہن رکھنا . . . . . جائز نہیں اس واسطے کہ رہن کا موجب ید استیفاء ہے مرتہن کے واسطے تو رہن کا قبضہ لازم الضمان ہوگا تو ضمان ثابت کا ہونا ضرور ہے تا کہ قبض مضمون واقع ہو اور استیفا ردین اس سے ہو سکے اور امانت کے قبض میں ضمان نہیں کہ رہن اس کے بدلے صحیح ہو کذا فی الدرر ولا بالدرک خوف استحقاق المبیع فالرہن بہ باطل بخلاف الکفالۃ کما مر اور رہن بالدرک جائز نہیں استحقاق مبیع کے خوف سے تو رہن بالدرک باطل ہے بخلاف کفالت بالدرک کے کہ وہ صحیح ہے چنانچہ گذر گیا م رہن بالدرک اس واسطے صحیح نہیں کہ رہن تو استیفاء ہے اور استیفاء نہیں ہوتا واجب ہونے سے پہلے اس واسطے کہ معنی درک کے تاوان لینا ہے ثمن کا بعد استحقاق مبیع کے تا ثمن پھیر دینے کا حکم ہو اور رہن بالدرک کی تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص کوئی جنس بیع کرے اور اس کا ثمن لے اور مشتری ڈرے کہ شاید یہ مبیع بائع کے سوا کسی اور شخص کی مملوک نکلے اور ثمن کے بدلے بائع سے کوئی چیز رہن رکھ لے قبل از استحقاق کے تو یہ رہن باطل ہے اور مرہون اگر تلف ہوگا تو مشتری کے پاس امانت ہوگا ضمان اس کا لازم نہ آوے گا خواہ درک حاصل ہو یا نہ ہو بخلاف کفالت کے اس واسطے کہ کفالت بالدرک صحیح ہے وجہ فرق یہ ہے کہ رہن ہوتا ہے استیفاء کے واسطے اور استیفاء نہیں وجوب سے پہلے اور اضافت وجوب کی زمان مستقبل کی طرف جائز نہیں اور کفالت تو عبارت ہے التزام مطالبہ سے اور التزام افعال کا مضاف بمستقبل صحیح ہے ولا بالعین مضمونۃ بغیرہا ای بغیر مثل او قیمۃ مثل المبیع فی ید البائع فانہ مضمون بالثمن فاذا ہلک ذہب بالثمن اور رہن جائز نہیں عین مضمون بغیرہا کے بدلے یعنی وہ چیز جس کا تاوان مثل یا قیمت سے نہیں چنانچہ مبیع بائع کے پاس اس واسطے کہ اس کا ضمان ثمن سے ہے پھر اگر مبیع بائع کے پاس تلف ہو گیا تو ثمن جاتا رہا م بائع نے مشتری کے ہاتھ کوئی چیز بیچی اور مبیع بائع کے پاس ہے بائع نے کوئی چیز مشتری کے پاس بدلے مبیع کے رہن رکھی تو یہ رہن باطل ہے اس واسطے کہ رہن واجب ہوتا ہے دین کے مقابلہ میں اور مبیع بائع کے پاس دین نہیں ہوتا بلکہ اگر مبیع تلف ہوگا تو مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہوگا اور وہ بائع کا حق ہے اور اس میں ضمان نہیں کذا فی الدرر **ولا بالکفالۃ بالنفس** اور رہن جائز نہیں حاضر ضامنی کے بدلے یعنی کفیل کا اصیل پر مال واجب نہیں جس کے بدلے رہن جائز ہو اور اگر مال ضامن ہو اور اصیل اس کے پاس مال کے بدلے کچھ رہن رکھے تو یہ رہن درست ہے کذا فی المنح **ولا بالقصاص مطلقا فی نفس** وما دونہا اور رہن جائز نہیں بدلے قصاص کے ہر طرح خواہ قصاص جان کا ہو یا اعضا کا اس واسطے کہ استیفاء قصاص رہن سے متعذر ہے اور یہ رہن باطل ہے اس واسطے کہ مرہون بہ یعنی قصاص مال نہیں تو اگر مرہون ہلاک ہوگا تو مالک کا مال ضائع ہوگا بخلاف الجنایۃ خطاء لامکان استیفاء الارش من الرہن برخلاف جنایت خطا کے کہ اس کے بدلے رہن جائز ہے بسبب ممکن ہونے دیت کے مرہون سے یعنی یہاں تو مال واجب ہے تو رہن بمقابلہ مال کے جائز ہوگا ولا بالشفعۃ اور رہن جائز نہیں بدلے شفعہ کے یعنی رہن لینا جائز نہیں اُس مشتری سے جس پہ تسلیم مبیع شفعہ کے سبب سے واجب ہے اس واسطے کہ

بیع کا مشتری پر ضمان نہیں **وباجرۃ النائحۃ والمغنیۃ** اور رہن جائز نہیں نوحہ گر اور گانے والی عورت کی اجرت کے بدلے اس واسطے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز لازم الضمان نہیں کذا فی الدرر **وبالعبد الجانی او المدیون** اور رہن جائز نہیں غلام قاتل یا غلام مدیون کے بدلے اس واسطے کہ مالک پر اس کا ضمان نہیں واذا لم یصح الرہن فی ہذہ الصور فللراہن اخذہ فلو ہلک عند المرتہن قبل الطلب ہلک مجانا اذ لا حکم للباطل فبقی القبض باذن المالک صدر الشریعۃ وابن کمال اور جب کہ رہن صحیح نہ ہوا ان سب صورتوں میں تو راہن کو مرہون کا لینا مرتہن سے جائز ہے پھر اگر مرہون تلف ہو گیا مرتہن کے پاس راہن کے طلب کرنے سے پہلے تو مفت تلف ہو گیا اس واسطے کہ رہن باطل کے واسطے کچھ حکم ضمان کا نہیں تو باقی رہا قبض مرتہن کا مالک کے اذن سے کذا ذکرہ صدر الشریعۃ وابن کمال **ولا رہن خمر وارتہانہا من مسلم او ذمی لمسلم** ای لا یجوز للمسلم ان یرہن خمرا او یرتہنہا من مسلم او ذمی اور جائز نہیں مسلمان کو رہن دینا خمر کا اور نہ خمر کا رہن لینا مسلمان یا ذمی سے یعنی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ خمر کو رہن دے یا خمر کو مسلمان یا ذمی سے رہن لے اس واسطے کہ ایفا اور استیفا حق مسلم میں متعذر ہے اس واسطے کہ مسلم ممنوع ہے تملک اور تملیک خمر سے **ولا یضمن** لہا ای للمسلم مرتہنہا حال کونہ ذمیا **او لمسلم** راہن کو خمر کا مرتہن ذمی ہو کر تاوان نہ دے گا یعنی اگر ذمی کے پاس مسلمان خمر کو رہن رکھے اور وہ تلف ہو جائے تو اس پر تاوان اس کا لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ خمر مسلم کے حق میں مال ہی نہیں جو اسکا تاوان واجب ہو وفی عکسہ الضمان لتقومہا عندہم لا عندنا اور اس کے بالعکس میں ضمان ہے یعنی اگر ذمی اپنی خمر مسلمان کے پاس رہن رکھے اور وہ تلف ہو جائے مسلمان پر تاوان دینا لازم ہوگا اس واسطے کہ خمر ذمیوں کے نزدیک مال متقوم ہے نہ ہمارے نزدیک وصح الرہن بعین مضمونۃ بنفسہا ای بالمثل او بالقیمۃ **کالمغصوب وبدل الخلع والمہر وبدل الصلح عن دم عمد** اور صحیح ہے رہن عین مضمون بنفسہا کے بدلے یعنی جس چیز کا ضمان اس کے مثل سے یا اس کی قیمت سے لازم ہوتا ہو چنانچہ غصب کی چیز اور بدل خلع اور مہر اور بدل صلح کا عمداً خون سے ہم اس کی تفصیل کتاب الرہن کے شروع میں مذکور ہو چکی اعلم ان الاعیان ثلثۃ عین غیر مضمونۃ اصلا کالامانات وعین غیر مضمونۃ ولکنہا تشبہ المضمونۃ کمبیع فی ید البائع وعین مضمونۃ بنفسہا کالمغصوب ونحوہ وتمامہ فی الدرر سو دریافت کر کہ اعیان یعنی اشیاء غیر دین تین قسم ہیں ایک وہ عین ہے جو غیر مضمون ہے یعنی اصلا اس کا ضمان نہیں چنانچہ امانتیں دوسری عین غیر مضمون ہے لیکن وہ مضمون کے مشابہ ہے چنانچہ وہ مبیع کہ ہنوز بائع کے پاس ہے تیسری وہ عین جو مضمون بنفسہا ہے چنانچہ مغصوب اور مانند اس کے اور اس کا پورا بیان درر میں ہے ہم تفصیل اس کی درر میں یوں ہے کہ اعیان تین قسم ہیں ایک عین تو اصلا مضمون نہیں یعنی اس کا تاوان نہیں چنانچہ امانات اس واسطے کہ ضمان عبارت ہے رد مثل ہالک سے یعنی جو چیز تلف ہو گئی اس کے مانند چیز کو پھیر دینا اگر وہ مثلی چیز ہے یا اس کی قیمت پھیر دینا اگر وہ قیمت والی چیز ہے تو امانت اگر تلف ہو جائے بدوں تعدی کے تو اس کے مقابلہ میں کچھ ضمان نہیں یا امانت تعدی سے تلف ہو تو وہ امانت نہ رہی بلکہ غصب ہو گئی دوسری عین مضمون بنفسہا چنانچہ مغصوب اور مانند اس کے اور فقہا اس کو اعیان مضمونہ بنفسہا کہتے ہیں اور مراد یہ رکھتے ہیں کہ ان اعیان کا ضمان فی حد ذاتہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ضمان عبارت ہے رد مثل ہالک سے یا اس کی رد قیمت سے چنانچہ معلوم ہو چکا اور شی مثلی یا قیمتی کی ہلاکت میں اس کا مثل یا قیمت متعین ہو گی تو وہ مضمون فی حد ذاتہا ٹھہری قطع نظر عوارض سے تیسری وہ عین ہے جس کا ضمان نہیں لیکن وہ مشابہ بمضمون ہے جیسے مبیع بائع کے قبض میں اس واسطے کہ اگر مبیع بائع کے پاس تلف ہو تو کسی پر اس کی مثل یا قیمت کا ضمان نہیں لیکن ثمن ساقط ہو جاوے گا ذمہ سے مشتری کے اور ثمن مثل اور قیمت کے مغائر ہے تو بمجرد اس اعتبار کے اس کو عین مضمون بغیرہ کہا انتہی مافی الدرر **وصح بالدین الموعود** بان رہن لیقرضہ کذا کالف مثلا فلو دفع الیہ البعض وامتنع لا اجبر اشباہ اور رہن صحیح ہے بمقابلہ دین موعود کے اس طرح کہ راہن نے کوئی چیز گرو رکھی تا مرتہن اس کو قرض دے اس قدر چنانچہ مثل ہزار درم پھر اگر مرتہن اسکو بعض دے یعنی مثلا نصف دے اور باقی نہ دے تو اس پر جبر نہیں کذا فی الاشباہ دین موعود موجود کی برابر قرار دیا گیا باعتبار حاجت کے اور جبکہ مرتہن بعض موعود دیگا تو اسی قدر مرہون محبوس رہیگا اور رہن موعود کا ایفاء لازم نہیں اسلئے کہ وعدہ رہن کا حقیقت رہن کی قوی تر ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا فاذا ہلک ہذا الرہن فی ید المرتہن کان مضمونا علیہ بما وعد من الدین فیسلم الالف للراہن جبرا اذا کان الدین مساویا للقیمۃ او اقل اما اذا کان اکثر فہو مضمون بالقیمۃ

پھر جب کہ یہ رہن مذکور تلف ہو گیا مرتہن کے پاس تو اس پر تاوان لازم ہوگا بقدر دہ عدد دین کے تو صورت مذکورہ میں مرتہن ہزار درم راہن کو دے گا زبردستی اس وقت میں جب کہ دین قیمت مرہون کے برابر ہو گا یا کمتر اور جب کہ قیمت سے زیادہ ہو گا تو وہ مضمون لقیمت ہے یعنی مرتہن پر قیمت مرہون کا تاوان لازم ہو گا نہ دین کا ہذا اذا سمی قدر الدین فان لم یسمہ لم یکن مضمونا فی الاصح کما مر فی المقبوض علی سوم الرہن بان رہنہ علی ان یعطیہ شیئا فہلک فی یدہ بل الضمن خلاف بین الامامین مذکور فی البزازیۃ وغیرہا والاصح انہ غیر مضمون وقد تقدم ان المقبوض علی سوم الرہن اذا لم یبین المقدار غیر مضمون فی الاصح یعنی دین موعود میں ہلاکی مرہون سے تاوان لازم ہونا اس وقت ہے جب کہ راہن نے مقدار دین کو معین کر دیا ہو پھر اگر اس نے معین نہ کیا ہو تو اس کا ضمان لازم نہ ہو گا قول اصح میں چنانچہ یہ گذر گیا اس مرہون کے بیان میں جس پر قبضہ ہوا طلب رہن پر اس طرح کہ رہن رکھا اس شرط پر کہ راہن کو مرتہن کچھ دین دے سوم رہون مرتہن کے پاس تلف ہو گیا ضمان اس میں لازم ہوگا یا نہیں اس میں خلاف ہے دو اماموں میں جو بزازیہ وغیرہ میں مذکور ہے اور قول صحیح تر یہ ہے کہ اس میں تاوان نہیں ہے اور مقرر متن میں مقدم مذکور ہو چکا کہ مقبوض بطلب رہن جب کہ دین کی مقدار بیان نہ ہو غیر مضمون ہے صحیح تر قول میں وصح برأس مال السلم وثمن الصرف والمسلم فیہ اور صحیح ہے رہن سلم کی راس المال کے بدلے اور صرف کی ثمن اور مسلم فیہ کے بدلے م ہر چند صحت اس رہن کی مطلق دین کی صحت میں داخل تھی لیکن اس کو علیحدہ اس واسطے مصنف نے ذکر کیا تاکہ مسائل آئندہ اس پر مرتب ہوں فان ہلک الرہن فی المجلس تم الصرف والسلم وصار المرتہن مستوفیا حکما خلافا للثلثۃ پھر اگر مرہون تلف ہو گیا صرف اور سلم کی مجلس عقد میں تو صرف اور سلم کا عقد تمام ہو گیا اور مرتہن پا جانے والا ٹھہر گیا حکما برخلاف آئمہ ثلثہ کے م یعنی مرتہن نے گویا راس المال اور ثمن صرف کا پایا اگر مرہون راس المال کے برابر تھا اور اگر زیادہ تھا تو فاضل اس کے پاس امانت ہے اور اگر اقل تھا تو بقدر اس کے مستوفی ہوا اور باقی کو رب السلم سے لے وان افترقا قبل نقد وہلاک بطلا ای السلم والصرف اور اگر عاقدین مجلس عقد سے جدا ہو گئے نقد دینے راس المال یا بدل صرف سے پہلے اور مرہون کے ہلاک ہو جانے سے پہلے تو سلم اور صرف باطل ہو گئے م وجہ بطلان یہ ہے کہ راس المال اور بدل صرف میں قبض شرط ہے سو یہاں قبضہ حقیقی اور حکمی دونوں فوت ہو گئے واما المسلم فیہ فیصح مطلقا اور مسلم فیہ تو مطلقا صحیح ہے خواہ مرہون مجلس میں تلف ہو گیا یا بعد افتراق کے اس واسطے کہ مسلم فیہ کا قبضہ ہونا مجلس میں واجب نہیں فان ہلک الرہن تم العقد وصار عوضا للمسلم فیہ پھر اگر مرہون ہلاک ہو گیا تو عقد سلم تمام ہو گیا اور وہ عوض ہو گیا مسلم فیہ کا ولو لم یہلک ولکن تفاسخا السلم وبالمسلم فیہ رہن فہو رہن براس المال استحسانا لانہ بدلہ فقام مقامہ اور اگر مرہون ہلاک نہ ہوا و لیکن عاقدین نے عقد سلم کو فسخ کر دیا اور مسلم فیہ کے بدلے رہن ہے تو وہ ازروئے استحسان کے راس المال کے بدلے رہن ہو گا اس واسطے کہ راس المال بدل ہے مسلم فیہ کا تو راس المال بجائے مسلم فیہ کے قائم ہو گیا وان ہلک الرہن بعد الفسخ المذکور ہلک بہ ای بالمسلم فیہ فیلزم رب السلم دفع المسلم فیہ ابقاء الرہن حکما الی ان یہلک اور اگر مرہون ہلاک ہو گیا فسخ مذکور کے بعد تو مسلم فیہ کے بدلے ہلاک ہوا تو رب السلم کو مسلم فیہ کا دینا لازم ہو گا بسبب باقی رہنے رہن کے حکما اس کے ہلاک ہونے تک م یعنی رب السلم پر مسلم فیہ کا مثل مسلم الیہ کو دینا اور راس المال کا لینا واجب ہے اس واسطے کہ رہن مضمون ہے اس کے بدلے اور البتہ رہن کا حکم اس کی ہلاکی تک باقی ہے تو رب السلم رہن کی ہلاکی سے مسلم فیہ کا مستوفی ہو گیا کذا فی المنح وللاب ان یرہن بدین کائن علیہ عبد الطفلہ لان لہ ایداعہ فہذا اولی لہلاکہ مضمونا والودیعۃ امانۃ اور باپ کو جائز ہے اپنے طفل کا غلام رہن رکھنا بدلے اس دین کے جو باپ پر ثابت ہے اس واسطے کہ باپ کو اس کے غلام کا ودیعت رکھنا درست ہے تو رہن رکھنا بطریق اولیٰ درست ہو گا بسبب ہلاک ہونے رہن کے مرتہن پر تاوان واجب ہو کر اور ہلاک ہونے ودیعت کے امانت ہو کر بلا تاوان والوصی کذلک اور وصی کو بھی اسی طرح صغیر کے غلام کو اپنے دین کے بدلے رہن رکھنا جائز ہے وقال ابو یوسف لا یملکان ذلک اور ابو یوسف نے کہا کہ باپ اور وصی اس کے مالک نہیں یعنی اس کے غلام کے رہن رکھنے کے ثم اذا ہلک ضمنا قدر الدین للصغیر لا الفضل لانہ امانۃ پھر

جب کہ غلام مرہون ہلاک ہو جائے تو باپ اور وصی صغیر کو بقدر دین کے تاوان دے نہ زیادہ کا تاوان اس واسطے کہ زیادہ امانت ہے اور امانت میں تاوان نہیں قال التمرتاشی یضمن الوصی القیمۃ لان للاب ان ینتفع بمال الصبی بخلاف الوصی لکن جزم فی الذخیرۃ وغیرہا بالتسویۃ بینہما تمرتاشی نے کہا کہ وصی غلام کی پوری قیمت کا تاوان دے اس واسطے کہ باپ کو صغیر کے مال سے نفع حاصل کرنا درست ہے برخلاف وصی کے کہ اس کو درست نہیں لیکن ذخیرہ وغیرہ میں باپ اور وصی کے برابر ہونے کا یقین کیا ہے **وله** ای للاب **رہن ماله عند ولده الصغیر بدین له** ای للصغیر **علیه** ای علی الاب اور باپ کو جائز ہے اپنا مال رہن رکھنا اپنے فرزند صغیر کے پاس بدلے اس دین کے جو صغیر کا دین باپ پر ہے م فرزند صغیر کا دین جیسے اس کی ماں کا مہر جو باپ کے ذمہ ہے **ویحبسه لاجله** ای لاجل الصغیر **بخلاف الوصی** فانہ لایملک ذلک سراجیۃ اور باپ نے اس مرہون کو فرزند صغیر کے واسطے محبوس رکھے برخلاف وصی کے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہے کذا فی السراجیۃ وکذا عکسہ فللاب رہن متاع طفلہ من نفسہ لانہ لوفور شفقتہ جعل کشخصین وعبارتین کشرائہ مال طفلہ اور اسی طرح کا حکم ہے اس کے بالعکس میں تو باپ کو اپنے طفل کی متاع رہن رکھنا اپنی ذات سے درست ہے اس واسطے کہ باپ وفور شفقت کے سبب سے دو شخص عاقد کے مانند قرار دیا گیا اور اس کی ایک عبارت بمنزلہ دو عبارت کے قرار دی گئی چنانچہ باپ کو خرید کرنا اپنے طفل کا مال جائز ہے یعنی تو فقط باپ کا ایجاب اور قبول بمنزلہ بائع اور مشتری کے ہوگا **بخلاف الوصی** لانہ وکیل محض فلا یتولی طرفی العقد فی رہن ولا بیع وتمامہ فی الزیلعی برخلاف وصی کے اس واسطے کہ وہ تو وکیل محض ہے تو وہ مالک نہ ہوگا عقد کے ایجاب اور قبول کا نہ رہن میں نہ بیع میں اور اس کا پورا بیان زیلعی میں ہے م اصل یہ ہے کہ ایک شخص رہن اور بیع کے عقد میں ایجاب اور قبول کا متولی نہیں ہوتا لیکن یہ قاعدہ باپ میں اس کی وفور شفقت کے سبب سے متروک ہوا اور وصی باپ کے مانند نہیں کیونکہ اس کی شفقت قاصر ہے تو حقیقت سے عدول نہ ہوگا کذا فی الزیلعی ملخصا **وصح بثمن عبد او خل او ذکیۃ** ان ظہر العبد حرا او الخل خمرا او الذکیۃ میتۃ اور غلام اور سرکہ اور مذبوحہ کے ثمن کے بدلے رہن صحیح ہے اگرچہ ظاہر ہو کہ غلام تو واقع میں آزاد ہے اور سرکہ شراب اور مذبوحہ مردار ہے م فائدہ صحت رہن کا یہ ہے کہ درصورت ہلاکی مرہون کے مرتہن پر ضمان واجب ہوگا اور اگر رہن باطل ہوتا تو ضائع ہوتا امانت ہو کر کذا فی الطحطاوی **وصح ببدل صلح عن انکار ان اقر بعد ذلک ان لا دین علیه** والاصل ان وجوب الدین ظاہرا یکفی لصحۃ الرہن والکفیل اور رہن صحیح ہے اس صلح کے بدل سے جو انکار سے ہوئی اگر اقرار کرے بعد اس کے کہ اس پر دین نہ تھا واقع میں اور قاعدہ کلیہ وہ ہے جو گذر گیا کہ واجب ہونا دین کا ظاہر میں صحت رہن اور کفیل ہونے کے واسطے کفایت کرتا ہے م صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے صلح کی انکار یعنی انکار دین سے اور بدل صلح کے عوض کوئی چیز رہن رکھ دی پھر دونوں نے باہم ایک دوسرے کی تصدیق کی کہ واقع میں دین نہ تھا تو رہن کا ضمان لازم ہے اور اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ ظاہر میں وجوب دین صحت رہن کے واسطے کافی ہے حقیقۃ واجب ہونا شرط نہیں کذا فی الدرر **وصح رہن الحجرین والمکیل والموزون** اور صحیح ہے رہن رکھنا چاندی اور سونے اور کیلی اور وزنی چیز کا اس واسطے کہ اشیاء مذکورہ محل استیفاء دین ہیں کذا فی الدرر فان رہن المذکور بخلاف جنسہ **ہلک بقیمته** وہو ظاہر پھر اگر چاندی یا سونا یا کیلی یا وزنی کو رہن رکھا اس کی جنس کے مخالف سے چنانچہ بعوض کتب یا ثیاب کے اور مرہون ہلاک ہو گیا تو بمقابلہ کتب یا ثیاب کی قیمت کے تلف ہوا اور یہ تو ظاہر ہے مانند سائر اموال کے **ان بجنسه وہلک ہلک بمثله** وزنا او کیلا لا قیمۃ خلافا لہما من الدین اور اگر اشیاء مذکورہ رہن ہوئیں اپنے جنس کے ساتھ اور ہلاک ہو گئے تو ہلاک ہوئے بمقابلہ مثل دین کے وزن میں یا کیل میں نہ قیمت میں برخلاف صاحبین کے م درصورت اتحاد جنس دین اور مرہون کے امامؒ کے نزدیک تاوان بالمثل ہے وزن یا کیل میں اور صاحبین کے نزدیک قیمت مرہون معتبر ہے نہ وزن یا کیل مثلا بقدر دس درم کے وزن چاندی رہن رکھی دس درم کے دین پر اور وہ تلف ہو گئی مرتہن کے پاس تو اگر چاندی کی قیمت دس درم تھی تو دین ساقط ہو گیا باتفاق امامؒ اور صاحبینؒ کے اور اگر قیمت دس درم سے کمتر ہے تو امامؒ کے نزدیک تو دین ساقط ہوا اور صاحبینؒ

کے نزدیک مرتہن پر اس کی قیمت کا ضمان واجب ہے اس کے خلاف جنس سے کذا فی شرح ملا مسکین ولا عبرة بالجودة عند المقابلة بالجنس ثم ان تساویا فظاهر وان الدین ازید فالزائد فی ذمة الراهن وان الرهن ازید فالزائد امانة درر و صدر الشریعة اور اعتبار نہیں مرہون کے جید اور کھرے ہونے کا مقابلہ جنس کے نزدیک پھر اگر دین اور مرہون برابر ہیں تو ظاہر ہے یعنی دین ساقط ہو گیا اور اگر دین زیادہ مرہون سے ہو تو زائد راہن کے ذمہ پر ہے اور اگر مرہون زائد ہے تو وہ امانت ہے یعنی وہ راہن کا ہے یعنی اگر تلف ہو گیا تو مرتہن پر اس کا ضمان نہیں کذا فی الدرر والصدر الشریعة باع عبدا علی ان یرہن المشتری بالثمن شیئا بعینه او یعطی کفیلا کذلک بعینه صح غلام بیچا اس شرط پر کہ مشتری ایک معین چیز رہن رکھ دے بدلے ثمن کے یا اسی طرح معین ضامن دے تو بیع صحیح ہے م اگر متعین رہن نہیں تو اگر مجلس بیع میں تعیین بائع اور مشتری متفق ہو گئے تو بیع جائز ہے اور اگر اتفاق نہ کیا اور ثمن ادا کیا تو بھی بیع جائز ہے اور نہیں تو فاسد ہے کذا فی الطحطاوی عن الزیلعی ولا یجبر المشتری علی الوفاء لما مر انه غیر لازم اور مشتری پر جبر نہیں وعدہ رہن پورا کرنے پر اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ وہ غیر لازم ہے یعنی رہن اور وعدہ رہن لازم الوفا نہیں اور وعدہ رہن کا رہن سے فوق نہیں حالانکہ رہن خود لازم نہیں تا عدم تسلیم تو وعدہ رہن کا بطریق اولی لازم نہ ہوگا وللبائع فسخه لفوات الوصف المرغوب اور در صورت عدم وفا بائع کو فسخ بیع جائز ہے بسبب فوت ہو جانے وصف مرغوب کے یعنی بائع راضی ہوا تھا شرط مذکور سے تو بدوں اس کے راضی نہ ہوگا پھر جب اس کی رضا تمام نہ ہوئی تو اس کو فسخ بیع کا اختیار ہے یا ترک رہن پر راضی ہو جائے الا ان یدفع المشتری الثمن حالا او یدفع قیمة الرهن المشروط رهنا لحصول المقصود فسخ بیع کا بائع کو اختیار ہے مگر یہ کہ مشتری ثمن نقد دے یا مرہون مشروط کی قیمت کو رہن رکھ دے تو فسخ بیع کا اختیار نہ رہے گا بسبب حاصل ہو جانے مقصود کے م یہ جواب ہے سوال مقدر کا سوال یہ ہے کہ شرط میں تو رہن معین مذکور ہے اور قیمت اس کی خلاف ہے حاصل جواب یہ ہے کہ استیفا تو معنی پر ثابت ہے یعنی قیمت پر اور صورت رہن تو امانت ہے تو مقصود رہن سے اس کی قیمت ہے نہ بعینہ صورت وان قال المشتری للبائع وقد اعطاه شیئا غیر مبیعه امسک هذا حتی اعطیک الثمن فهو رهن لتلفظه بما یفید الرهن والعبرة للمعانی خلافا للثانی والثلثة اور اگر مشتری نے سوائے مبیع کے کوئی چیز بائع کو دی اور اس سے کہا کہ اس کو رکھ یہاں تک کہ میں تجھ کو ثمن دوں تو وہ رہن ہوگا بسبب بولنے مشتری کے وہ لفظ جو رہن کا فائدہ دیتا ہے اور اعتبار معانی کا ہے نہ الفاظ کا برخلاف ابو یوسفؒ اور آئمہ ثلثہ کے م فتاوی عالمگیری میں ہے کہ رہن کا لفظ اور اس کا مادہ شرط نہیں ولو کان ذلک الشیء الذی قال له المشتری امسکه هو المبیع الذی اشتراه بعینه لو بعد قبضه لانه حینئذ یصلح ان یکون رهنا بثمنه اگرچہ وہ چیز جس کو مشتری نے کہا کہ رکھ یہ وہی مبیع ہے جس کو اس نے بعینہ خرید کیا تو بھی رہن ثابت ہوگا بشرطیکہ مشتری نے بعد قبضہ کرنے مبیع کے یہ کہا ہو اس واسطے کہ اس وقت میں یعنی قبضہ کرنے کے بعد وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ مرہون ہو بدلے اپنے ثمن کے م یعنی جب مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا تو اس کی ملکیت اس میں متعین ہو گئی یہاں تک کہ اگر وہ بعد قبضہ تلف ہو تو مشتری کا مال تلف ہوگا نہ بائع کا اور عقد بیع فسخ نہ ہوگا ولو قبله لا یکون رهنا لانه محبوس بالثمن کما مر اور اگر مبیع کے قبض کرنے سے پہلے مشتری نے کہا کہ اس کو رہن رکھ تا ادائے ثمن تو وہ رہن نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ تو محبوس ہے بدلے ثمن کے چنانچہ گذر گیا م تو اگر مبیع قبل قبض کے تلف ہوگا تو بیع فسخ ہوگی اور ثمن مشتری کے ذمہ پر سے ساقط ہوگا بقی لو کان المبیع مما یفسد بمکثه کلحم وخبز فابطأ المشتری و خاف البائع تلفه جاز بیعه وشراؤه ولو باع بازید تصدق به لان فیه شبهة باقی رہی یہ صورت کہ اگر مبیع غیر مقبوض جس کو مشتری نے بائع کے پاس رہن رکھا اس قسم کی چیز ہو جو زیادہ ٹھہرنے سے بگڑ جاتی ہو چنانچہ گوشت اور روٹی سو مشتری نے ادائے ثمن میں دیر لگائی اور بائع ڈرا اس کے تلف ہو جانے سے تو اس کا بیچنا اور دوسرے شخص کو اس کا خریدنا جائز ہے اور اگر اس کو بیچا ثمن اول سے زیادہ تو زائد کو خیرات کر دے اس واسطے کہ اس میں شبہ ہے غیر کے مال ہونے کا یعنی مشتری کا م طحطاوی نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مسئلہ مستقل عام ہو خواہ رہن ہو یا نہ ہو رہن رجل عبدا عند رجلین

بدین **لکل منھما صح وکلہ رہن من کل منھما وتو غیر شریکین** اور اگر ایک مرد نے کوئی چیز دو مردوں کے پاس رہن رکھی بدلے اس دین کے جو دونوں کا ہے تو رہن صحیح ہے اور وہ چیز بالکل دونوں شخصوں کے پاس مرہون ہے اگرچہ دونوں شریک نہ ہوں م یہ نہیں ہے کہ اس کا نصف ایک شخص کے پاس رہن ہو اور دوسرا نصف دوسرے شخص کے پاس اس واسطے کہ رہن مضاف ہے جمیع عین کی طرف بصفقہ واحدہ اور اس میں شیوع نہیں اور موجب اس کا حبس بالدین ہے اور وہ متجزی نہیں تو وہ محبوس ٹھہرا ہر شخص کا اور اس میں کچھ منافات نہیں برخلاف اس کے کہ اگر ہبہ کر دے دو شخصوں کو تو امام کے نزدیک درست نہیں اس واسطے کہ ہبہ سے مقصود ایجاب ملک ہے اور عین واحد میں ہر شخص کی ملک کامل متصور نہیں ہو سکتی کذا فی الدرر **فان تہایا فکل واحد منھما فی نوبتہ کالعدل فی حق الآخر ہذا لو مما لا یتجزا ان مما یتجزا فعلی کل حبس النصف فلو دفع لہ کلہ ضمن عندہ خلافا لھما واصلہ مسئلۃ الودیعۃ** زیلعی پھر اگر دونوں مرتہنوں نے مرہون مذکور میں باری باندھ لی تو ہر مرتہن اپنی باری میں شخص عادل کے مانند ہے دوسرے مرتہن کے حق میں یہ اس صورت میں ہے جب کہ مرہون اس قسم سے ہو جو قسمت قبول نہیں کرتا چنانچہ گھوڑا یا غلام اور اگر قسمت پذیر ہو چنانچہ نمک یا گیہوں تو ہر مرتہن کو نصف مرہون کا حبس لازم ہے اگر ایک دوسرے کو بالکل مرہون دے گا تو امام کے نزدیک اس پر تاوان لازم ہوگا نہ صاحبین کے نزدیک اور اس مسئلہ کی اصل ودیعت کا مسئلہ ہے کذا فی الزیلعی م دافع پر ضمان غصب لازم آوے گا زیلعی میں ہے کہ جب شی قابل قسمت دو شخصوں کے پاس ودیعت رکھے سو ایک مودع نے دوسرے کو بالکل دی تو دافع پر ضمان لازم آوے گا خلافا للصاحبین **ولو ہلک ضمن کل حصتہ لتجزی الاستیفاء** اور اگر مرہون تلف ہوگا تو ہر مرتہن بقدر اپنے حصہ دین کے تاوان دے گا بسبب قسمت پذیر ہونے استیفاء دین کے یعنی عند الہلاک ہر مرتہن اپنے حصہ کا مستوفی ہوگیا اس واسطے کہ استیفا متجزی ہے کذا فی الدرر **فان قضی دین احدھما فکلہ رہن للآخر لما مر ان کل العین رہن فی ید کل منھما بلا تفرق** پھر اگر راہن نے ایک مرتہن کا دین ادا کر دیا تو بالکل مرہون دوسرے مرتہن کے پاس رہن رہے گا بدلیل گذشتہ کہ تمام عین ہر مرتہن کے ہاتھ میں رہن ہے بلا تفرق یعنی بلا تجزی **وان رہنا رجلا رہنا واحدا بدین علیھما صح بکل الدین ویمسکہ الی استیفاء کل الدین اذ لا شیوع** اور اگر دو شخصوں نے ایک مرد کے پاس ایک چیز رہن رکھی عوض اس دین کے جو دونوں پر ہے تو رہن صحیح ہوگا بعوض تمام دین کے اور مرتہن مرہون کو اپنے پاس رکھے گا تمام دین کے حاصل ہونے تک اس واسطے کہ اس صورت میں شیوع نہیں ہے م اس واسطے کہ قبض رہن تمام مرہون میں بلا شیوع حاصل ہے کذا فی الدرر **ولو رہن عبدین بالف لا یاخذ احدھما بقضاء حصتہ لحبس الکل بکل الدین کالمبیع فی ید البائع** اور اگر ایک شخص نے دو غلام بعوض ہزار کے رہن رکھے تو راہن ایک غلام کو اس کا حصہ ادا کرنے سے نہ لے گا بسبب محبوس ہوتے دونوں غلام کے بعوض تمام دین کے اجمالا جیسے مبیع محبوس رہتا ہے بائع کے پاس تا ادائے کل ثمن **فان سمی لکل واحد منھما شیئا من الدین لہ ان یقبض احدھما اذا ادی ما سمی لہ بخلاف البیع لتعدد العقد بتفصیل الثمن فی الرہن لا البیع ہو الاصح** اور اگر راہن نے ہر غلام کے واسطے کچھ دین مقرر کر دیا یعنی مثلا یوں کہا کہ یہ غلام بعوض چار سو درم کے رہن رکھتا ہوں اور وہ غلام بعوض چھ سو درم کے رکھتا ہوں تو راہن کو ایک غلام پر قبضہ کرنا جائز ہے جب کہ ادا کرے اس قدر دین جو اس کے واسطے معین کر دیا تھا برخلاف بیع کے بسبب متعدد ہو جانے عقد کے تفصیل ثمن سے رہن میں بیع میں یہی قول صحیح تر ہے م وجہ اس کی یہ ہے کہ عقد رہن کا قبول کرنا ایک غلام میں دوسرے عقد کے صحیح ہونے کے واسطے شرط نہیں برخلاف بیع کے اس واسطے کہ بیع میں امام کے نزدیک تفصیل ثمن سے تعدد عقد کا نہیں ہوتا ولہذا اگر ایک میں بیع قبول کرے نہ دوسرے میں تو بیع باطل ہو جاوے گی کل میں اس واسطے کہ بائع کو ضرر ہوتا ہے تفریق صفقہ سے کیونکہ یہ عادت جاری ہے کہ ناقص کو عمدہ کے ساتھ ملا کر بیچتے ہیں اور رہن میں ایسا نہیں ہے اس واسطے کہ راہن کو تفریق سے ضرر نہیں ہوتا اور یہی روایت اصح ہے اور اصل کی روایت میں اس مسئلہ میں اور مسئلہ سابقہ میں کچھ فرق نہیں کذا فی المنح طحطاوی نے کہا بہتر یہ تھا کہ شارح بجائے تفصیل الثمن کے تفصیل البدل کہتا اس واسطے کہ ثمن بیع میں ہوتا ہے نہ رہن

میں وبطل بینۃ کل منہما ای من رجلین علی رجل انہ ای ان کل واحد رہنہ ہذا الشیٔ کعبد مثلا عندہ وقبضہ لاستحالۃ کون کلہ رہنا لہذا وکلہ رہنا لذاک فی آن واحد ولا یمکن تنصیفہ للزوم الشیوع فتہاترتا وحینئذ فیہلک امانۃ اذ الباطل لاحکم لہ اور دو مردوں کے گواہ ایک مرد پر باطل ہیں اس مقدمہ میں کہ اس مرد نے اس کے پاس یہ چیز مثلاً غلام کو رہن رکھا اور اس نے اس پر قبضہ کیا اس واسطے کہ تمام غلام کا اس کے پاس رہن ہونا اور سب غلام کا اس کے پاس رہن ہونا ایک آن میں محال ہے اور اس کا نصفا نصف رہن ہونا ممکن نہیں بسبب لازم ہونے شیوع کے تو دونوں گواہیاں ساقط ہوگئیں اور اس وقت میں اگر مرہون ہلاک ہوگا تو امانت ہلاک ہوگا بدون ضمان کے اس واسطے کہ رہن باطل کے لیے کچھ حکم نہیں ہوتا م حق یوں ہے کہ انہٗ کی ضمیر کا مرجع رجل ہے نہ کل واحد اور رہنہ کی ضمیر مستتر کا مرجع رجل راہن ہے اور ضمیر ظاہر کا مرجع کل واحد ہے اس لیے کہ مرتہن دو مرد ہیں اور راہن ایک مرد ہے کذا فی الطحطاوی لہذا مترجم نے اسی کے موافق ترجمہ کیا نہ شارح کے موافق لان الحق حق بالاتباع ہذا اذا لم یؤرخا فان ارخا کان صاحب التاریخ الاقدم اولی وکذا اذا کان الرہن فی ید احدہما کان ذوالید احق لقرینۃ سبقہ یعنی بطلان شہادتین کا اس وقت ہے جب کہ دونوں نے تاریخ بیان نہ کی ہو سو دونوں اگر تاریخ بیان کی ہو تو اگلی تاریخ والا لائق تر ہے اور اسی طرح جبکہ مرہون ایک مدعی کے پاس ہو تو قابض زیادہ تر حقدار ہے اس کی سبقت کے قرینہ سے یعنی اس کا قادر ہونا قبض پر دلیل ہے اس کے سبقت کی ولو مات راہنہ ای راہن العبد مثلا والحال ان الرہن معہما ای فی ایدیہما اولا ای ولیس العبد معہما فان الحکم واحد زیلعی فبرہن کل کذلک کما وصفنا[1] کان فی ید کل واحد منہما نصفہ ای العبد رہنا بحقہ استحسانا لانقلابہ بالموت استیفاء والشائع یقبلہ اور اگر مثلاً غلام کا راہن مرگیا اور حالانکہ مرہون ان کے ساتھ ہے یعنی ان کے قبضے میں ہے یا قبضے میں دونوں کے نہیں دونوں میں ایک ہی حکم ہے کذا فی الزیلعی پھر ہر مرتہن اسی طرح گواہ لایا چنانچہ ہم نے اس کو بیان کیا ہے یعنی ہر مرتہن کے گواہ نے یہ گواہی دی کہ میت نے اس غلام کو مدعی کے پاس رہن رکھا اور اس کا قبضہ اس پر رہا تو ہر مرتہن کے قبض میں نصف نصف غلام رہن رہے گا اس کے حق یعنی اس کے دین کے بدلے از روئے استحسان کے اس لیے کہ رہن موت راہن کے سبب سے منقلب باستیفا ہوگیا اور شائع استیفا کو قبول کرتا ہے م قیاس یہ ہے کہ رہن مذکور باطل ہو اس واسطے کہ رہن سے مقصود حبس ہے استیفاء دین کے واسطے اور حبس یہاں نہیں ہو سکتا شیوع کے سبب سے وجہ استحسان یہ ہے کہ عقد تو بالذات مراد نہیں ہوتا بلکہ حکم عقد مراد ہوتا ہے اور حکم رہن کا زندگی راہن میں حبس تھا اور شائع اسکو قبول نہیں کرتا اور راہن کی موت کے بعد دین حاصل کرتا ہے مرہون کو بیچ کر اس کے ثمن سے اور شائع اس کو قبول کرتا ہے کذا فی المنح اخذ عمامۃ المدیون لتکون رہنا عندہ لم تکن رہنا بلکت تہلک ہلاک مرہون قال وہذا ظاہر اذا رضی المطلوب بترکہ رہنا عمادیۃ ومفادہ انہ ان رضی بترکہ کان رہنا والا لا وعلیہ تحمل اطلاق السراجیۃ وغیرہا کما اذا افادہ المصنف راہن نے مدیون کی پگڑی لی تا اس کے پاس رہن رہے تو وہ پگڑی رہن نہ ٹھہرے گی اور جب کہ تلف ہوگی تو بطور مرہون کے تلف ہوگی یعنی ضمان رہن لازم ہوگا نہ ضمان غصب کا صاحب عمادیہ نے کہا اور یہ حکم یعنی اس کا ہلاک ہونا بطور مرہون کے ظاہر ہے جب کہ مدیون اس کے رہن رہنے پر راضی ہوگیا ہو کذا فی العمادیۃ اور اس کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر مالک اس کے رہن رہنے پر راضی ہوا تو وہ رہن ثابت ہوگا اور اگر راضی نہ ہوا تو رہن نہیں غصب ہے اور شق ثانی کے مستفاد پر سراجیہ وغیرہا کا اطلاق محمول ہے چنانچہ مصنف نے اس کو شرح میں بیان کیا ہے م سراجیہ میں یوں ہے کہ جب مدیون کی پگڑی بدون اس کی رضامندی کے اپنے پاس رہن رکھنے کے واسطے لی تو وہ رہن نہیں ہے بلکہ غصب ہے انتہی خلاصہ مطلب شارح کا یہ ہے کہ اگر بدوں رضائے مدیون پگڑی لی پھر وہ راضی ہوگیا اور پگڑی تلف ہوئی تو بطور رہن کے تلف ہوئی ہے اور راضی نہ ہوا تو بطور غصب کے تلف ہوئی اور مانند اس کے عالمگیری میں جواہر الفتاوی سے منقول ہے کذا فی الطحطاوی وفی المجتبی لرب المال یمسک

---

[1] وفی نسخۃ وصلت ۱۲

مال المدیون رہنا بلا اذنہ وقیل اذا لیس لہ اخذہ مکان حقہ قضاء عن دینہ واقرہ المصنف اور مجتبی میں ہے کہ مالک مال کو جائز ہے کہ مدیون کے مال کو بدوں اس کی اجازت کے رہن کے طور پر روک لے اور بعض نے کہا ہے کہ جب مالک کو پاس ہو تو اس کو اپنے دین کی جگہ پر مدیون کا مال لے لینا اپنے دین کے وصول کرنے کو درست ہے اور اس کو مصنف نے ثابت رکھا ہے دفع ثوبین فقال خذ ایہما شئت رہنا بکذا فاخذہما لم یکن واحد منہما رہنا قبل ان یختار احدہما سراجیۃ مدیون نے دائن کو دو کپڑے دیے پھر کہا ان دو میں سے ایک کپڑا جس کو تو چاہے رہن رکھ لے بعوض اس قدر دین کے سو دائن نے دونوں کپڑے لیے تو ان میں سے ایک کپڑا ابھی رہن نہ ہوگا ایک کے اختیار کرنے سے پہلے کذا فی السراجیہ یعنی جب تک ایک کپڑے کو پسند نہ کرے گا تو رہن ثابت نہ ہوگا فروع مسائل ملحقہ شارح کے غصب الرہن کہلاکہ الا اذا غصب فی انتفاع مرتہن باذن راہن رہن کا غصب کرنا اس کے تلف ہو جانے کے مانند ہے تاوان لازم ہونے میں مگر جب کہ غاصب نے غصب کیا اس حالت میں جب کہ مرتہن مرہون اپنے استعمال میں لایا ہو راہن کی اجازت سے تو مرتہن پر ضمان لازم نہ ہوگا م اگر مصحف رہن رکھا اور راہن نے مرتہن کو اس میں پڑھنے کی اجازت دی تو اگر پڑھنے کی حالت میں تلف ہو گیا تو دین ساقط نہ ہوگا یعنی اس لیے کہ ضمان مرتہن پر لازم نہ ہوگا اس لیے کہ رہن کا حکم حبس ہے پھر جب اس کو استعمال میں لایا مالک کے اذن سے حکم بدل گیا اور رہن باطل ہو گیا اور اگر تلف ہوا پڑھنے کے بعد تو دین ساقط ہوگا کذا فی العالمگیریہ عن الوجیز امرہ بدفعہ للدلال فدفعہ فہلک لم یضمن راہن نے مرتہن کو امر کیا کہ مرہون دلال کو دے یعنی بیچنے کو سو اس نے اس کو دیا پھر وہ تلف ہو گیا تو مرتہن پر ضمان لازم نہ ہوگا حمامی وضع المصحف الرہن فی صندوقہ ووضع علیہ قصعۃ ماء للشرب فانصب الماء علی المصحف فہلک ضمن ضمان الرہن لا الزیادۃ ایک حمامی نے مرہون مصحف کو اپنے صندوق میں رکھا اور اس پر پانی پینے کا کٹورا رکھ دیا سو پانی ٹپک پڑا مصحف پر سو وہ بھیگ کے تلف ہو گیا تو حمامی رہن کا تاوان دے گا نہ زیادہ کا یعنی دین اس کا ساقط ہوگا اور اگر مصحف کی قیمت دین سے زیادہ ہوگی تو اس کا تاوان لازم نہ ہوگا کیونکہ دین سے زیادہ امانت ہے اور امانت پر تاوان نہیں والمودع لا یضمن شیئا قنیۃ اور امانت دار پر کچھ تاوان نہیں یعنی بدوں تعدی کے کذا فی القنیۃ الاجل فی الرہن یفسدہ مدت مقرر رہن کی مفسد ہے اس واسطے کہ رہن کا حکم حبس دائمی ہے تا حصول دین تو در صورت ہلاکی کے تاوان لازم ہوگا اس واسطے کہ رہن فاسد رہن صحیح کے مانند ہے لزوم ضمان میں برخلاف رہن باطل کے کذا فی الطحطاوی سلطہ ببیعہ ومات فللمرتہن بیعہ بلا محضر وارثہ راہن نے مرتہن کو مرہون کی بیع پر مسلط کر دیا اور راہن مر گیا تو مرتہن کو اس کی بیع کا اختیار ہے بدوں حاضر ہونے راہن کے وارث کے م تو وارث نقض بیع نہیں کر سکتا اس لیے کہ حق مرتہن کا اس سے متعلق ہو گیا ہے اور وہ باطل نہیں ہو سکتا راہن کے مر جانے سے کذا فی الطحطاوی غاب الراہن غیبۃ منقطعۃ فرفع المرتہن امرہ القاضی لیبیعہ بدینہ ینبغی ان یجوز ولو مات ولا یعلم لہ وارث فباع القاضی دارہ جاز کذا فی متفرقات بیوع النہر راہن غائب ہو گیا بطور غیبت منقطعہ کے سو مرتہن نے اس کی نالش کی قاضی سے تا مرہون کو بیچ دے اس کے دین کے سبب سے تو لائق بقواعد فقہ یہ ہے کہ جائز ہو اور اگر راہن مر گیا اور اس کا کوئی وارث معلوم نہیں سو قاضی نے اس کا گھر بیچ ڈالا تو جائز ہے ایسا مذکور ہے نہر الفائق کی کتاب البیوع کے متفرقات میں وفی الذخیرۃ لیس للمرتہن بیع ثمرۃ الرہن وان خاف تلفہا لان لہ ولایۃ الحبس لا البیع ویمکن رفعہ الی القاضی حتی لو کان فی موضع لا یمکنہ الرفع للقاضی او کان بحال یفسد قبل ان یرفع جاز لہ ان یبیعہ اور ذخیرہ میں ہے کہ مرتہن کو جائز نہیں مرہون کا پھل بیچنا اگرچہ اس کے تلف ہو جانے کا خوف ہو اس واسطے کہ مرتہن کو حبس مرہون کا اختیار ہے نہ بیع کا اور ممکن ہے اس کا مرافعہ کرنا قاضی کی طرف ہے تو اگر ایسے مکان میں ہو کہ اس کو قاضی کی طرف مرافعہ کرنا ممکن نہ ہو یا وہ پھل ایسا نازک ہو کہ سڑ جاتا ہو مرافعہ کرنے سے پہلے تو مرتہن کو اس کا بیچنا جائز ہے واللہ اعلم۔

باب الرہن یوضع علی ید عدل

یہ باب ہے اس رہن کے احکام میں جو رکھا جائے عدل یعنی معتمد کے ہاتھ میں م جب راہن اور مرتہن کے احکام مذکور ہو چکے تو اب ان کے نائب کے احکام شروع ہوئے یعنی عدل کے اور عدل سے یہاں مراد وہ شخص ہے جس کے پاس مرہون

رکھنے پر راہن اور مرتہن دونوں راضی ہو گئے اور اس کی بیع پر راضی ہوئے مدت کے آنے پر اور وہ راہن کا وکیل ہے مرہون کی بیع میں لیکن وہ توکیل مفرد کے مخالف ہے چند مسائل میں چنانچہ بعض مسائل مذکورہ عنقریب مذکور ہوں گے وسمی بالعدل فی زعم الراہن والمرتہن نائب کا نام عادل اس واسطے رکھا گیا کہ اس کی عدالت راہن اور مرتہن کے گمان میں ثابت ہے اذا وضعا الرہن علی ید عدل صح ویتم بقبضہ جیسے کہ راہن اور مرتہن نے مرہون کو معتمد کے ہاتھ میں رکھ دیا تو رہن صحیح ہے اور رہن تمام اور لازم ہو گا اس شخص کے قبضہ کرنے سے ولا یاخذہ احدہما منہ اور نہ لے گا مرہون کو راہن یا مرتہن معتمد سے یعنی اس حق کا واسطے کہ دونوں کے حق مرہون سے متعلق ہیں راہن کا حق ہے حفظ اور امانت میں اور مرتہن کا حق ہے استیفار دین میں تو ایک شخص دوسرے کے ابطال کا مالک نہ ہو گا وضمن لو دفع الی احدہما لتعلق حقہما بہ اور معتمد تاوان دے گا اگر مرہون راہن یا مرتہن کو دے گا اس لیے کہ دونوں کا حق اس سے متعلق ہے یعنی اس واسطے کہ شخص معتمد راہن کا امانت دار ہے عین کے حق میں اور مرتہن کا امانت دار ہے مالیت کے حق میں اور ہر شخص دوسرے سے اجنبی ہے اور امانت دار پر تاوان لازم آتا ہے اجنبی کے دینے سے کذا فی الدرر فلو دفعہ فتلف ضمن لتعدیہ واخذ منہ قیمتہ وجعلاہا عندہ او عند غیرہ ولیس للعدل جعلہا رہنا فی یدہ لئلا یصیر قاضیا ومقتضیا پھر اگر معتمد نے مرہون ایک کو یعنی راہن یا مرتہن کو دیا سو وہ اس کے پاس تلف ہو گیا تو معتمد تاوان دے اپنی تعدی کے سبب سے اور راہن اور مرتہن سے مرہون کی قیمت لیں اور اس قیمت کو رہن رکھ دیں اس معتمد کے پاس یا اس کے سوا اور شخص کے پاس اور معتمد کو اس قیمت کا رہن رکھ لینا اپنے پاس جائز نہیں تا کہ معتمد ادا کرنے والا اور قیمت کا تقاضا کرنے والا نہ ہو جائے م اس واسطے کہ قیمت مرہون کی معتمد پر واجب ہے تو اگر قیمت کو اپنے پاس رکھے تو قیمت کا ادا کرنے والا اور تقاضا کرنے والا ٹھہر گیا اور حالانکہ دونوں میں تخالف ہے کذا فی المنح وہل للعدل الرجوع مبسوط فی المطولات اور معتمد کو کیا رجوع کرنا جائز ہے جواب اس کا مفصل مذکور ہے بڑی کتابوں میں م زیلعی میں ہے کہ جب مرہون کی قیمت رہن ہوئی معتمد اول کے پاس یا غیر کے پاس پھر راہن نے دین ادا کیا سو اگر معتمد نے قیمت کا تاوان دیا ہو اس وجہ سے کہ اس نے مرہون راہن کو دیا تھا تو قیمت مرتہن کے واسطے سالم رہی اس کو لے جس کے پاس ہو اور اگر معتمد نے مرہون کی قیمت کا ضمان دیا ہو اس وجہ سے کہ اس نے مرہون مرتہن کو دیا تھا تو راہن قیمت کو لے گا جس کے پاس ہو پھر معتمد کو مرتہن سے قیمت پھر لینا جائز ہے یا نہیں جواب اس کا یہ ہے کہ اگر معتمد نے مرتہن کو مرہون بطور عاریت یا ودیعت کے دیا اور وہ تلف ہو گیا ہو اس کے پاس تو مرتہن سے اس کا رجوع درست نہیں اور اگر مرتہن نے اس کو خود تلف کر ڈالا ہو تو معتمد مرتہن سے بھر لے گا اور اسی طرح رجوع درست ہے اگر معتمد نے مرہون دینے کے وقت مرتہن سے یوں کہا ہو کہ لے اس کو بدلے اپنے حق کے یا حبس کر اس کو بدلے اپنے دین کے کذا فی الطحطاوی مختصرا واذا ہلک یہلک من ضمان المرتہن اور جب کہ مرہون تلف ہو گیا معتمد کے پاس تو مرتہن کے ضمان سے تلف ہو گا یعنی مرتہن پر تاوان اس کا لازم ہو گا فان وکل الراہن المرتہن او وکل العدل او غیرہما ببیعہ عند حلول الاجل صح توکیلہ لو الوکیل اہلا لذلک ای للبیع عند التوکیل پھر اگر راہن مرتہن کو یا معتمد کو یا ان کے سوا اور شخص کو مرہون کی بیع کا وکیل کرے دین کی مدت آنے کے نزدیک تو یہ وکیل کرنا صحیح ہے بشرطیکہ وکیل بیع کرنے کی لیاقت رکھتا ہو وکیل کرنے کے وقت یعنی عاقل بالغ ہو والا یکن اہلا لذلک عند التوکیل لا تصح الوکالۃ وحینئذ فلو وکل ببیعہ صغیرا لا یعقل فباعہ بعد بلوغہ لم یصح خلافا لہما اور اگر وکیل اس کی لیاقت نہ رکھتا ہو توکیل کے وقت تو وکالت صحیح نہ ہو گی اور اس وقت میں تو اگر راہن نے مرہون کی بیع کا صغیر بے تمیز کو وکیل کیا اور اس نے اپنے بالغ ہونے کے بعد بیع کی تو بیع صحیح نہ ہو گی امام کے نزدیک برخلاف صاحبین ؒ کے کہ ان کے نزدیک بیع صحیح ہے فان شرطت الوکالۃ فی عقد الرہن لم ینعزل بعزلہ ولا بموت الراہن ولا المرتہن للزومہا بلزوم العقد فہی تخالف الوکالۃ المفردۃ من وجوہ احدہا ہذا پھر اگر وکالت مشروط ہوئی عقد رہن میں تو وکیل معزول نہ ہو گا راہن کے معزول کرنے سے اور نہ راہن کی موت سے اور نہ مرتہن کی موت سے بسبب لازم ہو جانے وکالت کے عقد رہن کے لزوم کے سبب سے تو رہن کی وکالت مخالف ہے وکالت مفردہ سے بچند وجہ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ موکل کی موت سے

وکیل معزول نہیں ہوتا اور وکالت مفردہ میں معزول ہو جاتا ہے م شرط وکالت کی یہ صورت ہے کہ راہن کہے کہ میں نے اس کو رہن رکھا اس شرط پر کہ فلاں شخص مدت کے آنے پر وکیل ہو اس کے بیع کرنے کا کذا فی الحموی والثانی ان الوکیل ہہنا یجبر علی البیع عند الامتناع اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وکیل پر یہاں یعنی بیع رہن کی وکالت میں جبر کیا جائے گا بیع پر امتناع کے نزدیک م وجہ جبر یہ ہے تا مرتہن کو ضرر نہ ہو اور کیفیت جبر کی یہ ہے کہ حاکم وکیل کو چند روز قید رکھے اگر اس پر بھی وہ اصرار کرے تو حاکم اس کو بیچ ڈالے کذا فی الدرر وکذا لو شرطت بعد الرہن فی الاصح زیلعی علی خلاف ظاہر الروایۃ وان صححہا قاضی خان وغیرہ علی ما نقلہ القہستانی وغیرہ فتنبہ بخلاف الوکالۃ المفردۃ اور اسی طرح توکیل اور وکیل پر جبر صحیح ہے اور وکالت مشروطہ ہو گئی ہو وے بعد رہن کے صحیح تر قول میں کذا فی الزیلعی برخلاف ظاہر الروایۃ کے اگرچہ قاضی خان وغیرہ نے ظاہر الروایۃ کو صحیح کہا ہے چنانچہ قہستانی وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے تو خبردار رہو برخلاف وکالت مفردہ کے م عالمگیری میں ہے کہ اگر معتمد بیع سے انکار کرے تو اگر توکیل بعد تمام رہن کے ہوئی ہو تو ابویوسف علیہ الرحمۃ سے روایت ہے اور اسی قول کو بعض مشائخ نے لیا ہے کہ اس پر جبر کیا جائے گا چنانچہ وجیز میں ہے اور یہی قول صحیح ہے چنانچہ محیط سرخسی میں ہے والثالث انہ یملک بیع الولد والارش اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وکیل مذکور مرہون کے بچے اور دیت کے بیع کا مالک ہے م بیع دیت کی یہ صورت ہے کہ غلام مرہون کو کسی نے قتل کیا خطا کی راہ سے پھر اس کی دیت میں اجناس دی تو وکیل کو بیع اجناس کا اختیار ہے والرابع اذا باع بخلاف جنس الدین کان لہ ان یصرفہ الی جنسہ ای الدین بخلاف الوکالۃ المفردۃ اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب وکیل نے مرہون کو بیچا جنس دین کے برخلاف تو اس کو جنس دین کی طرف پھیرنا درست ہے برخلاف وکالت مفردہ کے کہ وہ صرف کا مالک نہیں والخامس اذا کان عبدا وقتلہ عبد خطأ فدفع بالجنایۃ کان لہ بیعہ بخلاف المفردۃ متعلق بالجمیع اور پانچویں وجہ یہ ہے کہ جب مرہون غلام ہو اور اس کو دوسرا غلام از راہ خطا قتل کر ڈالے سو غلام قاتل قتل کے بدلے دیا گیا تو وکیل کو اس کی بیع کا اختیار ہے برخلاف وکالت مفردہ کے یہ مخالفت کا قول پانچوں صورتوں سے متعلق ہے ولہ بیعہ فی غیبتہ وورثتہ ای ورثۃ الراہن کما کان لہ حال حیاتہ البیع بغیر حضرتہ ای حضرۃ الراہن اور وکیل مذکور کو مرہون کا بیچنا راہن کے وارثوں کے پیچھے درست ہے جیسے اس کو اس کی بیع کا اختیار تھا راہن کی زندگی میں بغیر موجود ہونے راہن کے وتبطل الوکالۃ بموت الوکیل مطلقا اور وکالت باطل ہو جاتی ہے وکیل کی موت سے ہر طرح خواہ وکیل مرتہن ہو یا عدل یا غیر ان کا اس واسطے کہ وکالت میں میراث جاری نہیں اور موکل وکیل کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ اس کی غیر کی رائے پر وعن الثانی ان وصیہ یخلفہ لکنہ خلاف جواب الاصل اور ابویوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ وکیل کا وصی وکیل کا خلیفہ ہے امور مذکورہ میں لیکن یہ روایت اصل یعنی امام محمدؒ کے مبسوط کے جواب کے مخالف ہے کذا فی الطحطاوی ولو اوصی الی آخر ببیعہ لم یصح الا اذا کان مشروطا لہ ذلک فی الوکالۃ اور وکیل مذکور نے اگر وصیت کی بیع مرہون کی دوسرے شخص کو تو صحیح نہیں مگر جب کہ وکیل کا وصیت کرنا وکالت میں مشروط ہو گیا ہو تو درست ہے م صورت اس کی یہ ہے کہ راہن نے اصل وکالت میں یوں کہا ہو کہ میں نے تجھ کو بیع مرہون کا وکیل کیا اور جو تو اس میں کرے میں نے تجھ کو اس کی اجازت دی کذا فی الطحطاوی و لا یملک راہن ولا مرتہن بیعہ بغیر رضی الآخر اور مالک نے راہن اور مرتہن مرہون کی بیع کا بدون رضامندی دوسرے کے یعنی راہن بدون رضائے مرتہن یا مرتہن بدون رضائے راہن بیع نہیں کر سکتا اس واسطے کہ مرہون سے دونوں کا حق متعلق ہے تو ایک دوسرے کے حق کو بدون اس کے اذن کے باطل نہیں کر سکتا فان حل الاجل وغاب الراہن اجبر الوکیل علی بیعہ کما ہو الحکم فی الوکیل بالخصومۃ اذا غاب موکلہ او اباہا فانہ یجبر علیہا بان یحبسہ ایاما لیبیع فان لج بعد ذلک باع القاضی دفعا للضرر پھر اگر دین کی مدت آ پہنچی اور راہن غائب ہے تو وکیل پر جبر کیا جاوے گا اس کی بیع کا چنانچہ یہی حکم ہے خصومت کے وکیل میں جب کہ اس کا موکل غائب ہو وے یا وکیل خصومت سے انکار کرتا ہو تو اس پر خصومت یا بیع کے واسطے

جبر کیا جاوے گا اس طرح کہ قاضی اس کو قید رکھے چند روز پھر اگر وہ عدم بیع پر اصرار کرے تو قاضی اس کو بیچ ڈالے دفع ضرر کے واسطے ھ طحطاوی نے ھا کہ کیفیت اجبار کی دُرّ المختار کے اکثر نسخوں میں مذکور نہیں وان باعہ العدل فالثمن رہن کالمثمن فیہلک کہلکہ اور اگر معتمد نے مرہون بیچ ڈالا تو اس کا ثمن رہن رہے گا مبیع کے مانند تو ثمن تلف ہوگا مبیع کے تلف ہونے کے مانند ھ یعنی مرتہن کا مال تلف ہوگا بسبب باقی رہنے عقد رہن کے اس واسطے کہ ثمن قائم مقام ہے مبیع مرہون کے فان اوفی ثمنہ بعد بیعہ المرتہن فاستحق الرہن وضمن فان کان المبیع ہالکا فی ید المشتری ضمن المستحق الراہن قیمتہ ان شاء لانہ غاصب پھر اگر معتمد نے مرہون بیچا اور اس کا ثمن بیع کے بعد مرتہن کو دیا پھر مرہون غیر راہن کی ملک ٹھہرا اور اس کا تاوان دیا گیا سو اگر مبیع تلف ہوگیا مشتری کے پاس تو مالک مستحق کو اختیار ہے چاہے راہن سے تاوان لے اس واسطے کہ وہ غاصب ہے جس نے پرایا مال رہن رکھا بلا اذن مالک کے وحینئذ صح البیع والقبض لتملکہ بضمانہ اور اس وقت میں بیع معتمد کی اور قبضہ مرتہن کا ثمن پر معتمد کے ہاتھ سے صحیح ہوگیا بسبب مالک ہوجانے راہن کے اس کے تاوان دینے سے او ضمن المستحق العدل لتعدیہ بالبیع ثم ہو ای العدل یضمن الراہن وصحا ایضا یا چاہے مالک شخص معتمد سے تاوان لے بسبب اس کی تعدی کے بیچنے اور تسلیم ثمن کرنے سے پھر معتمد تاوان لے گا راہن سے مرہون کی قیمت کا اور اس وقت میں بیع مرہون صحیح ہوگی اور قبضہ مرتہن کا ثمن پر بھی ٹھہرے گا او ضمن المرتہن ثمنہ الذی اداہ الیہ یا معتمد چاہے مرتہن سے تاوان لے اس ثمن کا جو معتمد نے اس کو ادا کیا یعنی اس واسطے کہ استحقاق سے ظاہر ہوگیا کہ مرتہن نے ناحق ثمن لیا کذا فی الدرر وہو ای الثمن لہ ای للعدل لانہ بدل ملکہ اور وہ یعنی ثمن مذکور معتمد کا مملوک ہے اس واسطے کہ اس کی ملک کا بدلا ہے ھ جب معتمد نے مرہون مبیع کا تاوان دیا تو مرہون اس کی ملک ہوگیا اور ثمن اس کا بدلا ہے تو ثمن معتمد کا مملوک ہوگیا کذا فی الدرر و یرجع المرتہن علی راہنہ بدینہ ضرورۃ بطلان قبضہ اور مرتہن راہن سے اپنا دین بھر لے بضرورت بطلان قبضہ ثمن یعنی جب معتمد نے مرتہن سے ثمن کا تاوان لیا تو مرتہن کا قبضہ ثمن پر باطل ہوگیا تو بالضرور مرتہن راہن سے اپنا دین بھر لے گا وان کان الرہن قائما فی ید مشتریہ اخذہ المستحق من مشتریہ اور اگر مرہون مبیع موجود ہو مشتری کے پاس تو مالک مستحق اس کے مشتری سے لے گا اس واسطے کہ اس نے اپنا بعینہ مال پایا ورجع ہو ای المشتری علی العدل بثمنہ لانہ العاقد اور مشتری معتمد سے اس کا ثمن بھر لے اس واسطے عاقد بیع کا تو وہی ہے تو عقد کے حقوق اسی سے متعلق ہوں گے ثم یرجع ہو ای العدل علی الراہن بہ ای بثمنہ پھر معتمد راہن سے اس کا ثمن بھر لے یعنی اس واسطے کہ راہن نے معتمد کو عہدہ تاوان میں ڈالا اس کو وکیل کر کے تو راہن پر اس کی تخلیص واجب ہوگئی کذا فی الدرر و اذا رجع علیہ صح القبض وسلم الثمن للمرتہن اور جب معتمد نے راہن سے تاوان ثمن کا بھر لیا تو قبضہ مرتہن کا ثمن پر صحیح ہوگیا اور ثمن اس کو مسلم ٹھہرا او یرجع العدل علی المرتہن بثمنہ یا چاہے معتمد مرتہن سے اس کا ثمن پھیر لے یعنی اس واسطے کہ جب بیع ٹوٹ گئی تو ثمن باطل ٹھہرا اور حالانکہ اس نے اس کو ثمن جان کر قبضہ کیا تھا پھر جب ثمن ہونا باطل ہوا تو اس کا نقض قبض بالضرور واجب ہوگیا کذا فی الدرر ثم رجع ہو ای المرتہن علی الراہن بہ ای بدینہ پھر مرتہن ثمن پھیر کر راہن سے اپنا دین بھر لے اس واسطے کہ جب مرتہن نے ثمن پھیر دیا تو اس کا دین پھر ثابت ہوگیا جیسا تھا زاد ہنا فی الدرر والوقایۃ وان شرطت الوکالۃ بعد الرہن رجع العدل علی الراہن فقط سواء قبض المرتہن ثمنہ اولا درر اور وقایہ میں یہاں اس قدر زیادہ بیان کیا ہے اور اگر وکالت بعد عقد رہن کے مشروط ہوئی ہو تو معتمد فقط راہن پر رجوع کرے گا نہ مرتہن پر خواہ مرتہن نے ثمن پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو ھ اس واسطے کہ جب توکیل بعد عقد کے ہوئی تو مرتہن کا حق اس سے متعلق نہ ہوا تو اس پر رجوع بھی نہ ہوگا اور عدم قبض ثمن کی صورت یہ ہے کہ معتمد نے مرہون بیچا راہن کے امر سے اور ثمن ضائع ہوگیا معتمد کے پاس بلا تعدی پھر مرہون غیر راہن کا ثابت ہوا تو جو تاوان معتمد کو لاحق ہوگیا اس کو راہن سے بھر لے گا کذا فی الدرر فان ہلک الرہن عند المرتہن فاستحق الرہن وضمن الراہن قیمتہ ہلک الرہن بدینہ پھر اگر مرہون ہلاک ہوگیا مرتہن کے پاس سو مرہون غیر راہن کا ملک نکلا اور مالک کے راہن سے اس کی قیمت کا تاوان لیا تو مرہون تلف ہوگیا مرتہن کے دین کے بدلے یعنی راہن ادائے ضمان سے اس کا مالک ہوگیا اور الیفاء

دین صحیح ہو گیا کذا فی الدرر **وان ضمن المرتہن القیمۃ یرجع علی الراہن بقیمتہ التی ضمنہا لضررہ وبدینہ لانتقاض قبضہ** اور اگر مالک نے مرتہن سے اس کی قیمت کا تاوان لیا تو مرتہن راہن سے مرہون کی قیمت اور اپنا دین بھر لے یعنی وہ قیمت جو مرتہن نے تاوان دے کر بھر لی اپنے ضرر کے سبب اور دین بھر لے انتقاض قبض کے سبب م رجوع قیمت کی وجہ یہ ہے کہ مرتہن نے فریب کھایا راہن کی جہت سے بسبب تسلیم کے اور رجوع دین کی وجہ یہ ہے کہ جب قبضہ مرتہن کا باطل ہو گیا تو اس کا دین پھر ثابت ہو گیا جیسا تھا کذا فی الدرر وصدر الشریعۃ **فرع** مسئلہ ملحقہ شارح کا **فی الولوالجیۃ ذہبت عین دابۃ الرہن یسقط ربع الدین وسیجیٔ** ولوالجیہ میں ہے کہ جانور مرہون کی آنکھ جاتی رہی مرتہن کے پاس تو چوتھائی دین ساقط ہو گیا اور یہ مسئلہ کتاب الجنایات میں آگے آوے گا واللہ اعلم

باب التصرف فی الرہن

والجنایۃ علیہ وجنایتہ ای الرہن علی غیرہ یہ باب ہے مرہون میں تصرف کرنے کا اور مرہون پر جنایت کرنے کا اور مرہون کی جنایت کا غیر مرہون پر **توقف بیع الراہن رہنہ علی اجازۃ مرتہنہ او قضاء دینہ** راہن کا بیچنا اپنے مرہون کو اس کے مرتہن کی اجازت پر یا اس کا دین ادا کرنے پر موقوف ہے م یعنی جب راہن نے مرہون کی بیع کی بلا اذن مرتہن کے تو بسبب متعلق ہونے حق مرتہن کے بیع نافذ نہیں موقوف ہے تو اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دی یا راہن نے اس کا دین ادا کر دیا تو بیع نافذ ہو جاوے گی **فان وجد احدہما نفذ وصار ثمنہ رہنا فی صورۃ الاجازۃ** پھر اگر اجازت یا ادائے دین پایا گیا تو بیع موقوف نافذ اور کامل ہو گئی اور اس کا ثمن رہن ہو گیا اجازت کی صورت میں یعنی درصورت ادائے دین رہن کی حاجت نہ رہی **وان لم یجز المرتہن البیع وفسخ بیعہ لا ینفسخ بفسخہ فی الاصح** اور اگر مرتہن نے بیع کی اجازت نہ دی اور راہن نے بیع کو فسخ کر دیا تو بیع فسخ نہ ہو گی اس کے فسخ کرنے سے صحیح تر قول میں **واذا بقی موقوفا فالمشتری بالخیار ان شاء صبر الی فکاک الرہن او رفع الامر الی القاضی لیفسخ البیع وہذا اذا اشتراہ ولم یعلم انہ رہن** ابن کمال اور جب کہ بیع راہن کی عدم اجازت مرتہن سے موقوف باقی رہی تو مشتری کو اختیار ہے چاہے صبر کرے رہن کے چھوٹنے تک یا اس امر کا مرافعہ کرے قاضی کی طرف تا وہ بیع کو فسخ کر دے اور یہ اختیار مشتری کا اس وقت ہے جب کہ اس نے خرید کیا اور اس کو اس کا رہن ہونا معلوم نہ تھا کذا ذکرہ ابن کمال **ولو باعہ الراہن من رجل ثم باعہ الراہن ایضا من رجل آخر قبل ان یجیز المرتہن البیع فالثانی موقوف ایضا علی اجازتہ اذ الموقوف لا یمنع توقف الثانی** اور اگر مرہون کو راہن نے ایک مرد کے ہاتھ بیچا پھر اس کو دوسرے مرد کے بھی ہاتھ بیع کیا اجازت دینے مرتہن سے پہلے تو دوسری بیع بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے اول بیع کے مانند اس لیے کہ بیع موقوف دوسری بیع کے توقف کی مانع نہیں ہوتی **فایہما اجاز لزم ذلک وبطل الآخر** پھر دو میں سے جس بیع کی مرتہن اجازت دے گا وہ لازم ہو جاوے گی اور دوسری بیع باطل ہو گی **ولو باعہ الراہن ثم آجرہ او رہنہ او وہبہ من غیرہ فاجاز المرتہن الاجازۃ او الرہن او الہبۃ جاز البیع الاول لحصول النفع بتحول حقہ للثمن علی ما تقرر فی محلہ تحرر دون غیرہ من ہذہ العقود المذکورۃ اذ لا منفعۃ للمرتہن فیہا فکانت اجازتہ اسقاطا لحقہ فزال المانع فینفذ البیع** اور اگر راہن نے مرہون کو بیچا پھر اس کو اجارہ میں دیا یا کہیں رہن رکھا یا ہبہ کر دیا غیر مشتری کو پھر مرتہن نے اجارہ یا رہن یا ہبہ کو جائز رکھا تو بیع اول جائز ہو گی نہ اجارہ وغیرہ بسبب حاصل ہونے نفع مشتری کے بیع میں بسبب پھر جانے حق مرتہن کے ثمن کی طرف بنا بر اس وجہ کے جو ثابت اور اپنے مقام میں مرقوم ہے کہ بیع اول جائز ہے نہ اس کے سوا ہبہ عقود مذکورہ میں اس واسطے کہ مرتہن کے واسطے اجارہ وغیرہ میں فائدہ نہیں تو اس کی اجازت اسقاط ہے مرتہن کے حق کا پھر جب مانع نفاذ دور ہو گیا تو بیع نافذ ہو گئی م مسئلہ اولی میں بیع ثانی اجازت کے سبب سے جائز ہوئی اور اس مسئلہ میں بعد بیع کے اجارہ وغیرہ میں تصرف جائز نہ ہوا سوا بیع اول کے باوجود اجازت کے تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ مرتہن کو بیع میں تو فائدہ ہے اس واسطے کہ اس کا حق بدل مبیع یعنی ثمن سے متعلق ہو گیا برخلاف عقود مذکورہ کے اس واسطے کہ ہبہ اور رہن میں بدل نہیں اور اجارہ میں منفعت بدل ہے نہ عین اور حق مرتہن کا عین کی مالیت میں ہے نہ منفعت میں تو اس کی اجازت میں حق مرتہن کا اسقاط ہے سو جب کہ مانع نفاذ بیع کا زائل ہو گیا تو بیع نافذ ہو گئی کذا فی الدرر **وفی الاشباہ باع الراہن من زید ثم باعہ من المرتہن انفسخ الاول** اور اشباہ میں ہے کہ راہن نے مرہون کو بیچا زید کے پھر اسکو بیچا مرتہن کے تو

بیع اول فسخ ہو گئی م یہ گویا استدراک ہے مصنفؒ کے اس قول پر کہ بیع ثانی بھی موقوف ہوتی ہے بیع اول کے مانند یعنی محل توقف ثانی اول کے مانند وہ ہے جب کہ بیع ثانی غیر مرتہن سے ہوا اور اگر مرتہن سے ہو تو بیع ثانی موقوف نہ ہوگی بلکہ نافذ ہو جاوے گی اور بیع اول باطل ہوگی کذا فی الطحطاوی **وصح اعتاقہ وتدبیرہ واستیلادہ** ای اعتاق الراہن رہنہ اور صحیح ہے یعنی نافذ ہے راہن کا آزاد کرنا اور مدبر کرنا مرہون مملوک کو اور مدبر کرنا اور استیلاد یعنی اگر بلا اجازت مرتہن کے راہن مرہون غلام کو آزاد کر دے یا اس کو مدبر کرے تو یہ تصرف نافذ ہوگا **فان کان غنیا وکان دینہ** ای المرتہن **حالا اخذ دینہ من الراہن** سو اگر راہن مالدار ہو اور مرتہن کا دین بلا مدت ہو تو مرتہن اپنا دین راہن سے لے **وان مؤجلا اخذ قیمتہ للرہن بدلہ الی زمان حلولہ فاذا حل استوفی حقہ لو من جنسہ ورد الفضل** اور اگر مرتہن کا دین مدت والا ہو تو مرتہن غلام آزاد کی قیمت راہن سے لے رہن رکھنے کے واسطے عوض غلام کے دین کے مدت پہنچنے تک پھر جب مدت آ پہنچے تو مرتہن اپنا حق یعنی اپنا دین لے بشرطیکہ غلام کی قیمت ہم جنس دین کے ہو اور زیادہ کو پھیر دے یعنی اگر قیمت دین سے زیادہ ہو تو پھیر دے اور اگر کم ہو تو راہن سے طلب کرے **وان کان الراہن معسرا ففی العتق سعی العبد فی الاقل من قیمتہ ومن الدین** اور اگر راہن مفلس ہو تو آزاد کرنے میں غلام سعی کرے کمتر مال کے ادا کرنے میں یعنی اگر اس کی قیمت کمتر ہو دین سے تو قیمت ادا کرے محنت مزدوری کرکے اور اگر دین کم ہو قیمت سے تو دین کو ادا کرے **ورجع علی سیدہ غنیا** اور جس قدر غلام ادا کرے اتنا اپنے مالک سے بھر لے جب کہ اس کو مقدور ہو **وفی التدبیر والاستیلاد سعی فی کل الدین بلا رجوع لان کسب المدبر وام الولد ملک المولی** اور استیلاد میں سعی کرے ہر واحد مدبر اور ام ولد سے تمام دین کے ادا کرنے میں بلا رجوع علی المولی اس واسطے کہ مدبر اور ام ولد کی کمائی مولی کی مملوک ہے بخلاف غلام آزاد کے **فاذا اتلف الراہن الرہن فحکمہ حکم ما اذا اعتقہ غنیا کما مر** اور جب کہ راہن نے مرہون کو تلف کر دیا تو اس کا حکم مانند ہے اس حکم کے جب کہ مالدار مالک غلام مرہون کو آزاد کر دے چنانچہ مذکور ہو چکا م یعنی اتلاف راہن اعتاق کے مانند ہے تو اگر دین حال ہو تو مرتہن راہن سے اپنا دین لے اور اگر دین مؤجل ہو تو اس کی قیمت لے اور اپنے پاس رہن رکھے مدت کے آنے تک کذا فی الدرر **وان اتلفہ اجنبی** ای غیر الراہن **فالمرتہن یضمنہ** ای المتلف **قیمتہ یوم ہلک فتکون القیمۃ رہنا عندہ کما مر** اور اگر مرہون کو شخص اجنبی یعنی غیر راہن نے تلف کیا تو مرتہن تلف کرنے والے سے اس کی قیمت کا تاوان لے وہ قیمت جو تلف ہونے کے دن اس کی تھی سو قیمت اس کی رہن رہے گی مرتہن کے پاس چنانچہ گذر گیا **واما ضمانہ علی المرتہن فتعتبر قیمتہ یوم القبض لانہ مضمون بالقبض السابق** زیلعی اور اگر مرہون کو مرتہن نے تلف کیا تو مرتہن پر اس کے تاوان میں یوم القبض کی قیمت معتبر ہو گی اس لیے کہ مرہون کا ضمان مرتہن پر قبض سابق سے لازم آتا ہے کذا فی الزیلعی **وباعارتہ** ای المرتہن **الرہن من راہنہ یخرج من ضمانہ** تسمیتہا عاریۃ مجازا اور عاریت دینا مرتہن کا راہن کو نکالتا ہے مرتہن کو اس کے تاوان سے یعنی اگر مرتہن نے مرہون راہن کو بطور عاریت کے دیا تو مرتہن پر سے ضمان رہن ساقط ہو گیا اور اس کو عاریت کہنا مجاز ہے م یعنی لفظ اعارہ یہاں مجازا استعارہ ہے اس واسطے کہ حقیقت اعارہ تملیک منافع ہے اور تملیک نہیں ہوتی مگر مالک سے اور حالانکہ مرتہن مرہون کا مالک نہیں تو تملیک اسی سے کیونکر ممکن ہو گی **فلو ہلک الرہن فی ید الراہن ہلک مجانا حتی لو کان اعطاہ کفیلا لم یلزم الکفیل شیء لخروجہ من الرہن نعم لو کان الراہن اخذہ بغیر رضی المرتہن جاز ضمان الکفیل** تاتارخانیہ سو اگر مرہون راہن کے ہاتھ میں تلف ہو گا تو مفت تلف ہو گا یعنی دین مرتہن کا قائم رہے گا کچھ ساقط نہ ہو گا کیونکہ قبض موجب ضمان مرتفع ہو گیا یہاں تک کہ اگر راہن نے مرتہن کو مرہون مستعار کے سبب سے ضامن دیا ہو تو ضامن پر تاوان لازم نہ ہو گا بسبب خارج ہو جانے مرہون کے رہن سے ہاں اگر راہن نے مرہون کو لیا ہو بدون رضامندی مرتہن کے تو جائز ہے ضمان ضامن کا کذا فی التاتارخانیہ یعنی کفیل مرہون سے مطالبہ ہو گا کہ مرہون مرتہن کو دلا دے کذا فی الطحطاوی **فان عاد قبضہ عاد ضمانہ** سو اگر قبضہ مرتہن کا مرہون پر عود کرے گا تو اس کا ضمان بھی مرتہن پر پھر ثابت ہو گا **وللمرتہن استردادہ الی یدہ**

اور مرتہن کو جائز ہے پھیر لانا مرہون مستعار کا راہن کے پاس سے اپنے قبضہ کی طرف سے **فلومات الراہن قبل ذلک ای قبل الاسترداد فالمرتہن احق بہ من سائر الغرماء لبقاء حکم الرہن** پھر اگر راہن مرگیا استرداد مرہون سے پہلے تو مرتہن زیادہ تر حقدار ہے مرہون کا راہن کے باقی قرضخواہوں سے بسبب باقی رہنے حکم رہن کے م رہن کا حکم اس واسطے باقی ہے کہ عاریت عقد لازم نہیں **ولو اعارہ او اودعہ احدہما اجنبیا باذن الآخر سقط ضمانہ** اور اگر راہن یا مرتہن نے مرہون یا عاریت دیا اجنبی کو دوسرے کی اجازت سے تو ضمان اس کا ساقط ہوگیا اس واسطے کہ ضمان تھا قبض کے سبب سے سو باقی نہ رہا **ولکل منہما ان یعیدہ رہنا کما کان** اور راہن اور مرتہن میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ پھر رہن کو قائم کرے جیسا کہ سابق رہن تھا اس واسطے کہ بقاء عقد[1] کے سبب دونوں کا حق اس میں ثابت ہے **بخلاف الاجارۃ والبیع والہبۃ والرہن من المرتہن او من اجنبی اذا باشرہا احدہما باذن الآخر حیث یخرج عن الرہن ثم لا یعود الا بعقد مبتدأ لانہا عقود لازمۃ** برخلاف اجارہ اور بیع اور ہبہ اور رہن کے مرتہن سے یعنی جب کہ عقود مذکورہ صادر ہوئے راہن سے مرتہن کے واسطے یا اجنبی کے واسطے بشرطیکہ راہن یا مرتہن ان عقود کا مباشر ہوا ہو دوسرے کے اذن سے کیونکہ مرہون نکل جاتا ہے رہن سے بسبب عقود مذکورہ کے پھر مرہون عود نہیں کرتا رہن کی طرف مگر بعقد جدید اس واسطے کہ عقود مذکورہ لازم ہیں م یعنی اگر راہن نے مرتہن کو مرہون اجارہ دیا تو رہن باطل ہوگیا اس واسطے کہ اجارہ عقد لازم ہے منعقد نہیں ہوتا مگر بعد انتقاض رہن کے اور اسی طرح اگر راہن نے اجنبی کو اجارہ دیا اور مرتہن نے جائز رکھا یا مرتہن نے اجارہ دیا اجنبی کو اور راہن نے اس کو جائز رکھا تو رہن باطل ہو جاوے گا اور یہی حکم ہے بیع اور ہبہ کا طحطاوی نے کہا لیکن رہن بعد الرہن میں نظر ہے زیلعی نے کہا اس کو ذکر نہیں کیا **بخلاف العاریۃ وبخلاف بیع المرتہن من الراہن لعدم لزومہا** برخلاف عاریت مرہون کے اور برخلاف بیع مرتہن کے راہن سے اس کے عدم لزوم کے سبب سے یعنی عاریت اور بیع مرتہن سے حق لازم متعلق نہیں ہوا جو رہن باطل ہو جائے **بقی لومات الراہن قبل ردہ ثانیا فالمرتہن اسوۃ للغرماء** باقی رہی یہ بات کہ اگر راہن مرگیا دوسری بار رہن رکھنے سے پہلے تو مرتہن برابر ہے باقی قرضخواہوں کے یعنی اجارہ دیا راہن نے مرتہن کو یا اجنبی کو اور نقض اجارہ کر کے دوسری بار اس کو مرتہن کے پاس رہن نہیں رکھا اور راہن مرگیا تو مرتہن احق بالمرہون نہیں بلکہ اور قرضخواہوں کے برابر ہے اس واسطے کہ اجارہ وغیرہ سے رہن سابق باقی نہ رہا باطل ہوگیا **ولو اذن الراہن للمرتہن فی استعمالہ او اعارتہ للعمل فہلک الرہن قبل ان یشرع فی العمل او بعد الفراغ منہ ہلک بالدین لبقاء عقد الرہن** اور اگر راہن اذن دے مرتہن کو مرہون کے استعمال کا یا اس کے عاریت دینے کا کسی کام کے واسطے پھر مرہون تلف ہو عمل کے شروع ہونے سے پہلے یا بعد فارغ ہونے کے عمل سے تو تلف ہوگا دین کے عوض یعنی دین مرتہن کا ساقط ہوگا بسبب باقی رہنے عقد رہن کے م مراد یہ ہے کہ راہن نے مرتہن کو استعمال کا اذن دے بدوں طلب کرنے مرتہن کے یا کام کے واسطے مرتہن راہن سے عاریت مانگے اور وہ اس کو عاریت دے تو اگر قبل استعمال یا بعد استعمال کے تلف ہوگا تو مرتہن پر ضمان رہن لازم ہوگا کذا فی الدر **ولو ہلک فی حالۃ العمل والاستعمال ہلک امانۃ لثبوت ید العاریۃ حینئذ** اور اگر مرہون تلف ہوا عمل اور استعمال کی حالت میں تو امانت ہو کر تلف ہوا یعنی اب ضمان لازم نہ ہوگا بسبب ثابت ہونے قبض عاریت کے اس وقت میں یعنی اور قبض عاریت مخالف قبض رہن کے تو ضمان ثابت نہ ہوگا **ولو اختلفا فی وقتہ ای وقت ہلاکہ فقال المرتہن ہلک فی وقت العمل وقال الراہن فی غیرہ فالقول للمرتہن لانہ منکر والبینۃ للراہن لانہما اتفقا علی زوال ید الرہن فلا یصدق الراہن فی عودہ الا بحجۃ** بزازیہ اور اگر راہن اور مرتہن نے اختلاف کیا مرہون کے تلف ہونے کے وقت میں سو مرتہن نے کہا کہ تلف ہوا عمل کے وقت میں اور راہن نے کہا کہ عمل کے سوا اور وقت تلف ہوا تو مرتہن کا قول مقبول ہوگا اس واسطے کہ وہ منکر ہے وجوب ضمان کا اور اور شہادت راہن کی مقبول ہوگی اس واسطے کہ راہن اور مرتہن قبض رہن کے زوال پر متفق ہیں تو راہن کی تصدیق قبض رہن کے عود کرنے میں نہ ہوگی بدوں گواہی کے کذا فی البزازیہ **وفیہا اذن للمرتہن فی لبس ثوب الرہن یوما فجاء بہ المرتہن متخرقا فقال تخرق فی لبس ذلک الیوم وقال الراہن ما لبستہ فیہ ولا تخرق فیہ فالقول للراہن وان اقر الراہن باللبس فیہ ولکن قال تخرق قبل لبسہ او بعدہ فالقول للمرتہن فی قدر ما ادعی من الضمان** اور بزازیہ میں ہے کہ راہن نے مرتہن کو اذن دیا مرہون

---

[1] یعنی عقد سابق

کپڑے کے پہننے کا ایک دن سو مرتہن وہ کپڑا لایا پھٹا اور بولا کہ وہ پھٹ گیا تھا اسی دن کے پہننے میں اور راہن نے کہا کہ تو نے اس دن نہیں پہنا اور نہ اس دن میں پھٹا تو راہن کا قول معتبر ہے اور اگر راہن نے اس دن کے پہننے کا اقرار کیا ولیکن یہ کہا کہ کپڑا پھٹ گیا تھا اس کے پہننے سے پہلے یا بعد پہننے کے تو مرتہن کا قول قبول ہے بعد ضمان کی مقدار میں ہم جب راہن نے پہننے کا اقرار کیا تو ضمان سے خارج ہو جانے پر دونوں کا اتفاق ہوا تو در صورت تلف ہونے ثوب متخرق کی قیمت لزوم ضمان میں معتبر ہو گی کذا فی الطحطاوی فروع مسائل ملحقہ شارح کے رہن الاب من مال طفلہ شیئا بدین علی نفسہ جاز فلو الرہن قیمتہ اکثر من الدین فہلک ضمن الاب قدر الدین دون الزیادۃ بخلاف الوصی فانہ یضمن قیمتہ والفرق ان للاب ان ینتفع بمال الصغیر عند الحاجۃ ولا کذلک الوصی باپ نے اپنے طفل کے مال سے کوئی چیز بدلے اس دین کے جو باپ کی ذات پر ہے رہن رکھی تو جائز ہے تو اگر مرہون کی قیمت زیادہ تر ہے دین سے اور وہ تلف ہوا تو باپ تاوان دے گا بقدر دین کے زیادہ کا تاوان نہ دے گا برخلاف وصی کے کہ وہ اس کی پوری قیمت کا تاوان دے گا اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ باپ کو جائز ہے نفع حاصل کرنا صغیر کے مال سے حاجت کے وقت اور وصی ایسا نہیں کہ اس کو انتفاع صغیر کے مال سے درست ہو ولو ادرک الابن ومات الاب لیس للابن اخذہ قبل قضاء الدین ویرجع الابن فی مال الاب ان کان رہنہ لنفسہ لانہ مضطر کمعیر الرہن اور اگر صغیر بالغ ہو گیا اور باپ مر گیا تو فرزند کو مرہون کا لینا بدوں ادا کرنے دین کے جائز نہیں اور فرزند باپ کے مال سے اتنا بھر لے اگر اس کے باپ نے فرزند کا مال اپنی ذات کے واسطے رہن رکھا ہو رجوع اس واسطے درست ہے کہ فرزند مضطر ہے مرہون کی عاریت دینے والے کے مانند ہم یعنی فرزند اپنے مال کے خلاص کرنے میں مضطر ہے تو وہ متبرع نہ ٹھہرے گا کہ رجوع نہ درست ہو جیسے معیر رہن کو راہن سے رجوع کرنا درست ہے جب کہ وہ اپنے مال کی تخلیص کے واسطے راہن کا دین ادا کرے کذا فی الطحطاوی ولو رہن شیئا ثم اقر بالرہن لغیرہ لا یصدق فی حق المرتہن ولیوم بقضاء الدین وردہ الی المقر لہ اور اگر راہن نے کوئی چیز رہن رکھی پھر اقرار کیا کہ یہ چیز تو غیر مرتہن کے پاس رہن تھی تو مرتہن کے حق میں اس کی تصدیق نہ ہو گی اور راہن کو ادائے دین کا حکم کیا جاوے گا اور اس چیز کے پھیر دینے کا مقر لہ کی طرف امر ہو گا ولو رہن دار غیرہ فاجاز صاحبہا جاز اور اگر ایک نے دوسرے کا گھر رہن رکھ لیا پھر اس کے مالک نے رہن رکھنا جائز رکھا تو یہ درست ہے وبینۃ الراہن علی قیمۃ الرہن اولی اور راہن کے گواہ مرہون کی قیمت پر مقدم ہیں مرتہن کے گواہوں سے یعنی مرہون کے تلف ہونے کے بعد اختلاف پڑا اس کی قیمت میں راہن کہتا ہے کہ اس کی قیمت سو درم تھی مثلاً اور مرتہن کہتا ہے کہ ۵۰ درم قیمت تھی اور دونوں نے گواہ گذرانے تو راہن کے گواہ مقدم ٹھہریں گے اس واسطے کہ وہ زیادت ضمان کے مثبت ہیں وزوائد الرہن کولد وثمرۃ رہن لا غلۃ دار وارض وعبد فلا یصیر رہنا اور زوائد رہن کی یعنی مرہون کی بڑھوتیاں چنانچہ مرہون کا بچہ اور پھل رہن میں داخل ہے نہ کرایہ گھر اور زمین اور غلام کا تو وہ رہن میں داخل نہ ہو گا ہم عالمگیری میں محیط سے منقول ہے کہ زوائد رہن کی دو قسم ہیں ایک قسم تو رہن میں داخل نہیں یعنی جو زیادت کہ متولد نہ ہو اور نہ بدلا ہو کسی جزو کا اجزاء عین سے چنانچہ کسب اور ہبہ اور صدقہ اور مانند اس کے اور ایک قسم رہن میں داخل ہے یعنی جو مرہون سے متولد ہو چنانچہ بچہ اور پھل اور اون اور دودھ یا بدلا ہو کسی جزو کا چنانچہ عضو کا خونبہا اور رہن میں داخل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اصل کے ساتھ زوائد بھی محبوس رہیں گے مرتہن کے پاس لیکن ان کے تلف ہو جانے میں تاوان نہیں تو ان کے تلف ہو جانے سے فک رہن سے پہلے کچھ دین ساقط نہ ہو گا کذا فی الطحطاوی مختصرا الرہن الفاسد کالصحیح فی ضمانہ رہن فاسد رہن صحیح کے مانند ہے اس کی ضمان میں ہم صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا گھر نصف شائع[1] رہن رکھا یا نصف غلام رہن رکھا ہزار درم قرض لے کر اور درموں کو خرچ کر ڈالا پھر عقد رہن کو توڑا راہن نے فساد کی وجہ سے تو مرتہن کو حبس مرہون تا استیفاء دین درست ہے اور اگر مرہون

---

[1] یعنے مبہم غیر معین ۱۲

تلف ہو گا مرتہن کے پاس فسخ کے بعد تو رہن صحیح کے مانند مرتہن پر تاوان لازم ہو گا کذا فی المنح ملخصا وصح استعارۃ شئی لیرہنہ فیرہن بما شاء و
اذا اطلق ولم یقید بشئ اور صحیح ہے عاریت لینا کسی چیز کا تا مستعیر اس کو رہن رکھ دے تو مستعیر رہن رکھے عاریت کی چیز جس قدر کو چاہے او
جس طرح چاہے بشرطیکہ عاریت دینے والے نے علی الاطلاق دیا ہو اور کسی چیز کی قید نہ لگائی ہو وان قیدہ بقدر او جنس او مرتہن او بلد تقید
وحینئذ فان خالف ما قیدہ بہ المعیر ضمن المعیر المستعیر او المرتہن لتعدی کل منہما اور اگر معیر نے رہن میں مقدار دین کی یا جنس دین کی یا مرتہن کی
یا شہر کی قید لگائی یعنی یوں کہا کہ اس قدر دین پر رہن رکھنا یا فلانی جنس کے بدلے یا فلانے شخص کے پاس یا فلانے شہر میں رہن رکھنا تو رہن ا
قید کے ساتھ مقید ہو گا اور اس وقت میں تو اگر مستعیر معیر[1] کی قید لگانے سے خلاف کرے گا تو معیر تاوان لے گا مستعیر سے یا اس کے مرتہن سے دونو
کی تعدی اور زیادتی کے سبب سے مستعیر کی تعدی تو صریح ہے مخالفت کرنے سے اور مرتہن کی تعدی یہ ہے کہ اس نے بیگانی چیز پر قبضہ ک
بدوں اس کے اذن کے تو مستعیر تو غاصب ہوا اور مرتہن غاصب سے غاصب ٹھہرا الا اذا خالف الی خیر بان عین لہ اکثر من قیمتہ فرہنہ باقل من ذل
لم یضمن لمخالفتہ الی خیر مگر جب کہ مستعیر نے معیر کی مخالفت کی نیک امر میں اس طرح پر کہ معیر نے مستعیر کے لیے مستعار کی قیمت سے اکثر معین کر دیا
مستعیر نے اس کو اس سے کمتر پر رہن رکھا تو مستعیر پر تاوان لازم نہ ہو گا کیونکہ اس نے بہتری میں مخالفت کی یعنی اس مخالفت میں مالک کا فائدہ ہے
نقصان جو تاوان لازم آوے فان ضمن المعیر المستعیر تم عقد الرہن لتملکہ بالضمان پھر اگر معیر نے تاوان لیا مستعیر سے تو رہن کا عقد کامل ہو گ
بسبب مالک ہو جانے مستعیر کے مستعار کا تاوان دے کر وان ضمن المرتہن یرجع بما ضمن وبالدین علی الراہن کما فی الاستحقاق اور اگر معیر نے تاوان ل
مرتہن سے تو مرتہن راہن سے دین اور تاوان بھر لے جس قدر کہ اس نے تاوان دیا چنانچہ استحقاق میں یعنی جب مستحق کو مرتہن نے مرہون کے تلف ہو
کے بعد تاوان دیا تو مرتہن راہن سے دین اور تاوان بھر لے گا چنانچہ مذکور ہو چکا فان وافق وہلک عند المرتہن صار المرتہن مستوفیا لدینہ پھر ا
مستعیر معیر کے موافق چلا یعنی مستعار کو بقدر اجازت معیر کے رہن رکھا اور مستعار تلف ہو گیا مرتہن کے پاس تو مرتہن اپنے دین کا پانے والا ٹھ
گیا بشرطیکہ قیمت اس کی دین کے برابر ہو یا زیادہ اگر قیمت دین سے کم ہو گی تو باقی کو راہن سے لے گا کذا فی الطحطاوی ووجب مثلہ ای مثل ال
للمعیر علی المستعیر وہو الراہن لقضاء دینہ بہ اور دین کے برابر معیر کے واسطے مستعیر یعنی راہن پر دینا واجب ہو گا بسبب ادا ہونے دین راہن کے
مرہون کے سبب سے ان کان کلہ مضمونا والا یکن کلہ مضمونا ضمن قدر المضمون والباقی امانۃ وجوب بقدر دین اس صورت میں ہے کہ اگر تمام دین مضمون
اور اگر تمام دین کا ضمان نہ ہوا ہو تو راہن مستعیر بقدر مضمون کے ضمان دے گا اور باقی امانت ہے وکذا لو تعیب فیذہب من الدین بحسابہ ویجب مثلہ للمع
اور اسی طرح اگر مستعار مرتہن کے پاس عیب دار ہو گیا تو بقدر حصہ عیب کے دین جاتا رہے گا اور اسی کے مانند معیر کے واسطے مستعیر پر واجب ہو گا و
لو افتکہ ای الرہن المعیر اجبر المرتہن علی القبول ثم یرجع المعیر علی الراہن لانہ غیر متبرع لتخلیص ملکہ بخلاف الاجنبی بما ادی ان ساوی الدین
القیمۃ وان الدین ازید فالزائد تبرع وان اقل فلا جبر درر لکن استشکلہ الزیلعی وغیرہ واقرہ المصنف فلذا لم یعرج علیہ فی متنہ مع کمال متابعت
للدرر فتدبر اور اگر معیر نے فک رہن کا ارادہ کیا تو مرتہن پر اس کے قبول کرنے پر جبر کیا جاوے گا پھر معیر نے جو دین ادا کیا وہ راہن سے بھر لے گا
اس واسطے کہ معیر متبرع نہیں ہے کیونکہ وہ مضطر ہے اپنے ملک کی تخلیص کے سبب سے برخلاف اجنبی کے کہ وہ ادائے دین میں متبرع ہے رجوع معیر ا
شرط یہ ہے کہ دین برابر ہو قیمت مرہون کے اور اگر دین زائد ہو گا اس کی قیمت سے تو زائد کا ادا کرنا تبرع ہے یعنی تو اس قدر کا رجوع نہ ہو گا اور اگر دی
کم ہے قیمت سے تو مرتہن پر جبر نہیں تسلیم مرہون کا کذا فی الدرر لیکن ادائے زائد کے تبرع ہونے میں زیلعی وغیرہ نے اشکال کیا ہے اور مصنف نے ا

---

[1] معیر عاریت دینے والا اور مستعیر عاریت لینے والا ۱۲

اشکال کو ثابت رکھا ہے اپنی شرح میں تو اسی واسطے مصنف نے زائد کے تبرع ہونے پر تصریح نہیں کی یعنی اپنے متن میں اس کو ذکر نہیں کیا باوجود کمال متابعت درر کے سو اس کو تامل کر یعنی باوجودیکہ مصنف اپنے متن میں درر کی کمال متابعت کرتا ہے لیکن اشکال زیلعی وغیرہ کے سبب سے اس کو متن کے اندر داخل نہیں کیا م تبرع زائد کا اشکال زیلعی نے یوں بیان کیا ہے کہ یہ مشکل ہے اس واسطے کہ تخلیص مرہون حاصل نہیں ہو سکتی بعض دین کے ادا کرنے سے تو معیر مضطر ٹھہرا اور یہ اس واسطے ہے کہ غرض معیر تخلیص سے یہ ہے کہ اس سے منتفع ہو اور یہ حاصل نہیں ہو سکتا بدوں ادا کرنے تمام دین کے اس واسطے کہ مرتہن کو اختیار ہے حبس مرہون کا تا ادائے کل دین کذا فی الحلبی طحطاوی نے حموی اور شرح قدوری سے جواب اشکال مذکور کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ مصنف پر اس کی تصریح واجب تھی من شاء فلیرجع الیہ ولو ہلک الرہن المستعار مع الراہن قبل رہنہ او بعد فکہ لم یضمن وان استخدمہ او رکبہ ونحو ذلک من قبل لانہ امین خالف ثم عاد الی الوفاق فلا یضمن خلافا للشافعی اور اگر مرہون مستعار ہلاک ہو گیا راہن کے پاس رہن رکھنے سے پہلے یا بعد فک رہن کے تو راہن پر اس کا تاوان نہیں اگرچہ قبل اس کے مستعار سے اس نے خدمت لی ہو یا اس پر سواری کی ہو اور مانند اس کے اور استعمال کیا ہو اس لیے کہ راہن امین ہے جس نے مالک کی مخالفت کے بعد اس کی پھر موافقت کی تو اس موافقت بعد المخالفۃ سے اس پر ضمان لازم نہ ہوگا برخلاف امام شافعیؒ کے لکن فی الشرنبلالیۃ عن العمادیۃ المستاجر او المستعیر اذا خالفا ثم عادا الی الوفاق لا یبرأ عن الضمان علی ما علیہ الفتوی انتہی لیکن شرنبلالیہ میں عمادیہ سے منقول ہے کہ مستاجر یا مستعیر جب کہ دونوں مالک کی مخالفت کریں بعد اس کے پھر موافقت کریں تو ہر واحد تاوان سے بری الذمہ نہ ہوگا بموجب اس قول کے جس پر فتوی ہے انتہی ما فی الشرنبلالیۃ بقی لو اختلفا فالقول للراہن لانہ ینکر الایفاء بمالہ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر معیر اور مستعیر نے اختلاف کیا مرہون کے تلف ہو جانے کے وقت میں تو مستعیر راہن کا قول مقبول ہوگا اس واسطے کہ وہ اپنے ایفاء مال کا منکر ہے یعنی وجوب ضمان کا منکر ہے م صورت اختلاف یہ ہے کہ معیر کہتا ہے کہ مرہون مستعار تلف ہو گیا مرتہن کے پاس اور مستعیر کہتا ہے بلکہ میرے پاس قبل رہن یا بعد فک رہن تلف ہوا کذا فی الطحطاوی تو مطلب معیر کا یہ ہے کہ بقدر دین مستعیر پر ضمان واجب ہوا اور مستعیر کا مدعا یہ ہے کہ مجھ پر ضمان واجب نہ ہو ولو اختلفا فی قدر ما امرہ بالرہن فالقول للمعیر ہدایہ اور اگر دونوں نے اختلاف کیا اس مقدار میں جس پر رہن رکھنے کا معیر نے امر کیا تو معیر کا قول مقبول ہوگا کذا فی الہدایہ یعنی مقدار دین میں اختلاف ہوا معیر اکثر دین کا مدعی ہے تا مستعیر پر تلف ہو جانے کے وقت ضمان زائد لازم آوے اور مستعیر اقل دین کا دعوی کرتا ہے اختلفا فی الدین والقیمۃ بعد الہلاک فالقول للمرتہن فی قدر الدین وقیمۃ الرہن شرح تکملہ اور اگر راہن اور مرتہن نے مقدار دین اور قیمت مرہون میں اختلاف کیا بعد ہلاک ہو جانے مرہون کے تو مرتہن کا قول مقدار دین اور قیمت مرہون میں معتبر ہے کذا فی شرح التکملہ ولو مات مستعیرہ مفلسا مدیونا فالرہن باق علی حالہ فلا یباع الا برضی المعیر لانہ ملکہ اور اگر رہن کا مستعیر مفلس مدیون ہو کر مر گیا تو عقد رہن کا باقی ہے اپنی حالت سابقہ پر مرتہن کے پاس تو مرہون بیچا نہ جاوے گا مگر معیر کی رضامندی سے اس واسطے کہ مرہون معیر کا مملوک ہے ولو اراد المعیر بیعہ وابی المرتہن البیع بیع بغیر رضاہ ان کان بہ ای بالرہن وفاء والا لا یباع الا برضاہ اور اگر معیر بیع مرہون کا ارادہ کرے اور مرتہن نہ مانے تو وہ بیچا جاوے گا بدوں اس کی رضامندی کے اگر مرہون کی قیمت سے دین مرتہن کا ادا ہو جائے اور اگر دین ادا نہ ہو تو اس کی بیع نہ ہوگی بلا رضامندی مرتہن کے ولو مات المعیر مفلسا وعلیہ دین امر الراہن بقضاء دینہ لنفسہ ویرد الرہن لیصل کل ذی حق حقہ اور اگر معیر مر جائے مفلس ہو کر اور اس پر دین ہو تو راہن پر امر کیا جائے اپنے ذات دین کے ادا کرنے کا اور مرہون مستعار پھیر دیا جائے تاکہ ہر حقدار اپنے حق کو پہنچے وان عجز لفقرہ فالرہن علی حالہ کما لو کان المعیر حیا اور اگر راہن مستعیر عاجز ہو اپنے دین کے ادا کرنے سے محتاجی کے سبب سے تو رہن باقی ہے اپنی حالت پر اگر معیر زندہ ہوا اور مستعیر عاجز ہو تو رہن قائم رہے گا ولو ورثتہ ای ورثۃ المعیر اخذہ ای الرہن بعد قضاء دینہ کمورث اور معیر کے وارثوں کو مرہون کا لینا درست ہے بعد ادا کرنے دین مرتہن کے

مورث کے مانند یعنی اگر وارث معیر کے مرتہن کا دین ادا کریں تو مرہون پر قبضہ کریں فان طلب غرماء المعیر من ورثتہ بیعہ فان آدفاء بیع والا فلا یباع الا برضی المرتہن لما مر پھر اگر معیر کے قرضخواہ معیر کے وارثوں سے مرہون مستعار کی بیع طلب کریں تو اگر مرہون کی قیمت سے دین ادا ہو جائے تو وہ بیچا جاوے اور اگر دین ادا نہ ہو تو نہ بیچا جائے مگر مرتہن کی رضامندی سے چنانچہ عنقریب گذر گیا بدلیل گذشتہ م منح الغفار میں ہے کہ اگر دین مرتہن سے فاضل معیر کے قرضخواہوں کو کفایت نہ کرے تو بدون ان کی رضامندی کے بیع درست نہیں اور اگر کفایت کرے تو بیع جائز ہے بدون ان کی رضامندی کے بسبب پہنچ جانے ان کے حق کے اور اسی طرح کا حکم ہے اگر معیر یا مستعیر مر جائے کذا فی الطحطاوی واعلم ان جنایۃ الراہن علی الرہن کلا او بعض مضمونۃ اور یہ معلوم کر کہ جنایت راہن کی مرہون کے کل پر یا بعض پر مضمون ہے یعنی تاوان اس کا راہن پر واجب ہے م یعنی اگر راہن مرہون غلام کو قتل کرے یا کوئی عضو تلف کر ڈالے تو راہن پر ضمان واجب ہوگا اس لیے کہ حق مرتہن کا لازم محترم ہے اور مالیت سے اس کی ملک متعلق ہے لہذا مالک اجنبی ٹھہرایا گیا ضمان کے حق میں کجنایۃ المرتہن علیہ جیسے جنایت مرتہن کی مرہون پر واجب الضمان ہے یعنی اگر مرتہن مرہون کو قتل کرے گا تو اس پر تاوان لازم ہوگا ویسقط من دینہ ای دین المرتہن بقدرہا ای الجنایۃ لانہ اتلف ملک غیرہ فلزمہ ضمانہ واذا لزمہ وقد حل الدین سقط بقدرہ ولزمہ الباقی بالاتلاف لا بالرہن اور مرتہن کا دین بقدر جنایت کے ساقط ہو جاوے گا اس واسطے کہ مرتہن نے غیر کی ملک کو تلف کیا تو اس پر ضمان لازم ہوگا اور جب کہ ضمان لازم ہوا اور دین موجل نہیں ہے تو دین ساقط ہوگا بقدر اس کے اور باقی مرتہن پر لازم ہوگا مرہون کے تلف کر ڈالنے کے سبب سے نہ رہن کے سبب سے م مرتہن کو لازم ہوا اس واسطے کہ جو قیمت مرہون کی قدر دین سے زائد ہے وہ امانت ہے اور مرتہن پر اس کا ضمان تلف کر ڈالنے سے لازم ہوا نہ عقد رہن کے سبب سے تو وہ بمنزلہ ودیعت کے ہے جب کہ مودع اس کو تلف کرے اور اس پر ضمان لازم آوے کذا فی الدرر وہذا لو الدین من جنس الضمان والا لم یسقط منہ شئی والجنایۃ علی المرتہن اور یہ یعنی سقوط دین بقدر جنایت اس وقت ہے جب کہ دین ضمان کی جنس سے یعنی دراہم اور دنانیر ہو اور اگر اس کی جنس سے نہ ہو چنانچہ مکیل ہو تو دین سے کچھ ساقط نہ ہوگا اور جنایت مرتہن پر قائم رہیگی وللمرتہن ان یستوفی دینہ اور مرتہن کو درست ہے کہ اپنا دین پورا بھر لے لکن لو عور عینہ یسقط نصف دینہ عنہ قہستانی وبرجندی لیکن اگر مرتہن نے غلام مرہون کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی تو مرتہن کا نصف دین ساقط ہوگا کذا فی القہستانی والبرجندی م یہ اس صورت میں ہے جب کہ غلام کی قیمت دین کے برابر ہو اس واسطے کہ آنکھ مقدار نصف دیت ہے اور غلام کی دیت اس کی قیمت ہے اور اگر مرہون جانور ہو تو اس کی آنکھ پھوڑنے سے ربع دین ساقط ہو گیا چنانچہ مذکور ہو چکا اور اگر دین قیمت سے زیادہ ہو تو سقوط نصف دین کی وجہ ظاہر نہیں ہوتی تو اس مسئلہ کی تحریر کرنا چاہیئے کذا فی الطحطاوی وجنایۃ الرہن علیہما ای الراہن والمرتہن وعلی مالہما ہدر ای باطل اور جنایت مرہون راہن اور مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر ہدر یعنی باطل ہے یعنی جنایت کے بدلے کوئی چیز واجب نہیں اذا کانت الجنایۃ غیر موجبۃ للقصاص فی النفس ودون الاطراف اذ لا قود بین طرفی عبد وحر فیتعین جنایت غلام مرہون کی باطل ہے جب کہ جنایت قصاص فی النفس کی موجب نہ ہو سوائے اطراف کے اس واسطے کہ غلام اور آزاد کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اطراف میں قصاص نہیں م یعنی غلام کا قتل باطل ہے اور اطراف میں تو قصاص ہی نہیں ہے وان کانت موجبۃ للقصاص فمعتبرۃ فیقتص منہ ویبطل الدین خانیۃ وعبارۃ القہستانی وشرح المجمع یبطل الرہن اور اگر جنایت قصاص کی موجب ہو تو معتبر ہے یعنی قتل عمد میں غلام سے قصاص لیا جاوے گا اور دین باطل ہوگا کذا فی الخانیۃ اور قہستانی اور شرح مجمع کی عبارت یہ ہے کہ رہن باطل ہو جاوے گا م بطلان دین کی وجہ یہ ہے کہ جب غلام مرہون قتل ہوا تو محل استیفاء دین باقی نہ رہا اور ظاہر البطلان دین اور بطلان رہن میں کچھ خلاف نہیں کذا فی الطحطاوی کجنایتہ ای الرہن علی ابن الراہن او علی ابن المرتہن فانہا معتبرۃ فی الصحیح حتی یدفع بہا او یفدی وان کانت علی المال یباع کما لو جنی علی الاجنبی اذ ہو اجنبی لتباین الاملاک

جی جیسے جنایت مرہون کی راہن کے فرزند یا مرتہن کے فرزند پر اس واسطے کہ وہ معتبر ہے قول الماتہ صحیح ہیں تو مرہون دیا جاویگا بسبب جنایت کے
ں کا فدیہ دیا جائے اور اگر جنایت مرہون کے مال پر ہو تو وہ بیچا جاوے گا اور صاحب مال کو دیا جاوے گا چنانچہ شخص اجنبی پر اس کی جنایت معتبر ہے
ند راہن اور مرتہن پر جنایت اس واسطے معتبر ہوئی کہ فرزند باپ سے اجنبی ہے بتباین املاک کے سبب سے کذا فی الزیلعی ولو رہن عبدا یساوی الفا
ت موجل فرجعت قیمتہ الی مائۃ فقتلہ رجل وغرم مائۃ وحل الاجل فالمرتہن یقبضہا ای المائۃ قضاء لحقہ ولا یرجع علی الراہن بشیء کموتہ
تل والاصل ان نقصان السعر لا یوجب سقوط الدین بخلاف نقصان العین فاذا کان الدین باقیا و ید المرتہن ید الاستیفاء فیصیر مستوفیا للکل
الا بتداء اور اگر وہ غلام جو ہزار درم کے برابر ہے ہزار درم موجل پر رہن رکھا پھر اس کی قیمت پلٹ کر سو درم کی ہو گئی پھر اس کو ایک مرد نے قتل
ر سو درم کا تاوان دیا اور دین مرتہن کی مدت آپہنچی تو مرتہن سو درم پر قبضہ کرے اپنے ادائے حق کے سبب سے یعنی ادائے بعض حق سے اور راہن سے
لے گا جیسے غلام مرہون کی موت بلا قتل میں راہن پر کوئی چیز لازم نہیں اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نقصان نرخ سقوط دین کا موجب نہیں برخلاف
ان عین کے پس جب کہ دین باقی رہا اور قبض مرتہن کا قبضہ استیفا ہے تو وہ تمام دین کا پانے والا ٹھہر گیا ابتدائے رہن سے ولو باعہ ای العبد المذکور بمائۃ بامر
ہو قبض المائۃ قضاء لحقہ و رجع بتسعمائۃ لانہ لما کان الدین باقیا و قد اذن ببیعہ بمائۃ کان الباقی فی ذمتہ کانہ استردہ و باعہ بنفسہ اور اگر
ن نے غلام مذکور بیچا سو درم سے راہن کے امر سے تو مرتہن قبضہ کرے گا سو درم پر اپنے حق کے سبب سے اور نو سو درم راہن سے پھیر لے گا اس واسطے
ب دین باقی رہا اور البتہ راہن نے اس کو سو درم کے ساتھ بیچنے کا اذن دیا تھا تو باقی دین یعنی نو سو درم راہن کے ذمہ پر لازم رہے گویا اذن مذکور سے
ی نے مرہون پھیر لیا مرتہن سے اور اس کو بذات خود بیچ ڈالا ولو قتلہ عبد قیمتہ مائۃ فدفع بہ افتکہ الراہن وجوبا بکل الدین وہو الالف لقیام
ی مقام الاول لحما و دما وقال محمد ان شاء افتکہ بکل دینہ او ترکہ علی المرتہن بدینہ وہو المختار کما فی الشرنبلالیۃ عن المواہب لکن عامۃ المتون والشروح علی الاول
ر ہزار درم کی قیمت والے غلام مرہون کو اس غلام نے قتل کیا جس کی قیمت سو درم ہے پھر قاتل غلام قتیل کے بدلے دیا گیا تو راہن پر واجب ہے کہ غلام
در کو تمام دین یعنی ہزار درم دے کر رہن سے چھوڑا وے بسبب قائم ہو جانے غلام ثانی کے غلام اول کے مقام پر گوشت اور خون میں یعنی آدمی ہونے میں دونوں
یں اور محمد نے کہا راہن اگر چاہے اس کا رہن فک کرے مرتہن کا سب دین دے کر یا اس کو مرتہن کے پاس چھوڑے اس کے دین کے بدلے اور یہی قول
ر کا مختار ہے چنانچہ شرنبلالیہ میں مواہب الرحمٰن سے منقول ہے لیکن اکثر فقہ کے متون اور شروح اول قول پر مشتمل ہیں فان جنی ترک التفریع اولی الرہن خطاء
داہ المرتہن لانہ ملکہ ولم یرجع علی الراہن بشیء پھر اگر غلام مرہون نے از راہ خطا کسی کو قتل کیا تو مرتہن اس کا فدیہ دے اس واسطے کہ مرہون اس کی ملک ہے
مرتہن فدیہ دے کہ راہن سے کچھ نہ لے گا شارح نے کہا مصنف کو فا تفریع کا ترک کرنا بہتر تھا یعنی اس واسطے کہ یہ مسئلہ مسئلہ سابقہ سے متفرع نہیں
علیل ملک مرتہن غیر ظاہر ہے تو اگر شارح یوں کہتا لان الجنایۃ حصلت فی ضمانہ تو بہتر تھا کذا فی الطحطاوی یعنی قتل حاصل ہوا مرتہن کے ضمان میں اس
سطے کہ ضمان جنایت کا مرتہن پر ہے اور غلام مرہون کا بالکل اس کے ضمان میں ہے اور اس کا دین رقبہ غلام کو مستغرق ہے کذا فی الدرر ولا یملک
ج یدفعہ الی ولی الجنایۃ لانہ لا یملک التملیک اور مرتہن مالک نہیں غلام کے دینے کا ولی جنایت کو یعنی مقتول کے مالک یا وارث کو اس واسطے کہ مرتہن
لیک مرہون کا مالک نہیں فان ابی المرتہن من الفداء دفعہ الراہن ان شاء او فداہ ویسقط الدین بکل منہما لو اقل من قیمۃ الرہن او مساویا ولو
ثم یسقط قدر قیمۃ العبد فقط ولا یسقط الباقی من الدین پھر اگر مرتہن نے فدیہ دینے سے انکار کیا تو راہن دے غلام قاتل کو اگر چاہے یا اس کا فدیہ
سے اور دین مرتہن دونوں صورتوں میں یعنی دفع اور فدیہ میں ساقط ہو گا اور اگر دین کمتر ہو مرہون کی قیمت سے یا برابر ہو اور اگر دین قیمت سے زیادہ ہو تو
قط بقدر قیمت غلام کے ساقط ہو گا اور باقی دین ساقط نہ ہو گا ولو استہلک مالا یستغرق رقبتہ فداہ المرتہن فان ابی باعہ الراہن او فداہ اور اگر مملوک

مرہون تلف کرے اس قدر کو جو اس کی قیمت سے کم تر ہے تو مرتہن مرہون کا فدیہ دے پھر اگر وہ فدیہ نہ دے تو راہن اس کو بیچ ڈالے یا اس کا فدیہ د
ھم اگر مرتہن فدیہ دے گا تو رہن اور اس کا دین بحال سابق باقی رہے گا اور بصورت انکار مرتہن اگر راہن اس کو بیچے تو جس کا مال تلف کیا ہے اس ک
دین ادا کرے اور اگر فدیہ دے گا راہن تو مرتہن کا دین ساقط ہوگا اور اس کی تفصیل حموی اور عالمگیری میں ہے ولو قتل ولد الرہن انسانا او استہلک
مالا دفعہ الراہن وخرج عن الرہن او فداہ وبقی رہنا مع امہ اور اگر مرہون لونڈی کا فرزند قتل کرے کسی انسان کو یا تلف کرے کسی مال کو تو راہن
اس کو دے ڈالے اور وہ رہن سے خارج ہوگیا یا راہن اس کا فدیہ دے اور وہ رہن باقی رہے گا اپنی ماں کے ساتھ واما جنایۃ الدابۃ فہدر و
یصیر کانہ ہلک بآفۃ سماویۃ وتمامہ فی الخانیۃ اور جانور مرہون کی جنایت تو باطل ہے یعنی اگر جانور جانور کو مار ڈالے یا مال کو تلف کرے تو اس کا ضمان
نہیں اور اس کا تلف کرنا ایسا ہوگا گویا آفت آسمانی سے وہ تلف ہوگیا اور اس کا پورا بیان فتاوی قاضی خاں میں ہے مات[1] الراہن باع وصی
رہنہ باذن مرتہنہ وقضی دینہ لقیامہ مقامہ راہن مرگیا تو اس کا وصی اس کے مرہون کو بیع کرے اس کے مرتہن کے اذن سے اور اس کا دین ا
کرے بسبب قائم ہونے وصی کے مقام راہن کے فان لم یکن لہ وصی نصب القاضی لہ وصیا وامرہ ببیعہ لان نظرہ عام پھر اگر راہن میت ک
کوئی وصی نہ ہو تو قاضی قائم کرے ایک وصی کو اور اس کو بیع مرہون اور ادائے دین راہن کا امر کرے اس واسطے کہ قاضی کی نظر عام ہے یعنی قاضی منصو
ہے اس واسطے کہ حقوق مسلمین پر نظر رہے جب کہ وہ عاجز ہوں اپنے کاموں میں وہذا لو ورثتہ صغارا فلو کبارا خلفوا المیت فی المال فکان علیہم تخلیصہ ج
اور یہ یعنی بیع وصی کی اس وقت ہے جب کہ وارث راہن کے صغیر نابالغ ہوں سو اگر وہ بالغ جوان ہوں تو وہ میت کے خلیفہ ہیں مال میں تو ان پر چھ
مرہون کا لازم ہے کذا فی الجوہرۃ فروع مسائل ملحقہ شارح کے رہن الوصی بعض الترکۃ لدین علی المیت عند غریم من غرمائہ توقف علی رضی البقیۃ ولہ
ردہ فان قضی دینہم قبل الرد نفذ ولو انفرد الغریم جاز وبیع فی دینہ وصی نے بعض متروکہ رہن رکھا اس دین کے لیے جو میت پر ہے ایک دائن کے پا
منجملہ اور دین والوں کے تو رہن موقوف رہے گا باقیوں کی رضامندی پر اور ان کو رہن کا پھیر ڈالنا درست ہے پھر اگر وصی نے باقی لوگوں کا دین ا
کر دیا رد کرانے رہن سے پہلے تو رہن مذکور نافذ ہو جاوے گا اور اگر صاحب دین ایک ہی شخص ہو تو رہن جائز ہے اور مرہون بیچا جاوے گا ادائے
دین کے واسطے وفی معین المفتی للمصنف لا یبطل الرہن بموت الراہن ولا بموت المرتہن ولا بموتہما ویبقی الرہن رہنا عند الورثۃ اور مصنف کی کتا
معین المفتی میں ہے کہ رہن باطل نہیں ہو جاتا راہن کی موت سے اور نہ مرتہن کی موت سے اور نہ راہن اور مرتہن دونوں کے مر جانے سے اور مرہون
رہن رہتا ہے وارثوں کے پاس ھم اس واسطے کہ وارث راہن کے قائم ہیں اور اگر وارث نہیں تو وصی کے پاس رہن قائم رہے گا کذا فی الطحطاوی
فصل فی مسائل متفرقۃ یہ فصل ہے کتاب الرہن کے مسائل متفرقہ میں رہن عصیرا قیمتہ عشرۃ بعشرۃ فتخمر ثم تخلل وہو یساوی العشرۃ فہو
رہن بعشرۃ کما کان انگور کا شیرہ جس کی قیمت دس درم ہے رہن رکھا دس درم پر سو وہ خمر ہوگیا پھر سرکہ ہوگیا اور وہ سرکہ دس درم کے برابر ہے تو وہ
دس درم پر مرہون ہے جیسا کہ خمر ہونے سے پہلے رہن تھا ھم لائق یوں تھا کہ رہن باطل ہو جاتا اس واسطے کہ خمر ہو جانے سے مال متقوم نہ رہا لیکن باطل
نہ ہوا سرکہ ہو جانے کی صلاحیت سے ولہذا اگر شیرہ خرید کرے اور وہ خمر ہو جائے قبض سے پہلے تو بیع باطل نہیں سرکہ ہو جانے کے احتمال سے پھر جب
سرکہ بن گیا تو عارض زائل ہوگیا ثابت ہونے سے پہلے تو گویا اس کا وجود ہی نہ تھا کذا فی الدرر والحموی ثم المعتبر فیہ الزیادۃ والنقصان القدر لا القیمۃ
علی ما افادہ ابن الکمال پھر اس میں یعنی اس شیرہ میں جو خمر ہوگیا پھر سرکہ بن گیا اس کی زیادت اور نقصان میں مقدار معتبر ہے نہ قیمت کی کمی بیشی چنانچہ ابن کمال نے اس کو
بیان کیا ہے ھم کمی بیشی میں مقدار کا اعتبار ہوا نہ قیمت کا اس واسطے کہ عصیر اور خمر مقدرات سے ہیں کیونکہ دونوں کیلی ہیں یا وزنی اور کیلی وزنی میں قیمت کا

[1] ایک نسخہ میں وان مات ہے بجائے مات کے ۱۲ ھ واذا ارتہن بدین علی المیت علی آخر جاز۔ درر۔ مدیت کا دین اگر دوسرے شخص پر ہو یعنی میت دائن اور د

بکہ مدیون ہو اس صورت میں اگر دوسرے شخص سے کوئی چیز بطور رہن لی جائے تو جائز ہے کذا فی الدرر۔ یہ عبارت غایۃ الاوطار کے اصل نسخہ میں متروک
لہذا اسے حاشیہ پر لکھ دیا گیا ہے۔

قصان کچھ بھی سقوط دین کا موجب نہیں ہوتا کذا فی الطحطاوی عن الزیلعی وعلیہ القنوی فان انتقص شیٔ من قدرہ سقط بقدرہ والافلا اور بنابر اعتبار بیشی مقدار کے اگر شیرہ کی مقدار سے کچھ کم ہوگا تو دین بقدر اس کے ساقط ہوگا اور اگر کم نہ ہوگا تو دین بھی ساقط نہ ہوگا ولو رہن شاۃ قیمتہا عشرۃ عشرۃ ہذا قید لابد منہ لانہ لو کان قیمتہا اکثر من الدین یکون الجلد ایضا بعضہ امانۃ بحسابہ فتنبہ فماتت بلا ذبح فدبغ جلدہا بما لا قیمۃ لہ فلولہ قیمۃ ثبت مرتہن حق حبسہ بما زاد دباغہ وہل یبطل الرہن قولان وہو ای الجلد یساوی درہما فہو رہن بہ اور اگر وہ بکری جس کی قیمت دس درم ہے دس درم پر راہن کھی پھر وہ بدوں ذبح کرنے کے مرگئی سو اس کی کھال کی بے قیمت چیز سے یعنی مٹی یا آفتاب کی دھوپ سے دباغت کی گئی اور وہ کھال ایک درم کی ہے تو وہ ایک درم پر رہن ٹھہرے گی شارح نے کہا کہ یہ قید یعنی بکری کی قیمت دس درم ہونا ضروری ہے اس واسطے کہ اگر اس کی قیمت دین سے زیادہ ہوگی تو کچھ کھال بھی مرتہن کے پاس امانت ٹھہرے گی اس کے حساب کے موافق سو خبردار رہنا طحطاوی نے کہا مثلاً اگر دین دس درم ہے اور قیمت بکری کی ۲۰ درم ہے اور کھال ایک درم کی ہے تو کھال نصف درم پر رہن ہوگی پھر اگر قیمت والی چیز سے دباغت ہوگی تو جس قدر دباغت سے اس کی قیمت زیادہ ہو جاوے گی اس قدر کے حبس میں مرتہن کا اختیار ہے اور اس صورت میں رہن باطل ہوگا یا نہیں اس میں دو قول ہیں بعضوں کے نزدیک رہن باطل ہے اور بعضوں کے نزدیک صحیح م بلا ذبح کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر بکری ذبح ہوکر مرے گی تو بالکل مضمون ہوگی کذا فی الطحطاوی بخلاف ما اذا ماتت الشاۃ المبیعۃ قبل القبض فدبغ جلدہا حیث لا یعود البیع بقدرہ علی المشہور والفرق ان الرہن یتقرر بالہلاک والبیع قبل القبض ینفسخ یہ برخلاف اس صورت کے کہ بکی بکری قبض مشتری سے پہلے مرگئی پھر اس کے کھال کی دباغت ہوئی تو یہاں عود بیع نہ ہوگا بقدر کھال کے بنا بر قول مشہور کے اور فرق رہن اور بیع میں یہ ہے کہ رہن ثابت ہو جاتا ہے ہلاک مرہون سے اور بیع قبل قبض کے فسخ ہو جاتی ہے مبیع کے تلف ہو جانے سے ولو ابق عبد الرہن وجعل العبد بالدین ثم عاد یعود الدین والرہن خلافا للزفر اور اگر مرہون غلام بھاگ گیا مرتہن کے پاس اور غلام مذکور دین کے بدلے ٹھہرایا گیا بعد اس کے غلام پھر آیا تو دین اور رہن پھر ثابت ہوگیا برخلاف زفر کے ونماء الرہن کالولد والثمر واللبن والصوف والوبر والارش ونحو ذلک للراہن لتولدہ من ملکہ اور مرہون کی بڑھوتی یعنی جو چیز مرہون کی ذات سے پیدا ہو چنانچہ بچہ اور پھل اور دودھ اور اون اور روئیں اور خونبہا اور مانند اس کے وہ راہن کی ملک ہے بسبب اس کے پیدا ہونے کے راہن کی مملوک چیز سے وہو رہن مع الاصل تبعا لہ اور وہ اصل مرہون کے ساتھ رہن ہے اپنی اصل کے تابع ہوکر بخلاف ما ہو بدل عن المنفعۃ کالکسب والاجرۃ وکذا الہبۃ والصدقۃ فانہا غیر داخلۃ فی الرہن وتکون للراہن الاصل ان کل ما یتولد من عین الرہن یسری الیہ حکم الرہن وما لا فلا مجمع الفتاوی برخلاف اس بڑھوتی کے جو منفعت مرہون کا بدلا ہے چنانچہ کمائی اور مزدوری اور اسی طرح ہبہ اور صدقہ اس واسطے کہ وہ رہن میں داخل نہیں اور وہ راہن کا مملوک ہے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز پیدا ہو مرہون کی ذات سے تو اس کی طرف رہن کا حکم سرایت کرتا ہے اور جو ذات مرہون سے پیدا نہ ہو تو اس کی طرف رہن کا حکم سرایت نہیں کرتا واذا ہلک النماء المذکور ہلک مجانا لانہ لم یدخل تحت العقد مقصودا اور جب کہ زیادت مذکورہ متولدہ تلف ہو جائے مرتہن کے پاس تو رایگاں تلف ہوگی یعنی مرتہن پر اس کا تاوان لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ عقد رہن میں بالقصد داخل نہیں بلکہ بالتبع داخل ہے واذا بقی النماء ولو حکما بان اکل بالاذن فانہ لا یسقط حصۃ ما اکل منہ فیرجع بہ علی الراہن کما اذا ہلک الاصل بعد الاکل فانہ یقسم الدین علی قیمتہا قہستانی کما ذکرہ بقولہ اور جب کہ زیادت متولدہ باقی رہی یعنی اگرچہ حقیقۃ باقی نہ ہو بلکہ حکما باقی ہے اس طرح پر کہ کھایا جائے راہن کے اذن سے اس واسطے کہ حصہ ماکول کا زیادت متولدہ سے ساقط نہیں ہوتا تو مرتہن اس کو بھر لے گا راہن سے چنانچہ جب اصل مرہون تلف ہو جائے کھانے کے بعد تو دین قسمت کیا جائے گا دونوں یعنی اصل اور زیادت کی قیمت پر کذا فی القہستانی چنانچہ مصنف نے اس کو اپنے قول آئندہ میں ذکر کیا ہے ہم زیلعی میں ہے کہ اگر راہن نے مرتہن کو زوائد رہن کے کھانے کا اذن دیا سو اس نے

کھایا تو اس پر ضمان نہیں اور اس کا دین کچھ ساقط نہ ہوگا اور اگر مرہون تلف ہوگیا مرتہن کے پاس تو دین مقسوم ہوگا زیادت ماکولہ اور اصل پر سو جس قدر اصل کو پہنچے گا وہ ساقط ہوگا اور جتنا زیادت ماکولہ کو پہنچے گا سو مرتہن راہن سے لے گا اس واسطے کہ اتلاف زیادت کا ہوا مرتہن کے فعل سے راہن کی تسلیط کے سبب سے تو گویا راہن نے اس کو لیا اور تلف کیا کذا فی الطحطاوی ملخصا **بعد ہلاک الاصل فک بحصتہ من الدین لانہ صار مقصودا بالفکاک والتبع یقابلہ شیئ اذا کان مقصودا** یعنی جب کہ زیادت متولدہ باقی رہے بعد ہلاک ہوجانے اصل مرہون کے تو زیادت مذکور خلاص کی جائے گی بقدر اس کے حصہ کے دین سے اس واسطے کہ زیادت مقصود ہوگئی خلاص کرنے کے سبب سے اور تابع کے مقابل چیز ہوجاتی ہے جب کہ تابع مقصود ہوجاوے **وحینئذ یقسم الدین علی قیمتہ یوم الفکاک وقیمۃ الاصل یوم القبض ویسقط من الدین حصۃ الاصل ویفک النماء بحصتہ کما لو کان الدین عشرۃ وقیمۃ الاصل یوم القبض عشرۃ وقیمۃ النماء یوم الفک خمسۃ فثلثا العشرۃ حصۃ الاصل فیسقط وثلث العشرۃ ح**

فیفک بہ اور اس وقت میں دین قسمت کیا جائے گا زیادت متولدہ کی قیمت پر خلاص رہن کے دن اور اصل کی قیمت پر قبض کے دن اور د سے حصہ اصل کا ساقط ہوگا اور زیادت خلاص کی جائے گی بقدر اس کے حصہ سے چنانچہ اگر دین دس درم ہو اور اصل مرہون کی قیمت قبض کے دن دس درم تھی اور زیادت متولدہ کی قیمت خلاصی کے دن پانچ درم تھی تو دس کی دو تہائیاں یعنی چھ کسرے زائد اصل کا حصہ ہے سو ساقط ہوگا اور دس کی ایک تہائی یعنی تین کسرے زائد حصہ ہے زیادت کا تو تین درم سے زیادہ مذکورہ کا فک رہن کیا جائے گا **ولو اذن الراہن للمرتہن فی اکل الزوائد** ای اکل زوائد الرہن بان قال لہ مہما زاد فکلہ فاکلہا ظاہرہ یعم اکل ثمنہا وبہ افتی المصنف قال الا ان یوجد نقل مخصص یخصص حقیقۃ الاکل فیتبع **فلا ضمان علیہ** ای علی المرتہن لانہ اتلفہ باذن المالک اور اگر راہن نے اذن دیا مرتہن کو زوائد مرہون کے کھانے میں اس طرح کہ راہن نے مرتہن سے کہا کہ جو چیز زیادہ ہو یعنی درخت کا پھل یا حیوان کا دودھ تو اس کو کھا سو مرتہن نے اس کو کھایا تو مرتہن پر اس کا تاوان نہیں اس واسطے کہ اس نے مالک کے اذن سے تلف کیا شارح نے کہا ظاہر لفظ اکل زوائد کے اکل ثمن کو بھی شامل ہے یعنی خواہ پھل یا دودھ کھائے یا اس کو بیچ کر اس کا ثمن کھائے اور اسی کا فتوی دیا ہے مصنف نے اپنی شرح میں مصنف نے کہا مگر یہ کتب فقہ میں کوئی نقل مخصص پائی جائے کہ وہ حقیقت اکل کو خاص کرے تو اس کا اتباع کیا جائے یعنی در صورت وجود نقل مخصص اکل ثمن زوائد جائز نہ ہوگا **وللاطلاق یجوز تعلیقہا بالشرط والخطر بخلاف التملیک** اور اطلاق اباحت کی تعلیق شرط اور خطر پر جائز ہے برخلاف تملیک کے م یعنی جب راہن نے مرتہن کو اکل زوائد کا اذ دیا تو یہ اباحت ہے تملیک نہیں ہے اور اباحت کی تعلیق شرط پر درست ہے نہ تملیک کی تو راہن کا یہ قول معلق کہ جو چیز مرہون سے زیادہ پیدا ہو یعنی پھل یا دودھ اس کو تو کھا درست ہے اور جائز ہے **ولا یسقط شیئ من الدین** اور ساقط نہ ہوگا مرتہن کے دین سے کچھ اباحت اکل سے

قال فی الجواہر رجل رہن دارا واباح السکنی للمرتہن فوقع بسکناہ خلل وخرب البعض لا یسقط شیئ من الدین لانہ لما اباح لہ السکنی اخذ حکم العاریۃ حتی لو اراد منعہ کان لہ ذلک جواہر اخلاطی میں کہا کہ ایک مرد نے گھر رہن رکھا اور مرتہن کو اس کے اندر رہنا مباح کر دیا سو اس کے رہنے سے خلل پڑ گیا اور کچھ مکان ویران ہوگیا تو مرتہن کا دین کچھ ساقط نہ ہوگا اس واسطے کہ جب راہن نے مرتہن کو رہنا مباح کر دیا تو مرہون نے عاریت کا حکم لیا یہاں تک کہ اگر راہن مرتہن کے رہنے کو منع کرے تو راہن کو اس کا اختیار ہے م اس میں اختلاف ہے کہ مرتہن کو زوائد مرہون سے انتفاع لینا باذن راہن درست ہے یا نہیں سو بعضے فقہا اس کو مکروہ کہتے ہیں اس واسطے کہ وہ سود اور ربا ہے اور بعضے اس کو مباح کہتے ہیں چنانچہ زیلعی اور جواہر اور قنیہ اور خانیہ میں اباحت مذکور ہے حموی نے حاشیہ اشباہ میں کہا کہ اسی قول پر فتوی ہے کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود وفی المضمرات ولو من شاۃ

---

[1] اور ایک نسخہ میں اتلاف ہے بجائے اطلاق کے یعنی اتلاف کی تعلیق شرط اور خطرہ پر درست ہے نہ تملیک کی ۱۲

فقال له الراہن کل ولدہا واشرب لبنہا فلا ضمان علیہ وکذا لو اذن لہ فی ثمرۃ البستان فصار اکلہ کاکل الراہن ثم نقل عن التہذیب انہ یکرہ للمرتہن الانتفاع بالرہن وان اذن لہ الراہن قال المصنف وعلیہ یحمل ما عن محمد بن اسلم من انہ لا یحل للمرتہن ذلک ولو بالاذن لانہ ربوا قلت وتعلیلہ یفید انہا تحریمیۃ فتاملہ اور مضمرات میں ہے اور اگر بکری گرو رکھی سو مرتہن سے راہن نے کہا کہ اس بکری کا بچہ کھا اور اس کا دودھ پی تو مرتہن پر تاوان نہیں اور اسی طرح اگر راہن نے مرتہن کو باغ کے پھلوں میں اذن دیا تو مرتہن کا کھانا راہن کے کھانے کے برابر ہوا پھر صاحب مضمرات نے تہذیب سے نقل کیا کہ مرتہن کو نفع حاصل کرنا مرہون سے مکروہ ہے اگرچہ اس کو راہن نے انتفاع کا اذن دیا ہے مصنف نے شرح میں کہا اور اسی کراہت پر محمول ہے جو محمد بن اسلم سے یہ منقول ہے کہ مرتہن کو یہ حلال نہیں اگرچہ انتفاع باذن راہن کے ہو کیونکہ یہ بیاج ہے میں کہتا ہوں اور تعلیل اس کی اس کے مفید ہے کہ مقرر کراہت تحریمی ہے سو اس میں تامل کر وان لم یفتک الراہن الرہن بل بقی عند المرتہن علی حالہ حتی ہلک الرہن فی ید المرتہن قسم الدین علی قیمۃ النماء ای الزیادۃ التی اکلہا المرتہن وعلی قیمۃ الاصل فما اصاب الاصل سقط وما اصاب الزیادۃ اخذہ المرتہن من الراہن کما فی الہدایۃ والکافی والخانیۃ وغیرہا اور اگر راہن نے مرہون نہ چھوڑایا بلکہ مرہون بحال سابق مرتہن کے پاس باقی رہا یہاں تک کہ مرہون ہلاک ہو گیا مرتہن کے ہاتھ میں تو دین بانٹا جاوے گا اس زیادت کی قیمت پر جس کو مرتہن کھا گیا اور اصل مرہون کی قیمت پر سو جس قدر اصل مرہون کو پہنچے گا وہ ساقط ہو گا اور جس قدر دین زیادت کو پہنچے گا اس کو مرتہن راہن سے لے گا چنانچہ ہدایہ اور کافی اور خانیہ وغیرہا میں مذکور ہے م اخذ مرتہن کی وجہ یہ ہے کہ مرتہن کا شرب مثلاً راہن کے اذن سے راہن کے شرب کے برابر ہے تو جیسے راہن کے استعمال سے سقوط دین نہیں ہوتا ویسے ہی مرتہن کے استعمال سے سقوط نہ ہوا کذا فی الخانیۃ وفی الجواہر الاصل ان الاتلاف باذن الراہن کاتلاف الراہن بنفسہ لتسلیطہ اور جواہر میں ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ تلف کرنا راہن کے اذن سے راہن کے ذاتی تلف کرنے کے برابر ہے بسبب مسلط کر دینے راہن کے وفیہا اباح للمرتہن نفعہ ہل للمرتہن ان یوجرہ قال لا قیل فلو آجرہ ومضت المدۃ فالاجرۃ لہ ام للراہن قال لہ ان اجرہ بلا اذن وان باذنہ فللمالک ویبطل الرہن اور اسی کتاب میں ہے کہ راہن نے مرہون کا نفع مرتہن کو مباح کر دیا تو مرتہن کو مرہون کا اجارہ دینا درست ہے یا نہیں جواب دیا کہ درست نہیں ہے پھر سوال ہوا کہ اگر مرتہن نے مرہون کو اجارہ میں دیا اور اجارہ کی مدت منقضی ہو گئی تو اس کی اجرت مرتہن کی ہے یا راہن کی جواب دیا کہ اجرت مرتہن کی ہے اگر اس کو اجارہ دیا بدوں اذن راہن کے اور اگر اس کے اذن سے اجارہ دیا تو اجرت مالک کی ہے اور اس صورت میں رہن باطل ہو گا فیہا رہن کرما وتسلمہ المرتہن ثم دفعہ للراہن لیسقیہ ولیقوم بمصالحہ لا یبطل الرہن اور اسی کتاب میں ہے کہ باغ رہن رکھا اور مرتہن کو تسلیم کیا پھر مرتہن نے راہن کو باغ دیا تا اس کو سینچے اور اس کے امور ضروریہ کی خبر گیری کیا کرے تو رہن باطل نہ ہو گا رہن کرما واباح ثمرہ ثم باع الکرم فقبض المرتہن والثمن ان ثمرہ حصل بعد البیع فللمشتری وان قبلہ فللراہن ان قضی دین المرتہن والا یکون رہنا ویجعل البیع رجوعا عن الاباحۃ فانہا تقبل الرجوع کما مر باغ رہن رکھا اور اس کا پھل مباح کر دیا مرتہن کو پھر راہن نے باغ بیچ ڈالا سو مرتہن نے اس کے ثمن پر قبضہ کیا اگر اس کا پھل بیع کے بعد حاصل ہوا تو مشتری کا پھل ہے اور اگر بیع سے پہلے پیدا ہوا تو راہن کا ہے بشرطیکہ راہن نے مرتہن کا دین ادا کر دیا ہو اور اگر دین ادا نہیں کیا تو پھل رہن رہے گا یعنی ثمن مقبوض کے ساتھ اور بیع رجوع عن الاباحۃ ٹھہرائی جاوے گی اس واسطے کہ اباحت قابل ہے رجوع کے چنانچہ مذکور ہو چکا م برخلاف اس صورت کے کہ مرتہن پھل کھا گیا اس واسطے کہ اس نے مباح کو کھایا اور راہن رجوع کا مالک نہیں کھا جانے کے بعد کذا فی الطحطاوی عن المنح وفیہا زرع المرتہن ارض الرہن ان ابیح لہ الانتفاع لا یجب شئ وان لم یبح لزمہ نقصان الارض وضمان الماء لو من قناۃ مملوکۃ فلیحفظ اور اسی کتاب میں ہے کہ مرتہن نے رہن کی زمین میں زراعت کی اگر اس کے لیے انتفاع مباح ہے تو کوئی چیز واجب نہیں اور اگر انتفاع مباح نہیں تو مرتہن پر زمین کا نقصان اور پانی کا تاوان لازم ہو گا بشرطیکہ پانی مملوک کاریز کا ہو تو اس کو

یاد رکھنا چاہیے زرعہا الراہن او غرسہا باذن المرتہن ینبغی ان تبقی رہنا ولا یبطل الرہن فتنبہ زمین مرہون میں راہن نے زراعت کی یا درخت لگایا مرتہن کے اذن سے تو لائق یوں ہے کہ وہ رہن بطور سابق کے باقی رہے اور رہن باطل نہ ہو جائے تو خبردار رہنا ام رہن باطل نہیں مگر حکم ضمان باطل ہے یعنی اگر مرہون راہن کے پاس تلف ہوگا تو مرتہن پر ضمان لازم نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی عن شرح الوہبانیۃ استحق الرہن لیس للمرتہن طلب غیرہ مقامہ مرہون بغیر راہن کا مملوک ثابت ہوا تو مرتہن کو اختیار نہیں کہ بجائے اس کے اور چیز کو طلب کرے رہن رکھنے کے واسطے استحق بعضہ ان شائعا یبطل الرہن فیما بقی وان مفروزا بقی فیما بقی ویحبس بکل الدین لکن ہلکہ[1] بحصتہ بعض مرہون غیر راہن کا مملوک ثابت ہوا تو اگر بعض مذکور شائع غیر مقسوم ہے تو باقی میں بھی رہن باطل ہوگا اور اگر بعض مذکور ممتاز اور جدا ہے تو باقی میں رہن باقی رہے گا اور بعوض تمام دین کے وہ محبوس رہے گا لیکن اس کا تلف ہو جانا بقدر اس کے حصہ کے ہوگا آجر دارہ لغیرہ ثم رہنہا منہ صح وبطلت الاجارۃ اپنا گھر غیر شخص کو اجارہ دیا پھر اس کو اسی مستاجر کے پاس رہن رکھا تو رہن صحیح ہے اور اجارہ باطل ہوگا ولو ارتہن ثم آجرہ من راہنہ فالاجارۃ باطلۃ اور اگر رہن رکھا پھر مرتہن نے راہن کو اجارہ دیا تو اجارہ باطل ہے ابق الرہن سقط الدین کہلاکہ فان عاد سقط بحساب نقصہ لان الاباق عیب حدث فیہ مرہون غلام بھاگ گیا تو مرتہن کا دین ساقط ہو گیا اس کے ہلاک ہو جانے کے مانند بعد اس کے اگر غلام پھر آیا تو دین ساقط ہو گیا بقدر اس کے نقصان کے اس لیے کہ بھاگنا عیب ہے جو اس میں اب پیدا ہوا ثم لما فرغ من الزیادۃ الضمنیۃ ذکر الزیادۃ القصدیۃ فقال پھر جب کہ مصنف زیادت ضمنی کے کے بیان سے فارغ ہوا تو اس نے زیادت قصدی کو ذکر کیا تو کہا والزیادۃ فی الرہن تصح اور زیادہ کر دینا مرہون میں صحیح ہے ہم مثلاً دس درم کا کپڑا دس درم پر گرو رکھا پھر راہن نے دوسرا کپڑا زیادہ کیا تو دونوں کپڑے دس درم پر رہن ہو گئے وتعتبر قیمتہا یوم القبض ایضا اور زیادت کی بھی قیمت یوم القبض معتبر ہوگی جیسے مرہون اول کی قیمت یوم القبض معتبر ہے وفی الدین لا تصح خلافا للثانی اور دین میں زیادہ کرنا صحیح نہیں برخلاف ابو یوسف کے ہم زیادت دین کی صورت یہ ہے کہ ایک کپڑا مثلاً دس درم پر گرو رکھا پھر پانچ درم مرتہن سے لے کر وہی کپڑا پندرہ درم پر رہن رکھ دیا تو یہ صحیح نہیں لیکن زیادت دین کی رہن پر قطع نظر رہن سے صحیح ہے اس واسطے کہ استدانت بعد استدانت کے دین اول کے ادا کرنے سے پہلے بالاجماع جائز ہے کذا فی الطحطاوی والاصل ان الالحاق باصل العقد انما یتصور اذا کانت الزیادۃ فی معقود بہ او علیہ والزیادۃ فی الدین لیست منہما اور قاعدہ کلیہ زیادت کا یہ ہے کہ اصل عقد کے ساتھ ملحق کر دینا اسی وقت متصور ہوتا ہے جب کہ زیادتی معقود بہ میں مثلاً ثمن میں یا معقود علیہ مثلاً مبیع میں ہو اور دین میں زیادہ کر دینا دونوں قسم سے نہیں ہے ہم دین کا معقود بہ نہ ہونا تو ظاہر ہے اور اس کا معقود علیہ نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ دین واجب تھا عقد رہن سے پہلے ولہذا دین باقی رہتا ہے بعد فسخ رہن کے بھی کذا فی الطحطاوی فان رہن نسخ المتن والشرح بالفاء مع انہ نبہ فی شرحہ علی انہ انما عطفہا بالواو لا بالفاء لیفید انہا مسئلۃ مستقلۃ لا فرع للاولی فتنبہ عبدا بالف فدفع عبدا آخر رہنا مکان الاول وقیمۃ کل من العبدین الف فالاول رہن حتی یردہ الی الراہن والمرتہن فی الآخر امین حتی یجعلہ مکان الاول بان یرد الاول الی الراہن فحینئذ یصیر الثانی مضمونا اور اگر ایک غلام ہزار پر رہن رکھا پھر دوسرا غلام بطور رہن کے دیا بجائے اول غلام کے اور حالانکہ دونوں غلاموں کی قیمت ہزار ہے تو پہلا غلام رہن ہے جب تک کہ مرتہن راہن کو دوسرا غلام پھیر دے اور مرتہن دوسرے غلام کے قبض میں امین ہے نہ ضمین یہاں تک کہ دوسرے کو بجائے اول کے کرے اس طرح پر کہ اول غلام راہن کو پھیر دے تو اس وقت میں دوسرے غلام کا ضمان مرتہن پر لازم ہوگا شارح نے کہا کہ متن اور شرح کے نسخے مصدر بفا ہیں باوجودیکہ مصنف نے اپنی شرح میں آگاہ

---

[1] نسخہ مطبوعہ کلکتہ میں ملکہ ہے مبہم ہے اور یہی صواب معلوم ہوتا ہے یعنی غیر راہن حصہ رسد اس کا مالک ہو جائے گا اور جو ترجمہ مترجم اول نے کیا ہے کہ اس کا تلف ہونا بقدر اس کے حصہ کے ہوگا وہ [illegible]

کر دیا ہے کہ اس مسئلہ کو اسی واسطے عطف بواو کیا نہ عطف بفا تاکہ ظاہر ہو کہ یہ مسئلہ مستقل جداگانہ ہے مسئلہ اولی پر متفرع نہیں سو آگاہ ہوا برأ المرتہن الراہن عن الدین او وہبہ منہ ثم ہلک الرہن فی ید المرتہن ہلک بغیر شئ استحسانا لسقوط الدین الا اذا منعہ من صاحبہ فیصیر غاصبا بمنعہ مرتہن نے راہن کو دین سے بری الذمہ کیا یا اس کو دین ہبہ کر دیا پھر مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہو گیا تو مفت ہلاک ہوا از روئے استحسان کے بسبب ساقط ہو جانے دین کے جب کہ مرتہن نے مرہون کو مالک سے روکا اور نہ دیا تو وہ غاصب ہو جائے گا اپنے روکنے سے یعنی اگر اب تلف ہو گا تو مرتہن پر تمام قیمت لازم آویگی م در صورت ابرا اور ہبہ کے اس واسطے تاوان لازم نہ ہوا کہ رہن مضمون ہوتا ہے دین کے سبب سے پھر جب دین باقی نہ رہا تو ضمان بھی ساقط ہو گیا ولو قبض المرتہن دینہ کلہ او بعضہ من راہنہ او غیرہ کمتطوع او شری المرتہن بالدین عینا او صالحہ ای عن دینہ علی شئ لانہ استیفاء او احال الراہن مرتہنہ بدینہ علی آخر ثم ہلک رہنہ معہ ای فی ید المرتہن ہلک بالدین اور اگر مرتہن نے اپنا تمام دین یا بعض دین راہن سے یا اس کے غیر سے چنانچہ کسی احسان کرنے والے سے قبض کیا یا مرتہن نے بعوض دین کے کوئی چیز راہن سے خرید کی یا راہن کے ساتھ کسی شئ پر دین سے صلح کی اس واسطے کہ صلح مذکور استیفاء دین ہے نہ اسقاط یا راہن نے مرتہن کا حوالہ اپنے مدیون پر کیا پھر مرہون ہلاک ہو گیا مرتہن کے پاس تو بعوض دین کے تلف ہوا م وجہ فرق ابرا اور استیفا میں یہ ہے کہ ابرا سے اصل دین ساقط ہو جاتا ہے اور استیفاء سے نفس دین ساقط نہیں ہوتا اس واسطے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ قضا دیون بامثالہا ہے لا بانفسہا پھر جب مرہون تلف ہو گیا تو استیفاء اول یعنی استیفاء بقبض مرہون ثابت ہو گیا اور استیفا بقبض مرہون ثابت ہو گیا اور استیفاء ثانی یعنی استیفاء حقیقی منقوض ہو گیا کذا فی الہدایۃ والزیلعی والدرر ملخصا ورد ما قبض الی من ادی فی صورۃ الایفاء او راہن او متطوع او شراء او صلح اور مرتہن پھیر دے وہ مال جو اس نے لیا اس کو جس نے ادا کیا راہن یا محسن کے دینے کی صورت میں یا خرید یا صلح کی صورت میں یعنی اگر راہن نے کل یا بعض دین ادا کیا ہو مرتہن اس کو پھیر دے یا کسی محسن نے دیا ہو تو اس کو پھیر دے اسی طرح خرید اور صلح میں پھیر دینا واجب ہے تاکہ استیفاء مکرر نہ ہو جائے وبطلت الحوالۃ وہلک الرہن بالدین لانہ فی معنی الابراء بطریق الاداء ہدایۃ اور حوالہ باطل ہو گیا یعنی مرتہن اب محتال علیہ سے مطالبہ نہیں کر سکتا اور باوجود بطلان حوالہ مرہون بمقابلہ دین مرتہن کے تلف اس واسطے کہ عقد حوالہ در معنی ابرا بطریق ادا ہے کذا فی الہدایۃ م یہ جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ عقد حوالہ میں دین تو راہن کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو گیا تو اب کون وجہ سے مرہون بمقابلہ دین کے تلف ہوا اس واسطے کہ حوالہ بمعنی ابرا کے ہے تو لائق یوں تھا کہ مرہون بطریق امانت کے تلف ہوتا خلاصہ جواب یہ ہے کہ حوالہ اگرچہ ابرا ہے لیکن بطریق ادا کے نہ بطریق اسقاط کے تو عقد حوالہ سے راہن نے گویا مرتہن کا دین خود ادا کر دیا کذا فی الطحطاوی والعینی ملتقطا ومفادہ عدم بطلان الصلح وان الدین لیس باکثر من قیمۃ الرہن والا فینبغی ان لا تبطل الحوالۃ فی قدر الزیادۃ قہستانی اور بطلان حوالہ کے قید لگانے سے عدم بطلان صلح مستفاد ہوتا ہے اور یہ کہ دین مرتہن کا قیمت مرہون سے زیادہ نہیں ہے اور اگر دین مرہون کی قیمت سے زیادہ ہو تو لائق یوں ہے کہ حوالہ باطل نہ ہو زیادت کی مقدار میں کذا فی القہستانی وکذا ای کما یہلک الرہن بالدین فی الصورۃ المذکورۃ یہلک بہ ایضا لو تصادقا علی ان لا دین علیہ ثم ہلک الرہن بالدین لتوہم وجوب الدین بتصادقہما علی قیامہ فتکون المطالبۃ بہ باقیۃ بخلاف الابراء فانہ یسقط الدین اصلا اور اسی طرح یعنی جیسے مرہون بمقابلہ دین کے تلف ہوتا ہے استیفا کی صورت مذکورہ میں اسی طرح مرہون تلف ہوتا ہے بمقابلہ دین اس صورت میں بھی کہ اگر راہن اور مرتہن نے اس پر اتفاق کیا کہ راہن پر دین ثابت نہیں ہے پھر مرہون تلف ہو گیا تو بمقابلہ دین کے تلف ہوا وجوب دین کے توہم اور احتمال کے سبب سے بسبب تصادق عاقدین کے قیام دین پر یعنی بعد اتفاق نفی دین جائز ہے کہ دونوں یاد کریں اور قیام دین پر اتفاق کریں تو مطالبہ دین کا باقی رہے گا برخلاف ابرا کے کہ وہ تو اصلا دین کو ساقط کر دیتا ہے یعنی اس میں وجوب دین کا توہم بھی باقی نہیں رہتا م تصادق نفی دین کی صورت میں توہم وجوب دین ملحوظ رہے

اور ضمان مرہون توہم وجوب سے ثابت ہوتا ہے برخلاف ابراء کہ اس میں توہم وجوب بھی متصور نہیں کذا فی الہدایۃ وشروحہا کل حکم عرف فی الرہن الصحیح فہو الحکم فی الرہن الفاسد کما فی العمادیۃ جو حکم کہ رہن صحیح میں معروف اور معلوم ہے سو وہی حکم رہن فاسد میں ثابت ہے کذا فی العمادیۃ قال و ذکر الکرخی ان المقبوض بحکم الرہن الفاسد یتعلق بہ الضمان عمادی نے کہا اور کرخی نے ذکر کیا کہ جس چیز پر بحکم رہن فاسد قبضہ ہوا تو اس سے تاوان متعلق ہے م طحطاوی نے شرح وہبانیہ سے نقل کیا کہ حق یہ ہے کہ تاوان اس سے اصلا متعلق نہیں واللہ اعلم وفیہا ایضا وفی کل موضع کان الرہن مالا والمقابل بہ مضمونا الا انہ فقد بعض شرائط الجواز کرہن المشاع ینعقد الرہن لوجود شرط الانعقاد لکن بصفۃ الفساد کالفاسد من البیوع اور یہ بھی عمادیہ میں ہے کہ اور جس مکان میں مرہون مال ہو اور اس کا مقابل بھی مال مضمون ہو مگر یہ کہ شرائط جواز سے بعض شرط مفقود ہو جیسے مشاع کا رہن تو عقد رہن کا منعقد ہوگا بسبب موجود ہونے شرط انعقاد کے لیکن انعقاد فساد کی صفت پر ہوگا بیع فاسد کے مانند وفی کل موضع لم یکن الرہن کذلک ای لم یکن مالا ولم یکن المقابل بہ مضمونا لا ینعقد الرہن اصلا اور جس مقام میں مرہون ایسا نہ ہو یعنی مال نہ ہو چنانچہ خون یا مردار یا آزاد ہو اور اس کا مقابل بھی مال مضمون نہ ہو چنانچہ اجرت نائحہ اور مغنیہ کی یا حق شفعہ تو رہن اصلا منعقد نہ ہوگا ہم اس کو رہن باطل کہتے ہیں وحینئذ فاذا ہلک ہلک بغیر شیء بخلاف الفاسد فانہ یہلک بالاقل من قیمتہ ومن الدین اور اس وقت میں یعنی جب رہن منعقد اصلا نہ ہوا باطل ٹھہرا تو جب کہ مرہون مرتہن کے پاس تلف ہوگا تو رائگاں تلف ہوگا مرتہن پر تاوان لازم نہ آوے گا برخلاف رہن فاسد کے اس واسطے کہ رہن فاسد میں جب کہ مرہون تلف ہوگا مرتہن کے پاس تو کمتر مال پر قیمت سے اور دین سے تلف ہوگا یعنی قیمت مرہون کی اگر کمتر ہے دین سے تو مرتہن پر قیمت کا تاوان لازم ہوگا اور اگر دین کمتر ہے قیمت سے تو دین لازم ہوگا ومن مات ولہ غرماء فالمرتہن احق بہ کما فی الرہن الصحیح اور رہن فاسد کا جو راہن مرے گا اور اس کے چند قرض دینے والے ہیں تو مرتہن زیادہ تر حقدار ہے مرہون کا جیسے رہن صحیح میں مرتہن احق ہے **فرع** مسئلہ ملحقہ شارح کا رہن الرہن باطل کما حررناہ فی العمادیۃ معزیا للوہبانیۃ ایک مرہون کا بلا فک رہن دوسری بار رہن رکھنا باطل ہے چنانچہ ہم نے اس کی کتاب العمادیہ میں تحریر کی ہے وہبانیہ سے منقول کر کے م رہن کا رہن باطل ہے خواہ راہن رہن کرے خواہ مرتہن لیکن اگر مرتہن کے رہن کو راہن جائز رکھے گا تو باطل نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی وفی معایاتہا قال ؎ وای رہین لا یرام انفکاکہ ٭ ومجنیہ لو مات بالموت ینشطر ٭ اور وہبانیہ کی پہیلیوں میں کہا ہے اور کون مرہون ہے جس کا انفکاک مطلوب نہیں یعنی اس کا خلاص ہونا ممکن نہیں اور کون قاتل ہے جس کا مقتول اگر مر جائے تو موت سے اس کی دیت نصف ہو جاتی ہے م سوال اول کا جواب یہ ہے کہ مرہون عدیم الفکاک نفس ہے حق تعالی نے فرمایا کل نفس بما کسبت رہینۃ (یعنی ہر جان اپنے اعمال کے سبب سے مرہون ہے خدا کے نزدیک اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ مراد ختنہ کرنے والا ہے جس نے صغیر کا حشفہ قطع کر ڈالا تو اگر قطع حشفہ سے وہ مر گیا تو اس پر نصف دیت واجب ہے اور اگر صغیر زندہ رہا تو پوری دیت واجب ہے کذا فی الطحطاوی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ۔

* * *

لہ ایک نسخہ میں شعر مجیبہ بہذا تفسیر کل نفس بما کسبت رہینۃ المعنی کل نفس ترتہن بکسبہا عند اللہ تعالی واللہ اعلم بالصواب اور اس کا ترجمہ مترجم اول نے طحطاوی میں لکھا ہے اس لیے فروگذاشت کیا گیا ۱۲۔

کتاب الجنایات

یہ کتاب ہے جنایات کے مسائل میں مناسبتہ ان الرہن لصیانۃ المال وحکم الجنایۃ لصیانۃ الانفس والمال وسیلۃ للنفس فقدم مناسبت کتاب الجنایات کی کتاب الرہن سے یہ ہے کہ رہن مشروع ہوا مال کے محفوظ رہنے کے واسطے اور جنایت کا حکم یعنی قصاص یا دیت اور کفارہ اور حرمان میراث مشروع ہوا جانوں کے محفوظ رہنے کے لیے اور مال وسیلہ ہے جان کا لہذا رہن مقدم مذکور ہوا جنایات پر اس واسطے کہ وسیلہ مقدم ہے ذی الوسیلہ پر م مشروعیت قصاص وغیرہ سے عموم رحمت ارحم الراحمین کی معلوم ہوئی ہے تاکہ نفوس محفوظ رہیں اور قاتل خوف قصاص سے قتل سے باز رہے اور اس کی خوبیاں وہی ہیں جو حدود کی خوبیاں ہیں اور سبب بھی اُس کا وہی ہے جو حدود کا سبب ہے اور جنایت کی شرط یہ ہے کہ محل جاندار ہو کذا فی الطحطاوی ثم الجنایۃ لغۃ اسم لما یکتسب من الشر پھر دریافت کرنا چاہیے کہ جنایت لغت عرب میں بُرے کام کرنے کا نام ہے م جنایت مصدر ہے جمع اس کی جنایات ہے ہر چند مصدر کی جمع نہیں آتی لیکن یہاں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے لہذا جمع لانا اُس کا درست ہوا وشرعا اسم لفعل محرم حل بمال او نفس وخص الفقہاء الغصب والسرقۃ بما حل بمال والجنایۃ بما حل بنفس واطراف اور شرع میں جنایت اُس فعل حرام کا نام ہے جو مال یا جان میں واقع ہو تو اس تعریف میں چوری اور قتل اور غصب اور دوسرے جرم مالی اور بدنی داخل ہیں لیکن فقیہوں نے اپنی اصطلاح میں غصب اور سرقہ خاص کر لیا ہے اُس فعل حرام کے ساتھ جو مال میں واقع ہو اور جنایت خاص کر لی ہے اُس فعل ممنوع کے ساتھ جو جان اور اطراف یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ میں واقع ہو م جنایت علی النفس کو قتل کہتے ہیں اور جنایت علی الاطراف کو قطع اور جراحت بولتے ہیں قتل عبارت ہے اُس فعل سے جو عبد کی طرف مضاف ہو اور زندگی اُس کے سبب سے زائل ہو جائے اور زوال حیات بلا فعل عبد مسمی بموت ہے کذا فی البرجندی والشمنی القتل الذی یتعلق بہ الاحکام الآتیۃ من قود ودیۃ وکفارۃ واثم وحرمان ارث خمسۃ والا فانواعہ کثیرۃ کرجم وصلب وقتل حربی وہ قتل جس سے احکام آئندہ یعنی قصاص اور دیت اور کفارہ اور گناہ اور حرمان ارث متعلق ہے پانچ قسم ہے ورنہ اقسام قتل کے تو بہت ہیں چنانچہ سنگسار کرنا زانی کا اور سولی دینا قطاع الطریق کا اور کافر حربی کا قتل کرنا یعنی خمسہ قتل کا اقسام خمسہ میں باعتبار تعلق احکام آئندہ کے ہے تمام اقسام قتل کا ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں اقسام خمسہ یہ ہیں قتل عمد شبہ عمد خطا جاری مجرائے خطا قتل بسبب الاول عمد وهو ان یتعمد ضربہ ای ضرب الآدمی فی ای موضع من جسدہ بآلۃ تفرق الاجزاء مثل سلاح ومثقل من حدید جوہرۃ ومحدد من خشب وزجاج وحجر وابرۃ فی مقتل برہان ولیطۃ وقولہ نار عطف علی محدد لانہا تشق الجلد وتعمل عمل الذکوۃ حتی لو وضعت فی المذبح فاحرقت العروق اکل یعنی ان سال بہا الدم والا لا کما فی الکفایۃ قسم اول قتل عمد وہ یہ ہے کہ آدمی کے مارنے کا قصد کیا جائے کسی مقام میں اُس کے بدن سے بواسطہ اُس ہتھیار کے جو اُس کے اجزاء بدن کو پھاڑ ڈالے چنانچہ آلات جنگ اور بھاری چیز وزنی لوہے کی کذا فی الجوہرۃ یا قصد ضرب ہو بسبب نوک دار یا باڑھ والی چیز کے چنانچہ تیز لکڑی اور شیشہ اور پتھر اور سوئی محل قتل میں کذا فی البرہان اور جیسا کہ بانس یا نرکل کا تیز چھلکا یا قصد قتل ہو آگ سے اس واسطے کہ آگ بھی کھال کو پھاڑ دیتی ہے اور ذبح کا عمل کرتی ہے تو اگر آگ کو محل ذبح میں رکھے سو وہ رگوں کو جلا دے تو ذبیحہ ماکول ہوگا یعنی اگر آگ کے جلانے سے خون بہے اور اگر خون نہ بہے گا تو کھانا اُس کا درست نہیں کذا فی الکفایۃ م خلاصہ تعریف قتل عمد یہ ہے کہ عمد وہ ہے جس میں بالقصد ضرب سلاح سے ہو یا جاری مجرائے سلاح سے تفریق اجزا میں کذا فی

اکثر المتون شرح طحطاوی میں کہا قتل عمد وہ ہے جس میں قصداً قتل ہو لوہے سے چنانچہ چھری اور تلوار سے یا جو چیز لوہے کے مانند ہو خواہ اُس میں حدت ہو کہ پھاڑ دے یا حدت نہ ہو ولیکن کچل ڈالے جیسے عمود آہنی اور ترازو کے بانٹ یا قتل نیزے یا سوئی سے کو جگہ ہو لبشرطیکہ لوہے کا نام اُس پر قائم ہو خواہ غالب اُس سے ہلاکی ہو یا نہ ہو اس واسطے کہ لوہا احادیث میں منصوص ہے چنانچہ لاقود الا[1] بالسیف وفی روایۃ[2] لاقود الا بالسلاح وفی روایۃ لاقود الا بالحدید اور منصوص علیہ علت معتبر ہے اور اسی طرح جو چیز لوہے کی جنس سے ہو چنانچہ پیتل اور رانگا اور چاندی اور سونا اور تانبا خواہ قتل چیر پھاڑ کے ہو خواہ کچل کر اور جو چیز لوہے کی جنس سے نہیں تو اگر وہ لوہے کا سا کام کرے تو وہ قتل عمد ہے اور نہیں تو عمد نہیں چنانچہ آگ سے جلانا عمد ہے اور اسی طرح جس چیز میں حدت اور تیزی ہو اور وہ تلوار کا عمل کرے جیسے شیشہ اور بانس اور نرکل کا چھلکا اور حدت والا پتھر جو چیز پھاڑ دے یا بدن میں گھس جائے چنانچہ نوکدار لکڑی تو یہ چیزیں تلوار کے مانند عمل کرتی ہیں تو یہ قتل عمد ہے انتہیٰ فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ لوہے میں اور جو لوہے کے مشابہ ہے ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ قصاص واجب ہونے میں زخم ہونا شرط نہیں اور طحطاوی کی روایت عن الامام یہ ہے کہ بدون زخم کے قصاص واجب نہیں انتہیٰ تو بموجب ظاہر الروایت کے بندوق کی گولی کے قتل کرنے میں بلاشک قصاص واجب ہے اس واسطے کہ گولی لوہے کی جنس سے ہے اور طحطاوی کی روایت سے بھی وجوب قصاص ثابت ہے کیونکہ گولی زخمی کر دیتی ہے اور سوئی کے قتل میں دو قول ہیں ایک وجوب قصاص کا جو برہان سے مذکور ہو چکا اور دوسرا قول یہ ہے کہ سوئی کے قتل سے اصلا قصاص نہیں اس لیے کہ عادت میں اس سے قتل کرنا مقصود نہیں ہوتا کذا ذکرہ ابو السعود کذا فی الطحطاوی مختصراً م فتاوی قاضی خاں میں اس میں عدم قصاص مذکور ہے واللہ اعلم قلت وفی شرح الوہبانیۃ کل مابہ الذکاۃ بہ القود والا فلا انتہیٰ میں کہتا ہوں اور شرح وہبانیہ میں ہے کہ جس چیز سے ذبح کرنا حاصل ہوتا ہے اُس چیز کے قتل کرنے سے قصاص مترتب ہوتا ہے اور نہیں تو قصاص نہیں انتہیٰ وفی البرہان وفی حدید غیر محدد کالسنجۃ روایتان اظہرہما انہا عمد اور برہان میں ہے اور جو لوہے کی چیز نوکدار نہ ہو جیسے ترازو کا بانٹ اُس میں دو روایتیں ہیں دونوں میں ظاہر تر روایت یہ ہے کہ وہ قتل عمد ہے وفی المجتبیٰ و احمار التنور یکفی للقود وان لم یکن فیہ نار اور مجتبیٰ میں ہے کہ تنور کا گرم کرنا قصاص کے واسطے کفایت کرتا ہے اگرچہ اس میں آگ موجود نہ ہو وے م منح الغفار میں ہے کہ ایک شخص نے تنور گرم کیا اور کسی انسان کو اُس میں گرا دیا یا ایسی جلتی آگ میں ڈال دیا کہ اُس میں سے نکل نہیں سکتا تو قاتل پر قصاص ہے بمنزلہ سلاح کے خانیہ میں ہے خواہ وہ شخص اُسی دن مر جاوے یا صاحب فراش رہے مرتے دم تک اور اگر چلتا پھرتا رہیگا اور پھر مریگا تو قاتل پر قصاص نہیں وفی معین المفتی للمصنف الابرۃ اذا اصابت المقتل ففیہ القود والا فلا فلیحفظ اور معین المفتی مصنف کی کتاب میں ہے کہ سوئی جب محل قتل میں لگ جائے تو اُس میں قصاص ہے اور نہیں تو قصاص نہیں ہے سوئی کے قتل سے تو اُس کو یاد رکھنا چاہیے وقالا والثلثۃ ضرب قصداً بما لا تسلیطہ البنیۃ کخشب عظیم عمد اور صاحبینؒ اور تینوں اماموںؒ نے کہا کہ مقتول کو قصداً مارنا اُس چیز سے جس کی ضرب اٹھانے کی بدن انسانی کو طاقت نہیں چنانچہ بڑا لکڑا قتل عمد ہے م امامؒ کے نزدیک یہ قتل عمد نہیں بلکہ شبہ عمد ہے چنانچہ آگے معلوم ہوگا موجبہ الاثم فان حرمتہ اشد من حرمۃ اجراء کلمۃ الکفر لجوازہ لمکرہ بخلاف القتل اور قتل عمد کا موجب گناہ ہے اُس واسطے کہ اُس کا حرام ہونا سخت تر ہے کلمہ کفر کے بولنے سے اس واسطے کہ کلمہ کفر بولنا مکرہ کو درست ہے اور قتل کرنا مکرہ کو بھی درست نہیں م حرمت قتل عمد مومن پر قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے قال اللہ تعالیٰ ومن قتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم الایہ یعنی فرمایا حق تعالیٰ نے کہ جو شخص مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اُس کا بدلا دوزخ ہے فقط یہ آیت قتل ناحق نصیحت کے واسطے کافی ہے اور احادیث تو اُس میں بہت ثابت ہیں ازانجملہ ترمذی اور نسائی میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زوال دنیا کا عنداللہ آسان تر ہے مرد مسلمان کے قتل سے اور ترمذی میں ابوسعید خدری اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

[1] قصاص نہیں مگر تلوار سے مارنے میں ۱۲ [2] قصاص نہیں مگر ہتھیار سے مارنے میں ۱۲ [3] قصاص نہیں ہے مگر لوہے سے مارنے میں ۱۲ منہ

اگر اہل آسمان اور اہل زمین مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کو منہ کے بل آگ میں ڈال دے اور نسائی میں حدیث مرفوع ہے کہ ہر گناہ میں مغفرت کی امید ہے مگر وہ مرد جو کافر مرے اور وہ مرد جو مومن کو قتل کرے اور ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مومن کے قتل پر آدھی بات سے اعانت کرے گا تو وہ خدا سے ملے گا اور اُس کی دونوں آنکھوں کے مابین لکھا ہوگا کہ اللہ عزوجل کی رحمت سے مایوس ہے اور اجماع امت بھی اسی پر منعقد ہے کذا فی العینی شرح الہدایہ اعاذنا[1] اللہ وسائر المسلمین من قتل النفس بغیر حق آمین **وموجبہ القود عینا** اور موجب قتل عمد کا عین قصاص ہے بلا لزوم مال ہ امام شافعیؒ کے نزدیک قتل عمد میں قصاص غیر متعین ہے بلکہ وارث مقتول کا قصاص اور خون بہا لینے میں مختار ہے اور ہماری دلیل یہ آیت ہے اکتب علیکم القصاص فی القتلیٰ) یعنی تم پر قصاص لکھا گیا مقتولین میں اور جو خدا نے اپنے عباد پر لکھا وہ فرض ہے اور اس آیت میں قتل عمد مراد ہے اس واسطے کہ قتل خطا میں دیت واجب ہے بدلیل اس آیت کے (ومن قتل مومنا خطأ الآیة[2]) وبدلیل حدیث عبداللہ بن عباسؓ کے جو مسند ابن ابی شیبہؒ میں مروی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے العمد القود الا ان یعفو ولی المقتول کذا فی العینی یعنی موجب قتل عمد کا قصاص ہے مگر یہ کہ ولی مقتول کا معاف کر دے علما نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے پھر جب کہ خبر واحد مجمل قرآن کی مبین ہو سکتی ہے چنانچہ مقدار مسح سر میں مذکور ہے تو حدیث مشہور بطریق اولیٰ مجمل قرآن کا بیان پڑ سکے گا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چند ظاہر آیت قصاص میں قتل عمد و قتل خطا کی خصوصیت نہیں لیکن حدیث مشہور اُس کی مخصص واقع ہو گئی تو اطلاق آیت کا باقی نہ رہا بمنزلہ مجمل کے ہو گئی تو حدیث مذکور کاشف اجمال ہو گئی واللہ اعلم فلا یصیر مالا الا بالتراضی فیصح صلحا ولو بمثل الدیة او اکثر ابن کمال عن الحقائق جب قتل عمد میں قصاص متعین ٹھہرا تو وہ مال نہ ہو جاوے گا مگر باہم کی رضامندی سے تو صحیح ہوگا بطریق صلح کے اگرچہ صلح قصاص کی دیت کے برابر ہو یا زیادہ تر چنانچہ ابن کمال نے حقائق سے بیان کیا ہے ہ اولیاء مقتول کو صلح کرنا قصاص سے مال پر جائز ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا بہت دیت کی جنس سے ہو یا غیر جنس ہو حال ہو یا موجل کذا فی الجوہرة **لا الکفارة** لانہا کبیرة محضة وفی الکفارة معنی العبادة فلا یناط بہا موجب اُس کا قصاص ہے نہ کفارہ اس واسطے کہ قتل عمد گناہ کبیرہ خالص ہے اور کفارہ میں عبادت کے معنی ہیں تو عمد مربوط بکفارہ نہ ہوگا قلت لکن فی الخانیة لو قتل مملوکہ او ولدہ المملوک لغیرہ عمدا کان علیہ الکفارة میں کہتا ہوں لیکن خانیہ میں ہے کہ اگر مالک اپنے غلام کو یا غلام کے اُس فرزند کو جو قاتل کے سوا اور کا مملوک ہے عمداً قتل کرے تو اُس پر کفارہ واجب ہے

والثانی شبہہ وہو ان یقصد ضربہ بغیر ما ذکر ای بما لا یفرق الاجزاء ولو بحجر وخشب کبیرین عندہ خلافا لغیرہ اور دوسری قسم قتل کی شبہ عمد ہے یعنے مشابہ عمد کے وہ یہ ہے کہ مقتول کے مارنے کا قصد کیا جائے سوائے اُس چیز کے جو قتل عمد میں مذکور ہو چکا یعنی اُس چیز سے جو تفریق اجزا بدن نہ کرے اگرچہ بڑا پتھر اور بڑا لکڑا ہو یہ امام عمؒ کے نزدیک ہے برخلاف غیر امام کے یعنی صاحبین اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک یہ عمد میں داخل ہے ہ شبہ عمد وہ ہے جس میں تعمد ضرب ہو اس چیز سے جو سلاح نہیں اور نہ قائم مقام سلاح کے خواہ اُس سے غالباً ہلاک ہو چنانچہ سنگ عظیم اور عصائے کبیر اور موگرا دھوبی کا یا ہلاکت غالباً نہ ہو چنانچہ عصائے صغیر اس کو شبہ عمد اس لیے کہا کہ یہ خطا مشابہ عمد کے ہے کیونکہ اس میں معنی عمد کے ہیں اس اعتبار سے کہ فاعل نے مارنے کا قصد کیا اور اس میں خطا کے بھی معنی ہیں اس اعتبار سے کہ قاتل کا قصد قتل ثابت نہیں ہوتا اس نظر سے کہ اُس نے آلہ تادیب کو استعمال کیا نہ آلہ قتل کو اور عاقل ہر فعل کا قصد کرتا ہے اُس کے آلہ خاص سے تو یہ خطا مشابہ عمد ہو گئی کذا فی العینی **وموجبہ الاثم والکفارة ودیة مغلظة علی العاقلة** سیجیٔ تفسیر ذلک اور شبہ عمد کا موجب گناہ ہے اور کفارہ اور دیت مغلظہ قاتل کے مددگار برادری پر تفسیر دیت مغلظہ کی کتاب الدیات میں آوے گی ہ شبہ عمد میں قتل کا گناہ ہے تعمد ضرب کے سبب سے اور کفارہ ہے اس واسطے کہ وہ خطا ہے آلہ ضرب کے اعتبار سے اور دیت مغلظہ عبارت ہے سو اونٹ کے دینے سے جن میں ۲۵ یک سالہ ہوں اور ۲۵ دو سالہ اور ۲۵ سہ سالہ اور ۲۵ چار سالہ کے **لا القود** لشبہہ بالخطاء نظرا الی الآلة الا ان یتکرر منہ فللامام قتلہ سیاسة اختیار نہ قصاص یعنی شبہ عمد میں قصاص واجب نہیں بسبب اس

---

[1] خدا تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو نفس کے ناحق قتل کرنے سے محفوظ رکھے ۱۲ [2] تمامی آیت کی فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اہلہ ہے یعنی جو شخص مومن کو خطا سے قتل کرے تو اس پر آزاد کرنا ہر ایک بردہ مسلمان کا اور خون بہا وارثان مقتول کو دینا ۱۲

مشابہ ہونے کے قتل خطا سے بنظر آلۂ قتل کے مگر یہ کہ قاتل سے شبہ عمد کا قتل چند بار واقع ہو تو حاکم مسلمین کو اُس کا قتل سیاست کی راہ سے جائز ہے کذا فی الاختیار **وہو** ای شبہ العمد **فیما دون النفس** من الاطراف **عمد موجب للقصاص** فلیس فی ما دون النفس شبہ عمد اور شبہ عمد جان کے سوائے آدمی کے اطراف[1] میں عمد ہے قصاص کا موجب تو جان کے سوائے میں شبہ عمد نہیں بلکہ عمد ہے م یعنی اتلاف نفس باختلاف آلہ مختلف ہوتا ہے اور ما ورائے نفس مختلف نہیں ہوتا مثلاً عصائے کبیر قتل نفس کا آلہ نہیں اور ہاتھ یا پاؤں کے توڑنے کا البتہ آلہ ہے تو عصائے وغیرہ سے اگر ہاتھ پاؤں تلف ہوگا تو اُس میں کفارہ اور دیت نہیں بلکہ قصاص واجب ہے یعنی فاعل کا بھی ہاتھ پاؤں توڑا جاوے گا **والثالث خطاء** وہو نوعان لانہ اما خطاء فی ظن الفاعل **کان یرمی شخصا ظنہ صیدا** او حربیا او مرتدا **فاذا ہو مسلم** اور تیسری قسم قتل خطا ہے اور اُس کی دو قسمیں ہیں اس واسطے کہ یا خطا اور چوک پڑ گئی فاعل کے گمان میں چنانچہ فاعل نے تیر مارا ایک شخص کو شکار یا کافر حربی یا مرتد جان کر سو وہ تو ناگہان مسلمان نکلا **او خطاء فی نفس الفعل کان یرمی غرضا** او صیدا **فاصاب آدمیا** او رمی غرضا فاصابہ ثم رجع عنہ او تجاوز عنہ الٰی ما وراءہ فاصاب رجلا او قصد رجلا فاصاب غیرہ او اراد ید رجل فاصاب عنق غیرہ ولو عنقہ فعمد قطعا او اراد رجلا فاصاب حائطا ثم رجع السہم فاصاب الرجل فہو خطاء لانہ اخطا فی اصابۃ الحائط ورجوعہ سبب آخر والحکم یضاف لآخر اسبابہ ابن کمال عن المحیط یا خطا واقع ہو نفس فعل میں چنانچہ تیر مارا نشانہ یا شکار کو سو کسی آدمی کو لگ گیا یا مارا نشانہ کو سو اُس پر لگا پھر نشانہ سے پلٹا یا نشانہ سے آگے بڑھ گیا سو کسی مرد کو جا لگا یا فاعل نے ایک مرد کے مارنے کا قصد کیا سو تیر دوسرے مرد کے لگ گیا یا ارادہ کیا ایک مرد کے ہاتھ پر مارنے کا سو اُس کے سوا اور مرد کی گردن پر لگا اور اگر پہلے مرد کی گردن پر لگے گا تو وہ قتل عمد ہے یقیناً یا ارادہ کیا ایک مرد کا سو تیر دیوار میں لگا پھر تیر وہاں سے پلٹا سو دوسرے مرد کے لگ گیا تو یہ اخیر صورت بھی قتل خطا کی ہے اس واسطے کہ تیر انداز دیوار کے لگانے میں چوک گیا اور دیوار سے تیر کا پلٹنا یہ دوسرا سبب ہے اور حکم مضاف اور منسوب ہوتا ہے پچھلے سبب کی طرف چنانچہ ابن کمال نے اس کو نقل کیا ہے محیط سے قال وکذا لو سقط من یدہ خشبۃ او لبنۃ فقتل رجلا یتحقق الخطاء فی الفعل ولا قصد فیہ فکلام صدر الشریعۃ فیہ ما فیہ ابن کمال نے کہا کہ اگر ایک شخص کے ہاتھ سے لکڑی یا اینٹ چھوٹ پڑی سو اُس کے صدمہ سے کوئی مرد قتل ہو جائے تو اُس صورت میں خطا فی الفعل ثابت ہے اور حالانکہ فاعل کا اس میں مطلقاً قصد نہیں ہے تو صدر الشریعۃ کے کلام میں وہ خلل ہے وہ اُس میں ہے م صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں کہا کہ خطا فی الفعل یہ ہے کہ قصد کرے ایک فعل کا سو اُس سے دوسرا فعل صادر ہو جائے چنانچہ نشانہ کو مارے سو خطا کر کے اور شخص کے لگ جائے انتہی حاصل کلام اس کلام میں قصد کو شرط کیا حالانکہ قصد خطا فی الفعل میں لازم نہیں چنانچہ لکڑی اور اینٹ کے چھوٹ پڑنے کی صورت مذکورہ میں خطا فی الفعل ثابت ہے اور اُس میں خطا مطلقاً قصد نہیں لیکن عنقریب آوے گا کہ یہ جاری مجرائے خطا کی صورت ہے نہ خطا فی الفعل کی کذا فی الطحطاوی مختصرا وفی الوہبانیۃ س وقاصد شخص ان اصاب خلافہ ؛ فذا خطاء والقتل فیہ معذر اور وہبانیہ میں ہے اور قصد کرنے والا ایک شخص کا اگر اُس کا تیر خلاف اُس کے دوسرے شخص کے لگ جائے تو یہ قتل خطا ہے اور اس میں قاتل کا قتل از روئے قصاص کے متعذر ہے وقاصد شخص حالۃ النوم ان یمیت ؛ فیتفق ان الحی ومامنہ ینہر ؛ اور قصد کرنے والا ایک شخص کا مقتول کی حالت نوم میں اگر وہ مر جائے تو قاتل سے قصاص لیا جائے اگر اُس کا خون سائل باقی رہے یعنی اگر مقتول کا خون تا موت سائل رہے تو قاتل پر قصاص ہے کذا فی الطحطاوی عن القنیۃ **والرابع ما جری مجراہ** مجری الخطاء کنائم **انقلب علی رجل** فقتلہ لانہ معذور کالمخطی اور چوتھی قسم وہ قتل ہے جو جاری مجرائے خطا کے ہے یعنی خطا نہیں بمنزلہ خطا کے ہے جیسے سونے والا منقلب ہو جائے کسی مرد پر سو اُس کو قتل کرے اس واسطے کہ سونے والا معذور ہے خطا کرنے والے کے برابر م صورت اُس کی یہ ہے کہ کوئی شخص بلند چبوترے یا بلند تخت یا چھت کے کنارے پر سوتا ہے سو کروٹ بدلنے میں اوپر سے گر پڑا اور نیچے کا آدمی مر گیا کچل کر تو نائم معذور ہے خاطی کے مانند تو یہ قتل

---

[1] اطراف یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ۱۲

خطا نہیں بلکہ بمنزلۂ خطا کے ہے طحطاوی میں عالمگیری عن المحیط سے منقول ہے جاری مجرائے خطا چنانچہ ایک شخص چھت پر سے کسی آدمی پر گر پڑا اور وہ مر گیا یا اُس کے ہاتھ سے اینٹ یا لکڑی گر پڑی اور دوسرا آدمی اُس کے صدمہ سے مر گیا یا ایک شخص جانور پر سوار تھا سو جانور نے دوسرے آدمی کو کچل کر مار ڈالا اور زیلعی میں ہے کہ نائم منقلب کا قتل بمنزلۂ خطا کے ہوا اس واسطے کہ یہ حقیقت میں خطا نہیں اس واسطے کہ نائم کا کچھ قصد ہی نہیں کہ وہ اپنے مقصود کا مخطی ٹھہرے چوکنے والا ہوا ۱۲ تو یہ قتل بمنزلۂ خطا کے ٹھہرایا گیا فعل حقیقی کے وجود کے سبب سے انتہی مافی الطحطاوی تو معلوم ہوا کہ خطا کی نسبت صدر الشریعۃ کی طرف صریح خطا ہے **فموجبہ**

اے موجب ہذا النوع من الفعل وہو الخطاء وماجری مجراہ **الکفارۃ والدیۃ علی العاقلۃ والاثم** دون اثم القتل اذ الکفارۃ تؤذن بالاثم لترک العزیمۃ اور اس قسم کے قتل کا یعنی قتل خطا اور مثل بمنزلۂ خطا کا موجب کفارہ ہے اور دیت قاتل کے مددگاروں پر اور گناہ کمتر گناہ قتل سے اس واسطے کہ کفارہ کا مشروع ہونا خبر دیتا ہے ثبوت گناہ کی بسبب ترک کرنے عزیمت اور احتیاط کے ہم اس صورت میں قتل کا گناہ نہیں بلکہ ترک احتیاط کا گناہ ہے کیونکہ ایسی بے احتیاطی کی کہ دوسرا ہلاک ہو گیا اس واسطے کہ افعال مباحہ کی مباشرت جائز نہیں مگر بشرط عدم ایذا پھر جب دوسرے کو اذیت ہوئی تو اُس نے احتیاط ترک کی لہذا وہ گنہگار ہوگا اور خود لفظ کفارہ سے گناہ نکلتا ہے اس واسطے کہ کفارہ بمعنی پوشیدہ ہے اور پوشش نہیں بدون گناہ کے کذا فی الزیلعی **و**

الخامس قتل بسبب کحافر بئر وواضع حجر فی غیر ملکہ بغیر اذن من السلطان ابن کمال اور پانچویں قسم قتل بسبب ہے جیسے کنواں کھودنے والا اور پتھر رکھنے والا غیر کی ملک میں بلا اذن حاکم کذا ذکرہ ابن کمال عن شرح الطحطاوی ہم غیر ملک حفر اور وضع دونوں کی قید ہے چنانچہ درر میں ہے تو اگر اپنے ملک میں کنواں کھودے یا پتھر رکھے گا تو اُس کی طرف سے تعدی ثابت نہ ہوگی تو دیت اور کفارہ بھی نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی وکذا واضع خشبۃ علی قارعۃ الطریق و نحو ذلک الا اذا مشی علی البئر ونحوہ بعد علمہ بالحفر ونحوہ درر اور اسی طرح قاتل بسبب ہے رکھنے والا لکڑی کا شارع عام میں اور مانند اُس کے جو تلف ہو جانے کا سبب ہو چنانچہ اینٹوں کا ڈھیر کر دینا راہ میں مگر جب کہ کوئی شخص کنوئیں وغیرہ پر چلا کھدنا وغیرہ جان بوجھ کر کذا فی الدرر ہم اس واسطے کہ جان بوجھ کر چلنا خود اپنی جان کو ہلاک کرنا ہے کذا فی الجوہرۃ **وموجبہ الدیۃ علی العاقلۃ** اور قتل بسبب کا موجب دیت ہے فاعل کے مددگاروں پر ہم کنواں کھودنا وغیرہ تلف کا سبب ہے اور کھودنے والا متعدی ہے اس میں تو بمنزلۂ دافع اور ملقی[1] کے قرار دیا گیا تو دیت واجب ہوئی صیانت نفوس کے واسطے **لا الکفارۃ ولا اثم القتل** بل اثم الحفر والوضع فی غیر ملکہ درر اُس قتل کا موجب کفارہ نہیں اور نہ گناہ قتل کا بلکہ غیر ملک میں کنواں کھودنے اور پتھر وغیرہ رکھنے کا البتہ گناہ ہے کذا فی الدرر **وکل ذلک یوجب حرمان الارث** لو الجانی مکلفا ابن کمال اور قتل کے جمیع اقسام مذکورہ حرمان میراث کے موجب ہیں یعنی اگر کوئی شخص اپنے مورث کو قتل کرے گا تو اُس کی میراث قاتل نہ پاوے گا بشرطیکہ قاتل عاقل بالغ ہو کذا ذکرہ ابن کمال ہم یعنی اگر قاتل صغیر یا مجنوں ہوگا تو میراث سے محروم نہ ہوگا چنانچہ سید شریف کی شرح سراجیہ میں مصرح ہے **الا ہذا** اے القتل بسبب لعدم قتلہ جمیع اقسام قتل کی حرمان قاتل کے موجب ہیں سوائے اس قسم کے یعنی قتل بسبب میں قاتل میراث مقتول سے محروم نہ ہوگا اُس کے عدم قتل کے سبب سے ہم یعنی قتل بسبب میں بوجہ مباشرت قتل نہیں جو موجب حرمان ہوا اس واسطے کہ مباشرت عبارت ہے اتصال فعل قاتل سے مقتول کے ساتھ سو یہاں موجود نہیں بلکہ قاتل کا فعل زمین سے البتہ متصل ہوا اور مباشرت کے ساتھ خلاف اصل اس کو اس واسطے ملحق کیا ہے تاکہ خون اکارت نہ جاوے کذا فی الحموی والحقہ الشافعی بالخطاء فی احکامہ اور امام شافعیؒ نے قتل بسبب کو قتل خطا کے ساتھ ملحق کیا ہے اُس کے جمیع احکام میں واللہ اعلم

فصل

فیما یوجب القود وما لا یوجبہ یہ فصل ہے اُس قتل کے بیان میں جو قصاص کا موجب ہے اور جو قتل کہ قصاص کا موجب نہیں

یجب القود اے القصاص **بقتل کل محقون الدم** بالنظر لقاتلہ درر وسیتضح عند قولہ ولو قتل القاتل اجنبی **علی التابید عمداً** واجب ہے قود یعنی قصاص ہر محفوظ الدم دائمی کے عمداً قتل سے شارح نے کہا محفوظ الدم سے مراد یہ ہے کہ بنظر اُس کے قاتل کے خون اُس کا محفوظ ہے

---

[1] دھکا دینے والا اور گرا دینے والا یعنی ایسا ہوا کہ دوسرے کو دھکا دے کر کنوئیں میں ڈال دیا ۱۲

کذا فی الدرر اور اس کا مطلب اسی فصل میں ماتن کے اس قول کے پاس ولو قتل القاتل اجنبی واضح ہوگا م یعنی جو مقتول کہ نظر بقاتل دائماً محفوظ الدم ہے یعنی اس کی خونریزی قاتل کو کبھی مباح نہیں تو اس کے قتل عمد سے قصاص واجب ہے یعنی اس کے بدلے قاتل کو قتل کرنا واجب ہے محفوظ الدم کی قید سے مباح الدم سے احتراز ہوا جیسے زانی محصن اور حربی اور مرتد اور دوام کی قید سے مستامن سے احتراز ہوا یعنی اس کا خون تا قیام دارالاسلام محفوظ ہے نہ ہمیشہ قود بالتحریک قاتل کو قتل کرنا بدلے مقتول کے قاموس میں قصاص کی تفسیر قود کی ہے لیکن طحطاوی نے نہایہ جزری سے نقل کیا کہ قصاص یہ ہے کہ فاعل کے ساتھ وہ فعل کیا جائے جو اس نے مفعول کے ساتھ کیا خواہ وہ فعل قتل ہو یا قطع عضو یا ضرب یا جراحت تو اس صورت میں تفسیر قود کی قصاص کے ساتھ تفسیر بالاعم ہے وہو المسلم والذمی اور وہ مسلمان اور ذمی ہے یعنی دائمی محفوظ الدم مسلمان اور ذمی ہیں سو جو ان کو عمداً قتل کرے گا وہ ان کے بدلے مقتول ہوگا اگر کوئی کہے کہ اگر مسلمان اپنے فرزند مسلمان کو عمداً قتل کرے تو باپ پر قصاص واجب نہیں حالانکہ تعریف مذکور میں وہ داخل ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ عوارض سے ہے تو قواعد کے تحت میں داخل نہ ہوگا اس واسطے کہ قصاص تو یہاں واجب تھا اصل میں پھر منقلب بمال ہوگیا اس واسطے کہ ابوت شبہہ ہے قصاص کے ٹل جانے کا اور اسی طرح عبد وقف کے قتل عمد میں قصاص واجب نہیں بلکہ قصاص منقلب بدیت ہوگا مراعات نفع وقف کے عارض سے کذا فی الطحطاوی لا المستامن والحربی نہ مستامن اور حربی یعنی ان کے قتل عمد سے قصاص واجب نہیں مستامن تو اس وجہ سے کہ اس کا دم دائماً محفوظ نہیں اور حربی تو مطلقاً مباح الدم ہے بشرط ان یکون **القاتل مکلفا** لما تقرر انہ لیس لصبی ومجنون عمد مقتول مذکور کے قتل عمد میں قصاص واجب ہے بشرطیکہ قاتل اس کا عاقل اور بالغ ہو اس واسطے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ صغیر اور مجنون کے واسطے عمد نہیں۔ فی البزازیۃ حکم علیہ بقود فجن قبل دفعہ للولی انقلب دیۃ بزازیہ میں ہے قاتل پر حکم حاکم ہوگیا قصاص کا پھر وہ دیوانہ ہوگیا وارث مقتول کے دینے سے پہلے تو قصاص بدل کر دیت ہو جاوے گا یعنی پہلے قاتل عاقل تھا پھر دیوانہ ہوگیا تو قصاص ساقط ہوگا اور اگر وارث کے دینے کے بعد دیوانہ ہوا تو قصاص ساقط نہ ہوگا کذا فی المنح قتل من یجن ویفیق قتل فی افاقتہ قتل کیا اس قاتل نے جو کبھی دیوانہ ہو جاتا ہے اور کبھی اس کو افاقہ ہوتا ہے تو حالت افاقہ میں مارا جاوے گا فان جن بعدہ ان مطبقا سقط وان غیر مطبق قتل پھر اگر مجنون ہوگیا بعد اس کے اگر جنون مطبق یعنی دائمی ہے تو قصاص ساقط ہوگیا لیکن بطریق استحسان دیت اس کے مال میں واجب ہوگی کذا فی العالمگیریۃ اور اگر جنون دائمی نہیں تو قتل ہوگا قتل عبد مولاہ لا روایۃ فیہ وقال ابو جعفر یقتل غلام نے اپنے میاں کو قتل کیا تو اس میں کچھ روایت نہیں امامؒ اور صاحبینؒ سے اور ابو جعفر حنفی فقیہ نے کہا کہ غلام مذکور قتل کیا جاوے گا قتل عبد الوقف عمداً لا قود فیہ کسی نے وقف کے غلام کو قتل کیا تو اس میں قصاص نہیں یعنی بمراعات مصلحت وقف تو قاتل سے اس کی قیمت لی جائے اور دوسرا غلام وقف کے واسطے خرید کیا جائے قتل ختنہ عمداً و بنتہ فی نکاحہ سقط القود قاتل نے اپنے داماد کو عمداً قتل کیا اور حالانکہ قاتل کی بیٹی مقتول کے نکاح میں ہے تو قصاص ساقط ہوگا م اس واسطے کہ بیٹی اپنے زوج کے قصاص کی وارث ہوئی باپ پر خانیہ میں ہے کہ اگر مقتول کے وارثوں میں قاتل کا فرزند ہو یا فرزند کا فرزند تو قصاص باطل ہے دیت واجب ہوگی کذا فی الطحطاوی وبشرط انتفاء الشبہۃ کولاد وملک او اعم کقولہ اقتلنی فقتلہ بینہما کما سیجئ اور قتل عمد میں قصاص واجب ہے بشرطیکہ قاتل اور مقتول میں قصاص ٹل جانے کا شبہہ نہ ہو جیسا نچہ ولادت یا ملک ہونا یا کوئی امر ولادت اور ملک سے عام تر چنانچہ مقتول کا یوں کہنا قاتل سے کہ تو مجھ کو قتل کر سو قاتل نے اس کو قتل کر ڈالا چنانچہ شبہہ مذکورہ کی تفصیل آگے آوے گی **فیقتل الحر بالحر وبالعبد** غیر الوقف کما مر خلافا للشافعی تو قتل کیا جاتا ہے آزاد بدلے آزاد کے اور بدلے غلام کے سوائے غلام وقف کے چنانچہ مذکور ہو چکا کہ عبد وقف کے مقتول ہونے میں قصاص واجب نہیں بلکہ اس کی قیمت دینا قاتل پر واجب ہے برخلاف امام شافعیؒ کے اس واسطے کہ ان کے اور امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک آزاد بدلے غلام کے مقتول نہ ہوگا بلکہ قاتل پر اس کی قیمت کا تاوان لازم ہوگا م امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں (الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی) فرمایا ہے

یعنی آزاد بدلے آزاد کے مارا جائے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے تو یہ مقابلہ اس کا مقتضی ہے کہ آزاد بدلے غلام کے مارا نہ جائے اس واسطے کہ بناء قصاص مساوات پر ہے اور حالانکہ غلام اور آزاد میں برابری نہیں اُس کا جواب شارح نے آیندہ قول میں دیا ولنا اطلاق قولہ تعالی النفس بالنفس فانہ ناسخ لقولہ تعالی الحر بالحر الآیۃ کما رواہ السیوطی فی الدر المنثور عن النحاس عن ابن عباس اور ہماری دلیل اطلاق ہے اس آیت کا کہ النفس بالنفس یعنی جان بدلے جان کے اس میں آزاد اور غلام کی قید نہیں تو یہ آیت الحر بالحر کی آیت کی ناسخ ہے چنانچہ جلال الدین سیوطی شافعی نے تفسیر در المنثور میں نسخ کو نحاس سے عن ابن عباس رض نقل کیا ہے م منجملہ دلائل حنفیہ کے عموم ہے اس آیت کا (کتب علیکم القصاص فی القتلی) یعنی مقتولین میں تم پر قصاص کرنا مفروض ہے مقتول عام ہے آزاد ہو یا غلام ازاں جملہ قولہ تعالی ([1]ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا) لیکن اگر آزاد اپنے ذاتی غلام کو قتل کرے گا تو قصاص ساقط ہے اجماع کی دلیل سے کذا فی العینی علی انہ تخصیص بالذکر فلا ینفی ما عداہ کیف ولو دل لوجب ان لا یقتل الذکر بالانثی ولا قائل بہ علاوہ نسخ سے یہ ہے کہ الحر بالحر و العبد بالعبد خاص کر ذکر کیا ہے اور تخصیص بالذکر ما سوائے مذکور کے نفی نہیں کرتی ہے یعنی اس تخصیص سے غلام کے بدلے قتل آزاد کی نفی ثابت نہیں ہوتی یہ کیونکر ہو حالانکہ اگر تخصیص ما عدا کی نفی پر دلالت کرتی تو یہ واجب ہوتا کہ مرد بعوض عورت کے مارا نہ جاتا اور حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں م اور تخصیص بالذکر کا فائدہ ان لوگوں کا رد قول منظور ہے جو مقتول کے بدلے غیر قاتل کے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اس واسطے کہ ابن عباس رض سے مروی ہے کہ عرب کے دو گروہ میں اگر قتل ہو جاتا اور ایک گروہ دوسرے گروہ پر دعوی فضیلت رکھتا تو مدعی فضیلت یوں کہتا کہ ہم راضی نہ ہوں گے جب تک کہ عورت کے بدلے ان کا مرد نہ ماریں اور اپنے غلام کے بدلے اُن کا آزاد نہ ماریں حق تعالی نے اُن کے رد میں یہ آیت اُتاری کہ آزاد بدلے آزاد کے مارا جائے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے کذا فی العینی اور مساوات بین القاتل والمقتول کا جواب یہ ہے کہ قصاص میں عصمت یعنی عدم اباحت دم کی مساوات لازم ہے اور عصمت متحقق ہوتی ہے دین اور قیام دار الاسلام سے تو دین اور قیام دار الاسلام میں آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں قیل ولا الحر بالعبد ورد بدخولہ بالاولی کہا گیا ہے مذہب شافعی کی استشکال میں کہ اگر تخصیص بالذکر ما عدا کی نفی کرتی تو یہ واجب ہوتا کہ آزاد بدلے غلام کے مارا نہ جاتا اور یہ اشکال رد کیا گیا ہے اُس کے داخل ہونے سے بطریق اولی کے م شارح کی اس عبارت میں کچھ تحریر اور تحقیق نہیں شارح نے عبارت منح الغفار کے نقل کرنے کا ارادہ کیا سو اُس کا قلم بے موقع چل گیا یوں کہنا حق تھا قیل ولا العبد بالحر[2] اور یہ عطف ہے ان لا یقتل الذکر بالانثی پر کذا فی الطحطاوی مختصراً یعنی یہ جو بعض شارحین نے امام شافعی رح کے مذہب پر اشکال کیا ہے کہ اگر تخصیص بالذکر ما عدا کی نفی کرتی تو یہ واجب تھا کہ غلام بدلے آزاد کے مارا نہ جاتا بدلیل قولہ تعالی والعبد بالعبد سو معترض کا کلام مندفع ہے اس وجہ سے کہ جب غلام بدلے غلام مارا گیا تو آزاد کے بدلے بطریق اولی مقتول ہوگا اور مزید تفصیل اس کی منح الغفار کی عبارت میں ہے جو اس ترجمہ کے حاشیہ[3] پر منقول ہے ولابی الفتح البستی نظما ؎ خذوا بدمی ہذا الغزال فانہ ؛ رمانی بسہمی مقلتیہ علی عمد ولا تقتلوہ انی انا عبدہ ؛ ولم ار حرا قط یقتل بالعبد ؛ اور مناسب مقام ابو الفتح بستی شافعی مذہب نے بطور نظم کے کہا ہے کہ پکڑو میرے خون کے بدلے اس غزال کو کہ اُس نے اپنے دونوں گوشۂ چشم کے دو تیروں سے مجھ کو قتل کیا ہے ولیکن اس کو قتل نہ کیجیو اس واسطے کہ میں اُس کا غلام ہوں اور میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آزاد مارا جائے بدلے غلام کے م طحطاوی نے کہا قول خذوا بدمی اور ولا تقتلوہ منافات ہے اس واسطے

---

[1] اور جو شخص مارا جائے ظلم سے تو ہم نے دیا ہے اُس کے وارث کو زور ۱۲۔ [2] یعنی غلام نہ مارا جاوے بدلے آزاد کے ۱۲۔ [3] ونص المنح فان قلت لو دل الی قولہ تعالی الحر بالحر والعبد بالعبد ای عن التخصیص المقابلۃ یوجب ان لا یقتل العبد بالحر عندہ قلت لانہ یجیب منہ بان ہذا التفاوت الی النقصان فلا یمنع وہذا ما ذکرہ ائمۃ الاصول من ان شرط دلالۃ مفہوم التخصیص بالذکر ان لا یظہر اولویۃ المسکوت عن المنطوق وان کان المسکوت عنہ اولی من المنطوق لانہ لما کان العبد یقتل بالعبد فبالاولی ان یقتل بالحر وبہذا یندفع ما ذکرہ بعض الشارحین من انہ ان دل لیجب ان لا یقتل بالحر لقولہ تعالی والعبد بالعبد انتہی کذا فی الطحطاوی ۱۲ ـ

کہ اخذ بالدم قتل کا مقتضی ہے اور دیت پر حمل کرنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ غلام کی دیت اُس کے مالک پر واجب نہیں فاجابہ بعض الحنفیۃ رادا علیہ ۵ خذ
بدمی من رام قتلی بلحظۃ ولم یخش بطش اللہ فی قاتل العمد ؛ وقود دابہ جبرًا وان کنت عبدہ ؛ لیعلم ان الحر یقتل بالعبد ؛ سو اُس نظم کا کسی حنفی نے جواب
دیا ہے بطریق رد کے کہ پکڑو میرے خون کے بدلے اُس کو جس نے میرے قتل کا اپنے گوشہ چشم کی دید سے ارادہ کیا یعنی ارادہ کیا اور مار ڈالا اور
شخص نہ ڈرا خدا کے پکڑنے سے جو ثابت ہے قتل عمد میں اور قصاص لو اُس سے زبردستی اگرچہ میں اُس کا غلام ہوں تا کہ معلوم ہو جاوے کہ آزاد مارا جا
ہے بدلے غلام کے م طحطاوی نے کہا اس نظم میں خلل یہ ہے کہ آزاد اپنے غلام مملوک کے قتل سے مارا نہیں جاتا اور اگر غیر قاتل کے غلام پر محمول
کیجیے تو وان کنت عبدہ کے مناسب[۱] نہیں **والمسلم بالذمی خلافا لہ** اور قتل کیا جاتا ہے مسلمان ذمی کے بدلے یعنی کافر مطیع الاسلام کے عوض بر
شافعی کے م امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ لا یقتل مومن بکافر رواہ البخاری اور یہی مضمون سنن ابی داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے
اور ہماری دلیل وہ ہے جو سنن دارقطنی میں عبد الرحمن بن السلمانی عن ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو معاہد کے بدلے
قتل کیا اور فرمایا کہ انا اکرم من وفی ذمتہ یعنی میں ذمہ کے پورا کرنے والوں میں زیادہ تر کریم ہوں ہر چند دارقطنی نے ابن سلمانی کو ضعیف کہا ہے لیکن ابن
حبان نے اس کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے اور مضمون اس حدیث کا مسند شافعی میں بھی مذکور ہے اور حدیث لا یقتل مومن بکافر میں کافر حربی مراد ہے
توفیقا بین الروایتین کذا فی العینی زیلعی نے علی مرتضیٰ رضؓ سے نقل کیا کہ ذمیوں نے جزیہ اس واسطے دیا تا کہ اُن کے خون ہمارے خون کے مانند ہوں او
اُن کے مال ہمارے مال کے برابر **لا بمستامن بل ہو بمثلہ** قیاسا للمساواۃ لا استحسانا لقیام المبیح ہدایہ ومجتبیٰ ودرر وغیرہا نہ قتل کیا جائے مسلمان
اور ذمی بدلے مستامن کے یعنی اس واسطے کہ مستامن کا خون علی التابید معصوم نہیں بلکہ ایک مستامن بدلے دوسرے مستامن کے جو اُس کے برابر ہے
قتل کیا جاتا ہے قیاس کی راہ سے بسبب مساوات کے نہ استحسان کی راہ سے بسبب قائم ہونے مبیح کے کہذا فی الہدایۃ والمجتبیٰ والدرر وغیرہا
م اباحت خون کی وجہ کفر ہے جو باعث ہے حرب مسلمین کا اس واسطے کہ مستامن رجوع دار الحرب کا قصد رکھتا ہے قال المصنف وینبغی ان یعول علی
الاستحسان لتصریحہم بالعمل بہ الا فی مسائل مضبوطۃ لیست ہذہ منہا وقد اقتصر ملا خسرو فی متنہ علی القیاس انتہی یعنی فتبعہ المصنف رحمہ اللہ علی عادتہ قلت
ویعضدہ عامۃ المتون حتی الملتقی مصنف نے شرح میں کہا اور سزاوار یوں ہے کہ استحسان پر اعتماد کیا جائے بسبب تصریح کرنے علما کے استحسان پر
عمل کرنے کا مگر چند مسائل مضبوطہ میں کہ یہ مسئلہ ان میں سے نہیں ہے اور البتہ ملا خسرو نے اپنے متن یعنی درر میں قیاس پر اقتصار کیا ہے انتہی کلام
المصنف یعنی سو مصنف بھی درر کا تابع ہو گیا اپنی عادت کے موافق اور عمل بقیاس کی تائید کرتے ہیں اکثر متون فقہ کے ملتقی الابحر تک **ویقتل
العاقل بالمجنون والبالغ بالصبی والصحیح بالاعمیٰ والزمن وناقص الاطراف والرجل بالمرأۃ بالاجماع** اور قتل کیا جاتا ہے ہوشیار
بدلے دیوانے کے اور بالغ بدلے صغیر کے اور صحیح البدن آنکھ والا بدلے اندھے اور طویل المرض اور ناقص الاطراف یعنی لولے لنگڑے کے بدلے
اور مرد بدلے عورت کے بالاتفاق م تو اگر تندرست مرد اُس مرد کو قتل کرے جس کے دونوں ہاتھ پاؤں اور دونوں کان اور مذاکیر یعنی نازہ اور
فوطے مقطوع ہیں اور آنکھیں اُس کی پھوٹی ہیں تو قصاص واجب ہوگا اگر قتل عمد ہو بدلیل عمومات اور اس واسطے کہ قاتل اور مقتول عصمت دم میں
متساوی ہیں اور معتبر عصمت ہی کے مساوات ہے نہ اور امور کی نہیں تو قصاص کا باب بند ہو جاوے گا کذا فی الطحطاوی **والفرع باصلہ وان
علا لا عکسہ** خلافا لمالک فیما اذا ذبح ابنہ ذبحا اور شاخ بدلے اپنی جڑ کے مقتول ہوگی اگرچہ جڑ دور کی ہو نہ برعکس اس کے یعنی اصل بدلے فرع کے
مقتول نہ ہوگی برخلاف امام مالکؒ کے اُس خاص صورت میں جب کہ باپ اپنے فرزند کو ذبح کرے گلا کاٹ کر م یعنی اگر والد اپنے ولد کو قصدًا قتل

---

[۱] اور اس کا جواب یہ ہے وان کنت عبدہ سے معنی حقیقی مراد نہیں ۱۲۔ [۲] نہ قتل کیا جاوے ایماندار بدلے کافر کے ۱۲ ؁

کرے تو امام مالکؒ کے نزدیک باپ قتل ہوگا اور اگر تلوار یا چھری پھینک مارے اور ارادہ قتل کا نہ کرے تو قصاص نہیں اور جواہر مالکیہ میں ہے کہ اشہب نے کہا کہ والد بدلے ولد کے کسی حالت میں مقتول نہیں ہوتا اس شبہہ سے کہ حدیث میں ثابت ہے انت ومالک لابیک یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے کذا فی العینی تو ظاہرا قصاص والد کی روایت امام مالکؒ کے مذہب میں معتمد نہیں والا کتب مالکیہ میں معتمد قصاص علی العموم مذکور نہ ہوتی واللہ اعلم اے لایقتص الاصول وان علوا مطلقاً ولو اناثا من قبل الام فی نفس او اطراف بفرعھم وان سفلوا لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لایقاد الوالد بولدہ یعنی اصول کا قصاص نہ کیا جاوے گا بدلے اُن کے فروع کے نہ جان میں نہ اطراف میں اگرچہ اصول دور کی ہوں مطلقاً اور اگرچہ اصول عورتیں ہوں ماں کی جانب سے اور اگرچہ فروع بعید ہوں بدلیل قول نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے قصاص نہیں لیا جاتا باپ کا اُس کے بیٹے کے بدلے ھم یعنی دادہالی نانہالی اصول کا قصاص نہیں تو اگر باپ بیٹے کو یا دادا دادی پوتے کو یا پردادا پردادی پرپوتے کو یا ماں اپنے بیٹے کو یا نانی اپنی نانی کو یا پرنانی کو قتل کرے تو قصاص قاتل کا نہ ہوگا اور اگر بیٹا اپنے باپ یا دادا دادی یا پردادا پردادی کو یا بیٹا اپنی ماں کو یا نانی یا پرنانی کو قتل عمداً کرے گا تو اُس پر قصاص جاری ہوگا عینی نے کہا حدیث لایقاد الوالد بولدہ ترمذی اور ابن ماجہ میں عمر فاروق رضؓ سے مروی ہے وھو وصف معلل بالجزیۃ فیتعدی لمن علا لانھم اسباب فی احیائہ فلا یکون سببا لافنائھم او ردہ یعنی والدیت ایسا وصف ہے جس سے جزیت کی علت ثابت ہوتی ہے یعنی تولید عدم قصاص کی علت ہے تو یہ وصف تولید کا اصول عالیہ کو بھی متعدی ہے اس واسطے کہ اصول اسباب میں فرع کے زندہ کرنے میں تو فرع اُن کے مٹانے کا سبب ہوگا ھم ولہذا ولد کو جائز نہیں اپنے باپ کو قتل کرنا اگر اُس کو صف کفار میں پاوے یا اُس کو زانی محصن دیکھے یا مرتد پاوے کذا فی الہدایۃ وحینئذ فتجب الدیۃ فی مال الاب فی ثلث سنین لان ہذا عمد والعاقلۃ لاتعقل العمد وقال الشافعی تجب حالۃ کبدل الصلح زیلعی وجوہرۃ وسیجئ فی المعاقل اور جب کہ اصول پر قصاص واجب نہ ہوا تو باپ وغیرہ پر اصول کے مال میں دیت واجب ہوگی تین برس کے اندر اس واسطے کہ یہ قتل عمد ہے اور مددگاروں پر دیت عمد کی واجب نہیں ہوتی امام شافعیؒ نے کہا کہ اصول پر نقد دیت واجب ہے بدل صلح کے مانند چنانچہ زیلعی اور جوہرہ میں ہے اور اس کی تفصیل آگے کتاب المعاقل میں آوے گی ھم اور اگر اصول خطا کی راہ سے فروع کو قتل کریں تو دیت مددگاروں پر واجب ہوگی اور قاتل پر کفارہ کذا فی العالمگیریۃ وفی الملتقی ولا قصاص علی شریک الاب او المولی او المخطی او الصبی او المجنون ومن کل یجب القصاص بقتلہ لما تقرر من عدم تجزی القصاص فلا یقتل العامد عندنا خلافا للشافعی برہان اور ملتقی میں ہے اور قصاص نہیں باپ یا مالک یا مخطی یا صغیر یا مجنون کے شریک قتل پر اور جس کے قتل کرنے سے قصاص واجب نہیں اُس کے شریک پر یعنی اگر شخص اجنبی باپ کا شریک ہو اُس کے فرزند کے قتل میں یا مالک کا شریک ہو اُس کے غلام کے قتل میں مالک شریک ہو قاتل مخطی کا تو شریک پر بھی قصاص واجب نہیں والد اور مولی اور مخطی کے مانند اس واسطے کہ قصاص کی عدم قسمت پذیری بدلیل ثابت ہو چکی ہے تو قاتل عامد بھی مقتول نہ ہوگا ہم حنفیوں کے نزدیک برخلاف شافعی کے کذا فی البرہان ولا سید بعبدہ ای بعبد نفسہ ومدبرہ ومکاتبہ وعبد ولدہ ہذا داخل تحت قولہم ومن ملک قصاصا علی ابیہ سقط کما سیجئ اور نہ قتل ہوگا مالک اپنے ذاتی غلام اور اپنے مدبر غلام اور اپنے فرزند کے غلام کے بدلے فرزند کے غلام کی صورت داخل ہے فقیہوں کے اس قول کے تحت میں اور جو فرزند قصاص کا مالک ہوا اپنے باپ پر تو قصاص ساقط ہے چنانچہ یہ مسئلہ چند سطر کے بعد آوے گا ھم مالک پر قصاص اس واسطے واجب نہ ہوا کہ غلام اُس کا مال ہے اور انسان پر اپنے مال کے تلف کرنے میں میں کچھ واجب نہیں ولیکن خانیہ میں ہے کہ حاکم مالک کو تعزیر دے اور جوہرہ میں ہے کہ مولی پر کفارہ واجب ہے غلام اور مدبر اور مکاتب اور فرزند کے غلام کے قتل میں کذا فی الطحطاوی ولا بعبد ملک بعضہ لان القصاص لایتجزی اور نہ قتل ہوگا شریک عبد مشترک کے بدلے

اس واسطے کہ قصاص قسمت پذیر نہیں م جب بعض قصاص ساقط ہوا ملک بعض کے سبب تو کل قصاص ساقط ہوگا عدم تجزی کی وجہ سے عینی نے کہا شرح ہدایہ میں تو قاتل دوسرے شریک کو بقدر اُس کے حصّہ کے قیمت ادا کرے ولا لعبد الرہن حتی یجتمع العاقدان اور عبد مرہون کے بدلے تا اجتماع عاقدین قصاص نہیں م یعنی جب تک راہن اور مرتہن دونوں موجود نہ ہوں گے تو غلام مرہون کے قاتل سے قصاص نہ لیا جاوے گا اس واسطے کہ مرتہن مالک نہیں جو قصاص کا مالک ہو اور اگر راہن قصاص لینے پر مستقل ہو تو مرتہن کا حق باطل ہوتا ہے لہذا وجوب قصاص میں اجتماع عاقدین شرط ہے تاکہ حق مرتہن اُس کی رضامندی سے ساقط ہو جائے وقال محمد رحمہ اللہ لا قود وان اجتمعا جوہرۃ وعلیہ یحمل ما فی الدرر معزیا للکافی کما فی المنح اور محمد رحمہ اللہ نے کہا کہ عبد مرہون کے بدلے قصاص نہیں اگرچہ راہن مرتہن دونوں موجود ہوں کذا فی الجوہرۃ اور محمدؒ کے قول پر محمول ہے وہ روایت جو دُرر میں کافی سے منقول ہے کذا فی المنح م یعنی جو کافی سے دُرر میں مذکور ہے کہ باوجود اجتماع عاقدین کے عبد رہن کا قصاص نہیں سو محمد کا مذہب ہے نہ شیخین کا تو موجب اس مذہب کے جب قصاص ساقط ہوا تو قیمت مقتول لے کر مرتہن کے پاس رہن رہے گی کذا فی الطحطاوی لکن فی الشرنبلالیۃ عن الظہیریۃ انہ اقرب الی الفقہ لیکن شرنبلالیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ وہ یعنی محمد کا قول فقہ سے قریب تر ہے بقی لو اختلفا فلہما القیمۃ تکون رہنا مکانہ باقی رہی یہ صورت کہ اگر راہن اور مرتہن نے قصاص اور قیمت لینے میں اختلاف کیا تو دونوں کے واسطے قیمت دلائی جائے گی اور وہ قیمت بجائے عبد مرہون مقتول کے رہن رہے گی ولو قتل عبد الاجارۃ فالقود للموجر اور اگر اجارہ کا غلام مقتول ہوا تو قصاص لینے کا حق مالک کا ہے نہ مستاجر کا واما المبیع اذا قتل فی ید بائعہ قبل القبض فان اجاز المشتری البیع فالقود لہ وان ردہ فللبائع القود وقیل القیمۃ جوہرۃ اور غلام فروختہ جبکہ بائع کے پاس قتل کیا جائے قبض مشتری بیع کو جائز کر دے تو قصاص لینا مشتری کا حق ہے اور اگر بیع کو مشتری رد کر دے تو قصاص لینا بائع کا حق ہے اور قول ضعیف ابو یوسفؒ کا یہ ہے کہ بائع قصاص نہ لے اُس کی قیمت لے کذا فی الجوہرۃ والمکاتب وکذا ابنہ وعبدہ شرنبلالیۃ قتل عمداً لا حاجۃ لقید العمد لانہ شرط فی کل قود عن وفاء ووارث وسید وان اجتمعا لاختلاف الصحابۃ فی موتہ حرا او رقیقا فاشتبہ الولی فارتفع القود اور قصاص واجب نہیں بدلے اُس مکاتب کے جو عمداً مقتول ہوا وفاء بدل کتابت کے اور وارث اور مولی کو چھوڑ کر اگرچہ وارث اور مولی ساتھ ہی موجود ہوں بسبب مختلف ہونے صحابہ کرام کے اُس کی موت میں آزاد ہو کر یا غلام ہو کر تو اُس کے ولی میں اس کے اختلاف کے سبب سے شبہہ پڑا تو قصاص مرتفع ہو گیا ولی کے عدم تعین سے اور اسی طرح قصاص نہیں مکاتب مذکور کے فرزند اور غلام کے مقتول ہونے سے کذا فی الشرنبلالیۃ شارح نے کہا قتل عمد کی قید لگانے کی کچھ حاجت نہیں اس واسطے کہ عمد تو ہر قصاص میں شرط ہے م علی مرتضیٰؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے نزدیک مکاتب مذکور آزاد مرا اور زید بن ثابت کے نزدیک غلام مرا اگر آزاد مرا تو ولی قصاص کا مالک ہے اور اگر غلام مرا تو مولی ولی ہے پھر جب اس اختلاف سے اشتباہ واقع ہوا ولی میں تو قصاص مرتفع ہو گیا فان لم یدع وارثا غیر سیدہ سواء ترک وفاء اولا او ترک وارثا ولا وفاء اقاد سیدہ لتعینہ پھر اگر مکاتب مقتول نے کوئی اپنا وارث نہ چھوڑا سوائے اپنے مولی کے خواہ وفاء بدل کتابت کو اُس نے چھوڑا یا نہ چھوڑا یا وارث کو چھوڑا مگر وفاء بدل کتابت موجود نہیں تو اُس کا مولی قصاص لے گا بسبب متعین ہونے مولی کے ولی ہونے میں وفی اولی الصور الاربع خلاف محمد اور مکاتب کی چار صورتوں میں سے پہلی صورت میں خلاف ہے محمدؒ کا م پہلی صورت یہ ہے کہ مکاتب بدل کتابت اور وارث اور مولی کو چھوڑ جائے دوسری صورت یہ ہے کہ مکاتب کا کوئی وارث مولی کے سوا نہیں ہے اور بدل کتابت موجود ہے تیسری صورت یہ ہے کہ سوائے مولی کے کوئی وارث نہیں اور بدل کتابت موجود نہیں چوتھی صورت یہ ہے کہ مکاتب کا وارث تو ہے مگر بدل کتابت موجود نہیں حلبی محشی نے کہا شارح کو یوں

کتا صواب تھا (وفی ثانیۃ الصور الاربع خلاف محمدؒ) یعنی صور اربع میں سے دوسری صورت میں خلاف ہے محمدؒ کا چنانچہ ہدایہ میں ہے انتہی یعنی جب مولی کے سوا کوئی وارث نہ ہو اور بدل کتابت موجود ہو تو محمدؒ کے نزدیک اس میں قصاص نہیں ہے ولیسقط قود ورثۃ علی ابیہ ای اصلہ لان الفرع لایستوجب العقوبۃ علی اصلہ اور ساقط ہو جاتا ہے وہ قصاص جس کا بیٹا وارث ہو اپنے باپ پر باپ سے مراد اصل ہے وارث کی یعنی اگر اصول سے قتل عمد واقع ہو اور مقتول کا وارث فرع اصول ہو وہ قصاص ساقط ہے اس واسطے کہ فرع اپنی اصل پر مستوجب عقوبت کی نہیں ہوتی م اس واسطے کہ حدیث میں وارد ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے تو ظاہر حدیث اس پر دلالت کرتا ہے کہ بیٹا مملوک ہے باپ کا تو جیسے حقیقت ملک قصاص کی مانع ہے چنانچہ مولی جب کہ اپنے غلام کو قتل کرے اسی طرح شبہ ملک کا باعتبار ظاہر کے مانع ہے قصاص کا کذا فی العینی وصورۃ المسئلۃ فیما اذا قتل الاب ام امرأتہ مثلا ولا وارث لہ غیرہا ثم ماتت المرأۃ فان ابنہا منہ یرث القود والواجب علی ابیہ فسقط لما ذکرنا واما تصویر صدر الشریعۃ فثبوتہ فیہ للابن ابتداء لا ارثا عند ابی حنیفۃ وان اتحد الحکم کما لایخفی اور مسئلہ مذکورہ کی صورت یہ ہے کہ جب باپ اپنی جورو کے باپ یعنی خسر کو قتل کیا اور مقتول کا کوئی وارث نہیں سوائے اس کی بیٹی کے جو زوجہ ہے قاتل کی پھر وہ عورت وارث مرگئی تو عورت مذکورہ کا بیٹا جو قاتل کے نطفہ سے ہے وارث ہوگا اُس قصاص کا جو واجب ہے اُس کے باپ پر تو قصاص ساقط ہو جاوے گا اُس دلیل سے جس کو ہم نے بیان کیا اور وہ جو صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں مسئلہ مذکورہ کی صورت بیان کی ہے تو اُس میں قصاص کا ثبوت قاتل کے فرزند کے واسطے ابتدا سے ہوتا ہے نہ باعتبار میراث کے امام اعظمؒ کے نزدیک اگرچہ دونوں صورتوں میں سقوط قصاص کا حکم یکساں ہے چنانچہ یہ امر ظاہر ہے پوشیدہ نہیں م صدر الشریعۃ نے زوجہ قاتل کو مقتول قرار دیا ہے اور باقی مسئلہ بحال سابق ہے وفی الجوہرۃ لو عفا المجروح او وارثہ قبل موتہ صح استحسانا لانعقاد السبب لہما اور جوہرہ میں ہے کہ اگر شخص زخمی یا اُس کا وارث معاف کر دے مورث زخمی کی موت سے پہلے تو صحیح ہے باعتبار استحسان کے بسبب منعقد ہونے سبب قصاص کے زخمی اور اُس کے وارث دونوں کے واسطے م قیاس یہ تھا کہ عفو مجروح صحیح نہ ہوتا اس واسطے کہ قصاص یعنی بدلہ لینا ابتدا سے وارثوں کے واسطے ثابت ہے اس واسطے کہ اگر ابتدا سے ثابت نہ ہوتا تو موت کے بعد بھی ثابت نہ ہوتا تو مجروح نے غیر کا حق معاف کر دیا لیکن استحسان میں عفو مجروح صحیح ہے اس لیے کہ حق تو مجروح کا ہے اور وارث قائم مقام اُس کا ہوتا ہے استیفاء قصاص میں کذا فی الطحطاوی عن المنح مختصرا الا قود بقتل مسلم مسلما ظنہ مشرکا بین الصفین لما مر انہ من الخطاء وانما اعادہ لیبین موجبہ بقولہ بل القاتل علیہ کفارۃ ودیۃ قصاص نہیں مسلمان کے قتل کرنے سے دوسرے مسلمان کو مشرک جان کر مسلمین اور کافرین کی دو صفوں کے اندر اس واسطے قصاص نہیں کہ ابتدائی فصل میں مذکور ہو چکا کہ یہ صورت قتل خطا کی ہے اور مصنف نے اس کو دوسری بار اس واسطے ذکر کیا تاکہ اُس کا موجب بیان کرے اس قول سے بلکہ قاتل مذکور پر کفارہ اور دیت ہے یعنی قاتل کے مددگاروں پر دیت ہے قالوا ہذا اذا اختلطوا فان کان فی صف المشرکین لایجب شئی لسقوط عصمتہ قال علیہ الصلوۃ والسلام من کثر سواد قوم فہو منہم قلت فاذا کان مکثر سوادہم منہم وان لم یتزی بزیہم فکیف بمن تزی قالہ الزاہدی قال المصنف حتی لو تشکل جنی بما یباح قتلہ کحیۃ فینبغی الاقدام علی قتلہ ثم اذا تبین انہ جنی فلا شئی علی القاتل واللہ اعلم علماء نے کہا کہ یہ یعنی مسئلہ مذکورہ میں کفارہ اور دیت واجب ہوتا اس وقت ہے جبکہ مسلمان اور کفار لڑتے لڑتے رلمل گئے ہوں تو اگر مسلمان مشرکوں کی صف میں ہو تو اس کے مقتول ہو جانے سے قاتل پر کچھ واجب نہیں یعنی نہ کفارہ نہ دیت نہ توبہ اُس کی عصمت کے سقوط کے سبب سے یعنی اُس کا خون معصوم نہ رہا مباح ہو گیا رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جو کسی قوم کی جماعت بڑھاوے وہ شخص اُس قوم میں داخل ہے میں کہتا ہوں جب کہ جماعت کفار کا بڑھانے والا کافروں میں داخل ہوا اگرچہ اُن کا ہم شکل اور ہم لباس نہ ہو تو کون حال ہوگا

اُس مسلمان کا جو کافروں کا سا لباس اختیار کرے اُن کی وردی پہنے یہ کہا ہے زاہدی نے مصنف نے شرح میں کہا تو اگر ایک جن اُس جانور کی شکل بن جائے جس جانور کو قتل کرنا مباح ہے چنانچہ سانپ تو اُس کے قتل پر پیشقدمی لائق ہے پھر جب کہ ظاہر ہو کہ وہ سانپ حقیقت میں جن تھا تو شرعاً قاتل پر کوئی چیز واجب نہیں واللہ اعلم **ولا یقاد الا بالسیف** وان قتلہ بغیرہ خلافا للشافعی اور قصاص نہ لیا جائے مگر سیف یعنی تلوار سے اگرچہ قاتل نے مقتول کو تلوار کے سوا اور کسی ہتھیار سے قتل کیا ہو برخلاف امام شافعیؒ کے یعنی اُن کے نزدیک اُسی طرح قتل کرنا قاتل کا ضروری ہے جس طرح اُس نے مقتول کو مارا ہم یہ حدیث صدیق اکبرؓ سے سنن ابن ماجہ میں اس لفظ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قود الا بالسیف یعنی قصاص نہیں مگر تلوار سے اور دارقطنی میں علی مرتضیٰؓ سے حدیث مرفوع ہے لہ لا قود فی النفس وغیرہا الا بحدیدۃ یعنی قتل نفس وغیرہا میں قصاص نہیں مگر لوہے سے کذا فی العینی علی الہدایۃ وفی الدرر عن الکافی المراد بالسیف السلاح قلت وبہ صرح فی جمع المضمرات حیث قال والتخصیص باسم القود لا یمنع الحاق غیرہ بہ الا تری انا الحقنا الرمح والخنجر بالسیف فی قولہ علیہ الصلوۃ والسلام لا قود الا بالسیف فما فی السراجیۃ من لہ قود فقادہ بالسیف فلو القاہ فی بئر او قتلہ بحجر او بنوع آخر عزر وکان مستوفیا یحمل علی ان مرادہ بالسیف السلاح واللہ اعلم اور درر میں کافی سے ہے کہ تلوار سے لوہے کا ہتھیار مراد ہے میں کہتا ہوں اسی کی تصریح کی ہے مضمرات کی کتاب الجمع میں رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث میں کہ لا قود الا بالسیف سو جو سراجیہ میں ہے کہ جو قصاص لینے کا مالک ہے وہ تلوار سے قصاص لے تو اگر وہ قاتل کو کنوئیں میں ڈالے گا یا اُس کو پتھر سے قتل کریگا یا اور کسی طرح سے ہلاک کرے گا تو وہ شخص تعزیر دیا جاوے گا اور وہ شخص اس قتل نامشروع سے قصاص کا پانے والا ہو گیا انتہی کلام السراجیہ تو یہ محمول ہے اس پر کہ صاحب سراجیہ کی مراد تلوار سے ہتھیار ہے واللہ اعلم **ولاب المعتوہ القود** تشفیا للصدر **واذا ملکہ ملک الصلح بالاولی لا العفو مجانا بقطع یدہ** ای ید المعتوہ **وقتل قریبہ** لانہ ابطال حقہ ولا یملکہ اور فرزند ناقص العقل مدہوش کے قطع ید اور اُس کے قرابت دار کے قتل کے بدلے اُس کے باپ کو قصاص لینا قاطع اور قاتل سے جائز ہے تشفی صدر اور تسکین دل کے واسطے اور جب کہ اُس کا باپ قصاص کا مالک ہوا تو صلح کا بھی بطریق اولی مالک ہوگا نہ معاف کر دینے کا یعنی اُس کو قطع اور قتل میں مفت معاف کر دینے کا اختیار نہیں اس واسطے کہ مفت معاف کر دینا فرزند مدہوش کے حق کو باطل کر دینا ہے اور باپ ابطال حق فرزند کا مالک نہیں م معتوہ وہ ہے جو بیوقوف ناقص العقل مدہوش ہو بدون دیوانگی کے جس کو اہل ہند بھولا اور بھوندو بولتے ہیں اُس کے قرابت دار سے مراد اُس کا اخیافی بھائی اور اُس کی ماں اور بیٹا ہے باپ کو قصاص کا اس واسطے اختیار ہوا کہ صاحب حق تو مدہوش ہے لہذا اُس کا باپ اُس کے قائم مقام ہوا اس لیے کہ مزید شفقت کے سبب سے اُس کی تشفی خاطر فرزند کی تشفی قرار دی گئی کذا فی الطحطاوی **وتقید صلحہ بقدر الدیۃ او اکثر منہ وان وقع باقل منہ لم یصح الصلح وتجب الدیۃ کاملۃ** لانہ انظر للمعتوہ اور مشروط ہے باپ کی صلح دیت کی مقدار پر یا اُس سے زیادہ پر اور اگر دیت سے صلح کم پر واقع ہوگی تو صحیح نہ ہوگی اور پوری دیت واجب ہوگی اس لیے کہ یہی بہتر اور نافع تر ہے مدہوش کے حق میں **والقاضی کالاب** فی جمیع ما ذکرنا فی الاصح لمن قتل ولا ولی لہ للحاکم قتلہ والصلح لا العفو لانہ ضرر للعامۃ اور قاضی باپ کے مانند ہے جمیع احکام مذکورہ کے اندر قول صحیح تر میں مانند اُس شخص کے کہ مارا گیا اور اُس کا کوئی وارث نہیں تو حاکم کو اُس کے قاتل کے قتل کرنے کا اور مال پر صلح کرنے کا اختیار ہے نہ مفت معاف کر دینے کا اس واسطے کہ مفت معاف کر دینے میں لاوارث عوام خلق کا بڑا ضرر ہے **والوصی کالاب یصالح عن القتل فقط بقدر الدیۃ** ولہ القود فی الاطراف استحسانا لانہ لا یملک

لہ چنانچہ صاحب مضمرات نے کہا ہے اور خاص کرنا قود کے نام کا دوسری چیز کو اُس کے ساتھ ملانے کا مانع نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہم نے نیزہ اور خنجر کو تلوار میں ملا دیا ہے حدیث آئندہ میں سو اتنا ترجمہ اس جگہ مترجم اول سے چھوٹ گیا تھا اس لیے اُس کو حاشیہ پر لکھ دیا گیا ۱۲-

بہا مسلک الاموال اور وصی مدہوش کے حق میں اُس کے بھائی کے برابر ہے کہ فقط صلح کرسکتا ہے اُس کے قرابت دار کے قتل سے بقدر دیت کے اور وصی کو مدہوش کے اطراف میں قصاص لینا بدلیل استحسان کے جائز ہے اس واسطے کہ اطراف انسانی میں اموال کا طریقہ مسلوک ہے والصبی کالمعتوہ فیما ذکر اور طفل صغیر معتوہ کے مانند ہے جمیع احکام مذکورہ میں م یعنی اگر صغیر کا قطع ید ہو یا اُس کے قرابت دار کو قتل کرے تو صغیر کے باپ کو اور قاضی کو قصاص لینے اور صلح کرنے میں اختیار ہے معاف کر دینے میں اختیار نہیں اور وصی اور صغیر کا بھائی قصاص نہیں کرسکتا نہ عفو کا اُن کو اختیار ہے مگر فقط صلح میں اُن کو اختیار ہے وللکبار القود قبل کبر الصغار خلافا لہما والاصل ان کل ما لا یتجزی اذا وجد سببہ کاملا ثبت لکل علی الکمال کولایۃ انکاح والامان اور مقتول کے عاقل بالغ وارثوں کو قصاص لینے کا اختیار ہے صغیر وارثوں کے جوان ہونے سے پہلے برخلاف صاحبینؒ کے یعنی اُن کے نزدیک قصاص نہ ہوگا جب تک صغیر وارث جوان ہوں اور عدم انتظار کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز قسمت پذیر نہیں جب کہ اُس کا کامل سبب پایا جائے تو وہ چیز ہر ایک کے واسطے علی وجہ الکمال ثابت ہوتی ہے جیسے نکاح کر دینا اور کافر کے پناہ دینے کی ولایت م شے عدم قسمت پذیر چنانچہ قصاص اور نکاح اور امان کا جب کہ کامل سبب پایا جائے جیسے قرابت سبب کامل ہے قصاص اور نکاح کا اور اسلام سبب کامل ہے کافر کی امان دینے میں تو ہر وارث کو استیفائے قصاص میں اختیار ہوگا ولہذا ابن ملجم بعوض علی مرتضیٰؓ کے مارا گیا اور حضرتؓ کی اولاد صغار تھی اُن کے بالغ ہونے کا انتظار نہ ہوا تھا اور یہ امر بحضور صحابہ کرامؓ کے ہوا تو بمنزلہ اجماع کے ہو گیا اور سبب کامل کی قید سے مسلم اسیر دار الحرب نکل گیا اس واسطے کہ اُس کا امان دینا صحیح نہیں کذا فی الطحطاوی الا اذا کان الکبیر اجنبیًا عن الصغیر فلا یملک القود حتی یبلغ الصغیر اجماعا زیلعی فلیحفظ مگر جب کہ مقتول کا ولی کبیر بیگانہ ہو ولی صغیر اس کا تو کبیر قصاص کا مالک نہیں تا بلوغ صغیر باتفاق امامؒ اور صاحبینؒ کے کذا فی الزیلعی تو اس صورت خاص کو یاد رکھنا چاہیے م ابو السعود نے ولی کبیر کی مثال جو اجنبی ہو ولی صغیر سے قاضی اور وصی کی دی ہے طحطاوی نے کہا لیکن اس میں خلل یہ ہے کہ وہ کبیر مراد ہے یہاں جو وارث ہو مقتول کا تو تمثیل اس کی یوں بہتر ہے کہ مقتول کی اولاد صغار ہو زوجہ اولی سے زوجہ ثانیہ کے ساتھ ولو قتل القاتل اجنبی وجب القصاص علیہ فی القتل العمد لانہ محقون الدم بالنظر لقاتلہ کما مر اور اگر قاتل کو اُس شخص نے قتل کیا جو اجنبی ہے مقتول سے یعنی اُس کا وارث نہیں ہے تو قاتل کے قاتل پر قتل عمد میں قصاص واجب ہے اس واسطے کہ قاتل اول معصوم الدم ہے بنظر اپنے قاتل کے چنانچہ اس فصل کے اول میں گذر گیا یعنی ہر چند قاتل اول کا خون مباح ہے مقتول کے وارث کو لیکن باعتبار اجنبی شخص کے اُس کا خون مباح نہیں لہذا اجنبی قاتل اُس کے بدلے مارا جاوے گا والدیۃ علی عاقلتہ اے القاتل فی الخطاء اور دیت قاتل اول کی قاتل ثانی کے مددگاروں پر واجب ہے قتل خطا میں ولو قال ولی القتیل بعد القتل ای بعد قتل الاجنبی کنت امرتہ بقتلہ ولا بینۃ لہ علی مقالتہ لا یصدق ویقتل الاجنبی درر اور اگر مقتول کے وارث نے قتل اجنبی کے بعد کہا میں نے اس اجنبی کو قاتل کے قتل کرنے کا امر کیا تھا اور اُس کے اس قول پر گواہ نہیں تو وارث کے کلام کی تصدیق نہ ہوگی اور قاتل اجنبی قتل کیا جاوے گا م بزازیہ میں ہے کہ وارث مقتول کو قاتل کا قتل کرنا بذات خود یا غیر سے امر کر کے قتل کروانا جائز ہے استیفاء قصاص بہر صورت ہوگا اور قاتل مامور پر ضمان لازم نہ ہوگا اُس صورت میں جب کہ امر وارث کا ظاہر ہو سو اگر اجنبی نے قاتل کو قتل کیا اور وارث سے امر کرنے کا دعوی کیا اور وارث نے اُس کی تصدیق کی تو امر ثابت نہ ہوگا اور بدون شہادت کے قاتل سے قصاص لیا جاوے گا بخلاف من حفر بئرا فی دار رجل فمات فیہا شخص فقال رب الدار کنت امرتہ بالحفر صدق مجتبی یعنی لانہ یملک استینافہ للحال فیصدق بخلاف الاول لفوات المحل بالقتل کما ہو القاعدۃ برخلاف اُس شخص کے جس نے کنواں کھودا دوسرے مرد کے گھر میں سو آدمی اُس میں گر کے مر گیا اور صاحب خانہ نے کہا کہ میں نے کھودنے والے کو کھودنے کا امر کیا تھا تو صاحب خانہ کی تصدیق ہوگی بدون شہادت کے اس واسطے کہ

صاحب خانہ استیناف اور ابتدائے حفر کا فی الحال مالک ہے یعنی بالفعل اپنے گھر میں کنواں کھد واسکتا ہے وجود محل کے سبب سے لہٰذا اُس کے کلام کی تصدیق ہو گی برخلاف اول صورت کے یعنی ولی مقتول کے اس کلام میں کہ میں نے قتل کا حکم دیا تھا اس واسطے کہ وہاں ابتدائے امر بالقتل الحال متصور نہیں بسبب فوت ہو جانے محل کے قتل کے سبب سے چنانچہ یہی قاعدہ ہے تصدیق اور عدم تصدیق کلام قاعدہ مذکورہ یہ ہے کہ جو شخص ایک چیز کی حکایت کرے مثلاً یوں اظہار کرے کہ میں نے زوجہ مطلقہ سے رجعت کر لی ہے تو اگر وہ شخص بالفعل استیناف اور ابتدائے رجعت کا مالک ہے اس طرح کہ ہنوز عدت طلاق کی باقی ہے تو اُس کی تصدیق بلا شہادت ہو گی اور اگر ابتداء رجعت کا فی الحال مالک نہیں اس وجہ سے کہ رجعت دعوی کیا بعد عدت کے تو اب اُس کی تصدیق بدون شہادت کے نہ ہو گی کذا فی الطحطاوی وظاہرہ ان حق الولی یسقط رأسا کما لو مات القاتل حتف انفہ فظاہر متن یا ظاہر تعلیل فوت محل اس پر دلالت کرتا ہے کہ ولی مقتول کا حق بالکل ساقط ہو گیا جیسے اس صورت میں ساقط ہو جاتا ہے جب ک قاتل اپنے فرش پر اپنی موت مر جائے بدون قتل کرنے کے ولو استوفاہ بعض الاولیاء لم یضمن شیئا، اور اگر ورثہ مقتول میں سے کسی وارث نے قصاص لیا تو اُس پر کچھ ضمان لازم نہ ہو گا یعنی نہ قاتل کے واسطے اور نہ باقی وارثوں کے واسطے اگرچہ باقی وارث صغیر ہوں کذا فی الزیلعی و فی الدرر والمجتبی دم بین اثنین فعفا احدہما وقتلہ الآخر ان علم ان عفو بعضہم یسقط حقہ یقاد والا فلا والدیۃ فی مالہ بخلاف ممسک رجل لیقتل عمدا فقتل ولی القتیل الممسک فعلیہ القود لانہ مما لا یشکل علی الناس اور دُرر اور مجتبی میں ہے کہ خون کے دو وارث ہیں سو ایک وارث نے قصاص عفو کر دیا اور دوسرے وارث نے قاتل کو قتل کیا تو اگر وارث قاتل یہ جانتا ہے کہ بعض ورثہ کا معاف کرنا حق قصاص یا حق وارث ثانی کو ساقط کر دیتا ہے تو وارث قاتل سے قصاص لیا جاوے گا اور اگر اُس کو یہ معلوم نہیں تو اُس پر قصاص نہیں اور اُس کے مال میں دیت واجب ہو گی برخلاف اُس صورت کے کہ ایک شخص نے دوسرے مرد کو پکڑا کہ وہ عمداً قتل کیا جائے سو مقتول کے وارث نے پکڑنے والے کو قتل کیا تو وارث قاتل پر قصاص واجب ہو گا اس واسط کہ یہ صورت اُس قسم کی نہیں ہے جس کا بوجھنا لوگوں پر مشکل ہو م برخلاف پہلی صورت کے یعنی عفو بعض ورثہ سے باقی وارثوں کا حق ساقط ہونا مشکل غیر صریح ہے لہٰذا اُس میں در صورت علم سقوط قصاص ہے اور نہیں تو دیت ہے اور امساک کی صورت میں فقط قصاص ہے نہ دیت جرح انسانا د مات المجروح فاقام اولیاء المقتول بینۃ انہ مات بسبب الجرح واقام الضارب بینۃ انہ برئ من الجراحۃ ومات بعد مدۃ فبینۃ ولی المقتول اولی کذا فی معین الحکام معزیا للحاوی ایک شخص نے آدمی کو زخمی کیا اور زخمی مر گیا تو مقتول کے وارثوں نے گواہ گذرانے کہ وہ زخم کے سبب سے مر گیا اور ضارب نے گواہوں سے ثابت کیا کہ وہ چنگا ہو گیا تھا زخم سے اور مدت کے بعد مرا تو وارث مقتول کے گواہ اولی بالقبول ہیں کذا فی معین الحکام عن الحاوی اقام اولیاء المقتول البینۃ علی انہ جرحہ زید وقتلہ واقام زید البینۃ علی ان المقتول قال ان زیدا لم یجرحنی ولم یقتلنی فبینۃ زید اولی کذا فی المشتمل معزیا لمجمع الفتاوی ورثہ مقتول نے اس پر گواہ قائم کیے کہ مقتول مذکور زید نے زخمی کیا اور قتل کیا اور زید نے گواہ قائم کیے اس پر کہ مقتول نے خود کہا زید نے مجھ کو زخمی نہیں کیا اور نہ مجھ کو مارا تو زید کے گواہ اولی بالقبول ہیں کذا فی المشتمل عن مجمع الفتاوی م اس واسطے کہ زید کے گواہ صاحب حق کے قول پر قائم ہیں نہ نفی پر قال المجروح لم یجرحنی فلان ثم مات المجروح لیس لورثتہ الدعوی علی الجارح بہذا السبب مطلقا وقیل ان الجرح معروفا عند القاضی او الناس قبلت قنیۃ مجروح نے کہا کہ مجھ کو فلانے شخص نے زخمی نہیں کیا پھر زخمی مر گیا تو اُس کے وارثوں کو زخم لگانے والے پر اس سبب سے دعوی نہیں پہنچتا مطلقاً خواہ اُس سے زخم معلوم ہو یا نہ ہو اور قول ضعیف یہ ہے کہ اگر زخم قاضی یا لوگوں کے نزدیک معلوم ہو تو دعوی وارثوں کا مقبول ہے کذا فی القنیۃ وفی الدرر عن المسعودیۃ لو عفا المجروح او الاولیاء بعد الجرح قبل الموت جاز العفو استحسانا اور درر میں مسعودیہ سے یہ منقول ہے کہ اگر مجروح یا اُس کے وارثوں نے زخم لگنے کے بعد موت سے پہلے معاف کر دیا تو بدلیل استحسان کے معاف کرنا جائز ہے

م یہ مسئلہ اس فصل میں مکرر ہو گیا وفی الوہبانیۃ جریح قال قتلنی فلان ومات فبرہن وارثہ علی آخر انہ قتلہ لم تسمع لانہ حق المورث وقد اکذبہم اور وہبانیہ میں ہے کہ زخمی نے کہا کہ مجھ کو فلانے شخص نے قتل کیا اور وہ مر گیا سو اس کو وارث نے دوسرے شخص پر گواہ قائم کیے کہ دوسرے نے مارا ہے تو گواہ مسموع نہ ہوں گے اس واسطے کہ حق ہے مورث کا اور مورث تو گواہوں کو یا وارثوں کو یا دونوں کو جھوٹا کر گیا ولو قال جرحنی فلان ومات فبرہن ابنہ علی ابن آخر انہ جرحہ خطاء قبلت لقیامہا علی حرمانہ الارث اور اگر مجروح نے کہا کہ مجھ کو فلانے شخص نے زخمی کیا اور وہ مر گیا سو اس کے بیٹے نے دوسرے بیٹے پر گواہ قائم کیے کہ اس نے از راہ خطا اس کو زخمی کیا تھا تو یہ گواہی مقبول ہو گی بسبب قائم ہونے اس گواہی کے اس کی میراث کے محروم ہونے پر سقاہ سما حتی مات ان دفعہ الیہ حتی اکلہ ولم یعلم بہ فمات لا قصاص ولا دیۃ لکنہ یحبس ویعزر اور ایک نے دوسرے کو زہر پلایا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اگر اس نے اس کی طرف کر دیا یہاں تک کہ اس نے خود کھا لیا اور وہ زہر کو نہ جانتا تھا سو مر گیا تو زہر دینے والے پر نہ قصاص ہے نہ دیت لیکن وہ محبوس ہو گا اور اس کو تعزیر دی جاوے گی ولو اوجرہ السم ایجارا تجب الدیۃ علی عاقلتہ اور اگر زہر کے حلق میں زبردستی ڈال دیا اور وہ مر گیا تو دیت واجب ہو گی قاتل کے برادر مددگاروں پر وان دفع لہ فی شربۃ فشرب ومات منہ فکالاول لانہ شربہ باختیارہ الا ان الدفع خدعۃ فلا یلزم الا التعزیر والاستغفار خانیۃ اور اس کو زہر شربت کے اندر ملا کر دیا سو اس نے پیا اور مر گیا اس کے پینے سے سو اس کا حکم اول صورت کے مانند ہے یعنی نہ قصاص ہے نہ دیت اس واسطے کہ اول اور ثالث دونوں صورتوں میں مقتول نے زہر کو اپنے اختیار سے پیا نہ جبر سے مگر یہ کہ اس طرح دینا دغا اور فریب ہے تو کچھ لازم نہیں مگر تعزیر اور استغفار کذا فی الخانیۃ وان قتلہ بمر بفتح المیم ما یعمل بہ فی الطین یقتص ان اصابہ حد الحدید او ظہرہ وجرحہ اجماعا کما نقلہ المصنف عن المجتبی اور اگر مقتول کو قتل کیا پھاوڑے اور مٹھیے سے تو قاتل سے قصاص لیا جاوے گا اگر اس کو لوہے کی باڑھ لگی یا اس کی پیٹھ لگی اور اس نے زخمی کر دیا تو باتفاق روایات کے قصاص لیا جاوے گا جیسا کہ مصنف نے مجتبی سے نقل کیا ہے شارح نے کہا کہ مر بفتح میم وہ ہتھیار ہے جس سے مٹی کا کام کیا جاتا ہے یعنی پھاوڑہ وغیرہ م اور اگر پھاوڑے کے دستہ چوبی سے قتل کرے تو قاتل پر دیت ہے نہ قصاص لیکن اگر عظیم ہو کر بدن پر نہ ٹھہرے تو تلوار کے مانند ہے صاحبینؒ کے نزدیک اور کوٹے کے مانند ہے امامؒ کے نزدیک کذا فی الطحطاوی عن الاتقانی والا یصبہ حدہ بل قتلہ بظہرہ ولم یجرحہ لا یقتص فی روایۃ الطحاوی وظاہر الروایۃ انہ یقتص بلا جرح فی حدید ونحاس وذہب ونحوہا وعزاہ فی الدرر لقاضی خان لکن نقل المصنف عن الخلاصۃ ان الاصح اعتبار الجرح عند الامام لوجوب القود وعلیہ جری ابن الکمال اور اگر پھاوڑہ باڑھ کی طرف سے اس کے نہیں لگا بلکہ اس کو اس کی پیٹھ کی طرف سے قتل کیا اور اس کے زخم نہیں لگا تو قصاص نہیں لیا جاوے گا طحاوی کی روایت میں امامؒ سے اور ظاہر الروایۃ امامؒ سے یہ ہے کہ قصاص لیا جاتا ہے بدون زخم کے لوہے اور تانبے اور سونے اور مانند ان کے جو لوہے کا ہم جنس ہے اور اس قول کو درر میں قاضی خاں کی طرف نسبت کیا ہے لیکن مصنف نے شرح میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ جراحت کا اعتبار کرنا صحیح تر قول ہے امامؒ کے نزدیک وجوب قصاص کے واسطے اور اسی قول پر ابن کمال بھی چلا ہے وفی المجتبی ضرب بسیف فی غمدہ فخرق السیف الغمد وقتلہ فلا قود فیہ عند ابی حنیفۃ اور مجتبی میں ہے اس تلوار سے مارا جو اپنے میان کے اندر ہے سو تلوار نے میان کو پھاڑا اور اس کو قتل کیا تو اس میں قصاص نہیں قاتل پر امام کے نزدیک م لیکن قاتل پر دیت ہے حموی نے ولوالجی سے نقل کیا کہ قصاص اس واسطے نہیں کہ قاتل نے زخم کرنے والے ہتھیار سے اس کو نہیں مارا کالخنق والتغریق خلافا لہما وللشافعی جیسے گلا داب کر مارنے اور ڈبو دینے میں قصاص نہیں برخلاف صاحبینؒ اور شافعیؒ کے م قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص انسان کو پانی میں ڈبو دے تو اگر پانی کم ہے جس سے غالباً نہیں مرتا اور نجات ممکن ہے تیر کر نکل جانے سے غالباً اور وہ مر گیا تو یہ خطا عمد ہے سب کے نزدیک اور اگر پانی زیادہ ہو اس طرح کہ نجات ممکن ہو تیرنے سے

اس وجہ سے کہ اُس کے ہاتھ پاؤں بستہ نہیں ہیں اور وہ خوب تیراک ہے تو یہ بھی خطاء عمد ہے اور اگر اس طرح پانی بکثرت ہو کہ نجات ممکن نہ ہو تو امامؒ کے قول پر یہ قتل خطاء عمد ہے اور قصاص نہیں اور صاحبینؒ کے قول پر یہ عمد محض ہے اور قصاص واجب ہے کذا فی العالمگیریۃ عن المحیط ولو ادخلہ بیتا فمات فیہ جوعا لم یضمن شیئا وقالا تجب الدیۃ اور اگر ایک شخص کو بند کر دیا کوٹھری میں سو وہ اُس میں گرسنگی سے مر گیا تو قاتل پر کچھ تاوان لازم نہیں اور صاحبینؒ نے کہا کہ دیت واجب ہے قاضی خاں میں محمدؒ سے منقول ہے کہ اُس پر عقاب بھی کرنا چاہیے ولو دفنہ حیا فمات عن محمد یقاد بہ مجتبی بخلاف قتلہ بموالاۃ ضرب السوط کما سیجیٔ اور اگر ایک شخص کو زندہ دفن کر دیا سو وہ مر گیا محمدؒ سے روایت ہے کہ اُس سے قصاص لینا چاہیے برخلاف قتل کرنے مقتول کے علی الاتصال کوڑا مارنے سے چنانچہ یہ مسئلہ عنقریب آوے گا ظہیریہ میں ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ قاتل کے برادرون پر دیت ہے کذا فی العالمگیریۃ وفیہ لو اعتاد الخنق قتل سیاسۃ ولا تقبل توبتہ بعد مسکہ کالساحر اور مجتبی میں ہے کہ اگر گلا داب کر مارنے کی کسی کو عادت ہو تو اُس کو قتل کرنا چاہیے سیاست کی راہ سے نہ قصاص کی راہ سے اور اُس کی توبہ مقبول نہیں اگر گرفتاری کے بعد وہ توبہ کرے جیسے جادوگر کی توبہ گرفتار ہونے کے بعد مقبول نہیں م معلوم ہوا کہ ٹھگوں کا قتل کرنا حاکم کو از راہ سیاست کے درست ہے کیونکہ اُن کو پھانسی سے مارنے کی عادت ہے یہی اُن کا پیشہ ہے وفیہ قمط رجلا وطرحہ قدام اسد او سبع فقتلہ فلا قود فیہ ولا دیۃ ولیعزر و یحبس الی ان یموت زاد فی البزازیۃ وعن الامام علیہ الدیۃ اور مجتبی میں ہے کہ ایک مرد کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اُس کو شیر یا درندے جانور آگے ڈال دیا سو اُس نے اُس کو قتل کیا تو اُس میں قصاص اور دیت نہیں اور باندھنے والے کو تعزیر دی جائے اور وہ یہاں تک محبوس رہے کہ مر جائے یعنی اُس کو دائم الحبس کرنا چاہیے اور بزازیہ میں اتنا زیادہ مذکور ہے اور امامؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ باندھنے والے پر دیت ہے م اسی طرح کا حکم ہے اگر آدمی اور درندے اور سانپ یا بچھو کوٹھری میں داخل کر کے دروازہ بند کر لیا اور آدمی کو اُس نے قتل کیا خواہ سانپ کو آدمی کے ساتھ داخل کیا یا کوٹھری میں سانپ آگے سے موجود تھا اور اگر صغیر کے ساتھ یہ ستم ہو گا تو جابر پر دیت ہے کذا فی العالمگیریۃ ولو قمط صبیا والقاہ فی الشمس او البرد حتی مات فعلی عاقلتہ الدیۃ اور اگر صغیر کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ یا سردی میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو قاتل کے برادروں پر دیت ہے م اور جوان مرد صغیر کے مانند ہے اس حکم میں کذا فی العالمگیریۃ وفی الخانیۃ قمط رجلا والقاہ فی البحر فرسب وغرق کی القاہ فعلی عاقلتہ الدیۃ عند ابی حنیفۃ ولو سبح ساعۃ ثم غرق فلا دیۃ لانہ غرق بعجزہ و فی الاول غرق بطرحہ فی الماء اور خانیہ میں ہے کہ ایک مرد کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اُس کو دریا میں ڈال دیا سو وہ تہ نشین ہو گیا اور ڈوب گیا بمجرد ڈالنے کے تو باندھنے والے اور گرانے والے کے برادرون پر دیت ہے امامؒ کے نزدیک اور اگر وہ شخص ساعت بھر تیرا پھر ڈوب گیا تو دیت نہیں اس واسطے کہ وہ ڈوبا اپنی عاجزی سے اور اول صورت میں اُس کے پانی میں گرا دینے سے ڈوبا قطع عنقہ وبقی من الحلقوم قلیلا و فیہ الروح فقتلہ آخر فلا قود فیہ علیہ لانہ فی حکم المیت ایک نے دوسرے کی گردن کاٹی اور نرخرے میں سے کچھ باقی رہ گیا اور اُس میں روح ہے سو دوسرے آدمی نے اُس کو قتل کیا تو اس صورت میں قاتل ثانی پر قصاص نہیں اس واسطے کہ وہ مقتول در حکم میت کے ہے م تو اگر مقتول مذکور کا بیٹا باپ کی اس حالت نیم جانی میں مر گیا تو مقتول کا پوتا اپنے باپ کا وارث ہو گا مقتول اپنے فرزند کا وارث نہ ہو گا کذا فی الطحطاوی عن الذخیرۃ ولو قتلہ وہو فی حالۃ النزع قتل بہ الا اذا کان یعلم انہ لا یعیش منہ کذا فی الخانیۃ اور اگر ایک شخص نے دوسرے کو قتل کیا حالانکہ مقتول حالت نزع میں تھا تو قاتل اُس کے بدلے قتل ہو گا مگر جب کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ شخص زندہ نہ رہے گا اس حالت نزع سے قصاص نہیں قاتل پر کذا فی الخانیۃ م خلاصہ میں ہے کہ ایک مرد نے دوسرے کو قتل کیا اور وہ نزع میں ہے تو قاتل قتل کیا جاوے گا اگرچہ معلوم ہو کہ وہ زندہ نہ رہے گا کذا فی العالمگیریۃ تو معلوم ہوا کہ یہاں دو قول مختلف ہیں طحطاوی نے کہا کہ میں نے خانیہ کو دیکھا تو خلاصہ کے موافق پایا یعنی درصورت عدم توقع زندگی کے بھی قتل ہو گا لیکن

مترجم نے جو خانیہ میں دیکھا تو شارح کی نقل کے مطابق پایا واللہ اعلم اغلب کہ اختلاف نسخ باعث ہے اس اختلاف کا وفی البزازیۃ شق بطنہ بحدیدۃ وقطع آخر عنقہ ان توہم بقاءہ حیا بعد الشق قتل قاطع العنق والا قتل الشاق وعزر القاطع اور بزازیہ میں ہے کہ ایک نے دوسرے کا پیٹ لوہے سے پھاڑا اور دوسرے نے اس کی گردن کاٹی اگر اس کا زندہ باقی رہنا متوہم ہے پھاڑنے کے بعد تو گردن کاٹنے والا قتل کیا جائے اور اگر اس کی زندگی خیال میں نہ آوے تو پیٹ پھاڑنے والا قتل کیا جائے اور گردن کاٹنے والا تعزیر دیا جائے ھم قاطع گردن کا قصاص ہوگا اگر قطع عمداً ہوا اور اگر خطا سے ہو تو دیت واجب ہوگی اور پیٹ پھاڑنے والے پر ثلث دیت ہے اگر شق دوسری جانب تک نافذ ہوگئی تو دیت کے دو ثلث واجب ہوں گے اور پھاڑنے والے کا قصاص بھی درصورت عمد کے ہے اور خطا میں دیت واجب ہے کما فی العالمگیریۃ ومن جرح رجلاً عمداً فصار ذا فراش ومات یقتص الا اذا وجد ما یقطعہ کجز الرقبۃ والبرء منہ اور جس نے ایک مرد کو عمداً زخمی کیا سو زخمی صاحب فراش ہوگیا یعنی بستر پر سے چنگا ہو کر نہ اٹھا اور مرگیا تو زخم لگانے والے سے قصاص لیا جاوے گا مگر جب کہ وہ چیز پائی جائے جو زخم کو قطع کردے جیسے زخمی کی گردن کا کاٹنا اور زخم کا چنگا ہو جانا یعنی اگر زخمی کی کسی نے گردن کاٹ ڈالی تو اب جارح پر قصاص نہ ہوگا قاطع پر ہوگا یا کہ زخمی افاقہ پا کر چلنے پھرنے لگا اور مرگیا تو جارح پر قصاص نہ ہوگا وقدمنا انہ لو عفا المجروح او الاولیاء قبل موتہ صح استحسانا اور اس سے پہلے ہم نے یہ ذکر کیا کہ اگر مجروح نے یا اس کے وارثوں نے مجروح کے مرنے سے پہلے عفو کر دیا تو یہ عفو باعتبار استحسان کے صحیح ہے وان مات شخص بفعل نفسہ وزید واسد وحیۃ ضمن زید ثلث الدیۃ فی مالہ ان کان القتل عمداً والا فعلی عاقلتہ اور اگر ایک شخص مرگیا اپنی ذات کے فعل سے اور زید کے فعل سے اور شیر اور سانپ کے فعل سے تو زید تاوان دے تہائی دیت کا اپنے مال میں اگر زید کا قتل عمداً ہو اور اگر عمداً نہ ہو تو اس کے برادروں پر دیت ہے ھم صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے سر میں زخم لگایا اور دوسرے مرد نے بھی اس کے سر میں زخم لگایا اور شیر اور سانپ نے بھی اس کو کاٹا تو مرد اجنبی پر تہائی دیت ہے کذا فی العالمگیریۃ عن الکافی لان فعل الاسد والحیۃ جنس واحد لانہ ہدر فی الدارین وفعل زید معتبر فی الدارین وفعل نفسہ ہدر فی الدنیا لا العقبی حتی یاثم بالاجماع فصارت ثلثۃ اجناس زید پر ثلث دیت اس واسطے واجب ہوگی کہ شیر اور سانپ کا فعل ایک جنس ہے اس واسطے کہ وہ باطل ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں دنیا اور آخرت میں اور زید کا فعل دونوں جہان میں معتبر ہے اور اس کی ذات کا فعل باطل ہے دنیا میں نہ آخرت میں یہاں تک کہ وہ گناہ گار ہوگا بالاتفاق تو جنایت تین جنس ہوگئی یعنی پھر جب تین فعل سے دو فعل غیر معتبر ہوئے تو ایک ہی فعل معتبر ٹھہرا لہذا تہائی دیت زید پر واجب ہوئی ومفادہ ان یعتبر فی المقتول التکلیف لیصیر فعلہ جنسا آخر غیر فعل الاسد والحیۃ وان لا یزید علی الثلث لو تعدد قاتلہ لان فعل الکل جنس واحد ابن کمال اور تثلیث اجناس کی تعلیل سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مقتول میں تکلیف شرعی یعنی عقل اور بلوغ معتبر ہو تا کہ مقتول کا فعل دوسری جنس ٹھہرے شیر اور سانپ کے فعل کے سوا اس واسطے کہ اگر مقتول صغیر یا مجنون ہوگا تو اس کا بھی فعل باطل ٹھہرے گا دارین میں شیر اور سانپ کے مانند تو اس صورت میں زید پر نصف دیت لازم ہوگی کذا فی الطحطاوی اور یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اجناس ثلثہ پر زیادتی نہ ہوگی اگر مقتول مذکور کے قاتل چند آدمی ہوں اس لیے کہ سب بنی آدم کا فعل جنس واحد ہے یعنی باطل نہیں دارین میں معتبر ہے کذا ذکرہ ابن کمال ویجب قتل من شہر سیفا علی المسلمین یعنی فی الحال کما نص علیہ ابن الکمال حیث غیر عبارۃ الوقایۃ فقال ویجب دفع من شہر سیفا علی المسلمین ولو بقتلہ ان لم یمکن دفع ضررہ الا بہ صرح بہ فی الکفایۃ ای لانہ من باب دفع الصائل صرح بہ الشمنی وغیرہ ویاتی بالوجہ اور جس نے تلوار میان سے نکالی مسلمانوں پر اس کا قتل واجب ہے یعنی فی الحال بلا توقف اس کا قتل واجب ہے چنانچہ ابن کمال نے اس کی تصریح کی ہے کیونکہ اس نے وقایۃ الروایۃ کی عبارت بدل ڈالی ہے سو یوں کہا ہے کہ واجب ہے دفع کرنا لہ

اُس شخص کا جس نے تلوار نکالی مسلمین پر اگرچہ دفع اُس کا اُس کے مار ڈالنے سے ہوا اگر اُس کا دفع ممکن نہ ہو بدون قتل کے تصریح کی ہے اس قید کی کفایہ شرح ہدایہ میں یعنی اس واسطے کہ دفع شاہر دفع صائل کی قسم سے ہے یعنی حملہ کرنے والے کی دفع کے مانند ہے تصریح کی ہے اس کی شمنی وغیرہ نے اور آگے آوے گا وہ کلام جو اس کی تائید کرے گا ھ ابن کمال کے کلام سے قتل فی الحال بطریق اشارہ کے نکلتا ہے تصریح اس کی نہیں اس واسطے کہ دفع میں توقف نہیں تو شارح کو یوں کہنا بہتر تھا کما اشار[1] الیہ ابن الکمال کذا فی الطحطاوی **ولا شئ بقتلہ بخلاف الجمل الصائل** اور تلوار نکالنے والے کے قتل میں کچھ نہیں اُس کے قاتل پر قصاص نہ دیت نہ تعزیر بر خلاف جمل صائل کے قتل کے یعنی اگر اونٹ آدمی پر حملہ کرے اور وہ اُس کو مار ڈالے تو ہرچند اُس کے قتل میں گناہ نہیں لیکن اُس کی قیمت دینا قاتل پر واجب ہوگا **ولا یقتل من شہر سلاحا علی رجل لیلا او نہارا فی مصر او غیرہ او شہر علیہ عصا لیلا فی مصر او نہارا فی غیرہ فقتلہ المشہور علیہ** اور کچھ نہیں اُس کے مار ڈالنے سے جس نے لوہے کا ہتھیار نکالا اور اٹھایا ایک مرد پر رات میں یا دن میں خواہ شہر کے اندر ہو یا سوائے اُس کے جنگل میں یا اُس پر لاٹھی اٹھائی رات کو شہر میں یا لاٹھی اٹھائی دن کو شہر کے سوا جنگل وغیرہ میں سو اُس کو مار ڈالا اُس نے جس پر ہتھیار یا لاٹھی اٹھائی ھ یہ مسئلہ غیر مسئلہ سابقہ کے ہے اس واسطے کہ وہاں جماعت مسلمین پر تلوار کھینچنے والے اور یہاں ایک مرد پر ہتھیار کھینچنے والے کے قتل میں کچھ نہیں مطلقًا خواہ رات ہو یا دن شہر ہو یا غیر شہر اس واسطے کہ ہتھیار بدن پر نہیں ٹھہرتا اندر گھس جاتا ہے اور لاٹھی اٹھانے والے کے قتل میں رات کو شہر میں یا دن کو جنگل میں کچھ نہیں اس واسطے کہ اگرچہ لاٹھی بدن میں گھس نہیں جاتی لیکن شہر میں رات کو اور جنگل میں دن کو مظلوم کی فریاد رسی اور مدد نہیں ہو سکتی ہاں اگر دن کو شہر میں لاٹھی اٹھانے والے کو قتل کرے گا تو اُس کے بدلے قاتل مارا جاوے گا اس واسطے کہ لاٹھی بدن میں نہیں گھستی اور شہر میں دن کو فریاد رسی اور مددگاری منقطع نہیں کذا فی صدر الشریعۃ والطحطاوی ملتقطا **وان شہر المجنون علی غیرہ سلاحا فقتلہ المشہور علیہ عمدا تجب الدیۃ فی مالہ** اور اگر مجنون نے غیر شخص پر ہاتھ کھینچا سو اس شخص نے مجنون کو عمدًا مار ڈالا تو قاتل کے مال میں دیت واجب ہے یعنی اُس پر قصاص نہیں **ومثلہ الصبی والدابۃ الصائلۃ وقال الشافعی لاضمان فی الکل لانہ لدفع الشر** اور مجنون کے مانند صغیر اور جانور حملہ کرے ہے اور شافعی نے کہا کہ ضمان نہیں سب صورتوں میں یعنی مجنون شاہر[2] اور صغیر شاہر اور حیوان صائل[3] کے قتل میں اس واسطے کہ یہ قتل دفع شر کے واسطے ہے ھ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مجنون اور صغیر اور حیوان کا فعل متصف بحرمت نہیں تو بغاوت نہ ثابت ہوئی تو اُن کے خون کی عصمت ساقط نہ ہوگی اختیار صحیح کے نہ ہونے کے سبب سے ولہذا اگر مجنون یا صغیر کسی کو قتل کرے تو قصاص نہیں یا جانور کسی کا کوئی نقصان کرے تو اُس پر تاوان نہیں پھر جب ان کا خون معصوم ہوا مباح[4] نہ ٹھہرا تو قصاص واجب ہوتا لیکن قصاص واجب نہ ہوا وجود مبیح کے سبب سے یعنی دفع شر نے اُن کا خون مباح کر دیا پھر جب قصاص دفع شر کی علت سے ساقط ہوا تو خون بہا واجب ہوا کذا فی الزیلعی **ولو ضربہ الشاہر فانصرف وکف عنہ علی وجہ لا یرید ضربہ ثانیا فقتلہ الآخر ای المشہور علیہ او غیرہ کذا عممہ ابن الکمال تبعا للکافی والکفایۃ قتل القاتل لانہ بالانصراف عادت عصمتہ قلت فتحرر انہ مادام شاہر السیف لضربہ والا فلا فلیحفظ** اور اگر ایک شخص کو تلوار کھینچنے والے نے مارا پھر ہٹا اور ادھر سے باز رہا اس طرح پر کہ دوسری بار مارنے کا ارادہ نہیں رکھتا سو دوسرے نے اُس کو مار ڈالا یعنی جس پر تلوار کھینچی تھی اُس نے مارا یا اُس کے سوا اور شخص نے قتل کیا اسی طرح کی تعمیم کی ہے ابن کمال نے کافی اور کفایہ کا تابع ہو کر تو اُس کا قاتل قتل کیا جاوے گا اس واسطے کہ تلوار کھینچنے والے کے خون کی عصمت پھر ثابت ہو گئی پلٹ جانے کے سبب سے میں کہتا ہوں تو یہ امر منقح ہو گیا کہ جب تک وہ برہنہ تلوار کھینچے رہے گا تو اُس کو اُس کا مارنا درست ہے اور نہیں تو مارنا درست نہیں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ھ طحطاوی نے کہا کہ شارح کی تحریر اور تنقیح ظاہر نہیں اس واسطے کہ گاہے انسان برہنہ شمشیر پیٹھ پھیرے

---

[1] جیسا اشارہ کیا اُس کی طرف ابن کمال نے ۱۲۔ [2] کھینچنے والا ۱۲۔ [3] حملہ کرنے والا ۱۲۔ [4] مباح کنندہ ۱۲۔

بھاگتا جاتا ہے اور عود کا ارادہ نہیں رکھتا یعنی تو مطلقاً برہنگی شمشیر کی اباحت ضرب کی دلیل نہیں ہو سکتی ومن دخل علیہ غیرہ لیلا فاخرج السرقۃ من بیتہ فاتبعہ رب البیت فقتلہ فلا شئ علیہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام قاتل دون مالک اور جو ایک شخص کے گھر میں غیر شخص رات کو داخل ہو سو چوری کا مال اُس کے گھر سے نکالے اور صاحب خانہ اُس کا پیچھا کرے اور اُس کو مار ڈالے تو اُس پر کچھ نہیں نہ قصاص نہ دیت نہ گناہ بدلیل حدیث رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے کہ مقاتلہ کر اپنے مال کے آس پاس م نسائی میں مخارق سے روایت ہے کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا سو اُس نے کہا یا رسول اللہ کوئی مرد میرے پاس آوے یا میرا مال چھین لے جائے فرمایا کہ بنام خدا اس کی تذکیر کر یعنی خدا کے غضب سے اُس کو ڈرا سو اُس نے کہا اگر وہ خوف نہ کرے فرمایا اپنے آس پاس کے مسلمانوں سے مدد مانگ اُس نے کہا سو اگر میرے گرد کوئی مسلمان نہ ہو فرمایا کہ حاکم سے داد مانگ وہ بولا کہا اگر حاکم مجھ سے دور ہو فرمایا (قاتل دون مالک) یعنی اپنے مال کے آس پاس مقاتلہ کر یہاں تک کہ تو شہداء آخرت سے ہو یا تو اپنا مال بچا رکھے کذا فی التیسیر وکذا لو قتلہ قبل الاخذ اذا قصد اخذ مالہ ولم یمکن من دفعہ الا بالقتل صدر الشریعۃ اور اسی طرح کا حکم ہے اگر اُس کو قتل کرے مال لینے سے پہلے جب کہ وہ اُس کے مال کے لینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اُس کے ہٹانے پر سوائے مار ڈالنے کے قدرت نہ ہو کذا فی صدر الشریعۃ وفی الصغری قصد مالا ان عشرۃ او اکثر لہ قتلہ وان اقل قاتلہ ولا یقتلہ اور فتاوی صغری میں ہے کہ اگر سارق مال لینے کا قصد کرے اگر مال دس درم یا زیادہ ہے تو سارق کو قتل کرے اور اگر کم ہو تو اُس سے مقابلہ کرے لیکن اُس کو قتل نہ کر ڈالے لیکن نہر الفائق میں آخر باب قطع طریق میں یوں ہے کہ انسان کو اپنے مال پر قتال کرنا درست ہے اگرچہ مال بقدر نصاب کے نہ ہو اور اُس کو قتل کرے بدلیل اس حدیث کے (من قتل دون مالہ فہو شہید) یعنی جو اپنے مال کے بچانے پر مارا جائے وہ شہید ہے کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود وہل یقبل قولہ انہ کابرہ ان ببینۃ نعم وان کان المقتول معروفا بالسرقۃ والشر لم یقتص استحسانا والدیۃ فی مالہ لورثۃ المقتول بزازیۃ اور قاتل کا یہ قول کیا مقبول ہوگا کہ اُس نے اُس سے مکابرہ کیا تھا یعنی پھر بھی چوری سے وہ باز نہ رہا اگر یہ قول گواہی سے ثابت ہے تو ہاں مقبول ہوگا اور اگر شہادت نہیں تو اگر مقتول چوری اور بدکاری میں مشہور ہے تو قاتل سے از راہ استحسان قصاص نہ لیا جاوے گا اور دیت قاتل کے مال میں مقتول کے وارثوں کے واسطے لازم ہوگی کذا فی البزازیۃ ہذا اذا لم یعلم انہ لو صاح علیہ طرح مالہ وان علم ذلک فقتلہ مع ذلک وجب علیہ القصاص لقتلہ بغیر حق یہ یعنی سارق مذکور کے قتل سے قصاص وغیرہ لازم نہ ہونا اُس وقت ہے جب کہ صاحب مال کو یہ معلوم نہ ہو کہ اگر وہ اُس پر تور کرے گا اور للکارے گا تو سارق اُس کے مال کو ڈال دے گا اور اگر یہ جانے کہ للکارنے سے مال کو چھوڑ بھاگے گا پھر باوجود اُس کے اُس کو قتل کرے گا تو قاتل پر قصاص واجب ہوگا اُس کے ناحق قتل کرنے کے سبب سے کالمغصوب منہ اذا قتل الغاصب فانہ یجب القود لقدرتہ علی دفعہ بالاستغاثۃ بالمسلمین والقاضی مغصوب منہ کے مانند یعنی جس کا مال چھینا گیا جب کہ وہ غاصب کو قتل کرے گا تو اُس پر قصاص واجب ہوگا اس واسطے کہ وہ اُس کے دفع پر قادر ہے مسلمانوں اور حاکم سے فریاد کر کے ہم اور اگر مسلمین اور قاضی غاصب کے دفع پر قادر نہ ہوں چنانچہ اس زمانے میں ہے تو ظاہراً قتل غاصب جائز ہے عموم حدیث مذکور کی دلیل سے کذا فی الطحطاوی مباح الدم التجأ الی الحرم لم یقتل فیہ خلافا للشافعی ولم یخرج عنہ للقتل لکن یمنع عنہ الطعام والشراب حتی یضطر فیخرج من الحرم فحینئذ یقتل خارجہ مباح الدم یعنی جس کا خون مباح ہے چنانچہ زانی محصن اور مرتد اور قاتل نے پناہ پکڑی حرم بیت اللہ کی تو حرم کے اندر قتل نہ کیا جائے گا اور تو وہاں سے گرفتار کر کے نکالا جاوے قتل کے واسطے لیکن اُس کا کھانا پینا روکا جائے یہاں تک کہ وہ گھبرا جائے بھوک پیاس کے مارے سو آپ نکل جائے حرم سے تو اُس وقت میں حرم سے باہر قتل کیا جائے برخلاف امام شافعیؒ کے یعنی اُن کے نزدیک حرم کے اندر قتل اُس کا جائز ہے واما فیما دون النفس فیقتص منہ فی الحرم اجماعا اور جان کے سوا اطراف میں تو قصاص لیا جائے گا اُس سے حرم کے اندر باتفاق

یعنی اس واسطے کہ اطراف میں تو اموال کا طریقہ مسلوک ہے ولو انشاء القتل فی الحرم قتل فیہ اجماعا سراجیہ اور اگر قاتل نے حرم کے اندر قتل کو ایجاد کیا تو حرم کے اندر ہی بالاتفاق قتل ہوگا کذا فی السراجیہ ولو قتل فی البیت لا یقتل فیہ ذکرہ المصنف فی المنح اور اگر قاتل نے بیت اللہ کے اندر قتل کیا تو اس کے اندر قتل نہ کیا جاوے گا مصنف نے یہ کتاب المنح کی شرح میں مذکور کیا ہے ولو قال اقتلنی فقتلہ بسیف فلا قصاص وتجب الدیۃ فی الصحیح لان الاباحۃ لا تجری فی النفس وسقط القود بشبہۃ الاذن اور اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ مجھ کو قتل کر سو اس نے اس کو تلوار سے قتل کیا تو قصاص نہیں اور دیت واجب ہے قاتل کے مال میں بقول صحیح اس واسطے کہ اباحت جان میں جاری نہیں ہوتی اور قصاص ساقط ہو گیا اذن مقتول کے شبہ سے م ہر چند حقیقت میں اذن مقتول کا صحیح نہیں لیکن شبہ اباحت کا پیدا ہو گیا اور قصاص میں شبہ در حکم حقیقت کے ہے وکذا لو قال اقتل اخی او ابنی او ابی فقتلہ الدیۃ استحسانا کما فی البزازیۃ عن الکفایۃ اور اسی طرح قصاص نہیں اگر کسی نے کہا کہ قتل کر میرے بھائی یا فرزند یا باپ کو تو قاتل پر دیت لازم ہوگی بدلیل استحسان کے چنانچہ بزازیہ میں ہے کفایہ سے طحطاوی نے کہا بشرطیکہ قاتل مقتولین کے خون کا وارث ہو وفیہا عن الواقعات لو ابنہ صغیرا یقتص اور بزازیہ میں ہے واقعات سے کہ اگر آمر کا بیٹا صغیر ہو تو قصاص لیا جاوے گا م یعنی اگر ایک شخص نے کہا کہ میرے فرزند کو قتل کر اور فرزند صغیر ہے تو قاتل پر قصاص ہے حموی نے کہا اور یہی حکم ہے برادر صغیر کا منح الغفار میں ہے کہ یہ محمول ہے قیاس کے جواب پر اور استحسان کی دلیل سے تو دیت ہے کذا فی الطحطاوی وفی الخانیۃ بعتک دمی بفلس او بالف فقتلہ یقتص اور خانیہ میں ہے کہ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اپنا خون تیرے ہاتھ ایک پیسے یا ہزار کو بیچا سو اس نے اس کو قتل کیا تو قصاص لیا جاوے گا اس واسطے کہ یہ باطل ہے اور قتل کا اذن نہیں ہے تو یہ قول اقتلنی کے قول کے مانند نہیں کہ دیت واجب ہوتی نہ قصاص وفی اقتل ابی علیہ دیۃ لابنہ اور اس قول میں کہ قتل کر میرے باپ کو دیت واجب ہے قاتل پر مقتول کے فرزند کے واسطے وفی اقطع یدہ فقطع یدہ یقتص اور اس قول میں کہ میرے باپ کا ہاتھ کاٹ سو اس نے اس کا ہاتھ کاٹا قصاص لیا جاوے گا قاطع سے وفی شج ابنی فشجہ لا شیء علیہ فان مات فعلیہ الدیۃ اور اس قول میں کہ میرے فرزند کا سر پھوڑ ڈال سو اس نے اس کا سر پھوڑا تو اس پر کچھ نہیں پھر اگر وہ مر گیا اس سبب سے تو اس پر خون بہا ہے وقیل لا تجب الدیۃ ایضا وصححہ رکن الاسلام کما فی العمادیۃ واستظہرہ الطرسوسی لکن ردہ ابن وہبان اور قول ضعیف یہ ہے کہ اپنی ذات کے اذن قتل پر دیت بھی قصاص کے مانند واجب نہیں اور اس قول کو رکن الاسلام نے صحیح کہا ہے چنانچہ عمادیہ میں ہے اور طرسوسی نے بھی اسی کی تائید کی ہے لیکن ابن وہبان نے اس کو رد کیا ہے م شروح وہبانیہ میں ہے کہ لائق یہ ہے کہ قول اول یعنی سقوط قصاص اور وجوب دیت اصح ہو اس واسطے کہ عصمت دم موجود ہے اور قصاص کو ساقط ہو گیا ہے شبہ اذن سے اور شبہ وجوب مال کا مانع نہیں کما لو قال اقتل عبدی او اقطع یدہ ففعل فلا ضمان علیہ اجماعا چنانچہ اگر مولی نے کہا کہ میرے غلام کو قتل کر یا اس کا ہاتھ کاٹ سو اس نے اس کو قتل کیا اور اس کا ہاتھ کاٹا تو اس پر تاوان نہیں بالاتفاق م اس واسطے کہ غلام مال میں داخل ہے اور مال میں ابتذال جاری ہے لیکن اس قتل اور قطع میں آمر اور مامور دونوں گنہگار ہیں کذا فی الحموی کقولہ اقطع یدی او رجلی وان سری لنفسہ فمات لان الاطراف کالاموال فصح الامر چنانچہ اس قول میں ضمان نہیں کہ میرا ہاتھ یا میرا پاؤں کاٹ ڈال اگرچہ قطع اس کی جان تک پہنچ جائے اور وہ مر جائے اس واسطے کہ اطراف اموال کے مانند ہیں تو امر کرنا ان میں صحیح ہوگا م سرایت الی النفس اور موت نہ بزازیہ میں ہے نہ منح الغفار میں اور اگر سرایت کو قتل اعتبار کیجئے تو بمنزلہ اقتلنی کے اس میں بھی خلاف مذکور جاری ہوگا کذا فی الطحطاوی ولو قال اقطعہ علی ان تعطنی ہذا الثوب او ہذہ الدراہم فقطع یجب ارش الید لا القود وبطل الصلح بزازیہ اور اگر بولا کہ ہاتھ کاٹ اس شرط پر کہ تو مجھ کو یہ کپڑا یا دراہم دے سو اس نے قطع کیا تو ہاتھ کا خون بہا واجب ہوگا نہ قصاص اور صلح یعنی شرط عطاے ثوب یا دراہم باطل ہوگی کذا فی البزازیہ **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے ہبۃ القصاص لغیر القاتل لا یجوز لانہ لا یجری فیہ التملیک قصاص کا

ہبہ کرنا اور شخص کو سوائے قاتل کے جائز نہیں اس واسطے کہ اُس میں تملیک جاری نہیں ھ اور اسی طرح قاتل کو بھی ہبہ قصاص بدلیل مذکور جائز نہیں کذا فی الحموی حاشیۃ الاشباہ عفو الولی عن القاتل افضل من الصلح والصلح افضل من القصاص وارث کا معاف کر دینا قاتل سے افضل اور بہتر ہے مال پر صلح کرنے سے اور صلح بہتر ہے قصاص سے ھ عفو وارث سے قاتل کے برأت ہو جاتی ہے دنیا میں دیت اور قصاص سے لیکن ظلم اقدام علی القتل سے برأت نہیں ہوتی کذا فی الطحطاوی عن الاشباہ وحاشیۃ ابی السعود وکذا عفو المجروح اور یہی حکم ہے عفو مجروح کا یعنی عفو بہتر ہے بدلا لینے سے لا تصح توبۃ القاتل حتی یسلم نفسہ للقود وہبانیۃ صحیح نہیں توبہ قاتل جب تک اپنی جان کو قصاص کے واسطے تسلیم نہ کرے کذا فی الوہبانیۃ ھ یعنی فقط زبان سے توبہ کرنا اور دل میں نادم ہونا کفایت نہیں کرتا جب تک قصاص کے واسطے اپنی جان حاضر نہ کرے اور یہ بھی شرط صحت توبہ ہے کہ مقتول کے وارثوں سے خبر کر دے کہ یہ قصور مجھی سے ہوا ہے کذا فی الطحطاوی عن شرح الوہبانیۃ وغیرہ الامام شرط استیفاء القصاص کالحدود عند الاصولیین وفرق الفقہاء اشباہ امام یعنی حاکم مسلمین شرط استیفاء قصاص ہے یعنی خون کے بدلا لینے میں حدود کے مانند امام کا ہونا شرط ہے علماء اصول کے نزدیک اور فقیہوں نے قصاص اور حدود میں فرق کیا ہے کذا فی الاشباہ ھ یعنی فقہاء کے نزدیک استیفاء حدود کے لیے امام شرط ہے قصاص کے واسطے محیط میں ہے کہ ایک مرد مقتول ہوا عمداً اور اُس کا ایک وارث ہے تو اُس کو قاتل کا قتل کرنا قصاص کی راہ سے جائز ہے قاضی نے قصاص کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو اور قاتل کو تلوار سے قتل کرے اور اُس کی گردن کاٹے اور اگر غیر تلوار سے قتل کا ارادہ کرے تو منع کیا جائے اور اگر قتل ممنوع کرے گا تو تعزیر دی جائے گی اُس پر تاوان نہیں اور کسی طرح قتل کرے مستوفی قصاص ہو گا کذا فی العالمگیریۃ وفیہا فی قاعدۃ الحدود تدرأ بالشبہات القصاص کالحدود الا فی سبع یجوز القضاء بعلمہ فی القصاص دون الحدود اور اشباہ میں الحدود تدرأ[1] بالشبہات کے قاعدہ میں یہ ہے کہ حدود کی مانند قصاص ہے مگر سات صورتوں میں پہلی صورت یہ ہے کہ قاضی کو حکم کرنا اپنی دانست پر قصاص میں درست ہے نہ حدود میں ھ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ قاضی اپنے علم پر فیصلہ کرے سوائے حدود کے لیکن اب فتوی اس پر ہے کہ قاضی کو حکم کرنا اپنی دانست پر یعنی بدون شہادت کے مطلقاً جائز نہیں کذا فی الحموی شرح الاشباہ القصاص یورث والحد لا ۲ قصاص میں میراث جاری ہے اور حد میں نہیں ھ دوسرا قول یہ ہے کہ قصاص بھی موروث نہیں کذا فی الحموی یصح عفو القصاص لا الحد ۳۔ قصاص کا عفو کرنا صحیح ہے نہ حد کا ھ یہ بعد مرافعہ کے معمول ہے اور قبل مرافعہ کے حد قذف کا عفو کرنا جائز ہے کذا فی حاشیۃ ابی السعود التقادم لا یمنع الشہادۃ بالقتل بخلاف الحد سوی حد القذف ۴ ۔ مدت کا گذر جانا قتل میں شہادت کا مانع نہیں برخلاف حد کے حد قذف کے سوا ویثبت باشارۃ الاخرس وکتابتہ بخلاف الحد ۵ ۔ اور قصاص ثابت ہوتا ہے گونگے کے اشارے سے اور اُس کے لکھ دینے سے برخلاف حد کے ھ صورت اُس کی یہ ہے کہ مقتول کے پاس گونگا آیا اور اُس نے تلوار پکڑ دی اور اپنی ذات کی طرف اشارہ کیا یعنی میں نے اُس کو تلوار سے مارا ہے تو اس طرح قصاص ثابت ہو گا اور حد ثابت نہ ہو گی کذا فی الطحطاوی یجوز الشفاعۃ فی القصاص لا الحد ۶ ۔ سفارش کرنا عفو قصاص میں جائز ہے نہ حد میں السابعۃ لا بد فی القصاص من الدعوی بخلاف الحد سوی حد القذف انتہی ساتویں صورت یہ ہے کہ قصاص میں دعوی ضروری ہے نہ حد میں مگر حد قذف میں البتہ دعوی ضروری ہے انتہی ما فی الاشباہ وفی القنیۃ نظر فی باب دار رجل ففقأ الرجل عینہ لا یضمن ان لم یمکنہ تنحیتہ من غیر فقئہا وان امکنہ ضمن اور قنیہ میں ہے کہ ایک شخص دوسرے مرد کے گھر میں جھانکا دروازے کے اندر سے سو اُس مرد نے اُس کی آنکھ پھوڑ دی تو صاحب خانہ پر ضمان نہیں اگر جھانکنے والے کا ہٹانا بدون آنکھ پھوڑنے کے ممکن نہ ہو اور اگر بدون اس کے وہ ہٹ سکتا ہو تو تاوان اُس پر لازم ہو گا وقال الشافعی لا یضمن فیہما اور امام شافعی نے کہا کہ آنکھ پھوڑنے والے پر دونوں صورتوں میں تاوان نہیں ھ ابوہریرہ کی حدیث دلیل ہے امام شافعی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک مرد جھانکے بدون تیرے اذن کے سو تو اُس کی آنکھ پھوڑ دے ٹھیکرے مار کر تو تجھ کو گناہ نہیں اور ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ آنکھ میں نصف دیت ہے اور یہ عام ہے ناظر خانہ اور غیر ناظر کو

---

[1] اور ایک نسخہ میں تندرأ ہے بجائے تدرأ کے ۱۲

اور اس لیے کہ اگر کوئی باب مفتوح سے نظر کرے یا گھر میں گھس کے دیکھ لے تو بھی مستوجب قطع عین نہیں اور حدیث ابوہریرہ مبالغہ فی الزجر پر محمول ہے اور اگر حدیث مذکور کو اس ناظر پر محمول کیجیے کہ کسی طرح نظر سے باز نہ رہے بدون آنکھ پھوڑنے کے تو منافات بالکل زائل ہو جائے لیکن مسئلہ آئندہ کے منافی ہے کہ وہ مطلق ہے اُس میں کچھ تفصیل نہیں واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی مختصرا ولو دخل راسہ فرماہ بحجر ففقأ لا یضمن اجماعا انما الخلاف فیمن نظر من خارجا اور اگر ایک شخص نے اپنا سر اندر کر دیا سو صاحب خانہ نے اُس کو پتھر سے مارا سو اُس کی آنکھ کو پھوڑ دیا تو صاحب خانہ پر ضمان نہیں کذا فی الطحطاوی عن البغیہ عن کنز الرؤس باتفاق حنفی او رشافعی کے اختلاف حنفی اور شافعی تو فقط اُس صورت میں ہے جب کہ گھر کے باہر سے نظر کرے واللہ اعلم:۔

باب القود فیما دون النفس

یہ باب ہے ماسوائے جان کے قصاص میں یعنی اطراف انسانی کے بدلہ لینے میں م قصاص مادون النفس ثابت ہے کتاب اور سنت اور اجماع امت سے قال تعالیٰ والجروح قصاص حدیث میں ثابت ہے کہ ایک عورت نے جاریہ انصار کا دانت توڑا تھا سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا امر فرمایا کذا فی العینی **وہو فی کل ما یمکن فیہ رعایۃ حفظ المماثلۃ** اور وہ یعنی قصاص ماوراء النفس ہر ایک اس مقام میں جاری ہے جہاں حفظ مماثلت کی رعایت ممکن ہے یعنی جہاں برابری اعضائے ظالم اور مظلوم کے نقصان کی ہو سکے وہاں بدلہ لینا جاری ہے اور جہاں حفظ مماثلت متصور نہیں وہاں قصاص نہیں وہاں دیت ہے یا کچھ اور چنانچہ معلوم ہوگا پھر جب رعایت مماثلت کے بدلہ لینے میں لازم ہوئی تو داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے بدلے نہ کاٹا جاوے گا اور نہ بایاں بدلے داہنے کے اور نہ تندرست ہاتھ لنجے ہاتھ کے بدلے اور نہ عورت کا ہاتھ مرد کے ہاتھ کے بدلے اور نہ مرد کا ہاتھ عورت کے ہاتھ کے بدلے اور نہ آزاد کا ہاتھ غلام کے ہاتھ کے بدلے اور نہ غلام کا ہاتھ آزاد کے ہاتھ کے بدلے اور نہ غلام کا ہاتھ دوسرے غلام کے ہاتھ کے بدلے اس واسطے کہ غلام کے ہاتھ میں نصف قیمت واجب ہے اور قیمت غلاموں کی مختلف ہوتی ہے اور قصاص نہیں بالوں میں اور سر کی کھال میں اور رخسار اور پشت اور شکم اور ذقن کے گوشت میں قصاص نہیں اور نہ طمانچہ وغیرہ مارنے میں اور قاطع کے اعضا کا قصاص نہ ہوگا الا بالمثل تو انگوٹھا بدلے انگوٹھے کے قطع ہوگا اور سبابہ بدلے سبابہ کے اور وسطیٰ بدلے وسطیٰ کے اور بنصر بدلے خنصر کے اور خنصر بدلے بنصر کے اور اسی طرح دانتوں میں برابری واجب ہے تو ثنیہ توڑا جائے بدلے ثنیہ کے اور ڈاڑھ بدلے ڈاڑھ کے وعلیٰ ہذا القیاس مساوات اعضاء واجب ہے اُن کے منافع اور مرافق کے تفاوت کے سبب کذا فی الطحطاوی ملخصا **وحینئذ فیقاد قاطع الید عمدا من المفصل** اور جب کہ رعایت مماثلت ضرور ہوئی تو قصاص لیا جاوے گا ہاتھ کاٹنے والے کا عمدا جوڑ سے یعنی جس نے دوسرے کا ہاتھ عمداً کلائی کے جوڑ سے تو قاطع کا بھی ہاتھ وہیں سے کاٹا جاوے گا **فلو القطع من نصف ساعد او ساق او من قصبۃ الانف انتفی لتعذر حفظ المماثلۃ وہی الاصل فی جریان القصاص** سو اگر قطع نصف ساعد یا نصف ساق سے یا ناک کے آدھے بانسے سے ہو تو قصاص نہ لیا جاوے گا بسبب ممتنع ہونے حفظ مماثلت کے اور وہی برابری تو اصل ہے قصاص کے جاری کرنے میں م مبسوط میں ہے کہ جو قطع جوڑ سے ہو تو اُس میں قصاص ہے اسی موضع میں اور جو قطع کہ جوڑ سے نہ ہو بلکہ ہڈی توڑ کے ہو تو اُس میں ہمارے نزدیک قصاص نہیں انتہی یعنی اس واسطے کہ کاہے قاطع کی ہڈی زیادہ کٹ جائے یا اُس میں زیادہ خلل ہو جائے تو برابری نہ رہی کذا فی الطحطاوی یعنی اور قصاص عبارت ہے برابری سے **وان کانت یدہ اکبر منہا لاتحاد المنفعۃ** قصاص میں جوڑ سے ہاتھ کاٹا جاوے گا اگرچہ قاطع کا ہاتھ بڑا ہو مقطوع کے ہاتھ سے بسبب متحد ہونے منفعت کے یعنی قصاص میں چھوٹے بڑے عضو کا اعتبار نہیں جراحت راس کے سوا کیونکہ دونوں عضو منفعت میں یکساں ہیں کذا فی الزیلعی **وکذا الحکم فی الرجل والمارن والاذن** اور اسی طرح کا حکم ہے پاؤں میں اور ناک کے نتھنوں[1] اور کان میں م مارن جسم نرم عضروفی[2] ہے ناک میں

---

[1] مارن نرم ہڈی کو کہتے ہیں جیسا کہ صراح وغیرہ میں ہے تو اس کا ترجمہ نتھنا کا کرنا خالی مسامحت سے نہیں ۱۲۔ [2] یعنی چپنی ہڈی کا بنا ہوا ۱۲۔

بانس کی ہڈی کے نیچے سو تمام مارن کے قطع میں قصاص ہے اور بعض کے قطع میں قصاص نہیں اسی طرح اگر پاؤں اور کان جوڑ سے قطع ہو تو قصاص ہے اور نہیں تو قصاص نہیں عالمگیری میں خزانۃ المفتین سے منقول ہے کہ نوک بینی کے قطع میں حکومت[1] عدل ہے قول صحیح میں **وکذا عین ضربت فزال ضوءہا وہی قائمۃ غیر منخسفۃ فیجعل علی وجہہ قطن رطب وتقابل عینہ بمرآۃ محماۃ** اور اسی طرح قصاص لیا جاوے اس آنکھ کا جس پر چوٹ لگی سو اس کی روشنی زائل ہو گئی اور حالانکہ آنکھ قائم ہے بیٹھ نہیں گئی تو قصاص لینے کی صورت یہ ہے کہ ضارب کے منہ پر بھیگی روئی ڈالی جائے اور اس کے آنکھ کے مقابل میں گرم کیا آئینہ رکھا جائے ھ یہ حکم خلافت عثمانی میں علی مرتضی کی تجویز سے بحضور صحابہ کرام ہوا عبدالرزاق کے مصنف میں حکم ابن عیینہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کے طمانچہ مارا سو اس کی بینائی جاتی رہی اور آنکھ قائم تھی صحابہ نے قصاص کا ارادہ کیا لیکن کیفیت اس کی معلوم نہ تھی تو علی رضی اللہ تعالی آئے اور فرمایا کہ اس کی آنکھ پر روئی رکھی جائے پھر آفتاب کا سامنا کیا گیا اور اس کی آنکھ کے نزدیک آئینہ کیا گیا تو اس کی بینائی منقطع ہو گئی اور آنکھ قائم رہی کذا فی العینی **ولو قلعت لا قصاص لتعذر المماثلۃ** اور اگر آنکھ خانہ چشم سے نکالی جائے تو اس کا قصاص نہیں بسبب متعذر ہونے مساوات کے وفی المجتبی فقاء الیمنی ولیسری الفاقی ذاہبۃ اقتص وترک اعمی اور مجتبی میں ہے کہ داہنی آنکھ پھوڑی اور پھوڑنے والی کی بائیں آنکھ پھوٹی ہے موجود نہیں تو اس سے بدلا لیا جاوے گا اور وہ اندھا چھوڑا جاوے گا **وعن الثانی لا قود فی عین حولاء** اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ بھینگے کی آنکھ پھوڑنے میں قصاص نہیں ھ مجتبی میں ہے کہ اگر احول کی آنکھ میں حول مضر بصارت نہ ہو تو قصاص ہے اور اگر مضر ہو تو حکومت عدل ہے اور ابو یوسف کے نزدیک مطلقاً قصاص نہیں انتہی تو ظاہر اقول اول معتمد ہے اور قول ثانی ضعیف تو شارح کو قول ضعیف پر اقتصار کرنا مناسب نہ تھا کذا فی الطحطاوی **وکذا ہو ایضاً فی کل شجۃ یراعی ویتحقق فیہا المماثلۃ کموضحۃ** اور اسی طرح قصاص کا حکم ہے ہر ایک اس زخم سر میں بھی جس میں مماثلت اور مساوات کی مراعات ہو سکتی ہے چنانچہ جراحت موضحہ میں ھ موضحہ وہ جراحت ہے جس میں سر یا چہرے کی کھال اور گوشت قطع ہو کر ہڈی کھل جائے چنانچہ مزید تفصیل اس کی آگے معلوم ہو گی **ولا قود فی عظم الا السن وان تفاوتا طولا وکبرا** لما مر اور قصاص نہیں ہڈی توڑنے میں سوائے دانت کے یعنی دانت میں قصاص ہے اگرچہ کاسر اور مکسور دونوں کے دانت طول اور جسامت میں متفاوت ہوں بدلیل گذشتہ یعنی اتحاد منفعت ھ اور یہ حدیث جو ہدایہ میں مذکور ہے کہ لاقصاص[2] فی العظم ثابت نہیں غریب ہے لیکن ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن عباس رض اور شعبی اور حسن بصری سے مروی ہے کہ لیس فی العظام قصاص یعنی ہڈیوں میں قصاص نہیں اور شعبی اور حسن سے دانت اور سر کا استثناء عظام سے کتاب مذکور میں مروی ہے کذا فی العینی **فتقلع ان قلعت وقیل تبرد الی اللحم موضع اصل السن ویسقط ما سواہ لتعذر المماثلۃ** اذ ربما تفسد لہاتہ وبہ اخذ صاحب الکافی قال المصنف وفی المجتبی وبہ یفتی تو ظالم کا دانت اکھاڑا جائے اگر مظلوم کا دانت اکھاڑا گیا ہو اور بعضوں نے کہا کہ دانت ریتا جائے سو ہاں سے گوشت تک یعنی دانت کی جڑ کی مقام تک اور ما ورائے گوشت کے جس قدر دانت باقی رہے اس کا قصاص ساقط ہے تعذر مماثلت کے سبب سے اس لیے کہ دانت کے اکھاڑنے میں کبھی یا اکثر کوا فاسد ہو جاتا ہے اور اسی قول کو صاحب کافی نے لیا ہے مصنف نے شرح میں اس کو کہا ہے اور مجتبی میں کہ اسی قول اخیر پر فتویٰ ہے ھ طحطاوی نے کہا کہ بخط زیلعی اسی طرح تفسد لہاتہ ہے اور مصنف اور شارح اس کا تابع ہو گیا اور حق یہ ہے کہ تفسد لثاتہ ہے یعنی بجائے ہا رہو ز تا مثلثہ ہے لثات جمع لثہ بکسر لام بمعنی مسوڑہ یعنی دانت اکھاڑ ڈالنے کے قصاص میں اکھاڑنا نہ چاہیے بلکہ دانت کا ریتنا سوہن سے چاہیے اس واسطے کہ اکھاڑنے سے مسوڑھوں میں اکثر خلل واقع ہو جاتا ہے کما تبرد الی ان تتساویا ان کسرت جیسے دانت ریتا جاتا ہے یہاں تک کہ کاسر اور مکسور دونوں کے دانت برابر ہو جاویں اگر مکسور کا دانت توڑا گیا ہو ھ ریتنا اس وقت ہے جب

---

[1] یعنی حکومت عدل کے معنی صفحہ ۳۲۸ میں مذکور ہیں ۱۲ [2] ہڈی میں قصاص نہیں ۱۲

دانت برابر ٹوٹا ہو والا قصاص نہیں خون بہا ہے کذا فی الطحطاوی عن الظہیریۃ وفی المجتبیٰ ویوجل حولاً فان لم ینبت تقیض وقیل یوجل الصبی لا البالغ اور مجتبیٰ میں ہے کہ قصاص کے واسطے ایک سال کی مدت مقرر کی جاوے پھر اگر دانت نہ جم آوے تو قصاص لیا جاوے اور دوسرا قول یہ ہے کہ صغیر کے دانت کے واسطے مدت مقرر کی جاتی ہے نہ بالغ کے واسطے م ملتقی میں ہے جب دانت سے کچھ توڑا گیا تو ایک سال تک انتظار کرنا چاہیے پھر جب سال پورا ہو جائے اور دانت نہ بھر جائے تو اس پر قصاص ہے سو ہاں سے ریت کر او ر ظہیریہ میں ہے کہ دانت کے قصاص کا موضع دانت کے جینگے تو بیک انتظار چاہیے اور ایک سال کا انتظار ضروری نہیں مگر مجرد کی روایت میں اور صحیح قول اول ہے اس واسطے کہ بالغ کے دانت کا اُگنا نادر ہے کذا فی الطحطاوی فلومات الصبی فی الحول بری پھر اگر صغیر سال کی مدت میں مرگیا تو فاعل قصاص سے بری الذمہ ہو گیا وقال ابو یوسف فیہ حکومۃ عدل اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ اس میں حکومت عدل ہے وکذا الخلاف اذا اُجل فی تحریکہ فلم یسقط فعند ابی یوسف یجب حکومۃ عدل الالم ای اجرۃ القلاع والطبیب انتہی وتحققہ اور اسی طرح دانت اکھاڑنے کے مانند خلاف ہے جب کہ مدت مقرر کی جائے دانت کی تحریک میں پھر مدت کے اندر متحرک دانت ساقط نہ ہوا تو ابو یوسفؒ کے نزدیک درد کا خون بہا یعنی دانت اکھاڑنے اور طبیب معالج کی اجرت دینا ضارب پر واجب ہے اور آگے ہم اس کی تحقیق بیان کریں گے م محیط میں ہے کہ جب ضرب سے دانت متحرک ہو گیا تو ایک سال انتظار کرنا چاہیے خواہ مضروب بالغ ہو یا صغیر پھر اگر دانت ساقط نہ ہوا تو ضارب پر کچھ نہیں اور اگر سال کے اندر اسی ضرب سے دانت گر گیا تو اگر ضرب عمداً تھی تو قصاص واجب ہے اور اگر خطا کی راہ سے تھی تو دیت واجب ہے کذا فی الطحطاوی اور اس مسئلہ میں ابو یوسف کا وہ قول ہے جو شارح نے مذکور کیا وتوخذ الثنیۃ بالثنیۃ والناب بالناب ولا یوخذ الاعلیٰ بالاسفل ولا الاسفل بالاعلیٰ مجتبیٰ والاصل انہ لا یوخذ عضو الا بمثلہ اور قصاص لیا جاتا ہے سامنے کے دانت کا سامنے کے دانت کے بدلے اور نیش کا نیش کے بدلے اور بدلا نہیں لیا جاتا اوپر کے دانت کا نیچے کے دانت سے اور نہ نیچے کا اوپر کے سے کذا فی المجتبیٰ اور خلاصہ مقام یہ ہے کہ عضو کا بدلا نہیں لیا جاتا مگر اس کی مثل اور مانند سے ولا قود عندنا فی طرفی رجل وامراۃ وطرفی حر وعبد وطرفی عبدین لتعذر المماثلۃ بدلیل اختلاف دیتہم وقیمتہم والاطراف کالاموال اور قصاص نہیں ہم حنفیوں کے نزدیک مرد اور عورت کے اطراف میں اور آزاد اور غلام کے اطراف میں اور دو غلاموں کے اطراف میں بسبب متعذر ہونے مساوات کے ان کی دیت اور قیمت کے اختلاف کی دلیل سے اور اطراف تو مانند اموال کے ہیں یعنی جب اطراف انسانی بمنزلہ مال کے ہوئے تو مساوات ضرور ہوئی حالانکہ مرد اور عورت کی دیت میں اور غلام اور آزاد کی دیت اور قیمت اور دو غلاموں کی قیمت میں تفاوت ہے لہذا قصاص متعذر ٹھہرا قلت ہذا ہو المشہور لکن فی الواقعات لو قطعت امراۃ ید رجل کان لہ القود لان الناقص یستوفی بالکامل اذا رضی صاحب الحق فلا فرق بین حر وعبد ولا بین عبدین واقرہ القہستانی والبرجندی میں کہتا ہوں یہ یعنی مرد اور عورت اور آزاد اور غلام اور دو غلاموں کے اطراف میں قصاص کا نہ ہونا ہی مذہب مشہور ہے لیکن واقعات میں ہے کہ اگر عورت مرد کا ہاتھ کاٹے تو مرد کو قصاص لینا جائز ہے اس واسطے کہ استیفاء ناقص کامل کی عوض ہو سکتا ہے جب کہ صاحب حق ناقص پر اکتفا کرے اور راضی ہو جائے تو اس طرح کچھ فرق نہیں آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ دو غلاموں کے اندر یعنی جب کہ آزاد غلام سے بدلا لینے پر اور عبد اعلیٰ کا مالک عبد ادنیٰ سے بدلا لینے پر راضی ہو جائے اور اس قول کو قہستانی اور برجندی نے ثابت رکھا ہے م شارح نے بلفظ المشہور اشارہ کر دیا کہ قول اول مشہور معتمد ہے نہ یہ قول وطرف المسلم والکافر سیان للتساوی فی الارش اور اطراف مسلم اور کافر کی برابر ہیں خون بہا کی مساوات کے سبب م کافر سے ذمی مراد ہے نہ کافر حربی اور مستامن کذا فی الطحطاوی وقال الشافعی کل من یقتل بہ یقطع بہ ومن لا فلا اور امام شافعی نے کہا کہ جو شخص قتل کیا جاتا ہے ہے کے بدلے اس کا عضو بھی قطع کیا جاتا ہے اس کے بدلے اور جو قتل نہیں ہوتا

اُس کا عضو بھی قطع نہیں ہوتا یعنی اُن کے نزدیک مسلم کا قتل نہیں ذمی کے بدلے تو اُس کے عضو کا بھی قطع نہیں اُس کے عضو کے بدلے ولا في قطع يد من نصف الساعد لما مر اور قصاص نہیں ہاتھ کے کاٹنے میں نصف ساعد سے بدلیل گذشتہ یعنی رعایت مساوات نہیں ہوسکتی کمی بیشی کے احتمال سے حالانکہ قصاص عبارت ہے مماثلت اور مساوات سے ولا في جائفة برئت اور قصاص نہیں اُس جائفہ میں جو چنگا ہو گیا ہو۔ جائفہ وہ زخم ہے جو اندر پیٹ تک پہنچ گیا سینہ کی طرف سے یا پیٹھ یا پیٹ کی طرف سے تو گردن اور حلق اور ہاتھ اور پاؤں میں جائفہ نہیں ہوتا لیکن فوطوں اور مقعد میں جائفہ ہوتا ہے کذا في الطحطاوي عن شرح القدوري فان لم تبرأ فان سارية يقتص والا ينتظر البرء او السراية ابن کمال پھر اگر زخم جائفہ چنگا نہ ہوا سو اگر ساری ہو گیا یعنی زخم کے صدمہ سے زخمی مر گیا تو جارح سے قصاص لیا جاوے گا اور اگر نہ مرا تو صحت یا موت کا انتظار کرنا چاہیے کذا صرح ابن کمال ولسان وذكر ولو من اصلهما يعني شرح وهبانية واقره المصنف لانه ينقبض وينبسط قلت لكن جزم قاضي خان بلزوم القصاص وجعله في المحيط قول الامام ونصه قال ابو حنيفة ان قطع ذكره من اصله او من الحشفة اقتص منه اذ له حد معلوم واقره في الشرنبلالية فليحفظ اور قصاص نہیں زبان اور ناٹرے کے قطع میں اگرچہ دونوں جڑ سے قطع ہو گئے ہوں اس قول پر فتوی ہے کذا في شرح الوهبانية اور اسی کو ثابت رکھا ہے مصنف نے اپنی شرح میں اس واسطے کہ ناٹرہ سمٹتا اور پھیلتا ہے یعنی تو قطع میں کمی بیشی محتمل ہے میں کہتا ہوں لیکن قاضی خاں نے لزوم قصاص پر قطعی حکم کیا ہے اور محیط میں اس کو امام رح کا قول قرار دیا ہے اور محیط کی عبارت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ اگر ناٹرہ جڑ سے قطع ہوا یا سپاری سے تو قاطع سے قصاص لیا جاوے اس واسطے کہ قطع کی حد معلوم اور متعین ہے اور شرنبلالیہ میں اس کو ثابت رکھا ہے تو اس اختلاف کو یاد رکھنا چاہیے م فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ ذکر کے قطع میں عمداً جڑ سے قصاص ہے اور اگر اُس کو وسط سے قطع کیا تو قصاص نہیں اور قطع زبان میں قصاص نہیں انتہی اور ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ قطع اصل ذکر سے قصاص واجب ہونا ابو یوسف کا قول ہے تو معلوم ہوا کہ قاضی خاں میں ابو یوسف رح کا قول مذکور ہے نہ امام کا اور عالمگیری میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ بعض ذکر کے قطع میں قصاص نہیں اور اگر تمام ذکر قطع ہوا تو اصل یعنی امام محمد کی مبسوط میں ذکر یوں ہے کہ اس میں قصاص نہیں اور ابو یوسف رح سے روایت یوں ہے کہ اس میں قصاص ہے مضمرات میں ہے کہ ظاہر الروایۃ صحیح ہے انتہی واللہ اعلم الا ان يقطع كل الحشفة فيقتص ولو بعضها لا مگر یہ کہ بالکل سپاری قطع ہو جائے تو اُس کا قصاص لیا جاوے گا اور اگر تمام نہیں بلکہ بعض قطع ہوئی تو قصاص نہیں م اس واسطے کہ کل حشفہ کی حد قطع معلوم ہے نہ بعض کی وسيجيء ما لو قطع بعض اللسان اور قطع بعض زبان کا حکم آگے مذکور ہوگا ويجب القصاص في الشفة ان استقصاها بالقطع لامكان المماثلة والا يستقصها لا لتعذرها مجتبی وجوہرۃ اور قصاص واجب ہے ہونٹ میں اگر قاطع نے قطع کے سبب سے لب کو نہایت تک پہنچا دیا یعنی رگڑ کے کاٹا کچھ باقی نہ رکھا وجوب قصاص مماثلت کے ممکن ہونے کی وجہ سے ہے اور اگر لب کو رگڑ کے نہیں کاٹا تو قصاص نہ لیا جاوے گا کذا في المجتبی والجوہرۃ یعنی قصاص نہ ہوگا عدم مماثلت کے احتمال سے وفي لسان اخرس وصبي لا يتكلم حكومة عدل اور گونگے اور صغیر غیر متکلم کے قطع زبان میں حکومت عدل ہے م حکومت عدل کی تفسیر کتاب الدیات میں معلوم ہوگی کہ عیبدار اور بے عیب کی قیمت ٹھہرائی جائے تو جس قدر دونوں قیمتوں میں تفاوت ہو وہ دیت مسمی بحکومت عدل ہے وان كان القاطع اشل او ناقص الاطراف او كان راس الشاج اكبر من المشجوج خير المجني عليه بين القود واخذ الارش وعلى هذا في السن وسائر الاطراف التي تقاد اذا كان طرف الضارب والقاطع معيبا يخير المجني عليه بين اخذ المعيب والارش كاملا اور اگر قاطع لنجا یا ناقص الاطراف ہو یا سر کے زخمی کرنے والے کا سر بڑا ہو اُس کے سر سے جس کے سر کو اُس نے زخمی کیا ہے تو زخمی مختار ہوگا قصاص لینے اور دیت کے لینے میں وعلی ہذا القیاس دانت اور باقی اُن اطراف میں جن کا قصاص لینا واجب ہے جبکہ عضو

ضارب اور قاطع کا عیب دار ہو تو مضروب اور مقطوع عیب دار عضو کے قصاص لینے اور دیت کامل لینے میں مختار ہے چاہے بدلہ میں عضو عیب دا
کٹوا دے چاہے پورا خون بہا لے ھ اختیار اس واسطے دیا گیا کہ ان صورتوں میں ایفائے کمال حق متعذر ہے حموی نے ولوالجی سے نقل کیا کہ
اس وقت ہے جب کہ قاطع قطع کے وقت لنجا ہوا ور اگر قطع کے وقت اس کا ہاتھ صحیح سالم ہو اور بعد قطع کے لنجا ہو جائے تو مقطوع قصاص
دیت نہ پاوے گا اس واسطے کہ مقطوع کا حق ہاتھ میں ثابت تھا سو ساقط ہو گیا بقدر ہلاک ہو جانے محل کے کذا فی الطحاوی قال برہان الدین
ہذا لو الشلاء ینتفع بہا فلو لم ینتفع بہا او لم تکن محلا للقود فلہ دیۃ کاملۃ بلا خیار و علیہ الفتوی مجتبی برہان الدین نے کہا یہ اختیار اس شرط سے
کہ لنجے ہاتھ سے نفع حاصل ہوتا ہو تو اگر اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو وہ قصاص کا محل نہیں تو مقطوع کے واسطے پوری دیت متعین
بلا اختیار قصاص اور اسی قول پر فتوی ہے کذا فی المجتبی و فیہ لا تقطع الصحیحۃ بالشلاء اور مجتبی میں ہے کہ صحیح ہاتھ لنجے ہاتھ کے بدلے قطع
ہوگا ویسقط القود بموت القاتل لفوات المحل اور ساقط ہو جاتا ہے قصاص قاتل کے مرجانے سے کیونکہ محل قصاص باقی نہ رہا و بعفو الاولیا
اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے ورثہ مقتول کے معاف کر دینے سے و بصلحہم علی مال ولو قلیلا اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے وارثوں کے صلح کر
سے مال پر اگرچہ مال کم ہو ھ اس واسطے کہ صلح اسقاط حق ہے بعوض مال کے اور جن حقوق کا اسقاط بعوض مال کے جائز ہے اس میں عوض کی
کچھ تعیین نہیں کذا فی الحموی یعنی جس قدر پر تراضی طرفین ہو دیت کی قدر یا کم و بیش ویجب حالا عند الاطلاق اور صلح کا مال فی الحال دینا واج
ہوگا عدم تعیین مدت کی صورت میں و بصلح احدہم و عفوہ ولمن بقی من الورثۃ حصتہ من الدیۃ فی ثلث سنین علی القاتل ہو الصحیح و قیل علی العاق
ملتقی اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے ایک وارث کے صلح کرنے سے اور معاف کر دینے سے اور جو وارث باقی رہا یعنی جس نے صلح اور عفو
کچھ نہیں کیا وہ اپنا حصہ پاوے گا دیت سے تین سال کی مدت میں اور باقی دیت قاتل پر واجب ہے بقول صحیح اور بعضوں نے کہا کہ قاتل کے
برادروں پر دیت ہے کذا فی الملتقی امر الحر القاتل و سید العبد القاتل رجلا بالصلح عن دمہما الذی اشترکا فیہ علی الف ففعل المامور
الصلح عن دمہما فالالف علی الحر والسید الآمرین نصفان لانہ مقابل بالقود وہو علیہما سویۃ فبدلہ کذلک آزاد قاتل اور غلام قاتل کے ما
نے ایک مرد کو ہزار درم پر صلح کرنے کا اس خون کے بدلے جس میں آزاد اور غلام دونوں شریک تھے امر کیا سو مرد مامور نے دونوں کے خون شرک
سے صلح کی سو ہزار درم دونوں امر کرنے والوں یعنی آزاد اور مولی پر آدھوں آدھ ہیں یعنی پانچ سو آزاد پر اور پانچ سو مولی پر ہوں گے اس لیے
کہ ہزار درم قصاص کے عوض مقابل ہیں اور قصاص دونوں پر برابر ہے تو قصاص کا بدلا بھی اسی طرح دونوں پر برابر ہوگا و یقتل جمع بمفرد
ان جرح کل واحد جرحا مہلکا لان زہوق الروح یتحقق بالمشارکۃ لانہ غیر متجزئ بخلاف الاطراف کما سیجئ اور قتل کی جائے گی جماعت بدلے
ایک مقتول کے اگر جماعت میں سے ہر شخص نے مہلک زخم لگایا ہو اس لیے کہ روح مقتول کا نکلنا ثابت ہوتا ہے مشارکت سے اس واسطے ک
خروج روح امر قسمت پذیر نہیں یعنی تو ایسی چیز کے اشتراک میں ہر واحد مستقل پورا قاتل ٹھہرے گا کذا فی الزیلعی برخلاف اشتراک قطع اطراف کے
کہ وہ قسمت پذیر ہیں چنانچہ عنقریب آتا ہے ھ دلیل نقلی قتل جماعت کی موطا کی یہ حدیث ہے سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ عمر فاروقؓ نے
پانچ یا سات مردوں کو قتل کیا بدلے ایک مرد کے اور فرمایا کہ اگر اہل صنعا اس کے قتل پر اتفاق کرتے اور مدد کرتے تو میں ان کو قتل
کرتا صنعا شہر ہے یمن کا کذا فی العینی شرح الہدایۃ قصاص جماعت کا محل وہ ہے جبکہ سب لوگ ساتھ ہی ماریں اور اگر ضرب علی التعاقب ہوا و
مقتول مرجائے اور معلوم نہ ہو کہ کس کا زخم کاری تھا اور کس کا کاری نہ تھا تو سب سے قصاص لیا جاوے گا اس واسطے کہ زخم کاری اور غیر کاری
پر واقف ہونا متعذر ہے اور جبکہ کاری اور غیر کاری معلوم ہو جائے اور یہ متصور نہیں مگر موت سے پہلے تو اس پر قصاص واجب ہوگا جس کا زخم مہلک اور کاری

گا کذا فی الطحطاوی والا لا کما فی تصحیح العلامۃ قاسم اگر جماعت سے ہر شخص کا زخم مہلک نہ ہو تو سب پر قصاص نہیں چنانچہ علامہ قاسم کی تصحیح
ہے ہم خواہ کسی کا زخم مہلک نہ ہو یا بعض کا مہلک ہو نہ باقی کا تو جس کا مہلک ہوگا اُس پر قصاص ہے اور باقی لوگوں پر تعزیر کذا فی الطحطاوی و
المجتبی انما یقتلون اذا وجد من کل جرح یصلح لزہوق الروح فاما اذا کانوا نظارۃ او مغوین او معینین بامساک واحد فلا قود علیہم اور مجتبی میں ہے
جماعت کے لوگ تو اسی صورت سے قتل ہوں گے جب کہ ہر شخص سے وہ زخم پایا جائے جو روح نکالنے کی لیاقت اور صلاحیت رکھتا ہو سو جبکہ اہل
عت تماشائی ہوں یا قاتل کو ورغلاتے ہوں یا قاتل کے مددگار رہوں ایک شخص کو گرفتار کر کے تو ان لوگوں پر قصاص نہیں اور نہ اُن پر خون
ا ہے کذا فی الطحطاوی والاولی ان یعرف الجمع بلام العہد فانہ لو قتل فرد اجمع احدہم ابوہ او مجنون سقط القود قہستانی اور بہتر یہ تھا کہ مصنف
فظ جمع کو معرف بلام تعریف کے لاتا اس واسطے کہ اگر ایک شخص کو جماعت قتل کرے کہ اُن میں سے ایک باپ ہے مقتول کا یا کوئی اُن میں دیوانہ ہے
قصاص ساقط ہوگا کذا فی القہستانی ہم یعنی اگر لام عہد خارجی ہوتا تو غیر مراد خارج ہو جاتا بلا تکلف ویقتل فرد بجمع اکتفاء بالیاقین خلافا
شافعی ان حضر ولیہم اور قتل کیا جاتا ہے ایک شخص جماعت کے بدلے اگر جماعت مقتولین کا وارث حاضر ہو بسبب کفایت کرنے قصاص فرد کے
قیوں کے واسطے برخلاف شافعی کے ہم امام شافعی کے نزدیک قاتل جماعت اول مقتول کے واسطے قتل ہوگا اور باقیوں کے واسطے مال واجب
وگا اور اگر اول معلوم نہ ہو تو سب کے واسطے قتل ہوگا اور دیات اُن کے فی مابین قسمت ہوں گی اور ہمارے نزدیک ایک قصاص سب کی طرف سے
فی ہے۔ اس واسطے کہ وارث قاتل کا قاتل ہے بوصف کمال از روئے قصاص کے اور اس لیے کہ قتل اخراج روح کے واسطے صالح ہے
ر اخراج روح قسمت پذیر نہیں تو ہر وارث کی طرف مضاف ہو اعلی وجہ الکمال کذا فی العینی فان حضر ولی واحد قتل لہ وسقط عندنا حق
البقیۃ کموت القاتل حتف انفہ لفوات المحل کما مر پھر اگر ایک وارث حاضر ہوا تو قاتل اُس کے واسطے قتل ہوگا اور ہم حنفیوں کے نزدیک باقی
ارثوں کا حق ساقط ہوگا جیسے ساقط ہو جاتا ہے قصاص قاتل کے مرجانے میں اپنی موت سے بسبب فوت ہو جانے محل قصاص کے چنانچہ گذر گیا
قطع رجلان فاکثر ید رجل او رجلہ او قلعا سنہ ونحو ذلک مما دون النفس جوہرۃ دو شخصوں یا زیادہ نے ایک مرد کا ہاتھ یا پاؤں کاٹا یا دونوں
نے اُس کا دانت اکھاڑا اور مانند اُس کے اور کوئی جنایت قتل نفس کے سوا کی کذا فی الجوہرۃ بان اخذا سکینا فامراہا علی یدہ حتی انفصلت فلا
قصاص عندنا علی واحد منہما او منہم لانعدام المماثلۃ ہاتھ یا پاؤں اس طرح پر کاٹا کہ دونوں شخصوں نے چھری کو پکڑا اسو اُس کو چلایا اُس مرد
کے ہاتھ یا پاؤں پر یہاں تک کہ بدن سے جدا ہو گیا تو ہمارے نزدیک قصاص نہیں کسی پر ان دو میں سے یا جماعت میں سے بسبب نہ ہونے
مماثلت اور مساوات کے ہم اس لیے کہ ہر واحد قاطع ہے بعض کا کیونکہ قطع دونوں کی قوت اور اعتماد سے حاصل ہوا اور محل یعنی ہاتھ قسمت پذیر ہے
تو ہر واحد کی طرف بعض قطع مضاف ہوگا تو مساوات نہ ہوئی دو ہاتھ کے قطع میں اور ایک ہاتھ کے قطع میں بخلاف قتل النفس بنفس واحد اس
واسطے کہ قتل نفس ہر واحد کی طرف علی وجہ الکمال مضاف ہے بسبب خروج روح کی عدم قسمت پذیری کے کذا فی الہدایۃ وشروحہا لان الشرط
فی الاطراف المساواۃ فی المنفعۃ والقیمۃ بخلاف النفس فان الشرط فیہا المساواۃ فی العصمۃ فقط اور کسی پر قصاص نہیں انعدام مماثلت کے سبب
اس واسطے کہ اطراف کے قصاص میں مساوات شرط ہے منفعت اور قیمت میں یعنی وہ یہاں حاصل نہیں برخلاف قصاص نفس کے اس واسطے کہ نفس
کے قصاص میں فقط عصمت دم کی مساوات مشروط ہے کذا فی الدرر یعنی نفس واحدہ اور انفس عصمت دم میں برابر ہیں لہذا ایک جان کے واسطے
بہت جانوں کا قصاص ہوتا ہے وضمنا او ضمنوا دیتہا علی عددہم بالسویۃ اور دونوں قاطع یا سب قاطعین ہاتھ کی دیت کا تاوان دیں بقدر اپنے
شمار کے برابر وان قطع واحد یمینی رجلین فلہما قطع یمینہ ودیۃ ید بینہما ان حضرا معا اور اگر ایک مرد دو مردوں کے ہاتھ کاٹے تو دونوں کو

اُس کا داہنا ہاتھ کاٹنا جائز ہے اور ایک ہاتھ کا خونبہا لینا آپس میں آدھوں آدھ بانٹ کر بشرطیکہ دونوں شخص ساتھ ہی، حاضر ہوں وان حضر احدهما وقطع له فللآخر علیه ای علی القاطع نصف الدية لما مران الاطراف ليست كالنفوس اور اگر دونوں میں سے ایک مرد حاضر ہوا اور اُس کے بدلے اُس کا ہاتھ کاٹا گیا تو دوسرے مرد کے واسطے قاطع پر نصف دیت ہے اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ اطراف کا حکم نفوس کے مانند نہیں ہے ھم دیت سے جان کی دیت مراد ہے یعنی ہزار دینار جس کا نصف پانچ سو دینار ہے كذا فى الطحطاوى ولو قضى بالقصاص بينهما ثم عفا احدهما قبل استيفاء الدية فللآخر القود وعند محمد له الارش اگر دونوں شخصوں کے درمیان قصاص کا حکم قاضی نے دیا سو ایک شخص نے قصاص معاف کردیا دیت کے حاصل ہونے سے پہلے تو دوسرے شخص کو قصاص لینے کا اختیار ہے اور محمد کے نزدیک قصاص نہیں خون بہا لینے کا اختیار ہے ولو اقر عبد بقتل عمد خلافاً لزفر اور قصاص لیا جاوے گا اس غلام سے جس نے قتل عمد کا اقرار کیا برخلاف زفر کے اُن کے نزدیک اقرار عبد غلام کا قصاص نہیں ھم وجوب قصاص کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں غلام غیر متہم ہے اسواسطے کہ اس میں اسی کا ضرر ہے ولو اقر بخطاء او بمال لم ينفذ اقراره على مولاه بل يكون فى رقبته الى ان يعتق كما نقله المصنف عن الجوهرة اور اگر غلام نے قتل خطا یا مال کا اقرار کیا تو اُس کا اقرار اُس کے مالک پر نافذ نہ ہوگا بلکہ اُس کی گردن پر رہے گا آزاد ہونے تک یعنی آزاد ہونے کے بعد اس پر دیت دینا لازم ہوگا چنانچہ مصنف نے جوہرہ سے نقل کیا ہے قال وظاهر كلام الزيلعى بطلان اقراره بالخطاء اصلا يعنى لافى حقه ولا فى حق سيده ونحوه فى احكام العبيد من الاشباه معللا بان موجبه الدفع او الفداء انتهى فتامله مصنف نے کہا اور زیلعی کا ظاہر کلام دلالت کرتا ہے کہ غلام کا اقرار قتل خطا کا اصلا باطل ہے یعنی نہ غلام کے حق میں صحیح ہے نہ اُس کے مالک کے حق میں اور اسی کے مانند اشباہ کے احکام عبید میں مذکور ہے زیلعی نے ابطال اقرار ثابت کیا ہے یوں تعلیل بیان کرکے کہ اس اقرار کا موجب دفع غلام ہے یا فدیہ دینا انتہی قول المصنف سو اس میں تامل کرو شارح نے بلفظ تامل اشارہ کیا کہ یہ تعلیل زیلعی کی جانب سے ہے نہ اشباہ کی طرف سے اس واسطے کہ اشباہ میں تعلیل ہی مذکور نہیں زیلعی کی پوری تقریر یوں ہے کہ اقرار غلام بقتل خطا باطل ہے اس واسطے کہ موجب اُس کا یا دفع ہے یا فدیہ مالک پر اور غلام پر کچھ واجب نہیں تو اقرار مذکور صحیح نہ ہوگا خواہ غلام محجور ہو یا ماذون فی التجارۃ ہو اس واسطے کہ یہ اقرار باب تجارت سے نہیں تو باطل ہوگا كذا فى الطحطاوى لكن علله القهستانى بانه اقرار بالدية على العاقلة انتهى فتدبره اذ قد اجمع العلماء على العمل بمقتضى قوله عليه الصلوة والسلام لا تعقل العواقل عبدا ولا صلحا ولا اعترافا حتى لو اقر الحر بالقتل خطاء لم يكن اقراره اقرارا على العاقلة اى الا ان يصدقوه وكذا قرره القهستانى فى المعاقل فتنبه لیکن قہستانی شارح نقایہ نے اُس کی تعلیل یوں کی ہے کہ قتل خطا کا اقرار کرنا دیت علی العاقلۃ کا اقرار ہے سو اس کلام میں تدبیر اور غور کرکہ منظور فیہ ہے اس لیے کہ علماء نے اجماع کیا ہے اس حدیث کے مقتضا پر عمل کرنے کا کہ عواقل دیت غلام کے متحمل نہیں ہوتی اور نہ صلح اور نہ اقرار کے یہانتک کہ اگر آزاد قتل خطا کا اقرار کرے تو یہ اقرار عاقلہ یعنی مددگاروں پر نہ ہوگا یعنی اُس صورت میں مددگاروں پر دیت ہے جب کہ وہ اقرار کی تصدیق کریں اور اسی مضمون کی تقریر کی ہے قہستانی مذکور نے کتاب المعاقل میں تو خبردار رہیو ھم طحطاوی نے شارح کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے جس کو اُس کے دریافت کا شوق ہو وہ عبارت[1] طحطاوی کو جو اس ترجمہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے ملاحظہ کرے رمى رجلا عمدا فنفذ السهم الى

---

[1] قوله لكن علله القهستانى لا وجه للاستدراك قوله بانه اقرار بالدية على العاقلة اى من غير ايجاب شئ على نفسه والعاقلة لا تعقل بالاعتراف وقد فهم المولف ان المراد بالعاقلة سيده هو كذلك لكن لا يخفى ان العبد عليه بالحديث فان المراد فيه عاقلة السيد ويدل لهذا كلام القهستانى الآتى قوله تقدير هو كقوله وفيه نظر وعلله بما ذكره بعد ما تعقل العواقل عبدا قال فى النقاية وشرحها للقهستانى ولا يتحملون جناية عبد على حر خطاء فانه على مولاه آه وموضع قوله ولا اعترافا فالمقصود من الدليل القهستانى قوله فتنبه اشارة الى تاكيد الرد على القهستانى فى تعليله بانه اقرار بالدية على العاقلة ولكن قد تقدم فيه قريبا بانه يفيد ان المراد عواقل السيد لا السيد نفسه فهو عاقلة عبده فلا ينقض الرد عليه كى سبق راجع كلام القهستانى الى كلام الزيلعى فتامله انتهى كلام الطحطاوى بن موضع الحاجة منه

آخر فماتا لیقتص للاول لانہ عمد وللثانی الدیۃ علی عاقلتہ لانہ خطاء ایک مرد کے عمداً تیر مارا سو اس کے بدن سے پار ہو کر دوسرے شخص کے جا لگا سو دونوں مر گئے تو پہلے مرد کے واسطے قصاص لیا جاوے گا اس لیے کہ وہ قتل عمد ہے اور دوسرے مرد کے واسطے دیت واجب ہوگی قاتل کے برادرون پر اس لیے کہ وہ قتل خطا ہے ہم ہر چند یہ فعل واحد ہے لیکن تعدد اثر سے متعدد ہو گیا کذا فی الزیلعی وقعت حیۃ علیہ فدفعہا عن نفسہ فسقطت علی آخر فدفعہا عن نفسہ فوقعت علی ثالث فلسعتہ ای الثالث فہلک فعلی من الدیۃ ہکذا سئل ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ بحضرۃ جماعۃ فقال لا یضمن الاول لان الحیۃ لم تضر الثانی وکذالک لا یضمن الثانی والثالث لو کثروا واما الاخیر فان لسعتہ مع سقوطہا فوراً من غیر مہلۃ فعلی الدافع الدیۃ لورثۃ الہالک والا لسعتہ فوراً لا یضمن وانہا علیہ ایضا فاستصوبوہ جمیعا وہذہ من مناقبہ رضی اللہ عنہ صیرفیۃ ومجمع الفتاوی سانپ گر پڑا ایک شخص پر سو اس نے اپنے اوپر سے ہٹا کر پھینکا سو دوسرے شخص پر جا پڑا پھر دوسرے شخص نے اس کو اپنے اوپر سے ہٹایا تو تیسرے شخص پر جا پڑا سو تیسرے کو اس نے کاٹا تو وہ مر گیا تو کون شخص پر خون بہا واجب ہوگا اس طرح سوال ہوا تھا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جماعت علماء مجتہدین کے روبرو سو امام نے فرمایا کہ اول شخص پر ضمان لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ سانپ نے دوسرے شخص کو ضرر نہیں پہنچایا اور اسی طرح دوسرا تیسرا شخص ضمان نہ دے گا اگر تینوں آدمیوں سے زیادہ لوگ ہوں رہا اخیر شخص سو اس کا یہ حال ہے کہ اگر اس کو سانپ نے گرنے کے ساتھ ہی بلا توقف کاٹا تو سانپ کے ہٹانے والے شخص پر خون بہا مر جانے والے کے وارثوں کے واسطے واجب ہے اور اگر سانپ نے فوراً نہیں کاٹا یعنی کچھ ٹھہر کے کاٹا تو ہٹانے والے پر بھی ضمان دیت کا لازم نہیں آوے گا پھر سب عالموں نے ٹھیک جواب دینے کا اقرار کیا اور یہ مسئلہ بھی منجملہ مناقب امام کے ہے رضی اللہ عنہ کذا فی الصیرفیۃ ومجمع الفتاوی ہم فوراً کاٹنے سے دافع سبب ٹھہرا موت کا لہٰذا اس پر خون بہا واجب ہوا اور اگر مہلت سے کاٹا تو دافع سبب نہ رہا قال المصنف وبہذا التفصیل اجبت فی حادثۃ الفتوی وہی ان کلباً عقوراً وقع علی آخر فالقاہ علی الثانی والثانی علی الثالث واللہ اعلم مصنف نے شرح میں کہا کہ موجب اسی تفصیل کے میں نے جواب دیا تھا اس صورت میں جو فتوی طلب ہوا تھا وہ یہ ہے کہ سگ گزندہ ایک شخص پر گر پڑا سو اس نے دوسرے شخص پر ڈالا اور دوسرے نے تیسرے پر ڈالا واللہ اعلم یعنی دافع اخیر پر دیت لازم ہوگی اگر اس کے فوراً کاٹنے سے مر گیا اور اگر ٹھہر کے اس نے کاٹا تو اس پر بھی دیت نہیں **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے القی حیۃ او عقرباً فی الطریق فلدغت رجلاً ضمن الا اذا تحولت ثم لدغتہ ایک شخص نے سانپ یا بچھو راہ میں ڈالا سو اس نے ایک مرد کو کاٹا یعنی وہ مر گیا تو ڈالنے والے پر دیت لازم ہوگی مگر جب کہ سانپ ڈالنے کی جگہ سے ہٹ گیا ہے پھر اس نے کاٹا تو اس پر کچھ ضمان لازم نہ ہوگا ہم طحطاوی نے کہا کہ مسئلہ سابقہ کا مقتضائے جواب امام یہ ہے کہ اگر فوراً کاٹیگا تو ضمان ہے اور اگر ڈالنے کے بعد ایک ساعت ٹھہر کر کاٹیگا تو ضمان نہیں وضع سیفاً فی الطریق فعثر بہ انسان ومات وکسر السیف فدیتہ علی رب السیف وقیمتہ علی العاثر ایک شخص نے تلوار ڈال دی راہ میں سو ایک آدمی تلوار سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور مر گیا اور تلوار ٹوٹ گئی اس کے گرنے سے تو اس کا خون بہا تلوار کے مالک پر ہے اور تلوار کی قیمت گرنے والے پر ہے ثور نطوح سیبہ للمرعی فنطح ثوراً غیرہ فمات ان اشہد علیہ ضمن والا لا وقال فی البدائع لا ضمان لان الاشہاد انما یکون فی الحائط لا فی الحیوان تاجیہ مارو بیل چھوڑا چراگاہ میں سو اس نے دوسرے کے بیل کے سینگ مارا سو وہ مر گیا اگر گاؤ مقتول کے مالک نے اس پر اشہاد کیا ہو یعنی لوگوں کو اس کی شاخ زنی پر گواہ کر دیا ہو تو گاؤ قاتل کے مالک پر ضمان لازم ہوگا اور بدون اشہاد کے تاوان نہیں اور بدائع میں کہا کہ مطلقاً تاوان نہیں اس واسطے کہ اشہاد تو ہوتا ہے دیوار مائل میں نہ جانوروں میں کذا فی السراجیۃ واعلم انہ اذا اشترک قاتل العمد مع من لا یجب علیہ القود کاجنبی شارک الاب فی قتل ابنہ وکاجنبی شارک الزوج فی قتل زوجتہ ولہ منہا ولد وکعامد مع مخطئ وعاقل مع

مجنون وبالغ مع صغیر وشریک حیۃ وسبع کما فی الخانیۃ فلا قود علی احدہما ای لاقصاص علی واحد منہما فیما ذکر اور یہ معلوم کر کہ جب شریک ہو قاتل عمداً اُس شخص کے ساتھ جس پر قصاص واجب نہیں چنانچہ اجنبی شریک ہوگیا باپ کا اُس کے فرزند کے قتل کرنے میں اور جیسے بیگانہ شریک ہوگیا زوج کا اُس کی اُس زوجہ کے قتل میں جس کے پیٹ سے زوج کا لڑکا موجود ہے اور جیسے قاتل عامد قاتل مخطی کے ساتھ اور عاقل مجنون کے ساتھ اور قاتل بالغ قاتل صغیر کے ساتھ اور سانپ اور درندے کا ساتھی تو دونوں میں سے ایک پر قصاص نہیں یعنی سب صورتوں مذکورہ میں کسی پر قصاص نہیں م پہلی صورت میں جب باپ سے قصاص ساقط ہوا تو اُس کے ساتھی سے بھی ساقط ہوگیا اور دوسری صورت میں زوج سے اس واسطے قصاص ساقط ہوا کہ زوجہ کا وارث فرزند ہے سو فرزند اپنے باپ سے قصاص نہیں لے سکتا پھر جب اُس پر واجب نہ ہوا تو اسی طرح اُس کے شریک پر بھی واجب نہ ہوا طحطاوی نے کہا لیکن اجنبی کی شرکت میں باپ یا زوج کے ساتھ دیت واجب ہوگی دونو کے خاص مال میں اس لیے کہ دونوں قاتل عامد ہیں اور عامد اور مخطی کی شرکت میں نصف دیت عامد پہ ہے اور نصف باقی مخطی کے برادروں پر اسی طرح عاقل پر نصف دیت ہے اور باقی مجنون کے برادروں پر اور بالغ پر نصف دیت ہے اور باقی صغیر کے برادروں پر اور سانپ اور درندے کے ساتھی پر نصف دیت ہے اور باقی دیت ساقط ہے دخل رجل بیتہ فرأی رجلا مع امرأتہ او جاریتہ فقتلہ حل لہ ذلک ولا قصاص علیہ ہذا ساقط من نسخ المتن ثابت فی نسخ الشرح معزیا للشرح الوہبانیۃ وقد حققناہ فی باب التعزیر داخل ہوا اپنے گھر میں سو ایک مرد کو دیکھا اپنی زوجہ یا اپنی لونڈی کے ساتھ سو اُس کو اُس نے مار ڈالا تو اُس کو یہ قتل کرنا حلال ہے اور اُس پر قصاص نہیں شارح نے کہا یہ مسئلہ متن کے نسخوں سے ساقط اور مصنف کی شرح کے نسخوں میں ثابت ہے منسوب لشرح وہبانیہ اور ہم نے اس کی تحقیق بیان کی ہے تعزیر کے باب میں م حلت قتل میں ظاہراً احصان[عہ] شرط نہیں اس واسطے کہ ابن وہبان نے علت یہ بیان کی ہے کہ قتل یہاں باب حدود سے نہیں بلکہ نہی عن المنکر کے باب سے ہے اور اسی طرح بزازی نے مطلق رکھا ہے اور طرسوسی نے کہا کہ احصان شرط حلت قتل ہے چنانچہ قاضی خاں نے اُس کو مصرح بیان کیا ہے تو فتاوی صغری کا اطلاق لائق التفات کے نہیں ہوا اس واسطے کہ زنا موجب قتل نہیں بدون احصان کے انتہی اور حموی میں زاہدی سے منقول ہے کہ اصل یہ ہے کہ جو شخص مسلمان کو زنا کرتے دیکھے تو اُس کو قتل کرنا حلال ہے اور قتل سے باز رہتا ہے آدمی اس خوف سے کہ اُس کو حاکم وغیرہ سچا نہ جانے گا اس میں کہ اُس نے زنا کرتے دیکھ کر قتل کیا ہے انتہی اور منح الغفار میں خانیہ سے منقول ہے کہ حلت قتل اُس وقت ہے جب کہ شور کرنے سے زانی نہ بھاگے اور زنا سے باز نہ رہے کذا فی الطحطاوی **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے صبی محجور قال لہ رجل شد فرسی فاراد شدہ فرفسہ فمات فدیتہ علی عاقلۃ الآمر صغیر ماذون سے ایک مرد نے کہا کہ میرا گھوڑا باندھ دے سو اُس نے اُس کے باندھنے کا ارادہ کیا سو گھوڑے نے اُس کو پاؤں سے کچلا سو وہ مرگیا تو اُس کا خون بہا امر کرنے والے کے برادروں پر ہے وکذا لو اعطی صبیا عصی او سلاحا او امرہ بحمل شیء او کسر حطب ونحو ذلک بلا اذن ولیہ فمات اور اسی طرح اگر صغیر کو لاٹھی یا ہتھیار دیا یا اُس کو کسی چیز کے اٹھانے کا امر کیا یا لکڑی چیرنے کا اور مانند اس کے اور کوئی امر کیا بلا اذن اُس کے ولی کے سو وہ لڑکا مرگیا تو دیت واجب ہوگی م یعنی لاٹھی یا ہتھیار دیا تھامنے کے واسطے اور اُس سے کچھ نہ کہا سو اُس کے سبب سے وہ مرگیا اس طرح کہ اُس کے ہاتھ سے کسی عضو پر چھوٹ پڑا اور یہ مراد نہیں کہ صغیر نے ہتھیار سے اپنی ذات کو ہلاک کیا اس واسطے کہ اگر وہ اپنی ذات کو یا غیر کو ہلاک کرے گا تو دافع پر ضمان نہیں کذا فی الطحطاوی عن التاتارخانیۃ والخلاصۃ ولو اعطاہ السلاح ولم یقل امسکہ فقولان اور اگر اُس کو ہتھیار دیا اور یہ نہ کہا کہ اس کو پکڑے رہ تو اس میں دو قول ہیں یعنی وجوب دیت اور عدم وجوب م قول

[عہ] صاحب نکاح ہونا ۱۲

مختار یہ ہے کہ دیت واجب ہے کذا فی العالمگیریۃ عن الخلاصۃ صبی علی حائط صاح بہ رجل فوقع فمات ان صاح بہ فقال لاتقع فوقع لایضمن ولو قال قع فوقع ضمن بہ یفتی وقیل لایضمن مطلقا تاجیۃ طفل صغیر ہے دیوار پر ایک مرد نے اُس پر شور کیا سو وہ گر پڑا اور مرگیا اگر یوں شور کر کے کہا اس سے کہ خبردار نہ گرنا سو وہ گر پڑا تو اُس پر خون بہا نہیں اور اگر یوں چلا کر کہا کہ گر پڑ سو وہ گر پڑا تو خون بہا لازم ہوگا اسی قول پر فتوی ہے اور بعضوں نے کہا کہ کسی طرح ضمان نہیں کذا فی التاجیۃ۔

فصل فی الفعلین

یہ فصل ہے دو فعل کے مسائل میں مثلاً قطع ید اور قتل خواہ ایک شخص سے دونوں فعل ہوں یا دو شخصوں سے قطع ید رجل ثم قتلہ اخذ بالامرین ای بالقطع والقتل ولو کانا عمدین اوکانا خطائین اوکانا مختلفین ای احدہما عمدا والاخر خطاء تخلل بینہما برء اولا ہاتھ کاٹا ایک مرد کا پھر اُس کو مار ڈالا تو دونوں امر یعنی قطع اور قتل دونوں فعل میں پکڑا جاوے گا یعنی دونوں فعل کا بدلا اُس سے لیا جاوے گا اگرچہ دونوں فعل عمد ہوں یا دونوں خطا ہوں یا دونوں مختلف ہوں یعنی ایک فعل عمد ہو اور دوسرا خطا خواہ دونوں فعل میں صحت واقع ہوگئی ہو یا نہ واقع ہوئی فیوخذ بالامرین فی الکل بلا تداخل الا فی خطائین لم تخلل بینہما برء فانہما یتداخلان فتجب فیہما دیۃ واحدۃ وان تخلل برء لم یتداخلا کما علمت تو فاعل ماخوذ ہوگا سب صورتوں مذکورہ میں بدون تداخل کے مگر ان دو خطاؤں میں جن کے درمیان صحت واقع نہیں ہوئی اس واسطے کہ وہ دونوں فعل خطا کے متداخل ہوں گے یعنی ایک فعل میں داخل ہو جاوے گا باعتبار اتحاد اجزا کے تو دونوں میں ایک ہی دیت واجب ہوگی اور اگر درمیان میں صحت واقع نہ ہوئی تو دونوں متداخل نہ ہوں گے چنانچہ تو معلوم کر چکا ہے متن کے عموم سے فالحاصل ان القطع اما عمد او خطاء والقتل کذلک صار اربعۃ ثم اما ان یکون بینہما برء اولا صار ثمانیۃ وقد علم حکم کل منہا تو خلاصہ یہ ہے کہ قطع یا عمد ہے یا خطا ہے اور قتل بھی اسی طرح دو قسم عمد ہے یا خطا ہے تو یہ چار قسمیں ہوگئیں پھر دونوں کے درمیان صحت حاصل ہوئی یا نہ ہوئی تو آٹھ قسمیں ہوگئیں اور البتہ ہر صورت کا حکم معلوم ہوگیا م تو اگر قطع اور قتل دونوں عمد ہوں اور قطع کے بعد صحت ہوگئی ہو تو اول قطع کا قصاص لیا جاوے گا پھر قتل کا اور اگر صحت مابین میں حاصل نہ ہوئی تو بھی امام کے نزدیک یہی حکم ہے کہ قطع ید کے بعد قصاص ہوگا اور صاحبین کے نزدیک فقط قتل ہوگا نہ قطع تو بجزا قطع قتل کی جزا میں داخل ہوگئی اور اگر قطع اور قتل دونوں خطا ہوں تو اگر درمیان میں صحت ہوگئی ہو تو قطع اور قتل دونوں کی دیت واجب ہوگی یعنی نصف دیت قطع کی اور پوری دیت قتل کی اور اگر درمیان میں صحت نہ ہوئی تو فقط قتل کی دیت کفایت کرتی ہے اور اگر قطع عمد ہے اور قتل خطا ہے خواہ درمیان میں صحت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو ہاتھ کاٹا جاویگا اور دیت نفس کی واجب ہوگی اور اگر قطع خطا ہے اور قتل عمد ہے خواہ صحت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو قطع کی دیت واجب ہوگی اور قتل کا قصاص لیا جاویگا کذا فی شرح الوقایۃ کمن ضربہ مائۃ سوط فبرأ من تسعین ولم یبق اثرہا ای اثر الجراحۃ ومات من عشرۃ ففیہ دیۃ واحدۃ لانہ لما برأ من تسعین لم تبق معتبرۃ الا فی حق التعزیر مانند اس شخص کے جس کو سو کوڑے مارے سو وہ چنگا ہو گیا نوے کوڑے سے اور اُن کی جراحت کا اثر کچھ باقی نہ رہا اور وہ مر گیا دس کوڑے کے صدمہ سے تو اس میں ایک ہی دیت واجب ہوگی اس واسطے کہ جب وہ چنگا ہو گیا نوے کوڑے سے تو اُن کا مارنا معتبر باقی نہ رہا مگر تعزیر کے حق میں البتہ معتبر ہے وکذا کل جراحۃ اندملت ولم یبق لہا اثر عند ابی یوسف فی مثلہ حکومۃ عدل وعن محمد یجب اجرۃ الطبیب وثمن الادویۃ درر وصدر الشریعۃ وہدایۃ وغیرہا اور اسی طرح غیر معتبر ہے ہر ایک وہ زخم جو بھر گیا ہو اور اُس کا نشان باقی نہ رہا ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کے مانند میں عدل ہے اور محمدؒ سے روایت ہے کہ طبیب کی اجرت اور دوائیوں کا ثمن واجب ہوگا چنانچہ درر اور صدر الشریعۃ اور ہدایہ وغیرہا میں ہے وتجب حکومۃ عدل

مع دیۃ النفس فی مائۃ سوط جرحتہ وبقی اثرہا بالاجماع لبقاء الاثر ووجوب الارش باعتبار الاثر ہدایۃ وغیرہا اور حکومت عدل دیت نفس کے ساتھ بالاتفاق واجب ہے ان سو کوڑوں میں جنھوں نے زخمی کر دیا اور اُس کا نشان باقی رہ گیا یہ حکم اثر کے باقی رہنے کے سبب سے ہے اور عفو کی دیت کا واجب ہونا نشان کے اعتبار سے ہے چنانچہ ہدایہ وغیرہا میں مصرح ہے م یعنی نوے کوڑے کا زخم چنگا ہو گیا لیکن اُس کا نشان باقی رہا پھر دس کوڑے کے مارنے سے وہ مرگیا تو حکومت عدل اور دیت نفس واجب ہوگی باتفاق امام اور صاحبین کے اس واسطے کہ دیت مادون نفس کی واجب ہوتی ہے عیب ناکی اور بدنمائی سے اور عیب ناکی پیدا ہوتی ہے نشان کے باقی رہ جانے سے وفی جواہر الفتاوی رجل جرح رجلا فعجز المجروح عن الکسب یجب علی الجارح النفقۃ والمداواۃ اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کو زخم لگایا تو زخمی کمائی سے عاجز ہوگیا تو زخم لگانے والے پر اُس کا نان ونفقہ اور علاج کرنا واجب ہے یعنی تا بقائے زخم کذا فی الطحطاوی وفیہا رجل جاء بالعوان الی رجل فضربہ العوان فعجز عن الکسب فمداواۃ المضروب ونفقتہ علی الذی جاء بالعوان انتہی قال المصنف والظاہر انہ مفرع علی قول محمد رحمہ اللہ قلت وقدمنا معزیا للمجتبی عن ابی یوسف نحوہ وسنحققہ فی الشجاج اور اسی جواہر الفتاوی میں ہے کہ ایک مرد حاکم کے ظالم سپاہی کو لایا ایک مرد کے پاس سو اُس ظالم نے اُس کو مارا سو وہ عاجز ہوگیا اپنے کسب اور کار سے تو مضروب کی دوا علاج اور کھانا پینا اُس پر واجب ہے جو ظالم کو لایا انتہی ما فی جواہر الفتاوی مصنف نے کہا اور ظاہر یہ قول محمد رحمہ اللہ کے قول پر متفرع ہے میں کہتا ہوں اور مانند اس کے ہم مقدم ذکر کر چکے ہیں ابو یوسف سے نسبت بہ مجتبی اور آگے شجاج کی فصل میں اس کو ہم محقق بیان کریں گے م باب القود فیما دون النفس کے شروع میں شارح مجتبی سے نقل کیا ہے کہ ابو یوسفؒ کے نزدیک تحریک دندان سے حکومت عدل یعنی اجرت طبیب کی واجب ہے ومن قطع ای عمد او خطاء بدلیل ما یاتی وبہ صرح فی البرہان کما فی الشرنبلالیۃ لکن فی القہستانی عن شرح الطحطاوی ان الدیۃ علی العاقلۃ فی الخطاء ومن ظن انہا علی القاطع فی الخطاء فقد اخطا وکذا لو شج او جرح فعفا عن قطعہ او شجتہ او جراحتہ فمات منہ ضمن قاطعہ الدیۃ فی مالہ اور جس کا ہاتھ یا پاؤں کاٹا گیا سو اُس نے اُس قطع یا سر کچلنے یا جراحت کو معاف کر دیا پھر معاف کرنے والا قطع وغیرہ کے صدمہ سے مرگیا تو اُس کا قطع کرنے والا اپنے مال میں سے اُس کی دیت کا ضمان دے شارح نے کہا قطع مطلق مراد ہے خواہ عمد ہو یا خطا بدلیل اس مسئلہ کی تفصیل کے جو اُس کے بعد آوے گا اور اسی اطلاق کرنے کی تصریح کی ہے برہان میں چنانچہ شرنبلالیہ میں لیکن قہستانی میں شرح طحاوی سے یوں منقول ہے کہ قطع خطا میں قاطع کی برادری پر دیت ہے نہ قاطع پر اور جس نے یہ گمان کیا کہ قاطع پر دیت ہے خطا میں سو اُس نے مقرر خطا کی، اور اسی طرح کا حکم ہے اگر اُس کا سر کچلا گیا یا وہ زخمی کیا گیا خلافا لہما قلنا انہ عفا عن القطع وہو غیر القتل برخلاف صاحبین کے یعنی اُن کے نزدیک عفو قطع سے عفو نفس بھی ثابت ہوتا ہے ہم امام کی طرف سے جواب میں کہتے ہیں کہ مقطوع نے قطع کو معاف کیا ہے اور قطع کا مغائر ہے تو قطع کے عفو سے قتل کا عفو ثابت نہیں ہو سکتا ولو عفا عن الجنایۃ او عن القطع وما یحدث منہ عفو عن النفس فلا یضمن شیئا اور اگر عفو کر دیا جنایت سے یا قطع سے اور اس موت سے جو پیدا ہوا قطع سے تو وہ معافی ہے نفس سے تو فاعل کچھ ضمان نہ دے گا م اس واسطے کہ جنایت اسم جنس ہے شامل ہے قتل کو اور اس زخم کو جو موت تک سرایت کرے یا نہ کرے اور اسی طرح قطع اور جو قطع کے بعد حادث ہو صریح ہے عفو نفس تو باتفاق امام اور صاحبین کے ضمان لازم نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی وحینئذ فالخطاء یعتبر من ثلث مالہ فان خرج من الثلث فبہا والا فعلی العاقلۃ ثلثا الدیۃ کما فی شرح الطحاوی اور اُس وقت میں یعنی جبکہ قاتل پر عفو کے سبب سے ضمان لازم نہ ہوا تو اگر جنایت از راہ خطا ہے تو مقتول کے تہائی مال سے معتبر ہوگی اور اگر مقتول کا خون بہا اُس کے تہائی مال سے نکلا فہو المقصود اور اگر اُس کے ثلث مال میں دیت کی گنجائش نہ ہوئی تو عاقلہ یعنی قاتل کے برادروں پر دیت کی دو تہائیاں واجب ہوں گی کذا فی شرح الطحاوی م یعنی اگر جنایت

خطا ہو اور اُس نے جنایت عفو کر دی ہو تو یہ دیت کی معافی ہے تو مقتول کے ثلث مال سے اُس کا اعتبار ہوگا اس واسطے کہ دیت مال ہے اور مقتول کے وارثوں کا حق دیت سے متعلق ہے تو مقتول کا عفو کرنا وصیت ٹھہرا لہذا ثلث مال سے صحیح ہوگی برخلاف قتل عمد کے اس واسطے کہ موجب اُس کا قصاص ہے اور قصاص مال نہیں ہے تو اس سے وارثوں کا حق متعلق نہیں ہے تو عفو عن القصاص جمیع مال سے صحیح ہے کذا فی شرح الوقایۃ فمن ظن انما علی القاطع فقد اخطأ قطعا سو جس نے یہ گمان کیا ہے کہ دیت اُس مقتول کی قاطع پر ہے سو وہ بالیقین چوک گیا ومفادہ ان عفو الصحیح لا یعتبر من الثلث ذکرہ القہستانی اور اعتبار ثلث مال سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صحیح آدمی کا عفو کرنا ثلث سے معتبر نہ ہوگا ایسا ذکر کیا ہے قہستانی شارح نقایہ نے م اس واسطے کہ ثلث مال کا اعتبار مرض الموت کے مریض میں ہوتا ہے سو اگر وہ صحیح ہو اس طرح کہ ہاتھ اُس کا از راہ خطا قطع ہو گیا اور وہ بستر پر بیمار نہ پڑا صحیح سالم کے مانند چلتا پھرتا رہا اُس نے قطع کو عفو کر دیا پھر وہ مر گیا اُس کے صدمہ سے دفعتاً تو یہ عفو کل مال میں نافذ ہوگا نہ ثلث میں کذا فی الطحطاوی بتصرف والعمد من کلہ لتعلق حق الورثۃ بالدیۃ لا بالقود لانہ لیس بمال اور جنایت عمد کا عفو کل مال سے معتبر ہوگا اس واسطے کہ مقتول کے وارثوں کا حق دیت سے متعلق ہے نہ قصاص سے اس واسطے کہ قصاص مال نہیں ہے والشجۃ مثلہ ای مثل القطع حکما وخلافا اور سر کا زخم قطع کے مانند ہے حکم میں اور امامؒ اور صاحبینؒ کے خلاف میں قطعت امرأۃ ید رجل عمدا ای او خطأ لما یاتی فلو اطلق کما سبق وکالملتقی وغیرہ کان اولی فتامل ایک عورت نے ایک مرد کا ہاتھ کاٹا عمداً یعنی یا از راہ خطا ہاتھ کاٹا یہ اطلاق اس تفصیل کی دلیل سے ہے جو بعد اس کے مذکور ہوگی تو اگر مصنف قطع کو مطلق رکھتا عمد کی قید نہ لگاتا جیسے مسئلہ سابقہ میں قطع کو مطلق رکھا تھا اور جس طرح ملتقی وغیرہ میں مذکور ہے تو بہتر ہوتا سو اُس کو تامل کر یعنی اگر مطلق کہتا تو تفصیل آئندہ صحیح ہوتی کذا فی الطحطاوی فنکحہا المقطوع یدہ علی یدہ ثم مات فلو لم یمت من السرایۃ فمہرہا الارش ولو عمدا اجماعا سو جس مرد کا ہاتھ کاٹا گیا اُس نے ہاتھ کاٹنے والی عورت سے نکاح کیا اپنے ہاتھ پر یعنی اپنے ہاتھ کے دیت کے بدلے نکاح کیا پھر وہ مر گیا تو اگر قطع کی سرایت سے نہ مرتا تو عورت کا مہر ہاتھ کا خون بہا ہوتا یعنی پانچ ہزار درم اگرچہ قطع عمد ہو باتفاق امام اور صاحبین کے یجب عند ابی حنیفۃ مہر مثلہا والدیۃ فی مالہا ان تعمدت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس عورت کا مہر مثل واجب ہے اور ہاتھ کی دیت عورت کے مال میں واجب ہے اگر اُس نے عمداً ہاتھ کاٹا ہو چونکہ قصاص فی الطرف پر نکاح ہوا تھا اور وہ مال نہ تھا تو مہر ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا تو ہاتھ کی دیت مہر ٹھہری تھی کیونکہ مرد اور عورت کے اطراف میں قصاص نہیں ہوتا پھر جب کہ مرد قطع کے صدمہ سے مر گیا تو ظاہر ہو گیا کہ ہاتھ کی دیت واجب نہ تھی لہذا مہر مثل واجب ہوا اور عورت پر دیت لازم آئی نہ اُس کے مددگاروں پر اس واسطے کہ عمد میں فاعل پر ضمان ہوتا ہے نہ اُس کے مددگاروں پر وتقع المقاصۃ بین المہر والدیۃ ان تساویا والا ترادا الفضل اور مہر اور دیت برابر سرابر ہو جاویں گے اگر دونوں متساوی ہوں اور اگر کم و بیش ہوں تو عورت اور مرد زیادہ کو پھیر دیں م یعنی جب مرد پر مہر اور عورت پر اُس کی دیت واجب ہوئی تو اگر مہر اور دیت مقدار میں برابر ہیں تو باہم مجرا ہو گئے جتنا دینا تھا اُتنا لینا معاملہ برابر ہو گیا اور اگر مہر زیادہ ہے تو عورت مرد کے وارثوں سے قدر زیادت کو تقاضا کرے اور اگر دیت زیادہ ہے تو مرد کے وارث عورت سے اتنا مطالبہ کریں وعلی عاقلتہا ان اخطأت فی قطع یدہ اور عورت کے مددگاروں پر دیت واجب ہے اگر عورت نے از راہ خطا اُس کا ہاتھ کاٹا ہو ولا یتقاصان لان الدیۃ علی العاقلۃ فی الخطاء بخلاف العمد فان الدیۃ علیہا والمہر علی الزوج فیتقاصان اور خطا میں مہر اور دیت باہم مجرا نہ ہوں گی اس واسطے کہ دیت تو مددگاروں پر واجب ہوتی ہے خطا میں برخلاف عمد کے اس واسطے کہ عمد میں عورت پر دیت واجب ہے اور زوج پر مہر تو دونوں باہم مجرا ہو کر برابر سرابر ہو جاویں گے قلت وقال صاحب الدرر ینبغی ان تقع المقاصۃ فی الخطاء ایضا لانہا علیہا دون العاقلۃ علی القول المختار فی الدیۃ لکنہ لیس علی اطلاقہ بل فی العجم ولعل اطلاقہ لاحالتہ لمحلہ فلیحفظ میں کہتا ہوں اور صاحب درر نے کہا لائق یوں ہے کہ خطا میں بھی مہر اور دیت برابر سرابر ہو جاویں اس واسطے کہ

دیت خطا میں عورت پر ہے نہ مددگاروں پر موجب اُس قول کے جو باب دیت میں مختار اور پسندیدہ ہے لیکن وہ قول مختار مطلق نہیں ہے بلکہ عجم کے گروہ میں منحصر ہے یعنی اس واسطے کہ عجم میں تناصر ایک دوسرے کی مدد کرنا ۱۲ کا مضمون نہیں جو دیت مددگاروں پر واجب ہو اور شاید کہ صاحب درر نے جو مطلق کہا ہے تو اُس کے محل پر حوالہ کیا ہے یعنی اخلاق باعتبار عجم کے ہے نہ عرب کے تو اُس کو یاد رکھنا چاہیے **وان نکحها علی الید وما یحدث منها او علی الجنایة ثم مات منه وجب لها فی العمد مهر المثل ولا شیٔ علیها لرضاه بالسقوط** اور اگر دست بریدہ مرد نے عورت قاطعہ سے نکاح کیا قطع ید پر اور اس قتل پر جو پیدا ہو قطع ید سے یا نکاح کیا جنایت کے بدلے پھر وہ مر گیا اس کے سبب سے تو عمد میں عورت کا مہر مثل واجب ہوگا اور عورت پر کچھ واجب نہیں مرد کے واسطے بسبب راضی ہو جانے مرد کے سقوط قصاص سے یعنی جب اُس نے قصاص کو مہر قرار دیا اور وہ مہر ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا تو قصاص اصل سے ساقط ہو گیا **ولو خطأ رفع عن العاقلة مهر مثلها والباقی وصیة لهم ای للعاقلة** اور اگر قطع بطور خطا کے تھا تو عورت کے مددگاروں سے اُس کا مہر مثل مرتفع ہو گیا اور باقی دیت وصیت ہے مددگاروں کے واسطے جنایت خطا میں دیت پر نکاح ٹھہرا اور دیت میں مہر ہونے کی لیاقت ہے سو اگر مہر مثل دیت کے برابر ہے اور مقتول کا کچھ مال نہیں سوائے دیت کے تو مددگاروں پر کچھ واجب نہیں اس واسطے کہ نکاح کرنا حوائج اصلیہ سے ہے تو جمیع مال سے معتبر ہوگا اور اگر مہر مثل دیت سے زیادہ ہے تو زیادت واجب نہیں اس واسطے کہ عورت تو مہر مثل سے کمتر پر راضی ہو گئی اور اگر مہر مثل دیت سے کمتر ہے تو زیادت وصیت ہے مددگاروں کے واسطے اور وصیت صحیح ہے کیونکہ وہ قاتل نہیں کذا فی شرح الوقایة **فان خرج من الثلث سقط والا سقط ثلث المال فقط** پھر اگر زائد از مہر تہائی مال سے نکلا تو مددگاروں پر ساقط ہو گیا ورنہ فقط تہائی مال ساقط ہوگا یعنی جو مہر مثل سے زیادہ ہے تو اُس کو نظر کرنا چاہیے کہ مقتول کے ثلث مال سے نکل سکتا ہے یا نہیں اگر نکل سکتا ہے تو بھی مددگاروں پر سے ساقط ہو گیا کیونکہ وہ وصیت ہے اُن کے حق میں تو وصیت صحیح ہوگی اس واسطے کہ مددگار اجنبی ہیں مقتول سے اور اگر تہائی سے نکل نہیں سکتا تو بقدر تہائی کے مددگاروں پر ساقط ہوگا اور زیادت کا ادا کرنا مقتول کے وارثوں کے واسطے مددگاروں پر واجب ہوگا اس واسطے کہ وصیت سوائے تہائی مال کے جاری نہیں ہوتی کذا فی المنح **ولو قطعت یده فاقتص له فمات المقطوع الاول قبل الثانی قتل الثانی بالسرایة وعن ابی یوسفؒ لا قود لانه لما اقدم علی القطع فقد ابرأ عما وراءه وظاهر اشکال ابن الکمال یفید تقویة قول ابی یوسفؒ قال المصنف** اور اگر ایک شخص کا ہاتھ کاٹا گیا سو اُس کا بدلا لیا گیا سو مقطوع اول مر گیا مقطوع ثانی سے پہلے تو مقطوع ثانی قتل کیا جائے گا اُس کے بدلے بسبب سرایت قطع کے اور ابو یوسفؒ سے روایت یوں ہے کہ قتل کا قصاص نہیں اس واسطے کہ جب مقطوع اول نے قاطع کے قطع ید پر اقدام کیا تو اُس کو بری الذمہ کر دیا ماورائے قطع سے اور ابن کمال کا ظاہر اشکال تقویت قول ابو یوسفؒ کا مفید ہے ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں ھ خلاصہ اشکال مذکور یہ ہے کہ اگر قطع ید کو مقطوع عفو کرے پھر مر جائے تو دیت ہے اس وجہ سے کہ صورت عفو کی سقوط قصاص میں کافی ہے کیونکہ وہ مورث شبہ ہے تو وہاں اُس کی برات معتبر کی اور یہاں معتبر نہ کی طحاوی نے کہا کہ یہ اشکال متون اور شروح کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بحث ہے یعنی روایت نہیں **ولو مات المقتص منه فدیته علی عاقلة المقتص له خلافا لهما قلت هذا اذا استوفاه بنفسه بلا حکم حاکم واما الحاکم والحجام والختان والفصاد والبزاغ فلا یتقید فعلهم بشرط السلامة کالاجیر وتمامه فی الدرر** اور اگر وہ شخص مر گیا جس سے قطع ید کا بدلا لیا گیا تو اُس کی دیت مددگاروں پر ہے جس کے واسطے بدلا لیا گیا برخلاف صاحبینؒ کے کہ اُن کے نزدیک دیت نہیں میں کہتا ہوں یہ یعنی دیت کا واجب ہونا اُس وقت ہے جبکہ مقطوع بذات خود استیفاء قصاص کرے بدون حکم کرنے حاکم کے اور حاکم اور پچھنے لگانے والا اور ختنہ کرنے والا اور فصد کھولنے والا اور نشتر زن سو اُن کا فعل تو مقید بشرط سلامت نہیں ہے مزدور کے مانند اور اس کا پورا بیان

در میں ہے والاصل ان الواجب لایتقید بوصف السلامۃ والمباح یتقید بہ اور قاعدہ کلیہ ضمان اور عدم ضمان کا یہ ہے کہ فعل واجب مقید بوصف سلامت نہیں ہوتا اور فعل مباح سلامت رہنے کے ساتھ مقید ہوتا ہے ھم یعنی چونکہ حاکم پر قصاص لینا اور حجام اور ختان اور فصاد پر عقد اجارہ کے سبب سے فعل کرنا واجب ہے تو درصورت ضرر کے اُن پر کچھ تاوان نہیں بخلاف فعل مباح کے کہ اُس میں عدم ضرر شرط ہے ومنہ ضرب الاب ابنہ تادیبا او الام او الوصی اور منجملہ فعل مباح کے باپ کا مارنا ہے اپنے فرزند کو ادب سکھانے کے واسطے یا ماں کا یا وصی کا مارنا یتیم کو ومن الاول ضرب الاب او الوصی او المعلم باذن الاب تعلیما فمات لاضمان فضرب التادیب مقید لانہ مباح وضرب التعلیم لا لانہ واجب اور قسم اول سے یعنی منجملہ فعل واجب کے باپ یا وصی کا مارنا یا معلم کا مارنا باپ کے اذن سے تعلیم دین کے واسطے پھر صغیر مرگیا تو ضمان نہیں تو تادیب کیواسطے مارنا سلامت رہنے کے ساتھ مشروط ہے اس واسطے کہ تادیب مباح ہے اور تعلیم کے واسطے مارنا باپ اور وصی اور معلم کا مشروط بسلامت نہیں اس واسطے کہ تعلیم دین کی واجب ہے ومحلہ فی الضرب المعتاد واما غیرہ فموجب للضمان فی الکل فی الاشباہ اور عدم ضمان کا محل ضرب ہے عادت کے موافق اور عادات کے سوائے مارنا تو ضمان کا موجب ہے سب صورتوں میں اور پورا بیان اس کا اشباہ میں ہے ھم یعنی اگر ضرب عادت اور رواج کے موافق ہے باعتبار کمیت اور کیفیت اور محل کے سو اس میں ضمان نہیں تو اگر منہ پر یا آلات تناسل پر ضرب واقع ہو اور صغیر تلف ہو جائے تو ضمان واجب ہے سب کے نزدیک بلاخلاف اگرچہ ایک ہی کوڑا یا چھڑی ماری کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود عن تلخیص الکبری وان قطع ولی القتیل ید القاتل و بعد ذلک عفا عن القتل ضمن القاطع دیۃ الید لانہ استوفی غیر حقہ لکن لایقتص للشبہۃ وقالا لاشئ علیہ اور اگر مقتول کے وارث نے قاتل کا ہاتھ کاٹا اور بعد اس کے جنایت قتل کو معاف کر دیا تو قطع کرنے والا قاتل کے ہاتھ کا خونبہا دے اس واسطے کہ وارث نے اپنے حق کا غیر حاصل کیا یعنی اُس کا حق قاتل کا قتل تھا نہ قطع لیکن وارث سے قطع کا بدلہ نہ لیا جاوے گا شبہہ کے سبب سے اور صاحبین نے کہا کہ وارث پر کچھ لازم نہیں نہ قصاص نہ دیت وضمان الصبی اذا مات من ضرب ابیہ او وصیہ تادیبا ای للتادیب علیہما ای علی الاب والوصی لان التادیب یحصل بالزجر والتعریک و قالا لایضمن لو معتادا واما غیر المعتاد ففیہ الضمان اتفاقا اور صغیر کا ضمان جبکہ وہ مرجائے اپنے باپ یا وصی کے مارنے سے تادیب کے واسطے اُنھیں دونوں پر ہے یعنی باپ اور وصی پر اس واسطے کہ ادب سکھانا تو جھڑکنے اور گوشمالی سے حاصل ہوتا ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ ضمان نہیں ہے اگر ضرب عادت کے موافق ہو اور ضرب غیر معتاد میں تو باتفاق امام اور صاحبین کے ضمان ہے کضرب معلم صبیا او عبدا بغیر اذن ابیہ ومولاہ لف ونشر مرتب فالضمان علی المعلم اجماعا جیسے معلم کے مارنے میں صغیر اور غلام کو بدون اذن اُس کے باپ اور مالک کے ضمان ہے تو معلم پر درصورت عدم اذن باتفاق امام اور صاحبین کے ضمان ہے شارح نے کہا قولہ ابیہ ومولاہ میں لف ونشر مرتب ہے وان الضرب باذنہما لاضمان علی المعلم اجماعا قیل ہذا رجوع من ابی حنیفۃ الی قولہما اور اگر مارنا باپ اور مالک کے اذن سے ہے تو معلم پر باتفاق امام اور صاحبین کے ضمان نہیں بعضوں نے کہا کہ یہ یعنی امام کا یہ قول کہ معلم پر ضمان نہیں باپ کے اذن سے رجوع کرنا ہے امام ابوحنیفہ کا صاحبین کے قول کی طرف ھم تتمہ اور کفایۃ المجیب میں مذکور ہے کہ اصح یہ ہے کہ امام نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے لیکن اس میں خلل یہ ہے کہ امام اور صاحبین کا خلاف تو ضرب تادیب میں ہے اور یہاں ذکر ہے ضرب تعلیم کا اور تعلیم واجب ہے مقید بسلامت نہیں اور اس میں کچھ خلاف نہیں کذا فی الطحطاوی وکذا یضمن زوج امرأۃ ضربہا تادیبا لان تادیبہا للمولی کذا عزاہ المصنف لشرح المجمع للعینی قلت وہو فی الاشباہ وغیرہا کما قدمناہ اور اسی طرح ضمان دیگا وہ شوہر جس نے اپنی جورو کو مارا تادیب کے واسطے سو وہ مرگئی اس واسطے کہ اُس کی تادیب ولی کا حق ہے مصنف نے یہ قول منسوب کیا ہے عینی کی شرح مجمع کی طرف میں کہتا ہوں اور یہی قول اشباہ وغیرہ میں بھی مذکور ہے چنانچہ ہم اس کو مقدم ذکر کر چکے وفی دیات المجتبی الزوج والوصی کالاب تفصیلا وخلافا فعلیہم الدیۃ والکفارۃ وقیل

رجع الامام الی قولہما وتمامہ فیہ اور مجتبی کے باب الدیات میں ہے کہ شوہر اور وصی باپ کے مانند ہے تفصیل اور خلاف امام اور صاحبین میں تو امام کے نزدیک باپ اور زوج اور وصی پر دیت اور کفارہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ امام نے رجوع کیا ہے صاحبین کے قول کی طرف اور اس کا پورا بیان مجتبی میں ہے فروع مسائل ملحقہ شارح کے ضرب امرأۃ فافضاہا فان کانت تستمسک بولہا ففیہ ثلث الدیۃ والا فکل الدیۃ کسی نے ایک عورت کو مارا سو اس کے صدمے سے مسلک اس کے بول اور حیض کا یا مسلک حیض اور غائط کا پھٹ کر ایک ہو گیا تو اگر اس کا پیشاب تھم سکتا ہو تو اس میں تہائی دیت ہے اور اگر تھم نہ سکتا ہو تو اس میں پوری دیت ہے وان افتض بکرا بالزنا فافضاہا فان مطاوعۃ حدا ولا غرم وان مکرہۃ فعلیہ الحد وارش الافضاء لا العقر حاوی القدسی اور اگر ایک مرد نے باکرہ عورت کا ازالہ بکارت کیا زنا سے سو اس کا مسلک بول اور غائط کا پھٹ کر ایک ہو گیا تو اگر عورت کی رضامندی سے حرامکاری ہوئی ہو تو مرد اور عورت دونوں پر حد ماری جاوے اور مرد پر مہر نہیں ہے اور اگر عورت پر زبردستی کی ہو مرد نے تو مرد پر حد واجب ہے اور خون بہا چیر ڈالنے کا نہ مہر کذا فی الحاوی القدسی قطع الحجام لحما من عینہ و کان غیر حاذق فعمیت فعلیہ نصف الدیۃ اشباہ حجام نے ایک شخص کی آنکھ سے گوشت کی گٹھی کاٹی اور وہ ہوشیار تجربہ کار نہ تھا سو آنکھ اس کی اندھی ہو گئی تو حجام پر آنکھ کی نصف دیت ہے کذا فی الاشباہ وفی القنیۃ سئل نجم الدین عن صبیۃ سقطت من سطح فانتفخ راسہا فقال کثیر من الجراحین ان شققتم راسہا تموت وقال واحد منہم ان لم تشققوہ الیوم تموت وانا اشقہ وابرئہا فشقہ فماتت بعد یوم او یومین ہل یضمن فتامل ملیا ثم قال لا اذا کان الشق باذن وکان الشق معتادا ولم یکن فاحشا خارج الرسم قیل لہ فلو قال ان ماتت فانا ضامن ہل یضمن قال لا انتہی قلت انما لم یعتبر شرط الضمان لما تقرر ان شرطہ علی الامین باطل علی ما علیہ الفتوی انتہی اور قنیہ میں ہے کہ نجم الدین سے سوال ہوا اس صغیرہ کے مسئلہ کا جو چھت پر سے گر پڑی سو اس کا سر ورم کر گیا تو بہت جراحوں نے کہا کہ اگر اس کے سر کو چیرو گے تو وہ مر جاوے گی اور ایک جراح نے کہا کہ اگر اس کو نہ چیرو گے آج تو وہ مر جاوے گی اور میں سر کو چیر ڈالوں گا اور اس کو اچھا کر دوں گا سو اس نے اس کو چیرا تو وہ مر گئی ایک دن یا دو دن کے بعد کیا اس پر ضمان لازم ہو گا یا نہیں سو نجم الدین نے دیر تک تامل کیا پھر کہا کہ اس پر ضمان نہیں جب کہ چیرنا اذن سے ہو اور چیرنا عادت کے موافق ہو اور فاحش یعنی رسم اور عادت سے خارج نہ ہو پھر نجم الدین سے کہا گیا کہ اگر جراح نے کہا ہو کہ اگر صغیرہ مر جائے تو میں ضامن ہوں یعنی میرے اوپر اس کا خون بہا ہے تو ضمان دیت کا اس پر لازم ہو گا یا نہیں جواب دیا کہ ضمان لازم نہ ہو گا انتہی السوال والجواب من القنیۃ میں کہتا ہوں شرط ضمان کی معتبر نہ ہوئی اس واسطے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ امین پر ضمان کا شرط کرنا باطل ہے موجب قول مفتی بہ کے انتہی کلام المصنف فی شرحہ کذا فی الطحطاوی

باب الشہادۃ فی القتل

واعتبار حالتہ ای حالۃ القتل یہ باب ہے قتل کی گواہی اور حالت قتل کے معتبر ہونے میں القود یثبت للورثۃ ابتداء بطریق الخلافۃ من غیر سبق ملک المورث لان شرعیۃ القود لتشفی الصدور ودرک الثار والمیت لیس باہل لہ قصاص وارثوں کے واسطے ثابت ہوتا ہے شروع سے بطریق خلافت کے بدون سبقت ملک مورث کے اس واسطے کہ قصاص کا مشروع ہونا تشفی دل اور مطالبہ خون کے حاصل ہونے کے واسطے ہے اور میت اس کا اہل نہیں یعنی تشفی قلب اور مطالبہ خون کا ہم امام کے نزدیک قصاص کا ثبوت وارثوں کے واسطے ابتداً ہوتا ہے بطریق خلافت کے اور صاحبین کے نزدیک بطریق وراثت کے اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ وراثت سبقت ملک مورث کی مستدعی ہے پھر مورث سے وارث کی طرف ملک منتقل ہوتی ہے اور خلافت اس کی مستدعی نہیں تو خلافت سے مراد یہاں یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے قائم مقام ہو اس کے فعل کے قائم کرنے میں تو قتل میں جب قاتل نے مقتول پر تعدی کی تو حق یہ تھا کہ مقتول اسی طرح قاتل پر تعدی کرتا لیکن مقتول تو قاتل کے قتل کرنے سے عاجز ہے تو اس کے وارث اس کے قائم مقام ہو گئے بدون اس امر کے کہ مقتول قتل کا مالک ہوا پھر مالک

نے اُس سے وارثوں کی طرف انتقال کیا کذا فی شرح الوقایۃ خلاصہ یہ ہے کہ خلافت حقیقی یہاں مراد نہیں اس واسطے کہ اصل کا قائم ہونا طلب قصاص کے واسطے کہ اصل کا قائم ہونا طلب قصاص کے واسطے عقلاً غیر متصور ہے بلکہ خلافت مجازی مراد ہے یعنی مقابل وراثت و قولہ تعالیٰ فقد جعلنا لولیہ سلطانا نص فیہ اور حق تعالیٰ کا یہ قول فقد جعلنا لولیہ سلطانا صریح ہے اس میں یعنی ورثہ کے واسطے ثبوت قصاص کا بطریق خلافت کے ہے نہ بطریق وراثت کے ھم ترجمہ آیت شریفہ کا یہ ہے اور جو مظلوم مارا گیا تو مقرر ہم نے اُس کے وارث کے واسطے مواخذہ یا قصاص کا تسلط ٹھہرا دیا **وقالا بطریق الارث کما لو انقلب مالا** اور صاحبین نے کہا کہ ثبوت قصاص کا وارثوں کو بطریق ارث کے ہے جیسے اُس صورت میں جب کہ قصاص منقلب بمال ہو جائے یعنی قتل خطا میں وثمرۃ الخلاف ما افادہ بقولہ **فلا یصیر احدھم** ای احد الورثۃ **خصما عن البقیۃ فی استیفاء القصاص** خلافا لہما اور امام اور صاحبین کے خلاف کا ثمرہ وہ ہے جس کو مصنف نے بیان کیا اپنے آئندہ قول سے یعنی جب وارثوں کو ثبوت قصاص کا بطریق میراث کے نہ ہوا تو ایک وارث مخاصم نہ ٹھہر جائیگا باقی وارثوں کی طرف سے استیفاء قصاص میں برخلاف صاحبین کے والاصل ان کل ما یملکہ الورثۃ بطریق الوراثۃ فاحدھم خصم عن الباقین وقائم مقام الکل فی الخصومۃ وما یملکہ الورثۃ لا بطریق الوراثۃ لا یصیر احدھم خصما عن الباقین اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کے وارث مالک ہیں بطریق وراثت کے تو وہاں ایک وارث مخاصم ہوتا ہے باقی وارثوں کی طرف سے اور تمام وارثوں کے قائم مقام ہے خصومت میں اور جس چیز کے مالک وارث ہوتے ہیں نہ بطریق وراثت کے تو وہاں ایک وارث مخاصم نہیں ہوتا باقی وارثوں کی جانب سے اور خصومت میں سب کے قائم مقام نہیں ہوتا ھم جب یہ قاعدہ معلوم ہوا تو اگر ایک وارث نے متروکہ سے کسی چیز کا دعویٰ کیا اور گواہ لایا تو سب وارثوں کا حق ثابت ہو گیا تو باقی وارثوں کو تجدید دعویٰ کی اور گواہ لانے کی حاجت نہیں اور اُسی طرح اگر کسی شخص نے ایک وارث پر کسی چیز کے متروکہ میں سے دعویٰ کیا اور گواہ لایا تو وہ دعویٰ سب وارثوں پر ثابت ہو گیا ہر شخص پر دعویٰ کرنے کی مدعی کو حاجت نہیں ثم فرع علیہ بقولہ **فلو اقام حجۃ بقتل ابیہ عمدا مع غیبۃ اخیہ** یرید القود **لا یقید اجماعا حتی یحضر الغائب** لکنہ یحبس لانہ صار متہما بحر مصنف نے قاعدہ مذکورہ پر تفریع کی بقول خود تو اگر ایک بھائی نے گواہ قائم کیے اپنے باپ کے قتل عمد پر دوسرے بھائی کی غیبت میں قصاص لینے کے واسطے تو حاکم قصاص نہ لے باتفاق غائب کے حاضر ہونے تک لیکن قاتل محبوس رکھا جاویگا اس واسطے کہ وہ متہم ہو گیا ھم امام کے نزدیک اس واسطے قصاص نہ ہوگا کہ ایک وارث باقی وارثوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور صاحبین کے نزدیک عفو غائب کے احتمال سے قصاص نہیں **فان حضر الغائب یعیدھا** ثانیا لیقتلا القاتل وقالا لا یعید پھر اگر غائب بھائی حاضر ہوا تو اعادہ حجت کرے دوسری بار تا کہ دونوں بھائی قاتل کو قتل کریں اور صاحبین نے کہا کہ اعادہ نہ کرے یعنی اس واسطے کہ اُن کے نزدیک ملک ورثہ بطریق میراث کے ہے نہ بطریق خلافت کے **وفی القتل الخطاء والدین لا یحتاج الی اعادۃ البینۃ بالاجماع** لما مر اور دعویٰ قتل خطا اور دین میں اعادہ شہادت کی حاجت نہیں ہے بالاتفاق بدلیل گذشتہ یعنی قتل خطا اور دین کا موجب مال ہے اور مال میں ثبوت ملک بطریق میراث کے ہوتا ہے تو ایک وارث باقی وارثوں کے قائم مقام ہوگا **فلو برھن القاتل علی عفو الغائب فالحاضر خصم** لانقلابہ مالا **وسقط القود** تو اگر قاتل گواہ لایا وارث غائب کے عفو کر دینے پر تو وارث حاضر مخاصم ٹھہریگا اس واسطے کہ قصاص منقلب بمال ہو گیا اور قصاص ساقط ہو گیا ھم حاضر اس واسطے خصم ہوا کہ قاتل نے اُس پر حق کا دعویٰ کیا یعنی بصورت عفو کے حاضر کا حق قصاص میں سے ساقط ہو گیا اور قصاص منقلب بمال ہو گیا اور یہ ممکن نہیں مگر عفو غائب کے اثبات سے لہٰذا حاضر غائب کی طرف سے مخاصم ٹھہرا تو جب اُس پر حکم ہو گیا تو غائب پر تبعاً حکم ہو گیا پھر اگر غائب آوے اور عفو کا انکار کرے اور گواہ غائب ہوں یا مر گئے ہوں تو نصف دیت اُس کا حق ہوگا کذا فی الطحطاوی **وکذا لو قتل عبدھما عمدا او خطاء والحال ان السیدین احدھما غائب فھو علی التفصیل السابق** اور اسی طرح اگر دو مالکوں کے ایک غلام کو عمداً یا خطاءً قتل کیا اور حالانکہ دونوں مالکوں میں سے ایک غائب ہے

تو اُس کا حکم بموجب تفصیل سابق کے ہے م یعنی اگر مالک حاضر گواہ لاوے گا تو گواہی مقبول نہ ہوگی بدون اعادہ غائب مالک کے اور اگر قاتل گواہ لاوے گا کہ مالک غائب نے عفو کر دیا ہے تو مالک حاضر خصم ٹھہریگا اور قصاص ساقط ہوجاوے گا **ولو اخبر ولیا قود بعفو اخیہما الثالث فهو ای اخبارہما عفو للقصاص منہما عملا بزعمہما** اور اگر قصاص کے دو وارثوں نے اپنے تیسرے بھائی کے عفو کرنے کی خبر دی تو اُن کا خبر دینا عفو قصاص ہے اُنھیں دونوں کی طرف سے اُن کے گمان پر عمل کرنے کی وجہ سے م اس واسطے کہ ایک وارث کے بھی عفو کرنے سے قصاص قائم نہیں رہتا کیونکہ قصاص قسمت پذیر نہیں وہی رباعیۃ **فالاول ان صدقہما ای المخبرین القاتل والاخ الشریک فلا شئ لہ ای للشریک عملا بتصدیقہ و لہما ثلثا الدیۃ** اور اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں سو ایک صورت یہ ہے کہ اگر قاتل اور تیسرے شریک بھائی نے دونوں مخبر وارثوں کی تصدیق کی تو تیسرے شریک کو دیت میں سے کچھ حصہ نہیں اُس کی تصدیق پر عمل کرنے کے سبب سے اور دونوں مخبر بھائیوں کے واسطے دیت کی دو تہائیاں ہیں م اس واسطے کہ دونوں کا حصہ مال ہوگیا اخبار عفو سے **والثانی ان کذباہما فلا شئ للمخبرین وللاخیہما ثلث الدیۃ** اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر قاتل اور تیسرے بھائی نے دونوں کی تکذیب کی تو دونوں مخبر بھائیوں کا کچھ حصہ نہیں اور تیسرے بھائی کی تہائی دیت ہے **والثالث ان صدقہما القاتل وحدہ فلکل منہم ثلثہا** اور تیسری صورت یہ ہے کہ اگر مخبر دونوں بھائیوں کی فقط قاتل نے تصدیق کی یعنی اور تیسرے بھائی نے تکذیب کی تو تینوں بھائیوں کے واسطے تہائی دیت ہے **والرابع ان صدقہما الاخ فقط فلہ ثلثہا لان اقرارہ ارتد بتکذیب م القاتل ایاہ فوجب لہ ثلث الدیۃ** اور چوتھی صورت یہ ہے کہ مخبر دونوں بھائیوں کی فقط تیسرے بھائی نے تصدیق کی یعنی اور قاتل نے اُن کی تکذیب کی تو تیسرے بھائی کو تہائی دیت کی ہے اس واسطے کہ اقرار اُس کا مردود ہوگیا قاتل کی تکذیب سے یعنی جب قاتل نے تیسرے مصدق بھائی کی تکذیب کی تو اُس کا عفو کرنا ثابت نہ ہوا لہذا ثلث دیت اُس کے واسطے واجب ہوئی م شارح نے یہ جواب دیا سوال مقدر کا خلاصہ سوال یہ ہے کہ جب تیسرے بھائی نے مخبرین عفو کی تصدیق کی تو اُس کا حق قاتل پر نہ رہا معاف کر دینے کے سبب سے پھر ثلث دیت کیوں اُس کے واسطے واجب ہوئی خلاصہ جواب یہ ہے کہ اُس کا اقرار قاتل کی تکذیب سے ثابت نہ رہا اس واسطے مستحق ثلث کا ہوا **ولکنہ یصرف ذلک الی المخبرین استحسانا** م ہو الاصح زیلعی **لانہ صار مقرا لہما بما اقر لہ بہ القاتل** ولیکن ثلث مذکور مخبروں کی طرف پھیرا جاوے گا استحسان کی وجہ سے اور یہی قول اصح ہے کذا فی الزیلعی اس واسطے کہ تیسرا بھائی دونوں مخبر بھائیوں کے واسطے اس مال کا مقر ہوگیا جسکا قاتل نے اقرار کیا م یہ بیان ہے وجہ استحسان کا یعنی جب قاتل نے مخبرین عفو کی تکذیب کی تو تیسرے بھائی کے واسطے ثلث دیت کا اقرار کیا اس واسطے کہ قاتل کے گمان میں جب قصاص ساقط ہوگیا مخبرین کے دعوی عفو سے تو تیسرے بھائی کا حصہ منقلب بمال ہوگیا پھر جب تیسرے بھائی نے مخبرین عفو کی تصدیق کی تو البتہ یہ گمان کیا کہ مخبرین کا حصہ منقلب بحال ہوگیا تو اُس کا مقر ٹھہرا جس کا قاتل مقر ہے کذا فی شرح الوقایۃ طحطاوی نے کہا نظیر اُس کا وہ مسئلہ ہے کہ مثلاً زید نے اقرار کیا کہ میرے اوپر خالد کے سو درم ہیں پھر خالد نے کہا کہ وہ درم میرے نہیں ہیں بلکہ محمود کے ہیں تو یہ مال محمود کے واسطے ثابت ہوگا اسی طرح جس ثلث کا قاتل نے تیسرے بھائی کے واسطے اقرار کیا وہ دونوں مخبر بھائیوں کا ٹھہرے گا **وان شہدا انہ ضربہ بشئ جارح فلم یزل صاحب فراش حتی مات یقتص لان الثابت بالبینۃ کالثابت معاینۃ ولا یحتاج الشاہدان لیقول انہ مات من جراحت** بزازیہ اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ اُس نے اُس کو زخمی کرنے والی چیز سے مارا سو وہ ہمیشہ بستر پر پڑا رہا یہاں تک کہ وہ مرگیا تو زخم لگانے وا سے قصاص لیا جاویگا اس واسطے کہ جو شہادت سے ثابت ہے وہ اُس کے مانند ہے جو مشاہدہ سے ثابت ہے تو اُس کی حاجت نہیں شاہد کو کہ یوں کہے ک مقتول مرگیا اُس کے زخم سے کذا فی البزازیہ اس واسطے کہ حکم مضاف ہوتا ہے سبب سابق کی طرف نہ سبب متوہم کی طرف **وان اختلف شاہدا قتل فی الزمان او فی المکان او آلتہ او قال احدہما قتلہ بعصا وقال الآخر لم ادر بما ذا قتلہ او شہد احدہما علی معاینۃ القتل والآخر**

علی اقرار القاتل به بطلت لان القتل لا یتکرر اور اگر قتل کے دو شاہد اختلاف کریں زمان قتل یا مکان قتل میں یا قتل کے ہتھیار میں مختلف ہوں یا ایک شاہد کہے کہ اس کو لاٹھی سے مارا اور دوسرا کہے کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ کس ہتھیار سے مارا یا ایک شاہد معائنہ قتل کی گواہی دے دوسرا شاہد قتل قاتل کے اقرار کی گواہی دے تو یہ شہادت باطل ہے اس واسطے کہ قتل دوبارہ نہیں ہو سکتا ہم تو ان صورتوں میں قاتل پر دیت واجب ہوگی اس واسطے کہ قتل عمد کی دیت مددگار پر نہیں ہوتی وکذا تبطل الشهادة لو کمل النصاب فی کل واحد منهما لتیقن القاضی بکذب احد الفریقین ولا اولویة اور اسی طرح شہادت باطل ہوگی اگر شہادت کی نصاب شقین کی ہر واحد میں پوری ہو اس واسطے کہ قاضی کو ایک فریق کا کاذب ہونا بالیقین ثابت ہے اور کسی فریق کے واسطے اولویت اور ترجیح ثابت نہیں کہ ایک قبول ہو اور دوسری مردود ولو کمل احد الفریقین دون الآخر قبل الکامل منهما لعدم المعارض اور اگر ایک فریق میں نصاب شہادت کی پوری ہوگئی نہ دوسرے فریق میں تو نصاب کامل مقبول ہوگی عدم معارض کے سبب سے یعنی اگر مثلاً زمان قتل میں اختلاف ہوا اور ایک طرف دو شاہد ہیں اور دوسری طرف ایک شاہد تو دو شاہدوں کی گواہی مقبول ہوگی ولو شهدا بقتله وقالا جهلنا آلته تجب الدیة فی ماله فی ثلث سنین شرنبلالیة استحسانا حملا علی الادنی وهو الدیة وکانت فی ماله لان الاصل فی الفعل العمد اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی کسی کے قتل کی اور انھوں نے کہا کہ ہم کو قتل کا ہتھیار معلوم نہیں تو قاتل کے مال میں دیت واجب ہوگی تین سال کے اندر کذا فی الشرنبلالیہ بدلیل استحسان کمتر پر محمول کرنے کے سبب سے اور موجبات قتل میں کمتر تو دیت ہے اور دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی اس واسطے کہ فعل میں فاعل کا عمداً کرنا اصل ہے نظر ظاہر قیاس یہاں یہ تھا کہ شہادت مقبول نہ ہوتی بسبب جہالت قتل کے ہتھیار کے مجہول ہونے سے لیکن بدلیل استحسان ادنا موجب قتل پر محمول کیا اور شاہدین کا اظہار جہالت غفلت پر محمول نہ ہوا بلکہ اس پر محمول کیا باعتبار حسن ظن کے کہ انھوں نے عقوبت ٹل جانے پر جو شرعاً مستحب ہے کوشش کی وان اقر کل واحد منهما ای من الرجلین انه قتله وقال الولی قتلتماه جمیعا له قتلهما عملا باقرارهما اور اگر دو مردوں میں سے ہر مرد نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو قتل کیا اور مقتول کے وارث نے کہا کہ تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے تو وارث کو دونوں کا قتل کرنا جائز ہے ان کے اقرار پر عمل کرنے کے سبب سے ولو کان مکان الاقرار والمسئلة بحالها شهادة لغت الشهادتان لان التکذیب تفسیق وفسق الشاهد یبطل شهادته اما فسق المقر لا یبطل الاقرار اور اگر مسئلہ سابقہ میں بجائے اقرار کے شہادت ہو تو دونوں گواہیاں لغو ہو جاویں گی اس واسطے کہ باہم گواہوں کی تکذیب فاسق کہنا ہے گواہوں کا اور گواہ کا فاسق ہونا اس کی گواہی کو باطل کرتا ہے لیکن مقر کا فسق اس کے اقرار کو باطل نہیں کرتا یعنی اس واسطے مسئلہ سابقہ میں اقرار لغو نہ ٹھہرا ولو قال الولی فی صورة الاقرار السابقة صدقتما لیس له ان یقتل واحدا منهما لان تصدیقه بانفراد کل بقتله وحده اقرار بان الآخر لم یقتله بخلاف قوله قتلتماه لانه دعوی القتل بلا تصدیق فیقتلهما باقرارهما زیلعی اور اگر وارث مقتول نے اقرار کی صورت سابقہ میں کہا کہ تم دونوں صادق ہو اقرار قتل میں تو وارث کو دونوں مقروں میں سے ایک مقر کا بھی قتل کرنا جائز نہیں اس واسطے کہ وارث کی تصدیق ہر مقر کے تنہا قتل کرنے کی اقرار ہے اس کا کہ دوسرے نے اس کو قتل نہیں کیا یعنی تو درحقیقت دونوں کا مکذب ٹھہرا برخلاف اس قول کے جو وارث نے کہا تھا کہ تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے اس واسطے کہ وہ قول قتل کا دعوی ہے بدون تصدیق کے تو اس صورت میں وارث دونوں کو قتل کرے گا ان کے اقرار کے سبب سے کذا فی الزیلعی ولو اقر رجل بانه قتله وقامت البینة علی آخر انه قتله وقال الولی قتله کلاهما کان له للولی قتل المقر دون المشهود علیه لان فیه تکذیبا لبعض موجبه کما مر اور اگر ایک مرد نے اقرار کیا کہ میں نے مقتول کو مارا ہے اور گواہ قائم ہوئے اس پر کہ دوسرے شخص نے اس کو قتل کیا ہے اور وارث نے کہا کہ مقر اور مشہود علیہ دونوں نے اس کو قتل کیا ہے تو وارث کو مقر کا قتل کرنا جائز ہے نہ مشہود علیہ کا اس واسطے کہ اس میں بعض موجب مشہود بہ کی تکذیب ہے چنانچہ عنقریب گذر گیا ہم موجب مشہود بہ انفراد ہے یعنی شہادت اس پر قائم ہوئی

ہے کہ غیر مقر دوسرے شخص نے اُس کو تنہا قتل کیا ہے اور وارث قتل بالاشتراک کا قائل ہے تو تکذیب شاہدوں کی ہوئی انفراد میں اور تکذیب تفسیق
ہے شاہدوں کی اور تفسیق مبطل شہادت ہے ولو قال الولی لاحد المقرین صدقت انت قتلتہ وحدک کان لہ قتلہ لتصادقہما علی وجوب
القتل علیہ وحدہ اور اگر وارث نے دو اقرار کرنے والوں میں سے ایک اقرار کرنے والے سے کہا کہ تو سچا ہے تو ہی نے اُس کو تنہا قتل کیا ہے تو وارث
کو اُس مقر کا قتل کرنا جائز ہے اس واسطے کہ فقط مقر مذکور کے قتل واجب ہونے پر وارث اور مقر دونوں نے اتفاق کیا ہے باہم کے تصادق سے
کما لو قال ذلک لاحد المشہود علیہما کان لہ قتلہ لعدم تکذیبہ شہودہ علیہ وانما کذب الآخرین چنانچہ اگر ولی نے اسی طرح دو میں سے ایک مشہود علیہ
سے کہا تو وارث کو اُس مشہود علیہ کا قتل کرنا جائز ہے اس واسطے کہ اُس نے مشہود علیہ کے گواہوں کی تکذیب نہیں کی اس نے تو اور گواہوں کی تکذیب
کی وکذا الحکم الخطاء فی کل ما ذکر ذکرہ الزیلعی اور اسی طرح یعنی قتل عمد کے مانند قتل خطا کا حکم ہے ہر ایک امر مذکور میں ایسا ذکر کیا ہے زیلعی نے لیکن
عمد میں قتل واجب ہوا تھا اور خطا میں دیت واجب ہوگی شہدا علی رجل بقتلہ خطاء وحکم بالدیۃ علی العاقلۃ فجاء المشہود بقتلہ حیا ضمن العاقلۃ
الولی لقبضہ الدیۃ بلا حق او الشہود ورجعوا اے الشہود علیہ ای الولی لتملکہم المضمون الذی فی ید الولی دو گواہوں نے ایک مرد کے قتل خطا پر
گواہی دی اور دیت دینے کا قاتل کے مددگاروں پر حکم ہوگیا پھر جس کے مقتول ہونے کی گواہی دی گئی تھی زندہ آیا تو قاتل کے مددگار مقتول مفروض
کے وارث سے دیت کا تاوان لیں اس واسطے کہ وارث نے ناحق دیت لی یا گواہوں سے تاوان لیں اور گواہ وارث سے پھر لیں اس واسطے کہ گواہ مالک
گئے دیت دے کر اس مال مضمون کے جو وارث کے ہاتھ میں ہے والشہادۃ علی القتل العمد فی ہذا الحکم کالخطاء فاذا جاء حیا یخیر الورثۃ بین تضمین
الولی الدیۃ او الشہود الا فی الرجوع فلا رجوع للشہود علی الولی لانہم اوجبوا لہ القود وہو لیس بمال وقالا یرجعون کالخطاء اور اس حکم میں
قتل عمد پر گواہی قتل خطا کی گواہی کے مانند ہے پھر جب کہ مقتول مفروض زندہ آوے گا تو قتل عمد کے مشہود علیہ کے وارث مختار ہیں اس میں کہ
مقتول مفروض کے وارث سے دیت کا ضمان لیں یا گواہوں سے تاوان لیں مگر رجوع میں عمد اور خطا برابر نہیں تو مقتول مفروض کے وارث سے گواہوں
کو دیت کا پھیر لینا جائز نہیں اس لیے کہ گواہوں نے وارث مذکور کے لیے قصاص لینا واجب کر دیا تھا اور حالانکہ قصاص مال نہیں اور صاحبین نے
کہا کہ گواہ وارث سے دیت پھیر لیں گے قتل خطا کے مانند مقتول مفروض کے وارث کو دیت لینا جائز ہوا نہ قصاص اس واسطے کہ حاکم کے حکم
سے شبہ واقع ہوگیا اور شبہہ قصاص کا مسقط ہے کذا فی الطحطاوی ولو شہدا علی اقرارہ ای اقرار القاتل بالخطاء او العمد ثم جاء حیا اوشہ
علی شہادۃ غیرہما فی الخطاء وقضی بالدیۃ علی العاقلۃ ثم جاء حیا لم یضمنا اذ لم یظہر کذبہما فی شہادتہما وضمن الولی الدیۃ فی الصورتین للعاق
اذ ظہر انہ اخذہا منہم بغیر حق اور اگر دو گواہوں نے قتل عمد یا قتل خطا کے قاتل کے اقرار پر گواہی دی پھر مقتول مفروض زندہ آیا یا گواہوں نے اور شا
کی شہادت پر گواہی دی قتل خطا میں اور قاتل کے مددگاروں پر دیت دینے کا حاکم نے حکم دیا یعنی قتل خطا میں اور قصاص کا حکم دیا قتل عمد میں ک
فی الطحطاوی پھر وہ شخص زندہ آیا تو گواہوں پر تاوان نہیں اس واسطے کہ گواہی میں اُن کا جھوٹ ظاہر نہیں ہوا اور مقتول مفروض کا وارث دونو
صورتوں میں قاتل کے مددگاروں کو دیت کا ضمان دے اس واسطے کہ ظاہر ہوگیا اُس کے زندہ ہونے سے کہ اُس کے وارث نے مددگاروں سے ناحق
خون بہا لیا والمعتبر حالۃ الرمی فی حق الحل والضمان لا الوصول اور حلال ہونے اور ضمان کی لازم ہونے میں تیر اندازی کی حالت معتبر ہے
تیر لگنے کی حالت نہیں اس واسطے کہ لزوم ضمان فعل کے سبب سے ہوتا ہے تیر مارنا اس واسطے کہ تیر کا مارنا ہی تو انسان کی تحت قدرت میں ہے نہ تیر کا لگ
کیونکہ تیر چھوٹنے کے بعد آدمی کا اصلا اختیار باقی نہیں رہتا تو تیر انداز قاتل ٹھہریگا تیر اندازی کی حالت سے فقط کذا فی الطحطاوی وحینئذ فتجب الدیۃ
مالہ وسقط القود للشبہۃ برد المرمی الیہ قبیل الوصول وقالا لاشئ علیہ اور جب کہ تیر اندازی کی حالت فقط معتبر ہوئی تو دیت واجب ہوگی تیر اند

کے مال میں اور قصاص ساقط ہوگا بسبب شبہہ کے اُس شخص کے مرتد ہو جانے سے جو تیر لگنے سے پہلے مرتد ہوگیا اور صاحبینؒ نے کہا کہ یہ تیر انداز پر دیت اور قصاص کچھ لازم نہیں م صورت اُس کی یہ ہے کہ مثلاً زید نے خالد کی طرف تیر پھینکا اور تیر اندازی کے وقت خالد مسلمان تھا لیکن تیر لگنے سے پہلے وہ مرتد ہوگیا تو امامؒ کے نزدیک زید پر دیت اُس کی واجب ہے اس واسطے کہ تیر اندازی کا وقت معتبر ہے نہ وصول کا اور تیر اندازی کے حال میں وہ مسلمان محفوظ الدم تھا اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تلف واقع ہوا اس محل میں جہاں عصمت نہیں اور اتلاف غیر معصوم سے کچھ لازم نہیں آتا ولا تجب دیۃ المرمی الیہ باسلامہ بالاجماع اور دیت مرمی الیہ کی اُس کے مسلمان ہو جانے سے باتفاق امامؒ اور صاحبینؒ کے واجب نہیں م یعنی کافر کی طرف تیر مارا اور تیر لگنے سے پہلے وہ اسلام لایا تو اُس کی دیت واجب نہیں اس واسطے کہ تیر اندازی کی حالت کا اعتبار ہے اور اُس حالت میں اُس کا خون مباح تھا نہ معصوم وتجب القیمۃ لعتقہ بعد الرمی قبل الاصابۃ اور قیمت واجب ہوگی غلام کے آزاد ہو جانے سے بعد تیر مارنے قبل از وصول کے م یعنی تیر مارنے کے وقت غلام تھا پھر وہ آزاد ہوگیا تیر کے لگنے سے پہلے تو تیر انداز پر غلام کی قیمت دینا واجب ہوگی نہ خون بہا آزاد کا اس واسطے کہ حالت تیر اندازی کا اعتبار ہے نہ تیر لگ جانے کا ویجب الجزاء علی محرم رمی صیداً فحل فوصل لا علی حلال رماہ فاحرم فوصل اور بدلا واجب ہے اُس محرم پر جس نے حالت احرام میں شکار کی طرف تیر چھوڑا پھر اُس نے احرام ترک کیا پھر اُس کے بعد تیر شکار کو لگا اور اُس غیر محرم پر بدلا واجب نہیں جس نے شکار کو تیر مارا پھر اُس نے احرام باندھا پھر شکار کو تیر لگا ولا یضمن من رمی مقضیاً علیہ برجم فرجع شاہدہ فوصل اور اُس شخص پر ضمان لازم نہیں جس نے اُس شخص کو تیر مارا جس کے سنگسار کرنے پر قاضی کا حکم ہوگیا پھر اُس کی زناکاری کا شاہد گواہی سے پھر گیا پھر اُس کے بعد اُس کو تیر لگا م ایک شاہد کے رجوع کو مصنف نے بیان کیا اس واسطے کہ چار گواہوں میں سے ایک کا بھی رجوع کرنا حد کو ٹال دیتا ہے کذا فی الطحطاوی وحل صید رماہ مسلم فتمجس فوصل اور حلال ہے وہ شکار جس کو مسلمان نے تیر سے مارا پھر مسلمان مجوسی ہوگیا بعد اس کے تیر شکار کو لگا لا یحل ما رماہ مجوسی فاسلم فوصل لما عرفت ان المعتبر حالۃ الرمی حلال نہیں وہ شکار جس کی طرف مجوسی نے تیر پھینکا پھر مجوسی مسلمان ہوگیا بعد اس کے تیر شکار کو لگا اس واسطے کہ تو معلوم کر چکا ہے کہ تیر اندازی کی حالت معتبر ہے نہ تیر لگنے کی م یہ دلیل ہے جمیع مسائل سابقہ کی لغز یہ مسائل حیرت انگیز ہیں بطور پہیلی کے ای جان لو مات مجنیہ فعلیہ نصف الدیۃ ولو عاش فالدیۃ فقل ختان قطع الحشفۃ باذن ابیہ کون جنایت گر ہے اگر جنایت کردہ مر جائے تو اُس پر نصف دیت ہے اور اگر زندہ رہے تو پوری دیت ہے تو اُس کا جواب دے کہ وہ ختنہ کرنے والا ہے جس نے صغیر کی سپاری قطع کر ڈالی اُس کے باپ کی اجازت سے یعنی باپ نے ختنہ کرنے کی اجازت دی سو اُس نے خطا سے سپاری قطع کر ڈالی یہ مسئلہ چند بار مذکور ہو چکا ای انسان بقطع اذنہ تجب نصف الدیۃ وبقطع راسہ نصف عشرہا فقل جنین خرج راسہ فقطعہ ففیہ الغرۃ کون آدمی ہے جس کے کان کاٹنے سے نصف دیت واجب ہے اور اُس کے سر کاٹنے سے دیت کا بیسواں حصہ واجب ہے تو جواب دے کہ پیٹ کا وہ بچہ جسکا فقط سر نکلا سو اُس کو قطع کیا تو اس میں غرہ ہے یعنی پانسو دینار م دیت سے مراد دیت نفس ہے اور نصف دیت پانسو دینار ہے اور اسکا بیسواں حصہ ۵۰ دینار ہے قطع گوش میں نصف دیت اُس وقت ہے جب کہ بچہ قطع کے بعد مردہ نکلے نہ زندہ کذا فی الطحطاوی ای شیء یجب باتلافہ دیۃ وثلثۃ اخماسہا فقل دیۃ الاسنان اشباہ کون چیز ہے جس کے تلف کرنے سے پوری دیت اور دیت کے تین پانچویں حصے واجب ہیں تو جواب دے کہ یہ دانتوں کی دیت ہے کذا فی الاشباہ م اس کا بیان کتاب الدیات میں مفصل آوے گا واللہ اعلم واستغفر اللہ العظیم الحلیم

* * *

کتاب الدیات

یہ کتاب ہے اقسام دیت کے مسائل میں الدیۃ فی الشرع اسم للمال الذی ہو بدل النفس لا اسم للمفعول بالمصدر لانہ من المنقولات الشرعیۃ دیت یعنی خونبہا اصطلاح شرع میں اس مال کا نام ہے جو جان کا بدلا ہے اور یہ نہیں ہے کہ دیت مصدر ہے بمعنی مفعول اس واسطے کہ دیت منقولات شرعیہ سے ہے یعنی اطلاق دیت کا مال پر حقیقت عرفی ہے فقہا کے نزدیک م لغت میں دیت مصدر ہے مانند عدت کے وزن اور تعلیل میں عینی نے کہا کہ آدمی یا عضو آدمی کے عوض کا نام دیت ہے اور مال کے عوض کا نام قیمت ہے والارش اسم للواجب فیما دون النفس اور ارش اس مال کا نام ہے جو سوائے جان کے عضو آدمی کے بدلے واجب ہو م اور گاہے نفس کو بھی ارش بولتے ہیں لیکن استعمال اکثری یہی ہے جو شارح نے بیان کی **دیۃ شبہ العمد مائۃ من الابل ارباعا من بنت مخاض و بنت لبون و حقۃ الی جذعۃ بادخال الغایۃ** اور دیت شبہ عمد کی سو اونٹنیاں ہیں چار قسم کی یعنی ۲۵ پوری یکسالہ اونٹنیاں اور ۲۵ پوری دوسالہ اور ۲۵ پوری سہ سالہ اور ۲۵ پوری چہارسالہ وہی الدیۃ **المغلظۃ** لاغیر اور یہی دیت مغلظہ ہے نہ سوائے اس کے م یعنی اس کے سوا چاندی سونے سے شبہ عمد کی دیت نہیں شرنبلالیہ میں ہے کہ اگر اونٹوں کے سوا بھی اور چیز سے دیت جائز ہوتی تو تغلیظ کا فائدہ باقی نہ رہتا والدیۃ **فی الخطا اخماسا منہا و من ابن مخاض** اور قتل خطا کی دیت سو اونٹ ہیں پانچ قسم کے اقسام اربعہ مذکورہ اور ابن مخاض سے م یعنی ۲۰ اونٹنیاں یکسالہ اور ۲۰ دوسالہ اور ۲۰ سہ سالہ اور ۲۰ چہارسالہ اور ۲۰ اونٹ نر پورے یکسال کے **او الف دینار من الذہب او عشرۃ الاف درہم من الورق** یا دیت قتل خطا کی ہزار دینار ہیں سونے کے یا دس ہزار دراہم ہیں چاندی کے م قاتل کو اختیار ہے خواہ اونٹ دے خواہ دینار خواہ درم لیکن شبہ عمد میں اختیار نہیں وقال الشافعی رح اثنا عشر الفا اور امام شافعیؒ نے کہا کہ بارہ ہزار درم دیت ہے وقالا منہا ومن البقر مائتا بقرۃ ومن الغنم الفا شاۃ ومن الحلل مائتا حلۃ کل حلۃ ثوبان ازار ورداء ہو المختار اور صاحبین نے کہا دیت خطا کی اشیاء مذکورہ سے اور گائے بیل سے دو سو دیت ہے اور بھیڑ و بکری سے دو ہزار بکریاں اور رخت پوشیدنی سے دو سو جوڑے ہر جوڑے میں دو کپڑے تہبند اور چادر یہی قول مختار ہے جوڑے کے اندازے میں اور بعضوں نے کہا کہ ہمارے زمانے میں جوڑا قمیص اور سراویل ہے یعنی کرتا اور پاجامہ م برہان میں ہے کہ قیمت ہر گائے بیل کی ۵۰ دراہم ہیں اور اسی قدر ہر جوڑے کی قیمت اور ہر بکری کی قیمت ۵ درم ہے **وکفارتہما** ای الخطاء وشبہ العمد **عتق**[1] **قن مومن فان عجز عنہ صام شہرین ولاء ولا اطعام فیہا** اذ لم یرد بہ النص والمقادیر توقیفیۃ اور کفارہ قتل خطا اور شبہ عمد کا مملوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے پھر اگر قاتل آزاد کرنے سے عاجز ہو تو دو مہینے پے در پے روزے رکھے اور ان دونوں کے کفارہ میں ۶۰ مساکین کا کھانا دینا جائز نہیں اس واسطے کہ نص قرآنی اس میں وارد نہیں ہے اور مقدرات مذکورہ توقیفی ہیں یعنی نص شارع سے اندازہ ثابت ہوتا ہے اس میں قیاس مجتہد کو مطلقاً دخل نہیں **وصح اعتاق رضیع**

---

[1] ایک نسخہ میں عتق کے بعد رقبہ بھی ہے ۱۲

احد ابویہ مسلم لانہ مسلم تبعا لا الجنین اور صحیح ہے آزاد کرنا اس غلام شیرخوار کا جس کا باپ یا ماں مسلمان ہے اس واسطے کہ وہ مسلمان ہے باپ یا ماں کا ساتھ دے کر نہ بچہ شکمی یعنی بچہ شکمی کا آزاد کرنا کفارہ میں صحیح نہیں **و دیۃ المرأۃ علے النصف من دیۃ الرجل فے دیۃ النفس و ما دونہا** روی ذلک عن علے رضی اللہ عنہ موقوفا و مرفوعا اور عورت کی دیت نصفا نصف پر ہے مرد کی دیت سے جان کی دیت میں بھی اور جان کے سوا اعضا کی دیت میں بھی یہ مروی ہے علی رضی اللہ عنہ سے بروایت موقوف بھی اور مرفوع بھی م روایت موقوف سنن بیہقی میں ہے عن ابراہیم[1] النخعی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ قال عقل المرأۃ علی النصف من عقل الرجل فی النفس و فیما دونہا اور روایت مرفوع بھی بیہقی میں ہے عن معاذ[2] بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل کذا فی شرح الہدایۃ للعینی **والذمی والمستامن والمسلم فے الدیۃ سواء** خلافا للشافعی وصحح فی الجوہرۃ انہ لا دیۃ فے المستامن واقرہ فے الشرنبلالیۃ لکن بالتسویۃ جزم فی الاختیار وصححہ الزیلعی اور کافر مطیع الاسلام اور مستامن یعنی جو کافر حربی دار الاسلام میں آ دے پناہ لے کر اور مسلمان دیت میں برابر ہیں برخلاف شافعی کے اور جوہرہ میں اس کی تصحیح کی ہے کہ مستامن میں دیت نہیں ہے اور شرنبلالیہ میں اس کو ثابت رکھا ہے لیکن اختیار میں ذمی اور مستامن اور مسلم کے برابر ہونے پر یقین کیا ہے اور اسی قول کو صحیح کہا ہے زیلعی نے **فی النفس** خبر المبتدا وہو قولہ الآتی الدیۃ اور جان میں یعنی جان کے قتل خطا میں دیت ہے شارح نے کہا کہ فی النفس اور اسی طرح اس کی جمیع معطوفات خبر ہیں اگلی مبتدا کی یعنی دیت کی **والانف** ومارنہ وارنبتہ وقیل فی ارنبتہ حکومۃ عدل علی الصحیح اور ناک میں اور ناک کے نرم نتھنوں میں اور ناک کی نوک قطع کر ڈالنے میں پوری دیت ہے اور بعضوں نے کہا کہ سر بینی کے قطع میں دیت نہیں حکومت عدل ہے بنا بر قول صحیح کے **والذکر والحشفۃ** اور آلہ تناسل اور سر ذکر کے قطع کر ڈالنے میں پوری دیت واجب ہے م قطع زبان اور قطع بینی کی پوری دیت میں حدیث ثابت ہے اور باقی اعضا کا ان پر قیاس ہے مبسوط میں ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ انسان کے اعضا میں سے اگر عضو مفرد ہے تو اس میں کامل دیت ہے اور اگر دو عضو ہیں تو دونوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں نصف دیت ہے اور اگر چار عضو ہیں تو چاروں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں چوتھائی دیت ہے اور اگر آدمی میں دس عضو ہیں چنانچہ ہاتھ کی دس انگلیاں تو سب کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع سے دسواں حصہ دیت کا واجب ہے کذا فی العینی **والعقل والشم والذوق والسمع والبصر واللسان ان منع النطق** افاد ان فی لسان الاخرس حکومۃ عدل جوہرۃ وہذا ساقط من نسخ الشرح فتنبہ اور ازالہ عقل اور سونگھنے اور چکھنے اور دیکھنے میں اور قطع زبان میں دیت ہے بشرطیکہ قطع زبان بولنے کا مانع ہو گیا ہو شارح نے کہا مصنف نے منع نطق کی شرط سے اشارہ کر دیا کہ گونگے کی زبان قطع کر ڈالنے میں دیت نہیں حکومت عدل ہے کذا فی الجوہرۃ اور یہ عبارت مصنف کی شرح کے نسخوں سے ساقط ہے تو آگاہ رہیو م قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب اعضا کی جنس منفعت علی وجہ الکمال فوت ہو جائے یا آدمی کا حسن و جمال علی وجہ الکمال زائل ہو جائے تو پوری دیت واجب ہوتی ہے منفعت اور جمال میں کمال کی قید اس واسطے لگائی کہ عضو ناقص کے فوت ہونے میں چنانچہ گونگے کی قطع زبان میں پوری دیت واجب نہیں اس لئے کہ جنس منفعت اور جمال علی وجہ الکمال فوت نہیں ہوا اور اسی طرح خصی اور نامرد کے

---

[1] ابراہیم نخعی روایت کرتے ہیں حضرت علی مرتضے ؓ سے کہ آپ نے فرمایا دیت عورت کی نصف ہے بہ نسبت دیت مرد کے نفس میں اور نفس سے کم میں ۱۲

[2] معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ دیت عورت کی نصف ہے دیت مرد سے ۱۲

قطع آلۂ تناسل ہیں اور شل ہاتھ اور لنگڑے پاؤں کے قطع میں اور چشم کور اور دندان سیاہ میں نہ قصاص واجب ہے عمد میں نہ خونبہا خطا میں بلکہ اس میں حکومت عدل ہے ابن ابی شیبہ کے مصنف میں روایت ہے کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کے سر میں پتھر مارا زمانہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں تو اس کا سمع اور زبان اور آلہ تناسل جاتا رہا تو وہ عورت کے ساتھ قربت نہیں کر سکتا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے چار دیتوں کا حکم کیا کذا فی العینی **او منع اداء اکثر الحروف** والا قسمت الدیۃ علی عدد حروف الہجاء الثمانیۃ والعشرین او حروف اللسان الستۃ عشر تصحیحان فما اصاب الفائت یلزمہ وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ وغیرہا یا پوری دیت قطع زبان میں اس وقت ہے جب کہ قطع اکثر حروف کے ادا کرنے کا مانع ہوا اور اگر حروف ادا ہوتے ہوں اور بعض نہ ادا ہوتے ہوں تو دیت کی قسمت ہوگی ابجد کے ۲۸ حروف کے شمار پر یا فقط زبان کے سولہ حروف پر دیت مقسوم ہوگی اس میں دونوں قولوں کی تصحیح ثابت ہے سو جس قدر کہ دیت فوت ہو جانے والے حرف کو پہونچے گی اسی قدر جانی کو لازم ہوگی اور اس کا پورا بیان شرح وہبانیہ وغیرہ میں مذکور ہے م منع اکثر حروف پر کل دیت لازم ہونا قول ضعیف ہے قول اصح یہ ہے کہ اگر نصف حروف کا نقصان ہو تو نصف دیت واجب ہے اور اگر ثلث یا ربع کا نقصان ہے تو ثلث یا ربع دیت واجب ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ علی مرتضیٰ کے زمانہ میں ایک شخص نے دوسرے کی قدرے زبان کاٹ ڈالی تھی سو اس سے حروف پڑھائے گئے جو حرف اس سے نہ نکلا بقدر اس کے دیت کا حکم کیا کذا فی شرح الوہبانیۃ لعبد البر اور زبان کے خاص سولہ حرف یہ ہیں ت ث ج د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ل ن ی کذا فی الطحطاوی **ولحیۃ حلقت فلم تنبت** اور اس ڈاڑھی میں جو مونڈی گئی پھر اس کے بال نہ جمے پوری دیت ہے م اس واسطے کہ ازالہ ریش سے مرد کا جمال علی الکمال جاتا رہتا ہے اور عورت کی ڈاڑھی مونڈنے میں کچھ دیت نہیں اور مونڈنے سے مطلق ازالہ مراد ہے ویؤجل سنۃ فان مات فیہا بری اور وجوب دیت میں سال بھر کی مدت مقرر ہوتی ہے پھر اگر وہ شخص سال بھر میں مرگیا تو مونڈنے والا ڈاڑھی کا بری الذمہ ہوگیا دیت کے دینے سے وفی نصفہا نصف الدیۃ وفیما دونہ حکومۃ عدل کشارب ولحیۃ عبد فی الصحیح اور آدھی ڈاڑھی مونڈنے میں آدھی دیت ہے اور آدھی سے کم مونڈنے میں حکومت عدل ہے جیسے مونچھ میں اور غلام کی ڈاڑھی مونڈنے میں حکومت عدل واجب ہے قول صحیح میں ولا شئی فی لحیۃ کوسج علی ذقنہ شعرات معدودۃ ولو علی خدہ ایضا ولکنہ غیر متصل فحکومۃ عدل ولو متصلا فکل الدیۃ اور کچھ لازم نہیں اس کوسے کی ڈاڑھی مونڈنے میں جس کی ٹھڈی پر گنتی کے چند بال ہیں اور اگر اس کے رخساروں پر بھی بال ہوں ولیکن متصل نہ ہوں تو اس میں حکومت عدل ہے اور اگر رخسار اور ذقن کے بال متصل ہوں تو پوری دیت واجب ہے **وشعر الراس کذلک** ای اذا حلق ولم ینبت کذا روی عن علی رضی اللہ عنہ وعند الشافعی فیہا حکومۃ عدل اور سر کے بالوں کا یہی حکم ہے یعنی جب کہ سر کے بال پر درہ زبردستی سے کوئی مونڈ ڈالے اور سال کے اندر نہ جمیں تو پوری دیت واجب ہے یہ حکم مروی ہے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں حکومت عدل ہے واعلم انہ لا قصاص فی الشعر مطلقا ولو مات قبل تمام السنۃ ولم ینبت فلا شئی علیہ کشعر صدر وساعد وساق اور معلوم کر کہ بالوں میں مطلقاً قصاص نہیں اگرچہ جنایت عمداً ہو اور اگر وہ شخص مرگیا سال پورے ہونے سے پہلے اور بال نہ جمیں تو جانی پر کچھ لازم نہیں ہے سوائے تعزیر کے کذا فی الطحطاوی جیسے صدر اور ساعد اور ساق کے بال مونڈ ڈالنے میں قصاص نہیں **والعینین والشفتین والحاجبین والرجلین والاذنین والانثیین** ای الخصیتین **وثدیی المرأۃ** وحلمتیہا والالیتین اذا استؤصلتا والا فحکومۃ عدل اور دونوں آنکھوں اور دونوں ہونٹوں اور دونوں بھوؤں اور دونوں پاؤں اور دونوں کانوں اور دونوں فوطوں اور عورتوں

کی دونوں چھاتیوں اور چھاتیوں کی دونوں گھنڈیوں میں اور دونوں چوتڑوں میں پوری دیت واجب ہے بشرطیکہ چوتڑوں کو بالکل قطع کر ڈالے اور اگر تھوڑا قطع کیا تو اس میں حکومت عدل واجب ہے وکذا فرج المرأۃ من الجانبین **الدیۃ** وفی ثدی الرجل حکومۃ عدل اور اسی طرح عورت کی شرمگاہ دونوں جانب سے قطع کرنے میں پوری دیت ہے اور مرد کی پستان کاٹنے میں دیت نہیں حکومت عدل ہے م قطع شرمگاہ عورت میں استیصال شرط ہے کہ ہڈی تک پہونچے اور نہیں تو حکومت عدل واجب ہے کذا فی الطحطاوی **وفی کل واحد من** ہذہ الاشیاء المزدوجۃ **نصف الدیۃ** اور ان دوہری چیزوں میں سے ایک چیز کے قطع میں نصف دیت واجب ہے یعنی ایک آنکھ یا ایک ہونٹھ یا ایک بھوں یا ایک پاؤں یا ایک کان یا ایک فوطہ یا ایک پستان یا ایک گھنڈی پستان کی یا ایک چوتڑ کے کاٹنے میں نصف دیت ہے **وفی اشفار العینین** الاربعۃ جمع شفرۃ بضم الشین وتفتح الجفن او الہدب **الدیۃ** اذا قطعھا ولم تنبت اور آنکھ کے چاروں پلکوں میں کے بالوں میں پوری دیت ہے بشرطیکہ پلکوں کے بال جڑ سے اکھڑیں اور پھر نہ جمیں شارح نے کہا اشفار جمع ہے شفرہ کی بضم شین اور فتحہ بھی اس کا جائز ہے شفرہ عبارت ہے پلک سے یا پلک کے بالوں سے م اطلاق شفرہ کا پلک پر حقیقت ہے اور پلک کے بالوں پر مجازاً ہے اور دونوں میں سے جو مراد لیجیے مطلب صحیح ہے اس واسطے کہ پلکوں اور ان کے بالوں میں پوری دیت ہے کیونکہ دونوں میں آنکھ کی منفعت اور جمال علی الکمال ہے **وفی احدہا ربعہا** اور ایک پلک میں چوتھائی دیت واجب ہے م ہر آنکھ میں دو پلک ہیں ایک نیچے اور ایک اوپر تو دونوں آنکھوں میں چار پلک ہیں ولو قطع الجفون باشفارہا فدیۃ واحدۃ لانہما کشی واحد اور اگر قطع ہوں پلک ان کے بالوں کے ساتھ تو ایک ہی دیت ہے اس واسطے کہ پلک اور ان کے بال ایک چیز کے مانند ہیں م شارح کو یوں کہنا واضح تر تھا الجفون باشفارہا کذا فی الطحطاوی وفی جفن لا شعر علیہ حکومۃ عدل لکن المعتمد ان فی کل دیۃ کاملۃ جفنا او شعرا اور اس پلک میں جس پر بال نہیں حکومت عدل ہے لیکن معتمد قول یہ ہے کہ ہر ایک میں پوری دیت ہے خواہ پلک ہو یا اس کے بال م طحطاوی نے کہا غایۃ البیان میں یوں ہے کہ جس پلک میں بال نہیں اس میں حکومت عدل مجھ کو معلوم نہیں کہ سوائے شارح کے قول معتمد مذکور کو کس نے بیان کیا ہے اور ایک نسخہ میں بجائے شعرۃ کے شفرۃ بالفاء ہے **وفی کل اصبع من اصابع الیدین والرجلین عشرہا** اور دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ واجب ہے یعنی سو دینار یا ہزار درم یا دس اونٹ م ابوداؤد اور نسائی میں ابو موسیٰ اشعری رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلیاں برابر ہیں ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں کذا فی العینی **وما فیہا مفاصل ففی احدہا ثلث دیۃ الاصبع ونصفہا** اے نصف دیۃ الاصبع **لو فیہا مفصلان** کالابہام اور جس انگلی میں مفاصل اور جوڑ تین ہیں تو ایک مفصل کے قطع میں انگلی کی تہائی دیت واجب ہے اور انگلی کی نصف دیت ہے اگر انگلی میں دو جوڑ ہیں چنانچہ انگوٹھے میں **وفی کل سن** یعنی من الرجل اذ دیۃ سن المرأۃ نصف دیۃ الرجل جوہرۃ **خمس من الابل** او خمسون دینارا **او خمسمائۃ درہم** اور ہر دانت میں پانچ اونٹ یا پچاس دینار یا پانسو درم دیت ہے شارح نے کہا دانت سے مرد کا دانت مراد ہے اس واسطے کہ عورت کے دانت کی دیت مرد کے دانت کی دیت سے آدھی ہے لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی کل سن خمس من الابل یعنی نصف عشر دیۃ لو حرا او نصف عشر قیمتہ لو عبدا دیت مذکور ثابت ہے اس حدیث کی دلیل سے کہ ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں یعنی اگر آزاد ہے تو اس کی دیت کے دسویں حصہ کا نصف یعنی دیت کا بیسواں حصہ اور اگر غلام ہے تو اس کی قیمت کا بیسوا حصہ م دیت اس وقت ہے جب کہ جنایت خطا سے ہو اور اگر عمداً ہے تو اس میں قصاص ہے اور دیت میں سب دانت برابر ہیں

بدلیل اس حدیث مرفوع کے جو بزازیہ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ سب دانت برابر ہیں کذا فی العینی فان قلت تزید حینئذ دیۃ الاسنان کلہا علی دیۃ النفس ثلثۃ اخماسہا قلت نعم ولا باس فیہ لانہ ثابت بالنص علی خلاف القیاس کما فی الغایۃ وغیرہا وفی العنایۃ ولیس فی البدن ما یجب بتفویتہ اکثر من قدر الدیۃ سوی الاسنان پھر اگر تو کہے کہ جب ہر دانت کی دیت پانچ اونٹ ٹھہری تو سب دانتوں کی دیت زیادہ ہوتی ہے جان کی دیت سے تین پنجم حصے دیت کے میں کہتا ہوں کہ ہاں زیادہ ہوتی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ وہ ثابت ہے نص حدیث سے برخلاف قیاس کے چنانچہ غایۃ البیان وغیرہا میں مذکور ہے اور عنایہ میں ہے اور بدن میں وہ عضو نہیں ہے جس کے فوت کر ڈالنے سے دیت نفس سے زیادہ ہو سوائے دانتوں کے م آدمی کے ۳۲ دانت ہوتے ہیں ۲۰ اضراس یعنی داڑھیں اور چار انیاب یعنی نیش اور چار ثنایا یعنی سامنے کے دانت اور چار ضواحک یعنی جو دانت کہ ہنسی کے وقت ظاہر ہو جاتے ہیں پھر جب ایک دانت میں دیت کا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہوا تو سب دانتوں میں پوری دیت اور دیت کے تین خمس واجب ہوئے یعنی سولہ ہزار درم کذا فی الطحطاوی یا ایک سو ساٹھ اونٹ وقد توجد لواجذ اربعۃ فتکون اسنانہ ستا وثلثین ذکرہ القہستانی قلت وحینئذ فللکوسج دیۃ وخمسا دیۃ ولغیرہ اما دیۃ ونصف او ثلثۃ اخماس او اربعۃ اخماس اور گاہے ہوتے ہیں چار نواجذ یعنی دندان خرد جن کو بعض اہل ہند عقل داڑھ کہتے ہیں تو اس حساب سے ۳۶ دانت ہوتے ہیں یہ ذکر کیا ہے قہستانی نے میں کہتا ہوں اور اس وقت میں کھوسے دانتوں میں ایک دیت واجب ہے اور دو خمس دیت کے اور کھوسے کے سوا یا ایک دیت اور نصف دیت ہے یا تین خمس یا چار خمس دیت کے واجب ہیں م مغرب میں ہے کوسج یعنی کھوسا معرب ہے جس کے ذقن پر بال ہوں نہ رخساروں پر اور اصمعی نے کہا کوسج وہ ہے جس کے دانت کم ہوں اور یہی منقول ہے امام ابوحنیفہ سے قہستانی میں ہے کہ کوسج کے دانت ۲۸ ہوتے ہیں اور یہی شناخت ہے اس کی تو کھوسے کے دانتوں کی دیت کا ایک دیت اور دو خمس دیت کی ہونا ظاہر ہے قہستانی میں ہے کہ اگر ۳۲ دانت اکھاڑے جاویں خطا سے تو دیت اور تین خمس واجب ہیں یعنی سولہ ہزار درم اور اگر ۳۱ دانت اکھاڑے جاویں تو دیت اور نصف دیت ہے یعنی پندرہ ہزار درم اور اگر ۳۶ دانت اکھاڑے جاویں تو دیت اور چار خمس واجب ہیں یعنی اٹھارہ ہزار درم کذا فی الطحطاوی وعلمت ان المرأۃ علی النصف فتبصر اور چند بار تو معلوم کر چکا ہے کہ عورت کی دیت مرد کے نصف پر ہے تو خبردار رہیو **وتجب دیۃ کاملۃ فی کل عضو ذہب نفعہ بضرب ضارب کید شلت وعین ذہب ضوءہا وصلب انقطع ماؤہ** اور دیت کامل واجب ہے ہر ایک اس عضو میں جس کی منفعت جاتی رہے کسی مارنے والے کے مارنے سے چنانچہ ضرب سے ہاتھ شل ہو گیا یعنی خشک اور بیکار ہو گیا اور آنکھ کی روشنی جاتی رہی اور ضرب کے صدمے سے پیٹھ کی منی منقطع ہو گئی وکذا لو سلس بولہ او احدبہ ولو زالت الحدوبۃ فلا شئ علیہ ولو بقی اثر الضرب فحکومۃ عدل اور اسی طرح پوری دیت واجب ہے اگر ضرب سے پیشاب اس کا جاری ہو گیا بند نہیں ہوتا یا اس کو کبڑا کر دیا اور اگر ضرب کے بعد کوبڑ زائل ہو گیا تو جانی پر کچھ نہیں اور کوبڑ جانے کے بعد ضرب کا نشان باقی رہا تو اس میں حکومت عدل ہے **وتجب حکومۃ عدل باتلاف عضو ذہب نفعہ ان لم یکن فیہ جمال کالید الشلاء** اور حکومت عدل واجب ہے اس عضو کے تلف کر ڈالنے میں جس کی منفعت فوت ہو چکی تھی ضرب ضارب سے پہلے بشرطیکہ اس عضو میں جمال اور خوشنمائی نہ ہو چنانچہ لنجا ہاتھ یعنی نہ اس میں منفعت ہے نہ خوشنمائی تو اس کے قطع میں دیت نہیں حکومت عدل ہے **او ارشہ کاملا ان کان فیہ جمال کالاذن الشاخصۃ** ہو الطرش یا عضو مذکور کی پوری دیت واجب ہے اگر عضو مفقود النفع کے ہونے میں جمال اور خوشنمائی ہو چنانچہ

گوش مرتفع یعنے اونچا کان قطع کرنے میں م طحطاوی نے کہا کہ مرجع ضمیر کا شخوص ہے شاخصہ سے ماخوذ اور صاحب قاموس نے شخوص یعنی طرش مذکور نہیں کیا انتہے میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق کہ شاید شارح نے یوں کہا ہوگا وہو الاطرش یعنی درحالیکہ اونچے کان والا بہرا ہے سماعت نہیں رکھتا اطرش بروزن افعل[1] بمعنی گراں گوش لغت میں ثابت ہے عجب نہیں کہ سہو کاتب سے اطرش کا الف اور واو حالیہ کتابت میں رہ گیا ہو والا ہو الطرش کا محصل مفہوم نہیں ہوتا کیونکہ طرش یعنے گرانی گوش شخوص یعنی ارتفاع کی تفسیر نہیں ہوسکتی واللہ اعلم وتجی مالو الصقہ فالتحم فی اواخر ہذا الفصل اور اس فصل یعنی فصل شجاج کے اخیر میں وہ مسئلہ آوے گا کہ اگر عضو کو چپکایا پھر گوشت جم گیا

فصل فی الشجاج

یہ فصل ہے شجاج کے مسائل میں شجاج جمع ہے شجہ کی وتختص الشجۃ بما یکون بالوجہ والراس لغۃ اور لغت میں شجہ مخصوص ہے اس جراحت کے ساتھ جو چہرہ اور سر پر ہو م شجہ کا مکان سر اور چہرہ ہے ذقن تک اور تحت ذقن موضع شجہ نہیں اور داڑھی ہمارے نزدیک چہرہ میں داخل ہے کذا فی العالمگیریہ حموی نے کہا حکم خاص شجہ پر مرتب ہے اور جراحت یعنے مطلق جراحت ملحق بالشجہ نہیں اس واسطے کہ وجہ اور راس اکثر مکشوف رہتے ہیں تو ان کے زخم میں نہایت عیب اور بدنمائی ہے **وما یکون لغیر ہما فجراحۃ** اے تسمی جراحۃ وفیہا حکومۃ عدل مجتبیٰ ومسکین اور جو زخم کہ چہرہ اور سر کے سوا باقی بدن میں ہوتا ہے وہ مسمی بجراحت ہے اور اس میں دیت نہیں حکومت عدل ہے کذا فی المجتبیٰ والمسکین **وہی** اے الشجاج **عشرۃ** اور شجاج دسؔ ہیں یعنی چہرہ اور سر کے زخموں کے دسؔ نام ہیں الحارصۃ بمہملات وہی التی تحرص الجلد اے تخدشہ پہلے زخم کا نام حارصہ ہے بحاء مہملہ وراء مہملہ وصاد مہملہ اور حارصہ وہ زخم ہے جس میں کھال مخدوش ہو جائے یعنی چھل جائے ہندی میں اس کو کھرونچا کہتے ہیں **والدامعۃ** بمہملات التی تظہر الدم کالدمع ولا تسیلہ اور دوسرا زخم دامعہ ہے بدال مہملہ وعین مہملہ دامعہ وہ زخم ہے جس میں آنسو کے مانند خون نمودار ہو جائے اور خون کو نہ بہاوے **والدامیۃ** التی تسیلہ اور تیسرا زخم دامیہ ہے جو خون کو بہاوے **والباضعۃ** التی تبضع الجلد ای تقطعہ اور باضعہ وہ زخم ہے جو کھال کو قطع کر دے **والمتلاحمۃ** التی تاخذ فی اللحم اور متلاحمہ وہ زخم ہے جو گوشت کو قطع کرے **والسمحاق** التی تصل الی السمحاق ای جلدۃ رقیقۃ بین اللحم وعظم الراس اور سمحاق وہ زخم ہے جو سمحاق تک پہونچ جائے سمحاق وہ باریک کھال ہے جو گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان میں ہے **والموضحۃ** التے توضح العظم ای تظہرہ اور موضحہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو ظاہر کر دے یعنے جس میں کھال اور گوشت قطع ہو کر ہڈی کھل جائے **والہاشمۃ** التے تہشم العظم اے تکسرہ اور ہاشمہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو توڑ دے **والمنقلۃ** التی تنقلہ بعد الکسر اور منقلہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو منتقل کر دے اس کے توڑنے کے بعد یعنے ہڈی کو ایک موضع سے دوسرے موضع کی طرف کر دے کذا فی العینی **والآمۃ** التی تصل لے ام الدماغ وہی الجلدۃ التے فیہا الدماغ اور دسواں شجہ زخم آمہ ہے جو ام الدماغ تک پہونچ جائے ام الدماغ اس کھال کا نام ہے جس کے اندر دماغ ہے یعنے بھیجا وبعدہا الدامغۃ بغین معجمہ وہی التی تخرج[2] الدماغ ولم یذکرہا محمد للموت بعدہا عادۃ فتکون قتلاً لا شجا فعلم بالاستقراء بحسب الآثار انہا لا تزید علے العشرۃ اور جراحت آمہ کے بعد گیارھویں جراحت دامغہ ہے بغین معجمہ اور دامغہ وہ زخم ہے جو بھیجے کو نکال دے اور دامغہ کو محمدؒ نے مذکور نہیں کیا اس واسطے کہ اس کے بعد تو موت ہے باعتبار غالب عادت کے تو دامغہ قتل ٹھہری نہ جراحت تو تفحص آثار سے یہ معلوم ہو گیا کہ شجاج دسؔ زخموں سے زیادہ نہیں ہوتے **ویجب فی الموضحۃ نصف عشر الدیۃ** ای لو غیر

---

[1] قاموس میں اطروش بالضم بزیادتی واؤ لکھا ہے اور صراح میں بدون واؤ کے مگر بروزن افعل کہیں نہیں لکھا یہ سہو ہے مترجم اول کا ۱۲

[2] اور ایک نسخہ میں تخرق ہے بجائے تخرج کے یعنے جو دماغ کو زخمی کر دے ۱۲

اصلع والا ففیہا حکومۃ عدل لان جلدہ انقص زینۃ من غیرہ قہستانی عن الذخیرۃ اور جراحت موضحہ میں دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ یا پانسو درم واجب ہے بشرطیکہ مجروح اصلع نہ ہو یعنی اس کے سر کے بال پیری سے نہ جھڑ گئے ہوں اور نہیں تو اس میں دیت نہیں بلکہ حکومت عدل ہے اس واسطے کہ اصلع کی کھال غیر اصلع سے کمتر ہے آرائش میں کذا فی القہستانی عن الذخیرۃ وفی الہاشمۃ عشرہا وفی المنقلۃ عشر ونصف عشر اور جراحت ہاشمہ میں دیت کا دسواں حصہ واجب ہے یعنی دس اونٹ اور جراحت منقلہ میں دیت کا دسواں حصہ اور بیسواں حصہ یعنی پندرہ اونٹ واجب ہیں وفی الآمۃ والجائفۃ ثلثہا اور جراحت آمہ اور جراحت جائفہ میں تہائی دیت کی واجب ہے ثم جائفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے زیلعی میں ہے کہ جائفہ وہ زخم ہے جو سر اور پیٹ میں ہو اور قول ضعیف یہ ہے کہ جائفہ نہیں ہوتا حلق کے اوپر انتہی سراج وہاج میں ہے کہ جائفہ وہ زخم ہے جو پیٹ کے اندر تک پہونچے پیٹ کی طرف سے یا پیٹھ یا سینہ کی طرف سے یا گردن کی جانب سے اس موضع تک پہونچے جہاں تک پانی جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو یہ سب جراحتیں جائفہ ہیں اور جو اس کے اوپر کا زخم ہے وہ جائفہ نہیں ہے اور جائفہ نہیں ہوتا دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں او[illegible]ان اور منھ اور سر میں اور اگر زخم فوطوں اور آلہ تناسل کا پیٹ تک پہنچ جائے تو وہ بھی جائفہ ہے کذا فی الطحطاوی **فان نفذت الجائفۃ فثلثاہا** لانہا اذا نفذت صارت جائفتین فیجب فی کل ثلثہا پھر اگر جائفہ نافذ ہو گیا یعنے پیٹ کا زخم پیٹھ کی طرف پھوٹ نکلا تو دیت کی دو تہائیاں واجب ہیں اس واسطے کہ جب جائفہ وار پار ہو گیا تو دو جائفہ ہو گئے ایک پیٹ کی جانب سے دوسرا پیٹھ کی طرف سے تو ہر جائفہ میں تہائی دیت کی واجب ہوگی **وفی الحارصۃ والدامعۃ والدامیۃ والباضعۃ والمتلاحمۃ والسمحاق حکومۃ عدل** اذ لیس فیہا ارش مقدر من جہۃ السمع ولا یمکن اہدارہ فوجب فیہا حکومۃ عدل اور حارصہ اور دامعہ اور دامیہ اور باضعہ اور متلاحمہ اور سمحاق میں دیت نہیں حکومت عدل ہے اس واسطے کہ ان زخموں میں کچھ دیت مقرر نہیں ہے من جہۃ السمع یعنے شارع کی جانب سے اور ان کا رائیگاں چھوڑنا بھی ممکن نہیں ہے تو ان میں حکومت عدل واجب ہوئی ثم مصنف عبدالرزاق میں ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ مادون موضحہ میں حکومت عدل واجب ہے کذا فی العینی **وہی** ای حکومۃ العدل **ان ینظر کم مقدار ہذہ الشجۃ من الموضحۃ فیجب بقدر ذلک من نصف عشر الدیۃ** قالہ الکرخی وصححہ شیخ الاسلام اور وہ یعنی حکومت عدل یہ ہے کہ نظر اور تامل کیا جاوے کہ اس زخم کی کتنی مقدار ہے موضحہ سے تو بقدر اس کی دیت کے بیسواں حصہ سے واجب ہوگا یہ قول ہے کرخی کا اور تصحیح کی ہے اس قول کی شیخ الاسلام نے ثم چونکہ موضحہ کی دیت شرعا اقل ثابت ہے شجاج سے لہذا اس کو مقیس علیہ ٹھہرایا چند گی مقدار کی تو صحیح یہ ہے کہ مثلاً باضعہ کو تامل کیا کہ موضحہ سے کس قدر ہے تو اگر اس کی مقدار ثلث ہے موضحہ سے تو موضحہ کی ثلث دیت واجب ہوگی اور اگر ربع تو ربع دیت واجب ہوگی وعلیٰ ہذا القیاس وجہ تصحیح قول کرخی کی یہ ہے کہ اس میں رجوع ہے منصوص علیہ کی طرف کذا فی العینی **وقیل** قالہ الطحاوی **یقوم المشجوج عبدا بلا ہذا الاثر معہ فقدر التفاوت بین القیمتین** فی الحر من الدیۃ وفی العبد من القیمۃ فان نقص الحر عشر قیمتہ اخذ عشر دیتہ وکذا فی النصف والثلث اور حکومت عدل کی تفسیر میں دوسرا قول طحاوی کا یہ ہے کہ مجروح الراس کو غلام قرار دے کر بدون اس زخم کے اس کی قیمت مقرر کی جائے پھر اس زخم کے ساتھ اس کی قیمت معین کی جائے پھر جس قدر تفاوت ہو دونوں قیمتوں میں اسی قدر آزاد میں اس کی دیت سے لیا جائے اور غلام میں قیمت سے تو اگر قیمت سے دسواں حصہ کم ہو تو آزاد کی دیت سے دسواں حصہ لیا جاوے اور اسی طرح نصف اور ثلث میں یعنی اگر زخم سے نصف قیمت کم ہو گئی ہو تو نصف دیت حکومت عدل ہے اور اگر ثلث کم ہو تو ثلث دیت حکومت عدل ہے ہو ای ہذا التفاوت ہی ای حکومۃ العدل **بہ یفتی** کما فی الوقایۃ والنقایۃ والملتقی والدرر

والنہایۃ وغیرہا وجزم بہ فی الجمع وہ یعنی تفاوت بین القیمتین وہی حکومت عدل ہے اسی طحاوی کے قول پر فتوی ہے چنانچہ وقایۃ اور نقایہ اور ملتقی اور درر اور خانیہ وغیرہا میں ہے اور مجمع میں اسی قول پر یقین کیا ہے م اور اسی قول کو حلوانی نے لیا ہے اور یہی قول ہے آئمہ ثلثہ کا اور اہل علم کا ابن منذر نے کہا یہی قول محفوظ ہے اہل اجتہاد سے کذا فی العینی وفی الخلاصۃ انما یستقیم قول الکرخی لو الجنایۃ فی وجہ ورأس فتشینہ فیفتی بہ ولو فی غیرہما او تعسر علی المفتی یفتی بقول الطحاوی مطلقاً لانہ الیسر انتہی ونحوہ فی الجوہرۃ بزیادۃ اور خلاصہ میں ہے کہ کرخی کا قول تو خاص اسی صورت میں مستقیم ہے جب کہ جنایت چہرہ اور سر میں ہو تو اس وقت میں کرخی کے قول پر فتوی ہوگا اور اگر چہرہ اور سر کے سوا اور جگہ زخم ہو یا مفتی پر مشکل پڑے موضحہ پر قیاس کرنا کرخی کے قول پر تو اب طحاوی کے قول پر فتوی دے مطلقاً اگرچہ جراحت چہرہ اور سر میں ہو اس واسطے کہ طحاوی کا قول آسان تر ہے انتہیٰ ما فی الخلاصۃ اور اسی کے مانند جوہرہ میں ہے زیادت کے بیان کے ساتھ وقیل تفسیر الحکومۃ ہو ما یحتاج الیہ من النفقۃ واجرۃ الطبیب والادویۃ الی ان یبر اور بعضوں نے کہا تفسیر حکومت عدل کی وہ ہے کہ جس کی حاجت پڑے منجملہ خوراک اور اجرت جراح اور قیمت ادویہ کے زخمی کے صحیح ہو جانے تک م طحاوی نے کہا کہ قول مفتی بہ کو تو معلوم کر چکا یعنی تو یہ قول ضعیف قابل اعتماد کے نہیں ہے **ولاقصاص فی جمیع الشجاج الافی الموضحۃ عمداً** اور قصاص نہیں جمیع شجاج میں مگر موضحہ عمداً میں م شجاج مافوق موضحہ یعنی ہاشمہ اور منقلہ اور آمہ میں بالاتفاق قصاص نہیں اور مادون موضحہ یعنی حارصہ اور دامعہ اور دامیہ اور باضعہ اور متلاحمہ اور سمحاق کے قصاص میں اختلاف ہے جو عنقریب مذکور ہوگا ومافوقہ فیہ یستوی العمد والخطاء فیہ اور جن شجاج میں قصاص نہیں اس میں عمد اور خطا دونوں برابر ہیں یعنی تو وہاں عمد میں واجب ہے جو خطا میں واجب ہے کذا فی الطحاوی عن المحیط لکن ظاہر المذہب وجوب القصاص فیما قبل الموضحۃ ایضاً ذکرہ محمد فی الاصل وہو الاصح درر ومجتبیٰ وابن الکمال وغیرہا لامکان المساواۃ بان یسبر غورہا بمسبار ثم یتخذ حدیدۃ بقدرہ فیقطع لیکن ظاہر مذہب وجوب قصاص ہے ان شجاج میں بھی جو موضحہ سے پہلے مذکور ہیں یعنی حارصہ اور دامعہ اور دامیہ اور باضعہ اور متلاحمہ اور سمحاق میں یہ ذکر کیا ہے محمد بن حسنؒ نے اصل یعنے مبسوط میں اور یہی قول یعنی وجوب قصاص ماقبل موضحہ کا صحیح تر ہے کذا فی الدرر والمجتبیٰ وابن الکمال وغیرہا اس واسطے کہ شجاج مذکور میں برابری کرنا ممکن ہے اس طرح پر کہ زخموں کا عمق اور گہراؤ امتحان کیا جائے آلہ امتحان سے مثلاً سلائی وغیرہ سے پھر آہنی چیز لی جائے بقدر اس کے پھر اتنا قطع کیا جائے م کافی میں ہے کہ یہی قول صحیح ہے بدلیل ظاہر قرآن والجروح قصاص یعنی زخموں میں قصاص ہے اور اعتبار مساوات کا ممکن ہے کذا فی العینی واستثنی فی الشرنبلالیۃ السمحاق فلا یقاد اجماعاً کما لا قود فیما بعدہا کالہاشمۃ والمنقلۃ بالاجماع وعزاہ للجوہرۃ فلیحفظ اور شرنبلالیہ میں سمحاق کو مستثنے کیا ہے تو اس میں بالاتفاق قصاص نہیں جیسے مابعد موضحہ چنانچہ ہاشمہ اور منقلہ میں بالاجماع قصاص نہیں اور شرنبلالی نے یہ قول جوہرہ کی طرف نسبت کیا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ثم قال فی المجتبیٰ ولا قود فی جلد رأس وبدن ولحم خد[1] وبطن وظہر پھر زاہدی نے مجتبیٰ میں کہا اور قصاص نہیں سر اور بدن کی کھال میں اور رخسار اور پیٹ اور پیٹھ کے گوشت میں م شاید کہ یہ قول غیر ظاہر الروایۃ ہے یا جلد رأس سے فقط سمحاق مراد ہے عالمگیری میں محیط سرخسی سے منقول ہے کہ جو جراحات چہرہ اور سر کے سوا بدن میں واقع ہیں ان میں حکومت عدل ہے جب کہ ہڈی کھل جائے یا ٹوٹ جائے بشرط بقاء اثر اور اگر جراحت کا اثر باقی نہیں رہا تو شیخین کے نزدیک اس میں کچھ نہیں اور محمدؒ کے نزدیک تا حصول صحت قیمت مصارف کی لازم ہے کذا فی الطحاوی ولا فی لطمۃ ووکزۃ ووجاءۃ اور نہ قصاص ہے، طمانچہ مارنے اور مکی مارنے اور ضرب ید میں م عدم قصاص کو عدم تعزیر لازم نہیں وفی سلخ جلد الوجہ کمال الدیۃ اور چہرہ کی کھال اکھاڑنے میں پوری دیت ہے **وفی کل اصابع الید الواحدۃ نصف دیۃ ولو مع الکف** لانہ تبع للاصابع اور ایک ہاتھ کی سب انگلیوں

---

[1] ایک نسخہ میں خد کی جگہ الخد ہے ۱۲

کے قطع میں نصف دیت ہے اگرچہ پانچوں انگلیاں ہتھیلی کے ساتھ کٹ گئی ہوں اس واسطے کہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے م نصف دیت ۵۰ اونٹ یا ۵۰۰ دینار یا پانچ ہزار درم ہے **ومع نصف ساعد نصف دیة للکف وحکومة عدل** لنصف الساعد وکذا الساق اور ایک ہاتھ کے قطع اصابع میں نصف ساعد کے ساتھ نصف دیت واجب ہے ہتھیلی کے سبب سے اور حکومت عدل واجب ہے نصف ساعد کے سبب سے اور یہی حکم ہے پنڈلی کا یعنے اگر پاؤں کی انگلیاں آدھی پنڈلی کے ساتھ قطع ہوں تو کف پا کے سبب سے نصف دیت ہے اور پنڈلی کے سبب سے حکومت عدل ہے **وفی قطع کف وفیہا اصبع او اصبعان عشرہا او خمسہا** لف ونشر مرتب اور اس ہتھیلی کے قطع میں جس میں ایک انگلی یا دو انگلیاں ہیں دسواں حصہ دیت کا یا پانچواں حصہ دیت کا واجب ہے شارح نے کہا یہ لف نشر مرتب ہے یعنی ایک انگلی میں دسواں حصہ ہے اور دو انگلیوں میں پانچواں حصہ **ولا شیء فی الکف** عند ابی حنیفة رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کما لو کان فی الکف ثلث اصابع فانہ لا شیء فی الکف بالاجماع اذ للاکثر حکم الکل اور کچھ واجب نہیں قطع کف میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک چنانچہ اگر کف میں تین انگلیاں ہوں تو قطع کف میں کچھ واجب نہیں باتفاق امام اور صاحبین کے اس واسطے کہ اکثر کے واسطے کل کا حکم ہے م یعنی جس طرح کف میں کچھ واجب نہیں جب کہ پانچوں انگلیاں قطع ہوں تو اسی طرح تین انگلیوں کے قطع ہونے سے کف کا بدلا کچھ نہیں ہے اور یہ مراد نہیں کہ قطع اکثر اصابع سے ہاتھ کی پوری دیت واجب ہے اس واسطے کہ متن میں مذکور ہو چکا کہ ہر انگلی میں دسواں حصہ دیت کا واجب ہے کذا فی الطحطاوی وفی جواہر الفتاوی ضرب ید رجل ورجی الا انہ لا نفصل یدہ الی قفاہ فبقدر النقصان یؤخذ من جملة الدیة ان نقص الثلثان فثلثا الدیة وہکذا واقرہ المصنف اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ کو مارا اور وہ چپکا ہو گیا مگر یہ کہ اس کا ہاتھ گردن کے نیچے نہیں پہونچتا تو بقدر نقصان وصول کے پوری دیت سے لیا جاوے گا اگر نقصان بقدر دو ثلث کے ہو تو دیت کے دو ثلث واجب ہوں گے اور اسی طرح ثلث اور ربع اور نصف کو قیاس کرنا چاہیے اور مصنف نے شرح میں اس قول کو ثابت رکھا ہے رد نہیں کیا ہے **ولو قطع مفصلاً من الاصبع فشل الباقی او قطع الاصابع فشل الکف لزم دیة المقطوع فقط وسقط القصاص** فافہم وان خالف الدرر کذا ذکرہ الشرنبلالی وسیجیء متنا اور اگر انگلی کی ایک پور مفصل سے کاٹی سو باقی انگلی خشک ہو گئی یا انگلیاں قطع کیں سو ہتھیلی خشک ہو گئی تو فقط دیت مقطوع کی لازم ہو گی اور قصاص ساقط ہوگا سو اس کو سمجھ لے اگرچہ یہ قول درر کے مخالف ہے ایسا بیان کیا ہے شرنبلالی نے اور آگے متن میں آوے گا م نہایہ میں شرح طحاوی سے اجماعی مسئلہ یوں مذکور ہے کہ جو عضو شل ہو گیا اس کی دیت واجب ہے اگر وہ انگلی ہے تو انگلی کی دیت ہے اور اگر کف ہے تو کف کی دیت ہے اور زیلعی میں ہے کہ جب تمام انگلی بیکار ہو گئی تو تمام کی دیت واجب ہے اور اگر لائق انتفاع ہے تو مقطوع کی دیت اور باقی میں حکومت عدل بالاجماع ہے اور یہ شارح اور ماتن کے مخالف ہے کذا فی الطحطاوی **وفی الاصبع الزائدة وعین الصبی وذکرہ ولسانہ ان لم یعلم صحتہ بنظر فی العین وحرکة فی الذکر وکلام فی اللسان حکومة عدل** اور پانچ سے زیادہ انگلی میں اور صغیر کی آنکھ اور آلہ تناسل اور اس کی زبان میں حکومت عدل ہے اگر صحت و سلامتی اس کی معلوم نہ ہو آنکھ میں تو نظر کرنے سے اور آلہ تناسل میں جنبش کرنے سے اور زبان میں بولنے سے م زائد انگلی میں خوشنمائی نہیں جو دیت واجب ہو اور آنکھ وغیرہ سے منافع مخصوصہ مقصود ہیں پھر جب وجود منافع معلوم نہیں تو شک سے پوری دیت واجب نہ ہو گی حکومت عدل واجب ہو گی **فان علمت الصحة فکبالغ فی خطاء او عمد** افاثبت جبینة او باقرار الجانی وان انکر او قال لا اعرف صحتہ فحکومة العدل جوہرہ پھر اگر صغیر کی آنکھ وغیرہ کی صحت معلوم ہو تو اب وہ جوان کے مانند ہے خطایا عمد میں جب کہ گواہی سے

ملہ ایک نسخہ میں حذی کی جگہ تحدہ ہے ۱۲

جانی کے اقرار سے ثابت ہو اور اگر وہ منکر ہو یا کہے میں اس کی صحت کو نہیں جانتا ہوں تو حکومت عدل واجب ہے کذا فی الجوہرۃ
و دخل ارش موضحۃ اذہبت عقلہ او شعر راسہ فی الدیۃ لدخول الجزء فی الکل کمن قطع اصبعا فشلت الید اور اس موضحہ کی دیت
ں کے صدمہ سے عقل اس کی یا اس کے سر کے بال جاتے رہے آدمی کی پوری دیت میں داخل ہو جاوے گی بسبب داخل ہونے جزء
ے کل میں مانند اس شخص کے جس نے انگلی دوسرے کی قطع کی سو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا تو انگلی کی دیت ہاتھ کی دیت میں داخل ہو
ادے گی م عقل کے فوت ہو جانے سے سب اعضا کی منفعت باطل ہو جاتی ہے اس واسطے کہ انتفاع بدون عقل کے متصور نہیں تو
یا وہ مردہ ہو گیا کذا فی المنح **وان ذہب سمعہ او بصرہ او نطقہ لا تدخل** لانہا کاعضاء مختلفۃ بخلاف العقل لعود نفعہ للکل اور اگر جراحت موضحہ
ے اس کی سماعت یا بصارت یا گویائی جاتی رہی تو موضحہ کی دیت پوری دیت میں داخل نہ ہو گی اس واسطے کہ سماعت اور بصارت اور
یائی اعضاء مختلفہ کے مانند ہیں برخلاف عقل کے اس واسطے کہ عقل کا نفع سب اعضا کی طرف رجوع کرتا ہے م جب سمع اور بصر اور گویائی
منفعت خاص خاص علیحدہ علیحدہ ہوئی تو اعضاء مختلفہ کے مانند ہو گئے تو ایک دوسرے میں داخل نہ ہوگا تو موضحہ کی دیت جدا اور سماعت وغیرہ
جدا واجب ہو گی **ولا قود ان ذہبت عیناہ بل الدیۃ فیہما** خلافا لہما اور قصاص نہیں اگر موضحہ سے دونوں آنکھیں جاتی رہیں بلکہ
دونوں میں یعنی موضحہ اور آنکھوں میں دیت واجب ہو گی برخلاف صاحبین کے م صاحبین کے نزدیک موضحہ میں قصاص اور آنکھوں میں دیت
ے **ولا بقطع اصبع شل جارہ** خلافا لہما اور قصاص نہیں اس انگلی کی قطع سے جس کے پاس دوسری انگلی خشک ہو گئی بلکہ دونوں
عضو کی دیت واجب ہو گی برخلاف صاحبین کے یعنی ان کے نزدیک اول میں قصاص ہے اور دوسری میں دیت ہے کذا فی الطحاوی **ولا**
صبع قطع مفصلہ الاعلی فشل ما بقی من الاصابع **بل دیۃ المفصل والحکومۃ فیما بقی** اور قصاص واجب نہیں اس انگلی میں جس کا مفصل
لی کاٹا گیا ہو باقی انگلیاں خشک ہو گئیں بلکہ مفصل کی دیت اور ما بقی میں حکومت عدل واجب ہے م یہ وہ مسئلہ ہے جس کو شارح نے کہا تھا
متن میں آوے گا **ولا قود بکسر نصف سن** اسود او اصفر او احمر باقیہا بعد کسرہا **بل کل دیۃ السن** اذا فات منفعۃ المضغ والا فلو مما یری
حالۃ التکلم فالدیۃ ایضا والا فالحکومۃ عدل زیلعی فقول الدرر والا فلاشیٔ فیہ فیہ ما فیہ اور قصاص نہیں نصف دانت توڑنے میں جس کا نصف
اقی توڑنے کے بعد سیاہ یا زرد یا سرخ ہو گیا بلکہ دانت کی تمام دیت واجب ہو گی جب کہ چبانے کی منفعت فوت ہو جائے اور اگر چبانا فوت
ہوگا تو اس صورت میں اگر ٹوٹا دانت نظر آتا ہو بولنے کے وقت تو بھی دیت ہے اور اگر نظر نہ آتا ہو تو حکومت عدل ہے کذا فی الزیلعی تو
درر کے یوں کہنے میں کہ اگر چبانا فوت نہیں ہے تو اس میں کچھ واجب نہیں اعتراض اور خلل ہے م خلل یہ ہے کہ اس میں نفی مطلق مذکور ہے
حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ باوجود عدم فوت مضغ اگر نظر آتا ہو تو دیت ہے بدنمائی کے سبب سے اور نہیں تو حکومت عدل ہے کما صرح بہ الزیلعی
ثم الاصل ان الجنایۃ متی وقعت علی محلین متباینین حقیقۃ فارش احدہما لا یمنع قود الاخر ومتی وقعت علی محل واتلفت شیئین فارش احدہما
یمنع القود پھر دریافت کرنا چاہیے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب جنایت واقع ہو دو مکان میں جو فی الحقیقت جدا گانہ ہیں چنانچہ ہاتھ اور پاؤں
تو ایک مکان کی دیت دوسرے مکان کے قصاص کی مانع نہیں ہے اور جب کہ جنایت ایک مکان میں واقع ہو اور دو چیزوں کو تلف
کر دے چنانچہ جراحت موضحہ سے عقل زائل ہو جائے تو ایک کی دیت دوسرے کے قصاص کی مانع ہے م زیلعی میں ہے کہ امام کے نزدیک
قاعدہ یہ ہے کہ جب فعل واحد موجب مال کا ہو بعض میں تو قصاص ساقط ہوگا خواہ ایک عضو ہو یا دو عضو ہوں اور صاحبین کے نزدیک دو عضو
میں باوجود وجوب مال کے قصاص واجب ہے اور اگر ایک عضو ہے تو قصاص واجب نہیں کذا فی الطحطاوی **ویجب الارش علی من اقاد سنہ**

بعد مضی حول ثم نبتت بعد ذلک لتبین الخطأ حینئذ وسقط القود للشبہۃ اور دیت واجب ہے اس شخص پر جس نے اپنے دانت کا قصاص لیا سال گزرنے کے بعد پھر بعد اس کے اس کا دانت جم نکلا دیت واجب ہے بسبب ظاہر ہو جانے خطا کے استیفائے قصاص میں اس وقت اور قصاص لینے والے کا قصاص ساقط ہے شبہ کے سبب سے یعنے شبہ وجوب قصاص سے دانت جمنے سے پہلے وفی الملتقی وینتظر فی اقتصاص العین والمو حولا وکذا لو ضرب سنہ فتحرک لکن فی الخلاصۃ الکبیر الذی لا یرجی نباتہ لا یؤجل بل یقتص قلت وقد یوفق بما نقلہ المصنف وغیرہ عن النہایۃ الصحیح تاجیل البالغ لیبرأ لا لسنۃ لان نباتہ نادر اور ملتقی میں ہے کہ انتظار کرے آنکھ اور موضحہ کے قصاص لینے میں سال بھر اور اسی طرح انتظار کر چاہیے قصاص لینے میں اگر دانت پر ضرب واقع ہوئی سو وہ ہل گیا لیکن خلاصہ میں ہے کہ جس جوان کے دانت جم آنے کی توقع نہیں اس میں تاجیل اور انتظار نہیں اسی قول پر فتوی ہے اور کہا ہے توفیق بین القولین کی جاتی ہے اس قول سے جس کو مصنف وغیرہ نے نہایہ سے نقل کیا ہے کہ قا م صحیح یہ ہے کہ تاجیل بالغ کی اس کے چنگے ہو جانے کے واسطے ہے نہ تاجیل ایک سال کی اس واسطے کہ دانت کا جمنا بالغ میں نادر الوقوع ہے وجہ توفیق یہ ہے کہ عدم تاجیل سال پر خلاصہ کا کلام محمول ہے اور جو تاجیل کا قائل ہے تو مراد اس سے تاجیل الی الصحۃ ہے لیکن تعبیر بلفظ صحیح اس کے مفید ہے کہ سال کی تاجیل میں خلاف ہے عالمگیریہ میں ہے کہ اگر دانت ضرب سے ساقط ہو گیا تو موضع دانت کی صحت تک انتظار کرنا چاہیے ایک سال انتظار نہ کرنا چاہیے مگر مجرد کی روایت میں اور صحیح پہلا قول ہے انتہی اور ندرت ثابت کی تعلیل اس کی مفید ہے کہ موضحہ میں اور متحرک دانت میں ایک سال کی مدت مسلم ہے کذا فی الطحطاوی او قلعہا فردت ای ردہا صاحبہا الی مکانہا ونبت علیہا اللحم لعدم عود العروق کما کانت یا ایک نے دوسرے کا دانت اکھاڑا سو دانت والے نے دانت کے مکان پر پھر اس کو رکھ دیا اور اس پر گوشت جم گیا تو دانت کی واجب ہے اس واسطے کہ رگیں عود نہیں کرتیں جس طرح پہلے تھیں وفی النہایۃ قال شیخ الاسلام ان عادت الی حالتہا الاولی فی المنفعۃ والجما لا شیء علیہ کما لو نبتت اور نہایہ میں ہے شیخ الاسلام نے کہا کہ اگر دانت اپنی پہلی حالت پر عود کرے منفعت اور جمال میں تو جانی پر کچھ واجب نہیں جیسے اس صورت میں کہ اگر دانت جڑ سے جم اٹھے **وکذا الاذن** اذا الصقہا فالتحمت یجب الارش لانہا لا تعود الی ما کانت علیہ درر اور اسی طرح کان جب کہ اس کو قطع کے بعد چپکایا یعنے ٹکنے دے کر سو گوشت سے جم گیا دیت واجب ہے اس واسطے کہ پھر ویسا نہیں ہو سکتا جیسا کہ پہلے تھ کذا فی الدرر **الا ان قلعت السن فنبتت اخری** فانہ یسقط الارش عندہ کسن الصغیر خلافا لہما مگر یہ کہ دانت اکھاڑا گیا پھر وہاں دوسرا دانت جم اٹھا تو امامؒ کے نزدیک دیت ساقط ہو جاتی ہے جیسے صغیر کے دانت میں بالاتفاق دیت ساقط ہے برخلاف صاحبینؒ م صاحبینؒ کے نزدیک بالغ کے دانت اکھاڑنے اور پھر جمنے میں پوری دیت ہے اس واسطے کہ جنایت موجب دیت تو واقع ہو چکی اور دانت کا جم اٹھنا یہ نعمت جدیدہ حق تعالی کی طرف سے ہے ولو نبتت معوجۃ فحکومۃ عدل اور اگر دانت ٹیڑھا جما تو اس میں حکومت عدل ہے ولو نبتت الی النصف فعلیہ نصف الارش اور اگر نصف تک دانت جما تو اس پر نصف دیت واجب ہے ولا شیء فی ظفر نبت کما کان اور اس ناخن میں کچھ دیت نہیں جو جم اٹھا جس طرح کہ پہلے م اور اگر قطع کے بعد ناخن نہ جما تو اس میں حکومت عدل ہے اس واسطے کہ شرع میں اس کی دیت معین ثابت نہیں کذا فی الطحطاوی عن الاختیار او التحم شجۃ او التحم جرح حاصل ذلک بضرب ولم یبق لہ اثر فانہ لا شیء علیہ یا سر کا زخم بھر کر چنگا ہو گیا یا بدن کا زخم جو حاصل ہوا تھا کوڑے وغیرہ کی ضرب سے چنگا ہو گیا اور اس کا نشان باقی نہ رہا تو اس میں کچھ دیت نہیں م اس واسطے کہ موجب دیت کا بدنمائی اور زوال نفع ہے سو چنگے ہونے اور نشان مٹ جانے سے زائل ہو گیا اور فقط درد کسی شے کا موجب نہیں جیسے ضرب دردناک غیر فاحش میں اور دشنام مولم میں کچھ دیت نہیں ہاں تعزیر میں حاکم کو اختیار ہے وقال ابو یوسف علیہ ارش الالم وہی حکومۃ عدل وقال محمد قدر ما لحقہ من النفقۃ ا

ان برأ من اجرۃ الطبیب وثمن الدواء اور ابویوسف نے کہا کہ جارح پر درد کا خونبہا ہے یعنے حکومت عدل ہے اور محمدؒ نے کہا جس قدر زخمی کو خرچ لائق ہوا ہے صحت ہونے تک طبیب کی اجرت اور دوا کے ثمن سے وہ جارح پر لازم ہوگا وفی شرح الطحاوی فسر قول ابی یوسفؒ ارش الالم باجرۃ الطبیب والمداواۃ فعلیہ لاخلاف بینہما قالہ المصنف وغیرہ قلت وقد قدمنا نحوہ عن المجتبٰی اذ کرہنا عنہ روایتین فتنبہ اور طحاوی کی شرح میں ہے ابویوسف کے قول یعنے خونبہائے درد کی تفسیر اجرت طبیب او مداوات واقع ہوئی ہے تو موجب اس تفسیر کے ابویوسفؒ اور محمدؒ کے قول میں مخالفت باقی نہ رہی ایسا کہا ہے مصنف وغیرہ نے میں کہتا ہوں اور البتہ مانند اس کے ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں مجتبے سے صاحب مجتبی نے اس مسئلہ کی شرح میں ابویوسف سے دو روایتیں مذکور کی ہیں سو خبردار رہیو دو روایتوں سے ایک روایت محمد کے موافق ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ صحیح سالم غلام کی قیمت کی جائے پھر اس کی قیمت اس درد کے ساتھ کی جائے شارح نے بلفظ تنبیہ اشارہ کیا کہ شرح طحاوی کی تفسیر ابویوسف کی ایک روایت کے موافق البتہ ہوسکتی ہے کذا فی الطحطاوی **ولا یقاد جرح الا بعد برئہ** خلافا للشافعی اور قصاص نہیں لیا جاتا زخم کا مگر اس کے چنگے ہو جانے کے بعد برخلاف شافعی کے م مسند احمد اور دار قطنی میں حدیث مروی ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے قصاص لینے سے منع فرمایا جب تک زخمی چنگا ہو جائے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ جراحات میں انجام ان کا معتبر ہے شاید کہ زخم کی شدت سے زخمی مرجائے تو اب جراحت قتل ہوگی تو زخم ہونا بدوں صحت کے نہیں معلوم ہوسکتا کذا فی المنح **وعمد الصبی والمجنون** والمعتوہ **خطاء** بخلاف السکران والمغمی علیہ اور صغیر اور مجنون اور بدفہم اور بیہوش کا عمد خطا ہے برخلاف مست اور غش والے کے کہ ان کا عمد خطا نہیں **وعلی عاقلتہ الدیۃ** ان بلغت نصف العشر فاکثر ولم یکن من العجم والا ففی مالہ درر اور صغیر یا مجنون کے عمد میں اس کے مددگاروں پر دیت ہے اگر دیت بیسویں حصہ تک پہونچے یا زیادہ اور صغیر یا مجنون عجمی نہ ہو یعنے عربی ہو اور اگر بیسویں حصہ سے دیت کم ہو یا صغیر وغیرہ عجم کا رہنے والا ہو تو خود صغیر کے مال میں دیت واجب ہوگی کذا فی الدرر **ولا کفارۃ ولا حرمان ارث** خلافا للشافعی اور صغیر اور مجنون کے قتل عمد میں نہ کفارہ ہے نہ میراث مقتول سے محروم ہونا برخلاف شافعی کے م کفارہ اس واسطے نہیں کہ صغیر اور مجنون پر گناہ ثابت نہیں اور حرمان میراث عقوبت ہے اور صغیر اور مجنون لائق عقوبت کے نہیں ولو جن بعد القتل قتل وقیل لا وتمامہ فیما علقتہ علے الملتقے اور اگر قاتل دیوانہ ہوگیا بعد قتل کے تو وہ قصاص میں قتل کیا جاوے گا اور بعضوں نے کہا کہ قتل نہ ہوگا اور اس کا پورا بیان ہماری ملتقی کی شرح میں ہے **صبی ضرب سن صبی فانتزعہا ینتظر بلوغ الصبی المضروب** ان بلغ ولم ینبت فعلے عاقلۃ الدیۃ ولو من العجم ففی مالہ درر وتحقیقہ فی المعاقل ایک صغیر نے دوسرے صغیر کے دانت پر مارا سو اس کو اکھاڑا تو انتظار کرنا چاہیے صغیر مضروب کے بالغ ہونے تک پھر اگر وہ بالغ ہوا اور دانت نہ نکلا تو اس کے مددگاروں پر دیت ہے اور اگر صغیر ضارب عجم کا رہنے والا ہے تو خود اس کے مال میں دیت ہے اور ہم عجمیوں کے دیت کی تحقیق بیان کریں گے کتاب المعاقل میں تتمۃ فائدہ مزدریہ حکومۃ العدل لا تتحملہا العاقلۃ مطلقاً علی الصحیح کما فی تنویر البصائر معزیا للتتارخانیۃ حکومت عدل کو عاقلہ یعنی جانی کے مددگار متحمل نہیں ہوتے بنا بر قول صحیح کے ہر طرح یعنے خواہ حکومت عدل موضحہ کی دیت سے کم ہو یا زیادہ یا برابر چنانچہ تنویر البصائر میں ہے منسوب بفتاوی تاتارخانیہ

فصل فی الجنین

یہ فصل ہے بچہ شکمی کے مسائل میں جنین اس بچہ کا نام ہے جو ہنوز اپنی ماں کے پیٹ میں ہے **ضرب بطن امرأۃ حرۃ حامل** خرج الامۃ والبہیمۃ وسیجیء حکمہا قلت بل الشرط حریۃ الجنین دون امہ کامۃ علقت من سیدہا او من المغرور ففیہ الغرۃ علے العاقلۃ درر عن الزیلعی فالعجب من المصنف کیف لم یذکرہ ایک مرد نے حاملہ آزاد عورت کے پیٹ پر مارا استار

نے کہا آزاد عورت کی قید سے لونڈی اور جانور کا حکم خارج ہو گیا اور دونوں کا حکم آگے آوے گا میں کہتا ہوں بلکہ بچہ شکمی کا آزاد ہونا شرط ہے نہ اس کی ماں کا چنانچہ وہ لونڈی جو اپنے مالک سے حاملہ ہوئی یا مرد فریب خوردہ سے حاملہ ہوئی تو اس کے بچہ مرجانے میں غرہ یعنی دیت ہے قاتل کی عاقلہ پر کذا فی الدر عن الزیلعی تو مصنف سے تعجب ہے کہ اس نے حریت جنین کی شرط کو کیونکر نہ بیان کیا یعنی باوجودیکہ مصنف صاحب درر کی اکثر متابعت کرتا ہے یہاں اس کے مخالف بیان کیوں کیا م ضرب شکم مثال ہے نہ قید تو یہی حکم ہے ضرب پشت کا شرح تنویر میں ہے کہ ضرب جنین کی شرط ہے کذا فی الطحطاوی **ولو کانت المرأة کتابیة او مجوسیة** او زوجة **فالقت جنینا میتا حرا وجب علی العاقلة غرة** غرة الشہر اولہ ہذہ اول مقادیر الدیات اگرچہ عورت مضروبۃ البطن اہل کتاب سے ہو یا مجوسی یا قاتل کی زوجہ ہو سو صدمہ ضرب سے عورت نے بچہ مردہ آزاد پیٹ سے گرایا تو قاتل کی عاقلہ پر غرہ واجب ہے شارح نے کہا غرہ شہر عبارت ہے اول شہر سے اور یہ دیت جس کا غرہ نام ہے اول مقادیر دیات سے ہے م شارح نے یہ وجہ تسمیہ بیان کی غرہ بضم غین معجمہ و تشدید را عبارت ہے عمدہ مال سے چنانچہ گھوڑا اور اونٹ اور غلام اور لونڈی کذا فی المغرب شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے کہ بدل جنین کا غرہ نام رکھا اس واسطے کہ اس میں غلام کا دینا واجب ہے اور غلام کو غرہ کہتے ہیں اور دوسری وجہ تسمیہ شارح کے موافق مذکور ہے کذا فی العینی **نصف عشر الدیة** ای دیة الرجل لو کان الجنین ذکرا و عشر دیة المرأة لو انثی وکل منہما خمسمائة درہم غرہ عبارت ہے دیت کے بیسویں حصہ سے یعنی مرد کی دیت کا بیسواں حصہ اگر جنین مرد ہوا اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ اگر جنین عورت ہو اور دونوں پانسو درم ہیں م مرد کی دیت دس ہزار درم ہے تو اس کا بیسواں حصہ پانسو درم ہے اور عورت کی دیت پانچ ہزار درم ہے تو اس کا بھی دسواں حصہ پانسو درم ہوا **فی سنة** وقال الشافعی فی ثلث سنین کالدیة وقال مالک فی مالہ ولنا فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم جنین مردہ میں غرہ یعنی پانسو درم واجب ہیں قاتل کے عاقلہ پر ایک سال کے اندر اور امام شافعیؒ نے کہا تین سال کے اندر دیت کے مانند واجب ہیں اور امام مالک نے کہا کہ قاتل کے مال میں واجب ہے اور ہماری دلیل فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے م معجم طبرانی میں حدیث طویل سے مروی ہے غرة[1] عبد او امة او خمسمائة اور صحیحین میں ابی بکرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کی عورت کے جنین میں غرہ عبد یا امة کا حکم کیا لیکن اس میں ۵۰۰ کا ذکر نہیں اور محمد بن حسن کے موطا میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنین میں جو اپنی ماں کے پیٹ میں مقتول ہوا غرہ عبد یا ولیدہ کا حکم کیا اور مصنف ابن ابی شیبہ میں جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین میں عاقلہ قاتل پر غرہ قرار دیا کذا فی العینی **فان القتہ حیا فمات فدیة کاملة** پھر اگر حاملہ نے زندہ بچہ ڈالا پھر وہ مرگیا تو پوری دیت واجب ہے ضارب پر **وان القتہ میتا فماتت الام فدیة فی الام وغرة فی الجنین** لما تقرر ان الفعل یتعدد بتعدد اثرہ اور اگر حاملہ نے مردہ بچہ گرایا پھر ماں اس کی مرگئی تو ماں میں دیت واجب ہے اور بچہ میں غرہ اس واسطے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ فعل متعدد ہو جاتا ہے اپنے اثر کے تعدد سے م چنانچہ ایک شخص نے تیر مارا سو اس سے پار ہو کر دوسرے کو قتل کیا تو تیرانداز پر دو دیتیں واجب ہیں اگر دونوں فعل از راہ خطا ہیں اور اگر اول عمد ہے تو قصاص اور دیت واجب ہے کذا فی الطحطاوی وصرح فی الذخیرة بتعدد الغرة لو میتین فاکثر انتہی قلت وظاہرہ تعدد الدیة لم ارہ فلیراجع اور ذخیرہ میں تعدد غرہ کی تصریح کی ہے کہ اگر دو بچے مردہ ہو کر ساقط ہوں یا زیادہ انتہی ما فی الذخیرة میں کہتا ہوں اور ظاہر تعلیل سے دیت کا بھی متعدد ہونا معلوم ہوتا ہے اور میں نے اس کو مصرح نہیں دیکھا تو کتب فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے م جوہرہ میں ہے کہ اگر حاملہ دو جنین گرا دے تو دو غرہ واجب ہیں اور اگر ایک زندہ نکل کر مرجاوے اور

---

[1] یعنے بچہ مردہ میں غرہ ہے غلام ہو وے یا لونڈی پانسو درم ۱۲

دوسرا مردہ نکلے تو غرہ اور دیت واجب ہے ضارب پر اور اگر ماں مرگئی پھر دو بچے مردہ ہوئے تو فقط ماں کی دیت واجب ہے اور اگر ماں کے مرنے کے بعد دو جنین نکلے پھر مرگئے تو تین دیتیں واجب ہیں کذا فی الطحطاوی **وان ماتت فالقتہ میتا فدیۃ فقط وقال الشافعی غرۃ ودیۃ** اور اگر ماں مرگئی اور اس نے مردہ بچہ گرایا تو فقط ماں کی دیت ہے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ غرہ جنین اور دیت ماں کی واجب ہے م امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ ظاہراً ماں کا مرنا موت جنین کا سبب ہے کیوں اس کا جینا اس کے جینے سے ہے اور اس کا دم لینا اس کے دم لینے سے تو جنین کی موت اسکی ماں موت سے ثابت ہوتی ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ صدمہ ضرب سے جنین مرا ہو تو شک سے ضمان ثابت نہیں ہوتا **وان القتہ حیا بعد ما ماتت یجب علیہ دیتان کما اذا القتہ حیا وماتا** اور اگر حاملہ عورت نے زندہ بچہ گرایا اپنے مرجانے کے بعد تو ضارب پر دو دیتیں واجب ہیں چنانچہ اس صورت میں دو دیتیں واجب ہیں جب کہ عورت نے زندہ بچہ ڈالا پھر بچہ اور عورت دونوں مرگئے **وما یجب فیہ من غرۃ اودیۃ یورث عنہ وترث منہ امہ** اور جنین میں جو چیز از قسم غرہ یا دیت کے واجب ہے وہ مورث ہے یعنی جنین کے وارث اس کو بطریق میراث کے پاویں گے اور اس کی ماں اس کی میراث پاوے گی **ولا یرث ضاربہ منہا فلو ضرب بطن امرأتہ فالقت ابنہ میتا فعلے عاقلۃ الاب غرۃ ولا یرث منہا** لانہ قاتل اور جنین کا مارنے والا غرہ جنین کی میراث پاوے گا تو اگر ایک مرد نے اپنی عورت کے پیٹ پر مارا سو ضارب کا بیٹا اس کے پیٹ سے گر پڑا مردہ تو باپ کی عاقلہ پر غرہ ہے اور باپ اس کا غرہ سے میراث نہ پاوے گا اس واسطے کہ وہ قاتل ہے یعنی قاتل ہے ناحق بطریق مباشرت کے اور قاتل کے واسطے میراث مقتول کی نہیں نص سے **وفی جنین** الامۃ الرقیق الذکر **نصف عشر قیمتہ لو حیا وعشر قیمتہ لو انثی** لما تقرران دیۃ الرقیق قیمتہ اور لونڈی کی جنین مملوک مذکر میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہے اگر وہ زندہ پیدا ہوا اور قیمت کا دسواں حصہ واجب ہے اگر جنین مونث ہے اس واسطے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ مملوک کی دیت اس کی قیمت ہے م تعیین قیمت جنین کا طریقہ یہ ہے کہ بعد انفصال جنین مردہ کے اس کے رنگ اور صورت کے موافق تامل کرے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کی اس مکان میں اتنی قیمت ہوئی اسی حساب سے بیسواں یا دسواں حصہ واجب ہوگا کذا فی العینی یہاں سوال ہوتا ہے کہ لازم آتا ہے کہ جو واجب ہے مونث میں وہ زیادہ تر ہو مذکر واجب سے اس واسطے کہ دہم اکثر ہے بستم سے اس کا جواب شارح نے اگلے قول میں دیا **ولا یلزم زیادۃ الانثی لزیادۃ قیمۃ الذکر غالبا** اور لازم نہیں آتی زیادتی مونث کی مذکر پر بسبب زائد ہونے قیمت مذکر کے غالباً م یعنی اس واسطے کہ عادت میں غلام کی قیمت زیادہ ہوتی ہے لونڈی سے مثلاً اگر لونڈی کی قیمت ہزار درم ہو تو اس کے ہم صورت غلام کی قیمت دو ہزار ہوتی ہے تو اب بیسواں حصہ غلام کی قیمت کا لونڈی کے دسویں حصہ سے کم نہ ہوگا کذا فی صدر الشریعۃ ط وفیہ اشارۃ الی انہ اذا لم یکن الوقوف علی کونہ ذکرا او انثی فلا شئ علیہ اور مذکر اور مونث کی دیت کے تفاوت میں اشارہ ہے اس طرف کہ جب جنین کے مذکر یا مونث ہونے پر وقوف حاصل نہ ہو تو ضارب پر کچھ ضمان نہیں م طحطاوی نے کہا کہ اس میں شارح تابع ہو گیا ہے قہستانی کا اور رملی میں یوں مذکور ہے کہ اگر جنین کا مذکر اور مونث ہونا معلوم نہ ہو تو متیقن پر عمل کرنا چاہیے خنثیٰ مشکل کے مانند انتہی اعینی میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ جب جنین کی ذکورت اور انوثت معلوم نہ ہو تو متیقن ماخوذ ہے خنثیٰ مشکل کے مانند چنانچہ کسی نے خنثیٰ مشکل کو از راہ خطا قتل کیا تو متیقن واجب ہے اسی طرح یہاں یقینی امر پر عمل کرنا چاہیے انتہیٰ **کما لو القتہ بلا راس لانہ انما یجب القیمۃ اذا نفخ فیہ الروح ولا تنفخ من غیر راس** ذخیرہ چنانچہ اگر جنین لونڈی کے پیٹ سے گرایا گیا بدون سر کے تو اس میں کچھ واجب نہیں اس واسطے کہ قیمت تو اسی صورت میں واجب ہوتی ہے جب کہ جنین میں روح پھونکی گئی ہو اور روح کا پھونکنا بدون سر کے نہیں کذا فی الذخیرۃ **فی مال الضارب** للامۃ حالا جنین مملوک میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ یا دسواں حصہ اس شخص کے مال میں واجب ہے

فی الحال جس نے لونڈی کو مارا م ضارب کے مال کے واسطے واجب ہوا کہ عاقلہ پر دیت مملوک کی واجب نہیں اور اس مال کا مالک لونڈی کا مالک ہے نہ لونڈی چنانچہ آگے معلوم ہوگا ولو القتہ حیا وقد نقصتہا الولادۃ فعلیہ قیمۃ الجنین لا نقصانہا لو بقیمتہ فاء بہ والا فعلیہ اتمام ذلک مجتبی اور اگر لونڈی نے زندہ بچہ گرایا اور حالانکہ ولادت نے لونڈی کو ناقص کر دیا تو ضارب پر جنین کی قیمت واجب ہے نہ لونڈی کے نقصان کی قیمت بشرطیکہ جنین کی قیمت سے نقصان ولادت کا استیفا ہو سکے اور اگر قیمت سے جبر نقصان نہ ہوگا تو ضارب پر اس کا پورا کر دینا واجب ہوگا کذا فی المجتبی م مثلاً لونڈی کی قیمت سو درم تھی اور بعد ولادت کے ۵۰ درم کی قیمت ہو گئی تو اگر جنین کی قیمت ۵۰ د ہے یا زیادہ تو نقصان ولادت کا عوض ضارب پر واجب نہیں اور اگر جنین کی قیمت ۲۵ درم ہے تو ضارب پر ۲۵ درم نقصان ولادت کے بھی دینے لازم ہوں گے وقال ابو یوسف فیہ نقصانہا کالبہیمۃ اور ابو یوسف ؒ نے کہا کہ لونڈی کے جنین میں لونڈی کا نقصان ضارب پر لازم ہے جیسے جانور کے نقصان میں جانور کا نقصان معتبر ہے تو بچے کی قیمت بالاتفاق وقال الشافعی فیہ عشر قیمۃ الام صدر الشریعۃ ولا یخفی انہا للمولی اور شافعی نے کہا کہ لونڈی کے جنین میں اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہے کذا فی صدر الشریعۃ اور یہ تو مخفی نہیں ہے کہ قیمت تو مالک جاریہ کی ہے **فان حررہ** ای الجنین **سیدہ بعد ضربہ** ضرب بطن الامۃ **فالقتہ حیا فمات ففیہ قیمتہ حیا** للمولی لا دیتہ وان مات بعد العتق لان المعتبر حالۃ الضرب پھر اگر جنین کو اس کے مالک نے آزاد کر دیا بعد ضرب شکم جاریہ کے سو لونڈی نے زندہ بچہ گرایا پھر وہ مر گیا تو اس میں بچہ زندہ کی قیمت مالک کے واسطے ہے نہ دیت بچہ کی اگرچہ وہ بعد آزاد کرنے کے مر گیا ہو اس واسطے کہ وقت ضرب کا اعتبار ہے یعنے قتل اس کا ضرب سابق سے ہے اور وقوع ضرب حالت رق میں ہوا تھا کذا فی صدر الشریعۃ وعند الثلثۃ تجب دیتہ وہو روایۃ عنا اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک دیت جنین کی واجب ہے نہ قیمت اور یہ قول ہمارے بعض مشائخ سے بھی مروی ہے چنانچہ فخر الاسلام بزدوی نے شرح جامع صغیر میں بعض مشائخ مذہب سے نقل کیا ہے کذا فی الطحطاوی **ولا کفارۃ فی الجنین** عندنا وجوبا بل ندبا زیلعی ان وقع میتاً اور کفارہ واجب نہیں قتل جنین میں ہمارے نزدیک اگر مردہ گرا ہو بلکہ کفارہ مستحب ہے کذا فی الزیلعی م نفی وجوب اس واسطے ہے کہ کفارہ شرع میں ثابت ہوا ہے نفس کاملہ میں تو اس کے غیر میں متعدی نہ ہوگا وجہ استحباب یہ ہے کہ ضارب مرتکب امر ممنوع کا ہوا تو تقرب الی اللہ کر اور اپنے فعل بد سے استغفار کرنا افضل ہے کذا فی الہدایۃ وشروحہا **وان خرج حیا ثم مات ففیہ الکفارۃ** کذا صرح بہ فی الحاوی القدسی وہو مفہوم من کلامہم لتصریحہم بوجوب الدیۃ حینئذ فتجب الکفارۃ فیہ مما لا یخفی فلیحفظ اور اگر بچہ زندہ پیٹ سے نکلا پھر وہ مر گیا اس میں ضارب پر کفارہ ہے اسی طرح تصریح کی ہے حاوی قدسی میں اور وہ یعنے زندہ گرنے میں کفارہ مفہوم ہوتا ہے فقہا کے کلام سے اس لئے کہ فقہا نے درصورت زندہ جنین اور پھر اس کے مر جانے میں وجوب دیت کی تصریح کی ہے پھر جب دیت واجب ہوئی تو کفارہ بھی واجب ہوگا اس میں چنانچہ یہ امر مخفی نہیں تو اس تفصیل کو یاد رکھنا چاہیے یعنے اس واسطے کہ اکثر کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح نہیں **وما استبان بعض خلقہ کظفر وشعر کتام فیما ذکر** من الاحکام کعدۃ ونفاس کما مر فی بابہ اور جس جنین کا کچھ جسم ظاہر اور پیدا ہوا چنانچہ ناخن اور بال وہ پورے بدن والے جنین کے مانند ہے ان احکام میں جو مذکور ہو چکے اور عورت کی عدت اور نفاس کے احکام میں چنانچہ اپنے باب میں گزر گیا۔ **وضمن الغرۃ عاقلۃ** ام حرۃ فی سنۃ واحدۃ وان لم تکن لہا عاقلۃ ففی مالہا فی سنۃ ایضا صدر الشریعۃ ولا اثم ما لم یستبن بعض خلقہ درر **لفعلہا اسقطتہ** میت عمداً بدواء او **فعل** کضربہا لبطنہا بلا اذن زوجہا اور جس عورت آزاد نے مردہ بچہ ساقط کر دیا عمداً بدون اذن اپنے شوہر کے کسی دوا کسی فعل سے جیسے اپنے پیٹ پر مار کے تو عورت کی عاقلہ پر غرہ کا ضمان واجب ہے ایک سال کی مدت میں اور اگر عورت کا عاقلہ

د عورت کے مال میں بھی غرہ واجب ہے سال کے اندر کما فی صدر الشریعۃ اور عورت گنہگار نہ ہوگی اسقاط سے جب تک جنین کا بعض ظاہر نہیں ہوا اور یہ مسئلہ کتاب الحظر میں نظم مذکور ہوچکا ہے شارح کو یوں کہنا مناسب تھا کہ اسقاط سے عورت گنہگار ہوگی اس واسطے ں کلام ہے وجوب غرہ میں اور وہ واجب نہیں ہوتا مگر جب کہ بعض اعضاء بدن ظاہر ہوں پھر شارح یوں کہتا اور اگر بعض اعضاء بدن ظاہر نہ ہوں تو اسقاط میں گناہ نہیں کذا فی الطحطاوی **فان اذن** اولم تتعمد لا غرۃ لعدم التعدی پھر اگر عورت کو اس کے شوہر نے اسقاط کا اذن عورت نے اسقاط کا ارادہ نہیں کیا اور اسقاط ہوگیا تو غرہ جنین کا واجب نہیں عدم تعدی کے سبب سے یعنی دونوں صورتوں میں عورت ور نہیں م زیلعی اور صاحب کافی نے درصورت اذن شوہر عدم وجوب غرہ مذکور کیا ہے لیکن شرنبلالی نے کہا کہ یہ قول ضعیف پر مبنی ہے ں صحیح پر اس واسطے کہ نفوس میں اباحت جاری نہیں وتمامہ فی حاشیۃ الطحطاوی ولو امرت امرأۃ ففعلت لا تضمن المامورۃ اور اگر نے دوسری عورت کو اسقاط جنین کا امر کیا سو اس نے گرایا تو عورت مامورہ پر ضمان نہیں واما ام الولد اذا فعلتہ بنفسہا حتی اسقطتہ فلا لیہا لاستحالۃ الدین علی مملوکہ مالم یستحق فحینئذ تجب للمولی الغرۃ لانہ مغرور اور ام ولد جب کہ بذات خود اسقاط جنین کرے تو اس پر اجب نہیں بسبب محال ہونے دین کے مملوک پر یعنے غرہ جنین کا دین ام ولد پر نہیں ہوسکتا جب کہ وہ لونڈی مستحق ملک غیر نہ ہو پھر جب کہ وہ ولے کی ملک ثابت ہوگی تو مولے کے واسطے غرہ ثابت ہے اس واسطے کہ وہ مغرور ہے یعنے فریب خوردہ ہے کہ غیر کے ملک میں تصرف پنے ملک جان کر خرید وغیرہ کے سبب سے ام ولد مغرور کی صورت یہ ہے کہ لونڈی خرید کی اور تصرف میں لایا سو وہ حاملہ ہوگئی پھر لونڈی نے گرایا دوا سے ضرب سے پھر لونڈی غیر بائع کی ملک ثابت ہوئی تو قاضی مستحق کے واسطے جاریہ اور اس کے عقر کا حکم کرے اور مشتری سے ثمن پھیر لے اور مستحق سے کہا جائے کہ تیری لونڈی نے اپنے ولد کو قتل کیا اور وہ آزاد تھا کیوں وہ مغرور کا ولد ہے اور جنین آزاد میں غرہ ب ہے تو یا لونڈی اس کو دے یا غرہ جنین کا کذا فی العالمگیریۃ مختصراً وفی الواقعات شربت دواءً لتسقط عمداً فان القتہ حیاً فمات فعلیہ والکفارۃ وان میتا فالغرۃ ولا ترث فی الحالین اور واقعات میں ہے کہ عورت نے دوا پی تا بچہ عمداً گرا دے پھر اگر بچہ گرایا زندہ بعد اس مر گیا تو عورت پر دیت اور کفارہ واجب ہے اور اگر مردہ بچہ گرایا تو غرہ واجب ہے اور عورت دونوں حالت میں وارث جنین کی نہ ں **وتجب فی جنین البہیمۃ ما نقصت الام ان نقصت وان لم تنقص الام لا یجب فیہ شیٔ** سراجیۃ اور جانور کے بچہ گرانے میں نقصان واجب ہے اگر ولادت سے اس کی قیمت ناقص ہوگئی ہو اور اگر ماں میں نقصان نہیں ہوا تو اس میں کچھ بچہ کی عوض واجب نہیں السراجیۃ **فرع** مسئلہ ملحقہ شارح کا فی البزازیۃ ضرب بطن امرأتہ بالسیف فقطع البطن ووقع احد الولدین حیا مجروحا بالسیف والآخر میتا وبہ جراحۃ سیف ومات ایضا یقتص لاجل الزوجۃ لانہ عمد وعلی عاقلتہ دیۃ الولد الحی اذا مات وتجب غرۃ الولد المیت لانہ لما ضرب ولم یعلم بالولدین فی بطنہا الضرب خطاء بزازیہ میں ہے ایک مرد نے اپنی عورت کے پیٹ پر تلوار ماری سو تلوار نے اس کے پیٹ کو کاٹا اور اس کے پیٹ سے ول میں سے ایک بچہ زندہ تلوار سے زخمی ہوکر گر پڑا اور دوسرا مردہ گر پڑا اور اس پر تلوار کا زخم نمودار ہے اور عورت بھی مر گئی تو مرد سے اص لیا جاوے گا زوجہ کے سبب سے اس واسطے کہ یہ قتل عمد ہے اور مرد کے عاقلہ پر ولد زندہ کی دیت ہے جب کہ وہ مر گیا ہو اور ولد ت کا بھی غرہ عاقلہ قاتل پر واجب ہے اس واسطے کہ جب مرد نے تلوار ماری اور وہ اس کے پیٹ کے دو بچوں کو نہ جانتا تھا تو یہ ضرب از راہ ا کے غلطی اور خطا میں دیت عاقلہ پر ہوتی ہے نہ ضارب پر

باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق وغیرہ

یہ باب ہے ان مسائل میں کہ مرد راہ وغیرہ میں کچھ احداث کرے اور بنا دے لما

ذکر القتل مباشرۃ شرع فیہ تسببا فقال جب کہ مصنف قتل بطریق مباشرت کو ذکر کر چکا تو اب شروع کیا اس قتل میں جو بطریق تسبب کے ہے پ
اس نے اگلا قول کہا کہ تمام قتل بطریق مباشرت کے یہ ہے کہ قاتل مقتول پر بلا واسطہ آلۂ قتل کو استعمال کرے اور قتل بالسبب یہ ہے کہ مثا
دیوار بنائی اور اس کے نیچے دب کر کوئی مر گیا اخرج الی طریق العامۃ کنیفا ہو بیت الخلاء او میزابا او جرصنا کبرج وجذع وممر عل
حوض طاقۃ ونحوہا عینی او دکانا جاز احداثہ ان لم یضر بالعامۃ ولم یمنع منہ فان ضر لم یحل کما سیجیء شارع عام میں پاخانہ اور سنڈاس یا پ
نکالا یا جرصن بنایا چنانچہ برج اور چھجا اور چھتا بیش طاق کا حوض یا مانند اس کے اور چیز کذا فی العینی یا دوکان باہر نکالی تو اشیاء مذکورہ س
ہر چیز کا بنانا درست ہے اگر لوگوں کو اس احداث سے ضرر نہ ہو اور کوئی منع بھی نہ کرے پھر اگر ضرر ہوگا تو اشیائے مذکورہ کا بنانا حلال نہ
چنانچہ آگے آوے گا جرصن بضم میم و صاد وسکون راء مہملہ وتخفیف نون عربی لفظ نہیں لیکن مستعمل ہے اور اس کی تفسیر میں اختلاف ہے بع
نے کہا جرصن برج ہے اور بعضوں نے کہا چھجا وغیرہ ذلک شارح نے اکثر اقوال کو جمع کر کے اشارہ کیا کہ سب اقوال کا ایک ہی حکم ہے خلا
نہیں مگر تفسیر میں کذا فی الطحطاوی ولکل واحد من اہل الخصومۃ ولو ذمیا منعہ ابتداء ومطالبتہ بنقضہ ورفعہ بعدہ ای بعد البناء س
کان فیہ ضرر او لا وقیل انما ینقض بخصومتہ اذا لم یکن لہ مثل ذلک والا کان تعنتا زیلعی اور اگر اہل خصومت سے اگرچہ وہ ذمی ہو ہر شخص کو
کا روک دینا ابتدا امر سے اور اس کے توڑ ڈالنے کا مطالبہ کرنا بن چکنے کے بعد جائز ہے خواہ اس میں ضرر ہو یا نہ ہو اور صفار کا قول ضعیف یہ س
کہ خصومت سے توڑنا بن چکنے کے بعد اس وقت ہے جب کہ مانع نے ویسا مکان نہ بنایا ہو اور نہیں تو روکنا ناحق عناد ہے کذا فی الزیلعی م
نے کہا کہ اس مسئلہ میں تین مواضع میں کلام ہے اول راہ کے احداث میں ثانی خصومت منع احداث میں اور رفع بعد الاحداث میں اور ثالث
میں احداث کا حال تو یہ ہے کہ شمس الائمہ نے کہا کہ اگر راہ والوں کو ضرر نہ ہوتا ہو کشادگی راہ کے سبب سے تو احداث جائز ہے جب تک کوئی م
کرے اور خصومت کا حال یہ ہے کہ امامؒ کے نزدیک ہر شخص کو اختیار ہے قبل از احداث روکنے کا اور بعد احداث کے توڑ ڈالنے کا اگر کس
ضرر نہ ہووے بشرطیکہ اس نے بلا اذن سلطان کے بنایا ہو اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ ابتدا میں روکنے کا ہر شخص کو اختیار ہے اور بن چکنے ک
بعد توڑنے کا اختیار نہیں اور محمدؒ نے کہا کہ اگر ضرر نہ ہوتا ہو تو نہ منع کرنے کا اختیار ہے نہ رفع کا اور اہل خصومت ہر مسلمان عاقل بالغ آ
اور ذمی ہے اس واسطے کہ شارع عام میں ان کو چلنے کا اور اپنے جانوروں کو چلانے کا اختیار ہے تو خصومت[1] نقض کا بھی اختیار رہے گا برخلا
غلاموں اور اطفال کے کہ وہ اہل خصومت کے نہیں کذا فی الطحطاوی ہذا کلہ اذا بنی لنفسہ بغیر اذن الامام یہ تمام مذکور اس وقت ہے جب
شارع عام میں اپنے ذات کے واسطے بنایا ہو بدوں حکم سلطان کے سوا اگر حکم سلطانی ہو گیا ہو تو اب کسی کو منازعت کرنا جائز نہیں لیکن سلطا
مناسب نہیں حکم دینا اگر لوگوں کو ضرر ہوتا ہو تنگی راہ سے اور باوجود اس کے سلطان کو مصلحت معلوم ہو اور حکم دے تو جائز ہے چنانچہ حموی میں
مسکین اور شمنی میں یوں ہے کہ درصورت ضرر کے احداث جائز نہیں بلا خوف خواہ سلطان حکم کرے یا نہ کرے کذا فی الطحطاوی زاد الصفار ول
للمطالب مثلہ صفار نے اتنا زیادہ کہا ہے کہ مطالبہ کرنے والے کا ویسا مکان نہ ہو تب خصومت درست ہے م یہی قول ضعیف ہے جو مذکور ہو
چکا تو اعادہ کی کچھ حاجت نہ تھی کذا فی الطحطاوی وان بنی للمسلمین کمسجد ونحوہ او بنی باذن الامام لا ینقض اور جب کہ شارع عام می
مسلمین کے واسطے مکان بنایا گیا چنانچہ مسجد اور مانند اس کے یا بحکم امام بنایا گیا تو وہ توڑا نہ جائے گا م فقہا کے کلام سے صریحاً معلوم ہوتا
کہ مسجد کا بنانا راہ میں درصورت عدم ضرر خلق اللہ کے جائز ہے اور عدم نقض کا موضوع عدم ضرر ہے اور اگر عوام کو ضرر ہوتا تو منع اور رفع ا

---

[1] نالش توڑنے کی ۱۲

وارد ہوگا کما لا یخفی اور اس پر دلیل اگلا قول ہے کہ جو سب کو مضر کرے اس کا احداث جائز نہیں اور جو جائز نہیں وہ قائم نہ رکھا جاوے گا
پ امام کے اذن سے ہو یا نفع مسلمین کے واسطے بنا ہو کذا فی الطحطاوی **وان کان یضر بالعامۃ لا یجوز احداثہ** لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام
ر ولا ضرار فی الاسلام اور اگر خلق کو ضرر کرتا ہو تو احداث اور اس کا بنانا جائز نہیں بدلیل حدیث نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لا ضرر ولا ضرار
اسلام یعنی ضرر پہونچانا اور ضرر کا بدلا دینا اسلام کا طریقہ نہیں م یہ حدیث جابر سے طبرانی میں اور عبادہ بن صامت سے ابن ماجہ میں اور ابن عباس
ابن ماجہ میں اور ابو سعید خدری سے مستدرک حاکم میں اور ابوہریرہ سے دارقطنی میں اور عائشہ صدیقہ سے دارقطنی میں مروی ہے باختلاف
الفاظ ابن اثیر[ل] نے کہا کہ ضرر ضد ہے نفع کا تو مطلب حدیث کا یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو ضرر نہ پہونچاوے یعنی اس کی حق تلفی نہ کرے
ہ ضرر کی جزا دے اس کو ضرر پہونچا کر اور بعضوں نے کہا کہ ضرر وہ ہے کہ دوسرے کو ضرر ہو اور تجھ کو اس میں نفع ہو اور ضرار وہ ہے کہ
رے کو تو مضرت پہونچاوے اور تجھ کو اس میں کچھ نفع نہیں اور بعضوں نے کہا کہ ضرر ایک طرف سے ہے اور ضرار دونوں طرف سے
ور بعضوں نے کہا ضرر اور ضرار متحد المعنے ہیں غرض تکرار سے تاکید ہے کذا فی العینی شرح الہدایہ عنایہ میں اکمل نے کہا لا ضرر ابتداء ولا ضرار
یعنے بدلا لینے میں اپنے مقدار حق سے تعدی نہ کرنا چاہیے اس واسطے کہ ضرار بمعنی مضارۃ ہے یعنے تو اس کو ضرر پہونچاوے جس نے تجھ کو
پہونچایا واللہ اعلم **والقعود فی الطریق لبیع وشراء یجوز ان لم یضر باحد والا لا علی ہذا التفصیل** السابق اور راہ میں بیٹھنا بیچنے اور خرید
کے واسطے جائز ہے اگر کسی کو ضرر نہ ہوتا ہو اور نہیں تو جائز نہیں بموجب اسی تفصیل سابق سے م قہستانی نے کہا اور یہی حکم ہے راہ میں درخت
ے کا **وہذا فی النافذ وفی غیر النافذ لا یجوز ان یتصرف باحداث مطلقا** اضر بہم اولا الا باذنہم لانہ کالملک الخاص بہم اور یہ حکم احداث
رع عام نافذ کا تھا جو دوسری طرف سے بند نہیں ہے اور کوچہ غیر نافذہ میں تو کوئی چیز احداث کرنے سے تصرف کرنا مطلقا جائز نہیں خواہ
لہ کو احداث ضرر کرتا ہو یا ضرر نہ کرتا ہو مگر اہل محلہ کے اذن سے البتہ بنانا جائز ہے اس واسطے کہ کوچہ غیر نافذہ ان کی ملک خاص کی مانند
م شارح اس تعبیر میں صاحب درر کا تابع ہو گیا اور ہدایہ میں مصرح ہے کہ کوچہ غیر نافذہ اہل محلہ کا مملوک ہے ثم الاصل فیما جہل حالہ ان
ں حدیثا لو فی الطریق العامۃ وقدیما لو فی طریق الخاصۃ برجندی پھر دریافت کرنا چاہیے کہ قاعدہ کلیہ اس احداث میں جس کا قدیم اور جدید
علوم نہیں یہ ہے کہ اگر شارع عام میں ہے تو جدید ہے اور اگر محلہ کی خاص راہ میں ہے تو قدیم ہے کذا فی البرجندی م تو اگر احداث جدید ہے
کا اس کو توڑنا جائز ہے اور اگر قدیم ہے تو کسی کو توڑنا درست نہیں کذا فی الطحطاوی عن القہستانی **فان مات احد من الناس بسقوطہا**
فدیتہ علی عاقلتہ ای عاقلۃ المخرج لتسببہ پھر اگر کوئی آدمی اشیائے مذکورہ کے اس پر ساقط ہونے سے مرگیا تو اس کا خونبہا مکان
نے والے کے عاقلہ پر واجب ہے بسبب اس کی سبب سازی کے یعنے مسبب ہلاکت بانی مکان ہے لہذا اس کے مددگاروں پر دیت
ہوگی **کما تدی العاقلۃ لو حفر بئرا فی طریق او وضع حجرا** او ترابا او طینا ملتقی **فتلف بہ انسان** لانہ سبب جیسے عاقلہ پر دیت دینا
ہوتا ہے اگر کنواں کھودا راہ میں یا پتھر رکھا یا خاک یا مٹی راہ میں ڈھیر کی کذا فی الملتقے سو اس کے سبب سے کوئی آدمی مرگیا اس
سطے کہ حافر اور واضع سبب ہے ہلاکت کا **فان تلف بہ** ای باحد من المذکورات **بہیمۃ ضمن** فی مالہ **ان لم یاذن بہ الامام** پھر اگر ایک
چیز سے اشیاء مذکورہ میں سے یعنے بیت الخلا یا میزاب یا برج وغیرہ یا دوکان یا راہ کے کنوئیں یا پتھر سے کوئی جانور تلف ہو گیا تو محدث کے
یں تاوان لازم ہوگا اگر امام نے اس کا اذن نہ دیا ہو م وجہ تاوان تعدی ہے محدث کی اور عاقلہ پر اس واسطے تاوان لازم نہ ہوا کہ عاقلہ پر

[ل] ابن اثیر نے ضرار کو اضرار باب افعال سے روایت کیا ہے اور معنے اس کے وہی لکھے ہیں جو مترجم اول نے درج کئے ہیں ۱۲

نفس کا تاوان لازم ہوتا ہے نہ مال کا اور اگر سلطان کے حکم سے اشیاء مذکورہ کو احداث کیا تو تاوان لازم نہ ہوگا عدم تعدی کے سبب سے
کہ سلطان کا اختیار کامل ہے راہ میں کیونکہ وہ نائب ہے خلق اللہ کا تو اس کا فعل ایسا ہے جیسے مالک کا فعل اپنے ملک میں چنانچہ قہستانی میں
اور اذن سلطان کے مانند ارباب محلہ کا اذن ہے غیر نافذہ کوچہ میں تو عدم اذن امام راجع ہے اول کلام تک یعنے فان مات احد تک کذا فی
فان اذن الامام فی ذلک اومات واقع فی بئر طریق جوعا او عطشا او غما لاضمان بہ یعنی خلافا لمحمد پھر اگر سلطان نے اس میں
وغیرہ کے احداث میں اذن دیا اور کوئی شخص مرگیا یا راہ کے کنوئیں کا گر پڑنے والا بھوک یا پیاس یا غم سے مرگیا تو تاوان نہیں اسی
فتوی ہے برخلاف محمد کے کہ ان کے نزدیک سب صورتوں میں ضمان ہے م غم سے یہاں مراد دم کا رکنا ہے کنوئیں کی ہوا سے ان اشیاء
اس واسطے نہ ہوا کہ کنوئیں کا گرنے والا جوع یا عطش یا غم سے مرگیا نہ وقوع سے اور ضمان اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وقوع کے
مرجائے کذا فی الزیلعی **ولو سقط المیزاب فاصاب ما کان فی الداخل رجلا فقتلہ فلا ضمان** اصلا لکونہ فی ملکہ فلم یکن متعدیا او
ساقط ہوا سو پرنالہ کا وہ سرا جو دیوار میں داخل تھا کسی مرد کے لگا سو اس کو قتل کیا تو اصلا ضمان نہیں اس واسطے کہ پرنالہ کی طرف داخلی
خانہ کے ملک میں ہے تو مالک خانہ کی تعدی نہ ہوئی جو اس پر تاوان آتا **وان اصابہ الخارج** او وسطہ بزازیۃ **فالضمان علی واضع**
اور اگر پرنالہ کا باہر کا سرا یا اس کا درمیان کسی کے لگا کذا فی البزازیہ تو پرنالہ لگانے والے پر ضمان واجب ہے اس کی تعدی کے
م تعدی یہ ہے کہ راہ کی ہوا میں اس نے پرنالہ نصب کیا کذا فی الزیلعی اور لمبا پرنالہ لگانے میں ضرورت بھی نہیں اس واسطے کہ دیوار
پرنالہ ہو سکتا ہے کذا فی الہدایہ طحطاوی نے کہا کہ ضمان اس صورت میں ہے جب کہ سلطان یا اہل محلہ نے پرنالہ لگانے کا اذن نہ دیا ہو
ہو چکا اور تعدی کی تعلیل بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور ضمان واجب ہے واضع کی عاقلہ پر اور اسی طرح مسائل آئندہ میں انتہے ولو
مستعیرا او غاصبا ضمان واضع پر ہے اگرچہ واضع مستاجر یا مستعیر یا غاصب ہو **ولا یبطل الضمان بالبیع** لبقاء فعلہ وہو الموجب للضمان بخلا
المائل کما بسطہ الزیلعی اور ضمان باطل نہیں ہو جاتا اس مکان کی بیع سے بسبب باقی رہنے واضع کے فعل کے اور وہ یعنے فعل واضع
موجب ہے برخلاف دیوار مائل کے چنانچہ زیلعی نے اس کو مشرح بیان کیا ہے م خلاصہ زیلعی یہ ہے کہ بائع پر ضمان اس واسطے ہے
کا منسوخ نہیں ہو گیا اس کی ملک زائل ہونے سے برخلاف دیوار مائل جب کہ اس کو بیچا اشہاد کے بعد پھر ملک مشتری میں دیوار گر پڑی
مرگیا تو نہ بائع پر ضمان ہے نہ مشتری پر اس لیے کہ مشتری پر اشہاد نہیں ہوا حالانکہ وہ شرط ہے اور بائع کے حق میں اشہاد اول باطل ہو
ہے کذا فی الطحطاوی **ولو اصابہ الطرفان من المیزاب وعلم ذلک وجب علی واضعہ النصف وہدر النصف ولو لم یعلم** ای طرف
ضمن النصف استحسانا زیلعی اور اگر کسی مرد کو پرنالہ کی دونوں طرفیں داخلی اور خارجی پڑیں اور وہ ہلاک ہو گیا اور وہ یعنی دونوں
پر گر پڑنا معلوم ہوا تو پرنالہ لگانے والے پر نصف دیت واجب ہے اور نصف دیت باطل اور رائیگاں ہے اور اگر معلوم نہیں کہ دونوں
سے کون سی طرف اس پر گری تو واضع پر نصف دیت کا ضمان بدلیل استحسان کے واجب ہے کذا فی الزیلعی م قیاس یہ تھا کہ درصورت عدم
نہ ہوتا کیونکہ اگر طرف خارجی سے موت ہوئی تو ضمان ہے اور اگر داخلی سے ہے تو ضمان نہیں شک سے وجہ استحسان یہ ہے کہ ایک حال
ضمان ہو سکتا ہے اور دوسرے حال میں کچھ بھی نہیں ہوتا تو نصف ضمان لازم ہوگا کذا فی الطحطاوی **ومن نحی حجرا وضعہ آخر فعطب**
ضمن لان فعل الاول نسخ بفعل الثانی اور جس نے کنارے پر کر دیا اس پتھر کو جو دوسرے شخص نے راہ میں رکھا تھا پھر اس پتھر سے
ٹھوکر کھا کے مرگیا تو کنارے پر کرنے والا ضمان دے گا اس واسطے کہ اول شخص کا فعل یعنے راہ میں رکھنے والے کا منسوخ ہو گیا

شخص کے فعل سے یعنے تو سبب ہلاک شخص ثانی ٹھہرا نہ اول **کمن حمل علی راسہ** اوظہرہ **شیئا فی الطریق فسقط منہ علی آخر او دخل بحصیر او قندیل او حصاۃ فی مسجد غیرہ** ای جعل فیہ حصی او بواری ابن کمال **او جلس فیہ لا للصلوۃ** ولو لقران او تعلیم **فعطب بہ احد** کاعمی **ضمن** خلافا لہما اس شخص کے مانند جس نے اپنے سر یا پیٹھ پر کوئی چیز لادی راہ میں سو اس میں سے کچھ دوسرے شخص پر گر پڑا یا چٹائی یا قندیل یا پتھری غیر کی مسجد میں لے گیا یعنے مسجد میں پتھریوں یا چٹائیوں کا فرش کیا کذا ذکرہ ابن کمال یا سوائے نماز اور فعل کے واسطے مسجد میں بیٹھا اگرچہ قرآن یا تعلیم کے واسطے بیٹھا ہو سو کوئی شخص اس کے سبب سے تلف ہو گیا چنانچہ اندھا چٹائی میں الجھ کر یا پتھریوں میں ٹھوکر کھا کر مر گیا تو حامل یا مدخل یا جالس پر ضمان لازم ہوگا برخلاف صاحبین کے **لا یضمن من سقط منہ رداء لبسہ علیہ** ضمان لازم نہ ہوگا اس شخص پر جس پر سے وہ چادر گر پڑی جس کو وہ اوڑھے تھا اور اس کے سبب سے کوئی تلف ہو گیا م حامل اور لابس میں فرق یہ ہے کہ حامل شے اس کی محافظت کا قصد رکھتا ہے تو تقیید بالسلامۃ میں اس پر کچھ حرج نہیں اور لابس ملبوس کی حفاظت کا قصد نہیں رکھتا تو تقیید بالسلامۃ میں اس پر حرج ہے کذا فی الطحطاوی **وادخل ہذہ الاشیاء المذکورات فی مسجد حیہ** ای محلتہ لان تدبیر المسجد لاہلہ دون غیرہم ففعل الغیر مباح فیتقید بالسلامۃ یا اشیاء مذکورہ یعنی چٹائی یا قندیل یا پتھریاں اپنے محلہ کی مسجد میں لے گیا اور کوئی شخص اس کے سبب سے ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان نہیں اس واسطے کہ تدبیر مسجد کی اہل محلہ پر ہے نہ ان کے سوا اور لوگوں پر تو غیر شخص کا فعل مباح ہے تو مقید بسلامت ہوگا م ظاہر کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہل محلہ پر تدبیر مسجد واجب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اہل محلہ اور غیر اہل دونوں کا فعل مباح ہے لیکن اہل محلہ کا فعل مباح مطلق ہے بلا قید سلامت اور غیر کا فعل مباح بقید سلامت ہے کذا فی الطحطاوی **او جلس فیہ للصلوۃ** الحاصل ان الجالس للصلوۃ فی مسجد حیہ او غیرہ لا یضمن ولغیر الصلوۃ یضمن مطلقا خلافا لہما واستظہر فی الشرنبلالیۃ معزیا للزیلعی وغیرہ قولہما وقد حققتہ فی شرح الملتقی یا بیٹھا مسجد میں نماز کے انتظار کے واسطے اور کوئی شخص اس پر گر کے تلف ہو گیا تو جالس پر ضمان نہیں خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نماز کے واسطے اپنے محلہ کی مسجد یا غیر محلہ کی مسجد میں بیٹھا تو اس پر ضمان نہیں خواہ نماز کے واسطے جلوس ہو یا نہ ہو اور شرنبلالیہ میں صاحبین کے قول کی تقویت کی ہے زیلعی وغیرہ کی طرف نسبت کر کے اور ہم نے اس کو محقق بیان کیا ہے شرح ملتقی میں م زیلعی میں حلوانی سے منقول ہے کہ اکثر مشائخ نے صاحبین کے قول کو لیا ہے اور اسی قول پر فتوی ہے اور صدر الاسلام سے منقول ہے کہ صاحبین کا قول اظہر ہے اس لئے کہ جلوس نماز کی ضروریات سے ہے تو نماز کے ساتھ ملحق ہے اور عینی میں ہے کہ صاحبین کے موافق ائمہ ثلثہ کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے کذا فی الطحطاوی **وفیہ لو استاجرہ لیبنی او لیحفر لہ فی فناء حانوتہ او دارہ فتلف بہ شئ ان قبل فراغہ فعلی الاجیر وان بعدہ فعلی الآمر** کما لو کان فی غیر فنائہ ولم یعلم بہ الاجیر فان علمہ فعلیہ کما لو امرہ بالبناء فی وسط الطریق لفساد الامر اور ملتقی میں ہے کہ اگر مزدور لگایا تاکہ عمارت بنا دے یا اس کے واسطے کنواں کھودے اس کی دوکان یا گھر کے پیش دروازے میں سو اس کے سبب سے کوئی چیز تلف ہو گئی اور اگر ہلاک ہوئی قبل تعمیر یا حفر کے تو ضمان اس کا مزدور پر ہے اور اگر بعد فراغت کے ہلاک ہوئی تو امر کرنے والے پر چنانچہ اگر تعمیر اور حفر مستاجر کی پیش در ہو اور مزدور اس کو نہ جانتا ہو تو مستاجر پر ضمان ہے پھر اگر مزدور جانتا ہو تو مزدور پر ہے چنانچہ اگر اس نے تعمیر کے واسطے امر کیا درمیان راہ کے اور کوئی تلف ہوا تو مزدور پر ضمان ہے فساد امر کے سبب سے یعنی راہ مملوک مستاجر کی نہ تھی تو اس کا امر کرنا باطل تھا پھر جب باوجود اس کے مزدور نے تعمیر پر اجرت لی لہذا مزدور پر ضمان آیا نہ مستاجر پر **ولو قال الآمر ہو فنائی ولیس لی حق الحفر فعلی الاجیر** قیاسا ای لعلمہ بفساد الامر فما غرہ وعلی المستاجر استحسانا انتہی قلت وقد قدم ہو وغیرہ القیاس ہنا فظاہرہ ترجیحہ سیما علی دأب صاحب الملتقی من تقدیمہ الاقوی فتامل اور اگر مستاجر نے کہا کہ یہ میرا پیش دروازہ ہے اور اس میں مجھ کو کنواں کھودنے کا حق نہیں ہے یعنے

پہنچ۔ باوجود اس کے مزدور نے وہاں کھودا اور کوئی چیز تلف ہوگئی تو ضمان مزدور پر ہے قیاس کی راہ سے یعنے اس واسطے کہ مزدور کو امر مستاجر کا فساد معلوم ہوگیا تو مستاجر نے اس کو فریب نہیں دیا اپنی حقیقت ظاہر کرکے اور مستاجر پر ضمان ہے استحسان کی راہ سے انتہے کلام الملتقے میں کہتا ہوں اور البتہ صاحب ملتقی وغیرہ نے یہاں قیاس کو استحسان پر مقدم ذکر کیا ہے اور تقدیم اس کی ترجیح پر دلالت کرتی ہے خصوصاً صاحب ملتقی کی عادت پر کہ وہ قوی تر قول کو مقدم ذکر کرتا ہے سو اس کو تامل کر م وجہ استحسان یہ ہے کہ مستاجر نے کھودنے کا امر ظاہرا اپنے ملک میں کیا اس واسطے کہ پیش در میں آدمی کو مٹی ڈالنا اور لکڑیاں رکھنا اور گھوڑا باندھنا وغیر ذلک من التصرفات درست ہیں تو امر صحیح ہوا نہ فاسد تو ضمان مستاجر پر ہوگا نہ مزدور پر **ومن حفر بالوعة فى طريق بامر السلطان او فى ملكه او وضع خشبة فيها اى الطريق او قنطرة بلا اذن الامام** وكذا كل ما فعل فى طريق العامة **فتعمد رجل المرور عليها لم يضمن** لان الاضافة الى المباشرة اولى من المتسبب او جس نے چاہ آب ریز کھودا راہ میں سلطان کے حکم سے یا اپنی ملک میں کھودا یا لکڑ رکھا راہ میں یا پل بنایا بدوں اذن سلطان کے اور اسی طرح کا حکم ہے ہر ایک اس چیز میں جو شارع عام میں بنائی گئی پھر کسی مرد نے اس پر عمداً گذر کیا اور وہ تلف ہوگیا تو حافر اور واضع اور بانی پر ضمان نہیں اس واسطے کہ ہلاکت کا نسبت کرنا مباشر کی طرف اولی ہے متسبب کی طرف سے م یہ تعلیل ہے پچھلے دو مسئلوں کی زیلعی نے کہا کہ چاہ آب ر باذن امام کھودنا یا اپنے ملک میں کھودنا تعدی نہیں ہے اور وضع خشبہ اور قنطرہ اگرچہ تعدی ہے لیکن اس پر عمداً چلنا نسبت لسے الواضع کا قا ہے اس واسطے کہ واضع متسبب ہے اور چلنے والا مباشر ہے كذا فى الطحطاوى وبهذا تبين ان المتسبب انما يضمن فى حفر البير ووضع الحجر اذا لم يتعمد الواقع المرور كذا فى المجتبے اور اس کلام یعنے عدم ضمان لتعمد سے ظاہر یہ ہوگیا کہ متسبب پر اسی صورت میں ضمان لازم ہوتا ہے کنواں کھو اور پتھر راہ میں رکھنے سے جب کہ اس کا گرنے والا بالقصد اس پر مرور نہ کرے كذا فى المجتبے وفيه حفر فى طريق مكة او غيرها من الفيافى لم يضمن بخلاف الامصار قلت وبهذا عرف ان المراد بالطريق فى الكتب الطريق فى الامصار دون الفيافى والصحارى لانه لا يمكن العدول عنه فى الامصار غالبا دون الصحارى اور مجتبی میں ہے کہ مکہ معظمہ یا اس کے سوا میدانوں کی راہ میں کنواں کھودا اور اس میں گر کے کوئی تلف ہوگیا تو کھودنے والے پر ضمان نہیں برخلاف شہروں کے میں کہتا ہوں اور اس مسئلہ سے معلوم ہوگیا کہ راہ سے مراد کتب فقہ میں شہروں کی راہیں ہیں نہ بیابان اور جنگلوں کی اس واسطے کہ شہروں میں راہ معین سے ہٹ کر چلنا اکثر ممکن نہیں ہوتا نہ میدانوں کی راہ میں **ولو استاجر رجل اربعة لحفر بئر له فوقعت البئر عليهم جميعا من حفرهم فمات احدهم فعلى كل واحد من الثلثة الباقية ربع الدية ويسقط ربعها** لان البئر وقع عليهم لفعلهم فقد مات من جناية وجناية اصحابه فيسقط ما قابل فعله خانية وغيرها زاد فى الجوهرة وهذا لو البئر فى الطريق فلو فى ملك المستاجر فينبغى ان لا يجب شيئ لان الفعل مباح فما يحدث غير مضمون انتہے اور اگر ایک مرد نے چار شخصوں کو مزدوری پر لگایا اپنا کنواں کھودنے کو سو کنواں ان سب پر پھٹ کر گر پڑا ان کے کھودنے کے سبب سے سو ان میں سے ایک شخص مرگیا تو باقی تین شخصوں سے ہر شخص پر چوتھائی دیت واجب ہے اور چوتھائی دیت ساقط ہوئی اس واسطے کہ کنواں ان پر گرا ان کے فعل کے سبب سے تو مرنے والا مرگیا اپنی جنایت اور اپنے ساتھیوں کی جنایت سے تو اس قدر دیت ساقط ہوگئی جو میت کے فعل کے مقابل واقع ہوگئی كذا فى الخانية وغيرها جوہرہ میں اتنا زیادہ ذکر کیا ہے اور یہ حکم اس شرط پر ہے جب کہ کنواں راہ میں ہو سو اگر مستاجر کی ملک میں ہوگا تو لائق یوں ہے کہ کچھ دیت واجب نہ ہو اس وا کہ وہ فعل مباح ہے سو جو حادث ہوگا اس کا ضمان نہیں انتہے ما فى الجوهرة قلت ويؤخذ منه جواب حادثة هى ان رجلا له كرم دار منه تارة تكون مملوكة وعليها الخراج كاراضى بيت المال وتارة تكون للوقف وتارة تكون فى يده مدة طويلة يؤدى خراجها ويملك الانتفاع بها بالغرس او غيره فيستاج

بذا الرجل جماعۃ یحفرون لہ بئرا لیغرس فیھا اشجار العنب وغیرہ فتسقط علی احدہم ہل لورثتہ مطالبتہ بدیتہ قال المصنف والحکم فیہا وشبھہا عدم وجوب شئ علی المستاجر وکذا علی الآجر کما یفیدہ کلام الجوہرۃ ویحمل اطلاق الفتاوی علی ما وقع مقیدا لاتحاد الحکم والحادثۃ ۔ واللہ اعلم میں کہتا ہوں اور جوہرہ کے کلام سے جواب ایک استفتا کا معلوم ہوتا ہے وہ حادثہ یہ ہے کہ ایک مرد کے درخت انگور ہیں اور انگور کی زمین گاہے مملوک ہوتی ہے اور اس پر خراج ہے جیسے بیت المال کی اراضی اور کبھی زمین وقف کی ہوتی ہے اور گاہے صاحب انگور کے قبضے میں مدت دراز رہتی ہے کہ وہ اس کا خراج دیا کرتا ہے اور اس زمین سے نفع لینے کا مالک ہوتا ہے درخت وغیرہ لگا کر سو اس مرد صاحب انگور نے جماعت کو مزدوری پر لگایا کنواں کھودنے کے واسطے تاکہ اس زمین میں انگور وغیرہ کے درخت جماوے سو کنواں پھٹ پڑا ایک مزدور پر تو اس کے وارثوں کو مستاجر سے دیت کا مطالبہ جائز ہے یا نہیں مصنف نے شرح میں کہا اس حادثہ اور اس کے مانند میں عدم وجوب ضمان کا حکم ہے مستاجر پر اور اسی طرح اور مزدور پر کچھ واجب نہیں چنانچہ جوہرہ کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے اور فتاوی کا اطلاق مقید پر محمول ہے یعنے یہ جو کتب فتاوی میں مذکور ہے بلا قید کہ جو کھودنے میں تلف ہو اس کا ضمان ہے سو مراد حفر فی الطریق ہے نہ حفر فی الملک اتحاد حکم اور حادثہ کے سبب سے واللہ اعلم م جو کہا کہ زمین گاہے مملوک ہے اور گاہے وقف اور گاہے تصرف مستاجر میں ہے مدت طویل سو مراد اس سے یہ ہے کہ وہ زمین خالی نہیں اشیاء مذکورہ سے اور یہ مراد نہیں کہ ایک زمین گاہے مملوک ہے اور گاہے وقف اور جواب استفتا میں یہ غلط ہے کہ حادثہ انگور متفرع ہے صاحب جوہرہ کی بحث اور تجویز پر اور فتاوائے دیں سے منصوص نہیں تو حکم متحد نہیں ہو سکتا اور حادثہ بھی مختلف ہے کیونکہ حفر فی الملک فی الطریق کی مغائر ہے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے لو استاجر رب الدار الفعلۃ لاخراج جناح او ظلۃ فوقع فقتل انسانا ان قبل فراغہم من عملہ فالضمان علیہم لانہ حینئذ لم یکن مسلما لرب الدار اور اگر صاحب خانہ نے مزدور لگائے چھجا یا چھتا نکالنے کے واسطے سو چھجا یا چھتا گر پڑا سو اس نے کسی آدمی کو قتل کیا ان کے فراغت عمل سے پہلے تو ضمان کاریگروں پر ہے نہ صاحب خانہ پر اس واسطے کہ اس وقت میں یعنے قبل از فراغ صاحب خانہ کے واسطے وہ مسلم نہیں ہوا ویضمن لو رش الماء بحیث یزلق واستوعب الطریق اور ضمان دے گا اگر پانی کثرت سے چھڑکا اس طرح پر کہ اس سے آدمی رپٹ جاتا ہے اور چھڑکاؤ تمام راہ میں ہے م اور اگر چھڑکاؤ تھوڑا ہے یا تمام راہ میں چھڑکاؤ نہیں ہے تو ضمان نہیں ولو رش فناء حانوت باذن صاحبہ فالضمان علی الآمر استحسانا وتمامہ فی الملتقی اور اگر پانی چھڑکا دکان کے سامنے صاحب دکان کے اذن سے تو امر کرنے والے پر ضمان ہے استحسان کی راہ سے اور پورا اس کا بیان ملتقی میں ہے

فصل فی الحائط المائل

یہ فصل ہے دیوار مائل یعنے جھکی دیوار کے مسائل میں مال حائط الی طریق العامۃ ضمن ربہ ای صاحبہ ما تلف بہ من نفس انسان او حیوان او مال جھک گئی دیوار شارع عام کی طرف تو دیوار کا مالک یعنے اس کا صاحب ضمان دے گا اس چیز کا جو تلف ہو گئی دیوار کے گرنے سے خواہ وہ چیز ہالک جان ہو آدمی یا جانور کی یا مال ہو م شارح نے مالک کی تفسیر صاحب کرکے اشارہ کیا کہ مالک سے حقیقی مالک مراد نہیں بلکہ مالک سے مراد وہ شخص ہے جس کو تصرف اور تفریغ کا اختیار ہو اگرچہ وہ صغیر کا وصی ہو یا اس کا دادا یا راہن یا مکاتب چنانچہ شارح بیان کرے گا ان طالب ربہ حقیقۃ او حکما کالواقف والقیم ولو حائط المسجد فتضمن عاقلۃ الواقف ضمان تلف لازم ہوگا بشرطیکہ دیوار کے مالک سے مطالبہ کیا ہو خواہ وہ حقیقۃ مالک ہو یا حکما مالک ہو چنانچہ وقف کرنے والا اور ناظر وقف کا اگرچہ دیوار مائل مسجد کی ہو تو عاقلہ واقف پر ضمان لازم آوے گا وکالقیم الولی والراہن والمکاتب والعبد التاجر اور ناظر وقف کے مانند ولی اور راہن اور مکاتب اور سوداگر غلام ہے م ولی سے مراد صغیر کا ولی ہے جیسے اس کا باپ اور دادا راہن کا ذکر اس واسطے کیا کہ مرتہن مالک مرہون کا نہیں

کہ اس سے مطالبہ ہو بلکہ مالک راہن ہے اور وہ قادر ہے ہدم دیوار پر فک رہن کے بعد پھر دیوار بنا کر مرتہن کے قبضہ میں کر دے اور مکاتب کی دیوار ساقط ہو کر اگر کوئی چیز تلف ہو گی حال کتابت میں تو اگر وہ چیز انسان ہے تو جو اس کی قیمت اور دیت مقتول میں اقل ہو گا وہ مکاتب پر لازم ہو گا اور اگر وہ چیز مال ہے تو اس کی ادائے قیمت میں سعی مکاتب پر واجب ہو گی اور اگر عبد تاجر کی دیوار سے مال تلف ہو گا تو اس کی گردن سے متعلق ہے اور اگر جان ہے تو اس کے مالک کی عاقلہ پر دیت ہے کذا فی الطحطاوی وکذا احد الشرکاء والورثۃ استحسانا اور اسی طرح ناظر وقف کے مانند شریکوں میں سے ایک شریک ہے اگرچہ اشخاص مذکورین نہ ہوں ان کے وارث ہوں باعتبار استحسان کے م وجہ استحسان یہ ہے کہ احد الشرکاء قادر ہے اس پر کہ باقی شریکوں سے مطالبہ کرے تا وہ مجتمع ہو کر دیوار کو ڈھا دیں تو ایک شریک بقدر اپنے حصہ کے ضمان دے گا اور قیاس یہ تھا کہ ایک شریک پر ضمان لازم نہ ہوتا کیونکہ وہ ہدم دیوار کا مالک نہیں نعم فی الظہیریۃ لومات ربہ عن ابن فقط ودین مستغرق صح الاشہاد علی الابن وان لم یملک الدار برجندی وغیرہ ان ظہیریہ میں ہے کہ اگر دیوار کا مالک مر گیا فقط ایک بیٹا اور دین مستغرق متروکہ چھوڑ کر تو بیٹے پر گواہ کرنا صحیح ہے اگرچہ بیٹا گھر کا مالک نہیں کذا فی البرجندی وغیرہ م تو اگر اشہاد کے بعد انسان تلف ہو گا تو باپ کی عاقلہ پر دیت لازم ہو گی نہ فرزند کی عاقلہ پر کذا فی المنح **بنقضہ مکلف مسلم او ذمی** یعنی من اہل الطلب فیشترط فی الصبی والعبد اذن ولیہ ومولاہ بالخصومۃ زیلعی **حر او مکاتب** ضمان لازم ہو گا اگر مالک دیوار سے اس کے توڑنے اور ڈھا دینے کا مطالبہ کیا ہو مکلف نے مسلمان ہو یا ذمی آزاد ہو یا مکاتب شارح نے کہا مکلف سے مراد اہل ہے طلب کا نہ بالغ تو صغیر کی طلب میں اس کے ولی کا اور غلام کی طلب میں اس کے مالک کا اذن خصومت کے واسطے شرط ہے کذا فی الزیلعی **وان لم یشہد** وجوب ضمان میں طلب نقض شرط ہے اگرچہ اس پر اشہاد (گواہ کرنا) واقع نہ ہوا ہو م تو وجوب ضمان میں طلب شرط ہے نہ اشہاد اور اشہاد جو کتب فقہ میں مذکور ہے تو اس واسطے ہے کہ اگر مالک دیوار یا اس کے مددگار طلب ہدم کا انکار کریں تو اس کے اثبات پر قدرت حاصل رہے تو اشہاد باب احتیاط سے ہے چنانچہ طلب شفعہ پر شاہد کرنا بوجہ احتیاط ہے نہ بوجہ شرط اور طلب کرنا اس ہر ایک لفظ سے صحیح ہے جس سے طلب نقض مفہوم ہو چنانچہ یوں کہنا کہ تیری دیوار خطرناک ہے یا مائل ہے سو اس کو گرا دے تاکہ ساقط ہو کر کسی چیز کو تلف نہ کرے یا یوں کہے کہ دیوار کو گرا دے کہ وہ جھک رہی ہے اور اشہاد کی صورت یہ ہے کہ طلب مذکور شاہدوں کے سامنے ہو یا یوں کہے کہ اس مرد سے دیوار ڈھانے کو کہہ چکے ہیں اور اگر مالک دیوار سے یوں کہے کہ تجھ کو دیوار کا ڈھانا مناسب ہے تو یہ طلب نہیں ہے اور نہ اشہاد بلکہ یہ مشورہ ہے کذا فی الزیلعی ولا تصح الطلب قبل المیل لعدم التعدی اور طلب نقض صحیح نہیں دیوار کے جھکنے سے پہلے عدم تعدی کے سبب سے والحال انہ **لم ینقضہ** وہو یملک نقضہ **فی مدۃ یقدر علی نقضہ فیہا** صاحب دیوار مائل پر ضمان واجب ہے طلب کے بعد اس حالت میں کہ اس نے دیوار کو نہ گرایا اور حالانکہ وہ اس کے گرانے کا مالک ہے اس قدر مدت میں جس میں اس کے ڈھانے پر قادر ہے م یعنے طلب کے بعد فوراً بلا مہلت ضمان واجب نہیں تو اگر طلب پر اشہاد ہوا اور فوراً دیوار گر پڑی مالک نے اتنی فرصت نہ پائی کہ گرانے پر قادر ہوتا تو ضمان تلف اس پر لازم نہ ہو گا بعلت عدم قدرت علی النقض لان دفع الضرر العام واجب اہل دیوار پر اس واسطے ضمان تلف لازم ہے کہ ضرر عام کا دفع کرنا واجب ہے م اگر ضمان واجب نہ ہو تو تفریغ ممتنع ہو تو راہ بند ہو جائے گرنے کے خوف سے تو راہ بند ہو جانے سے خلق اللہ کا ضرر ہے اور ضرر عام کا دفع کرنا واجب ہے اور یہ امر اکثری ہے کہ ضرر خاص کا تحمل ضرر عام کے دفع کے واسطے واجب ہوتا ہے چنانچہ کفار پر تیر مارنا اگرچہ کفار نے اطفال مسلمین کو سپر بنایا ہو اور جیسا کہ ہلاک جان کے خوف سے اس ہاتھ کا کاٹنا جو سڑتا جاتا ہو کذا فی الطحطاوی ثم ما تلف بہ من النفوس فعلی العاقلۃ ومن الاموال فعلیہ لان العاقلۃ لا تعقل المال پھر معلوم کرنا چاہیے کہ جو دیوار کے گرنے سے جان آدمی کی تلف ہو گئی تو اس کی دیت صاحب دیوار

کے مددگاروں پر ہے اور جو مال تلف ہو جائے تو اس کا ضمان صاحب دیوار پر ہے اس واسطے کہ مددگار تلف مال کا ضمان نہیں دیتے **ولا ضمان الا بالاشہاد علی ثلثۃ اشیاء علی التقدم علیہ وعلی الہلاک بالسقوط علیہ وعلی کون الجدار ملکا لہ** ای من وقت الاشہاد الی وقت السقوط ولذا قال اور ضمان نہیں مگر تین چیز پر گواہ لانے سے ایک اس پر کہ صاحب دیوار کی طرف طلب ہدم مقدم ہو چکی دوسرے اس پر کہ ہلاکت ہوئی اس پر گر پڑنے کے سبب سے تیسرے اس پر کہ دیوار اس کی ملک ہے یعنے اشہاد کے وقت سے سقوط کے وقت تک اس کی ملک میں باقی ہے لہذا مصنف نے قول آئندہ کو ذکر کیا **ولو تقدم الی من لا یملک نقضہ ممن یسکنہا باجارۃ او اعارۃ او الی المرتہن او الی المودع لا یعتد بہ لعدم قدرتہم علی التصرف** اور اگر طلب ہدم اس شخص سے متقدم ہوئی جو دیوار توڑنے کا مالک نہیں ان لوگوں میں سے جو گھر میں رہتا ہے اجارہ یا عاریت کے سبب سے یا مرتہن یا امانت دار کی طرف طلب ہوئی تو اس طلب اور اشہاد کا کچھ اعتبار نہیں ان کی عدم قدرت کے سبب سے تصرف پر یعنے وہ لوگ ہدم وغیرہ کے تصرف پر قادر نہیں وحینئذ **فلو سقط بعد التقدم لمن ذکر و اتلف شیئا فلا ضمان اصلا** لا علی ساکن ولا مالک اور اس صورت میں اگر دیوار ساقط ہوئی اشخاص مذکورین کی تقدم طلب کے بعد اور دیوار نے ساقط ہو کر کوئی چیز تلف کی تو اصلا ضمان نہیں نہ گھر کے رہنے والے پر نہ مالک پر م ساکن پر اس واسطے ضمان نہیں کہ وہ مالک نہیں اور مالک پر اس واسطے نہیں کہ اس پر نہ اشہاد ہوا نہ طلب **کما لو خرج الحائط عن ملکہ ببیع** او غیرہ کہبۃ حاوی القدسی وکذا لو جن مطبقا وارتد ولحق وحکم بلحاقہ ثم عاد وافاق خانیۃ چنانچہ اس صورت میں ضمان نہیں کہ دیوار خارج ہو گئی اس کی ملک سے بیع کے سبب یا غیر بیع کے سبب سے چنانچہ ہبہ کرنے کے سبب سے کذا فی الحاوی القدسی اور اسی طرح ضمان نہیں اگر مالک دیوار کا مجنون ہو گیا بجنون مطبق یا مرتد ہو گیا اور دار الحرب میں جا ملا اور اس کے لحاق کا حکم ہو گیا پھر وہ دار الاسلام میں آ گیا یا مجنون ہوشیار ہو گیا کذا فی الخانیۃ م ظاہرا ہبہ میں تسلیم ضروری ہے بطلان اشہاد کے واسطے اس واسطے ہبہ کا کچھ حکم نہیں قبل تسلیم کے تو یہ جو شارح اگلے قول میں کہے گا لزوال ولایۃ بالبیع ونحوہ وغیرہ ظاہر ہے کذا فی الطحطاوی **بعد الاشہاد ولو قبل القبض** لزوال ولایۃ بالبیع ونحوہ وان عاد ملکہ بعدہ حاوی وخانیۃ خروج ملک بعد الاشہاد سے ضمان لازم نہیں آتا اگرچہ سقوط دیوار کا قبض مشتری سے پہلے ہو بسبب زائل ہو جانے اس کی ولایت کے بیع اور اس کے مانند سے اگرچہ ملک بائع کی پھر عود کرے بعد اس کے کذا فی الحاوی والخانیۃ م ضمان واجب ہوتا ہے ترک ہدم سے پھر جب بیع کی تو قادر نہ رہا ہدم پر اور اگر بیع کے بعد پھر مالک ہو گا تو بھی ضمان لازم نہ ہوگا مگر اشہاد ثانی سے تجدد ملک کے سبب سے **بخلاف نحو الجناح لبقاء فعلہ** کما مر برخلاف مانند جناح کے بسبب باقی رہنے فعل بائع کے چنانچہ فصل سابق میں زیلعی سے مذکور ہو چکا م اشراع جناح عبارت ہے اخراج جذوع دیوار سے یعنے دیوار سے دعینان راہ کی طرف باہر نکالنا اور اس پر عمارت بنانا کذا فی صدر الشریعۃ اہل ہند اس کو چھجا اور برآمدہ کہتے ہیں اور جناح کی مانند کنیف اور میزاب ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر راہ کی طرف اخراج جناح کیا یا مانند اس کے کچھ بنایا پھر اس کو بیچا پھر وہ ساقط ہو کر تلف کا موجب ہوا تو ضمان بائع پر ہے نہ مشتری پر اس واسطے کہ نفس وضع جنایت ہے تو زوال ملک اس حال کو نہیں بدلتا اور دیوار بنانا خود جنایت نہیں بلکہ ترک ہدم دیوار مائل جنایت ہے سو بیع کے بعد ہدم پر قدرت نہیں **وان مال الی دار انسان** من مالک او ساکن باجارۃ او غیرہا فالاضافۃ لادنی ملابسۃ قہستانی **فالطلب الیہ** لان الحق لہ اور اگر دیوار مائل ہوئی کسی آدمی کے گھر کی طرف خواہ وہ مالک ہو یا رہنے والا ہو کرایہ وغیرہ سے تو اس آدمی کو طلب ہدم کا اختیار ہے اس واسطے کہ خاص حق اسی کا ہے قہستانی نے کہا دار انسان کی اضافت کمتر تعلق اور ارتباط کی وجہ سے ہے یعنے تو مالک اور کرایہ دار دونوں کو صاحب خانہ کہنا صحیح ٹھہرا **فصح تاجیلہ و ابراؤہ منہا** ای من الجنایۃ تو صاحب خانہ کی تاجیل اور جنایت سے ابراء کرنا صحیح ہے یعنے اگر ایک شخص کے گھر کی طرف دیوار مائل ہے اور اس نے مالک دیوار کو مہلت دی کہ اتنی مدت

میں گرا کر بنا لینا یا کہا تجھ پر ضمان تلف نہیں تو یہ جائز ہے پھر اگر اس مدت کے اندر تلف ہوگا تو مالک دیوار پر ضمان لازم نہ ہوگا کیوں کہ صاحب حق کو اپنے حق کا اسقاط کرنا جائز ہے کذا فی العینی **وان مال الی الطریق فاجله القاضی او من طلب** النقض **لا یبرأ** لانہ حق العامۃ وتصرف القاضی فی حق العامۃ نافذ فیما ینفعهم لا فیما یضرہم ذخیرۃ بخلاف تاجیل من بالدار اور اگر دیوار مائل ہوگئی راہ کی طرف سو اس کو قاضی نے مہلت دی مدت معین تک یا اس نے مہلت دی جس نے ہدم دیوار کی طلب کی تھی تو دیوار کا مالک بری الذمہ نہ ہوگا ضمان تلف سے اس واسطے کہ شارع عام میں سب کا حق ہے اور قاضی کا تصرف حق عام میں نافذ ہے اس میں جو ان کو نفع کرے نہ اس میں جو ان کو ضرر کرے کذا فی الذخیرۃ برخلاف تاجیل صاحب خانہ کہ وہاں اسی کا خاص حق ہے ولو مال بعضہ للطریق وبعضہ للدار فای طلب صح الطلب لانہ اذا صح الاشہاد فی البعض صح فی الکل برجندی صحت دینا۱۲ اور اگر بعض دیوار راہ کی طرف مائل ہوئی اور بعض کسی کے گھر کی طرف تو جو شخص طلب ہدم کرے گا تو طلب کرنا صحیح ہوگا اس واسطے کہ جب بعض میں اشہاد صحیح ہوا تو کل میں صحیح ہوگا کذا فی البرجندی م چونکہ دیوار واحد ہے تو اہل خانہ کا اشہاد صحیح ہوگا اس قدر دیوار میں جو ان کی ملک کی طرف مائل ہے اور اس قدر میں بھی جو راہ کی طرف مائل ہے اس واسطے کہ اہل خانہ بھی منجملہ عامہ کے ہے اور اگر صاحب اشہاد اہل خانہ کا غیر ہے تو اس قدر دیوار میں اشہاد صحیح ہوگا جو راہ کی طرف مائل ہے اور جب بعض دیوار میں صحیح ہوا تو کل میں بھی صحیح ہوگا کذا فی الخانیۃ طحطاوی نے کہا تو اس سے معلوم ہو گیا جو شارح کے کلام میں ہے یعنے اجمال مخل **فان بنی مائلا ابتداء ضمن بلا طلب کما فی اشراع الجناح** ونحوہ کمیزاب لتعدیہ بہ پھر اگر دیوار مائل بنائی سرے سے تو ضمان تلف مالک دیوار پر لازم ہوگا چنانچہ برآمدہ وغیرہ نکالنے میں چنانچہ میزاب میں ضمان لازم ہے بلا طلب بسبب اس کی تعدی کے مائل بنانے سے **حائط بین خمسة اشهد علی احدهم فسقط علی رجل ضمن عاقلته خمس الدیة** ای خمس ما تلف بہ من مال او نفس لتمکنہ من اصلاحہ بمرافعتہ للحاکم ایک دیوار مائل پانچ شریکوں میں مشترک ہے ایک شریک پر اشہاد واقع ہوا پھر وہ دیوار گر پڑی ایک مرد پر تو صاحب دیوار کے مددگاروں پر پانچواں حصہ دیت کا لازم ہوگا یعنے جو چیز تلف ہو گئی دیوار سے مال ہو یا جان اس کے پانچویں حصہ کا ضمان لازم ہوگا اس واسطے کہ ایک شریک اصلاح دیوار پر قادر ہے اس کی حاکم سے نالش کر کے م یہ جواب ہے سوال مقدر کا یعنے ایک شریک ہدم دیوار پر قادر نہیں تو اس پر اشہاد کیونکر صحیح ہوا خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ ہدم پر قادر نہیں لیکن اس کی اصلاح پر قادر ہے حاکم سے اطلاع کر کے اس واسطے کہ مقصود ازالہ ضرر ہے جس طرح سے کہ ہو ہدم پر منحصر نہیں **دار بین ثلثة حفر احدهم فیها بئرا او بنی حائطا فعطب به رجل ضمن ثلثی الدیة** لتعدیہ فی الثلثین وقد حصل التلف بعلۃ واحدۃ فیعتبر بالحصۃ ایک گھر تین شخصوں میں مشترک ہے ایک نے اس میں کنواں کھودا یا دیوار بنائی سو اس کے صدمہ سے ایک مرد مر گیا تو حافر اور بانی دیت کی دو تہائیوں کا ضمان دے گا بسبب اس کی تعدی کے دو تہائیوں میں یعنے دو شریکوں کے حصوں میں اور البتہ تلف حاصل ہوا ایک ہی علت سے تو بقدر حصہ معتبر ہوگا م موت کی علت واحدہ ثقل مہلک ہے تو اس کی قسمت ہو گی مالکوں پر بقدر ملک کے کذا فی الہدایۃ وشرحہا للعینی وقالا انصافا لان التلف قسمان معتبر وہدر اور صاحبین نے کہا کہ پانچ شریکوں کے اور تین شریکوں کے مسئلہ میں دیت نصفا نصف ہے اس لئے کہ تلف دو قسم ہے ایک قسم معتبر ہے اور دوسری رائگاں م جس شریک پر اشہاد ہوا تو اس کے حصہ میں تلف معتبر ہے اور جس شریک پر اشہاد نہیں ہوا تو اس کے حصہ میں تلف باطل اور رائگاں ہے اور کنواں کھودنے میں باعتبار اپنے ملک کے حافر متعدی نہیں ہے اور باعتبار ملک شریکین کے متعدی ہے تو دو قسمیں ہو گئیں تو نصفا نصف انقسام ہو گیا کذا فی الزیلعی یعنے عاقلہ متعدی پر نصف دیت لازم ہو گی اور نصف رائگاں **الاشهاد علی الحائط اشهاد علی النقض** بالکسر ما ینقض من الجدار دیوار مائل پر اشہاد وہی دیوار افتادہ منقوض پر اشہاد ہے یعنے ایک ہی اشہاد کفایت کرتا ہے دونوں کے ضمان تلف میں شارح

لے کہا کہ نقض بکسر نون وسکون قاف عبارت ہے اس اینٹ اور مٹی سے جو دیوار سے ساقط ہو وحینئذ فلو وقع الحائط علے الطریق بعد الاشہاد فعثر انسان بنقضہ فمات ضمن لان النقض ملکہ فتفریغہ علیہ اور اس وقت میں اگر دیوار گر پڑی راہ پر اشہاد کے بعد سو کوئی آدمی اس پر ٹھوکر کھا کے گرا سو مر گیا تو مالک دیوار پر ضمان دیت لازم ہوگا اس واسطے کہ اینٹ اور مٹی منقوض مالک دیوار کی ملک ہے تو راہ کو اس سے فارغ کرنا اور صاف کرنا اسی پر واجب ہے **وان عثر رجل بقتیل مات بسقوطہا** ای الحائط **لا یضمنہ** لان تفریغہ للاولیاء لا الیہ اور اگر ایک مرد نے ٹھوکر کھائی اس مقتول پر جو دیوار کے سقوط سے مر گیا تھا تو مالک دیوار پر ٹھوکر کھانے والے کا ضمان لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ راہ فارغ کرنا مقتول کی لاش سے مقتول کے وارثوں پر ہے نہ صاحب دیوار پر بخلاف الجناح حیث یضمن ربہ القتیل الثانی ایضا لبقاء جنایۃ فیلزمہ تفریغ الطریق من القتیل ایضا یؤیدہ انہ لو باع الحائط او النقض بری ولو باع الجناح لا زیلعی برخلاف برآمدہ گرنے کے کہ وہاں مالک اس کا قتیل ثانی کا بھی ضمان دے گا بسبب باقی رہنے اس کی جنایت اور تعدی کے تو اس پر راہ کا فارغ کرنا مقتول سے بھی لازم ہوگا مؤید اس کا وہ مسئلہ ہے کہ اگر دیوار یا منقوض کو مالک نے بیع کر ڈالا تو ضمان سے بری الذمہ ہو گیا اور اگر برآمدہ بیچا تو ضمان تلف سے بری الذمہ نہ ہوگا کذا فی الزیلعی **ولا یصح الاشہاد قبل ان یہی الحائط** لانعدام التعدی ابتداء وانتہاء اور صحیح نہیں گواہ کرنا دیوار کے جھکنے اور پھٹنے سے پہلے بسبب نہ ہونے تعدی کے باعتبار ابتدا اور انتہا کے **ویقبل فیہ شہادۃ رجل وامرأتین** لانہ شہادۃ علے التقدم لا علے القتل اور اشہاد میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہے کیونکہ یہ تقدم پر گواہی ہے نہ قتل پر **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے حائط بعضہ صحیح وبعضہ واہ فاشہد علیہ فسقط کلہ وقتل انسانا ضمنہ الا ان یکون الحائط طویلا فیضمن ما اصاب الواہی فقط لانہ حینئذ کحائطین فالاشہاد یصح فے الواہی لا فی الصحیح ایک دیوار ہے کہ کچھ درست ہے اور کچھ مائل ہے اور سو اس پر اشہاد واقع ہوا مائل پر سو تمام دیوار گر پڑی اور آدمی کو اس نے تلف کیا تو مالک دیوار کا ضمان اس کا دے گا مگر یہ کہ دیوار طویل ہو تو فقط بقدر اصابت دیوار ضعیف کے ضمان دے گا اس واسطے کہ اس وقت میں طول کے سبب سے ایک دیوار بمنزلہ دو دیواروں کے ہے تو اشہاد ضعیف دیوار میں صحیح ہوگا نہ درست دیوار میں حائطان احدہما مائل والآخر صحیح فاشہد علے المائل فسقط الصحیح فاتلف شیئا کان ہدرا خانیۃ دو دیواریں ہیں ایک مائل ہے اور دوسری درست سو اشہاد واقع ہوا مائل پر سو گر پڑی درست دیوار تو اس نے کچھ تلف کر دیا تو وہ باطل اور رائگاں ہے کچھ اس کا ضمان نہیں کذا فی الخانیۃ مسجد مال حائطہ فالاشہاد علے من بناہ والدیۃ علے عاقلۃ من بناہ ایک مسجد ہے جس کی دیوار مائل ہے تو گواہ کرنا اس کے بنانے والے پر چاہیے اور اس کے سقوط کا خونبہا اس کے بنانے والے کے مددگاروں پر وحائط الوقف علی المساکین علے عاقلۃ الواقف اور جو دیوار کہ مساکین پر وقف ہے تو اس کے سقوط کی دیت واقف کے مددگاروں پر ہے م یہ اس وقت ہے جب کہ اشہاد متولی وقف ہوا ہو اور اگر مساکین پر اشہاد ہوگا تو ضمان نہیں کذا فی العالمگیریۃ وحائط العبد التاجر علی عاقلۃ مولاہ ولو مستغرقا استحسانا اور غلام تاجر کی دیوار گرنے کا ضمان اس کے مالک کے مددگاروں پر ہے اگرچہ رقبہ غلام مستغرق بدین ہو استحسان کی دلیل سے قال ولی القتیل اذا جاء غد عفوت عن القصاص لا یصح لانہ تملیک دل علیہ مسئلۃ الاصل جاریۃ قتلت رجلا عمدا فزنی بہا ولی القتیل قبل ان یقتص لا یحد لانہا صارت مملوکۃ ولوالجیۃ مقتول کے وارث نے کہا کہ جب کل آوے گی تو میں قصاص کو معاف کروں گا تو یہ عفو صحیح نہیں اس واسطے کہ یہ تملیک ہے یعنے گویا اس نے یوں کہا کہ جب کل آوے گی تو میں اس خون کو جس کے بہانے کا شارح نے مجھ کو اختیار دیا تیری ملک میں کر دوں گا اور حالانکہ تملیک کی تعلیق صحیح نہیں تملیک قصاص پر مسئلہ اصل کا یعنے مبسوط کا دلالت کرتا ہے اور وہ یہ مسئلہ ہے کہ ایک لونڈی نے ایک مرد کو عمداً قتل کیا سو مقتول کے وارث نے اس سے زنا کیا قصاص لینے سے پہلے تو زانی پر حد زنا واقع نہ ہوگی اس واسطے کہ وہ لونڈی زانی کی مملوک ہو گئی کذا فی الولوالجیۃ اس قتل کا موجب اصلی قصاص ہے تو وارث مقتول کا

جاریہ کے خون کا مالک ہوگا قصاص کی راہ سے اور جو اپنی مملوکہ سے وطی کرے اس پر حد نہیں

باب جنایۃ البہیمۃ والجنایۃ علیہا

یہ باب ہے جانور کی جنایت اور جانور پہ جنایت کرنے کے احکام میں **الاصل ان المرور فی طریق المسلمین مباح بشرط السلامۃ فیما یمکن الاحتراز عنہ** قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی راہ میں چلنا مباح ہے بشرط سلامت رہنے کے اس امر میں جس سے بچنا اور باز رہنا ممکن ہے م امر ممکن الاحتراز کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر سلامت علی الاطلاق شرط ہو تو راہ کا چلنا بند ہو جائے اور احتراز جانور کے روندنے اور کاٹنے وغیرہ سے ممکن ہے کیونکہ وقت چلنے کی ضرورات سے نہیں لہذا ان میں سلامت مشروط ہوئی برخلاف دم ہلانے اور اس کے لگ جانے کے کہ اس سے احتراز ممکن نہیں جانور کے سوار کو تو وہ شرط بھی نہیں **ضمن الراکب فی طریق العامۃ ما وطئت دابتہ وما اصابت بیدہا او رجلہا او راسہا او کدمت بفمہا او خبطت بیدہا او صدمت** ضامن ہے شارع عام میں سوار اس چیز کا جس کو اس کے جانور نے روندا اور کچلا اور جو تلف کیا جانور نے اپنے ہاتھ یا پاؤں یا سر سے یا کاٹا اپنے منہ سے یا مارا اپنے ہاتھ سے یا دھکا دیا اپنے بدن سے **فلو حدثت المذکورات فی السیر فی ملکہ لم یضمن ربہا الا فی الوطی وہو راکبہا لانہ مباشرۃ**[1] **تتعلقہ فیحرم المیراث** تو اگر امور مذکورہ اپنی زمین مملوک کے چلنے میں حادث اور پیدا ہوں تو جانور کا مالک ضمان نہ دے گا مگر کچلنے میں ضمان لازم ہوگا جب کہ مالک اس پر سوار ہو اس واسطے کہ کچلوانا قتل مقتول کی مباشرت ہے اپنے بوجھ کے سبب سے تو قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا م ہر چند مقتول جانور کے بوجھ سے بھی تلف ہوتا ہے لیکن اس کا بوجھ سوار کے تابع ہے کیونکہ اس کا چلنا سوار کی طرف منسوب اور مضاف ہے چنانچہ بولتے ہیں کہ سوار فرسنگ بھر چلا اور حالانکہ وہ زمین پر چلا اس سے تو سوار پر کفارہ اور دیت لازم ہوگی اور میراث سے محروم ہوگا اس واسطے کہ مباشرت ملک اور غیر ملک میں برابر ہے کذا فی العینی **ولو حدثت فی ملک غیرہ باذنہ فہو کملکہ فلا یضمن** کما اذا لم یکن صاحبہا معہا قہستانی اور اگر غیر کے ملک میں اس کی اجازت سے امور مذکورہ حادث ہوں تو غیر کی ملک بمنزلہ اس کی ملک کے ہے تو سوار پہ ضمان لازم نہ ہوگا یعنے مگر کچلنے میں البتہ ضمان لازم ہوگا چنانچہ جب کہ جانور کا مالک اس کے ساتھ نہ ہو یعنے راہ میں اور جانور سے کچھ تلف ہو تو مالک پہ ضمان لازم نہ ہوگا کذا فی القہستانی **والا یکن باذنہ ضمن ما اتلف مطلقا لتعدیہ** اور اگر غیر کی ملک میں جانور کا ادخال نہ ہو مالک کے اذن سے تو مالک پر ضمان لازم آوے گا اس کے تلف کرنے کا اس کی تعدی کے سبب سے مطلقاً خواہ جانور کے ساتھ مالک ہو یا نہ ہو خواہ تلف کچلنے سے ہو یا اور طرح زیلعی میں ہے کہ اگر جانور غیر کی ملک میں داخل ہوا اور جانور کا مالک اس کے ساتھ نہیں ہے تو کچھ ضمان نہیں اور اگر جانور کے مالک نے اس کو داخل کیا تو سب صورتوں میں ضمان اس پر لازم ہوگا تعدی کے سبب سے کذا فی الطحطاوی **لا یضمن الراکب ما نفحت برجلہا او ذنبہا سائرۃ خلافا للشافعی** ضمان نہ دے گا سوار چلتے ہوئے جانور کے پاؤں یا دم کے مارنے کا برخلاف شافعی کے م اس واسطے کہ چلنے کی حالت میں اس سے احتراز ممکن نہیں تو اگر سوار جانور کو ٹھہرا کرے گا راہ میں اور ضرب مذکور واقع ہوگی تو ضمان لازم آوے گا اس لئے کہ ٹھہرانے سے احتراز ممکن ہے اگرچہ ضرب سے احتراز ممتنع ہے کذا فی الدرر **او عطب انسان بما راثت او بالت سائرۃ او واقفۃ لاجل ذلک لان بعض الدواب لا یفعلہ الا واقفا** یا کوئی آدمی تلف ہوگیا جانور کے لید کرنے یا پیشاب کرنے سے راہ میں تو ضمان نہیں خواہ جانور چلتا ہو یا ٹھہر گیا ہو لید پیشاب کے واسطے اس لئے کہ بعضے جانور لید پیشاب نہیں کرتے ہیں بدوں کھڑے ہوئے **فلو اوقفہا لغیرہ فبالت ضمن لتعدیہ بایقافہا** پھر اگر اس نے جانور کو لید پیشاب کے سوا اور کام کے واسطے ٹھہرایا اور اس نے پیشاب کیا یعنے اور اس سے کچھ تلف ہوگیا تو ضمان لازم آوے گا اس کے ٹھہرانے کی تعدی کے سبب سے یعنے راہ اس

---

[1] ایک نسخہ میں مباشر بصیغہ اسم فاعل ہے اور لفظ تتعلقہ اس میں نہیں ہے ۱۲

سطے موضوع نہیں کہ جانور اس میں اسخر کے واسطے ٹھہرایا جاوے تو ٹھہرانا تعدی ٹھہرا الا فی موضع اذن الامام بایقافہا فلا یضمن ومنہ سوق الدواب واما باب المسجد فکالطریق الا اذا اعدالامام لہا موضعا مگر راہ کے اس مکان میں کھڑے کرنے میں ضمان نہیں جہاں سلطان نے انور کھڑے کرنے کا حکم دیا ہو اور از اں جملہ نخاس ہے اور مسجد کا دروازہ تو بمنزلہ راہ کے ہے وجوب ضمان میں مگر جب کہ سلطان نے جانوروں کے کھڑے کرنے کے واسطے کوئی مکان مقرر کر دیا ہو فان اصابت بیدہا او رجلہا حصاۃ او نواۃ او اثارت غبارا او حجرا صغیرا فقا عینا او افسد ثوبا لم یضمن لعدم امکان الاحتراز عنہ ولو بحجر کبیر ضمن لامکانہ پھر جانور نے اپنا ہاتھ یا پاؤں مار کے کنکری یا کھجور ی گٹھلی وچھالی یا چھوٹا پتھر یا غبار اڑایا سو اس نے آنکھ پھوڑی یا کپڑا بگاڑا تو سوار پر ضمان نہیں اس واسطے کہ اس سے احتراز ممکن نہیں اور اگر پتھر پڑا ہے تو ضمان دے گا بسبب امکان احتراز کے وضمن السائق والقائد ما ضمنہ الراکب وصحح فی الدرر انہ مطرد منعکس اور ضمان دیتا ہے جانور کا کھینچنے والا اور پیچھے سے ہانکنے والا اس چیز کا جس کا سوار ضمان دیتا ہے اور درر میں تصحیح کی ہے کہ یہ قول مطرد اور منعکس ہے م اطراد عبارت ہے اثبات کے تلازم سے اور انعکاس عبارت ہے نفی کے تلازم سے خلاصہ یہ ہے کہ جہاں راکب پر ضمان آتا ہے وہاں کھینچنے والے اور ہانکنے والے پر بھی ضمان آتا ہے اور جس موضع میں راکب پر ضمان نہیں وہاں ان پر بھی ضمان نہیں اور اس قول صحیح کے مقابل مختصر قدوری کا قول ہے کہ سائق ضامن ہے جانور کے ہاتھ اور پاؤں کے روندنے کا اور قائد ہاتھ کے روندنے کا ضامن ہے نہ پاؤں کے روندنے کا والراکب علیہ الکفارۃ فی الوطء کما مر اور سوار پر کفارہ واجب ہے کچلنے میں چنانچہ گذر گیا م طحطاوی نے کہا کہ اسباب میں تو راکب کا کفارہ مذکور نہیں ہو چکا الا علیہما ای لا علی سائق وقائد نہ ان دونوں پر یعنے کھینچنے والے اور ہانکنے والے پر کفارہ نہیں م سائق اور قائد متسبب ہیں اور راکب مباشر ہے اور کفارہ مباشر کا حکم ہے نہ متسبب کا اور اسی طرح کچلنے سے راکب کے حق میں حرمان میراث اور وصیت متعلق ہے نہ سائق اور قائد کے حق میں کذا فی المنح ولو کان سائق وراکب لم یضمن السائق علی الاصح خلافا لما جزم بہ القہستانی وغیرہ لان الاضافۃ الی المباشر اولی من المتسبب کما مر الا اذا کان سببا لا یعمل بانفرادہ اتلافا کما ہنا اما فی سبب یعمل بانفرادہ فیشترکان کما یاتی فی مسئلۃ نخس الدابۃ باذن راکبہا فلیحفظ اور اگر ایک جانور کا ایک کھینچنے والا ہو اور دوسرا اس پر سوار ہو یعنے اور وہ جانور کچھ تلف کر ڈالے تو کھینچنے والے پر ضمان نہ آوے گا بلکہ سوار پر ضمان لازم ہوگا بنا بر قول صحیح کے برخلاف اس قول کے کہ قہستانی وغیرہ نے اس پر یقین کیا ہے اس واسطے کہ فعل کی اضافت مباشر کی طرف مقدم ہے متسبب کی اضافت سے چنانچہ مذکور ہو چکا یعنے اولویت مباشر کی متسبب سے اس وقت ہے جب کہ ایسا سبب ہو کہ تلف کرنے میں اکیلا عمل نہ کرتا ہو چنانچہ یہاں ہے یعنے کھینچنے میں لیکن اس سبب میں جو تلف کر ڈالنے میں تنہا عمل کرتا ہو تو راکب اور سائق دونوں ضمان میں شریک ہوں گے چنانچہ بیان اس کا جانور کے کوچنے کے مسئلہ میں آوے گا اس کے راکب کے اذن سے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م راکب نے کہا دوسرے سے کہ لکڑی سے اس جانور کو کوچ اور وہ کوچنے سے بھاگا اور کوئی چیز تلف ہوئی تو دونوں پر ضمان لازم آوے گا اس لئے کہ فقط کوچنا اتلاف میں کفایت کرتا ہے وضمن عاقلۃ کل فارس اور اجل دیۃ الآخر ان اصطدما وماتا منہ فوقعا علی القفا لو کانا حرین لیسا من العجم ولا عامدین ولا وقعا علی وجوہہما اور ضمان دے عاقلہ ہر سوار یا پیدل کا دوسرے سوار یا پیدل کی دیت کا اگر دونوں نے باہم ٹکر کھائی ہو اور مر گئے ہوں اس صدمہ سے سو دونوں چت گر پڑے ہوں بشرطیکہ دونوں آزاد ہوں عجمی نہ ہوں اور ٹکر لگانے کے قاصد نہ ہوں اور نہ دونوں منہ کے بل پٹ گرے ہوں م وجہ ضمان یہ ہے کہ ہر واحد کی موت دوسرے کی طرف مضاف ہے لیکن ضمان علی الاطلاق نہیں بلکہ تقابل طرفین پر محمول ہے اس واسطے کہ اختیار میں ہے کہ ایک مرد نے سفر کیا جانور پر پھر دوسرا سوار پیچھے سے آیا اور اس نے ٹکر کھائی سو پچھلا تلف ہو گیا تو اگلے سوار پر ضمان نہیں اور اگر اگلا

تلف ہوا تو پچھلے پر ضمان ہے اور یہی حکم ہے دو کشتیوں کے ٹکر کھانے کا کذا فی الطحطاوی **ولو کان عبدین او وقعا علی الوجہ** ابن کمال **یہدر دمہما فی العمد والخطاء** شرنبلالیۃ وغیرہا اور اگر دونوں سوار یا پیدل غلام ہوں یا ٹکر کھا کر پٹ گریں منہ کے بل کذا صرح ابن کمال تو ان کا خون رائگاں ہے عمد اور خطا میں کذا فی الشرنبلالیۃ وغیرہا **ولو کان من العجم فالدیۃ فی مالہم** کما مر مرارا اور اگر دونوں عجمی ہوں یعنے عرب نہ ہوں تو دیت ان کے مال میں ہے نہ عاقلہ پر چنانچہ چند بار مذکور ہو چکا کہ عجم کا عاقلہ نہیں **ولو کان عامدین فعلی کل نصف الدیۃ** اور اگر دونوں نے عمداً ٹکر کھائی ہو اور مر گئے ہوں تو ہر شخص پر نصف دیت ہے اس واسطے کہ ہر شخص تلف ہوا اپنے فعل سے اور دوسرے کے فعل سے تو نصف دیت معتبر ہو گی اور نصف باطل کفایہ میں ہے کہ نصف دیت عمد میں ہر واحد کی عاقلہ پر واجب ہے اور خطا میں پوری دیت ہے کذا فی الدرر **ولو وقع احدہما علی وجہہ ہدر دمہ فقط** اور اگر ایک شخص منہ کے بل پٹ گرا تو فقط اسی کا خون رائگاں ہے یعنے اس کا خون رائگاں نہیں جو چت گرا **ولو احدہما حرا والآخر عبدا فعلی عاقلۃ الحر قیمۃ العبد فی الخطاء ونصفہا فی العمد** اور اگر دونوں میں سے ایک آزاد ہوا اور دوسرا غلام تو آزاد کی عاقلہ پر غلام کی پوری قیمت ہے خطا میں اور نصف قیمت ہے عمد میں م یہ مسئلہ مذہب مشہور اور حدیث ماثور کے مخالف ہے کیونکہ عاقلہ پر عمد کی دیت اور غلام کی دیت واجب نہیں ہوتی کذا فی الطحطاوی **کما لو تجاذب رجلان حبلا فانقطع الحبل فسقطا وماتا علی القفا** ہدر دمہما لموت کل بقوۃ نفسہ چنانچہ اگر دو مردوں نے باہم ایک رسی کھینچی سو رسی ٹوٹ گئی سو دونوں گر پڑے اور مر گئے چت گر کے تو ان کا خون باطل اور رائگاں ہے اس واسطے کہ ہر شخص کی موت ہوئی اپنی ذات کے زور سے **فان وقعا علی الوجہ وجب دیۃ کل واحد منہما علی عاقلۃ الآخر** لموتہ بقوۃ صاحبہ پھر اگر دونوں گرے منہ کے بل تو ہر ایک کی دیت دوسرے کے عاقلہ پر واجب ہو گی بسبب مرجانے ہر ایک کے اپنے ساتھی کی قوت سے **فان تعاکسا** فوقع احدہما علی القفا والآخر علی الوجہ **فدیۃ الواقع علی الوجہ علی عاقلۃ الآخر** لموتہ بقوۃ صاحبہ **وہدر دم من وقع علی القفا** لموتہ بقوۃ نفسہ پھر اگر دونوں متعاکس کرے یعنے ایک شخص چت گرا اور دوسرا منہ کے بل تو منہ کے بل گرنے والے کی دیت دوسرے شخص کی عاقلہ پر ہے بسبب اس کے مرنے کے اپنے ساتھی کی قوت سے اور رائگاں ہوگا اس کا خون جو چت گرا بسبب اس کے مرنے کے اپنی ذات کے زور سے **ولو قطع انسان الحبل بینہما فوقع کل منہما علی القفا فدیتہما علی عاقلۃ القاطع** لتسببہ بالقطع اور اگر ایک انسان نے وہ رسی کاٹ دی جس کو دو شخص تانتے تھے سو دونوں شخص چت گر پڑے اور دونوں مر گئے تو دونوں کی دیت کاٹنے والے کی عاقلہ پر ہے کیونکہ قاطع قطع کرنے سے دونوں کی موت کا سبب ٹھہرا **وعلی سائق دابۃ وقع اداتہا** ای آلاتہا کسرج ونحوہ **علی رجل فمات وقائد قطار** بالکسر قطار الابل **وطیٔ بعیر منہ رجلا الدیۃ** اور اس جانور کے کھینچنے والے پر جس کا سامان چارجامہ زین اور مانند اس کے کوئی اور چیز گر پڑی ایک مرد پر سو وہ مر گیا دیت واجب ہے اور اونٹ کی اس قطار کے ہانکنے والے پر جس میں سے ایک اونٹ نے کسی مرد کو کچلا اور وہ مر گیا دیت واجب ہے شارح نے کہا قطار بکسر قاف عبارت ہے اونٹ کی قطار سے **وان کان معہ سائق ضمنا** لاستوائہما فی التسبب لکن ضمان النفس علی العاقلۃ وضمان المال فی مالہ ہذا لو السائق من جانب من الابل فلو توسطہا واخذ بزمام واحد ضمن ماخلفہ وضمنا ماقدامہ وراکب وسطہا یضمنہ فقط مالم یاخذ بزمام ماخلفہ اور اونٹ کی قطار ہانکنے والے کے ساتھ کوئی شخص قطار کا آگے کھینچنے والا ہوگا اور کوئی کچل کے مر جائیگا تو دونوں پر ضمان لازم آویگا اس واسطے کہ موت کے سبب انگیزی میں قائد اور سائق دونوں برابر ہیں لیکن جان کا ضمان عاقلہ پر ہے اور مال کا ضمان خود اس کے مال میں ہے یہ اس صورت میں ہے کہ اگر قطار کا ہانکنے والا اونٹوں کی ایک جانب پر سوار ہو سو اگر ہانکنے والا قطار کے بیچ میں ہو اور ایک اونٹ کی نکیل پکڑے ہو تو پچھلی قطار کا ضامن ہوگا یعنے اس واسطے کہ جب قطار سے زمام منقطع ہوئی تو قائد مقدم خلف سائق کا قائد نہ رہا اور سائق اور قائد ضمان دیں گے اپنے آگے کی قطار کا اور جو قطار کے اندر ایک اونٹ پر سوار ہے وہ فقط اسی اونٹ کا ضمان دیگا جب تک

چھلی قطار کی نکیل نہ پکڑی ہو م زیلعی میں ہے کہ ایک مرد ایک اونٹ پر سوار ہو درمیان قطار کے اور کسی اونٹ کو ہانکتا نہ ہو تو اگلے اونٹوں کی جنایت ضمان نہ دے گا اس واسطے کہ وہ ان کا ہانکنے والا نہیں ہے اور اسی طرح پچھلے اونٹوں کا ضمان اس پر نہیں کیونکہ وہ ان کا کھینچنے والا نہیں لیکن پچھلے اونٹوں کی نکیل پکڑے ہو گا تو ضمان اس پر لازم ہو گا ہاں جس اونٹ پر وہ سوار ہے اس کی جنایت کا ضمان اس پر لازم ہو گا اور پچھلے سوا اور جنایت کا ضمان کھینچنے والے پر بھی ہے لیکن کچلنے کا ضمان خاص سوار پر ہے اس واسطے کہ وہ مباشر ہے انتہے طحطاوی نے کہا شارح عبارت اختصار سے موہم ہو گئی **فان قتل بعیر ربط علی قطار سائر بلا علم قائده رجلا** مقتول قتل **ضمن عاقلة القائد الدية رجعوا علی عاقلة الرابط** لانه دیة لا خسران کما توهمه صدر الشریعة پھر اگر اس اونٹ نے مرد کو قتل کیا جو باندھا گیا تھا چلتی قطار پر اس کے کھینچنے والے بدوں علم کے تو کھینچنے والے کی عاقلہ پر دیت مقتول کا ضمان لازم ہو گا اور کھینچنے والے کی عاقلہ باندھنے والے کی عاقلہ سے دیت کو پھر گی اس لئے کہ اس دیت دینے میں نقصان نہیں جیسا کہ صدر الشریعة نے وہم کیا ہے م صدر الشریعة نے کہا لائق یوں ہے کہ باندھنے والے مال میں دیت لازم ہو اس واسطے کہ اس نے ان کو نقصان مال میں ڈالا عاقلہ قائد پر دیت اس واسطے لازم ہوئی کہ اس کو ممکن تھا کہ قطار میں اونٹ رھنے سے روکتا پھر جب اس نے حفاظت ترک کی تو متعدی ٹھہرا تقصیر سے اور یہ تسبب ہے اور اس میں عاقلہ پر دیت آتی ہے اور رجوع کی وجہ ہے کہ رابط نے اس کو اس بلا میں ڈالا فلو ربط والقطار واقف ضمنها عاقلة القائد بلا رجوع لقوده بلا اذن پھر اگر اونٹ باندھا اور حالانکہ قطار کھڑی ہے تو قائد کی عاقلہ دیت کا ضمان دیں گی بدوں رجوع کے یعنے عاقلہ رابط سے دیت کا تقاضا کرنا اور لینا ان کو جائز نہ ہو گا بسبب کھینچنے قائد کے بدوں اذن رابط کے م برخلاف چلتی قطار کے کہ اس میں اذن کھینچنے کا دلالت حال سے ثابت ہے **ومن ارسل بهيمة** او كلبا ملتقے **وكان خلفها** تقالها **فاصابت فی فورها ضمن** لانه الحامل لها وان لم يمش خلفها فادامت فی فورها فسائق حكما وان تراخى انقطع السوق فالمراد بالسوق یشے خلفها والمراد بالبهيمة الكلب زيلعی اور جس نے جانور یا کتا چھوڑا کذا فی الملتقے اور چھوڑنے والا اس کے پیچھے ہانکنے والا ہے سو جانور فی الفور کچھ تلف کیا تو اس پر ضمان لازم ہو گا اس لئے کہ وہی تو جانور کا حامل اور باعث ہے اور اگر جانور کے پیچھے نہ چلتا ہو تو جب تک کہ جانور پنے فور میں ہے یعنے چھوڑنے کے بعد نہیں ٹھہرا تو وہ شخص سائق ہے حکماً اور اگر ٹھہر گیا تو ہانکنا منقطع ہو گیا تو ہانکنے سے یہاں مراد جانور کے پیچھے ہونا ہے اور جانور سے مراد کتا ہے کذا فی الزیلعی م و دار المنتقے میں ابو یوسف سے روایت ہے کہ جانور اور کتے کا چھوڑنے والا ضامن ہے، ہر حال میں یعنے اس نے ہانکا ہو یا نہ ہانکا ہو اور اسی قول پر فتوی ہے چنانچہ قہستانی نے بیان کیا ہے فتاوی عالمگیری میں ہے کہ مشائخ نے ابو یوسف کا قول لیا ہے فقیہ ابو اللیث نے کہا یہی قول مختار ہے اور اگر گدھا چھوڑا سو کسی کے کھیت میں گیا اور اس کو فاسد کیا اگر اس نے چھوڑا اس کو اور ہانک دیا کھیت کی طرف اس طرح پر کہ وہ اس کے پیچھے تھا تو اس پر ضمان ہے اور اگر وہ اس کے پیچھے نہیں تھا لیکن گدھا فی الفور کھیت میں جا پڑا اور داہنے بائیں نہیں جھکا جس طرف اس نے چھوڑا تھا اسی طرف گیا سو کھیت کو اس نے خراب کیا تو بھی ضما اس پر لازم ہو گا اور اگر داہنے بائیں گیا پھر کھیت میں جا پڑا تو اگر وہاں کئی راہیں ہوں گی تو وہ ضامن نہیں اور ایک ہی راہ ہے تو اس پر ضمان لازم ہو گا اور اگر اس نے چھوڑا سو وہ ساعت بھر ٹھہر گیا پھر کھیت کی طرف گیا اور خراب کیا تو چھوڑنے والے پر ضمان نہیں ہے انتہے اس تقریر سے کلام شارح کی توضیح ہو گئی اور چونکہ حکم کتے پر خاص نہیں تو اس قول کو کہ جانور سے کتا مراد ہے حذف کرتا مناسب تھا کذا فی الطحطاوی مختصرا وان ارسل طیرا ساقه اولا و دابة او كلبا ولم يكن سائقا له **او انفلتت دابة بنفسها فاصابت مالا او آدميا نهارا او لیلا لا ضمان فی الكل** لقوله عليه الصلوة والسلام العجماء جبار ای المنفلتة ہد اور اگر پرندہ چھوڑا خواہ اس کو ہانکا ہو یا نہ ہانکا ہو یا جانور

چوپایا یا کتا چھوڑا اور حالانکہ اس کو نہیں ہانکا یا جانور بذات خود چھوٹ بھاگا سو مال یا آدمی کو اس نے تلف کیا رات میں یا دن میں تو
نہیں سب صورتوں میں بدلیل قول نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ جانور کا زخم باطل ہے یعنے جانور گریختہ کا فعل رائگاں ہے اس پر ضمان
م ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ حدیث یوں مروی ہے کہ العجماء جرحہا جبار یعنے جانور کا زخمی کرنا رائگاں ہے اس پر ضمان نہیں امام محمدؒ نے
کہ جانور سے مراد گریختہ جانور ہے تو اس کا فعل باطل ہے نہ وہ جانور جو چھوڑا گیا اس واسطے کہ افساد مرسلہ کا فور ارسال میں رائگاں نہیں ا
امام شافعی اور مالک اور احمد اور اکثر فقہاء حجاز نے کہا کہ جانور کے فعل کا دن میں ضمان نہیں رات میں ضمان ہے کذا فی العینی **کما لو جمحت**

بہ ای بالراکب ولو سکران ولم یقدر الراکب **علی** ردہا فانہ لا یضمن کالمنفلتۃ- لانہ حینئذ لیس بمسیر لہا فلا یضاف سیرہا الیہ حتی لو اتلف انسانا فدمہ ہد
چنانچہ اگر جانور نے سرکشی اور شرارت کی سوار سے اگرچہ وہ مست ہوا اور سوار قادر نہ ہو اس کے پھیرنے پر ضمان لازم نہ ہوگا خود بخود چھوٹے
کے مانند اس واسطے کہ اس وقت میں سوار اس کا چلانے والا نہیں ہے تو جانور کا چلنا سرکشی کی حالت میں سوار کی طرف منسوب نہ ہوگا تو
اس حالت میں جانور کسی انسان کو تلف کرے گا تو اس کا خون باطل ہے اس کا کچھ ضمان نہیں کذا فی العمادیۃ **ومن ضرب دابۃ علیہا ا**
او نخسہا بعود بلا اذن الراکب **فنفحت او ضربت بیدہا** شخصا آخر غیر الطاعن **او نفرت فصدمتہ وقتلتہ ضمن** ہو ای الناخس **لا الراک**
اور جس نے اس جانور کو مارا جس پر کوئی سوار ہے یا لکڑی سے جانور کو کونچا بدون اذن سوار کے سو جانور نے اپنے پاؤں یا ہاتھ سے کونچنے
کے سوا اور شخص کو مارا یا جانور بھڑکا سو اس نے اس کو کچلا اور قتل کیا تو کونچنے والا ضمان دے گا نہ سوار م راکب کے مانند سائق اور قائد
عدم ضمان میں کونچنے کو اس واسطے مخصوص کیا کہ اگر گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھے اور جانور کسی کو تلف کرے تو ہاتھ رکھنے والے پر ضمان
کذا فی الطحطاوی عن القہستانی والمدینۃ **وقال ابو یوسف یضمنان نصفین** کما لو کان موقفا دابۃ علی الطریق لتعدیہ فی الایقاف اھ اور ابو یوسف
کہا کہ کونچنے والا اور سوار دونوں نصفا نصف دیت کا ضمان دیں چنانچہ اگر سوار نے جانور کو راہ میں کھڑا کیا تو دونوں پر ضمان لازم ہوگا ا
واسطے کہ سوار کی بھی تعدی ثابت ہے راہ میں کھڑے کرنے سے جیسے کونچنے والے کی تعدی ہے **وکما لو کان باذنہ ووطئت احدا فی فورہا فدمہ**
اور جیسے اگر کونچا سوار کے اذن سے ہو اور جانور کسی کو کچلے کونچنے کے ساتھ ہی بلا توقف تو مقتول کا خون دونوں شخصوں پر ہے م دونوں پر خو
وقت ہوگا جب کہ جانور اپنے مقام سے نہ ہٹا ہو اور نہیں تو فقط طاعن پر ہوگا نہ راکب پر کذا فی الطحطاوی عن الملتقے **ولو نفحت الناخس فدمہ**
اور اگر کونچنے والے کو جانور نے تلف کیا تو اس کا خون رائگاں ہے **ولو القت الراکب فقتلتہ فدیتہ علی عاقلۃ الناخس** ثم الناخس انما یضمن
فور النخس والا فالضمان علی الراکب لانقطاع اثر النخس درر و بزازیۃ اور اگر جانور نے سوار کو گرایا سو اس کو قتل کیا تو اس کا خون کونچنے و
کی عاقلہ پر ہے پھر دریافت کرنا چاہیے کہ کونچنے والے پر اسی صورت میں ضمان لازم ہوگا اگر کچلنا کونچنے کے فی الفور ہوا اور نہیں تو سوار پر
لازم ہوگا کونچنے کے انقطاع اثر کے سبب سے کذا فی الدرر والبزازیۃ **وضمن فی فقء عین دجاجۃ او شاۃ قصاب او غیرہا نقصہا** لانہا
اور مرغی کی آنکھ یا قصاب کی بکری یا گائے کی آنکھ پھوڑنے میں بقدر اس کے نقصان کے ضمان لازم ہوگا اس واسطے کہ وہ تو گوشت کے
ہے م یعنے قصاب کی بکری سے گوشت مقصود ہوتا ہے تو بقدر نقصان کے ضمان لازم ہوگا اور نقصان دریافت کرنے کا یہ طریقہ ہے
تندرست بکری کی قیمت کی جاوے اور آنکھ پھوٹے کی قیمت مقرر کی جائے تو جس قدر تندرست کی قیمت زیادہ ہوگی اتنا ضمان لازم ہ
حکم ہے کبوتر اور کتے اور بلی کی آنکھ پھوڑنے کا کذا فی الطحطاوی **وفی عینیہا یخیر ربہا ان شاء ترکہا علی الفاقئ وضمنہ قیمتہا او امس**
وضمنہ النقصان زیلعی اور مرغی اور قصاب کی بکری کی دونوں آنکھ پھوڑنے میں اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے پھوڑنے وا

چھوڑ دے یعنے اس کو دے اور اس کی قیمت کا تاوان اس سے لے یا اس کو اپنے پاس رکھے اور نقصان کا تاوان لے کذا فی الزیلعی وفی عین بقرۃ جزار وجزورہ ای ابلہ فائدۃ الاضافۃ عدم اعتبار الاعداد للحم فی الحکم الاتی ابن کمال وحمار وبغل وفرس ربع القیمۃ اور اونٹ حلال کرنے والے کی گائے بیل اور اس کے اونٹ کی آنکھ پھوڑنے میں اور گدھے اور خچر اور گھوڑے کی آنکھ پھوڑنے میں چوتھائی قیمت کا ضمان ہے شارح نے کہا کہ اضافت کا فائدہ یہ ہے کہ گوشت کے لئے ہونے کا اعتبار نہیں ہے وجوب ربع قیمت کے حکم میں کذا ذکرہ ابن کمال م شترکش کی گائے بیل اور اونٹ میں اس واسطے یہ مسئلہ موضوع ہوا تاکہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ وہ دونوں گوشت کے واسطے مقصود ہیں تو اس کا حکم بکری کے مانند ہے بلکہ خواہ گائے بیل اور اونٹ کھیتی کے واسطے ہو یا سواری کے واسطے ان میں چوتھائی قیمت ہے جس طرح غیر ماکول اللحم چنانچہ خچر اور گدھے میں چوتھائی قیمت ہے

کذا فی المنح عن شروح الھدایۃ لان اقامۃ العمل بہا انما یکون باربع اعین عیناہا وعینا مستعملہا فصارت کانہا ذات اعین اربعۃ وقال الشافعی رضی اللہ عنہ کالشاۃ والفرق ماقدمناہ اونٹ اور بیل اور گھوڑے کی آنکھ میں چوتھائی قیمت اس واسطے واجب ہوئی کہ ان سے کام لینا تو چار آنکھوں سے ہوتا ہے دو آنکھیں جانور کی اور دو آنکھیں کام لینے والے کی یعنے مزارع یا سوار کی تو گویا ان جانوروں کی چار آنکھیں ہوگئیں اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا حکم بکری کے مانند ہے یعنے بقدر نقصان ضمان لازم ہے اور فرق بکری اور ان جانوروں میں وہ ہے جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے یعنے بکری تو گوشت کے واسطے اور اونٹ گھوڑا بیل کھیتی یا سواری کے واسطے ہیں تو حکم میں کیونکر برابر ہوں گے

لکن یرد علیہ انہ لو فقا عینی حمار مثلا انہ یضمن نصف قیمتہ ولیس کذلک کما مر فالاولی التمسک بما روی انہ علیہ الصلوۃ والسلام قضی فی عین الدابۃ بربع القیمۃ لیکن چار آنکھوں کی تعلیل پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر مثلاً گدھے کی دونوں آنکھوں کو پھوڑے تو نصف قیمت کا ضمان دے اور حالانکہ ایسا حکم نہیں چنانچہ زیلعی سے عنقریب مذکور ہو چکا کہ دونوں آنکھیں پھوڑنے میں مالک مختار ہے چاہے سب قیمت لے اور چاہے اس کو اپنے پاس رکھے اور نقصان کا ضمان لے تو استدلال کرنا اس حدیث سے بہتر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جانور کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا حکم فرمایا معجم طبرانی میں زید بن ثابت رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی آنکھ میں اس کی چہارم قیمت کا حکم دیا اور مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہی حکم مروی ہے کذا فی العینی شرح الہدایہ

والتقیید بالعین لانہ لو قطع اذنہا او ذنبہا یضمن نقصانہا وکذا لسان الثور والحمار وقیل جمیع القیمۃ کما لو قطع احدی قوائمہا فانہ یضمن قیمتہا وعلیہ الفتوی ای لو غیر ماکول وان ماکولا خیر کما مر فی العینین لکن فی العیون ان امسکہ لایضمنہ شیئا عند ابی حنیفۃ وعلیہ الفتوی وعرجہا کقطعہا اور آنکھ کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر جانور کا کان یا دم کاٹے گا تو اس کے نقصان کا ضمان دے گا اور اسی طرح بیل اور گدھے کی زبان کاٹنے میں ضمان ہے نقصان کا اور قول ضعیف یہ ہے کہ سب قیمت کا ضمان لازم ہوگا چنانچہ اگر ایک پاؤں کاٹے گا جانور کا تو اس کی پوری قیمت کا ضمان دے گا اور اسی قول پر فتوی ہے یعنے اگر جانور ماکول اللحم نہ ہو اور اگر حلال ماکول اللحم ہوگا تو مالک مختار ہے چنانچہ اس کی تفصیل دونوں آنکھوں کے پھوڑ ڈالنے میں مذکور ہو چکی لیکن عیون میں یوں مذکور ہے کہ اگر مالک غیر ماکول اللحم پاؤں کٹے جانور کو اپنے پاس رکھ لے گا تو کاٹنے والا اس کا کچھ ضمان نہ دے گا ابوحنیفہ کے نزدیک اور اسی قول پر فتوی ہے اور جانور کا لنگڑا ہو جانا پاؤں کٹ جانے کے مانند ہے یعنے ماکول اور غیر ماکول کے لنگڑا کر دینے میں کل قیمت لازم ہوگی کذا فی الطحطاوی **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے

نقل المصنف عن الدرر لہ کلب یاکل عنب الکرم فاشہد علیہ فیہ فلم یحفظہ حتی اکل العنب لم یضمن وانما یضمن فیما اشہد علیہ فیما یخاف تلف بنی آدم کالحائط المائل ونطح الثور وعقر کلب عقور فیضمن اذا لم یحفظہ انتہی قال المصنف ویمکن حمل المستعف فی قول الزیلعی وان اتلف الکلب فعلی صاحبہ الضمان ان کان تقدم علیہ قبل الاتلاف والافلا

کالحائط المائل علے الآدمی انتہے فتحصیل التوفیق مصنف نے شرح میں درر سے یہ نقل کیا کہ ایک شخص کا کتا ہے کہ انگور کے درختوں سے انگور کھاجاتا ہے سو باغ کے مالک نے کتے کے مالک پر لوگوں کو گواہ کیا اس کے کھانے میں سو کتے کے مالک نے کتے کی حفاظت نہ کی یہاں تک کہ وہ استشہاد کے بعد بھی انگور کھا گیا تو اس پر ضمان لازم نہ ہوگا ضمان تو اسی صورت خاص میں لازم ہوتا ہے جب کہ اشتہاد ہوا ہو اس امر میں جس میں بنی آدم کے تلف ہو جانے کا خوف ہو چنانچہ دیوار مائل اور بیل کے سینگ مارنے اور گزندہ کتے کے کاٹنے میں تو مالک ضمان دے گا جب کہ اس کی محافظت نہ کریگا انتہی قول الدرر مصنف نے کہا اور ممکن ہے حمل کرنا تلف شدہ کا آدمی پر زیلعی کے اس قول میں اور کتا تلف کر تو اس کے مالک پر ضمان ہے اگر آگے اس پر گواہ کر چکا ہو تلف کرنے سے پہلے اور نہیں تو ضمان نہیں ہے دیوار مائل کے مانند تو اس حمل کرنے سے درر اور زیلعی دونوں کے قولوں میں اتفاق حاصل ہوگا م یعنے اطلاق زیلعی کا آدمی پر محمول ہے تو اب اختلاف باقی نہ رہا دونوں قولوں میں طحطاوی نے کہا قولہ علی الادمی متعلق ہے قولہ حمل المتلف سے قلت وقد وقع الاستفتاء عمن لہ نحل یضعہ فی بستانہ فیخرج فیاکل عنب الناس وفواکہم ہل یضمن رب النحل ما اتلفہ النحل من العنب ونحوہ ام لا وہل یومر بتحویلہ عنہم الی مکان اخر ام لا والجواب انہ لا یضمن ربہ شیئا مطلقا اشہد ا علیہ ام لا اخذا من مسئلۃ الکلب بل اولی وکذا ذکرہ المصنف فی معینہ لکن رأیت فی فتاواہ انہ افتی بالضمان فی مسئلۃ النحل فراجعہ عند الفتوے میں کہتا ہوں اور البتہ واقع ہوا تھا استفتا اس شخص کے حال سے جس کے تصرف میں شہد کی مکھیاں ہیں وہ ان کو اپنے باغ میں رکھتا ہے سو مکھیاں وہاں سے نکلتی ہیں اور آدمیوں کے انگور اور ان کے میوے کھا جاتی ہیں کیا مکھیوں کے مالک پر مکھیوں کے انگور وغیرہ تلف کرنے کا ضمان لازم ہوگا یا نہیں اور ان کے پاس سے دوسرے مکان کی طرف مکھیوں کے اٹھا لے جانے کا حکم ہوگا یا نہیں جواب استفتا یہ ہے کہ مکھیوں کے مالک پر مطلقاً کچھ ضمان لازم نہ ہوگا خواہ لوگوں نے اس پر استشہاد کیا ہو یا نہ کیا ہو یہ جواب ماخوذ ہے کتے کے مسئلے سے بلکہ یہ جواب مسئلہ کلب کے جواب سے اولی ہے یعنے اس واسطے کہ کتے کی خوراک بند کرنی ممکن ہے اور مکھیوں کی خوراک اس طرح ممکن نہیں اور اسی طرح کا جواب مصنف نے معین المفتی میں ذکر کیا ہے لیکن میں نے مصنف کے فتاوے میں دیکھا ہے کہ اس نے مکھیوں کے مسئلے میں وجوب ضمان کا فتوی دیا ہے تو اس کی طرف مراجعت کیجیو فتوی دینے کے وقت م ظاہرا مسئلہ کلب معتبر ہے جو درر میں مذکور ہے وجود نص کے سبب سے کذا فی الطحطاوی واما تحویلہ من ملکہ فلا یومر بذلک علی ما ہو ظاہر المذہب واما جواب المشائخ فینبغی ان یومر بتحویلہ اذا کان الضرر بینا علے ما علیہ الفتوے اور مکھیوں کا اٹھانا اس کے ملک سے سو مالک کو تو اس کا حکم نہ ہوگا بنا بر ظاہر مذہب کے اور مشائخ کا جواب تو یہ ہے کہ لائق یوں ہے کہ اس کے اٹھانے کا حکم کیا جائے جب کہ لوگوں کا صریح ضرر ہوتا ہو بنا بر قول مفتی بہ کے وفی الصیرفیۃ حمار یاکل حنطۃ انسان فلم یمنعہ حتے اکل الصحیح ضمانہ اور صیرفیہ میں ہے کہ گدھا کسی آدمی کے گیہوں کھاتا ہے سو[۱] دیکھنے والے نے اس کو نہ روکا یہاں تک کہ وہ کھا گیا تو قول صحیح یہ ہے کہ اس پر ضمان ہے ادخل غنما او ثورا او فرسا او حمارا فی زرع او کرم ان سائقا ضمن ما اتلف والالا وقیل یضمن وتمامہ فی البزازیہ کسی آدمی نے بھیڑ یا بکری یا بیل یا گھو یا گدھا داخل کر دیا کھیت یا انگورستان میں اگر اس نے داخل کیا ہے ہانک کے تو جو اس نے تلف کر دیا اس کا ضمان دے گا اور اگر ہانکا نہیں ہے تو ضمان نہیں اور قول ضعیف یہ ہے کہ بہر صورت ضمان دے گا اور پورا اس کا بیان بزازیہ میں ہے فائدہ اپنے باغ یا کھیت میں ایک مرد کا جانور پایا اور اس نے کچھ خراب کر دیا سو اس کو باندھ رکھا باغ یا کھیت کے مالک نے سو وہ مر گیا سو اس پر جانور کی قیمت کا دینا لازم ہو چنانچہ محیط میں ہے ایک شخص نے جانور کسی کے گھر میں کر دیا بدوں اس کے اذن کے سو صاحب خانہ نے اس کو نکال دیا اور وہ تلف ہو گیا

---

[۱] یعنے مالک نے دیکھ کر اس کو نہ روکا ۱۲

سو اس پر تاوان نہیں اور اگر کپڑا کسی کے گھر میں رکھ دیا بدوں اذن کے اور صاحب خانہ نے اس کو پھینک دیا اور وہ تلف ہو گیا مالک کی غیبت میں تو قیمت ثوب کا اس پر ضمان لازم ہوگا چنانچہ ذخیرے میں ہے جس نے پنجرے کی کھڑکی کھول دی سو چڑیا اڑ گئی یا اصطبل کا دروازہ کھول دیا سو جانور نکل گیا اور گم ہو گیا تو کھولنے والے پر ضمان نہیں اور محمدؒ کے نزدیک ضمان ہے چنانچہ کافی میں ہے الکل من العالمگیریۃ

باب جنایۃ المملوک والجنایۃ علیہ

یہ باب ہے مملوک یعنے لونڈی غلام کی جنایت میں اور مملوک پر جنایت کرنے کے احکام میں اعلم ان جنایات المملوک لاتوجب الا دفعا واحدا لو محلا معلوم کر کہ مملوک کی جنایات موجب نہیں ہوتی مگر ایک بار دے ڈالنے کی اگر مملوک دینے کا محل ہو م یعنے اگر ایک غلام کی جنایات کثیرہ ہوں اشخاص متعددہ میں تو سب مقتولوں کے وارثوں کو وہ غلام دیا جائے گا دفعۃ واحدۃ تو سب کے وارث بقدر جنایات کے اس میں اپنا اپنا حصہ کر لیں گے بشرطیکہ غلام دینے کا محل ہو یعنے جب کہ اس کے واسطے حریت کے اسباب منعقد نہ ہو گئے ہوں چنانچہ تدبیر اور استیلاد اور کتابت کذا فی الطحطاوی والا فقیمۃ واحدۃ اور اگر مملوک محل دفع نہ رہا ہو یعنے حریت کے اسباب ثلثہ مذکورہ سے کوئی سبب منعقد ہو گیا تو ایک قیمت مولی کو دینا ہو گی تو سب وارث بقدر اپنے حصوں کے اس کو بانٹ لیں گے ولو فدی الفن ثم جنی فکالاول ثم وثم اور اگر لونڈی غلام کا فدیہ دیا یعنے اس کے قتل کرنے کے بدلے مال دیا پھر اس نے فدیہ دینے کے بعد جنایت کی مثلاً کسی کو قتل کیا تو وہ اول بار کے مانند ہے پھر تیسری جنایت پھر چوتھی جنایت میں الی غیر النہایۃ اسی طرح کا حکم ہے م یعنے جب فدیہ دینے کے بعد دوسری تیسری بار پھر جنایت کرے گا تو مولی اول بار کے مانند دفع اور فدیہ دینے میں مختار رہے گا اس واسطے کہ جب پہلی جنایت سے پاک ہو گیا فدیہ دینے سے تو گویا اس نے جنایت ہی نہیں کی اور دوسری یا تیسری جنایت گویا ابتدائے جنایت ہے بخلاف المدبر وامّ ولدہ فانہا لاتجب الا قیمۃ واحدۃ وسیتضح برخلاف مدبر اور ام ولد اور مکاتب کے کہ ان کی جنایات میں سوائے ایک قیمت کے کچھ واجب نہیں اور اس اجمال کی تفصیل آگے واضح ہو گی جنی عبد خطاء التقیید بالخطاء ہنا انما یفید فی النفس لان بعمدہ یقتص واما فی ما دونہا فلا یفید لاستواء خطاءہ وعمدہ فیما دونہا ثم انما یثبت الخطاء بالبینۃ واقرار مولاہ وعلم القاضے لا باقرارہ اصلا بدائع قلت لکن قولہ وعلم القاضی علی غیر المفتے بہ فانہ لایعمل بعلم القاضی فی زماننا شرنبلالیۃ عن الاشباہ وتقدم دفعہ مولاہ ان شاء بہا فیملکہ ولیہا اوان شاء فداہ بارشہا حالا مملوک نے از راہ خطا جنایت کی یعنے کسی کو قتل کیا تو اس کا مالک اگر چاہے بدلے جنایت قتل کے مملوک کو دے تو جنایت کا ولی یعنے مقتول کا وارث مالک ہو جائے گا مملوک کا اور اگر مالک چاہے فی الحال فدیہ دے اس کی دیت کا شارح نے کہا خطا کی قید یہاں لگانا فقط جنایت نفس میں مفید ہے اس واسطے کہ مملوک کے قتل عمد میں قصاص لیا جاتا ہے اور جان کے سوا اطراف کی جنایت میں تو خطا کی تقیید مفید نہیں ہے اس لئے کہ مادون النفس میں مملوک کی خطا اور عمد برابر ہیں پھر خطا تو ثابت نہیں ہوتی مگر گواہوں سے اور اس کے مالک کے اقرار سے اور قاضی کی دانست سے نہ مملوک کے اقرار سے اصلا کذا فی البدائع میں کہتا ہوں لیکن علم قاضی کا حجت ہونا یہ قول مفتی بہ نہیں ہے اس لئے کہ قاضی کے علم پر ہمارے زمانے میں عمل جائز نہیں چنانچہ شرنبلالیہ میں منقول ہے اشباہ سے اور یہ تو پہلے مذکور ہو چکا ہے م فی الحال دینا دفع اور فدیہ دونوں سے متعلق ہے دفع میں تو وجہ یہ ہے کہ اعیان میں تاجیل جائز نہیں اور فدیہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدلا ہے عین یعنے مملوک کا تو اعیان کے مانند ہوا عدم تاجیل میں لکن الواجب الاصلی ہو الدفع علی الصحیح ولذا سقط الواجب بموتہ بخلاف الموت الحر کما ذکرہ المصنف وغیرہ لیکن جنایت مملوک میں واجب اصلی دفع ہے نہ فدیہ بر قول صحیح ولہذا واجب ساقط ہو جاتا ہے مملوک کے مر جانے سے برخلاف آزاد قاتل موت کے کہ وہاں واجب ساقط نہیں ہوتا چنانچہ مصنف وغیرہ نے اُس کو ذکر کیا ہے م عبد قاتل کی موت سے واجب اس واسطے ساقط ہو جاتا ہے کہ محل باقی نہ رہا اور اگر آزاد قاتل مرے گا یعنے قتل خطا میں تو واجب ساقط نہ ہوگا اُس کی عاقلہ پر واجب ہوگا کذا فی الدرر لکن فی الشرنبلالیۃ عن

السراج والجوہرۃ عن البزدوی ان الصحیح ہو الفداء حتی لو اختارہ ولم یقدر علیہ اداہ متی وجد ولا یبرأ بہلاک العبد لیکن شرنبلالیہ میں سراج سے اور جوہرہ میں بزدوی سے یوں ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ واجب اصلی جنایت مملوک میں فدیہ ہے نہ دفع تو اگر مولے فدیہ دینے کو اختیار کرے اور قادر نہ ہو اس کے ادا کرنے پر تو جب پاوے اس کو ادا کرے اور مولی بری الذمہ نہ ہوگا غلام قاتل کے مرجانے سے وعللہ الزیلعی وغیرہ بانہ اختار اصل حقہم فیبطل حقہم فی العبد عند ابی حنیفۃ رح انتہی ومفادہ ان الاصل عندہ الفداء لا الدفع اور زیلعی وغیرہ نے صحت اختیار کی علت یوں بیان کی ہے کہ مولی نے ورثہ مقتول کا اصل حق اختیار کیا تو اب وارثوں کا حق باطل ہو گیا غلام میں ابوحنیفہ رح کے نزدیک انتہی مافی الزیلعی اور اس تعلیل سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام کے نزدیک فدیہ اصل ہے نہ دفع وافاد شارح المجمع فی تعلیل الامام ان الواجب احدہما وانہ متی اختار احدہما تعین اور شارح مجمع یعنے ابن ملک نے امامؒ کی تعلیل میں بیان کیا ہے کہ جنایت عبد میں دفع اور فدیہ میں سے ایک چیز واجب ہے اور جب کہ مولے نے دفع یا فدیہ کوئی اختیار کیا تو وہی چیز متعین ہو جاتی ہے لکنہ قدم ان الدفع ہو الاصل وانہ لیس فی لفظ الکتاب دلالۃ علیہ لیکن شارح مجمع نے پہلے اس کو بیان کیا ہے کہ واجب اصلی دفع ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ کتاب کی عبارت میں واجب اصلی پر دلالت نہیں ہے ثم محیط میں ہے کہ امام محمد نے اصل یعنے مبسوط میں کہا کہ جب غلام آدمی پر جنایت موجب مال کی کرے تو اس کے مولی کو اختیار ہے چاہے غلام دے چاہے فدیہ ہمارا یہی مذہب ہے مگر یہ کہ موجب اصل دفع ہے انتہی تو اس نص سے خلاف مرتفع ہو گیا اور فدیہ اختیار کرنے کے بعد غلام کی موت سے اس واسطے فدیہ باطل نہ ہو گیا کہ تعیین کا اختیار مولی کو ہے سو اس نے فدیہ ہی کو اختیار کیا تو یہ عارضی امر کے سبب سے ہے یعنے اختیار کر لینے سے اور زیلعی کا کلام تعلیل میں مضطرب ہے واللہ اعلم بالصواب کذا فی الطحطاوی فان فداہ فجنی بعدہ فہی کالاولی حکما سو اگر مولے نے غلام کی جنایت کا فدیہ دیا پھر بعد اس کے غلام نے پھر جنایت کی تو دوسری جنایت پہلی جنایت کی مانند ہے حکم میں یعنے مولے دفع اور فدیہ میں یہاں بھی مختار ہے فان جنی جنایتین دفعہ بہما الی ولیہما او فداہ بارشہما پھر اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو ان جنایتوں میں مولی غلام کو ان کے وارثوں کو دے یا دونوں کی دیت کا فدیہ دے وان وہبہ المولی او باعہ او اعتقہ او دبرہ او استولدہا غیر عالم بہا بالجنایۃ ضمن الاقل من قیمتہ والاقل من الارش وان علم بہا غرم الارش فقط اجماعا اور اگر مولے نے غلام کسی کو ہبہ کر دیا یا اس کو بیچ ڈالا یا آزاد کیا یا مدبر کیا یا لونڈی کو ام ولد بنایا جنایت کی ناواقفی میں تو مولے ضمان دے قیمت اور دیت میں سے کمتر چیز کا یعنے اگر قیمت کم ہے دیت سے تو قیمت کو دے اور اگر دیت کم ہے قیمت سے تو دیت دے اور اگر جنایت کو جان کر ہبہ یا بیع کی تو فقط دیت کا ضمان دے بالاتفاق کبیعہ عالما بہا جیسے غلام کی بیع سے دیت واجب ہوتی ہے جنایت جان کر طحطاوی نے کہا یہ مسئلہ مکرر ہو گیا کیونکہ وان علم بہا الارش میں داخل ہے وکتعلیق عتقہ بقتل زید او رمیہ او شجہ ففعل العبد ذلک کما یصیر فارا بقولہ ان مرضت فانت طالق ثلثا اور جیسے دیت واجب ہوتی ہے تعلیق عتق غلام میں قتل زید کے ساتھ یا اس کے تیر مارنے یا اس کے سر پھوڑنے کی تعلیق کے ساتھ سو غلام نے ویسا ہی کیا جیسے زوج فار ہو جاتا ہے اس تعلیق سے کہ اگر میں بیمار ہوں تو تو مطلقہ ہے تین بار یعنے تو عورت وارث ہوگی زوج کی م اگر مولے نے کہا اپنے غلام سے کہ اگر تو زید کو قتل کرے تو تو آزاد ہے سو اس نے زید کو قتل کیا یا مولے نے کہا اگر تو زید کے تیر مارے تو تو آزاد ہے سو اس نے تیر مارا یا کہا کہ اگر تو اس کے سر کو زخمی کرے تو تو آزاد ہے سو اس نے زخم لگایا تو مولے پر دیت کا ضمان لازم ہوگا اس لئے کہ اس نے فدیہ اختیار کیا کیونکہ اس کو آزاد کیا وجود جنایت کی تقدیر پر کذا فی الدرر وان قطع عبد ید حر عمدا ودفع الیہ فاعتقہ فمات من السرایۃ فالعبد صلح بہا ای بالجنایۃ لان عتقہ دلیل تصحیح الصلح اور اگر غلام نے آزاد کا ہاتھ عمداً کاٹا اور غلام اس کو دیا گیا سو اس نے

زادکردیا پھر آزاد مرگیا زخم کی سرایت سے تو غلام صلح ٹھہر گیا جنایت کی اس واسطے کہ اس کا آزاد کرنا تصحیح صلح کی دلیل ہے م اس واسطے کہ عتاق پر اقدام کرنا تصحیح صلح کے قصد پر دلالت کرتا ہے اور اس صلح کی صحت نہیں بدوں اس کے کہ جنایت سے اور جو اس سے حادث ہو صلح اردی جائے پھر جب اس نے آزاد کردیا تو صلح درضمن اعتاق صحیح ہوگئی ابتدا سے **وان لم یعتقہ وقد سری یرد علی سیدہ فیقتل** یعنی لبطلان الصلح اور اگر مقطوع الید نے غلام مذکور کو آزاد نہ کیا اور حالانکہ قطع کے صدمہ سے وہ مرگیا تو غلام اس کے مالک کو پھیر دیا ادے گا سو وہ قتل ہوگا قصاص میں یا معاف کردیا جائے بسبب باطل ہوجانے صلح کے **فان جنی ماذون لہ مدیون خطاء فاعتقہ** یدہ **بلا علم بہا غرم لرب الدین الاقل من قیمتہ ومن دینہ وغرم لولیہا الاقل منہا** ای القیمۃ **ومن الارش** اور اگر غلام ماذون یون نے از راہ خطا جنایت کی سو اس کے مالک نے اس کو آزاد کردیا نادانستگی جنایت سے تو صاحب دین کو مالک ضمان دے قیمت اور دیت ے کمتر کا یعنے اگر قیمت غلام کی دین سے کم ہے تو قیمت کا ضمان اور اگر دین کم ہے تو دین کا تاوان دے اور جنایت کے وارث کو ضمان دے قیمت ور دیت سے کمتر کا یعنے اگر قیمت کم ہے دیت سے تو قیمت دے اور اگر دیت کم ہے قیمت سے تو دیت دے **ولو اتلفہ** ای العبد الجانی **اجنبی** **قیمتہ واحدۃ لمولاہ لا غیر** اور اگر غلام جانی کو اجنبی شخص نے تلف کرڈالا تو اس پر ایک قیمت واجب ہے غلام کے مالک کے واسطے نہ سوائے س کے م یعنے صاحب دین اور وارث مقتول کا مواخذہ قاتل پر نہ ہوگا اس واسطے کہ حق فریقین کا کمتر ہے ملک رقبہ سے پھر جب مولی بت پاوے گا تو اس کو صاحب دین لے گا اس واسطے کہ قیمت غلام کی مالیت ہے اور صاحب دین مقدم ہے مالکیت میں وارث مقتول پر کذا الزیلعی **فان ولدت ماذونۃ مدیونۃ بیعت مع ولدہا فی الدین** ان کانت الولادۃ بعد لحوق الدین فلو ولدت ثم لحقہا الدین لم یتعلق ق الغرماء بالولد بخلاف اکسابہا پھر اگر ماذون مدیون لونڈی جنی تو اپنے بچے کے ساتھ بیچی جاوے گی دین میں بشرطیکہ ولادت ہوئی ہو دین ے لاحق ہونے کے بعد سو اگر وہ جنی پھر دین اس کو لاحق ہوا تو دین والوں کا حق لونڈی کے بچے سے متعلق نہ ہوگا برخلاف اس کی کمائیوں کے یعنی مائی میں ان کا حق متعلق ہے نہ اس کے ولد میں م یہ مسئلہ اس باب میں مقصود بالذکر نہیں ہے کیونکہ اس میں جنایت مذکور نہیں بلکہ بالتبع مذکور ہوا ہے تاکہ اس میں اور مسئلہ آئندہ میں فرق ظاہر ہوجاوے **فان جنت فولدت لم یدفع الولد لہ** ای لولی الجنایۃ لتعلقہا بذمۃ المولے لا ذمتہا بخلاف الدین پھر اگر ماذون مدیون لونڈی نے جنایت کی پھر وہ جنی تو لڑکا جنایت کے وارث کو نہ دیا جائے گا اس واسطے کہ موجب جنایت مولے کے ذمہ پر ہے نہ لونڈی کے ذمہ پر برخلاف دین کے کہ وہ لونڈی کے ذمہ پر ہے نہ مولے پر **عبد لرجل زعم رجل ان سیدہ حررہ فقتل العبد** المعتق **ولیہ** ای ولی الزاعم **عتقہ خطاء فلا شئ للحر علیہ** لانہ بزعمہ عتقہ اقرانہ لا یستحق العبد بل الدیۃ لکنہ لا یصدق علی العاقلۃ الا بحجۃ ایک مرد کا ایسا غلام ہے جس کو دوسرا مرد کہتا ہے کہ اس کے مالک نے اس کو آزاد کردیا ہے سو اس غلام آزاد نے آزادی ظاہر کرنے والے کے ولی کو قتل کیا خطا کی راہ سے تو اس غلام پر کچھ لازم نہیں حر زاعم کے واسطے اس لئے کہ اس کی آزادی کے کہنے سے اس نے اس کا اقرار کیا کہ وہ غلام کا مستحق نہیں ہے بلکہ دیت کا مستحق ہے الا اس کی تصدیق نہ ہوگی عاقلہ پر مگر حجت شرعی سے م عاقلہ سے یہاں مراد غلام کا مولی ہے **فان قال معتق** رقہ **معروف لرجل قتلت اخاک** یخاطب مولاہ الذی اعتقہ **خطاء قبل عتقی فقال** الاخ الذی ہو المولے **لا بل بعدہ** صدق الاول لانہ منکر للضمان پھر اگر اس معتق نے جس کا مملوک ہونا ایک مرد کا مشہور ہے یہ کہا اپنے اس مولے سے جس نے اس کو آزاد کیا ہے کہ میں نے تیرے بھائی کو از راہ خطا قتل کیا تھا اپنے آزاد ہونے سے پہلے سو مولے نے جو مقتول کا بھائی ہے کہا یوں نہیں ہے بلکہ تو نے آزاد ہونے کے بعد قتل کیا ہے تو اول شخص یعنے غلام مذکور کی تصدیق ہوگی اس واسطے کہ وہ لزوم ضمان کا منکر ہے م طحطاوی نے کہا کہ شارح

مصنف اور حموی کا تابع ہوا ہے اس مسئلہ کی تصویر میں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ تصویر غیر مولے صحیح ہے چنانچہ اور کتابوں میں مصرح ہے و
ان قال لہا قطعت یدک وانت امتی وقالت ہی لا بل فعلتہ بعد العتق فالقول لہا لانہ اقر بسبب الضمان ثم ادعی ما یبرئہ فلا
یکون القول لہ اور اگر مولی نے اپنی لونڈی سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ کاٹا تھا جب کہ تو میری لونڈی تھی اور اس نے کہا نہیں بلکہ تو نے ہاتھ کاٹا تھا
آزاد کرنے کے بعد تو لونڈی کا قول معتبر ہوگا اس واسطے کہ مولے نے ضمان کے سبب یعنے قطع کا اقرار کیا پھر اس چیز کا دعوے کیا جو ضمان
سے بری الذمہ اس کو کر دے تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا وکذا القول لہا فی کل ما اخذہ المولی منہا من المال لما ذکرنا استحسانا اور اسی طرح
لونڈی کا قول معتبر ہے ہر ایک اس چیز میں جو مولی نے لونڈی سے مال لیا اس دلیل سے جس کو ہم نے ذکر کیا بطریق استحسان کے الا الجماع
والغلۃ فالقول لہ لاسنادہ لحالۃ معہودۃ منافیۃ للضمان مگر جماع اور لونڈی کی کمائی میں لونڈی کا قول معتبر نہ ہوگا تو اس میں میاں کا قول مقبول
ہوگا بسبب اس کے منسوب ہونے کے اس حالت مقرری کی طرف جو تاوان کے مخالف ہے م اس واسطے کہ اپنی لونڈی کا جماع کرنا اگرچہ وہ دی
ہو مال کا موجب نہیں اور اسی طرح اپنی لونڈی کی کمائی لینا تاوان کا موجب نہیں اگرچہ لونڈی قرض دار ہو کذا فی الزیلعی عبد محجور او صبی امر صبیا بقتل
رجل فقتلہ فدیتہ علی عاقلۃ القاتل لان عمد الصبی خطاء غلام مجور یا صغیر نے دوسرے صغیر کو ایک مرد کے قتل کرنے کا امر کیا سو اس نے اس کو مار
تو مقتول کا خونبہا قاتل کے مددگاروں پر ہے اس واسطے کہ صغیر کا قتل عمد قتل خطا کے برابر ہے حکم میں ورجعوا علی العبد بعد عتقہ وقیل لا لا علی الصبے
الآمر ابدا القصور اہلیۃ اور صغیر قاتل کے مددگار غلام آمر سے دیت بھر لیں اس کے آزاد ہونے کے بعد اور قول ضعیف میں رجوع نہیں غلام آزاد پر لیکن
صغیر آمر پر بھی کبھی رجوع نہیں یعنے بالغ ہونے کے بعد بھی قصور اہلیت کے سبب سے وان کان مامور العبد عبدا مثلہ دفع السید القاتل او
فداہ فی الخطاء اور اگر غلام کا مامور بھی غلام ہو آمر کے مانند تو مالک غلام قاتل کو وارثوں مقتول کے حوالہ کرے یا غلام کا فدیہ دے قتل خطا میں ولا رجو
لہ علی الآمر فی الحال ویرجع بعد عتق العبد بالاقل من الفداء وقیمۃ العبد لانہ مختار فی دفع الزیادۃ لا مضطر اور قاتل مامور کے مالک کو آمر
رجوع کرنا جائز نہیں بالفعل اور غلام آزاد ہونے کے بعد فدیہ اور قیمت غلام میں جو کمتر ہو وہ مالک بھر لے اس واسطے کہ مالک رفع زیادت میں مختار ہے
نہ مجبور م یعنے غلام قاتل کے مالک کو اختیار تھا غلام کے دینے اور فدیہ دینے میں سو جب کہ اس نے فدیہ زائد از قیمت اختیار کیا تو زائد کا تاوان لازم
نہ ہوگا وکذا الحکم فی العمد ان کان العبد القاتل صغیرا لان عمدہ خطاء اور یہی قتل عمد کا حکم ہے اگر قاتل غلام صغیر ہو اس واسطے کہ صغیر کا قتل عمد قتل خطا ک
مانند ہے حکم میں فان کبیرا اقتص منہ اور اگر قاتل غلام بالغ ہو تو اس سے قصاص لیا جائے عبد حفر بئرا فاعتقہ مولاہ ثم وقع فیہا انسان او
اکثر فہلک فلا شئی علیہ لان جنایۃ العبد لا توجب علیہ شیئا غلام نے کنواں کھودا سو مالک نے اس کو آزاد کیا پھر اس میں چند آدمی یا ایک آدمی گر کر
سو مر گیا تو اس پر کچھ لازم نہیں اس لئے کہ غلام کی جنایت اس پر کچھ واجب نہیں کر دیتی م اور عدم عتق میں بھی یہی حکم ہے ویجب علی المولی قیمت
واحدۃ ولو الواقع الفا زیلعی اور کنواں کھودنے والے کے مالک پر ایک قیمت غلام کی دینا واجب ہوگا اگرچہ ہزار آدمی کنوئیں میں گر کے مر گئے ہوں ک
فی الزیلعی فان قتل عبد عمدا رجلین حرین لکل منہما ولیان فعفا احد ولیی کل منہما دفع السید نصفہ الی الآخرین الذین لم یعفوا او فداہ بد
کاملۃ لانہ بذلک العفو سقط القود وانقلب مالا وہو دیتان وقد سقط دیۃ نصیب العافیین وبقی دیۃ نصیب الساکتین او یدفع نصفہ لہما پھر اگر ایک غلا
نے ان دو آزاد مردوں کو عمدا قتل کیا کہ ہر ایک مقتول کے دو وارث ہیں سو دونوں گروہوں میں سے ایک ایک وارث نے قصاص عفو کیا تو مالک
نصف غلام ان دو وارثوں آزاد کو دے جنہوں نے معاف نہیں کیا یا غلام کا فدیہ دے پوری دیت دے کر اس واسطے کہ اس معافی سے قصاص
ساقط ہو کر منقلب بمال ہو گیا اور مال تو پوری دو دیتیں ہیں اور حالانکہ معاف کرنے والوں کے حصے کی دیت تو ساقط ہو گئی اور سکوت کرنے و

دو وارثوں کی دیت باقی رہ گئی یا مالک چاہے نصف غلام دونوں وارثوں کو دے فان قتل العبد احدہما عمدا والآخر خطاء وعفا احد ولیی العمد فدی بدیۃ لولی الخطاء وبنصفها لاحد ولی العمد الذی لم یعف پھر اگر غلام نے ایک مرد کو عمداً قتل کیا اور دوسرے کو خطاءً قتل کیا اور قتل عمد کے دو وارثوں میں سے ایک وارث نے قصاص معاف کیا تو مالک پوری دیت کا فدیہ دے قتل خطا کے دو وارثوں کو اور نصف دیت فدیہ دے قتل عمد کے اس ایک وارث کو جس نے عفو نہیں کیا او دفع الیهما وقسم اثلاثا عولا عندہ وارباعا منازعۃ عندہما یا مالک غلام دے قتل خطا کے دو وارثوں کو اور تین تہائی بانٹ دے بطریق عول کے امام کے نزدیک اور چار حصے کر ڈالے بطریق منازعت کے صاحبین کے نزدیک ام وجہ اس کی یہ ہے کہ خطا کے وارثوں کا حق پوری دیت دس ہزار درم میں ہے اور عمد کے وارثوں کا حق قصاص میں ہے پھر جب ایک وارث نے عفو کیا تو دوسرے وارث کا حصہ مال ہو گیا یعنے پانچ ہزار درم نصف دیت تو اگر مالک فدیہ دے تو دس ہزار خطا کے وارثوں کو دے اور پانچ ہزار عمد کے ایک وارث کو جس نے معاف نہیں کیا اور اگر مالک غلام کو دفع کرے تو تین تہائی کرے دو تہائیاں خطا کے وارثوں کو دے اور ایک تہائی قتل عمد کے ایک وارث کو بطریق عول کے اس واسطے کہ ان کا حق دیت میں بھی اسی طرح ہے یہ مذہب ہے امام کا اور صاحبین رح کے نزدیک چار حصے ہوں گے بطریق منازعت کے تین چوتھائیاں خطا کے وارثوں کو اور ایک چوتھائی اس کو جس نے عفو نہیں کیا اس لئے کہ نصف غلام تو خطا کے وارثوں کے واسطے مسلم ہے بلا منازعت اور نصف باقی میں منازعت واقع ہوئی دونوں فریق کی تو اس کو نصفا نصف کر دیا کذا فی الزیلعی فان قتل عبدہما قریبہما وعفا احدہما بطل کلہ وقالا یدفع الذی عفا نصف نصیبہ للآخر او یفدیہ بربع الدیۃ وقیل محمد مع الامام ووجہہ انہ انقلب بالعفو مالا والمولی لا یستوجب علی عبدہ دینا فلا یخلفہ فیہ الورثۃ پھر اگر دو شخصوں کے غلام نے مالکوں کے قرابت دار کو قتل کیا اور ایک مالک نے قصاص عفو کیا تو تمام قصاص باطل ہو گیا اور صاحبین نے کہا کہ جس مالک نے عفو کیا وہ اپنا آدھا حصہ دوسرے مالک کو دے یا اس کا فدیہ دے چوتھائی دیت دے کر اور بعضوں نے کہا کہ محمد امام کے ساتھ ہیں اس مسئلے میں امام کی دلیل یہ ہے کہ قصاص عفو سے منقلب بمال ہو گیا اور مالک اپنے غلام پر مستوجب دین کا نہیں ہوتا تو اس کے وارث اس میں اس کے خلیفہ نہ ہوں گے م طحطاوی نے کہا مالک تو دونوں زندہ موجود ہیں تو مورث اور وارث کا بیان کیا ذکر ہے

فصل فی الجنایۃ علی العبد

یہ فصل ہے اس جنایت کے بیان میں جو عبد پر واقع ہو م عبد سے مراد مملوک ہے تو غلام اور لونڈی دونوں کو شامل ہے دیۃ العبد قیمتہ فان بلغت ہی دیۃ الحر وبلغت قیمۃ الامۃ دیۃ الحرۃ نقص من کل من دیۃ عبد وامۃ عشرۃ دراہم اظہارا لانحطاط رتبۃ الرقیق عن الحر وتعیین العشرۃ باثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ دیت مملوک کی اس کی قیمت ہے سو اگر غلام کی دیت آزاد مرد کی دیت کے برابر پہونچ جاوے یعنے قیمت غلام کی دس ہزار درم ہو اور لونڈی کی قیمت آزاد عورت کی دیت کے برابر پہونچے تو غلام اور لونڈی کی دیت سے دس دس درم گھٹائے جاویں گے تاکہ رتبہ مملوک کا انحطاط رتبہ آزاد سے ظاہر ہو اور دس درم کا معین کرنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے ثابت ہے وعنہ من الامۃ خمسۃ اور امام سے دوسری روایت یہ ہے کہ لونڈی کی دیت سے پانچ درم کم کئے جاویں وتکون حینئذ علی العاقلۃ فی ثلث سنین خلافا لابی یوسف رح اور اس وقت میں دیت غلام کی قاتل کے مددگاروں پر واجب ہو گی تین برس کی مدت میں برخلاف ابو یوسف کے یعنے ان کے نزدیک نقصان دس درم کا معتبر نہیں کذا فی الطحطاوی وفی الغصب یجب القیمۃ بالغۃ ما بلغت بالاجماع اور مملوک کے غصب میں اس کی قیمت غاصب پر واجب ہے بالاتفاق جہاں تک اس کی قیمت پہونچے یعنے اگرچہ آزاد کی دیت سے زیادہ ہو وما قدر من دیۃ الحر قدر من قیمتہ وحینئذ ففی یدہ نصف قیمتہ بالغۃ ما بلغت فی الصحیح درر وقیل لا یزاد علی

مسۃ آلاف الا خمسۃ وجزم بہ فی الملتقی اور جو مقرر ہے اعضاء حر کی دیت سے وہی مقرر ہے مملوک کی قیمت سے اور اس وقت میں تو مملوک کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت ہے قول صحیح میں جس قدر کہ اس کی قیمت ہو کذا فی الدرر اور قول ضعیف یہ ہے کہ پانچ درہم کم پانچ ہزار درہم سے زیادہ نہ ہوگی اور اسی قول پر یقین کیا ہے ملتقی الابحر میں م یہی قول اخیر ہے اکثر کتب میں چنانچہ ہدایہ اور خلاصہ اور مجمع البحرین اور اختیار اور فتاوی ولوالجی اور ملتقی اور مجتبی میں کذا فی الطحطاوی **ویجب حکومۃ عدل فی لحیتہ فی الاصح وقیل کل قیمتہ** اور حکومت عدل واجب ہے غلام کی ڈاڑھی میں بقول صحیح اور قول ضعیف میں تمام قیمت واجب ہے م یہ اس صورت میں حکم ہے جب کہ ڈاڑھی مونڈنے کے بعد نہ جمے **قطع ید عبد فحررہ سیدہ فسری فمات منہ ولہ للعبد ورثۃ غیرہ غیر المولی لا یقتص لاشتباہ من لہ الحق** ایک شخص نے غلام کا ہاتھ کاٹا پھر اس کے مالک نے اس کو آزاد کر دیا تو زخم سرایت کر گیا تو وہ اس زخم سے مرگیا اور اس غلام آزاد کے وارث اور بھی ہیں مولی کے سوا تو قاطع سے قصاص نہ لیا جاوے گا صاحب حق کے اشتباہ کی وجہ سے م یعنے اگر جراحت کا وقت اعتبار کیجیے تو صاحب حق مالک ہے اور اگر موت کا وقت اعتبار کیجیے تو فقط وارث مستحق ہیں یا مالک بھی تو جہالت مستحق مانع قصاص ہوگی لیکن دیت فقط وارث کی ہے یا مالک کی بھی کذا فی الطحطاوی **وان لم یکن لہ غیر المولی اقتص منہ خلافا لمحمد** اور اگر اس کا کوئی وارث نہیں سوائے مولی کے تو قاطع سے قصاص لیا جاوے گا برخلاف مذہب محمدؒ **قال لعبدیہ احدکما حر فشجا فبین المولی العتق فی احدہما بعد الشج فارشہما للسید لان البیان کالانشاء** مالک نے اپنے دو غلاموں سے کہا کہ ایک غلام تم دونوں میں سے آزاد ہے پھر دونوں کے سر زخمی ہوئے پھر مالک نے زخم سر کے بعد ایک غلام کی آزادی بیان کر دی یعنے یوں کہا کہ میں نے اس غلام کو آزاد کیا تھا تو دونوں کی دیت مالک کی ہے اس واسطے کہ بیان کرنا انشاء کے برابر ہے یعنے گویا زخم کے بعد اب اس نے آزاد کیا **ولو قتلا فدیۃ حر وقیمۃ عبد لو القاتل واحدا معا وقیمتہما سواء** اور اگر دونوں غلام مذکور مقتول ہوئے تو دیت آزاد کی اور قیمت غلام کی واجب ہوگی بشرطیکہ ایک ہی قاتل نے دونوں کو ساتھ ہی قتل کیا ہو اور دونوں کی قیمت برابر ہو م وجہ فرق یہ ہے کہ زخم کے بعد آزادی ممکن ہے تو بیان وہاں انشاء ٹھہر گیا اور موت کے بعد آزادی ممکن نہیں تو یہاں بیان انشاء نہ ہوگا محض بیان اظہار ٹھہرے گا اور اگر قیمت مختلف ہوگی تو ہر واحد کی نصف قیمت اور آزاد کی دیت واجب ہوگی کذا فی الطحطاوی مختصراً **وان قتل کلا واحد معا او علی التعاقب ولم یدر الاول فقیمۃ العبدین** زیلعی اور اگر دونوں غلاموں کو دو شخصوں نے ساتھ ہی یا آگے پیچھے مارا اور پہلا مقتول معلوم نہیں تو قاتلوں پر دو غلاموں کی قیمت واجب ہوگی کذا فی الزیلعی م قولہ وان قتل کلا واحد معا مخالف مقصود ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اگر ہر غلام کو ایک شخص نے ساتھ ہی قتل کیا اور یہ پہلی صورت ہے جو مذکور ہو چکی طحطاوی نے کہا شارح کو یوں کہنا تھا وان قتلہما شخصان معاً لہذا مترجم نے عبارت صحیح کا ترجمہ کیا خلافاً لعبارۃ الشارح اور اگر پہلا مقتول معلوم ہو تو اس کے قاتل پر قیمت واجب ہوگی اور دوسرے قاتل پر دیت آزاد کی واجب ہوگی کذا فی الطحطاوی **فقأ رجل عینی عبد خیر مولاہ انشاء دفع مولاہ عبدہ المفقوء للفاقئ واخذ منہ قیمتہ کاملۃ او امسکہ ولا یاخذ منہ النقصان وقالا لہ اخذ النقصان وقال الشافعی ضمنہ القیمۃ وامسک الجثۃ العمیاء** ایک مرد نے غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑیں تو اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے اپنا آنکھ پھوٹا غلام آنکھ پھوڑنے والے کو دے اور اس سے پوری قیمت لے یا چاہے اس کو اپنے پاس رکھے اور اس سے نقصان نہ لے اور صاحبین رح نے کہا مالک کو نقصان لینا جائز ہے اور امام شافعی نے کہا آنکھ پھوڑنے والے سے غلام کی قیمت کا ضمان لے اور غلام کا اندھا دھڑ اپنے پاس رکھے **ولو جنی مدبر او ام ولد ضمن السید الاقل من القیمۃ ومن الارش لقیامہما مقامہما** اور اگر غلام مدبر یا ام ولد جنایت کرے تو مالک تاوان دے کمتر مال کا قیمت اور دیت سے یعنے اگر قیمت کم ہو دیت سے تو قیمت دے اور اگر دیت کم ہو قیمت سے تو دیت دے اس لئے کہ مدبر اور ام ولد کی قیمت قائم مقام ہے ان کے م مناسب یہ تھا

کہ یہ مسئلہ باب سابق میں مذکور ہوتا اس واسطے کہ مدبر اور ام ولد قاتل ہے نہ مقتول **فان دفع القیمۃ بقضاء فجنی المدبر او ام ولد جنایۃ اخری یشارک الثانی الاول** اذ لیس فی جنایاتہ کلہا الا قیمۃ واحدۃ ولا شئ علی المولی لانہ مجبور علی الدفع پھر اگر مالک نے قیمت دی قاضی کے حکم سے پھر مدبر یا ام ولد نے دوسری جنایت کی تو دوسرے مقتول کا وارث شریک ہوگا مقتول اول کے وارث کا اس واسطے کہ مدبر کی تمام جنایات میں سوائے ایک قیمت کے اور کچھ واجب نہیں اور مالک پر کچھ واجب نہیں اس واسطے کہ وہ مجبور ہے قیمت کے دینے پر یعنے بحکم قاضی **ولو دفع القیمۃ لولی الاولی بغیر قضاء اتبع السید بحصتہ من القیمۃ** ورجع بہا علی الاول لانہ قبضہ بغیر حق لان المولی لا یجب علیہ الا قیمۃ واحدۃ اور اگر مالک نے پہلے جنایت کے وارث کو قیمت دی بدون حکم قاضی کے تو مقتول ثانی کا وارث پیچھا کرے مالک کا قیمت لینے کے واسطے بقدر اپنے حصے کے اور مالک اس قدر پھیر لے مقتول اول کے وارث سے اس لئے کہ وارث اول نے تمام قیمت پر ناحق قبضہ کیا اس واسطے کہ مالک پر تو سوائے ایک قیمت کے کچھ واجب نہیں **او اتبع ولی الجنایۃ الاولی** یا وارث ثانی وارث اول کا پیچھا کرے یعنے نصف قیمت اس سے بانٹ لے اس واسطے کہ اس نے اس کا حق ناحق لیا وقالا لا شئ علی المولی اور صاحبین نے کہا قیمت بلا قضاء دینے میں مالک پر کچھ لازم نہیں **وان اعتق المولی المدبر وقد جنی جنایات لم تلزمہ ای المولی الا قیمۃ واحدۃ علم بالجنایۃ قبل العتق اولا** لان حق الولی لم یتعلق بالعبد فلم یکن مفوتا بالاعتاق اور اگر مالک نے مدبر کو آزاد کیا اور حالانکہ اس سے جنایات متعددہ صادر ہوئے تو مولے پر سوائے ایک قیمت کے کچھ لازم نہ ہوگا خواہ مالک کو قبل از عتق جنایت کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اس واسطے کہ وارث کا حق غلام کی ذات سے متعلق نہیں تو مالک آزاد کرنے سے اس کے حق کا ضائع کرنے والا نہ ٹھہرا **وام الولد کالمدبر فیما مر** اور ام ولد مدبر کے مانند ہے حکم مذکور میں یعنے مسئلہ اعتاق میں **اقر المدبر او ام الولد بجنایۃ توجب المال لم یجز** اقرارہ لانہ اقرار علی المولے **بخلاف ما اذا اقر بالقتل عمداً فانہ یصح اقرارہ** علی نفسہ فیقتل بہ اور اگر مدبر یا ام ولد نے اس جنایت کا اقرار کیا جو مال کی موجب ہے تو اس کا اقرار جائز نہیں اس واسطے کہ یہ اقرار ہے مولے کے ضرر پر برخلاف اس کے جب کہ اس نے قتل عمد کا اقرار کیا تو اس کا اقرار صحیح ہوگا اپنی ذات پر تو اپنے اقرار کے سبب سے مارا جاوے گا ولو جنی المدبر خطاء فمات لم تسقط قیمتہ عن مولاہ اور اگر مدبر نے جنایت کی بطور خطاء کے پھر وہ مرگیا تو اس کی قیمت اس کے مالک سے ساقط نہ ہوگی ولو قتل المدبر مولاہ خطاء سعی فی قیمتہ اور اگر مدبر نے اپنے مالک کو بطریق خطاء کے قتل کیا تو کوشش کرے اپنی قیمت میں یعنے محنت مزدوری کرکے اپنی قیمت مالک کے وارث کو دے ولو عمداً قتلہ الوارث او استسعاہ فی قیمتہ ثم قتلہ درر اور اگر مدبر نے اپنے مالک کو عمداً قتل کیا تو وارث اس کو قتل کر ڈالے یا وارث چاہے اس سے محنت مزدوری کروا دے اس کی قیمت حاصل کرنے میں پھر حصول قیمت کے بعد اس کو قتل کرے کذا فی الدرر

فصل فی غصب القن وغیرہ یہ فصل ہے مملوک وغیرہ کے غصب کے احکام میں غیر مملوک سے مدبر اور صبی مراد ہے **قطع ید عبدہ فغصبہ رجل فسری فمات منہ ضمن الغاصب قیمتہ اقطع** مالک نے اپنے غلام کا ہاتھ کاٹا سو اس کو غصب کیا ایک مرد نے اور زخم نے سرایت کی سو وہ اسی زخم سے مرگیا تو غاصب تاوان دے ہاتھ کٹے غلام کی قیمت کا **وان قطع یدہ وہو فی ید غاصب فمات منہ بری الغاصب** لصیرورتہ مستلفا فیصیر مستردا اور اگر مالک نے غلام کا ہاتھ کاٹا اور حالانکہ غلام غاصب کے پاس ہے سو وہ اسی زخم سے مرگیا تو غاصب بری الذمہ ہوگیا قیمت دینے کے تاوان سے بسبب ہو جانے مالک کے تلف کرنے والا تو مالک پھیر لینے والا ٹھہر جاوے گا **غصب عبد محجور مثلہ فمات فی یدہ ضمن** لان المحجور مواخذ بافعالہ لا باقوالہ الا بعد عتقہ غلام غیر ماذون نے اپنے مانند دوسرے کا غلام غیر ماذون غصب کیا سو وہ اس کے قبضے میں مرگیا سو وہ تاوان دے گا اس کی قیمت کا اس واسطے کہ غیر ماذون اپنے افعال میں ماخوذ ہے نہ اپنے اقوال میں مگر آزاد ہونے کے بعد اقوال میں بھی

ماخوذ ہوگا **مدبر جنی عند غاصبہ فردہ ثم جنی عند سیدہ اخری ضمن السید قیمتہ لھما نصفین** مدبر نے جنایت کی اپنے غاصب کے پاس سو غاصب نے اس کو پھیر دیا مالک کو پھر مدبر نے اپنے مالک کے پاس دوسری جنایت کی تو مالک اس کی قیمت کا تاوان دے دونوں مقتولوں کے وارثوں کو نصفا نصف یعنے نصف قیمت مقتول اول کے وارث کو دے اور باقی نصف دوسرے کے وارث کو **ورجع المولی بنصف قیمتہ علی الغاصب ودفعہ** ای دفع المولی نصف قیمتہ **الی ولی الجنایۃ الاول** لان حقہ لم یجب الا والمزاحم قائم اور مالک مدبر کی نصف بھر لے غاصب سے اور موے وہی نصف قیمت جنایت اول کے وارث کو دے اس لئے کہ اس کا حق واجب نہ ہوا تھا مگر اس حال میں کہ مزاحم موجود تھا م طحطاوی نے کہا حلبی نے زیلعی سے امام اور ابو یوسف کی دلیل یوں نقل کی ہے کہ مقتول اول کا حق تمام قیمت میں تھا اس واسطے کہ جب وہ مقتول ہوا تھا تو کوئی مزاحم اور منازع اس کا نہ تھا اور کمی جو ہوئی تو مقتول ثانی کی مزاحمت کے سبب سے ہوئی پھر جب کہ غلام کا بدلا مالک کے ہاتھ میں آیا فارغ از حق غیر تو وارث اول اس کو لے گا تاکہ اس کا حق پورا ہو جاوے انتہے تو اس بیان سے معلوم ہوا کہ شارح کی عبارت میں خلل ہے شارح کو یوں کہنا مناسب تھا لان حقہ وجب حین لا مزاحم یعنے مقتول اول کے وارث کا حق اس وقت واجب ہوا تھا جب کہ اس کا کوئی مزاحم نہ تھا **ثم رجع المولی بہ علی الغاصب** لانہ اخذ منہ لسبب کان عند الغاصب پھر دوسری بار مالک نصف قیمت غاصب سے بھر لے اس واسطے کہ مولی سے جو لیا گیا اس سبب سے لیا گیا جو غاصب کے پاس ہوا **وبعکسہ بان جنی عند مولاہ ثم عند غاصبہ لا یرجع المولی علی الغاصب بہ ثانیا** لان الجنایۃ الاولی کانت فی ید مالکہ اور مسئلہ سابقہ کے بالعکس یعنے مدبر نے جنایت کی اپنے مالک کے پاس پھر جنایت کی اپنے غاصب کے پاس تو مالک غاصب سے دوسری بار نصف قیمت نہ بھر لے گا اس واسطے کہ پہلی جنایت اس کے مالک کے پاس واقع ہوئی ہے نہ غاصب کے پاس **والقن فی الفصلین کالمدبر غیر ان المولی یدفع العبد نفسہ** ھنا وثمہ ای فی المدبر القیمۃ کما مر اور غلام خالص دونوں صورت میں یعنے خواہ غاصب کے پاس جنایت واقع ہو خواہ مالک کے پاس مدبر کے مانند ہے سوائے اس بات کے کہ مالک یہاں خود غلام کو دے گا اور وہاں یعنی جنایت مدبر میں قیمت دے گا چنانچہ مذکور ہو چکا **مدبر جنی عند غاصبہ فردہ فغصبہ ثانیا فجنی عندہ کان علی سیدہ قیمتہ لھما ورجع بقیمتہ علی الغاصب** لکونھما عندہ **ودفع المولی نصفھا** ای القیمۃ الماخوذۃ ثانیا **الی ولی الجنایۃ الاول ورجع المولی بذلک النصف علی الغاصب** مدبر نے جنایت کی اپنے غاصب کے پاس پھر اس نے مالک کو پھیر دیا پھر غاصب نے دوبارہ غصب کیا سو اس نے غاصب کے پاس پھر جنایت کی تو اس کے مالک پر قیمت مدبر کی دونوں مقتولوں کے واسطے واجب ہوگی اور مالک قیمت بھر لے غاصب سے اس لئے کہ دونوں جنایتیں غاصب کے پاس واقع ہوئیں اور موے لے نصف قیمت ماخوذہ جنایت اول کے وارث کو دوسری بار دے اور وہی نصف قیمت جو وارث اول کو دے غاصب سے بھر لے **وام الولد فی کلھا کمدبر** اور ام ولد ان سب صورتوں میں مدبر کے مانند ہے **غصب رجل صبیا حرا لا یعبر عن نفسہ** والمراد بغصبہ الذھاب بہ بلا اذن ولیہ **فمات فی یدہ فجاۃ او بحمی لم یضمن** ایک مرد نے وہ صغیر آزاد جو اپنا حال بیان نہیں کر سکتا غصب کیا پھر وہ آزاد غاصب کے ہاتھ میں مرگیا ناگہاں یا تپ کے سبب سے تو مرد پر تاوان نہیں غصب سے مراد صغیر کا لے جانا ہے بدوں اجازت اس کے ولی کے م یعنے غصب کے معنی مجازی یہاں مراد ہیں اس لئے کہ آزاد میں غصب ثابت نہیں ہوتا ضمان اس واسطے ثابت نہ ہوا کہ موت ناگہانی اور تپ آنا ہر مقام میں ممکن ہے مختلف باختلاف اماکن نہیں ہے **وان مات بصاعقۃ او نھش حیۃ فدیتہ علی عاقلۃ الغاصب** استحسانا للتسبب بنقلہ لمکان الصواعق والحیات حتے لو نقلہ لموضع یغلب فیہ الحمی والامراض ضمن فتجب فیہ الدیۃ علی العاقلۃ لکونہ قتلا تسببا ہدایہ وغیرہا اگر صغیر مذکور مرگیا بجلی کے گرنے سے یا سانپ

سکے کاٹنے سے تو اس کی دیت غاصب کی عاقلہ پر ہے بدلیل استحسان کے اس واسطے کہ غاصب سبب پڑا ہے بجلیوں یا سانپوں کے مکان کی طرف نقل کرنے کا تو اگر غاصب صغیر کو اس مکان میں لے گیا جہاں اکثر تپ اور امراض لاحق رہتے ہیں تو ضمان لازم ہوگا تو اس میں بھی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی قتل تسبب کا موجب ہونے سے کذا فی الہدایۃ وغیرہا قلت وبقی لو نقل الحر الکبیر لہذہ الاماکن تعدیا ان مقیدا ولم یمکنہ التحرز عنہ ضمن وان لم یمنعہ من حفظ نفسہ لالانہ بتقصیرہ فحکم صغیر ککبیر مقید عنایۃ میں کہتا ہوں باقی رہ گئی ایک صورت کہ اگر آزاد بالغ کو کوئی شخص ان مکانات کی طرف لے گیا زبردستی اگر مقید کرکے اس طرح لے گیا کہ اس کو بچنا اس سے ممکن نہیں تو ناقل پر ضمان لازم ہوگا اور اگر بالغ اس کو مانع نہ ہوا اپنی ذات کی حفاظت سے تو ضمان لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ بالغ کی تقصیر کے سبب سے ہوا تو صغیر کا حکم کبیر کے مانند مقید بقید مذکور ہے کذا فی العنایۃ **ولو غصب صبیا فغاب عن یدہ حبس الغاصب حتی یجیٔ بہ او یعلم موتہ** خانیۃ کما لو خدع امرأۃ رجل حتی وقعت الفرقۃ بینہما فانہ یحبس حتی یردہا او تموت خلاصۃ اور اگر صغیر کو غصب کیا پھر وہ غائب ہوگیا اس کے پاس سے تو غاصب محبوس رہے گا یہاں تک کہ اس کو لے آوے یا اس کی موت معلوم ہو جاوے کذا فی الخانیۃ چنانچہ اگر ایک مرد کی عورت کو فریب سے لے گیا یہاں تک کہ زوجین میں جدائی پڑ گئی اس طرح کہ زوج کو معلوم نہیں کہ زوجہ کہاں ہے تو وہ شخص محبوس رہے گا یہاں تک کہ اس کو پھر لا دے یا عورت مر جاوے یعنے اس کی موت معلوم ہو جاوے کذا فی الخلاصۃ **امر ختانا لیختن صبیا ففعل الختان ذلک فقطع حشفتہ ومات الصبی من ذلک فعلی عاقلۃ الختان نصف دیتہ وان لم یمت فعلی عاقلتہ کلہا** وقد تقدمت فی باب ضمان الاجیر وفی معایات الوہبانیۃ سہ ومن ذا الذی ان مات مجنیہ فما ہو علیہ اذا ما مات بالموت یشطر ختنہ کرنے والے کو حکم کیا تا صغیر کا ختنہ کرے سو اس نے ختنہ کیا تو اس کی سپاری کاٹ ڈالی اور لڑکا مرگیا اس سبب سے تو ختنہ کرنے والے کی عاقلہ پر نصف دیت ہے اور اگر وہ نہ مرا تو اس کی عاقلہ پر پوری دیت ہے اور یہ مسئلہ ضمان اجیر کے باب میں سابق مذکور ہو چکا اور وہبانیہ کی جیستان میں یہ مسئلہ یوں مذکور ہے کہ وہ کون جانی مجرم ۱۲ ہے اگر اس کا مجنی جس کا قصور کیا ۱۲ مرے تو اس پر وہ واجب ہے جب کہ نہ مرے نصف اس کا واجب ہو موت سے یعنے اگر نہ مرے تو پوری دیت واجب ہو اور مرے تو نصف واجب ہو وہ کون جنایت کرنے والا ہے جواب یہ ہے کہ وہ ختنہ کرنے والا ہے **کمن حمل صبیا علی دابۃ وقال امسکہا لی فسقط الصبی ولم یکن منہ تسییر فمات کان علی عاقلۃ من حملہ** ای دیۃ الصبی **کان الصبی ممن رکب مثلہ** او لا یرکب وتمامہ فی الخانیۃ مانند اس شخص کے جس نے صغیر کو جانور پر چڑھایا اور کہا جانور کو تھامے رکھ میرے واسطے سو صغیر گر پڑا اور اس نے جانور کو ہانکا نہ تھا پھر وہ مرگیا تو چڑھانے والے کی عاقلہ پر صغیر کی دیت واجب ہے خواہ اتنی عمر کا لڑکا سوار ہوتا ہو یا سوار نہ ہوتا ہو اور اس کا پورا بیان خانیہ میں ہے **کصبی اودع عبدا فقتلہ** ای قتل الصبی العبد المودع **ضمن عاقلۃ** الصبی **قیمتہ** مانند اس صغیر کے جس کے پاس غلام ودیعت رکھا گیا سو اس نے اس کو قتل کیا یعنے صغیر نے غلام مودع کو قتل کیا تو صبی کا عاقلہ غلام کی قیمت کا ضمان دے گا **فان اودع طعاما** بلا اذن ولیہ ولیس ماذونا لہ فی التجارۃ فاکلہ لم یضمن لانہ سلطہ علیہ وقال ابو یوسف والشافعی یضمن پھر اگر صغیر کے پاس کھانا ودیعت رکھا گیا بدوں اس کے ولی کے اذن کے اور صغیر ماذون فی التجارۃ بھی نہیں ہے سو صغیر نے کھانا کھا لیا تو اس پر ضمان نہیں اس واسطے کہ صاحب طعام نے صغیر کو طعام پر مسلط کر دیا اور ابو یوسف اور شافعی نے کہا کہ ضمان دے گا وکذا لو اودع عبد محجور مالا فاستہلکہ ضمنہ بعد عتقہ وعند ابی یوسف والشافعی فی الحال اور اسی طرح اگر غلام محجور کے پاس مال ودیعت رکھا گیا سو اس نے اس کو تلف کیا تو اس کا تاوان دے گا

لہ مترجم اول نے مقید کو خبر حکم کی کرکے یہ ترجمہ کیا حالانکہ صغیر کے غصب میں کچھ قید کی قید نہیں بلکہ لفظ مقید کو صفت کبیر کی کرکے ترجمہ چاہیے تھا یعنی صغیر کا حکم مثل کبیر مقید کے ہے ۱۲

آزاد ہونے کے بعد اور ابو یوسف اور شافعی کے نزدیک فی الحال تاوان دے گا وکذا الخلاف لو اجیرا او اقرضا اور اسی طرح اختلاف ہے اگر صغیر اور غلام محجور کو عاریت دی گئی یا قرض دیا گیا م یعنے صغیر اور غلام نے کوئی چیز عاریت لی یا بطور قرض کے پھر تلف کی تو صغیر غیر ماذون پر ضمان نہیں بالغ ہونے کے بعد بھی اور غلام پر آزاد ہونے کے بعد ضمان ہے اور شافعی اور ابو یوسف کے نزدیک فی الحال ضمان ہے کذا فی الطحطاوی ولو کان باذن او ماذونا ضمن بالاجماع اور اگر عاریت یا قرض اذن سے ہو یا وہ ماذون فی التجارۃ ہو تو بالاتفاق ضمان لازم ہوگا کما لو استھلک الصبی مال الغیر بلا ودیعۃ ضمنہ فی الحال چنانچہ اگر صغیر نے غیر کا مال بدون ودیعت کے تلف کیا تو اس کا ضمان بالاتفاق لازم ہوگا قلت وہذا کلہ لو الصبی عاقلا والا فلا یضمن بالاجماع وتمامہ فی العنایۃ والشرنبلالیۃ عن الشلبی ومسکین علی خلاف ما فی الملتقی والہدایۃ والزیلعی فلیحفظ میں کہتا ہوں اور یہ تمام مذکور اس صورت میں ہے جب کہ صغیر عاقل اور فہمیدہ ہے اور اگر عاقل نہ ہو تو اس پر ضمان لازم نہیں ہے بالاتفاق اور اس کی پوری تفصیل عنایہ اور شرنبلالیہ میں ہے شلبی اور مسکین سے منقول برخلاف ملتقی اور ہدایہ اور زیلعی کے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م تو معلوم ہوا کہ وجوب ضمان کے واسطے اشتراط عقل صغیر اور عدم اشتراط میں اہل مذہب کے دو طریقے ہیں

باب القسامۃ

یہ باب ہے قسامہ کے مسائل میں م قسامہ بالفتح میں اختلاف ہے اہل لغت کا بعضوں نے کہا مصدر ہے مانند قسم کے اور بعضوں نے کہا اسم ہے مصدر کا کذا فی الطحطاوی ہی لغۃ بمعنے القسم وہو الیمین مطلقا قسامہ لغت عرب میں بمعنی قسم کے ہے اور وہ یمین اور حلف ہے مطلقا یعنے خواہ ایک آدمی قسم کھائے یا زیادہ وشرعا الیمین باللہ تعالی بسبب مخصوص وعدد مخصوص علی شخص مخصوص علی وجہ مخصوص سیاتی بیانہ اور قسامہ اصطلاح شرع میں قسم ہے اللہ تعالی کے نام کے سبب مخصوص اور عدد مخصوص کی جہت سے مخصوص شخص پر بنا بر وجہ مخصوص کے اور بیان اس کا عنقریب آتا ہے م قسامہ عبارت ان قسموں سے ہے جو پچاس آدمیوں سے لی جاویں اور قسامہ کا سبب اس مقتول کا پایا جانا ہے محلہ یا دار یا متصل قریہ کے جس کا قاتل معلوم نہیں ہے اور شرط قسامہ یہ ہے کہ مرد عاقل بالغ آزاد ہو تو عورت اور مجنون اور صغیر اور غلام پر قسامہ نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ میت پر قتل کا اثر موجود ہو اور رکن اس کا یہ ہے کہ یوں کہے کہ واللہ میں نے اس کو نہیں قتل کیا اور نہ میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں اور حکم قسامہ کا یہ ہے کہ دیت واجب ہوتی ہے تین برس کے اندر اور شروع ہونا قسامہ کا ثابت ہے احادیث صحیحہ اور اجماع سے کذا فی الطحطاوی مختصرا عینی نے شرح ہدایہ میں کہا کہ قسامہ کی خوبی اور اس کی مشروعیت میں حکمت یہ ہے کہ خونریزی کو لوگ خفیف امر نہ سمجھیں اور مفت ضائع ہونے سے خون کے بچیں اور جس پر قتل کی تہمت لگی ہے وہ قصاص سے خلاصی پاوے میت حر ولو ذمیا او مجنونا شرنبلالیۃ بہ جرح او اثر ضرب او خنق او خروج دم من اذنہ او عینہ وجد فی محلۃ او وجد بدنہ او اکثرہ من ای جانب کان او نصفہ مع راسہ آزاد مردہ جس میں زخم ہے یا مارنے یا گلا دبانے کا نشان ہے یا خون کا بہنا ہے اس کے کان یا آنکھ سے وہ ایک محلہ میں پایا گیا یا اس کا بدن یا اکثر بدن کسی طرف سے یعنے سر کی طرف سے یا پاؤں کی جانب سے پایا گیا یا نصف جسم سر کے ساتھ ملا گ میت مذکور ذمی یا مجنون ہو کذا فی الشرنبلالیۃ م اگر غلام خاص غیر ملک مولی میں مقتول پایا جاوے تو اس میں قسامہ ثابت ہے اور قیمت اس کی واجب ہے تین سال میں چنانچہ شرنبلالیہ میں ہے تو اگر شارح آزاد کی قید میت میں نہ لگاتا تو بہتر تھا کذا فی الطحطاوی والنفس وان ورد فی البدن لکن للاکثر حکم الکل حتی لو وجد اقل من نصفہ ولو مع راسہ لا لئلا یؤدی لتکرار القسامۃ فی قتیل واحد وہو غیر مشروع اور نفس اگرچہ بدن میں وارد ہے لیکن اکثر بدن بمنزلہ تمام بدن کے ہے تو اگر نصف بدن سے کمتر پایا جاوے اگرچہ نصف اقل کے ساتھ سر بھی ہو تو قسامہ ثابت نہ ہوگا تا کہ دو بار قسامہ لازم نہ ہو ایک مقتول میں اور تکرار قسامہ شرع میں ثابت نہیں یعنے اگر کمتر نصف بدن میں قسامہ ہوتا تو ایک شخص میں

دو بار قسم کھانے کی نوبت پہونچتی ایک بار اکثر بدن کے ملنے سے اور دوسری بار اقل بدن کے ملنے سے اور یہ شرع میں درست نہیں ولم یعلم قاتلہ اذ لو علم کان ہو الخصم وسیقط القسامۃ اور میت مذکور کا قاتل معلوم نہ ہو کیونکہ اگر قاتل معلوم ہوگا تو وہ صاحب خصومت ہوگا اور قسامہ ساقط ہو جاوے گا وادعی ولیہ القتل علی اہلہا اے المحلۃ کلہم او ادعی علی بعضہم حلف خمسون رجلا منہم اور اس میت کا وارث قتل کا دعوی کرے تمام محلے والوں پر یا دعوی کرے بعضوں پر تو ان شرطوں سے ان میں سے پچاس مرد قسم کھاویں یختارہم الولی باللہ ماقتلناہ ولا علمنا لہ قاتلا بان یحلف کل منہم باللہ ماقتلت ولا علمت لہ قاتلا قسم کے واسطے اہل محلہ میں سے پچاس مرد کو وارث مقتول کا اختیار کرے کہ قسم خدا کی ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اس طرح کہ ہر مرد ان میں سے قسم کھاوے کہ واللہ میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں لم ہر شخص بصیغہ واحد قسم کھاوے نہ بصیغہ جمع اس احتمال سے کہ فقط ایک ہی شخص نے اس کو قتل کیا ہو تو صیغہ جمع میں وہ سچا ٹھہرے گا یعنے سب لوگوں نے اس کو نہیں مارا بلکہ ایک نے مارا اور اگر سب نے مارا ہوگا تو بھی صیغہ واحد سے ہر شخص قاتل ٹھہرے گا لا یحلف الولی وقال الشافعی ان کان ثمہ لوث استحلف الاولیاء خمسین یمینا ان اہل المحلۃ قتلوہ ثم یقضی بالدیۃ علی المدعی علیہ وقضی مالک بالقود لو الدعوی بالعمد نہ قسم کھائے وارث اور امام شافعی نے کہا کہ اگر وہاں لوث ہو یعنے لگاؤ اور اشتباہ ہو تو وارثوں سے پچاس بار قسم لی جائے کہ اہل محلہ نے اس کو قتل کیا ہے پھر دیت کا حکم کیا جاوے مدعا علیہ پر اور امام مالک نے قصاص کا حکم کیا ہے اگر قتل عمد کا دعوی ہو م لوث یہ کہ قتل کی علامت ایک شخص پر پائی جاوے یا ظاہر حال مدعی کی صداقت کا شاہد ہو یعنے اہل محلہ مقتول سے ظاہری عداوت رکھتے ہوں یا ایک شاہد عادل یا چند شخصوں غیر عدول گواہی دیتے ہوں کہ محلے والوں نے اس کو قتل کیا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو لکھا کہ یہ مقتول تمہارے اندر پایا گیا سو تمہاری بچاؤ کی کیا صورت ہے سو یہودیوں نے لکھا کہ ایسا حادثہ بنی اسرائیل میں واقع ہوا تھا سو خدا نے موسی علیہ السلام پر کچھ حکم اتارا تھا اگر تم نبی ہو تو خدا سے اس حکم کو دریافت کرو تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ خدا نے مجھ کو بتایا کہ تم میں سے پچاس مرد کو اختیار کروں سو وہ خدا کی قسم کھاویں کہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہم اس کے قتل کو جانتے ہیں پھر تم اس کا خونبہا ادا کرو تو یہودیوں نے لکھا کہ[1] تم نے ہم لوگوں میں ناموس یعنی دگاربانی کا حکم کیا کذا فی الدرر عن الزیلعی عینی نے شرح ہدایہ میں کہا کہ ہماری دلیل یہ حدیث ہے ترمذی کی کہ البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن نصف حدیث صحاح ستہ میں متفرق موجود ہے صحیح مسلم میں تو یوں ہے ولکن[2] الیمین علی المدعی علیہ اور باقی صحاح میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی علیہ پر قسم کا حکم کیا تو معلوم ہوا کہ وظیفہ مدعی علیہ کا قسم ہے اور مدعی کا وظیفہ قسم نہیں ہے اس تقریر سے ترمذی کی حدیث قوی ہو گئی انتہے ثم قضی علی اہلہا بالدیۃ لا مطلقا بل ان وقعت الدعوی بقتل عمد وان وقعت الدعوی بخطاء فتدی ای فیقضی بالدیۃ علی عواقلہم کما فی شرح المجمع معزیا للذخیرۃ والخانیۃ ونقل ابن الکمال عن المبسوط ان فی ظاہر الروایۃ القسامۃ علی اہل المحلۃ والدیۃ علی عواقلہم ای فی ثلث سنین وکذا قیمۃ القن توخذ فی ثلث سنین شرنبلالیۃ پھر اہل محلہ کی قسم کے بعد ان پر دیت کا حکم کیا جاوے لیکن نہ ہر طرح کے دعوے میں بلکہ اگر قتل عمد کا دعوے واقع ہوا ہو تو ان پر دیت کا حکم ہوگا اور اگر قتل خطا کا دعوی واقع ہوا ہو تو اہل محلہ کے عواقل یعنے مددگاروں پر دیت کا حکم ہوگا چنانچہ شرح مجمع میں ہے ذخیرہ اور خانیہ سے منقول اور ابن کمال نے مبسوط سے نقل کیا ہے کہ ظاہر الروایہ میں اہل محلہ پر قسامہ ہے اور ان کے مددگاروں پر دیت ہے یعنے تین سال کے اندر اور اسی طرح غلام مقتول

---

[1] گواہ مدعی پر ہیں اور قسم مدعی علیہ پر ۱۲

[2] مگر قسم مدعی علیہ پر ہے ۱۲

کی قیمت تین سال میں لی جاوے گی کذا فی الشرنبلالیۃ **وان لم یتم العدد کرر الحلف علیہم لیتم خمسین یمینا** اور اگر اہل محلہ میں پچاس مرد کا شمار پورا نہ ہوا تو مکرر قسم لی جاوے ان سے تاکہ پچاس قسمیں پوری ہو جاویں **وان تم العدد واراد الولی تکرارہ لا** اور اگر پچاس کا شمار پورا ہو گیا اور وارث نے تکرار قسم کا ارادہ کیا تو مقرر قسم نہ لی جاوے گی **ومن نکل منہم حبس حتی یحلف علی الوجہ المذکور** ہنا ہذا فی دعوی القتل العمد اما فی الخطاء فیقضی بالدیۃ علی عاقلتہم ولا یحبسون ابن کمال معزیا للخانیۃ اور جو شخص ان میں سے قسم نہ کھائے تو قید کیا جاوے یہاں تک کہ قسم کھائے اس طرح پر جو بیان مذکور ہو چکی یہ حکم ہے قتل عمد کے دعوی میں اور قتل خطا میں تو ان کے مددگاروں پر دیت کا حکم ہوگا اور وہ محبوس نہ ہوں گے چنانچہ ابن کمال نے خانیہ سے نقل کیا ہے **ولو اقر علی نفسہ او عبدہ قبل اقرارہ ولو علی غیرہ فصدقہ الولی سقط التحلیف عن اہل المحلۃ** اور اگر ایک شخص نے اپنی ذات یا اپنے غلام پر قتل کا اقرار کیا تو اس کا اقرار مقبول ہوگا اور اگر غیر شخص پر قتل کا اقرار کیا سو مقتول کے وارث نے اس کی تصدیق کی تو اہل محلہ سے قسم لینا ساقط ہو گیا **ولا قسامۃ علی صبی ومجنون وامرأۃ وعبد** اور قسامہ نہیں صغیر اور دیوانے اور عورت اور غلام پر م اس واسطے کہ صغیر اور مجنون قسم کے لائق نہیں اور عورت اور غلام نصرت کے لائق نہیں اور قسم ہوتی ہے مددگاروں پر **ولا قسامۃ ولا دیۃ فی میت لا اثر بہ** لانہ لیس بقتیل لان القتیل عرفا ہو فائت الحیوۃ بسبب مباشرۃ الحی وانہ مات حتف انفہ والغرامۃ تتبع فعل العبد اور نہ قسامہ ہے نہ دیت اس میت میں جس میں قتل اور ضرب کا کچھ نشان نہیں اس لئے کہ وہ مقتول نہیں ہے کیونکہ مقتول عرف میں وہ ہے جس کی زندگی فوت ہو گئی ہو زندہ کے کرتب سے اور وہ میت تو اپنی موت مر گیا ہے اور تاوان تابع ہوتا ہے عبد مکلف کے فعل سے **او یسیل دم من فمہ او انفہ او دبرہ او ذکرہ** لان الدم یخرج منہا عادۃ بلا فعل احد بخلاف الاذن والعین یا خون بہتا ہو میت کے منہ یا ناک یا مقعد یا نائزہ سے تو قسامہ اور دیت نہیں اس واسطے کہ خون نکلتا ہے ان مکانات سے عادت میں بدون فعل انسان کے برخلاف کان اور آنکھ کے **او نصف منہ** ای ولا قسامۃ فی نصف میت **شق طولا او اقل منہ** ای من نصفہ **ولو معہ الراس** لما مر یا اس کے نصف میں یعنی قسامہ نہیں میت کے اس نصف بدن میں جو طول میں پھاڑ گیا یا نصف سے کمتر بدن میں قسامہ نہیں اگرچہ اقل بدن کے ساتھ سر بھی ہو بدلیل گذشتہ م یعنی مذکور ہو چکا کہ قسامہ نہیں مگر تمام بدن یا اکثر بدن میں **او علی رقبتہ** ای المیت **حیۃ ملتویۃ** لان الظاہر انہ مات بہا بزازیۃ یا میت کی گردن پر سانپ لپٹا ہوا ہے تو قسامہ اور دیت نہیں اس واسطے کہ ظاہر حال یہ ہے کہ وہ سانپ کے سبب سے مر گیا ہے کذا فی البزازیۃ **وما تم خلقہ کبیر** ای وجد سقط تام الخلقۃ بہ اثر الضرب وجبت القسامۃ والدیۃ وفی الظہیریۃ ما یخالفہ اور جس کی پیدائش پوری ہو چکی وہ بڑے آدمی کے برابر ہے یعنی تندرست بچہ پیٹ سے گرا پایا گیا جس میں ضرب کی نشانی موجود ہے تو قسامہ اور دیت واجب ہے اور ظہیریہ میں اس کے مخالف ہے یعنی اس میں قسامہ اور دیت نہیں **فان ادعی الولی علی واحد من غیرہم** کان ابراء منہ لاہل المحلۃ **وسقطت القسامۃ عنہم** پھر اگر وارث نے اہل محلہ کے سوا ایک شخص پر قتل کا دعوی کیا تو یہ اس کی طرف سے ابراء ہے محلے والوں کے واسطے اور قسامہ ان کے اوپر سے ساقط ہو گیا **وان ادعی الولی علی معین منہم لا تسقط** وقیل تسقط اور اگر وارث نے محلے والوں میں سے ایک شخص پر قتل کا دعوی کیا تو ان سے قسامہ ساقط نہیں ہوتا اور قول ضعیف میں ساقط ہو جاتا ہے م قول اول ظاہر الروایۃ ہے اور قول ثانی ابو یوسف سے مروی ہے کذا فی الطحاوی **قتیل علی دابۃ معہا سائق او قائد او راکب فدیتہ علی عاقلتہ** دون اہل المحلۃ لانہ فی یدہ فصار کانہ فی دارہ ایک مقتول ہے اس جانور پر جس کے ساتھ ایک ہانکنے والا یا کھینچنے والا یا سوار ہے تو اس کی دیت سائق یا قائد یا راکب کے مددگاروں پر ہے نہ اہل محلہ پر اس واسطے کہ وہ مقتول اس کے قبض اور تصرف میں ہے تو گویا اس کے گھر میں ہے **ولو اجتمع فیہا سائق وقائد وراکب فالدیۃ علیہم جمیعا وان لم تکن ملکا لہم** عملا بیدہم وقیل القسامۃ والدیۃ علی مالک الدابۃ کالدار وقیل لا یجب

السائق الا اذا کان یسوقہا مختفیا و بہ جزم فی الجوہرۃ اور اگر جانور میں سائق اور قائد اور راکب تینوں مجتمع ہوں تو دیت ان سب پر ہے اگرچہ جانور کا مملوک نہ ہو بنا بر ان کے قبض و تصرف کے اور بعضوں نے کہا کہ قسامہ اور دیت جانور کے مالک پر ہے جیسے گھر کے مالک پر قسامہ اور دیت واجب اور بعضوں نے کہا کہ ہانکنے والے پر واجب نہیں مگر جب کہ وہ جانور کو مخفی ہانکتا ہو اور اسی اخیر قول پر یقین کیا ہے جوہرہ میں وان لم یکن معہا احد یۃ والقسامۃ علی اہل المحلۃ التی وجد فیہا القتیل علی الدابۃ اور اگر جانور کے ساتھ کوئی نہ ہو تو دیت اور قسامہ ان محلے والوں پر ہے جن کے محلے میں مقتول ور پایا گیا **وان مرت دابۃ علیہا قتیل بین قریتین** او قبیلتین **فعلی اقربہما** لما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم امر فی قتیل وجد بین قریتین با ع فوجد الی احدہما اقرب بشبر فقضی علیہم بالقسامۃ ولو استویا فعلیہما وقید الدابۃ اتفاقی قہستانی اور اگر ایک جانور گذرا جس پر مقتول ہے دو ں میں یا دو قوم کے درمیان تو جو ان میں نزدیک تر ہوگا اس پر قسامہ اور دیت ہے اس واسطے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے ضرت نے اس مقتول میں جو دو گاؤں کے درمیان پایا گیا یہ حکم جائے کہ دونوں کی مسافت ناپی گیا تو وہ مقتول ایک گاؤں کی طرف بالشت ر نزدیک ٹھہرا تو انہیں لوگوں پر قسامہ کا حکم ہوا اور اگر دونوں گاؤں برابر ہوں بلا کم و کاست تو دونوں پر قسامہ ہوگا اور جانور کی قید اتفاقی ہے حا نہیں ہے کذا فی القہستانی ثم قرب کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ مباح زمین ہو اور اگر زمین مملوک ہے تو مکان کا اعتبار ہے چنانچہ بزازیہ ں یوں مصرح ہے کہ اگر مقتول پایا گیا ایک گاؤں کی زمین میں لیکن وہ متصل ہے دوسرے گاؤں کے گھروں سے تو اگر زمین ملک ہے تو مالک قسامہ ہے اور نہیں تو نزدیک تر پر ہے تو ملک کا اعتبار کیا نہ قرب کا تو قرب کا وہاں اعتبار ہے جہاں زمین کسی کی مملوک نہیں کذا فی الطحاوی ن المنح **بشرط سماع الصوت منہم** ہکذا عبارۃ الزیلعی وعبارۃ الدرر وغیرہا منہ وعبارۃ البرجندی نقلا عن الکافی یسمعون صوتہ لان حینئذ ۃ الغوث فینسبون الی التقصیر فی النصرۃ نزدیک تر اہل قریہ پر قسامہ اور دیت ہے بشرطیکہ ان کی آواز سن پڑتی ہو اسی طرح کی عبارت ہے عی کی اور درر وغیرہ کی عبارت یوں ہے بشرطیکہ مقتول کی آواز اہل قریہ کو سن پڑتی ہو اور برجندی کی عبارت کافی سے یوں منقول ہے کہ اہل قریہ س کی آواز سنتے ہوں اس واسطے کہ سماعت آواز کی وقت فریاد رسی لاحق ہو سکتی ہے تو اہل قریہ مددگاری میں منسوب بہ تقصیر ہوں گے طحاوی نے کہا کہ دونوں عبارتوں کا مآل ایک ہے جب اہل قریہ کی آواز مقتول کے پاس پہنچتی ہو گی تو غالباً مقتول کی آواز بھی گاؤں تک ہونچے گی والا بان کان فی موضع لا یسمع منہ الصوت لا تلزمہم نصرتہ فلا ینسبون الی التقصیر فلا یجعلون قاتلین تقدیرا اور نہیں تو نہیں یعنے اگر مقتول ایسے مکان میں ہو کہ اسکی آواز نہ سنی جاتی ہو تو اہل قریہ کو اس کی مددگاری لازم نہیں تو وہ منسوب بہ تقصیر نہ ہوں گے تو وہ تقدیراً قاتل بھی نہ ٹھہرائے جائیں گے ثم یعنے قسامہ اور دیت اہل قریہ پر اس وجہ سے ہے کہ جب مقتول کی انہوں نے مدد نہ کی تو وہی اس کے قاتل ٹھہرے لہذا ان پر دیت لازم ہوئی پھر جب وہ ایسے بعید مکان میں مقتول ہوا کہ اس کی آواز گاؤں تک نہیں پہونچ سکتی تھی تو وہ عدم نصرت میں معذور ہیں تو ان کی تقصیر ثابت نہ ہوئی تو خونبہا بھی ان پر لازم نہ آیا **ویراعی حال المکان الذی وجد فیہ القتیل فان کان مملوکا تجب القسامۃ علی الملاک والدیۃ علی عاقلتہم** وکذا لو موقوفا علی ارباب معلومین لان العبرۃ للملک والولایۃ کما افادہ المصنف مستندا للولوالجیۃ والبزازیۃ قلت و سیجئ التصریح بہ فی المتن تبعا للدرر وغیرہا وحینئذ فلا عبرۃ للقرب الا اذا وجد فی مکان مباح لا ملک فیہ لاحد ولا ید اور مراعات ہو گی اس مکان کے حال کی جس میں مقتول پایا گیا سو اگر وہ مکان مملوک ہو گا تو قسامہ واجب ہو گا اس کے مالکوں پر اور دیت واجب ہو گی ان کے مددگاروں اور اسی طرح اگر وہ مکان معین لوگوں پر وقف ہو گا تو مستحقوں پر قسامہ ہے اور دیت ان کے مددگاروں پر ہے اس لئے کہ ملک اور ولایت یعنے تصرف کا اعتبار ہے چنانچہ مصنف نے شرح میں ولوالجیہ اور بزازیہ سے نقل کیا ہے میں کہتا ہوں اور عنقریب اسکی تصریح آوے گی متن میں درر وغیرہ کی

پیروی سے تو اس وقت میں قرب مکان کا کچھ اعتبار نہیں مگر جب کہ مقتول اس مکان مباح میں پایا جائے جس میں نہ کسی کی ملک ہے نہ قبضہ اور تصرف م محیط سرخسی میں ہے کہ جب مقتول ملا بیابان میں تو اگر وہ کسی کا مملوک ہے تو قسامہ اور دیت مالک اور اس کی قوم پر ہے اور اگر کسی کی ملک نہیں تو اگر مقتول کی آواز سنی جاتی ہو کسی شہر سے تو ان پر قسامہ ہے اور اگر آواز نہ سن پڑتی ہو تو اگر اس جنگل سے اہل اسلام کو فائدہ ہوتا ہو لکڑی اور گھانس سے تو دیت اس کی بیت المال سے دی جائے اور اگر اہل اسلام کو وہاں سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا تو اس کا خون رائگاں ہے اور اسی طرح کا حکم ہے اگر بیابان میں مقتول پایا جاوے اور اس کی قرب میں آبادی نہ ہو کذا فی الطحطاوی عن العالمگیریۃ **والا فعلی ذی الملک والید** اور اگر مکان مملوک یا وقف ہے تو قسامہ صاحب ملک اور صاحب تصرف پر ہے والمراد بالولایۃ والید الخصوص ولو لجماعۃ یحصون فلو لعامۃ المسلمین فلا قسامۃ ولا دیۃ علی احد بدائع اور ولایت اور قبضہ سے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں ولایت اور قبضہ خاص مراد ہے اگرچہ قبضہ جماعت معین کا ہو تو اگر تمام مسلمین کا تصرف ہوگا تو اس مکان کے مقتول کا نہ کسی پر قسامہ ہے نہ دیت کذا فی البدائع لکن سیجیئ وجوبھا فی بیت المال فتامل لیکن وجوب دیت کا بیت المال میں عنقریب آوے گا سو تامل کرو طحطاوی نے کہا کہ اگر بدائع کی نفی کو اہل قریہ پر محمول کیجیے تو وجوب بیت المال سے کچھ منافات نہیں والمراد بالید ایضا الید المحقۃ واما الاراضی التی لھا مالک اخذھا وال ظلما فینبغی ان یکون القتیل فیھا ھدرا لانہ لیس علی الغاصب دیۃ قہستانی عن الکرمانی فلیحرر اور یہ بھی ہے کہ قبضہ اور تصرف سے حقدار کا تصرف مراد ہے اور جن زمینوں کے مالک ہیں پر حاکم نے زبردستی ان کو چھین لیا ہے تو لائق بقواعد فقہ کے یہ ہے کہ اس کے اندر مقتول کا خون رائگاں ہو اس واسطے کہ غاصب پر دیت نہیں ہے کذا فی القہستانی عن الکرمانی تو اس کی تحریر اور تنقیح کرنا چاہیے مذہب کی روایت سے **وان مباحا لکنہ فی ایدی المسلمین تجب الدیۃ فی بیت المال** لما ذکرنا انہ اذا کان بحال یسمع منہ الصوت یجب علیہ الغوث کذا فی الولوالجیۃ اور اگر مکان مباح ہو لیکن مسلمان کے قبضے میں ہو تو دیت واجب ہے بیت المال میں اس وجہ سے جو ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب وہ اس طرح پر ہو کہ وہاں سے آواز سنی جاتی ہو تو فریاد رسی واجب ہوگی کذا فی الولوالجیۃ م محیط سرخسی سے نقل ہو چکی ہے کہ وجوب دیت کا محل بیت المال وہ ہے جہاں سے آواز مسموع نہ ہوتی ہو تو شارح کی یہ تعلیل بلا وجہ ہے کذا فی الطحطاوی وفیھا **ولو وجد قتیل فی ارض رجل الی جانب قریۃ لیس صاحب الارض منھا** ای من اہل القریۃ **فھی علیہ** ای علی رب الارض **لا علی اہلھا** ای القریۃ لان العبرۃ للملک والولایۃ انتھی قلت فھذا صریح فی ان القرب انما یعتبر اذا وجد فی ارض مباحۃ لا مملوکۃ ولا موقوفۃ لان تدبیرہ لاربابہ وسیجیئ متنا فتنبہ اور ولوالجیہ میں ہے کہ اگر مقتول پایا جاوے ایک مرد کی اس زمین میں جو ایک گاؤں کی طرف متصل ہے اور مالک زمین اس گانوں کا رہنے والا نہیں ہے تو دیت اس کی مالک زمین پر ہے نہ اہل قریہ پر اس واسطے کہ اعتبار ملک اور تصرف کا ہے انتھی مافی الولوالجیۃ میں کہتا ہوں تو یہ روایت صریح ہے اس میں کہ قرب مکان اسی صورت میں معتبر ہے جب کہ مقتول پایا جاوے زمین مباح میں نہ مملوک اور موقوف میں اس واسطے کہ تدبیر مملوک یا موقوف کی اس کے لوگوں پر ہے اور عنقریب یہ مسئلہ متن میں آوے گا تو آگاہ رہنا **وان وجد فی دار انسان فعلیہ القسامۃ** ولو عاقلتہ حضورا دخلوا فی القسامۃ ایضا خلافا لابی یوسف رح ملتقی اور اگر مقتول پایا گیا کسی آدمی کے گھر میں تو اس پر قسامہ ہے اور اگر اس کے مددگار موجود ہیں تو وہ بھی قسامہ میں داخل ہوں گے برخلاف ابو یوسف کے کذا فی الملتقی **والدیۃ علی عاقلتہ** ان ثبت انھا لہ بالحجۃ کما سیجیئ وکان لہ عاقلۃ والا فعلیہ اور دیت اس آدمی کے مددگاروں پر ہے اگر ثابت ہو حجت سے کہ وہ لوگ اس کے مددگار ہیں اور وہ شخص مددگار رکھتا ہو اور اگر اس کے مددگار نہیں ہیں تو اسی آدمی پر دیت واجب ہے م حجت سے مراد گواہ ہیں یا مددگاروں کا اقرار **وھی ای الدیۃ والقسامۃ علی اہل الخطۃ** الذین خط لھم الامام اول الفتح ولو بقی منھم واحد اور وہ یعنی دیت اور قسامہ

ل خطہ پر ہے اہل خطہ وہ ہیں جن کو امامؒ نے خط لکھ دیا ملکیت کا ابتداء فتح اسلام میں اگرچہ ان میں سے ایک ہی شخص باقی رہا ہو م خط بالکسر عبارت ہے مکان محیط سے اہل خطہ سے مراد املاک قدیمہ کے لوگ ہیں جو مالک ہوئے زمین کے جب کہ امامؒ نے شہر فتح کیا اور اس کو غازیوں میں بانٹ دیا ور ہر ایک کو خط لکھ دیا تاکہ ان کے حصے جدا جدا ۲ ہو جاویں کذافی العینی **دون السکان والمشترین وقال ابویوسف کلہم مشترکون** نہ وہاں کے رہنے والے اور خریداروں پر اور ابویوسف نے کہا کہ اصل مالک اور ساکن اور خریدار دیت اور قسامہ میں شریک ہیں **فان باع کلہم فعلی** مشترین بالاجماع م اگر وہاں کے سب مالکوں نے مکانات بیچ ڈالے تو دیت اور قسامہ خریداروں پر واجب ہے باتفاق طرفین اور ابویوسف کے ان **وجد فی دار بین قوم لبعض اکثر فہی علی عدد الرؤس کالشفعۃ** اور اگر مقتول پایا گیا اس گھر میں جو مشترک ہے درمیان ایک قوم کے بعضوں کا حصہ زیادہ ہے تو قسامہ اور دیت آدمیوں کے شمار پر ہے شفعہ کے مانند م مثلا ایک شخص کا حصہ آدھا ہے اور دوسرے کا دسواں ور تیسرے کا باقی تو قسامہ اور دیت ان کے عاقلہ پہ تینوں تہاؤ برابر ہے اس واسطے کہ قلیل اور کثیر کا مالک حفظ اور تدبیر میں برابر ہے کذافی الطحاوی ان **بیعت ولم تقبض حتے وجد فیہا قتیل فعلی عاقلۃ البائع** اور اگر گھر بیع ہو گیا اور ہنوز مشتری کے قبضے میں نہیں آیا کہ اس میں مقتول یا گیا تو قسامہ اور دیت بائع کے عاقلہ پر ہے **وفی البیع بخیار علی عاقلۃ ذی الید خلافا لہما** اور بیع بشرط خیار میں صاحب قبض کی عاقلہ پر دیت اور قسامہ ہے برخلاف صاحبین کے م خواہ خیار بائع کا ہو خواہ مشتری کا خواہ دونوں کا **ولا تعقل عاقلۃ حتی یشہد الشہود انہا ای الدار التی فیہا قتیل لذی الید ولو ہو القتیل کما سیجئی** اور عاقلہ یعنی مددگاروں پر دیت دینا لازم نہ ہوگا جب تک شاہد گواہی نہ دیں اس کی کہ جس گھر میں مقتول ہے وہ قابض اور متصرف شخص کا ہے اگرچہ قابض ہی مقتول ہو چنانچہ آگے مذکور ہوگا یعنی اگر ذی الید خود مقتول ہو تو بھی اس کی عاقلہ پہ دیت لازم نہ ہوگی جب تک گواہوں سے ذی الید کی ملک ثابت نہ ہوگی ولا یکفی مجرد الید حتے لو کان ہو لم تدعاقلتہ ولا نفسہ درر اور عاقلہ پہ وجوب دیت کے واسطے فقط قبض اور تصرف بدون شہادت کے کفایت نہ کرے گا تو اگر ثبوت ملک کا فقط قبض ہی سے ہوگا تو قابض کا عاقلہ کسی مقتول فی الدار کی دیت نہ دے گا اور نہ قابض مقتول کی دیت دے گا کذافی الدرر معللا بانہ لا یمکن الایجاب علی الورثۃ للورثۃ یعنی صاحب درر نے عدم وجوب دیت کو ذکر کیا ہے یہ علت بیان کر کے کہ کچھ دیت کا واجب کرنا وارثوں پہ وارثوں کے واسطے ممکن نہیں م مقتول کا گھر ظہور قتل کی حالت میں وارثوں کا ملک ہو گیا اور وارثوں کے مددگار اس کے متحمل ہوتے ہیں جو وارثوں پہ واجب ہوتا ہے تاکہ وارثوں پہ تخفیف ہو تو اگر مددگاروں پر دیت واجب ہو اور وارثوں کو ملی تو گویا وارثوں کا ضرر ہوا وارثوں کے نفع کے واسطے اور یہ ممکن نہیں صاحب درر نے یہ تعلیل صاحبین کے مذہب کی بیان کی ہے اور امام کا یہ مذہب ہے کہ وارثوں کے عاقلہ پہ دیت واجب ہے چنانچہ شارح امام کی طرف سے اس تعلیل کا جواب دے گا اور یہ مسئلہ متن اور شرح میں آئندہ بھی مذکور ہوگا م الورثۃ یخلفون فیکون الایجاب علی الورثۃ للمیت لا للورثۃ کذا قیل م معلوم کرنا چاہیے کہ وارث مقتول کے خلیفہ ہوتے ہیں تو ایجاب دیت کا وارثوں پہ ہوتا ہے میت کے نفع کے واسطے نہ وارثوں کے نفع کے واسطے چنانچہ بعضوں نے یہ بیان کیا ہے تعلیل مذکور کے جواب میں قلت وقد یقال لما کان ہو لایدی لنفسہ فغیرہ بالاولی لقوۃ الشبہۃ فتامل میں کہتا ہوں جب کہ صاحب خانہ اپنی ذات کی دیت نہیں دیتا ہے تو صاحب خانہ کے سوائے اور شخص پر بطریق اولی دیت واجب نہ ہوگی عدم وجوب کے شبہ قوی ہونے سے سو اس کو تامل کر **وان وجد فی الفلک فالقسامۃ والدیۃ** درر **علی من فیہا من الرکاب والملاحین اتفاقا لانہ فی ایدیہم کالدابۃ** اور اگر مقتول پایا گیا ناؤ میں تو قسامہ اور دیت (کذافی الدرر) ان لوگوں پر ہے جو ناؤ کے اندر سوار ہیں اور ملاحوں پر بالاتفاق اس واسطے کہ کشتی ان کے قبضے میں جانور کے مانند ہے م وجوب دیت میں مالک اور غیر مالک اور ناؤ کے

کھینچنے والے سب برابر ہیں وکذا العجلۃ حکمہا کفلک اور اسی طرح گاڑی کا حکم کشتی کے مانند ہے یعنے اس کے مقتول کی دیت اور قسامہ گاڑی کے سواروں پر ہے وفی مسجد محلۃ وشارعہا الخاص باہلہا کما افادہ ابن الکمال مستندا للبدائع وقد حققہ ملا خسرو واقرہ المصنف علی اہلہا اور اگر مقتول پایا گیا محلہ کی مسجد میں اور محلہ کے کوچے میں تو اہل محلہ پر قسامہ اور دیت ہے کوچہ محلہ سے مراد وہ کوچہ خاص ہے جس میں فقط اہل محلہ آتے جاتے ہوں چنانچہ ابن کمال نے بدائع سے اس کی سند بیان کی ہے اور ملا خسرو نے اس کی تحقیق درر میں مذکور کی ہے اور مصنف نے اسی کو اپنی شرح میں ثابت رکھا ہے م ملا خسرو کا بیان ابن کمال کے موافق نہیں جیسا کہ شارح سمجھا ہے اس واسطے کہ ملا خسرو نے شارع یعنے راہ کی دو قسمیں بیان کیں اس طرح کہ راہ دو قسم ہے ایک تو شارع محلہ ہے جس میں اکثر اہل محلہ چلتے پھرتے ہوں اور گاہے اہل محلہ کے سوا اور لوگ بھی آتے جاتے ہوں اور دوسرا شارع عام ہے جس میں جمیع طوائف برابر ہوں جیسے بازاروں کی راہیں اور خارج شہر کی راہیں انتہے تو شارع محلہ کو مخصوص باہل محلہ نہیں قرار دیا ہے ابن کمال کے مانند طحطاوی نے کہا تو تحقیق یہ ہے کہ متن میں شارع محلہ کہنا احتراز ہے شارع عام سے یعنے شارع محلہ میں اہل محلہ پر دیت ہے اور شارع عام میں بیت المال پر دیت ہے مسجد محلہ کی قید سے وہ مسجد خارج ہو گئی جس میں مسافر نماز پڑھتے ہوں تو وہاں قسامہ اور دیت مسجد کے بنانے والے پر ہے اور اگر بانی معلوم نہ ہو تو متصل گھر کے مالک کے عاقلہ پر ہے کذا فی الطحطاوی وسوق مملوک علی الملاک وعند ابی یوسفؒ علی السکان ملتقے اور اگر مقتول پایا گیا مملوک بازار میں تو اس کے مالکوں پر قسامۃ اور دیت ہے اور ابو یوسف کے نزدیک بازار کے رہنے والوں پر واجب ہے کذا فی الملتقے وفی غیرہ ای غیر المملوک والشارع الاعظم ہو النافذ والسجن والجامع وکل مکان یکون التصرف فیہ لعامۃ المسلمین لا لواحد منہم ولا لجماعۃ یحصون لا قسامۃ ولا دیۃ علی احد ابن کمال وانما الدیۃ فی بیت المال لان الغرم بالغنم اور اگر قتیل پایا گیا بازار غیر مملوک میں اور شارع اعظم یعنے شاہراہ کشادہ میں اور قید خانہ اور جامع مسجد اور ہر ایک اس مکان میں جس میں تمام مسلمین کا تصرف برابر ہے نہ ایک مسلمان کا نہ مخصوص جماعت کا تو ایسے مکانوں میں قسامہ نہیں اور نہ کسی پر دیت ہے کذ صرح ابن کمال اور ایسے مقتول کی دیت تو بیت المال میں ہے اس واسطے کہ تاوان بمقابلہ منفعت کے ہے م یعنے چونکہ تمام اہل اسلام جامع مسجد اور محبس اور شاہراہ سے متمتع ہوتے ہیں تو تاوان بھی ان پر ہوگا یعنے مقتول کی دیت دی جاوے گی بیت المال سے جو سب مسلمانوں کے واسطے موضوع ہے عینی نے کہا بیت المال یعنے خزانہ سلطانی عامہ مسلمین کا مال ہے تو سب مسلمان اس میں شریک ہیں سو خدا کی لعنت ان ظالموں پر جو بیت المال کو اپنا مال جان کر صرف کرتے ہیں اور اس کے مستحقوں کو محروم رکھتے ہیں ثم انما تجب الدیۃ فیما ذکر علی بیت المال ان کان نائیا ای بعیدا عن المحلات والا یکن نائیا بل قریبا منہا فعلی اقرب المحلات الیہ الدیۃ والقسامۃ لانہ محفوظ بحفظ اہل المحلۃ فتکون القسامۃ والدیۃ علی اہل المحلۃ پھر اس کو دریافت کرنا چاہیے کہ مکانات مذکورہ کے مقتول کی دیت جو بیت المال پر واجب ہوتی ہے تو ایک شرط سے واجب ہوتی ہے اور وہ شرط مذکورہ یہ ہے کہ جامع مسجد اور شارع عام وغیرہ دور واقع ہوں محلوں سے اور اگر دور نہ ہوں بلکہ قریب ہوں ان سے تو جو وہاں سے قریب تر محلہ ہوگا اس پر دیت اور قسامہ واجب ہوگا اس واسطے کہ وہ مقام اہل محلہ کی حفاظت سے محفوظ ہے تو قسامہ اور دیت اہل محلہ پر واجب ہوگا وکذا فی السوق النائی اذا کان من یسکنہا فی اللیالی اور اسی طرح کا حکم ہے بازار بعید میں جب کہ لوگ اس میں رات کو رہتے ہوں یعنے دن کی سکونت کا اعتبار نہیں اوکان لاحد فیہا دار مملوکۃ تکون القسامۃ والدیۃ علیہ لانہ یلزمہ صیانۃ ذلک الموضع فیوصف بالتقصیر فیجب علیہ موجب التقصیر کما فی العنایۃ معزیا للنہایۃ وبہ افتے المرحوم ابو السعود مفتے الروم واعتمدہ المصنف وان خلا عنہ المتون لانہ مصرح بہ فی غالب الفتاوی والشروح فلیحفظ یا کسی کا اس

یا دار بعید میں گھر ہو مملوک تو قسامہ اور دیت اسی شخص پر ہے اس واسطے کہ اس کو حفاظت اس مکان کی لازم ہے تو وہ شخص موصوف بتقصیر ہوگا تو اس پر تقصیر کا موجب یعنے قسامہ اور دیت واجب ہوگا چنانچہ عنایہ میں ہے نہایہ سے منقول میں کہتا ہوں اور اسی کا یعنے وجوب سامہ اور دیت کا اقرب محلات پر کذا فی الطحطاوی عن المصنف فتوے دیا ہے مرحوم ابو السعود مفتی روم نے اور مصنف نے اس پر اعتماد یا ہے اس متن میں اگرچہ متون فقہ کے وجوب اقرب محلات سے خالی ہیں اس واسطے کہ یہ شرط مفصل موجود ہے اکثر فتاووں اور شرحوں یں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے **وبعید لو وجد فی بریۃ و فی وسط الفرات** اذا کان یمر بہ الماء لا محتبسا کما سیجئ اذ لا ید لاحد وقیل اذا ان موضع انبعاث مائہ فی دار الاسلام تجب الدیۃ فی بیت المال لانہ فی ایدی المسلمین ابن کمال اور بلا وجوب دیت خون رائگاں ہے اگر مقتول پایا جائے جنگل میں اور دریائے فرات کے درمیان میں بشرطیکہ مقتول کو پانی بہاتا ہو لاش اس کی محتبس نہ ہو چنانچہ آگے مذکور ہوگا اس واسطے خون رائگاں ہوا کہ وہاں کسی کا تصرف نہیں اور قول ضعیف یہ ہے کہ اگر دریا کے پانی نکلنے کا منبع دار الاسلام میں ہو تو دیت اس کی بیت المال میں واجب ہوگی اس لئے کہ دار الاسلام مسلمانوں کے قبضے میں ہے کذا ذکرہ ابن کمال م فرات کا ذکر تخصیص کے واسطے نہیں ہے بلکہ فرات سے مراد نہر عظیم ہے جس میں پانی جاری ہو کذا فی العینی شرح الہدایۃ **وفی نہر صغیر** ہو ما یستحق بہ الشفعۃ **علی اہلہ** لاختصاصہم بہ اور نہر صغیر جس کے سبب سے شفعہ کا استحقاق ثابت ہوتا ہے اس کے مقتول میں اس نہر کے مالکوں پر قسامہ اور دیت واجب ہوگا ان کی خصوصیت کی وجہ سے نہر کے ساتھ م استحقاق شفعہ اس نہر صغیر میں جس میں چھوٹی کشتی جاری نہ ہو اور بعضوں نے کہا جس کے لوگ متعین ہوں کذا فی الطحطاوی **ولو کانت البریۃ مملوکۃ** او وقفا لاحد کما مر ویجئ **او کانت قریبۃ من القریۃ** او الاخبیۃ او الفسطاط بحیث یسمع منہ الصوت **تجب علی المالک** او ذی الید **او علی اہل القریۃ** او اقرب الاخبیۃ زیلعی اور اگر جنگل مملوک یا کسی شخص پر وقف ہو چنانچہ وقف کا مسئلہ مذکور ہو چکا اور آگے آوے گا یا جنگل قریب ہو گاؤں سے یا قریب ہو محل کے خیموں سے یا کپڑے کے خیموں سے اس طرح پر کہ مقتول کی آواز وہاں مسموع ہوتی ہو تو قسامہ اور دیت واجب ہوگا مالک پر یا قابض وقف پر یا اہل قریہ پر یا اقرب خیموں کے رہنے والوں پر کذا فی الزیلعی م عبارت میں لف نشر مرتب واقع ہے ولایت میں اہل مواشی اکثر خانہ بدوش رہتے ہیں خیموں میں کبھی اس جنگل کبھی اس جنگل میں جیسے ہندوستان میں کنجڑ کی قوم **ولو محتبسا بالشط او بالجزیرۃ** او مربوطا او ملقی علی الشط **فعلی اقرب المواضع الیہ من القری** والامصار زاد فی الخانیۃ والاراضی و اقرہ المصنف **اذا کان یصل صوت اہل الارض والقری الیہ** والا لا کما مر اور اگر مقتول رک رہا ہو دریا کے کنارے پر یا ٹاپو کے کنارے یا وہاں بستہ ہو یا کنارے پر پڑا ہو تو جو وہاں سے قریب تر مکان ہوگا دیہات یا شہروں سے وہاں کے باشندوں پر قسامہ اور دیت واجب ہے خانیہ میں اتنا زیادہ کہا ہے اور قریب تر اراضی پر بھی واجب ہوگا اور مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے بشرطیکہ جب اہل زمین اور دیہات والوں کی وہاں آواز پہونچتی ہو اور اگر آواز وہاں تک پہونچتی نہ ہوگی تو قسامہ اور دیت واجب نہ ہوگا چنانچہ مذکور ہو چکا **وان التقی قوم بالسیوف فاجلوا** ای تفرقوا **عن قتیل فعلی اہل المحلۃ** لان حفظہا علیہم **الا ان یدعی الولی علی** اولئک او یدعی **علی بعض معین منہم فلم یکن علی اہل المحلۃ** شیئ ولا علی اولئک حتی یبرہن لان بمجرد الدعوی لا یثبت الحق و بری اہل المحلۃ لان قولہ حجۃ علیہ اور اگر ایک قوم باہم بھڑ گئی تلواریں کھینچ کر پھر ایک مقتول کو چھوڑ کر متفرق ہو گئی تو اہل محلہ پر قسامہ اور دیت ہے اس واسطے کہ حفاظت محلہ کی ان کے ذمہ ہے مگر یہ کہ وارث مقتول کا اس قوم متفرق پر قتل کا دعوی کرے یا ان میں سے بعض معین پر دعوی کرے تو اہل محلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا اور نہ اس قوم پر تاوقتیکہ وارث اپنا دعوی گواہوں سے ثابت کرے اس واسطے کہ فقط دعوی سے حق ثابت نہیں ہوتا بدوں حجت کے اور اہل محلہ بھی بری الذمہ ہو گئے اس واسطے کہ

وارث مدعی کا قول اس کی ذات پر حجت ہے اہل محلہ کے بری الذمہ ہونے میں **ومستحلف** علی صیغۃ اسم المفعول **قال قتلہ زید حلف باللہ ماقتلت ولا عرفت لہ قاتلا غیر زید** ولا یقبل قولہ فی حق من یزعم انہ قتلہ اور جس پر قسم عائد ہے اہل قسامہ سے اس نے کہا کہ مقتول کو زید نے قتل کیا تو وہاں یوں قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے مقتول کو قتل نہیں کیا اور نہ میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں سوائے زید کے اور اس کا قول مقبول نہ ہوگا اس شخص کے حق میں جس کو وہ قاتل گمان کرتا ہے شارح نے کہا مستحلف بصیغہ مفعول ہے نہ اسم فاعل **وبطل شہادۃ بعض اہل المحلۃ بقتل غیرہم** خلافا لہما **او بقتل واحد منہم بعینہ** للتہمۃ اور بعض اہل محلہ کی گواہی غیر اہل محلہ کے حق میں باطل ہے برخلاف صاحبین کے یا اہل محلہ سے ایک معین پر قتل کی گواہی دیں تو باطل ہے تہمت کے سبب سے م یعنے ایک شخص محلہ میں قتل ہوا اور وارث نے دعوے کیا کہ محلے والوں کے سوائے اور قوم نے اس کو قتل کیا ہو یا دعوی کیا کہ اہل محلہ میں سے ایک شخص معین نے اس کو قتل کیا ہے اور اہل محلہ سے دو شخصوں نے اس کی گواہی دی تو یہ گواہی باطل ہے امام کے نزدیک تہمت کی علت سے اس واسطے کہ خصومت تمام اہل محلہ کے ساتھ قائم ہے اور قسامہ اور دیت سب پر واجب ہے اور شاہد چاہتے ہیں کہ اپنے اوپر سے خصومت کو ٹال کر غیر پر ڈالیں تو وہ متہم ٹھہرے تو گواہی ان کی مقبول نہ ہوگی کذا فی الدرر **ومن جرح فی حی فنقل منہ فبقی ذا فراش حتی مات فالدیۃ والقسامۃ علی ذلک الحی** خلافا لابی یوسف رح اور جو شخص زخمی ہوا کسی قبیلہ اور برادری میں سو وہاں سے زندہ اٹھایا گیا سو بستر پر پڑا رہا یہاں تک کہ مرگیا تو دیت اور قسامہ اسی قبیلہ پر ہے برخلاف ابو یوسف کے کہ قسامہ اور دیت نہیں ان پر فلو معہ جریح بہ رمق فحملہ آخر الی اہلہ فمکث مدۃ فمات لم یضمن الحامل عند ابی یوسف رح وفی قیاس قول ابی حنیفۃ رح یضمن اگر ایک شخص کے ساتھ ایسا زخمی ہے جس کی زندگی کی رمق باقی ہے سو اس کو دوسرا شخص اپنے گھر اٹھا لایا سو وہاں ایک مدت رہا پھر مرگیا تو اٹھانے والا ضمان نہ دے گا ابو یوسف کے نزدیک اور امام کے قول کے قیاس میں ضمان لازم ہوگا حامل پر یعنے اس واسطے کہ اس کا قبضہ بمنزلہ محلہ کے ہے تو اس کے پاس زخمی ہونا ایسا ہے جیسے محلے میں موجود ہونا زخمی کا کذا فی الدرر **وفی رجلین بلا ثالث وجد احدہما قتیلا ضمن الآخر** لان الظاہر ان الانسان لا یقتل نفسہ **دیتہ** عند ابی حنیفۃ خلافا لمحمد اور بدون تیسرے شخص کے دو مردوں میں ایک شخص مقتول پایا گیا تو دوسرا شخص اس کی دیت کا ضمان دے گا امام کے نزدیک اس واسطے کہ ظاہر حال یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کو آپ قتل نہیں کرتا برخلاف محمد رح کے یعنے ان کے نزدیک ضمان نہیں اس احتمال سے کہ شاید اس نے اپنی جان آپ ہلاک کی ہو **وفی قتیل قریۃ لامرأۃ کرر الحلف علیہا وتدی عاقلتہا** وعند ابی یوسف القسامۃ علی العاقلۃ ایضا اور عورت کے گاؤں کے مقتول میں عورت پر بار بار قسم وارد ہوگی یعنے پچاس بار اور عورت کے مددگار دیت دیں گے اور ابو یوسف کے نزدیک مددگاروں پر قسم بھی لازم ہوگی یعنے اس واسطے کہ قسامہ ہوتا ہے اہل نصرت پر اور عورت اہل نصرت نہیں صغیر کے مانند اور طرفین کی یہ دلیل ہے کہ قسامہ نفی تہمت کے واسطے ہے اور تہمت عورت سے بھی ہو سکتی ہے کذا فی الدرر قال المتاخرون والمرأۃ تدخل فی التحمل مع العاقلۃ فی ہذہ المسئلۃ کذا فی الملتقی وہو الاصح ذکرہ الزیلعی متاخرین فقہا نے کہا اور عورت داخل ہے عاقلہ کے ساتھ تحمل دیت میں اس مسئلہ کے اندر کذا فی الملتقی اور یہی قول صحیح تر ہے چنانچہ زیلعی نے اس کو ذکر کیا ہے م زیلعی نے کہا عورت تحمل دیت میں اس لئے داخل ہے کہ وہ بمنزلہ قاتل کے ہے تو عاقلہ کی شریک ہوگی نہایہ میں کہا کہ اس مسئلہ کی قید اس واسطے لگائی کہ عورت تحمل دیت میں کسی صورت میں داخل نہیں سوائے اس مسئلہ کے کذا فی الطحطاوی **وان وجد قتیل فی دار نفسہ فالدیۃ علی عاقلۃ ورثتہ** عند ابی حنیفۃ رح وعندہما وزفر لا شیء فیہ ای فی القتیل المذکور وبہ یفتی کذا ذکرہ ملا خسرو تبعا لما رجحہ صدر الشریعۃ وتبعہما المصنف اور اگر ایک شخص مقتول پایا گیا اپنے خاص گھر میں تو

اس کے وارثوں کے عاقلہ پر دیت ہے ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبینؒ اور زفر کے نزدیک مقتول مذکور میں کچھ نہیں ہے اور اسی عدم وجوب کے قول پر فتویٰ ہے ایسا ذکر کیا ہے ملا خسرو نے درر میں اس قول کا تابع ہو کر جس کی صدر الشریعۃ نے ترجیح دی اور مصنف ملا خسرو اور صدر الشریعۃ دونوں کا تابع ہوا ہے وخالفہم ابن الکمال فقال لما ان الدار فی یدہ حین وجد الجرح فیجعل کانہ قتل نفسہ فیکون ہدرا ولان القسامۃ انما تجب لظہور القتل وحال ظہورہ الدار لورثتہ فدیتہ علی عاقلتہم اور صدر الشریعۃ وغیرہ کے خلاف کیا ہے ابن کمال نے سو یوں کہا ہے کہ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ البتہ گھر مقتول کے قبض اور تصرف میں تھا جب کہ زخم حاصل ہوا تو یہ قرار دیا گیا کہ گویا اس نے اپنی جان کو آپ قتل کیا تو خون اس کا رائگاں ہوگا اور امام کی دلیل یہ ہے کہ قسامہ تو قتل ہی ظاہر ہونے سے واجب ہوتا ہے اور قتل ظاہر ہونے کی حالت میں گھر وارثوں کا ہو گیا تو دیت مقتول کی وارثوں کے عاقلہ پر ہوگی لا یقال العاقلۃ انما یتحملون ما یجب علی الورثۃ تخفیفا لہم ولا یمکن الایجاب علی الورثۃ للورثۃ لان الایجاب لیس للورثۃ بل للمقتول حتی یقضی منہ دیونہ وتنفذ وصایاہ ثم یخلفہ الوارث فیہ وہو نظیر الصبی والمعتوہ ان قتل اباہ تجب الدیۃ علی عاقلتہ وتکون میراثا لہ فتنبہ یوں نہ کہا جائیگا کہ عاقلہ تو اسی مال کے متحمل ہوتے ہیں جو وارثوں پر واجب ہوتا ہے تاکہ وارثوں پر تخفیف ہو اور ممکن نہیں وارثوں پر واجب کرنا وارثوں کے فائدے کے واسطے اس لئے کہ اس سوال کا یوں جواب دیا جاوے گا کہ یہاں ایجاب مال کا وارثوں کے لئے نہیں بلکہ مقتول کے واسطے ہے تا اینکہ اسی مال سے مقتول کے دین ادا کئے جاویں گے اور اس کی وصیتیں اسی سے نافذ ہوں گی پھر مقتول کے وارث مقتول کے خلیفہ ہوں گے اس مال میں اور وہ صغیر اور مدہوش کے مانند ہے اگر صغیر یا مدہوش اپنے باپ کو قتل کرے تو دیت واجب ہوگی صغیر یا مدہوش کی عاقلہ پر اور وہی دیت صغیر یا مدہوش کی میراث ہوگی تو خبردار رہنا **ولو وجد فی ارض موقوفۃ** ودار کذلک یعنی موقوفۃ **علی ارباب معلومۃ فالقسامۃ والدیۃ علی اربابہا** لان تدبیرہ الیہم اور اگر مقتول پایا گیا وقف کی زمین یا اسی طرح وقف کے گھر میں جو معین لوگوں پر وقف ہے تو قسامہ اور دیت وقف کی لوگوں پر ہے اس واسطے کہ وقف کی تدبیر انہیں لوگوں پر ہے **وان کانت الارض** او الدار **موقوفۃ علی المسجد فہو کما لو وجد فیہ** ای فی المسجد زیلعی ودرر وسراجیۃ وغیرہا وقد قدمناہ اور اگر زمین یا گھر مسجد پر وقف ہو تو وہ ایسا ہے جیسے کہ مقتول مسجد کے اندر پایا جاوے چنانچہ زیلعی اور درر اور سراجیہ وغیرہ میں ہے اور ہم نے وقف کا مسئلہ اول ذکر کر دیا ہے م اگر محلہ کی مسجد پر وقف ہو تو اس کا حکم مسجد محلہ کے مانند ہے اور اگر جامع مسجد پر وقف ہو تو اس کا جامع مسجد کا حکم ہے قلت والتقیید بکون الارباب الموقوف علیہم معلومین لیخرج غیر المعلومین کما لو کان وقفا علی الفقراء والمساکین فان الظاہر ان الدیۃ تکون فی بیت المال لانہ حینئذ یکون من جملۃ ما اعد لمصالح المسلمین فاشبہ الجامع قالہ المصنف بحثا میں کہتا ہوں اور موقوف علیہم لوگوں میں معین ہونے کی قید اس واسطے لگائی تاکہ غیر معین لوگوں پر جو وقف ہے نکل جائے چنانچہ فقیروں اور غیر معین محتاجوں پر وقف ہو تو ظاہر یہ حکم ہے کہ وہاں کے مقتول کی دیت بیت المال میں ہوگی اس لئے کہ وقف مذکور اس وقت میں ہوگا منجملہ ان اشیاء کے جو مصالح مسلمین کے واسطے مہیا ہیں تو جامع مسجد کے مشابہ ٹھہرا یعنے اور جامع مسجد کی دیت بیت المال میں ہوگی تو اس کی بھی بیت المال میں ہوگی ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں بحث کی راہ سے نہ روایت کے طریق سے **ولو وجد فی معسکر فی فلاۃ غیر مملوکۃ ففی الخیمۃ والفسطاط علی من یسکنہما** اور اگر مقتول پایا گیا اس لشکرگاہ میں جو بیابان غیر مملوک میں واقع ہے تو خیمہ اور راوٹی میں مقتول ہے تو اس کے رہنے والوں پر قسامہ اور دیت ہے **وفی خارجہما** ای الخیمۃ والفسطاط **ان کانوا** ای ساکنوا خارجہا **قبائل فعلی قبیلۃ** وجد القتیل فیہا اور اگر مقتول پایا گیا خیمہ اور راوٹی کے باہر تو اگر خارج کے رہنے والے قوم قوم ہوں تو جس قوم میں مقتول پایا گیا اسی قوم پر قسامہ اور دیت ہے ولو بین القبیلتین کان حکمہ کما مر

بین القریتین اور اگر دو قوم کے درمیان پایا گیا تو اس کا حکم ویسا ہے جیسا درمیان دو گاؤں کا حکم مذکور ہو چکا ہے یعنے جس قوم سے نزدیک ہوگا مقتول اسی قوم پر واجب ہے اور اگر دونوں برابر ہیں تو دونوں پر واجب ہیں ولو نزلوا جماعۃ مختلفین فعلے کل العسکر اور اگر لشکری لوگ رسلے رسلے مختلف اترے ہیں تو تمام لشکر پر واجب ہوگا ولو کانوا قد قاتلوا عدوا فلا قسامۃ ولا دیۃ ملتقی اور اہل لشکر کفار سے لڑے ہوں اور وہاں مقتول پایا گیا تو نہ قسامہ ہے نہ دیت کذا فی الملتقے ولو کانت الارض لبتے نزل فیہا العسکر مملوکۃ فعلے المالک بالاجماع لانہم سکانہا ولا یزاحمون المالک فی القسامۃ والدیۃ درر لکن فی الملتقے خلافا لابی یوسف فتنبہ اور اگر وہ زمین جس میں لشکر اترا مملوک ہو تو اس کے مالک پر قسامہ اور دیت واجب ہے بالاتفاق اس واسطے کہ اہل لشکر وہاں کے ساکن ہیں مالک زمین کے مزاحم نہیں قسامہ اور دیت میں کذا فی الدرر لیکن ملتقی میں خلاف ابو یوسف کا مذکور ہے تو آگاہ رہنا یعنے صاحب درر کا متفق علیہ کہنا صحیح نہیں وفیہا لو وجد فی قریۃ لایتام لم یکن علی الایتام قسامۃ دیۃ علی عاقلتہم لانہم لیسوا من اہل الیمین اور ملتقی میں ہے کہ اگر مقتول پایا گیا یتیموں کے گاؤں میں تو یتیموں پر قسامہ نہیں اور وہ یعنے قسامہ ہے ان کے عاقلہ پر اس واسطے کہ چھوٹے لڑکے قسم کے لائق نہیں وان کان فیہم مدرک فعلیہ لانہ من اہل الیمین ولوالجیۃ اور اگر یتیموں میں کوئی بالغ ہو تو اس پر قسامہ واجب ہے اس واسطے کہ وہ قسم کھانے کی لیاقت رکھتا ہے کذا فی الولوالجیۃ

فروع مسائل ملحقہ شارح کے لو وجد فی دار صبی او معتوہ فعلے عاقلتہما اگر مقتول پایا گیا صغیر یا مدہوش کے گھر میں تو ان کے مددگاروں پر قسامہ اور دیت ہے ولو فی دار ذمی حلف خمسین یمینا ویدی من مالہ ولو تعاقلوا فعلے عاقلتہا اور اگر مقتول پایا گیا ذمی کے گھر میں تو پچاس قسمیں کھائے اور اپنے مال سے دیت دے اور اگر ذمیوں کے عاقلہ ہوتے ہوں تو دونوں یعنے یہود اور نصاری کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی م یہودی یوں قسم کھائے (کہ اس خدا کی قسم ہے جس نے توراۃ اتاری) میں نے اس کو نہیں مارا اور نہ میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں اور نصرانی قسم خدا کی کھائے جس نے انجیل اتاری کذا فی الطحطاوی ولو مر رجل فی محلۃ فاصابہ سہم او حجر ولم یدر من این ومات منہ فعلے اہل المحلۃ القسامۃ والدیۃ سراجیۃ اور اگر ایک مرد گزرا ایک محلہ میں سو اس کو تیر لگا یا پتھر اور اس کو معلوم نہیں کہ کدھر سے آیا اور وہ اسی صدمہ سے مر گیا تو اہل محلہ پر قسامہ اور دیت ہے کذا فی السراجیہ وفی الخانیۃ وجد بہیمۃ او دابۃ مقتولۃ فلا شیء فیہا اور خانیہ میں ہے کہ چوپایا یا جانور مقتول پایا تو اس میں قسامہ اور دیت کچھ نہیں وان وجد مکاتب او مدبر او ام ولد قتیلا فی محلۃ فالقسامۃ والقیمۃ علی عاقلتہم فی ثلث سنین اور اگر مکاتب یا مدبر یا ام ولد مقتول پائے محلہ میں تو قسامہ اور ہر ایک کی قیمت اہل محلہ کے مددگاروں پر واجب ہے تین سال کے اندر ولو وجد العبد قتیلا فی دار مولاہ فہدر الا مدیونا فتجب علی مولاہ لغرمائہ حالۃ والامکاتبا فبقیمتہ علی مولاہ مؤجلۃ اگر غلام مقتول پایا گیا اپنے مالک کے گھر میں تو خون اس کا رائگاں ہے مگر یہ کہ غلام ماذون یا مدیون ہو تو اس کی قیمت اس کے مالک پر واجب ہے بالفعل اس کے قرض دینے والوں کے لئے اور بجز مکاتب کے یعنے اگر مکاتب مقتول پایا گیا مالک کے گھر میں تو اس کی قیمت اس کے مالک پر واجب ہے تین سال کی مدت میں ثم مکاتب کی قیمت سے بدل کتابت ادا کیا جائے اور اس کی آزادی کا حکم کیا جائے اور جو بدل کتابت دے کر باقی رہے وہ اس کے وارثوں کی میراث ہے کذا فی العالمگیریۃ ولو وجد المولی قتیلا فی دار ماذونہ مدیونا اولا فعلے عاقلۃ المولی اور اگر مالک مقتول پایا گیا اپنے غلام ماذون فی التجارۃ کے گھر میں خواہ غلام مدیون ہو یا نہیں تو مالک کی عاقلہ پر دیت ہے یعنے قسامہ اور دیت ولو وجد الحر قتیلا فی دار ابیہ او امہ او المرأۃ فی دار زوجہا فالقسامۃ والدیۃ علی العاقلۃ ولا یحرم من المیراث اور اگر آزاد مرد مقتول پایا گیا اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں یا عورت اپنے زوج کے گھر میں مقتول پائی گئی تو قسامہ اور دیت والدین یا زوج کی عاقلہ پر ہے اور صاحب خانہ میراث سے محروم نہیں واللہ اعلم واستغفر اللہ الکریم

کتاب المعاقل

یہ کتاب ہے احکام معاقل کے بیان میں ہی جمع معقلۃ بفتح فسکون فضم وہ یعنے معاقل جمع ہے معقلہ کی بفتح میم وسکون عین وضم قاف جیسے مکرمہ بضم را کی جمع مکارم ہے وہی الدیۃ وتسمی عقلا لانہا تعقل الدماء من ان تسفک ای تمسکہا ومنہ العقل لانہ یمنع القبائح اور وہ یعنے معقلہ دیت ہے اور دیت کو عقل بفتح عین وسکون قاف بھی کہتے ہیں یعنے اس واسطے کہ عقل بمعنے منع ہے اور دیت خونوں کو باز رکھتی اور روکتی ہے خون ریزی سے وبایں معنی دانش وخردمندی کو عقل کہتے ہیں اس واسطے کہ عقل انسان کو ارتکاب قبائح سے باز رکھتی ہے م جب کہ معقلہ سے دیت مراد ہوئی حالانکہ کتاب الدیات مقدم مذکور ہو چکی اور اس کتاب میں دیت کا کچھ ذکر نہیں بلکہ ان کا ذکر ہے جن پر دیت واجب ہے جس کو عاقلہ کہتے ہیں تو بجائے کتاب المعاقل کے کتاب العواقل کہنا ثواب ہے چنانچہ صاحب برہان نے کتاب العواقل کہا ہے بعضوں نے اس کا یوں جواب دیا ہے کہ کلام میں مضاف محذوف ہے یعنے کتاب اہل المعاقل تو مجاز حذف کی قسم سے ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا **والعاقلۃ اہل الدیوان** وہم العسکر وعند الشافعی اہل العشیرۃ وہم العصبات اور عاقلہ یعنے جن پر دیت واجب ہوتی ہے عبارت ہے اہل دیوان سے اور وہ لشکری لوگ ہیں اور امام شافعی کے نزدیک عاقلہ برادری کے لوگ یعنے عصبات ہیں م دیوان عبارت ہے ان اوراق سے جن میں اہل لشکر کے نام اور ان کا سالیانہ یا ششماہی یا ماہیانہ لکھا جاتا ہے جس کو دفتر کہتے ہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اول دیوان مقرر کیا اور اہل دیوان پر دیت معین کی صحابہ کبار کے سامنے بلا رد وانکار چونکہ انسان کی جان محترم چیز ہے تو باطل اور رائگاں نہیں ہو سکتی اور قاتل مخطی پر وجوب دیت بلا وجہ ہے اس واسطے کہ وہ معذور ہے اور خطا اس سے مرفوع ہے اور اگر تمام دیت اس پر واجب کیجیے تو وہ نیست ونابود ہو جائے تو قاتل کے عاقلہ پر یعنے مددگاروں پر ڈالی گئی اس واسطے کہ آدمی احتیاط اور احتراز میں اپنی قوت اور زور کے سبب سے قصور کرتا ہے کچھ پروا نہیں کرتا اور یہ زور آدمی کو حاصل ہوتا ہے غالبا اپنے انصار اور حمایتیوں کے بھروسے پر تو مددگار خطاکار ٹھہرے مددگاری میں کیونکہ وہی تو سبب ہیں اس کی بیباکی اور تعدی کے تو ان کی تقصیر ثابت ہے کہ مخطی کو انہوں نے کیوں محفوظ نہ رکھا بے احتیاطی سے تو انھیں پر دیت کا ڈالنا اولی اور انسب ہے علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں کہا اگر کوئی کہے صحابہ کا اجماع مذکور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے مخالف ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت اہل نسب پر مقرر کی اس کا جواب دیں گے کہ یہ اجماع حکم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے اس واسطے کہ آپ نے اہل نسب پر دیت مقرر کی باعتبار نصرت اور مددگاری کے ولہذا نسواں اور صبیان اہل نسب پر دیت نہیں اس واسطے کہ وہ مددگاری کے لائق نہیں پھر جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تدوین دیوان کی تو مددگاری دیوان کے ساتھ ہو گئی لہذا اہل دیوان عاقلہ ٹھہر گئے تو یہ نسخ نہیں بلکہ معنی نصرت کی تقریر ہے **لمن ہو منہم** اہل لشکر عاقلہ ہیں اس کے جو ان میں سے ہے یعنے سپاہی لشکر کے نہ ہر قاتل کے یعنے جس رسالے اور جس پلٹن میں قاتل ہوگا انھیں پر دیت واجب ہوگی **فتجب علیہم کل دیۃ وجبت بنفس القتل** خرج ما انقلب مالا بصلح او بشبہۃ کقتل الاب ابنہ عمدا فدیتہ فی مالہ کما مر فی الجنایات سو اہل لشکر پر واجب ہوگی ہر ایک وہ دیت جو نفس قتل سے واجب ہوئی ہے نفس قتل کی قید سے وہ قتل نکل گیا جو منقلب بمال ہو گیا صلح کے سبب سے یا شبہ کی وجہ سے جیسے باپ کا قتل کرنا عمدا اپنے بیٹے کو تو اس قتل کی دیت باپ کے مال میں ہے چنانچہ گذر گیا کتاب الجنایات میں م نفس قتل سے دیت واجب ہوتی ہے قتل شبہ عمد میں اور قتل خطا میں اور جاری مجری خطا میں چنانچہ اس کی تصریح کتاب الجنایات میں مذکور ہو چکی **فتوخذ من عطایاہم او من ارزاقہم** والفرق بین العطیۃ والرزق ان الرزق ما یفرض فی بیت المال بقدر الحاجۃ والکفایۃ مشاہرۃ او میاومۃ والعطاء ما یفرض فی کل سنۃ لا بقدر الحاجۃ بل بصبرہ وعنائہ فی امر الدین سو دیت لی جائے گی اہل لشکر کے عطا سے یا ان کے رزق سے اور فرق عطا اور رزق میں یہ ہے کہ رزق وہ ہے جو بیت المال سے مقرر ہو بقدر حاجت

اور کفایت کے بطریق ماہواری یا روزینہ کے اور عطارہ سے جو بیت المال میں معین ہو بطریق حاجت کے نہیں بلکہ اس کی شکیبائی اور مضبوطی اور محنت کشی کے سبب سے دین کے کام میں فی ثلث سنین من وقت القضاء وکذا ما یجب فی مال القاتل عمداً وان قتل الاب ابنہ یوخذ فی ثلث سنین عندنا وعند الشافعی یجب حالا لشکر کی وجہ معین سے دیت لی جائے گی تین سال میں قاضی کے حکم کرنے کے وقت سے یعنے جیسے کہ قاضی نے وجوب دیت کا حکم کیا اس وقت سے تین سال کا حساب شروع ہوگا اور اسی طرح دیت واجب ہے قاتل عمد کے مال میں اس طرح پر کہ باپ نے اپنے بیٹے کو مار ڈالا تو ہمارے نزدیک تین سال میں دیت لی جاوے گی اور امام شافعی کے نزدیک بالفعل واجب ہوگی م قضا کے بعد سنین مستقبلہ کی عطا سے دیت لی جائے گی اور اگر سنین ماضیہ کی عطا جمع ہو قبل قضا کے پھر لشکریوں کو قضا کے بعد حاصل ہو تو اس سے دیت نہ لی جاوے گی اور اگر دس آدمیوں نے ایک آدمی کو قتل کیا بطریق خطا کے تو ہر ایک شخص کی عاقلہ پر دیت کا دسواں حصہ تین سال میں واجب ہوگا کذا فی الطحطاوی فان خرجت العطایا فی اکثر من ثلث او اقل توخذ منہ لحصول المقصود پھر اگر عطایا تین سال سے زیادہ مدت میں یا کمتر مدت میں بیت المال سے نکلے تو اس سے دیت لی جاوے گی مطلب حاصل ہونے کے سبب سے م یعنے اگر تین سال آئندہ کی عطا ایک ہی سال میں ملے تو تمام دیت اس سے لی جاوے گی کذا فی الزیلعی اور اگر تین سال کا رزق ایک سال کے تین مہینے میں ملا تو اس سے دیت نہ لی جاوے گی اس لئے کہ رزق بقدر حاجت کے مقرر ہوتا ہے تو اگر اس میں سے لیا جائے تو اس کو تکلیف اور حرج ہوگا بر خلاف عطا کے کذا فی المجتبے وان لم یکن القاتل من اہل الدیوان فعاقلتہ قبیلتہ واقاربہ وکل من یتناصر بہ تنویر البصائر اور اگر قاتل لشکری نہیں ہے تو اس کا عاقلہ اس کا قبیلہ اور اس کے قریب لوگ ہیں اور جن لوگوں سے وہ قاتل مددگاری چاہتا ہو کذا فی تنویر البصائر م قبیلہ اور عشیرہ عبارت ہے عصبات نسبیہ سے یعنے یک جدی لوگ خلاصہ یہ ہے کہ وجوب دیت میں تناصر اور مددگاری کا اعتبار ہے تو اگر اہل محلہ یا اہل بازار یا اہل قریہ یا برادری کے لوگ اس طرح پر ہوں کہ جب ان میں سے کسی شخص کو کوئی امر پیش آتا ہو تو وہ لوگ اس کی کفایت اور مددگاری کے واسطے مستعد ہو جاتے ہوں تو وہی لوگ اس کے عاقلہ ہیں اور اگر اس کے مددگار چند قسم کے لوگ ہیں لشکر والوں سے اور برادری اور محلہ اور بازار سے تو لشکر والے لوگ مقدم اور اولی ہیں پھر ان کے بعد برادری کے لوگ پھر لوگ اہل محلہ پھر بازاری لوگ اور اگر قاتل عجمی مرد ہے کہ نہ اس کا دیوان ہے نہ برادری نہ کوئی مددگار تو اس کی دو صورتیں ہیں یا اس کے مقتول کی دیت بیت المال میں ہے یا خود اس کے مال میں کذا فی الطحطاوی مختصراً بتصرف وتقسم الدیۃ علیہم فی ثلث سنین ثم السنین بمعنے العطیات قہستانی فلیحفظ اور دیت تقسیم ہوگی عاقلہ پر تین سال کے اندر پھر جاننا چاہیے کہ سنین بمعنے عطیات کے ہے کذا فی القہستانی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م طحطاوی نے کہا ثم السنین بمعنے العطیات کی حاجت نہیں اس واسطے کہ ماتن کے قول فان خرجت العطایا میں مضمون مذکور ہو گیا لا یوخذ فی کل سنۃ الا درہم او درہم وثلث ولم تزد علی کل واحد من کل الدیۃ فی ثلث سنین علی اربعۃ علی الاصح اور نہ لی جائے دیت ہر سال میں مگر ایک درم یا ایک درم اور تہائی درم کی اور زیادہ نہ لیا جائے گا عاقلہ کے ہر شخص پر تین سال کی مدت میں چار درم سے بنا بر صحیح تر قول کے م اگر ہر شخص سے ایک درم لیا گیا تو بھی تین سال میں تین درم ہوئے اور اگر ایک درم اور تہائی درم کی لی گئی تو چار درم ہوئے طحطاوی نے کہا یہ قول صحیح تر محمدؒ سے منصوص ہے اور غیر اصح قدوری کی روایت ہے کہ ہر سال میں ہر شخص سے چار درموں سے زیادہ نہ لیا جائے فان لم تسع القبیلۃ لذلک ضم الیہ اقرب القبائل نسبا علی ترتیب العصبات پھر اگر قاتل کا قبیلہ یعنے یک جدی برادری اس کے واسطے یعنے دیت پوری ہونے کے واسطے گنجائش نہ کرے تو جو قبیلہ ان کے ساتھ زیادہ تر قرابت رکھتا ہے نسب کی راہ سے ملا لیا جائے عصبات کی ترتیب پر م ترتیب عصبات یہ ہے کہ اول بھائی ہیں پھر ان کے فرزند پھر چچا پھر ان کے

فرزند مگر قاتل کے باپ اور فرزند میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک عاقلہ میں داخل ہیں اور بعضوں کے نزدیک نہیں مجتبے میں کما الحاصل استنصار اہل لشکر اظہر ہے تو اس کے ساتھ قرابت اور نسب اور اولاد اور قرب سکنی وغیرہ کی مددگاری کا کچھ حکم ظاہر نہ ہوگا اور بعد لشکر کے نسب کی مددگاری ہے تو بنابریں اگر قاتل صیادین سے ہو تو اس کے عاقلہ صیادہ ہیں اور ان کے اتباع نہ اس کا قبیلہ اور نہ اہل محلہ اس واسطے کہ اہل حرفہ کی باہم مددگاری نہایت ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی والقاتل عندنا کاحدہم اور ہم حنفیوں کے نزدیک قاتل بھی عاقلہ میں سے ایک شخص کے مانند ہے م یعنے دیت دینے میں وہ بھی شریک ہے عاقلہ کا اس واسطے کہ جنایت تو اسی سے ظاہر ہوئی تو اس کو خارج کرنا عاقلہ سے بے وجہ ہے خلافا للشافعی ولو القاتل امرأۃ او صبیا او مجنونا فی شارکہم علی الصحیح زیلعی اگرچہ قاتل عورت ہو یا صغیر یا مجنون سو ان میں سے ہر ایک عاقلہ کا شریک ہوگا بنابر قول صحیح کے کذا فی الزیلعی یعنے صغیر اور مجنون کا ولی ان کے مال سے حصہ رسد دیت دے گا وعاقلۃ المعتق قبیلۃ سیدہ اور غلام آزاد کا عاقلہ اس کے مالک کا قبیلہ ہے یعنے مالک کے ساتھ کذا فی الطحطاوی عن البرہان ویعقل عن مولی الموالاۃ مولاہ وقبیلۃ مولاہ اور مولائے موالات کی طرف سے اس کا مولے اور اس کے مولے کا قبیلہ دیت دیگا واعلم انہ لا تعقل العاقلۃ جنایۃ عبد ولا عمد وان سقط قودہ بشبہۃ او قتلہ ابنہ عمدا کما مر اور معلوم کر کہ عاقلہ دیت نہیں دیتی غلام اور قتل عمد کی جنایت کی اگرچہ قتل عمد کا قصاص ساقط ہوگیا ہو شبہ سے یا باپ کے قتل کرنے سے اپنے فرزند کو عمداً چنانچہ مذکور ہو گیا ولا مالزم بصلح او اعتراف ومالا دون نصف عشر الدیۃ لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تعقل العواقل عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ولا مادون ارش الموضحۃ بل الجانی اور عاقلہ نہیں دیتی وہ مال جو لازم ہو قتل عمد یا قتل عمد کی صلح سے یا قاتل کے اقرار سے اور نہ وہ مال جو دیت کے بیسویں حصے سے کم ہے بدلیل قول رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ عواقل دیت نہیں دیتے قتل عمد کی اور غلام کی اور نہ صلح کی اور نہ اقرار کی اور نہ موضحہ کی دیت سے کمتر مال کی بلکہ قاتل اس دیت کو آپ ادا کرے م اس حدیث کو محمد بن حسن نے ابن عباس پر موقوف نقل کیا ہے اور حدیث مرفوع تو غریب ہے لیکن موضحہ کی دیت حدیث میں نہیں بلکہ ابراہیم نخعی سے منقول ہے کذا فی العینی الا ان یصدقوہ فی اقرارہ او تقوم حجۃ وانما قبلت البینۃ ہنا مع الاقرار مع انہا لا تعتبر معہ لانہا تثبت مالیس بثابت باقرار المدعی علیہ وہو الوجوب علی العاقلۃ مگر یہ کہ عاقلہ قاتل کے اقرار کی تصدیق کریں یا گواہی سے قتل ثابت ہو تو عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اور یہاں گواہی اقرار کے ساتھ اس واسطے مقبول ہوئی باوجودیکہ گواہی اقرار کے ساتھ معتبر نہیں ہوتی اس واسطے کہ گواہی اس کو ثابت کرتی ہے جو مدعا علیہ کے اقرار سے ثابت نہیں یعنے واجب ہونا مال کا عاقلہ پر ولو تصادق القاتل واولیاء المقتول علی ان قاضی بلد کذا قضی بالدیۃ علی عاقلتہ بالبینۃ وکذبہما العاقلۃ فلا شیٔ علیہما ای علی العاقلۃ لان تصادقہما لیس بحجۃ علیہم ولا علیہ فی مالہ الا حصتہ لان تصادقہما حجۃ فی حقہما زیلعی اور اگر قاتل اور مقتول کے وارثوں نے باہم تصدیق کی اس پر کہ فلانے شہر کے قاضی نے دیت کا حکم کیا قاتل کی عاقلہ پر گواہی کے سبب سے اور عاقلہ نے ان دونوں کی تکذیب کی تو عاقلہ پر کچھ دینا واجب نہیں ہے اس واسطے کہ قاتل اور اولیاء مقتول کے باہم تصدیق عاقلہ پر حجت نہیں ہے اور نہ خود قاتل پر حجت ہے اس کے مال میں مگر بقدر اس کے حصے کے اس لئے کہ قاتل اور وارثوں کا تصادق انہیں دونوں کے حق میں حجت ہے کذا فی الزیلعی م قاتل کے مال میں عاقلہ کا حصہ رسد اقرار اس کا حجت ہے بشرطیکہ اس کے واسطے اعطا میں ہو چنانچہ عالمگیری میں ہے کافی سے اور ظاہر اعطا تو اہل لشکر میں ہوتی ہے نہ قبائل میں کذا فی الطحطاوی واعلم ان الخصم فی ذلک ہو الجانی لان الحق علیہ ولو کان صبیا فالخصم ابوہ خانیۃ قلت یؤخذ من قولہ الخصم ہو الجانی لا العاقلۃ جواب حادثۃ الفتوی وہے ان صبیا فقأ عین صبیۃ فماتت فادعٰی ولیہا تحلیف العاقلۃ علی نفی فعل الصبی والجواب انہ لا تحلیف لان ذلک فرع صحۃ الدعوی وہے غیر متوجہۃ علی العاقلۃ ویبقی ہنا شئ وہو

ان العاقلة لو اقروا بفعل الجانی هل یصح اقرارهم بالنسبة الیهم حتی یقضی علیهم بالدیة ام لا فان قلت نعم ینبغی ان یجری الحلف فی حقهم لظهور فائدته قاله المصنف بحثا فلیحرر۔ اور معلوم کر کہ اس میں یعنے دعوی قتل میں خصم یعنے مدعا علیہ قاتل ہے اس واسطے کہ حق اس پر ثابت ہے اور اگر قاتل صغیر ہو تو مدعا علیہ اس کا باپ ہے کذا فی الخانیۃ میں کہتا ہوں کہ اس کے اس قول سے کہ مدعا علیہ قاتل ہے نہ عاقلہ ماخوذ ہوتا ہے حادثہ فتوی کا جواب وہ استفتاء یہ ہے کہ صغیر نے صغیرہ کی آنکھ پھوڑی سو وہ مرگئی تو صغیرہ کے وارث نے چاہا قسم دینا عاقلہ کا صغیر کی نفی فعل پر اور جواب اس کا یہ ہے کہ قسم وارد نہ ہوگی اس واسطے کہ لزوم قسم دعوی صحیح ہونے کی فرع ہے اور حالانکہ دعوی عاقلہ پر متوجہ نہیں ہے اور یہاں گفتگو کچھ باقی ہے کہ اگر عاقلہ نے قاتل کے فعل کا اقرار کیا تو ان کا اقرار بہ نسبت ان کے صحیح ہوگا تا اینکہ ان پر وجوب دیت کا حکم ہو یا اقرار ان کا صحیح نہیں تو اگر یوں جواب دو کہ ہاں تو لائق یوں ہے کہ قسم ان کے حق میں جاری ہو اس کے فائدہ ظاہر ہونے کے سبب سے فائدے سے مراد لزوم دیت ہے ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں بحث کی راہ سے تو اس کی تحریر اور تنقیح کرنا چاہیے م تحلیف عاقلہ قول سابق کے مخالف ہے کہ عاقلہ خصم نہیں تو ان پر قسم بھی نہیں اور اگر یوں جواب دیجیے کہ یہ غیر مدعا علیہ کا اقرار ہے تو اس پر قسم جاری نہ ہوگی تو صریح ظاہر ہے کذا فی الطحطاوی وان جنی حر علی نفس عبد خطاء فہی علی عاقلتہ یعنے اذا قتلہ لان العاقلة لا تحمل اطراف العبد و قال الشافعی لا تتحمل النفس ایضا اور اگر آزاد نے جنایت کی غلام کی جان پر خطا کی راہ سے تو اس کی دیت آزاد کی عاقلہ پر ہے جنایت سے مراد یہ ہے کہ آزاد غلام کو قتل کرے اس واسطے کہ عاقلہ غلام کی اطراف کی دیت کے متحمل نہیں اور امام شافعی نے کہا کہ عاقلہ قتل نفس کی دیت کے بھی متحمل نہیں ولا یدخل صبی وامراۃ ومجنون فی العاقلة اذا لم یتناصروا یعنے لو القاتل غیرہم والا فیدخلون علی الصحیح کما مر اور صغیر اور عورت اور دیوانہ عاقلہ میں داخل نہیں جب کہ وہ باہم مددگاری نہ کرتے ہوں یعنے اگر صغیر وغیرہ قاتل نہ ہوں تو عاقلہ میں داخل نہیں اور اگر صغیر وغیرہ سے قتل ظاہر ہوا ہو تو عاقلہ میں داخل ہوں گے بنا بر قول صحیح کے چنانچہ عنقریب مذکور ہو چکا م عدم تناصر کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر ان سے مددگاری کی درخواست ہوتی ہو تو عاقلہ میں داخل ہوں گے وجوب دیت میں کذا فی الطحطاوی ولا یعقل کافر عن مسلم ولا بالعکس لعدم التناصر اور کافر دیت نہیں دیتا مسلمان کی طرف سے اور نہ مسلمان کافر کی طرف سے عدم تناصر کی وجہ سے والکفار یتعاقلون فیما بینہم وان اختلفت مللہم لان الکفر کلہ ملة واحدة یعنے ان تناصروا والا ففی مالہ فی ثلث سنین کالمسلم کما بسط فی المجتبی اور کافر فیما بین خود ایک دوسرے کے عاقلہ ہوں گے اگرچہ ان کے دین مختلف ہوں اس واسطے کہ کفر بالکل ایک ہی دین ہے یعنی بشرطیکہ ایک دوسرے کی مددگاری کرتے ہوں اور اگر تناصر ان میں رائج نہ ہو تو فقط قاتل کے مال میں دیت مقتول کی واجب ہے تین سال کے اندر مسلمان کے مانند چنانچہ مجتبی میں اس کو مشرح بیان کیا ہے م مجتبی میں ہے کہ دو تاجر مسلمان دار الحرب میں وارد ہیں سو ایک مسلمان نے دوسرے کو قتل کیا تو اس دیت قاتل کے مال میں واجب ہے کذا فی الطحطاوی واذا لم یکن للقاتل عاقلة کلقیط وحربی اسلم فالدیة فی بیت المال فی ظاہر الروایة وعلیہ الفتوی درر وبزازیة وجعل الزیلعی روایة وجوبہا فی مالہ روایة شاذة اور جب کہ قاتل کا کوئی عاقلہ مددگار نہ ہو چنانچہ لقیط کا یا وہ حربی جو مسلمان ہوا تو اس کے مقتول کی دیت بیت المال میں ہے ظاہر الروایۃ میں اور اسی پر فتوی ہے کذا فی الدرر والبزازیۃ اور زیلعی نے مال قاتل میں وجوب دیت کی روایت کو روایت شاذ قرار دیا ہے یعنے جب کہ قاتل کا کوئی عاقلہ نہ ہو تو اس کے مال میں دیت واجب ہے اس روایت کو زیلعی نے غیر معتمد کہا ہے قلت وظاہر ما فی المجتبی عن خوارزم من ان تناصرہم قد انعدم وبیت المال قد انہدم یرجع وجوبہا فی مالہ فیؤدی فی کل سنة ثلثة دراہم او اربعة کما نقلہ فی المجتبی عن الناطفی قال وہذا حسن لا بد من حفظہ واقرہ المصنف فلیحفظ فقط

وقع فی کثیر من المواضع انہا فی ثلٰث سنین فافہم میں کہتا ہوں اور مجتبے کا ظاہر کلام ملک خوارزم کی حکایت حال سے یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں
کی باہم مددگاری نیست ونابود ہوگئی اور بیت المال منہدم اور بے نشان ہوگیا تو یہ حال ترجیح دیتا ہے واجب ہونے دیت کو قاتل کے
مال میں تو قاتل ہر سال تین یا چار درم ادا کرتا رہے چنانچہ اس کو مجتبے میں ناطقی سے نقل کیا ہے صاحب مجتبے نے کہا اور یہ قول خوب
ہے اس کا یاد رکھنا ضرور ہے اور مصنف نے اپنی شرح میں اس کو ثابت رکھا ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے سوالبتہ مجتبے یا غیر مجتبے کے
اکثر مواضع میں واقع ہوا ہے کہ بالکل دیت کا ادا کرنا تین سال میں ہے تو اس کو سمجھ لے کذا فی الطحطاوی وہذا اذا کان القاتل مسلما
فلو ذمیا ففی مالہ اجماعا بزازیۃ اور یہ یعنے جب عاقلہ نہ ہو تو بیت المال سے دیت واجب ہے یا اس وقت ہے جب کہ قاتل مسلمان ہو
سو اگر قاتل ذمی ہو تو اسی کے مال میں بالاتفاق دیت ہے کذا فی البزازیہ **ومن لہ وارث معروف مطلقا** ولو بعیدا او محروما برق او کفر **لا**
یعقلہ بیت المال وہو الصحیح کما بسطہ فی الخانیۃ اور جس قاتل کا مشہور وارث ہو کسی طرح کا وارث ہو اگرچہ وارث بعید ہو یا محروم المیراث غلام یا
کافر ہونے کے سبب سے تو اس کے مقتول کی دیت بیت المال نہ دے گا اور یہی قول صحیح ہے چنانچہ اس کو خانیہ میں مشرح بیان کیا ہے **ولا عاقلۃ للعجم**
وبہ جزم فی الدرر قالہ المصنف لعدم تناصرہم عجمیوں کا یعنے عرب کے سوا اور ملک کے رہنے والوں کا عاقلہ نہیں اسی پر یقین کیا ہے درر میں یہ کہا ہے
مصنف نے اپنی شرح میں ان کے عدم تناصر کے سبب سے وقیل لہم عواقل لانہم یتناصرون کالاساکفۃ والصیادین والصرافین والسراجین فاہل محلۃ القاتل
وصنعتہ عاقلتہ وکذلک طلبۃ العلم قلت وبہ افتی الحلوانی وغیرہ خانیۃ اور بعضوں نے کہا کہ عجمیوں کے واسطے بھی عاقلہ ثابت ہیں اس واسطے کہ وہ باہم حمایت
اور مددگاری کرتے ہیں چنانچہ کفش گر اور صیاد اور صراف اور زین گر لوگ تو قاتل کے اہل محلہ اور اہل پیشہ اس کے عاقلہ ہیں اور اسی طرح طالب علم
باہمدگر عاقلہ ہیں میں کہتا ہوں اور اسی کا فتوی دیا ہے شمس الائمہ حلوانی وغیرہ نے کذا فی الخانیۃ زاد فی المجتبے والحاصل ان التناصر اصل فی ہذا الباب و
معنے التناصر انہ اذا حزبہ امر قاموا معہ فی کفایتہ وتمامہ فیہ مجتبے میں یہ زیادہ کہا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ اس باب یعنے اثبات عاقلہ میں تناصر
اصل ہے اور تناصر سے مراد یہ ہے کہ جب اس کو کوئی سختی اور مصیبت پیش آوے تو لوگ اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں اس کی کار برآری میں
یعنے اس کو بچالیں اس کی تکلیف ٹال دیں اور اس کا پورا بیان مجتبے میں ہے وفی تنویر البصائر معزیا للحافظیۃ والحق ان التناصر فیہم بالحرف فہم عاقلۃ
الخ فلیحفظ واقرہ القہستانی اور تنویر البصائر میں حافظیہ سے منقول ہے اور حق یہ ہے کہ عجمیوں میں تناصر پیشوں کی وجہ سے ہے تو اہل پیشہ وہی
عاقلہ ہیں پیشہ کے انتہی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے اور اسی قول کو قہستانی نے ثابت رکھا ہے لکن حرر شیخنا الحانوتی ان التناصر منتف الآن
لغلبۃ الحسد والبغض وتمنی کل واحد المکروہ لصاحبہ فتنبہ لیکن ہمارے استاد حانوتی نے اس کی تحریر اور تنقیح کی ہے کہ بالفعل تناصر موجود نہیں حسد
اور بغض کے غلبہ کے سبب سے اور ہر شخص اپنے ہم پیشہ کی بدحالی کا آرزومند ہے تو آگاہ رہیو م یہ وہی قول ہے جو زاہدی صاحب مجتبی نے عرف
خوارزم کا بیان کیا ہے قلت وحیث لا قبیلۃ ولا تناصر فالدیۃ فی مالہ او بیت المال میں کہتا ہوں اور جہاں نہ قبیلہ اور نہ برادری ہے
اور نہ حمایت اور نہ مددگاری تو وہاں دیت قاتل کے مال میں ہے یا بیت المال میں م وجوب دیت کا بیت المال میں ظاہر الروایۃ مفتی بہ
ہے اور وجوب مال قاتل کے مال میں روایت شاذ ہے چنانچہ مذکور ہوچکا میں کہتا ہوں مدار تناصر پر ہے چنانچہ فقہا نے اس کی تصریح کی
ہے تو جس قوم میں تناصر اور حمایت کرنا رائج ہے تو وہ لوگ اس کے عاقلہ ہیں اور اگر حمایت نہیں کرتے تو عاقلہ نہیں کذا فی الطحطاوی

واللہ تعالی اعلم واستغفر اللہ الحلیم

◆

کتاب الوصایا

یہ کتاب ہے وصایا کے احکام میں وصایا جمع ہے وصیت کی۔ وصیت شرعاً عبارت ہے تملیک بعدالموت سے چونکہ دنیا میں
انسان کا آخر حال موت ہے۔ تو اس کتاب کا آخر کتاب میں لانا قبل از میراث مناسب ہوا وصیت اسم ہے بمعنی مصدر اور موصی
بہ کو یعنی جس چیز کی وصیت کی جائے اس کو بھی وصیت کہتے ہیں اور ایصا عبارت ہے غیر کو وصی کرنے سے تاکہ غیر
اس کی غیبت میں کام کرے خواہ موصی زندہ ہو یا مردہ مثلاً زید نے خالد سے کہا کہ باغ محمود کو دینا میری موت
کے بعد تو زید تو موصی ہے اور خالد وصی ہے اور باغ موصی بہ ہے اور محمود موصی لہ یعم الوصیۃ والایصاء یقال
اوصے الے فلان اے جعلہ وصیا والاسم منہ الوصایۃ وسیجئی فی باب مستقل و اوصی لفلان بمعنی ملکہ بطریق الوصیۃ وصایا
عام اور شامل ہے وصیت اور ایصا کو بولتے ہیں اوصی الی فلان یعنی اس کو وصی کیا اور وصایۃ اسم ہے
ایصا سے اور وصی کے مسائل جدا باب میں آگے آویں گے اور بولتے ہیں اوصی لفلان یعنی اس کو مالک
کیا بطریق وصیت کے م طحطاوی نے کہا لام اور الی کا تفرقہ کتب لغت سے معلوم نہیں ہوتا تو اگر یہ
تفرقہ اصطلاحی ہے تو اصطلاح میں کچھ نزاع کا مقام نہیں اور یہی معلوم ہوتا ہے صاحب درر کے کلام سے
اور شارح اس بیان میں تابع ہے صاحب درر کا فحینئذ ہی **تملیک مضاف الیٰ ما بعد الموت** عینا
کان او دینا تو اس وقت میں یعنی بعد تفرقہ وصیت اور ایصا کے معلوم کرنا چاہیئے کہ وصیت تملیک
ہے مضاف بما بعد موت کے خواہ تملیک کی شے عین ہو یا دین یعنی بطریق التبرع لیخرج نحو الاقرار بالدین فانہ
نافذ من کل المال کما سیجئ میں کہتا ہوں تملیک سے تملیک بطریق احسان کے مراد ہے تاکہ مانند اقرار کرنے دین کے
وصیت سے نکل جاتے۔ اس واسطے کہ دین کا اقرار نافذ ہے تمام مال سے چنانچہ آگے آوے گا یعنی بخلاف
وصیت کے کہ وہ ثلث مال سے نافذ ہے م بعضوں نے کہا اقرار دین عبارت ہے اظہار ما فی الذمہ سے نہ
تملیک بعدالموت سے تو وہ تو فقط تملیک کے لفظ سے خارج ہے ارادۂ احسان کی کچھ حاجت نہیں ولاینافیہ
وجوبہا لحقہ تعالیٰ فتأملہ اور تبرع کے مخالف نہیں وصیت کا واجب ہونا حق تعالیٰ کے حق کے سبب سے سو
اس کو تامل کر م یہ جواب ہے سوال مقدر کا تقریر سوال یہ ہے کہ جب وصیت کی یہ تعریف ہوتی تو وہ تملیک

ہے بطریق تبرع اور احسان کے اور حالانکہ زکوٰۃ اور کفارات وغیرہ حقوق ربانی میں وصیت واجب ہے پھر جب واجب ہوئی تو تبرع کہاں۔ اس واسطے کہ تبرع عبارت ہے عدم وجوب سے شارح نے جواب دیا کہ یہ وجوب منافی تبرع کے نہیں ہے اور بہ لفظ تامل وقت جواب کی طرف اشارہ کیا یعنی وجوب حق اللہ جب موت سے ساقط ہوگیا تو تبرع کے مشابہ ہوگیا اور دیون عباد کے مانند نہوا کذا فی الجلبی وہی علی مافی المجتبیٰ اربعۃ اقسام واجبۃ بالزکوٰۃ والکفارات وفدیۃ الصیام والصلوٰۃ التی فرط فیہا ومباحۃ لغنی ومکروہ لاہل الفسق والا مستحبۃ اور بنابراس کلام کے جو مجتبیٰ میں ہے وصیت چار قسم ہی واجب ہے وصیت واسطے زکوٰۃ اور کفارات اور فدیہ صیام اور صلوٰۃ کے جن کے ادا کرنے میں مسلمان نے قصور کیا اور وصیت مباح ہے مالدار کے واسطے اور مکروہ ہے فاسق فاجروں کے واسطے اور ان کے سوا وصیت مستحب ہے م وجوب زکوٰۃ وغیرہ کی وصیت زیلعی میں مذکور ہے تو اس کو زیلعی کی طرف نسبت کرنا مناسب تھا اور مجتبیٰ میں اس کو مستحب میں شمار کیا ہے۔ عبارت مجتبیٰ کا ترجمہ یہ ہے کہ وصیت چار قسم ہے واجب ہے چنانچہ رد ودائع اور دیون مجہولہ کی وصیت اور مستحب ہے چنانچہ کفارات اور فدیہ صلوٰۃ اور صیام اور ان کے مانند کی وصیت اور مباح ہے جیسے اغنیاء اجانب اور اقارب کے واسطے وصیت اور مکروہ ہے جیسے اہل فسوق اور معاصی کے واسطے وصیت کرنا انتہیٰ کذا فی الطحطاوی ولا تجب للوالدین والاقربین لان آیۃ البقرۃ منسوخۃ بآیۃ النساء اور وصیت کرنا والدین اور اقرباء کے واسطے واجب نہیں اس واسطے کہ سورۂ بقر کی آیت سورۂ نساء کی آیت سے منسوخ ہے م سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے (کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیۃ والاقربین) یعنے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مفروض ہوا تم پر جب حاضر ہو تم میں کسی شخص کو موت اگر کچھ مال چھوڑے وصیت کرنا ماں باپ اور قرابت والوں کے واسطے اور سورۂ نساء کی آیت سے آیۃ المواریث مراد ہے جو ناسخ ہے سورۂ بقر کی آیت مذکور کو یہی مذہب ہے ابن عمر اور عکرمہ اور مجاہد اور مالک اور شافعی اور اکثر اہل تفسیر کا اور ہمارے اکثر اصحاب نے کہا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت منسوخ ہے اس حدیث سے جو چند صحابہ کبار سے مروی ہے از آنجملہ ابوامامہ باہلی کی حدیث ہے جو ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب فقال ان اللہ تعالیٰ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ الوارث یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا۔ پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر حق دار کا حق ادا کیا تو اب وصیت نہیں وارث کے واسطے ترمذی نے کہا یہ حدیث احسن ہے اور اس حدیث مشہور کو اکثر علماء نے قبول کیا اور ایسی حدیث مشہور سے نسخ کتاب جائز ہے ہمارے نزدیک اور یہ حجت ہے امام شافعی پر کہ وہ نسخ کتاب کی حدیث سے معتقد نہیں کذا فی العینی شرح الہدایہ وسببہا ما ہو سبب التبرعات وصیت کا سبب وہ ہے جو تبرعات یعنی عبادات غیر واجبہ کا سبب ہے م حموی نے کہا وصیت کا وہ سبب ہے جو وصیت کے محاسن میں مذکور ہے یعنی جو اعمال فوت ہوگئے ہیں ان کا تدارک کرنا مال کو صرف کرکے اُس حالت میں کہ مال کی کچھ حاجت نہ رہے تاکہ انجام میں کام آوے مجتبیٰ میں ہے کہ اہم وظائف دینیہ معارف یقینیہ کے بعد تلافی تقصیر اور اصلاح فساد کی معرفت ہے اور مظالم اور حقوق عباد کا تدارک کرنا اور اعمال کا زیادہ کرنا انقراض آمال کے وقت اس واسطے کہ ہر مخلوق زندہ کے واسطے موت ضروری ہے اور وہ امر وصیت ہے جس کو

قرآن مجید میں بتاکید فرمایا ہے آیۃ المواریث میں اس طرح کہ من[1] بعد وصیۃ یوصی بہا او دین اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہارا تہائی مال تم پر تصدق کیا تمہاری آخر عمر میں تمہارے اعمال زیادہ ہونے کے واسطے اور فرمایا کہ اس مرد کو حلال نہیں جو خدا کا اور پچھلے دن کا ایمان رکھتا ہو اور وہ مالدار ہو اور وصیت کرنیکا ارادہ رکھتا ہو یہ کہ سو رہے مگر اس کی وصیت اس کے سر کے پاس ہو انتہے حموی نے قاضی خان سے فرع نفیس یاد رکھنے کے لائق نقل کی۔ وہ یہ ہے کہ جب آدمی نے وصیت کا ارادہ کیا اور اس کی اولاد صغار ہے۔ شیخین نے کہا کہ مال چھوڑ جانا اپنی اولاد کے واسطے افضل ہے اور اگر اولاد کبار ہے اور مال تھوڑا ہے امام نے کہا کہ اس کو وصیت کرنا لائق نہیں اور اگر مال زیادہ ہے اور وارث غنی ہیں تو امور واجبہ سے وصیت کی ابتدا کرے اور اگر اس پر کچھ واجب نہیں رہا تو اہل قرابت کے واسطے وصیت کرے اور اگر قرابا اغنیاء ہیں تو پڑوسیوں کے واسطے وصیت کرے کذا فی الطحاوی **وشرائطہا کون الموصی اہلا للتملیک فلم تجز من صغیر ومجنون ومکاتب الا اذا اضاف لعتقہ** کما سیجئی اور وصیت کی شرطوں میں سے ہونا ہے موصی کا لائق مالک کرنے کے تو وصیت جائز نہیں ہے۔ صغیر اور مجنون اور مکاتب سے مگر جب کہ مکاتب وصیت کو اپنے آزاد ہو جانے کی طرف نسبت کرے تو جائز ہے چنانچہ آگے آوے گا **وعدم استغراقہ بالدین لتقدمہ علی الوصیۃ** کما سیجئی اور عدم استغراق مال کا دین کے ساتھ شرط ہے بسبب مقدم ہونے دین کے وصیت پر چنانچہ آگے آوے گا۔ **وکون الموصی لہ حیا وقتہا تحقیقا** او تقدیرا لیشمل الحمل الموصی لہ فافہمہ فان بہ یسقط ایراد الشرنبلالیۃ اور موصی لہ جس کے لئے وصیت کی گئی اس کا زندہ ہونا وصیت کے وقت شرط ہے خواہ وہ تحقیقا زندہ ہو یا تقدیرا تاکہ حمل موصی لہ کو حیات تقدیری شامل رہے۔ سو اس کو بوجھ لے کہ اس تعمیم سے شرنبلالیہ کا اعتراض ساقط ہوتا ہے م صاحب درر نے کہا کہ موصی لہ کی حیات وصیت کے وقت شرط ہے۔ اس واسطے کہ اگر وہ میت ہو تو وصیت باطل ہے شرنبلالی نے اس پر اعتراض کیا کہ حمل کے واسطے وصیت کرنا صحیح ہے وہاں حیات کہاں ہے۔ شارح نے اس کا جواب دیا حیات تقدیری کا لفظ زیادہ کر کے **وکونہ غیر وارث وقت الموت** اور موصی لہ کا موت کے وقت وارث نہ ہونا شرط ہے م یعنی موصی لہ موصی کا وارث نہ ہو موصی کی موت کے وقت۔ اور اگر وصیت کے وقت وارث ہو اور موت کے وقت وارث نہ ہو تو وصیت صحیح ہے زیلعی میں ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے بھائی کے واسطے وصیت کی اور حالانکہ وہ وارث ہے پھر موصی کا بیٹا پیدا ہوا تو بھائی کے حق میں وصیت صحیح ہے یعنی اس واسطے کہ بیٹا ہونے سے بھائی موصی کا وارث نہ رہا موت کے وقت اور اگر موصی کا بیٹا ہے اور اس نے اپنے بھائی کے واسطے وصیت کی پھر بیٹا مر گیا قبل از موت موصی کے تو وصیت باطل ہے کیونکہ موصی لہ وارث ہے موت کے وقت اگرچہ وصیت کے وقت وارث نہ تھا **ولا قاتل** اور موصی لہ کا قاتل نہ ہونا موصی کا شرط ہے وصیت کی خواہ اس نے وصیت قبل از قتل کی ہو پھر اس نے قتل کیا ہو یا بعد زخمی ہونے کے وصیت کی ہو بہر صورت وصیت باطل ہے کذا فی الزیلعی وہل یشترط کونہ معلوما قلت نعم کما ذکرہ ابن سلطان وغیرہ فی الباب الاتی اور کیا شرط ہے ہونا موصی لہ کا معلوم یا نہیں میں کہتا ہوں ہاں اس کا معلوم ہونا شرط ہے چنانچہ ابن سلطان وغیرہ نے اس کو ذکر کیا ہے باب آئندہ میں م موصی لہ کا علم بالوصف کافی ہے چنانچہ فقیر اور مساکین کذا فی الطحاوی۔ **کون الموصی بہ قابلا للتملیک بعد موت الموصی** بعقد من العقود مالا او نفعا موجودا للحال ام معدوما اور شرط ہے وصیت کی ہونا موصی بہ کا یعنی جس چیز کی وصیت ہوئی وہ بعد موصی کے قابل ہو تملیک کے بواسطہ کسی عقد کے عقود سے خواہ مال ہو یا منفعت بالفعل موجود ہووے یا معدوم م معدوم ہو یعنی علی خطر الوجود ہو جیسے باغ کے پھلوں کی وصیت کرنا فلانے شخص کے واسطے جب تک کہ وہ زندہ ہے یا ثلث مال کی وصیت کی اور حالانکہ موصی کا کچھ مال نہیں پھر اس نے مال پیدا کیا تو موصی لہ ثلث مال کا مستحق ہوگا۔ اس کی موت کے

---

[1] پیچھے وصیت کے کہ وصیت کی جاوے یا قرض کے [illegible] رواہ الطحاوی عن ابی ہریرۃ کذا فی العینی۔

وقت اگر ثلث کی وصیت ہو کذا فی الطحطاوی مختصرا وان یکون بمقدار الثلث اور یہ شرط ہے کہ موصی بمقدار ثلث مال کے ہو م طحطاوی نے کہا یہ لزوم وصیت کی شرط ہے **ورکنہا قولہ اوصیت بکذا لفلان وما یجری مجراہ من الالفاظ المستعملۃ فیہا** اور وصیت کا رکن موصی کا یہ قول ہے کہ میں نے وصیت کی اس چیز کی فلانے شخص کے واسطے اور جو اس کے قائم مقام ہو ان الفاظ سے جو وصیت میں مستعمل ہوتے ہیں۔ م چنانچہ یوں کہنا کہ میں نے اپنا تہائی مال اپنی موت کے بعد فلانے شخص کے لئے ٹھہرایا وفی البدائع رکنہا الایجاب والقبول وقال زفر الایجاب فقط اور بدائع میں ہے کہ وصیت کا رکن ایجاب اور قبول ہے اور زفر نے کہا کہ فقط ایجاب رکن ہے م غایۃ البیان میں ہے ہمارے نزدیک وہ قبول شرط ہے وصیت کی جو موت کے بعد ہو تو جو قبول یا رد کہ موصی کی زندگی میں ہو وہ باطل ہے اس واسطے کہ وصیت تملیک متعلق بموت ہے تو موت سے پہلے قبول اور رد شمار کے لائق نہیں اس واسطے کہ قبول نہیں ہوتا ایجاب سے پہلے انتہے ملخصا قلت المراد بالقبول مایعم الصریح والدلالۃ بان یموت الموصی لہ بعد موت الموصی بلا قبول کما سیجیء میں کہتا ہوں اور قبول سے وہ مراد ہے جو شامل ہو صریح اور دلالت کو اس طرح کہ موصی لہ مرجائے موصی کی موت کے بعد بدون قبول کرنے کے چنانچہ آگے آوے گا م موصی لہ کا مرنا موصی کے بعد یہی قبول ہے تو وصیت کی چیز کا وارث ہوگا موصی لہ کا وارث اور قبول بالفعل قبول بالقول کے برابر ہے۔ چنانچہ موصی کی وصیت کو جاری کرنا اور اس کے وارثوں کے واسطے خریدنا یا اس کا دین ادا کرنا کذا فی العالمگیریۃ عن محیط السرخسی **وحکمہا کون الموصی بہ ملکا جدیدا للموصی لہ کما** فی الہبۃ فیلزمہ استبراء الجاریۃ الموصی بہا اور حکم یعنی اثر مترتب وصیت کا ہونا موصی بہ کا ملک جدید موصی لہ کی چنانچہ ہبہ میں ملک جدید حاصل ہوتی ہے موہوب لہ کو، تو موصی لہ کو وصیت کی جاریہ کا استبراء لازم ہوگا **وتجوز بالثلث للاجنبی** عند عدم المانع **وان لم یجز الوارث ذلک** اور تہائی مال کی وصیت جائز ہے اجنبی شخص کے واسطے درصورت عدم مانع . . . اگرچہ موصی کے وارث اس کو جائز نہ رکھیں م مانع وصیت چنانچہ قتل یا مستغرق بدین ہونا وارث کی اجازت کا محتاج نہیں حدیث مذکور کی دلیل سے یعنی حق تعالیٰ نے تمہارا تہائی مال تم پر تصدق کیا تمہاری آخر عمر میں تاکہ تمہارے اعمال زیادہ ہوں **لا الزیادۃ علیہ الا ان تجیز ورثتہ بعد موتہ** ولا تعتبر اجازتہم حال حیوتہ اصلا بل بعد وفاتہ **وہم کبار** نہیں جائز ہے تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا مگر اس صورت میں جائز ہے جب کہ موصی کے وارث بالغ اس کی موت کے بعد اجازت دیں اور وارثوں کی اجازت موصی کی زندگی میں اصلا معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہے م حیات موصی میں وارثوں کی اجازت اس واسطے معتبر نہ ہوئی کہ ہنوز ان کا حق ثابت نہیں اس واسطے کہ میراث کا حق مورث کی موت سے ثابت ہوتا ہے اور اگر وارث صغیر ہے تو وارث کبیر کی اجازت وارث صغیر کے حق میں نافذ نہ ہوگی اور نہ اس کے ولی کی تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں سعد بن وقاص کی حدیث سے جو صحاح ستہ میں مروی ہے۔ سعد نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا مال بہت ہے اور میری بیٹی فقط وارث ہے تو میں اپنے تمام مال کی وصیت کرتا ہوں تو فرمایا کہ نہیں پھر میں نے کہا کہ دو تہائی مال کی وصیت کرتا ہوں فرمایا نہیں کہا نصف مال کی وصیت کروں فرمایا نہیں کہا تہائی مال کی وصیت کروں فرمایا تہائی مال کی وصیت کر اور تہائی بہت ہے یعنی وصیت کے واسطے یعنی یعتبر کونہ وارثا او غیر وارث وقت الموت لا وقت الوصیۃ علی عکس اقرار المریض للوارث یعنی وارث یا غیر وارث ہونا موصی کی موت کے وقت معتبر ہے نہ وصیت کے وقت برعکس اقرار کرنے مریض کے وارث کے واسطے م مریض کے اقرار میں وارث ہونا یا غیر وارث ہونا اقرار کے وقت معتبر ہے اس واسطے کہ اقرار تصرف ہے فی الحال کا برخلاف وصیت کے تو اگر مریض نے اقرار کیا ایک شخص کے واسطے اور حالانکہ وہ اس کا وارث نہیں تو اقرار جائز ہے اگرچہ وہ شخص بعد اس کے اس کا وارث ہو جاوے لیکن یہ شرط ہے کہ وہ وارث ہو حادث سبب کی جہت سے بعد اقرار کے چنانچہ عورت اجنبی کے واسطے اقرار کیا پھر اس سے نکاح کیا اور اگر وارث ہو قدیم سبب کی جہت سے تو اقرار صحیح نہ ہوگا۔ چنانچہ اپنے اس بھائی کے واسطے اقرار کیا جو محجوب تھا مقر کے فرزند کے سبب سے پھر بعد اس کے فرزند مر گیا کذا فی الطحطاوی **وندبت باقل منہ ولو عند غنی ورثتہ او استغنائہم بحصتہم** اور مستحب ہے کم از ثلث سے وصیت کرنا اگرچہ وصیت کم از ثلث کی وارثوں کی توانگری کے ساتھ ہو یا میراث کے حصول

کے سبب سے انکو استغنا حاصل ہوا **ہو کثر کہا** اے کما ندب ترکہا **بلا احدہما** اے غنی او استغنا لانہ حینئذ صلۃ وصدقۃ جیسے وصیت کا ترک کرنا مستحب ہے بدون توانگری یا استغنا ورثہ کے یعنی جب کہ وارث نہ خود مالدار ہوں نہ میراث کے حصول سے ان کو استغنا حاصل ہو تو اس صورت میں ترک وصیت مطلقاً مستحب ہے اس واسطے کہ ترکِ وصیت اس وقت میں صلہ رحمی بھی ہے اور صدقہ بھی ہے م یعنی جب وارث محتاج ہیں اور مورث مال چھوڑ گیا تو اس کو صلہ رحمی کا بھی ثواب ملے گا اور خیرات کا بھی اور وصیت میں اجنبی پر فقط خیرات کرنے کا ثواب ہے حالانکہ قرابت دار پر خیرات کرنا افضل ہے اجنبی کی خیرات سے چنانچہ مسند احمد میں ابوایوب انصاری سے حدیث مرفوع مروی ہے کہ افضل الصدقۃ علی ذی الرحم الکاشح کذا فی العینی یعنی بہتر صدقہ اس قرابت دار پر ہے جو عداوت مخفی رکھتا ہے تہیگاہ میں طحطاوی قہستانی عن الظہیریہ سے منقول ہے کہ مقدار استغنا امام کے نزدیک یہ ہے کہ ہر وارث چار ہزار درہم کا وارث ہو اور فضل سے روایت ہے کہ ہر وارث دس ہزار درم کی میراث پاوے **وتؤخر عن الدین** لتقدم حق العبد اور وصیت متاخر ہے دین سے یعنی ادائے دین کے بعد وصیت کا رتبہ ہے بسبب مقدم ہونے حق العبد کے م حق العبد حق الشرع پر مقدم ہے اگرچہ حق شرع واجب ہو اس واسطے کہ شرع کا حق نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا ساقط ہو جاتا ہے موت سے چنانچہ اپنے محل میں مذکور ہے تو وصیت تبرع کے مانند ہوئی کذا فی المنح **وصحت بالکل عند عدم ورثتہ ولو حکما** کمستامن لعدم المزاحم اور وصیت صحیح ہے تمام مال کی عدم ورثہ کی حالت میں اگرچہ موصی کا حکماً وارث ہو مانند مستامن کے عدم مزاحم کے سبب سے م یعنی جب کہ مستامن نے اپنے تمام مال کی وصیت کی تو وصیت صحیح ہے اگرچہ اس کے دار الحرب میں وارث ہوں کذا ذکرہ ابوالسعود درر میں ہے تعلق حق وارث مانع تھا صحت وصیت کا پھر جب کہ وارث منتفی ہوا تو وصیت صحیح ہو گئی **ولمملوکہ بثلث مالہ** اتفاقا وتکون وصیۃ بالعتق فان خرج من الثلث فیہا والا سعی فی بقیۃ قیمتہ وان فضل من الثلث شیٔ فہو لہ اور اپنے غلام کے واسطے تہائی مال کی وصیت صحیح ہے بالاتفاق اور یہ اس کی آزادی کی وصیت ہوگی تو اگر غلام نکل آیا تہائی مال سے فہو المراد ورنہ اپنی باقی قیمت کے ادا میں کوشش کرے اور اگر تہائی مال قیمت سے زیادہ ٹھہرا تو وہ اس غلام کا ہے م اگر موصی کا مال درم اور دینار ہے تو اگر تمام مال ۳۰۰ درم ہے اور غلام کی قیمت ۱۰۰ درم ہے تو غلام آزاد ہو گیا اور اگر اس کی قیمت ۱۲۰ درم ہے تو ۲۰ درم کی کمائی کر کے ادا کرے تب آزاد ہو اور اگر اس کی قیمت ۸۰ درم ہے تو ۲۰ درم غلام پاویگا اور اگر موصی کا مال نقد نہیں اسباب ہے تو اس کی تفصیل فتاوی عالمگیری مذکور ہے **وبدنانیر ودراہم مرسلۃ لا تصح فی الاصح کما لا تصح بعین من اعیان مالہ** اور اگر اپنے غلام کے واسطے دنانیر یا دراہم غیر متعینہ کی وصیت کی تو صحیح نہیں جیسے وصیت صحیح نہیں موصی کے اجناس مال سے ایک جنس کی م درر میں خلاصہ سے منقول ہے کہ اگر غلام کے واسطے اپنے مال سے کسی جنس کی وصیت کی تو صحیح نہیں۔ اور اگر ثلث مال کی مطلقاً وصیت کی تو صحیح ہے اور یہ عتق کی وصیت ٹھہرائی ے گی اور اگر دس درم یا دس دینار غیر معین کی وصیت کی تو امام نسفی نے کہا کہ اصح یہ ہے کہ صحیح نہیں جیسے جنس کی وصیت صحیح نہیں انتہی طحطاوی نے کہا دینار اور درم میں عدم تعیین کی قید اس واسطے لگائی کہ اس کی صحت متوہم تھی اور تعیین کی صورت میں تو جنس کے مانند وصیت صحیح نہیں **وصحت لمکاتب نفسہ ومدبرہ وام ولدہ استحسانا لا لمکاتب وارثہ** اور وصیت صحیح ہے اپنے ذاتی مکاتب کے واسطے اور اپنے مدبر اور اپنے ام ولد کے واسطے بطریق استحسان کے نہ اپنے وارث کے مکاتب کیواسطے **وصحت للحمل وبہ** کقولہ اوصیت بحمل جاریتی او دابتی ہذہ لفلان اور وصیت صحیح ہے حمل کے واسطے اور حمل کی وصیت غیر کیواسطے درست ہے چنانچہ مالک کا یوں کہنا کہ میں نے وصیت کی اپنی اس لونڈی کے حمل کی یا اپنے اس جانور کے حمل کی فلانے شخص کے واسطے م اور حمل کے واسطے اس طرح وصیت ہے کہ مالک کہے کہ میں نے فلانی لونڈی کے حمل کے واسطے اس قدر درموں کی وصیت کی کذا فی الدرر ثم **انما تصح ان ولد الحمل لاقل من ستۃ اشہر** لو زوج الحامل حیا ولو تقدیرا وہی معتدۃ حین الوصیۃ فلاقل من سنتین بدلیل ثبوت نسبہ اختیار وجوہرۃ پھر معلوم کرنا چاہیئے کہ وصیت مذکورہ اسی وقت صحیح

ا جب کہ بچہ پیدا ہوا ہو چھ مہینے کی مدت سے کم تر میں اگر حاملہ کا زوج زندہ ہو اور اگر شوہر اس کا مردہ ہو اور حالانکہ حاملہ عدت میں ہو وصیت کے وقت تو
سال سے کم تر مدت موت یا طلاق سے کذا فی الطحطاوی مشروط ہے بدلیل ثابت ہونے اس کے نسب کے کذا فی الاختیار والجوہرۃ ولا فرق بین الآدمی
ومن الحیوانات اور کچھ فرق نہیں آدمی وغیرہ میں حیوانات سے یعنی حمل موصی لہ اور موصی بہ میں آدمی اور غیر آدمی برابر ہیں فلو اوصی بما فی بطن دابۃ فلان لتنفق
صح تو اگر وصیت کی اس بچہ کے واسطے جو فلانے کے جانور کے پیٹ میں ہے تا اس پر صرف کیا جائے تو صحیح ہے ومدۃ الحمل للآدمی ستۃ اشہر وللفیل احدی
و سنۃ وللابل والخیل والحمار سنۃ والبقر تسعۃ اشہر وللشاۃ خمسۃ اشہر وللسنور شہران وللکلب اربعون یوما وللطیر احد وعشرون یوما قہستانی معزیا للاستیفار اور
مدت حمل یعنی اقل مدت حمل کی آدمی کے لئے چھ مہینے ہیں اور ہاتھی کیلئے گیارہ برس ہیں۔ اور اونٹنی اور گھوڑی اور گدھی کے واسطے ایک سال ہے اور
ئے کے واسطے نو مہینے اور بھیڑ بکری کے واسطے پانچ مہینے اور بلی کے واسطے دو مہینے اور کتے کیواسطے چالیس دن اور چڑیا کے سلئے ۲۱ دن ہیں
یہ قہستانی میں ہے منسوب باستیفار من وقتہا ای وقت الوصیۃ وعلیہ المتون وصیت کے وقت اقل مدت حمل کا اعتبار ہے اور اسی قول پر متون فقہ
شامل ہیں ہم شارح نے اشارہ کیا کہ یہی قول معتمد ہے اور اقوال سے وفی النہایۃ من وقت موت الموصی اور نہایہ میں ہے کہ موت موصی کے وقت سے اقل
حمل کا شمار ہے وفی الکافی مایفیدانہ من الاول ان کان لہ ومن الثانی ان کان بہ اور کافی میں وہ عبارت ہے جو اس سے مفید ہے کہ اگر حمل موصی
ہے تو ابتدائے مدت حمل وصیت کے وقت سے شمار ہوگی اور اگر حمل موصی بہ ہے تو موصی کی موت سے شمار ہوگا زاد فی الکنز ولا تصح الہبۃ للحمل لعدم قبضہ ولا ولایۃ
علیہ لیقبض عنہ زیلعی وغیرہ کنز میں اس قدر زیادہ بیان کیا اور صحیح نہیں ہبہ حمل کے واسطے اس کے عدم قبض کے سبب سے اور اس پر کسی کی ولایت
تا کہ ولی اس کی طرف سے موہوب پر قبضہ کرے کذا فی الزیلعی وغیرہ فلو صالح ابو الحمل عنہ بما اوصی لہ لم یجز لانہ لا ولایۃ للاب علی الجنین دوابجیہ تو اگر بچہ شکمی
باپ اس کی طرف سے مصالحت کرے بعوض اس کے جو بچے کے واسطے وصیت ہوا تو جائز نہ ہوگا اس واسطے کہ باپ کی ولایت ثابت نہیں بچہ شکمی
کذا فی الولوالجیۃ قلت وبہ علم جواب حادثۃ الفتوی وہی انہ لیس للوصی ولو مختار التصرف فیما وقف للحمل بل قالوا الحمل لا ولی ولا ولی علیہ میں کہتا ہوں اور بیان
ق سے حادثۃ فتوی کا جواب معلوم ہو گیا وہ یہ ہے کہ وصی اگرچہ مختار ہو اس کو تصرف کرنا جائز نہیں اس میں جو حمل کے واسطے وقف ہوا بلکہ فقہاء نے
ہے کہ حمل یعنی بچہ شکمی کی ولایت نہیں کسی پر اور نہ کسی کی ولایت اس پر ہے **وصحت بالامۃ الا حملہا** اور لونڈی کی وصیت بدون اس کے
ک کے صحیح ہے یعنی اگر یوں کہے کہ میں نے وصیت کی اس لونڈی کی فلانے شخص کے واسطے مگر اس کے پیٹ کا بچہ وصیت میں داخل نہیں تو یہ
ہے لما تقرر ان کل ما صح افرادہ بالعقد صح استثناءہ منہ والا فلا لونڈی کی وصیت بدون حمل کے اس واسطے صحیح ہے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصول میں کہ جس
بعدہ ذکر کرنا عقد میں صحیح ہے تو اس کا نکال لینا بھی عقد سے صحیح ہے اور جو ایسا نہیں اس کا نکالنا بھی صحیح نہیں یعنی چونکہ افراد حمل کا عقد وصیت میں
ست ہے تو اس کا استثنا بھی وصیت سے صحیح ہوگا **ومن المسلم للذمی وبالعکس** اور وصیت صحیح ہے مسلمان سے کافر ذمی کے واسطے اور اس کے
س ذمی کی وصیت مسلمان کے واسطے درست ہے ہم دلیل صحت اول کلام الٰہی ہے (لاینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم
ان تبروہم) یعنی نہیں روکتا تم کو اللہ تعالیٰ ان کافروں پر احسان کرنے سے جو تم سے نہیں لڑے دین میں اور نہیں نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور
صحت ثانی کی دلیل یہ ہے کہ عقد ذمی سے ذمی مسلمان کے برابر ہو گیا معاملات میں تو احسان دونوں طرف سے درست ہوا حیات میں اسی طرح ممات میں
کذا فی الدرر **لا حربی فی دارہ** اور وصیت جائز نہیں مسلمان کی کافر حربی کے واسطے دار الحرب میں اس واسطے کہ وصیت حسن سلوک اور احسان ہے
ہم ممنوع ہیں کفار مقاتلین پر احسان سے لقولہ تعالیٰ (انما ینہکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین) حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو
روکتا ہے ان کافروں کے احسان سے جو تم سے دین میں لڑے ہیں کذا فی الدرر عن الجامع الصغیر قید بدارہ لان المستامن کالذمی کما افادہ

المل بحثاً مصنف نے عدم جواز وصیت میں دار الحرب کی قید لگائی اس واسطے کہ مستامن ذمی کے مانند ہے صحت وصیت میں چنانچہ یہ فائدہ ملا خسرو نے درر میں بیان
کیا ہے بحث کی راہ سے ہم ملا خسرو نے کہا کہ جامع صغیر میں عدم جواز وصیت حربی کے واسطے مذکور ہے اور سیر کبیر میں جواز مفہوم ہوتا ہے وجہ توفیق بین الکتابین یہ ہے
کہ عدم جواز مقید بدار الحرب ہے تو یہ احتراز ہے اس حربی سے جو دار الحرب میں نہیں یعنی مستامن یہی مراد ہے سیر کبیر میں کہ حربی مستامن کے واسطے درست
انتہی طحطاوی نے کہا کہ افادہ مذکور کے بیان کی کچھ حاجت نہیں اس واسطے کہ مستامن کا مسئلہ صریح مذکور ہے کتب فقہ میں قلت وبہ صرح الحدادی والزیلعی وغیرہما
سیجیٔ تتناول وصایا الذمی میں کہتا ہوں اور جواز وصیت مستامن کی تصریح کی ہے حدادی اور زیلعی وغیرہما نے اور آگے متن آوے گا ذمی کی وصایا میں **ولا لوار**
وقاتلہ مباشرۃ لا تسبیبا کما مر اور درست نہیں ہے وصیت اپنے وارث اور اپنے قاتل کے واسطے جس نے موصی کو بطریق مباشرت کے قتل کیا ہو نہ
تسبیب کے چنانچہ مذکور ہو چکا کہ تسبیب قتل حقیقی نہیں ہم حدیث مرفوع میں وارد ہے کہ لا وصیۃ للقاتل[1] قتل تسبیب جیسے وضع حجر غیر ملک میں کذا فی الدرر خواہ
قبل از قتل کے ہو یا بعد جراحت کے بدلیل طلاق حدیث کے کذا فی المنح **الا باجازۃ ورثتہ** لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا وصیۃ لوارث الا ان یجیزہا الورثۃ یعنی عند و
وارث آخر کما یفیدہ آخر الحدیث وتحقق وارث کے واسطے وصیت درست نہیں مگر موصی کے وارثوں کی اجازت سے درست ہے بدلیل قول آنحضرت صلی اللہ علیہ و
کے کہ وصیت نہیں وارث کے واسطے مگر یہ کہ وصیت کو وارث جائز رکھیں یعنی جب دوسرا وارث موجود ہو تب وارث کے واسطے وصیت درست نہیں چن
آخر حدیث اس پر دلالت کرتی ہے چنانچہ اس کی تحقیق ہم عنقریب بیان کریں گے **وہم کبار عقلاء** فلم تجز اجازۃ صغیر ومجنون اور اگر وہ اجازت دینے وا
وارث بالغ ہوں تو وارث صغیر اور مجنون کی اجازت جائز نہ ہوگی۔ واجازۃ المریض کابتداء وصیۃ اور وارث مریض کی اجازت ابتداء وصیت کے مانند
ہے یعنی اگر وارث بالغ مریض نے وصیت کی اجازت دی تو اس کو شفا ہوگئی تو وصیت صحیح ہوگئی اور اگر مریض مر گیا اسی مرض سے تو اگر موصی لہ مریض کا بھی
ہے تو اجازت مریض کی جائز نہ ہوگی جب تک مریض کے اور وارث اس کی موت کے بعد اجازت نہ دیں اور اگر موصی لہ اجنبی ہے وارث نہیں تو اجاز
جائز ہے اور یہ ثلث مال سے معتبر ہے کذا فی المنح ولو اجاز البعض ورد البعض جاز علی المجیز بقدر حصتہ اور اگر بعضے وارثوں نے اجازت دی اور بعضوں
نہ دی تو اجازت دینے والے پر بہ قدر اس کے حصے کے وصیت جائز ہوگی **او یکون القاتل صبیا او مجنونا فتجوز** بلا اجازۃ لانہما لیسا اہلا للعقوبۃ یا کہ قاتل
یا مجنون ہو تو وصیت جائز ہے بدون اجازت وارثوں کے اس واسطے کہ دونوں عقوبت کے لائق نہیں **او لم یکن لہ وارث سواہ** کما فی الخانیۃ ای سو
الموصی لہ القاتل او الوارث حتی لو اوصی لزوجتہ او ہی لہ ولم یکن ثمۃ وارث آخر تصح الوصیۃ ابن الکمال یا موصی کا کوئی وارث نہ ہو سوائے اس کے کذا فی الخ
یعنی سوائے قاتل اور وارث موصی لہ کے تو اگر وصیت کی اپنی زوجہ کو یا زوجہ نے وصیت کی اپنے زوج کو اور وہاں کوئی وارث نہیں تو وصیت صحیح ہ
کذا ذکرہ ابن الکمال زاد فی المجتبیٰ فلو اوصت لزوجہا بالنصف کان لہ الکل مجتبیٰ میں اتنا زیادہ کیا تو اگر زوجہ نے اپنے زوج کے واسطے نصف مال کی و
کی تو تمام مال اس کا ہوگا یعنی جب کہ زوجہ کا کوئی وارث نہ ہو سوائے زوج کے تو نصف مال بطریق وصیت کے اس کا ہوا اور نصف بطریق میراث
قلت وانما قیدوا بالزوجین لان غیرہما لا یحتاج الی الوصیۃ لانہ یرث الکل ردا ورحما وقد قدمناہ فی الاقرار معزیا للشرنبلالیہ میں کہتا ہوں اور فقیہوں نے زوجین
واسطے قید لگائی کہ زوجین کے سوا اور وارث کو وصیت کی کچھ حاجت نہیں اس واسطے کہ وارث ہوگا تمام مال کا رد میراث، یا قرابت کی وجہ سے اور ا
ہم اس کو مقدم ذکر کر چکے ہیں کتاب الاقرار میں شرنبلالیہ کی طرف نسبت کر کے وفی فتاوی النوازل اوصی لرجل بکل مالہ ومات ولم یترک وارثا الا امر
فان لم تجز فلہا السدس والباقی للموصی لہ لان لہ الثلث بلا اجازۃ فبقی الثلثان فلہا ربعہما وہو سدس الکل ولو کان مکانہا زوج فان لم یجز فلہ الثلث والبا
للموصی لہ اور فتاوی نوازل میں ہے کہ وصیت کی ایک مرد کے واسطے اپنے تمام مال کی اور موصی مر گیا اور کوئی وارث نہ چھوڑا سوائے اپنی زوجہ کے

---

[1] نہیں وصیت ہے قاتل کے واسطے ۱۲

سدجہ نے وصیت کی اجازت نہ دی تو زوجہ کے واسطے ششم حصہ ہے اور باقی موصی لہ کا ہے اس لئے کہ موصی لہ کا ثلث مال تو بلا اجازت ہے تو باقی رہیں دو تہائیاں
زوجہ کی میراث اسکا چہارم حصہ ہے اور وہ ششم حصہ ٹھہرا کل مال کا اور اگر زوجہ کی بجائے زوج ہوا وارث وصیت کرنے والے کا سو اگر زوج نے وصیت کی اجازت
نہ دی تو زوج کی میراث تہائی مال ہے۔ اور باقی مال موصی لہ کا ہے م جب زوجہ نے وصیت کی اجازت نہ دی تو زوج کے مال کے چھ سہم ہوں گے
تہائی وصیت کی نکل کر چار سہم باقی رہے اس میں چوتھائی زوجہ کی میراث ہے یعنی ایک سہم اور وہ ششم حصہ کل مال کا ہے اس واسطے کہ میراث معتبر ہوتی ہے
قی سے بعد اخراج وصیت کے اور اگر زوج وارث نے وصیت جائز رکھی تو اس کی میراث تہائی ہے یعنی دو سہم اور وہ نصف ہے باقی کا یعنی چار سہم
ولا من صبی غیر ممیز اصلا ولو فی وجوہ الخیر خلافا للشافعی اور وصیت مطلقا صحیح نہیں اس صغیر سے جس کو نیک و بد کی امتیاز نہیں اگرچہ اس نے امور نیک
میں وصیت کی ہو برخلاف امام شافعی کے کہ نیک کام میں ان کے نزدیک صحیح ہے **وکذا لا تصح من ممیز الا فی تجہیزہ وامر دفنہ فتجوز استحسانا** اور اسی طرح صغیر
تمیز سے وصیت صحیح نہیں مگر اس کی تجہیز اور دفن کے امر میں تو وصیت استحساناً جائز ہے م لیکن تجہیز اور تکفین میں مصلحت کی مراعات ہوگی خلاصہ میں ہے کہ اگر وصیت کی ہزار درم کے
کفن کی تو متوسط کفن دیا جائے گا اور دو کپڑوں کی وصیت کی کفن میں تو شرائط وصیت کی رعایت نہ ہوگی اور اگر پانچ یا چھ کپڑوں کی وصیت کی تو شرائط صحت کی
رعایت ہوگی اور اگر وصیت کی کہ فلانے قبرستان میں فلانے زاہد کے پاس اس کو دفن کریں تو شرائط کی مراعات ہوگی اگر زیادہ صرف نہ ہو کذا فی الطحطاوی
علیہ تحمل اجازۃ عمر رضی اللہ تعالی عنہ لوصیۃ یافع یعنی الراہق اور اسی پر یعنی تجہیز اور تکفین پر عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی اجازت قریب البلوغ صغیر کی وصیت کے
واسطے محمول ہے یعنی فاروق اعظم نے جو صغیر کی وصیت کو جائز رکھا تھا تو وہ وصیت تجہیز یا تکفین پر محمول ہے نہ مطلقاً یا راہق سے بالغ مراد ہے کذا فی
شرح الحموی **وان وصیتہ بات بعد الادراک او اضافہا الیہ کان ادرکت فثلثی لفلان لم تجز لقصور ولایتہ فلا یملکہ تنجیزا وتعلیقا کما فی الطلاق بخلاف العبد کما افادہ بقولہ**
صغیر کی وصیت صحیح نہیں اگرچہ وہ بلوغ کے بعد مر گیا ہو یا وصیت کو بلوغ کی طرف نسبت کیا ہو اس طرح پر کہ اگر میں جوان بالغ ہوں تو میرا تہائی مال فلانے شخص
کے واسطے ہے تو وصیت جائز نہ ہوگی صغیر کے قصور ولایت کے سبب سے تو اس کا مالک نہ ہوگا نہ تنجیز کے طریق سے نہ تعلیق کے طریق سے چنانچہ طلاق میں اسکو ملک نہیں برخلاف
غلام کے چنانچہ مصنف نے اپنے آئندہ قول میں اس کو مذکور کیا ہے **ولا من عبد ومکاتب وان ترک المکاتب وفاء وقیل عندہما تصح فی صورۃ ترک للوفاء**
درر اور وصیت صحیح نہیں غلام اور مکاتب سے اگرچہ مکاتب نے ادائے بدل کتابت کے واسطے مال چھوڑا ہو اور بعضوں نے کہا کہ صاحبین کے نزدیک وصیت
صحیح ہے درصورت ترک کرنے ادائے مال کتابت کے کذا فی الدرر **الا اذا اضافہا کل منہما وعبارۃ الدرر اضافاہا الی العتق فتصح لزوال المانع وہو حق المولی** مگر جب کہ
غلام یا مکاتب ہر ایک شخص نے وصیت کو عتق کی طرف نسبت کیا تو وصیت صحیح ہوگی مانع کے زوال کی وجہ سے اور وہ مانع وصیت حق ہے مولی کا اور درر کی عبارت
یوں ہے اضافاہا یعنی غلام اور مکاتب دونوں نے وصیت کو عتق کی طرف مضاف کیا م یعنی غلام اور مکاتب کی وصیت حق مولی کے سبب سے جائز نہ تھی پھر جب
وصیت کی تعلیق آزادی پر ہوئی تو اب مولی کا حق باقی نہ رہا تو وصیت صحیح ہوگئی **ولا من معتقل اللسان بالاشارۃ الا اذا امتدت علتہ حتی صارت لہ اشارۃ معہودۃ فہو کاخرس** اور
وصیت جائز نہیں بستہ زبان سے بطریق اشارہ کے مگر جبکہ اسکی بستگی زبان ممتد ہوگئی یہانتک کہ اسکا اشارہ کرنا معلوم ہوگیا ہو تو اب بستہ زبان گونگے کی مانند ہے م معتقل اللسان وہ ہے جو کلام کرنے پر قادر نہ ہو مگر تکلف سے
الحموی درر میں ہے کہ گونگے کا اشارہ اور لکھنا بیان کے مانند ہے بخلاف معتقل اللسان کی وصیت اور نکاح اور طلاق اور خرید اور قصاص کے وجہ فرق یہ ہے کہ اشارہ قائم مقام
عبارت کے ہوتا ہے جب کہ وہ معہود اور معلوم ہوگیا ہو سو گونگے میں تو معلوم ہے نہ بستہ زبان میں **وقدر الامتداد بسنۃ وقیل اذا امتدت لموتہ جاز اقرارہ بالاشارۃ والاشہاد**
علیہ کان کالاخرس قالوا وعلیہ الفتوی درر **وسیجیء فی مسائل شتی** اور بستگی زبان کا امتداد ایک سال پر معین کیا گیا اور بعضوں نے کہا جبکہ بستگی اس کی موت تک ممتد ہوگئی
تو اس کا اقرار اشارہ سے جائز ہے اور اس پر گواہ ہونا درست ہے اور بستہ زبان گونگے کے مانند ہوگیا اور اسی قول پر فتوی ہے کذا فی الدرر اور یہ مسئلہ آگے آوے گا
مسائل شتی کی کتاب میں **وانما یصح قبولہا بعد موتہ لان اوان ثبوت حکمہا بعد الموت** اور وصیت کا قبول کرنا صحیح نہیں مگر موصی کی موت کے بعد اس واسطے کہ ثبوت حکم

وصیت کا وقت تو بعد موت کے ہے م تو اگر موصی کے موت کے بعد موصی لہ نے وصیت قبول نہ کی تو وصیت موقوف رہیگی اس کے قبول کرنے پر موصی لہ ک
میں داخل نہ ہوگی بدون قبول کے اور موصی کے وارث کی ملک سے بھی خارج ہے کذا فی الاتقانی **فبطل قبولها وردها قبله** تو وصیت کا قبول کرنا اور ر
موصی کی موت سے پہلے باطل ہے وانما تملک بالقبول الا اذا **مات موصیه ثم هو بلا قبول فهو** اے مال الموصی به لورثته بلا قبول استحسانا کما مر اور وصیت کی چیز
کی ملک بدون قبول کرنے کے نہیں ہوتی مگر جبکہ اس کا موصی مرے پھر موصی لہ مرے بدون قبول کرنے کے تو وہ یعنی مال موصی بہ موصی لہ کے وارث کا ہے بدون قبول
استحسان کی دلیل سے چنانچہ گذر گیا م وجہ استحسان یہ ہے کہ وصیت تو موصی کی طرف سے اس طرح تمام ہوگئی کہ فسخ کی متحمل نہیں مگر موقوف تھی موصی لہ ک
کے سبب سے پھر جب موصی لہ مرگیا تو اس کی ملک میں وصیت کا مال داخل ہوگیا چنانچہ اس بیع میں جس مشتری کا خیار شرط تھا پھر مشتری مرگیا اجازت سے پہلے
فی شرح الدرر ر وکذا لو اوصی للجنین یدخل فی ملکه بلا قبول استحسانا لعدم من یلی علیه لیقبل عنه کما مر اور اسی طرح اگر بچہ شکم کے واسطے وصیت کی تو وہ اس
ملک میں داخل ہوگا بدون قبول کے استحسان کی وجہ سے بسبب نہ ہونے اس شخص کے جس کی ولایت ہو اس پر تاکہ وہ اس کی طرف سے قبول کرے چنانچہ
ہوگیا **وله** ای للموصی **الرجوع عنها بالقول صریح او فعل یقطع حق المالک عن الغصب بان یزیل اسمه** واعظم منافعه کما عرف فی الغصب اور موصی
پھر جانا وصیت سے صریح قول سے یا ایسے فعل سے جو مالک کے حق کو قطع کرلیتا ہو مغصوب سے اس طرح پر کہ اس چیز کا نام بدل ڈالے اور اس کا بڑا فائدہ زائل کر
چنانچہ کتاب الغصب میں معلوم ہوچکا م چنانچہ کپڑے کی وصیت کی پھر اس کو قطع کیا اور سیا تو اب اس کا نام قبا اور قمیص **او فعل یزید فی الموصی به ما یم**
تسلیمه الا به کلت السویق الموصی به بسمن والبناء فی الدار الموصی بها بخلاف تجصیصها وهدم بنائها لانه تصرف فی التابع یا ایسا فعل ہو جو موصی بہ میں اس کو
کر دے جو موصی بہ کی تسلیم کا مانع ہو بدون اس کے جیسے موصی بہ ستو کو گھی کے ساتھ لت کرنا اور جیسے عمارت بنانا موصی بہا گھر میں برخلاف اس گھر کی چونہ ک
اور اس کی عمارت ڈھانے کے اس واسطے کہ وہ تصرف ہے تابع میں نہ اصل میں **وتصرف** عطف علی القول صریح وعطف ابن الکمال تبعا للدرر باو وعلیه فهو اص
فی کون فعله لیفید رجوعه منها کما یفیده متن الدرر فتدبر یزیل ملکه فانه رجوع عاد لملکه ثانیا ام لا کالبیع والهبة اور موصی کو رجوع جائز ہے ایسے تصرف سے جو اس کی
زائل کر دے چنانچہ بیع اور ہبہ تو یہ تصرف رجوع ہے وصیت سے خواہ وہ چیز موصی کی ملک میں دوسری بار آوے یا نہ آوے شارح نے کہا قولہ وتص
عطف ہے بالقول صریح پر اور ابن کمال نے درر کا تابع ہو کر اس کو بلفظ او عطف کیا ہے اور اس تقدیر پر تو تصرف اصل ثالث ہے اس کے فعل کے
رجوع ہونے میں چنانچہ درر کا متن اس کا مفید ہے سو اس کو غور کرلے وکذا اذا خلطه بغیره بحیث لا یمکن تمیزه اور اسی طرح رجوع عن الوصیة ہے جبکہ مو
موصی بہ کو ملا دیا غیر سے اس طرح کہ اس کا جدا کرنا ممکن نہیں لا یکون راجعا بغسل ثوب اوصی به لانه تصرف فی التبع موصی وصیت سے راجع نہ ہوگا اس
کے ثوب دھونے سے جس کی اس نے وصیت کی اس لئے کہ یہ تصرف ہے تابع میں نہ کہ اصل میں واعلم ان التغیر بعد موت الموصی لا یضر اصلا اور یہ معلوم کر
کہ موصی کی موت کے بعد اصلا مضر نہیں کرتا وصیت میں ولا بجحودها درر وکنز ووقایة وفی المجمع به یفتی ومثله فی العینی ثم نقل عن العیون ان الفتوی علی انه ر
وفی السراجیة وعلیه الفتوی واقره المصنف اور موصی راجع نہیں ہوتا وصیت کے انکار کرنے سے اسی طرح ہے درر اور کنز اور وقایہ کے متن میں اور مجمع
کہ اسی قول پر فتویٰ ہے اور مانند اس کے عینی شرح مجمع میں ہے پھر عینی نے عیون سے نقل کیا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ انکار رجوع ہے وصیت سے ا
میں ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے اور مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے اپنی شرح میں م معلوم ہو کہ یہاں دونوں قول پر فتویٰ ہے علامہ عینی نے شرح ہدایہ
نسفی کی شرح جامع کبیر سے نقل کیا کہ زندرسی نے اپنے مختصر میں اس مسئلہ کا خلاف نہیں ذکر کیا اور نہ محمدؒ نے اپنی کتابوں میں لیکن کتاب الوصایا میں ا
رجوع کہا اور جامع کبیر میں رجوع نہیں کہا اس وجہ سے مشائخ میں اختلاف واقع ہوا بعضوں نے کہا کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں اور بعضوں نے
کا قول قیاس کا جواب ہے اور کتاب الوصایا کا قول استحسان کا جواب ہے انتہی انتہی **وکذا لا یکون راجعا بقوله کل وصیة اوصیت بها فحرام او ربا او اخرتها**

اسی طرح موصی راجع نہ ہوگا اس قول سے کہ جو وصیت کہ میں نے کی وہ حرام خواہ بیاج ہے یا اس وصیت میں تاخیر ڈالی میں نے **بخلاف قولہ ترکتہا** برخلاف اس قول سے کہ میں نے وصیت کو ترک کیا یعنی یہ رجوع ہے وصیت سے م تاخیر رجوع نہیں اور ترک رجوع ہے اس واسطے کہ ترک شئے اسقاط ہے اور تاخیر اسقاط نہیں **وبخلاف قولہ کل وصیۃ اوصیتہا فہی باطلۃ او الذی اوصیت بہ لزید فہو لعمرو او لفلان وارثی** نکل ذلک رجوع عن الاول وتکون لوارثہ بالاجازۃ کما مر برخلاف اس قول کے کہ جو وصیت میں نے کی وہ باطل ہے یا جو وصیت کہ میں نے زید کے واسطے کی وہ عمرو کے واسطے ہے یا فلانے میرے وارث کے واسطے ہے تو ہر ایک یہ قول رجوع ہے اول سے اور وارث کی وصیت ثابت ہوگی دوسرے وارث کی اجازت سے چنانچہ مذکور ہو چکا کہ وارث کے حق میں وصیت بدون اجازت اور وارثوں کے درست نہیں **ولو کان فلان الآخر میتا** وقتہا فالاولی من الوصیتین بحالہا لبطلان الثانیۃ اور اگر دوسرا فلاں شخص مردہ ہو وصیت کے وقت تو دو وصیتوں میں سے پہلی وصیت بحال خود قائم ہے بسبب باطل ہو لے دوسری وصیت کے ولو حیا وقتہا فمات قبل الموصی بطلت الاولی بالرجوع والثانیۃ بالموت اور اگر دوسرا موصی لہ زندہ ہے وصیت کے وقت پھر مر گیا موصی سے پہلے تو پہلی وصیت تو باطل ہوگئی رجوع کرنے سے اور دوسری وصیت باطل ہوگئی موصی لہ کی موت سے **وتبطل ہبۃ المریض ووصیتہ لمن نکحہا بعدہما** ای بعد الہبۃ والوصیۃ لما تقرر انہ یعتبر لجواز الوصیۃ کون الموصی لہ وارثا او غیر وارث وقت الموت لا وقت الوصیۃ اور مریض کا ہبہ اور اس کی وصیت باطل ہے اس عورت کے واسطے جس نے موصی سے نکاح کیا ہبہ اور وصیت کے بعد اس لئے کہ ثابت ہو چکا ہے یہ کہ جواز وصیت کے واسطے موصی لہ کا وارث یا غیر وارث ہونا موت کے وقت معتبر ہے نہ وصیت کے وقت م وصیت تو اس وجہ سے باطل ہے کہ عورت اگرچہ وصیت کے وقت وارث نہیں مگر موت کے وقت وارث ہوگی نکاح سے اور حالانکہ وارث کے واسطے وصیت جائز نہیں اور ہبہ مریض کا اس واسطے درست نہ ہوا کہ اگرچہ ہبہ منجز ہے صورت میں لیکن مرض کے سبب سے وہ حکما مضاف الی ما بعد الموت ہے اس واسطے کہ ہبہ واقع ہوگیا ہے وصایا کے موقع میں کیونکہ تبرع ہے تو اس کا حکم ثابت ہوگا موت کے نزدیک بخلاف الاقرار لانہ یعتبر کون المقر لہ وارثا او غیر وارث یوم الاقرار فلو اقر لہا فنکحہا فمات جاز برخلاف اقرار کے اس واسطے کہ مقر لہ کا وارث یا غیر وارث ہونا اقرار کے دن معتبر ہے تو اگر عورت کے واسطے اقرار کیا پھر اس سے نکاح کیا پھر مر گیا تو اقرار جائز ہے م اقرار کے وقت عورت وارث نہ تھی پھر نکاح سے وارث ہوئی تو یہ اقرار کے واسطے مضر نہیں ویبطل اقرارہ ووصیتہ وہبتہ لابنہ کافرا او عبدا او مکاتبا ان اسلم او عتق بعد ذلک لقیام البنوۃ وقت الاقرار فیورث تہمۃ الایثار اور باطل ہے اس کا اقرار اور اس کی وصیت اور اس کا ہبہ اپنے فرزند کافر کے لئے یا غلام یا مکاتب کے لئے اگر فرزند مسلمان ہوگیا ہو یا غلام اور مکاتب کو آزاد کیا ہو بعد اس اقرار اور ہبہ اور وصیت کے بسبب قائم ہونے فرزندگی کے اقرار کے وقت تو یہ تہمت ایثار (ترجیح دینا) کا مورث ہے م ہبہ اور وصیت کا حال تو مذکور ہو چکا کہ ان میں موت کا حال معتبر ہے اور اقرار اگرچہ ملزم بنفسہ لیکن ارث کا سبب یعنی فرزندی اقرار کے وقت موجود ہے تو یہ تہمت ایثار کی موہم ہے تو اقرار تہمت کے اعتبار سے ملحق بوصیت ہوگیا کذا فی الدرر وہبۃ مقعد ومفلوج واشل ومسلول بہ علۃ السل وہو قرح فی الرئۃ **من کل مالہ ان طالت مدتہ سنۃ ولم یخف موتہ منہ**[1] والا تطل وخیف موتہ **فمن ثلثہ** لانہا امراض مزمنۃ لا قاتلۃ اور مُقعَد اور مفلوج اور اشل اور مسلول کا ہبہ اس کے تمام مال سے نافذ ہے اگر مرض کی مدت ایک سال تک دراز ہو گئی ہو تو اس مرض سے موت کا خوف نہ ہو اور اگر مرض کی مدت دراز نہ ہوتی ہو یعنی ایک سال نہ گذرا ہو اور موت کا خوف ہو تو اس کا ہبہ تہائی مال سے نافذ ہوگا اس واسطے کہ وہ امراض مزمنہ متطاولہ ہیں قاتل اور مہلک نہیں شارح نے کہا مسلول وہ ہے جس کو سل کی بیماری ہو اور وہ پھیپھڑے کا قرحہ ہے م مقعد بضم میم وہ بیمار ہے جو چلنے پھرنے سے عاجز ہو پاؤں کی بیماری سے اور مفلوج وہ جس کو فالج کی بیماری ہو یعنی آدھا دھڑ حس وحرکت سے رہ گیا ہو اور اشل وہ جس کے ہاتھ میں رعشہ ہو یعنی ہاتھ کا[2] پنشا ہو خلاصہ یہ ہے کہ یہ امراض مزمنہ اس کو عارض ہوں اور وہ کوئی تبرع کا تصرف کرے اور پھر مر جائے برس سے پہلے تو یہ مرض الموت ہے تو اس کا تصرف ثلث مال سے نافذ ہوگا اور اگر بعد سال کے مرا تو مرض الموت نہیں اس

---

[1] ایک نسخہ میں فیہ ہے بجائے منہ یعنی اس علت میں موت کا خوف نہ ہو۔ ۱۲ [2] بہتر تفسیر اشل کی یہ ہے کہ جس کا ہاتھ بیکار ہو گیا چنانچہ کتب لغت اس کے شاہد ہیں ۱۲

واسطے کہ جب سال کی چاروں فصلوں میں مرض میں مبتلا تھا ہلاک ہونے کا زندہ رہا بچ گیا تو اس کا مرض بمنزلہ طبیعت اور عادت کے ہو گیا مریضوں کے حکم میں نہ رہا یہاں تک کہ علاج
کے بھی لائق نہ رہا کذا فی الدر وقیل مرض الموت ان لا یخرج لحوائج نفسہ وعلیہ اعتمد فی التجرید بزازیہ بعضوں نے کہا کہ مرض الموت یہ ہے کہ آدمی اپنی حاجتوں کے واسطے
نہ نکلتا ہو اور اسی قول پر اعتماد کیا ہے تجرید میں کذا فی البزازیہ و المختار انہ ما کان الغالب منہ الموت وان لم یکن صاحب فراش قہستانی عن ہبۃ الذخیرۃ اور قول مختار یہ
ہے کہ مرض الموت وہ ہے جس سے موت غالب الوقوع ہو اگرچہ بیمار صاحب فراش نہ ہو کذا فی القہستانی عن ہبۃ الذخیرۃ واذا اجتمع الوصایا قدم الفرض وان اخرہ الموصی و
ان تساوت قوۃ قدم ما قدم اذا ضاق الثلث عنہا اور اگر مجتمع ہوں چند قسم کی وصیتیں یعنی فرض اور واجب اور نفل تو فرض مقدم ہو گا اگرچہ اس کو موصی نے مؤخر کیا ہو اور اگر
وصایا برابر ہوں فرض یا نفل ہونے میں تو وہ مقدم ہو گا جس کو موصی نے مقدم کیا اگر تہائی مال تمام وصایا کی گنجائش نہ رکھتا ہو قہستانی نے کہا ابتدا کرنا چاہیئے اس
فرض سے جو حق العبد ہے پھر اس فرض سے جو حق اللہ ہے پھر واجب پھر نفل ایسا مروی ہے فقہاء سے کذا فی الطحطاوی قال الزیلعی لکفارۃ قتل وظہار ویمین مقدمۃ علی الفطر
لوجوبہا بالکتاب دون الفطرۃ والفطرۃ علی الاضحیۃ لوجوبہا اجماعا دون الاضحیۃ زیلعی نے کہا کہ قتل اور ظہار اور قسم کا کفارہ مقدم ہے صدقہ فطر پر اس واسطے کہ کفارات مذکورہ
کا وجوب کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ صدقہ فطر کا اور صدقہ فطر مقدم ہے قربانی پر بسبب واجب ہونے صدقہ فطر کے اجماع سے نہ قربانی کے یعنی قربانی کا وجوب اجماع سے ثابت نہیں وفی القہستانی
عن الظہیریۃ عن الامام الطواویسی یبدأ بکفارۃ قتل ثم یمین ثم ظہار ثم افطار ثم النذر ثم الفطرۃ ثم الاضحیۃ وقدم العشر علی الخراج اور قہستانی میں ظہیریہ سے امام طواویسی سے یوں مروی ہے کہ
ابتدا کی جائے کفارۂ قتل سے پھر کفارۂ ظہار سے پھر کفارۂ افطار سے پھر نذر سے پھر صدقہ فطر سے پھر قربانی سے اور عشر مقدم کیا جائے خراج پر وفی البرجندی مذہب ابی حنیفۃ
اخرا ان حج النفل افضل من الصدقۃ اور برجندی میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کا پچھلا مذہب یہ ہے کہ حج نفل افضل ہے خیرات سے اور اول یہ مذہب تھا کہ صدقہ افضل ہے حج سے پھر جب
حج کی مشقت امام نے دیکھی تو حج کو افضل کہا صدقہ سے کذا فی الطحطاوی **اوصی بحج** ای حجۃ الاسلام **احج عنہ راکبا** وصیت کی حج کی یعنی فرض حج کی تو اس کا وارث یا وصی موصی کی طرف
سے حج کرا دے سوار کر کے موصی کے شہر سے اس واسطے کہ موصی پر حج فرض تھا اس وطن سے سوار ہو کر نہ پیدل تو اسی طرح سے اس کے نائب پر فرض ہو گا فلو لم تبلغ النفقۃ من
بلدہ فقال رجل انا احج عنہ بہذا المال ماشیا لا یجزیہ قہستانی معزیا للتتمۃ سو اگر خرچ کفایت نہ کرے موصی کے شہر سے سو ایک مرد نے کہا کہ میں حج کروں گا میت کی طرف سے اسی قدر
مال قلیل پر پیدل تو یہ حج کفایت نہ کرے گا میت کی طرف سے چنانچہ قہستانی میں ہے تتمہ سے منقول **من بلدہ ان کفی نفقتہ ذلک والا فمن حیث تکفی** اگر خرچ کفایت کرے سوار ہو کر
وطن سے اور اگر کفایت نہ کرے تو جس مکان سے کفایت کرے وہاں سے سوار کر کے نائب کو حج کے واسطے روانہ کرے **وان مات حاج فی طریقہ واوصی بالحج من بلدہ راکبا**
وقالا من حیث مات استحسانا ہدایہ ومجتبی وملتقی قلت ومفادہ ان قولہ قیاس وعلیہ المتون فکان القیاس ہنا ہو المعتمد فافہم اور اگر حج کا جانے والا راہ میں مرگیا اور اس نے
وصیت کی اپنے عوض حج کروانے کی تو حج کروانا چاہیئے میت کے شہر سے سوار کر کے اور صاحبین نے کہا جہاں سے مرگیا وہاں سے چاہیئے استحسان کی وجہ سے کذا
فی الہدایۃ والمجتبی والملتقی میں کہتا ہوں اور یہاں سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام کا قول قیاس ہے اور اسی پر متون فقہ کی متفق ہیں تو یہاں قیاس ہی معتمد ہوا استحسان
سے سو اس کو سمجھ رکھو جہاں قیاس اور استحسان جمع ہوتے ہیں تو استحسان مقدم ہوتا ہے مگر یہاں قیاس ہی مقدم ٹھہرا **ان بلغ نفقتہ ذلک والا فمن حیث**
تبلغ اگر اس کا خرچ کفایت کرے سواری کو وطن سے اور اگر کفایت نہ کرے تو جہاں سے کفایت کرے وہیں سے سوار کر کے حج کروانا چاہیئے بالاتفاق ومن لا وطن
لہ فمن حیث مات اجماعا اور جس شخص کا وطن نہ ہو تو جہاں وہ مرگیا وہاں سے حج کروانا چاہیئے باتفاق امام اور صاحبین کے **اوصی بان یشتری بکل مالہ عبد فیعتق عنہ**
عن الموصی ولم تجز الورثۃ **بطلت** یہ وصیت کی کہ اس کے مال سے غلام خرید کیا جاوے پھر آزاد کیا جاوے موصی کی طرف سے اور اس کے وارثوں نے اس کو جائز نہ رکھا
تو وصیت باطل ہے **کذا اوصی بان یشتری لہ عبد بالف درہم وزاد الالف علی الثلث** وقالا یشتری بکل الثلث فی المسئلتین مجمع اسی طرح جب کہ وصیت
کی یہ کہ خرید کیا جاوے اس کے واسطے غلام ہزار درم سے اور ہزار ثلث مال سے زیادہ ہیں تو وصیت باطل ہے اور صاحبین نے کہا کہ تمام ثلث سے دونوں صورتوں میں غلام خرید
کیا جائے کذا فی المجمع **مریض اوصی بوصایا ثم بری من مرضہ ذلک وعاش سنین ثم مرض فوصایاہ باقیۃ ان لم یقل ان مت من مرضی ہذا فقد اوصیت**

بکذا کذا فی الخانیۃ بیمار نے چند وصیتیں کیں پھر وہ چنگا ہوگیا اپنی اس بیماری سے اور چند سال زندہ رہا پھر بیمار ہوا تو اس کی وصیتیں باقی ہیں اگر اس نے یوں نہ کہا ہو کہ میں اپنے اس مرض سے مرگیا تو میں نے یہ وصیت کی کذا فی فتاویٰ قاضی خاں **اوصی بوصیۃ ثم جن ان اطبق الجنون حتی بلغ ستۃ اشہر لطلت والا لا** موصی نے وصیت کی پھر وہ مجنون ہوگیا اور اس کا جنون دیر تک ٹھہرا یہاں تک کہ چھ مہینے تک پہنچا تو وصیت باطل ہے ورنہ باطل نہیں وکذا لو اوصی ثم اخذ بالوسواس فصار معتوہا حتی مات لبطلت خانیۃ اور اسی طرح اگر وصیت کی پھر موصی کو وسواس نے لیا سو وہ بے ہوش ہوگیا اور غافل ہوگیا یہاں تک کہ مرگیا تو وصیت باطل ہے کذا فی الخانیۃ اوصی بان یعار بیتہ من فلان او بان یسقی عنہ الماء شہرا فی الموسم او **فی سبیل اللہ فہو باطل** فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ خانیۃ یہ وصیت کی کہ موصی کا گھر عاریت دیا جائے فلانے شخص کو یا یہ کہ پانی پلایا جائے موصی کی طرف سے مہینے بھر حج کے موسم میں یا خدا کی راہ میں تو وہ باطل ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول میں کذا فی الخانیۃ کما لو اوصی **بہذا التبن لدواب فلان فان الوصیۃ باطلۃ** ولو قال لیعلف بہا دواب فلان جاز چنانچہ اگر یوں وصیت کی کہ یہ بھوسہ فلانے شخص کے جانوروں کے لئے خاص ہے تو وصیت باطل ہے اور اگر یوں کہا کہ اس بھوسے سے فلانے کے جانوروں کو چارہ دیا جائے تو وصیت جائز ہے ولو اوصی بان ینفق علی فرس فلان کل شہر کذا جاز وتبطل ببیعہا اور اگر یہ وصیت کی کہ فلانے کے گھوڑے پر ہر مہینے میں اس قدر خرچ کیا جائے تو جائز ہے .... اور گھوڑے کا بیچ ڈالنا وصیت کو باطل کر دیتا ہے م خانیہ میں ہے محمدؒ نے کہا یہ وصیت صاحب فرس کے واسطے ہے پھر اگر گھوڑا مر گیا یا مالک نے اس کو بیچا تو وصیت باطل ہوگی انتہی ولو اوصی لسکنی دارہ لرجل ولا مال لہ سواہا جاز ولہ سکناہا مادام حیا ولیس للوارث بیع ثلثیہا وقال ابو یوسفؒ لہ ذلک ولہ ان یقاسم الورثۃ ایضا ویفرز الثلث للوصیۃ خانیۃ اگر وصیت کی اپنے گھر کی سکونت کی ایک مرد کے واسطے اور موصی کا کچھ مال نہیں سوائے اس گھر کے تو جائز ہے اور موصی لہ کو اس میں رہنا یعنی تہائی گھر میں درست ہے جب تک وہ زندہ رہے اور مورث کے وارث کو اس کے گھر کی دو تہائیاں بیچنا درست نہیں اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ دو یعنی بیع ثلثین جائز ہے وارث کو اور یہ بھی جائز ہے کہ وارث وارثوں سے مقاسمہ کر لے اور تہائی وصیت کی جدا کر دے کذا فی الخانیۃ ولو اوصی **بقطنہ لرجل بحبہ لآخر او اوصی بلحم شاۃ معینۃ لرجل وبجلدہا لآخر او اوصی بحنطۃ فی سنبلہا لرجل وبالتبن** لہما فعلی الموصی لہما ان یدرس ویسلخ الشاۃ اور اگر اپنی کپاس کی وصیت کی ایک مرد کے واسطے اور اسکے بنولوں کی وصیت کی دوسرے شخص کیلئے اور معین بکری کے گوشت کی وصیت کی ایک مرد کیواسطے اور اسکی کھال کی وصیت کی دوسرے کیواسطے تو بالیوں اور بھوسے دانے کی وصیت دونوں مردوں کے لئے جائز ہے اور دونوں پر لازم ہے گیہوں کا ماندنا اور بکری کی کھال کو گوشت سے جدا کرنا اور اسی طرح دونوں پر لازم ہے کپاس کا اوٹنا یعنی تاکہ ہر ایک کا حصہ جدا ہو جائے **اوصی بثلث مالہ لبیت المقدس جاز ذلک وینفق فی عمارۃ بیت المقدس وفی سراجہ ونحوہ** قالوا وہذا یفید جواز النفقۃ من وقف المسجد علی قنادیلہ وسراجہ وان یشتری بذلک الزیت والنفط للقنادیل فی رمضان خانیۃ وصیت کی اپنے تہائی مال کی بیت المقدس کے واسطے تو یہ جائز ہے اور وہ مال خرچ کیا جائے بیت المقدس کی عمارت میں اور اس کے چراغ میں اور مانند اس کے علماء نے کہا کہ یہ دلیل ہے اس کی کہ مسجد کے وقف سے خرچ کرنا مسجد کی قندیلوں اور اس کے چراغوں پر جائز ہے کہ مسجد کے وقف سے تیل اور روغن قندیلوں کے واسطے رمضان میں خرید کیا جائے کذا فی الخانیۃ وفی المجتبی اوصی بثلث مالہ للکعبۃ جاز ولیصرف لفقراء الکعبۃ لا غیر وکذا للمسجد والمقدس اور مجتبی میں ہے کہ اپنے تہائی مال کی وصیت کی کعبہ شریف کے واسطے تو جائز ہے اور وہ مال کعبہ معظمہ کے محتاجوں کے واسطے صرف کیا جائے نہ اور کام میں اور اسی طرح کا حکم مسجد اور بیت المقدس کی وصیت کا ہے م یہ دوسرا قول ہے متن کے مخالف کذا فی الطحطاوی وفی الوصیۃ لفقراء الکوفۃ جاز لغیرہم اور فقرائے کوفہ کی وصیت ان کے سوائے اور محتاجوں پر صرف کرنا جائز ہے۔ اور یہی حکم ہے فقرائے حاج اور فقرائے مکہ کا کذا فی العالمگیریۃ وفی الخانیۃ اوصی لعبدہ بخدم المسجد ویؤذن فیہ جاز ویکون کسبہ لوارث الموصی اور خانیہ میں ہے کہ وصیت کی اپنے غلام کو کہ مسجد کی خدمت کرے اور اس میں اذان دے تو وصیت جائز ہے اور کمائی اس غلام کی موصی کے وارث کی ہے ولو اوصی بثلث مالہ لاعمال البر لا یصرف ثلثہ لبناء السجن لان اصلاحہ علی السلطان اور اگر اپنے تہائی مال کی وصیت نیک کاموں کے واسطے کی تو اس کا تہائی مال قید خانہ بنانے میں صرف نہ کیا جائے گا اس واسطے کہ اس کی اصلاح بادشاہ پر ہے **اوصی بان یتخذ الطعام بعد موتہ للناس ثلثۃ ایام فالوصیۃ باطلۃ** کما فی الخانیۃ عن ابی بکر البلخی یہ وصیت کی کہ موصی کی موت کے بعد کھانا تیار کیا

کیا جائے لوگوں کے واسطے تین دن تو یہ وصیت باطل ہے چنانچہ خانیہ میں ابوبکر بلخی سے مروی ہے وفیہا عن ابی جعفر اوصی باتخاذ الطعام لبعد موتہ ولیطعم الذین یحضرون التعزیۃ جاز من الثلث ویحل لمن طال مقامہ ومسافتہ لا لمن لم یطل ولو فضل طعام ان کثیرا یضمن والا لا انتہی اور خانیہ میں ابوجعفر سے منقول ہے کہ وصیت کی کھانا تیار کرنے اپنی موت کے بعد اور وہ کھلایا جائے ان کو جو ماتم پرسی کے لئے آویں تو جائز ہے تہائی مال سے اور وہ کھانا حلال ہے اس کو جو ماتم داری میں بہت ٹھہرا یا اس کے مکان کی مسافت دراز ہے نہ اس کو حلال ہے جس کی مسافت بعید نہیں اور نہ زیادہ مقام کیا اور اگر کھانا بچ رہا تو اگر کثیر ہے تو اس کا تاوان وصی پر ہے اور اگر قلیل ہے تو تاوان نہیں انتہی ما فی الخانیۃ قلت وحمل المصنف الاول علی طعام یجتمع لہ النائحات لبقیۃ ثلثۃ ایام فتکون وصیۃ لہن فبطلت والثانی علی ما کان لغیرہن میں کہتا ہوں اور مصنف نے اپنی شرح میں قول اول کو یعنی ابوبکر بلخی کے قول کو جو بطلان وصیت میں ہے محمول کیا ہے اس کھانے پر جس کے واسطے نوحہ گر عورتیں جمع ہوتی ہیں باقی تین دن میں تو وصیت ہوئی نوحہ گروں کے واسطے تو باطل ٹھہری اور قول ثانی یعنی ابوجعفر کے جواز وصیت کو اس کھانے پر جو سوائے نوحہ گر اور لوگوں کے واسطے پکایا جائے م نوحہ گروں کے واسطے وصیت کا باطل ہونا ظاہراً تین دن پر مخصوص نہیں کیونکہ وہ تو گناہ ہے یعنی تین دن کے بعد بھی نوحہ گری گناہ ہے کذا فی الطحطاوی **فروع** مسائل متفرقہ شارع کے اوصی بان یصلی علیہ فلان او یحمل بعد موتہ الی بلد آخر او یکفن فی ثوب کذا او یطین قبرہ او یضرب علی قبرہ قبۃ او لمن یقرء عند قبرہ شیئا معینا فہی باطلۃ سراجیۃ وسنحققہ یہ وصیت کی کہ نماز پڑھے اس پر فلاں شخص یا موت کے بعد اس کی لاش کو اٹھالے جاویں دوسرے شہر کی طرف یا اس کو کفن کیا جائے فلانے کپڑے میں یا اس کی قبر پر کہگل کی جائے یا اس کی قبر پر قبہ یا خیمہ قائم کیا جائے یا جو اس کی قبر کے پاس قرآن پڑھے اس کو کچھ معین مال دیا جائے تو ہر ایک وصیت باطل ہے کذا فی السراجیہ اور ہم اس کی تحقیق عنقریب بیان کریں گے م شارح نے وصیت بالخدمت کے باب سے پہلے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ قبر کی کہگل مکروہ نہیں اور قرآن پڑھنا قبر پر اور قاری کو دینا لینا جائز ہے طحطاوی نے کہا دوسرے شہر میں نعش لے جانے کی وصیت اس واسطے درست نہیں کہ نقل کرنا مکروہ ہے اور قبر پر قبہ وغیرہ قائم کرنا مکروہ ہے لہذا اس کی وصیت باطل ہے اوصی بثلث مالہ للہ تعالی فہی باطلۃ وقال محمدؒ تصرف لوجوہ البر وصیت کی اپنے تہائی مال کی خدائے تعالی کے واسطے تو یہ باطل ہے امام کے نزدیک اور محمدؒ نے کہا وصیت مذکورہ صرف کی جائے نیک کاموں میں م وجہ بطلان یہ ہے کہ تمام اشیاء حق تعالی کی ملک ہیں تو لام تملیک کی کچھ وجہ نہیں بدون تاویل اور توجیہ کے والعبرۃ للظاہر کذا فی الطحطاوی قال اوصیت لفلان بالف وہو عشر مالی لم یکن لہ الا الالف کہا میں نے وصیت کی ہزار درم کی فلانے شخص کے واسطے اور حالانکہ ہزار درم میرے تمام مال کا دسواں حصہ ہے تو موصی لہ کے واسطے سوائے ہزار درم کے کچھ نہیں م جب کہ ہزار درم ثلث مال سے خارج ہو سکیں تو اس کو ہزار درم ملیں گے خواہ ہزار دسویں حصے سے زیادہ ہوں یا کم کذا فی الطحطاوی وفی اوصیت لہ بجمیع ما فی ہذا الکیس وہو الف فاذا فیہا الفان ودنانیر وجواہر فالکل لہ ان خرج من الثلث مجتبی اور اس قول میں کہ میں نے فلانے کے واسطے وصیت کی اس تمام مال کی جو اس تھیلی کے اندر ہے اور حالانکہ وہ ہزار درہم ہیں پھر جو اس میں دیکھا تو دو ہزار درم اور اشرفیاں اور جواہر ہیں تو وہ مال بالکل موصی لہ کا ہے بشرطیکہ وہ ثلث مال سے خارج ہو سکے کذا فی المجتبی قال لمدیونہ اذا مت فانت بری من دینی علیک صحت وصیۃ ولو قال ان مت لا یبرا للمخاطرۃ اپنے مدیون سے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو تو بری الذمہ ہے میرے اس دین سے جو تجھ پر ہے تو وصیت صحیح ہے یعنی بعد موت کے وہ بری الذمہ ہو جاوے گا اور یوں کہا کہ اگر میں مرجاؤں تو تو بری الذمہ ہے میرے دین سے تو مدیون بری الذمہ نہ ہوگا مخاطرہ کے سبب سے م مخاطرہ سے مراد اس پر تعلیق ہے جو ہنوز موجود نہیں لیکن اس کا ہونا مترقب ہے کذا فی الطحطاوی یدخل المجنون فی الوصیۃ للمرضی دیوانہ داخل ہے بیماروں کی وصیت میں یعنی جو مال بیماروں کے واسطے وصیت میں متعلق ہوا تو مجنون پر بھی صرف ہوگا اس لئے کہ جنون بھی بیماری ہے وفی الوصیۃ للعلماء یدخل المتکلمون فی بلاد خوارزم دون بلادنا اور جو مال عالموں کے واسطے وصیت ہو اس میں ملک خوارزم کے متکلم داخل ہیں نہ ہمارے ملک کے متکلم م متکلم وہ جو علم عقائد میں گفتگو کرتا ہو طحطاوی نے کہا شاید کہ خوارزم کے متکلم شبہات مخالفین کا اتباع نہ کرتے ہوں گے بلکہ لوگوں کو اعتقادات واجبہ کی تعلیم کرتے ہوں گے اور بخلاف ہمارے ملکوں کے متکلم شبہات فلاسفہ وغیرہ کو بیان کرتے ہوں گے بدون رد اور انکار کے تو وہ ضال اور مضل ٹھہرے ان کو علم الٰہی سے کچھ نصیب نہیں ولو اوصی للعقلاء یصرف للعلماء الزاہدین لانہم ہم العقلاء فی الحقیقۃ قنیۃ اور اگر وصیت کی عقلمندوں کے واسطے تو اس کو صرف کرنا چاہیے تارک الدنیا

گمراہ ۱۲ گمراہ کنندہ ۱۲

عالموں پر اس لئے کہ فی الحقیقۃ عقلمند وہی ہیں کذا فی القنیہ م عاقل انجام بین کو کہتے ہیں تو حقیقت میں تارک الدنیا عاقل ہے جس نے دنیائے ناپائیدار کا انجام غور کر کے اس کو چھوڑ دیا طحطاوی نے کہا در المختار کے نسخوں میں بجائے لفظ قنیہ کے فتح ہے اور صواب یہ ہے کہ قنیہ ہے اس لئے کہ یہ عبارت قنیہ کی ہے چنانچہ منح الغفار میں ہے اور اگر ایسا ہو تو سراج وہاج کی عبارت ٹھہرے گی اسلئے کہ آخر فروع میں سراج مذکور ہے واللہ اعلم واعلم ان الوصیۃ فی ید الموصی او ورثتہ بمنزلۃ الودیعۃ سراج جاننا چاہیے کہ مال وصیت موصی اور اس کے وارثوں کے قبضہ میں بجائے امانت کے ہے کذا فے السراج یعنی اگر مال مذکور تلف ہو جائے گا۔ تو ان کو ضمان دینا لازم نہ ہوگا۔

باب الوصیۃ بثلث المال

یہ باب ہے تہائی مال کے وصیت کے مسائل میں **اذا اوصی بثلث مالہ لزید ولآخر بثلث مالہ ولم تجز الورثۃ فثلثہ لہما نصفان** اتفاقا جبکہ اپنے تہائی مال کی وصیت کی زید کے واسطے اور دوسرے شخص کے واسطے بھی تہائی مال کی وصیت کی اور وارثوں نے اجازت نہ دی تو تہائی مال دونوں شخصوں میں نصفا نصف ہوگا باتفاق امام اور صاحبین کے م اس واسطے کہ ثلث مال دونوں کے حق کی گنجائش نہیں رکھتا کیونکہ عدم اجازت کی حالت میں تہائی مال سے وصیت زیادہ نہیں ہوسکتی اور استحقاق کے سبب میں دونوں برابر ہیں اور محل شرکت کے قابل ہے لہذا ثلث مال دونوں میں نصفا نصف ہوگا کذا فی الزیلعی **وان اوصی بثلث مالہ لزید ولآخر بسدس مالہ فالثلث بینہما** اثلاثا اتفاقا اور تہائی مال کی وصیت کی زید کے واسطے اور دوسرے شخص کے واسطے اپنے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی تو تہائی دونوں شخصوں میں تین تہائی ہوگی باتفاق امامؒ اور صاحبین کے یعنی دو سہم صاحب ثلث کے اور ایک سہم صاحب سدس کا **وان اوصی لاحدہما بجمیع مالہ ولآخر بثلث مالہ ولم تجز** الورثۃ ذلک **فثلثہ بینہما نصفان** لان الوصیۃ باکثر من الثلث اذا لم تجز تقع باطلا فیجعل کانہ اوصی لکل بالثلث فینصف اور اگر وصیت کی ایک شخص کے واسطے اپنے تمام مال کی تہائی دونوں میں نصفا نصف ہوگی اس واسطے کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت پر جب ورثہ کی اجازت نہ ہوئی تو وہ باطل ٹھہر گئی تو یہ قرار دیا گیا کہ گویا اس نے ہر شخص کے واسطے تہائی مال کی وصیت کی تو وہ تہائی دونوں میں نصفا نصف ہوگی یہ مذہب ہے امامؒ کا وقالا ارباعا لان الباطل مازاد علی الثلث فاضرب الکل فی الثلث یحصل اربعۃ یجعل ثلث المال اور صاحبین نے کہا کہ ثلث مال کے چار حصے کئے جاویں اس واسطے کہ باطل وصیت وہ ہے جو تہائی پر زیادہ ہے تو کل کو ضرب کر ثلث میں چار حاصل ہونگے وہی چار سہم ثلث مال میں قرار دئے جاویں گے م طحطاوی نے کہا کہ شارح کی عبارت غیر مستقیم ہے یعنی اس میں دقت ہے مطلب خیز نہیں درر کی عبارت یوں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چار سہم کئے جاویں گے تین سہم اس کے جس کے لئے تمام مال کی وصیت ہوئی اور ایک سہم اس کے لئے جس کے واسطے تہائی کی وصیت ہوئی اس واسطے کہ وصیت زائد ثلث پر باین معنی باطل ہے کہ موصی کو اس کا مستحق نہیں ہوتا لیکن وہ معتبر ہے اس امر میں کہ موصی لہ اس کے سبب سے ثلث مال سے لے گا بقدر حصہ اس زائد کے اس لئے کہ اس مطلب کے ایصال کا کوئی موجب نہیں تو ثلث کا مخرج تین ہے تو ثلث ایک ہوا اور کل تین تو چار سہم ہو تو ثلث مال ان چار سہام پر قسمت ہوگیا انتہی مختصرا **ولا**[2] **یضرب الموصی لہ باکثر من الثلث عند ابی حنیفۃ** المراد بالضرب المصطلح بین الحساب فعندہ سہام الوصیۃ اثنان فاضرب نصف کل فی الثلث یکون سدسا فلکل سدس المال وعندہما اربعۃ کما قدمنا اور امامؒ کے نزدیک ضرب واقع نہ کرے گا وہ موصی لہ جس کے لئے ثلث مال سے زیادہ وصیت ہوئی شارح نے کہا ضرب سے مراد وہ ضرب ہے جو اہل حساب میں مصطلح ہے تو امام کے نزدیک وصیت مذکورہ کے سہام دو ہیں تو ضرب دے ہر ایک کے نصف کو ثلث میں تو سدس ہوگا ہر شخص کے واسطے مال کا چھٹا حصہ ہوا اور صاحبین کے نزدیک سہام وصیت کے چار ہیں چنانچہ ہم نے ان کو آگے بیان کر دیا م شارح کو یوں کہنا اولی تھا فاضرب[3] نصفہما او فاضرب نصیب کل ضرب مصطلح عبارت ہے اس عدد کے حاصل کرنے سے جس کی نسبت احد المضروبین کے ساتھ ویسی ہے جیسے دوسرے کی ایک ساتھ کذا فی الطحطاوی **الا فی ثلث مسائل ہی المحاباۃ والسعایۃ والدراہم المرسلۃ** ای المطلقۃ غیر المقیدۃ بثلث او نصف او نحوہما اکثر ثلث کا موصی لہ ضرب نہیں کرتا مگر تین مسئلوں میں ضرب واقع ہوتی ہے اور وہ تین مسئلے یہ ہیں۔ ایک محابات دوسرے

---

[1] یعنی ہر ایک کا حصہ تین سے نکال اس کو مخرج قرار دے کر تو تین تہائیاں اور ایک مل کر چار ہوئے ۱۲ [2] قال الطحطاوی قولہ لا یضرب مبنی للفاعل من الموصی لہ والباء متعلق بہ ۱۲

[3] یعنی ضرب کر ان دونوں کے نصف کو یا ہر ایک کے حصہ کو ضرب کر ۱۲

سعایت تیسرے دراہم مرسلہ یعنی مطلق دراہم جن میں ثلث نصف کی یا ان کے سوائے اور کوئی قید مذکور نہیں م محابات لغت عرب میں بمعنی مسامحت اور عطا کے ہے اور یہاں محابات سے مراد وہ بیع ہے جو ثمن معتدل سے کم تر ہو کذا فی الطحطاوی ومن صور ذلک ان یوصی لرجل بالف درہم مثلا ویحابیہ فی بیع بالف درہم او یوصی بعتق عبد قیمتہ الف درہم وہی ثلثا مالہ و لآخر بثلث مالہ ولم تجز فالثلث بینہما اثلاثا اجماعا اور اس کے منجملہ شکل کی یہ مثال ہے کہ وصیت کی ایک مرد کے واسطے ہزار درہم کی مثلاً یا ایک شخص سے بیع کی ہزار درہم ثمن کی بطریق محابات کے یا وصیت کی اس غلام کی آزادی کی جس کی قیمت ہزار درم ہے اور حالانکہ ہزار درم اس کے تمام مال کی دو تہائیاں ہیں اور دوسرے شخص کے واسطے تینوں مثالوں میں اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور وارثوں نے یہ وصیت جائز نہ رکھی تو کل مال کی تہائی دونوں موصی لہ میں تین تہائی بالاتفاق ہوگی یعنی دو سہم ہزار درم کے موصی لہ کو اور ایک سہم تہائی کے موصی لہ کو م ماتن نے اپنی شرح میں کہا کہ محابات کی صورت یہ ہے کہ ایک مرد کے دو غلام ہیں ایک کی قیمت ۳۰ درم ہے اور دوسرے کی ۶۰ درم سو اس نے وصیت کی کہ پہلا غلام زید کے ہاتھ دس درم پر بیع ہو اور دوسرا غلام عمرو کے ہاتھ ۲۰ درم پر بیع ہو اور موصی کا سوائے ان دو غلاموں کے کچھ اور مال نہیں ہے تو زید کے حق میں ۲۰ درم کی وصیت ہوئی اور عمرو کے حق میں ۴۰ درم کی ہوئی تو ثلث مال دونوں موصی لہ میں تین تہائی ہو گا تو پہلا غلام زید کے ہاتھ ۲۰ درم پر بیچا جائے گا[1] اور دس درم اس کے واسطے وصیت ٹھہری اور دوسرا غلام عمرو کے ہاتھ ۴۰ درم پر اور ۲۰ درم اس کی وصیت ہوئی تو زید اور عمرو نے تہائی سے بقدر وصیت کے لیا اگر ثلث وصیت سے زیادہ ہو گیا اور سعایت کی صورت یہ ہے کہ موصی نے دو غلاموں کو آزاد کیا جن کی قیمت ویسی ہے جو محابات میں مذکور ہوئی اور اس کا کچھ مال غلاموں کے سوائے نہیں تو اول کے واسطے ثلث مال کی وصیت ہوئی اور ثانی کے واسطے دو ثلث کی تو وصیت کے سہام تین تہائی ہونگے ایک سہم اول کا اور دو سہم ثانی کے تو ثلث مال بھی اسی طرح ان میں منقسم ہو گا تو اول غلام کا ثلث آزاد ہو گا اور وہ دس درم ہے اور وہ سعایت اور کوشش کرے ۲۰ درم میں اور ثانی غلام کا ثلث آزاد ہو گا وہ ۲۰ درم ہے اور سعایت کرے گا ۴۰ درم میں تو ہر ایک موصی لہ ضرب کرے گا بقدر اپنی وصیت کے اگرچہ زائد ہے ثلث پر اور دراہم مرسلہ کی یہ صورت ہے کہ زید کے واسطے وصیت کی ۳۰ درم کی اور دوسرے کے لئے وصیت کی ۶۰ درم کی اور اس کا کل مال ۹۰ درم ہے اور وارثوں نے اس وصیت کو جائز نہ رکھا تو ہر موصی لہ ضرب کرے گا بقدر اپنی وصیت کے تو اول شخص ثلث کو ثلث مال میں ضرب دے گا اور ثانی مال کی ثلثین میں کذا فی الطحطاوی ملخصاً **وبمثل نصیب ابنہ صحت لابن اولا** اور اپنے فرزند کے حصے کے مانند وصیت کی تو صحیح ہے خواہ اس کا بیٹا ہو یا نہ ہو **وبنصیب ابنہ لا لو لہ ابن موجود** اور اپنے فرزند کے حصے کی دوسرے کے واسطے وصیت کی تو صحیح نہیں اگر اس کا بیٹا موجود ہو م اس واسطے کہ فرزند کا حصہ قرآن سے ثابت ہے پھر جب اس کی وصیت اور شخص کے واسطے ہوئی تو اس نے فرض الٰہی کو بدل ڈالا تو صحیح نہ ہو گا کذا فی المنح برخلاف سابق کے اس واسطے مثل شے مغائر شے ہے وان لم یکن لہ ابن صحت عنایۃ وجوہرۃ زاد فی شرح التکملۃ وصار کما لو اوصی بنصیب ابن لو کان انتہی اور اگر موصی کا فرزند نہ ہو تو وصیت صحیح ہو گی کذا فی العنایۃ والجوہرۃ شرح تکملہ میں اتنا زیادہ کہا ہے اور یہ ہو گیا مانند اس کے کہ اگر وصیت کی حصہ فرزند کی اگر وہ ہوتا انتہی ما فی شرح التکملۃ وفی المجتبیٰ ولو اوصی بمثل نصیب ابن لو کان فلہ النصف انتہی اور مجتبیٰ میں ہے اور اگر وصیت کی نصیبہ فرزند کی اگر وہ ہوتا تو موصی لہ کو نصف مال ہے انتہی ما فی المجتبیٰ م لیکن زیادہ عن الثلث بجازت ورثہ پر موقوف ہے ونقل المصنف عن السراج ما یخالفہ فلیتنبہ اور مصنف نے اپنی شرح میں سراج سے وہ قول نقل کیا جو مجتبیٰ کے مخالف ہے م مجتبیٰ میں نصف مال مذکور ہے اور سراج میں ثلث مسطور ہے کذا فی الطحطاوی **ولہ فی الصورۃ الاولیٰ ثلث ان اوصی مع اثنین** اور موصی لہ کے واسطے پہلی صورت میں تہائی ہے اگر موصی نے دو فرزندوں کے ساتھ وصیت کی م یعنی دو فرزندوں کے ساتھ موصی لہ کے لئے بمثل حصہ فرزند کے وصیت کی تو اس کو تہائی مال ملے تو گویا موصی نے موصی لہ کو تیسرا فرزند قرار دیا **ونصف مع ابن واحد ان اجاز** اور موصی لہ کے واسطے ایک فرزند کے ساتھ نصف ہے اگر فرزند جائز رکھے **ومثلہم البنات** اور بیٹوں کے مانند بیٹیوں کا حکم ہے م یعنی اگر بمثل حصہ دختر وصیت کی اور اس کے ایک بیٹی ہے تو موصی لہ کو نصف ہے اگر وہ اجازت دے ورنہ ثلث ہے کذا فی المنح والاصل انہ متی اوصی بمثل نصیب بعض الورثۃ یزاد مثلہ علی سہام الورثۃ مجتبیٰ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب وصیت کرے کسی وارث کے حصے کے برابر ملنے کی تو ورثہ کے سہام پر اسی حصہ کا مثل زیادہ کر لینا چاہیئے۔ کذا فی المجتبیٰ چنانچہ اوپر کی مثالوں میں

---

[1] اس لئے کہ غلام ۳۰ کا تھا جب دس کو بیچنے کو کہا تو یہ معنی کہ ۲۰ اس کو دے دینا ۱۲

مفصل گزرا **وبجزء او سہم من مالہ فالبیان الی الورثۃ** یقال لہم اعطوہ ما شئتم ثم التسویۃ بین الجزء والسہم عرفنا واما اصل الروایۃ فبخلافہ اور وصیت کی اپنے مال میں سے ایک جز یا ایک سہم کی تو اس کا بیان وارثوں کی طرف ہے تو وارثوں سے کہا جاوے گا کہ موصی لہ کو جتنا تمہارا جی چاہے دو پھر یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ برابری درمیان جزء اور سہم کے یہ ہمارا متاخرین کا عرف ہے اور اصل روایت تو اس کے مخالف ہے م وارثوں کو بیان اس واسطے مفوض ہوا کہ جزء اور سہم کا مدلول مجہول ہے قلیل اور کثیر کو شامل ہے اور وصیت جہالت سے ممنوع نہیں وارث موصی کے اس کے قائم مقام ہیں بیان مراد میں شرح وقایہ میں ہے کہ سہم عبارت ہے سدس سے امامؒ کے قول میں بنا بر عرف بعض اشخاص کے منح الغفار میں ہے کہ لفظ نصیب اور شقص اور بعض اور حظ اور شئے کا سہم اور جزء کے مانند ہے کذا فی الطحطاوی **وان قال سدس مالی لہ ثم قال ثلثہ لہ واجازوا لہ ثلث** ای حقہ الثلث فقط وان اجازۃ الورثۃ لدخول السدس فی الثلث مقدما کان او مؤخرا اخذا بالمتیقن وبہذا اندفع سوال صدر الشریعۃ واشکال ابن الکمال اور اگر بولا کہ میرے مال کا سدس یعنی چھٹا حصہ فلانے شخص کے واسطے پھر بولا کہ میرے مال کی تہائی اس کے واسطے ہے اور اس کے وارثوں نے اجازت دی تو موصی لہ کے واسطے تہائی مال ہے یعنی اس کا حق فقط ثلث ہے اگرچہ وارثوں نے اجازت دی ہو بسبب داخل ہونے سدس کے ثلث میں خواہ ثلث مقدم مذکور ہو خواہ مؤخر اعتبار متیقن کے سبب سے اور اس تقریر سے صدر الشریعۃ کا سوال اور ابن کمال کا اشکال دفع ہو گیا م صدر الشریعۃ کا خلاصہ سوال یہ ہے کہ ثلث اور سدس کا قول اگر اخبار ہے تو کذب ہے اور اگر انشا ہے تو واجب یہ ہے کہ موصی لہ کے واسطے نصف مال واجب ہو اس واسطے کہ ثلث اور سدس نصف ہوتا ہے خلاصہ جواب یہ ہے کہ وصیت میں احتمال ہے کہ سدس ثلث میں داخل ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ داخل نہ ہو بلکہ زیادت سدس کی ثلث پر مراد ہو لیکن چونکہ دخول سدس کا ثلث میں بالیقین ہے لہذا یہی معتبر ہوا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی ثلث سے زیادہ کی وصیت کا مالک نہیں تو موصی کے کلام کا محل صحیح یہ ہے کہ نصف کا ارادہ مراد نہ ہو **وفی سدس مالی کرر السدس** لان المعرفۃ اذا اعیدت معرفۃ اور اس وصیت میں کہ سدس مالی کا لفظ مکرر کہا تو موصی لہ کے واسطے سدس ہے اس واسطے کہ معرفہ دوبارہ مذکور ہوا معرفہ ہو کر م یعنی موصی نے یوں کہا کہ میرا سدس مال اس کے واسطے ہے پھر یہ کہا کہ میرا سدس مال اس کا ہے خواہ اسی مجلس میں تکرار کی یا دوسری مجلس میں تو سدس اس کا حق ہے اس واسطے کہ اعادہ معرفہ میں ثانی عین ہوتا ہے اول کا اور یہاں معرفہ لفظ سے سدس کا اس واسطے کہ وہ مضاف ہے مال کی طرف **وبثلث دراہمہ او غنمہ او ثیابہ** متفاوتۃ فلو متحدۃ فکالدراہم **او عبیدہ ان ہلک ثلثاہ فلہ جمیع ما بقی فی الاولین** ای الدراہم والغنم اور موصی کے دراہم یا اس کی بھیڑ بکریوں یا اس کے مختلف کپڑوں کی یا اس کے غلاموں کے ثلث کی وصیت ہے پس اگر دو ثلث تلف ہو جاویں تو موصی لہ کے واسطے وہ ہے جو سب باقی رہ گیا اور دو مثالوں میں یعنی درموں میں اور بھیڑ بکریوں میں شارح نے کہا اور اگر کپڑے متحد الجنس ہیں تو وہ درموں کی مانند ہیں م یعنی موصی نے کہا کہ میرے ثلث دراہم یا ثلث غنم فلانے کے واسطے ہیں پھر درم اور غنم کی دو تہائیاں تلف ہو گئیں تو موصی لہ کے واسطے تمام ما بقی ہے مثلاً اگر نو درم مال تھا سو چھ درم ضائع ہو گئے تو باقی تین درم موصی لہ کا حق ہے ان خرج من ثلث باقی جمیع اصناف مالہ اخی جلبی اگر موصی کی جمیع اقسام مال کی ثلث سے نکلے تب جمیع ما بقی کو موصی لہ پا دے گا کذا ذکرہ اخی جلبی **وثلث الباقی فی الآخرین** ای الثیاب والعبید وان خرج الباقی من ثلث کل المال اور پچھلی دو مثالوں میں یعنی کپڑوں اور غلاموں میں باقی کا ثلث ہے موصی لہ کے واسطے اگرچہ باقی تمام مال کی تہائی سے نکلے م یعنی اگر نو کپڑے ہم قیمت ہیں یا نو غلام ہم قیمت ہیں اور ان میں سے چھ کپڑے یا چھ غلام ضائع ہو گئے باقی رہے تین تو اس باقی کی تہائی یعنی ایک کپڑا یا ایک غلام موصی لہ کا ہے برخلاف درم اور غنم کے کہ ان میں جمیع ما بقی موصی لہ کا حق ہے **وکالاول کل متحد الجنس کمکیل او موزون** وثیاب متحدۃ وضابطہ ما یقسم جبرا و کالثانی کل مختلف الجنس وضابطہ ما لا یقسم جبرا اور اول یعنی درم اور غنم کی مانند ہے ہر چیز متحد الجنس چنانچہ کیلی اور وزنی اور کپڑے ایک قسم کے اور قاعدہ کلیہ اس کا یہ ہے کہ اس چیز کی قسمت زبردستی ہو سکتی ہو اور ثانی یعنی ثیاب اور عبید کے مانند ہے ہر چیز مختلف الجنس اور اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ چیز قسمت پذیر نہ ہوتی ہو زبردستی سے م اشیاء متحد الجنس اگر وارثوں میں مشترک ہوں اور بعض وارث قسمت کے طالب ہوں اور بعضے نہ چاہتے ہوں تو قاضی ان کو تقسیم کرے گا زبردستی سے اور اگر مختلف الجنس ہیں تو ان میں تقسیم جبری نہ ہو گی **وبالف ولہ دین** من جنس الالف **وعین فان خرج** الالف **من ثلث** العین **دفع الیہ** اور موصی نے ہزار درہم کی وصیت کی اور حالانکہ اس کا مال دین ہے لوگوں پر ہزار درم کی جنس سے اور عین بھی ہے تو اگر ہزار درہم عین کی تہائی سے نکلے تو اس کو وہی دیا جاوے یعنی اگر اس کا تین ہزار کا متروکہ

نقد ہے تو اسی نقد میں سے ایک ہزار درہم موصی لہ کو دے جاویں **والا یخرج ثلث العین** یدفع لہ وکلما خرج شئی من الدین یدفع الیہ ثلثہ حتی یستوفی حقہ وہو الالف اور اگر ہزار درہم نہ نکلیں نقد متروکہ سے تو تہائی نقد کی اس کو دی جائے اور جس قدر دین سے وصول ہوتا جائے تو اس کی تہائی سے اس کو ملتی جائے یہاں تک کہ اس کا حق ہزار درہم پورے ہو جاویں مثلاً نقد متروکہ سے تو تہائی نقد کی اس کو دی جائے اور جس قدر دین سے وصول ہوتا جائے اس کی تہائی دیتے ہیں ہزار درہم کے بھرنے تک **وثلثہ لزید وعمرو وہو ای عمرو میت لزید کلہ** ای کل الثلث والاصل ان المیت والمعدوم لا یستحق شیئا فلا یزاحم غیرہ وصار کما لو اوصی لزید وجدار اور اگر وصیت کی تہائی مال کی زید اور عمرو کے واسطے اور حالانکہ عمرو مردہ ہے تو زید کے واسطے پوری تہائی ہے اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ میت یا معدوم چیز مستحق نہیں ہوتی کسی چیز کی تو غیر کی مزاحم اور مانع نہ ہوگی اور وہ قول اس قول کے مانند ہے کہ اگر وصیت کی زید اور دیوار کے واسطے **ہذا اذا خرج المزاحم من الاصل اما اذا خرج المزاحم بعد صحۃ الایجاب یخرج بحصتہ** ولا یسلم للآخر کل الثلث لثبوت الشرکۃ یعنی استحقاق کل ثلث کا اس وقت ہے جب کہ مزاحمت کرنے والا نکل جائے اصل وصیت سے لیکن جب کہ مزاحم نکلے صحت ایجاب کے بعد تو اپنا حصہ لے کر نکلے گا اور دوسرے شخص کو تمام ثلث نہ دیا جاوے گا ثبوت شرکت کی وجہ سے **کما لو قال ثلث مالی لفلان وفلان بن عبد اللہ ان مت وہو فقیر فمات الموصی وفلان بن عبد اللہ غنی کان لفلان نصف الثلث** چنانچہ اگر موصی نے کہا کہ میرا تہائی مال مثلاً زید اور خالد بن عبد اللہ کے واسطے ہے اگر میں مروں اور خالد محتاج ہو پھر موصی مرگیا اور حالانکہ خالد بن عبد اللہ مالدار ہے تو زید کے واسطے نصف ثلث ہوگا اس واسطے کہ خالد جو مالدار ہوگیا وصیت میں داخل تھا محتاجی کے سبب سے اور اب نکل گیا مالداری کی وجہ سے تو اس صورت میں زید پوری تہائی پاوے گا وکذا لو مات احدہما قبل الموصی وفروعہ کثیرۃ اور اسی طرح اگر ایک موصی لہ مرگیا موصی کے پہلے تو دوسرا موصی لہ نصف ثلث پاوے گا اور اس اصل کی شاخیں بہت ہیں ازانجملہ یہ ہے کہ اگر یوں کہا کہ میرا تہائی مال زید اور عبد اللہ کا ہے اگر عبد اللہ اس گھر میں ہو اور حالانکہ عبد اللہ گھر میں نہیں تو زید کو نصف ثلث ملے گا اس واسطے کہ ایک شخص کے استحقاق کا بطلان حق ثانی کے ازدیاد کا موجب نہیں کذا فی المنح واصلہ **المعول علیہ انہ متی دخل فی الوصیۃ ثم خرج لفقد شرطہ لا یوجب الزیادۃ فی الآخر ومتی لم یدخل فی الوصیۃ لفقد الاہلیۃ کان الکل للآخر ذکرہ الزیلعی** اور اس کا قاعدہ معتمد علیہ یہ ہے کہ جب موصی لہ وصیت میں داخل ہوا پھر وصیت سے نکل گیا فقدان شرط کے سبب سے تو یہ دوسرے موصی لہ کے حق میں زیادہ ہو جانے کا موجب نہیں ہوتا اور جب کہ وصیت میں داخل ہی نہ ہوا فقدان اہلیت کی وجہ سے تو تمام ثلث دوسرے موصی لہ کا ہوگا ایسا ذکر کیا ہے زیلعی نے **وقیل العبرۃ لوقت موت الموصی** والیہ یشیر کلام الدرر تبعا للکافی حیث قال لہ ولولد بکر فمات ولدہ قبل موت الموصی الی آخرہ اور بعضوں نے کہا موت موصی کے کا اعتبار ہے اور اسی کی طرف درر کا کلام باتباع کافی کے مشیر ہے چنانچہ صاحب درر نے کہا ہے کہ اگر وصیت کی زید اور بکر کے فرزند کے واسطے پھر بکر کا فرزند مرگیا موصی کی موت سے پہلے الی آخرہ م صاحب درر کا تمام کلام یہ ہے یا وصیت کی زید کے واسطے اور اس کے محتاج فرزندوں کے واسطے اور شرط فوت ہوگئی موت موصی کے نزدیک تو تمام ثلث زید کا ہے ان دو صورتوں میں اس واسطے کہ معدوم اور میت کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا تو زید کی مزاحمت ثابت نہ ہوئی چنانچہ زید اور دیوار کی وصیت میں انتہی اور اس کی مانند فتاوی عالمگیری میں محیط سرخسی سے منقول ہے کذا فی الطحطاوی لکن قول الزیلعی فیما مر اما اذا خرج المزاحم بعد صحۃ الایجاب الخ صریح فی اعتبار حالۃ الایجاب وقیل فیہ روایتان لیکن زیلعی کا قول کلام گذشتہ میں یعنی جب کہ مزاحم خارج ہو جائے بعد صحت ایجاب کے الی آخرہ صریح ہے حالت ایجاب کی اعتبار میں نہ موت موصی کے اعتبار میں اور بعضوں نے کہا کہ اس میں دو روایتیں ہیں **ولو قال بین زید وعمرو وہو میت لزید نصفہ** لان کلمۃ بین توجب التنصیف حتی لو قال ثلثی بین زید وسکت فلہ نصفہ ایضا اور اگر موصی بولا کہ میرا ثلث مال مابین زید اور عمرو کے ہے اور حالانکہ عمرو مردہ ہے تو زید کو نصف ثلث ملے گا اس واسطے کہ لفظ تنصیف کا موجب ہے یہاں تک کہ اگر وصی بولا کہ ثلث مال مابین زید کے اور چپ ہوگیا دوسرے شخص کو ذکر نہ کیا تو بھی زید کو نصف ہی ملے گا **وثلثہ وہو ای الموصی فقیر وقت الوصیۃ لہ ثلث مالہ** عند موتہ سواء اکتسبہ **بعد الوصیۃ او قبلہا لما تقرر** ان الوصیۃ ایجاب بعد الموت اور اگر وصیت کی ثلث مال کی اور حالانکہ وصیت کرنے والا محتاج ہے وصیت کے وقت تو موصی لہ کے واسطے اس کا ثلث مال ہے یعنی اس مال کا ثلث جو موصی کی موت کے وقت موجود ہو خواہ اس نے وہ مال بعد وصیت کے کمایا ہو یا قبل وصیت کے اس واسطے کہ ثابت ہو چکا یہ کہ وصیت عبارت ہے ایجاب بعد موت سے م طحطاوی نے کہا بہتر یہ تھا کہ فقیر کی قید مذکور نہ ہوتی تا اطلاق صحیح ہوتا **اذا لم یکن الموصی بہ عینا او نوعا معینا** ثلث مال مذکور اس وقت ملے گا جبکہ وصیت کی چیز عین یا نوع معین نہ ہو **اما اذا اوصی بعین او نوع من مالہ کثلث غنمہ فہلکت**

قبل موته بطلت لتعلقها بالعین فتبطل بفواتها ولو اکتسب غیرها لیکن جبکہ وصیت عین کی کی یا اپنے مال سے ایک نوع کی وصیت کی چنانچہ ثلث غنم کی وصیت کی پھر وہ تلف ہو گئی موصی کے مرنے سے پہلے تو وصیت باطل ہو گئی بسبب متعلق ہونے وصیت کے عین سے تو وصیت باطل ہو گئی اس کے فوت ہو جانے سے اگرچہ اس نے سوائے اس غنم کے اور غنم کو حاصل کیا ہو **ولو لم یکن له غنم عند الوصیة فاستفاد** ها ای الغنم **ثم مات صحت** فی الصحیح لان تعلقها بالنوع کتعلقها بالمال اور اگر موصی کی غنم وصیت کے وقت نہ ہوں پھر وہ غنم کو حاصل کرے پھر مر جائے تو وصیت صحیح ہے قول صحیح میں اسلئے تعلق وصیت کا نوع سے ویسا ہے جیسا وصیت کا تعلق مال سے یعنی وجود عند الموت کا اعتبار ہے **ولو قال له شاة من مالی ولیس له غنم یعطی قیمة الشاة** اور اگر بولا زید کے واسطے گوسپند ہے میرے مال سے اور حالانکہ اس کی ملک میں بھیڑ بکریوں کا گلہ نہیں ہے، تو اس کو سپند کی قیمت دی جائے گی **بخلاف قوله له شاة من غنمی ولا غنم له** یعنی الشاة له فانها تبطل برخلاف اس قول کے کہ اس کے واسطے ایک گوسپند ہے میری غنم یعنی بھیڑ بکریوں سے اور حالانکہ اس کی ملک میں غنم نہیں ہے یعنی ایک گوسپند بھی نہیں تو وصیت باطل ہے م وجہ فرق بین المسئلتین یہ ہے کہ پہلی صورت میں جب گوسفند کو غنم کی طرف مضاف کیا تو معلوم ہو گیا کہ مالیت گوسفند کی وصیت مراد ہے اور مالیت حاصل ہوتی ہے مطلق مال میں اور دوسری صورت میں جب گوسفند کو غنم کی طرف مضاف کیا تو معلوم ہو گیا کہ عین گوسفند مراد ہے اس واسطے کہ موصی نے گوسفند کو غنم کا ایک فرد قرار دیا وکذا لو لم یصفها بماله ولا غنم له وقیل تصح اور اسی طرح اگر گوسفند کو اپنے مال کی طرف مضاف نہ کیا تو اور حالانکہ اس کی ملک میں غنم نہیں تو وصیت باطل ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ وصیت صحیح ہے **وکذا الحکم فی کل نوع من انواع المال کالبقر والثوب ونحوهما** زیلعی اور اسی طرح گوسفند کی مانند حکم ہے ہر قسم میں اقسام مال سے چنانچہ گائے میں اور کپڑا اور مانند ان کے کذا فی الزیلعی **وبثلث لامهات اولاده وهن ثلاثة وللفقراء والمساکین لهن** ای لامهات الاولاد ثلثة اسهم **من خمسة وسهم للفقراء وسهم للمساکین** وعند محمد یقسم اسباعا لان لفظ الفقراء والمساکین جمع واقله اثنان قلنا ال الجنسیة تبطل الجمعیة اور اگر وصیت کی اپنی امہات اولاد کے واسطے اور فقیروں اور مسکینوں کے واسطے تہائی مال کی اور حالانکہ ام ولد تین ہیں تو ان کے واسطے صرف تین سہم ہیں پانچ سہموں سے اور فقیروں کے واسطے ایک سہم ہے اور مسکینوں کے واسطے ایک سہم امامؒ کے نزدیک اور محمدؒ کے نزدیک تقسیم ہو گی سات حصے ہو کر اس واسطے کہ فقراء اور مساکین پر الف لام ہے جنس کا اور الف لام جنسی جمع ہونے کو باطل کر دیتا ہے یعنی یہاں ظاہر میں جمع کا صیغہ ہے اور حقیقت میں مفرد ہے **وبثلثه لزید وللمساکین لزید نصفه ولهم نصفه** وعند محمد اثلاثا کما مر اور اگر وصیت کی تہائی مال کی زید اور مساکین کے واسطے اس لئے کہ اقل جمع دو ہیں چنانچہ مذکور ہو چکا ولو اوصی بثلثه لزید وللفقراء والمساکین قسم اثلاثا عند الامام وانصافا عند ابی یوسفؒ واخماسا عند محمد اختیار اور اگر وصیت کی اپنے تہائی مال کی زید اور فقیروں اور مسکینوں کے واسطے تو تہائی کی تقسیم ہو گی تین حصے ہو کر امام کے نزدیک اور دو حصے ہو کر ابو یوسفؒ کے نزدیک اور پانچ حصے ہو کر محمدؒ کے نزدیک کذا فی الاختیار شرح المختار **ولو اوصی للمساکین کان له صرفه الی مسکین واحد** وقال محمدؒ لا الا الی اثنین علی ما مر فلا یجوز صرف ما للمساکین لاقل من اثنین عنده والخلاف فیما اذا لم یشر للمساکین فلو اشار لجماعة وقال ثلث مالی لهؤلاء المساکین لم یجز صرفه لواحد اتفاقا اور اگر وصیت کی مسکینوں کے واسطے تو وصی کو جائز ہے اس کا صرف کرنا ایک مسکین پر یعنی لبطلان جمعیت کی وجہ سے اور محمدؒ نے کہا کہ دو مسکین پر صرف کرنا لازم ہے بدلیل گذشتہ یعنی اقل جمع دو ہیں تو جو مال کہ مساکین کے واسطے ہے اس کا صرف کرنا دو مسکینوں سے کمتر پر جائز نہیں محمدؒ کے نزدیک اور یہ خلاف اس صورت میں ہے جبکہ موصی نے مساکین کی طرف اشارہ کر کے معین نہیں کر دیا سو اگر اس نے ایک جماعت کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ میرا تہائی مال ان مسکینوں کے واسطے ہے تو اس کا صرف کرنا ایک مسکین کی طرف باتفاق امام اور محمد کے جائز نہیں ولو اوصی لفقراء بلخ فاعطی غیرهم جاز عند ابی یوسفؒ وعلیه الفتوی خلاصة وشرنبلالیة اور اگر وصیت کی بلخ کے فقیروں کے واسطے سو وصی نے ان کے سوا اور فقیروں کو دیا تو ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی الخلاصة والشرنبلالیة **وبمائة لرجل وبمائة لآخر فقال لآخر اشرکتک معهما فله ثلث کل مائة** لتساوی نصیبهما فامکنت المساواة فلکل ثلث المائة اور اگر وصیت کی سو درم کی ایک مرد کے واسطے اور سو درم کی دوسرے کے واسطے پھر تیسرے مرد سے موصی نے کہا کہ میں نے تجھ کو شریک کر دیا ان دونوں مردوں کے ساتھ تو تیسرے مرد کے واسطے ہر سیکڑے کی تہائی ہے اس واسطے کہ پہلے دو مردوں کا حصہ برابر ہے تو ممکن ہو گئی تینوں کی برابری تو ہر مرد کو سیکڑے کی دو تہائیاں ملیں گی **ولو باربعمائة** مثلا له **وبمائتین لآخر فقال لآخر اشرکتک معهما فله نصف ما لکل** منهما لتفاوت نصیبهما فیساوی کلا منهما اور اگر مثلاً ۴۰۰ درم کی وصیت کی ایک مرد کے واسطے اور دو سو درم کی دوسرے کے واسطے پھر تیسرے مرد سے

موصی نے کہا کہ میں نے تجھ کو دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو تیسرے مرد کو ہر ایک کے حصہ سے نصف ملے گا بسبب متفاوت ہونے دونوں کے تو تیسرا مرد دونوں کے برابر ہوگا۔ م جب دونوں کا حصہ متفاوت ہو تو تینوں شخصوں کی برابری ممکن نہیں تو شرکت کو حمل کیا ثابت کی مساوات پر دونوں کے ساتھ تاکہ لفظ اشتراک کا مفہوم بقدر امکان صحیح ہو دے **وبثلث ماله لرجل ثم قال لآخر اشركتك او ادخلتك معه فالثلث بينهما** لما ذكرنا اور اگر تہائی مال کی وصیت کی ایک مرد کے واسطے پھر دوسرے سے کہا کہ میں نے تجھ کو داخل کر دیا اس کے ساتھ تو تہائی مال دونوں میں نصفا نصف ہے بدلیل مذکور یعنی شرکت مقتضی ہے مساوات کی اور یہاں مساوات ممکن ہے **وان قال لورثته لفلان علی دین فصدقوه فانه یصدق وجوبا الی الثلث** استحسانا اور اگر اپنے وارثوں سے کہا کہ فلانے شخص کا مجھ پر دین ہے تو تم اس کی تصدیق کیجیو تو اس کی تصدیق کی جاویگی واجبا وجوب کے تہائی مال تک استحسان کی وجہ سے م وجہ استحسان یہ ہے کہ اصل حق دین ہے اور مقدار اس کی بطریق وصیت کے ثابت ہو سکتی ہے اور قیاس یہ ہے کہ تصدیق نہ ہو اس واسطے کہ مدعی کی تصدیق نہیں ہوتی بدون حجت کے کذا فی صدر الشریعۃ **بخلاف قوله کل من ادعی علی شیئا فاعطوه** لانہ خلاف الشرع برخلاف اس قول کے کہ جو شخص مجھ پر کسی چیز کا دعوی کرے تو اس کو دیجیو تو اس میں تصدیق نہ ہوگی اس لئے کہ یہ خلاف شرع ہے م یعنی تصدیق مدعی کی بلا حجت خلاف شرع ہے **الا ان یقول ان رای الوصی ان یعطیه فیجوز من الثلث ویصیر وصیۃ** مگر یہ کہ قائل مذکور یوں کہے کہ اگر وصی اس کا دینا مناسب اور مصلحت دیکھے تو تہائی مال سے دینا جائز ہے اور یہ قول وصیت ہو جاویگا م وصیت ہو جانے کی یہ وجہ ہے کہ اس نے وصی کو تفویض کیا کذا فی الطحطاوی ولو قال ما ادعی فلان من مالی فهو صادق فان سبق منه دعوی فی شئ معلوم فهو له والا لا مجتبی اور اگر بولا کہ فلانا شخص جو دعوی کرے مال سے تو وہ سچا ہے تو اگر اس شخص سے کوئی دعوی شئے معین میں سابق ہو چکا ہو تو وہ شئی مدعی کی ہے اور اگر تقدیم دعوی نہیں تو وہ چیز اس کی نہیں کذا فی المجتبی **فان اوصی بوصایا مع ذلک** ای مع قوله لورثته لفلان علی دین فصدقوه **عزل الثلث لاصحاب الوصایا والثلثان للورثة** پھر اگر وصی نے چند وصیتیں کیں اس کے ساتھ یعنی اس قول کے ساتھ جو اس نے اپنے وارثوں سے کہا کہ فلانے شخص کا مجھ پر دین ہے تو اس کی تصدیق کیجیو تو تہائی مال جدا کیا جاوے گا وصیت والوں کے واسطے اور دو تہائیاں جدا ہونگی وارثوں کے واسطے م یعنی ایک شخص نے اپنے وارثوں سے کہا کہ فلاں شخص کا مجھ پر دین ہے تم اس کی تصدیق کرنا پھر اس قول کے بعد اس نے چند اشخاص کے واسطے وصیتیں کیں تو اس کے مال سے تہائی اہل وصایا کے لئے جدا کرنا چاہیئے اور دو تہائیاں وارثوں کے لئے اس واسطے کہ وصیت اور میراث معلوم ہیں اور دین مجہول ہے تو معلوم کا مزاحم نہ ہوگا لہذا معلوم کی تقدیم ہوئی مجہول پر **وقیل لکل** من اصحاب الوصایا والورثۃ **صدقوه فیما شئتم والباقی من الثلث فللوصایا** اور کہا جاوے گا اہل وصایا اور وارثوں کے ہر فریق سے کہ مدعی کے دین کی تصدیق کرو جس قدر میں کہ تم چاہو اور جو باقی رہے تہائی سے وہ اہل وصایا کا ہے م پھر جب کہ ہر فریق نے اقرار کیا تو معلوم ہو گیا کہ ترکہ میں دین ہے دونوں حصوں میں تو ہر فریق کا اقرار اس کے حصہ میں نافذ ہوگا کذا فی العالمگیریۃ والدین وان کان مقدما علی الحقین لا انہ مجہول اور دین اگرچہ مقدم ہے وصیت اور میراث کے دونوں حقوں پر مگر مجہول ہے معلوم نہیں م یہ جواب سوال مقدر کا ہے کہ دین تو وصیت اور میراث پر مقدم ہے پھر اس کی کیا وجہ کہ وصیت کی تہائی اور میراث کی دو تہائیاں جدا ہوئیں بدون اعتبار دین کے خلاصہ جواب یہ ہے کہ عدم تقدیم دین یہاں اس کے عدم تعین کے سبب سے ہوئی وطریق تعیینہ ما ذکر اور دین مذکور کے مقرر اور معین ہو جانے کا طریقہ وہ ہے جو مذکور ہو گیا یعنی تصدیق فریقین کی فیوخذ الورثۃ بثلثی ما اقروا بہ والوصی لہم بثلث ما اقروا بہ والباقی لہم تو جس قدر دین کا وارثوں نے اقرار کیا وہ ان کی دو تہائیوں سے لیا جاوے گا اور جو اہل وصایا نے اقرار کیا وہ ان کی تہائی سے لیا جاوے گا اور جو باقی رہے گا بعد دین ادا کرنے کے وہ ان کا ہے یعنی جو دو تہائیوں میں سے باقی رہے گا وہ وارثوں کا ہے اور جو ایک تہائی سے باقی رہے گا وہ اہل وصایا کا ہے **ویحلف کل علی العلم لو ادعی الزیادة** اور ہر فریق قسم کھاتا اپنی دانست پر اگر مدعی کچھ زیادہ دعوی کرے یعنی ہر فریق یوں قسم کھائے کہ واللہ ہم اسی قدر دین کو جانتے ہیں قلت لبقی لو کانت الوصایا دون الثلث بل لیعزل الثلث کلہ ام بقدر الوصایا لم اره باقی رہا یہ احتمال کہ اگر وصیتیں تہائی مال سے کم ہوں تو کیا پوری تہائی نکال رکھی جاوے گی یا بقدر وصیت کے میں نے اس کی تصریح کتب فقہ میں نہیں دیکھی وبقی ایضا هل یلزمهم ان یصدقوه فی اکثر من الثلث ابن الکمال بہ اور یہ بھی احتمال باقی ہے کہ آیا ان کو لازم ہے یہ کہ مقر لہ کی تصدیق کریں ثلث سے اکثر میں اس کے واسطے ابن کمال کی طرف رجوع کرنا چاہیئے م یہ اصل اعتراض ہے زیلعی کا اور ابن کمال نے فقط زیلعی کا اعتراض بدون جواب کے ذکر کیا ہے اور بعضوں نے ضعیف جواب دیا جس سے زیلعی کا اشکال ساقط نہیں ہوتا کذا فی الطحطاوی مختصرا

جنبی ولاجنبی ووارثہ او **او قاتله له نصف الوصیة وبطل وصیته للوارث والقاتل لانهما من اهل الوصیة** فی امرد لذا الصحیح باجازۃ الورثۃ اور اگر وصیت کی اجنبی شخص اور اپنے وارث یا اپنے

قاتل کے واسطے تو اجنبی کو نصف وصیت ملے گی اور اس کی وصیت وارث اور قاتل کے حق میں باطل ہو گی اجنبی کو نصف ملے گا نہ کل اس واسطے کہ وارث اور قاتل وصیت کے مستحق ہیں بنا برایں جو گذر گیا اور اسی واسطے وصیت وارث اور قاتل کے واسطے صحیح ہو جاتی ہے وارث کی اجازت سے ام برخلاف اس وصیت کے کہ موصی نے زندہ اور مردہ کے واسطے وصیت کی تو سب کا مالک زندہ ہو گا اس واسطے کہ مردہ وصیت کا مستحق نہیں تو مزاحم بھی نہ ہو گا **بخلاف ما اذا اقر لعین او دین لوارثہ ولاجنبی حیث لایصح فی حق الاجنبی ایضا لانہ اقرار بعقد سابق بینہما فاذا لم یصح بعضہ لغا باقیہ ضرورۃ** برخلاف اس کے جب کہ عین یا دین کا اقرار کیا اپنے وارث اور اجنبی کے واسطے کیونکہ وصیت صحیح نہیں اجنبی کے حق میں بھی اسلئے کہ یہ اقرار ہے عقد سابق کا یعنی دونوں کی شرکت کا زمانہ ماضی میں پھر جب کہ بعض لغو ہو گیا تو باقی بھی بالضرور لغو ہو گا ام عدم صحت کی وجہ یہ ہے کہ وصیت انشا تصرف ہے یعنی وارث اور اجنبی کے واسطے تملیک ابتدائی ہے اور اقرار اخبار ہے موجود سابق سے اور حالانکہ اس نے خبر دی ہے وصف شرکت زمانہ ماضی میں تو اب اقرار کا اثبات بدون شرکت کے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی خبر مخالف ہے اور نہ اثبات اقرار کا شرکت کے ساتھ ممکن ہے اس واسطے کہ وارث اس میں شریک ہو جاتا ہے کذا فی الطحطاوی عن الزیلعی مختصراً قیل ہذا اذا تصادقا فان انکر احدہما شرکۃ الآخر صح اقرارہ فی حصۃ الاجنبی عند محمدؒ وعندہما تبطل فی الکل لما قلنا زیلعی بعضوں نے کہا یہ یعنی عدم صحت اقرار اس وقت ہے جبکہ وارث اور اجنبی ایک دوسرے کی تصدیق کرے پھر اگر ایک دوسرے کی شرکت کا انکار کرے تو وارث کا اقرار اجنبی کے حصہ میں صحیح ہو گا محمدؒ کے نزدیک اور شیخین کے نزدیک سب کے حصے میں باطل ہے اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی کذا فی الزیلعی **ولو اوصی بثیاب متفاوتۃ جید ووسط وردی لثلثۃ انفس لکل منہم ثوب فضاع منہا ولم یدر ای ہو والوارث یقول لکل منہم ہلک حقک بطلت** لوصیۃ بجہالۃ المستحق کوصیۃ لاحد ہذین الرجلین اور اگر وصیت کی عمدہ اور متوسط اور ناقص متفاوت کپڑوں کی تین شخصوں کے واسطے ہر آدمی کے لیے ایک کپڑا پھر ان تینوں کپڑوں سے ایک کپڑا ضائع ہو گیا اور معلوم نہیں کہ کون سا تلف ہوا اور موصی کا وارث کہتا ہے ہر ایک آدمی سے کہ تیرا حق تلف ہو گیا تو وصیت باطل ہو گئی مستحق کے معلوم نہ ہونے سے جیسے ان دو مردوں سے ایک مرد کے واسطے وصیت باطل ہے یعنی اگر موصی نے کہا کہ ان دو شخصوں میں سے ایک شخص کے واسطے میں نے وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے جہالت کے سبب سے یعنی معلوم نہیں کہ کس شخص کے واسطے وصیت کی **الا ان لایتسامحوا او یسلموا ما بقی منہا فتعود صحیحۃ لزوال المانع** وہو الجحود مگر یہ کہ وصی کے وارث مسامحہ نہ کریں اور باقی کپڑوں کو تسلیم کریں تو وصیت صحیح ہو جاوے گی مانع صحت کے زوال سے یعنی وارثوں کا انکار مانع صحت کا جو تسلیم سے زائل ہو گیا **فتقسم لذی الجید ثلثاہ ولذی الردی ثلثاہ ولذی الوسط ثلث کل واحد منہما** لان التسویۃ بقدر الامکان تو عمدہ کپڑے والے کے واسطے عمدہ کی دو تہائیاں اور ناقص والے کے واسطے ناقص کی دو تہائیاں اور متوسط کپڑے والے کے واسطے دونوں کپڑوں میں سے ایک ایک تہائی تقسیم کی جاوے گی اس واسطے کہ یہ برابر کرنا ہے بقدر امکان کے **ولو اوصی احد الشریکین ببیت معین من دار مشترکۃ قسم ووقع** ظہ **فہو للموصی لہ والا** یقع فی حظہ **فلہ مثل ذراعہ** صرح صدر الشریعۃ وغیرہ بوجوب القسمۃ فلو قال قسم فان وقع الی آخرہ لکان اولی اور اگر گھر کے دو شریکوں میں سے ایک شریک نے شترک گھر سے ایک معین کوٹھڑی کی وصیت کی اور وہ گھر بانٹا گیا اور وہ کوٹھڑی موصی کے حصے میں پڑی تو وہ موصی لہ کی ہے اور اگر موصی کے حصے میں واقع نہ ہوئی تو موصی لہ کے واسطے کوٹھڑی کے برابر گزوں سے زمین ناپ دی جاوے گی صدر الشریعۃ وغیرہ نے وجوب قسمت کی تصریح کی ہے تو اگر ماتن یوں کہتا قسمت کی جاتے پھر اگر کوٹھڑی اس کے حصے میں آوے الی آخر الکلام تو بہتر ہوتا **والاقرار ببیت معین من دار مشترکۃ مثلہا** ای مثل الوصیۃ فی الحکم المذکور اور اقرار کرنا معین کوٹھڑی کا مشترک گھر سے وصیت کے مانند ہے حکم مذکور میں ام یعنی احد الشریکین نے کہا کہ یہ کوٹھڑی فلانے شخص کی ہے پھر اس گھر کی تقسیم ہوئی اور وہ کوٹھڑی مقر کے حصہ میں واقع ہوئی تو اس کا مالک مقر لہ ہو گا اور اگر اس کے حصے میں نہ پڑی تو اس کے برابر زمین ناپ دی جاوے گی تو یہاں وصیت اور اقرار کا یکساں حکم ہے **وبالف عین** ای معین بان کانت ودیعۃ عند الموصی **من مال آخر فاجاز رب المال الوصیۃ بعد موت الموصی ودفعہ الیہ صح** اور ہزار درم عین یعنی معین کی دوسرے شخص کے مال سے جو موصی کے پاس امانت تھے وصیت کی پھر صاحب مال نے موصی نے موت کے بعد وصیت اس کی جائز رکھی اور ہزار درم موصی لہ کو تسلیم کئے تو درست ہے ولہ المنع بعد الاجازۃ لان اجازتہ تبرع فلہ ان یمتنع من التسلیم واما بعد الدفع فلا رجوع شرح تکملہ اور صاحب مال کو بعد اجازت وصیت کے ہزار درم کا نہ دینا جائز ہے اس واسطے کہ اس کو اجازت دینا بطریق احسان کے تھا اس پر واجب نہ تھا تو اس کو جائز ہے تسلیم سے باز رہے اور تسلیم کرنے کے بعد تو اس کو پھیر لینا جائز نہیں کذا فی شرح التکملہ **بخلاف ما اذا اوصی بالزیادۃ علی الثلث او لقاتلہ او لوارثہ فاجازہا الورثۃ**

حیث لا یکون لہم المنع بعد الاجازۃ یجبرون علی التسلیم لما تقرر ان المجاز لہ یتملکہ من قبل الموصی عندنا وعند الشافعی من قبل المجیز برخلاف اس کے جب کہ موصی نے تہائی سے زیادہ وصیت کی یا اپنے قاتل یا وارث کے واسطے وصیت کی پھر اس کے وارثوں نے وصیت کو جائز رکھا اس واسطے کہ یہاں وارثوں کو اجازت کے بعد منع جائز نہیں بلکہ ان پر زبردستی ہوگی تسلیم کرنے پر اس واسطے کہ یہ قاعدہ ثابت ہو چکا ہے کہ مجاز لہ یعنی جس کے لئے اجازت واقع ہوئی موصی بہ کا مالک ہوتا ہے موصی کی جانب سے ہم حنفیوں کے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک وہ مالک ہوتا ہے اجازت دینے والے کی طرف سے م اس واسطے کہ وصیت اپنے مخرج میں صحیح ہے کیونکہ موصی کی ملک میں واقع ہے اور امتناع تھا وارثوں کے حق سے پھر جب وارثوں نے اجازت دی تو ان کا حق ساقط ہوگیا تو وصیت نافذ ہوگئی موصی کی طرف سے کذا فی الدرر **ولو اقر احد الابنین بعد القسمۃ بوصیۃ ابیہ بالثلث فیصح اقرارہ فی ثلث نصیبہ** لا النصف استحسانا لانہ اقر لہ بثلث شائع فی کل الترکۃ وہی فی ایدیہما فیکون مقرا بثلث ما معہ وبثلث ما مع اخیہ اور اگر دو فرزندوں میں سے ایک فرزند نے اپنے باپ کے ثلث مال کی وصیت کا اقرار کیا بعد قسمت متروکہ کے تو اس کا اقرار اس کے حصے کی تہائی میں صحیح ہے نہ اس کے نصف حصے میں اس واسطے کہ فرزند نے موصی لہ کے واسطے تمام ترکہ میں ثلث شائع کا اقرار کیا ہے اور ترکہ دونوں فرزندوں کے پاس ہے تو وہ مقر ٹھہرا اس مال کی تہائی کا جو اس کے پاس ہے اور اس مال کی تہائی کا جو اس کے بھائی کے پاس ہے یعنی اس کا اقرار اس کے حق میں مقبول ہے نہ اس کے بھائی کے حق میں بخلاف مالو اقر احدہما بدین علی ابیہما حیث یلزمہ کلہ لتقدم الدین علی المیراث برخلاف اس کے کہ اگر ایک فرزند نے اقرار کیا دین کا اپنے باپ پر اس واسطے کہ اس کو تمام دین دینا لازم ہوگا بسبب مقدم ہونے دین کے میراث پر م تو مقر لہ مقر سے تمام متروکہ لیگا تا استیفاء دین اور اگر فاضل نہ ہوگا تو مقر کو کچھ نہ ملے گا اور وصیت کا اقرار ایسا نہیں ہے اس لئے کہ موصی لہ وارثوں کا شریک ہے تو موصی لہ کچھ نہ پاوے گا جب تک وارث کو دونا نہ ملے کذا فی المنح **وبامۃ فولدت بعد موت الموصی ولدا وکلاہما یخرجان من الثلث فہما للموصی لہ** اور اگر وصیت کی لونڈی کی سو وہ بیٹا جنی موصی کے مرجانے کے بعد اور لونڈی اور اس کا بیٹا موصی کے تہائی مال سے نکلتے ہیں تو وہ دونوں موصی لہ کے ہیں **والا یخرجا اخذ الثلث منہا ثم منہ** لان التبع لا یزاحم الاصل وقالا یاخذ منہما علی السواء اور اگر دونوں ثلث مال سے نہ نکلیں تو موصی لہ تہائی لے گا لونڈی سے پھر اس کے ولد سے۔ اس واسطے کہ تابع مزاحم نہیں ہوتا اصل کا اور صاحبین نے کہا کہ دونوں سے برابر لیگا م صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے ۶۰۰ درم اور ایک لونڈی ہے ۳۰۰ درم کی قیمت کی سو اس نے لونڈی کی وصیت کی ایک مرد کے واسطے پھر وہ لڑکا جنی ۳۰۰ درم کی قیمت کا تو اب موصی کا مال ۱۲۰۰ درم کا ہوا تو مال کی تہائی ۴۰۰ درم ہے تو امام کے نزدیک موصی لہ کو پوری لونڈی ملے گی اور تہائی لڑکا اور صاحبینؒ کے نزدیک ہر ایک سے دو تہائیاں لیگا اس واسطے کہ لڑکا وصیت میں بالتبع داخل ہے اور خارج نہ ہوگا وصیت سے بسبب انفصال کے اور امامؒ کی دلیل یہ ہے کہ ماں اصل ہے اور لڑکا تابع اور تابع اصل کا مزاحم نہیں ہوتا تو اگر دونوں میں وصیت نافذ ہو تو بعض اصل میں وصیت قائم نہ رہی اور یہ جائز نہیں ہے کذا فی الطحطاوی ہذا اذا ولدت قبل القسمۃ وقبول الموصی لہ فلو بعدہا فہو للموصی لہ لانہ نماء ملکہ وکذا لو بعد القبول وقبل القسمۃ علی ما ذکرہ القدوری یہ حکم مذکور اس وقت ہے جب کہ لونڈی قسمت ترکہ سے اور موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے جنی ہو تو وہ لڑکا موصی لہ کا ہے اس واسطے کہ اس کی ملک کی بڑھوتی ہے اور اسی طرح لڑکا موصی لہ کا ہے اگر قبول کے بعد اور قسمت سے پہلے پیدا ہوا بنا بر اس قول کے جو قدوریؒ نے ذکر کیا ہے ولو قبل موت الموصی فللورثۃ اور اگر لونڈی جنی موصی کی موت سے پہلے تو لڑکا وارثوں کا ہے یعنی اس واسطے کہ وہ وصیت کے تحت میں داخل نہ ہوا اور میت کی ملک پر باقی رہا کذا فی العالمگیریۃ والکسب کالولد فیما ذکر اور لونڈی کی کمائی ولد کے مانند ہے حکم مذکور میں۔

باب العتق فی المرض

یہ باب ہے بیمار کے آزاد کرنے میں م چونکہ اعتاق فی المرض بمعنی وصیت ہے اس واسطے کہ وہ تبرع ہے۔ اس وقت میں جب کہ وارثوں کا حق متعلق ہوگیا لہذا اس کو کتاب الوصایا میں مذکور کیا لیکن اس کو صریح وصیت سے متاخر کیا اس واسطے کہ صریح اصل ہے **یعتبر حال العقد فی تصرف منجز** ہو الذی اوجب حکمہ فی الحال حالت عقد کا اعتبار ہوتا ہے تصرف منجز میں منجز وہ ہے جو اپنے حکم کو فی الحال واجب کر دے م اور تصرف مضاف الی الموت تصرف منجز کے مقابل ہے سو آگے منقول ہوگا **فان کان فی الصحۃ فمن کل مالہ والا فمن ثلثہ** تو اگر تصرف منجز صحت کی حالت میں ہو تو اس کے تمام مال سے نافذ ہوگا اور اگر مرض کی حالت میں ہو تو اس کے تہائی مال سے نافذ ہوگا والمراد التصرف الذی ہو انشاء یکون فیہ معنی التبرع حتی ان الاقرار بالدین فی المرض ینفذ من کل المال والنکاح فیہ ینفذ بقدر مہر المثل من کل المال اور جو تصرف منجز کہ ثلث مال سے نافذ ہوتا ہے حالت مرض میں مراد اس سے

وہ تصرف ہے جو انشائی ہے اور اس میں تبرع کا معنی ہے تو مرض میں دین کا اقرار تمام مال سے نافذ ہے اور نکاح مرض میں بقدر مہر مثل کے نافذ ہے کل مال سے ہم اقرار احتراز ہے انشا سے اس واسطے کہ اقرار تصرف اخباری ہے نہ انشائی اور نکاح احتراز ہے معنی تبرع سے اس واسطے کہ نکاح تصرف انشائی ہے لیکن اس میں تبرع نہیں ہے **والمضاف الی موتہ** وہو ما اوجب حکمہ بعد موتہ کانت حر بعد موتی **من الثلث وان کان فی الصحۃ** اور جو تصرف کہ عاقد کی موت کی طرف مضاف ہے وہ ثلث مال سے نافذ ہوتا ہے اگرچہ وہ صحت میں واقع ہوا ہو تصرف مضاف الی الموت وہ ہے جو اپنے حکم کو بعد موت عاقد کے واجب کرے چنانچہ یوں کہنا اپنے غلام سے کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے یا یہ چیز زید کی ہے میری موت کے بعد ومرض صح منہ کالصحۃ اور جس بیماری سے عاقد چنگا ہو جائے وہ صحت کے مانند ہے ہم اسلئے کہ وارث اور غیرہ کا حق متعلق نہیں ہوتا مریض کے مال سے مگر اس کے مرض الموت میں اور چنگا ہو جانے سے ظاہر ہو گیا کہ اس کا مرض جو تھا مرض الموت نہ تھا والمقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ولم یقعدہ فی الفراش کالصحیح مجتبی ثم رمز حد التطاول سنۃ وفی المرض المعتبر المبیح للصلوۃ قاعدا اور جابند اور مفلوج اور مسلول کا مرض جب متطاول اور مزمن ہو جائے اور اس کو بستر پر نہ ڈال دے تو وہ تندرست کے برابر ہے احکام شرعی میں کذا فی المجتبی پھر صاحب مجتبی نے تطاول مرض کی حد رمز بیاں ہے کہ ایک سال ہے اور مرض معتبر کی حد وہ ہے جو مباح کر دے نماز کو بیٹھے ہم مرض معتبر یعنی جس مرض میں نفوذ تصرف انشائے ثلث مال سے معتبر ہے کذا فی الطحطاوی **اعتاقہ ومحاباتہ وہبتہ ووقفہ وضمانہ** کل ذلک حکمہ **کحکم وصیۃ** مریض کا اعتاق اور محابات اور ہبہ اور اس کا وقف اور ضامن ہونا اس ہر ایک کا وصیت کے حکم کے مانند ہے ہم عقود مذکورہ وصیت نہیں ہیں بلکہ وصیت کے مشابہ ہیں اس واسطے کہ وصیت عبارت ہے ایجاب بعد الموت سے اور یہ تصرفات منجز ہیں فی الحال لیکن چونکہ مرض میں واقع ہوئے تو در حکم وصیت ہو گئے حق ورثہ کے تعلق کی وجہ سے محابات کی صورت یہ ہے کہ سو درم کی چیز ۵۰ درم کو بیچے یا ۵۰ درم کی چیز سو درم کو خرید کرے تو قیمت مثل سے زائد خریدیں اور قیمت مثل سے ناقص بیع میں اسی کا نام محابات ہے کذا فی الطحطاوی **فیعتبر من الثلث** کما قدمنا فی الوقف ان وقف المریض المدیون بمحیط باطل فلیحفظ پھر یہ تصرفات مذکورہ وصیت کے مانند ہوئے تو ثلث مال سے معتبر ہونگے چنانچہ ہم نے آگے ذکر کیا ہے کتاب الوقف میں یہ کہ مریض مدیون بدین محیط کا وقف باطل ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیئے اور تحریر اور تنقیح کرنا چاہیئے **ویزاحم اصحاب الوصایا فی الضرب** اور اہل وصایا سے مزاحمت واقع ہوگی ضرب حصص میں یعنی عبد معتق اور محاباۃ اور موہوب لہ اور قیم اور مضمون لہ ضرب حصص کریں گے اصحاب وصایا کے ساتھ تو اگر ثلث مال سب کے واسطے کفایت ہو گیا فہو المراد ورنہ حصہ رسد لیں گے اور قیمت میں ہر ایک حصہ معتبر ہوگا مزاحمت کا مطلب یہی سمجھ رکھنا ہے کذا فی الطحطاوی ولم یسع العبد ان اجیز عتقہ لان المنع لحقہم فیسقط بالاجازۃ اور غلام سعی نہ کرے گا اپنے تخلص میں اگر اس کے عتق کی اجازت ہوگئی وارثوں کی طرف سے اس واسطے کہ منع عتق تھا وارثوں کے حق کے سبب سے تو وہ ساقط ہو جاوے گا ان کی اجازت سے **فان حابی فحرر وضاق الثلث عنہما فہی** ای المحاباۃ احق پھر اگر مریض نے محابات کی پھر غلام کو آزاد کیا اور اس کا ثلث مال محابات اور اعتاق سے تنگی کرتا ہے یعنی تہائی میں دونوں تصرف کی گنجائش نہیں ہے تو وہ یعنی محابات مقدم ہے اعتاق پر ہم صورت اس کی یہ ہے کہ ۲۰۰ درم قیمت کا غلام ایک سو درم کو بیچا پھر اس غلام کو جس کی قیمت سو درم ہے آزاد کیا اور مریض کا کچھ مال نہیں سوائے ان دو غلاموں کے تو ثلث مال یعنی سو درم محابات میں صرف ہونگے کذا فی الدرر **وبعکسہ بان حرر فحابی استویا** اور اول صورت کے بالعکس یعنی اول اعتاق کیا پھر محابات کی تو دونوں برابر ہیں ہم جس غلام کی قیمت سو درم ہے اسکو آزاد کیا پھر وہ غلام جس کی قیمت سو درم ہے سو درم کو بیچا تو ثلث مال یعنی سو درم کی تقسیم دونوں میں نصفا نصف ہوگی تو عبد معتق نصف مفت آزاد ہوگا اور نصف قیمت میں سعی کرے گا اور صاحب محابات دوسرے غلام کو پچاس درم دے کر خرید کرے گا کذا فی الدرر وقالا عتقہ اولی فیہما اور صاحبین نے کہا کہ غلام کا آزاد ہونا دونوں صورتوں میں مقدم ہے **ووصیتہ بان یعتق عنہ بہذہ المائۃ عبد لا تنفذ الوصیۃ بما بقی ان ہلک درہم** لان القربۃ تتفاوت بتفاوت قیمۃ العبد اور مریض کی وصیت اس طرح پر ہے کہ اس کی طرف سے غلام آزاد کیا جاوے ان سو درموں سے خرید کر کے تو وصیت نافذ نہ ہوگی باقی درموں سے اگر ایک درم بھی سو درموں سے تلف ہو وے اس واسطے کہ تقرب الی اللہ متفاوت ہو جاتا ہے قیمت عبد کے تفاوت سے **بخلاف الحج** برخلاف حج کی وصیت کے یعنی اگر وصیت کی کہ اس قدر درموں سے میری طرف سے حج کیا جائے پھر ان درموں سے ایک درم یا زیادہ تلف ہو گئے تو وصیت قائم ہے باطل نہیں وقالا بما بقی اور صاحبین نے کہا کہ عتق اور حج کی دونوں وصیتیں صحیح ہیں کوئی باطل نہیں **وتبطل الوصیۃ بعتق عبدہ** بان اوصی بان یعتق الورثۃ عبدہ بعد موتہ **ان جنی بعد موتہ فدفع بالجنایۃ** کما بیع بعد موتہ بالدین اور باطل ہوتی ہے وصیت اپنے غلام کی آزادی کی یعنی یوں وصیت کہ وارث اس کے غلام کو اس کے مرنے کے بعد آزاد کریں تو وصیت باطل ہوگی

اگر غلام سے بعد موت موصی کے جنایت واقع ہوئی سو غلام جنایت میں دیا گیا چنانچہ اس صورت میں وصیت باطل ہوتی ہے اگر وہ بیچا گیا موت کے بعد موصی کے دین میں وجہ بطلان یہ ہے کہ ولی جنایت کا حق مقدم ہے موصی اور موصی لہ کے حق پر اور اسی طرح دائن کا حق مقدم ہے وان فدی الورثۃ العبد لا تبطل وکان الفداء فی اموالہم بالتزامہم اور اگر وارثوں نے غلام کا فدیہ دیا تو وصیت باطل نہ ہوگی اور یہ فدیہ دینا وارثوں کے ذاتی مال میں ہوگا ان کے التزام کے سبب سے یعنی انہوں نے اپنے اوپر خود لازم کر لیا تو وہ متبرع ٹھہرا ولو اوصی بثلثہ ای ثلث مالہ لبکر وترک عبدًا فاقر کل من الوارث وبکر ان المیت اعتق ہذا العبد فادعی بکر عتقہ فی الصحۃ لینفذ من کل المال وادعی الوارث عتقہ فی المرض لینفذ من الثلث ولیقدم علی بکر فالقول للوارث مع الیمین لانہ ینکر استحقاق بکر اور اگر وصیت کی اپنے تہائی مال کی بکر کے واسطے اور موصی نے ایک غلام چھوڑا سو اقرار کیا وارث اور بکر ہر ایک شخص نے کہ میت نے اس غلام کو آزاد کیا ہے پھر بکر نے دعویٰ کیا اس کی آزادی کا موصی کی صحت کی میں تاکہ آزادی تمام مال سے نافذ ہو اور وارث نے اس کی آزادی کا دعویٰ کیا حالت موصی میں تاکہ عتق نافذ ہو ثلث مال سے اور مقدم ہو بکر پر یعنی اس واسطے کہ مرض کا عتق اگرچہ وصیت ہے مگر ثلث مال کی وصیت پر مقدم ہے کذا فی الدرر تو وارث کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہے اس لئے کہ وارث استحقاق بکر کا منکر ہے اور قول معتبر ہوتا ہے منکر کا قسم کے ساتھ ولا شیٔ لزید کذا فی نسخ المتن والشرح قلت صوابہ لبکر لان المذکور ولا غایۃ الامر ان القوم مثلوا الزید فغیرہ المصنف اولا ونسیہ ثانیا واللہ اعلم اور زید کے واسطے کچھ نہیں اسی طرح متن اور شرح کے نسخے میں لاشیٔ لزید مرقوم ہے میں کہتا ہوں یوں کہنا ٹھیک ہے ولا شیٔ لبکر یعنی بکر کے واسطے کچھ نہیں اس واسطے کہ اس مسئلہ میں لفظ بکر کا اول مذکور ہے غایۃ الامر یہ ہے کہ قوم نے یعنی فقیہوں نے اس مسئلہ میں زید کی تمثیل دی ہے سو مصنف نے اولاً تمثیل کو بدلا اور آخر میں تغیر کو بھول گیا واللہ اعلم الا ان یفضل من ثلثہ شیٔ من قیمۃ العبد مگر یہ کہ موصی کے ثلث مال سے کچھ فاضل بچے غلام کی قیمت سے تو فاضل مال کو بکر لے گا مثلاً ثلث مال سو درم ہے اور غلام کی قیمت ۸۰ درم تو ۲۰ درم بکر کو ملیں گے او تقوم حجۃ علی دعواہ فان الموصی لہ خصم لانہ یثبت حقہ وکذا العبد یا گواہی کی حجت قائم ہو بکر کے اس دعوے پر کہ اعتاق صحت میں تھا اس واسطے کہ بکر موصی لہ مدعی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کا مثبت ہے اور اسی طرح غلام بھی مدعی ہے ولو ادعی رجل دینا علی المیت وادعی العبد عتقا فی الصحۃ ولا مال لہ غیرہ فصدقہما الوارث فی قیمتہ وتدفع الی الغریم وقالا یعتق ولا یسعی فی شیٔ اور اگر دعویٰ کیا ایک مرد نے دین کا میت پر اور غلام نے عتق کا دعویٰ کیا صحت میں اور حالانکہ میت کا کچھ مال نہیں ہے سوائے اس غلام کے سو وارث نے دونوں مدعیوں کی تصدیق کی تو غلام سعی کرے اپنی قیمت کے ادا کرنے میں اور وہ قیمت صاحب دین کو دی جائے اور صاحبین نے کہا کہ غلام آزاد ہو جاوے گا اور کچھ کوشش قیمت میں نہ کرے گا امام صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دین اور عتق سب ساتھ ہی ظاہر ہوئے وارث کی تصدیق سے ایک کلام میں تو گویا ساتھ ہی واقع ہوئے اور صحت کا عتق موجب سعایت کا نہیں امام کی دلیل یہ ہے کہ دین کا اقرار قوی تر ہے عتق سے ولہذا جمیع احوال کل مال سے معتبر ہے اور اقوی مدفوع نہیں ادنیٰ سے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ اصل عتق باطل ہوتا لیکن وہ بعد الوقوع انتقاض کا محتمل نہیں تو اس کو بالمعنی منتقض کیا ایجاب سعایت سے کذا فی الدرر ملخصًا وعلی ہذا الخلاف لو ترک ابنا والف درہم فادعی رجل دینا وآخر ودیعۃ وصدقہما الابن فالالف بینہما نصفان عندہ وقالا الودیعۃ اقوی اور بنا بر خلاف مذکور کے اگر میت نے ایک بیٹا اور ہزار درم چھوڑے سو ان درموں کے دین ہونے کا ایک مرد نے دعویٰ کیا اور دوسرے نے انہی کے ودیعت ہونے کا دعویٰ کیا اور میت کے فرزند نے دونوں کی تصدیق کی تو ہزار درم دونوں مدعیوں میں نصفا نصف ہیں امامؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے کہا کہ ودیعت قوی تر ہے دین سے م اس مسئلہ میں اولیت خلاف ہے برخلاف مسئلہ سابقہ کے تو علی ہذا الخلاف کہنا شارح کا بلا وجہ ہے کذا فی الطحطاوی قلت وعکس فی الہدایۃ فقال عندہ الودیعۃ اقوی وعندہما سواء والاصح ما ذکرنا کما فی الکافی وتمامہ فی الشرنبلالیۃ فلیحفظ میں کہتا ہوں اور ہدایہ میں اس کے بالعکس کہا ہے سو یوں کہا ہے کہ امام کے نزدیک ودیعت قوی تر ہے اور صاحبین کے نزدیک دین اور ودیعت برابر ہیں اور صحیح تر وہ قول ہے جو ہم نے ذکر کیا چنانچہ کافی میں ہے اور اس کا پورا بیان شرنبلالیہ میں ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م شرنبلالیہ میں یوں ہے کہ صاحب ہدایہ سے پہلے بزرگوں نے خلاف امام اور صاحبین کا بالعکس نقل کیا ہے کذا فی الطحطاوی۔

باب الوصیۃ للاقارب وغیرہم

یہ باب ہے وصیت واقارب وغیرہم کے بیان میں جارہ من لصق بہ وقالا من یسکن فی محلتہ ویجمعہم مسجد المحلۃ وہو استحسان وقال الشافعی الجار الی اربعین دارا من کل جانب آدمی کا ہمسایہ اور پڑوسی وہ ہے جو اس کے گھر سے ملاصق اور متصل ہو اور صاحبینؒ نے کہا کہ جو ایک محلہ میں رہتا ہو اور محلہ کی مسجد ان کی جامع ہو یعنی اسی مسجد میں سب اہل محلہ نماز پڑھتے ہوں اور یہ قول صاحبین کا استحسان ہے اور امام شافعی نے کہا کہ پڑوسی ۴۰ گھر تک ہوتا ہے ہر طرف سے م محمدؒ نے الاصل میں کہا جب وصیت کی اپنے ہمسایوں کے واسطے تو یہ وصیت اس کے گھر کے ملاصقین کے واسطے ہے خواہ ان کے دروازے قریب ہوں یا بعید امام کے نزدیک کذا فی العینی وصہرہ کل ذی رحم محرم من عرسہ کآبائہا واعمامہا واخوالہا واخواتہا وغیرہم بشرط موتہ وہی منکوحتہ او معتدتہ من رجعی اور آدمی کا صہر یعنی سسرال کے وہ لوگ ہیں جو مرد کی جورو کے محرم قرابت دار ہیں چنانچہ عورت کے باپ دادے اور اس کے چچے اور اس کے ماموں اور اس کے بھائی اور ان کے سوائے اور محرم لوگ بشرطیکہ مرد مر گیا ہو اور وہ عورت اس کے نکاح میں یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو فلو من بائن لا یستحقہا وان ورثت منہ سو اگر عورت طلاق بائن کی عدت میں ہو تو صہر مستحق وصیت کا نہ ہوگا اگرچہ عورت زوج کی وارث کی ہو گی قال الحلوانی ہذا ای عرفہم واما عرفنا فیختص بابویہا عنایۃ وغیرہا واقرہ القہستانی قلت لکن جزم فی البرہان وغیرہ بالاول واقرہ فی الشرنبلالیۃ حلوانی نے کہا کہ یہ صہر کی تعریف متقدمین کے عرف میں تھی اور ہمارے عرف میں تو صہر کا لفظ عورت کے والدین کے لئے مخصوص ہے یعنی خسر اور خوشدامن کذا فی العنایۃ وغیرہا اور قہستانی نے اس کو ثابت رکھا ہے میں کہتا ہوں لیکن برہان وغیرہ میں اول قول پر یقین کیا ہے اور شرنبلالیہ میں اس کو ثابت رکھا ہے ثم نقل عن العینی ان قول الہدایۃ وغیرہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم لما تزوج صفیۃ صوابہ جویریۃؓ بنت الحارث قلت فلیحفظ ہذہ الفائدۃ پھر شرنبلالیہ میں عینی شارح ہدایہ سے یہ نقل کیا کہ ہدایہ وغیرہ کا یہ قول کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا حق اور ٹھیک یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ بنت حارث سے نکاح کیا میں کہتا ہوں تو اس فائدہ کو یاد رکھنا چاہیئے م عینی نے سنن ابو داؤد وغیرہ سے نقل کیا کہ جویریہ بنت حارث ثابت بن قیس کے حصہ میں واقع ہوئیں انہوں نے ان کو مکاتب کیا اور ادائے بدل کتابت کے واسطے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں حضرتؐ نے ان سے نکاح کیا جب اصحاب نے یہ سنا تو جو لوگ حضرت جویریہؓ کی برادری کے امی حصہ میں آئے تھے انہوں نے ان کو آزاد کر دیا حضرتؐ کے اکرام کے واسطے اور کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصہار ہیں اور وہ سو خانہ دار تھے انتہی مختصرا وختنہ زوج کل ذی کذا فی النسخ قلت الموافق لعامۃ الکتب ذات رحم محرم منہ کازواج بناتہ وعماتہ اور انسان کا ختن اس کے ہر محرم عورت کا شوہر ہے چنانچہ اس کی بیٹیوں اور پھوپھیوں کے شوہر شارح نے کہا متن کے نسخوں میں اسی طرح کل ذی رحم واقع ہے اور اکثر کتب فقہ کے موافق کل ذات رحم ہے وکذا کل ذی رحم من ازواجہن قیل ہذا فی عرفہم وفی عرفنا الصہر ابو المرأۃ وامہا والختن زوج المحرم فقط زیلعی وغیرہ وزاد القہستانی وینبغی فی دیارنا ان یختص الصہر بابی الزوجۃ والختن بزوج البنت لانہ المشہور اور اسی طرح ختن عبارت ہے بنات اور عمات کے شوہروں کے ہر قرابت دار سے بعضوں نے کہا یہ تعریف صہر اور ختن کی متقدمین فقہا کے عرف کے موافق ہے اور ہمارے عرف میں صہر خسر اور خوشدامن ہے اور ختن فقط محرم کا شوہر ہے کذا فی الزیلعی وغیرہ قہستانی نے اتنا زیادہ ذکر کیا ہے اور ہمارے ملک میں یوں لائق ہے کہ صہر خسر پر خاص کیجئے اور ختن بیٹی کے شوہر یعنی داماد پر پر خاص کیجئے اور ختن بیٹی کے شوہر یعنی داماد پر خاص کیجئے اس واسطے کہ اب یہی مشہور ہے م یہ اشارہ اس طرف ہے کہ دیار موصی کا رواج اور عرف معتبر ہے اور ایک ملک کا عرف دوسرے ملک پر جاری نہیں ہوتا کذا فی الطحطاوی واہلہ زوجتہ وقالا کل من فی عیالہ ونفقتہ غیر ممالیکہ وقولہما استحسان شرح تکملۃ قال ابن الکمال وہو مؤید بالنص قال اللہ تعالی فنجینہ واہلہ الا امراتہ انتہی قلت وجوابہ فی المطولات اور اہل عبارت ہے اس کی زوجہ سے اور صاحبین نے کہا کہ جو اس کے عیال اور نفقہ میں داخل ہے سوائے اس کی لونڈی اور غلام کے وہ اس کے اہل میں اور قول صاحبینؒ کا استحسان ہے یعنی یہی قول راجح ہے کذا فی الشرح التکملہ ابن کمال نے کہا اور وہ یعنی صاحبینؒ کا قول مؤید بنص قرآنی ہے اللہ تعالی نے فرمایا کہ ہم نے نجات دی لوط اور اس کے اہل کو سوائے اس کی عورت کے انتہی قولہ میں کہتا ہوں اور جواب اس استدلال کا امام کی طرف سے بڑی کتابوں میں مذکور ہے م استدلال مذکور کا جواب یہ ہے کہ قرینہ عموم کا وہاں موجود ہے یعنی استثنا اور امام کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اہل کا حقیقت ہے زوجہ کے واسطے بدلیل نصوص عرف قال تعالی وسار باہلہ[1] وقال لاہلہ امکثوا[2] ومنہ[3] قولہم تاہل ببلدۃ کذا اور مطلق منصرف ہوتا ہے حقیقت مستعملہ کی طرف کذا فی الطحطاوی مختصرا وآلہ اہل بیتہ وقبیلتہ التی ینسب الیہا فیدخل فیہ کل من ینسب الیہ من

---

[1] اور لے چلا اپنی گھر والی کو ۱۲ [2] اور کہا اپنی بی بی سے ٹھہرو ۱۲ [3] اور اسی سے ہے قول عرب والوں کا کہ اس نے شادی کر لی فلانے شہر میں - ۱۲

قبل ابائہ الی اقصی اب لہ فی الاسلام سوی الاب الاقصی لانہ مضاف الیہ قہستانی عن الکرمانی اور آدمی کی آل عبارت ہیں اس کے اہل بیت اور اس کے اس قبیلے سے جس کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے اور اس وقت میں یعنی جب کہ آل سے اہل بیت اور قبیلہ مراد ہو تو آل میں داخل ہے ہر ایک وہ شخص جو موصی کی طرف منسوب ہے اس کے باپ دادا کی جانب سے اسلام میں اس کے پہلے سرے کے باپ تک پدر اقصی کے سوا اس واسطے کہ پدر اقصی مضاف الیہ ہے یعنی اور وصیت نہیں مگر مضاف کے واسطے کذا فی القہستانی عن الکرمانی م پدر اقصی اسلام میں مثلاً علی یا عباس رضی اللہ عنہما تو اگر علوی نے وصیت کی اپنی آل کے واسطے تو اس میں داخل ہے جو علی مرتضیٰ کی طرف منسوب ہے نسب آبائی کی جانب سے نہ وہ شخص جس کا ننہال ہے سادات میں الاقرب والابعد والذکر والانثی والمسلم والکافر والمسلم الصغیر والکبیر فیہ سواء قریب تر اور بعید تر اور مرد اور عورت اور مسلمان اور کافر اور صغیر اور کبیر آل میں سب برابر ہیں ویدخل فیہ الغنی والفقیران کانوا لایحصون کما فی الاختیار اور آل میں غنی اور فقیر داخل ہیں اگرچہ محصور نہ ہوں کذا فی الاختیار م عبارت اختیار کی یوں ہے (وان کانوا لایحصون کذا فی الطحطاوی عن المکی) یعنی آل میں غنی اور فقیر سب داخل ہیں اگر وہ لوگ غیر محصور ہوں اور یہی حق ہے سہو کاتب سے واؤ ساقط ہو گیا ویدخل فیہ ابوہ وجدہ وابنہ وزوجتہ کما فی شرح التکملۃ یعنی اذا کانوا لایرثونہ اور آل میں داخل ہے موصی کا باپ اور دادا اور اس کا بیٹا اور اس کی زوجہ کذا فی شرح التکملۃ یعنی جب کہ وہ اس کے وارث نہ ہوں م عدم میراث کی قید اس واسطے لگائی کہ وصیت نافذ ہوتی ہے غیر وارث کے حق میں ولا یدخل فیہ اولاد البنات واولاد الاخوات ولا احد من قرابۃ امہ لان الولد ینسب لابیہ لا لامہ اور موصی کی آل میں داخل نہیں اس کی بیٹیوں کی اولاد اور نہ اس کی بہنوں کی اولاد اور نہ کوئی وہ شخص جو اس کی ماں کا قرابت دار ہے اس واسطے کہ بیٹا باپ کے نسب میں داخل ہوتا ہے نہ ماں کے نسب میں و جنسہ اہل بیت ابیہ لان الانسان یتجنس بابیہ لا بامہ اور موصی کی جنس اس کے باپ کے اہل بیت ہیں اس واسطے کہ انسان متجانس ہوتا ہے اپنے باپ کا نہ اپنی ماں کا م غایۃ البیان میں ہے کہ جنس عبارت ہے نسب سے اور نسب معتبر ہے باپ کی طرف سے وکذا اہل بیتہ واہل نسبہ کالآل وجنسہ فحکمہ اور اسی طرح موصی کے اہل بیت اور اس کے اہل نسب اس کی آل اور اس کی جنس کی مانند ہیں تو اہل بیت اور اہل نسب کا حکم آل اور جنس کے مانند ہے ولو اوصت المرأۃ لجنسہا او لاہل بیتہا لا یدخل ولدہا اے ولد المرأۃ لانہ ینسب الی ابیہ لا الیہا اور اگر عورت نے اپنی جنس یا اپنے اہل بیت کے واسطے وصیت کی تو اس عورت کا بیٹا وصیت میں داخل نہیں اس واسطے کہ بیٹا اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ ماں کی طرف الا ان یکون ابوہ اے الولد من قوم ابیہا فحینئذ یدخل لانہ من جنسہا درر وکافی وغیرہما قلت ومفادہ ان الشرف من الام فقط غیر معتبر کما فی اواخر فتاوی ابن نجیم وبہ افتی شیخنا الرملی نعم لہ مزیۃ فی الجملۃ مگر یہ باپ اس فرزند کا اس عورت موصیہ کے باپ کی قوم سے ہو تو اس وقت میں اس عورت کا بیٹا بھی وصیت میں داخل ہوگا اس واسطے کہ وہ اس کا ہم جنس اور ہم نسب ہے کذا فی الدرر والکافی وغیرہما میں کہتا ہوں تو اس تقریر سے یہ مفاد ہوا کہ شرف یعنی سیادت فقط ماں کی طرف سے غیر معتبر ہے چنانچہ فتاوی ابن نجیم کے اواخر میں مذکور ہے اور اسی کا فتویٰ دیا ہے ہمارے استاد خیر الدین رملی نے ہاں یہ البتہ ہے کہ سیدہ کے فرزند کو فی الجملہ مزیت اور بزرگی ہے اس پر جس کی ماں سیدہ نہیں لاتصالہ[۱] بالمضغۃ الہاشمیۃ کذا فی الطحطاوی م فتاوی عالمگیری میں بدائع سے منقول ہے کہ حسب اور نسب مخصوص بہ پدر ہے نہ بمادر جس کی ماں سیدہ ہو اور باپ سید نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کا مال لینا حرام نہیں اور وہ ہاشمیہ کا کفو اور ہمسر نہیں اور اس پر وہ مال نہیں جو سادات پر وقف ہوا الا بنص واقف اور یہ حدیث ہے کہ کل نسب[۲] ابن انثی فہو لابیہ الا ما کان من فاطمۃ فانی لی) تو اس میں اگرچہ عورت کا نسب معتبر ہوا تو خصوصیات سے ہے چنانچہ لفظ حدیث مفید ہے اس کا منتہی کذا فی الطحطاوی وان اوصی لاقاربہ او لذی قرابتہ کذا فی النسخ قلت صوابہ لذوی او لارحامہ او لانسابہ فہی للاقرب من کل ذی رحم محرم منہ اور اگر وصیت کی اپنے اقارب کے واسطے یا اپنے قرابت والوں کے واسطے یا اپنے ذوی الارحام یا اپنے اہل انساب کے واسطے تو یہ وصیت ہے قریب تر کے واسطے پھر اس کے بعد جو اور قریب تر ہے موصی کے ہر قرابت دار محرم سے شارح نے کہا متن کے نسخوں میں اسی طرح لذی قرابتہ مرقوم ہے میں کہتا ہوں لذوی قرابتہ بصیغہ جمع ٹھیک ہے م لذی قرابتہ مفرد ہے اور یہ مسئلہ مفروض بصیغہ جمع ہے لہذا شارح نے صیغہ جمع کو صواب کہا اور مترجم نے اسی وجہ سے صیغہ جمع کا ترجمہ کیا ولا یدخل الوالدان قیل من قال للوالد قریبا فہو عاق والولد ولو ممنوعین بکفر او رق کما یفیدہ عموم قولہ الوارث اور اقارب کی وصیت مذکورہ میں ماں باپ اور بیٹا اور

---

[۱] یعنی بسبب اس کے متصل ہونے کے پارہ گوشت کے ساتھ [۲] ہر نسب عورت کے بیٹے اس فرزند کے باپ کی طرف منسوب ہے۔ مگر جو نسب فاطمہ سے ہو وہ میری طرف منسوب ہے۔ ۱۲

کا داخل نہیں اگرچہ والدین اور فرزند ممنوع المیراث ہوں بسبب کفر یا مملوکیت کے چنانچہ عموم وارث سے یہ ثابت ہوتا ہے بعضوں نے کہا کہ جو فرزند اپنے باپ کو قریب کہے وہ نافرمان ہے م وجہ نافرمانی کی یہ ہے کہ اہل لغت کے عرف میں قریب اس کو کہتے ہیں جو غیر سے تقرب کرے اور شخص کے واسطے سے اور تقرب والد کا ولد بنفسہ ہے لا بغیرہ کذا فی الزیلعی واما الجد وولد الولد فیدخل فی ظاہر الروایۃ وقیل لا واختارہ فی الاختیار اور دادا اور پوتا تو اقارب کی وصیت میں داخل ہیں ظاہر الروایۃ میں اور بعضوں نے کہا داخل نہیں اور اسی کو پسند کیا ہے اختیار شرح مختار میں م فتاویٰ عالمگیری میں بدائع سے نقل کیا کہ عدم دخول کا قول صحیح ہے **ویکون للاثنین فصاعدا** یعنی اقل الجمع فی الوصیۃ اثنان کما فی المیراث اور اقارب کی وصیت مذکورہ دو شخصوں اور زیادہ کے واسطے ہوگی یعنی اس لئے کہ وصیت میں میراث کے مانند اقل جمع دو ہیں م امام نے اس وصیت میں چار شرطوں کو اعتبار کیا اول یہ کہ مستحق دو شخص ہیں یا زیادہ۔ دوسری یہ کہ موصی کا قرابت دار ہو تیسری یہ کہ اقرب فالاقرب معتبر ہے اور ابعد محجوب ہے اقرب کے وجود سے مانند میراث کے چوتھی یہ کہ موصی کا وارث نہ ہو اور عورت اور مرد اس میں برابر ہیں کذا فی العالمگیریۃ **فان کان له** للموصی **عمان وخالان فھی** لعمیہ کالارث **وقالا** ارباعا تو اگر وصیت اقارب میں موصی کے دو چچا اور دو ماموں ہوں تو وصیت اس کی دونوں چچاؤں کے واسطے میراث کے مانند ہے اور صاحبین نے کہا کہ چار حصے ہونگے دو حصے چچاؤں کے واسطے اور دو حصے ماموؤں کے واسطے م شارح نے تمثیل میراث سے اس کا اشارہ کیا کہ تساوی وسائط کے وقت جہت اقوی معتبر ہے تو چچا مقدم ہوں گے ماموؤں پر کذا فی الطحطاوی **ولو له عم وخالان کان له النصف ولھما النصف** وقالا اثلاثا اور اگر موصی کا ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کے واسطے نصف مال ہے وصیت کا اور دونوں ماموؤں کے واسطے نصف باقی ہے اور صاحبین نے کہا کہ تین تہائی مال ہوگا یعنی ہر ایک کو تہائی ملے گا برابر **ولو عم واحد لاغیر فله نصفها ویرد النصف الآخر الی الورثۃ** لعدم من یستحقہ اور اگر موصی کا ایک چچا ہو نہ اور کوئی تو اس کے واسطے نصف وصیت ہے اور نصف ثانی اس کے وارثوں کو دیا جائے کیونکہ اس کا کوئی مستحق نہیں **ولو عم وعمۃ استویا** لاستواء قرابتھما اور اگر موصی کا ایک چچا اور ایک عمّہ ہے تو وہ دونوں برابر ہیں اس واسطے کہ دونوں کی قرابت یکساں برابر ہے **ولو انعدم المحرم بطلت** خلافا لھما اور اگر موصی کا کوئی محرم نہ ہو تو اقارب کی وصیت باطل ہوگی برخلاف صاحبینؒ کے م صاحبین کے نزدیک اگر محرم نہ ہوں گے تو غیر محرم کی طرف وصیت صرف ہوگی اس لئے کہ ان کے نزدیک اقارب میں دادہال اور نانہال کے سب رشتہ دار داخل ہیں کذا فی الطحطاوی **ولو لولد فلان فھی للذکر والانثی سواء** لان اسم الولد یعم الکل حتی الحمل اور اگر وصیت کی فلانے شخص کے ولد کے واسطے تو یہ وصیت مرد اور عورت کے واسطے برابر ہے اس واسطے کہ ولد کا اسم مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے یہاں تک کہ پیٹ کے بچے کو بھی شامل ہے ولا یدخل ولد ابن مع ولد صلب اور داخل نہ ہوگا پوتا فرزند صلبی کے ساتھ **فلو له بنات لصلبه وبنو ابن فھی للبنات** عملا بالحقیقۃ اور اگر فلانے شخص کے صلبی بیٹیاں اور پوتے ہوں تو وصیت بیٹیوں کے واسطے ہے حقیقت پر عمل کرنے کی راہ سے یعنی پوتوں کو ولد کہنا باعتبار مجاز ہے اور بیٹیوں کو بنا بر حقیقت کے ہے اور حالانکہ حقیقت مقدم ہے مجاز پر **فلو تعذرت صرف الی المجاز** تحرزا عن التعطیل پھر اگر حقیقت متعذر ہو تو کلام پھیرا جاوے گا مجاز کی طرف تاکہ کلام تا وصیت بیکار اور بیہودہ نہ ٹھہرے م جب کہ فلانے شخص کی اولاد کے واسطے وصیت کی اور اس کی اولاد صلبی نہیں ہے تو اب وصیت میں پوتے داخل ہوں گے کذا فی العالمگیریۃ ولا یدخل اولاد البنات وعن محمد یدخلون اختیار اور بیٹیوں کی اولاد داخل نہ ہوگی اور محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ داخل ہوگی کذا فی الاختیار **ولورثۃ فلان للذکر مثل حظ الانثیین** لانه اعتبر الوراثۃ اور اگر وصیت کی فلانے کے وارثوں کے واسطے تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اس واسطے کہ موصی نے وراثت کا اعتبار کیا لہٰذا بطور میراث کے دیا جائے گا **وشرط صحتھا** ای الوصیۃ ھنا ای فی الوصیۃ لورثۃ فلان وفی معناھا العقب فلان **موت الموصی** لورثتہ او لعقبه **قبل موت الموصی** لان الورثۃ **والعقب انما یکون بعد الموت** اور یہاں یعنی فلانے کے وارثوں کی وصیت میں اور جو اس کے معنی میں ہیں چنانچہ عقب فلانے کے وصیت میں صحیح ہونے وصیت کی شرط یہ ہے کہ فلانا شخص جس کے وارثوں اور پس ماندوں کے واسطے وصیت ہوئی مر گیا ہو موصی کی موت سے پہلے اس واسطے کہ وارث اور پس ماندہ صادق نہیں آتا مگر اس کی موت کے بعد ثم ان کان معھم موصی له آخر قسم بینھم وبینه علی عدد الرؤس ثم ما اصاب الورثۃ یقسم بینھم للذکر کالانثیین کما مر پھر اگر وارثوں کے ساتھ دوسرا موصی لہ بھی ہو تو مابین ورثہ اور مابین دوسرے موصی لہ کے تقسیم علی عدد الرؤس ہوگی پھر جو وارثوں کو حصہ ملے گا تو ان کے مابین مرد کو دونا اور عورت کو نصف

اس کا تقسیم ہوگا چنانچہ مذکور ہو چکا **فلو مات الموصی قبل موتہ ای الموصی لورثتہ اوعقبہ بطلت الوصیۃ لورثتہ اوعقبہ** پھر اگر وصیت کرنے والا مرگیا اس شخص کے مرنے سے پہلے جس کے وارثوں اور عقب کے واسطے وصیت ہوئی تو اس کے وارثوں اور عقب کے واسطے وصیت باطل ہوگئی **ثم ان کان معہم موصی لہ آخر کقولہ اوصیت لفلان ولورثتہ وعقبہ کانت الوصیۃ کلہا لفلان الموصی لہ دون ورثتہ وعقبہ لان الاسم لایتناولہم الا بعد الموت وتمامہ فی السراج** پھر اگر وارثوں کے ساتھ دوسرا شخص موصی لہ ہو چنانچہ موصی کا یہ قول کہ میں نے وصیت کی فلانے شخص کے لئے اور اس کے وارثوں اور عقب کے لئے تو بالکل وصیت فلانے موصی لہ کے لئے ہوگی نہ اس کے وارثوں اور عقب کے واسطے اس لئے کہ وارثوں کا اسم شامل نہیں ان کو مگر بعد مرجانے اس شخص کے اور اس کا پورا بیان سراج وہاج میں ہے **وفیہ عقبہ ولدہ من الذکور والاناث فان ماتوا فولد ولدہ کذالک ولا یدخل اولاد الاناث لانہم عقب آبائہم لالہ** اور سراج وہاج میں ہے اور عقب آدمی کا ولد ہے خواہ مرد ہو یا عورت پھر اگر اولاد صلبی مرگئی تو اس کے فرزند کی اولاد اسی طرح ہے یعنی ان میں بھی مرد عورت برابر ہیں اور عورتوں کی اولاد عقب میں داخل نہیں اس واسطے کہ وہ اپنے باپوں کے عقب ہیں نہ اس کے یعنی نانی نانا کا عقب اپنے باپ دادا کا عقب ہے طحطاوی نے کہا شارح کو ولدا بنہ کذلک کہنا بہتر تھا اس واسطے کہ ولد مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے **وفی ایتام بنیہ ای بنی فلان والیتیم اسم لمن مات ابوہ قبل الحلم قال صلی اللہ علیہ وسلم لایتم بعد البلوغ وعمیانہم وزمناہم وارامل‌ہم الارمل الذی لایقدر علی شیء رجلا کان او امراۃ ویؤیدہ قولہ دخل فی الوصیۃ فقیرہم وغنیہم وذکرہم واناثہم** اور اگر وصیت کی فلانے شخص کے یتیم فرزندوں میں اور ان کے اندھوں اور لنگڑوں اور ان کے مساکین میں تو وصیت میں داخل ہونگے بنی فلان کے فقیر اور غنی اور ان کے مرد اور عورت شارح نے کہا یتیم نام ہے اس شخص کا جس کا باپ مرگیا قبل بلوغ کے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں ارامل جمع ہے ارمل کی ارمل وہ ہے جو کسی چیز پر قادر نہ ہو یعنی محتاج اور مسکین **قولہ** وہ مرد ہو یا عورت اور اس عموم کی تائید کرتا ہے مصنف کا قول یہ قول کہ اس میں عورت اور مرد یکساں ہیں **وقسم سویۃ ان احصوا بغیر کتاب او حساب فانہ حینئذ یکون تملیکا لہم** اور مال برابر تقسیم ہوگا اگر بنی فلان کے یتیم اور اندھے متعین اور منحصر ہوں بدون لکھنے اور حساب کرنے کے تو اس وقت میں یعنی جبکہ منحصر ہوں تو مال وصیت تملیک ٹھہرے گا ان کے واسطے م عدم احصار شمار اور انحصار کی تعریف ابویوسف کے نزدیک یہ ہے کہ احصار نہ ہوسکیں بدون لکھنے اور حساب کرنے کے اور محمد نے کہا جب کہ ۱۰۰ سے زیادہ ہوں اور بعضوں نے کہا کہ یہ حاکم کی رائے پر مفوض ہے اور محمد کا قول آسان تر ہے کذا فی فتاوی قاضیخان **والا لفقرائہم لیعطی الوصی من شاء منہم شرح التکملۃ لتعذر التملیک حینئذ فیراد بہ القربۃ** اور اگر یتیم وغیرہ غیر منحصر ہوں تو وصیت کا مال ان کے محتاجوں کو دیا جائے وصی کو اختیار ہے ان میں سے جس کو چاہے دے کذا فی شرح التکملہ بسبب متعذر ہونے تملیک کے اس وقت میں تو اس سے قربت مراد ہوگی م درر میں ہے اس واسطے کہ وصیت سے مقصود قربت ہے اور قربت ہوتی ہے دفع احتیاج اور گرسنگی میں اور یتیم اور نابینا اور لنگ کے اسماء محتاجی پر دلالت کرتے ہیں تو محتاجوں پر حمل کرنا جائز ہوا کذا فی الطحطاوی **وفی بنی فلان یختص بذکورہم ولو اغنیاء** اور اگر وصیت کی بنی فلاں میں یعنی فلانے کے فرزندوں میں تو یہ ان کے مردوں کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ مالدار ہوں **الا اذا کان فلان عبارۃ عن اسم قبیلۃ او اسم فخذ فیتناول الاناث لان المراد حینئذ مجرد الانتساب کما فی بنی آدم** مگر جب کہ فلان عبارت ہو قبیلہ کے نام سے یا فخذ کے نام سے تو بنی فلان کا لفظ عورتوں کو بھی شامل ہوگا اس واسطے کہ اس وقت میں فقط انتساب مراد ہے جیسے کہ بنی آدم کے لفظ میں عورتیں بھی داخل ہیں م جب کہ بنی فلان کے واسطے وصیت کی تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ فلاں باپ ہے قبیلہ کا یعنی جماعت کثیرہ کا چنانچہ تمیم بنی تمیم کا اور اسد بنی اسد کا یا کہ فلان پدر خاص ہے جماعت کثیرہ کا پدر نہیں تو معلوم کرنا چاہیئے کہ عشائر کی اسامی سے پہلا نام شعب بفتح شین ہے پھر قبیلہ پھر عمارہ پھر بطن پھر فخذ پھر فصیلہ تو مضر قریش کا شعب ہے اور کنانہ قبیلہ اور قریش عمارہ اور قصی بطن اور ہاشم

فخذ اور عباس فصیلہ کذا فی العالمگیریۃ مختصرا ولہذا یدخل فیہ ایضاً مولی العتاقۃ ومولی الموالاۃ وحلفاؤہم یعنی وہم یحصون والا فالوصیۃ باطلۃ اور اسی واسطے یعنی جب کہ فلان عبارت ہو جماعت کثیرہ سے تو اس میں مولائے عتاقۃ اور مولائے موالات اور اس جماعت کے ہم قسم لوگ بھی بنی فلان میں داخل ہو جاتے ہیں یعنی جبکہ وہ لوگ متعین اور منحصر ہوں اور اگر غیر منحصر ہوں تو وصیت باطل ہے والاصل ان الوصیۃ متی وقعت باسم ینبئ عن الحاجۃ کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی ما مر لوقوعہا للہ تعالی وہو معلوم وان کان لا ینبئ عن الحاجۃ فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والا بطلت وتمامہ فی اختیارہ اور مسائل مذکورہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب وصیت واقع ہوئی ایسے لفظ سے جو مخبر ہے حاجت سے چنانچہ بنی فلاں کے یتیم تو وصیت صحیح ہے اگرچہ وہ لوگ غیر منحصر ہوں بنابر تقریر گذشتہ یعنی اس حالت میں محتاج اور مسکین مراد ہوں گے بسبب واقع ہونے وصیت کے خدا تعالی کے واسطے اور وہ معلوم ہے اور اگر لفظ وصیت کا احتیاج پر دلالت نہیں کرتا تو اگر موصی لہم منحصر ہیں تو وصیت صحیح ہے اور اب وصیت تملیک قرار دی جاوے گی اور اگر وہ لوگ غیر منحصر ہیں تو وصیت باطل ہے اس کا پورا بیان اختیار شرح مختار میں ہے **اوصی من لہ معتقون ومعتقون لموالیہ بطلت** لان اللفظ مشترک ولا عموم لہ عندنا ولا قرینۃ تدل علی احدہما جس کے آزاد کرنے والے اور آزاد کردہ دونوں موجود ہیں اس نے وصیت کی اپنے مولی کے واسطے تو وصیت باطل ہے اس واسطے کہ مولی لفظ مشترک ہے اور مشترک کے واسطے عموم ثابت نہیں ہم حنفیوں کے نزدیک اور ولی قرینہ قائم نہیں جو ایک معنی پر دلالت کرتا ہے م مولی کا لفظ آزاد کنندہ اور آزاد کردہ دونوں کو شامل ہے باعتبار لغت کے تو لفظ مشترک ٹھہرا۔ اور مشترک کے سب معانی مراد لینا ہمارے نزدیک درست نہیں اور کوئی قرینہ نہیں کہ موالی سے آزاد کنندہ مراد ہیں یا آزاد کردہ لہذا وصیت مذکورہ باطل ٹھہری ولا فرق فی ذلک عند عامۃ اصحابنا بین النفی والاثبات اور ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک اس میں کچھ فرق نہیں ہے درمیان نفی اور اثبات کے یعنی خواہ کلام منفی ہو یا مثبت مشترک کا لفظ عموم کا مفید نہیں ہے جمہور حنفیہ کے نزدیک واختار شمس الائمۃ وصاحب الہدایۃ انہ یعم اذا وقع فی حیز النفی اور شمس الائمہ اور صاحب ہدایہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ مشترک عام ہوتا ہے جب کہ نفی کے تحت میں واقع ہو م صاحب درر نے صاحب ہدایہ کے قول کو پسند کیا ہے اس دلیل سے کہ نفی مشترک میں تنافی نہیں اور باقی علماء نے اس کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ قول آئندہ میں معلوم ہوگا۔ وحینئذ فقولہم لو حلف لا یکلم موالی فلان یعم الاعلی والاسفل لا لوقوعہ فی النفی بل لان الحامل علی الیمین بغضہ وہو غیر مختلف عنایہ واقرہ المصنف اور اس وقت میں یعنی جب کہ معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک کچھ فرق نہیں مابین نفی اور اثبات کے عدم جواز عموم مشترک میں تو فقہا کا یہ قول کہ اگر قسم کھائی کہ کلام نہ کرے گا فلانے شخص کے موالی سے تو لفظ مولی کا عام ہے مولائے اعلی یعنی آزاد کنندہ اور مولائے اسفل یعنی آزاد کردہ کو نہ اس وجہ سے کہ عموم حاصل ہوا ہے مشترک واقع ہونے نفی میں بلکہ اس وجہ سے کہ قسم کھانے پر فلانے شخص کا بغض باعث ہے اور بغض[1] غیر مختلف ہے مابین الاعلی والاسفل کذا فی العنایہ اور مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے اپنی شرح میں م شمس الائمہ اور صاحب ہدایہ کے نزدیک قسم مذکور میں عموم مشترک کا قرینہ نفی ہے اور علماء کے نزدیک علت عموم بغض ہے نفی الا اذا عینہ ای الاعلی والاسفل قبل موتہ فحینئذ یصح لزوال المانع مگر جب کہ موالی کی وصیت میں موصی تعیین کردے م مولائے اعلی کی یا اسفل کی اپنی موت سے پہلے تو اب وصیت باطل نہ ٹھہرے گی صحیح ہو جاوے گی۔ زوال مانع کے سبب سے یعنی مانع صحت عدم تعیین تھی سو اب زائل ہوگئی اس کے بیان سے ویدخل فیہ ای فی الموالی من اعتقہ فی صحتہ ومرضہ اور مولی میں داخل ہے وہ غلام جس کو موصی نے آزاد کیا اپنی صحت اور بیماری میں ولا یدخل فیہ مدبروہ وامہات اولادہ وعن ابی یوسف یدخلون اور موالی میں داخل نہیں موصی کے غلام مدبر اور امہات اولاد اور ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ بھی داخل ہیں م عدم دخول کی علت یہ ہے کہ مدبر اور ام ولد آزاد ہوتے ہیں۔ مالک کی موت کے بعد اور وصیت مضاف ہوتی ہے موت کی حالت کی طرف تو قبل از موت تحقیق اسم کا ضرور

---

[1] یعنی عداوت اس کے آزاد کنندہ یا آزاد کردہ سے یکساں ہوگی ۔

ہے کذا فی الدرر اوصی بثلث مالہ الی الفقہاء دخل فیہا من یدقق النظر فی المسائل الشرعیہ وان علم ثلث مسائل مع ادلتہا کذا فی القنیۃ اپنے تہائی مال کی وصیت کی فقیہوں کے واسطے تو فقیہوں میں وہ شخص داخل ہوگا جو نظر دقیق اور فکر عمیق رکھتا ہو مسائل شرعیہ میں اگرچہ تین ہی مسئلوں کو ان کے دلائل کے ساتھ جانتا ہو کذا فی القنیہ یعنی بدون علم دلائل کے فقیہ نہیں قال حتی قیل من حفظ الوفا من المسائل لم یدخل تحت الوصیۃ صاحب قنیہ نے کہا یہاں تک کہ بعضے فقیہوں نے کہا کہ جو ہزاروں مسئلے یاد رکھتا ہو یعنی بدون دلائل کے وہ فقہاء کے تحت وصیت میں داخل نہ ہوگا امام فقیہ ابوجعفر نے کہا کہ ہمارے نزدیک فقیہ ہے جو فقہ دانی میں اقصی مرتبہ پہنچ گیا ہو اور متفقہ یعنی جو مسائل جانتا ہو بدون دلائل کے وہ فقیہ نہیں ہے اور اس کو وصیت مذکورہ میں حصہ نہیں کذا فی الطحطاوی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اس زمانے کے عالموں پر فقیہ کا اطلاق کم یاب ہے الا ماشاء اللہ تو علماء مسائل دان متفقہ ہیں فقیہ نہیں اوصی بان یطین قبرہ او یضرب علیہ قبۃ فہی باطلۃ کما فی الخانیۃ وغیرہا وقدمناہ عن السراجیۃ وغیرہا یہ وصیت کی کہ مٹی لگائی جاوے اس کی قبر پر یا اس کی قبر پر قبہ یا گنبد بنایا جاوے تو وصیت باطل ہے۔ چنانچہ فتاوی قاضی خاں وغیرہ میں ہے اور یہ مسئلہ ہم سراجیہ وغیرہ سے آگے مذکور کر چکے ہیں لکن قدمنا منہا فی الکراہیۃ انہ لا یکرہ تطیین القبور فی المختار فینبغی ان یکون القول ببطلان الوصیۃ بالتطیین مبنیا علی القول بالکراہۃ لانہا حینئذ وصیۃ بالمکروہ قالہ المصنف لیکن ہم سراجیہ سے کتاب الکراہیۃ میں مذکور کر چکے ہیں کہ قبروں پر مٹی لگانا قول مختار میں مکروہ نہیں ہے تو لائق یہ ہے کہ مٹی لگانے کی وصیت کا باطل ہونا کراہت کے قول پر مبنی ہے اس واسطے کہ اس وقت وصیت ہے مکروہ کی اور حالانکہ وہ جائز نہیں ایسا کہا مصنف نے اپنی شرح میں م یہ استدراک ہے فقط مٹی لگانے پر اور گنبد بنانے کا تعرض نہیں کیا تو وہ بالاتفاق مکروہ ہے قلت وکذا ینبغی ان یکون القول ببطلان الوصیۃ لمن لیقرأ عند قبرہ بناء علی القول بکراہۃ القراءۃ علی القبور او لعدم جواز الاجارۃ علی الطاعات اما علی المفتی بہ من جوازہما فینبغی جوازہا مطلقاً وتمامہ فی حواشی الاشباہ من الوقف میں کہتا ہوں اور اسی طرح یہ لائق ہے بطلان وصیت کا قول اس شخص کے واسطے جو قرآن شریف پڑھے موصی قبر کے پاس بناء بر قول کراہت قراءت کے قبور پر یا اس وجہ سے کہ طاعات پر اجارہ جائز نہیں لیکن بناء بر قول مفتی بہ کے کہ قراءت علی القبور اور اجارہ دونوں جائز ہیں۔ اور دونوں کا جائز ہونا سزاوار اور لائق بدلیل ہے۔ مطلقاً یعنی خواہ عدم جواز کی علت قراءۃ علی القبور ہو یا عدم جواز اجارہ علی الطاعات ہو اور اس کا پورا بیان حواشی اشباہ میں ہے کتاب الوقف سے وحرر فی تنویر البصائر انہ بتعیین المکان الذی عینہ الواقف لقراءۃ القرآن او لتدریس فلو لم یباشر فیہ لا یستحق المشروط لہ لما فی شرح المنظومۃ یجب اتباع شرط الواقف وبالمباشرۃ فی غیر مکان الذی عینہ الواقف یفوت غرضہ من احیاء تلک البقعۃ قال وتحقیقہ فی الدرۃ السنیۃ فی مسئلۃ استحقاق الجامکیۃ[1] اور تنویر البصائر حاشیہ اشباہ میں یہ تحریر اور تنقیح کی ہے کہ جس مکان کو وقف کرنے والا متعین کر دے قرآن پڑھنے یا تدریس کے لئے تو وہ متعین ہوتا ہے تو اگر اس مکان میں قراءت یا تدریس واقع نہ ہو تو قاری یا مدرس مستحق نہ ہوگا اس مال کا جو اس کے واسطے مشروط ہوا اس واسطے کہ شرح منظومہ میں ہے کہ واجب ہے اتباع کرنا شرط واقف کا اور جس مکان کو واقف نے معین کر دیا ہے اس کے غیر میں پڑھنے یا درس کرنے سے واقف کی غرض فوت ہوتی ہے یعنی اس مکان کو متبرک کرنا حاصل نہیں صاحب تنویر البصائر نے کہا اور تحقیق اس مسئلہ کی اس رسالہ میں ہے جس کا نام الدرۃ السنیۃ فی مسئلۃ استحقاق الجامکیۃ ہے۔

باب الوصیۃ بالخدمۃ والسکنٰی والثمرۃ

یہ باب ہے خدمت اور سکونت اور پھل کی وصیت کے احکام میں م جب مصنف نے وصایا اعیان سے فراغت پائی تو اب وصایا منافع کو شروع کیا صحت الوصیۃ بخدمۃ عبدہ و سکنی

ف :۔ فقیہ اور متفقہ کا فرق ۱۲

[1] ایک نسخہ میں اس کے بعد لفظ انتہی ہے۔ ۱۲

داره مدة معلومة وابدا صحیح ہے وصیت کرنا اپنے غلام کی خدمت کا اور اپنے گھر کی سکونت کا معین مدت تک اور ہمیشہ کو م اس واسطے کہ تملیک منافع کی حالت حیات میں صحیح ہے بعوض اور بلا عوض سو اسی طرح ممات کے بعد بھی صحیح ہے جیسے اعیان کی تملیک صحیح ہے ویکون محبوسا علی ملک المیت فی حق المنفعة کما فی الوقف کما بسط فی الدرر اور غلام وغیرہ محبوس رہے گا میت کی ملک پر منفعت کے حق میں جیسے وقف میں موقوف محبوس رہتا ہے، واقف کی ملک پر امام کے نزدیک چنانچہ درر میں مفصل مذکور ہے م اور صاحبین کے نزدیک موقوف محبوس ہے علی اللہ تعالیٰ ولغلتهما اور غلام اور گھر کے غلہ یعنی ان کے حاصلات اور کرایہ کی وصیت صحیح ہے **فان خرجت الرقبة من الثلث سلمت الیه** ای الی الموصی له لها ای لاجل الوصیة سو اگر غلام اور گھر کا رقبہ موصی کی تہائی مال سے باہر ہو تو غلام یا گھر موصی کو سپرد کیا جائے وصیت کی وجہ سے **والا تخرج من الثلث تقسم الدار اثلاثا** ای فی مسئلة الوصیة بالسکنے اور اگر رقبہ تہائی مال سے مال سے باہر نہ ہو تو گھر تین تہاؤ تقسیم کیا جائے وصیت بالسکنی کے مسئلہ میں یعنی تہائی گھر میں موصی لہ رہے اور دو تہائیوں میں وارثوں کا اختیار ہے امافی الوصیة بالغلة فلا تقسم علی الظاہر اور گھر کے حاصلات کی وصیت میں تو گھر تقسیم نہ ہوگا بنا بر ظاہر مذہب کے م نقایہ اور اس کی شرح قہستانی میں ہے کہ اگر ثلث مال گنجائش نہ رکھتا ہو تو گھر یا غلہ اثلاثا تقسیم کیا جائے اس طرح پر کہ موصی لہ تہائی گھر میں رہے اور وارث باقی میں اور موصی لہ گھر کا کرایہ ایک دن لے اور وارث دو دن تا انقضائے مدت وصیت کذا فی الطحطاوی **وتہایا العبد فیخدمهم اثلاثا** اور موصی لہ اور وارث باری مقرر کرلیں غلام میں تو وہ ان کی خدمت کرے تین تہاؤ یعنی ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے اور دو دن وارثوں کی م چونکہ اجزاء غلام کی قسمت ممکن نہیں لہذا اس میں باری معین ہوئی بخلاف گھر کے کہ اس کے اجزاء کی تقسیم ممکن ہے ہذا اذا لم یکن له مال غیر العبد والدار والا فخدمة العبد وقسمة الدار بقدر ثلث جمیع المال کما افاده صدر الشریعة یہ مذکور اس وقت ہے جب کہ موصی کا کچھ اور مال نہ ہو سوائے غلام اور گھر کے اور اگر اور مال بھی ہو تو غلام کی خدمت اور گھر کی تقسیم تمام مال کی تہائی کی مقدار پر ہوگی چنانچہ صدر الشریعة نے اس کو بیان کیا ہے م تو اگر موصی کا مال اتنا ہو کہ اس میں سے غلام کے دو ثلث یا تین ربع خارج ہوتے ہیں تو غلام موصی لہ کی دو دن یا تین دن خدمت کرے اور ایک دن وارثوں کی خدمت کرے کذا فی الطحطاوی **ولیس للورثة بیع ما فی ایدیهم من ثلثیها** علی الظاہر لثبوت حقه فی سکنی کلها لظهور مال آخر او لخراب ما فی یده فحینئذ یزاحمهم فی باقیها والبیع ینافیه فمنعوا عنه وعن ابی یوسف لهم ذلک اور وارثوں کو جائز نہیں بیچنا گھر کی دو تہائیوں کا جو ان کے قبضہ میں ہے بنا بر ظاہر مذہب کے بسبب ثابت ہونے حق موصی لہ کے تمام گھر کی سکونت میں اور مال کے ظاہر ہونے کی وجہ سے یا ویران ہو جانے اس تہائی گھر سے جو موصی لہ کے قبضے میں ہے تو اس وقت میں موصی لہ وارثوں سے مزاحمت کرے گا باقی گھر میں اور بیچنا وارثوں کا اس مزاحمت کے مخالف ہے تو اس واسطے وارث باز رکھے گئے بیع سے اور ابو یوسف رحمہ سے یہ روایت ہے کہ وارثوں کو یہ بیع کرنا جائز ہے **ولیس للموصی له بالخدمة او السکنے ان یوجر العبد او الدار** لان المنفعة لیست بمال علی اصلنا فاذا ملکها بعوض کان مملکا اکثر مما ملکه یعنی وهو لا یجوز اور جس کے واسطے خدمت یا سکونت کی وصیت ہوئی اس کو غلام یا گھر کا اجارہ دینا جائز نہیں اس واسطے کہ منفعت مال نہیں ہے ہمارے قاعدے کے بموجب پھر جب موصی لہ نے منفعت کو دوسرے شخص کی ملک میں دیا عوض لے کر تو موصی لہ جس قدر کا مالک ہوا تھا اس سے زیادہ تر کا مالک کر دینے والا ٹھہرا حالانکہ یہ جائز نہیں کہ آدمی اپنی ملک سے زیادہ غیر کو مالک کر سکے **ولا للموصی له بالغلة استخدامه** ای العبد **او سکناها** ای الدار **فی الاصح** ومثله الدار الموقوفة علیه وعلیه الفتوی شرح الوہبانیة لان حقهم فی المنفعة لا العین وقد علمت الفرق بینهما اور جس کے واسطے غلہ یعنی حاصلات کی وصیت ہوئی اس کو جائز نہیں خدمت میں لانا غلام کا یا سکونت کرنا گھر کا قول صحیح میں اور اسی کے مانند ہے وقف کا گھر یعنی اگر گھر کا غلہ وقف ہو تو سکنی اس کا جائز نہیں اور اسی پر

فتویٰ ہے کذا فی شرح الوہبانیۃ اس واسطے کہ موصی لہ اور اہل وقف کا حق منفعت میں ہے نہ عین میں اور نتیجہ کو دونوں کے درمیان فرق معلوم ہو چکا غرض عبارت سے ہے دراہم اور دنانیر سے تو غلہ مغایر ہوا استخدام اور سکنی کا **ولا یخرج الموصی لہ العبد الموصی بخدمتہ من الکوفۃ** مثلاً **الا اذا کان** ذلک **مکانہ** ذلک **فی موضع آخر ان خرج من الثلث والا فلا یخرجہ الا باذن الورثۃ** لبقاء حقہم فیہ اور باہر نہ لے جائے موصی لہ غلام موصی بہ کو کوفہ سے مثلاً مگر جب کہ وہ اس کا مکان ہو اور موصی لہ کے اہل وعیال دوسرے مکان میں ہوں تو غلام کا وہاں لے جانا جائز ہے بشرطیکہ غلام موصی کے ثلث مال سے خارج ہوتا ہو اور اگر خارج نہ ہوتا ہو تو موصی لہ اس کو باہر نہ لے جائے بدون اذن وارثوں کے بسبب باقی رہنے حق ورثہ کے غلام میں م خلاصہ یہ ہے کہ اگر غلام مذکور ثلث مال سے خارج ہو سکتا ہے تو موصی لہ اس کو موصی کے شہر سے باہر نہ لے جائے اگر موصی اور موصی لہ ایک ہی شہر میں رہتے ہیں اور اگر موصی لہ اور اس کے اہل وعیال دوسرے شہر میں رہتے ہیں تو اس کو باہر لے جانا درست ہے اس واسطے کہ وصیت نافذ ہوتی ہے موصی کے مقصود کے موافق تو جب موصی لہ کا وطن دوسرا شہر ہو تو موصی کا مطلب یہ ہے کہ موصی لہ غلام کو اپنی خدمت کے واسطے وہیں لے جائیں طحطاوی نے کہا یوں کہنا بہتر تھا (من الکوفۃ الی البصرۃ الا ان یکون ذلک مکانہ) اور اسم اشارہ راجع ہوتا بصرہ کی طرف تو الٰہی فی موضع آخر کی حاجت نہ رہتی **ولموتہ** ای الموصی لہ **فی حیوۃ الموصی بطلت الوصیۃ** اور موصی لہ کے مرجانے سے موصی کی زندگی میں وصیت باطل ہو جاتی ہے یعنی اس واسطے کہ اس کا مستحق نہ رہا **ولبعد موتہ یعود العبد والدار الی الورثۃ** اے ورثۃ الموصی **بحکم الملک** اور موصی لہ کی موت کے بعد غلام اور گھر موصی کے وارثوں کی طرف پھر آتا ہے۔ بحکم ملک یعنی چونکہ منافع کی وصیت میں ملک موصی زائل نہیں ہوتی لہٰذا بعد موت مستحق موصی کے وارث اس کے مالک ہوتے ہیں **ولو اتلفہ الورثۃ** ضمنوا قیمتہ لیشتری بہا عبد لیقوم مقام الاول ولہٰذا یمنع المریض من التبرع باکثر من الثلث کذا ذکرہ المصنف فی الرہن اور اگر موصی کی موت کے بعد اس کے وارثوں نے غلام کو تلف کیا تو وہ تاوان دینگے اس کی قیمت کا کہ اس قیمت سے دوسرا غلام قائم مقام اول غلام کے خرید کیا جاوے لہٰذا مریض ممنوع ہے احسان سے تہائی مال سے زیادہ البساذکر کیا ہے مصنف نے اپنی شرح کی کتاب الرہن میں م اصل عبارت زیلعی کی ہے اور مرجع اسم اشارہ کا ورثہ کا حق محترم ہے لیکن شارح کی عبارت میں خلل واقع ہو گیا ہے یعنی اختصار کی وجہ سے کذا فی الطحطاوی ملخصاً **ولو اوصی بہذا العبد لفلان وبخدمتہ لآخر وہو یخرج من الثلث صح** وتمامہ فی الدرر اور اگر موصی نے وصیت کی اس غلام کی ایک شخص کے واسطے اور اس کی خدمت کی وصیت کی دوسرے شخص کے واسطے اور حالانکہ وہ غلام موصی کے ثلث مال سے خارج ہوتا ہے تو وصیت صحیح ہے اور اس کا پورا بیان درر میں ہے وفی الشرنبلالیۃ ونفقتہ اذا لم یطق الخدمۃ علی الموصی لہ برقبتہ الی ان یدرک الخدمۃ فیصیر کالکبیر ونفقۃ الکبیر علی من لہ الخدمۃ اور شرنبلالیہ میں ہے اور غلام مذکور کا نفقہ جب کہ وہ خدمت نہ کر سکتا ہو کم عمری کے سبب سے اس پر ہے جس کے واسطے اس کے رقبہ کی وصیت ہوئی یہاں تک کہ وہ خدمت کرنے کے لائق ہو جائے تو اب وہ صغیر کبیر کے مانند ہو جاوے گا اور غلام کبیر کا نفقہ اس پر ہے جس کی خدمت کے واسطے وصیت ہوئی وان ابی الانفاق علیہ ردہ الی من لہ الرقبۃ کالمستعیر مع المعار اور اگر موصی لہ بالخدمۃ اس پر خرچ کرنے سے انکار کرے تو غلام میر کی طرف رد کیا جاویگا فان جنی فالفداء علی من لہ الخدمۃ پھر اگر غلام مذکور جنایت کرے یعنی از راہ خطا کسی کو قتل کرے تو فدیہ اس پر واجب ہے جس کے واسطے خدمت کی وصیت ہوئی ولو ابی فداہ صاحب الرقبۃ او دفعہ وبطلت الوصیۃ اور اگر صاحب خدمت فدیہ دینے سے انکار کرے تو صاحب رقبہ فدیہ دے یا غلام مقتول کے وارث کے حوالہ کرے اور وصیت باطل ہو گی یعنی فدیہ یا دفع کی صورت میں **وبثمرۃ بستانہ فمات والحال ان فیہ ثمرۃ لہ ہذہ الثمرۃ فقط** اور اگر موصی نے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی پھر موصی مر گیا اور حالانکہ باغ میں پھل موجود ہے تو موصی لہ کے واسطے فقط یہی پھل ہے نہ آئندہ پھل وان زاد ابداً لہ ہذہ الثمرۃ وما یستقبل اور اگر موصی نے وصیت مذکورہ میں ہمیشہ کا لفظ زیادہ کیا تو موصی لہ کے واسطے یہ پھل بھی ہے اور زمانہ مستقبل کا بھی پھل ہے کما فی الوصیۃ **بغلۃ بستانہ فان لہ ہذا** وما یحدث منہ ابداً چنانچہ غلہ بستان میں اس واسطے کہ غلہ باغ کی وصیت میں موصی لہ کے واسطے یہ غلہ موجود بھی سب ہے۔ اور وہ غلہ بھی ہے جو آگے موجود

ہوگا خواہ موصی ہمیشہ کا لفظ وصیت لاوے یا نہ لاوے م ثمرہ اور غلہ میں وجہ فرق یہ ہے کہ عرف میں ثمرہ نام ہے موجود کا تو معدوم کو شامل نہ ہوگا مگر بدلالت لفظ دیگر کذا فی الطحطاوی عن الزیلعی **وان لم یکن فیہا** ای البستان والمسئلۃ بحالہا **ثمرۃ حین الوصیۃ فہی کالوصیۃ بالغلۃ فی تناولہا الثمرۃ المعدومۃ** ما عاش الموصی لہ زیلعی اور مسئلہ سابقہ میں اگر باغ میں پھل موجود نہ ہو وصیت کے وقت تو پھل کی وصیت غلہ کی وصیت کے مانند ہے ثمرہ معدومہ کے شمول میں جب تک کہ موصی لہ زندہ رہے م یعنی اگر وصیت کے وقت پھل باغ میں نہیں اور اس نے پھلوں کی وصیت کی ایک شخص کے واسطے تو اس کی مدۃ العمر میں جس قدر پھل سال بسال پیدا ہوتے جاویں گے وہ اس کو لیتا رہے گا وفی العنایۃ السقی والخراج وما فیہ اصلاح البستان علی صاحب الغلۃ لانہ ہو المنتفع بہ فصار کالنفقۃ فی فصل الخدمۃ اور عنایہ میں ہے کہ باغ کا سینچنا اور سرکاری محصول اور جس چیز میں باغ کا قیام اور درستی ہے صاحب غلہ پر ہے اس واسطے کہ فائدہ لینے والا تو وہی ہے تو یہ خدمت کے غلام کے نفقہ کے مانند ہو گیا تنبیہ الغلۃ کل ما یحصل من ربع الارض وکرائہا واجرۃ الغلام ونحو ذلک کذا فی جامع اللغۃ غلہ عبارت ہے ہر ایک اس چیز سے جو حاصل ہو زمین کی آمدنی سے اور اس کے کرایہ سے اور غلام کی اجرت سے اور مانند اس کے کذا فی جامع اللغۃ م قاموس میں بھی غلہ اسی طرح مذکور ہے قلت وظاہرہ دخول ثمن الجوز ونحوہ فی الغلۃ فلیحرر میں کہتا ہوں اور ظاہر تعریف غلہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ثمن اخروٹ کا اور مانند اس کے غلہ میں داخل ہے تو اس کی تحریر اور تنقیح کرنا چاہیے م یعنی ظاہر تعریف غلہ اس پر دلالت غلبہ کرتا ہے کہ جب اس باغ کا اخروٹ بیچا جاوے جس باغ کے غلہ کی کسی کے واسطے وصیت ہوئی تو اس کا ثمن موصی لہ کا ہے میں کہتا ہوں کہ اخروٹ اس کا حق ہے اور وہی اس کی بیع کا مالک ہے اصالۃً یا وکالۃً اور غیر شخص کی بیع اس کی اجازت پر موقوف ہے یہ تقریر ہے اس نسخہ کے بموجب جس میں جوز کا لفظ بجیم وزاء منقوطہ مرقوم ہے اور جس نسخہ میں بحاء مہملہ وراء مہملہ مرقوم ہے تو وہ عبارت ہے درخت بے ثمر سے تو اس کو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ مثل حطب کے ہے فتاوی عالمگیری میں محیط سرخسی سے منقول ہے کہ اگر وصیت کی غلۂ باغ انگور کی کسی آدمی کے واسطے تو اس میں قوائم یعنی تھونیاں اور اوراق اور حطب اور ثمرہ سب داخل ہے انتہی کذا فی الطحطاوی **ولصوف غنمہ وولدہا ولبنہا لہ ما یبقی فی وقت موتہ** سواء قال ابدا او لا لان المعدوم منہا لا یستحق بشیئ من العقود فکذا بالوصیۃ بخلاف الثمرۃ بدلیل صحۃ المساقاۃ اور اگر اپنی بھیڑوں کے صوف کی اور ان کے بچوں کی اور دودھ کی وصیت کی تو موصی لہ کا وہ صوف اور بچے اور دودھ ہے جو باقی رہا یعنی جو پایا گیا موصی کے مرنے کے وقت خواہ اس نے ہمیشہ کا لفظ کہا یا نہ کہا اس واسطے کہ اشیا مذکورہ میں سے جو موجود نہیں وہ کسی عقد سے مستحق نہیں ہوتی تو اسی طرح وصیت سے بھی برخلاف پھل کے کہ اس میں وصیت غیر موجود کی صحیح ہے صحت مساقاۃ کی دلیل سے **اوصی بجعل دارہ مسجدا ولم تخرج من الثلث واجازوا تجعل مسجدا** لزوال المانع باجازتہم اپنے گھر کی مسجد بنانے کی وصیت کی اور حالانکہ وہ گھر ثلث مال سے باہر نہیں ہوتا اور اس کے وارثوں نے اجازت دی تو وہ گھر مسجد بنایا جاوے گا زوال مانع کی وجہ سے وارثوں کی اجازت سے یعنی مانع تھا حق ورثہ کا سو اجازت سے زائل ہو گیا **وان لم یجیزوا یجعل ثلثہا مسجدا** رعایۃ لجانب الوارث والوصیۃ اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تہائی گھر مسجد بنایا جاوے گا وارث اور وصیت دونوں جانب کی رعایت کرنے سے یعنی اس صورت میں وارث بھی محروم نہ رہے اور مسجد بھی بنے **ولظہر مرکبہ فی سبیل اللہ بطلت** لان وقف المنقول باطل عندہ فکذا الوصیۃ وعندہما یجوزان درر اور اپنی سواری کی پیٹھ کی وصیت کی خدا کی راہ میں تو وصیت باطل ہے اس واسطے کہ مال منقول کا وقف کرنا باطل ہے امام کے نزدیک تو اسی طرح منقول کی وصیت بھی باطل ہے اور صاحبین کے نزدیک منقول کا وقف کرنا اور وصیت کرنا دونوں جائز ہیں کذا فی الدرر وقال المصنف وفیہ نظر لان الوصیۃ تصح حیث لا یصح الوقف فی مواضع کثیرۃ کالوصیۃ بالغلۃ والصوف ونحو ذلک کما مر اور مصنف نے کہا کہ اس تعلیل میں اعتراض ہے یعنی قیاس وصیت کا وقف پر صحیح نہیں س

واسطے کہ وصیت صحیح ہوتی ہے جہاں وقت صحیح نہیں ہوتا بہت سے وانع ہیں جیسے غلہ اور صوف کی وصیت میں اور مانند اس کے چنانچہ ابھی مذکور ہو چکا اوصی لشئی للمسجد لم تجز الوصیۃ لانہ لایملک وجوزہا محمد قال المصنف وبقول محمد افتی مولانا صاحب البحر وصیت کی کسی چیز کی مسجد کے واسطے تو وصیت جائز نہیں اس واسطے کہ مسجد لائق تملیک کے نہیں ہے اور محمد نے اس کو جائز رکھا ہے مصنف نے کہا اور محمد کے قول کا فتوی دیا ہے ہمارے استاد بحر الرائق کے مصنف نے م محمد نے وصیت مذکورہ کو مصالح مسجد کے امر پر محمول کیا ہے تاحتی الامکان موصی کا کلام صحیح ٹھہرے الا ان یقول الموصی ینفق علیہ فیجوز اتفاقا مسجد کے واسطے وصیت صحیح نہیں مگر یہ کہ موصی کہے کہ خرچ کیا جائے مسجد پر تو اب وصیت جائز ہے باتفاق امام اور محمدؒ کے قال اوصیت بثلثی لفلان اوفلان بطلت عند ابی حنیفۃ لجہالۃ الموصی لہ وعند ابی یوسفؒ لہما ان یصطلحا علی اخذ الثلث وعند محمد یخیر الورثۃ فایہما شاؤا اعطوا موصی نے کہا کہ میں نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی فلانے شخص کے واسطے تو وصیت باطل ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بسبب مجہول ہونے موصی لہ کے اور ابو یوسف کے نزدیک دونوں شخصوں کو اختیار ہے کہ آپس میں صلح کر لیں تہائی مال کے لینے میں خواہ نصف نصف پر مصالحت کر لیں یا کم وبیش اور محمدؒ کے نزدیک موصی کے وارثوں کو اختیار ہے ان میں سے جس شخص کو چاہیں دیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل فی وصایا الذمی وغیرہ

یہ فصل ہے ذمی وغیرہ کی وصایا میں یعنی چنانچہ مستامن اور صاحب ہوا اور مرتد کی وصایا میں ذمی جعل دارہ بیعۃ اوکنیسۃ اوبیت نار فی صحتہ فمات فہی میراث لانہ کوقف لم یسجل کا ذمی نے اپنا گھر بیعہ یا کنیسہ یا آتشخانہ بنایا اپنی صحت کی حالت میں پھر وہ مرگیا تو وہ اس کے وارثوں کی میراث ہے اس واسطے کہ وہ وقف غیر مسجل کے مانند ہے م بیعہ عبادت خانہ یہود اور کنیسہ عبادت خانہ نصاریٰ کا اور آتش خانہ معبد مجوس کا ان عبادت خانوں کا بنانا ذمیوں کو دیہات میں جائز ہے نہ دار الاسلام کے شہروں اور قصبات میں واما عندہما فلانہ معصیۃ اور صاحبین کے نزدیک تو اس وجہ سے صحیح نہیں کہ ان کا بنانا معصیت ہے ولیس ہو کالمسجد لانہم یسکنون ویدفنون فیہ موتاہم حتی لوکان المسجد کذلک یورث قطعا قالہ المصنف وغیرہ لانہ حینئذ لم یصر محررا خالصا للہ تعالیٰ اور کنیسہ مسجد کے مانند نہیں ہے اس واسطے کہ یہود اور نصاریٰ اس میں رہتے ہیں اور اپنے مردے اس میں دفن کرتے ہیں تو اگر مسجد بھی اس طرح ہو یعنی اس میں سکونت اور دفن ہوتا ہو تو وہ بھی مورث ہوگی یقیناً ایسا کہا ہے مصنف وغیرہ نے اس واسطے کہ اس وقت میں محرر خالص اللہ تعالےٰ کے واسطے نہ ہوئی م یہ صاحبین کے کلام کا تتمہ نہیں بلکہ امام کے قول کا تتمہ ہے اور جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ بیعہ اور کنیسہ یہود اور نصاریٰ کے حق میں ایسا ہے جیسے مسجد ہمارے حق میں پس اس میں بیع اور میراث جاری نہیں وان اوصی الذمی ان یبنی دارہ بیعۃ اوکنیسۃ لمعینین فہو جائز من الثلث ویجعل تملیکا اور اگر ذمی نے یہ وصیت کی کہ اس کا گھر بیعہ یا کنیسہ بنایا جاوے معین لوگوں کے واسطے تو وہ جائز ہے تہائی مال سے اور یہ تملیک ٹھہرے گی ان کے واسطے وان اوصی بدارہ ان تبنی کنیسۃ او بیعۃ فی القری لا فی المصر لایجوز اتفاقا لقوم غیر مسمین صحت عندہ لاعندہما لما مر انہ معصیۃ ولہ انہم یترکون وما یدینون فتصح اور اگر ذمی نے اپنے گھر کی وصیت کی کہ وہ کنیسہ یا بیعہ دیہات میں بنایا جاوے قوم غیر معین کے واسطے تو یہ وصیت امام کے نزدیک صحیح ہے نہ صاحبین کے نزدیک اس واسطے کہ صاحبین کی دلیل مذکور ہو چکی کہ وہ معصیت ہے اور معصیت کی وصیت جائز نہیں اور امامؒ کی دلیل یہ ہے کہ اہل ذمہ چھوڑے جاتے ہیں اپنے دین پر تو وصیت صحیح ہوگی دیہات کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر شہر میں کنیسہ یا بیعہ بنانے کی وصیت کی تو باتفاق امام اور صاحبین کے جائز کوصیۃ حربی مستامن لاوارث لہ ہنا بکل مالہ لمسلم او ذمی کذا فی الوقایۃ ولاعبرۃ بمن ثمۃ لانہم اموات فی حقنا جیسے وصیت جائز ہے اس حربی مستامن کی جس کا کوئی وارث نہیں دار الاسلام میں اس کے تمام مال کی وصیت مسلمان یا ذمی کے واسطے کذا فی الوقایۃ اور کچھ اعتبار نہیں ان کے

ان وارثوں کا جو دار الحرب اس واسطے کہ وہ در حکم اموات کے ہیں ہمارے حق میں ولو اوصی بنصفہ مثلاً نفذ ورد باقیہ لورثتہ لا ارثا بل لانہ لا مستحق لہ فی دارنا اور اگر حربی مستامن نے اپنے نصف مال کی مثلاً وصیت کی تو وصیت نافذ ہوگی اور باقی مال اس کے وارثوں پر رد کیا جائے گا میراث کی راہ سے نہیں بلکہ اس واسطے کہ اس کا کوئی مستحق نہیں ہمارے ملک میں وکذا اوصی لمستامن مثلہ اور اسی طرح جواز وصیت کا حکم ہے اگر وہ اپنی مانند دوسرے مستامن کے واسطے وصیت کرے ولو اعتق عبدہ عند الموت او دبرہ نفذ من الکل لما قلنا اور اگر مستامن نے اپنا غلام آزاد کیا موت کے وقت یا غلام کو مدبر کیا تو اعتاق اور تدبیر نافذ ہوگی اس کے تمام مال سے اس دلیل سے جو ہم نے بیان کی یعنی اس واسطے کہ اس کے وارثوں کا حق واجب الرعایۃ نہیں کیونکہ وہ اموات کے مانند ہیں کذا فی الزیلعی ولو اوصی لہ مسلم او ذمی جاز علی الاظہر زیلعی اور اگر مستامن کے واسطے مسلمان یا ذمی نے وصیت کی تو بنا بر قول اظہر کے جائز ہے کذا فی الزیلعی وصاحب الہوی اذا کان لا یکفر فھو بمنزلۃ المسلم فی الوصیۃ لانا امرنا ببناء الاحکام علی ظاہر الاسلام اور اہل ہوا یعنی مبتدع جیسے خارجی یا رافضی جب کہ اس کی بدعت منجر بکفر نہ ہو تو وہ بمنزلہ مسلمان کے ہے وصیت کے امر میں اس واسطے کہ ہم مامور بنائے احکام کے ہیں ظاہر اسلام پر وان کان یکفر فھو بمنزلۃ المرتد فتکون موقوفۃ عندہ نافذۃ عندہما شرح المجمع اور اہل بدعت منسوب بکفر ہو تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے تو اس کی وصیت امام کے نزدیک موقوف ہے اور صاحبین کے نزدیک نافذ ہے کذا فی شرح المجمع م اہل بدعت یعنی جو اپنی ہوائے نفس کا تابع ہوا بدعت کی طرف مائل ہو کر اگر اس کے کفر کا حکم ہوا چنانچہ ایک گروہ رافضیوں میں سے کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ خدائے اکبر ہے تو وہ مرتد کے مانند ہیں کذا فی الدرر والمرتدۃ فی الوصیۃ کذمیۃ فی الاصح لانہا لا تقتل اور عورت مرتدہ وصیت میں ذمی عورت کے مانند ہے قول صحیح تر میں اس واسطے کہ مرتدہ مقتول نہیں ہوتی یعنی اس کی وصیت صحیح ہے بخلاف مرتد کے الوصیۃ المطلقۃ بہذا القدر من مالی او ثلث مالی وصیۃ لا تحل للغنی لانہا صدقۃ وہی علی الغنی حرام وان عممت کقولہ یاکل منہا الغنی والفقیر لان اکل الغنی منہا لا یصح بطریق التملیک والتملیک انما یصح لمعین والغنی لا یعین ولا یحصی اور وصیت مطلقہ یعنی غیر مخصوص چنانچہ یوں کہنا کہ اس قدر میرا مال یا تہائی میرا مال وصیت ہے مالدار کو حلال نہیں اس واسطے کہ وصیت مذکورہ صدقہ ہے اور صدقہ غنی پر حرام ہے اگرچہ موصی نے وصیت کو عام کر دیا ہو چنانچہ یوں کہنا کہ اس میں کھائے غنی اور فقیر اس واسطے کہ غنی کا کھانا اس میں صحیح نہیں مگر بطریق تملیک کے اور حالانکہ تملیک صحیح نہیں ہوتی مگر معین شخص کے واسطے اور غنی معین اور محصور نہیں م وصیت مطلقہ وہ ہے جس میں نہ غنی مذکور ہو نہ فقیر اور وصیت عامہ وہ جس میں غنی اور فقیر دونوں مذکور ہوں ولو خصت الوصیۃ بہ ای بالغنی کقولہ بہذا القدر من مالی وصیۃ لزید وہو غنی او لقوم اغنیاء محصورین حلت لہم لصحۃ تملیکہم اور اگر وصیت غنی کے ساتھ مخصوص ہوئی چنانچہ موصی کا یوں کہنا کہ میرا اتنا مال زید کے واسطے وصیت ہے اور حالانکہ زید غنی ہے یا مالدار معین اور منحصر قوم کے واسطے وصیت مخصوص ہوئی تو ان کو حلال ہے تملیک صحیح ہونے کی وجہ سے وکذا الحکم فی الوقف کما حررہ ملا خسرو اور اسی طرح وصیت کے مانند وقف میں حکم ہے چنانچہ ملا خسرو نے درر میں اس کی تحریر اور تنقیح کی ہے م یعنی وقف مطلق مخصوص بفقراء ہے غنی کو حلال نہیں اگرچہ واقف اس کو غنی اور فقیر کے واسطے عام کر دے اور جب کہ وقف کو غنی معین کے واسطے یا قوم اغنیاء محصورین کے واسطے خاص کر دیا تو ان کو حلال ہے اور وہ اس کے منافع کے مالک ہونگے نہ اس کے عین کے چونکہ یہ مسائل ضروریہ کلام سابق سے مفہوم ہوتے تھے ضمناً اور واجب الحفظ تھے اور اکثر لوگ اس سے غافل تھے لہذا اس کو ہم نے اصالۃً ذکر کیا کذا فی الدرر وفی جامع الفصولین المتولی علی الوقف کالوصی اور جامع الفصولین میں ہے کہ وقف کا متولی وصی کے مانند ہے م طحطاوی نے کہا اس مسئلہ کا ذکر کرنا باب الوصی میں بہتر تھا فروع مسائل ملحقہ شارح کے اوصی بثلث مالہ للصلوات جاز للوصی صرفہ لورثتہ المحتاجین یعنی لغیر قرابۃ الولاد ممن یجوز صرف الکفارۃ الیہم بخلاف مطلق الوصیۃ للمساکین فانہا تجوز لکل ورثتہ ولا عدمہم یعنی لو محتاجین حاضرین بالغین راضین فلو منہم صغیر او غائب او حاضر غیر راض لم یجز نمازوں کے کفارے کے واسطے موصی نے اپنے تہائی

مال کی وصیت تو وصی کو اس کا صرف کرنا موصی کی وارثوں پر صحیح ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہوں یعنی بغیر قرابت ولادت کے ان لوگوں میں سے جن پر صرف کفارہ جائز ہے یعنی مسلمان محتاج ہوں برخلاف مطلق وصیت کے جو محتاجوں کے واسطے ہو کیوں کہ اس کا صرف کرنا موصی کے تمام وارثوں پر یا ورایک وارث پر جائز ہے یعنی اگر وارث محتاج حاضر بالغ راضی ہوں خیرات لینے پر سو اگر ان میں سے کوئی صغیر یا غائب ہو یا موجود راضی نہ ہو تو جائز نہیں م غیر قرابت ولادت کی قید اس لئے لگائی کہ اس کے واسطے صرف کفارہ جائز نہیں اگرچہ موصی نے اس کو معین کر دیا ہو ہشام نے محمدؒ سے روایت کی کہ ثلث مال کی مساکین کے واسطے وصیت کی سو موصی کے وارث محتاج ہو گئے اور وہ بالغ حاضر ہیں تو اگر انہوں نے اتفاق کیا کہ ان کے واسطے وصیت کا مال دیا جائے یا ایک وارث محتاج ہو گیا سو سب وارثوں نے اجماع کیا کہ اس کو دیا جاتے تو جائز ہے اور وارثوں میں صغیر یا غائب یا حاضر غیر راضی ہو تو جائز نہیں کذا فی الطحطاوی اوصی بکفارۃ صلوتہ لرجل معین لم یجز لغیرہ بہ یفتی لفساد الزمان وصیت کی اپنی نماز کے کفارہ دینے کی ایک مرد معین کے واسطے تو اس کے غیر کو دینا جائز نہیں اسی قول پر فتویٰ ہے فساد زمانہ کی علت سے م قضات وغیرہ میں طمع غالب ہے لہذا لغیر وصیت جائز نہیں اوصی بالصلوٰۃ ثلث مالہ دلوان علی المعسرین فترکہا الوصی لہم عن الفدیۃ لم یجزہ ولابد من القبض ثم تصدق علیہم مال کی وصیت کی اپنی نمازوں کے کفارے کے واسطے اور حالانکہ اس کا ثلث مال محتاجوں پر دین ہے سو وصی نے اس مال کو ان پر چھوڑا فدیہ ادا ہونے کی وجہ سے تو یہ فدیہ کفایت نہ کرے گا اور ضرور ہے ایسے مال کا اول قبض کرنا پھر ان کو صدقہ دینا یعنی بدون ادائے کفارہ صحیح نہیں ولو امران یتصدق بالثلث فات فغصب غاصب ثلثہا مثلاً واستہلکہ فترکہ صدقۃ علیہ وہو معسر یجزیہ لحصول قبضہ لبعد الموت بخلاف الدین الکل من القنیۃ اور اگر موصی نے یہ امر کیا وصی کو کہ تہائی مال صدقہ دے پھر موصی مر گیا سو کسی غاصب نے تہائی مال مثلاً غصب کیا اور اس کو ضائع کیا سو وصی نے اس کو چھوڑ دیا صدقہ دینا سمجھ کر اور حالانکہ وہ محتاج ہے تو کفایت کرے گا تصدق میں بسبب حاصل ہونے قبضہ غاصب کے بعد مر جانے موصی کے برخلاف دین کے کہ اس پر مدیوں کا قبضہ حیات موصی میں ہوا تھا تو وہ کفایت نہ کرے گا یہ سب مسائل قنیہ سے مذکور ہیں وفی الجواہر اوصی لرجل بعقار ومات وقسمت الترکۃ والموصی لہ فی البلد وقد علم بالقسمۃ ولم یطلب ثم بعد سنین ادعی تسمع ولا یبطل بالتاخیر ان لم یکن رد الوصیۃ اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ عمارت والی زمین کی وصیت کی ایک شخص کے واسطے اور موصی مر گیا سو ترکہ تقسیم ہوا اور موصی لہ اس شہر میں ہے اور حالانکہ اس کو قسمت ترکہ معلوم ہے اور اس نے طلب نہ کیا پھر چند سال کے بعد دعویٰ کیا تو مسموع ہوگا اور تاخیر سے دعویٰ باطل نہ ہوگا بشرطیکہ اس نے وصیت کو رد نہ کر دیا ہو م عقار عبارت ہے عرصہ مبنیہ سے اور ضیعہ عبارت ہے فقط عرصہ سے کذا فی الطحطاوی عن جامع الفصولین اوصی لہ بدار فباعہا بعد موتہ قبل القبض صح لجواز التصرف فی الموصی بہ قبل قبضہ ایک شخص کے وصیت کی ایک گھر کی سو اس نے گھر کو بیچا بعد مر جانے موصی کے قبضہ کرنے سے پہلے تو بیع جائز ہے اس واسطے کہ وصیت کی چیز میں تصرف کرنا قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے وقفت ضیعۃ علی ولدہا وجعلت عم الولد متولیا وللولد اب فالمتولی اولیٰ من الاب ایک عورت نے زمین کو وقف کیا اپنے بیٹے پر اور بیٹے کے چچا کو اس پر متولی کیا اور بیٹے کا باپ بھی زندہ ہے تو متولی مقدم ہے باپ سے شری دارا اوصی بہا لرجل فاخذہا الشفیع من ید الموصی لہ یوخذ الثمن ولو استحق الدار لا یرجع الموصی لہ علی الورثۃ بشیٔ لانہ ظہر انہ اوصی بمال الغیر گھر خرید کیا اور اس کی وصیت کی ایک مرد کے واسطے سو اس گھر کو شفیع نے لیا موصی لہ کے ہاتھ سے تو ثمن لیا جاوے گا اور اگر گھر غیر شخص کا ثابت ہوا تو موصی لہ مشتری کے وارثوں سے کچھ نہ پاوے گا اس واسطے کہ استحقاق ملک غیر سے ظاہر ہوا کہ اس نے غیر کے مال کی وصیت کی تھی اور حالانکہ وہ جائز نہیں م جب گھر شفیع لے گا حق شفعہ کی علت سے تو موصی لہ اس قدر ثمن مشتری موصی کے ترکہ سے لے گا اور وارث مشتری کے شفیع سے ثمن پھر لیں گے کذا المنح۔

باب الوصی

وہو الموصی الیہ یہ باب ہے وصی کے احکام میں وصی وہ ہے جس کی طرف وصیت کی جائے عرب بولتے ہیں اوصی الی فلان یعنی

اس کو اپنے مال میں تصرف کرنے کے بعد موت کے وصیت کی اور اس کو مفوض الیہ اور وصی بھی بولتے ہیں اور وصایت بالکسر والفتح اسم ہے اس سے وصی کو لائق نہیں کہ وصایت قبول کرے اس واسطے کہ اس میں خطر ہے ابو یوسف سے روایت ہے اول بار وصی ہونا غلط ہے اور دوسری بار خیانت ہے اور تیسری بار چوری ہے حسن سے روایت ہے کہ وصی قادر نہیں عدل پر اگرچہ امیر المومنین عمر فاروقؓ ہوں ابو مطیع نے کہا کہ میں نے ۲۰ برس قضا کی اپنی مدت میں وہ شخص نہیں دیکھا جو اپنے بھتیجے کے مال میں عدل کرتا ہو کذا فی الطحطاوی عن القہستانی اوصی الی زید ای جعلہ وصیا وقبل عندہ صح فان رد عندہ ای بعلمہ یرتد زید کی طرف وصیت کی یعنی ایک شخص نے اس کو وصی کیا اور اس نے وصایت کو قبول کر لیا موصی کے نزدیک تو وصی ہونا صحیح ہو گیا پھر اگر رد کیا یعنی قبول نہ کیا انکار کیا وصی ہونے سے اس کے نزدیک یعنی موصی کی دانست میں تو وصایت پھر گئی ثابت نہ ہوئی م اس واسطے کہ وہ اس میں متبرع ہے اس پر قبول کرنا واجب نہیں چاہے اس پر دوام اختیار کرے چاہے رجوع کرے موصی کو اختیار نہیں کہ غیر پہ تصرف لازم کرے اور رجوع میں فریب دینا نہیں ہے کیونکہ موصی کو اختیار ہے کہ دوسرے شخص کو وصی ٹھہرا دے اور اگر بعد رد کے قبول کرے گا تو قبول صحیح نہ ہوگا ہاں اگر اس کے سامنے دوسری بار قبول کر لے گا تو صحیح ہے اس واسطے کہ بزازیہ میں ہے کہ کسی کو وصی کیا سو اس نے اس کے سامنے کہا کہ میں قبول نہیں کرتا تو یہ رد ہوا اور وصی نہ ٹھہرا پھر اگر موصی نے اس سے کہا کہ تم سے یہ توقع نہ تھی کہ تم قبول نہ کرو گے سو اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو وصی ہو گیا کذا فی الطحطاوی والا ای بصح الرد بغیبتہ لئلا یصیر مغرورا من جہتہ اور اگر موصی کے سامنے وصی نے رد نہ کیا تو اس کا رد کرنا اس کے پیچھے یعنی اس کی عدم دانست میں صحیح نہیں ہے تاکہ وہ فریب خوردہ نہ ہو وصی کی جہت سے ویصح اخراجہ عنہا ولو فی غیبتہ عند الامام خلافا للثانی بزازیہ اور صحیح ہے خارج کرنا وصی کا وصایت سے اگرچہ وصی کی غیبت میں اخراج واقع ہوا ہو امامؒ کے نزدیک برخلاف ابو یوسفؒ کے یعنی ان کے نزدیک اخراج بلا علم وصی صحیح نہیں فان سکت الموصی الیہ فمات موصیہ فلہ الرد والقبول پھر اگر موصی نے سکوت کیا پھر اس کا وصیت کرنے والا مر گیا تو وصی کو رد کرنا اور قبول کرنا جائز ہے م وصی تصرف الغیر میں متبرع ہے تو بدون قبول کرنے کے اس پر وصایت لازم نہیں مانند وکالت کے اور یہاں فریب دینا بھی نہیں ہے اس واسطے کہ موصی نے خود فریب کھایا اس لیے کہ اس نے حال دریافت نہ کر لیا کہ اس نے وصایت قبول کی یا نہیں ولزم ای عقد الوصیۃ ببیع شئی من الترکۃ وان جہل بہ ای بکونہ وصیا فان علم الوصی بالوصایۃ لیس بشرط فی صحۃ تصرفہ اور عقد وصیت لازم ہو جاتی ہے وصی کی کوئی چیز بیع کرنے سے موصی کے ترکہ سے اگرچہ وہ اپنی وصی ہونے کو نہ جانتا ہو اس واسطے کہ وصی کو وصایت کا علم شرط نہیں ہے اس کے تصرف کے صحیح ہونے میں بخلاف الوکیل فان علمہ بالوکالۃ شرط برخلاف وکیل کے اس واسطے کہ وکیل کو وکالت کا معلوم ہونا شرط ہے وکالت کی فان سکت ثم رد بعد موتہ ثم قبل صح الا اذا انفذ قاض ردہ فلا یصح قبولہ بعد ذلک پھر اگر وصی نے قبول وصایت سے سکوت کیا پھر رد کیا موصی کی موت کے بعد پھر وصایت کو قبول کیا تو درست ہے مگر جب کہ قاضی نے اس کے رد کرنے کو نافذ کر دیا تو اب اس کے بعد قبول کرنا وصایت کا صحیح نہیں ولو اوصی الی صبی وعبد غیرہ وکافر وفاسق بدل ای بدلہم القاضی بغیرہم اتماما للنظر ولفظ بدل یفید صحۃ الوصیۃ فلو تصرفوا قبل الاخراج جاز سراجیۃ اور اگر موصی نے وصی کیا صغیر کو اور غیر شخص کے غلام کو اور کافر اور فاسق کو تو بدل ڈالا جاوے یعنی قاضی ان کے سوائے اور شخص کو وصی مقرر کرے اتمام نظر کے واسطے اور تبدیل کرنے کا لفظ صحت وصیت پر دلالت کرتا ہے تو اگر صغیر اور غلام اور کافر اور فاسق کچھ تصرف کریں قبل اخراج کے تو تصرف جائز ہے کذا فی السراجیۃ فلو بلغ الصبی وعتق العبد واسلم الکافر او المرتد وتاب الفاسق مجتبی وفیہ تولیۃ الوقف لصبی صح استحسانا لم یخرجہم القاضی عنہا ای عن الوصایا لزوال الموجب للعزل الا ان یکون غیر امین اختیار سو اگر صغیر بالغ ہو گیا اور غلام آزاد ہو گیا اور کافر اور مرتد مسلمان ہو گیا اور فاسق نے توبہ کی کذا فی المجتبی تو قاضی ان کو وصایا سے خارج نہ کرے بسبب زائل ہو جانے اس مانع کے جو موجب تھا معزول کرنے کا مگر یہ کہ وصی خائن ہو امانت دار نہ ہو تو عزل درست ہے کذا فی

الاختیار اور مجتبیٰ میں ہے کہ ولایت وقف کی صغیر کو مفوض ہوئی تو استحسان کی راہ سے صحیح ہے والی عبدہ والحال ان ورثتہ صغار صح کایصائہ الی مکاتبہ او مکاتب غیرہ ثم ان ردّ فی الرق فکالعبد اور اگر وصی کیا اپنے غلام کو اور حالانکہ موصی کے وارث صغیر ہیں تو صحیح ہے جیسے اس کا وصی کرنا اپنے مکاتب کو یا غیر کے مکاتب کو تو درست ہے پھر اگر مکاتب عدم ادائے بدل کتابت سے مملوکیت کی طرف پھر گیا تو اس کا حکم غلام کے مانند ہے یعنی اگر وارث صغیر ہیں تو درست ہے اور نہیں تو درست نہیں والا لا وقالا لا یصح مطلقا درر اور اگر موصی کے وارث عاقل بالغ ہیں تو غلام کا وصی کرنا صحیح نہیں اور صاحبین نے کہا غلام کا وصی کرنا مطلقاً درست نہیں خواہ وارث صغیر ہوں خواہ بالغ کذا فی الدرر ومن عجز عن القیام بہا حقیقۃ لا بمجرد اخبارہ ضم القاضی الیہ غیرہ رعایۃ لحق الموصی والورثۃ اور جو موصی کہ عاجز ہوا وصایت کے قیام سے فی الحقیقت نہ فقط وصی کے اظہار سے تو قاضی اس کے ساتھ اور وصی کو ملا دے موصی اور وارثوں کے حق رعایت کرنے کے واسطے م وصی کا یوں ظاہر کرنا کہ مجھ سے وصایت نہیں ہو سکتی اس واسطے معتبر نہ ہوا کہ شکایت کرنے والا گاہے کاذب ہوتا ہے اپنی جان کے بچانے کے واسطے کذا فی المنح ولو ظہر للقاضی عجزہ اصلا استبدل غیرہ اور اگر قاضی کو وصی کی عاجزی اصلاً ظاہر ہو تو اور شخص کو بدل کے وصی مقرر کرے ولو عزلہ ای الوصی المختار القاضی مع اہلیتہ لہا نفذ عزلہ وان جار القاضی واثم اور قاضی نے میت کے پسندیدہ وصی کو معزول کیا باوجودیکہ وہ وصایت کی لیاقت رکھتا ہے تو اس کا معزول کرنا نافذ ہوگا اگرچہ قاضی نے ظلم کیا اور گناہ گار ہوا فی الاشباہ اختلفوا فی صحۃ عزلہ والاکثر علی الصحۃ کما فی شرح الوہبانیۃ لکن یجب الافتاء بعدم الصحۃ کما فی الفصولین واما عزل الخائن فواجب انتہی قلت وعبارۃ جامع الفصولین من الفصل السابع والعشرین الوصی من المیت لو عدلا کافیا لا ینبغی للقاضی ان یعزلہ فلو عزلہ قیل ینعزل اقول الصحیح عندی انہ لا ینعزل لان الموصی اشفق بنفسہ من القاضی فکیف ینعزل فینبغی ان یفتی بہ لفساد قضاۃ الزمان انتہی قال المصنف قال شیخنا فقد ترجح عدم صحۃ العزل للوصی فکیف بالوظائف بالاوقاف اشباہ میں ہے فقہا نے اختلاف کیا ہے وصی اہل کی صحت عزل میں اور اکثر فقیہ صحت عزل پر ہیں چنانچہ وہبانیہ میں ہے لیکن عدم صحت کا فتوی دینا واجب ہے چنانچہ فصولین میں ہے اور وصی خائن کا تو معزول کرنا واجب ہے انتہی مافی الاشباہ میں کہتا ہوں اور عبارت جامع الفصولین کی ستائیسویں فصل سے یہ ہے کہ میت کا وصی اگر متقی اور کافی ہو تو قاضی کو معزول کرنا لائق نہیں ہے سو اگر باوجود اس کے معزول کرے گا تو قول ضعیف یہ ہے کہ وہ معزول ہو جاوے گا میں کہتا ہوں میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ معزول نہ ہوگا اس واسطے کہ موصی اپنی ذات پر شفیق تر ہے قاضی سے یعنی اس نے بہتر سمجھ کر اس کو وصی مقرر کیا تو قاضی اس کو کیوں کر معزول کرے گا اور لائق یوں ہے کہ عدم عزل کا فتوی دیا جائے قضات زمانہ کے فساد اور بدنیتی کی وجہ سے انتہی مافی جامع الفصولین مصنف نے کہا ہمارے استاد صاحب بحر الرائق نے کہا سو البتہ عزل وصی کی عدم صحت راجح ہو گئی تو وظائف اوقاف کی معزولی کیونکر صحیح ہو گی م منجملہ وظائف کے تولیت ہے فتاوی خیر الدین میں بحر الرائق سے منقول ہے کہ قاضی اگر ناظر وقف کو معزول کرے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے خیانت ثابت ہو چنانچہ اسعاف اور جامع الفصولین میں ہے تو معلوم ہوا کہ غیر کو متولی کرنا بدون خیانت کے حرام ہے اور اگر کرے گا صحیح نہ ہوگا اور عدم صحت عزل ناظر سے معلوم ہوا کہ وقف کے صاحب وظیفہ کو بھی معزول کرنا صحیح نہیں چنانچہ بزازیہ سے اس کو ثابت کیا ہے کذا فی الطحطاوی وبطل فعل احد الوصیین کالمتولیین فانہما فی الحکم کالوصیین اشباہ وقف القنیۃ اور دو وصیوں میں سے ایک وصی کا فعل باطل ہے جیسے دو متولیوں وقف سے ایک متولی کا فعل باطل ہے اس واسطے دو متولی دو وصی کے مانند ہیں حکم میں کذا فی الاشباہ و وقف القنیۃ ومفادہ انہ لو آجر احدہما ارض الوقف لم یجز بلا رای الآخر وقد صارت واقعۃ الفتوی اور قول سابق سے یہ مستفاد ہوا کہ اگر ایک متولی وقف کی زمین اجارہ دے تو جائز نہیں دوسرے متولی کے بدون رائے کے اور البتہ یہ صورت فتوی کی طلب ہوئی تھی م یہ صورت اسعاف میں مصرح مذکور ہے کہ انفراد احد الناظرین بالاجارہ جائز نہیں اور اگر ایک ناظر دوسرے کو وکیل کر دے تو جائز ہے مفتی ابوسعود نے اس کو نقل کیا ہے کذا

فی الطحطاوی ولو وصلیۃ کان ایصاؤہ لکل منہما علی الانفراد وقیل ینفرد قال ابو اللیث وہو الاصح وبہ ناخذ ایک وصی کا فعل بدون دوسرے وصی کے باطل ہے اگرچہ میت کا وصی کرنا ہر وصی کو جدا جدا واقع ہوا ہو اور بعضوں نے کہا ہر وصی اپنے فعل میں منفرد اور مستقل ہے ابو اللیث نے کہا اور وہ یعنی ہر وصی کا انفراد اور استقلال صحیح تر ہے اور اسی قول کو ہم لیتے ہیں لکن الاول صححہ فی المبسوط وجزم بہ فی الدرر وفی القہستانی انہ اقرب الی الصواب لیکن اول یعنی بطلان فعل احد الوصیین کو صحیح کہا ہے مبسوط میں اور اسی پر یقین کیا ہے درر میں اور قہستانی میں ہے کہ یہی بطلان کا قول قریب تر ہے صواب کی طرف م بیان دونوں قولوں پر فتوی اور قضا درست ہے چنانچہ رسم مفتی میں مذکور ہے کذا فی الطحطاوی قلت وہذا اذا کانا وصیین او متولیین من جہۃ المیت او الواقف او قاض واحد اما لو کان من جہۃ قاضیین من بلدتین فینفرد واحد منہما بالتصرف لان کلا من القاضیین لو تصرف جاز تصرفہ فکذا نائبہ ولو اراد کل من القاضیین عزل منصوب القاضی الآخر جاز ان رای فیہ المصلحۃ والا لا وتمامہ فی وکالۃ تنویر البصائر معزیا للملتقطات وغیرہا فلیحفظ میں کہتا ہوں اور یہ یعنی بطلان فعل احد الوصیین اس وقت ہے جب کہ دونوں وصی یا دونوں متولی میت یا واقف یا ایک قاضی کی طرف سے ہوں اور اگر دونوں وصی یا متولی دو شہروں کے دو قاضیوں کی طرف سے ہوں تو ایک وصی یا ایک متولی تصرف کرنے میں مستقل ہوگا اس واسطے کہ ہر قاضی اگر تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہے تو اسی طرح اس کے نائب کا تصرف جائز ہے اور اگر دونوں قاضیوں میں سے ہر قاضی دوسرے قاضی کے منسوب کو معزول کرنا چاہے تو درست ہے اگر اس میں مصلحت دیکھے اور اگر مصلحت نہ دیکھے تو معزول کرنا جائز نہیں اور اس کا پورا بیان تنویر البصائر کی کتاب الوکالۃ میں ملتقطات وغیرہا سے منقول ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے وفی وصایا السراج لو لم یعلم القاضی ان للمیت وصیا فنصب لہ وصیا ثم حضر الوصی فاراد الدخول فی الوصیۃ فلہ ذلک ونصب القاضی الآخر لا یخرج الاول اور سراج وہاج کی کتاب الوصایا میں ہے کہ اگر قاضی نہ جانتا ہو کہ میت کا وصی ہے سو قاضی نے میت کے واسطے کوئی وصی قائم کیا پھر میت کا وصی آیا سو اس نے وصیت میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو اس کو یہ درست ہے اور قاضی کے دوسرے وصی قائم کرنے سے پہلا وصی خارج نہ ہوگا الا بشراء کفنہ وتجہیزہ والخصومۃ فی حقوقہ وشراء حاجۃ الطفل والاتہاب لہ واعتاق عبد معین ورد ودیعۃ وتنفیذ وصیۃ معینتین دو وصیوں میں سے ایک وصی کا فعل باطل ہے مگر موصی کے کفن کی خرید میں اور اس کی تجہیز میں اور اس کے حقوق کی خصومت کرنے میں اور حاجات طفل کی خرید میں اور طفل کے واسطے ہبہ قبول کرنے میں اور غلام معین کے آزاد کرنے میں اور ودیعت معینہ کے پھیر دینے میں اور وصیت معینہ کے جاری کرنے میں ایک وصی کا فعل بھی نافذ ہے باطل نہیں زاد فی شرح الوہبانیۃ عشرۃ اخری منہا رد مغصوب ومشتری شراء فاسد وقسمۃ کیلی او وزنی وطلب دین وقضاء دین بجنسہ حققہ شرح وہبانیہ میں امور عشرہ سوائے اس کے جو متن میں مذکور ہیں زیادہ ذکر کیے ہیں ازانجملہ مغصوب کا پھیر دینا اور شراء فاسد کی خریدی چیز کا پھیر دینا اور کیلی یا وزنی چیز کا قسمت کر دینا اور دین موصی کو طلب کرنا اور دین کا ادا کرنا اس کے حق کے ہم جنس سے م امور عشرہ سے تین امر کو شارح نے ذکر نہ کیا ازانجملہ عیب کی وجہ سے ثمن مبیع کا پھیر دینا اور اجارہ نفس یتیم اور میت کی طرف سے خیرات کی نیت کو جاری کرنا معین فقیر یا مسکین کے واسطے وبیع ما یخاف تلفہ وجمع اموال ضائعۃ اور اس چیز کے بیچنے میں جس کے تلف ہو جانے کا ڈر ہے اور اموال ضائعہ کے جمع کرنے میں احد الوصیین کا فعل باطل نہیں وقال ابو یوسفؒ ینفرد کل بالتصرف فی جمیع الامور ولو نص علی الانفراد او الاجتماع اتبع اتفاقا شرح وہبانیۃ اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ ہر وصی منفرد ہے تصرف کرنے میں جمیع امور میں اور اگر موصی نے انفراد یا اجتماع پر تصریح کر دی ہو تو ان کی تصریح کی پیروی کرنا لازم ہوگا باتفاق امامؒ اور امام ابو یوسف کے کذا فی شرح الوہبانیۃ وان مات احدہما فان اوصی الی الحی او الی آخر فلہ التصرف فی الترکۃ وحدہ ولا یحتاج الی نصب القاضی وصیا اور اگر ایک وصی مر گیا سو اگر وصی میت نے وصی زندہ کو وصی کیا یا دوسرے شخص کو وصی کیا تو فقط اسی کو ترکہ میں تصرف کرنا جائز ہے اور اس کی حاجت نہیں کہ قاضی دوسرا وصی مقرر کرے م حلبی نے کہا وصی زندہ کا تنہا

تصرف کرنا ترکہ میں اس وقت جائز ہوگا جب کہ وصی مردہ نے اس کو وصی کر دیا ہو اور اگر اور شخص کو وصی کیا ہوگا تو دونوں کا مجتمع ہونا واجب ہوگا کذا فی الطحطاوی والا یوصی ضم القاضی الیہ غیرہ درر اور اگر وصی مردہ نے وصیت نہ کی کسی کو تو وصی زندہ کے ساتھ قاضی دوسرا وصی ملا دے کذا فی الدرر اس واسطے کہ میت کا قصد یہ تھا کہ اس کے ترکہ میں دو شخصوں کی رائے سے انتظام ہو تاکہ خلل واقع نہ ہو سو یہ امر قاضی کے نصب وصی سے ممکن ہے کذا فی الزیلعی وفی الاشباہ مات احدہما اقام القاضی الآخر مقامہ او ضم الیہ آخر اور اشباہ میں ہے کہ ایک وصی مر گیا تو قاضی دوسرے شخص کو اس کے مقام پر قائم کر دے یا اس کے ساتھ دوسرا ملا دے ولا تبطل الوصیۃ الا اذا اوصی لہما ان یتصدقا بثلثہ حیث شاءا انتہی وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ اور وصیت باطل نہیں ہو جاتی مگر جب کہ موصی نے یوں وصیت کی دونوں وصیوں سے کہ اس کے ثلث مال کو دونوں خیرات کریں جہاں دونوں چاہیں انتہی ما فی الاشباہ اور اس کا پورا بیان شرح وہبانیہ میں ہے م شرح وہبانیہ میں ہے کہ اگر وصیت مذکورہ میں ایک وصی نے کہا کہ فلانے شخص کو میں دوں گا اور دوسرے نے کہا دوسرے محتاج کو دوں گا تو کسی کو دینا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ ایک موضع میں دونوں کا اتفاق نہ ہوا اور اگر وصی مر گیا قبل خیرات کرنے کے تو وصیت باطل ہو گئی کذا فی الطحطاوی ملخصاً وہل فیہ خلاف ابی یوسف قولان اور کیا اس میں ابو یوسف کا خلاف ہے اس میں دو قول ہیں یعنی بعضوں نے کہا خلاف ہے اور بعضوں نے کہا خلاف نہیں وعن الثانی ان المشرف ینفرد دون الوصی کما قررتہ فیما علقتہ علی الملتقی ویأتی اور ابو یوسف یا امام سے ایک روایت یہ ہے کہ مشرف منفرد اور مستقل ہے تصرف میں نہ وصی چنانچہ ہم نے اس کو ثابت کیا ہے ملتقی کی شرح میں اور اس کا ذکر آگے آوے گا م شارح کی شرح ملتقی میں مجتبی سے منقول ہے کہ موصی نے وصی کا ایک مشرف مقرر کیا تو وصی تصرف نہ کرے گا بدون مشرف کے اور دوسرا قول ضعیف یہ ہے کہ مشرف کو تصرف جائز ہے انتہی اس عبارت سے تصرف میں تفرد مشرف کا ثابت نہیں ہوتا تو شارح کا کلام کما ینبغی نہیں ہے فتاوی عالمگیری میں خزانۃ المفتین سے منقول ہے کہ ایک مرد نے دوسرے کو وصی کیا اور ایک شخص کو اس پر مشرف کیا تو وصی مال رکھنے میں اولی ہے اور مشرف وصی نہیں ہو جاتا اور مشرف ہونے کا اثر یہ ہے کہ وصی کا تصرف بلا علم مشرف کے جائز نہیں اس عبارت سے بھی تفرد مشرف کا نہیں نکلتا کذا فی الطحطاوی مختصراً ووصی الوصی سواء اوصی الیہ فی مالہ او فی مال موصیہ وقایۃ وصی فی الترکتین خلافاً للشافعی وصی کا وصی دونوں ترکوں میں وصی ہے برخلاف شافعی کے خواہ وصی نے اس کو اپنے مال میں وصی کیا ہو یا اپنے موصی کے مال میں وصی کیا ہو بہر صورت دونوں ترکوں میں وہ وصی ہے کذا فی الوقایہ وتصح قسمتہ ای الوصی حال کونہ نائبا عن ورثۃ کبار غیب او صغار مع الموصی لہ بالثلث اور صحیح ہے تقسیم وصی کی بالغ غائب وارثوں کا نائب ہو کر یا صغیر وارثوں کا نائب ہو کر موصی لہ کے ساتھ یعنی جس کے واسطے تہائی مال کی وصیت ہوئی یعنی اگر وارث موجود نہ ہوں تو وصی کو جائز ہے کہ موصی لہ کو میت کے ترکہ سے تہائی مال بانٹ دے ولا رجوع للورثۃ علیہ ای للموصی لہ ان ضاع قسطہم معہ ای الوصی لصحۃ قسمتہ حینئذ اور وارثوں کو موصی لہ پر رجوع کرنا جائز نہیں اگر وارثوں کا حصہ تلف ہو گیا ہو وصی کے پاس بسبب صحیح ہو جانے قسمت کے اس وقت میں واما قسمتہ عن الموصی لہ الغائب والحاضر بلا اذنہ معہم ای الورثۃ ولو صغارا زیلعی فلا تصح اور وصی کا قسمت کرنا موصی لہ کی جانب سے نائب ہو کر خواہ موصی لہ غائب ہو یا حاضر ہو بدون اس کے وارثوں کے ساتھ تو وہ قسمت صحیح نہیں اگرچہ وارث صغیر ہوں کذا فی الزیلعی وحینئذ فیرجع الموصی لہ بثلث ما بقی من المال اذا ضاع قسطہ لانہ کالشریک معہ ای مع الموصی فلا یضمن الوصی لانہ امین اور اس وقت میں یعنی جب کہ قسمت مذکورہ صحیح نہ ہوئی تو باقی مال کی تہائی موصی لہ پھر لے جب کہ موصی کا حصہ ضائع ہو گیا ہو وصی کے پاس اس واسطے کہ موصی لہ شریک کے مانند ہے تو وصی سے تاوان نہ لے گا اس واسطے کہ وہ امین ہے اور اگر وارثوں کے پاس مال ضائع ہو گیا تو جس قدر انہوں نے مال پایا تھا اس کی تہائی چاہے وارثوں سے لے چاہے وصی سے یہ اس وقت ہے جب کہ قسمت بدون حکم قاضی کے ہوئی ہو اور اگر بحکم قاضی قسمت ہوئی تو صحیح ہے تو اب رجوع نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی وصح قسمۃ القاضی واخذہ

قسط الموصی لہ ان غاب الموصی لہ فلا شئ لہ ان ہلک فی ید القاضی او امینہ اور قاضی کی قسمت اور اس کو موصی لہ کا حصہ لے رکھنا صحیح ہے اور اگر موصی لہ غائب ہو تو موصی لہ کے واسطے کچھ نہیں اگر اس کا حصہ قاضی کے ہاتھ میں یا اس کے امین کے ہاتھ میں تلف ہو گیا ہو م وصی اور قاضی میں وجہ فرق یہ ہے کہ قاضی کو غائب پر ولایت ثابت ہے امور نافعہ میں ولہذا جس کے تلف ہونے کا خوف ہو اس کی بیع کا قاضی کو اختیار ہے برخلاف وصی کی وہذا فی المکیل او الموزون لانہ افراز وفی غیرہما لا یجوز لانہ مبادلۃ کالبیع وبیع مال الغیر لا یجوز فکذا القسمۃ اور یہ یعنی صحت قسمت قاضی کیلی اور وزنی چیزوں میں ہے اس واسطے کہ قسمت کیلی اور وزنی میں عبارت ہے افراز اور جدا کر دینے سے اور کیلی اور وزنی کے سوائے اور مال میں قاضی کی بھی قسمت صحیح نہیں اس لیئے کہ وہ تو یہاں عبارت ہے مبادلہ سے بیع کے مانند اور غیر کے مال کی بیع جائز نہیں تو اسی طرح قسمت بھی جائز نہیں وان قاسمہم الوصی فی الوصیۃ بحج حج عن المیت بثلث ما بقی ان ہلک المال فی یدہ او فی ید من دفع الیہ لیحج خلافا لہما وقد تقرر فی المناسک اور اگر وارثوں کو قسمت کر دی حج کی وصیت میں تو میت کی طرف سے حج کیا جائے باقی مال کی تہائی سے اگر حج کرنے کا مال تلف ہو گیا ہو وصی کے ہاتھ یا اس کے ہاتھ سے جس کو وصی نے مال دیا تھا حج کرنے کو برخلاف صاحبین کے اور البتہ یہ مسئلہ ثابت ہے مناسک حج کی کتابوں میں ولو افرز المیت شیئا من مالہ للحج فضاع بعد موتہ لا یحج عنہ بثلث باقی لانہ عینہ فاذا ہلک بطلت اور اگر میت نے حج کے واسطے اپنا کچھ مال جدا کر دیا پھر وہ ضائع ہو گیا اس کے مر جانے کے بعد تو میت کی طرف سے حج نہ کیا جاوے گا باقی مال کی تہائی سے اس لیئے کہ اس نے تو حج کے واسطے مال کو معین کر دیا تھا پھر جب وہ تلف ہو گیا تو وصیت باطل ہو گئی وصح بیع الوصی عبدا من الترکۃ بغیبۃ الغرماء لتعلق حقہم بالمالیۃ اور صحیح ہے بیچنا وصی کا غلام کو ترکہ سے دین والوں کی غیبت میں دین والوں کے واسطے اس لیے کہ ان کا حق مالیت سے متعلق ہے نہ عین متروکات و ضمن وصی باع ما اوصی ببیعہ وتصدق بثمنہ فاستحق العبد بعد ہلاک ثمنہ ای ضیاعہ عندہ لانہ العاقد فالعہدۃ علیہ اور ضمان دے گا وہ وصی جس نے بیچا اس غلام کو جس کے بیچنے کی اس کو وصیت ہوئی تھی اور وصی نے اس کا ثمن موصی کی طرف سے تصدق کر دیا پھر وہ غلام اور شخص کا مملوک ٹھہرا ثمن خرچ ہو جانے کے بعد وصی کے پاس ضمان کی وجہ یہ ہے کہ وصی ہی تو عاقد ہے بیع کا تو عہدہ عقد کا اس کے ذمہ پہ ہو گا ورجع الوصی فی الترکۃ کلہا وقال محمد فی الثلث لانہ مغرور فکان دینا حتی لو ہلکت الترکۃ او لم تف لا یرجع وفی المنتقی انہ یرجع علی من تصدق علیہم لان غنمہ لہم فغرمہ علیہم اور وصی رجوع کرے تمام ترکہ میں یعنی جس قدر تاوان دیا وہ تمام متروکہ سے بھر لے اور محمد نے کہا کہ ثلث متروکہ سے بھر لے ہم جواب دیتے ہیں امام کی طرف سے کہ وصی نے فریب کھایا میت کے سبب سے تو تاوان دین ٹھہرا میت پر یعنی اور دین کل متروکہ سے متعلق ہوتا ہے نہ ثلث سے۔ تو اگر متروکہ تلف ہو گیا یا کفایت نہیں کرتا تو اب رجوع نہ ہو گا۔ در منتقی میں یوں مذکور ہے کہ وصی تاوان بھر لے ان فقیروں سے جن پر ثمن کو اس نے خیرات دیا اس لیے کہ فائدہ تصدق کا ان کے واسطے ہے تو اس کا نقصان بھی انہیں پر پڑے گا کما یرجع فی مال الطفل وصی باع ما اصابہ ای الطفل من الترکۃ وہلک ثمنہ معہ فاستحق المال المبیع والطفل یرجع علی الورثۃ بحصتہ لانتقاض القسمۃ باستحقاق ما اصابہ جیسے کہ رجوع کرتا ہے صغیر کے مال میں وہ وصی جس نے بیچا وہ مال جو صغیر کو ترکہ میت سے پہنچا اور اس کا ثمن تلف ہو گیا وصی کے پاس پھر مال مبیع غیر کا مستحق نکلا اور صغیر بقدر اپنے حصہ کے باقی وارثوں سے بھر لے گا اس لیئے کہ قسمت ٹوٹ گئی اس مال کے استحقاق سے جو صغیر کو پہنچا تھا وصح احتیالہ بمال الیتیم لو خیرا بان یکون الثانی املأ ولو مثلہ لم یجز بزازیۃ اور وصی کو حوالہ قبول کرنا مال یتیم کا صحیح ہے اگر یتیم کے حق میں بہتر ہو اس طرح کہ دوسرا محتال علیہ زیادہ تر مالدار ہو پہلے مدیون سے اور اگر دوسرا پہلے کے مانند ہو مقدور میں تو حوالہ قبول کرنا جائز نہیں کذا فی المنیۃ وصح بیعہ وشراؤہ من اجنبی بما یتغابن الناس لا بما لا یتغابن وہو الفاحش لان ولایتہ نظریۃ فلو باع بہ کان فاسدا حتی یملکہ المشتری بالقبض قہستانی اور صحیح ہے بیع اور خرید وصی کی اجنبی سے بقدر تغابن مردم نہ بقدر عدم تغابن اور وہ عبارت ہے غبن فاحش

سے یعنی اگر وصی سے غبن فاحش ہوا تو وہ بیع صحیح نہیں اس لیے کہ وصی کی ولایت نظری ہے یعنی جس میں یتیم کے واسطے منفعت ہو تو اگر وصی نے غبن فاحش سے بیع کی تو بیع فاسد ہوگی تو مشتری مبیع کا مالک ہوگا قبضہ کرنے سے کذا فی القہستانی وہذا اذا تبایع الوصی للصغیر مع الاجنبی وان باع الوصی او اشتری مال الیتیم من نفسه فان کان وصی القاضی لا یجوز ذلک مطلقا لانه وکیله اور یہ یعنی صحت بیع بشرط عدم غبن فاحش اس وقت ہے جب کہ وصی نے خرید فروخت کی ہو صغیر کے واسطے غیر شخص کے ساتھ اور اگر وصی نے مال یتیم کی خرید فروخت کی اپنی ذات سے تو اگر وہ قاضی کی طرف سے وصی ہے تو یہ جائز نہیں مطلقاً خواہ غبن ہو یا نہ ہو اس واسطے کہ وصی وکیل ہے قاضی کا یعنی اور فعل وکیل کا بمنزلہ موکل کے فعل کے ہے اور موکل کا فعل حکم کرنا ہے سو حکم کرنا اپنی ذات کے واسطے درست نہیں کذا فی الطحطاوی وان کان وصی الاب جاز بشرط منفعة ظاہرة للصغیر وہو قدر النصف زیادة او نقصا اور اگر وصی باپ کی طرف سے ہو تو بیع وصی کی اپنی ذات سے جائز ہے بشرطیکہ صغیر کے واسطے ظاہر منفعت ہو اور وہ یہ ہے کہ بقدر نصف کے ہو زیادتی یا کمی میں م زیلعی میں منفعت ظاہرہ کی تفسیر یوں مذکور ہے کہ اپنا پندرہ درم کا مال صغیر سے دس درم کو بیع کرے یا دس درم کا مال صغیر کا پندرہ درم کو آپ خرید کرے وقالا لا یجوز مطلقا اور صاحبین نے کہا کہ باپ کے وصی کی بھی بیع جائز نہیں مطلقاً خواہ منفعت ظاہر ہو یا نہ ہو وبیع الاب مال صغیر من نفسه جائز بمثل القیمة وبما یتغابن فیه وہو الیسیر والا لا اور مال صغیر کو باپ کا بیع کرنا اپنی ذات سے جائز ہے قیمت کے برابر اور جس قدر میں کہ غبن واقع ہوتا ہے یعنی غبن قلیل اور اگر یہ نہیں تو جائز نہیں وہذا کله فی المنقول اما فی العقار فسیجیء اور یہ سب تفصیل مسائل مذکورہ کی مال منقول میں ہے اور غیر منقول چنانچہ اراضی اور مکانات کی خرید و فروخت کے احکام آگے مذکور ہوں گے ولو زاد الوصی علی کفن مثله فی العدد ضمن الزیادة اور اگر وصی نے مثل میت کے کفن پر زیادتی کی شمار میں تو وصی تاوان دے گا بقدر زیادت کے م مثلاً میت کے ہمسروں کا کفن تین کپڑوں کا ہوتا تھا سو وصی نے چار کپڑے خرید کیے تو ایک کپڑے کی قیمت کا وصی پر تاوان دینا لازم ہوگا وفی القیمة وقع الشراء له وحینئذ ضمن ما دفعه من مال الیتیم ولوالجیة اور اگر وصی نے کفن کی قیمت پر زیادتی کی تو یہ خرید وصی کے واسطے واقع ہوگی تو اس وقت میں وصی تاوان دے گا اس کا جو اس نے ثمن دیا ہے یتیم کے مال سے کذا فی الولوالجیة وفیہا لو دفع المال الی الیتیم قبل ظہور رشده بعد الادراک فضاع ضمن لانه دفعه الی من لیس له ان یدفع الیه اور ولوالجیہ میں ہے کہ اگر وصی نے یتیم کو مال دیا اس کی ہوشیاری ظاہر ہونے سے پہلے بعد اس کے بالغ ہونے کے پھر وہ مال ضائع ہو گیا تو وصی تاوان دے گا اس واسطے کہ اس نے اس کو دیا جس کا دینا اس کو جائز نہ تھا م یہ صاحبین کا قول ہے تعلیل کی دلیل سے اور امام کے نزدیک وصی پر ضمان نہیں اگر یتیم کو پندرہ برس کے بعد دیا اس واسطے کہ سبب یتیم پندرہ برس کا ہوا تو وصی کو دینے کا اختیار ہے غیر مفسد میں کذا فی الطحطاوی وجاز بیعه ای الوصی علی الکبیر الغائب فی غیر العقار الا لدین او خوف ہلاک کذا ذکره عزمی زاده معزیا للخانیة قلت وفی الزیلعی والقہستانی الاصح لا لانه نادر اور وصی کو بیچنا وارث بالغ غائب پر جائز ہے مال منقولہ میں مگر ادائے دین کے واسطے غیر منقول کی بیع بھی جائز ہے یا اس کے تلف ہونے کے خوف سے ایسا ذکر کیا ہے عزمی زادہ نے خانیہ کی طرف نسبت کر کے میں کہتا ہوں اور زیلعی اور قہستانی میں مذکور ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ غیر منقول کی بیع جائز نہیں اس واسطے کہ اس کا تلف ہو جانا کم تر ہے م اگر میت پر دین مستغرق ہے تو وصی کو بیع کا بالاجماع اختیار رہے لو اگر دین مذکور میت کے سب ترکہ کو محیط نہیں تو صاحبین کے نزدیک جس قدر دین ہو اس قدر کی بیع جائز ہے اور امام کے نزدیک کل کی بیع جائز ہے کذا فی الطحطاوی عن الحموی وجاز بیعه عقار صغیر من اجنبی لا من نفسه بضعف قیمته او لنفقة الصغیر او دین المیت او وصیة مرسلة لا نفاذ لها الا منه او لکون غلاته لا تزید علی مؤنته او خوف خرابه او نقصانه او کونه فی ید متغلب درر واشباہ ملخصا اور صغیر کی عقار یعنی مال غیر منقول کی بیع وصی کو جائز ہے غیر شخص سے نہ اپنی ذات سے اس کی دونی قیمت پر یا صغیر کے خرچ کے واسطے یا دین میت

کے ادا کرنے کے واسطے یا وصیت مرسلہ کے جاری ہونے کے لئے جس کا نفاذ اور جاری ہونا کسی سے منحصر نہیں سوائے عقار کے یا اس واسطے کہ عقار کی حاصلات زیادہ نہیں ہوتی اس کے مصارف سے یا اس کے ویران ہونے یا ناقص ہو جانے کے خوف سے یا اس وجہ سے کہ عقار ظالم سرکش کے ہاتھ میں ہے کذا فی الدرر والاشباہ ملخصاً اھ وصیت مرسلہ سے مراد وصیت مطلقہ ہے اس طرح پر کہ موصی نے کہا کہ میرا تہائی مال یا چوتھائی مال وصیت ہے تو اب عقار کی بیع جائز ہے کذا فی الدرر قلت وہذا لو البائع ابا او وصیا لا من قبل ام او اخ فانہما لا یملکان بیع العقار مطلقاً میں کہتا ہوں اور یہ یعنی جواز بیع عقار صغیر بشرائط ثمانیہ مذکورہ میں اس شرط سے ہے کہ بائع ماں یا بھائی کی طرف سے وصی نہ ہو اس واسطے کہ ماں اور بھائی کا وصی عقار صغیر کی بیع کا مالک نہیں بہر طرح یعنی نہ اشیاء مستثنے میں نہ ان کے غیر میں ولا شراء غیر طعام وکسوۃ اور ماں اور بھائی کا وصی کسی چیز کے خرید کا مالک نہیں سوائے طعام اور لباس صغیر کے ولو البائع ابا فان محمودا عند الناس او مستور الحال یجوز ابن کمال اور اگر عقار صغیر کا بائع صغیر کا باپ ہو سو اگر وہ لوگوں کے نزدیک سراہا اور پسندیدہ ہو یا اس کی خوبی اور بدی کچھ ظاہر نہ ہو تو بیع جائز ہے کذا صرح بہ ابن کمال ولا یتجر الوصی فی مالہ ای الیتیم لنفسہ فان فعل تصدق بالربح اھ اور وصی سوداگری نہ کرے یتیم کے مال میں اپنی ذات کے فائدے کے واسطے سو اگر اس نے اپنے واسطے اس مال میں تجارت کی تو منفعت کو خیرات کر دے وجاز لو اتجر من مال الیتیم للیتیم وتمامہ فی الدرر اور سوداگری جائز ہے اگر وصی تجارت کرے یتیم کے مال میں یتیم کے واسطے اور اس کا پورا بیان درر میں ہے ھم درر میں خانیہ سے مذکور ہے کہ وصی کو یتیم کے مال اور میت کے مال میں تجارت کرنا اپنے واسطے جائز نہیں اور اگر تجارت کی اور نفع ہوا تو راس المال کا ضمان دے اور نفع خیرات کرے طرفین کے نزدیک اور ابو یوسفؒ کے نزدیک نفع وصی کو حلال ہے خیرات نہ کرے انتہی قلت وفی الاشباہ لا یملک الوصی بیع شیء باقل من ثمن المثل الا فی مسئلۃ الوصیۃ ببیع عبدہ من فلان میں کہتا ہوں اور اشباہ میں ہے کہ وصی کسی چیز کی بیع کا مالک نہیں ثمن مثل سے کم تر میں مگر ایک مسئلہ وصیت میں اقل ثمن مثل سے بیع جائز ہے یعنی جب کہ موصی نے اپنے غلام کی بیع کی وصیت کی فلانے شخص سے ھم اور فلانا شخص ثمن مثل کی بیع پر راضی نہ ہوا تو اب وصی کو ثمن سے کم کرنا درست ہے لیکن ثلث قیمت سے نہ کرنا تو بھی درست نہیں کذا فی الطحطاوی وفیہا فی الکلام فی اجر المثل للمتولی اجر مثل عملہ فلو لم یعمل لا اجر لہ واما وصی المیت فلا اجر لہ علی الصحیح وہذا اذا عین القاضی للمتولی اجرا فان لم یعین وسعی فیہ سنۃ فلا شیء لہ وعزاہ للقنیۃ ثم ذکر ما یخالفہ فافہم وقد مر فی الوقف واما وصی القاضی فان نصبہ باجر مثلہ جاز انتہی اور اشباہ میں ہے اجرت مثل کے بیان میں کہ متولی کو اس کے عمل کے برابر اجرت جائز ہے سو اگر اس نے عمل نہ کیا تو اس کو اجرت نہیں ہے اور میت کے وصی کو بنا بر قول صحیح کے اجرت نہیں ہے اور یہ یعنی متولی کے واسطے اجرت مثل کا ثبوت اس وقت ہے جب کہ قاضی متولی کے لئے اجرت معین کر دے تو اگر اس نے اجرت معین نہ کی اور متولی نے ایک سال میں کوشش کی تو اس کے واسطے کچھ اجرت نہیں اور صاحب اشباہ نے اس قول کو قنیہ کی طرف نسبت کیا پھر صاحب قنیہ نے وہ قول ذکر کیا جو اس کے مخالف ہے یعنی یوں کہا کہ متولی مستحق اجرت ہے اگرچہ قاضی نے اجرت نہ مقرر کی ہو سو اس کو سمجھ لے اور البتہ یہ مسئلہ کتاب الوقف میں گذر گیا اور قاضی کے وصی کا یہ حکم ہے کہ اگر قاضی نے اس کو اجرت مثل پر مقرر کیا تو جائز ہے انتہی ما فی الاشباہ وفی القہستانی معزیا للذخیرۃ ولو کانوا صغاراً وکباراً باع حصۃ الصغار کما مر وکذا الکبار علی ما مر من التفصیل اور قہستانی میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ اگر وارث چھوٹے اور بڑے ہوں تو وصی چھوٹوں کے حصوں کو بیچ ڈالے چنانچہ صغیر کے مسائل مستثناۃ میں مذکور ہو چکا اور اسی طرح بالغ وارثوں کے حصے کو بیچ کرے بنا بر تفصیل گذشتہ کے ھم تفصیل مذکور یہ ہے کہ ادائے دین اور خوف ہلاکت میں بیع جائز ہے نہ اس کے سوائے میں کذا فی الطحطاوی ونقل عن العمادیۃ ان فی بیعہ للعقار وفائہ اختلاف المشائخ وجوزہ صاحب الہدایۃ لان فیہ استیفاء ملکہ مع دفع الحاجۃ وان لغیر الوصی التصرف لخوف متغلب وعلیہ الفتوی وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی اور قہستانی نے عمادیہ[لہ] سے نقل کیا ہے

[لہ] یہ مترجم اول سے تسامح ہوا حق عبارت یہ تھا کہ ترجمہ یوں ہوتا اور عمادیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے ۔۱۲ ۔

کہ وصی کو عقار بیچنے میں بطریق بیع ادفا کے مشائخ کا اختلاف ہے اور صاحب ہدایہ نے اس کو جائز کہا ہے اس واسطے کہ اس میں ملک صغیر کا باقی رکھنا ہے باوجود دفع حاجت کے اور اس واسطے کہ غیر وصی کو تصرف کرنا ظالم سرکش کے خوف سے جائز ہے اور اسی قول پر فتوی ہے اور اس کا پورا بیان ہمارے ملتقے کی شرح میں مذکور ہے **ولا یجوز اقرارہ بدین علی المیت** اور وصی کا اقرار جائز نہیں میت پر دین کا اس واسطے کہ اقرار مقر کے غیر پر حجت نہیں تو مقر لہ کو اس کا لینا بدون گواہی کے درست نہیں اور اگر وصی دے گا تو اس پر ضمان لازم ہوگا کذا فی الطحطاوی **ولا بشیئ من ترکتہ انہ لفلان الا ان یکون المقر وارثا فیصح فی حصتہ** اور نہ وصی کا اقرار کرنا کسی چیز کا میت کے ترکہ سے جائز اس طرح کہ یہ چیز فلانے شخص کی ہے مگر یہ کہ اقرار کرنے والا وارث ہو میت کا تو اقرار صحیح ہوگا فقط مقر کے حصہ میں نہ باقی ورثہ کے حصوں میں **ولو اقر الوصی بعین لآخر ثم ادعی انہ للصغیر لایسمع** اگر وصی نے کسی چیز معین کا اقرار دوسرے شخص کے واسطے کیا پھر دعوی کیا کہ وہی چیز صغیر کی ہے تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا کذا فی الدرر یعنی تناقض کی وجہ سے **ووصی ابی الطفل احق بمالہ من جدہ وان لم یکن وصیہ فالجد کما تقرر فی الحجر** اور صغیر کے باپ کا وصی زیادہ تر حقدار ہے صغیر کے مال میں تصرف کرنے کا صغیر کے دادا سے اور اگر اس کا وصی نہ ہو تو دادا احق ہے چنانچہ کتاب الحجر میں ثابت ہو چکا ہے **وفی المنیۃ لیس للجد بیع العقار والعروض لقضاء الدین وتنفیذ الوصایا بخلاف الوصی فان لہ ذلک** اور منیہ میں ہے کہ دادا کو عقار کی اور اسباب کی بیع ادائے دین کے واسطے اور وصیتوں کے جاری کرنے کے واسطے جائز نہیں برخلاف وصی کے کہ اس کو یہ درست ہے۔

فصل فی شہادۃ الاوصیاء

یہ فصل ہے وصیوں کی گواہی کے مسائل میں م اس فصل میں شہادت اوصیاء کے سوا اور مسائل بھی بہت مذکور ہیں تو کہنا بہتر تھا فصل فی شہادۃ الاوصیاء وغیر ذلک **وبطلت شہادۃ الوصیین لوارث صغیر بمال مطلقا او کبیر بمال المیت** اور باطل ہے گواہی دو وصیوں کی وارث صغیر کے مال کی ہر طرح خواہ صغیر کو میراث سے مال ملا ہو یا ہبہ وغیرہ سے۔ یا وارث بالغ کے حق میں وصیوں کی گواہی میت کے مال کی باطل ہے م اس واسطے کہ صغیر کے ہر مال میں وصی کا تصرف جاری ہے اور بالغ کے مال میت میں میں وصی کو حفاظت کی ولایت ہے وارث کی غیبت میں تو اس تہمت سے اس کی گواہی باطل ٹھہری **وصحت شہادتہما بغیرہ ای بغیر مال المیت لانقطاع ولایتہما عنہ فلا تہمۃ حینئذ** اور صحیح ہے گواہی ان دونوں کی بغیر مال میت کے بسبب منقطع ہونے دونوں وصیوں کی ولایت کی اس مال سے تو اب تہمت کا مقام نہیں۔ **کشہادۃ رجلین لآخرین بدین الف علی میت وشہادۃ الآخرین للاولین بمثلہ** جیسے صحیح ہے گواہی دو مردوں کی اور دو شخصوں کے واسطے ہزار کے دین ہونے کی میت پر اور صحیح ہے گواہی انہیں دونوں شخصوں کی پہلے دونوں گواہوں کے واسطے مانند اس کی ہزار درم کے دین کے یعنی فریق اول نے فریق ثانی کے دین کی میت پر گواہی دی اور فریق ثانی نے فریق اول کے دین ہونے کی گواہی دی تو دونوں گواہیاں صحیح ہیں **بخلاف شہادۃ کل فریق بوصیۃ الف** برخلاف شہادت ہر فریق کے ہزار درم کی وصیت میں یعنی ہر فریق نے دوسرے فریق کے واسطے گواہی دی کہ میت نے ان کو ہزار درم کی وصیت کی ہے سو یہ گواہی باطل ہے **وقال ابو یوسف لاتقبل فی الدین ایضا وقد تقدم فی الشہادات** اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ دین میں بھی گواہی مقبول نہیں مانند وصیت کے اور البتہ یہ مسئلہ کتاب الشہادات میں پہلے مذکور ہو چکا ہے **او شہادۃ الاولین بعبد والآخرین بثلث مالہ او الدراہم لاثباتہا للشرکۃ فتبطل** یا پہلوں کی گواہی غلام کی وصیت کی اور پچھلوں کی گواہی ثلث مال یا غیر معین دراہم کی وصیت کی بسبب ثابت کرنے گواہی کے شر غلام کو تو باطل ہوگی م کل مال میت میں غلام بھی داخل ہے تو ثلث مال کی وصیت میں تہائی غلام میں شرکت ثابت ہو گئی اور شرکت قبول شہادت کی مانع ہے **وتصح لو شہد رجلان لرجلین بالوصیۃ بعین کالعبد وشہد المشہود لہما للشاہدین بالوصیۃ بعین آخر لانہ لاشرکۃ فلا تہمۃ زیلعی** اور گواہی صحیح ہے اگر دو مردوں نے اور دو مردوں کے واسطے کسی چیز مثلاً غلام کی وصیت کی گواہی دی اور مشہود لہما نے شاہدوں کے واسطے دوسری چیز مثلاً باندی

وصیت کی گواہی دی اس واسطے کہ یہاں دونوں فریق میں شرکت ثابت نہیں تو تہمت بھی نہیں جو گواہی نہ مقبول ہو کذا فی الزیلعی شہد الوصیان ان المیت اوصی لزید معہا لغت لاثباتہما لانفسہما معینا وحینئذ فیضم القاضی بہا ثالثا وجوبا لاقرارہما بآخر فیمتنع تصرفہما بدونہ کما تقرر دو وصیوں نے یہ گواہی دی کہ میت نے زید کو بھی ان دونوں کے ساتھ وصی کیا ہے تو یہ گواہی لغو ہے بسبب ثابت کرنے دونوں وصیوں کے اپنی ذاتوں کے واسطے مددگار اور اس صورت میں قاضی ان دونوں کے ساتھ تیسرا وصی ملادے بنابر وجوب کے کیوں کہ انہوں نے اور وصی کا خود اقرار کیا تو اب دونوں وصیوں کا تصرف کرنا میت کے مال میں بدون تیسرے وصی کے جائز نہیں چنانچہ ثابت ہو چکا الا ان یدعی زید ذلک ای یدعی انہ وصی معہما فحینئذ تقبل شہادتہما استحسانا لانہما اسقطا مؤنۃ التعیین عنہ مگر یہ کہ زید اس کا دعوے کرے یعنی زید یوں دعوے کرے کہ وہ بھی وصی ہے ان دونوں کے ساتھ تو اب دونوں وصیوں کی گواہی بطریق استحسان کے مقبول ہوگی اس لیئے کہ دونوں وصیوں نے تیسرے وصی کے ٹھہرانے کی مشقت قاضی پر سے ساقط کردی کذا فی الطحطاوی وکذا ابنا المیت اذا شہدا ان اباہما اوصی الی رجل لجرہما نفعا بنصب حافظ للترکۃ اور اسی طرح میت کی دو بیٹیوں نے جب گواہی دی کہ ان کے باپ نے ایک مرد کو وصی کیا ہے تو گواہی لغو ہے اس واسطے کہ دونوں نے اپنے واسطے منفعت کو کھینچا بسبب قائم کرنے ایک نگہبان کے متروکہ کے واسطے وہذا لو ہو منکر ولو یدعی تقبل استحسانا اور یہ یعنی گواہی کا لغو ہونا اس شرط سے ہے کہ وہ شخص وصی ہونے کا منکر ہو اور اگر وہ وصی ہونے کا دعویٰ کرے تو شہادت مذکورہ مقبول ہوگی باعتبار استحسان کے بخلاف شہادتہما بان اباہما وکل زیدا بقبض دیونہ بالکوفۃ حیث لاتقبل مطلقا ادعی زید الوکالۃ ام لا لان القاضی لایملک نصب الوکیل عن الحی بطلبہما ذلک بخلاف الوصیۃ برخلاف اس گواہی کے کہ دو بیٹوں نے یہ گواہی دی کہ ان کے باپ نے زید کو اپنے قبض دیون کا جو اہل کوفہ پر ہے وکیل کیا ہے کیوں کہ یہ گواہی کسی طرح مقبول نہیں خواہ زید وکالت کا دعویٰ کرے یا نہ کرے اس واسطے کہ قاضی زندہ آدمی کی جانب سے وکیل کے کام کرنے کا بیٹوں کی طلب سے مالک نہیں برخلاف وصیت کے وشہادۃ الوصی تصح علی المیت لا لہ ولو بعد العزل وان لم یخاصم ملتقی اور وصی کی گواہی میت کے ضرر پر صحیح ہے نہ میت کے نفع پر اگرچہ گواہی بعد معزولی کے واقع ہوئی ہو گو کہ اس نے خصومت نہ کی ہو کذا فی الملتقی وصی انفذ الوصیۃ من مال نفسہ رجع مطلقا وعلیہ الفتوی درر وصی نے میت کی وصیت کو جاری کیا اپنی ذات کے مال سے تو اس قدر مال ترکہ میت سے بھرلے ہر طرح اور اسی اطلاق پر فتوی ہے کذا فی الدرر وصی رجوع کرے ہر طرح خواہ وہ میت کا وارث ہو یا نہ ہو خواہ وصیت للہ ہو یا للعباد وکذا فی الطحطاوی مختصرا کوکیل ادی الثمن من مالہ فان لہ ان یرجع چنانچہ وہ وکیل جس نے ثمن ادا کیا اپنے مال سے سو اس کو موکل کے مال سے بھرلینا جائز ہے وکذلک الوصی اذا اشتری کسوۃ للصغیر او اشتری ماینفق علیہ من مال نفسہ فانہ یرجع اذا اشہد علی ذلک اور اسی طرح وصی جب کہ صغیر کے واسطے لباس خرید کرے اپنے مال سے یا وہ چیز خریدی کہ جس کو صغیر پر خرچ کرتا ہے تو وصی صغیر کے مال سے بھرلے جب کہ اس پر اس نے گواہ کرلیا ہو یعنی اس پر شاہد مقرر کیا ہو کہ میں اپنا مال بطور قرض کے صرف کرتا ہوں یا صغیر کے مال سے بھرلوں گا وفی البزازیۃ وانما شرط الاشہاد لان قول الوصی فی حق الانفاق یقبل لا فی حق الرجوع بلا اشہاد انتہی فلیحفظ قلت لکن فی القنیۃ والخلاصۃ والخانیۃ لہ ان یرجع بالثمن وان لم یشہد بخلاف الابوین وسیجیء مایفیدہ فتنبہ بزازیہ میں ہے کہ گواہ کرنا تو اسی واسطے شرط ہوا کہ وصی کا قول حق انفاق میں تو مقبول ہے نہ حق رجوع میں بدون گواہ کرنے کے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے میں کہتا ہوں لیکن قنیہ اور خلاصہ اور خانیہ میں ہے کہ وصی کو ثمن کا بھرلینا جائز ہے اگرچہ اس نے گواہ نہ کرلیا ہو برخلاف ماں باپ کے کہ ان کو رجوع بلا اشہاد جائز نہیں اور آگے وہ آوے گا جو اس کا مفید ہے تو خبردار رہنا شرنبلالیہ میں ہے کہ ہمارے علما کا کلام رجوع مطلق یا رجوع بشہادت میں مضطرب ہے اور یہ استدراک طعام اور لباس کی طرف راجع ہے اس واسطے کہ والدین کی عادت میں طعام اور لباس اولاد کا تبرع ہوتا ہے کذا فی الطحطاوی او قضی دین المیت الثابت شرعا او کفنہ او ادی خراج الیتیم او عشرہ من مال نفسہ یا وصی نے وہ دین میت کا جو شرعا اس پر ثابت ہے ادا کیا یا اس کو کفن دیا یا یتیم کا خراج یا عشر اپنے مال سے

اداکیا اواشتری لوارث الکبیر طعاماً اوکسوۃ للصغیر اوکفن الوارث المیت اوقضے دینہ من مال نفسہ فانہ یرجع ولایکون متطوعاً یا وارث بالغ نے صغیر
واسطے طعام اور لباس خرید کیا اپنے مال سے یا وارث نے میت کو کفن دیا یا اس کا دین ادا کیا اپنے مال سے تو میت کے متروکہ سے بھر لے گا اور متبرع نہ ہوگا
یعنی اس کا مال بلاعوض نہ ٹھہرے گا ولوکفن الوصی المیت من مال نفسہ قبل قولہ فیہ قیل ہو مستدرک بقولہ اوکفنہ اور اگر وصی نے میت کو کفن دیا اپنے مال سے
تو اس کا قول اس میں مقبول ہوگا شارح نے کہا کہ بعضوں نے کہا یہ ماتن کا قول زائد اور مکرر ہے بقول ماتن اوکفنہ م حلبی درالمختار کے محشی نے کہا کہ بہتر یہ تھا
کہ شارح لفظ قبل کو حذف کرتا یعنی اس واسطے کہ اس قول کا مکرر مذکور ہونا صریح ہے طحطاوی محشی نے کہا اس کا جواب یوں ممکن ہے کہ ماتن کی مراد
یہ ہے کہ دونوں یعنی وارث اور وصی کفن کے مجرا دیلے میں متروکہ سے متفق ہیں لیکن وہ مقدار قیمت میں مختلف ہیں تو اب وصی کا قول مقبول ہوگا تو یہ قول
ماتن کے قول سابق سے متغایر ٹھہرا فتامل انتہی ولوباع الوصی شیئاً من مال الیتیم ثم طلب منہ باکثر مما باعہ رجع القاضی فیہ الی اہل البصیرۃ والامانۃ
ان اخبرہ اثنان منہم انہ باع بقیمتہ وان قیمتہ ذلک لایلتفت القاضی الی من یزید اور اگر وصی نے مال یتیم کا بیچا پھر وصی سے مال بیع کی طلب
ہوئی اس کے بیچنے سے زیادہ تر ثمن کو تو قاضی اس میں اہل بصیرت اور اہل امانت کی طرف رجوع کرے اگر متدین واقف کاروں میں سے دو شخص اس کو خبر
دیں کہ وصی نے مال یتیم کو اس کی قیمت کے موافق بیع کیا اور اس مال کی یہی قیمت ہے تو قاضی التفات نہ کرے اس شخص کی طرف جو زیادہ ثمن دیتا ہے
وان کان فی المزائدۃ یشتری باکثر وفی السوق باقل لاینقض البیع لذلک ای لاجل تلک الزیادۃ بل یرجع الی اہل البصیرۃ فان اجتمع
رجلان منہم علی شئی یوخذ بقولہما عند محمد وکفی قول واحد فی ذلک عندہما کما فی التزکیۃ اور اگر مزائدہ میں یعنی جہاں بیع من یزید ہوتی ہے جس کو
بالفعل کے عرف میں نیلام گھر بولتے ہیں وہ مال خرید ہوتا ہو زیادہ ثمن سے اور بازار میں کم تر سے تو وصی کی بیع کو قاضی نہ توڑے اس زیادت کے
سبب سے بلکہ رجوع کرے واقف کار لوگوں کی طرف بلکہ اگر لوگوں میں سے دو مرد متفق ہوں ایک چیز پر تو انہیں دونوں کا قول لیا جائے محمدؒ کے نزدیک
اور ایک مرد کا قول کفایت کرتا ہے امام اعظمؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک جیسے تزکیہ شہود میں کافی ہے وعلی ہذا قیم الوقف اذا آجر مستغل الوقف ثم جاء آخر
یزید فی الاجر الکل فے الدر معزیا للخانیۃ وعلے ہذا القیاس متولی وقف نے جب کہ وقف کی کرایہ والی چیز کرایہ کر دی پھر دوسرا شخص آیا زیادہ کرایہ دینے کو
تو نقض اجارہ نہ ہوگا بدون قول اہل بصیرت کے یہ سب مسائل درر میں مذکور ہیں فتاوی قاضی خان سے منقول فروع مسائل ملحقہ شارح کے یقبل قول
الوصی فیما یدعیہ من الانفاق بلابینۃ الافی ثنتی عشرۃ مسئلۃ علی مافی الاشباہ وصی کا قول خرچ کرنے کے دعوے میں بدون گواہوں کے مقبول ہے مگر بارہ
مسئلوں میں مقبول نہیں چنانچہ اشباہ میں مذکور ہیں م مسائل مذکورہ کو شارح اب ذکر کرتا ہے ادعے قضاء دین المیت پہلا مسئلہ یہ ہے کہ وصی نے دین میت
کے ادا کرنے کا دعوی کیا م صورت اس کی یہ ہے کہ وصی نے دعوی کیا کہ میں نے موصی کا دین اپنے مال سے ادا کیا اور یتیم اس کی تکذیب کرتا ہے
اور اس کے ادا کرنے پہ گواہ نہیں ہیں تو قول وصی کا مقبول نہ ہوگا اوادعی قضاءہ من مالہ بعد بیع الترکۃ قبل قبض ثمنہا دوسرا مسئلہ یہ ہے یا دعوے کیا
ادائے دین میت کا اپنے مال سے بعد ترکہ بیچنے اور اس کے ثمن قبض کرنے سے پہلے اوان الیتیم استہلک مال آخر فدفع ضمانہ تیسرا مسئلہ یہ ہے یا دعوی
کیا کہ یتیم نے دوسرے کا مال ضائع کیا سو وصی نے اس کا تاوان دیا م صورت اس کی یہ ہے کہ وصی نے یتیم سے کہا کہ تو نے اس مرد کا مال طفلی میں اتلف
کیا تھا اور میں نے تیری طرف سے ادا کیا تھا سو یتیم نے اس کی تکذیب کی تو یتیم کا قول مقبول ہوگا اور وصی ضامن ہے سب کے نزدیک کذا فی الطحطاوی
اواذن لہ بتجارۃ فرکبہ دیون فقضاہا عنہ چوتھا مسئلہ یہ ہے یا دعوی کیا کہ وصی نے یتیم کو تجارت کا اذن دیا سو یتیم پہ لوگوں کے دین ثابت ہو گئے سو وصی
نے ان کو ادا کیا یتیم کی طرف سے اوادی خراج ارضہ فی وقت لاتصلح للزراعۃ پانچواں مسئلہ یہ ہے یا دعوی کیا کہ اس نے یتیم کی زمین کا خراج ادا کیا ایسے
وقت میں کہ زمین زراعت کے لائق نہیں رہی م تو اگر زمین زراعت کے لائق ہو خصومت کے دن تو بالاتفاق وصی کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا بشرطیکہ

ف.. بیع الوصی

وصی اور یتیم متفق ہوں موت موصی کے وقت پر کذا فی الطحطاوی او جعل عبدہ الآبق چھٹا مسئلہ یہ ہے یا دعوی کیا یتیم غلام گریختہ کے پکڑ لانے والے کے انعام دینے کا م یہ محمدؒ کا قول ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک وصی کا قول مقبول ہے اور اگر وصی نے کسی شخص کو غلام کے لانے پر بطور اجارہ کے مقرر کیا تو بالاتفاق وصی کا قول مقبول ہے کذا فی الحموی والطحطاوی او فدا عبدہ الجانی ساتواں مسئلہ یہ ہے یا دعوی کیا یتیم کے غلام قاتل کے فدیہ دینے کا او الانفاق علی محرمہ آٹھواں مسئلہ یہ ہے یا یا دعوی کیا یتیم کے محرم پر خرچ کرنے کا م صورت اس کی یہ ہے کہ وصی نے یتیم سے کہا کہ قاضی نے تیرے اندھے بھائی کے واسطے اتنا ماہانہ تیرے مال سے مقرر کیا اور میں نے اس کو دس برس سے ادا کیا اور یتیم نے کہا کہ میرے اوپر کسی قاضی نے یہ حکم نہیں کیا تو یتیم کا قول مقبول ہوگا اور وصی ضامن ہے سب کے نزدیک کذا فی الطحطاوی عن تتارخانیہ او علی رقیقہ الذین ماتوا نواں مسئلہ یہ ہے یا دعوی کیا خرچ کرنے کا یتیم کے ان غلاموں پر جو مر گئے م یہ قول ہے محمدؒ کا اور ابو یوسفؒ کے نزدیک وصی کا قول مقبول ہے اور اگر غلام زندہ ہوں تو بالاتفاق وصی کا قول مقبول ہے کذا فی الطحطاوی او الانفاق علیہ مما فی ذمتہ یا وصی نے دعوی کیا یتیم پر اس مال کے خرچ کرنے کا جو وصی پر واجب الادا تھا م یہ مسئلہ اشباہ میں مذکور نہیں اور اگر اس کو شمار کیجیے تو تیرہ مسئلے ہوتے ہیں وجہ اس مسئلہ کی یہ ہے کہ وصی چاہتا ہے کہ میں ادائے دین سے فارغ الذمہ ہو جاؤں تو اس کی تصدیق بدون شہادت کے نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی وکذا من مال نفسہ حال غیبۃ مالہ او الرجوع دسواں مسئلہ یہ ہے اور اسی طرح وصی نے دعوے کیا خرچ کرنے کا یتیم پر اپنے مال سے جب کہ یتیم کا مال حاضر نہ تھا اور اس نے پھیر لینے کا ارادہ کیا م بشرطیکہ وصی نے اس پر گواہ نہ کیا ہو کہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہوں پھیر لینے کے واسطے اور اگر اس نے اس پر گواہ کر لیا ہو تو رجوع جائز ہے کذا فی الطحطاوی عن تتارخانیہ او ان زوج الیتیم امرأۃ ودفع مہرہا من مالہ وہی میتۃ گیارہواں یہ مسئلہ ہے یا دعوی کیا کہ اس نے یتیم کا نکاح کر دیا ایک عورت سے اور اس کا مہر ادا کیا اپنے مال سے اور حالانکہ وہ عورت زندہ نہیں ہے الثانیۃ عشر اتجر وربح ثم ادعی انہ کان مضاربا بارہواں مسئلہ یہ ہے کہ وصی نے تجارت کی اور فائدہ حاصل کیا پھر دعوی کیا کہ اسے بطور مضاربت کے تجارت کی م یہاں بھی عدم اشہاد شرط ہے اور اگر وصی نے مضاربت پر گواہ کر لیا ہو تو نفع میں شریک ہوگا کذا فی الطحطاوی والاصل ان کل شیء کان مسلطا علیہ فانہ یصدق فیہ وما لا فلا اور قاعدہ کلیہ مسائل مذکورہ میں یہ ہے کہ جس چیز پر وصی مسلط ہو تو اس میں اس کی تصدیق کی جاوے گی اور جس پر وہ مسلط اور متعین نہیں تو اس میں اس کی بلا شہادت تصدیق نہ ہوگی م تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ جب کہ ظاہر حال اس کا مکذب نہ ہو کذا فی الحموی ینصب القاضی وصیا فی سبعۃ مواضع مبسوطۃ فی الاشباہ قاضی میت کی طرف سے وصی کو مقرر کرے ان سات مقاموں میں جو اشباہ میں مفصل مذکور ہیں م نصب وصی کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی کے روبرو گواہ گواہی دیں کہ فلاں شخص مر گیا اور اس نے کوئی وصی قائم نہ کیا سو اگر قاضی نے وصی مقرر کیا پھر میت کا کوئی وصی ظاہر ہوا تو میت کا وصی وہی وصی ہے نہ قاضی کا وصی اور نصب وصی کا اختیار فقط اس قاضی القضاۃ کو ہے جس کو سلطان کی طرف سے اس کی اجازت ہو کذا فی الاشباہ منہا اذا کان لہ دین او علیہ او لتنفیذ وصیۃ منجملہ مواضع سبعہ کے یہ تین مقام ہیں جب کہ میت کا دین ہو کسی شخص پر یا کسی شخص کا دین ہو میت پر یا وصیت جاری کرنے کے واسطے وزاد فی الزواہر موضعین آخرین اشتری الاب من طفلہ شیئا فوجدہ معیبا ینصب القاضی وصیا لیردہ علیہ اور زواہر الجواہر حاشیہ اشباہ میں دو مقام اور زیادہ مذکور کیے ہیں ایک یہ کہ باپ نے اپنے طفل سے کوئی چیز خرید کی پھر اس میں عیب پایا تو قاضی وصی کو مقرر کرے تاکہ باپ وہ چیز عیب ناک اس کو پھیر دے واذا احتیج لاثبات حق صغیر ابوہ غائب غیبۃ منقطعۃ ینصب والا فلا وعزاہما لمجمع الفتاوی سے اور جب کہ اس صغیر کے اثبات حق کی حاجت ہو جس کا باپ غائب ہے بطریق غیبت منقطعہ کے تو قاضی وصی کو قائم کرے اور اگر غیبت منقطعہ نہ ہو تو وصی مقرر نہ کرے اور صاحب زواہر نے ان دونوں مسئلوں کو مجمع الفتاوی کی طرف نسبت کیا ہے م غیبت منقطعہ وہ ہے کہ ایسے مکان میں ہو جہاں قافلہ آتا جاتا نہ ہو یہ مستفاد ہوتا ہے شرح حموی سے اور فقہا نے غیبت منقطعہ کی تفسیر کا اختلاف کتاب النکاح میں مذکور کیا ہے بعضوں نے کہا کہ غیبت منقطعہ وہ ہے کہ ایسے مکان میں ہو جہاں قافلہ نہ جاتا ہو مگر سال میں ایک بار یہ قول

تدرری کا مختار ہے اور بعضوں نے کہا کہ ایک مہینہ یا زیادہ کی مسافت ہو اور بعضوں نے کہا کہ وہ شخص ایک شہر میں نہ ٹھہرتا ہو چلا پھرتا ہو یا مفقود الخبر ہو اور بعضوں نے کہا ۱۵ منزل ہو اور بعضوں نے کہا ۱۰ منزل اور بعضوں نے کہا کہ ایک شہر مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں کذا فی الطحطاوی وصی القاضی کوصی المیت الافی ثمان لیس لوصی القاضی الشراء لنفسہ ولا ان یبیع ممن لاتقبل شہادتہ لہ قاضی کا وصی میت کے وصی کے برابر ہے مگر آٹھ جگہ میں اس کے برابر نہیں ہے ایک یہ ہے کہ وصی قاضی کو خرید کرنا اپنی ذات کے واسطے متروکہ سے جائز نہیں دوسری صورت یہ ہے بیچنا اس شخص سے جس کے حق میں وصی کی گواہی مقبول نہیں درست نہیں ولا ان یقبض الا باذن مبتدأ من القاضی تیسری صورت یہ ہے اور جائز نہیں اس کو قبضہ کرنا مگر قاضی کے دوسرے اذن سے م یعنی اگر قاضی نے خصومت کے واسطے صغیر کی طرف سے وصی کیا تو بعد فیصلہ کے وصی اس چیز پر قبضہ نہ کرے تاوقتیکہ قاضی قبض کا اذن جدید نہ دے برخلاف وصی میت کے اور اگر نصب وصی کے وقت خصومت اور قبض دونوں کا اذن دیا ہے تو اذن جدید کی حاجت نہیں ولا ان یوجر الصغیر بعمل ما چوتھی صورت یہ ہے اور جائز نہیں کہ وصی قاضی صغیر سے کسی کام کی چاکری کروا دے ولا ان یجعل وصیا عند موتہ پانچویں صورت یہ ہے اور وصی قاضی کو جائز نہیں ہے کہ اپنی موت کے وقت دوسرے کو وصی کرے ولو خصصہ القاضی تخصص چھٹی صورت یہ ہے اور اگر قاضی نے وصی کو خاص کر دیا یعنی ایک نوع میں وصی کیا تو وہ مخصوص ہو جائے گا یعنی جمیع انواع میں وصی نہ ہوگا برخلاف باپ کے وصی کے کہ وہ قائم مقام ہے باپ کے کذا فی الطحطاوی ولو نہاہ عن بعض التصرفات صح نہیہ ساتویں صورت یہ ہے اور اگر قاضی وصی کو بعض تصرفات سے روک دے تو اس کا روکنا صحیح ہے برخلاف نہی میت کے کذا فی الاشباہ عن البزازیہ ولہ عزلہ ولو عدلا آٹھویں صورت یہ ہے اور قاضی کو جائز ہے معزول کرنا اس کا اگرچہ قاضی کا وصی متقی ہو کذا فی الاشباہ عن القنیۃ خلافا فالیتیمۃ بخلاف وصی المیت فی ذلک کلہ برخلاف وصی میت کے ان سب آٹھوں مسئلوں میں وفی الخزانۃ وصی وصی القاضی کوصیہ اذا وصیۃ عامۃ انتہی وبہ یحصل التوفیق اور خزانہ میں ہے قاضی کے وصی کا وصی قاضی کے وصی کے برابر ہے اگر قاضی کی وصیت عامہ ہو انتہی مافی الاشباہ اور اس شرط سے اختلاف دونوں قولوں کا دفع ہو گیا م یعنی یتیمہ اور خزانہ کا اختلاف دفع ہو گیا اشباہ میں پانچویں صورت یتیمیہ سے منقول ہے کہ قاضی کے وصی کو اپنی موت کے وقت دوسرے کو وصی کرنا جائز نہیں اور خزانہ سے نقل کیا کہ جائز ہے بشرط وصیت عامہ کے تو اختلاف رفع ہو گیا یعنی عدم جواز ہے وصیت خاصہ میں اور جواز ہے وصیت عامہ میں وفی الفتاوی الصغری تبرعہ فی مرضہ انما ینفذ من الثلث عند عدم الاجازۃ الا فی تبرعہ فی المنافع فینفذ من الکل بان آجر باقل من اجرۃ المثل لانہا تبطل بموتہ فلا اضرار علی الورثۃ وفی حیاتہ لاملک لہم لکن فی العمادیۃ انہا من الثلث فلعلہ روایتان اور فتاوے صغریٰ میں ہے کہ مریض کا تبرع اور احسان یعنی مرض میں نافذ نہیں ہوتا مگر ثلث متروکہ میں درحال عدم اجازت وارثوں کے مگر اس کے منافع کے تبرع میں سو کل متروکہ سے نافذ ہوگا اس طرح پر کہ اس نے گھر وغیرہ اجرت مثل سے کم تر اجرت پر اجارہ دیا یعنی اس کی اجرت مثلاً سو درم تھی سو اس نے ۵۰ درم کو اجارہ دیا تو یہ جائز اور نافذ ہے اس لیے کہ اجارہ مذکور مریض کی موت سے باطل ہوگا تو وارثوں پر ضرر رسانی نہیں ہے اور اس کی حیات میں تو وارثوں کی کچھ ملکیت نہیں لیکن عمادیہ میں ہے کہ منافع کا تبرع ثلث متروکہ سے نافذ ہے تو شاید کہ اس میں دو روایتیں ہیں باع مال الیتیم او ضیعہ والمشتری مفلس توجیل ثلثۃ ایام فان نقد والا فسخ وصی نے یتیم کا مال منقول یا غیر منقول بیچا اور خریدار مفلس ہے تو وصی تین دن کی مدت ٹھہرا دے سو اگر خریدار تین دن کے اندر ثمن حاضر کرے تو بہتر ہے ورنہ بیع کو فسخ کرے فان انکر الشراء وقد قبض یرفع الوصی الامر للحاکم فیقول ان کان بینکما بیع فقد فسختہ پھر اگر مفلس خریدار خرید کا منکر ہوا اور حالانکہ وہ بیع پر قبضہ کر چکا ہے تو وصی اس امر کی حاکم کے پاس نالش کرے تو حاکم یوں کہے کہ اگر تم دونوں میں بیع واقع ہوئی ہو تو البتہ میں نے اس بیع کو فسخ کر دیا م اس قول کا فائدہ یہ ہے کہ اگر مشتری بعد فسخ کے خریداری کا دعویٰ کرے اور گواہ لا دے تو اس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی قبل الوصایۃ ثم اراد عزل نفسہ لم یجز الا عند الحاکم وصی نے وصی ہونا قبول کیا پھر اپنی ذات کو معزول کرنا چاہا تو یہ جائز نہیں مگر حاکم کے نزدیک م حاکم کو لازم ہے کہ اگر وصی

کو امانت دار اور ہوشیار جانے تو معزول نہ کرے اور اگر اس کو عاجز یا کثیر الاشغال جانے تو اس کو خارج کرے اور حیلہ اخراج کا دو طرح پر ہے ایک یہ کہ موصی اس کو وصی مقرر کرے اس شرط پر کہ وصی جب چاہے آپ کو معزول کرے دوسری صورت یہ ہے کہ وصی میت پر دین کا دعویٰ کرے اور حاکم اس کو متہم کر کے معزول کر دے اور یہ ابو یوسف کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی الطحطاوی دفع للیتیم ماله بعد بلوغه واشهد الیتیم علی نفسه انه لم یبق من ترکة والده لا قلیل ولا کثیر ثم ادعی شیئا فی ید الوصی انه من ترکة ابیه وبرهن تسمع وصی نے یتیم کو اس کا مال اس کے بالغ ہونے کے بعد حوالہ کیا اور یتیم نے اپنی ذات پر گواہ کر دیا کہ اس کے باپ کے متروکہ سے کچھ باقی نہیں رہا وصی کے پاس نہ کم نہ زیادہ پھر یتیم نے وصی کے پاس کسی چیز کا دعویٰ کیا کہ وہ چیز میرے باپ کے متروکہ سے ہے اور گواہوں سے اس کو ثابت کیا تو اس کا دعویٰ مسموع ہووے گا م یہ اشہاد ابراء معلوم نہیں نہ شخص معلوم سے نہ مجہول سے تو یہ فقط اقرار ہے جو ابرا کا مستلزم نہیں تو یہ اس کے دعوے کا مانع نہیں برخلاف اس ابرا کے جو مجہول سے ہو معلوم کے واسطے یعنی شخص معین سے چیز غیر معین کا ابرا کرے اس طرح کہ مثلاً زید عمر سے کہے کہ جو تیرا حق میرے اوپر ہو اس کو مجھے حلال اور معاف کر دے سو عمر نے اس طرح کہا تو زید بری الذمہ ہو گیا اور یہ ابرا صحیح ہے چیز معلوم اور غیر معلوم سب سے اسی قول پر فتویٰ ہے کذا فی الطحطاوی عن الشرنبلالیۃ مختصراً للوصی الاکل والرکوب بقدر الحاجة قال تعالی ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف وصی کو یتیم کے مال سے کھانا اور اس کی سواری پر سوار ہونا بقدر حاجت کے جائز ہے حق تعالیٰ نے فرمایا اور جو محتاج ہو تو چاہیے دستور کے موافق کھاوے م کھانا اور سوار ہونا مقید بمدت سعی کے ہے یعنی جس قدر مدت حاجات یتیم میں کوشش کرتا ہے اسی قدر مدت تک کھانا اور سوار ہونا درست ہے نہ ہر وقت کذا فی العالمگیریہ وله ان ینفق فی تعلیم القرآن والادب ان تاهل لذلک اور وصی کو جائز ہے کہ تعلیم قرآن اور ادب میں خرچ کرے اگر یتیم اس کا اہل ہووے م شاید کہ ادب سے مراد علوم ادبیہ ہیں کہ انہیں کی تعلیم ہوتی ہے انتہی علوم ادبیہ سے مراد صرف اور نحو اور علم فصاحت اور بلاغت کا ہے یعنی اگر یتیم خاندان علم سے ہے تو وصی خرچ کر کے اس کو تمام قرآن اور علوم مذکورہ پڑھاوے والا فلینفق علیه بقدر ما یتعلم القراءة الواجبة فی الصلوۃ مجتبی اور اگر یتیم اہل علم سے نہ ہو تو وصی کو چاہیے کہ اس پر اس قدر خرچ کرے کہ قرات واجبہ نماز کی سیکھ جائے یعنی جس قدر نماز میں قرآن پڑھنا واجب ہے اس قدر اس کو سکھاوے کذا فی المجتبی وفیه جعل للوصی مشرفا لم یتصرف بدونه وقیل للمشرف ان یتصرف اور مجتبی میں ہے کہ وصی کے واسطے مشرف مقرر ہوا تو وصی بدون اس کے تصرف متروکہ میں نہ کرے اور بعضوں نے کہا کہ مشرف کو تصرف کرنا یعنی بدون وصی کے درست ہے م اس مسئلہ کا بیان باب الوصی میں مفصل مذکور ہو چکا وفیه للاب اعارة طفله اتفاقا لا ماله علی الاکثر اور مجتبی میں ہے کہ باپ کو اپنے طفل کا عاریت دینا جائز ہے بالاتفاق نہ اس کے مال کو عاریت دینا بنا بر اکثر روایات کے وفیه یملک الاب لا الجد عند عدم الوصی ما یملکه الوصی اور مجتبی میں ہے وصی نہ ہونے کے وقت باپ مالک ہے اس چیز کا جس کا وصی مالک ہوتا ہے اور دادا مالک نہیں ہوتا وصی کے برابر الاب یملک قسمة مال مشترک بینه وبین الصغیر بخلاف الوصی باپ مالک ہے اس مال کے قسمت کرنے کا جو مشترک ہے مابین باپ اور مابین صغیر کے برخلاف وصی کے کہ وہ اپنے اور صغیر کے مشترک مال کی قسمت کا مالک نہیں م قنیہ میں مذکور ہے کہ جو مال وصی اور صغیر میں مشترک ہے اس کی قسمت وصی کو جائز ہے امام کے نزدیک بشرطیکہ اس میں صغیر کا نفع ظاہر ہو تو معلوم ہوا کہ یہاں عدم جواز قسمت وصی عدم ظہور منفعت پر محمول ہے کذا فی الطحطاوی ، یملک الاب والجد بیع مال احد طفلیه للآخر بخلاف الوصی باپ اور دادا اپنے ایک طفل کے مال کا دوسرے طفل کے مال سے بیچنے کا مالک ہے برخلاف وصی کے کہ وہ بیع مذکور کا مالک نہیں م یعنی اگر ایک شخص دو یتیموں کا وصی ہو تو اس کو ایک یتیم کا مال دوسرے یتیم کے مال سے بیچنا جائز نہیں اس واسطے کہ وہ دونوں یتیموں کی خیرخواہی کا مامور ہے سو یہاں ایک یتیم کی خیرخواہی دوسرے کے حق میں ضرر کرتی ہے اور اسی طرح اگر دو وصی ہوں دو یتیموں کے تو بھی ایک کا مال دوسرے بیع کرنا درست نہیں ولو باع الاب او الجد مال الصغیر من الاجنبی بمثل قیمته جاز ان لم یکن فاسد الرأی ولو فاسده فان باع عقاره لم یجز وفی المنقول روایتان

اور اگر باپ اور دادا نے صغیر کا مال اجنبی شخص سے بیچا بقدر اس کی مالیت اور قیمت کے تو جائز ہے اگر وہ احمق فاسد الرائے نہ ہو اور اگر بدعقل ہو تو اگر اس نے صغیر کا مال غیر منقول بیچا تو جائز نہیں ہے اور مال منقول کے بیچنے میں دو روایتیں ہیں ایک جواز کی دوسری عدم جواز کی ولو اشتری لطفلہ ثوبا او طعاما او اشہد انہ یرجع بہ علیہ یرجع بہ لو مال والا لا لوجوبہا علیہ حینئذ اور اگر باپ نے اپنے لڑکے کے واسطے کپڑا یا کھانا خرید کیا اور گواہ کر لیا اس پہ کر میں اس قدر ثمن لڑکے کے مال سے بھر لوں گا تو اتنا بھر لے اگر صغیر کا مال ہوا اور اگر مال نہ ہو تو رجوع جائز نہیں بسبب واجب ہونے کھانے اور کپڑے کے باپ پر اس وقت میں یعنی جب صغیر محتاج ہے تو اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے رجوع جائز نہیں ومثلہ لو اشتری لہ دارا او عبدا یرجع سواء کان لہ مال اولا وان لم یشہد لا یرجع کذا عن ابی یوسف وہو حسن یجب حفظہ واللہ اعلم اور مانند لباس یا طعام کے اگر باپ نے صغیر کے واسطے گھر یا غلام خرید کیا تو رجوع کرے خواہ اس کا مال ہو یا نہ ہو اور اگر باپ نے رجوع کر لینے پر گواہ نہیں کیا ہے تو رجوع نہ کرے چنانچہ ابو یوسف سے منقول ہے اور یہ تفصیل خوب ہے اس کا یاد رکھنا واجب ہے واللہ اعلم بعینہ تلخیص قنیہ میں مذکور ہے کہ ایک وارث نے تجہیز میت میں ترکہ سے خرچ کیا بلا وصیت اور بلا اذن باقی وارثوں کے تو وہ میت کے مال سے محسوب ہوگا اور وہ متبرع نہ ہوگا اور اگر ماتم اور شمع وغیرہ کی خرید میں بلا وصیت اور بلا اذن باقی وارثوں کے اس نے صرف کیا تو اس کے حصہ میں محسوب ہوگا اور اگر اپنے مال سے صرف کیا تو وہ متبرع ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً واللہ اعلم واستغفر اللہ الکریم ۔

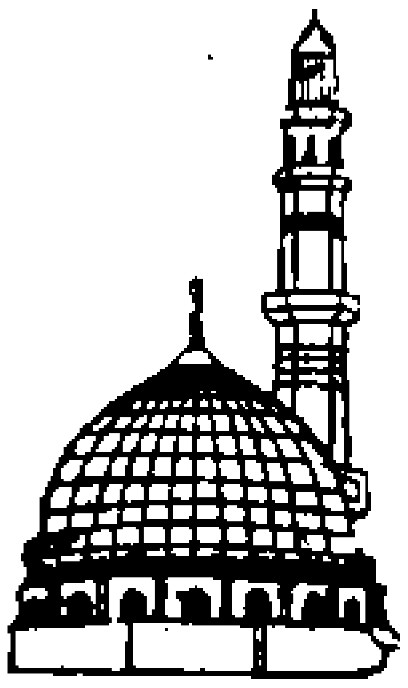

کتاب الخنثیٰ

اس کتاب میں خنثیٰ کے احکام مذکور ہیں م خنثیٰ مشتق ہے خنث سے بفتح خائے معجمہ وسکون نون سے اور خنث لغت میں عبارت ہے نرمی اور تکسر سے اور سی سے مخنث ہے معلوم کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو مرد اور عورت بنایا اور ہر ایک کے احکام بیان فرماتے اور اس کا حکم مذکور نہیں کیا جو مرد بھی ہو اور عورت بھی تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں وصف متضادین ایک شخص میں جمع نہیں ہوتے اور دونوں میں علامت امتیاز کی آلہ تذکیر و تانیث ہے پھر کا ہے اشتباہ واقع وتا ہے اس طرح پر کہ کوئی انسان ایسا ہوتا ہے جس میں تمیز نہیں ہوتی کذا فی الطحطاوی لما ذکر من غلب وجودہ ذکرنا درالوجود جب کہ مصنف نے غالب الوجود کے ذکر سے فراغت پائی یعنی مرد اور عورت کے احکام سے تو نادر الوجود یعنی خنثیٰ کا ذکر شروع کیا **ہو ذو فرج وذکر او من عری عن الاثنین جمیعا** خنثیٰ وہ ہے جو صاحب فرج اور ذکر ہو یا وہ ہے جو تذکیر اور تانیث دونوں علامتوں سے معرا ہو **فان بال من الذکر فغلام** وان بال من الفرج فانثی تو اگر وہ پیشاب کرے ذکر سے تو مرد ہے اور اگر پیشاب کرے فرج سے تو عورت ہے م جب اس نے ذکر سے پیشاب کیا تو دوسری علامت بدن کا شگاف ہے اور اگر اس نے فرج سے پیشاب کیا تو دوسری علامت ثولول یعنی مسہ کی مانند ہے کذا فی القہستانی **وان بال منہما فالحکم للاسبق** اور اگر دونوں سے پیشاب کرے تو اسبق اور اقدم پر حکم ہے یعنی جس سے پہلے پیشاب نکلا ہو اس کا اعتبار ہے اس واسطے کہ اقدمیت اس کی دلیل ہے کہ وہی عضو اصلی ہے **وان استویا فمشکل** اور اگر دونوں برابر ہوں اس طرح کہ دونوں کے ساتھ ہی پیشاب نکلتا ہو تو وہ خنثیٰ مشکل ہے م مشکل اس واسطے کہا کہ احد الامرین سے کوئی متعین نہیں **ولا تعتبر الکثرۃ خلافا لہما** اور کثرت پیشاب کی معتبر نہیں امامؒ کے نزدیک برخلاف صاحبین کے م صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کثرت خروج اصالت عضو پر دلیل ہے وللاکثر حکم الکل اور امامؒ کی دلیل یہ ہے کہ کثرت خروج کشادگی مخرج پر دلیل ہے نہ اصالت پر اور امام سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو یوسفؒ سے فرمایا کہ میں نے ایسا قاضی نہیں دیکھا جو پیشاب کا اندازہ کرتا ہو پیمانہ سے کذا فی الطحطاوی ہذا قبل البلوغ **فان بلغ وخرجت لحیتہ او وصل الی امرأۃ او احتلم کما یحتلم الرجل فرجل** یہ تفصیل مذکور قبل از بلوغ کے ہے پھر اگر وہ بالغ ہوا اور اس کے داڑھی نکلی یا وہ کسی عورت سے ملا یعنی جماع کیا یا اس کو احتلام ہوا جیسے مرد کو احتلام ہوتا ہے تو وہ مرد ہے **وان ظہر لہ ثدی او لبن او حاض او حبل او امکن وطیہ فامرأۃ** اور اگر اس کے پستان ظاہر ہوئی یا دودھ نکلا یا اس کو حیض آیا یا اس کو حمل رہا یا جماع اس کا ممکن ہے تو وہ عورت ہے م ظہور لبن سے مراد یہ ہے کہ دونوں پستانوں سے عورتوں کے مانند دودھ نکلے اس واسطے کہ مرد کی چھاتیوں سے بھی کبھی دودھ نکلتا ہے ایسا مستفاد ہوتا ہے شرح وہبانیہ سے اور جوہرہ میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ظہور پستان علامت مستقلہ ہے تو دودھ کے ذکر کرنے کی حاجت نہ تھی اس کا جواب یہ ہے کہ گاہے دودھ نکلتا ہے اور پستان ظاہر نہیں ہوتی یا ایسی پستان ظاہر ہوتی ہے جو مرد کی پستان سے متمیز نہیں پھر جب دودھ اترا تو تمیز واقع ہو گئی اور امکان حمل کی یہ صورت ہے کہ خنثیٰ نے منی روئی میں لے کر اپنی فرج میں داخل کی اور امکان وطی کی یہ صورت ہے کہ عورتوں نے اس کو دیکھا اور کہا کہ اس سے وطی ممکن ہے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی **وان لم تظہر لہ علامۃ اصلا او تعارضت العلامات فمشکل لعدم المرجح** اور اگر اس کی کوئی بھی علامت مذکورہ ظاہر نہ ہوئی یا علامات میں تعارض واقع ہوا تو وہ خنثیٰ مشکل ہے عدم مرجح کی وجہ سے م تعارض علامات کی مثال یہ صورت ہے کہ پستان ابھرے اور داڑھی نکلی ایک ساتھ یا ذکر سے منی نکلی اور فرج سے ساتھ ہی حیض جاری ہوا یا پیشاب نکلا فرج سے اور منی نکلی ذکر سے ساتھ ہی

کذا فی القہستانی وعن الحسن انہ تعد اضلاعہ فان ضلع المرأۃ تزید علی ضلع الرجل بواحد ذکرہ الزیلعی اور حسن بصری سے مروی ہے کہ خنثیٰ کی پسلیاں شمار کی جاویں اس واسطے کہ عورت کی ایک پسلی زیادہ ہوتی ہے مرد کی پسلیوں سے ذکر کیا ہے اس کو زیلعی نے م اس میں اختلاف ہے کہ کس جانب کی پسلی زیادہ ہوتی ہے مشہور یہ ہے کہ بائیں طرف کی ہوتی ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ مرد کی سولہ پسلیاں اور عورت کی سترہ یا مرد کی سترہ ہیں اور عورت کی اٹھارہ بعضوں نے کہا کہ مشاہدہ اس کے مخالف ہے اور اہل تشریح نے کہا کہ مرد اور عورت دونوں کی پسلیاں برابر ہیں اور بنا بر قول تفاوت اضلاع کی وجہ اس کی یوں مذکور ہے کہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی ایک پسلی سے مخلوق ہوئیں تو سب مرد ابو البشر علیہ السلام کے منوال پر جاری رہے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی مختصراً **وحینئذ فیقف فی امرہ بما ھو الاحوط فی کل الاحکام** اور اس وقت میں یعنی در صورت اشکال اور عدم ترجیح کے وقت تو عمل کیا جاوے کا خنثیٰ مشکل کے امر میں اس چیز کے ساتھ جس میں زیادہ تر احتیاط ہے تمام احکام میں قلت ولکن قدمنا انہ لا یجب الغسل بالایلاج فیہ وانہ لا یتعلق التحریم بلبنہ فتنبہ میں کہتا ہوں لیکن ہم نے اول کتاب میں ذکر کیا کہ خنثیٰ مشکل میں ادخال سے غسل واجب نہیں ہوتا اور اس کے دودھ سے تحریم متعلق نہیں تو آگاہ رہنا یعنی ان دونوں صورتوں میں عمل بہ احتیاط نہیں ہے م یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عنقریب گذرا کہ امکان وطی سے انوثت ثابت ہوتی ہے تو وہ خنثیٰ مشکل نہ رہا اس کا جواب یہ ہے کہ بعد تحقیق انوثت کے دوسری علامت معارض ہوئی چنانچہ داڑھی نمود ہو گئی تو اشکال ثابت ہو گیا اور اسی طرح دودھ میں کلام ہے کذا فی الطحطاوی **فیقف بین صف الرجال والنساء** سو بنا بر عمل باحتیاط کے خنثیٰ مشکل کھڑا ہو مردوں اور عورتوں کی صف کے مابین میں م یعنی نہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو نہ عورتوں کی صف میں اس واسطے کہ اگر خنثیٰ مشکل فی الواقع مرد ہے تو عورتوں کی صف میں کھڑے ہونے سے اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر عورت ہے تو مردوں کی صف میں کھڑے ہونے سے اس کے محاذی شخص کی نماز فاسد ہوگی تو اس کے دائیں اور بائیں اور پیچھے کا شخص سامنے والا احتیاطاً نماز کا اعادہ کرے پھر اگر خنثیٰ بالغ ہے اور عورتوں کی صف میں کھڑا ہو تو اس پر اعادہ نماز کا واجب ہے اور اگر قریب البلوغ ہے تو اعادہ مستحب ہے اور اگر چند خنثیٰ ہوں تو اس طرح کھڑے ہوں کہ باہم متصل نہ ہوں بلکہ درمیان میں کشادگی چھوڑیں کذا فی الطحطاوی **واذا بلغ حد الشہوۃ تبتاع لہ امۃ تختنہ من مالہ** لتکون امتہ او مثلہ اور جب کہ خنثیٰ حد شہوت کو پہنچے تو اس کے مال سے ایسی لونڈی خرید کی جاتے جو اس کا ختنہ کرے سو خرید سے اس کی وہ لونڈی ٹھہرے گی یا اس کے مانند عورت ہوگی م یعنی اگر واقع میں خنثیٰ مرد ہے تو وہ اس کی لونڈی ہوئی تو اس کو نظر کرنا شرم گاہ کا مطلقاً جائز ہوا اور اگر عورت ہے تو عورت کا نظر کرنا عورت کی طرف بضرورت جائز ہے کذا فی الطحطاوی **ویکرہ ان یختنہ رجل او امراۃ** احتیاطاً ولا ضرورۃ لان الختان عندنا سنۃ اور یہ مکروہ ہے کہ خنثیٰ کا ختنہ مرد کرے یا عورت بنا بر احتیاط کے اور کچھ ضرورت نہیں اس واسطے کہ ختنہ کرنا ہم حنفیوں کے نزدیک سنت ہے نہ فرض م یہ مذکور ہے خنثیٰ بالغ کا اور صغیر کا ختنہ تو مرد اور عورت دونوں کو درست ہے کذا فی العالمگیریۃ **وان لم یکن لہ مال فمن بیت المال ثم تباع** اور اگر خنثیٰ کا مال نہ ہو تو ختنہ کرنے والی لونڈی بیت المال یعنی خزانہ سلطانی سے خرید کی جائے پھر ختنہ کے بعد بیچ ڈالی جائے اور ثمن اس کا بیت المال میں داخل کیا جاتے اس واسطے کہ بیت المال حاجات مسلمین کے واسطے مقرر ہے کذا فی الحموی اویزوج امرأۃ ختانۃ لتختنہ لانہ ان کان ذکرا صح النکاح وان انثی فنظر الجنس اخف ثم یطلقہا وتعتد ان خلا بہا احتیاطا یا خنثیٰ نکاح کرے ختنہ کرنے والی عورت سے تاکہ وہ اس کا ختنہ کر دے اس لیے کہ اگر خنثیٰ مرد ہے تو نکاح صحیح ہے اور اگر عورت ہے تو ہم جنس یعنی عورت کا دیکھنا عورت کی طرف سہل تر ہے مرد کی نظر سے پھر خنثیٰ ختنہ کے بعد اس کو طلاق دے اور ختنہ کر کے عدت میں بیٹھے بنا بر احتیاط کے اگر خنثیٰ نے اس کے ساتھ خلوت کی ہو م یہ قول طحاوی نے اپنے استاد سے نقل کیا ہے اور بیت المال کا قول علماء مذہب سے منقول ہے اس واسطے کہ اگر اس نے نکاح کیا تو نکاح مشکوک ہے اور اگر صحیح ہے تو عورت معلقہ ہوگی اس سے خلاص نہیں ہو سکتی اور وجوب مہر کا عقد سے یقین نہیں ہو سکتا اور نہ وجوب میراث کا اگر خنثیٰ مشکل مر گیا تو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس پر نفقہ واجب ہے یا نہیں رازی نے بیان کیا ہے اور علامہ مقدسی نے کہا کہ تخلیص ان اشکالات سے اس طرح ممکن ہے کہ نکاح کرے اس شرط پر کہ عورت اپنی ذات کی مختار ہے سو وہ ختنہ کے بعد طلاق

تیاط مشروط کی وجہ سے اور بیت المال سے وصول ہونا اس زمانہ میں ایسے کام کے واسطے از قسم محال ہے تو نکاح کر لینا اسہل ہے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی عن موی **ویکرہ لبس الحریر والحلی** اور خنثی مشکل کو ریشمی کپڑا اور زیور پہننا مکروہ ہے **ولا یخلو بہ غیر محرم** اور خنثی مشکل سے خلوت اور تنہائی نہ کرے سوائے ں کے محرم کے **وان قبلہ رجل تثبت حرمۃ المصاہرۃ** اور اگر خنثی مشکل کا کسی مرد نے بوسہ لیا تو حرمت مصاہرت کی ثابت ہوگی م تو جائز نہ ہوگا خنثی کی ماں کو ں بوسہ لینے والے مرد سے نکاح کرنا اور نہ اس کی بیٹی کو **ولا یسافر بغیر محرم** لاحتمال انہ امرأۃ اور خنثی مشکل سفر نہ کرے بدون محرم کے اس احتمال کی وجہ ے کہ وہ عورت ہے م محرم سے مراد محرم مرد ہے اس واسطے کہ محرم عورت کے ساتھ اس کو سفر درست نہیں **وان قال انا رجل او امرأۃ لا عبرۃ بہ فی الصحیح** عوی بلا دلیل اور اگر خنثی مشکل کہے کہ میں مرد ہوں یا عورت ہوں تو اس کا کچھ اعتبار نہیں صحیح قول میں اس کے واسطے کہ یہ دعوی ہے بدون دلیل کے **وقیل** بر لانہ لا یقف علیہ غیرہ اور بعضوں نے کہا کہ اس کا قول معتبر ہے کہ اس پر سوائے اس کے کوئی واقف نہیں لکن فی الملتقی بعد تقرر اشکالہ لا یقبل وقبلہ یقبل قلت یص التوفیق یمکن ملتقی میں ہے کہ بعد ثابت ہو جانے اس کی اشکال کے قول اس کا مقبول نہیں اور قبل از ثبوت اشکال قول اس کا مقبول ہے میں کہتا ہوں اس تفصیل سے توفیق بین القولین المذکورین حاصل ہوگی م یعنی عدم قبول کا قول اس صورت میں ہے جب کہ خنثی کا مشکل ہونا ثابت ہو چکا اور قبول اس صورت ہے جب کہ ہنوز اشکال ثابت نہیں اسی طرح کی تفصیل عالمگیری میں مذکور ہے محیط سے **ویضعف** ما نقلہ القہستانی عن شرح الفرائض للسید وغیرہ الا ان یحمل علی تقبلہ اور منسوب بضعف ہے وہ قول جو قہستانی نے فرائض شریفی وغیرہ سے نقل کیا ہے مگر یہ کہ اس تفصیل مذکور پر اس کو محمول کیجیے تو قول صحیح ہوگا ضعف دفع جاوے گا سو آگاہ رہنا م قہستانی میں فرائض شریفی سے یوں ہے کہ اگر خنثی نے حیض یا منی کی یا مرد یا عورت کی طرف مائل ہونے کی خبر دی تو قول اس کا مقبول ہو در جوع اس کا مقبول نہ ہوگا جب تک کذب اس کا ظاہر نہ ہو یقیناً چنانچہ اس نے اپنے مرد ہونے کی خبر دی پھر اس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوا انتہی طحطاوی ے کہا کہ قول مذکور کو اس پر محمول کرنا متعین ہے بدلیل نص مفصل واللہ اعلم **ولو مات قبل ظہور حالہ لم یغسل ویتیمم بالصعید** لتعذر الغسل اور اگر خنثی مر گیا قبل ر ہو جانے اس کے حال کے تو غسل نہ دیا جائے اور اس کو تیمم کرا دیا جائے خاک پاک سے بسبب متعذر ہونے غسل کے م چونکہ اس کا مرد یا عورت ہونا ثابت جو اس کو مرد یا عورت غسل دے تو تیمم متعین ہوا سو اگر تیمم کرنے والا اجنبی ہے تو اپنے ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر تیمم کرا دے اور اگر محرم ہے تو بدون کپڑے مانند اس مرد کے جو عورتوں میں مر گیا کذا فی الحموی **ولا یحضر** حال کونہ مراہقا **غسل میت ذکرا وانثی** اور خنثی مشکل قریب البلوغ ہونے کی حالت میں کسی ت کے غسل میں حاضر نہ ہو خواہ مردہ مرد ہو یا عورت **وندب** تسجیۃ قبرہ اور مستحب ہے خنثی مشکل کی قبر پہ دفن کے وقت پردہ کر لینا عورت کے مانند **ویوضع** **جل بقرب الامام ثم ہو ثم المرأۃ اذا صلی علیہم** رعایۃ لحق الترتیب اور امامؒ کے قریب رکھا جائے مردہ مرد پھر خنثی مشکل پھر عورت جب کہ ان پہ زے کی نماز پڑھی جائے حق ترتیب کی رعایت کرنے کے واسطے م خنثی کا جنازہ مرد کے بعد رکھا جاتا ہے کہ شاید وہ عورت ہو اگر خنثی مرد کے ساتھ عذر سے قبر میں دفن ہو تو مرد کے پیچھے رکھا جائے اور دونوں کے درمیان مٹی کا پردہ کیا جائے تاکہ بمنزلہ دو قبروں کے ہو جاتے اور یہی حکم ہے مردوں کے دفن جب کہ ایک قبر میں دفن ہوں اور اگر عورت اور خنثی ساتھ مدفون ہوں تو خنثی کو مقدم کرنا چاہیے شاید کہ وہ مرد ہو اور خنثی کا کفن پانچ کپڑے چاہیے عورت ے مانند اور اس کو قبر میں محرم قرابت والا رکھے انوثت کے احتمال کے سبب سے کذا فی المنح وتمام فروعہ فی احکامہ من الاشباہ بل عندی فیہ تالیف مجلد منیف د خنثی کے تمام احکام کے مسائل اشباہ میں مذکور ہیں بلکہ میرے نزدیک اس میں ایک تالیف مجلد کلاں ہے م منجملہ مسائل خنثی مشکل کے یہ ہے کہ اس کی مت صحیح نہیں مگر عورتوں کے واسطے اس کی نماز عورت کے مانند ہے شکل میں اور اخفا میں اور وہ نکاح نہ کرے نہ عورت سے نہ مرد سے اور اگر اس نے مرد سے کیا اور مرد نے اس کے ساتھ جماع کیا تو نکاح جائز ہو گیا یا عورت سے نکاح کیا اور وہ جماع پر قادر ہوا تو نکاح اب صحیح ہو گیا اور اگر اس نے اپنی مانند دوسرے خنثی مشکل سے نکاح کیا تو جائز نہیں کذا فی الطحطاوی مختصرا فی المیراث **اقل النصیبین** یعنی اسوء الحالین بہ یفتی کما ستحققہ اور خنثی مشکل کو میراث میں اقل النصیبین یعنی اسوء الحالین ہے اسی قول پر فتوی ہے چنانچہ ہم

اس کی تحقیق عنقریب بیان کریں گے م اقل النصیبین یعنی مرد اور عورت کے دو حصوں میں سے جو حصہ کم تر ہوگا وہ اس کو دیا جاتے گا یہ مذہب ہے امام کا یعنی
خنثیٰ مشکل کے حصہ کو نظر کریں گے کہ اس کو مرد فرض کرنے میں کس قدر ملتا ہے اور عورت فرض کرنے میں کتنا پہنچتا ہے تو ان دو حصوں میں جو کم تر ہوگا وہ
خنثیٰ کو ملے گا اور اگر احد التقدیرین میں خنثیٰ محروم ٹھہرے گا تو اس کو کچھ نہ ملے گا لہٰذا شارح نے اقل النصیبین کی تفسیر اسوء الحالین مذکور کی یعنی دو حالتوں میں
بدتر حالت ہوگی خواہ کم تر حصہ یا محرومی وہی بدحالی اس کے نصیب میں ہے تو اسوء الحالین قلت اور حرمان دونوں کو شامل ہے کذا فی الحلبی بتصرف **وقالا نصف**
النصیبین اور صاحبین نے کہا کہ دونوں حصوں میں سے نصف نصف اس کو ملے گا یعنی نصف حصہ مرد کا اور نصف حصہ عورت کا **فلومات ابوہ وترک معہ**
واحد الہ سہمان وللخنثی سہم تو اگر خنثیٰ مشکل کا باپ مر گیا اور خنثیٰ کے ساتھ ایک بیٹا اس نے چھوڑا تو بیٹے کے دو سہم ہیں اور خنثیٰ کا ایک سہم م خلاصہ یہ
کہ امام کے نزدیک خنثیٰ عورت کے حکم میں ہے میراث میں تاوقتیکہ اس کا مرد ہونا بلا تعارض ثابت نہ ہو **وعند ابی یوسف لہ ثلاثۃ من سبعۃ وعند محمد لہ خمسۃ من**
عشر اور ابو یوسف کے نزدیک صورت مذکورہ میں خنثیٰ کے تین سہم ہیں سات سہموں سے اور محمدؒ کے نزدیک پانچ سہم ہیں بارہ سہموں سے م صاحبینؒ
دلیل مطولات میں مذکور ہے **وعند ابی حنیفۃ لہ سہم من ثلثۃ لانہ الاقل وہو متیقن بہ فیقتصر علیہ لان المال لایجب بالشک** اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک خنثیٰ
ایک سہم ہے تین سہموں میں سے اس واسطے کہ وہ اقل ہے اور وہی متیقن ہے تو اسی پر اقتصار ہوگا کیوں کہ مال شک سے واجب نہیں ہوتا م توضیح اس کی
ہے کہ یہاں اثبات مال کی ابتداءً حاجت ہوئی اس واسطے سبب استحقاق مال کا بیان کرنا ضرور ہوا کہ ذکورت کے سبب سے ہے یا انوثت کے سبب سے اور
مشکل میں دونوں سببوں سے کوئی معلوم نہیں اور اثبات مال کا ابتداءً بدون سبب متحقق کے شرعاً جائز نہیں تو متیقن پہ بنا کرنا ضرور ہوا اور اقل جو میراث ہے
کی وہ یقینی ہے اور زیادہ میں شک ہے تو متیقن ہی واجب ہوگیا اسی پر اقتصار کرکے کذا فی العینی شرح الہدایۃ **حتی لوکان الاقل علی تقدیرہ ذکرا قدرناہ کز**
وام وشقیقۃ ہی خنثیٰ فلہ السدس علی انہ عصبۃ لانہ الاقل تو اگر اقل ہو اس تقدیر پر جب کہ خنثیٰ کو مرد فرض کیجیے تو اس کو ہم مرد ہی ٹھہرا دیں گے چنانچہ اس
میں کہ ایک عورت مر گئی شوہر اور ماں اور سگی بہن چھوڑ کر جو خنثیٰ ہے تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا بنا بر اس کے کہ وہ عصبہ ہے اس واسطے کہ سدس اقل ہے نصف سے
م تو صورت مذکورہ میں شوہر کا نصف حصہ ہے اور ماں کا تہائی اور خنثیٰ کا باقی مال یعنی سدس **ولو قدر انثی کان لہ النصف وعالت الی ثمانیۃ** اور اگر صورت مذکورہ
خنثیٰ کو عورت فرض کیجیے تو اس کا نصف حصہ ہے اور یہ مسئلہ چھ سہم کا آٹھ سہم کی طرف عول کرے گا م یہ مسئلہ دونوں تقدیروں میں چھ سہموں سے
بسبب اجتماع نصف اور ثلث کے مگر پہلی صورت میں عول کی حاجت نہیں اور دوسری صورت میں عول کی حاجت ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب کہ خنثیٰ کی
اقل النصیبین ٹھہری تو اس مسئلہ میں اس کو عورت نہ ٹھہرایا کیونکہ اس کا حصہ نصف ہوتا اور نصف زائد ہے ثلث سے بلکہ اس کو مرد قرار دیا تاکہ اس کا
سدس ہو اس واسطے کہ سدس اقل ہے نصف سے **ولوکان محروما علی احد التقدیرین فلا شیئ لہ کزوج وام وولدیہا وشقیق خنثیٰ فلا شیئ لہ لانہ عصبۃ ولو**
انثی کان لہ النصف وعالت الی تسعۃ اور اگر خنثیٰ محروم ٹھہرے دو تقدیروں میں سے ایک تقدیر پر تو اس کے واسطے کچھ نہیں چنانچہ اس مسئلہ میں کہ ایک
مر گئی شوہر اور ماں اور دو اخیافی بھائی اور ایک سگا بھائی خنثیٰ چھوڑ کر تو خنثیٰ کو مرد فرض کرنے میں کچھ حصہ نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر خنثیٰ کو عورت فرض
تو اس کا حصہ نصف ہے کیوں کہ وہ صاحب فرض ہے اور اس وقت میں یہ مسئلہ نو سہم کی طرف عول کرے گا م اس مسئلہ میں زوج کا حصہ نصف ہے اور ماں کا
اور دونوں اخیافی بھائیوں کا تہائی اور سگا بھائی جو خنثیٰ ہے وہ محروم ہے کیوں کہ وہ عصبہ ہے اور عصبہ اس وقت میراث پاتا ہے جب اہل فروض سے کچھ
رہے سو یہاں کچھ باقی نہ رہا اور اگر خنثیٰ کو عورت فرض کیجیے تو اہل فرض ہوگا تو اس کا حصہ نصف ہے تو بنا بر اسوء الحالین کے اس کو مرد ہی فرض کیا
نہ عورت تاکہ نصف پا دے **ولومات عن عم وولد اخیہ خنثیٰ قدر انثی وکان المال کلہ للعم** اور اگر ایک شخص مر گیا اپنا ایک چچا اور بھائی کا ایک ولد چھوڑ کر جو
ہے تو خنثیٰ کو یہاں عورت فرض کریں گے اور سارا مال چچا کا ہوگا م خنثیٰ کو عورت اس واسطے فرض کیا کہ بھتیجی چچا کے روبرو وارث نہیں ہوتی اور اگر

مرد فرض کرنے تو وہ بھتیجا ٹھہرتا تو سب مال کا وہی وارث ہوتا نہ چچا اس لیئے کہ ہر چند دونوں عصبہ ہیں لیکن بھتیجا چچا پر مقدم ہے کذا فی الطحطاوی واللہ اعلم واستغفر اللہ الحلیم الکریم ۔

مسائل شتیٰ

جمع شتیت بمعنی متفرقۃ وہو من داب المصنفین لتدارک مالا تذکر فیما کان بحق ذکرہ فیہ قلت وقد الحقت غالبہا بمحالہا وللہ الحمد یہ ذکر ہے مسائل شتی میں شتی جمع ہے شتیت کی بمعنی متفرقہ اور وہ عادت ہے اہل تصانیف کی کہ آخر کتاب میں مسائل متفرقہ عبادات اور معاملات کا ذکر کرتے ہیں واسطے تدارک ان مسائل کے جو وہاں مذکور نہیں ہوئے جہاں ان کا ذکر کرنا سزاوار اور لائق تھا شارح نے کہا میں کہتا ہوں اور البتہ میں نے اکثر مسائل ملا دیئے ان کے مواقع مناسبہ میں اور خدا کو حمد ہے جس نے الحاق فروع کی توفیق دی **عرق مدمن الخمر خارج نجس** ہذہ مقدمۃ صغری فی تسلیمہا کلام قدو ہذکرتہ فی اوائل نواقض الوضوء پسینہ شرابی دائم الخمر کا خارج ناپاک ہے یہ مقدمہ صغری ہے جس کی تسلیم میں وہ کلام ہے جس کا میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا اول نواقض وضو میں م ادمان کی قید ظاہر اس پر دلالت کرتی ہے کہ غیر مدمن کا پسینہ نجس نہیں اور علت یعنی پسینہ کا تولد ہونا نجس سے یعنی حلف از شراب سے عدم تقیید کا مقتضی ہے اور قید خمر کی اتفاقی ہے تو ہر مسکر نجس خمر کے مانند ہے کذا فی الطحطاوی **وکل خارج نجس** ینقض الوضوء ہذہ مقدمۃ کبری وہی مسلمۃ عندنا **فینتج ان عرق مدمن الخمر** ینقض الوضوء اور جو خارج نجس ہے وہ وضو کو توڑتا ہے یہ مقدمہ کبری ہے شکل اول بدیہی الانتاج کا اور وہ یعنی کبری مسلم ہے ہمارے نزدیک تو دونوں مقدموں سے مل کر یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ مدمن خمر کا پسینہ وضو کو توڑتا ہے لکنہ یحتاج لاثبات الصغری وحاصلہا ما فی الذخائر الاشرفیۃ لابن الشحنۃ معزیا للمجتبی عرق الدجاجۃ الجلالۃ نجس قال وعلیہ فعرق مدمن الخمر نجس بل اولی لیکن اس شکل میں صغری کے ثابت کرنے کی حاجت ہے اور جو ابن شحنہ کے ذخائر اشرفیہ میں نسبت مجتبی مذکور ہے اس کا حاصل کلام یہ ہے کہ اس مرغی کا پسینہ جو فقط نجاست خوار ہے ناپاک ہے اور بنا بر اس قول کے تو مدمن خمر کا بھی پسینہ ناپاک ہے بلکہ اولی بالنجاسۃ ہے م وجہ اولویت کی یہ ہے کہ شئے رقیق چنانچہ خمر کی تاثیر عرق نکلنے میں غیر رقیق چنانچہ مرغی کے چارہ سے زیادہ ہے کذا فی الطحطاوی ثم قال وما اسمج من کان عرقہ کعرق الکلب والخنزیر پھر مجتبی کے مصنف نے کہا اور کتنا قبیح اور مذموم ہے شخص جس کا پسینہ کتے اور سور کے مانند ہے م یہ تقبیح اور مذمت ہے مدمن خمر کی اعاذنا اللہ منہ قال ابن الغز فینبغی ینقض الوضوء وہو فرع غریب وتخریج ظاہر قال المصنف ولظہورہ عولنا علیہ ابن الغز نے کہا تو اس وقت میں یعنی جب کہ مدمن خمر کا عرق نجس ہوا تو وہ وضو کو توڑے گا اور یہ مسئلہ عجیب و غریب ہے اور اس کی تخریج ظاہر ہے مصنف نے اپنی شرح میں کہا اور اس کی تخریج کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہم نے اس پر اعتماد کیا یعنی اور متن میں اس کو داخل کیا قلت قال شیخنا الرملی حفظہ اللہ تعالی کیف یعول علیہ وہو مع غرابتہ لایشہد لہ روایۃ ولا درایۃ اما الاول فظاہر اذلم یرو عن احد ممن یعتمد علیہ واما الثانیۃ فلعدم تسلیم المقدمۃ الاولی شارح نے کہا میں کہتا ہوں کہ ہمارے استاذ خیر الدین رملی نے اللہ تعالی ان کو آفات سے محفوظ رکھے کہا ہے کیوں کر اس پر اعتماد کیا جائے اور حالانکہ وہ باوجود غرابت اور ندرت کے نہ اس پر روایت اہل مذہب کی گواہی دیتی ہے نہ استدلال عقلی عدم روایت تو خود ظاہر ہے اس واسطے کہ یہ مسئلہ معتمد عالموں میں سے ایک عالم سے بھی مروی نہیں اور استدلال عقلی تو عدم تسلیم مقدمہ اولی سے ثابت نہیں م مقدمہ اولی غیر مسلم یہ ہے کہ مدمن خمر کا پسینہ خارج نجس ہے ویشہد لبطلانہا مسئلۃ الجدی اذا غذی بلبن الخنزیر فقد علّلوا حل اکلہ بصیرورتہ مستہلکا لایبقی لہ اثر فکذلک نقول فی عرق مدمن الخمر اور مقدمہ اولی کے باطل ہونے پر گواہی دیتا ہے بکری کے بچہ کا مسئلہ جب کہ اس کا بچہ سور کے دودھ سے پالا جاوے اس واسطے کہ علما نے اس کی علت اکل کی علت بیان کی دودھ کے مستہلک اور نابود ہو جانے سے اس طرح کہ اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا تو اسی طرح ہم دائم الخمر کے پسینہ میں کہیں گے یعنی شراب اس کے بدن میں مستہلک اور نابود ہوگئی کچھ اس کا اثر باقی نہ رہا م یہ استدلال نقلی ہے نہ عقلی مگر یوں کہیئے کہ عقل اس کی تائید کرتی ہے ویکفینا فی ضعفہ غرابتہ وخروجہ عن الجادۃ ویجب طرحہ عن الشرح من متن وشرح اوہم کو کفایت کرتا ہے

سلہ یعنی ہمیشہ پینے والا ۱۲ ۔

اس کے ضعیف ہونے میں اس کا غریب اور نادر ہونا اور اس کا خارج ہونا طریق سے یعنی مذہب علماء حنفیہ سے تو اس مسئلہ کا ساقط کرنا متن اور شرح کے گرد پیش سے واجب ہے م سرح بفتح سین مہملہ و راء مہملہ ہے طحطاوی نے کہا منجملہ اس کے معانی کے درخت بھی ہے اور یہی متبادر ہے بقرینہ لفظ طرح یعنی اس درخت کا پھل ساقط کیا جائے یعنی فروع مذہب سے گرایا جائے انتہی ملخصاً م اور منجملہ معانی شرح کے فناء دار بھی ہے کذا فی القاموس اور فناء دار عبارت ہے کشادگی پیشتاب خانہ سے اور میرے نزدیک یہی مناسب مقام ہے اس لیئے کہ متن بمنزلہ گھر کے ہے اور سرح بجائے وسعت پیشتاب خانہ ہے لہذا ترجمہ اسی کا کیا واللہ اعلم **خبز وجد فی خلالہ خرء فارۃ فان کان الخرء صلبا رمی بہ واکل الخبز** ایک روٹی ہے جس کے اندر چوہے کی مینگنی پائی گئی تو اگر مینگنی سخت ہے تو پھینک دی جائے اور روٹی کھائی جائے **ولا یفسد خرء الفارۃ الدہن والماء والحنطۃ للضرورۃ الا اذا ظہر طعمہ او لونہ فی الدہن ونحوہ لفحشہ وامکان التحرز عنہ حینئذ خانیۃ** اور چوہے کی مینگنی تیل اور پانی اور گیہوں کو فاسد نہیں کرتی ضرورت کی وجہ سے مگر جبکہ اس کا مزہ یا رنگ تیل اور اس کے مانند سائل چیزیں ظاہر ہو تو البتہ مفسد ہے بسبب اس کی کثرت کے اور اس وجہ سے کہ اس سے بچنا اس وقت میں ممکن ہے کذا فی الخانیہ م خانیہ میں ہے کہ چوہے کی مینگنی جب کہ گیہوں میں پڑ گئی اور گیہوں کے ساتھ پس گئی تو اس کے آٹے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں مگر اس وقت جب کہ کثرت سے ہو اور اس کا تغیر طعم وغیرہ سے ظاہر ہو یعنی اب اس کا کھانا درست نہیں کذا فی الطحطاوی **فی السنن الرواتب لا یصلی ولا یستفتح تقدم فی باب الوتر** رواتب سنتوں میں نہ درود پڑھا جائے اور نہ دعائے استفتاح یہ مسئلہ باب الوتر میں مذکور ہو گیا م سنن رواتب سے مراد ظہر کی اول چار رکعتیں اور جمعہ کے اول کی چار رکعتیں اور بعد کی چار رکعتیں ہیں اس کتاب کے باب الوتر میں یوں مذکور ہے کہ درود نہ پڑھا جائے ظہر کے قبل کی چار رکعتوں کی قعدہ اولیٰ میں اور جمعہ کی اول اور بعد کی چار رکعتوں میں اور نہ استفتاح ہو جب کہ تیسری رکعت کے واسطے اٹھے کیوں کہ سنت موکدہ ہونے کے سبب سے یہ فرض کے مشابہ ہو گئیں اور باقی چار رکعتوں میں درود بھی پڑھا جائے اور استفتاح اور تعوذ بھی اگرچہ نذر کی نماز ہو اس لیئے کہ ہر دوگانہ نماز ہے **الدعوۃ المستجابۃ فی الجمعۃ عندنا وقت العصر علی قول عامۃ مشائخنا اشباہ وقدمناہ فی الجمعۃ عن التتارخانیۃ** دعا مقبول جمعہ کے دن ہم حنفیوں کے نزدیک عصر کے وقت ہے بموجب قول اکثر ہمارے علماء کے کذا فی الاشباہ اور ہم نے اس کو باب الجمعہ میں تاتارخانیہ سے ذکر کیا ہے م حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جمعہ میں ایک وقت دعا مقبول ہوتی ہے اس وقت کے تعیین میں اختلاف علماء ہے حنفیوں کا یہی مذہب ہے جو مذکور ہوا **الخروج من الصلوۃ لا یتوقف علی قولہ علیکم** خارج ہونا نماز سے موقوف نہیں علیکم کی لفظ پر یعنی اول[1] سلام کے علیکم پر کذا فی الطحطاوی ویتفرع **فلو دخل رجل فی صلوتہ بعدہ لا یصیر داخلا فیہا قدمناہ فی صفۃ الصلوۃ** اور اس وقت میں یعنی جبکہ خروج علیکم پر موقوف نہ ہوا تو اگر ایک مرد مقتدی اپنی نماز میں داخل ہوا بعد علیکم کے تو وہ نماز میں داخل نہ ٹھہرے گا شارح نے کہا ہم نے اس قول کو صفۃ الصلوۃ میں ذکر کیا ہے **لف ثوب نجس رطب فی ثوب طاہر یابس فظہرت رطوبتہ علی ثوب طاہر** کذا فی النسخ وعبارۃ الکنز علی الثوب الطاہر **لکن لا یسیل لو عصر لا ینجس** قدمناہ قبل کتاب الصلوۃ ناپاک گیلا کپڑا لپیٹا گیا خشک پاک کپڑے میں ہو اس کی رطوبت ظاہر ہوئی پاک کپڑے پر لیکن ناپاک کپڑا ایسا تھا کہ اگر اس کو نچوڑتے تو نہ ٹپکتا تو پاک کپڑا ناپاک نہ ہو گا شارح نے کہا ہم نے اس کو کتاب الصلوۃ سے پہلے مذکور کیا ہے متن کے نسخوں میں اسی طرح علی ثوب طاہر ہے اور کنز کی عبارت علی الثوب الطاہر ہے م نجاست سے مراد یہ ہے کہ پیشاب اور اس کے مانند کی نجاست نہیں ہے بلکہ نجس پانی سے کپڑا تر ہو گیا ہے اس طرح پر کہ نجاست کا اثر خشک کپڑے میں ظاہر نہیں نور الایضاح اور اس کی شرح صغیر میں ہے کہ جو خشک پاک کپڑا لپیٹا گیا ایسے ناپاک تر کپڑے میں کہ اگر ناپاک کو نچوڑیے تو نہ ٹپکے تو وہ نجس نہیں ہوتا اس لیے کہ نجاست کا جرم پاک کپڑے پر نہیں آتا مگر اس میں اختلاف ہے کہ اگر پاک خشک کپڑے کو نچوڑیے تو نہ ٹپکے حلوانی نے کہا کہ وہ نجس نہیں اصح قول میں یہ مسئلہ اس واسطے کہ اکثر ہوتا ہے کہ خشک کپڑا بہت نجاست کو جذب کر لیتا ہے اور نچوڑنے سے نہیں ٹپکتا تو فقط تری بلا جرم خشک پر نہیں آتی مگر اسی صورت میں جب کہ ناپاک

---

[1] یعنی داہنی طرف کے سلام میں السلام کہنے ہی سے خارج ہو جاتا ہے علیکم کہنے پر موقوف نہیں رہتا۔ ۱۲

نیز نچوڑنے سے نہ ٹپکتا ہو تو یہی متعین ہوگیا کہ برخلاف تصحیح حلوانی کے فتویٰ دیا جاوے کذا فی الطحطاوی ملخصاً ہر چند کہ عصر کا مرجع تر بہ ثوب طاہر تھا لیکن چونکہ حلوانی کا قول مفتی بہ کے مخالف تھا لہٰذا مترجم نے ثوب نجس کو مرجع قرار دیا واللہ اعلم **کما لو نشر الثوب المبلول علی حبل نجس یابس** او غسل رجلہ ومشی علی ارض نجسۃ او نام علی فراش نجس فعرق ولم یظہر اثرہ لا یتنجس خانیۃ چنانچہ اگر تر کپڑا پھیلایا ناپاک خشک رسی پر یا پاؤں کو دھویا اور ناپاک زمین پر چلا یا ناپاک فرش پر سویا سو اس کا پسینہ نکلا اور اثر نجاست کا کپڑے یا پاؤں یا بدن پر ظاہر نہ ہوا تو ناپاک نہ ہوگا کذا فی ابن نجیم حموی نے کہا ناپاک زمین پر تر پاؤں سے اس طرح چلا کہ زمین تر ہوگئی اور سیاہ لیکن اثر نجاست کا پاؤں میں ظاہر نہ ہوا اور اگر ناپاک تر زمین پر چلا خشک پاؤں سے تو ناپاک ہوگا اور سراج میں ہے اور اگر خشک قدم پاک رکھا یا فرش تر پر سویا اگر تر ہوگیا نجاست سے تو نجس ہوا اور نہیں تو نجس نہیں ہوا در نقطہ بندی اور تراوٹ کا کچھ اعتبار نہیں بنا بر قول مختار کے یعنی بدون جرم کے کذا فی الطحطاوی نوی الزکوٰۃ الا انہ سماہ قرضا جاز فی الاصح لان العبرۃ للقلب لا للسان ادائے زکوٰۃ کی نیت کی مگر اس کا قرض نام رکھا یعنی محتاج کو قرض کہہ کر دیا تو درست ہے صحیح تر قول میں اس واسطے کہ نیت دل کا اعتبار ہے نہ زبان کا م صحیح تر روایت یہی ہے کہ نیت واقع کا اعتبار ہے لینے والے کا علم ضرور نہیں مگر ابو جعفر کے قول پر کذا فی الطحطاوی من لہ حظ فی بیت المال کالعلماء ظفر بما ہو وجہ **لبیت المال فلہ اخذہ دیانۃ** قدمناہ قبیل باب المصرف جس کا حصہ بیت المال میں ہو چنانچہ علماء دین سو اس نے بیت المال[1] کا مال پایا تو اس کو اس کا لینا باعتبار دیانت کے جائز ہے ہم نے اس کو باب المصرف کے پہلے مذکور کیا ہے م بیت المال یعنی خزانہ سلطانی کے مصرف علماء اور عمال اور مقاتلین اور ان کی اولاد اور طالب علم اور واعظ دین ہیں بزازیہ میں ہے کہ امام حلوانی نے کہا کہ جب ایک شخص کے پاس امانت ہو اور مودع مر جاوے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اگر وہ اہل مصارف مذکورہ سے ہو تو اپنی ذات پر خرچ کرے ہمارے اس زمانہ میں اس واسطے کہ اگر بیت المال میں داخل کرے گا تو مال ضائع ہوگا اس واسطے کہ حکام اس کے مصارف شرعی میں صرف نہ کریں گے اور اگر وہ شخص بیت المال کا مصرف نہیں تو اور مستحقین بیت المال پر صرف کرے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی **افطر فی رمضان فی یوم ولم یکفر حتی افطر فی یوم آخر فعلیہ کفارۃ واحدۃ ولو فی رمضانین** علی الصحیح وقدمناہ فی الصوم روزہ توڑا رمضان کے ایک دن میں اور کفارہ ادا نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرے دن کا روزہ توڑا تو اس پر ایک ہی کفارہ ہے اگرچہ اس نے دو رمضانوں کے چند روزے توڑے ہوں تو بھی ایک ہی کفارہ کفایت کرتا ہے بنا بر قول صحیح کے اور ہم نے اس کو کتاب الصوم میں مذکور کیا ہے **ونوی قضاء رمضان ولم یعین الیوم صح** اور اگر قضاء رمضان کی نیت کی اور دن کی تعیین نہ کی یعنی یوں نہ کہا کہ تیسری تاریخ کی قضا کرتا ہوں یا پانچویں کی تو صحیح ہے م اس لیے کہ جنس واحد میں تعیین کی نیت شرط نہیں ولو عن رمضانین کقضاء الصلوٰتین ایضاً **وان لم ینو فی الصلوٰۃ اول صلوٰۃ علیہ** او آخر **صلوٰۃ علیہ** کذا فی الکنز تعیین یوم شرط نہیں اگرچہ دو رمضانوں کی قضا کی نیت کرے جیسے نماز کی بھی قضا صحیح ہے اگرچہ یوں نیت نہ کرے نماز میں کہ وہ پہلی نماز پڑھتا ہوں جو مجھ پر واجب الادا ہے یا پچھلی وہ نماز پڑھتا ہوں جو مجھ پر واجب ہے اسی طرح کنز میں ہے م مسکین کی شرح کنز میں ہے دو رمضان کی نسبت سے مراد یہ ہے کہ دو رمضانوں سے ایک رمضان کی قضا کی نیت کرے پہلی پچھلی تاریخوں کی تعیین ضرور نہیں اور یہ مراد نہیں کہ دونوں رمضانوں کو نیت میں جمع کرے اس واسطے کہ صوم میں دو فرضوں کی نیت کرنے والا متنفل ہوتا ہے یعنی فرض ادا نہیں ہوتا روزہ اس کا نفل ہو جاتا ہے قال المصنف قال الزیلعی والاصح اشتراط التعیین فی الصلوٰۃ وفی رمضانین الخ قلت وکذا قدمتہ فی باب قضاء الفوائت تبعاً للدرر وغیرہا اپنی شرح میں مصنف نے کہا کہ زیلعی نے کہا کہ تعیین کا نماز اور دو رمضانوں میں شرط ہونا صحیح تر قول ہے میں کہتا ہوں اور اسی طرح اشتراط تعیین کو ہم نے ذکر کیا ہے باب قضاء الفوائت میں درر وغیرہ کا تابع ہو کر م طحطاوی نے کہا اور تصحیح کی ولوالجیہ میں اس قول کی کہ قضاء رمضان بلا تعیین صحیح ہے اگرچہ دو رمضانوں کی قضا ہو مگر تعیین احوط ہے انتہی اور دو رمضانوں میں تعیین کی یہ صورت ہے کہ یوں نیت کرے کہ میں فلانی برس کے رمضان کی قضا کرتا ہوں اور قضاء صلوٰۃ میں نماز اور اس کے دن کی تعیین کرے اس طرح کہ میں فلانے دن کی ظہر کی قضا کرتا ہوں اور اگر اول ظہر علیہ یا آخر

---

[1] الفاظ کے مناسب ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ ایسا مال پایا جو بیت المال کے کسی صیغہ کا ہے ۱۲

ظہر علیہ کی نیت کی تو اشتراط تعیین کے قول پر جائز ہے اس واسطے کہ نماز متعین ہو گئی اس کے تعیین کرنے سے اور اسی طرح وقت بھی متعین ہو گیا اول یا آخر کہنے
سے اس واسطے کہ جو نماز اول قضا کی تو اب اس کے بعد کی نماز اول ہو گئی اور جو اس کے پہلے ہے وہ پہلی نماز ہو گئی مصنف نے کہا اور یہ یعنی اول ظہر علیہ یا
آخر ظہر کہنا مختص ہے اس شخص کے واسطے جس کو اوقات فائتہ یاد نہ رہے یا اس پر مشتبہ ہو گئے یا اس نے اپنی ذات پر آسانی کا ارادہ کیا انتہی ثم رأیتہ فی البحر
قبیل باب اللعان ما نصہ و نیۃ التعیین لم تشترط باعتبار ان الواجب مختلف متعدد بل باعتبار ان مراعاۃ الترتیب واجبۃ علیہ ولا یمکنہ مراعاتہ الا بنیۃ التعیین حتی
لو سقط الترتیب بکثرۃ الفوائت یکفیہ نیۃ الظہر لا غیر کذا فی المحیط و ہو تفصیل حسن فی الصلوات ینبغی حفظہ انتہی بلفظہ پھر میں نے بحر الرائق میں باب اللعان
کے پہلے وہ دیکھا جس کی عبارت یہ ہے اور تعیین کی نیت مشروط نہیں ہوئی اس اعتبار سے کہ واجب مختلف اور کثیر ہے بلکہ اس اعتبار سے نیت تعیین
کی مشروط ہے کہ مراعات ترتیب کی اس پر واجب ہے اور اس کو مراعات ترتیب کی ممکن نہیں ہے مگر تعیین کی نیت سے تو اگر ترتیب ساقط ہو
گئی کثرت فوائت سے تو فقط نیت ظہر کی مثلاً کفایت کرتی ہے نہ اس کے سوا اور ایسا ہی مذکور ہے محیط میں اور یہ تفصیل خوب ہے نمازوں میں
اس کا یاد رکھنا لائق ہے انتہی بلفظہ ثم رأیتہ نقلہ عنہ فی الاشباہ فی بحث تعیین المنوی ثم قال و ہذا مشکل وما ذکرہ اصحابنا کقاضیخان وغیرہ خلافہ و ہو
المعتمد کذا فی التبیین انتہی بحروفہ فلیتنبہ لذلک پھر دیکھا میں نے صاحب بحر الرائق کو کہ اس نے محیط کی عبارت مذکورہ نقل کی اشباہ میں تعیین منوی کی
بحث میں پھر کہا اور یہ یعنی عدم تعیین کی کثرت فوائت میں مشکل ہے اور جو ہمارے علماء نے مذکور کیا ہے چنانچہ قاضی خان وغیرہ نے وہ اس کے
خلاف ہے یعنی تعیین مشروط ہے ان کے کلام میں اگرچہ بلفظ اول ظہر یا آخر ظہر ہو اور وہی یعنی اشتراط تعیین معتمد ہے چنانچہ تبیین میں ہے انتہی
بحروف الاشباہ تو اس سے آگاہ رہنا م وجہ اشکال یہ ہے کہ عدم اشتراط تعیین فوائت اس قاعدہ کلیہ کو منہدم کرتا ہے جس پر فقہا کا اتفاق ہے وہ قاعدہ
یہ ہے کہ تعیین ہوتی ہے اجناس کی تمیز کے واسطے اور سب نمازیں من قبیل مختلف الجنس کے ہیں اس واسطے کہ ان کے اسباب یعنی اوقات مختلف ہیں
کذا فی الحموی حاشیۃ الاشباہ طحطاوی نے ہو المعتمد کے حاشیہ میں کہا کہ عدم تعیین قول بھی ولوالجیہ میں مصحح ہے اگرچہ تعیین احوط ہے راس شاۃ تلطخ
بدم احرق راسہ و زال عنہ الدم فاتخذ منہ مرقۃ جاز استعمالہا والحرق کالغسل وقدمنا انہ من المطہرات بھیڑ بکری کا سر خون سے لتھڑا آگ
سے جلایا گیا اور خون اس سے دور ہو گیا پھر اس کا شوربا بنایا گیا تو اس کا استعمال کرنا جائز ہے اور جلانا دھونے کے برابر ہے پاک کر دینے میں اور
ہم نے کتاب الطہارۃ میں پہلے ذکر کر دیا کہ جلانا بھی مطہرات میں داخل ہے م آگ نجاست کو فنا کرتی ہے یہاں تک کہ شے ناپاک میں ناپاکی کا کچھ اثر نہیں
رہنا پاتا اگر خاک کر دیتی ہے بطریق استحالہ کے ولہذا اگر گوبر جل کر راکھ ہو جاوے تو پاک ہو جاتا ہے جیسے شراب جب کہ سرکہ بن جائے یا کہ سؤر نمکسار
میں گر کر نمک بن جائے کذا فی الطحطاوی سلطان جعل الخراج لرب الارض جاز بادشاہ نے خراج یعنی محصول زمین کا زمیندار کے واسطے مقرر کر دیا
تو جائز ہے م یہ قول ہے ابو یوسفؒ کا اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک خراج زمیندار کو دینا جائز نہیں عشر کی مانند مفتاح میں ہے کہ
محل خلاف اس وقت ہے جب کہ زمیندار مصرف ہو خراج کا اور اگر اہل اس کا نہیں ہے تو بالاتفاق جائز نہیں کذا فی الطحطاوی وان جعل لہ العشر
لا لانہ زکوۃ قلت وقد قدمنہ فی الجہاد وقدمتہ فی الزکوۃ ایضاً اور اگر بادشاہ نے زمیندار کے واسطے عشر عطا کیا تو جائز نہیں اس واسطے کہ عشر زکوۃ ہے
میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس کو کتاب الجہاد میں ذکر کیا ہے اور کتاب الزکوۃ میں بھی مذکور کر دیا ہے م جب عشر زکوۃ ٹھہرا تو وہ فقیروں کا حق ہے ہاں اگر
زمیندار فقیر ہو تو اس کو بھی دینا درست ہے کذا فی الطحطاوی عن المفتاح عجز اصحاب الخراج عن زراعۃ الارض واداء الخراج ودفع الامام
الارض الی غیرہم بالاجرۃ لیعطوا الخراج من اجرتہا المستحقۃ جاز اہل خراج عاجز ہو گئے زمین کی زراعت سے اور خراج کے ادا کرنے سے اور
بادشاہ نے اور شخصوں کو دی بطریق اجارہ کے تاکہ وہ خراج ادا کریں اس کی اجرت مستحقہ سے تو یہ جائز ہے فان فضل شئ من اجرتہا دفعہ لمالکہا نہایۃ التحقیق

پھر اگر فاضل بچے اس کی اجرت سے کچھ تو زمین کے مالک کو دے دونوں کی رعایت کے واسطے یعنی اگر زمین مثلاً سو روپیہ کو اجارہ دے اور خراج اس کا اسی روپیہ ہیں تو اسی روپیہ بادشاہ لے اور بیس روپے زمیندار کو دے **فان لم یجد الامام من یستاجرہا باعہا لقادر واخذ الخراج الماضی من الثمن لو علیہم خراج ورد الفضل لاربابہا زیلعی** پھر اگر بادشاہ اس کو نہ پاوے جو زمین اجارہ لے تو اس کو بیچے صاحب قدرت سے اور خراج گذشتہ اس کے ثمن سے لے اگر مالکوں پر خراج باقی رہا ہو اور زائد کو اس کے مالکوں پر رد کرے کذا فی الزیلعی **قلت وقدمنا فی الجہاد ترجیح سقوطہ بالتداخل فیحمل علی المرجوح او علی ان مرادہ اخذ خراج السنۃ الماضیۃ فقط** میں کہتا ہوں اور ہم نے کتاب الجہاد میں مذکور کیا ہے راجح سقوط خراج کا تداخل سے تو زیلعی کا قول مذکورہ قول مرجوح پر محمول ہے یا اس پر کہ زیلعی کی مراد یہ ہے کہ فقط سال گذشتہ کا خراج لیا جاتا ہے م سقوط بالتداخل کا محل اس وقت ہے جب کہ مالک عاجز ہو گیا زراعت سے اور اگر عاجز نہیں ہوا تو سب کے نزدیک خراج لیا جاوے گا اور یہ محل خوب سمجھ لے فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ جب خراج مجتمع ہوا اور ادا نہ کیا تو امام کے نزدیک اسی سال کا خراج لیا جاوے گا اور پہلے سال کا خراج نہ لیا جاوے گا اور یہ اس پر سے ساقط ہو گا انتہی اور یہ صریح ہے سال ماضی کے سقوط خراج میں کذا فی الطحطاوی **غنم مذبوحۃ ومیتۃ فان کانت المذبوحۃ اکثر تحری واکل والا بان کانت المیتۃ اکثر او استویا لا یتحری لو فی حالۃ الاختیار بان یجد ذکیۃ والا تحری واکل مطلقا** د م چند بھیڑ بکریاں مذبوح اور مردار ہیں سو اگر مذبوح زیادہ تر ہوں تو اٹکل کرے اور کھاوے اور اگر مردار زیادہ تر ہوں یا حلال اور مردار دونوں برابر ہوں تو اٹکل نہ کرے اگر اختیار کی حالت میں ہو اس طرح پر کہ ذبح کی بکری پاوے اور نہیں تو اٹکل کرے اور کھاوے ہر طرح سے خواہ برابر ہوں یا کم و زیادہ اور یہ گذر گیا م کثرت کا اعتبار اس واسطے کیا کہ غلبہ قائم مقام ضرورت کے ہوتا ہے افادہ اباحت میں کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ بازار خالی نہیں ہوتے ہیں محرم اور مسروق اور مغصوب سے اور باوجود اس کے تناول مباح ہے ظاہر پر اعتماد کر کے اس واسطے کہ قلیل سے بچنا ممکن نہیں تو اس کا اعتبار ساقط ہوا حرج کے واسطے جیسے قلیل نجاست بدن اور کپڑے میں ساقط الاعتبار ہے بخلاف کثرت یا مساوات مردار کے کہ وہاں ضرورت نہیں تو اس سے احتراز ممکن ہے اکثر نسخوں درالمختار میں یوں ہے و مر فی گویا کہ شارح کو وہ موضع یاد نہ رہا جہاں اس مسئلہ کو مذکور کر چکا اور بعضی نسخوں میں یوں ہے کما مر فی انار المار کذا فی الطحطاوی اور عرب کے لکھے نسخہ صحیحہ میں فقط د م ہے میں نے اس پر اعتماد کیا واللہ اعلم طحطاوی میں ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے مذبوحہ کی علامت یہ ہے کہ اس کی گردن کی شاہ رگیں خون سے خالی ہوتی ہیں اور مردار کی خون سے بھری ہوتی ہیں **ایماء الاخرس وکتابتہ کالبیان باللسان** گونگے کا اشارہ اور لکھنا بیان کے مانند ہے یعنی زبان کے بولنے کے برابر ہے م یعنی گونگا آدمی اگر پلک یا ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرے تو زبانی تقریر کے مانند ہے ثبوت احکام میں بشرطیکہ حاکم اس کا اشارہ سمجھے یا حاکم کو اس کا کوئی اشارہ فہیم متقی سمجھا دے اور پیدائشی گونگے کی اگرچہ کتابت بسبب عدم تعلیم اور تعلم کے مستبعد ہے لیکن اگر بطریق خرق عادت کے واقع ہو تو بمنزلہ بیان زبانی کے ہے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی **بخلاف معتقل اللسان** برخلاف معتقل اللسان کے م معتقل اللسان بفتح قاف وہ ہے جو کلام کرنے پر قادر نہ ہو مگر تکلف سے کذا فی الطحطاوی عن الحموی **وقال الشافعی ہما سواء** اور امام شافعیؒ نے کہا کہ گونگا اور معتقل اللسان دونوں برابر ہیں **فی وصیۃ ونکاح وطلاق وبیع وشراء وقود وغیرہا من الاحکام** ای ایماء الاخرس فیما ذکر معتبر ومثلہ معتقل اللسان ان علمت اشارتہ وامتدت عقلتہ الی موتہ بہ یفتی قلت ومر فی الوصایا یا اشارہ گونگے کا زبانی بیان کے مانند ہے وصیت میں اور نکاح اور طلاق اور بیع اور شرا اور قصاص وغیرہا من الاحکام میں یعنی گونگے کا اشارہ اشیاء مذکورہ میں معتبر ہے اور گونگے کے مانند معتقل اللسان ہے بشرطیکہ اس کا اشارہ مفہوم ہوتا ہو اور اس کا عدم تکلم اس کی موت تک ممتد اور متصل ہو اسی قول پر فتوی ہے میں کہتا ہوں اور یہ قول کتاب الوصایا میں مذکور ہو گیا **وذکرہ ہنا الاکمل وابن الکمال والزیلعی وغیرہم ثم مفاد کلامہم انہ لو اقر بالاشارۃ او طلق مثلا توقف فان مات علی عقلتہ نفذ مستندا والا لا** اور معتقل اللسان کو یہاں اکمل اور ابن کمال اور زیلعی وغیرہم نے ذکر کیا ہے پھر دریافت کرنا چاہیے کہ ان کے کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر معتقل اللسان اشارہ سے کچھ اقرار کرے یا مثلاً طلاق دے تو اقرار اور طلاق کا حکم موقوف رہے گا سو اگر وہ مر گیا اسی حالت عدم تکلم پر تو اقرار اور طلاق نافذ ہو گا

بطریق استناد کے اور اگر عدم تکلم تا موت ممتد نہیں تو طلاق وغیرہ نافذ نہ ہوگا مگر جب طلاق نافذ ہو تو اس کی زوجہ کو نکاح کرنا جائز ہے اگر اس کی مدت گذر گئی ہو اشارہ یا کتابت کے وقت سے وعلیہ فلو تزوج بالاشارۃ لا یحل لہ وطیہا لعدم نفاذہ لکنہ اذا مات یجالہ کان لہا المہر من ترکتہ قالہ المصنف اور بنا بر قول مذکور کے اگر معتقل اللسان نے اشارہ سے نکاح کیا تو اس کو وطی کرنا زوجہ کا حلال نہیں نکاح کے نافذ نہ ہونے کی وجہ سے لیکن جب وہ مر جاوے گا زوجہ کا مہر اس کے متروکہ سے لازم ہوگا ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں لکن قد ذکر ابنہ فی الزواہر عند ذکر الاشباہ الاحکام الاربعۃ لیکن مصنف کے فرزند نے زواہر الجواہر میں ذکر کیا ہے اشباہ کے احکام اربعہ کے ذکر کے نزدیک ثم یہ استدراک ہے علماء مذکورین کے کلام پر احکام اربعہ مذکورہ یہ ہیں اقتصار انقلاب استناد تبیین اقتصار جیسے انشاء طلاق و عتاق اور انقلاب یہ کہ جو چیز علت نہیں وہ علت ہو جاتے جیسے طلاق شرطی تو جب شرط طلاق کی پائی جاوے گی مثلاً دخول دار تو جو طلاق کی علت نہیں وہ علت ہوگی اور استناد یہ کہ حکم فی الحال ثابت ہو پھر مستند ہو یعنی منسوب ہو اس سبب کی طرف جس کا وجود مقدم تھا جیسے نصاب پر زکوۃ واجب ہوتی ہے سال پورے ہونے سے مستند الی وجود النصاب یعنی جب سے کہ نصاب کا وجود ہوا اور تبیین یہ کہ فی الحال ظاہر ہوا کہ حکم ثابت تھا پہلے سے چنانچہ آج یوں کہا کہ اگر زید گھر میں ہو تو زوجہ مطلقہ ہے اور دوسرے دن ظاہر ہوا کہ زید گھر میں تھا تو طلاق آج ہی واقع ہوگی اور آج ہی سے عدت شروع ہوگی اور استناد اور تبیین میں فرق یہ ہے کہ تبیین میں اطلاع عباد ممکن ہے اور استناد میں ممکن نہیں کذا فی الاشباہ ملخصاً ان قولہم والضابط للمقتصر والمستند ان ما صح تعلیقہ بالشرط یقع مقتصراً وما لا یصح تعلیقہ یقع مستنداً کما فی البحر من باب التعلیق یخالف ذلک اذ مقتضاہ وقوع الطلاق والعتاق ونحوہما مما یصح تعلیقہ بالشرط مقتصراً فتنبہ صاحب زواہر نے کہا کہ مقرر علماء کا یہ قول اور قاعدہ کلیہ مقتصر اور مستند کے واسطے یہ کہ جس کی تعلیق شرط پر صحیح ہے وہ بطریق اقتصار کے واقع ہوتا ہے اور جس کی تعلیق صحیح نہیں وہ بطریق استناد کے واقع ہوتا ہے چنانچہ بحر الرائق میں باب التعلیق سے مخالف ہے اس کے جو مصنف نے اکمل اور ابن کمال اور زیلعی کی طرف منسوب کیا ہے اس واسطے کہ مقتضا قاعدہ مذکورہ یہ ہے کہ طلاق اور عتاق اور ان کے مانند جس کی تعلیق شرط پر صحیح ہے وہ بطریق اقتصار کے واقع ہو نہ بطریق استناد کے تو آگاہ اور خبردار رہنا کہ اکمل وغیرہ کا مفاد کلام قاعدہ کلیہ کے مخالف ہے لا تکون اشارتہ وکتابتہ کالبیان فی حد لاندرائہا بالشبہات لکونہا حق اللہ تعالیٰ ولا فی شہادۃ ما مطلقاً نہ ہوگا گونگے کا اشارہ اور لکھنا اس کے بیان کے مانند کسی حد میں حدود سے اس واسطے کہ حدود شبہات سے ٹالی جاتی ہیں اس لیے کہ وہ حق اللہ ہیں اور نہ کسی گواہی میں بیان کی برابر ہے اس کا اشارہ اور کتابت کذا فی القنیۃ وہل یصح اسلامہ بالاشارۃ ظاہر کلامہم نعم ولم ارہ صریحاً اشباہ اور کیا صحیح ہے مسلمان ہو جانا گونگے کا اشارہ سے فقہا کا ظاہر کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہاں اسلام اس کا صحیح ہے اور میں نے اس کو صریح نہیں دیکھا کذا فی الاشباہ ابتلع الصائم بصاق محبوبہ یقضی ویکفر ولو غیر محبوبہ لا یکفر وقد مرّ فی الصوم روزہ دار اپنے معشوق کی رال پی گیا تو روزہ کی قضا کرے اور کفارہ دے اور اگر اس کا معشوق نہیں تو کفارہ نہ دے اور کتاب الصوم میں یہ مذکور ہو گیا ہے اس واسطے کہ انسان دوسرے کی رال سے گھنا تا ہے اور نہایت مکروہ جانتا ہے تو خمیر وغیرہ کے مانند ہوئی اور اگر رال محبوب کی ہے تو اس کو مکروہ نہیں جانتا تو وہ روٹی وغیرہ کے مانند ہو گئی کذا فی الطحطاوی قتل بعض الحجاج عذر فی ترک الحج مر فی الحج مقتول ہو جانا بعضے حاجیوں کا عذر ہے حج کے ترک کرنے میں اور یہ مذکور ہو چکا کتاب الحج میں منعہا زوجہا من الدخول علیہا وہو یسکن معہا فی بیتہا نشوز حکماً کما حررناہ فی باب النفقۃ منع کرنا زوجہ کا اپنے زوج کو اپنے پاس کے آنے سے اور حالانکہ زوج اپنی زوجہ کے پاس رہتا ہے زوجہ کے گھر میں نافرمانی ہے حکماً چنانچہ ہم نے اس مسئلہ کی باب النفقہ میں تحریر اور تحقیق بیان کی ہے ثم نافرمانی اس واسطے کہ اس نے اس کو ناحق روکا تو زوج پر زوجہ کا نفقہ واجب نہ ہوگا روکنے تک ولو کان المنع لینقلہا الی منزلہ فلیست ناشزۃ لوجوب السکنی علیہ اور اگر زوجہ کا روکنا اس واسطے ہو کہ زوج زوجہ کو اپنے گھر میں لے جاوے تو اب زوجہ نافرمان نہیں بسبب واجب ہونے سکنی کے زوج پر او کان یسکن فی بیت الغصب فامتنعت منہ لا تکون ناشزۃ لانہا محقۃ اذ السکنی فیہ حرام بخلاف ما لو کان فیہ شبہۃ یا کہ زوج غصب کے گھر میں رہتا ہو سو زوجہ زوج سے علیحدہ رہے تو وہ نافرمان نہ ہوگی اس واسطے کہ حق پر زوجہ ہے اس لیے کہ غصب کے مکان

میں رہنا حرام ہے برخلاف اس صورت کے کہ مکان میں شبہہ ہو شبہہ کی یہ صورت ہے کہ زوج نے مثلاً مکان خرید کیا مجہول مال سے کذا فی الطحطاوی مال مجہول وہ ہے جس کی حلت اور حرمت معلوم نہیں **قالت لا اسکن مع امتک وارید بیتا علیحدۃ لیس لہا ذلک** وکذا مع ام ولدہ وکلہ مر فی النفقۃ زوجہ نے زوج سے کہا کہ میں تیری لونڈی کے ساتھ نہ رہوں گی اور میں علیحدہ گھر چاہتی ہوں تو زوجہ کو اس کا اختیار نہیں اور اسی طرح زوج کے ام ولد کے ساتھ نہ رہنے کا اس کو اختیار نہیں اور یہ سب باب النفقہ میں مذکور ہو گیا **قال لعبدہ یا مالکی او قال لامتہ انا عبدک لا یعتق** لانہ لیس بصریح ولا بکنایۃ مالک نے اپنے غلام سے کہا اے میرے مالک یا اپنی لونڈی سے کہا کہ میں تیرا غلام ہوں تو لونڈی یا غلام آزاد نہ ہوگا اس واسطے کہ یہ لفظ آزاد کرنے میں نہ صریح ہے نہ کنایہ **بخلاف قولہ لعبدہ یا مولاے** لانہ کنایۃ علی ما مر فی محلہ برخلاف اس قول کے کہ اس نے اپنے غلام سے کہا اے مولا میرے اس واسطے کہ یہ کنایہ ہے بنا بر اس تقریر کے جو اپنے محل میں گذر گئی یعنی کتاب الاعتاق میں م طحطاوی نے کہا کہ ظاہراً مولے کا لفظ مالک اور غلام میں مشترک ہے اور نیت سے ایک معنی کی تعیین ہوگی لیکن منح الغفار میں یوں تعلیل مذکور ہے کہ مولے کے حقیقی معنی ثبوت[1] ولاء علے العبد پر دلالت کرتے ہیں اور یہ نہیں مگر عتق سے تو غلام آزاد ہوگا انتہی اور ظاہر اس کلام کا عدم اشتراط نیت پر دلالت کرتا ہے واللہ اعلم **العقار المتنازع فیہ لا یخرج من ید ذی الیہ ما لم یبرہن المدعی علی وفق دعواہ بخلاف المنقول** عقار متنازع فیہ نہ نکالا جائے قابض کے ہاتھ سے جب تک مدعی اپنے دعوی کے موافق (یعنی کہ عقار مدعا علیہ کے ہاتھ میں ہے کذا فی الحموی) گواہ نہ گذارنے برخلاف منقول کے م یعنی حاکم عقار کو ذی الید کے ہاتھ سے نہ نکالے قابض کے یوں اقرار کرنے پر کہ ہاں وہ زمین یا مکان میرے قبضہ میں ہے مواضعت یعنی دونوں کے گٹھ جانے کے احتمال کی وجہ سے یعنی شاید مدعی اور مدعا علیہ نے اس پر اتفاق کیا ہو کہ مدعا علیہ اپنے قابض ہونے کا اقرار کرے تاکہ حاکم اس کا حکم دے پھر جب اس نے حکم کیا تو اب اس کے توڑنے کی کوئی صورت نہیں یہاں تک کہ اگر اس عقار کا کوئی اور مدعی دعویٰ کرے تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا تو ذی الید کے قبض پر گواہی گذرنے سے مواضعت کی تہمت دفع ہو جاوے گی تو اس پر حکم کرنا ممکن ہوگا اس کے قبضہ سے خارج کرنے کا بسبب ثابت ہو جانے اس کے قبض کے کذا فی الطحطاوی **او یعلم بہ القاضی** یا قاضی جانتا ہو مدعا علیہ کے قبضے کو تو اب گواہی کی حاجت نہیں ولا یکفی تصدیق المدعی علیہ انہ فی یدہ فی الصحیح لاحتمال المواضعۃ اور کفایت نہیں کرتی مدعا علیہ کی یہ تصدیق کہ وہ عقار اس کے یعنی میرے قبضہ میں ہے قول صحیح میں مواضعت کے احتمال سے یعنی باہم گٹھ جانے کے احتمال سے قلت قدمنا غیر مرۃ آخرہا فی باب جنایۃ المملوک ان المفتی بہ فی زماننا انہ لا یعمل بعلم القاضی فتأمل میں کہتا ہوں ہم نے چند بار آگے مذکور کیا پچھلا مرتبہ ذکر کا باب جنایۃ المملوک ہے کہ قول مفتی بہ ہمارے زمانہ میں یہ ہے کہ قاضی کی دانست پر عمل نہ ہوگا سو اس کو غور کرلے وہذا اذا ادعاہ ملکا مطلقا اور یہ اس وقت ہے جب کہ مدعی نے ملک مطلق کا دعوی کیا یعنی محل اشتراط اقامت بینہ کا اس پر کہ عقار مدعا علیہ کے ہاتھ میں ہے ملک مطلق کے دعوی میں ہے اما اذا ادعی الشراء من ذی الید واقرارہ بانہ فی یدہ فانکر الشراء واقر بکونہ فی یدہ لم یحتج لبرہان علی کونہ فی یدہ لان دعوی الفعل کما تصح علی ذی الید تصح علی غیرہ ایضا کما بسط فی البزازیۃ اور جب کہ مدعی نے ذی الید سے خرید کا دعوی کیا اور ذی الید کے اس اقرار کا دعوی کیا کہ عقار میرے قبضہ میں ہے سو قابض ذی الید نے اس کے خرید کا انکار اور اپنے قابض ہونے کا اقرار کیا تو اب ذی الید کے قبضہ ہونے کی گواہی کی حاجت نہ رہی اس واسطے کہ دعوی فعل کا چنانچہ خرید کا دعوی جیسا ذی الید پر صحیح ہے ویسا ہی غیر ذی الید پر بھی صحیح ہے چنانچہ بزازیہ میں مشرح مذکور ہے **عقار لا فی ولایۃ القاضی یصح قضاؤہ فیہ** کمنقول ہو الصحیح وتقدم فی القضاء ان المصر لیس بشرط فیہ بہ یفتی ویکتب بالحکم الی قاضی تلک الناحیۃ لیأمرہ بالتسلیم ایک عقار قاضی کی ولایت اور حکومت میں نہیں تو اس قاضی کا حکم اس عقار میں صحیح ہے جیسے مال منقول میں صحیح ہے یہی قول صحیح ہے اور کتاب القضاء میں آگے مذکور ہو چکا کہ وہی شہر ہونا صحت قضا میں شرط نہیں یہی قول مفتی بہ ہے اور وہاں کا قاضی حکم لکھ بھیجے اس طرف کے قاضی کو جہاں وہ زمین ہے تاکہ وہ

---

[1] یعنی اگر غلام آزاد شدہ مر جاوے اور اس کا وارث کوئی نہ ہو تو اس کا مال آقا کو ملے ۱۲۔

اس زمین کے دلانے کا امر کرے **وقیل لایصح** ومشی علیہ فی الکنز والملتقی اور بعضوں نے کہا کہ قاضی کا حکم غیر حکومت کی زمین میں صحیح نہیں ہے اور اسی قول پر صاحب کنز اور ملتقی چلا ہے م مصنف نے اپنی شرح میں کہا کہ ہم نے کنز الدقائق کے قول سے اس واسطے عدول کیا کہ بزازیہ اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ قاضی کا حکم محدود میں صحیح ہے اگرچہ عقار محدود قاضی کی حکومت میں نہ ہو کذا فی الطحطاوی **قضی القاضی ببینة فی حادثة ثم قال رجعت عن قضائی او بدالی غیر ذلک او وقعت فی تلبیس الشهود او ابطلت حکمی او نحو ذلک لایعتبر** قول القاضی فی کل ذلک لتعلق حق الغیر به وهو المدعی قاضی نے گواہ سن کر ایک حادثہ میں حکم کیا پھر قاضی نے کہا کہ میں اپنے حکم سے پھر آیا سوائے اس کے مجھ کو کچھ اور ظاہر ہوا یعنی میں نے ناحق حکم کیا یا کہ میں گواہوں کے فریب میں پڑ گیا یا کہ میں نے اپنے حکم کو باطل کر دیا یا مانند اس کے اور کچھ کہا ابطال حکم میں تو ان سب باتوں میں قاضی کا قول معتبر نہ ہوگا بسبب متعلق ہو جانے حق غیر کے یعنی مدعی کی حق تلفی کی وجہ سے م اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رائے اول راجح ہو گئی حکم دینے سے تو رائے ثانی سے جو اس کے برابر ہے منقوض نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی **والقضاء ماض ان کان بعد دعوی صحیحة وشهادة مستقیمة** اور قاضی کا حکم جاری اور نافذ ہے اگر صحیح دعوے اور شہادت مستقیمہ کے بعد واقع ہوا ہو م صحیح دعوی وہ ہے جس سے دعوی کے احکام متعلق ہوں تو اس میں مدعی اور مدعا علیہ کا حاضر ہونا دار القضا میں اور مطالبہ جواب کا اور گواہوں سے ثابت کرنا مثلاً ضروری ہوگا اور شہادت مستقیمہ عبارت ہے شہادت عدول اور ثقات سے جو شرائط صحت کی جامع ہے تو فاسد دعوے اور شہادت غیر مستقیمہ میں اقوال مذکورہ قاضی کے معتبر ہوں گے اور حکم قاضی کا باطل ہو جاوے گا اور فاسد دعوی کی صورت یہ ہے کہ محدود کا دعوی کرے اور یہ بیان نہ کرے کہ وہ باغ ہے یا صاف زمین ہے اور منجملہ شہادت غیر مستقیمہ کے یہ ہے کہ قاضی اپنی دانست پر حکم کرے پھر اپنے علم کی خطا ظاہر ہو تو قاضی کو اپنا حکم جاری رکھنا لائق نہیں کذا فی الطحطاوی عن الحموی بتصرف الا فی ثلث مرت فی القضاء لو بعلمه او بخلاف مذهبه او ظهر خطاءه قاضی کا حکم دعوے صحیح اور شہادت مستقیمہ کے بعد نافذ ہے مگر تین صورتوں میں نافذ نہیں جو کتاب القضا میں مذکور ہو گئیں یعنی اگر قاضی نے اپنی دانست پر بدون گواہوں کے حکم کیا یا اپنے برخلاف مذہب کے حکم کیا یا قاضی کی خطا ظاہر ہو گئی **اذا قال الشهود قضیت وانکر القاضی فالقول له** بیمینه قاله ابن الغرس فی الفواکه البدریة زاد فی البزازیة خلافا لمحمد زاد فی البحر **مالم ینفذه قاض آخر** فحینئذ لایکون القول له فانه لم ینقض لوجود قضاء الثانی به قال المصنف وهو قید حسن لم اقف علیه لغیر صاحب البحر جب کہ گواہوں نے قاضی سے کہا کہ تو نے حکم دیا ہے اور قاضی حکم دینے کا منکر ہے تو قاضی کا قول معتبر ہوگا یہی قول مفتی بہ ہے ایسا کہا ابن الغرس نے فواکہ بدریہ میں بزازیہ میں اتنا زیادہ کہا ہے کہ یہ قول محمدؒ کے خلاف ہے بحر الرائق میں یہ قید زیادہ کی ہے کہ جب تک قاضی منکر کے قول کو دوسرے قاضی نے نافذ نہ کر دیا ہو تو اب قاضی کا قول عدم قضا میں مقبول نہ ہوگا بسبب موجود ہونے دوسرے قاضی کے حکم کے مصنف نے کہا اور یہ قید خوب ہے میں واقف نہ ہوا اس قید پہ سوائے صاحب بحر کے اور کسی کتاب میں **شرط نفاذ القضاء فی المجتهدات من حقوق العباد ان یصیر الحکم فی حادثة** بان تتقدمه دعوی صحیحة من خصم علی خصم حاضر منازع شرعی شرط نافذ ہونے قضاء کی مسائل اجتہادیہ میں حقوق عباد سے یہ ہے کہ حکم ہو حادثہ میں اس طرح پر کہ نفاذ قضا پہ دعوی صحیح مقدم ہو چکا ہو ایک خاصم سے دوسرے خاصم پر جو منازع شرعی ہے م صورت اسکی یہ ہے کہ مثلاً قاضی مالکی کا فیصلہ حنفی قاضی کے روبرو پیش ہوا کہ وہ اس کو جاری کر دے تو بلا حضور خصمین کے حنفی کو اس کا نافذ کرنا جائز نہیں طحطاوی نے کہا حقوق عباد کی قید اس واسطے لگائی کہ اللہ تعالی کے حقوق میں چنانچہ حدود اور عتق اور طلاق میں حادثہ ہونا شرط نہیں اور منازع کی قید سے غیر منازع خارج ہو گیا اور منازع شرعی کی قید سے منازع غیر شرعی چنانچہ فضولی اور مودع اور مستعیر نکل گئے اس واسطے کہ ان کا نزاع معتبر نہیں انتہی فلو برهن علی آخر عند قاض فقضی به بحضرته بدون منازعة ومخاصمة شرعیة وتنازع بینهما لم ینفذ قضاؤه لفقد شرطه وهو التنازع لخصومة شرعیة وکان افتاء فیحکم بمذهبه لا غیر کما بیناه فی القضاء وافاده بقوله تو اگر مدعی نے اپنا حق دوسرے شخص پر قاضی کے روبرو گواہوں سے ظاہر کیا سو دوسرے قاضی نے گواہ سن کر اس کا حکم کر دیا بدون

منازعت اور مخاصمت شرعی کے اور بدون اس کے کہ متخاصمین میں تداعی اور باہم حاضر ہونا دارالقضا میں واقع ہوا ہو تو دوسرے قاضی کا حکم نافذ نہ ہوگا بسبب
نہ ہونے شرط نفاذ کے یعنی تداعی بخصومت شرعیہ تو اب یہ قضا نہ ٹھہری فتوی دینا ٹھہرا تو قاضی اپنے مذہب کے موافق حکم کرے نہ غیر کے مذہب کے
موافق چنانچہ ہم نے اس کو کتاب القضا میں ذکر کر دیا اور مصنف نے اپنے قول آئندہ میں اس کو بیان کیا فلو رفع الیہ ای الی الحنفی **قضاء مالکی بلا دعوی**
لم یلتفت الیہ وعمل الحنفی بمقتضی مذہبہ لعدم تقدم ما یمنعہ من ذلک لخروج قضاء المالکی مخرج الفتوی لعدم تقدم الخصومۃ الشرعیۃ التی ہی شرط انعقاد القضاء فی
حق العباد تو اگر مرافعہ ہو قاضی حنفی کی طرف مالکی مذہب کے قاضی کی قضا کا بدون دعوی کے تو اس کی طرف التفات نہ کیا جائے اور قاضی حنفی بمقتضائے اپنے
مذہب کے عمل کرے بسبب عدم تقدم اس شرط کے جو اس کو اپنے مذہب پر عمل کرنے سے مانع ہو بعلت خروج قضاء مالکی مخرج فتویٰ یعنے انعدام شرط سے قضا بمنزلہ فتویٰ کے
ہوگی بجہت عدم تقدم خصومت شرعیہ کے جو شرط تھی انعقاد قضا کی حق العباد میں **اذا ارتاب القاضی فی حکم القاضی الاول لہ طلب شہود الاصل**
مر فی القضاء قید بارتیابہ فی حکم الاول لما فادانہ اذا لم یرتب فیہ لا یتعرض لہ جب تردد میں پڑے قاضی پہلے قاضی کے حکم میں تو اس کو جائز ہے اصل کے گواہوں
کو طلب کرنا یہ مسئلہ مذکور ہو گیا کتاب القضاء میں مصنف نے قاضی اول کے حکم میں تردد کی قید لگائی تو یہ فائدہ ظاہر کر دیا کہ جب اس میں اس کو تردد نہ ہو تو طلب
شہود کا متعرض نہ ہو قال فی الفواکہ البدریۃ قالوا قضاء العدل العالم لا ینقض ویحمل علی السداد بخلاف قضاء غیرہ یعنی اذا تبین وجہ فسادہ بطریقۃ فللثانی نقضہ
فواکہ بدریہ میں کہا کہ فقہا نے کہا ہے کہ قاضی متقی عالم کا حکم توڑا نہیں جاتا اور راستی اور درستی پر محمول ہوتا ہے بخلاف قضاء اس قاضی کے کہ متقی نہیں یا جاہل
ہے کہ اب نقض قضا جائز ہے یعنی اس شرط سے جب کہ فساد قضا کی وجہ صاف ظاہر ہو گئی ہو اس کے طریقہ مخصوصہ سے تو دوسرے قاضی کو اس کا توڑنا جائز
ہے م قاضی اول کی قضا میں ارتیاب کی یہ صورت ہے کہ وہ متقی نہیں جو چاہتا ہے اس کا حکم کر دیتا ہے اور ظہور وجہ فساد کی یہ صورت ہے کہ ثبوت محدود کا حکم
کیا اور حالانکہ یہ بیان اس میں نہیں کہ وہ باغ ہے یا صاف زمین یا کہ قاضی نے رشوت لے کر حکم کیا تو اس صورت میں قضا باطل ہے کذا فی الطحطاوی **اذا ترتب**
بیع التعاطی علی بیع باطل او فاسد لا ینعقد مر فی اول البیوع عن الخلاصۃ والبزازیۃ والبحر جب کہ بیع التعاطی مترتب ہو بیع باطل یا بیع فاسد پر تو منعقد
نہ ہوگی یہ مسئلہ مذکور ہو گیا اول کتاب البیع میں خلاصہ اور بزازیہ البحر الرائق سے م بیع باطل جیسے بیع مردار یا خون کی اور بیع فاسد وہ ہے جس میں وہ شرط ہو جو
مقتضائے بیع نہیں اور ترتب کے لفظ سے اس پر اشارہ کیا کہ متعاقدین میں متارکہ واقع نہیں ہوا اور اگر متارکہ ہوگا تو بیع فاسد تعاطی سے صحیح ہو جاوے گی کذا فی الطحطاوی
خبا قوما ثم سال رجلا عن شیء فاقر بہ وہم یرونہ ویسمعون کلامہ وہو لا یراہم جازت شہادتہم علیہ بذلک الاقرار ایک شخص نے چھپا رکھا قوم کو پھر
ایک مرد سے پوچھا سو اس نے اس شے کا اقرار کیا اور قوم کے لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور اس کا کلام سنتے ہیں اور وہ یعنی مقر ان کو نہیں دیکھتا ہے تو ان
کی گواہی اس شخص کے اقرار پر جائز ہے **وان سمعوا کلامہ ولم یروہ لا تجوز** شہادتہم علیہ لان النغم تشتبہ علیہ فیقع الشبہۃ الا اذا علموا انہ لیس فیہ غیرہ بان دخلوا البیت
ثم خرجوا وجلسوا علی بابہ ولا مسلک لہ غیرہ ثم دخل رجل فسمعوا اقرارہ ولم یروہ وقتہ اور اگر لوگوں نے کلام اس کا سنا اور اس کو نہ دیکھا تو ان کی گواہی اس پر جائز
نہیں اس واسطے کہ آواز مشابہ ہوتی ہے دوسری آواز کے تو شبہہ واقع ہوگا مگر جب کہ لوگوں نے معلوم کیا کہ اس مکان میں سوائے اقرار کرنے والے کے دوسرا
نہیں ہے اس طرح پر کہ وہ لوگ خالی کوٹھری میں داخل ہوئے پھر باہر نکلے اور اس کے دروازہ پر بیٹھے اور اس کوٹھری کی سوائے اس دروازہ کے کوئی اور راہ
نہیں پھر ایک مرد اس کوٹھری میں داخل ہوا سو ان لوگوں نے اس کا اقرار سنا اور اقرار کے وقت اس کو نہیں دیکھا تو اب شہادت جائز ہے یعنی عدم اشتباہ
کی وجہ سے **باع عقارا** او حیوانا **او ثوبا وابنہ** او امراتہ او غیرہما من اقاربہ **حاضر یعلم بہ ثم ادعی الابن** مثلا **انہ ملکہ لا تسمع دعواہ** کذا اطلقہ فی الکنز
والملتقی وجعل سکوتہ کالافصاح قطعا للتزویر والحیل بیچا عقار یا جانور یا کپڑا اور حالانکہ بائع کا بیٹا یا اس کی عورت یا ان کے سوا کوئی اور قرابت دار حاضر ہے
اور بیع کو جانتا ہے پھر مثلاً بائع کے بیٹے نے یہ دعوی کیا کہ مبیع میری ملک ہے نہ بائع کی تو اس کا یہ دعوے مسموع نہ ہوگا اسی طرح مطلق بلا قید تعرف
بیان کیا ہے کنز اور ملتقی میں اور اس کا ساکت رہنا بیان کے مانند ٹھہرایا قطع تزویر اور قطع حیل فاسدہ کے واسطے م یعنی حضور اور علم اور عدم منازعت فرزند کو

اس کا اقرار ٹھہرایا کہ بیع بائع کی ملک ہے اور زیلعی نے فتاوی ابو اللیث سے نقل کر کے اس میں تصرف مشتری کی قید لگائی ہے یعنی اگر وارث بائع کا تصرف مشتری کے وقت سکوت کرے تو اب دعوی اس کا مسموع نہ ہوگا مصنف نے اپنی شرح میں کہا کہ اس قید سے تو قریب اور ہمسایہ برابر ہوجاتا ہے اور حالانکہ ہمسایہ قریب کے برابر نہیں چنانچہ یہ مخفی نہیں اس پر جو فقہا کے کلام کو تامل کرے کذا فی الطحطاوی مختصرا وقالوا فیمن زوجہ بلا جہاز ان سکوتہ عن طلب الجہاز عند الزفاف رضی فلا یملک طلب الجہاز بعد سکوتہ کما مر فی باب المہر اور فقیہوں نے اس مرد کے حق میں جس کا نکاح بدون جہیز کے کر دیا کہا ہے کہ اس مرد کا ساکت رہنا طلب جہیز سے زفاف کے وقت رضامندی ہے عدم جہیز پہ تو اب طلب جہیز کا مالک نہ ہوگا بعد ساکت ہوجانے اپنے کے چنانچہ باب المہر میں گذر گیا بخلاف الاجنبی فان سکوتہ ولو جارا لا یکون رضی برخلاف اجنبی شخص کے اس واسطے کہ اس کا سکوت اگرچہ وہ بائع کا ہمسایہ ہو رضامندی نہ ہوگا الا اذا سکت وقت البیع والتسلیم وتصرف المشتری فیہ زرعا وبناء فحینئذ لا تسمع دعواہ علی ما علیہ الفتوی قطعا للاطماع الفاسدۃ مگر جب کہ اجنبی شخص نے سکوت کیا بیع اور تسلیم بیع کے وقت اور مشتری نے اس میں تصرف کیا زراعت کرنے اور مکان بنانے سے تو اب اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا بنا بر اس قول کے جس پر فتوی ہوگیا ہے تاکہ فاسد لالچ قطع ہوجاویں وبخلاف ما اذا باع الفضولی ملک رجل والمالک ساکت حیث لا یکون سکوتہ رضی عندنا خلافا لابن ابی لیلی بزازیہ آخر الفصل الخامس وغیرہ اور برخلاف اس صورت کے کہ فضولی نے ایک مرد کی ملک بیع کی اور حالانکہ مالک ساکت ہے کیونکہ اس کا چپ رہنا رضامندی نہیں ہم حنفیوں کے نزدیک برخلاف مذہب ابن ابی لیلی کے چنانچہ بزازیہ کی پانچویں فصل کے اخیر میں مذکور ہے اور اس کے سوا اور کتاب میں بھی م سکوت مالک اس واسطے رضا نہ ہوا کہ یہاں سکوت رضا اور عدم رضا دونوں کا متحمل ہے کذا فی الحموی باع ضیعۃ ثم ادعی انہا وقف علیہ او علی مسجد کذا لو کانت وقفتہا و اراد تحلیف المدعی علیہ لیس لہ ذلک اتفاقا للتناقض وان اقام بینۃ تقبل علی الاصح لا لصحۃ الدعوی بل لقبول البینۃ فی الوقف بلا دعوی خلافا لما صوبہ الزیلعی وقد حققناہ فی الوقف وباب الاستحقاق ایک شخص نے زمین بیچی پھر دعوی کیا کہ وہ زمین تو مجھ پر وقف ہے یا فلانی مسجد پر وقف ہے یا میں نے اس کو وقف کیا تھا اور بائع مدعا علیہ کی تحلیف چاہے تو یہ اس کو جائز نہیں بالاتفاق بسبب تناقض کے اور اگر بائع نے اس پر گواہ قائم کیے تو گواہی مقبول ہوگی بنا بر صحیح تر قول کے نہ اس وجہ سے کہ دعوی بائع کا صحیح ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وقف میں بدون دعوی کے بھی گواہی مقبول ہوجاتی ہے برخلاف اس قول کے جس کی زیلعی نے تصویب کی ہے یعنی عدم قبول شہادت کو صواب کہا ہے اور ہم نے اس مسئلہ کو کتاب الوقف اور باب الاستحقاق میں بیان کیا ہے وہبت مہرہا لزوجہا فماتت وطالبت ورثتہا بمہرہا وقالوا کانت الہبۃ فی مرض موتہا وقال بل فی الصحۃ فالقول للورثۃ ہذا ما اعتمدہ فی الخانیۃ تبعا لروایۃ الجامع الصغیر بعد نقلہ لما فی فتاوی النسفی ان القول للزوج فقال والاعتماد علی تلک الروایۃ لانہم تصادقوا علی وجوب المہر واختلفوا فی السقوط فالقول لمنکرہ الخ زوجہ نے اپنا مہر زوج کو ہبہ کیا پھر وہ مرگئی اور زوجہ کے وارثوں نے اس کا مہر زوج سے طلب کیا اور بولے کہ ہبہ مہر اس کے مرض الموت میں واقع ہوا اور زوج نے کہا بلکہ اس نے صحت میں ہبہ کیا تو وارثوں کا قول مقبول ہوگا اسی پر اعتماد کیا ہے فتاوی قاضی خان میں جامع صغیر کی روایت کی پیروی کر کے بعد نقل کرنے اس قول کے جو فتاوی نسفی میں ہے یہ کہ زوج کا قول مقبول ہے سو قاضی خان نے کہا کہ اسی روایت سابقہ پر اعتماد ہے اس واسطے کہ ان سب نے وجوب مہر پر اتفاق کیا اور سقوط مہر میں اختلاف تو منکر سقوط کا قول معتبر ہوگا الخ باقی کلام قاضی خان کا یہ ہے کہ امر حادث ہے اور حوادث میں اصل یہ ہے کہ اقرب اوقات کی طرف مضاف ہوں قلت واقرہ فی تنویر البصائر واعتمدہ شیخنا علی خلاف ما جزم بہ فی الملتقی کالکنز من ان القول للزوج وان جزم بہ شراحہ کالزیلعی وابن سلطان بانہ الاستحسان فتنبہ اور ورثہ کے قول معتبر ہونے کو ثابت رکھا ہے تنویر البصائر میں اور اسی پر اعتماد کیا ہے ہمارے استاد نے برخلاف اس قول کے جس کا ملتقی الابحر میں کنز الدقائق کے مانند یقین کیا ہے وہ یہ قول ہے کہ زوج کا قول معتبر ہے اگرچہ زیلعی اور ابن سلطان کنز کے شارحوں نے اس کا یقین کیا ہے کہ زوج کا قول معتبر ہونا استحسان ہے یعنی اور ورثہ کا قول مقبول ہونا قیاس ہے تو

اس اختلاف سے خبردار رہنا **قلت** واستظهره ابن الهمام فی آخر المهر فقال وجه الظاهر ان الورثة لم یکن لهم حق بل لها وهم یدعونه لانفسهم والزوج ینکر فالقول له میں کہتا ہوں اور قول زوج کے معتبر ہونے کی تقویت کی ہے کمال الدین ابن الہمام نے آخر باب مہر میں سو یوں کہا کہ قول ظاہر کی وجہ یہ ہے کہ وارثوں کا حق مہر میں نہیں بلکہ زوجہ کا حق ہے اور وارث اس کا دعوی کرتے ہیں اپنے فائدہ کے واسطے اور زوج منکر ہے تو زوج ہی کا قول معتبر ہوگا نہ وارثوں کا[1] لان القول قول المنکر واللہ اعلم **وکلها بطلاقها لا یملک عزلها** لانه یمین من جهته زوج نے زوجہ کو اپنی طلاق کا وکیل کیا تو اب زوج زوجہ کو وکالت مذکورہ سے معزول نہیں کر سکتا اس واسطے کہ زوجہ کو وکیل کرنا یمین ہے زوج کی جہت سے م یعنی وکیل کرنے میں معنی یمین ہے یعنی طلاق زوجہ کی تعلیق ہے زوجہ کے فعل پر اور یمین میں رجوع کا اختیار نہیں لیکن یہ توکیل مجلس پر منحصر ہے اس واسطے کہ فتاوی صغری میں مذکور ہے کہ اگر زوج نے زوجہ سے کہا کہ میں نے تجھ کو وکیل کیا اس کا کہ تو اپنی ذات کو طلاق دے تو یہ وکالت اسی مجلس پر مقصور رہے انتہی برخلاف توکیل اجنبی کے کہ وہ مجلس پر منحصر نہیں ہے اور رجوع کا اختیار ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا **وکلتک بکذا علی انی متی عزلتک فانت وکیلی فطریقه ان یقول فی عزله عزلتک ثم عزلتک**[2] لان متی لعموم الاوقات واما کلما فلعموم الافعال ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تجھ کو اس کام کا وکیل کیا اس شرط پر کہ میں جب تجھ کو معزول کروں سو تو میرا وکیل ہے تو اس کے معزول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں نے تجھ کو معزول کیا پھر تجھ کو میں نے معزول کیا اس واسطے کہ لفظ متی کا عموم ازمان کے واسطے موضوع ہے اور کلما کا لفظ تو عموم افعال کے واسطے موضوع ہے **فلو قال کلما عزلتک فانت وکیلی یقول فی عزله رجعت عن الوکالة المعلقة وعزلتک عن الوکالة المنجزة** الحاصلة من لفظ کلما فحینئذ ینعزل تو اگر یوں کہا کہ ہر بار میں تجھ کو معزول کروں سو تو میرا وکیل ہے تو اس کے معزول کرنے میں یوں کہے کہ میں پھرا وکالت معلقہ سے اور میں نے تجھ کو معزول کیا وکالت منجزہ سے جو حاصل ہوئی کلما کی لفظ سے جس کا ترجمہ ہر بار ہے تو اب وہ معزول ہو جاوے گا **قبض بدل الصلح شرط ان کان دینا بدین** بان صالح علی دراهم عن دنانیر او عن شیء آخر فی الذمة قبض کرنا بدل صلح کا شرط ہے اگر صلح واقع ہوئی ہو ایک دین کی دوسرے دین سے اس طرح پر کہ درموں پہ صلح کی دیناروں سے یا اور کسی چیز سے جو ثابت ہے ذمہ میں والا یکن دینا بدین **لا یشترط قبضه** لان الصلح اذا وقع علی عین تعین لا یبقی دینا فی الذمة فیجاز الافتراق عنه اور اگر صلح دین کی دین سے نہ ہو تو بدل صلح کا قبض کرنا شرط نہیں اس لیئے کہ جب صلح واقع ہوئی عین پر تو وہ متعین ہوگئی ذمہ پہ دین باقی نہ رہی تو اس پر افتراق جائز ہے یعنی برخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ وہاں افتراق صحیح نہیں کیوں کہ وہاں صلح معاوضہ صرفی ہوگئی اور صرف میں افتراق جائز نہیں **قال المدعی لا بینة لی فبرهن** ولو بعد حلف خصمه جواهر الفتاوی وکذا لو قال عند طلبه یمینه اذا حلفت فانت بری من المال الذی لی علیک فحلف ثم برهن علی الحق قبل وقضی له بالمال خانیة مدعی نے کہا کہ میرے دعوے پہ گواہ نہیں پھر وہ گواہ لایا اگرچہ مدعا علیہ کے قسم کھانے کے بعد گواہی ثابت کی ہو کذا فی الجواہر الفتاوی اور اسی طرح اگر مدعی نے مدعا علیہ کی قسم کے طلب کرنے کے وقت یوں کہا کہ جب تو قسم کھائے گا تو بری الذمہ ہو جائے گا میرے اس مال سے جو تجھ پہ ہے اور اس نے قسم کھائی پھر مدعی نے گواہی ثابت کی اپنے حق پہ گواہی مقبول ہوگی اور اس کو مال دلایا جائے گا کذا فی الخانیہ م طحطاوی نے مناسب مقام ایک نفیس مسئلہ امام محمدؒ کے کلام سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میرے تجھ پہ ہزار درہم ہیں سو دوسرے شخص نے کہا کہ اگر تو قسم کھالے کہ ہزار درم مجھ پہ ہیں تو میں ان کو ادا کروں سو اس نے قسم کھائی اور مدعا علیہ نے درم ادا کیئے سو اگر اس نے شرط مذکور پہ ادا کیئے تو یہ باطل ہے ادا کرنے والے کو پھیر لینا جائز ہے اس واسطے کہ یہ شرط باطل مطابق شرع کے نہیں اس واسطے کہ قسم شرع شریف میں منکر پر ہے نہ مدعی پر انتہی **او قال الشاهد لا شهادة لی فشهد تقبل** لامکان التوفیق بالنسیان ثم التذکر یا گواہ نے کہا کہ میری گواہی نہیں پھر اس نے گواہی دی تو مقبول ہوگی بسبب امکان توفیق

---

[1] اس لیئے کہ معتبر منکر کا قول ہے ۱۲ ۔ [2] قوله عزلتک ثم عزلتک لان الوکالة یجوز تعلیقها بالشرط فیجوز تعلیق العزل عنها فلو عزله انعزل عن الوکالة المنجزة وتنجزت المعلقة فصار وکیلا جدیدا ثم بالعزل الثانی انعزل عن الوکالة الثانیة وهذا اولی من قوله لان متی لعموم الاوقات ۱۲ کذا فی الطحطاوی ۔

کے بھولنے سے پھر یاد کرنے سے یعنی یہ امر ممکن ہے کہ اول گواہی یاد نہیں پڑی تو اس کی نفی کی پھر یاد آئی تو ظاہر کی ایسا اختلاف قول مانع قبول کا نہیں **کما لو قال لیس لی عند فلان شہادۃ ثم جاء بہ فشہد او قال لا حجۃ لی علی فلان ثم اتی بہا** بالحجۃ فانہا تقبل لما قلنا بخلاف ما اذا قال لیس لی حق ثم ادعی حقا لم تسمع للتناقض چنانچہ اگر ایک شخص نے کہا کہ فلانے شخص کے نزدیک میرے حق کی گواہی نہیں پھر اسی شخص کو لایا سو اس نے گواہی دی یا یوں بولا کہ میرے حق میں فلانے شخص پر کچھ **حجت** شرعی نہیں پھر وہ حجت شرعی کو لایا یعنی گواہی سے دعوی ثابت کیا تو وہ مقبول ہے اس دلیل سے جو ہم نے مذکور کی یعنی بدلیل امکان توفیق بالنسیان ثم التذکر بخلاف اس کے جب کہ بولا کہ میرا حق نہیں پھر اس نے حق کا دعوی کیا تو دعوی مسموع نہ ہوگا تناقض کے سبب سے م اگر کوئی کہے کہ یہاں بھی نسیان اور تذکیر سے توفیق مذکور ممکن ہے اس کا جواب یوں ممکن ہے کہ اس مسئلہ میں برأت ذمہ مدعا علیہ قول اول سے ثابت ہو چکی پھر قول ثانی سے عدم برأت ثابت نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی **للامام الذی ولاہ الخلیفۃ ان یقطع** من الاقطاع **انسانا من طریق الجادۃ ان لم یضر بالمارۃ** لان للامام ولایۃ ذلک فکذا نائبہ جس حاکم کو بادشاہ نے حکومت دی ہے اس کو اختیار ہے کہ قطعہ زمین کا معین کردے کسی آدمی کو شاہراہ کے درمیان سے بشرطیکہ اس قدر زمین دینے سے چلنے پھرنے والوں کو ضرر نہ ہو اس لیئے کہ بادشاہ کو اس کا اختیار ہے تو اسی طرح اس کے نائب کو بھی اختیار ہے شارح نے کہا یقطع کا لفظ اقطاع یعنی باب افعال سے ہے مجرد نہیں **صادرہ السلطان ولم یعین بیع مالہ فلو عینہ فمکرہ الا ان یاخذ الثمن طوعا فباع مالہ بسبب المصادرۃ صح بیعہ** لانہ غیر مکرہ کما مر فی الاکراہ ایک شخص سے بادشاہ نے مال طلب کیا اور اس کے مال کا بیچنا مقرر کیا یعنی یوں نہیں کہا کہ یہ مال بیچ کر مال دے سو اس نے اپنا مال بیچا مصادرہ سلطانی کے سبب سے تو اس کی بیع صحیح ہے اس واسطے کہ بائع مکرہ نہیں یعنی بیع پر بالنصوص جبر نہیں ہوا چنانچہ کتاب الاکراہ میں مسئلہ گذر گیا شارح نے کہا سو اگر بادشاہ نے اس کے مال کی بیع مقرر کردی تو وہ مکرہ ہے یعنی اس کی بیع اب صحیح نہیں مگر یہ کہ وہ شخص ثمن اس کا اپنی خوشی سے لے تو مکرہ نہ ہوگا بیع اس کی صحیح ہوگی **کالدائن اذا حبس بالدین فباع مالہ لقضائہ صح** اجماعا جیسے کہ دائن نے مدیون کو محبوس کیا دین کے سبب سے سو اس نے اپنا مال بیچا ادائے دین کے واسطے تو بیع اس کی بالاتفاق صحیح ہے **خوفہا زوجہا او غیرہ بالضرب حتی وہبت مہرہا لم یصح ان قدر علی الضرب** لانہا مکرہۃ علیہ زوجہ کو اس کے زوج نے یا اور شخص نے ڈرایا مارنے سے یہاں تک کہ اس نے اپنا مہر بخش دیا تو یہ ہبہ صحیح نہیں اگر وہ شخص عورت کے مارنے پر قادر ہے اس واسطے کہ اس پر جبر ہوا مال کی بخشش پر م ضرب سے ضرب شدید مراد ہے اس واسطے کہ ضرب غیر شدید سے اکراہ ثابت نہیں ہوتا **وان اکرہہا علی الخلع وقع الطلاق ولا یسقط المال** لان طلاق المکرہ واقع ولا یلزم المال بہ لما قلنا اور اگر عورت پر اکراہ کیا خلع کرنے پر سو اس نے خلع کیا بعوض اپنے مہر کے جو زوج پر ہے تو طلاق واقع ہوگی اور مال ساقط نہ ہوگا اس واسطے کہ مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اکراہ سے مال لازم نہیں ہوتا اس دلیل سے جو ہم نے مسئلہ سابقہ میں مذکور کی م اس میں نظر ہے اس واسطے کہ زوج مکرہ نہیں طلاق میں کذا فی الطحطاوی عن المصنف **ولو احالت انسانا علی الزوج ثم وہبت المہر الزوج لم یصح** قالو وہی الحیلۃ قلت انما تتم بقبولہ فیعلم حیلتہا الا ان یقال انہ یتمکن المحال من مطالبتہ برفعہ الی من لایشترط قبولہ اور اگر زوجہ نے ایک انسان کے دین کا حوالہ کیا اپنے زوج پر پھر اپنا مہر زوج کو بخش دیا تو وہ صحیح نہ ہوگا فقیہوں نے کہا ہے کہ اور یہ حیلہ ہے میں کہتا ہوں کہ حیلہ مذکورہ تمام نہ ہوگا مگر زوج کے قبول سے سو زوج اس کے حیلہ کو معلوم کر جاوے گا یعنی تو کیوں کر قبول کرے گا اور حالاں کہ اس کا قبول کرنا شرط ہے مگر یہ کہ یوں جواب دیا جائے کہ محال یعنی صاحب دین جس کے واسطے حوالہ ہوا وہ قادر ہوگا مطالبہ زوج سے اس کی نالش کر کے اس قاضی کے پاس جو محتال علیہ کے قبول کو شرط نہیں کرتا **اتخذ بیرا فی ملکہ او بالوعۃ فنز منہا حائط جارہ وطلب جارہ تحویلہ لم یجبر علیہ** ومفادہ انہ یومر بالرفق دفعا للاذی ایک شخص نے اپنے ملک میں میں کنواں یا نجاست کا چہ بچہ بنایا سو اس سے اس کے ہمسایہ کی دیوار تر ہو گئی اور اس کے ہمسایہ نے اس کی تحویل چاہی تو اس پر حاکم جبر نہ کرے گا اور عدم جبر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس کو نرمی سے امر ہوگا دفع تکلیف اور مشقت کی وجہ سے م عدم جبر کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ملک میں مختار ہے **وان سقط الحائط منہ لم یضمن**

لہ بھولنے اور پھر یاد کرنے سے ۱۲ ۔

لعدم تعدیہ اذا حفرہ فی ملکہ فکان تسببا اور اگر دیوار گر گئی پانی کی ترواٹ سے تو کھودنے والے پر ضمان لازم نہ ہوگا اس کے عدم تعدی سے اس واسطے کہ اس نے اپنی ملک میں کنواں کھودا تو یہ تسبب ہوا یعنی انہدام کا سبب انگیز ہوا نہ فاعل اس کا اور ضامن فاعل ہوتا ہے نہ متسبب ومر فی آخر الاجارۃ انہ لو سقی ارضہ سقیا لا تحتملہ فتعدی لجارہ ضمن اور کتاب الاجارہ کے آخر میں گذر گیا یہ مسئلہ کہ اگر ایک شخص نے اپنی زمین کو اتنا سینچا کہ اس میں پانی نہ ٹھہرا سو اس کے ہمسایہ تک پہنچا یعنی اس کا نقصان ہوا تو تاوان دے گا **فعمر دار زوجتہ بمالہ باذنہا فالعمارۃ لہا والنفقۃ دین علیہا** لصحۃ امرہا زوج نے اپنی زوجہ کے گھر میں عمارت بنائی اپنے مال سے زوجہ کی اجازت سے تو وہ عمارت زوجہ کی ملک ہے اور جو مال خرچ ہوا وہ زوجہ پر دین ہے بسبب صحیح ہونے اس کی اجازت کے یعنی تعمیر کا امر التزام ہے نفقہ کا باعتبار دلالت کے جیسے اپنے دین کے ادا کر دینے کا امر **ولو عمر لنفسہ بلا اذنہا فالعمارۃ لہ** ویکون غاصبا للعرصۃ فیؤمر بالتفریغ بطلبہا ذلک اور اگر زوج نے اپنے واسطے عمارت بنائی بدون اذن زوجہ کے تو عمارت کا مالک زوج ہے اور وہ غاصب ہوگا زمین کا تو اس کو حکم ہوگا زمین کے خالی کر دینے کا عورت کی طلب سے یعنی اگر زوجہ اس کی طالب ہوگی تو حکم ہوگا **ولہا بلا اذنہا فالعمارۃ لہا وہو متطوع فی البناء** فلا رجوع لہ اور اگر عمارت زوجہ کے واسطے بنائی بدون اس کے اذن کے تو عمارت زوجہ کی ہے اور زوج عمارت بنانے میں احسان کرنے والا ٹھہرے گا تو خرچ کا لینا اس کا جائز نہ ہوگا **ولو اختلفا فی الاذن وعدمہ ولا بینۃ فالقول للمنکر** بیمینہ اور اگر زوجین نے اذن اور عدم اذن میں اختلاف کیا اور اس کے گواہ نہیں تو منکر اذن کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا **وفی ان العمارۃ لہا او لہ فالقول لہ** لانہ ہو المتملک کما افادہ شیخنا وتقدم فی الغصب اور اگر دونوں نے اختلاف اس میں کیا کہ عمارت زوجہ کی ہے یا زوج کی تو یہاں زوج کا قول مقبول ہوگا اس واسطے کہ وہی تو متملک ہے چنانچہ ہمارے استاد نے اس کو بیان کیا ہے اور کتاب الغصب میں یہ مسئلہ مذکور ہو چکا **قال ہذہ رضیعتی ثم اعترف بالخطا وصدقتہ فی خطاہ فلہ ان یتزوجہا اذا لم یثبت علیہ بان قال** افاد بانہ لا یثبت الا بالقول کقولہ **ہو حق او صدق او کما قلت او اشہد علیہ بذلک شہودا او ما فی معنی ذلک من** الثبات اللفظی الدال علی الثبات النفسی ایک مرد نے کہا کہ یہ عورت میری شیر خوار ہے یعنی میری زوجہ کا اس نے دودھ پیا ہے پھر اس نے اپنی خطا کا اعتراف کیا اور عورت نے اس کے چوک جانے کی تصدیق کی تو اس مرد کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ شیر خوارگی کے قول پر ثابت نہ رہا ہو اس طرح کہنے سے کہ وہ قول شیر خوارگی کا حق یا راست ہے یا جیسا میں نے کہا ویسا ہی ہے یا اس قول پر لوگوں کو گواہ کیا ہو جو بایں معنی ہو ثبات لفظی سے جو ثبات نفسی پر دلالت کرنے والا ہے شارح نے کہا کہ مصنف نے مثالیں دے کر فائدہ ظاہر کیا کہ ثبات مذکور ثابت نہ ہوگا مگر قول ہی سے م مصنف نے عدم ثبات قول کو شرط ٹھہرایا اگر یوں کہتا کہ اس کی شیر خوارگی حق یا راست ہے یا جیسا میں نے کہا ویسا ہی ہے یا اس پر گواہ کیئے پھر بعد اس ثبات قولی کے اپنی خطا کا اعتراف کیا تو قول اس کا مقبول نہ ہوگا اگرچہ عورت بھی اس کی خطا کی تصدیق کرے تو واضح تر ہوتا کذا فی الطحطاوی وہل یکون تکرار اقرارہ بذلک ثباتا خلاف مبسوط فی المبسوط وحاصلہ ان التکرار لا یثبت بہ الاقرار اور شیر خوارگی کے اقرار کو مکرر کہنا ثابت ہے یا نہیں اس میں خلاف ہے عالموں کا جو مبسوط میں مشرح مذکور ہے اور حاصل مبسوط یہ ہے کہ تکرار سے اقرار ثابت نہیں ہوتا م طحطاوی نے کہا کہ اگر شارح بجائے حاصلہ کے راجحہ کہتا تو واضح تر ہوتا **ولو اخذ رجل غریمہ فنزعہ انسان من یدہ لم یضمن** لانہ تسبب اور اگر ایک مرد نے اپنے مدیون کو پکڑا سو ایک آدمی نے اس کو اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا تو اس آدمی پر تاوان لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ کھینچ لینا سبب سازی ہے بھاگنی کی م وائن کی حق تلفی ہوئی مدیون کے بھاگ جانے سے تو نازع کی طرف حق تلفی مضاف نہ ہوگی جو اس پر ضمان لازم آوے **وکذا اذا دل السارق علی مال غیرہ او امسک ہاربا من عدوہ حتی قتلہ عدوہ** لما قلنا اور اسی طرح جب کہ ایک شخص نے سارق کو غیر کا مال بتایا یعنی سو اس نے چرا لیا یا جو شخص اپنے دشمن سے بھاگتا تھا اس کو پکڑ رکھا یہاں تک کہ اس کے دشمن نے اس کو قتل کیا تو مال کا تاوان اور خون کا قصاص دال اور ممسک پر لازم نہ آوے گا اس وجہ سے جو ہم نے مذکور کی یعنی تسبب م یعنی سرقہ ہوا سارق کے فعل سے نہ دلالت سے اور قتل ہوا دشمن کے فعل سے نہ ممسک کے فعل سے **فی یدہ مال لانسان فقال لہ سلطان ادفع الی ہذا المال** والا تدفعہ الی **اقطع یدک او اضربک خمسین فدفعہ لم یضمن** الدافع لانہ مکرہ ایک شخص کے ہاتھ میں دوسرے آدمی کا مال ہے سو بادشاہ نے

اس سے کہا کہ یہ مال مجھ کو دے اور اگر مجھ کو نہ دے گا تو تیرا ہاتھ کاٹوں گا یا تجھ کو پچاس بار ماروں گا سو اس نے اس کو مال دیا تو دینے والے پر تاوان دینا لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ اس پر اکراہ اور جبر ہوا **فقال ترکت دعوای علی فلان وفوضت امری الی الآخرۃ لا تسمع دعواہ** بعدہ ای بعد ہذا القول ذکرہ فی القنیۃ ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنا دعویٰ جو فلانے شخص پر تھا چھوڑا اور اپنا امر آخرت پر سونپا تو بعد اس قول کے اس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا قنیہ میں اس کو ذکر کیا ہے **الاجازۃ تلحق الافعال** علی الصحیح **فلو غصب عینا لانسان فاجازہ المالک غصبہ صح** اجازتہ وحینئذ **فیبرأ الغاصب عن الضمان** اجازت یعنی جائز کر دینا فعلوں کو بھی لاحق ہوتا ہے بنا بر قول صحیح کے تو اگر ایک نے دوسرے آدمی کی چیز غصب کی سو مالک نے اس کا غصب جائز رکھا تو اس کی اجازت صحیح ہوگی اور اس وقت میں تو بری الذمہ ہو جاوے گا غاصب تاوان سے م اجازت افعال کی قید اس واسطے لگائی کہ اجازت اقوال میں اختلاف نہیں ہے چنانچہ فضولی کے تصرفات میں **ولو انتفع بہ فامرہ بالحفظ لا یبرأ عن الضمان ما لم یحفظ** وتمامہ فی العمادیۃ اور اگر غاصب نے مغصوب سے نفع لیا پھر مالک نے اس کی نگہبانی کا امر کیا تو اب غاصب تاوان سے بری الذمہ نہ ہوگا جب تک اس کی بخوبی حفاظت نہ کرے گا اور اس کا پورا بیان عمادیہ میں ہے م انتفاع کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر نفع حاصل نہ کرے گا اور اس کو حفاظت کا امر ہوگا تو مجرد امر بالحفظ کے غصب سے خارج ہو جاوے گا کذا فی الطحطاوی **وضع منجلاً**[1] **فی الصحراء لیصید بہ حمار وحش وسمی علیہ فجاء فی الیوم الثانی** قید اتفاقی اذ لو وجدہ میتا من ساعتہ لم یحل زیلعی **ووجد الحمار مجروحا میتا لم یؤکل** لان الشرط ان یذبحہ انسان او یجرحہ والا فہو کالنطیحۃ بچھایا[2] جال جنگل میں تاکہ اس سے گورخر کا شکار کرے اور اس پر بسم اللہ کو ذکر کیا پھر شکاری دوسرے دن وہاں آیا اور گورخر کو زخمی مردہ پایا تو وہ نہ کھایا جاوے گا اس واسطے کہ حلت کی شرط یہ ہے کہ اس کو آدمی ذبح کرے یا زخمی کرے اور نہیں تو اس جانور کے مانند ہے جو دوسرے جانور کے سینگ کے زخم سے مر گیا شارح نے کہا دوسرے دن کی قید اتفاقی ہے نہ احترازی اس واسطے کہ اگر اس کو اسی ساعت میں مردہ پایا تو حلال نہ ہوگا کذا فی الزیلعی کرہ تحریما وقیل تنزیہا والاول اوجہ **من الشاۃ سبع الحیاء والخصیۃ والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ والدم المسفوح والذکر** للاثر الوارد فی کراہۃ ذلک مکروہ تحریمی ہیں بھیڑ بکری سے سات چیزیں فرج اور خصیہ اور غدود اور پھکنا اور پتہ لہو جاری خون اور ناڑا بدلیل اس اثر اور خبر کے جو اس کی کراہت میں وارد ہے شارح نے کہا اور بعضوں نے ان چیزوں کو مکروہ تنزیہی کہا ہے اور پہلا قول یعنی کراہت تحریمی ان اشیاء کی اقرب بدلیل ہے وجمعہا بعضہم فی بیت واحد فقال ؎ فقل ذکر والانثیان مثانۃ ٭ کذاک دم ثم المرارۃ والغدد ٭ اور بعضے فقیہوں نے اشیاء مکروہہ کو ایک بیت میں جمع کر دیا سو یوں کہا ہے سو تو کہہ کہ مکروہ ناڑا ہے اور دونوں فوطے اور پھکنا اسی طرح خون پھر پتا اور غدود م اس بیت میں چھ چیزیں ہیں نہ سات[3] وقال غیرہ ؎ اذا ما ذکیت شاۃ فکلہا ٭ سوی سبع ففیہن الوبال ٭ فحاء ثم خاء ثم غین ٭ ودال ثم میمان وذال ٭ اور غیر ناظم سابق نے یوں نظم کیا ہے کہ جب بھیڑ بکری ذبح کی جاتے تو اس کو کھا سوائے سات چیزوں کے کہ ان کے کھانے میں وبال ہے سو وہ حاء مہملہ ہے پھر خائے معجمہ پھر غین معجمہ اور دال مہملہ پھر دو میم اور ذال معجمہ م حاء مہملہ سے حیا یعنی فرج مراد ہے اور خاء معجمہ سے خصیہ اور غین سے غدود اور دال سے دم اور میم اول سے مثانہ اور میم ثانی سے مرارہ اور ذال معجمہ سے ذکر مراد ہے **للقاضی اقراض مال الغائب والطفل واللقطۃ** بشروط تقدمت فی القضاء قاضی کو غائب شخص اور یتیم اور لقطہ کے مال کو قرض دینا جائز ہے ان شرطوں کے ساتھ جو کتاب القضاء میں مذکور ہو چکیں م شروط مذکورہ یہ ہیں کہ یتیم کا وصی نہ ہو اور عقد مضاربت کا کوئی قبول کرنے والا نہ ہو اور مستقرض مقدور والا ہووے **بخلاف الاب والوصی والملتقط** الا اذا اشہد حتی شاع جاز تصدقہ فاقراضہ اولی زیلعی بر خلاف باپ اور وصی لقطہ پانے والے کے یعنی باپ کو صغیر کا مال اور وصی کو یتیم کا مال اور ملتقط کو لقطہ کا مال قرض دینا جائز نہیں ہے مگر جب کہ ملتقط لقطہ کو لوگوں میں خوب ظاہر کر دے یہاں تک کہ وہ مشہور ہو جائے تو اب ملتقط کو لقطہ کا تصدق

---

[1] المنجل بالکسر ما یحصد بہ او ما یصاد بہ کذا فی الطحطاوی ۱۲ [2] یہ ترجمہ مناسب نہیں اس لیے کہ منجل درانتی یا شکار کے نیزہ کو کہتے ہیں اور گورخر کا زخمی پایا جانا بھی یہی چاہتا ہے کہ ایسے ہی معنی ہوں تو ترجمہ یوں چاہیے تھا کہ نیزہ یا درانتی کو بسم اللہ کہہ کر گاڑ دیا الخ ۱۲ [3] لیکن ظاہر ہے کہ نر میں خواہ مادہ میں چھ ہی چیزیں ہوں گی سات کا اجتماع نہیں ہو سکتا اس لیے گویا قائل نے ذکر سے شرم گاہ مراد لی ہے کہ نر میں ذکر ہوگا اور مادہ میں فرج ۱۲

کرنا جائز ہے تو اس کو قرض دینا بطریق اولیٰ جائز ہوگا کذا فی الزیلعی م طحطاوی کے نسخہ میں یوں عبارت ہے الا اذا[1] انشد ما حتی ساغ تصدقہ فاقراضہ اولی دونوں عبارتوں کا حاصل مطلب ایک ہے **قال ان کان اللہ یعذب المشرکین فامراتہ طالق قال لا تطلق امراتہ لان من المشرکین من لا یعذب** کذا فی الخانیہ ایک شخص نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ سب مشرکوں کو عذاب کرے گا تو اس کی عورت مطلقہ ہے اس قائل کی عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی اس واسطے کہ مشرکوں میں سے بعضوں پر عذاب نہ ہوگا چنانچہ خانیہ میں ہے وظاہر توجیہہ ان المراد بہذا البعض من یصدق علیہ المشرک فی الجملۃ بان یکون مشرکا فی عمرہ ثم یختم لہ بالحسنی او اطفال المشرکین فانہم مشرکون شرعا واذا اثبت ان البعض لا یعذب وہی سالبۃ جزئیۃ لم تصدق الموجبۃ الکلیۃ القائلۃ کل مشرک یعذب قالہ المصنف اور ظاہر اس توجیہ اور تاویل مسئلہ مذکور کی یہ ہے کہ اس بعض غیر معذب سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر لفظ مشرک کا اطلاق فی الجملہ صادق آتا ہو یعنی کسی زمانہ میں شرک کا مرتکب ہوا ہو اس طرح پر کہ اپنی عمر میں مشرک ہو پھر اس کا خاتمہ بخیر ہو کلمہ توحید سے یا بعض سے اطفال مشرکین مراد ہوں کیوں کہ وہ شرعاً مشرک ہیں یعنی بحکم دین آبائی ان پر مشرک کا اطلاق ہے پھر جب یہ ثابت ہوا کہ بعض مشرک معذب نہیں اور یہ قضیہ سالبہ جزئیہ ہے تو موجبہ کلیہ یعنی ہر مشرک معذب ہے صادق نہ آیا ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں م منطق میں ثابت ہے کہ قضیہ سالبہ جزئیہ سے موجبہ کلیہ صادق نہیں رہتا موجبہ کلیہ یہاں ان کان اللہ یعذب المشرکین ہے اس واسطے کہ المشرکین کا الف لام استغراق کا ہے یعنی کل مشرک معذب اطفال مشرک میں اختلاف ہے علماء کا مشہور یہ ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے وقد اورد ہذا اللغز علی غیرہ او ابن وہبان فقال سہ وہل قائل لا یدخل النار کافر ولکنہا بالمؤمنین تعمر اور البتہ ابن وہبان اس پہیلی کو ماتن کے مغائر ذکر پر لایا ہے وہبانیہ میں سو اس نے یوں کہا اور کوئی ایسا قائل ہے کہ کہتا ہو کہ دوزخ میں کافر داخل نہ ہوگا ولیکن وہ دوزخ مومنوں سے معمور ہوگی قال ومعناہ ان الکفار لما یرون النار یؤمنون باللہ تعالیٰ ورسولہ ولا ینفعہم قال تعالیٰ فلم یک ینفعہم ایمانہم لما راوا باسنا ابن وہبان نے کہا اور اس پہیلی کا مطلب یہ ہے کہ کفار جب دوزخ کو دیکھیں گے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاویں گے اور اس وقت کا ایمان ان کو نفع نہ کرے گا حق تعالیٰ نے فرمایا تو کافروں کو ان کا ایمان لانا فائدہ نہ کرے گا جب کہ وہ دیکھیں گے ہمارا عذاب م تو دوزخیوں پر ایمان کا لفظ بولا گیا اگرچہ نجات ان کی اس ایمان کذائی سے ممکن نہیں تو یہ کہنا صادق آیا کہ دوزخ مومنین سے آباد کی جاوے گی استغفر اللہ من ہذا التلفظ وعجز البیت معنی آخر وجواب عمارہا خزنتہا القائمون بامرہا وہم مومنون ففی البیت سوالان اور بیت مذکور کے پچھلے مصرع کا ایک مطلب اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ دوزخ کے بسنے والے اس کے موکل فرشتے ہیں جو وہاں کے کام پر قائم اور متعین ہیں اور وہ مومن واقعی ہیں تو اس تقریر سے لازم آیا کہ بیت میں دو سوال ہیں اگرچہ سوال ثانی میں استدراک متبعد ہے کذا فی الطحطاوی قال ابن الشحنۃ وعندی ان ہذا مما ینکر ذکرہ والتلفظ بہ ولا ینبغی ان یدون ولیسطر ولا یقبل تاویل قائلہ انتہی قلت ہذا مع وضوح وجہہ تکلم فیہ فکیف الاول فلا تغفل ابن شحنہ شارح وہبانیہ نے کہا کہ میرے نزدیک ایسے کلام کا ذکر کرنا اور اس کو بولنا جائز نہیں اور اس کے لائق نہیں ہے کہ کتاب میں مدون اور مسطور ہو اور مناسب نہیں کہ اس کے قائل کی تاویل یعنی بات بنانی قبول کی جائے انتہی کلام ابن الشحنہ شارح نے کہا میں کہتا ہوں اور یہ یعنی بیت کا سوال ثانی یعنی مومنین سے فرشتے مراد ہونا باوجود ظاہر ہونے اس کی وجہ کے اس میں کلام کیا گیا اور اس کو مسلم نہ رکھا سو پہلا سوال یعنی کافر دوزخ میں داخل نہ ہوگا کیوں کر مانا جاوے گا سوائے کتاب کے دیکھنے والے اس سے غافل نہ ہو جیو م ابن شحنہ کی شرح وہبانیہ میں ہے کہ بعضوں نے یہ حکایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ کیا کہتے ہو اس شخص کے حق میں جو کہتا ہے کہ میں بہشت کی امید نہیں رکھتا اور نہ دوزخ سے ڈرتا ہوں اور مردار اور خون کھاتا ہوں اور بدون دیکھے گواہی دیتا ہوں اور خدا سے نہیں ڈرتا اور بدون رکوع اور سجود کے نماز پڑھتا ہوں اور حق سے بغض رکھتا ہوں اور فتنہ کو دوست رکھتا ہوں سو امام نے اپنے اصحاب سے پوچھا سو انہوں نے کہا کہ یہ قائل کافر ہے سو امامؒ نے تبسم کیا اور فرمایا کہ وہ مومن ہے بہشت اور دوزخ کے مالک سے ڈرتا ہے نہ بہشت اور دوزخ سے اور مچھلی اور ٹڈی کھاتا ہے اور کلمہ شہادتین کی گواہی دیتا ہے اور حالانکہ اس نے خدا کو اور رسول کو نہیں دیکھا اور خدا کے ظلم سے نہیں ڈرتا اس واسطے کہ وہ ظلم سے پاک ہے اور جنازہ کی نماز پڑھتا ہے اور موت کو مبغوض

---

[1] مگر جب کہ خوب ظاہر کر دے یہاں تک کہ اس کا تصدق درست ہو جاوے تو اس کا قرض دینا بطریق اولیٰ درست ہوگا۔ ۱۲

رکھتا ہے اور مال کو جو فتنہ ہے دوست رکھتا ہے ظہیر الدین نے کہا کہ اس عبارت میں ایک طرح کا استبعاد ہے تو اس طرح استعمال کرنا جائز نہیں اور میں تو اس حکایت کی صحت کو امام کی طرف نہیں مانتا اگرچہ ایسے کلام کے قائل کو کافر نہیں کہتا مگر ایسے کلام کو حرام کہتا ہوں اور اس کی تاویل اور توجیہ کو نہیں مانتا خصوصاً اس زمانہ میں جس میں بدعات اور اقوال خلاف شرع ذات اور صفات حق تعالیٰ میں پھیل پڑے ہیں انتہی من شرح الوہبانیہ کذا فی الطحطاوی م سبحان اللہ علماء دین ایسے قول پر اس قدر انکار کرتے ہیں اگر ہمارے زمانہ کے مبتدعین اور بے باکوں کا کلام سنتے تو واللہ اعلم کیا فرماتے اعوذ[1] باللہ من سوء الادب و فضول الکلام ثم رایت شیخنا قال تعرض بنقلہ علی نفسہ بالانکار وانہ کان ینبغی لہ ان یدونہ وباللہ التوفیق پھر ہم نے اپنے استاد کو دیکھا فرماتے تھے کہ ابن شحنہ شارح وہبانیہ نے نقل کلام وہبانیہ سے اپنی ذات پر نفرین کی یعنی میں نے ایسے کلام موحش کو ناحق نقل کیا اور مصنف وہبانیہ کو اس کا مدون کرنا اور کتاب میں داخل کرنا لائق نہ تھا اور خدا سے توفیق درستی کلام کی ہم مانگتے ہیں م طحطاوی نے کہا ابن شحنہ کا عذر ظاہر ہے کہ وہ نظم وہبانیہ کا شارح ہے اور اس نظم میں یہ بیت بھی داخل ہے صبی حشفتہ ظاہرۃ بحیث لو راٰہ انسان ظنہ مختونا ولا تقطع جلدۃ ذکرہ الا بتشدید الم ترک علی حالہ ایک لڑکا ہے جس کی سپاری اس طرح نمود ہے کہ اگر آدمی اس کو دیکھے تو گمان کرے کہ اس کا ختنہ ہو چکا ہے اور اس کے نازے کی کھال قطع نہیں ہو سکتی مگر سخت درد رسانی سے تو وہ اسی حالت پر چھوڑا جاتا ہے م ختنہ سے غرض انکشاف حشفہ ہے پھر جب کہ وہ خود نمودار ہو تو قطع کرنے کی حاجت نہ رہی کشیخ اسلم وقال اہل النظر لا یطیق الختان ترک ایضا مانند اس بوڑھے کے جو مسلمان ہو گیا اور واقف کاروں نے کہا کہ یہ ختنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا بھی ختنہ کرنا ترک کیا جائے ولو ختن ولم تقطع الجلدۃ کلہا ینظر فان قطع اکثر من النصف کان ختانا وان قطع النصف فما دونہ لا یکون ختانا یعتد بہ لعدم الختان حقیقۃ وحکما اور اگر ختنہ کیا اور سب کھال نہ کٹی تو دیکھنا چاہیے سو اگر نصف کھال سے زیادہ کٹ گئی تو ختنہ تام ہو گیا اور اگر نصف کھال یا کم نصف سے کٹی تو ختنہ لائق شمار کے نہ ہوا اس لئے کہ حقیقی ختنہ ہے نہ حکمی م حقیقی ختنہ وہ ہے جس میں سب کھال کٹے اور حکمی ختنہ وہ ہے جس میں نصف سے اکثر کٹے لان[2] للاکثر حکم الکل والاصل ان الختان سنۃ کما جاء فی الخبر وہو من شعائر الاسلام وخصائصہ فلو اجتمع اہل بلدۃ علی ترکہ حاربہم الامام فلا یترک الا لعذر وعذر شیخ لا یطیقہ ظاہر اور اصل یہ ہے کہ ختنہ کرنا مردوں کے حق میں سنت ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے اور وہ علامات اسلام اور اس کے خصوصیات سے ہے تو اگر ایک شہر کے لوگ ترک ختنہ پر اتفاق کریں تو مسلمان کا حاکم ان سے قتال و جدال کرے تو ختنہ کسی طرح ترک نہیں ہو سکتا مگر عذر شرعی سے اور جو بوڑھا کہ مسلمان ہو اور اس کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اس کا عذر ظاہر ہے ووقتہ غیر معلوم وقیل سبع سنین کذا فی الملتقی اور ختنہ کرنے کا وقت غیر معلوم ہے یعنی کس عمر میں ختنہ کرنا چاہیے نص قطعی سے ثابت نہیں اور بعضوں نے کہا ختنہ کا وقت سات برس ہیں کذا فی الملتقی م وجہ اس کی یہ ہے کہ سات برس کے لڑکے کو نماز کا حکم ہے تو اسی عمر میں اس کا ختنہ کرنا چاہیے تا کہ خوب طہارت حاصل ہو یہ قول کافی میں مذکور ہے اور خزانۃ الاکمل میں اتنا زیادہ کہا ہے کہ اگر اس سے کم تر ہو تو بہتر ہے اور اس سے تھوڑا سا زیادہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور بعضوں نے کہا جب تک بالغ نہ ہو ختنہ نہ کرے اس واسطے کہ ختنہ طہارت کے واسطے ہے اور قبل بلوغ کے اس پر طہارت واجب نہیں کذا فی الطحطاوی وقیل عشر اور بعضوں نے کہا کہ دس برس میں ختنہ کا وقت ہے م وجہ اس کی یہ ہے کہ دس برس کے لڑکے کو نماز کے واسطے حکم ہے تا کہ اس کو عادت پڑے نماز کی وقیل اقصاہ اثنا عشر سنۃ وقیل العبرۃ بطاقتہ وہو الاشبہ اور بعضوں نے کہا کہ انتہاء مدت ختنہ بارہ برس ہیں اور بعضوں نے کہا طاقت طفل کا اعتبار ہے اور یہی قول مناسب تر بدلیل ہے وقال ابو حنیفۃ لا علم لی بوقتہ ولم یرو عنہما فیہ شیء فلذا اختلف المشائخ فیہ اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ مجھ کو علم نہیں ختنہ کرنے کے وقت کا اور صاحبین سے بھی اس میں کوئی روایت وارد نہیں تو اسی واسطے عالموں کا اس میں اختلاف واقع ہوا وختان المرأۃ لیس سنۃ بل مکرمۃ للرجال اور عورت کا ختنہ سنت نہیں ہے بلکہ عورتوں کا مردوں کے واسطے تکریم ہے م یعنی حق تعالیٰ نے مشروعیت ختان نساء سے مردوں کا اکرام کیا اس واسطے کہ وہ الذ ہے جماع میں کذا فی الطحطاوی وقیل سنۃ اور قول ضعیف یہ ہے کہ عورتوں کا ختنہ سنت ہے وقد جمع السیوطی من ولد مختونا من الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام فقال ؎ وفی الرسل مختون لعمرک خلقۃ ÷ ثمان وتسع طیبون اکارم ÷ وہم زکریا

---

[1] : میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بے ادبی اور بے ہودہ کلام سے ۱۲ [2] : اس لیئے کہ اکثر کے لیئے کل کا حکم ہے ۱۲ ۔

ت ادریسؑ یوسفؑ ؏ وحنظلہؑ عیسیٰؑ موسیٰ وآدمؑ ؏ ونوحؑ شعیبؑ سامؑ لوطؑ وصالحؑ ؏ سلیمان یحییٰ ہود یٰس خاتمؑ اور البتہ جلال الدین سیوطی نے نظم میں جمع کر دیا ہے بیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو ختنہ ہوتے پیدا ہوئے سو یوں کیا کہ رسولوں میں تیری عمر کی قسم پیدائشی مختون ہیں سترہ رسول پاک نہایت بزرگی والے اور وہ یہ ہیں ت زکریاؑ اور حضرت شیثؑ اور حضرتؑ ادریس اور حضرت یوسفؑ اور حضرت حنظلہؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ اور حضرت شعیبؑ ضرت سامؑ اور حضرت لوطؑ اور حضرت صالحؑ اور حضرت سلیمانؑ اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت ہودؑ اور ہمارے حضرت خاتم الانبیاء جن کا لقب مبارک یٰسین ہے علیہم الصلوٰۃ سلام م طحطاوی نے کہا اس نظم سے صریح معلوم ہوا کہ سام اور حنظلہ علیہما السلام بھی نبی مرسل ہیں ویجوز کی الصغیر وربط قرحتہ وغیرہ من المداواۃ للمصلحۃ اور جائز ہے طفل صغیر غنا اور اس کے قرحہ کو چیرنا پھاڑنا اور اس کے سوائے اور علاج کرنا مصلحت کے سبب سے م اور اسی طرح لڑکیوں کے کان چھیدنا زینت کی منفعت کے واسطے ست ہے کذا فی الطحطاوی ویجوز فصد البہائم وکیہا وکل علاج فیہ منفعۃ لہا اور جانوروں کی فصد کھولنا اور ان کو داغنا اور جس علاج میں کہ ان کے واسطے فائدہ ہو ست ہے وجاز قتل ما یضر منہا ککلب عقور وہرۃ تضر ویذبحہا ای الہرۃ ذبحا ولا یضربہا لانہ لا یفید ولا یحرقہا اور جانوروں میں اس جانور کا مار ڈالنا درست ہے جو ذی ضرر رساں ہو چنانچہ کتا کاٹنے والا اور بلی ضرر پہنچانے والی اور بلی موذی کو ذبح کر ڈالے اور اس کو نہ مارے اس لیے کہ مار اس کو فائدہ نہیں کرتی اور نہ اس کو آگ ے جلاوے وفی المبتغی یکرہ احراق جراد وقملۃ وعقرب ولا باس باحراق حطب فیہا نمل والقاء القملۃ لیس بادب اور مبتغی میں ہے کہ مکروہ ہے آگ سے جلانا ٹڈی اور جوں بچھو کا اور کچھ مضائقہ نہیں ان لکڑیوں کے جلانے کا جن میں چیونٹیاں ہیں اور جوں کا پھینکنا زمین پر ادب نہیں ہے م اس واسطے کہ جوں دوسرے شخص پر چڑھے گی کلیف دے گی اور مورث نسیان ہے اور گرسنگی سے اس کے ناحق تادیب ہے تو اس کا مارنا ہی بہتر ہے گرانے سے کذا فی الطحطاوی وجازت المسابقۃ بالفرس والا ل والارجل والرمی لیرتاض للجہاد اور مسابقت یعنی باہم سبقت کرنا اور آگے نکل جانا گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر اور پیدل چل کر اور تیر اندازی کر کے جائز ہے جہاد کی ریاضت ے واسطے م مسابقت کی شرط یہ ہے کہ دوڑنے کی حد اتنی مقرر ہو کہ گھوڑا وہاں تک دوڑ سکتا ہو اور ہر گھوڑے میں سبقت کا احتمال ہو اور اگر یہ معلوم ہو کہ ایک گھوڑا سبقت ر سکے گا بالضرور تو جائز نہیں اس لیے کہ مسابقت خلاف قیاس جائز ہوئی احتیاج ریاضت کی وجہ سے اور اس صورت میں تو غیر کو ناحق اپنا مال دینا ہے اس شرط سے جس ں منفعت نہیں تو کیوں کر جائز ہوگا کذا فی المنح ریاضت جہاد کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر مسابقت سے لہو ولعب منظور رہے اور دل بہلانا تو اب مسابقت مکروہ ہے کذا فی الطحطاوی حرم شرط الجعل من الجانبین اور حرام ہے مسابقت میں مال کا شرط کرنا دونوں جانب سے م صورت اس کی یہ ہے کہ زید اور خالد نے گھوڑے دوڑائے اس شرط سے ہ اگر زید کا گھوڑا نکل جاتے تو مال مشروط خالد دے اور اگر خالد کا گھوڑا آگے بڑھ جائے تو زید مال دے یہ اس واسطے حرام ہوا کہ صریح قمار ہے الا اذا ادخلا ثالثا محللا بفرس لعر فی المعتبر مگر دونوں جانب سے مال کی شرط اس وقت حرام نہیں ہے جب کہ دونوں شخص تیسرے شخص محللؑ کو داخل کر لیں اس کی شرط کے ساتھ چنانچہ کتب الحظر ب مذکور ہو چکا م صورت ادخال محلل کی یہ ہے کہ مثلاً زید و خالد تیسرے شخص مثلاً محمود سے کہیں کہ اگر تو ہم دونوں سے سبقت کر جائے تو ہم دونوں کے وہ مال مشروط تو پاوے اور اگر ہم تجھ پر سبقت کر جاویں تو ہم تجھ سے کچھ نہ لیں ولیکن جو زید و خالد میں مال مشروط ہوا ہے وہ بحال خود باقی ہے جو ان میں سے بڑھ جائے وہ دوسرے سے مال مشروط کو لے یعنی اگر زید نے سبقت کی تو خالد سے لے اور اگر خالد نے سبقت کی تو زید سے لی اور اگر زید اور خالد دونوں محمود سے سبقت کر گئے تو ان کو کچھ نہیں لیکن محلل کی شرط یہ ہے کہ اس کا گھوڑا زید اور خالد کے گھوڑوں کے برابر ہو سبقت اور عدم سبقت کا احتمال رکھتا ہو اور اگر دونوں سے دوڑ میں زیادہ ہو یقیناً یا دونوں سے کم تر ہو یقیناً تو جائز نہیں باعتبار دلالت حدیث کے کذا فی الطحطاوی لا یحرم من احد الجانبین استحساناً مال مشروط حرام نہیں ایک جانب سے استحسان کی دلیل سے م صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً خالد کہے زید سے کہ اگر میں سبقت کر جاؤں تجھ پر تو سو اشرفی تجھ سے لوں گا اور اگر تو بڑھ جائے تو میں تجھ کو نہ دوں گا یہ اس واسطے جائز ہوا کہ یہ قمار نہیں اس واسطے کہ قمار عبارت ہے دونوں طرف کی ہار جیت کے احتمال سے تو یہاں دونوں طرف اس کا احتمال نہیں بلکہ ایک طرف ہارنا ہے اور دوسری طرف جیتنا تو قمار کے مانند نہ ہوا یہی وجہ ہے استحسان کی انتہی خلاصۃ المنح اور اگر ایک شخص نے

ف : ذکر انبیاء جو مختون پیدا ہوئے ۱۲ ف : لڑکیوں کے کان چھیدنا درست ہیں ۱۲ سہ حلال کنندہ ۱۲

سواروں کی جماعت سے کہا کہ جو تم میں سے آگے بڑھ جائے وہ مجھ سے اس قدر مال لے یا اس نے تیراندازوں سے کہا کہ جس کا تیر نشان پر لگے وہ اتنا پاوے تو بھی جائز ہے اور مسابقت کے مانند فقہا میں اگر کسی مسئلہ میں تنازع واقع ہو اور مصیب[۱] کے واسطے مال مقرر ہو ایک جانب سے بشرط[۲] ادخال ثالث محلل کے اس لیئے کہ حلت کی وجہ سب کو شامل ہے کیونکہ دونوں بابوں میں سیکھنا اور مشق کرنا تقویت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف راجع ہے کذا فی الطحطاوی ولا یجوز الاستباق فی غیر ہذہ الاربعۃ کالبغل بالجعل واما بلا جعل فیجوز فی کل شیء زمانہ فی الزیلعی اور ان چار کے سوا یعنی گھوڑے اور اونٹ اور پیدل اور تیراندازی کے سوائے اور چیزوں میں چنانچہ خچر پر سوار ہو کر مسابقت کرنا مال شرط کر کے جائز نہیں اور بدون مال کے تو ہر شے میں مسابقت جائز ہے اور اس کا پورا بیان زیلعی میں ہے م یہ سب مسائل مذکورہ مسابقت کے فتاوی عالمگیری میں طحطاوی سے منقول ہیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ باب مسابقت میں جواز مذکور سے مراد حلت ہے نہ استحقاق تو اگر مغلوب شخص مال مشروط کو نہ دے تو حاکم جبر سے اس کو نہ لا دے گا اور حکم قضا اس پر نافذ نہ ہوے گا ولا یصلی علی غیر الانبیاء ولا علی غیر الملائکۃ الا بطریق التبع اور لفظ صلوۃ کا سوائے حضرت انبیا اور سوائے حضرات ملائکہ کے اوروں پر نہ بولا جاوے مگر بطریق پیروی ہم یعنی یوں کہنا نہ چاہیے بالاستقلال کہ اللہم[۳] صل علی آل محمد وصل علی اصحاب محمد بلکہ بطریق تبعیت کے یوں کہنا درست ہے کہ اللہم[۴] صل علی محمد وعلی آل محمد واصحابہ وازواجہ [illegible] طحطاوی نے کہا بعضوں نے غیر انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم پر صلوۃ کا لفظ بالاستقلال جائز کہا اس واسطے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہم[۵] صل علی آل ابی اوفی وقولہ تعالی (ہو الذی یصلی علیکم) واولئک علیہم صلوات لیکن جمہور علما اس کے مانع ہیں اس واسطے کہ حضرات انبیا کے ذکر کی یہ خاص علامت ہے تو غیر انبیا ان کے ساتھ شریک ہوں گے اور جو آیت اور حدیث مذکور ہے وہ دعا پر محمول ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی یا ترک اولی ایسا ذکر کیا ہے نووی نے اذکار میں اور کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے اور حضرات انبیا کے واسطے دعا کرنا بلفظ صلوۃ اس واسطے مشروع ہوا کہ اس میں تعظیم اور تکریم ہے ابو العالیہ نے کہا کہ معنی صلوۃ اللہ علی نبیہ کی ثنا کرنا ہے حق تعالی کا اپنے رسول پر ملائکہ کے نزدیک اور صلوۃ ملائکہ سے دعا مراد ہے فتح الباری شرح بخاری میں کہا ہے کہ یہ بہترین اقوال ہے اور اسی طرح صلوۃ غیر ملائکہ سے دعا مراد ہے اور خدا سے ثنا کرنے کی طلب گاری رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر کذا فی الطحطاوی ولا یجوز الترحم علی النبی قولان زیلعی قلت وفی الذخیرۃ انہ یکرہ اور کیا جائز ہے لفظ ترحم کا نبی پر اس میں دو قول ہیں جواز اور عدم جواز کذا فی الزیلعی میں کہتا ہوں اور ذخیرہ میں ہے کہ ترحم کا لفظ نبی پر بولنا مکروہ ہے یعنی یوں کہنا اللہم[۶] ترحم علی محمد جائز نہیں م بعضوں نے کہا کہ لفظ ترحم کا جائز نہیں اس لیئے کہ صلوۃ کے مانند تعظیم پر دلالت نہیں کرتا ہے ولہذا غیر انبیاء اور ملائکہ کو اسی لفظ سے دعا کرتے ہیں اور تحصیل حاصل بھی ہے اس واسطے کہ انبیا مرحوم ہیں یقیناً اور بعضوں نے کہا کہ اللہم ترحم علی محمد کہنا جائز ہے اس واسطے کہ سب بندے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر مشتاق ہیں رحمت الٰہی کے خزانۃ الاکمل میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اسماء معظمہ سے واجب ہے تو فقیر غریب مسکین فرید طرید کہنا جائز نہیں اور عرب کی تعظیم واجب ہے خصوصاً اہل حرمین کی حضرت کے سبب سے خصوصاً مہاجرین اور انصار کی اولاد کی اور مقدم ہے تعظیم اولاد علی ۔ اولاد ابوبکر اور عمر اور عثمان کی ہیں رضی اللہ عنہم انتہی فی الطحطاوی وجوزہ السیوطی تبعاً لا استقلالاً فلیکن التوفیق وباللہ التوفیق اور سیوطی نے اس کو جائز کہا تبعاً لا استقلالاً تو دونوں قولوں کا اختلاف رفع ہو گیا اور خدا سے ہم توفیق خیر کی مانگتے ہیں ویستحب الترضی للصحابۃ اور مستحب ہے صحابہ کرام کو رضی اللہ عنہم کہنا م اس واسطے کہ صحابہ کرام طلب رضائے الٰہی میں نہایت سرگرم تھے اور خوشنودی حق کے واسطے جانبازی کرتے تھے تو رضی اللہ عنہم کے وہی زیادہ تر سزاوار ہیں بعد کے اور لوگ اگرچہ قطب الاقطاب ہوں ان کے ادنی رتبہ والے کی برابر نہیں ہو سکتے جس کو اس میں تردد ہو وہ احادیث صحیحہ کو دیکھے وکذا من اختلف فی نبوتہ کذی القرنین ولقمان اور اسی طرح رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے ان لوگوں کو جن کی نبوت میں اختلاف ہے چنانچہ ذو القرنین اور لقمان رضی اللہ عنہما وقیل یقال صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم کما فی شرح المقدمۃ للکرمانی اور بعضوں نے کہا جن کی نبوت میں اختلاف ہے ان کے نام لینے کے وقت یوں کہے صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم چنانچہ کرمانی کی شرح مقدمہ میں مذکور ہے والترحم للتابعین ومن بعدہم

---

[۱] جو صواب کہتا ہو ۱۲۔ [۲] یعنی تیسرے شخص حلال کرنے والے کو داخل کرنے سے ۱۲۔ [۳] الٰہی صلوۃ نازل کر آل محمد پر اور صلوۃ نازل کر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ۱۲۔ [۴] الٰہی صلوۃ نازل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل اور اصحاب اور ازواج مطہرات پر ۱۲۔ [۵] الٰہی رحمت بھیج آل ابی اوفی پر ۱۲ [۶] الٰہی رحمت کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ۱۲۔

من العلماء والعباد وسائر الاخیار اور ترحم کا لفظ تابعین کے واسطے ہے اور جو ان کے بعد ہیں از قسم علماء اور عباد اور باقی نیک لوگ م تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت کو نہیں دیکھا مگر صحابہ کرام کو دیکھا چنانچہ امام زین العابدین اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما وکذا یجوز عکسہ ہو الترحم للصحابۃ والترضی للتابعین ومن بعدہم علی الراجح ذکرہ الکرمانی اور اسی طرح عکس اس کا جائز ہے یعنی ترحم صحابہ کے واسطے اور رضی اللہ عنہم تابعین اور ان کے بعد کے صالحین کے واسطے بنا بر قول راجح کے ایسا ذکر کیا ہے کرمانی نے م ولہذا کتب فقہ میں امام کے نام پر رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ دونوں لفظ مذکور ہیں وقال الزیلعی الاولی ان یدعو للصحابۃ بالترضی والتابعین بالرحمۃ ولمن بعدہم بالمغفرۃ والتجاوز اور زیلعی نے کہا بہتر یہ ہے کہ صحابہ کے واسطے رضی اللہ عنہم کے لفظ سے دعا کرے اور تابعین کے واسطے رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے بعد اور لوگوں کے واسطے غفر اللہ لہم اور تجاوز اللہ عنہم کے لفظ سے دعا کرے م مغفرت اور تجاوز کی اس لیئے دعا ہوئی کہ تابعین کے بعد ذنوب کی کثرت ہوئی اور امور دینیہ کے اہتمام میں قلت ہوگئی کذا فی الطحطاوی عن الحموی والاعطاء باسم النیروز والمہرجان لایجوز لے الہدایا باسم ہذین الیومین حرام اور نوروز اور مہرجان کے نام سے دینا جائز نہیں یعنی تحائف رسانی ان دونوں کے نام سے حرام ہے م نوروز عبارت ہے آفتاب کے آنے سے برج حمل میں وہ پہلی تاریخ ہے فروردی ماہ کی اور مہرجان سولہویں تاریخ ہے مہر ماہ کی آتش پرست دونوں دنوں میں عید کرتے تھے اہل اسلام پر مشابہت کفار کی حرام ہوئی اسی طرح ہولی اور دیوالی مسلمانوں کو حرام ہے کہ مشابہت ہے ہنود کی وان قصد تعظیمہ کما یعظمہ المشرکون یکفر قال ابو حفص الکبیر لو ان رجلا عبد اللہ خمسین سنۃ ثم اہدی لمشرک یوم النیروز بیضۃ یرید تعظیم الیوم فقد کفر وحبط عملہ انتہی اور اگر نوروز کی تعظیم اور تکریم مقصود ہو جس طرح مشرک اس کی تعظیم کرتے ہیں تو تعظیم کرنے والا کافر ہو جاوے گا ابو حفص کبیر نے کہا اگر ایک مرد نے حق تعالیٰ کی عبادت کی ۵۰ برس پھر مشرک کو تحفہ بھیجا ایک انڈا نوروز کے دن بقصد تعظیم نوروز کے تو بے شک وہ کافر ہو گیا اور اس کا عمل حبط ہو گیا یعنی ساری عبادت اکارت ہو گئی انتہی کلامہ ولو اہدی لمسلم ولم یرد تعظیم الیوم بل جری علی عادۃ الناس لایکفر اور اگر مسلمان کو نوروز کے دن تحفہ بھیجا اور اس دن کی تعظیم کا ارادہ نہ کیا بلکہ تحفہ رسانی میں لوگوں کی عادت پر چلا تو کافر نہ ہوگا وینبغی ان یفعلہ قبلہ او بعدہ نفیا للشبہۃ اور لائق یہ ہے کہ نوروز سے پہلے یا بعد اس کے تحفہ رسانی کرے شبہہ دفع کرنے کے واسطے یعنی نوروز کے دن اگرچہ تعظیم کا قصد نہ ہو لیکن مشابہت کفار کی بلاشک ہے تو آگے پیچھے کرنا چاہیے دفع اشتباہ کے واسطے ولو شری فیہ مالم یشترہ قبلہ ان اراد تعظیمہ کفر وان اراد الاکل والشرب والتنعم لایکفر زیلعی اور اگر نوروز کے دن وہ چیز خرید کی جو اس کے قبل خرید نہ کی تھی اگر نوروز کی تعظیم کا ارادہ اس خریداری سے ہے تو کافر ہو گیا اور اگر کھانے پینے اور لذت رسانی کا قصد کیا تو کافر نہ ہوگا ولا باس بلبس القلانس غیر حریر وکرہ ما علیہ ابریسم فوق اربع اصابع سراجیۃ اور کچھ مضائقہ نہیں قلانس کے پہننے میں سوائے ریشمی کے اور سوائے اس کپڑے کے جس پر ریشم ہے چار انگلیوں سے زیادہ کذا فی السراجیہ م قلانس جمع ہے قلنسوہ کی اور قلنسوہ کلاہ عجمی ہے کہ اہل عجم اس کو سر پر رکھتے ہیں کذا فی الجوہرہ مصنف جمع کا لفظ اس واسطے لایا کہ سفید اور رنگین سب اقسام کو شامل ہو ذخیرہ میں ہے کہ قلنسوہ گوشہ دار ہوتا ہے کذا فی الطحطاوی وصح انہ حرم لبسہا اور ریشمی قلنسوہ اور جس پر چار انگل سے زیادہ ریشم ہو اس کے پہننے کی حرمت صحیح قول سے ثابت ہے برخلاف اس قول کے جو شرح مسکین میں قلنسوہ حریری کی حلت کو ہے کذا فی الطحطاوی وندب لبس السواد وارسال ذنب العمامۃ بین کتفیہ الی وسط ظہرہ وقیل لموضع الجلوس وقیل شبرا اور مستحب ہے لباس سیاہ اور عمامہ کا شملہ لٹکانا درمیان دونوں مونڈھوں کے آدھی پیٹھ تک اور بعضوں نے کہا بیٹھنے کے مقام تک اور بعضوں نے کہا ایک بالشت ویکرہ ای للرجال کما مر فی باب الکراہیۃ لبس المعصفر او مزعفر لقول ابن عمر رضی اللہ عنہما نہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس المعصفر وقال ایاکم والاحمر فانہا زی الشیطان اور مردوں کو مکروہ ہے چنانچہ باب الکراہیۃ میں گذرا پہننا کسم کا اور زعفران کے رنگین کپڑے کا بدلیل قول عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس معصفر سے منع فرمایا اور فرمایا کہ بچو سرخ سے کہ وہ ہیئت اور لباس ہے شیطان کا ویستحب التجمل واباح اللہ الزینۃ لقولہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ الآیۃ اور مستحب ہے تجمل اور آرائش اور حق تعالیٰ نے زینت کو مباح کیا ہے بدلیل قول حق تعالیٰ کے تو کہہ کس نے حرام کیا اس زینت کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے نکالی الی آخر الآیۃ مرد کو مستحب ہے کہ احسن لباس پہنے اور امام اعظم اپنے اصحاب کو اس کی وصیت فرماتے تھے اور وہ لباس پہنتے تھے جس کی قیمت ۴۰۰ دینار تھی بدلیل آیۃ کریمہ

قل من حرم زینة اللہ الآیة) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ بندہ کو نعمت دیتا ہے تو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس پر نمودار ہو اور ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے ردا مبارک پہنے جس کی ہزار درم قیمت تھی اور ایک بار نماز پڑھتے تھے اور بدن مبارک پر ردا تھی جس کی قیمت چار ہزار درم تھی چنانچہ زیلعی نے ذکر کیا ہے امام اعظمؒ سے کسی نے پوچھا کیا ایسا نہ تھا کہ امیر المومنین عمرؓ ایسا قمیص پہنتے تھے جس پہ ایسے اور ایسے پیوند تھے امام نے جواب دیا کہ وہ امیر المومنین تھے حکمت کے سبب سے ایسا کرتے تھے سو اگر وہ نفیس کپڑے پہنتے یا طرح طرح کے عمدہ کھانے کھاتے تو ان کے عامل اس میں ان کی پیروی کرتے اور اگر عمال کو کبھی عمدہ لباس اور طعام نہ ملتا تو ظلم سے حاصل کرتے اس مصلحت سے وہ وضع اختیار کی کذا فی الطحطاوی عن الشبلی عن ابی السعود

ولشاب العالم ان يتقدم على الشيخ الجاهل ولو قرشيا قال الله تعالى والذين اوتوا العلم درجات فالرافع لهم الله فمن يضعه يضعه الله في جهنم وهم اولو الامر على الاصح ورثة الانبياء بلا خلاف

اور جوان عالم کو تقدم کرنا پیر جاہل پر جائز ہے اگرچہ جاہل قریش کی قوم سے ہو حق تعالیٰ نے فرمایا اور جن کو علم عطا ہوا وہ صاحب درجات عالیہ ہیں تو عالم کا درجہ بلند کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے سو جو اس کو ذلیل اور خوار جانے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں ڈالے گا اور اولوا الامر سے جن کی اطاعت کا قرآن مجید میں امر ہے علماء دین مراد ہیں بنا بر صحیح ترین اقوال کے اور وہی وارث ہیں انبیاء کے بالاتفاق اس میں خلاف نہیں م پوری آیت یوں ہے واذا قیل انشزوا فانشزوا یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت واللہ بما تعملون خبیر یعنی جب کہا جائے کہ اٹھو تو تم اٹھ کھڑے ہوا کرو بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ درجات ان کے جو ایمان لائے تم میں سے اور ان کے جن کو علم دیا گیا اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا عالم اور دانا ہے تفسیر بیضاوی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالموں کے بالخصوص درجات بلند کیے کیونکہ علم اور عمل کے جامع ہیں اس واسطے کہ علم اپنی بلند مرتبگی کے ساتھ اس عمل کا مقتضی ہے جو مقرون بہ مزید رفعت ہے اور اسی وجہ سے عالم کے افعال کی پیروی کی جاتی ہے نہ غیر عالم کے افعال کی حدیث میں وارد ہے فضیلت عالم کی عابد پر جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر انتہی طحطاوی نے کہا رازی کے احکام قرآن میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں سے اہل علم کو مجلس میں رفعت اور بلندی دیتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ حضرت کے نزدیک کس قدر ان کی فضیلت اور منزلت ثابت ہے اسی طرح حضرت کے بعد بھی علماء کی تعظیم کرنا چاہیے ابن عباس نے کہا کہ علماء کے درجات اور مومنین کے اوپر سات سو درجے ہیں ہر درجہ ۵۰۰ برس کی راہ ہے زندویسی نے کہا کہ عالم کا حق جاہل اور استاد کا حق شاگرد پر یکساں ہے برابر وہ یہ ہے کہ عالم اور استاد سے پہلے افتتاح کلام نہ کرے اور اگر وہ کہیں گیا ہو تو اس کے مقام پر نہ بیٹھے اور اس کے کلام کو بے ادبی سے رد نہ کرے اور چلنے میں اس کے آگے نہ چلے اور زوج کا حق زوجہ پر اس سے بھی زیادہ ہے وہ یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے جس مباح کام کو وہ امر کرے۔ منقول ہے زلزلہ سخت واقع ہوا تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ طالب علم دعا کریں لوگوں نے کہا اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ ان میں جو نیک ہیں وہ اور نیکوں سے بہتر ہیں اور جو ان میں بد ہیں وہ اور بدوں سے بہتر ہیں کذا فی الطحطاوی مستطرف میں امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا علم کو اسی قدر شرف کفایت کرتا ہے کہ اگر جاہل کو عالم کہیے تو وہ خوش ہو جاتا ہے اور جہل کو اتنی مذلت کافی ہے کہ جاہل بھی جہالت سے بیزار ہے اور اگر جاہل کو جاہل کہیے تو خفا ہو جاتا ہے

اختضب لاجل التزين للنساء والجواري جاز في الاصح ويكره بالسواد وقيل لا مر في الحظر

ایک شخص نے خضاب کیا آرائش کے واسطے اپنی زوجات اور اپنی حلال لونڈیوں کے لیے تو جائز ہے صحیح تر قول میں اور سیاہ خضاب کرنا مکروہ ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ مکروہ نہیں اور یہ مسئلہ گذر گیا کتاب الحظر میں م ابو یوسف سے مروی ہے کہ جیسے مجھ کو یہ پسند آتا ہے کہ میری عورت میرے لیے سنگار کرے ویسا ہی پسند آتا ہے اس کو میرا آرائش کرنا اس میں اختلاف ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا یا نہیں قول اصح یہ ہے کہ نہیں والواجیہ میں ہے کہ صغیر کو مہندی وغیرہ ہاتھ پاؤں میں لگانا لائق نہیں کہ یہ آرائش ہے اور وہ عورتوں کو مباح ہے اکمل کی شرح مشارق میں ہے کہ خضاب میں دو مقام پر اختلاف علماء ہے ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا یا نہیں انسؓ نے کہا کہ مجھ کو آپؐ کا خضاب کرنا معلوم نہیں اور بعضوں نے کہا کہ خضاب کیا تھا ان کی حجت ام سلمہ اور ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے حضرتؐ کا زرد خضاب دیکھا اور قول مختار یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے خضاب کیا اور اکثر اوقات میں ترک کیا ہو جو جس نے دیکھا وہ بیان کیا دوسرا مقام یہ ہے کہ خضاب افضل ہے یا ترک کرنا اس

کا بعضوں نے کہا کہ ترک افضل ہے اس لیئے کہ تغیر پیری سے نہی وارد ہے اور علماء نے کہا کہ خضاب افضل ہے اس واسطے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے خضاب کیا ہے صدیق اکبر ؓ حنا کا خضاب کرتے تھے اور بعضی زعفران سے خضاب کرتے تھے چنانچہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بعضی سیاہ خضاب کرتے تھے چنانچہ یہ حضرات عثمان اور حسن اور حسین اور عقبہ بن عامر اور ابن سیرین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور ہم حنفیوں کا یہ مذہب یہ ہے کہ حنا اور وسمہ کا رنگ خوب ہے چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں مذکور ہے نووی شافعی مذہب نے کہا ہمارا مذہب استحباب خضاب کا ہے مرد اور عورت کو زردی اور سرخی کا اور اصح قول میں خضاب سیاہ حرام ہے اس واسطے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ پیری کو تغیر کرو اور بچو سیاہی سے انتہی قول الاکمل سیاہ خضاب کی حرمت غیر مجاہدین کے حق میں ہے اور غازیوں کو حرام نہیں کافروں پر رعب ڈالنے کے واسطے اور اصحاب کبار نے جو سیاہ خضاب کیا شاید اس کا یہی محمل ہے قالہ الحموی کذافی الطحطاوی م میں نے اپنے استاد میرزا حسن محدث سے سنا وہ اپنے اساتذہ سے نقل کرتے تھے کہ ممنوع وہ سیاہ خضاب ہے جو وسمہ کے سوا اور چیزوں سے ہو اس واسطے کہ صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ جب امام حسین شہید ہوئے تھے تو ریش مبارک مخضوب بہ وسمہ تھی واللہ اعلم کما یجوز ان یاکل متکئا فی الصحیح لما روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اکل متکئا مجمع الفتاوی جیسے جائز ہے کھانا تکیہ لگا کر قول صحیح میں اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے کھانا کھایا تکیہ لگا کر کذافی مجمع الفتاوی اخذتہ الزلزلۃ فی بیتہ ففر الی الفضاء لایکرہ بل یستحب لفرار النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الحائط المائل ایک شخص کو زلزلہ معلوم ہوا اپنے گھر میں سو وہ بھاگا میدان کی طرف تو یہ مکروہ نہیں بلکہ بھاگنا مستحب ہے بدلیل فرار کرنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جھکی دیوار سے واذا خرج من بلدۃ بہا طاعون فان علم ان کل شیء بقدر اللہ تعالیٰ فلا باس بان یخرج ویدخل وان کان عندہ انہ لو خرج نجی ولو دخل ابتلی بہ کرہ لہ ذلک فلا یدخل ولا یخرج صیانۃ لاعتقادہ وعلیہ حمل النہی فی الحدیث الشریف مجمع الفتاوی اور جب کہ انسان نکلا اس شہر سے جس میں وبا ہے سو اگر وہ جانتا ہو کہ ہر چیز حق تعالیٰ کی تقدیر سے ہے تو کچھ مضائقہ نہیں اس کے نکلنے میں وبا کے شہر سے اور وہاں جانے میں جہاں وبا نہیں ہے اور اگر اس کے نزدیک یہ عقیدہ ہو کہ اگر نکلا تو بچا اور اگر وبا کے شہر میں گیا تو اس میں مبتلا ہوگا تو اس کو یہ مکروہ ہے تو وہاں نہ جائے اور نہ وہاں سے نکلے تاکہ اس کا اعتقاد محفوظ رہے اور اسی تفصیل پر خروج اور دخول کی نہی حدیث شریف میں محمول ہے کذافی مجمع الفتاوی فقیہ فی بلدۃ لیس فیہا غیرہ افقہ منہ یرید ان یغزو ولیس لہ ذلک بزازیہ وغیرہا مسائل شرعیہ کا عالم ایک شہر میں ہے کہ وہاں اس سے زیادہ تر کوئی عالم نہیں اس نے جہاد کا ارادہ کیا تو اس کو یہ جائز نہیں ہے چنانچہ بزازیہ وغیرہا میں ہے م یہ قول محمول ہے اس جہاد میں جو ہنوز فرض عین نہیں ہوگیا اس واسطے کہ نفع ایسے عالم کا مسلمانوں کو زیادہ تر ہے ثواب میں اس جہاد کے ثواب سے جو فرض عین نہ ہوا بلکہ فرض بالکفایہ ہے قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول او مات فحل بموتہ فاخذ من ترکتہ لایاخذ من المرابحۃ التی جرت بینہما الا بقدر مامضی من الایام وہو جواب المتاخرین قنیہ وبہ افتی المرحوم ابو السعود افندی مفتی الروم وعللہ بالرفق للجانبین فقد قدمتہ قبل فصل القرض مدیون نے دین مؤجل کو میعاد کے آنے سے پہلے ادا کیا اور مدیون مرگیا سو اس کے مرنے سے دین حال ہوگیا یعنی مؤجل نہ رہا فی الحال واجب الادا ہوگیا سو میت مدیون کے ترکہ سے لیا گیا تو نہ لے اس منفعت سے جو دائن اور مدیون میں ٹھہر گئی مگر بقدر ایام گذشتہ کے اور یہی جواب ہے علماء متاخرین کا چنانچہ قنیہ میں مذکور ہے اور اسی کا فتوی دیا ہے مرحوم ابو السعود آفندی مفتی بلاد روم نے اور رعایت جانبین کو اس کی وجہ مذکور کی ہے اور متن میں میں نے اس مسئلہ کو فصل قرض سے پہلے بیان کیا ہے م صورت اس کی یہ ہے کہ کوئی چیز دس درم نقد سے خرید کی اور دوسرے کے ہاتھ ۲۰ درم کو بیع کی دس مہینے کے وعدہ پر پھر اگر مدیون نے پانچ مہینے کے بعد ثمن ادا کیا یا پانچ مہینے کے بعد وہ مرگیا تو صاحب دین کو چاہیے پانچ درم نفع لے اور پانچ درم چھوڑے کذافی الطحطاوی فرع مسئلہ ملحقہ شارح کافی آخر الکنز ینبغی لحافظ القرآن فی کل اربعین یوما ان یختم مرۃ آخر کنز الدقائق میں ہے کہ حافظ قرآن کو لائق یہ ہے کہ ہر چالیس دن میں ایک بار قرآن مجید کو ختم کرے م اس واسطے کہ مقصود فہم معانی ہے نہ مجرد تلاوت قال تعالیٰ افلا یتدبرون القرآن[لہ] خاتمہ قرآن خواں پر سلام کرنا چاہیے اور قاری کو سلام کا جواب دینا اور نہ دینا دونوں درست ہیں قول صحیح میں اور جب قاری آواز سے

ف۱ ۔ جواز خضاب وسمہ ۱۲ ۔ ف۲ ۔ قرآن کے احکام ۔ لہ ۔ کیا نہیں سمجھتے قرآن کو ۱۲ ۔

تو افضل یہ ہے کہ چپ رہے اور اذان سنے اور جب نبی کا نام قرآن میں آوے تو اس پر صلوٰۃ واجب نہیں امامؒ سے روایت ہے کہ جس نے قرآن کو سال میں دو بار ختم کیا تو اُس نے قرآن کا حق ادا کیا اور قاری قیام نہ کرے مگر باپ یا معلم یا عالم کے واسطے قنیہ میں ہے کہ ہر مہینہ میں ایک بار ختم کرے اور مستحب ہے کہ اُس کے واسطے تطہیر اور تحسین لباس اور خوشبو لگانا اور حروف ادا کرنا اور اُس مکان کو قنادیل اور شموع سے روشن کرنا اور اہل وعیال کو ختم کے وقت جمع کرنا اور اُن کے واسطے برکت اور مغفرت کی دعا کرنا اور ختم کے بعد پھر قرآن کا شروع کرنا اور قرآن کو مصحف سے پڑھنا اور مستحب یہ ہے کہ تین دن سے کمتر مدت میں ختم نہ کرے اور مستحب ہے کہ ہر سال ایک بار اُس کو قرآن سناوے جو اس سے زیادہ تر جانتا ہو اور بہترین اوقات قرآن کیواسطے ماہ مبارک رمضان ہے اور بازار میں اور سوال کے واسطے اور ناپاک مکان میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور مصحف پر کوئی چیز نہ رکھے اور مصحف کو رکھ نہ چھوڑے پڑھا کرے تاکہ وہ مہجور اور متروک نہ ٹھہرے اور اگر اُمی آدمی مصحف کو اپنے گھر میں رکھے برکت کی نیت سے تو مکروہ نہیں اور تفسیر قرآن کی اپنی عقل سے اور عکس ترتیب جائز نہیں اور اگر مصحف ایسا کہنہ ہو گیا ہو کہ اس میں پڑھنا ممکن نہیں تو پاک کپڑے میں لپیٹ کر بغلی قبر کے مانند کھود کر دفن کر دے یا اُس کو دھو ڈالے یا ایسی جگہ میں رکھ دے جہاں نجاست اور ملحدوں کے ہاتھ نہ پہنچیں اور مصحف اور کتب تفسیر اور فقہ اور کعبہ معظمہ کی طرف پاؤں پھیلانا نوم یا غیر نوم میں مکروہ ہے اور جو قرآن غلط پڑھتا ہو تو بتانا افضل ہے جیسے راہ بھولے کو راہ بتانا حدیث میں وارد ہے کہ میری امت کے گناہ میرے سامنے آئے تو میں نے اس سے زیادہ تر کوئی گناہ نہ دیکھا کہ مرد آیت یا سورت سیکھ کر بھول گیا نسیان سے مراد ہے کہ اس کو مصحف سے پڑھنا ممکن نہ ہو اور لیٹ کر قرآن پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن پڑھنے کے وقت اپنے دونوں پاؤں سمیٹ لے اور اگر لڑکا گھر میں قرآن پڑھتا ہو اور گھر والے کام میں مشغول ہوں تو ترک سماع میں معذور ہیں اگر اُنھوں نے کام شروع کیا ہو پڑھنے سے پہلے اور اگر قرآن پڑھنا شروع ہو گیا تو معذور نہیں اور یہی حکم فقہ خوانی کا ہے قرآن خوانی کے نزدیک کذا فی الطحطاوی ملتقطا واللہ اعلم واستغفر اللہ العظیم

* * *

کتاب الفرائض

یہ کتاب ہے فرائض کے مسائل میں م فرائض جمع ہے فریضہ کی اور وہ مشتق ہے فرض سے اور فرض لغت میں بمعنی تقدیر اور قطع اور بیان کے ہے اور اصطلاح شرع میں فرض وہ ہے جو ثابت ہو دلیل قطعی یقینی سے اس قسم کے فقہ کے مسائل کو فرائض اس واسطے نام رکھا کہ سہام مقدر مقطوع مبیّن ہیں جو دلیل قطعی سے ثابت ہیں تو اس میں لغوی معنی اور شرعی دونوں یکجا ہو گئے کذا فی العالمگیریۃ عن الاختیار شرح المختار ہی اصول من فقہ وحساب تعرف بہا حق کل من الترکۃ فرائض علم ہے فقہ اور حساب کے ان قواعد کا جن سے ہر ایک وارث کا حصہ ترکہ سے معلوم ہو جاتا ہے م اور موضوع علم فرائض کا ترکات ہیں اور غایت اس علم کی ایصال حقوق ہے اہل استحقاق کو اور ارکان اس کے تین ہیں وارث اور مورث اور موروث اور شرط اس کے تین ہیں مورث کی موت اور وارث کی حیات حقیقی ہو یا تقدیری چنانچہ حمل اور علم وجہ ارث کا اور اسباب اور موانع اس کے آگے مذکور ہوں گے اور اس علم کے استخراج کے تین اصول ہیں کتاب اللہ اور حدیث چنانچہ نانی کے ارث مغیرہ اور ابن سلمہ کی شہادت سے ثابت ہے اور اصل ثالث اجماع امت ہے چنانچہ دادے کی ارث عمر فاروق رض کے اجتہاد سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع اصحاب کرام کا ہو گیا اور قیاس کو فرائض میں کچھ دخل نہیں کذا فی الطحاوی مختصرا والحقوق ہنا خمسۃ بالاستقراء اور حقوق یہاں پانچ ہیں باعتبار تلاش اور تفحص کے یعنے حقوق کا منحصر ہونا پانچ میں حصر استقرائی ہے نہ حصر عقلی لان الحق اما للمیت او علیہ اولا ولا اس واسطے کہ حق متعلق بہ ترکہ میت یا میت کا ہے یا میت پر ہے یا نہ یہ ہے نہ وہ الاول التجہیز والثانی اما ان یتعلق بالذمۃ وہو الدین المطلق اولا وہو المتعلق بالعین اول یعنی میت کا حق تجہیز ہے یعنے میت کا سامان مرنے کے وقت سے دفن کرنے تک اور دوسرا یا متعلق بذمہ میت ہے وہ دین مطلق ہے یا متعلق بذمہ نہیں اور وہ متعلق بعین ہے والثالث اما اختیاری و ہو الوصیۃ او اضطراری وہو المیراث اور تیسرا یا اختیاری ہے وہ وصیت ہے یا اضطراری ہے جس میں اختیار کو کچھ دخل نہیں وہ میراث ہے کہ شرع کی جہت سے ثابت ہے وہی فرائض لان اللہ تعالےٰ قسمہ بنفسہ واوضحہ وضوح النہار بشمسہ اور میراث کا فرائض نام رکھا گیا اس لئے کہ حق تعالےٰ نے میراث کو خود بذات پاک قسمت کیا اور اس کو ظاہر اور روشن کر دیا جیسے دن کو روشن کر دیا اپنے آفتاب سے م میراث کو قسمت کیا یعنے ہر وارث کا حصہ آپ ٹھہرا دیا اور اس کی تقدیر ملک مقرب اور نبی مرسل پر مفوض نہیں کی اور ہر ایک حصہ نصف اور ربع اور ثمن اور ثلث اور سدس سے خود کلام مقدس بیان کر دیا بخلاف باقی احکام کے صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور صوم اور حج وغیرہا سے کہ ان میں نصوص مجمل ہیں سنت نبویہ میں اس کا بیان واقع ہوا کذا فی المنح قلت ولذا سماہ صلے اللہ علیہ وسلم نصف العلم لثبوتہ بالنص لا غیر واما غیرہ فبالنص تارۃ و بالقیاس اخرےٰ میں کہتا ہوں اور اسی واسطے یعنے بسبب تقسیم ربانی کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علم فرائض کا نام نصف العلم رکھا بسبب ثابت ہونے اس علم کے فقط نص سے نہ غیر نص سے اور غیر فرائض تو کبھی نص سے ثابت ہے اور گاہے قیاس سے م بیان اس کا یہ ہے کہ علم یا فقط نص سے ثابت ہے یا نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہے تو جو علم کہ فقط نص سے ثابت ہے وہ فرائض ہے اور جو نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہے وہ فرائض کے سوا اور علوم دینی ہیں اور نص سے مراد وہ ہے جو اجماع کو بھی شامل ہے اس واسطے کہ بعض مسائل فرائض کے اجماع امت

سے ثابت ہیں وقیل لتعلقہ بالموت وغیرہ بالحیوۃ اور بعضوں نے کہا نصف ہونا بسبب متعلق ہونے فرائض کے موت سے اور غیر فرائض کے حیات سے م یعنے فرائض نصف علم اس واسطے ہوا کہ انسان کے دو حال ہیں موت اور حیات سو فرائض موت سے متعلق ہے اور باقی علوم حیات سے اور ایک حال نصف ہے مجموع دو حال کا لہذا حدیث شریف میں فرائض کو نصف علم فرمایا او بالضروری وغیرہ بالاختیاری یا کہ فرائض سبب ضروری سے ثابت ہے اور غیر فرائض سبب اختیاری سے ثابت ہے م یعنی جس سے ملک ثابت ہوتی ہے وہ دو قسم ہے اختیاری اور ضروری اختیاری جیسے کسی چیز کا خرید کرنا یا ہبہ کرنا اور وصیت کرنا اور ضروری چنانچہ ارث تو اس واسطے فرائض کو نصف علم فرمایا وہل ارث الحی من الحی ام من المیت المعتمد الثانی شرح الوہبانیۃ اور کیا ارث زندے کو زندے سے ہوتی ہے یا مردے سے معتمد قول دوسرا ہے یعنی زندہ وارث ہوتا ہے مردے کا کذا فی شرح الوہبانیہ م شرح وہبانیہ میں ہے کہ ارث کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے مشائخ عراق کے نزدیک آخر جزء اجزاء حیات مورث سے وقت ہے میراث کا اور مشائخ بلخ کے نزدیک وقت ارث بعد مرجانے مورث کے ہے اس واسطے کہ جب تک وہ زندہ ہے اپنے جمیع اموال کا مالک ہے ہر طرح سے تو اگر اس کا وارث اس حالت میں مالک ہو تو لازم آوے کہ ایک چیز دو شخصوں کی مملوک ہو علی وجہ الکمال اور اس امر کو عقول تسلیم نہیں کرتیں کذا فی الطحطاوی مختصر، یبدأ من ترکۃ المیت الخالیۃ عن تعلق حق الغیر بعینہا کالرہن والعبد الجانی والماذون المدیون والمبیع المحبوس بالثمن والدار المستاجرۃ ابتدا کی جائے میت کے اس ترکہ سے جو خالی ہے تعلق حق غیر سے عین ترکہ کے ساتھ چنانچہ رہن اور عبد جانی اور غلام ماذون مدیون اور وہ بیع جو محبوس بثمن ہے اور اجارہ کا گھر م ترکہ لغت میں بمعنی متروک ہے اور اصطلاح میں ترکہ وہ مال ہے جس کے عین سے غیر کا حق متعلق نہ ہو گیا ہو تو مال کی قید سے اہل وعیال ترکہ سے خارج ہو گئے تعلق حق غیر کا عین ترکہ سے چنانچہ رہن وغیرہ رہن کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز مثلاً باغ گرو رکھا پھر راہن مر گیا اور باغ مرتہن کے پاس ہے اور راہن نے سوائے باغ کے کوئی مال نہیں چھوڑا تو مرتہن کا دین مقدم ہے راہن کی تجہیز وتکفین پر کیوں کہ غیر کا حق عین باغ سے متعلق ہو گیا سو اگر ادائے دین کے بعد کچھ باقی رہے گا تو تجہیز میں صرف ہوگا اور عبد جانی کی صورت یہ ہے کہ غلام نے اپنے مولیٰ کی حیات میں کسی کو قتل کیا اور مولیٰ کا کچھ مال نہیں سوائے غلام کے اور مولی مر گیا تو مقتول کا وارث اس غلام کا زیادہ تر حقدار ہے مولی سے ہاں اگر دیت دے کر کچھ باقی رہے تو اس سے مولی کی تجہیز وتکفین ہوگی اور عبد ماذون مدیون کی یہ صورت ہے کہ اس پر لوگوں کے دین ہیں مالک کی زندگی میں پھر مالک مر گیا اور اس کا کچھ مال نہیں سوائے اس کے تو ارباب دیون مقدم ہیں تجہیز پر اور بیع محبوس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً غلام بیچا زید کے ہاتھ ثمن معین پر اور مشتری نے ہنوز ثمن ادا نہیں کیا اور بائع نے غلام کو روک رکھا اپنے پاس اور مشتری کا کچھ مال نہیں سوائے اس غلام کے تو بائع احق ہے اس غلام محبوس کا تجہیز مشتری سے اور دار مستاجرہ کی یہ صورت ہے کہ صاحب خانہ نے گھر زید کو کرایہ دیا اور زید نے اس کی اجرت پیشگی دی پھر صاحب خانہ مر گیا سو اجارہ فسخ ہو گیا اور زید مستاجر کی کچھ اجرت باقی رہی اور صاحب خانہ نے سوائے اس گھر کے کچھ اور ترکہ نہیں چھوڑا تو زید مقدم ہوگا صاحب خانہ کی تجہیز پر کذا فی الطحطاوی وانما قدمت علی التکفین لتعلقہا بالمال قبل صیرورتہ ترکۃ اور حقوق مذکورہ مقدم نہیں ہوئے تکفین پر مگر بسبب متعلق ہو جانے حقوق کے مال کے ساتھ مال کے ترکہ ہو جانے سے پہلے یعنی مال کا ترکہ ہونا تو موت کے بعد ہوتا ہے سو یہ حقوق تو قبل از موت کے متعلق بمال ہو گئے تھے بتجہیزہ یعم التکفین من غیر تقتیر ولا تبذیر ککفن السنۃ او قدر ما کان یلبسہ فی حیاتہ ترکہ میت سے ابتدا کی جاوے میت کی تجہیز بدون تنگی اور فضول خرچی کے چنانچہ کفن مسنون یا بقدر اس کے جو میت اپنی زندگی میں پہنتا تھا شارح نے کہا تجہیز تکفین کو بھی شامل ہے م ضوء السراج میں ہے کہ تنگی اور اسراف کفن کا دو طرح ہے شمار کی راہ سے اور قیمت کی راہ سے سو شمار کے اعتبار سے مرد

کے کفن میں تین کپڑے ہیں اور عورت کے کفن میں پانچ ہیں تو اگر مرد کو کفن دیا تین کپڑے سے زیادہ تو یہ اسراف ہے اور تین سے کم دیا تو یہ تنگی ہے اور اگر عورت کا کفن پانچ کپڑوں سے زیادہ کیا تو یہ اسراف ہے اور اگر پانچ سے کم کیا تو یہ تنگی ہے اور قیمت کے اعتبار سے اگر مرد زندگی میں دس روپیہ کی قیمت کے کپڑے پہنتا ہو تو اگر اس کا کفن اس سے زیادہ کیا تو اسراف ہے اور اگر اس سے کم کیا تو تنگی ہے انتہٰی اور شارح کی عبارت میں لفظا و معنی واو کے سبب تو عدد اور قیمت میں حال متوسط معتبر ہوگا چنانچہ مذکور ہو چکا کفن مسنون اس وقت دیا جائے گا جب کہ ادائے دین میں قصور نہ ہوتا ہو تکفین کے بعد اور اگر کفن مسنون ہونے سے ضرر ہوتا ہو ادائے دین میں تو کفن کفایت دیا جاوے گا کفن کفایت مرد کے دو کپڑے ہیں جدید ہوں یا مغسول اور عورت کے اسی طرح تین کپڑے ہیں کذا فی الطحطاوی ولو ملک کفنہ فلو قبل تفسخہ کفن مرۃ بعد اخری اور اگر میت کا کفن تلف ہو گیا تو اگر میت کے پھوٹنے اور پھٹنے سے پہلے کفن تلف ہوا تو اس کو کفن دیا جاوے گا تلف ہونے کے بعد ہر بار م توضیح اس کی یہ ہے کہ جب قبر کھود کر کسی نے کفن نکال لیا تو اگر میت مدفون ہے قبر میں تو وارثوں پر اس کو کفن دینا دوسری بار واجب نہیں اور اگر میت قبر کے باہر برہنہ ہے تو اول بار کی طرح اس کو کفن دینا چاہیے اگر میت کا بدن درست ہو اور اگر درست نہ رہا ہو تو اس کے ترکہ سے ایک کپڑے میں دفن کرنا چاہیے اور اسی طرح کرنا چاہیے اگر چند بار کفن چرایا گیا ہو ادائے دین اور قسمت سے پہلے اور اگر وارثوں میں ترکہ قسمت ہو گیا اور قضاء دیون اور نفاذ وصیت ہو چکی تو وارثوں سے کفن کے واسطے استرداد واپس لینا ۱۲ ہوگا بقدر ان کے میراث کے اور اس سے کفن دیا جاوے گا اسی طرح ہر بار ہوگا تا بقاء مال میراث کذا فی الطحطاوی وکلہ من کل مالہ اور ہر بار کا کفن میت کے تمام مال سے لیا جاوے گا نہ ثلث مال سے ثم تقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد پھر میت کی تجہیز کے بعد ان دیون کا ادا کرنا مقدم ہوگا ترکہ سے جن کا مطالبہ ثابت ہے عباد کی جہت سے م جہت عباد کی قید سے وہ دین خارج ہو گیا جس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے چنانچہ زکوۃ کا دین اور کفارہ وغیرہ کا دین ویقدم دین الصحۃ علی دین المرض ان جہل سببہ اور صحت کا دین مقدم ہے فرض کے دین سے اگر مرض کے دین کا سبب معلوم نہ ہو م صحت کا دین وہ ہے جو گواہوں سے ثابت ہو یا میت نے اپنی صحت میں اس کا اقرار کیا ہو اور مرض کا دین وہ ہے جو میت کے اقرار سے ثابت ہوا مرض کی حالت میں یا جو مرض کے مانند ہے چنانچہ قتال کے واسطے نکلنا یا رجم اور قصاص کے واسطے والا فیان کما بسطہ السید اور اگر مرض کے دین کا سبب معلوم ہو تو صحت اور مرض دونوں حالتوں کا دین برابر ہے چنانچہ سید شریف نے اس کو مشرح بیان کیا ہے م معلوم ہونا سبب کا اس طرح ہے کہ مدیون نے اپنے مرض میں اس دین کا اقرار کیا جس کا ثبوت بطریق معائنہ کے معلوم ہوا چنانچہ اس نے کچھ خرید کیا تھا یا کسی کا مال تلف کیا تھا تو یہ دین فی الحقیقۃ صحت کا دین ہے اس واسطے کہ اس کا وجوب اس کے اقرار کے سوا اور طرح بھی معلوم ہوا لہذا وہ دین صحت کے برابر ہو گیا حکم میں انتہٰی کلام السید الشریف تو معلوم ہوا کہ دیون عباد کی تین قسم ہیں قوی و وسط ضعیف قوی وہ ہے جو تجہیز اور تکفین پر مقدم ہے چنانچہ حقوق متعلقہ بعین ترکہ کالرہن اور وسط وہ ہے جو گواہوں یا صحت کے اقرار سے یا مرض معائنہ سے ثابت ہو اور ضعیف وہ ہے جو مرض کے اقرار سے ثابت ہو اور معلوم کرنا چاہیے کہ ترکہ قبل قضاء دیون کے مرہون کے مانند ہے تو اس میں وارثوں کے تصرفات نافذ نہ ہوں گے بشرطیکہ ترکہ دین سے کم ہے یا برابر ہے اور اگر ترکہ زیادہ ہے تو نفوذ تصرفات میں دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ تا بقاء قدر دین تصرف نافذ ہے اور دوسری وجہ ظاہر تر یہ ہے کہ تصرف نافذ نہیں علی قیاس المرہون شرح ملتقے میں ہے کہ ترکہ مستغرقہ کی بیع کرنے کا حاکم کو اختیار ہے نہ وارثوں کو اس واسطے کہ وارث اس صورت میں مالک اس کے نہیں کذا فی الطحطاوی واما دین اللہ فان اوصی بہ وجب تنفیذہ من ثلث الباقی والالا اور دین حق تعالیٰ کا چنانچہ زکوۃ سو اگر میت نے اس کے ادا کرنے کی وصیت کی

تو اس کا جاری کرنا تہائی باقی مال سے واجب ہے اور اگر وصیت نہیں کی تو واجب نہیں م دین خدا چنانچہ اور حج اور صیام اور نذر اور کفارات تو اگر میت نے مثلاً اسقاط نماز کی وصیت کی تو مطالبہ ساقط ہوگا اور اگر وصیت نہیں کی اور وارث نے تبرع کیا یعنے اپنی طرف سے مال دے کر اسقاط کیا تو بعضوں کے نزدیک نمازیں میت سے ساقط نہیں ہوتی ہیں اس واسطے کہ اختیار بالکل معدوم ہے اور اس واسطے کہ فعل وارث کا وصیت سے کمتر ہے تو عدم جواز کا حکم ہوگا تا کہ احتیاط مرتبہ ظاہر ہو اور بعضوں نے کہا کہ مطالبہ ساقط ہوگا وصیت کرنے کے مانند اس واسطے کہ جواز کی دلیل بیان تو گنجائش رحمت الٰہی اور اس کے کمال کرم اور فضل کی امیدواری ہے اور یہ تو وصیت اور تبرع دونوں کو شامل ہے ابن کمال نے کہا دین کی حقیقت اہل شرع کے عرف میں یہ ہے کہ مال واجب ہو ذمہ پر کسی چیز کے بدلے سے تو خراج دین ہے اس واسطے کہ منافع حفظ کا بدل ہے برخلاف زکوۃ کے اس واسطے کہ اس میں تملیک مال واجب ہے بغیر اس کے کہ کسی چیز کا بدل ہو کذا فی الطحاوی ثم تقدم وصیتہ ولو مطلقۃ علی الصحیح خلافا لما اختارہ فی الاختیار پھر دین کے بعد میت کی وصیت مقدم کی جائے اگر وصیت مطلقہ ہو بنا بر قول صحیح کے برخلاف اس قول کے جس کو اختیار شرح مختار میں مختار کہا ہے م وصیت مطلقہ عبارت ہے ربع مال یا ثلث مال کی وصیت سے اور وصیت معینہ وہ ہے جو شے معین سے متعلق ہو چنانچہ گھر یا کپڑے یا جاریہ کی وصیت اور بعضوں نے وصیت مطلقہ کے مقابل وصیت مقیدہ کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعینہ ثلث مال کی وصیت کرے اس طرح کہ مثلاً تین درم یا دینار یا ثلث دار یا ثلث غنم کی وصیت کرے کذا فی الطحاوی فتاوی عالمگیری میں اختیار کے مانند تاتارخانیہ سے منقول ہے یعنے وصیت مطلقہ میراث پر مقدم نہیں تو موصی لہ وارثوں کا شریک ہے نہ مقدم من ثلث ما بقی بعد تجہیزہ و دیونہ وصیت جاری ہو اس مال کی تہائی سے جو باقی رہ گیا میت کی تجہیز اور دین کے بعد م وصیت جاری ہوگی ثلث باقی سے نہ اصل مال کے ثلث سے بشرط وقوع تجہیز اور ادائے دیون کے یا بشرط وجود ایک کے جب کہ دوسرا امر نہ پایا جائے اور اگر تجہیز اور دیون دونوں نہ پائے گئے اس طرح پر کہ ایک شخص ڈوب گیا یا جل گیا یا درندے نے اس کو کھالیا اور وہ کسی کا مدیون نہیں تو تمام کی تہائی سے وصیت جاری ہوگی اور اگر میت کا کوئی وارث نہیں یا وارث ہے مگر تمام مال کے ثلث سے تنفیذ وصیت کو جائز رکھتا ہے تو بھی کل مال کے ثلث سے وصیت جاری ہوگی اور تنفیذ وصایا کا ثلث سے مطلب یہ ہے کہ جس قدر مال وصیت کے واسطے کفایت کرتا ہو اتنا مال خیر قسمت سے ساقط کیا جائے نہ اس قدر کو جدا کرنا باقی مال سے اور موصی لہ کو تسلیم کر دینا کذا فی الطحاوی عن ابن کمال وانما قدمت فی الآیۃ اہتماما لکونہا مظنۃ التفریط اور وصیت آیت قرآنی میں مقدم نہیں کی گئی دین پر مگر اہتمام کے واسطے بسبب ہونے وصیت کے مظنہ تفریط کا موضع کمی کی م یہ جواب ہے سوال مقدر کا سوال یہ ہے کہ یہاں وصیت کا رتبہ دین کے بعد ہے اور کلام مجید میں وصیت[1] دین پر مقدم ہے شارح نے جواب دیا کہ وصیت کا اہتمام منظور ہوا بمظنہ تفریط کے اس واسطے کہ وصیت کا لزوم دین سے کمتر ہے اور اس واسطے کہ وصیت غرباء اور مساکین کا حق ہے اور دین حق ہے ارباب دیون کا جو حاکم سے نالش کر کے لے سکتے ہیں تو اس کے ادا کرنے میں احتمال تھا تفریط کا بخلاف دین کے کہ ورثہ اپنے مورث کا فراغ ذمہ خود چاہتے ہیں لہذا وصیت کا ذکر دین پر مقدم ہوا ادائے وصیت کی ترغیب کے واسطے ثم رابعا بل خامسا یقسم الباقی بعد ذلک بین ورثتہ پھر چوتھے مرتبے بلکہ پانچویں مرتبے میں باقی مال بعد امور مذکورہ قسمت کیا جائے میت کے وارثوں میں م صرف ترکہ میں پہلے تجہیز اور تکفین کا مرتبہ ہے پھر دوسرا مرتبہ ادائے دین کا پھر تیسرا مرتبہ وصیت کا تو چوتھا مرتبہ ہوا تقسیم ورثہ کا اور اگر ان حقوق کو اعتبار کیجیے جو عین ترکہ سے متعلق ہیں چنانچہ رہن اور عبد جانی تو تقسیم

---

[1] یعنی آیت مواریث میں من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین مذکور ہے ۱۲

میراث کا پانچواں مرتبہ ٹھہرے گا معلوم کرنا چاہیے کہ تاخیر قسمت کا محل وہاں ہے جہاں حقوق متقدمہ پائے جاویں اور اگر حقوق مذکورہ نہ ہوں تو قسمت ہی سے ابتدا ہوگی اور قسمت کا محل وہاں ہے جہاں وارث متعدد ہوں اور اگر ایک ہی وارث ہے تو تمام مال اسی کا ہے سوائے زوجین کے کہ وہ سب مال کو نہیں پاتے رُدع الشروح میں ہے کہ ورثہ جمع ہے وارث کی اور علماء فرائض کے عرف میں وارث وہ ہے جو باقی رہے بعد فنا ہو جانے اس شخص کے باقی کا نسب یا سبب ثابت ہے وبایں معنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نحن الوارثون یعنی ہم باقی رہنے والے ہیں بعد فنا خلائق کے ولیکن نسب اور سبب کی قید خالق حق سُبحانہ کے حق میں ماخوذ نہیں اس واسطے کہ وہ نسب اور سبب سے پاک اور منزہ ہے کذا فی الطحطاوی ملخصاً ای الذین ثبت ارثہم بالکتاب مراد وارثوں سے وہ لوگ ہیں جن کی ارث کلام مجید سے ثابت ہے م کتاب اللہ میں باپ اور ماں اور زوج اور زوجہ اور بیٹی اور بیٹوں اور بھائی اور بہنوں کی میراث ثابت ہے او السنۃ کقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اطعموا الجدات السدس یا جن کی ارث سنت سے ثابت ہے چنانچہ یہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ جدات کو سدس کا اطعام کرو یعنی چھٹا حصہ ان کو دو م جدہ کی ارث سنت سے ثابت ہے اسی طرح سگی بہنوں کی بیٹیوں کے ساتھ سنت وہ ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً مروی ہو اور حدیث کا لفظ قول کو مخصوص ہے اور کشف المنار میں ہے کہ مطلق لفظ سنت کا سنت نبوی کے اختصاص کا مقتضی نہیں اس واسطے کہ اہل شرع کے عرف میں مطلق لفظ سنت سے دین کا طریقہ مراد ہے خواہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہو یا صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کا کذا فی الطحطاوی او الاجماع کجعل الجد کالاب وابن الابن کالابن یا جن کی ارث اجماع امت سے ثابت ہو چنانچہ دادا کو باپ کے مانند قرار دینا اور پوتے کو بیٹے کے مانند ٹھہرانا م اجماع امت سے مراد اتفاق رائے مجتہدین امت محمدیؐ ہے حکم شرعی پر جس زمانے میں کہ واقع ہو اور مراد ان سے اہل حل وعقد ہیں اس واسطے کہ غیر اہل حل وعقد کے اتفاق کا کچھ اعتبار نہیں اور اسی طرح شرائع سابقہ کے مجتہدین کے اتفاق کا کچھ اعتبار نہیں کذا فی الطحطاوی **ویستحق الارث ولو لمصحف** بہ یفتی وقیل لا یورث وانما ہو للقاری من ولدیہ صیرفیۃ باحد ثلثۃ برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعاً وولاء اور وارث مستحق میراث کا ہوتا ہے منجملہ تین جہات کے ایک جہت سے قرابت سے اور نکاح صحیح سے اور ولاء سے خواہ ولاء عتق کی ہو خواہ ولاء موالات کی استحقاق ارث ہر چیز میں ہے اگرچہ متروکہ مصحف ہو اسی قول کا فتویٰ ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ مصحف میں میراث جاری نہیں مصحف تو میت کے دو فرزندوں میں سے قاری فرزند کا ہے کذا فی الصیرفیہ جب نکاح صحیح کی قید ہوئی میراث میں تو نکاح فاسد اور باطل سے باہم توارث نہیں م نکاح فاسد وہ جس میں شروط صحت نکاح سے کوئی شرط نہ ہو اور نکاح باطل چنانچہ متعہ اور نکاح موقت کذا مر فی کتاب النکاح معلوم کرنا چاہیے کہ وارثوں کا حق ترکہ کی مالیت سے اور ترکہ کی اعیان دونوں سے متعلق ہے مانند حق موصی لہ کے تو ایک وارث کو نہیں پہونچتا کہ ترکہ کی ایک چیز مثلاً کتاب یا باغ آپ لے اور اس کی قیمت باقی وارثوں کو دے مگر ان کی رضامندی سے یہ جائز ہے اور تکفین اور قضاء دین مالیت ترکہ سے متعلق ہے نہ عین ترکہ سے اسی واسطے وارثوں کو جائز ہے کہ اپنے مال سے دین ادا کریں اور اشیاء ترکہ کو اپنے واسطے خالص کر لیں کذا فی الطحطاوی والمستحقون للترکۃ عشرۃ اصناف مرتبۃ کما افادہ بقولہ اور مستحق ترکہ کے دس قسم کے وارث ہیں علی الترتیب چنانچہ مصنف نے اپنے آئندہ قول میں اس کو بیان کیا ہے **فیبدأ بذوی الفروض** ای السہام المقدرۃ تو ترکہ کی تقسیم شروع کی جائے اصحاب الفروض سے فروض سے مراد سہام مقدرہ ہیں م سہام مقدرہ یعنی جو حصے کہ معین اور مصرح ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اجماع امت سے سو سہام مذکورہ یہ ہیں

نصف اور ربع اور ثمن اور ثلثین اور ثلث اور سدس یعنی آدھا اور چوتھائی اور آٹھواں اور دو تہائیاں اور تہائی اور چھٹا حصہ دم اثنا عشر عشرۃ من النسب ثلثۃ من الرجال وسبعۃ من النساء واثنان من السبب وہما الزوجان اور تمام اہل فرض بارہ ہیں دس نسب کی راہ سے جن میں تین مرد میں سے ہیں اور سات عورتوں سے اور دو سبب کی راہ سے اور وہ زوجہ اور زوج ہیں م تین مرد سے مراد ایک باپ دوسرا دادا تیسرا اخیافی بھائی اور سات عورتوں سے مراد بیٹی اور پوتی اور سگی بہن اور سوتیلی بہن اور اخیافی بہن اور ماں اور دادی یہ وارث نسبی ہیں اور زوجین وارث سببی ہیں ثم بالعصبات ال للجنس فیستوی فیہ الواحد والجمع وجمعہ للازدواج النسبیۃ لانہا اقوی پھر اہل فرض کے بعد عصبات نسبیہ کو ارث ملے گی اس واسطے کہ عصبات نسبی قوی تر ہیں عصبات سببی سے شارح نے کہا العصبات کا الف لام جنس کا ہے تو اس میں واحد اور جمع برابر ہے اور عصبات کو جمع لانا اہل فروض کے مناسبت کے واسطے ہے م عصبہ نسبی کو عصبہ سببی یعنی معتق پر[1] اس واسطے مقدم کیا کہ قوی تر ہے اس واسطے کہ وہ قرابت حقیقی کی وجہ سے ہے اور عصبہ سببی قرابت حکمی کی وجہ سے ثم بالمعتق ولو انثی وہو العصبۃ السببیۃ پھر عصبہ نسبی کے بعد ارث شروع کی جائے آزاد کرنے والے سے اگرچہ وہ عورت ہو اور آزاد کرنے والا عصبہ سببی ہے ثم عصبتہ الذکور لانہ لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن پھر آزاد کرنے والے کے بعد ارث شروع کی جائے آزاد کرنے والے کے عصبات ذکور سے اس واسطے کہ عورتوں کو ولاء سے کچھ حق نہیں سوائے اس کی ولاء کے جس کو انہوں نے خود آزاد کیا یعنی اگر عورت نے خود آزاد کیا تو اس کی میراث پا وے گی اور اگر اس کے باپ یا بھائی نے آزاد کیا تو اس کی میراث عورت کو نہ ملے گی طحطاوی میں ہے کہ اگر آزاد مر گیا اور اس نے اپنے مالک کا بیٹا اور بیٹی کو چھوڑا تو اس کی میراث فقط بیٹا پا وے گا اور اگر مالک کی بیٹی اور بہن کو چھوڑا تو ان کا کچھ حق نہیں انتہی ثم الرد علی ذوی الفروض النسبیۃ بقدر حقوقہم پھر اگر عصبات مذکورین سے کوئی نہیں تو باقی مال پھیرا جاوے گا اہل فروض نسبی پر بقدر ان کے حقوق کے یعنی بقدر نسبت ان کے حقوق کے تو صاحب ثلث کو مال باقی کا ثلث دیا جاوے گا اور صاحب ربع کو ربع کذا قالہ ابن الکمال م اہل فروض نسبی کی قید سے اہل فروض سببی چنانچہ زوجین خارج ہو گئے اس واسطے کہ زوجین کو دوبارہ نہ دیا جاوے گا عمر فاروق اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما کے نزدیک اور عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کو بھی دوبارہ دیا جاوے گا ابن الفاوی نے کہا کہ اس زمانہ میں رد علی الزوجین پر فتوی ہے بیت المال کے فساد کی وجہ سے اور ذخیرہ میں ہے کہ جو مال فاضل ہو زوجین سے وہ بیت المال میں نہ رکھا جائے بلکہ انہیں کو یعنی زوجین کو پھیر دیا جائے کیوں کہ وہ اقرب ہیں میت کی طرف من جہۃ السبب بہ نسبت اور شخصوں کے اور اسی طرح بیٹا اور بیٹی رضاعی انتہی کذا فی روح الشروح اور حاشیہ عجم زادہ میں قنیہ سے ہے کہ بنات معتق اور اس کے ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں ہمارے زمانہ میں جن کے معتق کا کوئی وارث نسبی نہ ہو اور اسی طرح ہمارے زمانے میں زوجین پر رد میراث ہوگا اور اس نے مرصاد سے نقل کیا کہ اب اسی قول پر فتوی ہے انتہی پھر عجم زادہ نے کہا کیوں کہ اس پر فتوی نہ ہو کہ ہمارے زمانہ میں بیت المال نہیں بیت المال تو صحابہ اور تابعین کے زمانے میں تھا اور اگر سلطان یا قاضی کو مال مذکور دیا جاوے تو وہ بیت المال کے مصارف میں صرف نہیں کرتے اور فرائض عبد الواحد شنید میں بھی اسی طرح رد علی الزوجین بتعلیل مذکور مسطور ہے اور روح الشروح میں قنیہ سے مذکور ہے کہ ایک عورت اپنا زوج چھوڑ کر مری سو زوج نے نصف باقی عالم مسلمان محتاج کو دیا تو وہ عند اللہ معذور ہوگا انتہی کذا فی الطحطاوی ثم ذوی الارحام پھر ذوی الارحام م یعنی جب اہل فروض نسبیہ اور عصبات مذکورہ نہ ہوں تو ترکہ میں ذوی الارحام سے ابتدا ہو گی فروض نسبیہ کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر مسئلہ میں احد الزوجین ہوگا تو اس کا فرض حصہ دے کر جو باقی رہے گا وہ ذوی الارحام کو دیا جاوے گا اس واسطے کہ زوجین اہل رد سے نہیں ہیں

---

[1] آزاد کنندہ ۱۲

تو جیسے اہل فرض کے نہ ہونے سے ذوی الارحام میں تقسیم ہوتی ہے اسی طرح اہل فرض کے باقی رہے مال بھی ان کو دیا جاتا ہے قال الاکمل ابن کمال نے کہا ذوی الارحام وہ قرابت دار ہیں جن کا نہ حصہ مقرر ہے اور نہ وہ عصبہ ہیں خواہ میت کی ماں کی طرف سے قرابت دار ہوں یا اس کے باپ کی طرف سے اور لغت میں ذو رحم قریب من جہتہ الام کو کہتے ہیں کذا فی الطحطاوی ثم بعدہم مولی الموالاۃ لما مر فی کتاب الولاء پھر بعد اصناف مذکورین کے مولائے موالاۃ ہے چنانچہ بیان اس کا کتاب الولاء میں گذر گیا م یعنی جب کہ اہل فرض اور عصبات اور ذوی الارحام سے کوئی نہ ہو تو مولائے موالات میراث پاوے گا موالاۃ لغت میں بمعنی دوستی کے ہیں اور اصطلاح شرع میں یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ تو میرا مولی یعنے دوست ہے میرے مال کا تو وارث ہونا جب کہ میں مروں اور میری طرف سے خونبہا دینا اگر میں کسی کو قتل کر دوں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے یہ قبول کیا تو اب عقد ولاء کی صحیح ہو گئی اور قائل اس کلام کا اس کا مولی ہوا اس کا وارث ہوگا جب وہ مرے گا اور دیت دے گا اس کی طرف سے جب وہ جنایت کرے گا ہم حنفیوں کے نزدیک خلافاً للشافعی اور اگر دونوں طرف سے شرط واقع ہوئی تو بھی درست ہے ابن کمال نے کہا شرائط ولائیہ ہیں کہ وہ شخص آزاد ہو اور عجمی ہو اور عربی نہ ہو اور نہ ان کے موالی سے ہو اور عقد ولاء کے وقت اس کا کوئی وارث نسبی نہ ہو اور اس کی طرف سے بیت المال یا مولائے موالاۃ نے خونبہا ادا کیا ہو انتہی اور اس کے مجہول النسب ہونے یا نہ ہونے کی شرط میں اختلاف ہے اور اسی طرح اسلام کی اشتراط میں اختلاف ہے واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی ملخصاً وله الباقی بعد فرض احد الزوجین ذکرہ السید الشریف اور بعد فرض احد الزوجین کے باقی مال مولاء موالاۃ کا ہے سید شریف نے اس کو ذکر کیا ہے م وارث ہونا مولائے موالاۃ مروی ہے حضرات عمر فاروق اور علی مرتضی اور ابن مسعود اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے سوا اس پر ابراہیم نخعی اور ہمارے علماء نے عمل کیا ہے اور اس پر دلیل ہے قولہ تعالی والذین عقدت ایمانکم فاتوہم نصیبہم یعنے میراث کا نصیب اہل تفسیر نے بیان کیا کہ مراد اس سے عقد موالاۃ کا ہے اور امر ہے وجوب کے واسطے اور نصیب کی اضافت ان کی طرف اختصاص پر دلالت کرتی ہے اور وہ استحقاق کی دلیل ہے اور اگر امر بر سبیل احسان اور معونت کے ہوتا تو ارشاد ہوتا فاتوہم نصیباً اور اس بیان سے دفع ہو گیا وہ قول کہ آیۃ کریمہ میں قسم مراد ہے اس واسطے کہ اس وقت میں فاتوہم نصیبہم اس سے مرتبط نہیں ہوتا بلکہ مراد صفقۃ بالیمین ہے بنا بر عادت کے اس طرح پر کہ ہر واحد متعاقدین سے دوسرے کا ہاتھ پکڑتا ہے معاقدہ کے وقت اور احادیث اس میں بہت ہیں از انجملہ تمیم داری کی حدیث ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کوئی مرد میرے پاس آتا ہے اور میرے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے تو فرمایا کہ وہ تیرا بھائی اور مولی ہے تو زیادہ تر حق دار ہے اس کی زندگی اور موت میں انتہی یعنے زندگی میں اس کی طرف سے دیت جنایت کی دے اور موت کے بعد اس کی میراث لے کذا فی الطحطاوی ملخصاً عن ضوء السراج وشرح الاکمل ثم المقر له بنسب علی غیرہ لم یثبت پھر مراتب سابقہ کے بعد وہ شخص میراث پاوے گا جس کے واسطے غیر مقر پر نسب کا اقرار ہوا اس طرح پر کہ اس غیر کے اقرار سے مقر له کا نسب ثابت نہیں ہوا م صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ زید نے خالد کو کہا کہ یہ میرا بھائی ہے تو زید مقر ہے اور خالد مقر له اور غیر زید کا باپ ہے وہ مقر علیہ ہے یعنے جب خالد کو بھائی کہا تو زید کا باپ اس کا بھی باپ ٹھہرا تو اگر زید کا کوئی وارث نہیں اور اس نے ایک مجہول النسب کو بھائی کہا تو وہ اس کا مال بطریق میراث کے پاوے گا لیکن مقر کے باپ سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ اس کی میراث پاوے گا اس واسطے کہ آدمی کا اقرار اس کی ذات پر حجت ہے نہ غیر پر فتاوی عالمگیری میں کافی سے منقول ہے کہ مقر له بالنسب علی الغیر اس طرح پر کہ اس کا نسب غیر کے اقرار سے ثابت نہیں جب کہ مقر مر جائے اسی اقرار کے اصرار پر چنانچہ یوں اقرار کرنا کہ یہ میرا بھائی ہے یا ابن اور مانند اس کے انتہی

---

[1] اور جن سے اقرار باندھا تم نے پہنچاؤ ان کو ان کا حصہ ۱۲ [2] یعنے دو ان کو کوئی حصہ

فلو ثبت بان صدقہ المقر علیہ او اقر بمثل اقرارہ او شہد رجل آخر ثبت نسبہ حقیقۃ وزاحم الورثۃ وان رجع المقر تو اگر مقر لہ کا نسب ثابت ہو گیا اس
طرح کہ مقر لہ نے مقر کی تصدیق کی یا اقرار کیا مانند اقرار مقر کے یا دوسرے ایک مرد نے مقر کے اقرار کے ساتھ گواہی دی تو اب اس کا نسب حقیقۃً
ہو جاوے گا اور مقر لہ مقر کے وارثوں سے مزاحمت کرے گا اگرچہ بعد امور مذکورہ کے مقر اپنے اقرار سے منکر ہو جائے م مقر لہ کی تصدیق
طرح کہ مثلاً زید کا باپ کہے کہ ہاں خالد میرا بیٹا ہے اور تیرا بھائی ہے اور اسی طرح مقر کے وارثوں کی تصدیق معتبر ہے بشرطیکہ وہ اقرار کے ا
ہوں مثلاً زید کی اولاد یوں کہے کہ خالد ہمارا چچا ہے اور مقر علیہ کا اقرار اس طرح ہو کہ وہ کہے بدون دریافت کرنے اقرار مقر کے کہ وہ میرا بیٹا ہے
ہر چند رجوع اقرار سے منع ارث میں معتبر ہے لیکن جب مقر علیہ کی تصدیق یا اقرار یا شہادت قبل رجوع کے پائی گئی تو رجوع معتبر نہ ہوگا اور مانع ا
نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی وکذا لو صدقہ المقر لہ قبل رجوعہ وتمامہ فی شروح السراجیۃ سیما روح الشروح وقد لخصتہ فیما علقتہ علیہا اور اسی طرح نس
مقر لہ کا ثابت ہوگا اگر مقر لہ نے مقر کی تصدیق کی قبل رجوع کرنے مقر کے اور اس کا پورا بیان فرائض سراجیہ کی شرحوں میں مذکور ہے خصو
روح الشروح میں اور البتہ میں نے اس کا خلاصہ بیان کیا سراجیہ کی شرح میں م طحطاوی نے کہا کہ شارح اس میں یعنی تصدیق مقر لہ سے
اثبات نسب ہونے میں مصنف کی شرح کا تابع ہو گیا ہے اور مصنف نے اس قول کو بعض شراح سراجیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور حالا
یہ قول بلا وجہ ہے اس واسطے کہ مقر لہ کی تصدیق سے مقر علیہ سے نسب ثابت نہیں ہوتا اور شرح مصنف کی اخیر عبارت[1] اس میں صریح ہے کہ
تصدیق مقر علیہ کی معتبر ہے نہ مقر لہ کی انتہی مخلصاً ثم بعدہ تم الموصی لہ بما زاد علی الثلث وہ بالکل پھر مراتب سابقہ کے بعد وہ شخص
ترکہ میت کا لے گا جس کے واسطے تہائی مال سے زیادہ میت نے وصیت کی اگرچہ تمام مال کی وصیت کی ہو م اس واسطے کہ موصی نے اپنا مال
ایک شخص کی طرف صرف بلا اضرار شخص معین کیا تو یہ جائز ہے برخلاف اس کے کہ اگر اس کا کوئی وارث معلوم ہو تو جائز نہ ہوگا کہ اس میں اس کی
نقصان
حق تلفی ہے اور سید شریف نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وصیت زائد علی الثلث وارثوں کے سبب سے ممنوع تھی پھر جب کہ ایک بھی وارث
نہ پایا گیا تو جس کے واسطے جو موصی معین کر دے گا وہ پورا اس کا مال ہوگا ہمارے نزدیک کذا فی الطحطاوی وانما قدم علیہ المقر لہ لانہ نوع
قرابۃ بخلاف الموصی لہ اور زائد علی الثلث کے موصی لہ پر مقدم نہیں کیا گیا مقر لہ مگر اسی وجہ سے کہ مقر لہ میں ایک طرح کی قرابت ہے یعنی قرا
کا احتمال ہے برخلاف موصی لہ کے کہ اس میں قرابت کا کچھ احتمال نہیں م یعنی حال مقر لہ کا قوی تر ہے اس احتمال سے کہ شاید مقر صادق
اپنے اقرار میں بلکہ ظاہر حال اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ اسی اقرار پر مقر مر گیا اور وارث مقدم ہے زائد علی الثلث کے موصی لہ پر ثم یوضع
فی بیت المال لا ارثا بل فیئاً للمسلمین پھر مراتب تسعہ کے بعد میت کا ترکہ بیت المال میں رکھا جائے ارث کی راہ سے نہیں بلکہ بوجہ
غنیمت منافع مسلمین کے واسطے لاوارثی مال بیت المال میں رکھا جاتا ہے م روح الشروح میں ہے کہ علی مرتضیٰؓ سے مروی ہے فرمایا
کہ جو اسلام میں بخوشی داخل ہوا اور قرآن ظاہر ہو کر پڑھا تو اس کا حق بیت المال میں ہر سال دو سو درم ہے اور ایک روایت میں دو سو دینار ہے
اگر وہ دنیا میں نہ پاوے گا تو آخرت میں لے گا اور شرح مختصر طحطاوے میں ہے کہ مصارف بیت المال کے علاج ہے بیمار دل کا اور
اکفان موتی اور نفقہ لقیط اور جو عاجز ہو کسب اور پیشے سے کذا فی الطحطاوی مختصراً وموانعہ علی ما ہنا اربعۃ اور موانع ارث کے برابر اس
کفن مردوں کے ۱۲ پائے ہوئے جاندار کا ۱۲

---

[1] قال الطحطاوی ولفظ المصنف فی شرحہ فلا ینفع المقر رجوعہ عن اقرارہ لان نسب المقر لہ قد ثبت عن المقر علیہ ومن ضرورۃ ثبوت نسبہ ارثہ من المقر ولیصیر ارثہ من المقر لتصدیق المقر علیہ او باقرارہ لا باقرار المقر فیکون اقرار المقر وعدم اقرارہ بمنزلۃ فلا ینفعہ رجوعہ انتہی بحروفہ ۱۲

مقام کے چار ہیں ھم جب اسباب ارث کے مذکور ہو چکے تو اب موانع ارث کا بیان شروع ہوا اس واسطے کہ ہر چیز کے تحقق میں فقط سبب کا وجود کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ارتفاع موانع بھی ضروری ہے مانع وہ ہے جس کے ہونے سے مقتضائے سبب نہ ہو سکے ارث عبارت ہے میت حقیقی یا حکمی کے صاحب نسب کی خلافت سے میت کے مال میں یا اس کے حق میں جو خلافت کا قابل ہے یا میت کے صاحب نکاح یا صاحب ولاء کی خلافت سے خواہ نسب اور نکاح اور ولا حقیقی ہو یا حکمی اور خلافت یہ ہے کہ شخص باقی شخص ماضی کے مانند ہو جائے میت حکمی کی قید اس واسطے لگائی تاکہ مفقود بعد گذر جانے اس کی مدت کے داخل ہو جاوے اور اسی طرح مرتد جب کہ دارالحرب میں لاحق ہو گیا اور نسب اور نکاح اور ولا میں حکمی کی قید اس واسطے لگائی تاکہ داخل رہے وہ نسب اور نکاح اور ولا جو فقط میت کے اقرار سے ثابت ہو کذا فی الطحطاوی ملخصاً الرق ولو ناقصا کمکاتب وکذا مبعض عندابی حنیفۃ رح و مالک رحمہما اللہ موانع ارث سے پہلا مانع رق ہے یعنی مملوک ہونا اگرچہ ملک ناقص ہو چنانچہ غلام مکاتب اور اسی طرح وہ غلام جو نصف یا ربع آزاد ہے کل آزاد نہیں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک میراث سے محروم ہے وقالا ہو حر فیرث ویحجب وقال الشافعی لایرث بل یورث وقال احمد یرث ویورث ویحجب بقدر مافیہ من الحریۃ اور صاحبینؒ نے کہا کہ جس غلام کا نصف یا ربع آزاد ہو وہ بمنزلہ آزاد کے ہے تو وارث ہو گا اور غیر کا حاجب ہو گا اور امام شافعیؒ نے کہا کہ وہ وارث نہ ہو گا بلکہ اس کا مال اس کے وارث کو ملے گا اور امام احمدؒ نے کہا کہ وہ وارث اور مورث اور حاجب ہو گا بقدر اس کے حریت کے جو اس میں ثابت ہے[1] وقد ذکر الشافعیۃ مسئلۃ یورث فیہا الرقیق مع رق کلہ صورتہا مستامن جنی علیہ فلحق بدار الحرب فاسترق ومات رقیقا بسرایۃ تلک الجنایۃ فدیتہ لورثتہ ولم ارہ لائمتنا فحرر اور البتہ علماء شافعیہ نے ایک وہ مسئلہ مذکور کیا ہے جس میں رقیق کا مال موروث ہوتا ہے باوجودیکہ وہ غلام کچھ بھی آزاد نہیں ہوا صورت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ حربی مستامن پر دارالاسلام میں جنایت واقع ہو یعنی کسی نے اس کو زخمی کیا پھر وہ دارالحرب میں لاحق ہوا پھر وہاں گرفتار ہو کر غلام ہوا اور غلامی کی حالت میں اسی زخم کی سرایت سے مر گیا تو اس کا خون بہا اس کے وارثوں کا ہے اور یہ مسئلہ ہم نے اپنے مذہب کے اماموں کے کلام میں نہیں دیکھا تو اس کی تنقیح اور تحریر کرنا چاہیے والقتل الموجب للقود او الکفارۃ وان سقطا بحرمۃ الابوۃ علی ما مر اور دوسرا مانع ارث کا وہ قتل ہے جو قصاص اور کفارہ کا موجب ہے اگرچہ قصاص اور کفارہ بسبب حرمت پدری کے ساقط ہو جاوے[2] چنانچہ کتاب الجنایات میں مذکور ہو چکا م قصاص کا موجب قتل عمد ہے اور کفارہ کا موجب شبہ عمد اور خطا اور قائم مقام خطا ہے تو معلوم ہوا کہ جس قتل سے قصاص اور کفارہ متعلق نہیں وہ مانع میراث کا نہیں چنانچہ قتل بالسبب جیسے ایک شخص نے غیر کی ملک میں کنواں کھودا یا پتھر رکھا اور اس کا مورث اس میں گر کے مر گیا تو کنواں کھودنے والا اور پتھر کا رکھنے والا اس کی میراث سے محروم نہ ہو گا وعند الشافعی لایرث القاتل مطلقا اور امام شافعی رح کے نزدیک قاتل مطلقاً وارث نہیں ہوتا خواہ اس کا قتل قصاص اور کفارہ کا موجب ہو یا نہ ہو ولو مات القاتل قبل المقتول ورثہ المقتول اجماعا اور اگر قاتل مر گیا مقتول سے پہلے تو مقتول قاتل کا وارث ہو گا بالاتفاق ھم قاتل محروم ہے قتل کے گناہ سے مقتول کا کیا قصور ہے جو میراث سے محروم رہے واختلاف الملتین اسلاما وکفرا اور تیسرا مانع میراث کا اختلاف ہے دو دین کا باعتبار اسلام اور کفر کے م یعنی اگر وارث مسلمان ہے اور مورث کافر یا عکس اس کے تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہو گا اور اگر اسلام اور کفر کا اختلاف نہیں چنانچہ ایک یہودی اور نصرانی تو یہ اختلاف دینی مانع ارث کا نہیں ہے وقال احمد ان اسلم الکافر قبل قسمۃ الترکۃ ورث اور امام احمدؒ نے کہا کہ اگر کافر مسلمان ہو گیا ترکہ مسلم کے قسمت ہونے سے پہلے تو وارث ہو گا واما المرتد فیورث عندنا خلافا للشافعی رحمہ اللہ اور مرتد کے مال میں

---

[1] یعنی اگر مثلاً چوتھائی آزاد ہو گا تو اس کا چوتھائی مال موروث ٹھہرے گا اسی طرح اگر آزاد رہنے کی صورت میں کسی قدر میراث پاتا تو اس صورت میں اس کا چہارم پاوے گا اور جس حصہ دار کا حاجب ہوتا اس کے چہارم حصہ کا حاجب ہو گا ۱۲ [2] یعنی جس صورت میں کہ باپ مثلاً بیٹے کو قتل کرے ۱۲

تو میراث جاری ہے ہمارے نزدیک برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے م میراث جاری ہے مرتد کے اس مال میں جو اس نے زمان اسلام میں کسب کیا اس واسطے کہ میراث مسلم کی مرتد سے مستند ہے حالت اسلام کی طرف سے کیونکہ ارتداد سے وہ مالک ٹھہرے گا کہ مقصود زندگی سے ایمان تھا سو اس سے فوت ہو گیا اور جس کا مقصود فوت ہوا وہ معدوم کے مانند ہے بدلیل قولہ تعالی اومن کان میتا فاحییناہ یعنے جو کافر تھا اس کو ہم نے ہدایت کیا لیکن اس پر بھی مرتد سے ہنوز بسبب اعتبار اور تذکیر اور جبر¹ علی الاسلام کے مقصود کی امید ہے تو موت کا حکم ظاہر نہ ہوگا جب تک قطع امید نہ ہو جاوے اس کی قتل یا موت یا قضاء² باللحاق سے پھر جب امید قطع ہوگی کسی وجہ مذکور سے تو وہ میت ٹھہرے گا ارتداد کے وقت سے تو اس کا مسلم وارث اس کی میراث پاوے گا اور جو اس نے ارتداد کی حالت میں مال حاصل کیا وہ غنیمت ہے مسلمین کی اور صاحبین رح کے نزدیک اسلام اور ارتداد کا مال وارث مسلم کا ہے اور اگر عورت مرتد ہو گئی تو امام اور صاحبین سب کے نزدیک دونوں حالتوں کے مال وارث مسلم کے ہیں اور امام شافعی رح کے نزدیک مرتد کے دونوں کسب کا مال بیت المال میں رکھا جاوے گا کذا فی الطحطاوی مخلصاً قلت وذکر الشافعیۃ مسئلۃ یورث فیہا الکافر صورتہا کافر مات من زوجۃ حاملا ووقفنا میراث الحمل فاسلمت ثم ولدت ورث الولد ولم ارہ صریحا لائمتنا میں کہتا ہوں اور علماء شافعیہ نے ایک مسئلہ مذکور کیا ہے جس میں کافر کے مال کا مسلمان وارث ہوتا ہے صورت اس کی یہ ہے کہ ایک کافر مر گیا اپنی زوجہ حاملہ چھوڑ کر اور ہم نے حمل کی میراث اٹھا رکھی سو اس کی زوجہ مسلمان ہو گئی پھر اسلام کے بعد لڑکا جنی تو وہ لڑکا وارث ہوگا اپنے باپ کا اور میں نے یہ مسئلہ اپنے علماء کے کلام میں صریحاً نہیں دیکھا م اسلام میں لڑکا اپنی ماں کا تابع ہوا **والرابع اختلاف الدارین** فیما بین الکفار عندنا خلافا للشافعی رح اور چوتھا مانع ارث کا اختلاف دارین ہے یعنے دو ملکوں کا اختلاف فیما بین کفار کے ہمارے نزدیک برخلاف شافعی رح کے م اختلاف وارد ہوتا ہے لشکر اور سلطنت کے اختلاف سے اس واسطے کہ فیما بینہم عصمت منقطع ہو جاتی ہے یعنی حفاظت جان اور مال کی باقی نہیں رہتی کذا فی العالمگیریۃ عن الکافی ابن کمال نے کہا کہ اختلاف دارین چند قسم ہے اول یہ کہ حقیقۃً اور حکماً دونوں طرح اختلاف ہو جیسے کافر حربی دارالحرب میں اور کافر ذمی دارالاسلام میں اور ثانی یہ کہ فقط حکمی اختلاف ہو چنانچہ وہ حربی مستامن جو اپنے ملک کے جانے پر تیار ہے ساتھ اس ذمی کے جو دارالاسلام میں ہے یا دو کافر حربی دو ملک کے دارالاسلام میں مستامن ہیں یا مستامن مسلم حربی کے ساتھ دارالحرب میں اور تیسرا یہ کہ فقط حقیقی اختلاف ہو چنانچہ حربی مستامن دارالاسلام میں ساتھ اس حربی کے جو دارالحرب میں ہے اور وہ دونوں ایک ہی ملک کے ہیں اور مانع ارث ہمارے نزدیک پہلے دونوں قسمیں ہیں نہ تیسری قسم تو مانع اختلاف حکمی ہے خواہ اس کے ساتھ اختلاف حقیقی ہو یا نہ ہو اور امام شافعی رح کے نزدیک اس کے بالعکس ہے تو ذمی اور مستامن میں ان کے نزدیک توارث ہے اور قسم ثالث میں توارث نہیں انتہی کذا فی الطحطاوی حقیقۃ کحربی وذمی اختلاف دار کا حقیقۃً ہو چنانچہ حربی اور ذمی میں م یعنے حربی مر گیا دارالحرب میں اور اس کا باپ یا بیٹا ذمی ہے دارالاسلام میں تو ذمی اس حربی کا وارث نہ ہوگا اور اسی طرح اگر ذمی دارالاسلام میں مر گیا اور اس کا باپ یا بیٹا دارالحرب میں ہے تو یہ حربی اس ذمی کا وارث نہ ہوگا کذا فی العالمگیریۃ عن الکافی **او حکماً** کمستامن وذمی وکحربیین من دارین مختلفین کترکی وہندی لانقطاع العصمۃ فیما بینہم یا اختلاف دار کا حکماً ہو چنانچہ مستامن اور ذمی دارالاسلام میں یا چنانچہ دو حربی دو ملکوں مختلف کے چنانچہ ترکی اور ہندی تو ان میں توارث نہیں بسبب منقطع ہونے عصمت³ کے درمیان ان کے م قولہ کحربیین کو اگر اس پر محمول کیجیے کہ دو حربی دو ملک کے اپنے مختلف ملکوں میں ہیں تو یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ من قبیل اختلاف دارین کے ہے حقیقۃً تو اختلاف حقیقی کے مثال میں اس کو ذکر کرنا تھا اور اگر اس پر حمل کیجیے کہ دو حربی دو ملک مختلف کے دارالاسلام میں بطریق استیمان کے ہیں تو وہ ایک ملک میں ہیں حقیقۃً اور دو ملک مختلف میں ہیں حکماً تو بہتر یہ تھا کہ شارح بجائے کحربیین

---

¹ زبردستی مسلمان کرنا ۱۲ ² دارالحرب میں مل جانے کا حکم ۱۲ ³ یعنی خوف جان کا ہر ایک کو ایک دوسرے سے دور نہیں ہوتا ۱۲

کے کستامنین کہتا انقطاع عصمت اختلاف دار سے اس طرح ہے کہ ہر ملک والا دوسرے ملک والے کے قتل کو حلال جانتا ہے اور مار ڈالتا ہے جب اس کو پاتا ہے تو اس میں اس کلام کی طرف سے اشارہ ہے کہ جب مختلف دو ملکوں کے بادشاہوں میں عہد اور پیمان ہو باہم مددگاری کا تو وہ دونوں دار مختلف نہیں ہیں یعنی بمنزلہ ایک ملک کے ہیں کذا فی الطحطاوی بخلاف المسلمین برخلاف مسلمین کے ہم یعنی فیما بین مسلمین کے اختلاف دار مانع میراث کا نہیں ابن کمال نے کہا کہ اختلاف دار کا باعتبار اختلاف لشکر اور سلطنت کے کفار کے حق میں متحقق ہوتا ہے نہ مسلمین کے حق میں اس واسطے کہ اہل بغی اور اہل عدل باہم وارث ہوتے ہیں اگرچہ باغیوں کا لشکر اور سلطنت علیحدہ ہو اور اہل عدل کا علیحدہ اس واسطے کہ دارالاسلام دارالاحکام ہے تو اسلام کا حکم ان سب کو شامل ہے تو ان میں تباین نہیں لشکر اور سلطنت کے اختلاف سے اور دارالحرب تو دارالاحکام نہیں بلکہ دار قہر ہے تو وہاں اختلاف لشکر اور سلطنت سے تباین دار متحقق ہوتا ہے انتہی اور درر و الشرح میں کہا کہ مسلمین میں اختلاف معتبر نہیں اس واسطے کہ بلاد اسلام باوجود وسعت اور تباعد اس کے اطراف کے اور قائم ہونے محاربہ کے اہالی بلاد اسلام میں وہ ایک ہی دار ہے شارع کی نظر میں چنانچہ کافروں کے دین باوجودیکہ نفس الامر میں کثرت سے ہیں ایک دین ہے شارح کی نظر میں کذا فی الطحطاوی قلت وبقی من الموانع جہالۃ تاریخ الموتی کالغرقی والحرقی والہدمی والقتلی کما سیجی میں کہتا ہوں اور منجملہ موانع ارث کے باقی رہے تین مانع مجہول ہونا تاریخ موتی کا چنانچہ ڈوبنے والے اور جلنے والے اور دیوار یا مکان کے نیچے کے کچلنے والے اور مقتول لوگ چنانچہ اس کا بیان آگے آوے گا یعنی اگر چند لوگ غرق یا حرق سے مر گئے تو ان میں توارث نہیں کیونکہ معلوم نہیں کہ کون پہلے مرا اور کون بعد طحطاوی نے ابن کمال سے نقل کیا کہ جہالت تاریخ مانع نہیں اس واسطے کہ اصطلاح میں مانع ارث وہ ہے جس سے ارث کی اہلیت فوت ہو تو اگر میراث فوت ہو سوائے اہلیت کے اور وجہ سے وہ مانع میں داخل نہیں تو جس نے استبہام تاریخ موتی کو مانع کہا اس نے خطا کی انتہی مختصرا ومنہا جہالۃ الوارث وذلک فی خمس مسائل او اکثر مبسوطۃ فی المجتبیٰ منہا ارضعت صبیا مع ولدہا وماتت وجہل ولدہا فلا توارث اور منجملہ موانع ارث کے مجہول ہونا ہے وارث کا اور یہ جہالت پانچ مسئلوں میں یا زیادہ مفصل مذکور ہے مجتبیٰ میں ازانجملہ یہ مسئلہ ہے کہ دایہ نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا اپنے لڑکے کے ساتھ اور وہ دایہ مر گئی اور معلوم نہیں کہ دونوں لڑکوں میں سے اس کا لڑکا کون ہے تو دونوں لڑکوں میں سے دایہ کا کوئی وارث نہ ہوگا وکذا لو اشتبہ ولد مسلم من ولد النصرانی عند الظئر وکبرا فہما مسلمان ولا یرثان من ابویہما زاد فی المنیۃ الا ان یصطلحا فلہما ان یاخذا المیراث بینہما اور اسی طرح اگر مشتبہ ہو جائے مسلمان کا لڑکا نصرانی کے لڑکے سے دایہ کے پاس اور دونوں لڑکے بالغ ہوں تو وہ دونوں مسلمان ہیں اور میراث نہ پاویں گے اپنے باپوں کی منیہ میں اتنا زیادہ بیان کیا ہے مگر یہ کہ دونوں لڑکے آپس میں صلح کرلیں تو ان کو میراث لینا جائز ہے آپس میں نصفا نصف یا جس قدر پر صلح ہووے ہم دونوں کا مسلمان ہونا تو اس وجہ سے کہ الاسلام[1] یعلو ولا یعلی صلح اس واسطے جائز ہوئی کہ میراث تو انھیں کی ہے بلاشک ان سے متجاوز نہیں مگر عدم تعین مانع ہے پھر جب صلح ہوئی تو جس قدر واقعی وارث کو پہونچا وہ تو اس کا حق ہے اور جو دوسرے کو پہونچا وہ ہبہ ہوگا مستحق کے جانب سے ثم بین ذوی الفروض مقدما للزوجۃ لانہا اصل الولاد اذ منہا تولد الاولاد پھر مصنف نے بعد موانع ارث کے ذوی الفروض کا بیان کیا زوجہ کو سب سے مقدم کرکے اس واسطے کہ زوجہ اصل ولادت ہے کہ اسی سے تو اولاد پیدا ہوتی ہیں فقال فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن وان سفل سو کہا مصنف نے تو مفروض اور معین ہے ایک زوجہ اور چند زوجات کے واسطے آٹھواں حصہ ولد کے ساتھ یا پوتے کے ساتھ اگرچہ سافل ہو یعنی پوتا پرپوتا سرپوتا تمام ولد اور ولد الابن خواہ ذکر ہو خواہ انثیٰ اسی زوجہ سے ہو یا اور عورت سے ہر صورت زوجہ کا حق ثمن ہے اولاد کے ساتھ خواہ ایک زوجہ ہو یا چار تو اگر چار زوجہ ہوں تو آٹھواں حصہ آپس میں برابر بانٹ لیں گی عدم اولویت کی وجہ سے کذا فی الطحطاوی والربع لہا عند

---

[1] اسلام بالا ہوتا ہے اور پست نہیں ۱۲

عدمہما فللزوجات حالتان الربع بلا ولد والثمن مع الولد اور چوتھائی حصہ زوجہ کا ہے جب کہ ولد اور ولد الابن نہ ہو تو زوجات کے دو حال ہیں یعنی ربع بلا ولد اور ثمن مع الولد والربع للزوج فاکثر کما لو ادعی رجلان فاکثر نکاح میتۃ وبرہنا ولم تکن فی بیت واحد منہم ولا دخل بہا فانہم یقتسمون میراث زوج لعدم الاولویۃ مع احدہما ای الولد او ولد الابن اور زوج کا حصہ چوتھائی ہے ولد کے ساتھ یا ولد الابن کے ساتھ خواہ ایک زوج ہو یا زیادہ چنانچہ دو مردوں نے یا زیادہ دعوی کیا عورت مردہ کے نکاح کا اور گواہ لائے اپنے نکاح پر اور وہ عورت ان مدعیوں میں سے کسی کے گھر میں نہ تھی اور نہ کسی مدعی نے اس سے قربت کی تھی تو میراث زوج کو مدعی آپس میں بانٹ لیں گے برابر عدم اولویت کی وجہ سے م اور اگر زوجہ زندگی کے نکاح کا چند مرد دعوی کریں اور گواہوں سے ثابت کریں تو گواہیاں ساقط الاعتبار ہوں گی اور عورت اس مدعی کی ہوگی جس کی وہ تصدیق کرے بشرطیکہ اس کے پاس نہ ہو جس کی اس نے تکذیب کی اور اس نے قربت بھی نہ کی ہو اور اگر دعوی میں تاریخ کا پس و پیش ہے تو تاریخ سابق کا مدعی احق ہے کذا فی الطحاوی والنصف لہ عند عدمہما فللزوج حالتان النصف والربع اور زوج کا حصہ نصف ہے جب کہ ولد اور ولد الابن نہ ہو تو زوج کے دو حال ہیں نصف بلا ولد اور ربع مع الولد وللاب والجد ثلث احوال الفرض المطلق وہو السدس وذلک مع ولد او ولد ابن اور باپ اور دادا کے تین حال ہیں فرض مطلق یعنی خالی تعصیب سے اور وہ چھٹا حصہ ہے ولد کے ساتھ یا ولد الابن کے ساتھ والتعصیب المطلق عند عدمہما اور دوسرا حال تعصیب مطلق ہے یعنی خالی فرض "سے" دونوں کے نہ ہونے کے وقت یعنی جب کہ ولد اور ولد الابن نہ ہو تو بعد ذوی الفرض کے باقی مال کو باپ یا دادا لے گا بطریق عصوبت والفرض والتعصیب مع البنت او بنت الابن اور فرض اور تعصیب بیٹی یا پوتی کے ساتھ م باپ یا دادا اول اپنا حصہ فرض یعنی سدس لے گا اور بیٹی یا پوتی اپنا حصہ فرض یعنی نصف لے گی اور جو باقی رہا اس کو باپ یا دادا بطریق عصوبت کے لے گا قلت وفی الاشباہ الجد کالاب الا فی ثلث عشرۃ مسئلۃ خمس فی الفرائض وباقیہا فی غیرہا میں کہتا ہوں اور اشباہ میں ہے کہ دادا باپ کے مانند ہے مگر تیرہ مسئلوں میں دادا باپ کے مانند نہیں پانچ مسئلے تو فرائض میں ہیں اور باقی آٹھ مسئلے غیر فرائض میں ہیں م فرض کے پانچ مسئلے یہ ہیں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دادی باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتی اور دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے ۲۔ یہ کہ میت نے جب کہ والدین اور احد الزوجین کو چھوڑا تو بعد حصۂ احد الزوجین کے ماں اس کی مابقی کا ثلث پاوے گی اور اگر بجائے باپ کے دادا ہو تو ماں اس کی مجمع مال کا ثلث پاوے گی طرفین کے نزدیک ۳۔ یہ کہ بنی اعیان[1] اور بنی علات سب ساقط ہو جاتے ہیں باپ کے ساتھ بالاتفاق اور دادا کے ساتھ فقط امام کے نزدیک ساقط ہوتے ہیں نہ صاحبین کے نزدیک ۴۔ یہ کہ آزاد کرنے والے کا باپ اس کے فرزند کے ساتھ سدس ولا کا لیتا ہے ابو یوسف کے نزدیک اور دادا کے واسطے یہ نہیں ہے بلکہ تمام ولا بیٹا لے گا دادا کو کچھ نہ ملے گا باقی اماموںؒ کے نزدیک ۵۔ یہ کہ اگر غلام آزاد نے اپنے آزاد کرنے والے کا دادا اور بھائی چھوڑا امامؒ نے کہا کہ ولا دادا کے واسطے مخصوص ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ دونوں میں مشترک ہے اور اگر دادا کے بجائے باپ ہوتا تو تمام میراث وہی پاتا بالاتفاق اور باقی آٹھ مسئلوں کی یہ تفصیل ہے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وصیت کی اقربا زید کے واسطے مثلاً تو زید کا باپ وصیت میں داخل نہ ہوگا دادا اس کا داخل ہوگا ظاہر الروایۃ میں ۲۔ یہ کہ صغیر کا صدقۂ فطر مالدار باپ پر واجب ہوتا ہے نہ دادا پر ۳۔ یہ کہ اگر باپ آزاد کیا گیا تو اپنے ولد کی ولاء کو اپنے موالی کی طرف کھینچے گا نہ دادا کے موالی کی طرف ۴۔ یہ کہ صغیر مسلمان ہو جاتا ہے اپنے باپ کے اسلام سے نہ دادا کے اسلام سے ۵۔ یہ کہ اگر زید مر گیا اولاد صغار اور مال چھوڑ کر تو اس کی ولایت زید کے باپ کی ہے نہ زید کے دادا کو ۶۔ یہ کہ اگر صغار کا بھائی اور دادا ہے تو ابو یوسفؒ کے نزدیک نکاح کی

---

[1] بنی اعیان یعنی سگے بھائی بہن اور بنی علات یعنے سوتیلے بھائی بہن جن کی ماں جدا ہو اور باپ ایک ہو ۱۲

ولایت میں دونوں شریک ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک دادا کو ولایت مخصوص ہے اور اگر بجائے دادا کے باپ ہوتا تو اسی کو ولایت مخصوص ہوتی بالاتفاق ۷۔ یہ کہ جب صغیر کا باپ مرگیا تو وہ یتیم ہوگیا دادا کے ہونے سے اس کی یتیمی زائل نہیں ہوتی ۸۔ یہ کہ اگر میت مرگیا اور اس کی اولاد صغار ہے اور مال نہیں ہے اور میت کی ایک ماں ہے اور دادا تو نفقہ صغار کا ماں اور دادا پر ہے اس طرح کہ تہائی نفقہ ماں پر ہے اور دو تہائیاں دادا پر اور اگر دادا کی جگہ باپ ہوتا تمام نفقہ اسی پر واجب ہوتا کذا فی الاشباہ وزاد ابن المصنف فی زواہرہ اخری من الفصولین ضمن الاب مہر صبیہ فادی رجع لو شرط والا لا ولو ولیا غیرہ او وصیا رجع مطلقا انتہی فقولہ لو ولیا غیرہ یعم الجد فیرجع کالوصی بخلاف الاب اور شیخ صالح ابن مصنف نے اپنے حاشیہ اشباہ میں جس کا زواہر الجواہر نام ہے اشباہ کے تیرہ مسئلوں پر ایک اور مسئلہ زیادہ کیا ہے فصولین سے نقل کرکے وہ مسئلہ یہ ہے کہ باپ نے اپنے طفل صغیر کے مہر کی ضامنی کی پھر مہر اس کا ادا کیا اپنے مال سے تو صغیر کے مال سے بھر لے اگر اس نے ادا کے وقت رجوع کرنا شرط کرلیا ہو اگر شرط نہ کیا ہو تو رجوع جائز نہیں اور اگر باپ کے سوا اور کسی صغیر کے ولی نے یا وصی نے مہر کی ضامنی کرکے مہر ادا کیا ہو تو رجوع کرے مطلقاً انتہی یعنے شرط اور بلاشرط ہر صورت رجوع جائز ہے شارح نے کہا تو ولی غیر اب کا لفظ دادا کو بھی شامل ہے تو دادا بھی وصی کے مانند مطلقاً رجوع کرے گا برخلاف باپ کے وللام ثلثۃ احوال السدس مع احدہما او مع اثنین من الاخوۃ او من الاخوات فصاعدا من ای جہۃ کانا ولو مختلطین اور ماں کے تین حالات ہیں چھٹا حصہ ہے بیٹے یا پوتے کے ساتھ یا دو بھائی یا دو بہنوں کے ساتھ بھائی بہن دو ہوں یا زیادہ کسی جہت سے ہوں اگرچہ ملے جلے ہوں م اگر ایک شخص مرگیا ماں اور فرزند چھوڑ کر خواہ فرزند بیٹا ہو یا بیٹی پوتا ہو یا پوتی تو اس کی ماں کا حصہ سدس ہے قال اللہ تعالے ولابویہ لکل واحد منہما السدس مما ترک ان کان لہ ولد اس واسطے کہ ولد کا لفظ مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے اور ولد الابن کو بھی عام ہے اور اس پر اجماع ہے امت کا کہ ولد الابن قائم مقام ولد صلبی کے ہے توریث ام میں اور اسی طرح ماں کا حصہ میت کے دو بھائیوں کے ساتھ یا زیادہ یا دو بہنوں کے ساتھ یا زیادہ سدس ہے خواہ بھائی بہن سگے ہوں یا سوتیلے یا مادری یا مختلط ہوں یعنے ایک بھائی سگا ہو اور دوسرا سوتیلا اور تیسرا مادری والثلث عند عدمہم اور ماں کا حصہ تمام ترکہ کی تہائی ہے جب کہ اشخاص مذکورین نہ ہوں یعنے بیٹا اور پوتا اور دو بھائی اور دو بہن وثلث الباقی مع الاب واحد الزوجین اور ماں کے واسطے باقی مال کی تہائی ہے باپ اور احد الزوجین کے ساتھ م یہاں دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ایک عورت زوج کو اور ماں کو چھوڑ کر مرگئی تو یہ تقسیم چھ سہم سے صحیح ہوگی نصف یعنے تین سہم زوج کے اور باقی مال کی تہائی یعنے ایک سہم ماں کا اور باقی دو سہم باپ کے دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص مرگیا ماں باپ اور زوجہ کو چھوڑ کر تو اس کی تقسیم بارہ سہم سے صحیح ہوگی زوجہ کی چوتھائی اور باقی مال کی تہائی ماں کی یعنی تین سہم اور باقی چھ سہم باپ کے ہر چند ماتن نے ان دونوں حالتوں کو آگے ذکر کیا ہے مگر شارح نے یہاں ذکر کرکے اشارہ کیا کہ ماں کے تینوں حالات ایک جگہ متصل ذکر کرنا بہتر تھا متفرق بیان سے کذا فی الطحطاوی اور اگر صورت مذکورہ میں بجائے باپ کے دادا ہو تو عالمگیری میں کافی سے منقول ہے کہ ماں کو جمیع مال کا ثلث ملے گا انتہی والسدس للجدۃ مطلقاً کام ام او ام اب اور سدس حصہ ہے جدہ کا مطلقاً خواہ جدہ ماں کی ماں ہو یا باپ کی ماں ہو یعنی نانی اور دادی دونوں جدہ صحیحہ ہیں اپنے ناتی اور پوتے کے متروکہ سے چھٹا حصہ پاویں گی فصاعدا اشترکن فیہ اذا کن ثابتات ای صحیحات کالمذکورتین فان الفاسدۃ من ذوی الارحام کما سیجئ متحاذیات فی الدرجۃ لان القربی یحجب البعدی مطلقاً کما سیجئ ایک جدہ ہو یا دو تین چار یا زیادہ سب شریک ہوں گی سدس میں جب کہ جدات ثابتات یعنے جب کہ جدات صحیحہ ہوں چنانچہ دو جدہ مذکور ہو چکیں اس واسطے کہ جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں ہے نہ ذوی الفروض

میں چنانچہ اُس کا ذکر ذوی الارحام میں آوے گا اور دوسری شرط میراث جدات میں یہ ہے کہ جمیع جدات درجہ میں متساوی اور برابر ہوں اس واسطے کہ جدہ قریبہ جدہ بعیدہ کی حاجب ہوتی ہے مطلقاً خواہ جدہ قریبہ حاجبہ ماں کی ماں ہو یا باپ کی ماں ہو اور اسی طرح جدہ بعیدہ محجوبہ خواہ ماں کی ماں ہو یا باپ کی ماں ہو چنانچہ اس کا بیان باب الحجب میں آوے گا کذا فی الطحطاوی۔ م اکمل نے شرح سراجیہ میں کہا کہ ہر شخص کی دو جدہ ہوتی ہیں ایک ماں کی ماں اور دوسری باپ کی ماں اسی طرح اس کے والدین کی اور جمیع اصول کی تا آدم و حوا علیہما السلام اور جدہ کی دو قسم ہیں صحیحہ اور فاسدہ جدہ صحیحہ وہ ہے جس کی نسبت الی المیت میں ایک باپ دو ماؤں میں داخل نہ ہو اور جدہ فاسدہ وہ ہے کہ دو ماؤں کے مابین میں باپ داخل ہو اس واسطے کہ جو باپ کہ میت کے ساتھ ناطہ رکھتا ہے بواسطہ عورت کے وہ جد فاسد ہے انتہی چنانچہ نانا یعنی ماں کا باپ تو نانا کی ماں جدہ فاسدہ ہے اس واسطے کہ دو ماؤں میں یعنی میت کے مابین اور نانا کے مابین نانا واسطہ واقع ہوا معلوم کرنا چاہیے کہ جدہ کا سدس حدیث سے ثابت ہے اور جدات کے سدس کی دلیل یہ روایت ہے کہ ایک شخص کی نانی یعنے ماں کی ماں صدیق اکبرؓ کے پاس آئی اور بولی کہ میرے ناتی کا حصہ مجھ کو دیجیے صدیقؓ نے جواب دیا کہ میں تیرا حصہ کتاب اللہ میں منصوص نہیں پاتا ہوں اور تیری میراث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا ولیکن میں اصحاب سے مشورہ کرتا ہوں پھر اصحاب کو جمع کیا تو محمد بن مسلمہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو سدس دیا ہے پھر اُس میت کی جدہ دوسری یعنی باپ کی ماں آئی اور بولی کہ میرے پوتے کی میراث مجھ کو دیجیے تو صدیقؓ نے کہا کہ میں کتاب اللہ اور حدیث میں تیرے واسطے کچھ حصہ نہیں پاتا ولیکن مجھ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سدس تم دونوں میں مشترک ہے اور اگر ایک جدہ ہو تو فقط اسی کا ہے کذا فی الطحطاوی عن الاکمل ملخصاً **والسدس لبنت الابن فاکثر مع البنت الواحدۃ تکملۃ للثلثین** اور چھٹا حصہ ہے پوتی اور زیادہ پوتیوں کا ایک بیٹی کے ساتھ دو تہائیوں کے پورا کرنے کے واسطے م جب کہ مصنف نے سدس کو ذکر کیا تو ان لوگوں کو بیان کیا جو سدس کے مستحق ہیں خواہ ہمیشہ چنانچہ جدہ یا بعضی صورت میں جیسے پوتیاں اور پوتیوں کے چھ حالات ہیں تین[1] حال تو بیٹیوں کے مانند ہیں یعنی ایک پوتی کو نصف اور دو پوتیوں کو یا زیادہ کو دو تہائیاں اور اگر پوتیوں کے ساتھ ان کا بھائی بھی ہے تو بھائی ان کو عصبہ کر دے گا للذکر مثل حظ الانثیین اور تین حال پوتیوں کو مخصوص ہیں از انجملہ ایک تو وہ ہے جس کو مصنف نے بیان کیا یعنی سدس ایک بیٹی کے ساتھ ملے گا دوسرا حال یہ کہ دو یا زیادہ بیٹیوں کے ساتھ وہ ساقط ہوں گی لیکن اگر ان کے ساتھ بھائی ہوگا درجہ میں برابر یا اسفل تو ان کو عصبہ کر دے گا بشرطیکہ کوئی پوتی صاحب فرض نہ ہو[2] ان میں سے اور تیسرا حال یہ ہے کہ فرزند صلبی سے پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں اور یہ جو کہا کہ سدس ملے گا دو تہائیوں کے پورا کرنے کے واسطے سو اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنات کا حق ثلثین پر زیادہ نہیں ہوتا اور بنات کا لفظ بنات الابن کو بھی شامل ہے پھر جب کہ بنت صلبی نے اپنا فرض یعنے نصف لیا تو بنت الابن کو سدس باقی دیا گیا تاکہ بنات کا حق یعنے ثلثین پورا ہو جائے کذا فی الطحطاوی **والسدس للاخت للاب فاکثر مع الاخت الواحدۃ لابوین تکملۃ للثلثین** اور چھٹا حصہ ایک سوتیلی بہن کا اور زیادہ بہنوں کا ہے ایک سگی بہن کے ساتھ دو تہائیوں کے پورا کرنے کے واسطے م یعنے اگر سوتیلی بہن سگی بہن کے ساتھ ہے تو نصف متروکہ سگی بہن لے گی اور سدس سوتیلی کو ملے گا تاکہ دو تہائیاں پوری ہو جاویں معلوم کرنا چاہیے کہ سگی بہنوں کے پانچ احوال ہیں اور یہی پانچوں احوال سوتیلی بہنوں کے بھی ہیں پہلا حال یہ ہے کہ ایک سگی بہن نصف پاوے گی دوسرا حال یہ کہ دو سگی بہنیں ثلثین پاویں گی تیسرا یہ کہ اگر ان کے ساتھ بھائی سگا ہوگا تو ان کو عصبہ کردے[3] گا چوتھا یہ کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں

---

[1] جس صورت میں کہ بیٹیاں نہ ہوں ۱۲ [2] یعنی صاحب فرض اپنا فرض پاوے گی اسفل بھائی کے ساتھ عصبہ نہ ہوگی ۱۲ [3] یعنی تقسیم مال ان میں للذکر مثل حظ الانثیین ہوگی ۱۲

لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام اجعلوا البنات مع الاخوات عصبات پانچواں یہ کہ ابن اور ابن الابن اور باپ کے ہونے سے بہنیں ساقط ہو جاتی ہیں بالاتفاق اور امام اعظمؒ کے نزدیک دادا کے ہونے سے بھی ساقط ہوتی ہیں اور سوتیلی بہنوں کے دو حال اور بھی زیادہ ہیں تو سوتیلیوں کے سات احوال ٹھہرے پانچ احوال تو مذکور ہو چکے اور چھٹا حال یہ ہے کہ سوتیلی بہن سگی ایک بہن کے ساتھ سدس پاتی ہے چنانچہ ماتن نے اس کو بیان کیا ہے اور ساتواں حال یہ ہے کہ اگر سگی دو بہنیں یا زیادہ ہوں تو سوتیلی بہنیں ساقط ہو جاتی ہیں مگر یہ کہ ان کے ساتھ بھائی ہو تو ان کو عصبہ کر دے گا اور جب کہ سگی بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو گی تب بھی سوتیلی بہنیں ساقط ہوں گی کذا فی الطحطاوی **والسدس للواحد من ولد الام والثلث لاثنین فصاعدا من ولد الام ذکورہم کاناثہم** اور چھٹا حصہ ایک شخص کا ہے ماں کی اولاد سے اور تہائی دو کی اور زیادہ کی ہے ماں کی اولاد سے مردان کی عورتوں کے برابر ہیں حصہ میں م اخیافی[2] اور مادری بھائی بہن وہ ہیں جن کی ماں ایک ہو اور باپ دو چنانچہ شاکرہ نے زید سے نکاح کیا اس سے حامد پیدا ہوا پھر زید کے بعد خالد سے شاکرہ نے نکاح کیا اس سے محمود اور صابرہ پیدا ہوئے تو محمود اور صابرہ حامد کے اخیافی اور مادری بھائی بہن ہیں طحطاوی نے کہا کہ مادری بھائی بہنوں کے تین حال ہیں ایک حال یہ ہے کہ اگر اکیلا ہے تو سدس پاوے گا اور اگر دو یا زیادہ ہیں تو ثلث پاویں گے تیسرا حال یہ ہے کہ فرع[3] وارث یا فرع الفرع وارث ہے اور باپ اور دادا کے ہونے سے وہ ساقط ہوں گے بالاتفاق اس واسطے کہ ان کی میراث ضعیف ہے قرابت ضعیفہ کی وجہ سے انتہی **والثلث للام عند عدم من لہا معہ السدس کما مر** اور تہائی ماں کے واسطے ہے جب کہ وہ لوگ نہ ہوں جن کے ساتھ ماں کو سدس ملتا ہے چنانچہ مذکور ہو چکا یعنی اگر بیٹا یا پوتا میت کا یا دو بھائی یا دو بہنیں یا زیادہ ان سے نہ ہوں گی تب ماں کو تہائی ملے گی **ولہا ثلث الباقی بعد فرض احد الزوجین کما قدمنا** اور ماں کے واسطے باقی مال کی تہائی ہے بعد ادا کرنے فرض احد الزوجین کے چنانچہ ہم اس کو مقدم ذکر کر چکے ہیں شرح میں **وذلک فی زوجۃ وابوین وام فلہا حینئذ الربع** اور یہ یعنی تہائی مال کی زوجہ اور والدین میں ہے تو اس صورت میں درحقیقت ماں کے واسطے چوتھائی ہے م اُم کا لفظ یہاں زیادہ کرنا اور اگلے مسئلہ میں بھول چوک[4] ہے شارح کی اس واسطے کہ اُم تو ابوین میں داخل ہے کذا فی الطحطاوی عن الحلبی لہذا مترجم نے لفظ ام کا ترجمہ نہیں کیا ثلث مابقی ربع ہے کل ترکہ کا چنانچہ ترجمہ میں گزر گیا اگر زوج مر گیا اور زوجہ اور اپنے والدین کو چھوڑا تو اس کی قسمت بارہ سہم سے صحیح ہو گی کل مال کی چوتھائی یعنی تین سہم زوجہ کے ہیں اور باقی مال یعنے نو سہم کی تہائی ماں کی ہے سو تین سہم ہوئے تو تین سہم کل متروکہ کے یعنی بارہ سہم کی چوتھائی ہیں **او زوج وابوین وام فلہا حینئذ السدس** یا تہائی باقی کی ماں کو ہے زوج اور والدین میں تو اس وقت میں درحقیقت ماں کے واسطے سدس ہے م یہ صورت بھی ترجمہ میں مذکور ہو چکی کہ اگر زوجہ مر گئی زوج اور والدین کو چھوڑ کر تو قسمت اس کی چھ سہم سے صحیح ہے نصف زوج کا یعنے تین سہم اور باقی مال کی تہائی یعنے تین سہم کی ایک سہم ہے تو ایک سہم کل مال کا سدس ہے یہاں اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب ثلث باقی مال کا ربع یا سدس ٹھہرا تو مصنف نے اس کو ثلث کیوں کہا شارح نے اس کا جواب قول آئندہ میں دیا **وسمی ثلثا تادبا مع قولہ تعالی وورثہ ابواہ فلامہ الثلث** اور مصنف نے ماں کے فرض کو ثلث کہا ادب کی راہ سے حق تعالی کے اس قول کے ساتھ وورثہ ابواہ فلامہ الثلث یعنے اگر میت کا ولد نہ ہو اور

---

[1] یعنی اس صورت میں اہل فرض سے بچا ہوا مال ان کو ملتا ہے ۱۲ [2] اخیف اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ سیاہ ہو اور دوسری سفید اس سے مختلف لوگوں اور مادری بھائیوں کو اخیاف کہتے ہیں ۱۲ [3] وارث کی قید اس لئے ہے کہ اگر فرع غیر وارث ہو جیسے بیٹا کسی کا غلام یا قاتل ہو یا فرع الفرع غیر وارث ہو جیسے نواسا اور نواسی تو اخیافی اس صورت میں محروم نہ ہوں گے ۱۲ [4] مگر نسخہ مطبوعہ کلکتہ میں لفظ ام زیادہ ہے نہ مسئلہ آئندہ میں شاید طحطاوی کو دو نسخہ ملا ہو گا جس میں دونوں جگہ ام کا لفظ ہو ۱۲

اس کے والدین اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے واسطے تہائی ہے باپ کا حصہ اس واسطے صریحاً ذکر نہ فرمایا کہ جب فقط والدین وارث مفروض ہو چکے اور ماں کا حصہ معین کر دیا تو معلوم ہو گیا کہ باقی مال باپ کا ہے وعلی ہذا لائق یوں ہے کہ ماں کا حصہ جب کہ والدین کے ساتھ احد الزوجین ہوں ثلث ما بقی ہو چنانچہ جمہور کا قول ہے نہ ثلث مال چنانچہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس میں تفضیل[1] انثی کی اس ذکر پر لازم آتی ہے جو اس کے برابر ہے جہت اور قرب میں اور یہ موضوع شرعی کے مخالف ہے کذا فی تفسیر البیضاوی ملخصاً **والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضه النصف** وهو خمسة البنت وبنت الابن والاخت لابوین والاخت لاب والزوج **الا الزوج** لانه لا یتعدد اور ثلثین یعنے دو تہائیاں ان دو شخصوں یا زیادہ لوگوں کی ہیں جن کا فرض حصہ نصف ہے وہ پانچ ہیں بیٹی اور پوتی اور سگی بہن اور سوتیلی بہن اور زوج مگر زوج کے واسطے ثلثین نہیں اس واسطے کہ اس میں تعدد اور کثرت نہیں م یعنے زوج کے حق میں دو تہائیوں کا تحقق نہیں ہوتا اس واسطے کہ ثلثین کے وارث نہیں مگر متعدد اشخاص جو کہ انفرادی حالت میں نصف کے وارث ہو جاتے ہیں **فائدہ جلیلہ** معلوم کرنا چاہیے کہ فروض مقدرہ کلام مجید میں چھ ہیں نصف ربع ثمن ثلثین ثلث سدس سو نصف تو پانچ اصناف کا فرض ہے زوج[1] کا فرض ہے جب کہ زوجہ کا بیٹا بیٹی اور پوتا پوتی نہ ہو اور بنت صلبی[2] کا فرض ہے اور بنت الابن[3] کا فرض ہے جب کہ بنت فرضی نہ ہو اور سگی بہن[4] کا فرض ہے اور سوتیلی بہن[5] کا فرض ہے جب کہ سگی بہن نہ ہو اور ربع دو صنف کا فرض ہے زوج[1] کا فرض ہے جب کہ میت کا ولد اور ولد الابن ہو اور ایک زوجہ[2] اور چند زوجات کا فرض ہے جب کہ میت کا ولد اور ولد الابن نہ ہو اور ثمن صرف ایک صنف کا فرض ہے یعنے ایک یا چند زوجہ کا جب کہ ولد یا ولد الابن ہو اور ثلثین چار اصناف کا فرض ہے دو صلبی[1] بیٹیوں کا یا زیادہ کا فرض ہے اور دو پوتیوں[2] یا زیادہ کا فرض ہے جب کہ بنت صلبی نہ ہو اور سگی[3] دو بہنوں یا زیادہ کا فرض ہے اور سوتیلی[4] دو بہنوں یا زیادہ کا فرض ہے جب کہ سگی بہن نہ ہو اور ثلث دو صنف کا فرض ہے ماں[1] کا فرض ہے جب کہ میت کا ولد اور ولد الابن نہ ہو اور نہ دو بھائی ہوں نہ دو بہنیں اور اولاد[2] مادری کا فرض ہے دو ہوں یا زیادہ ذکور ہوں یا اناث اور سدس سات اصناف کا فرض ہے باپ کا فرض ہے جب کہ میت کا ولد اور ولد الابن نہ ہو اور جد صحیح کا اسی طرح فرض ہے جب کہ میت کا باپ نہ ہو اور ماں کا فرض ہے جب کہ میت کا ولد اور ولد الابن ہو خواہ دو بھائی ہوں یا دو بہنیں اور جدہ صحیحہ کا فرض ہے خواہ ایک ہو یا چند جدات میراث کے وقت اور بنت الابن کا فرض ہے بنت صلبی کے ساتھ تکملۃ للثلثین اور سوتیلی بہن کا فرض ہے سگی بہن کے ساتھ تکملۃ للثلثین اور ایک شخص کا فرض ہے اولاد مادری سے مرد ہو یا عورت کذا فی العالمگیریۃ عن خزانۃ المفتین

فصل فی العصبات

یہ فصل ہے عصبات کے مسائل میں م عصبات جمع ہے عصبہ کی اور عصبہ مطلقاً لغت میں عبارت ہے محیط باشی سے اور معنی احاطہ عصبہ شرعی میں موجود ہیں کیونکہ عصبات میت کو ہر طرف سے گھیرے ہیں کذا فی الطحطاوی ملخصاً اور اصطلاح شرعی مصنف کے کلام سے معلوم ہو گی **العصبات النسبیة ثلثة عصبة بنفسه وعصبة بغیره وعصبة مع غیره** عصبات نسبی تین تین قسم ہیں عصبہ بنفسہ اور عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ م شارح اور ماتن نے عصبہ نسبی کو عصبہ سببی پر اس واسطے مقدم کیا کہ سابق معلوم ہو چکا کہ نسبی قوی تر ہے سببی سے عصبات نسبیہ تین قسم میں منحصر ہوئی کیونکہ اگر ثبوت عصوبت میں غیر کے ملنے کی حاجت نہیں تو وہ عصبہ بنفسہ ہے یعنی بذات خود بلا حاجت انضمام شخص آخر عصبہ ہے اور اگر عصبہ غیر کا محتاج ہے تو اگر عصوبت (عصبہ ہونا) میں یہ غیر بھی اس کا شریک ہے تو وہ عصبہ بغیرہ ہے اور اگر غیر اس کے ساتھ شریک نہیں ہے تو وہ عصبہ مع غیرہ ہے **تحوز العصبة بنفسه وهو کل ذکر فالانثی لا تکون عصبة بنفسها بل بغیرها او مع غیرها**

---

[1] کیونکہ کل مال کی تہائی دو سہم ہوں گی اور باقی ایک سہم باپ کو ملے گا تو ماں زیادہ پائے گی بہ نسبت باپ کے ۱۲

لم یدخل فی نسبتہ الی المیت انثی فان دخلت لم یکن عصبۃ کولد الام فانہ ذو فرض وکاب الام وابن البنت فان ہما من ذوی الارحام عصبہ بنفسہ وہ ہر ایک مرد ہے جس کے رشتہ میں میت کی طرف عورت نہ داخل ہو شارح نے کہا مرد کی قید سے عورت نکل گئی کہ وہ عصبہ بنفسہا نہیں ہوتی بلکہ عورت عصبہ بغیرہا یا مع غیرہا ہوتی ہے پھر اگر نسبت الی المیت میں عورت داخل ہوئی تو وہ عصبہ نہ ہوگا چنانچہ مادری بھائی کہ وہ صاحب فرض ہے نہ عصبہ ہور چنانچہ ماں کا باپ اور بیٹی کا بیٹا یعنے نانا اور ناتی اس واسطے کہ وہ دونوں ذوی الارحام سے ہیں نہ صاحب فرض ہیں نہ عصبہ ما ابقت الفرائض اے جنسہا عصبہ بنفسہ سمیٹتا ہے اس مال کو جو جنس فرائض سے باقی رہ گیا یعنے جو اہل فرض کو دے کر مال باقی رہا اس باقی سب مال کو عصبہ بنفسہ لے گا خواہ چند اہل فرض ہوں یا ایک چونکہ فرائض کا لفظ جمع تھا شارح نے اس کی تفسیر بلفظ جنسہا کرکے اشارہ کیا کہ الف لام جنس سے جمعیت باطل ہو گئی وعند الانفراد یحوز جمیع المال بجہتہ واحدۃ اور عصبہ بنفسہ انفراد اور تنہائی کی حالت میں تمام مال کو لیتا ہے ایک جہت سے م یعنی اگر اہل فرض نہ ہوں فقط عصبہ بنفسہ ہو تو وہ سب مال لے گا فقط ایک عصوبت کی جہت سے منح الغفار میں ہے جہت واحدۃ کے قید اس واسطے لگائی تاکہ یہ اعتراض وارد نہ ہو کہ صاحب فرض بھی سب مال لیتا ہے جب کہ اس کے ساتھ عصبہ نہ ہو اس لئے کہ اہل فرض کو استحقاق بعض مال کا فرضیت کے سبب سے اور باقی مال کا بسبب رد کرنے کے تو ایک جہت سے اس نے سب مال نہ پایا بلکہ دو جہت سے برخلاف عصبہ بنفسہ کے وہ فقط عصوبت کی ایک ہی جہت سے تمام مال کو لیتا ہے ثم العصبات بانفسہم اربعۃ اصناف جزء المیت ثم اصلہ ثم جزء ابیہ ثم جزء جدہ پھر معلوم کرنا چاہیے کہ عصبہ بنفسہ کی جماعت چار قسم ہیں میت کا جز پھر میت کا اصل پھر میت کے باپ کا جز پھر میت کے دادا کا جز م میت کا جز چنانچہ بیٹا اور پوتا اور میت کی اصل چنانچہ باپ اور دادا اور میت کے باپ کا جز چنانچہ بھائی اور بھتیجا اور میت کے دادا کا جز چنانچہ چچا اور اس کی اولاد ویقدم الاقرب فالاقرب منہم بہذا الترتیب اور عصبات میں زیادہ تر قرابت دار کی تقدیم ہوگی پھر اس کے بعد اس سے جو فروتر ہے وہ مقدم ہوگا موافق اس ترتیب مذکورہ کے فیقدم جزء المیت کالابن ثم ابنہ وان سفل تو میت کا جز مقدم ہوگا میت کی اصل پر چنانچہ میت کا بیٹا پھر پوتا اگرچہ سافل ہو یعنے پر پوتا اور پوتے کا پوتا م کہا تقدیم بیٹے کی باپ پر یعنے میراث میں نقلاً اور عقلاً ثابت ہے دلیل نقلی تو قرآن مجید میں موجود ہے یعنے باپ کا حصہ مقرر فرمایا اور بیٹے کا حصہ مقرر نہیں کیا تاکہ وہ باقی مال بطریق عصوبت کے پاوے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ انسان ولد کو اپنے والد پر مقدم جانتا ہے صرف مال میں اور محنت کشی سے مال کو حاصل کرتا ہے فرزند کے واسطے تو مقتضا اس کا یہ ہے کہ اس کا مال فرزند سے تجاوز کرکے اس کے باپ کو نہ پہونچے لیکن نص قرآنی سے بمقدار حصہ پدری کے اس کے مقتضا کو ترک کیا تو باقی مال میں اس کی خواہش دلی کو باقی رکھا کذا فی الطحطاوی مخلصاً ثم اصلہ الاب پھر فروع کے بعد اصل میت یعنے باپ مقدم ہوگا یعنے اگر میت کا بیٹا یا پوتا یا پرپوتا کوئی باقی نہیں ہے تو میت کا باپ عصبہ ہو کر متروکہ لے گا ویکون مع البنت باکثر عصبۃ وذا سہم کما مر اور باپ ایک بیٹی یا زیادہ کے ساتھ عصبہ اور صاحب فرض ہوگا چنانچہ شرح میں مذکور ہو چکا اہل فرض کے بیان میں م طحطاوی نے کہا بہتر یوں تھا کہ مصنف اس مسئلہ کو اہل فروض میں فرض پدری کے ساتھ ذکر کرتا شارح کے مانند ثم الجد الصحیح وہو اب الاب وان علا پھر باپ کے بعد جد صحیح مقدم ہے یعنے باپ کا باپ جس کو دادا کہتے ہیں اگرچہ جد اونچا ہو یعنی پردادا سردادا الی غیر ذلک واما اب الام ففاسد من ذوی الارحام اور ماں کا باپ تو جد صحیح نہیں بلکہ جد فاسد ہے ذوی الارحام میں داخل ہے نہ عصبات میں ثم جزء ابیہ الاخ لابوین ثم لاب پھر جد صحیح کے بعد میت کے باپ کا جز یعنے سگا بھائی میت کا مقدم ہے پھر اس کے بعد سوتیلا بھائی مقدم ہے بھتیجوں پر ثم ابنہ لابوین ثم لاب وان سفل پھر بھائی کے بعد سگے بھائی کا بیٹا مقدم ہے پھر اس کے بعد سوتیلے بھائی کا بیٹا مقدم ہے اگرچہ ابن الاخ سافل ہو یعنے بھتیجے کا بیٹا یا پوتا

تاخير الاخوة عن الجد وان علا قول ابي حنيفة وهو المختار للفتوى خلافا لهما وللشافعي قيل وعليه الفتوى تاخیر بھائیوں کی دادا سے اگرچہ دادا عالی ہو قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور یہی قول مختار ہے فتوے کے واسطے برخلاف صاحبینؒ اور شافعیؒ کے بعضوں نے کہا کہ صاحبینؒ کے قول پر فتوی ہے یعنے بھائی مقدم ہیں دادا پر طحطاوی نے کہا کہ امامؒ ہی کا قول معتمد ہے ثم جزء جده العم لابوين ثم لاب پھر بھائیوں کے بعد دادا کی اولاد یعنی سگا چچا مقدم ہے پھر اُس کے بعد سوتیلا چچا ثم ابنه لابوين ثم لاب وان سفل پھر اعمام کے بعد سگے چچا کا بیٹا مقدم ہے پھر اُس کے بعد سوتیلے چچا کا بیٹا اگرچہ چچیرے بھائی سافل ہوں اعمام پدری سے مقدم ہیں ثم عم الاب پھر بنی اعمام کے بعد باپ کا سگا چچا مقدم ہے پھر اس کا سوتیلا چچا ہے ثم ابنه پھر اعمام پدری کے بعد باپ کے سگے چچا کا بیٹا مقدم ہے پھر اس کے بعد باپ کے سوتیلے چچا کا بیٹا جد کے اعمام پر مقدم ہے ثم عم الجد پھر بنی اعمام پدری کے بعد دادا کا سگا چچا مقدم ہے پھر اس کے بعد سوتیلا چچا دادا کا ثم ابنه كذلك وان سفلا پھر جد کے اعمام کے بعد ان کا بیٹا اسی طرح مقدم ہے یعنے سگا سوتیلے پر مقدم ہے اگرچہ عم پدری کے فرزند اور عم جدی کے فرزند سافل ہوں هكذا في العالمگیرية عن المبسوط ثم اور اگر ایک درجہ کے عصبات کی جماعت مجتمع ہو تو مال متروکہ ان پر باعتبار ان کے ابدان کے قسمت ہوگا نہ باعتبار اُن کے اصول کے مثلاً میت کا ایک بھتیجا ہے اور دس بھتیجے اور ہیں یا ایک چچیرا بھائی ہے اور دس چچیرے بھائی اور ہیں تو مال کے گیارہ حصے ہوں گے ہر شخص کو ایک حصہ ملے گا كذا في العالمگیرية عن الاختيار شرح المختار فاسبابها اربعة بنوة ثم ابوة ثم اخوة ثم عمومة تو بیان سابق سے معلوم ہو گیا کہ عصوبت کے چار سبب ہیں بیٹا ہونا پھر باپ ہونا پھر بھائی ہونا پھر چچا ہونا وبعد ترجيحهم بقرب الدرجة يرجحون عند التفاوت بالابوين واب كما مر لقوة القرابة فمن كان لابوين من العصبات ولو انثى كالشقيقة مع البنت تقدم على الاخ لاب مقدم على من كان لاب اور قرب درجہ کے بعد عصبات کو جب کہ ان میں تفاوت ہو سگے سوتیلے کا چنانچہ مفصل مذکور ہو چکا ترجیح دی جاتی ہے قرابت کے قوی ہونے کی وجہ سے عصبات میں سے جو عصبہ میت کا سگا ہو گا وہ سوتیلے پر مقدم ہے اگرچہ عصبہ قوی القرابت عورت ہو جیسے سگی بہن بیٹی کے ساتھ مقدم ہے سوتیلے بھائی پر ثم درجہ سے مراد قرابت کی جہت ہے یعنی تقدیم میں اول جہت معتبر ہے تو جزء میت کی جہت میت کی اصل کی جہت پر مقدم ہے پھر جب کہ جہت متحد ہو اور دو عصبوں میں سے ایک عصبہ زیادہ تر قریب ہو میت سے چنانچہ جزئیت میں بیٹا اور پوتا یکساں ہے لیکن پوتے کی نسبت بیٹا قریب تر ہے تو اب تقدیم قرب کی وجہ سے معتبر ہو گی پھر جب کہ قرب میں بھی عصبات برابر ہوں تو اب تقدیم میں قرابت کی قوت معتبر ہو گی چنانچہ مصنف نے بیان بیان کیا ہے اور قرابت کی قوت پائی نہیں جاتی مگر بھائیوں میں اور بھتیجوں اور چچوں میں اور چچیرے بھائیوں میں اور فروع اور اصول میں قوت قرابت کی یعنے سگے اور سوتیلے کا اعتبار نہیں ہو سکتا اور چونکہ یہ مقام ہے عصبات بنفسہ کے اصناف کا اور ان کے ترجیح کی جہات کا تو شارح کا ذکر کرنا سگی بہن کا بیٹی کے ساتھ بے محل ہے کیونکہ اخت مذکورہ عصبہ بنفسہ نہیں بلکہ عصبہ مع غیرہ ہے لیکن یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اس کا بھائی البتہ عصبہ بنفسہ ہے تو اس کی ذیل میں بہن کی قوت قرابت کو مذکور کر دیا كذا في الطحطاوي ملخصاً لقوله صلى الله عليه وسلم ان اعيان بني الام يتوارثون دون بني العلات ترجیح مذکور کی دلیل یہ حدیث ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ البتہ سگی ماں کے فرزند باہم وارث ہوتے ہیں نہ سوتیلی ماؤں کے فرزند ثم یہ حدیث ترمذی میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تتمہ حدیث مذکور کا یہ ہے الرجل يرث اخاه لابيه وامه دون اخيه لابيه كذا في التيسير یعنے مرد وارث ہوتا ہے اپنے سگے بھائی کا نہ سوتیلے بھائی کا والحاصل انه عند الاستواء في الدرجة يقدم ذو القرابتين وعند التفاوت فيها يقدم الاعلى اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ درجہ برابر ہونے کے نزدیک دو قرابت والے کی تقدیم ہوتی ہے اور درجہ میں تفاوت ہونے سے اعلے یعنے اقرب مقدم ہوتا ہے ثم برابری درجہ کی مثال چنانچہ دو بھائی ایک سگا اور دوسرا سوتیلا تو سگا مقدم

ہوگا کہ دونوں طرح سے قرابت رکھتا ہے باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی اور سوتیلا فقط ایک قرابت رکھتا ہے باپ کی طرف
سے نہ ماں کی طرف سے اور تفاوت درجہ کی مثال چنانچہ سوتیلا بھائی اور سگے بھائی کا بیٹا تو سوتیلا بھائی سگے بھتیجے پر مقدم ہوگا قریب تر
ہونے سے **ثم شرع فی العصبۃ بغیرہ فقال ویصیر عصبۃ بغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن وان سفلوا** پھر عصبہ بنفسہ کے بعد
مصنف نے عصبہ بغیرہ میں شروع کیا سو یوں کہا اور عصبہ بغیرہ ہو جاتی ہیں بیٹیاں بیٹوں کے ہونے سے اور پوتیاں عصبہ بغیرہ ہو جاتی ہیں
پوتوں کے ہونے سے اگرچہ درجات میں سافل ہوں م بنات اور بنات الابن کے عصبہ ہونے پر کلام مجید دلیل ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر
مثل حظ الانثیین یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد میں وصیت کرتا ہے مرد کے واسطے دو عورتوں کے حصہ کے برابر یعنی اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے
تو تین سہم سے قسمت ہوگی دو سہم بیٹا لے گا اور ایک سہم بیٹی اور اگر دو بیٹیاں ہیں تو چار سہم سے قسمت ہوگی ایک ایک سہم بیٹی لے گی اور دو
سہم بیٹا لے گا وعلی ہذا القیاس بیٹی کا دونا بیٹا پاوے گا جس قدر کہ بیٹیاں اور بیٹے ہوں اسی طرح بہنیں اور بنات ابن کو سمجھنا چاہیے
والاخوات لابوین اولاب باخیہن اور سگی سوتیلی بہنیں عصبہ بغیرہ ہو جاتی ہیں اپنے بھائی کے ہونے سے م اور بہنوں کا عصبہ ہونا اپنے بھائیوں
کے ہونے سے حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہے وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین **فمن اربع ذوات النصف والثلثین
یصرن عصبۃ باخوتہن** تو عصبہ بغیرہ چار عورتیں ہیں نصف اور ثلثین کے حصہ والیاں وہ عصبہ ہو جاتی ہیں اپنے بھائیوں کے ہونے سے م اور جس
عورت کا حصہ فرض نہیں اور اس کا بھائی عصبہ ہے تو وہ اپنے بھائی کے ہونے سے عصبہ نہیں ہوتی چنانچہ عم اور عمہ خواہ سگی ہوں یا سوتیلی تو سب
مال کو چچا لے گا عمہ کو کچھ نہ ملے گا اور یہی حال ہے ابن العم کا بنت العم کے ساتھ اور ابن الاخ کا بنت الاخ کے ساتھ کذا فی الطحطاوی **ولو حکما
کابن ابن یعصب من مثلہ او فوقہ** اگرچہ بہنوں کا بھائی حکمی ہو نہ حقیقی چنانچہ میت کے بیٹے کے بیٹے کا بیٹا یعنے پر پوتا عصبہ کر دیتا ہے اپنے
برابر کے درجہ والی بہن کو یا اس بہن کو جو اس سے اونچی درجہ والی ہو م عصبہ بغیرہ میں بھائی سے مراد وہ ہے جو برادر حقیقی اور حکمی دونوں کو عام ہو سو
حقیقی برادر تین میں ہوتا ہے بنت صلبی اپنے بھائی کے ساتھ اور سگی بہن اپنے بھائی کے ساتھ اور سوتیلی بہن اپنے بھائی کے ساتھ
اور برادر حکمی بنات الابن میں ہوتا ہے تو پوتا اپنی بہنوں کو عصبہ کر دیتا ہے اور چچیرے بہنوں کے جو درجے میں برابر ہیں اور بنات الابن کو
وہ برادر حکمی بھی عصبہ کر دیتا ہے جو ان سے اسفل ہے درجہ میں تو ان میں سے اس عورت کو بھی عصبہ کر دیتا ہے جس کا کچھ حصہ نہیں چنانچہ
مسئلہ تشبیب میں آوے گا کذا فی الطحطاوی **ثم شرع فی العصبۃ مع غیرہ فقال ومع غیرہ الاخوات مع البنات او بنات الابن لقول الفرضیین
اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ والمراد من الجمعین ہنا الجنس** پھر مصنف نے عصبہ مع غیرہ میں شروع کیا سو یوں کہا اور عصبہ مع غیرہ بہنیں ہیں
بیٹیوں کے ساتھ یا پوتیوں کے ساتھ بدلیل قول اہل فرائض کے کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ قرار دو اور اخوات اور بنات کی دونوں جمعوں
سے جنس مراد ہے م سراجیہ اور اس کی شروح میں اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ کو حدیث کہا ہے واللہ اعلم چونکہ ایک بہن ایک بیٹی کے
ساتھ بھی عصبہ ہوتی اور ظاہر لفظ جمع اخوات اور بنات کا اس کے خلاف پر دلالت کرتا تھا لہذا شارح نے اس کا جواب دیا کہ جمع پر
الف لام جنس کا ہے تو قلیل اور کثیر سب کو شامل ہے **وعصبۃ ولد الزنا وولد الملاعنۃ مولی الام** اور ولد الزنا اور ولد الملاعنہ کا عصبہ
ان کی ماں کا مولی ہے م ولد الملاعنہ یہ کہ ایک عورت کے لڑکا پیدا ہوا سو اس کے زوج نے کہا کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے پھر باہم لعنت کر کے
زوجین میں فراق ہو گیا تو وہ لڑکا ولد الملاعنہ ہے طحطاوی نے منح الغفار سے نقل کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ولد الملاعنہ کو اس کے
ماں کے ساتھ ملایا تو وہ اس شخص کے مانند ہو گیا جس کو باپ کی جانب سے کچھ قرابت نہیں تو اب یہ واجب ہوا کہ اس کی ماں کے موالی اس

کے وارث ہوں اور وہ ان کا وارث ہو تو اگر ولد الملاعنہ مر گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ماں اور ملاعن کو چھوڑا تو بیٹی کو نصف اور ماں کو سدس اور باقی مال پھر بیٹی اور ماں کو دیا جاوے گا بطریق فرض اور رد کے گویا کہ اس کا باپ ہی نہ تھا انتہے اور ولد مشترک کا نسب مشترک لونڈی سے ثابت ہوگا تو وہ ہر مولے سے ابن کامل کی میراث پاوے گا اور دونوں مولی ایک باپ کی میراث ولد مشترک کے مال سے پا دیں گے اور جو قرابت دار اس کے میراث میں باہم شریک ہوں گے گویا کہ ایک باپ کے قرابت دار ہیں اور اگر مولی مر گیا تو دوسرا باقی مولی ولد مشترک کے مال متروکہ سے پدر کامل کی میراث لے گا کذا فی الطحطاوی عن الدرر المنتقی المراد بالمولی ما یعم المعتق والعصبة لیعم مالو کانت الام حرة الاصل کما بسطه العلامة قاسم لانه لا اب لهما اور متن میں مولی سے مراد وہ ہے جو آزاد کرنے والے اور عصبہ دونوں کو شامل ہوتا کہ اگر ولد الزنا یا ولد الملاعنہ کی ماں حرہ اصلی ہو تو اس کو بھی شامل رہے چنانچہ علامہ قاسم نے اس کو مشرح بیان کیا ہے ماں کا مولی اس واسطے عصبہ ہوا کہ ولد الزنا اور ولد الملاعنہ کا کوئی باپ نہیں ہے یعنے شرعاً ان کا کوئی باپ نہیں جس سے ان کا نسب ثابت ہو اور وہ اس کے وارث ہوں اگرچہ واقع میں ولد بدون والد کے نہیں ہوتا مگر بطریق خرق عادت ویفترقان فی مسئلة واحدة وهی ان ولد الزنا یرث من توامه میراث اخ لام وولد الملاعنة یرث من توامه میراث اخ لابوین اور ولد الزنا اور ولد الملاعنہ ایک مسئلہ میں جدائی رکھتے ہیں وہ مسئلہ یہ ہے کہ ولد الزنا اپنے توام سے مادری بھائی کی میراث لیتا ہے اور ولد الملاعنہ اپنے توام سے سگے بھائی کی میراث پاتا ہے ویختم العصبات بالعصبة السببية ای المعتق پھر ہم عصبات کا اختتام عصبہ سببی سے کرتے ہیں یعنے سو عصبہ سببی مولی ہے غلام کا آزاد کرنے والا مصنف نے اختتام کے لفظ سے اشارہ کیا کہ آزاد کرنے والا ذوی الارحام پر مقدم ہے کیونکہ جب وہ مرتبہ اخیرہ عصبات میں واقع ہوا تو اس میں اور باقی عصبات میں کوئی اور وارث نہیں تو ذوی الارحام پر مقدم ٹھہرا اور معتق مذکور رد علی ذوی الفروض پر بھی مقدم ہے اور یہی قول ہے علی مرتضے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ موخر ہے ذوی الارحام سے اور معتمد جمہور کا قول ہے اور فریقین کے دلائل مطولات میں مذکور ہیں ثم عصبته بنفسه علی الترتیب المقدم لقوله صلی اللہ علیه وسلم الولاء لحمة کلحمة النسب پھر مولی العتاقہ کے بعد اس کا عصبہ بنفسہ ہے بنا بر ترتیب مقدم کے اس حدیث کی دلیل سے کہ ولاء قرابت ہے نسب کی قرابت کے مانند ہم عصبہ بنفسہ کی قید اس واسطے لگائی کہ مولی کا عصبہ بنفسہ مقدم ہے اس کے عصبہ سببی پر یعنی آزاد کرنے والے کا آزاد کرنے والا موخر ہے عصبہ نسبی سے اور بموجب ترتیب مقدم کے ابن معتق مقدم ہے پھر ابن الابن اگرچہ سافل ہو پھر باپ معتق کا پھر اس کا دادا اگرچہ عالی ہو الی آخر التفصیل پھر معتق کا معتق علی الترتیب المذکور پھر اس کے عصبات معلوم کرنا چاہیے کہ آزاد کرنے والے کی میراث غلام آزاد نہیں پاتا جمہور کے نزدیک خلافاً لاسحق ابن راہویہ والحسن بن زیاد اور اس حدیث میں الولاء لحمة کلحمة النسب ولاء سے مراد ولاء عتاقہ ہے نہ ولاء میراث یعنی ولاء عتاقہ قرابت حاصلہ ہے عتق کے سبب سے مانند قرابت حقیقی نسبی کے کذا فی الطحطاوی ملتقطاً واذا ترک المعتق اب مولاه وابن مولاه فالکل للابن وقال ابو یوسف للاب السدس اور جب کہ غلام آزاد مر گیا اپنے مولی کا باپ اور بیٹا چھوڑ کر تو سب مال مولی کے فرزند کا ہے اور ابو یوسف رح نے کہا باپ کے واسطے چھٹا حصہ ہے او ترک جده اے جد مولاه واخاه فهو للجد علی الترتیب المتقدم وقالا بینهما کالمیراث یا غلام آزاد نے اپنے مولی کا دادا اور اس کا بھائی چھوڑا تو تمام مال دادا کا ہے بنا بر اس ترتیب کے جو عصبہ بنفسہ میں مذکور ہو چکی اور صاحبین رح نے کہا کہ دونوں کے مابین میں مال مقسوم ہوگا میراث کے مانند ولیس هنا عصبة بغیره ولا مع غیره لقوله علیه الصلوة والسلام لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن الحدیث اور یہاں یعنی ولاء عتاقت میں عصبہ بغیرہ نہیں اور نہ عصبہ مع غیرہ بدلیل قول آنحضرت علیہ الصلوة والسلام کے کہ عورتوں کو ولاء میں سے کچھ حصہ نہیں مگر اس غلام کا ولاء ہے جس کو

عورتوں نے آپ آزاد کیا الی آخر الحدیث م عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ چونکہ عورتیں ہوتی ہیں لہٰذا وہ ولاء عتاقت میں بموجب حدیث کے بے دخل ہیں اور یہ حدیث ٹکڑا ہے اس حدیث طویل کا جو سراجیہ میں مذکور ہے[1] وھو وان کان فیہ شذوذ لکنہ تاکد بکلام کبار الصحابۃ فصار بمنزلۃ المشہور کما بسطہ السید واقرہ المصنف اور اس حدیث میں اگرچہ شذوذ ہے لیکن وہ متاکد ہو گئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام سے تو وہ حدیث بمنزلہ حدیث مشہور کے ہو گئی چنانچہ سید شریف نے فرائض شریفی میں اس کو مشرح بیان کیا ہے اور مصنف نے اس کو اپنی شرح میں ثابت رکھا ہے

شاذ وہ حدیث ہے جس کو ثقہ راوی اور راویوں کے مخالف روایت کرے تو جس کی روایت میں راوی متفرد ہوا تو اس کو نظر کرنا چاہیے اگر اس کی روایت اس راوی کے مخالف ہو جو اس سے زیادہ تر حافظ اور ضابط ہے تو اس کی روایت شاذ مردود ہے یعنے قبول کرنے کے لائق نہیں ہے اور اگر اس کی روایت ثقات کے مخالف نہیں ہے تو اگر اس راوی کے حفظ اور اتقان پر اعتماد ہے تو وہ مقبول ہے اس کا انفراد صحت حدیث میں قادح نہیں اور اگر اس کے حفظ اور اتقان پر اعتماد نہیں تو اس کی حدیث خارج ہے حدیث صحیح سے اور حدیث مشہورہ وہ ہے جو قرن اول میں آحاد ہو پھر قرن ثانی اور اس کے بعد متواتر ہو گئی ہو اور چونکہ قرن اول یعنی صحابہ کرام ثقات اور عدول ہیں تو ان کی گواہی بمنزلہ متواتر کے حجت ہے خصاف نے کہا کہ مشہور متواتر کی دوسری قسم ہے حضرت فاروق اور مرتضے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ عورتوں کو ولاء میں کچھ نہیں کذا فی الطحاوی ثم شرع فی الحجب فقال **ولا یحرم ستۃ من الورثۃ بحال البتۃ الاب والام والابن والبنت** ای الابوان والولدان **والزوجان** پھر مصنف نے عصبات کے بیان کے بعد حجب کا بیان شروع کیا سو یوں کہا کہ چھ وارث کسی حالت میں محروم میراث سے نہیں ہوتے البتہ یعنے یقیناً باپ اور ماں اور بیٹا اور بیٹی یعنے والدین اور ولدین اور زوج اور زوجہ م باپ کے واسطے یا سدس ہے یا عصوبت ہمیشہ اور ماں کا سدس ہے یا ثلث کل ہے یا ثلث باقی ہمیشہ اور بیٹا تو ہمیشہ عصبہ رہتا ہے اور بیٹی تین حال سے خالی نہیں اس کا یا نصف ہے یا ثلثین یا عصوبت للذکر مثل حظ الانثیین اور زوج کا یا نصف ہے یا ربع ہے ہمیشہ اور زوجہ کا یا ربع ہے یا ثمن ہمیشہ وفریق یرثون بحال ویحجبون حجب الحرمان بحال آخری وہم غیر ہولاء الستۃ سواء کانوا عصبات او ذوی فروض اور ایک فریق وہ ہے جو ایک حال میں تو وارث ہوتے ہیں اور دوسرے حال میں بالکل محجوب ہوتے ہیں اور وہ فریق سوائے ان اشخاص ستہ مذکورین کے ہیں خواہ وہ عصبات ہوں یا ذوی الفروض م عصبات تو جیسے بھائی اور بھتیجے اور ذوی الفروض جیسے سگی اور سوتیلی بہنیں وھو مبنی علی اصلین اور حجب کی بنا دو اصلوں پر ہے یعنے محجوب ہونا پایا جاتا ہے دو قاعدوں کے ہونے سے یا ایک کے ہونے سے تو جن قریبوں میں دونوں اصلیں یا ایک اصل پائی گئی تو وہ قریب محجوب ہوں گے ورنہ وارث ہوں گے احدھما انہ یحجب الاقرب ثم من سواہم الابعد لما مر انہ یقدم الاقرب فالاقرب اتحد فی السبب ام لا ایک اصل یہ ہے کہ ان کے سوائے جو کبھی محروم نہیں ہوتے اور وارثوں میں سے قریب تر بعید تر کو محجوب کر دیتا ہے اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ اقرب فالاقرب مقدم ہوتا ہے خواہ دونوں قرابت والے سبب ارث میں متحد ہوں یا نہ ہوں م یعنے حجب حاصل ہوتا ہے اقرب اور ابعد کے پائے جانے سے تو اقرب ابعد کا حاجب ہوتا ہے چنانچہ عصبات میں مذکور ہو چکا کہ میت کا جزو میت کے اصل کا حاجب ہوتا ہے اور اصل میت اپنے فرع ذاتی کی حاجب ہے اور فرع پدری فرع جدی کی حاجب ہے وعلی ہذا القیاس ذوی الفروض میں اقرب ابعد کا حاجب ہے اتحاد سبب کی مثال چنانچہ جدات مع الام اور بنات الابن مع الصلبیتین اور سوتیلی بہنیں سگی بہنوں کے ساتھ اور عدم اتحاد سبب کی مثال باپ اور بھائی ہے **والثانی ان من ادلی بشخص لا یرث معہ** کابن الابن لا یرث مع الابن اور حجب کی دوسری اصل یہ ہے کہ جس کی قرابت ملتی ہو بواسطہ ایک شخص کے تو وہ وارث نہ ہوگا اس شخص متوسط کے ساتھ چنانچہ پوتا وارث نہیں ہوتا بیٹے کے ساتھ یعنے پوتے کی

---

[1] پوری حدیث سراجیہ میں یوں ہے لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن او کاتبن او کاتب من کاتبن او دبرن او دبر من دبرن او جر ولاء معتقن او معتق معتقن ۱۲

قرابت دادا سے بواسطۂ باپ کے ہے تو پوتا دادا کے مال کا وارث نہ ہوگا باپ کے ہوتے **الا ولد الام فیرث معہا لعدم استغراقہا للترکۃ بجہۃ واحدۃ** مگر مادری بھائی سو ماں کے ساتھ وارث ہوتا ہے اس واسطے کہ ماں تمام متروکہ کو نہیں پاتی ایک جہت سے م یعنے ہر چند میت کی قرابت مادری بھائی سے بواسطۂ ماں کے ہے تو مقتضائے اصل ثانی یہ تھا کہ مادری بھائی ماں کے ساتھ وارث نہ ہوتا مگر اس کی وراثت اس وجہ سے ہوئی کہ ماں سب متروکہ کی مستغرق نہیں ہوتی فقط ایک فرضیت کی جہت سے اور اگر اصحاب فرائض اور عصبات میں سے کوئی باقی نہیں سوائے ماں کے تو اب وہ تمام متروکہ پاوے گی نہ ایک جہت سے بلکہ دو جہت سے فرضاً و رداً **والمحروم کابن کافر وقاتل لا یحجب عندنا اصلا** اور محروم المیراث چنانچہ کافر یا قاتل بیٹا ہمارے نزدیک اصلا حاجب نہیں ہوتا نہ حجب حرمان نہ حجب نقصان م جب محروم میں صلاحیت میراث کی اصلاً نہ رہی تو وہ استحقاق ارث میں میت کے مانند ہو گیا تو اسی طرح حق حجب میں وہ بمنزلۂ میت کے ہے فوات اہلیت کی وجہ سے **ویحجب المحجوب اتفاقا کام الاب تحجب بالاب وتحجب ام الام** اور محجوب حاجب ہوتا ہے باتفاق حنفیہ اور ابن مسعودؓ کے کذا فی شرح السراجیہ چنانچہ دادی محجوب ہوتی ہے باپ کے ہونے سے لیکن محجوب کرتی ہے نانی کی ماں کو **کالاخوۃ والاخوات فانہم یحجبون بالاب حجب حرمان ویحجبون الام من الثلث الی السدس حجب نقصان** اور چنانچہ بھائی اور بہنیں کہ وہ محجوب ہوتی ہیں باپ کے ہونے سے حجب حرمان کر یعنے بالکل محجوب ہو جاتی ہیں اور بھائی بہنیں ماں کی حاجب ہوتی ہیں ثلث سے سدس تک حجب نقصان کر یعنے بالکل حاجب نہیں ہوتی بلکہ حصہ کم کر دیتی ہیں کہ ماں کا تہائی حصہ کم ہو کر چھٹا حصہ ہوتا ہے پہلی مثال حجب حرمان کی ہے اور دوسری حجب نقصان کی **ویختص حجب النقصان بخمسۃ بالام وبنت الابن والاخت لاب والزوجین** اور حجب نقصان پانچ شخصوں کو خاص ہوتا ہے ماں اور پوتی اور سوتیلی بہن اور زوجہ اور زوج کو م ماں تو محجوب ہوتی ہے ثلث سے سدس تک ولد یا ولد الابن کے ہونے سے یا دو بھائی یا دو بہنوں کے ہونے سے اور پوتی محجوب ہوتی ہے بنت صلبی کے ہونے سے نصف سے سدس تک اور سوتیلی بہن محجوب ہوتی ہے سگی بہن کے ہونے سے نصف سے سدس تک اور زوج محجوب ہوتا ہے نصف سے ربع تک اور زوجہ محجوب ہوتی ہے ربع سے ثمن تک ولد یا ولد الابن کے ہونے سے کذا فی الطحطاوی **ویسقط بنو الاعیان وہم الاخوۃ والاخوات لاب وام بثلثۃ بالابن وابنہ وان سفل وبالاب اتفاقا وبالجد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی** اور بنی اعیان یعنے سگے بھائی اور سگی بہنیں ساقط ہو جاتی ہیں تین شخصوں کے ہونے سے ان میں سے ایک بیٹا اور پوتا ہے اگرسافل ہو اور دوسرا باپ ہے باتفاق امام اور صاحبین کے اور تیسرا شخص دادا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک م برادران عینی کا ذکر کرنا حجب کے مناسبت سے ہے اور بعضی مصنفین نے مصنف کے مانند فرض کو اور ان کے مستحقوں کو ذکر کیا اور بعض وارثوں کے سقوط کا حال حجب میں بیان کیا اسی مناسبت کی وجہ سے اور بعضوں نے چنانچہ صاحب سراجیہ نے ہر وارث کے تمام حالات اس کے ذکر کے وقت بیان کر دئے تو باب الحجب میں حالت سقوط کے ذکر کرنے کی کچھ حاجت نہ رہی کیونکہ منجملہ جمیع حالات کے حالت سقوط بھی مقدم ذکر ہو چکی کذا فی الطحطاوی **وقالا یقاسم علی اصول زید ویفتی بالاول وہو السقوط کما ہو مذہب ابی حنیفۃ واصول زید مبسوطۃ فی المطولات** اور صاحبینؒ نے کہا کہ جد سگے بھائیوں سے مقاسمہ کرتا ہے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اصول پر اور فتوے دیا گیا ہے اول قول کا یعنے جد کے ساقط ہونے کا جیسا کہ وہ امام کا مذہب ہے اور اصول زید کے مطولات فقہیہ میں مشرح مذکور ہیں م منح الغفار میں اصول زیدیوں مذکور ہیں کہ جب جد بنی اعیان کے ساتھ مجتمع ہو تو جد ایک بھائی کے برابر ہے ان سے برابر مقاسمہ کرلے گا جب تک مقاسمہ سے جد کا حصہ ثلث سے کم نہ ہو اور اگر ثلث سے کم ہوگا تو اس کے لئے ثلث مفروض ہوگا اور باقی دو تہائیاں بھائیوں میں للذکر مثل حظ الانثیین قسمت ہوں گی چنانچہ اگر ایک بھائی اور جد ہے تو متروکہ ان میں نصفا نصف

ہوگا اس واسطے کہ مقاسمہ جد کے واسطے بہتر ہے اور اگر جد اور دو بھائی ہیں تو ہر ایک کو ثلث مال ملے گا اور اگر جد اور تین بھائی ہیں تو تہائی مال جد کا فرض ہے اور باقی مال بھائیوں میں مقسوم ہوگا اس واسطے کہ اس صورت میں مقاسمہ سے چوتھائی مال جد کو ملتا ہے اور وہ تہائی سے کم ہے اور اگر جد اور بھائیوں کے ساتھ کوئی صاحب فرض ہے تو اس کو فرض دیا جاوے گا پھر تامل کیا جاوے گا کہ جد کے لئے تین حالات سے کون حال بہتر ہے مقاسمہ یا ثلث مابقی یا سدس تو جو ان میں سے اس کے حق میں بہتر ہوگا وہ اس کو دیا جاوے گا اور باقی مال بنی اعیان میں للذکر مثل حظ الانثیین قسمت ہوگا کذا فی الطحطاوی مختصراً وفی الوہبانیہ ــــ وما اسقطا اولاد عین وعلۃ ۔ وقد اسقط النعمان وہو المحرر اور وہبانیہ میں ہے اور صاحبینؒ نے سگے بھائیوں اور سوتیلے بھائیوں کو دادا کے ساتھ ساقط نہیں کیا ہے اور البتہ نعمان بن ثابت یعنی امام اعظمؒ نے ان کو ساقط کیا ہے اور یہی قول امام کا محرر اور معتمد ہے م قولہ وعلۃ کا واؤ بمعنی او ہے یعنے اس واسطے کہ عینی کے بعد علاتی وارث ہوتا ہے نہ اس کے ساتھ وعلیہ الفتوی کما فی الملتقی والسراجیۃ وان قال مصنفہا فی شرحہا علی قولہما الفتوی اور سقوط بنی اعیان میں امام کے قول پر فتوی ہے چنانچہ ملتقی اور سراجیہ میں مذکور ہے اگرچہ سراجیہ کے مصنف نے سراجیہ کی شرح میں کہا ہے کہ صاحبینؒ کے قول پر فتوی ہے **ویسقط بنو العلات** وہم الاخوۃ والاخوات لاب بہم ای ببنی الاعیان ایضاً وبہولا ای بالابن وابنہ وبالاب والجد وکذا بالاخت لابوین اذا صارت عصبۃ کما علمتہ اور بنو العلات یعنے سوتیلے بھائی اور سوتیلی بہنیں ساقط ہو جاتی ہیں سگے بھائیوں سے بھی اور ان شخصوں سے یعنے ولد اور ولد الابن اور باپ اور دادا سے اور اسی طرح ساقط ہوتے ہیں سگی بہن سے جب کہ وہ عصبہ ہو جائے بنت کے ساتھ چنانچہ تو اس کو معلوم کر چکا ہے م چونکہ بنی اعیان قرابت میں اقوی ہیں بنی علات سے لہذا ان کے ہونے سے وہ ساقط ہو جاتے ہیں اور جب کہ سگی بہن بنت کے ساتھ ملی تو وہ عصبہ مع غیرہ ہو گئی تو اگر میت نے بیٹی اور سگی بہن اور سوتیلے بھائی چھوڑے تو بیٹی نصف لے گی باعتبار فرضیت کے اور سگی بہن نصف باقی لے گی باعتبار عصوبت کے اور سوتیلے بھائی ساقط ہو جاویں گے کذا فی الطحطاوی **ویسقط بنو الاخیاف** وہم الاخوۃ والاخوات لام **بالولد وولد الابن** وان سفل **و بالاب** والجد بالاجماع لانہم من قبیل الکلالۃ کما بسطہ السید اور بنی اخیاف یعنی مادری بھائی اور مادری بہنیں ساقط ہو جاتی ہیں ولد اور ولد الابن سے اگرچہ وہ سافل ہو اور باپ اور دادا سے باتفاق امامؒ اور صاحبینؒ کے اس واسطے کہ مادری اولاد من قبیل کلالہ ہیں یعنے ضعیف القرابت ہیں چنانچہ سید شریف نے فرائض شریفی میں اس کو مشرح بیان کیا ہے م بالاجماع جد سے مرتبط ہے یعنے برخلاف بنی اعیان اور بنی علات کے کہ وہ فقط امامؒ کے قول پر جد کے ساتھ ساقط ہوتے ہیں نہ صاحبینؒ کے قول پر **وتسقط الجدات** مطلقاً ابویات ام امیات **بالام** اور ماں کے ہونے سے ساقط ہوتی ہیں جدات مطلقاً خواہ پدری جدہ ہوں یا مادری یعنی دادیاں اور نانیاں ماں سے ساقط ہو جاتی ہیں **والابویات بالاب** اور جدات پدری یعنی دادیاں باپ کے ہونے سے ساقط ہو جاتی ہیں وکذا بالجد الا ام الاب وان علت فانہا ترث مع الجد لانہا لیست من قبلہ بل ہی زوجتہ فکانا کالابوین اور اسی طرح سے جدات ساقط ہو جاتی ہیں دادا کے ہونے سے مگر باپ کی ماں اگرچہ عالی ہو چنانچہ باپ کی نانی ساقط نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ وارث ہوتی ہے جد کے ساتھ اس واسطے کہ باپ کی ماں کی قرابت دادا کی جہت سے نہیں بلکہ وہ جدہ زوجہ ہے جد کی تو وہ دونوں ماں باپ کے مانند ہوئے اصلی قرابت میں یعنی تو جیسے والدین وارث ہوتے ہیں ویسے ہی جد اور جدہ وارث ہوں گے **وتحجب القربی** من ای جہۃ کانت **البعدی** کذلک وارثۃ کانت القربی ام محجوبۃ کما قدمناہ اور جدہ قریبہ کسی جہت سے ہو یعنی خواہ ماں کی جہت سے ہو خواہ باپ کی جہت سے وہ جدہ بعیدہ اسی طرح ہر جہت والی کو محجوب کرتی ہے خواہ قریبہ وارث ہو یا وارث نہ ہو چنانچہ ہم نے اس کو مقدم بیان کیا ہے تحجب المحجوب کی شرح میں م تو چار صورتوں میں حجب حاصل ہوتا ہے ایک یہ ہے کہ جدہ قریبہ مادری جدہ بعیدہ مادری کو محجوب کرتی ہے دوسرے یہ کہ جدہ قریبہ پدری

جدہ بعیدہ پدری کو محجوب کرتی ہے تیسرے یہ کہ جدہ قریبہ پدری جدہ بعیدہ پدری کو محجوب کرتی ہے چوتھے یہ کہ جدہ قریبہ پدری جدہ بعیدہ مادری کو محجوب کرتی ہے واذا اجتمعا کانت احدٰہما ذات قرابۃ واحدۃ کام الاب کذافی نسخ المتن والشروح والصواب الموافق للسراجیۃ وغیرہا کام ام الاب وقد تقدم ان القربی تحجب البعدی مطلقا فانم والاخری ذات قرابتین اواکثر کام ام الام وہی ایضا ام ابلاب بہذۃ الصورۃ

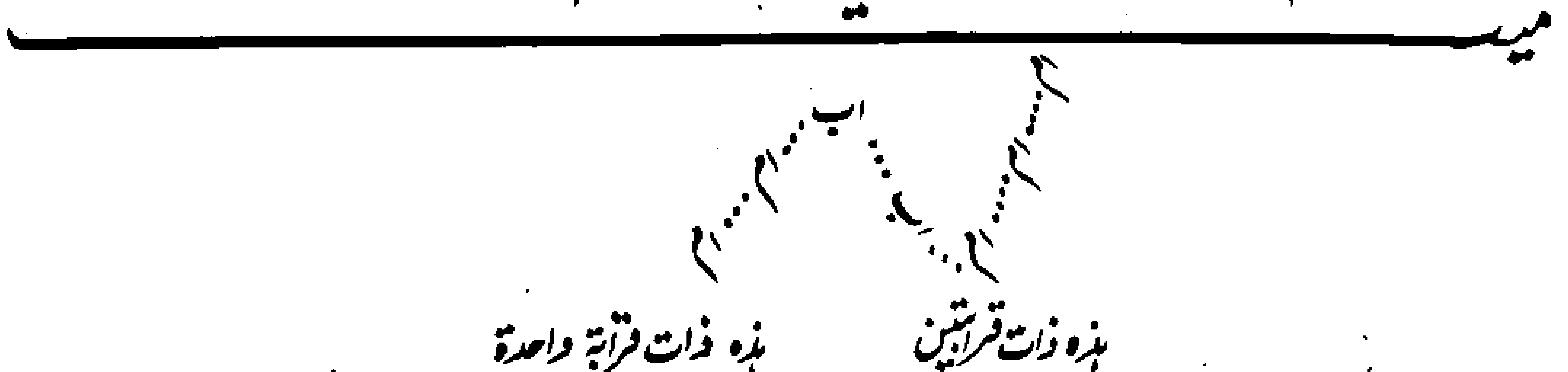

اور جب کہ میت کی دو جدہ جمع ہوں اور ایک جدہ ایک قرابت والی ہو چنانچہ باپ کی ماں کی ماں یعنے باپ کی نانی اور دوسری جدہ دو قرابت یا زیادہ قرابت والی ہے چنانچہ ماں کی نانی اور وہ باپ کی بھی دادی ہے۔ صورت اس کی یہ ہے

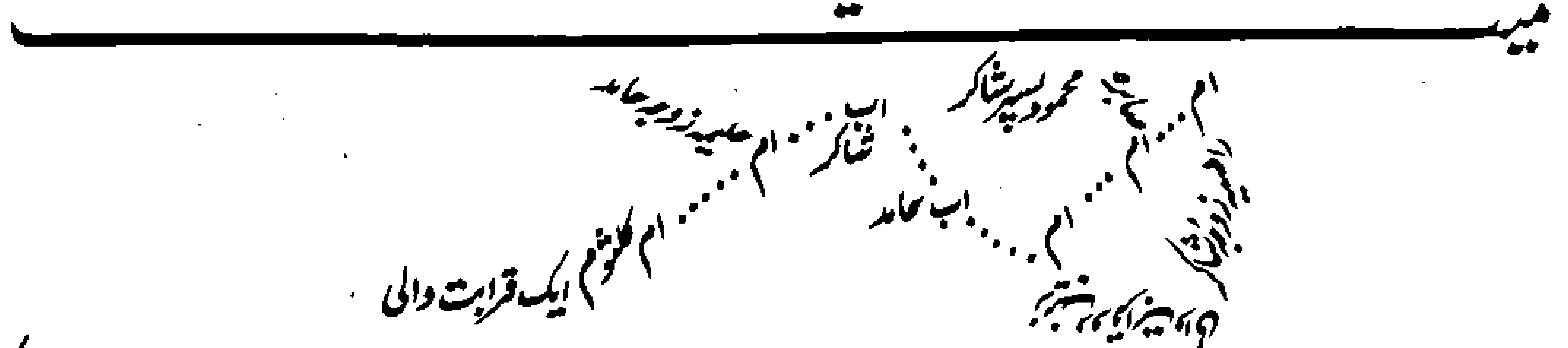

شارح نے کہا متن اور شرح کے نسخوں میں اسی طرح کام للاب مذکور ہے اور درست مثال سراجیہ وغیرہ کے موافق کام ام الاب ہے اور عنقریب مذکور ہو چکا ہے کہ جدہ قریبہ جدہ بعیدہ کو محجوب کرتی ہے مطلقاً تو بوجہ لے اس خطائے مصنف کو ثم شارح نے اس کلام سے اشارہ کیا کہ اگر متن کو صحیح جانیئے تو ایک قرابت والی بسبب اپنے قرب کے دو قرابت والی کی حاجب ہو اُس کے بعید ہونے کی وجہ سے یعنے متن میں دو خلل ہیں ایک یہ ہے کہ سراجیہ اور عالمگیری وغیرہما کے مخالف ہے دوسرا خلل یہ ہے کہ لازم آتا ہے بموجب قاعدۂ گذشتہ کے کہ قریبہ بعیدہ کی حاجب ہو اور حالانکہ یہاں وہ صورت مفروض ہے کہ دونوں جدہ وارث ہیں چنانچہ بعد اس کے معلوم ہوگا لہٰذا مترجم نے متن کے موافق ام الاب کا ترجمہ نہ کیا بلکہ ام ام الاب کا ترجمہ کیا وتوضیحہا ان امرأۃ زوجت ابن ابنہا بنت بنتہا فولد بینہما ولد فہذہ المرأۃ جدتہ لابویہ اور جدہ ذات القرابتین کی توضیح یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے ابن الابن یعنے پوتے کا نکاح کیا اپنی ناتن سے تو ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو یہ عورت اُس لڑکے کی والدین کی جدہ ہے یعنی اس کے باپ کی دادی اور ماں کی نانی ہے م اور یہاں ایک اور دوسری عورت ہے جس نے اپنی بنت کا پہلی عورت کے ابن سے نکاح کیا سو اس کی بنت سے پہلی عورت کا پوتا پیدا ہوا جو باپ ہے میت کا تو یہ دوسری عورت میت کے باپ کی نانی ہے تو یہ عورت ایک قرابت والی جدہ ہے توجب کہ یہ دونوں جدہ مجتمع ہوئیں تو دو قرابت والی جدہ اور ایک قرابت والی جدہ پائی گئی کذافی الفرائض الشریفی اور اس مسئلہ کی توضیح التوضیح یہ ہے کہ مثلاً دو عورتیں ہیں زینب اور کلثوم زینب نے اپنے ابن الابن یعنے شاکر بن حامد بن زینب

اپنی ناتن یعنے راضیہ بنت صابرہ بنت زینب سے نکاح کر دیا اُن سے محمود پیدا ہوا تو زینب محمود کی دو قرابت والی جدہ ہے یعنی اس کے پ کی دادی ہے اور اس کی ماں کی نانی اور مسماۃ کلثوم نے اپنی بیٹی یعنے حلیمہ بنت کلثوم کا حامد بن زید سے نکاح کر دیا ان سے شاکر زینب شاکر پوتا پیدا ہوا تو کلثوم محمود سے فقط ایک قرابت رکھتی ہے کہ اس کے باپ کی یعنے شاکر کی نانی ہے اور تین قرابت والی جدہ کی مثال یہ ہے کہ زینب مذکورہ کی ایک بیٹی اور ہے جس کا نام سلیمہ ہے سو زینب نے سلیمہ کی ناتن یعنی عظیمہ بنت کریمہ بنت سلیمہ کا محمود مذکور سے نکاح کر دیا اس ے قاسم پیدا ہوا تو زینب قاسم کی نانی کی یعنی کریمہ کی نانی ہوئی اور قاسم کے دادا کی یعنے حامد کی دادی ہوئی اور قاسم کی دادی یعنے راضیہ کی نی ہوئی تو زینب قاسم کی جدہ ٹھہری تین طرح کی قرابت سے اور کلثوم مسطورہ فقط ایک قرابت رکھتی ہے یعنے قاسم کے دادا یعنے شاکر کی نانی ے **قسم محمد السدس بینهما اثلاثا باعتبار الجہات** محمد بن حسن نے سدس کو دونوں جدہ کے مابین تین تہائی کر کے تقسیم کیا ہے باعتبار جہات قرابت ے م یعنی ایک قرابت والی جدہ کو سدس کی ایک تہائی دے اور دو تہائی والی جدہ کو دو تہائیاں سدس دیں اس وجہ سے کہ میراث کا استحقاق وتا ہے جہات قرابت کے اعتبار سے تو جس میں ایک قرابت کی جہت ہوئی اس کو ایک حصہ دیا اور جس میں دو جہتیں قرابت کی متفق اور مجتمع ہوئیں صورت میں وہ ایک ہے اور حقیقت میں متعدد ہے تو اس کو دو حصے دئیے کیونکہ وہ مستحق میراث کی ہے دو جہت سے **ساتھی وبہما ای** وحنیفۃ وابو یوسف رح **انصافا باعتبار الابدان وبہ قال مالک والشافعی وبہ جزم فی الکنز فقال وذات جہتین کذات جہت** اور امام ابوحنیفہ رح ور ابو یوسف رح نے نصفا نصف قسمت کی ہے باعتبار ابدان کے اور یہی قول ہے امام مالک رح اور امام شافعی رح کا اور اسی قول پر یقین کیا ہے کنز میں سو کنز ں یوں کہا ہے کہ دو جہت والی جدہ ایک جہت والی کے برابر ہے م قول شیخین کی وجہ یہ ہے کہ اگر جہت کی تعداد کے ساتھ نام کا بھی تعدد ہو تو البتہ ستحقاق میراث کا بھی متعدد ہوگا اور نام متعدد نہیں تو جہت کا تعدد جہت واحدہ کے مانند ہے اور یہاں اسی طرح ہے کہ دو قرابت والی کو بھی جدہ ہتے ہیں ایک قرابت والی کے مانند اور اگر تین قرابت والی جدہ مجتمع ہو گی ایک قرابت والی کے ساتھ تو شیخین کے نزدیک ان میں بھی سدس نصفا صف تقسیم ہوگا اور محمد رح کے نزدیک سدس کے چار حصے ہوں گے ایک حصہ ایک قرابت والی کو اور تین حصے تین قرابت والی کو ملیں گے طحطاوی نے کہا ر فتوی شیخین کے قول پر ہے سراجیہ میں ابو یوسف رح کے ساتھ امام ابوحنیفہ رح کو ذکر نہیں کیا ہے اور اس کی شرح فرائض شریفی میں ہے کہ سرخسی نے کہا کرام رح سے تعدد قرابت احدی الجدتین میں کچھ روایت نہیں ہے لیکن حسن بن عبد الرحمن بن عبد الرزاق شاشی شافعی المذہب کے فرائض میں یوں ذکور ہے کہ ابوحنیفہ رح اور مالک رح اور شافعی کا قول ابو یوسف رح کے قول کے مانند ہے انتہی **واذا استکمل البنات والاخوات لابوین فرضہن وہو الثلثان سقط بنات الابن وسقط الاخوات لاب ایضا الا بتعصیب ابن ابن فی الصورۃ الاولی او اخ فی الثانیۃ مواز مساو او نازل** ای سافل فحینئذ یعصبہن ویکون الباقی للذکر کالانثیین قالہ المصنف فی شرحہ اور جب کہ بیٹیاں اور سگی بہنیں اپنا فرض حصہ یعنی دو تہائیاں پورا بھر لیں تو پوتیاں ساقط ہو جاویں گی اور سوتیلی بہنیں بھی ساقط ہوں گی مگر ابن الابن کے عصبہ کر دینے سے پہلی صورت میں اور بھائی کے عصبہ کر دینے سے دوسری صورت میں بشرطیکہ ابن الابن یا بھائی بنات یا اخوات کے برابر ہو درجہ میں یا نازل یعنے نیچے درجہ والا ہو تو اس وقت میں ابن الابن بنات کو اور سوتیلا بھائی اپنی بہنوں کو عصبہ کر دے گا تو بعد ثلثین فرض کے باقی مال للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگا ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں م بنات کا حق کامل ثلثین اس واسطے ہوا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بنات کا حق ثلثین سے زیادہ نہیں ہوتا اور اخوات کا حق تو اخیر سورۂ نساء میں مذکور ہے قلت وفی الاطلاق نظر ظاہرۃ لتصریحہم بان ابن الاخ لا یعصب اختہ کالعم لا یعصب اختہ وابن العم لا یعصب اختہ وابن المعتق لا یعصب اختہ بل المال للذکر دون الانثی لانہا من ذوی الارحام قال فی السراجیۃ سہ ولیس ابن الاخ بالمعصب ۔

من مثلہ او فوقہ فی النسب * شارح نے کہا میں کہتا ہوں کہ مصنف کے مطلق بولنے میں ظاہر اعتراض ہے علما کی اس تصریح کی دلیل سے کہ الاخ یعنے بھتیجا اپنی بہن کو عصبہ نہیں کر دیتا اور چچا اپنی بہن کو عصبہ نہیں کرتا اور چچا کا بیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں کرتا اور آزاد کرنے والے کا بیٹا اپنی کو عصبہ نہیں کرتا بلکہ تمام مال ان صورتوں میں مرد کا ہوتا ہے نہ عورت کا اس واسطے کہ عورت ان چاروں صورتوں میں ذوی الارحام سے ہے میں کہا ہے کہ بھتیجا عصبہ کر دینے والا نہیں ہے اپنے برابر والی کو یعنے بہن کو یا اوپر والی کو نسب میں یعنے عمہ کو م صور مذکورہ میں عدم تعصیب کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت عصبہ ہو جاتی ہے اپنے بھائی کے ساتھ جو صاحب فرض ہو تنہائی کی حالت میں اور جو عورت کہ صاحب فرض نہ ہو چنا مسئلہ مذکورہ میں تو اُس کا بھائی اُس کو عصبہ نہیں کرتا اور شارح کے اعتراض کا یوں جواب ممکن ہے کہ مصنف کی عبارت میں موازی یا نازل فق ابن الابن کی صفت ہے نہ اخ کی جو اعتراض مذکور وارد ہو اور قولہ او اخ مضاف پر معطوف ہے تو اب موازی یا نازل اس کی صفت بنی پڑ سکتا ہاں یہ البتہ ہے کہ تقدیم صفت کی قبل از معطوف النسب نتھی کذا فی الطحطاوی ملخصاً * تیصرف بخلاف ابن الابن وان سفل فانہ یعصب مث او فوقہ ممن لم تکن ذات سہم ویسقط من دونہ * برخلاف ابن الابن کے یعنے پوتا اگرچہ سافل درجہ کا ہو اس واسطے کہ وہ عصبہ کر دیتا ہے اپنے برا والی کو یعنے بہن کو یا اوپر والی کو یعنے عمہ کو بشرطیکہ وہ فرض والی نہ ہو اور وہ ساقط کر دیتا ہے ان عورتوں کو جو اس سے نیچے درجے والیا ہیں م یعنی اگر عمہ صاحب فرض ہے تو اپنا فرض حصہ پاوے گی اس کا بھتیجا اُس کو عصبہ نہیں کرے گا اور جو بنات کہ ابن الابن سے مدرجے میں نیچ ہوں گی وہ ساقط ہو جاویں گی چنانچہ اگلی مثال میں واضح ہو گا فلو ترک ثلث بنات ابن بعضہن اسفل من بعض وثلث بنات ابن ابن آخر کذلک و ثلث بنات ابن ابن ابن کذلک بہذہ الصورۃ

میت

	الفریق الاول		الفریق الثانی		الفریق الثالث
	ابن		ابن		ابن
			ابن		ابن
علیا	ابن وبنت	علیا	ابن وبنت		ابن
وسطی	ابن وبنت	وسطی	ابن وبنت	علیا	ابن وبنت
سفلی	ابن وبنت	سفلی	ابن وبنت	وسطی	ابن وبنت
				سفلی	ابن وبنت

سو اگر میت نے اپنی تین پوتیاں چھوڑیں اس طرح کہ ایک دوسری سے نیچے درجے والی ہے اور دوسرے فرزند کی پوتیاں تین چھوڑیں اسی طرح درجہ بدرجہ کمتر اور اپنے تیسرے فرزند کی تین پوتیاں اسی طرح درجہ بدرجہ کمتر چھوڑیں چنانچہ شارح کی تمثیل سے اگر تامل کریں تو واضح ہوتا ہے م توضیح اس کی یہ ہے کہ میت نے پہلا بیٹا چھوڑا پھر اس کے بیٹے نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی کو چھوڑا پھر اس کی بیٹی نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی کو اسی طرح میت کے دوسرے فرزند نے ایک بیٹا چھوڑا پھر اس کے فرزند نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی کو چھوڑا علی ہذا القیاس تین بار پھر میت کے پروتے نے اسی طرح علی الترتیب ایک بیٹا اور بیٹی کو چھوڑا تین بار پھر سب مرد مر گئے تمام طبقات کے اور نو لڑکیاں ان کی باقی رہیں الا میت جد اعلیٰ ہے اور اس مسئلہ کو مسئلہ تشبیب کہتے ہیں کذا فی الطحطاوی ملخصاً فالعلیا من الفریق الاول لا یوازیہا احد فلہا النصف ۲ ۱ ومن صورہ

توفریق اول کی اونچی پوتی کے برابر کوئی عورت نہیں تو جداعلیٰ کے متروکہ سے اس کو نصف ترکہ ملے گا م چونکہ اس میں اور میت میں ایک واسطہ ہے برخلاف اور بنات کے لہذا اس کے برابر میں کوئی عورت نہیں تو وہ نصف لے گی کیونکہ وہ قائم مقام ہے بنت صلبی کے والوسطیٰ من الفریق الاول توازیہا العلیا من الفریق الثانی فیکون لہما السدس تکملۃ للثلثین اور فریق اول کے درمیان والی پوتی کے برابر فریق ثانی کی اونچی پوتی ہے تو ان دونوں کو سدس ملے گا ثلثین کے پورا کرنے کے واسطے م یہ دونوں پوتیاں اس واسطے ہمدرجہ ہوئیں کہ میت میں اور ان میں دو دو واسطے ہیں ان کو سدس اس واسطے ملا کہ فریق اول کی اونچی پوتی نصف پاچکی تو ثلثین میں باقی جو رہا تھا وہ ان کو ملا تاکہ دوتہائیاں پوری ہوجاویں ولاشئ للسفلیات اور کچھ نہیں ہے نیچی پوتیوں کے واسطے م نو پوتیوں میں سے تین پوتیوں نے دوتہائیاں پائیں اب باقی چھ سفلیات پوتیوں کو کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ بنات کا حق دوتہائیوں سے زیادہ فرض نہیں ہے اور عصوبت ان کی قطعاً ثابت نہیں تو اصلاً ان کو میراث نہ ملے گی کذا فی الفرائض لشریفی الا ان یکون مع واحدۃ منہن غلام فیعصبہا ومن یحاذیہا من فوقہا ممن لاتکون صاحبۃ فرض وسقط السفلیات سفلیات کے لئے کچھ نہیں مگر یہ کہ سفلیات میں سے کسی کے ساتھ بھائی ہو تو بھائی اُس بہن کو اور اس کی برابر والی ہمدرجہ کو اور اُس کے اوپر والے کو جو صاحب فرض نہیں ہے عصبہ کردے گا اور باقی سفلیات ساقط ہوجاویں گی م تو اگر بھائی فریق اول کے سفلی کے ساتھ ہو تو فریق اول کی علیا نصف لے گی اور فریق اول کی وسطی اور فریق ثانی کی علیا سدس پاویں گی اور باقی ثلث فریق اول کے سفلی اور اس کے بھائی اور فریق ثانی کی وسطی اور فریق ثالث کی علیا میں للذکر مثل حظ الانثیین پانچ حصے ہوکر تقسیم ہوگا اور فریق ثانی کی سفلی اور ثالث کی وسطی اور سفلی ساقط ہوں گی اور اگر بھائی فریق ثانی کے سفلی کے ساتھ ہو تو باقی ثلث اس میں اور فریق اول کی سفلی اور فریق ثانی کی وسطی اور ثالث کی علیا اور وسطی ہیں اور فریق ثانی کی سفلی میں سات حصے ہوکر تقسیم ہوگا للذکر مثل حظ الانثیین اور فریق ثالث کی سفلی ساقط ہوگی اور اگر بھائی فریق ثالث کی سفلی کے ساتھ ہو تو باقی ثلث اس میں اور چھ سفلیات میں آٹھ حصے ہوکر قسمت ہوگا اور اگر بھائی فریق اول کے علیا کے ساتھ مفروض ہو تو تمام مال اس میں اور اس کی بہن میں تین حصے ہوکر تقسیم ہوگا دو حصے بھائی کے اور ایک حصہ بہن کا اور آٹھ سفلیات کو کچھ نہ ملے گا اور اگر بھائی سدس والیوں کے ساتھ ہو تو فریق اول کی علیا نصف لے گی اور باقی اُس میں اور فریق اول کے وسطی اور فریق ثانی کی علیا میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگا اور باقی چھ سفلیات ساقط ہوجاویں گی کذا فی الطحطاوی والشریفی ویاخذ ابن عم کذا فی نسخ المتن والشرح وعبارۃ السید وغیرہ ویاخذ احد ابنی عم ہو اخ لام السدس بالفرض شارح نے کہا متن اور شرح مصنف کے نسخوں میں اسی طرح ویاخذ ابن عم مرقوم ہے اور سید وغیرہ کی عبارت یاخذ احد ابنی عم ہے یعنے دو چچیرے بھائیوں میں جو اخیافی بھائی ہے میت کا وہ چھٹا حصہ لے گا فرضیت کی راہ سے م صورت اُس کی یہ ہے کہ دو بھائی ہیں ہر ایک نے ایک ایک عورت سے نکاح کیا ایک بھائی کا بیٹا مثلاً حامد پیدا ہوا اور دوسرے کا محمود پھر ایک بھائی نے اپنی زوجہ کو طلاق دی یا کہ وہ مرگیا اور دوسرے بھائی باقی نے اُس عورت سے نکاح کیا اس سے دوسرا بیٹا اُس کا حمید نام پیدا ہوا پھر حامد یا محمود اپنا پہلا چچیرا بھائی اور دوسرا چچیرا بھائی جو اُس کا اخیافی بھائی ہے چھوڑ کر مرگیا تو حمید حامد یا محمود کی میراث سے سدس حصہ بطریق فرضیت کے لے گا کذا فی الطحطاوی تبصرف وکذا لوکان الاٰخر زوجہا فلہ النصف اور اسی طرح اگر دوسرا چچیرا بھائی زوج ہو چچیری بہن کا تو اس کو نصف حصہ ملے گا فرضیت کے اعتبار سے ویقتسمان الباقی بینہما نصفین بالعصوبۃ حیث لامانع من ارثہ بہا فیرث بجہتی فرض وتعصیب اور دونوں چچیرے بھائی

پچھلا صفحہ لہ تشبیب شعرا کی اصطلاح میں ان اشعار قصیدہ کو کہتے ہیں جن میں ذکر عورتوں کا ہو اکثر ان کو شروع قصیدہ میں لاتے ہیں تاکہ لوگوں کو میل سننے کا زیادہ ہو تو چونکہ اس مسئلہ میں بھی عورتوں کی کثرت ہے اور مسئلہ دقیق اور حسین ہے اس لئے تشبیب نام رکھا گیا ۱۲

لہ یعنے اول کے سفلی اور دوم کے وسطی اور سفلی اور تین فریق سوم کے ۱۲

باقی مال کو آپس میں نصفا نصف بانٹ لیں گے عصوبت کی راہ سے کیونکہ کوئی مانع نہیں اس کی میراث سے فرض اور عصوبت کی دونوں جہتوں سے تو اخیافی بھائی وارث ہوگا فرض اور عصوبت کی دونوں جہتوں سے م پہلی صورت میں باقی مال پانچ سدس ہیں اور دوسری صورت میں نصف ہے اور اگر زوجہ کا مثلاً بیٹا ہو تو وہ ابن العم کا حاجب ہوگا ابن العم ہونے کی وجہ سے نہ زوجیت کی وجہ سے اور اخیافیت کی وجہ سے بھی بیٹا حاجب ہوگا کذا فی الطحطاوی واما بفرض وتعصیب معا بجهة واحدة فلیس الا الاب والجد اور فرض اور تعصیب کا ساتھی ہونا ایک ہی جہت سے یہ تو پایا نہیں جاتا کسی وارث میں سوائے باپ اور دادا کے م جہت واحدہ یہاں ابوت ہے یعنی باپ ہونا یا دادا ہونا قلت وقد یجتمع جہتا تعصیب کابن ہو ابن ابن عم بان ینکح ابن عمہا فتلد ابنا میں کہتا ہوں اور گاہے عصوبت کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں چنانچہ بیٹا وہی چچا کا پوتا ہو اس طرح سے کہ عورت نے اپنے چچا کے فرزند سے نکاح کیا پھر وہ بیٹا جنی م تو وہ بیٹا ہونے کی جہت سے بھی عصبہ ہے اور چچا کا پوتا ہونے کی جہت سے بھی عصبہ ہے لیکن اس مثال میں خلل یہ ہے کہ یہاں میراث وہ لے گا فقط فرزندی کی جہت سے نہ چچا کا پوتا ہونے کی وجہ سے اس واسطے کہ فرزندی کی جہت مقدم ہے مگر اس کا یوں جواب دیا جائے کہ اجتماع جہتین یہاں مراد ہے قطع نظر میراث سے کذا فی الطحطاوی وکابن ہو معتق اور چنانچہ بیٹا وہی آزاد کرنے والا ہو م صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کو خرید کیا سو باپ آزاد ہو گیا بمجرد خریداری کے تو بیٹا عصبہ ہے فرزندی کی جہت سے اور اعتاق کی جہت سے بھی وقد یجتمع جہتا فرض وانما یتصور فی المجوس لنکاحهم المحارم ویتوارثون بهما جمیعا عندنا وعند الشافعی باقوی الجہتین وتمامہ فی کتب الفرائض وتاتی الاشارۃ الیہ فی الغرقی اور کبھی جمع ہو جاتی ہیں فرض کی دو جہتیں اور یہ متصور نہیں مگر مجوسیوں میں اس واسطے کہ وہ ملعون اپنی محرم عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں اور باہم وارث ہوں گے دونوں جہت سے ساتھ ہی ہمارے نزدیک اور امام شافعیؒ کے نزدیک قوی ترجہت سے وارث ہوں گے اور اس کا پورا بیان علم فرائض کی کتابوں میں مذکور ہے اور اس کی طرف غریقوں کی فصل میں اشارہ آوے گا مثلاً مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا اور لڑکا پیدا ہوا تو یہ لڑکا فرزند ہے اس عورت کا اور بھائی بھی ہے پھر اگر وہ مر گیا تو اس نے اپنی ماں اور بہن کو چھوڑا تو وہ اس کی وارث ہوگی دونوں جہت سے ماں ہونے کی جہت سے بھی اور بہن ہونے کی جہت سے بھی ولو ترکت زوجا واما او جدۃ واخوۃ لام واخوۃ لابوین اخذ الزوج النصف والام او الجدۃ السدس وولد الام الثلث ولا شیء للاخوۃ لابوین لانہم عصبۃ ولم یبق لہم شیء اور اگر ایک عورت نے زوج اور ماں یا دادی کو اور اخیافی بھائیوں اور سگے بھائیوں کو چھوڑا تو زوج نصف متروکہ لے گا اور ماں یا دادی چھٹا حصہ اور اخیافی بھائی تہائی لیں گے اور سگے بھائیوں کے واسطے کچھ نہیں اس واسطے کہ سگے بھائی عصبہ ہیں اور ان کے واسطے کچھ باقی نہیں رہا یعنی عصبات وارث ہوتے ہیں اس مال کے جو اصحاب الفروض سے باقی رہے سو یہاں اہل فروض سے کچھ باقی نہیں رہا وعند مالک والشافعی یشترک بین الصنفین الآخرین کان الکل اولاد ام اور مالک اور شافعیؒ کے نزدیک پچھلی دونوں قسموں میں یعنی اخیافی اور سگے بھائیوں میں اشتراک کا حکم ہوگا گویا کہ وہ سب اخیافی بھائی ہیں م اس مسئلہ کا نام مشترکہ بفتح راء مہملہ ہے چنانچہ ابن صلاح اور نووی نے اس کو ضبط کیا ہے اور بعضوں نے اس کو بکسر راء مہملہ بھی کہا ہے اور اس مسئلہ کو مشترکہ اور حماریہ اور حجریہ اور یمیہ بھی کہتے ہیں کذا فی الطحطاوی مختصراً وکذلک یفرض مالک والشافعی للاخت لابوین او لاب النصف وللجد السدس مع زوج وام فتعول الی تسعة اور اسی طرح امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سگی بہن یا سوتیلی بہن کے واسطے نصف کو فرض کہتے ہیں اور دادا کے واسطے چھٹا حصہ زوج اور ماں کے ساتھ تو یہ مسئلہ عول کرے گا نو سہم کی طرف م اس مسئلہ کو اکدریہ کہتے ہیں توضیح اس کی یہ ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سگی بہن یا سوتیلی بہن کو دادا کے ساتھ صاحب فرض نہیں کہتے بلکہ اس کو دادا کے ساتھ عصبہ کہتے ہیں مگر مسئلہ اکدریہ میں اس کو دادا کے ساتھ صاحب فرض کہتے ہیں صورت اکدریہ کی یہ ہے کہ زوج ہے اور ماں اور دادا اور سگی بہن یا سوتیلی بہن تو ازدواج کے

واسطے نصف ہے اور ماں کے واسطے ثلث اور دادا کے واسطے سدس اور بہن کے واسطے نصف پھر دادا اور بہن کا حصہ ملا کر بانٹا[1] جاتا ہے للذکر مثل حظ الانثیین اس واسطے کہ مقاسمہ دادا کے واسطے بہتر ہے سدس اور ثلث باقی سے اور اس مسئلہ کی اصل چھ سہم سے ہے لیکن عول کرتا ہے نو سہم کی طرف تو چھ سہم سے تین سہم زوج کے اور ماں کے دو سہم اور دادا کا ایک سہم تو بہن کے واسطے کچھ نہ رہا تو اصل مسئلہ پر تین[2] سہم کو زیادہ کیا نو سہم ہو گئے دادا کا ایک سہم اور بہن کے تین سہم مجموع دونوں حصوں کا چار سہم ہوئے ان کو دادا اور بہن پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کیا چونکہ تقسیم چار سہم کی تین حصوں پر مستقیم نہیں لہٰذا تین کو نو سے ضرب کیا تو حاصل ہوئے ۲۷۔ اس میں سے زوج کے نو سہم اور ماں کے چھ سہم اور دادا کے تین سہم اور بہن کے نو سہم پھر دادا کا حصہ بہن کے حصہ کے ساتھ ملایا تو بارہ سہم ہوئے سو ان کو دونوں میں للذکر مثل حظ الانثیین قسمت کیا تو دادا کو آٹھ سہم ملے اور بہن کو چار تو زید رضی اللہ عنہ نے بہن کو ابتدا میں صاحب فرض قرار دیا تاکہ وہ میراث سے محروم نہ رہے اور انتہا میں اس کو عصبہ کر دیا تاکہ اس کا حصہ دادا کے حصہ سے زیادہ نہ ہو جاوے اور اس مسئلہ کو اکدریہ کہتے ہیں اس واسطے کہ بنی اکدر کی ایک عورت کا یہ واقعہ ہے یعنی بنی اکدر کی قوم کی ایک عورت مر گئی زوج اور ماں اور دادا اور سگی یا سوتیلی بہن چھوڑ کر تو زید بن ثابتؓ پر ان کا مذہب اس مسئلہ میں مشتبہ اور مکدر ہو گیا کذا فی السراجیہ وشرحہا الشریفی ملتقطا وعند ابی حنیفۃؒ واحمد تسقط الاخت اور مسئلہ مذکورہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بہن ساقط ہو جاتی ہے م تو امامؒ کے نزدیک اصل مسئلہ چھ سہم سے ہے تین سہم زوج کے اور دو سہم ماں کے اور ایک سہم یعنی سدس دادا کا اور بہن محروم ہے دادا کے حاجب ہونے سے باپ کے مانند قلت وحاصلہ انہ لیس عند الحنفیۃ مسئلۃ المشترکۃ اتفاقا ولا مسئلۃ الاکدریۃ علی المفتی بہ کما مر میں کہتا ہوں اور حاصل کلام کا یہ ہے کہ حنفیوں کے نزدیک مشترکہ کا مسئلہ باتفاق امامؒ صاحبینؒ کے ثابت نہیں اور نہ اکدریہ کا مسئلہ ثابت ہے امامؒ کے قول مفتی بہ پر چنانچہ مذکور ہو چکا اسی باب میں عند قولہٖ ویسقط بنو الاعیان بالابن والاب والجد م امامؒ کے نزدیک دادا باپ کے برابر ہے تو بہن کا حاجب ہوگا باپ کے مانند اور صاحبینؒ کے نزدیک دادا باپ کے برابر نہیں ہر حال میں تو صاحبینؒ کے قول پر مسئلہ اکدریہ ثابت ہوگا کذا فی الطحطاوی

باب العول

یہ باب ہے عول کے مسائل میں م عول بفتح اول وسکون ثانی لغت میں بمعنی جور و غلبہ و رفع و زیادت کے مستعمل ہے لیکن معنی آخیر مناسب تر ہے معنی اصطلاحی سے اس واسطے کہ جب مسئلہ تنگ ہو گیا فروض مجتمعہ سے تو ترکہ کو اکثر عدد کی طرف مرتفع اور زیادہ کر دیا اس کے مخرج سے تاکہ جمیع ورثہ کے فرائض میں نقصان داخل ہو جائے وضدہ الرد کما سیجیٔ اور عول کے مخالف رد ہے چنانچہ اس کا بیان آگے آوے گا م اس واسطے کہ عول سے ذوی الفروض کے سہام گھٹ جاتے ہیں اور اصل مسئلہ بڑھ جاتا ہے اور رد سے سہام بڑھ جاتے ہیں اور اصل مسئلہ گھٹ جاتا ہے یا یوں تقریر کیجیے کہ عول میں سہام فاضل ہو جاتے ہیں مخرج پر اور رد میں مخرج فاضل ہو جاتا ہے سہام پر کذا فی الطحطاوی ہو زیادۃ السہام اذا کثرت الفروض علی مخرج الفریضۃ لیدخل النقص علی کل منہم بقدر فرضہ کنقص ارباب الدیون بالمحاصۃ م عول اصطلاح میں عبارت ہے سہام ورثہ کے زیادہ کر دینے سے جب کہ فروض زیادہ ہو جاویں فریضہ کے مخرج پر تاکہ نقصان اور کمی داخل ہو ہر وارث پر بقدر اس کے فرض حصے کے جیسے نقصان داخل ہوتا ہے ارباب دیون پر بسبب محاصہ کے یعنے ہر دائن اپنا حصہ ناقص پاتا ہے علی قدر حصہ متروکہ سے تنگی کے سبب سے یعنے جیسے میت مدیون کے متروکہ میں ارباب دیون حصہ رسد اور داما ساہی پاتے ہیں م الحاصل کہ عول اس سے عبارت ہے کہ جب مخرج ادائے فروض سے تنگی کرے تو مخرج پر کچھ اس کے اجزا سے زیادہ کیا جاوے

---

[1] یعنے اس وجہ سے کہ بہن کا حصہ نصف ہے تو اگر کوئی اور خارج نہ ہوتا تو چھ میں سے تین اس کو ملتے ۱۲

[2] یعنے جہاں اس کا بیان ہے کہ عینی بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں بیٹے اور باپ اور دادا سے ۱۲

چنانچہ سدس یا ثلث وغیر[1] ذلک من الکسور الموجودۃ فیہ خلاصہ یہ ہے کہ جب مخرج تنگی کرے وفاءِ فروض مجتمعہ سے تو ترکہ کو اس عدد کی طرف مرفوع کرنا چاہیے جو کہ اس مخرج سے اکثر ہے پھر قسمت کرنا چاہیے تاکہ نقصان داخل ہو جمیع وارثوں کے حصوں میں ایک نسبت پر یعنے یکساں کمی ہو بقدر حصوں کے کذا فی الشریفی طحطاوی نے کہا اور مقتبا نقصان ہر وارث پر داخل ہوتا ہے اس کا اندازہ معلوم ہوتا ہے کسر زائد کی نسبت کرنے سے عدد اکثر کی طرف مثلاً اگر زوج اور دو سگی بہنیں وارث ہوں تو نصف اور ثلثین جمع ہوئے تو مسئلہ چھ سے ہے اور عول کرے گا سات کی طرف تو زوج پر نقصان داخل ہوگا ہر سہم میں سبع یعنے ساتویں حصے کا تو وہ چھ میں دو سہم اور چار سبع پاوے گا اور بہنوں پر چار سبع کا نقصان داخل ہوگا تو وہ تین سہم اور تین سبع پاویں گی انتہے خلاصہ یہ ہے کہ ایک چھ کا سُدس تھا جب چھ پر ایک زیادہ کیا تو سات ہو گئے تو ایک کو سات کے ساتھ سبع کی نسبت ہے تو بقدر سبع کے ہر وارث کے ہر سہم میں کمی ہو گئی واول من حکم بالعول عمر رضی اللہ تعالے عنہ اور پہلے جس نے عول کا حکم کیا وہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ ہیں م فاروق اعظم رض کے زمانے میں ایک صورت واقع ہوئی جس کا مخرج اس کے ادائے فروض سے تنگ تھا تو اصحاب کبار سے آپ نے مشورہ کیا تو عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ نے عول کی طرف اشارہ کیا سو سب صحابۂ کرام نے اس پر اتفاق کیا اور کسی نے اس پر انکار نہ کیا مگر ابن عباس رض نے ان کی موت کے بعد کذا فی الطحطاوی فتاوائے عالمگیری میں ہے عول کا پہلا مسئلہ جو اسلام میں واقع ہوا صدر خلافت فاروقی میں وہ یہ تھا کہ زوج اور ماں اور سگی بہن وارث ٹھہرے تو نصف اور ثلث اور نصف یکجا ہوئے اصل مسئلہ چھ سے ہے اور اسے عول کیا آٹھ کی طرف ثم المخارج سبعۃ پھر دریافت کرنا چاہیے کہ مخرج حصوں کے سات ہیں م وجہ اس کی یہ ہے کہ کتاب اللہ میں چھ فرض مذکور ہیں نصف ربع ثمن ثلثان ثلث سدس اور مخارج ان کے پانچ[2] ہیں اس واسطے کہ ثلثین اور ثلث کا ایک ہی مخرج یعنے تین ۱۲ ہے تو اگر نوع اول یعنی نصف ربع ثمن مجتمع ہوں تو کمتر کسور کا مخرج معتبر ہوگا اور اسی سے مسئلہ ہوگا تو اگر نصف اور ربع جمع ہوں تو مسئلہ چار سے ہوگا یا نصف اور ثمن جمع ہوں تو مسئلہ آٹھ سے ہوگا اور اگر ثلث اور سدس جمع ہوں تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور یہ مخرج مخارج خمسۂ مذکورہ سے باہر نہیں اور جب کہ نوع اول میں سے نصف نوع ثانی یعنے ثلثین ثلث سدس سب کے ساتھ مختلط ہو یا بعض کے ساتھ تو مسئلہ چھ سے ہوگا تو یہ مخرج بھی مخارج خمسۂ مذکورہ میں داخل ہے اور جب کہ ربع مختلط ہو نوع ثانی کے کل سے یا بعض سے تو مسئلہ ہوگا بارہ سے اور جب کہ ثمن مختلط ہو نوع ثانی کے کل کے ساتھ یا بعض کے ساتھ تو مسئلہ ہوگا چوبیس سے تو مخارج خمسہ ان دو مخرج سے مل کر سات مخرج ہوئے یعنے دو تین چار آٹھ چھ بارہ چوبیس اربعۃ لاتعول الاثنان والثلثۃ والاربعۃ والثمانیۃ مخارج سبعہ میں سے چار مخرج تو عول نہیں کرتے یعنے دو اور تین اور چار اور آٹھ م یہ حصر باعتبار استقرا کے ہے اس واسطے کہ ان مخارج کے فروض مجتمعہ کے واسطے مال ترکہ کا پورا پڑتا ہے یا کچھ زیادہ باقی رہتا ہے تو ہر صورت عول کی حاجت نہیں ہوتی مثلاً دو کا مسئلہ اس وقت ہوگا جو دو نصف جمع ہوں چنانچہ زوج اور سگی بہن یا نصف باقی چنانچہ زوج اور سگا بھائی وعلی ہذا القیاس فی البواقی کذا فی الشریفی بتصرف والثلاثۃ قد تعول بالاختلاط کما سیجئی فی باب المخارج اور تین مخارج میں کبھی عول ہوتا ہے اختلاط نوعین کی وجہ سے چنانچہ اس کا ذکر باب المخارج میں آوے گا م شارح نے بلفظ قد اشارہ کیا کہ مخارج ثلثہ میں عول لازم نہیں ہے فستۃ تعول اربع عولات الی عشرۃ وتراً وشفعاً تو چھ میں چار عول واقع ہوتے ہیں دس تک طاق اور جفت دونوں کے اعتبار سے یعنے چھ عول کرتا ہے سات کی طرف اور آٹھ کی طرف اور نو کی طرف اور دس کی طرف فتعول لسبعۃ کزوج وشقیقتین تو چھ کا عول ہوتا ہے سات کی طرف چنانچہ زوج اور دو سگی بہنوں کے وارث ہونے میں م تو اس صورت میں سدس کے ساتھ عول ہو یعنے سدس کے

---

[1] یعنے سوائے اس کے ان اجزا میں سے جو مخرج میں موجود ہوں ۱۲ [2] یعنے دو اور چار اور آٹھ اور تین اور چھ ۱۲

زیادہ کر دینے سے سات ہو گئے اور مقدار نقصان ہر سہم کی اول باب کے ترجمہ میں طحطاوی سے مذکور ہو گئی ولثمانیۃ کام وام اور چھ کا عول ہوتا ہے آٹھ کی طرف چنانچہ ورثہ مذکورین اور ماں ہیں یعنے زوج اور دو سگی بہنوں اور ماں ہیں م تو اس صورت میں ثلث کے ساتھ عول ہوا یعنے چھ کی تہائی دو ہے جب اُس کو چھ پر زیادہ کیا تو آٹھ ہو گئے تو ہر سہم ورثہ میں ربع کا نقصان ہو گا اس واسطے کہ دو ربع ہے آٹھ کا ولتسعۃ کام واخ لام اور چھ کا عول ہوتا ہے نو کی طرف چنانچہ ورثہ مذکورین اور اخیافی بھائی ہیں یعنے زوج اور دو سگی بہن اور ماں اور اخیافی بھائی ہیں م تو اس صورت میں نصف کے ساتھ عول ہوا یعنی تین نصف ہے چھ کا جب اس کو چھ پر زیادہ کیا تو نو ہو گئے تو یہاں سہام ورثہ میں تہائی کا نقصان ہوا اس واسطے کہ تین تہائی ہے نو کی طحطاوی نے کہا اور اس مسئلہ کو مروانیہ کہتے ہیں اس واسطے کہ یہ صورت اول زمانہ بنی امیہ میں واقع ہوئی اور زوج مروانی تھا تو اُس نے چاہا کہ میں نصف مال لوں تو علماء حجاز سے اس کا سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ثلث مال اس کا حق ہے ولعشرۃ کام واخ اخر لام اور چھ کا عول ہوتا ہے دس کی طرف چنانچہ ورثہ مذکورین اور دوسرے بھائی اخیافی ہیں یعنی زوج اور دو سگی بہن اور ماں اور دو اخیافی بھائی ہیں م تو اس صورت میں ثلثین کے ساتھ عول ہوا یعنی چار ثلثین ہیں چھ کے جب اُن کو چھ پر زیادہ کیا تو دس ہو گئے طحطاوی نے کہا اس مسئلہ کو شریحیہ کہتے ہیں اس واسطے کہ اُس میں قاضی شریحؒ نے زوج کے واسطے تین سہم کا حکم کیا دس سہم سے تو زوج شہروں گھومتا پھرتا تھا اور لوگوں سے سوال کرتا تھا کہ ایک عورت مر گئی زوج چھوڑ کر اور اس نے کوئی بیٹا یا پوتا نہیں چھوڑا سو زوج کا حصہ کیا ہے تو لوگ کہتے تھے نصف ہے تو وہ کہتا تھا کہ شریح قاضی نے نہ مجھ کو نصف دیا نہ ثلث یہ خبر قاضی کو پہنچی تو اس کو طلب کیا یوں کہہ کر کہ کچھ تیرے لئے باقی ہے ہمارے پاس پھر جب وہ آیا تو اُس کو تعزیر دی اور کہا کہ تو قاضی پر طعن کرتا ہے اور واجبی حکم کو ظلم کی طرف نسبت کرتا ہے اور ایسے حکم کی مجھ سے پہلے تو امام عادل متقی نے سبقت کی ہے یعنی عول کا حکم امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا ہے انتہی مختصراً بالجملہ وہ شخص جاہل تھا عول کی حقیقت نہ سمجھا تھا لہذا اس حکم کو حق نہ جانتا تھا فتاوی عالمگیری میں خزانۃ المفتیین سے منقول ہے جب کہ چھ دس یا نو یا آٹھ کی طرف عول کرے تو میت بالیقین عورت ہے اور اگر سات کی طرف عول کرے تو احتمال ہے کہ میت عورت ہو یا مرد انتہے واثنا عشر تعول ثلثا الے سبعۃ عشر وترا لا شفعا فتعول الثلثۃ عشر کزوجۃ وشقیقتین و ام وخمسۃ عشر کام واخ لام وسبعۃ عشر کام واخ اخر لام. اور بارہ عول کرتا ہے تین بار سترہ تک طاق عدد میں نہ جفت میں تو بارہ عول کرتا ہے تیرہ کی طرف چنانچہ زوجہ اور دو سگی بہن اور ماں ہیں اور پندرہ کی طرف عول کرتا ہے چنانچہ زوجہ اور دو سگی بہنیں اور ماں اور اخیافی بھائی ہیں اور سترہ کی طرف عول کرتا ہے چنانچہ زوجہ اور دو سگی بہنیں اور ماں اور دو اخیافی بھائی ہیں م جب بارہ کا عول سترہ کی طرف کیا تو میت مرد ہے اور تیرہ اور پندرہ کے عول میں عورت اور مردوں کا احتمال ہے کذا فی العالمگیریۃ واربعۃ وعشرون تعول الی سبعۃ و عشرین فقط کامرأۃ وبنتین وابوین وتسمی المنبریۃ اور چوبیس کا عول ہوتا ہے فقط ستائیس کی طرف چنانچہ عورت یعنی زوجہ اور دو بیٹیوں اور ماں اور باپ کے وارث ہونے میں اور اس مسئلہ کو منبریہ کہتے ہیں م اس مسئلہ کو منبریہ اس واسطے کہتے ہیں کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس کا سوال ہوا اور آپ کوفے کی مسجد میں منبر پر خطبہ پڑھتے تھے سو آپ نے فی البدیہہ جواب دیا سائل نے کہا کہ زوجہ کا ثمن کیا فرض نہیں ہے تو فرمایا کہ صار ثمنہا تسعاً یعنے اس کا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا اور خطبہ خوانی میں مشغول رہے سو لوگوں نے تعجب کیا آپ کی فطنت اور ذکاوت کا اور شنشوری نے شرح ترتیب میں بیان کیا کہ ایک طالب علم منی نے اپنے اساتذہ سے نقل کیا کہ جس خطبہ میں آپ سے یہ سوال ہوا تھا وہ خطبہ یہ تھا الحمد للہ[1]

---

[1] سب تعریفیں اللہ کو سزاوار ہیں جو یقیناً حق کا حکم کرتا ہے اور ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیتا ہے اور اسی کی طرف بازگشت اور رجوع ہے ۱۲

الذی یحکم بالحق قطعاً و یجزی کل نفس بما تسعی والیہ المعاد والرجعیٰ اس کے بعد سوال مذکور ہوا تو حضرت نے جواب دیا صار ثمنہا تسعاً انتہی خوارز کی شرح میں ہے کہ علی مرتضیٰ کمال حاذق اور ماہر تھے علم حساب میں حکایت ہے کہ ایک نصرانی نے آپ سے سوال کیا کہ اصحاب کہف کے قصے میں تم اپنی کتاب یعنی قرآن میں پڑھتے ہو ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعاً اور ہماری کتاب میں ثلٰث[1] مائۃ سنین مذکور ہے اور یہ تمہ تو ہماری کتاب تمہاری کتاب کے مخالف ہے تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری کتاب میں جو تین سو مذکور ہیں تو یونان کے حساب کے موافق ہے یعنی شمسی حساب پر ہے اور ہماری کتاب میں عرب کے حساب پر ہے یعنے قمری حساب کے موافق ہے اور تین سو شمسی یونانی عرب کے قمری حساب پر تین سو نو ہوتے ہیں تو نصرانی حیران ہو گیا فی البدیہہ جواب دینے سے اور مسلمان ہو گیا ولہذا کہا گیا ہے کہ علی مرتضیٰ معجزہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے اس واسطے کہ باوجود اس قدر تبحر کے علوم میں اور نہایت شجاعت کے حروب میں منقاد اور مطیع تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مقر تھے آپ کی نبوت کے اور یہ ایسا کلام ہے جیسا بعضے علماء نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رح معجزہ تھے معجزات نبویؐ سے کذا فی الطحطاوی **والرد ضدہ کما مر** اور رد ضد ہے عول کا چنانچہ اول باب میں گذر گیا مسائل فرائض کے تین قسم ہیں فری عادلہ اور فریضہ قاصرہ اور فریضہ عائلہ فریضہ عادلہ وہ ہے کہ اصحاب فرائض کے سہام مال کے سہام کے ساتھ برابر پڑیں اس طرح کہ میت نے دو سگی بہنیں اور دو سوتیلی بہنیں[2] چھوڑیں تو سوتیلیوں کا فرض حصہ ثلث ہے اور سگی بہنوں کا دو ثلث اور اسی طرح اگر اصحاب فرائض کے سہام کم ہوں مال متروکہ کے سہام سے اور وہاں عصبہ ہو تو اصحاب فرائض سے جو باقی رہے گا اس کو عصبہ لے گا تو یہ فریضہ عادلہ ہے یعنے پورا نہ کم نہ زیادہ اور فریضہ قاصرہ وہ ہے کہ اصحاب فرائض کے سہام مال متروکہ کے سہام سے کمتر ہوں اور وہاں عصبہ نہ ہو اس طرح پر کہ میت نے دو سگی بہنوں اور ماں کو چھوڑا تو بہنوں کے دو ثلث ہیں اور ماں کا سدس ہے اور یہاں کوئی عصبہ نہیں جو باقی سدس کو لے تو اس میں حکم ہے رد کا یعنے سدس باقی انہیں وارثوں کو پھیر دیا جائے اور فریضہ عائلہ وہ ہے کہ اصحاب فرائض کے سہام اکثر ہوں مال کے سہام سے چنانچہ اس کی مثالیں عول کے مسائل میں مذکور ہو چکیں کذا فی العالمگیریۃ وحینئذ **فان فضل عنہا** ای عن الفروض **والحال انہ لا عصبۃ ثمۃ یرد ذلک الفاضل علیہم** بقدر سہامہم اجماعاً لفساد بیت المال یعنے جب کہ رد عول کا ضد ٹھہرا تو ثابت ہوا کہ مخرج فاضل ہے فروض سے تو اس اعتبار سے مصنف کی یہ تفریع صحیح ہوئی سو اگر مخرج بڑھ رہا فروض سے اور حالانکہ وہاں کوئی عصبہ نہیں ہے تو وہ فاضل رد کیا جائے گا اصحاب فروض پر بقدر اُن کے سہام کے بالاتفاق بیت المال کے بگڑ جانے کے سبب سے م فاضل مال کو رد کرنا ذوی الفروض پر علی مرتضیٰ اور اُن کے متابعین چنانچہ حنفیہ وغیرہم کا قول ہے اور زید بن ثابت نے کہا کہ فاضل ذوی الفروض پر رد نہ ہوگا بلکہ وہ بیت المال کا ہے اور اسی قول کو مالکؒ اور شافعیؒ نے لیا ہے اور شافعیہ محقق کہتے ہیں کہ اگر بیت المال فاسد ہو گیا تو ذوی الفروض پر رد کرنا چاہیے اور ہم حنفیوں کے بہت دلائل ہیں از آں جملہ یہ آیت قرآنی ہے واولوالارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ یعنے بعض اہل قرابت اولی بمیراث ہیں بعض سے بسبب قرابت کے تو اس آیت سے استحقاق جمیع میراث کا بوجہ صلہ رحمی کے ثابت ہوا اور آیت مواریث نے مال کے جزء معین کا استحقاق واجب کر دیا ہر وارث کے واسطے تو دونوں آیتوں پر عمل کرنا واجب ہوا اس طرح پر کہ ہر وارث کو حصہ دیا جاتا ہے مواریث کی آیت کے حکم سے پھر باقی مال اُنہیں وارثوں کو پھیر دیا جائے بوجہ صلہ رحمی کے اس آیت کے حکم سے اور یہ جو شارح نے رد فاضل کے لئے فساد بیت المال کو علت بیان کیا سو ظاہرا صحیح نہیں اس واسطے کہ رد فاضل ہمارے مذہب میں بیت المال پر مقدم ہے اگرچہ بیت المال منتظم ہو بلکہ اس تعلیل کا محل

---

[1] یعنے ٹھہرے اپنے غار میں تین سو برس ۱۲ [2] مراد اُن سے اخیافی بہنیں ہیں جیسا کہ باب الحجب میں گذر گیا کہ دو سگی بہنوں کے ہوتے سوتیلیاں محروم ہوتی ہیں ۱۲

زوجین اور بنات معتق اور اس کے قرابت دار ہیں یعنی اگر مراتب مستحقین سے کوئی نہ ہو سوائے بیت المال کے تو یہ لوگ مقدم ہیں بیت المال پر علت مذکورہ کی وجہ سے اور اگر فساد بیت المال کو اجماع کی علت قرار دیجیے تو بھی ظاہرا درست نہیں اس واسطے کہ رد فاضل کا قول بعض شافعیہ کا قول ہے اور امام مالک کا یہی مذہب مشہور ہے کہ فاضل مال بیت المال ہے اگرچہ وہ منتظم نہ ہو کذا فی الطحطاوی **الا علی الزوجین فلا یرد علیہما** فاضل مال جمیع ذوی الفروض پر رد ہوگا مگر زوج اور زوجہ پر رد نہ ہوگا م زوجین پر اس واسطے رد نہ ہوگا کہ ان میں قرابت ثابت نہیں اور علت رد کی قرابت ہے چنانچہ آیت مذکورہ سے ثابت ہوا اور اگر زوجین باہم قرابت دار ہوں تو ان پر قرابت کی وجہ سے رد ہوگا نہ زوجیت کی وجہ سے واللہ اعلم **وقال عثمان رضی اللہ تعالی عنہ یرد علیہما ایضاً** قالہ المصنف وغیرہ قلت وجزم فی الاختیار بان ہذا وہم من الراوی فراجعہ اور امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ زوجین پر بھی رد کیا جائے ایسا کہا ہے مصنف وغیرہ نے میں کہتا ہوں اور اختیار شرح مختار میں اس پر یقین کیا ہے کہ یہ یعنے عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف اس قول کا نسبت کرنا راوی کا وہم اور خطا ہے تو اس کی طرف مراجعت کرو م طحطاوی نے کہا کہ نقل قول عثمانی پر سراجیہ کے شارحین کا اتفاق ہے اور شارحین کنز بھی اس کو نقل کرتے ہیں اور انھیں شروح میں اس قول کی صحت اور دلیل مذکور ہے اور اس کا جواب بھی انتہی واللہ اعلم وفی الاشباہ انہ یرد علیہما فی زماننا لفساد بیت المال وقدمناہ فی الولاء اور اشباہ میں ہے کہ مال فاضل زوجین پر رد کیا جائے بسبب فاسد ہو جانے بیت المال کے اور ہم اس کو مقدم ذکر کر چکے ہیں کتاب الولاء میں م یہ مسئلہ کتاب الفرائض کے مراتب ورثہ کے ذکر میں حاشیہ طحطاوی سے تبصریح تمام مذکور ہو چکا ثم مسائل الرد اربعۃ اقسام لان المردود علیہ اما صنف او اکثر وعلی کل اما ان یکون من لا یرد علیہ او لا یکون پھر معلوم کرنا چاہیے کہ مسائل رد کے چار قسم ہیں اس واسطے کہ جن لوگوں پر رد فاضل ہوتا ہے وہ ایک قسم کے ہیں یا چند قسم ہیں اور ہر تقدیر پر یا ان کے ساتھ وہ لوگ ہیں جن پر رد نہیں ہوتا ہے یا وہ لوگ نہیں ہیں **فالاول ان اتحد الجنس المردود علیہم کبنتین او اختین او جدتین قسمت المسئلۃ من عدد رؤسہم ابتداءً قطعاً للتطویل** سو اول قسم یعنے اگر دوبارہ پانے والوں کی جنس متحد ہو چنانچہ دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو دادیاں ہوں تو سرے سے تقسیم ہوگا مسئلہ وارثوں کی شمار سے تاکہ تطویل قطع ہو جائے م یعنی چونکہ جمع ترکہ انھیں وارثوں کا ہے فرض اور رد کی راہ سے اور ذاتیں ان کی یکساں برابر ہیں ایک کو دوسرے پر زیادتی نہیں تو ہر وارث کو برابر بانٹ دیا جائے اس واسطے کہ اگر ہر ایک کو اول بقدر اس کے فرض کے دیا جائے پھر دوسرے بار باقی مال ان کو بقدر ان کے سہام کے دیا جائے تو دوبار قسمت کرنا ہوگا تو سب متروکہ ابتدا سے برابر بانٹ دینا مختصر اور آسان تر ہے **والثانی ان کان المردود علیہ جنسین او ثلثۃ لا الاکثر بالاستقراء فمن عدد سہامہم** اور قسم ثانی اگر دوبارہ پانے والی دو جنس یا تین جنس کے لوگ ہوں تو ان کے سہام کے شمار سے قسمت ہوگی شارح نے کہا تین جنسوں سے زیادہ نہیں ہوتی بسبب استقراء کے یعنے جزئیات کے تتبع کرنے سے معلوم ہوا کہ تین جنسوں سے زیادہ چوتھی جنس مردود علیہم کی پائی نہیں گئی **فمن اثنین لو سدسان وثلثۃ لو ثلث وسدس واربعۃ لو نصف وسدس وخمسۃ کثلثین وسدس لتقصیر المسافۃ** تو دو سے قسمت ہوگی اگر دو سدس ہوں اور تین سے قسمت ہوگی اگر ایک ثلث اور ایک سدس ہو اور چار سے قسمت ہوگی اگر نصف اور سدس ہو اور پانچ سے قسمت ہوگی اگر دو ثلث اور ایک سدس ہو مسافت گھٹانے کے واسطے یہ طریقہ اختیار کیا م دو سدس ہونے کی یہ صورت ہے کہ جدہ اور اخیافی بہن وارث ہیں تو مسئلہ چھ سے ہے اور اس میں ان کے دو سہم ہیں فرضیت کی راہ سے تو اصل مسئلہ دو سے قرار دیا اور متروکہ دونوں پر قسمت کر دیا نصفا نصف تو ہر ایک کو نصف مال ملا اور اگر ہر ایک کو ایک ایک سہم دیا جاتا تو تین بار قسمت کرنے کی بے فائدہ حاجت ہوتی اور ثلث اور سدس جمع ہونے کی یہ صورت ہے

کہ دو اخیافی بھائی اور ماں وارث ہے تو اس تقدیر میں بھی مسئلہ چھ سے ہے اور وارثوں کے سب سہام تین تو اصل مسئلہ تین سے قرار دیا اور بقدر سہام کے تین تہائی کرکے بانٹ دیا تو دو اخیافی بھائیوں کو دو ثلث مال کے اور ماں کو ایک ثلث دیا اور نصف اور سدس کی صورت یہ ہے کہ ایک بیٹی اور پوتی وارث ہے یا ایک بیٹی اور ماں وارث ہے تو یہاں بھی مسئلہ چھ سے ہے اور مجموع سہام چار ہیں تین سہم بیٹی کے اور ایک سہم پوتی یا ماں کا ہے تو دونوں مسئلے چار سے قرار دئے اور متروکہ چار حصے کرکے بانٹ دیا اس طرح کہ تین ربع اس کی بیٹی کے اور ایک ربع ماں کا یا پوتی کا اور ثلثین اور سدس کی یہ صورت ہے کہ دو بیٹیاں اور ماں وارث ہے یا کہ نصف اور دو سدس جمع ہوں چنانچہ بیٹی اور پوتی اور ماں وارث ہو یا کہ نصف اور ثلث جمع ہو چنانچہ ایک سگی بہن اور دو اخیافی بہنیں خواہ ایک سگی بہن اور ماں وارث ہو تو ان تینوں صورتوں میں بھی یہ مسئلہ چھ سے ہے اور سہام ماخوذہ پانچ ہیں تو پہلی صورت میں دو بیٹیوں کے چار سہم ہیں اور ماں کا ایک سہم ہے تو متروکہ کے پانچ حصے کئے ان میں سے چار خمس بیٹیوں کے اور ایک خمس ماں کا اور دوسری صورت میں تین جنسیں وارثوں کی جمع ہوگئیں اور منجملہ چھ کے سہام ماخوذہ بھی پانچ ہیں اُن میں سے تین سہم بیٹی کے اور ایک سہم پوتی کا اور ایک سہم ماں کا تو ان پر متروکہ پانچ حصے کرکے بانٹ دیا بقدر ان کے سہام کے تو بیٹی کے تین خمس اور پوتی کا ایک خمس اور ماں کا دوسرا خمس اور تیسری صورت میں بھی چھ سے پانچ سہم ماخوذ ہیں سگی بہن کے تین سہم اور دو اخیافی بہنوں کے دو سہم اور اسی طرح ماں کے سگی بہن کے ساتھ دو سہم ہیں تو مسئلہ پانچ سے قرار دیا جاوے گا اور متروکہ پانچ حصے کرکے قسمت ہوگا قصر مسافت کے واسطے یعنی دو قسمتوں کو ایک قسمت قرار دیں گے کذا فی الطحطاوی والثالث ان کان مع الاول ای الجنس الواحد من لا یرد علیہ وہو الزوجان اعطی من لا یرد علیہ فرضہ من اقل مخارجہ وقسم الباقی علی رؤس من یرد علیہ کزوج وثلث بنات فہی من اربعۃ للزوج واحد یبقی ثلثۃ وہی تستقیم علیہن فلا حاجۃ الی الضرب اور تیسری قسم اگر اول قسم یعنے متحد الجنس کے ساتھ وہ شخص ہو جس پر رد نہیں ہوتا یعنے زوج یا زوجہ تو جس پر رد نہیں ہوتا اس کو اُس کا فرض دیا جائے اُس کے کمتر مخارج سے اور باقی رد کیا جائے ان کی ذاتوں پر جن پر رد کیا جاتا ہے چنانچہ زوج اور تین بیٹیاں وارث ہوں تو مسئلہ چار سے ہوگا زوج کا ایک ہی باقی رہے تین اور وہ تینوں بیٹیوں پر مستقیم ہیں تو ضرب کرنے کی کچھ حاجت نہیں م زوج کا فرض اولاد کے ساتھ چوتھائی ہے تو اس کا کمتر مخرج چار ہے پھر جب زوج کو چار میں سے ایک دیا تو باقی تین تینوں بیٹیوں پر بلا کسر قسمت ہوگئی ضرب کی کچھ حاجت نہ ہوئی وان لم تستقم فان وافق رؤسہم ای رؤس من یرد علیہم کزوج وست بنات ضرب وفقہا وہو ہنا اثنان فی مخرج فرض من لا یرد علیہ وہو ہنا اربعۃ تبلغ ثمانیۃ فللزوج اثنان وللبنات ستۃ اور اگر بعد فرض زوج کے باقی مستقیم نہ ہو تو اگر باقی میں اور اُن کی ذاتوں میں جن پر رد کیا جاتا ہے توافق کی نسبت ہو چنانچہ زوج اور چھ بیٹیوں میں تو اُن کا وفق جو کہ یہاں دو ہے اُس کے مخرج میں ضرب کیا جائے جس پہ رد نہیں کیا جاتا اور وہ مخرج یہاں چار ہے تو حاصل ضرب آٹھ ہوگا تو زوج کے دو اور بیٹیوں کے چھ م اقل مخرج زوج چار ہیں پھر جب زوج کو چار سے ایک دیا تو باقی رہے تین وہ چھ بیٹیوں پر منقسم نہیں ہوتے لیکن تین اور چھ میں توافق بالثلث ہے تو رؤس بنات کے وفق کو جو یہاں دو ہے چار میں ضرب کیا آٹھ حاصل ہوگئے اب قسمت صحیح ہوگئی والا توافق بل باین ضرب کل عدد رؤسہم فیہ ای المخرج المذکور کزوج وخمس بنات فالمخرج ہنا اربعۃ للزوج واحد بقی ثلثۃ تباین الخمس فاضرب الاربعۃ فی الخمسۃ تبلغ عشرین کان للزوج واحد ضرب فی المضروب یکن خمسۃ فہی لہ والباقی ثلثۃ اضربہا فی المضروب تبلغ خمسۃ عشر فلکل بنت ثلثۃ اور اگر باقی اور عدد رؤس میں توافق کی نسبت نہ ہو بلکہ تباین کی نسبت ہو تو وہ وارثوں کے تمام عدد رؤس کو مخرج

لہ باصطلاح اہل فرائض اور اہل حساب کے نزدیک ان دونوں میں تداخل ہے ۱۲

دیا جاوے گا مخرج مذکور میں چنانچہ زوج اور پانچ بیٹیاں تو مخرج یہاں چار ہے ان میں زوج کا فرض ایک ہے باقی رہے تین وہ پانچ سے مباین ہیں تو چار کو پانچ سے ضرب کیا ۲۰ ہوئے زوج کا فرض ایک تھا اس کو ضرب کر مضروب میں یعنے پانچ میں تو پانچ ہی حاصل ہوں گے تو یہی پانچ زوج کا حصہ ہوا اور باقی حصہ بیٹیوں کا تین ہے اس کو بھی مضروب میں یعنے پانچ میں ضرب کر حاصل ہوں گے پندرہ تو ہر بیٹی کو تین سہم ملیں گے م یہ صورت بھی صورتین سابقین کے مانند ہے اصل اس کی بارہ ہے اجتماع ربع اور ثلثین کی وجہ سے لیکن اس کو چار کی طرف پھیرا کہ وہ کمتر مخرج ہے فرض زوج کا پھر جب اس میں سے زوج کو ایک دیا تو تین باقی رہے وہ پانچ بیٹیوں پر مستقیم نہیں بلکہ تین ہیں اور پانچ میں تباین کی نسبت ہے تو عدد رؤس بنات کو مخرج میں یعنے پانچ کو چار میں ضرب کیا ۲۰ حاصل ہوئے اب مسئلہ صحیح ہو گیا کذا فی الفرائض الشریفی **والرابع لو کان مع الثانی** ای الجنسین فقط لا اکثر ہنا بحکم الاستقراء اذ لا یرد مع اربع طوائف اصلا بالاستقراء اور چوتھی قسم اگر قسم ثانی کے ساتھ یعنے فقط دو جنسوں کے ساتھ دو جنسوں سے یہاں یعنے قسم رابع نہیں ہو سکتا بحکم استقرار کے اس واسطے کہ رد کرنا چار جنسوں کا اصلا نہیں ہوتا استقرا یعنے تتبع جزئیات کی دلیل سے م یعنے اگرچہ قسم ثانی میں اجتماع اجناس ثلثہ ممکن ہے چنانچہ ترجمہ میں اس کی مثال مذکور ہو چکی لیکن قسم رابع میں تین جنس کا اجتماع واقع نہیں ہوتا اس واسطے کہ اگر تین جنسوں کے ساتھ من لا یرد علیہ یعنے احد الزوجین کو فرض کیجیے تو چار جنسیں ہوئی جاتی ہیں اور حالانکہ رد کرنا چار جنسوں کے ساتھ ہرگز نہیں ہوتا استقرا کی دلیل سے ولعل ہذا نکتة اقتصارہ فیما مر متنا علی الجنسین اور شاید کہ یہی نکتہ ہے مصنف کے اقتصار کرنے کا دو جنسوں پر قسم ثانی کے بیان میں جو متن کے اندر گذر گیا م یعنے مصنف نے جو قسم ثانی میں باوجود امکان اجتماع اجناس ثلثہ کے دو جنس پر اقتصار کیا تو شاید اسی واسطے اقتصار کیا کہ قسم رابع میں اس کا ثمرہ ظاہر ہو کیونکہ قسم رابع میں دو جنسوں کے سوا تیسری جنس نہیں ہوتی ہے اور اقتصار سے یہ مراد نہیں کہ تیسری جنس نہیں ہوتی والا فیراد بالثانی بعضہ لا کلہ فتامله اور اگر اقتصار علی الجنسین کا یہ نکتہ نہ ہو بلکہ اتفاقی ہو تو مصنف کے کلام میں یہاں ثانی سے قسم ثانی کا بعض مراد ہو گا نہ تمام اس کا سو اس کو تامل کر م یعنے قسم ثانی کی بعض صورت یعنے جس میں دو جنسیں مجتمع ہوں مراد ہے نہ اس کی سب صورتیں اس واسطے کہ رابع میں اجتماع اجناس ثلثہ واقع نہیں من لا یرد علیہ **فاقسم الباقی من مخرج فرض من لا یرد علیہ علی مسئلة من یرد علیہ ان استقام کزوجة واربع جدات وست اخوات لام** یعنے اگر دو جنسوں کے ساتھ من لا یرد علیہ یعنے احد الزوجین ہو تو فرض احد الزوجین کے مخرج سے جو باقی رہے اس کو قسمت کر ان وارثوں کے مسئلے پر جن پر رد کیا جاتا ہے بشرطیکہ قسمت مستقیم ہو جائے چنانچہ زوجہ اور چار دادیاں اور چھ اخیافی بہنیں وارث ہوں م استقامت باقی کی نہیں ہوتی مگر فقط اسی مسئلے میں جو متن میں مذکور ہوا یعنے احد الزوجین کا ربع ہو اور ایک جنس ثلث کی مستحق ہوا اور دوسری جنس سدس کی تو اب مسئلہ تین سے ہو گا اور باقی بھی تین ہیں تو اب قسمت مسئلہ پر مستقیم ہو گی کذا فی الطحطاوی مختصر المخرج من لا یرد علیہ اربعة للزوجة واحد یبقے ثلثة تستقیم علی سہم الجدات وسہمے الاخوات لکنہ منکسر علی احاد کل فریق کما یجیء تو مسئلہ مذکورہ میں من لا یرد علیہ کا مخرج چار ہے اس میں سے زوجہ کا ایک ہے باقی رہے تین وہ دادیوں کے ایک سہم اور بہنوں کے دو سہموں پر مستقیم ہیں لیکن وہ ٹوٹتے ہیں ہر فریق کے فرد فرد پر چنانچہ اس کی استقامت کا بیان اخیر باب میں آوے گا م چار دادیوں کا حصہ ایک تھا وہ ان پر قسمت نہیں ہوتا اور اسی طرح بہنوں کا حصہ دو ہے وہ ان پر بٹ نہیں سکتا **وان لم یستقم ضربت جمیع مسئلة من یرد علیہ فی مخرج من لا یرد علیہ فالمبلغ الحاصل بہذا الضرب مخرج فروض الفریقین** اور اگر باقی مستقیم نہ ہو تو مردود علیہم کے تمام مسئلے کو احد الزوجین کے مخرج میں ضرب کر تو جو مبلغ کہ حاصل ہو گا اس ضرب سے وہ دونوں فریق کے حصوں کا مخرج ہو گا یعنے فریق من یرد علیہ اور فریق من لا یرد علیہ کے حصے حاصل ضرب سے نکل آویں گے **کاربع زوجات وتسع بنات وست جدات** مخرج من لا یرد علیہ ثمانیة للزوجات اثنان واحد

بقے سبعۃ لاتستقیم علی مسئلۃ من یرد علیہ وہے ہنا خمسۃ لان الفرضین ثلثان وسدس فاضرب الخمسۃ فی الثمانیۃ تبلغ اربعین وہی مخرج فروض الفریقین چنانچہ چار زوجہ اور نو بیٹیاں اور چھ دادیاں وارث ہوں تو مخرج من لا یرد علیہ کا آٹھ ہے تو زوجات کا حصہ آٹھواں یعنے ایک ہے باقی رہے سات وہ مسئلہ میں من یرد علیہ پر مستقیم نہیں اور مسئلہ مذکورہ یہاں پانچ ہے اس لئے بیٹیوں اور دادیوں کے دو فرض دو ثلث اور ایک سدس ہے تو مسئلہ من یرد علیہ یعنے پانچ کو آٹھ میں جو مخرج ہے من لا یرد علیہ کے فرض کا ضرب کر حاصل ۴۰ ہوں گے تو یہی مخرج ہے دونوں فریق کے فرض کا م من یرد علیہ کے مسئلہ کو پانچ اس واسطے کہا کہ بنات ثلثین کی مستحق ہیں اور جدات سدس کی اور مخرج ثلثین اور سدس کا چھ ہے تو اس کے دو ثلث چار ہوئے اور ایک سدس ایک ہوا تو مجموع فرضین پانچ ہوئے جب پانچ کو آٹھ میں ضرب کیا تو ۴۰ ہوئے یہ مخرج ہے فروض کا اب آگے مصنف ہر ایک کا حصہ ۴۰ میں سے بیان کرتا ہے ثم اضرب سہام من لا یرد علیہ وہو سہم للزوجات فی مخرج مسئلۃ من یرد علیہ یکن خمسۃ فہی حق الزوجات الاربع من الاربعین پھر من لا یرد علیہ کے سہام کو یعنے زوجات کے ایک سہم کو مسئلہ من یرد علیہ یعنے پانچ میں ضرب کر تو پانچ ہی حاصل ہوں گے سو یہی پانچ زوجات اربع کا حق ہے ۴۰ میں سے واضرب سہام کل فریق ممن یرد علیہ وہے اربعۃ للبنات وسہم للجدات فیما بقی اے فی السبعۃ الباقیۃ من مخرج فرض من لا یرد علیہ یکن للبنات ثمانیۃ وعشرون وللجدات سبعۃ فاستقام فرض کل فریق لکنہ منکسر علی آحاد کل فریق فصححہ بالاصول السبعۃ الاتیۃ فی باب المخارج تصح من الف واربع مائۃ واربعین اور سہام ہر فریق من یرد علیہ کو اور وہ سہام پانچ ہیں چار بیٹوں کے اور ایک سہم دادیوں کا ضرب کر ان سات میں جو فرض من لا یرد علیہ کے مخرج سے باقی رہے حاصل ضرب ۳۵ ہوئے ان میں سے بیٹیوں کے ۲۸ سہم ہیں اور دادیوں کے سات سہم تو اب ہر فریق کا فرض حصہ راست ہو گیا لیکن ہر فریق کے فرد فرد پر راست نہیں ہوتا ٹوٹتا ہے تو اس کی تصحیح کر لے ان سات قاعدوں سے جن کا بیان آوے گا باب المخارج میں تو تصحیح ہوگا ہر فرد کا حصہ ایک ہزار اور چار سو اور ۴۰ سہم سے م بالجملہ بموجب قواعد مذکورہ کے ۱۴۴۰ سے زوجات اربعہ کا نصیب ۱۸۰ ہے اور ہر زوجہ کا حصہ ۴۵ ہے اور نصیب بنات ۱۰۰۸ ہے اور ان میں سے ہر بیٹی کا حصہ ۱۱۲ ہے اور دادیوں کا نصیب ۲۵۲ اور ہر دادی کا حصہ ۴۲ ہے کذا فی الطحطاوی مختصرا وتصح الاولی من ثمانیۃ واربعین ولولا خشیۃ الاطالۃ لاوسعت الکلام ہنا[1] اور پہلا مسئلہ یعنے ایک زوجہ اور چار جدہ اور سات اخیافی بہنوں کا مسئلہ صحیح ہو جاتا ہے ۴۸ سے اور اگر اطالت کلام کا خوف نہ ہوتا تو البتہ میں اس مقام میں وسیع کلام کرتا م ۴۸ میں سے زوجہ کا حصہ بارہ ہے اور جدات کا نصیب بھی بارہ ہے اور ہر جدہ کا حصہ تین ہے اور بہنوں کا نصیب ۲۴ ہے اور ہر ایک کا حصہ چار ہے کذا فی الطحطاوی

باب توریث ذوی الارحام

یہ باب ہے توریث ذوی الارحام کے مسائل میں م مغرب میں ہے کہ رحم اصل میں منبت یعنی بچہ دانی ۱۲ ہے ولد کا اور اس کا ظرف پھر قرابت اور وصلیت اتصال ۱۲ من جہۃ الولاد پیدائش ۱۲ مسمی برحم ہو گئی اس واسطے کہ رحم قرابت کا سبب ہے طحطاوی نے کہا لغت میں ذو رحم عبارت ہے صاحب قرابت سے مطلقا خواہ قرابت من جہۃ الولاد ہو یا نہ ہو وہو کل قریب لیس بذی سہم ولا عصبۃ فہو قسم ثالث حینئذ ذو رحم ہر ایک وہ قرابت والا ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو تو ذو رحم وارثوں کی تیسری قسم ٹھہرا اس وقت میں م یہ اصطلاح شرعی کا بیان ہے اکثر صحابہ کرام مانند حضرت فاروق اور مرتضی اور ابن مسعود اور ابو عبیدہ اور معاذ اور ابو درداء اور ابن عباسؓ بروایت مشہورہ رضی اللہ عنہم توریث ذوی الارحام کے قائل ہیں اور یہی قول ہے امام اور صاحبین اور ان کے تابعین کا اور زید بن ثابت اور ابن عباسؓ روایت شاذہ میں میراث ذوی الارحام کے قائل نہیں ان کے نزدیک جب اصحاب فرائض اور عصبات نہ ہوں

---

[1] اور ایک نسخہ میں بعد ہنا کے واللہ اعلم بالصواب ہے ۱۲

تو متروکہ بیت المال میں رکھا جاوے اور یہی مذہب ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا نفی کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت[1] مواریث میں ذوی الفروض اور عصبات کا نصیب بیان فرمایا اور ذوی الارحام کے واسطے کچھ مذکور نہیں کیا اگر ان کا حق ہوتا تو البتہ بیان ہوتا اور اثبات کرنے والوں کی دلیل یہ آیت ہے واولوا الارحام[2] بعضہم اولے ببعض فے کتاب اللہ چنانچہ استدلال اس کا مذکور ہو چکا کذا فے الفرائض الشریفی مختصراً اور تمام فیہ **ولا یرث مع ذی سہم ولا عصبۃ سوی الزوجین** لعدم الرد علیہما اور ذو رحم وارث نہیں ہوتا صاحب فرض اور نہ عصبہ کے ساتھ سوائے زوجین کے یعنے زوجین اگرچہ صاحب فرض ہیں مگر ذو رحم اُن کے ساتھ وارث ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ ان پر رد کرنا فرض نہیں **فیاخذ المنفرد جمیع المال** بالقرابۃ تو اکیلا ذو رحم تمام مال کو لے گا قرابت کی وجہ سے م جمیع مال کے لینے میں اشارہ ہے کہ ارث ذوی الارحام کی عصبات کے مانند ہے اس میں اقرب فالاقرب کا اعتبار ہے اور قرب گاہے ہوتا ہے قرب درجہ سے اور گاہے قوت قرابت سے تو جیسے تعصیب میں بیٹا مقدم ہے باپ پر اسی طرح ذوی الارحام میں جزئیت کا مقدم ہے اصل پر کذا فی الطحطاوی **ویحجب اقربہم الابعد** کترتیب العصبات اور ذوی الارحام کا قریب تر بعید تر کا حاجب ہوتا ہے عصبات کی ترتیب کے مانند یعنے جس طرح عصبات میں اقرب ابعد کا حاجب ہوتا ہے اسی طرح ذوی الارحام میں اقرب کے ہوتے ابعد وارث نہیں ہوتا ثم اربعۃ اصناف جزء المیت ثم اصلہ ثم جزء ابویہ ثم جزء جدیہ او جدتیہ تو کل ذوی الارحام چار قسم ہیں قسم اول میت کا جز یعنے میت کی اولاد دختری چنانچہ ناتی اور ناتن پھر قسم ثانی میت کی اصل یعنے نانا اور نانیاں پھر قسم ثالث میت کی والدین کا جز یعنے بھانجا اور بھانجی پھر قسم رابع جدین کا جز یعنی دادا اور نانا کی اولاد یا جدتین کا جز یعنے دادی اور نانی کی اولاد چنانچہ تفصیل اس کی آگے آوے گی متن اور شرح میں **وحینئذ یقدم جزء المیت وہم اولاد البنات واولاد بنات الابن وان سفلوا** اور اس وقت میں یعنے جب کہ یہ قاعدہ ٹھہرا کہ ذوی الارحام میں جو میت سے قریب تر ہے وہ بعید تر کا حاجب ہوتا ہے تو میت کا جزء مقدم ہو گا میراث میں ذوی الارحام کی اقسام میں اور جزء میت کا عبارت ہے بیٹیوں کی اولاد سے اور پوتیوں کی اولاد سے خواہ مرد ہوں یا عورت اگرچہ وہ بچند درجہ سافل اور نازل ہوں م تو اگر میت کی ناتن یا پرناتن ہو اور نانا یا نانی ہو تو ناتن یا پرناتن میراث لے گی نانا اور نانی کو کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ جزء مقدم ہے اصل پر عصبات کے مانند **ثم اصلہ وہم الجد الفاسد والجدات الفاسدات وان علوا** پھر اولاد میت کے بعد اصل میت کی مقدم ہے اور میت کے اصول جد فاسد اور جدات فاسدات ہیں اگرچہ بچند درجہ عالی اور اونچے ہوں م جد فاسد وہ ہے جو قرابت رکھے بواسطے عورت کے چنانچہ نانا اور نانا کا باپ اور جدہ فاسدہ وہ ہے جس کی نسبت میں میت کی طرف جد فاسد داخل ہو چنانچہ میت کے نانا کی ماں یا نانا کی نانی خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم میں بھی اقرب فالاقرب مقدم ہے قسم اول کے مانند مطلقاً خواہ اقرب باپ کی جہت سے ہو خواہ ماں کی جہت سے کذا فی الطحطاوی مختصراً **ثم جزء ابویہ وہم اولاد الاخوات لابوین اولاب واولاد الاخوۃ والاخوات لام وبنات الاخوۃ لابوین اولاب وان** نزلوا پھر والدین میت کا جزء مقدم ہے یعنے سگی بہنوں یا سوتیلی بہنوں کی اولاد اور اخیافی بھائی اور بہنوں کی اولاد اور سگے بھائیوں یا سوتیلے بھائیوں کی بیٹیاں اگرچہ سافل اور نازل ہوں م یہ ذوی الارحام کی قسم ثالث ہے سگی یا سوتیلی بہنوں کی اولاد عام ہے خواہ مرد ہوں یا عورت یعنی بھانجے اور بھانجیاں ذوی الارحام سے ہیں اور سگے یا سوتیلے بھائیوں کی بنات کی اس واسطے تخصیص کی کہ بھتیجیاں ذوی الارحام میں داخل ہیں اور بھتیجے عصبات میں سے ہیں چنانچہ عصبات میں مذکور ہو گیا اور اخیافی بھائی اور بہنوں کی اولاد مرد ہو یا عورت ذوی الارحام سے ہیں الحاصل اس قسم میں اولے بالمیراث اقرب الے المیت ہے تو بھانجی مقدم ہے بھائی کی ابن البنت سے اور اگر درجہ میں برابر ہوں تو ولد عصبہ سے مقدم

---

[1] یعنے یوصیکم اللہ فی اولادکم الآیۃ ۱۲ [2] یعنے قرابت داروں میں سے بعض اولے ہیں میراث میں بعض سے کتاب اللہ میں ۱۲

ولد ذی الرحم ہے جیسے بھائی کی پوتی اور بہن کا ناتی تمام مال کو بھائی کی پوتی لے گی نہ بہن کا ناتی اس واسطے کہ پوتی ولد عصبہ ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً **ولیقدم الجد علیہم خلافاً لہما** اور مقدم ہے نانا ان پر یعنے اخوات کی اولاد اور بنات اخوۃ پر برخلاف صاحبین کے امام سے دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ نانا مقدم ہے ناتی اور ناتن پر لیکن یہ روایت مشہور نہیں اور نہ اس پر فتوی ہے اور دوسری مشہور روایت یہ ہے کہ ناتی اور ناتن نانا پر مقدم ہے اور نانا مقدم ہے بھانجے اور بھانجیوں اور بھتیجیوں پر اور اسی روایت پر فتوے ہے اور صاحبین کے نزدیک بھانجے اور بھانجیاں اور بھتیجیاں نانا پر مقدم ہیں اور امام کا مذہب ذوی الارحام میں عصبات کے قیاس پر ہے اس واسطے کہ عصبات میں دادا مقدم ہے میت کے بھائیوں پر کذا فی الطحطاوی **ثم جزء جدیہ او جدتیہ** پھر جدین یا جدتین کی اولاد مقدم ہے یہ ذوی الارحام کی چوتھی قسم ہے الے آخر المذکورات جدین سے باپ کا باپ یعنے دادا اور ماں کا باپ یعنے نانا مراد ہے اور جدتین سے باپ کی ماں یعنی دادی اور ماں کی ماں یعنے نانی مراد ہے **وہم الاخوال والخالات** اور وہ ماموں اور خالہ ہیں یہ لوگ ماں کے رشتہ دار ہیں ماموں تو بھائی ہیں میت کی ماں کے اور خالہ بہنیں ہیں اس کی تو اگر ماں کے سگے بھائی بہن ہیں تو میت کے نانا کی طرف منسوب ہیں اور اگر ماں کے اخیافی بھائی بہن ہیں تو میت کی ماں کی طرف منسوب ہیں کذا فی الطحطاوی والشریفی **والاعمام لام** اور اخیافی چچا ہیں یعنے میت کے باپ کے اخیافی یعنے مادری بھائی ہیں اعمام میں مادری کی قید اس واسطے لگائی کہ سگا چچا اور سوتیلا چچا عصبات میں داخل ہیں نہ ذوی الارحام میں **والعمات** اور پھوپھیاں ہیں ذوی الارحام سے مطلقاً سگی ہوں یا سوتیلی یا مادری تو اگر سگی یا سوتیلی بہنیں ہیں باپ کی تو میت کے دادا کی طرف منسوب ہیں جانب پدری سے اور اگر میت کے باپ کی اخیافی بہنیں ہیں تو وہ منسوب ہیں اس کی جدہ پدری کی طرف قسم رابع میں خلاصہ یہ ہے کہ اخوال اور خالات اور عمات اور اعمام مادری درجے میں برابر ہیں یہاں کوئی اقرب اور ابعد نہیں اور ان میں حکم یہ ہے کہ ان میں سے جو منفرد ہوگا جمیع مال کا مستحق ہوگا اور اگر چند لوگ ہیں تو دیکھنا چاہیے کہ قرابت اُن کی متحد ہے یا نہیں اگر متحد ہے اس طرح کہ سب کی قرابت جہت پدری سے ہے یا جہت مادری سے تو اقرب اولے ہے بالاجماع یعنے سگا اولیٰ ہے سوتیلے سے اور سوتیلا اولے ہے اخیافی سے خواہ اقوی مرد ہو یا عورت اور اگر اقوی میں بھی تعدد ہو مع اتحاد القرابۃ فللذکر مثل حظ الانثیین اور اگر قرابت مختلف ہے اس طرح کہ بعض کی قرابت باپ کی جہت سے ہے اور بعض کی ماں کی جہت سے تو قرابت پدری کے واسطے متروکہ کی دو تہائیاں ہیں اور قرابت مادری کے واسطے ایک تہائی ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً **وبنات الاعمام واولاد ہؤلاء** اور منجملہ قسم رابع چچوں کی بیٹیاں ہیں اور اولاد ان اشخاص مذکورین کی یعنے اخوال اور خالات اور اعمام اخیافی اور عمات اور بنات اعمام کی اولاد بھی ذوی الارحام کی قسم رابع میں داخل ہیں **ثم عمات الاباء والامہات واخوالہم وخالاتہم واعمام الاباء لام و اعمام الامہات کلہم واولاد ہؤلاء وان بعدوا العلو والسفول** پھر اشخاص مذکورین کے بعد میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں اور ان کے ماموں اور خالائیں اور باپوں کے اخیافی چچا اور ماؤں کے چچا بالکل خواہ سگے ہوں یا سوتیلے یا اخیافی اور اولاد ان اشخاص مذکورین کی اگرچہ بعید ہوں اونچے اور نیچے ہوں **ثم** یعنے جب کہ میت کے عمات اور خالات اور اخوال اور ان کی اولاد موجود نہ ہوں تو اب حکم منتقل ہوگا میت کے باپ کی عمات اور خالات اور اخوال اور اس کی ماں کے چچا اور ماموں اور عمہ اور خالہ کی طرف تو اگر ان میں سے کوئی شخص منفرد ہوگا تو سب مال لے گا عدم مزاحم کے سبب سے اور اگر چند اشخاص مجتمع ہوں گے اور قرابت اُن کی متحد ہوگی تو اُن میں سے قوی تر مقدم ہے خواہ مرد ہو یا عورت اور اگر قرابت ان کی برابر ہے تو للذکر مثل حظ الانثیین اور اگر قرابت ان کی مختلف ہے تو باپ کے قرابت والوں کو دو تہائیاں ہیں اور ماں کی قرابت والوں کو ایک تہائی الے آخر ما مر پھر اگر یہ لوگ بھی نہ ہوں تو ان کی اولاد کا حکم قسم رابع کا حکم ہے پھر اگر اُن کی اولاد بھی نہ ہو تو حکم منتقل

ہوگا میت کے دادا اور دادی کے عمات اور خالات وغیرہم کی طرف پھر اُن کے بعد اُن کی اولاد کی طرف اسی غیر النہایۃ کذا فی الطحطاوی والشریفی ویقدم الاقرب فی کل صنف اور مقدم ہوگا میت کا قریب تر اقسام اربعہ کے ہر قسم میں م قسم رابع میں یہ حکم ظاہر نہیں اس واسطے کہ ان میں کوئی اقرب نہیں ہاں اُن کی اولاد میں البتہ اقربیت متحقق ہوتی ہے تو یہ اطلاق اسی پر محمول ہے کذا فی الطحطاوی واذا استووا فی الدرجۃ واتحدت الجہۃ قدم ولد الوارث اور جب کہ ذوی الارحام درجے میں برابر ہوں اور قرابت کی جہت بھی متحد ہو تو وارث کی اولاد مقدم ہوگی غیر وارث کی اولاد پر م ولد وارث سے مراد صنف اول میں صاحب فرض کی اولاد ہے اور صنف ثالث میں عصبہ کی اولاد مراد ہے اور صنف ثانی اور رابع میں یہ نہیں ہوتا ہاں اُن کی اولاد میں تقدیم اقرب کی ہوتی ہے پھر قوی تر کی پھر ولد عصبہ کی اتحاد قرابت کے وقت کذا فی الطحطاوی فلو اختلفت فلقرابۃ الاب الثلثان ولقرابۃ الام الثلث اور اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت والوں کے واسطے دو تہائیاں ہیں متروکہ میت کی اور ماں کی قرابت والوں کے واسطے ایک تہائی ہے م طحطاوی نے کہا یہ تفصیل تو فقط قسم ثانی اور رابع میں اور ان کی اولاد میں ہوتی ہے نہ اول اور ثالث میں وعند الاستواء فان اتفقت صفۃ الاصول فی الذکورۃ او الانوثۃ اعتبر ابدان الفروع اتفاقا اور ذوی الارحام کے درجہ برابر ہونے کے وقت اگر اُن کے اصول کی صفت مرد ہونے یا عورت ہونے میں یکساں اور متفق ہو تو فروع کے ابدان کا اعتبار ہوگا باتفاق ابویوسف اور محمدؒ کے م درصورت اتفاق اصول اگر فروع فقط ذکور ہوں یا فقط اناث ہوں تو سب کا حصہ برابر ہے اور اگر مختلط ہوں تو للذکر مثل حظ الانثیین تو ناتی دو ثلث پاوے گا اور ناتن ایک ثلث واما اذا اختلفت الفروع والاصول کبنت ابن بنت وابن بنت بنت اعتبر محمد فی ذلک الاصول وقسم المال علی اول بطن اختلف بالذکورۃ والانوثۃ وہو ہنا البطن الثانی وہو ابن بنت وبنت بنت فمحمد اعتبر صفۃ الاصول فی البطن الثانی فی مسئلتنا فقسم علیہم اثلاثا واعطی کلا من الفروع نصیب اصلہ فحینئذ یکون ثلثاہ لبنت ابن البنت نصیب ابیہا وثلثہ لابن بنت البنت لانہ نصیب امہ وتمامہ فی السراجیۃ وشروحہا اور جب کہ اختلاف ہو فروع اور اصول کی صفت میں چنانچہ ناتی کی بیٹی اور ناتن کا بیٹا تو اس میں محمد رح نے اصول کا اعتبار کیا ہے اور مال کو قسمت کیا ہے اُس اول بطن پر جس میں اختلاف ہوا ذکورت اور انوثت کا اور وہ اختلاف اس مقام کی مثال میں بطن ثانی میں پڑا ہے یعنے ناتی اور ناتن میں تو محمد رح نے اصول کی صفت کا اعتبار کیا ہے بطن ثانی میں ہمارے مفروض مسئلہ میں تو اُن پر مال کو تین حصے کر کے بانٹا ہے اور ہر ایک فرع کو اس کی اصل کا حصہ دیا ہے تو باپ مال کی دو تہائیاں ناتی کی بیٹی کی ہوں گی جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور ایک تہائی ناتن کا بیٹا پاوے گا اس واسطے کہ تہائی اُس کی ماں کا حصہ ہے اور اُس کا پورا مفصل بیان سراجیہ اور اس کی شرحوں میں ہے یعنے بیان نہایت مذکور ہوا م جب کہ اصول میں اختلاف ہو ذکورت اور انوثت کا تو ابویوسف نے یہاں بھی ابدان فروع کا اعتبار کیا ہے اور اختلاف اصول کا کچھ اعتبار نہیں کیا اور محمدؒ نے اعلائے بطن مختلف پر میراث کو تقسیم کیا ہے اور ہر اصل کا حصہ اُس کی فرع کے واسطے مقرر کیا ہے تو متن کی صورت مذکورہ میں ابویوسف کے نزدیک مال کی تین تہائیاں ہو کر دو تہائیاں ناتن کا بیٹا پاوے گا اور ایک تہائی ناتی کی بیٹی پاوے گی برعکس قول محمدؒ کے اور تعدد اختلاف بطون کی تفصیل محمدؒ کے مذہب کے موافق اور ذوی الارحام کے اصناف اربعہ کے احکام جداگانہ طحطاوی اور شروح سراجیہ میں مذکور ہیں خوف تطویل کے سبب مترجم اُس کے ترجمہ کرنے سے معذور ہیں فمن شاء الاستقصاء فلیرجع الیہا وہہنا اعتبر الفروع فقط اور ابویوسف اور حسن بن زیاد نے فقط فروع کا اعتبار کیا ہے نہ اصول کا م یہاں ضمیر کا مرجع مقدم مذکور نہیں ہوا بلکہ مرجع ضمیر کا سراج الدین کے کلام میں مذکور ہے کذا فی الطحطاوی لکن قول محمد اشہر الروایتین عن ابی حنیفۃ رح فی جمیع ذوی الارحام وعلیہ الفتوی کذا فی شرح السراجیۃ لمصنفہا لیکن محمدؒ کا قول مشہور تر ان دو روایتوں میں سے ہے جو امام ابوحنیفہ سے مروی ہیں تمام ذوی الارحام میں اور اسی قول پر فتوی ہے

ایسا مذکور کیا ہے سراجیہ کے مصنف کی شرح میں م وہکذا فی العالمگیریۃ عن الکافی اور یہ بھی عالمگیری میں ہے کہ امام اسبیجابی کی مبسوط میں مذکور ہے کہ ابو یوسف کا قول صحیح تر ہے کیونکہ وہ آسان تر ہے اور صاحب محیط نے کہا کہ مشائخ بخارا نے ابو یوسفؒ کا قول لیا ہے اس قسم کے مسائل میں اور طحطاوی میں ہے کہ مشائخ بخارا اور خوارزم نے ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیا ہے وفی الملتقی وبقول محمد یفتی سئلت عمن ترک بنت شقیقۃ وابن وبنت شقیقۃ کیف تقسم فاجبت بانہم قد شرطوا عدد الفروع فی الاصول فحینئذ تصیر الشقیقۃ کشقیقتین فیقسم المال بینہما نصفین ثم یقسم نصف الشقیقۃ بین اولادہا اثلاثا اور ملتقی میں ہے کہ محمدؒ کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے مجھ سے سوال ہوا اس میت کا مسئلہ جس نے اپنے سگے بھائی کی بیٹی اور سگی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اس کا متروکہ کیونکر تقسیم ہوگا تو میں نے جواب دیا اس طرح کہ فقہاء نے شمار فروع کا اصول میں شرط کیا ہے یعنے اگر فرع متعدد ہوگی تو اصل کو بھی متعدد قرار دیں گے تو اس وقت میں سگی بہن دو سگی بہنوں کے مانند ہو جاوے گی یعنے اس واسطے کہ اس کی دو فرع ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو مال متروکہ میت کے سگے بھائی اور سگی بہن جو بمنزلہ دو بہنوں کے ہو گئی نصفا نصف تقسیم ہوگا پھر سگی بہن کا نصف اُس کی اولاد میں تین تہائیاں ہو کر مقسوم ہوگا م یہ جواب مبنی ہے محمدؒ کے قول پر اُن کا مذہب یہ ہے کہ اگر فروع میں تعدد نہیں ہے تو فروع میں اصول کی ذکورت اور انوثت کا اعتبار کرتے ہیں اور اگر فروع میں تعدد ہو چنانچہ ایک اصل کی دو فرع مذکر ہوں اور دوسری اصل کی دو فرع مونث ہوں اور تیسری اصل کی ایک ہی فرع ہو تو یہاں اصل کی صفت اور فرع میں جمع کریں گے تو اصل کو متعدد قرار دیں گے فرع کے تعدد کے سبب سے لیکن فرع کا وصف یعنے ذکورت اور انوثت کا اصل میں اعتبار نہ کریں گے تو بنا بر اس قول کے چونکہ مسئلہ مذکورہ میں سگی بہن کے دو فرع ہیں لہذا سگی بہن کو بمنزلہ دو بہنوں کے قرار دیا اور متروکہ نصف سگے بھائی کو ملا اور نصف سگی بہن کو پھر سگی بہن کے نصف کی تین تہائیاں کر کے اُس کی اولاد میں تقسیم کی دو تہائیاں بیٹا لے گا اور ایک تہائی بیٹی کذا فی الطحطاوی ملتقطا من الموضعین

فصل فی الغرقی والحرقی وغیرہم

یہ فصل ہے ڈوبنے والوں اور جلنے والوں وغیرہم کے احکام میں م غرقی جمع ہے غریق کی اور حرقی جمع ہے حریق کی جیسے قتلے جمع ہے قتیل کی مراد اُن سے وہ لوگ ہیں جو مر گئے اور یہ معلوم نہیں کہ کون پہلے مرا چنانچہ ایک کشتی کے لوگ ساتھ ہی ڈوب گئے یا ایک گھر کے لوگ ساتھ ہی جل گئے یا اُن پر دیوار یا چھت گر پڑی یا معرکے میں مقتول ہوئے اور موت کا تقدم اور تاخر معلوم نہیں تو یہ قرار دیا جاوے گا کہ گویا وہ ساتھ ہی ایک ہی آن میں مر گئے **لاتوارث بین الغرقی والحرقی الا اذا علم ترتیب الموتی** فیرث المتاخر اور ڈوبنے اور جلنے والوں میں باہم وارث ہونا نہیں یعنے ایک غریق دوسرے غریق کا وارث نہ ہوگا مگر جب کہ تقدم اور تاخر مردوں کا معلوم ہو جائے اس طرح پر کہ یقین کے بعد شبہ واقع نہ ہو تو اب پچھلا مردہ وارث ہوگا پہلے مردے کا م غرقی اور ان کے امثال کی پانچ صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ اُن میں سے میت سابق بالیقین معلوم ہو اُس کا حکم صریح ہے کہ لاحق سابق کا وارث ہوگا دوسری صورت یہ ہے کہ میت سابق علی التعیین پہلے تو معلوم تھا پھر اس میں شبہہ پڑ گیا اُس کا حکم یہ ہے کہ اس کی میراث موقوف رہے گی تا وقتیکہ شبہہ زائل ہو کر یقین حاصل ہو یا وارث باہم صلح کر لیں اس واسطے کہ یاد آجانے سے مایوسی نہیں ہے تیسری صورت یہ ہے کہ میت سابق بلا تعیین معلوم ہو چوتھی صورت یہ ہے کہ سب کی موت ساتھ ہی ہو یا پانچویں صورت یہ ہے کہ سبقت اور معیت کچھ معلوم نہ ہو تو ان پچھلی تین صورتوں میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی عن عجم زادہ محشی الشریفی فلو جہل عینہ اور اگر میت سابق کی ذات معلوم نہ رہے مجہول ہو جائے یعنی اُس کی تعیین کے بعد التباس اور اشتباہ واقع ہو اُس کی ذات میں اور یہ دوسری صورت ہے منجملہ پانچ صورتوں کے جو مذکور ہو چکیں کذا فی الطحطاوی اعطے کل بالیقین ووقف المشکوک فیہ حتے یتبین او یصطلحوا شرح المجمع تو دیا جائے ہر ایک کو یقین کے ساتھ اور جس میں شک پڑے

موقوف رہے یہاں تک کہ صاف ظاہر ہو جائے یعنے یاد پڑ جائے اشتباہ کے بعد یا کہ ورثہ باہم صلح کر لیں کذا فی الشرح المجمع قلت واقرہ صنف لکن نقل شیخنا عن ضوء السراج معزیا لمحمد انہ لو مات احدہما ولم یدر ایہما تو جعل کانہما ماتا معا لتحقق التعارض بینہما وہو مخالف لما مر فتدبر ں کہتا ہوں اور شرح مجمع کے قول مذکور کو مصنف نے اپنی شرح میں ثابت رکھا ہے لیکن ہمارے استاد نے ضوء سراج سے منسوب بمحمدؒ اس قول قل کیا ہے کہ دو شخصوں میں سے ایک شخص اول مرگیا اور یہ معلوم نہیں کہ دو شخصوں میں سے کون شخص پہلے مرا تو یہ ٹھہرایا جاوے گا کہ گویا دونو تھ ہی مرگئے بثبوت تعارض کی وجہ سے دونوں میں اور یہ روایت مخالف ہے مجمع کے قول کے جو گذر گیا تو اس کو سوچ لے م ضوء سراج میں ورت ثالثہ کا ذکر ہے اور جو شرح مجمع سے ہوا وہ صورت ثانیہ ہے تو تنافی اور تخالف دفع ہو گیا کذا فی الطحطاوی یعنے صورت ثالثہ میں میت سابق علم بلا تعیین ہے اور صورت ثانیہ میں علم علے التعیین کے بعد اشتباہ واقع ہوا تو اب تخالف قولین باقی نہ رہا واذا لم یعلم ترتیبہم تقسیم مال کل منہم لی ورثتہ الاحیاء اذ لا توارث بالشک اور جب کہ اموات مذکورین کی ترتیب معلوم نہ ہو تو ہر ایک میت کا مال ان لوگوں میں سے اس کے زندہ ارثوں پر تقسیم کیا جائے اس واسطے کہ اموات مذکورین کا باہم وارث ہونا نہیں شک کے سبب سے م یعنے استحقاق میراث کے سبب میں یہاں ک واقع ہے کیونکہ استحقاق کا سبب ایک کی زندگی ہے دوسرے کی موت کے بعد اور وہ بالیقین معلوم نہیں اور جب تک سبب متیقن نہیں ستحقاق میراث کا متحقق نہیں اس واسطے کہ ثبوت سبب کا شک سے متصور نہیں کذا فی الطحطاوی فرائض شریفی میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اہل یمامہ کے مقتولین میں اسی طرح کا حکم کیا یعنے زندوں کو مردوں کی میراث دلائی اور ایک میت کو دوسری میت کی میراث نہیں دی اور جب کہ عمواس میں باسے لوگ مرگئے تو عمر فاروقؓ نے اسی طرح حکم کیا اور علی مرتضےؓ نے بھی صفین اور جمل کے مقتولین میں یہی حکم جاری فرمایا انتہے والکافر یرث بالنسب والسبب کالمسلم اور کافر وارث ہوتا ہے نسب کی جہت سے مسلمان کی مانند یعنے کافر پر میراث مسلمین کے احکام جاری ہوں گے فرض اور عصوبت اور رحم کے طریق سے جب کہ کفار حکام مسلمین کی طرف مرافعہ کریں اور زوجیت اور اعتاق کے احکام کذا فی الطحطاوی ولو اجتمع ہ قرابتان لو تفرقتا فی شخصین حجب احدہما الاخر فانہ یرث بالحاجب اور اگر کافر میں دو ایسی قرابتیں جمع ہوں کہ اگر وہ قرابتیں دو شخصوں میں جدا جدا ہوتیں تو ایک شخص دوسرے کا حاجب ہوتا تو وارث ہوگا حاجب قرابت کی جہت سے م چنانچہ مجوسی نے اپنی ماں سے نکاح کیا اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی تو یہ بیٹی اس مجوسی کی اخیافی بہن ہوئی اور بیٹی بھی اور بیٹی اخیافی بہن کی حاجب ہوتی ہے تو وہ مجوسی کی وارث ہوگی بیٹی ہونے کی جہت سے اور محجوب نہ ہوگی اخیافی بہن ہونے کی راہ سے وان لم یحجب احدہما الاخر یرث بالقرابتین عندنا کما قدمناہ اور اگر ایک شخص دوسرے شخص کا حاجب نہ ہو تو کافر وارث ہوگا دونوں قرابتوں کی جہت سے ہم حنفیوں کے نزدیک چنانچہ ہم نے اس کو آگے ذکر کر دیا ہے باب عول سے پہلے م صورت اس کی یہ ہے کہ مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا سو اس سے فرزند پیدا ہوا تو یہ عورت اس کی ماں ہے اور سوتیلی بہن بھی ہے تو وہ دونوں جہت سے فرزند مذکور کی وارث ہوگی تو ماں ہونے کی راہ سے تہائی متروکہ پاوے گی اور بہن ہونے کی جہت سے نصف ترکہ لے گی ولا یرثون بانکحۃ مستحلۃ عندہم ای یستحلونہا کتزوج مجوسی امہ لان النکاح الفاسد لا یوجب

التوارث بین المسلمین فلا یوجبہ بین المجوس کذا فی الجوہرۃ قال وکل نکاح لو اسلما یقران علیہ یتوارثان وما لا فلا انتہے وصححہ فی الظہیریۃ اور کفار وارث نہیں ہوتے من حیث الزوجیۃ ان نکاحوں کی جہت سے جو ان کے نزدیک حلال ہیں یعنے جن نکاحوں کو وہ حلال جانتے ہیں جیسے مجوسی کا نکاح کرنا اپنی ماں سے اس واسطے کہ فاسد نکاح درمیان مسلمین کے توارث کا موجب نہیں تو اسی طرح مجوس میں بھی باہم میراث کا موجب نہ ہوگا کذا فی الجوہرۃ اس کے مصنف نے کہا کہ کافروں میں جو نکاح ایسا ہو کہ اگر زوجہ اور زوج مسلمان ہوں تو اسی نکاح پر ثابت رکھے جاویں تو باہم وارث

ہوں گے اور جس نکاح پر بعد اسلام کے ثابت نہ رکھے جاویں تو باہم وارث نہ ہوں گے انتہے ما فی الجوہرۃ اور اسی قول کو صحیح کہا ہے ظہیریہ میں ویرث ولد الزنا واللعان بجہۃ الام فقط لما قدمنا فے العصبات انہ لا اب لہما اور ولد الزنا اور ولد اللعان فقط اپنی ماں کے جہت سے وارث ہوگا اس واسطے کہ ہم نے عصبات کے بیان میں ذکر کر دیا ہے کہ ان دونوں کا باپ نہیں یعنے احکام شرعی میں نہ واقع میں م تو اگر ولد الزنا کا اخیافی بھائی ہو نکاح سے یا زنا سے تو یہ بھائی اس کا عصبہ نہ ہوگا بلکہ مادری بھائی کی میراث لے گا تو صاحب فرض ہوگا اور ولد الزنا کی ارث اس کی ماں لے گی فرضاً اور رداً اور اگر ماں نہ ہو تو ماں کے ذوی الارحام وارث اس کے ہوں گے کذا فی الطحطاوی **ووقف للحمل حظ ابن واحد او بنت واحدۃ ایہما کان اکثر وعلیہ الفتوے لانہ الغالب ویکفلون احتیاطا** اور اٹھا رکھا جاوے حمل کے واسطے ابن واحد یا بنت واحدہ کا حصہ ان میں سے جس کا حصہ زیادہ محتمل ہو وہی موقوف رہے گا اور اسی قول پر فتوی ہے اس واسطے کہ ایک ہی بچہ پیدا ہونا اکثر ہوتا ہے اور وارثوں سے اس قدر حصے کا ضامن لیا جاوے احتیاط کی راہ سے یعنے قاضی ضامنی لے تاکہ وارث اس کو صرف نہ کر ڈالیں م امام اعظمؒ کے نزدیک حمل کے واسطے چار بیٹیوں کا حصہ اور محمدؒ کے نزدیک تین بیٹوں کا حصہ اٹھا رکھا جائے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک ابن یا بنت کا حصہ موقوف رہے گا اور یہی قول اصح اور مفتی بہ ہے اس واسطے کہ غالب عادت یہی ہے کہ بطن واحد میں نہیں پیدا ہوتا مگر ایک تو اکثر پر مبنی ہوگا جب تک اس کا خلاف ظاہر نہ ہو کذا فی السراجیہ و شرحہا للسید **کما لو ترک ابوین وبنتا وزوجۃ حبلے فان المسئلۃ من اربعۃ وعشرین ان فرض الحمل ذکرا وتعول لسبعۃ وعشرین ان فرض انثے لان للبنتین الثلثین** چنانچہ اگر مرد نے اپنے والدین اور ایک بیٹی اور زوجہ حامل کو چھوڑا تو مسئلہ صحیح ہوگا چوبیس سے اگر پیٹ کے بچے کو مرد فرض کیجئے اور چوبیس عول کریں گے ۲۷ کی طرف اگر اس کو عورت فرض کیجیے اس واسطے کہ دو بیٹیوں کے واسطے دو تہائیاں فرض ہیں م ۲۴ سے اس واسطے مسئلہ ٹھہرا کہ ثمن زوجہ کا والدین کے سدسین کے ساتھ مختلط ہوا تو اگر بچہ مرد ہو تو زوجہ کا حصہ تین سہم ہیں ۲۴ سے اور والدین کا حصہ آٹھ سہم ہیں چار ماں کے چار باپ کے باقی رہے تیرہ وہ بھائی بہن کے ہیں للذکر مثل حظ الانثیین اور صحیح ہوگا ۲۷ سے اور اگر بچہ عورت ہو تو دونوں بیٹیوں کو ۱۶ ملنے چاہئیں اس لئے مسئلہ عول کرے گا ۲۷ کی طرف **قلت ہذا علے کون الحمل من المیت والا فمثلہ کثیرۃ** میں کہتا ہوں یہ مثال اس تقدیر پر ہے جب کہ حمل میت سے اور اگر حمل غیر میت سے ہو تو اس کی مثالیں بہت کثرت سے ہیں م مثل بضم میم وثاء مثلثہ جمع ہے مثال کی شارح کی عبارت اس کی موہم ہے کہ جس تقدیر پر حمل میت سے ہے تو اس کی یہی مثال خاص ہے جس کو شارح نے ذکر کیا اور حالانکہ ایسا نہیں ہے کذا فے الطحطاوی **کما لو ترکت زوجا واما حبلے فللزوج النصف وللام الثلث وللحمل ان قدر ذکرا السدس لانہ عصبۃ فیقدر انثے لیفرض لہا النصف وتعول لثمانیۃ کما لا یخفے** چنانچہ ایک عورت نے اپنا زوج اور اپنی ماں حامل کو چھوڑا تو زوج کا حصہ نصف ہے اور ماں کا حصہ تہائی ہے اور حمل کو اگر مرد فرض کیجیے تو سدس حصہ ہے اس واسطے کہ وہ عصبہ ہے باقی مال پاوے گا تو حمل کو عورت فرض کریں گے تاکہ وہ بہن ہو اور اس کے واسطے نصف متروکہ مقرر ہوا اور عول کرے گا یہ مسئلہ آٹھ کی طرف چنانچہ مخفی نہیں ہے م یہ مسئلہ چھ سے ہے نصف اور ثلث کے جمع ہو جانے سے اور عول کرے گا آٹھ کی طرف نصفین اور ثلث کے اجتماع سے کذا فی الطحطاوی **قلت ولم ار ما لو کان علی احد التقدیرین یرث وعلی الاخر لا کام واخوین لام فان قدر ذکرا لم یبق لہ شئ فینبغی ان یقدر انثے وتعول لتسعۃ احتیاطا** میں کہتا ہوں اور میں نے نہیں دیکھا اس مسئلہ کا حکم کہ اگر پیٹ کا بچہ ایک تقدیر پر وارث ہو اور دوسری تقدیر پر وارث نہ ہو چنانچہ مثال مذکور کے وارث اور دو اخیافی بھائی یعنے ایک عورت مرگئی زوج اور حاملہ ماں اور دو اخیافی بھائیوں کو چھوڑ کر تو اگر حمل کو مرد فرض کیجیے تو اس کے واسطے کچھ باقی نہ رہے گا تو لائق بقواعد یہ ہے کہ اس کو عورت فرض کیجیے احتیاط کی راہ سے اور عول کرے گا مسئلہ نو کی طرف

م یہ مسئلہ وہبانیہ کے اس بیت کا ہے جو بعد اس کے مذکور ہوگی مرد فرض کرنے میں اس واسطے حمل کے واسطے کچھ باقی نہ رہے گا کہ زوج کا فرض حصہ نصف ہے اور ماں کا سدس ہے اور اخیافی بھائیوں کا ثلث ہے پھر جب کہ ترکہ مستغرق بفروض ہوگیا تو بھائی جو عصبہ ہے ساقط ہوگیا اور حمل کو عورت فرض کیجیے تو مسئلہ چھ سے ہے بسبب اجتماع نصف اور سدس کے اور عول کرے گا نو کی طرف نصف زوج کا اور نصف سگی بہن کا اور سدس ماں کا اور ثلث اخیافی بھائیوں کا تو حمل کے واسطے تین سہم اٹھا رکھیں گے نو میں سے کذا فی الطحطاوی بتصرف و فی الوہبانیۃ قال ـــہ وحاملۃ ان تات بابن فلم یرث ٭ وان ولدت بنتا لہا الثلث یقدر ٭ اور وہبانیہ میں کہا اور حاملہ اگر لڑکا جنے تو وہ لڑکا وارث نہ ہوا اور اگر لڑکی جنے تو اس کے واسطے تہائی مقرر ہے م یہ وہ مسئلہ ہے جس کو شارح نے ابھی مذکور کیا ثلث نصف عائل[1] ہے اس واسطے کہ تین تہائی ہے نو کی کذا فی الطحطاوی

فصل فے المناسخات

یہ فصل ہے مناسخات میں م مناسخہ لغت میں عبارت ہے ازالہ اور تغییر اور نقل اور تحویل سے اور اصطلاح فرائض میں مناسخہ یہ ہے کہ بعض یا کل وارثوں کے سہام ان کے پچھلوں کی طرف منقول ہو جاویں بوجہ استحقاق یعنے ورثہ کے وارثوں کو دیے جاویں کذا فی الطحطاوی یعنے ترکہ ہنوز قسمت نہ ہوا تھا کہ وارث مرگیا تو اس کے حصے کو اس کے وارث کی طرف نقل کرنا اسی کا نام مناسخہ ہے **مات بعض الورثۃ قبل القسمۃ للترکۃ صححت المسئلۃ الاولی** واعطیت سہام کل وارث بعض وارث مرگیا ترکہ قسمت ہونے سے پہلے تو پہلے مسئلہ کی تصحیح کی جاوے[2] گی اور ہر وارث کے سہام دیے جاویں م تصحیح مسئلہ اس عبارت سے ہے کہ سہام لئے جاویں کمتر عدد سے اس طرح پر کہ کسی وارث پر کسر واقع نہ ہو کذا فی الشریفی اور تصحیح مسائل کے سات قاعدے ہیں آگے معلوم ہوں گے **ثم الثانیۃ** پھر دوسرے مسئلہ کی تصحیح کی جاوے گی پہلے مسئلہ کے بعد م اور تصحیح اول اور تصحیح ثانی کے ما فی الید[3] میں نظر کریں گے تو یہ نظر تین حال سے خالی نہیں یا دونوں ما فی الید میں مماثلت[4] ہوگی یا موافقت یا مباینت ان کی مثالیں آگے معلوم ہوں گی الا اذا اتحد وان کان مات عن عشرۃ بنین ثم مات احدہم عنہم مگر جب کہ دونوں مسئلوں کی تصحیح متحد ہو تو مسئلہ ثانیہ کی تصحیح کی کچھ حاجت نہیں چنانچہ ایک شخص مرگیا دس بیٹے چھوڑ کر پھر اس کے بعد ان میں سے ایک بیٹا مرگیا نو بھائی چھوڑ کر م دس بھائی سگے ہوں یا سوتیلے تمام متروکہ نو بھائیوں پر تقسیم ہوگا ایک ہی بار گویا کہ میت ثانی موجود ہی نہ تھا اس واسطے کہ اگر اول دس حصے کیجیے پھر ایک کا حصہ نو کو دیجیے تو تطویل بلا طائل ہے **فان استقام نصیب المیت الثانی علی ترکتہ فبہا ونعمت** پھر مسئلہ ثانیہ اگر میت ثانی کا حصہ مستقیم ہوگیا اس کے ترکہ پر یعنے اس کے وارثوں پر بلا کسر مقسوم ہوگیا تو بہت خوب اور بہتر ہوا م اور ہم ایک مثال مذکور کرتے ہیں جس میں احوال ثلثہ یعنے استقامت اور توافق اور تباین مجتمع ہو وہ یہ[5] ہے کہ ایک عورت زوج اور بیٹی اور ماں کو چھوڑ کر مرگئی پھر زوج قبل از قسمت متروکہ ایک زوجہ اور والدین کو چھوڑ کر مرگیا پھر بیٹی دو ابن ایک بنت اور اس کی جدہ کو چھوڑ کر مرگئی جو میت اول کی ماں ہے پھر وہ جدہ یعنے نانی زوج اور دو بھائیوں کو چھوڑ کر مرگئی تو میت ثانی استقامت کی مثال ہے اور میت ثالث

---

[1] عائل یعنی عول یعنے اصل مسئلہ چھ ہے اس کا نصف کل کی تہائی ہے ۱۲ ف میراث حمل ۱۲

[2] اگر ترجمہ معروف کا کیا جاتا تو ماتن کے اگلے اقوال کے مطابق ہوتا چنانچہ ہم نے اعراب معروف کا دیا ہے ۱۲

[3] یعنے جو میت ثانی کو تصحیح اول میں سے سہام ملے تھے ۱۲

[4] بیان مماثلت اور موافقت وغیرہ کا باب المخارج میں آوے گا بہتر یہ تھا کہ مناسخہ کے پہلے مذکور ہوتا ۱۲

[5] طریق مناسخہ کے لکھنے کا یہ ہے کہ اول میت اول اور اس کے وارثوں کو لکھ کر اصل مسئلہ کو جدا اور تصحیح کو اس کے اوپر لکھتے ہیں چنانچہ مثال اس کی صفحہ ۵۰۰ کے حاشیہ پر ہے اس میں ف علامت تصحیح کی ہے اور مف علامت ما فی الید کی اور لسا علامت موت کی اور سب کے آخر میں ہر زندہ لوگوں کا مسمی بہ احیا لکھ کر اس کے نیچے زندوں کے نام اور ان کے سہام نقل کر دیتے ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں رد یا عول کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا اشارہ بھی کر دیتے ہیں اور تصحیح اموات اور ما فی الید میں استقامت و موافقت و مباینت کو بیچ میں لکھ دیتے ہیں ۱۲

موافقت کی مثال ہے اور میت رابع مباینت کی مثال ہے پھر جب ہم نے عمل مذکور کا ارادہ کیا تو پہلے میت اول کا مسئلہ صحیح کیا اور ہر وارث کو اس کے سہام دئیے پھر ثانی مسئلہ کی تصحیح کی اور میت ثانی اور اس کی تصحیح میں تامل کیا تو مسئلہ اولی کی تصحیح بارہ سے ہوئی نصف اور ربع اور سدس کے اجتماع سے اور اس مسئلے میں رد فرض کرنا ہوگا زوج کے تین سہم اور بنت کے چھ اور ماں کے دو ایک سہم باقی رہا اس کو بیٹی اور ماں پر بقدر ان کے سہام کے رد کیا تو اب اس عمل کی حاجت پڑی جو رد فرض میں سابق مذکور ہو چکا سو اس مسئلہ میں من یرد علیہ کے دو جنسوں کے ساتھ من لا یرد علیہ جمع ہوا یعنے بنت اور ام کے ساتھ زوج مجتمع ہے تو زوج کا حصہ اقل مخارج سے یعنے چار سے دیا اور مسئلہ من یرد علیہ بھی چار ہے اس واسطے کہ اگر ربع سے قطع نظر کیجیے تو مسئلہ چھ سے ہے نصف اس کا تین سو بنت کا فرض ہے اور سدس اس کا ایک ہے سو ام کا حصہ ہے تو من یرد علیہ کا مسئلہ چار ہوا اور بعد اعطاء نصف زوج کے جو تین باقی رہے وہ من یرد علیہ کے مسئلہ پر مستقیم نہیں تو من یرد علیہ کے مسئلہ کی یعنے چار کے ضرب کرنے کی حاجت پڑی من لا یرد علیہ کے فرض کے مخرج میں اور وہ مخرج بھی چار ہے تو چار کو چار میں ضرب کرنے سے ۱۶ حاصل ہوئے تو زوج کا حصہ ایک تھا چار سے جب اس کو مسئلہ من یرد علیہ میں یعنے چار میں ضرب کیا تو چار ہی ہوئے اور من یرد علیہ کا حصہ مخرج فرض کے باقی میں ضرب کیا گیا تو ماں کا حصہ ایک تھا چار سے جب اس کو تین میں جو باقی ہے مخرج سے ضرب کیا تو تین ہی حاصل ہوئے اور بیٹی کا حصہ تین تھا جب اس کو تین میں ضرب کیا تو نو حاصل ہوئے تو اس تقسیم سے زوج کو چار سہم حاصل ہوئے اور ماں کو تین اور بیٹی کو نو پھر جب ہم نے میت ثانی کے مسئلے کی تصحیح کی یعنے زوج کی تو چار سہم سے اس کی تصحیح پائی اس واسطے کہ اس کی زوجہ کا ربع ہے اور اس کی ماں کا حصہ باقی مال کی تہائی ہے اور اس کے باپ کا حصہ دو تہائیاں پھر جب ہم نے زوج کی مافی الید سہام میں نظر کی تو چار سہام پائے سو اس کے وارثوں پر بلا کسر مستقیم ہیں ان میں سے زوجہ کا ایک سہم اور ماں کا ثلث باقی یعنے ایک سہم اور باپ کے دو ثلث یعنے دو سہم تو اس تصحیح میں ضرب کرنے کی حاجت نہ پڑی اور پہلا مسئلہ اور دوسرا سولہ سے صحیح ہو گیا کذا فی الطحطاوی والشریفی **وان لم یستقم فان کان بین سہامہ ومسئلتہ موافقۃ ضرب وفق التصحیح فی کل التصحیح الاول** اور اگر میت ثانی کا حصہ مستقیم نہ ہوا اس کے وارثوں پر سو اگر میت ثانی کے سہام میں اور اس کے مسئلے میں موافقت ہو تو تصحیح کے وفق کو تصحیح اول سہام میں تو ضرب کرے گا مثال اس کی وہ میت ہے صورت مذکورہ میں جو کہ دو ابن اور ایک بنت اور ایک جدہ چھوڑ کر مر گئی تو یہ مسئلہ چھ سے ہے جدہ کا ایک سدس ہے یعنے ایک سہم اور باقی پانچ رہے سو پانچ روس کے ہیں یعنے چار سہم دو بیٹیوں کے اور ایک سہم بیٹی کا تو نظر کی اس کے مافی الید میں جو نو ہیں اور اس کے مسئلے میں جو چھ ہیں تو ان میں موافقت بالثلث پائی اور مسئلہ ثانیہ کا ثلث دو ہے تو اس کو ضرب کیا جمیع تصحیح اول میں جو سولہ ہیں تو حاصل ہوئے ۳۲ جس کے سہام سولہ سے تھے یعنے میت اول کے ورثہ کے سو وہ لے گا دو میں ضرب کر کے اس واسطے کہ دو وفق ہے میت اول کے مسئلے کا اور جس کے سہام چھ سے ہیں یعنے میت ثانی کے ورثہ کے تو وہ لے گا تین میں ضرب کر کے اس واسطے کہ تین میت ثانی کے مافی الید کا وفق ہے سو میت اول کی ماں کے تین سہم تھے سولہ سے جب ان کو دو میں ضرب کیا چھ حاصل ہوئے تو یہ ماں کا حصہ ہوا اور زوج کے چار تھے سولہ سے ان کو دو میں ضرب کیا

مثال مناسخہ میت اول			میت دوم			میت سوم				میت چہارم		
ف ۱۲۸ ف ۳۲ ف ۱۶	مسئلہ ردیہ		مسئلہ ۴	مستقیم	حامد مافی ۴	مسئلہ ۶	توافق بالثلث صالحہ مافی ۹			مسئلہ ۴	تباین	زہرہ مافی ۹
زوج	بنت	ام ہندہ	زوجہ شاکرہ	ام راضیہ	اب خالد	ابن زید	ابن عمرو	بنت صابرہ	جدہ زہرہ	زوج قمر	اخ کوکب	اخ خورشید
حامد	صالحہ	زہرہ										
۱/۴	۹	۳/۶	۱/۸	۱/۸	۲/۱۶	۲/۲۴	۲/۲۴	۱/۱۲	۱/۳	۲/۱۸	۱/۹	۱/۹
			الاحـــ			المبلغ ۱۲۸						ـــاد
			شاکرہ	راضیہ	خالد	زید	عمرو	صابرہ		قمر	کوکب	خورشید
			۸	۸	۱۶	۲۴	۲۴	۱۲		۱۸	۹	۹

آٹھ حاصل ہوئے تو یہ زوج کا حصہ ہوا اور یہ آٹھ کی تقسیم زوج کے وارثوں پر بھی مستقیم ہے اس میں سے زوجہ کے دو سہم اور اس کے باپ کے چار سہم اور اس کی ماں کے دو سہم اور میت ثانی کے مسئلہ سے جدہ کا ایک سہم تھا اس کو تین میں ضرب کیا تین ہی حاصل ہوئے اور میت ثانی کی اولاد کے پانچ سہم تھے ان کو تین میں ضرب کیا ۱۵ حاصل ہوئے ان میں سے ہر پسر کا حصہ چھ ہوا اور بیٹی کا تین تو ۳۲ کی تقسیم صحیح ہو گئی کذا فی الطحطاوی والشریفی ملتقطا **والا یکن بینہما موافقۃ بل مباینۃ ضربت کل الثانی فی کل الاول تحصل مخرج المسئلتین** اور اگر میت ثانی کے سہام میں اور اس کے مسئلے میں موافقت نہ ہو بلکہ مباینت ہو تو ضرب کرے گا تو جمیع تصحیح ثانی کو تمام تصحیح اول میں حاصل ہوگا دونوں مسئلوں کا مخرج یعنے علی تقدیر الموافقۃ وفق تصحیح ثانی کی ضرب سے اور علی تقدیر المباینۃ کل تصحیح ثانی کی ضرب سے تصحیح اول میں موافقت اور مباینت کے دونوں مسئلوں کا مخرج حاصل ہوگا مباینت کی مثال صورت مذکورہ میں وہ جدہ ہے جو زوج اور دو بھائیوں کو چھوڑ کر مرگئی اور اس کے ہاتھ میں نو سہم ہیں چھ سہم سے اُس نے اپنی بیٹی سے جو کہ میت اول ہے پائے اور تین سہم اپنی نواسی سے جو میت ثالث ہے پائے چنانچہ عنقریب مذکور ہو چکا اور مسئلہ جدہ کی تصحیح چار سے ہے اس واسطے کہ زوج کا حصہ نصف ہے تو اصل مسئلہ ہوا دو سے اُس کا نصف زوج کو دیا یعنے ایک دو سے تو باقی رہا ایک وہ دو بھائیوں پر قسمت نہیں ہو سکتا مباینت کی وجہ سے تو بھائیوں کے رؤس کو اصل مسئلے میں یعنے دو میں ضرب کیا حاصل ہوئے چار اُس میں سے زوج کے دو سہم اور ہر بھائی کا ایک سہم اور جدہ کے ہاتھ میں نو سہم ہیں اور نو میں اور چار میں مباینت ہے تو تصحیح ثانی یعنے چار کو تصحیح اول یعنے ۳۲ میں ضرب کیا حاصل ہوئے ۱۲۸ تو جس کا حصہ ۳۲ میں تھا وہ حصہ چار میں یعنے مسئلہ جدہ میں ضرب کیا جائے گا اور جس کا حصہ چار میں ہے وہ جدہ کی مافی الید یعنے نو میں ضرب کیا جائے گا سو میت ثانی جو زوج ہے میت اول کا اس کی دوسری زوجہ کا حصہ دو تھا ۳۲ سے اس کو چار میں ضرب کیا آٹھ حاصل ہوئے اب اس کا یہ حصہ ہوا اور میت ثانی کی ماں کا حصہ بھی دو تھا اس کو بھی چار میں ضرب کیا آٹھ ہوئے یہ اُس کی ماں کا حصہ ٹھہرا اور میت ثانی کے والد کے سہام چار تھے جب ان کو چار میں ضرب کیا سولہ حاصل ہوئے یہ والد کا حصہ ہوا اور میت ثالث یعنے میت اول کی بنت کے دونوں فرزندوں کا حصہ چھ تھا ۳۲ سے چار میں ضرب کیا چوبیس حاصل ہوئے یہ حصہ ٹھہرا ہر ایک فرزند کا اور میت ثالث کی بنت کا حصہ تین تھا اُس کو چار میں ضرب کیا بارہ حاصل ہوئے یہ اُس کا حصہ ہوا اور میت رابع یعنے جدہ مذکورہ کے زوج کا حصہ دو سہم تھے چار سے جب انکو ضرب کیا جدہ کے مافی الید یعنے نو سے تو اٹھارہ حاصل ہوئے یہ اُس کا حصہ ہوا اور ہر جدہ کے ہر بھائی کا ایک سہم تھا اس کو بھی نو میں ضرب کیا تو نو حاصل ہوئے تو ہر بھائی کا حصہ تو نو سہم کا ہوا کذا فی الشریفی والطحطاوی ملتقطا **فتضرب سہام ورثۃ المیت الاول فی المضروب ای فی التصحیح الثانی او فی وفقہ** سو حصول مخرج کے بعد ورثہ میت اول کے سہام ضرب کرے تو مضروب میں یعنے تصحیح ثانی میں مباینت کی تقدیر پر یا تصحیح ثانی کے وفق میں موافقت کی تقدیر پر تو ہر وارث کے سہام کے ضرب کرنے سے اس مضروب میں ہر ایک کا حصہ حاصل ہوگا مبلغ مذکور سے چنانچہ ہر ایک کا حصہ جدا جدا بطریق ضرب مذکور کے مفصل مذکور ہو گیا امثلہ سابقہ میں **وسہام ورثۃ المیت الثانی فی کل مافی یدہ او فی وفقہ من التصحیح الاول** اور میت ثانی کے وارثوں کے سہام کو ضرب کرے میت ثانی کے تمام مافی الید میں علی تقدیر المباینۃ یا تصحیح اول کے وفق میں ضرب کرے علی تقدیر الموافقۃ پر تو ہر وارث کا حصہ ضرب مذکور سے حاصل ہوگا کما فصلت سابقا وان کان فیہم من یرث من المیتین ضربت نصیبہ من الاول فی الثانی او وفقہ ونصیبہ من الثانی فیما فی ید المیت الثانی او وفقہ اور اگر وارثوں میں وہ وارث ہو جو دونوں میت سے میراث پاتا ہے تو اس کے حصے کو اول سے ضرب کرے تو ثانی میں اگر مباینت ہو یا اُس کے وفق میں اگر موافقت ہو اور ضرب کرے تو اس کے حصے کو ثانی سے میت ثانی کی مافی الید میں اگر مباینت ہو یا اُس کے وفق میں اگر موافقت ہو پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص مرگیا ایک بیٹا چھوڑ کے ایک عورت سے اور تین بیٹیاں چھوڑ کے دوسری عورت سے پھر ایک بیٹی مرگئی دو سگی بہنیں اور ایک سوتیلا بھائی چھوڑ کر تو پہلا مسئلہ پانچ سے ہے

اور دوسرا تین سے اور میت ثانی کے ہاتھ میں ایک ہے اور ایک میں اور تین میں مباینت ہے تو تین کو پانچ میں ضرب کیا پندرہ حاصل ہوئے تو ہر ایک اس کا اول سے ایک سہم[1] ہے اس کو مسئلہ ثانیہ میں ضرب کیا یعنے تین میں تو تین ہی حاصل ہوئے اور دونوں بہنوں کے دو سہم تھے الی الید ۱۲ ان کو ایک میں ضرب کیا دو ہی حاصل ہوئے اور بھائی کا ایک سہم[2] تھا اس کو ایک میں ضرب کیا ایک ہی حاصل ہوا اور دوسری صورت کی یہ مثال ہے کہ ایک شخص مر گیا زوجہ اور بیٹی اور باپ کو چھوڑ کر پھر بیٹی مر گئی اپنی ماں[3] اور دادا کو چھوڑ کر اور اس کی ماں اور دادا میت اول کے بھی وارث ہیں تو میت اول کی تصحیح ۲۴ سے ہے اس واسطے کہ ثمن ملا ہے سدس سے تو باپ سدس کا وارث ہوگا فرض کی راہ سے اور باقی کا وارث ہوگا عصبہ ہونے کی وجہ سے تو بیٹی کے بارہ سہم اور زوجہ کے تین سہم اور باپ کے نو سہم پھر جب کہ بیٹی مر گئی اپنی ماں اور دادا[4] کو چھوڑ کر تو اس کا مسئلہ ہوگا تین سے اور اس کے ہاتھ میں بارہ سہم ہیں اور بارہ اور تین میں موافقت بالثلث ہے تو ایک کو جو تصحیح کا وفق ہے ۲۴ میں ضرب کر تو ۲۴ ہی حاصل ہوں گے تو جس کا حصہ مسئلہ اولی میں ہے وہ اپنا حصہ لے گا ایک میں ضرب کر کے جو تصحیح کا وفق ہے اور جس کا حصہ مسئلہ ثانیہ میں ہے وہ اپنا حصہ لے گا چار میں ضرب کر کے اس واسطے کہ چار وفق ہے میت ثانی کی مافی الید کا یعنے بارہ کا تو مسئلہ اولی میں زوجہ کے تین تھے ان کو ایک میں ضرب کیا تین ہی حاصل ہوئے اور باپ کے نو تھے ان کو بھی ایک میں ضرب کیا تو نو ہی حاصل ہوئے اور مسئلہ ثانیہ میں ماں کا ایک سہم تھا منجملہ تین سہم کے اس کو چار میں ضرب کیا چار حاصل ہوئے اور دادا کے دو سہم تھے تین سے ان کو چار میں ضرب کیا آٹھ حاصل ہوئے تو یہ اس کا حصہ ٹھہرا کذا فی الطحطاوی **ولو مات ثالث قبل القسمۃ جعل المبلغ الثانی مقام الاولی و جعل الثالثۃ مقام الثانیۃ فی العمل وہکذا کلما مات واحد تقیمہ مقام الثانیۃ والمبلغ الذی قبلہ مقام الاولی الی ما لا یتناہی** اور اگر وارثوں میں سے تیسرا میت مر گیا قسمت سے پہلے تو مبلغ ثانی مسئلہ اولی کے مقام پر ٹھہرایا جائے اور مسئلہ ثالثہ مسئلہ ثانیہ کے مقام پر قرار دیا جائے عمل کرنے میں اور اسی طرح جب کہ ایک وارث مرے تو اس کو مسئلہ ثانیہ کے مقام پر قائم کر اور جو مبلغ کہ اس کے پہلے حاصل ہو چکا ہے اس کو مسئلہ اولی کے مقام پر قائم کرتا جا مراتب غیر متناہی تک م یعنے ثالث کی موت قبل القسمۃ سے جو مبلغ کہ تصحیح مسئلہ اولی اور ثانیہ سے حاصل ہوا ہے وہ بجائے تصحیح مسئلہ اولی کے ہوگا اور مسئلہ ثالثہ جو میت ثالث سے متعلق ہے وہ بجائے تصحیح مسئلہ ثانیہ کے ہوگا عمل میں گویا کہ میت اول اور ثانی ایک ہی میت ہو گئی تو میت ثالث میت ثانی ٹھہر گیا پھر اسی طرح میت رابع اور خامس میں الی غیر النہایۃ عمل کرنا چاہیے اس واسطے کہ جب میت اول اور ثانی اور ثالث کی ایک ہی تصحیح ہو گئی تینوں مردے ایک ہو گئے تو میت رابع میت ثالث ٹھہر گیا اور اسی طرح جب اموات اربعہ کی تصحیح ایک ہو گئی چاروں مردے میت رابع ٹھہر گئے تو میت خامس میت ثانی ٹھہرا وعلی ہذا القیاس الی ما لا یتناہی پھر معلوم کرنا چاہیے کہ تعدد مناسخات کا میراث کے مرتبہ واحدہ میں ہو یا مراتب متعددہ میں ہو عمل میں کچھ فرق نہیں بہر صورت عمل مناسخہ کا یہی طریق ہے جو مذکور ہو چکا کذا فی الفرائض الشریفی مختصرا و ہذا علم العمل فلا تغفل اور یہ جو مذکور ہوا علم ہے عمل کرنے کا سو اس میں غفلت نہ کیجیو م شارح نے اس کلام سے اشارہ کیا کہ مناسخہ کرنا آسان نہیں ہے اس میں ہوشیاری اور بیداری لازم ہے اس واسطے کہ یہ دقیق ہے اور تامل کر اور فکر کی اس میں بہت حاجت ہے کذا فی الطحطاوی

باب المخارج

یہ باب ہے مخارج میں م مخارج جمع ہے مخرج کی یعنے جائے خروج فروض ستہ اب ان قاعدوں کا بیان شروع ہوا جن کی قسمت فروض میں حاجت ہے اور چونکہ سب فروض کسور ہیں تو ان کے مخارج بھی کسور کے مخارج ہیں اور مخرج ہر کسر منفرد کا وہ

---

[1] یعنے دونوں بیٹیوں کا ایک ایک سہم ہے اور لپسر بجائے دو کے ہے اس کے دو سہم تھے تو تین میں ضرب کرنے سے اس کے سہام چھ ہوئے اور بیٹیوں کے تین تین ۱۲

[2] تو بھائی کے دونوں جگہ کے سہم مل کر سات ہوئے اور بہنوں کے چار چار تو کل پندرہ ہوگئے ۱۲

[3] کیونکہ ماں کا کل مال کی تہائی ہے اور دادا عصبہ ہے ۱۲

[4] تو دادا کا حصہ دونوں میتوں سے سترہ ہوا اور ماں کا سات اور دونوں مل کر ۲۴ ہو گئے ۱۲

اقل عدد ہے جس عدد سے یہ کسر واحد صحیح ہو چنانچہ ربع اربعہ کا اور ثلث ثلثہ کا ایک فرد صحیح ہے مخارج کو تصحیح حصص پر مقدم کیا اس واسطے کہ تصحیح مخارج پر موقوف ہے مصنف نے اس باب میں اول مخارج کو ذکر کیا پھر تصحیح کو تماثل اور تداخل اور تباین بین العددین کو پھر معرفت حصہ ہر فریق کو پھر تقسیم ترکہ کو بین الورثہ والغرماء **الفروض المذکورۃ فی القرآن نوعان الاول النصف ومخرج کل کسر سمیہ کالربع من اربعۃ الا النصف فانہ من اثنین** فرض حصے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں دو قسم ہیں قسم اول نصف ہے اور مخرج ہر کسر کا اس کسر کا ہم نام ہے چنانچہ ربع نکلا ہے اربعہ سے سوائے نصف کے کہ اس کا مخرج اس کا ہم نام نہیں کیونکہ نصف نکلتا ہے اثنین سے یعنے دو سے م ہم نام سے مراد یہ ہے کہ مخرج اور کسر حروف میں شریک ہیں اور اسی طرح ہندی زبان میں کسر اور مخرج ہم نام ہیں چنانچہ تہائی تین سے اور چوتھائی چار سے سوائے آدھے کے کہ وہ ہمنام سے نہیں ہے کیونکہ اس کا مخرج دو ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ جب مخرج کمتر ہوگا تو فرض اکثر ہوگا اور جب مخرج اکثر ہوگا تو فرض کمتر ہوگا اس واسطے کہ نصف اکثر ہے ربع سے اور مخرج اس کا اقل ہے ربع کے مخرج سے **والربع من اربعۃ والثمن من ثمانیۃ والثانی الثلث والثلثان کلاہما من ثلثۃ والسدس من ستۃ** اور منجملہ قسم اول ربع ہے چار سے اور ثمن ثمانیہ سے اور دوسری قسم فروض کی ثلث اور ثلثین ہیں وہ دونوں نکلے ہیں ثلثہ سے اور سدس ستہ سے م سدس کا ہم نام ستہ کا ہونا اصل کے اعتبار سے ہے اس واسطے کہ ستہ کی اصل سدسہ ہے دوسرا سین تے کے ساتھ بدل گیا اور اسی طرح دال تے ہو گئی اور پہلے تے دوسری تے میں مدغم ہو گئی تو ستہ ہو گیا **علی التضعیف والتنصیف فنقول مثلا الثمن وضعفہ وضعف ضعفہ** او نقول **النصف ونصفہ ونصف نصفہ** فروض مذکورہ کا دو نوع ہونا باعتبار تضعیف اور تنصیف کے ہے تو مثلا تو یوں کہے کہ ثمن اور اس کا دونا اور اس کے دونے کا دونا تو یوں کہے کہ نصف اور اس کا آدھا اور آدھے کا آدھا م اس کلام سے مراد یہ ہے کہ ثمن کو جب دونا کیجیے تو ربع حاصل ہوتا ہے اور ربع کو جب دونا کیجیے تو نصف حاصل ہوتا ہے اسی طرح سدس کو اگر دونا کیجیے تو ثلث ہوتا ہے اور ثلث کو جب دونا کیجیے تو ثلثین ہوتا ہے اور اگر نصف کو نصف کیجیے تو ربع ہوتا ہے اور ربع کو نصف کیجیے تو ثمن ہوتا ہے اور یہی حال ثلثین اور ثلث کی تنصیف[1] میں ہے اور اہل فرائض نے جو فروض ستہ کو دو قسم کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ان فروض میں سے اس فرض کو تلاش کیا جو مقدار میں کمتر ہو تو ثمن کو پایا جس کا مخرج ثمانیہ ہے اور ربع اور نصف کو دیکھا کہ ثمانیہ سے دونوں بلا کسر نکلتے ہیں تو انہوں نے ان تینوں فروض کو ایک قسم ٹھہرایا پھر ثمن کے بعد اقل فرض کو تلاش کیا تو سدس کو پایا جس کا مخرج ستہ ہے اور ثلث اور ثلثین کو دیکھا کہ اس میں سے بلا کسر نکلتے ہیں تو ان تینوں کو دوسری قسم قرار دیا کذا فی الشریفی **قلت واخصر الکل ان نقول الربع والثلث ونصف کل وضعفہ** میں کہتا ہوں اور جمع فروض میں سب عبارتوں سے مختصر یہ عبارت ہے کہ تو یوں کہے کہ ربع اور ثلث اور ہر ایک کا نصف اور ہر ایک کا دو چند م تو اس عبارت میں فروض ستہ جمع ہو گئے نہایت اختصار کے ساتھ اس واسطے کہ ربع کا نصف ثمن ہے اور ربع کا دو چند نصف ہے اور ثلث کا نصف سدس ہے اور ثلث کا دو چند ثلثین ہے **فاذا جاء فی المسئلۃ من ہذہ الفروض احاد فمخرج کل فرد منفرد سمیہ الا النصف کما مر** پھر جب کہ مسئلہ فرائض میں ان چھ فرضوں سے ایک ایک فرض آئے تو ہر فرد فرض کا مخرج اس کا ہم نام منفرد ہے سوائے نصف کے چنانچہ اس کا بیان گذر گیا یعنے اگر کسی مسئلے میں فقط ربع ہو یا فقط ثمن یا ثلث فقط ہو یا سدس تو اس کا مخرج فقط اربعہ ہے یا فقط ثمانیہ یا فقط ثلثہ ہے یا فقط ستہ **واذا جاء مثنے او ثلث وہما من نوع واحد فکل عدد یکون مخرجا لجزء فذلک العدد ایضا یکون مخرجا لضعفہ واضعافہ کالستۃ** ہے مخرج للسدس ولضعفہ ولضعف ضعفہ اور جب کہ کسی مسئلے میں فروض مذکورہ سے دو دو یا تین تین فرض آجاویں اور حالانکہ وہ ایک ہی قسم سے ہیں تو جو عدد کہ جزء کا مخرج ہے سو وہی عدد اس کے دو چند اور سہ چند فرض کا مخرج ہے چنانچہ ستہ یعنے چھ سدس کا

---

[1] یعنے ثلثین کا نصف ثلث ہے اور ثلث کا نصف سدس ہے ۱۲

اوراس کے دوچند یعنے ثلث کا اور سدس کے دوچند کا یعنے ثلثین کا مخرج ہے م یعنے اقل فرض کا مخرج وہی اکثر فرض کا مخرج بشرطیکہ فرض مجتمعہ ایک نوع سے ہوں چنانچہ ستہ سدس کا مخرج ہے سو وہی ثلث اور ثلثین کا بھی مخرج ہے اور ثمن کا مخرج ثمانیہ ہے سو وہی ربع اور نصف کا مخرج ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ اکثر کا مخرج اقل میں موجود ہے بالکسر تو اقل کے مخرج میں استغنا ہے اکثر کے مخرج سے ثلث اور ثلثین کا مخرج ثلثہ ہے سو یہ سدس کی مخرج میں یعنے ستہ میں موجود ہے اور اسی طرح ربع اور نصف کا مخرج ثمن کے مخرج میں داخل فاذا اختلط النصف من النوع الاول بکل النوع الثانی ای الثلثۃ الآخر او ببعضہ فاذا کان فی المسئلۃ نصف وثلثان وثلث و کزوج وشقیقتین واختین لام وام فمن ستۃ لترکبہا من ضرب اثنین فی ثلثۃ پھر جب فروض کی نوع اول کا نصف مختلط ہو نوع ثانی کے فروض سے یعنے تینوں فرضوں سے یا بعض سے مختلط ہو تو جس وقت کہ مسئلے میں نصف اور ثلثین اور ثلث اور سدس ہو چنانچہ زوج اور دوسگی اور دو اخیافی بہنیں اور ماں وارث ہو تو اس کا مخرج ستہ ہے اس واسطے کہ چھ کا مرکب ہونا دو کے ضرب کرنے سے تین میں حاصل ہوا ہے م یہ ہے اختلاف نصف کی کل نوع ثانی سے اور شارح نے نوع ثانی کے بعض کی اختلاط کی مثال نہیں مذکور کی سو فرائض شریفی میں اس کا یوں ہے کہ اختلاط نصف کا فقط ثلث سے اس طرح ہے کہ عورت نے زوج اور دو اخیافی بہنوں کو وارث چھوڑا اور اختلاط نصف کا فقط ثلثین سے اس طرح کہ زوج اور دو سگی بہنیں وارث ہوں اور نصف کا اختلاط فقط سدس سے اس طرح کہ بیٹی اور ماں وارث ہو اور اختلاط نصف کا ثلث اور ثلثین سے ساتھ ہی اس طرح کہ زوج اور دو سگی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں وارث ہوں اور نصف کا اختلاط ثلثین اور سدس کے ساتھ اس طرح کہ زوج اور دو سگی بہنیں اور ولد الام وارث ہوں اور اختلاط نصف کا ثلث اور سدس کے ساتھ اس طرح کہ زوج اور دو اخیافی بہنیں اور ماں وارث ہوں او اختلط الربع من النوع الاول بکل الثانی او ببعضہ فاذا کان فی المسئلۃ زوجۃ ومن ذکر فمن اثنی عشر لترکبہا من ضرب الاربعۃ فی ثلثۃ الموافقۃ الستۃ بالنصف یا مختلط اور مجتمع ہو قسم اول سے ربع تمام قسم ثانی کے ساتھ یا بعض کے ساتھ تو جب کہ مسئلے میں زوجہ ہو اور اشخاص مذکورین ہوں تو مخرج اس کا بارہ سے ہے بسبب مرکب ہونے بارہ کے چار کے ضرب کرنے سے تین میں اس واسطے کہ چھ کو چار کے ساتھ توافق بالنصف ہے م اشخاص مذکورین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شارح نے اختلاط نصف کے ساتھ بیان کئے یعنے دو سگی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں اور ماں یہ مثال ہے اختلاط ربع کی تمام نوع ثانی سے اور اختلاط بعض کی مثالیں ہم مذکور کرتے ہیں اختلاط ربع فقط ثلثین کے ساتھ اس طرح کہ زوجہ[1] اور دو بیٹیاں وارث ہوں اور اختلاط ربع کا فقط ثلث کے ساتھ اس طرح کہ زوجہ اور ماں وارث ہو اختلاط ربع کا سدس کے ساتھ اس طرح کہ زوجہ اور اولاد مادری سے ایک شخص وارث ہو اور اختلاط ربع کا ثلثین اور سدس کے ساتھ اس طرح کہ زوجہ اور دو سگی بہنیں اور ماں وارث ہو اور اختلاط ربع کا ثلثین اور ثلث کے ساتھ اس طرح کہ زوجہ اور دو سگی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں وارث ہوں اور اختلاط ربع کا ثلث اور سدس کے ساتھ اس طرح کہ زوجہ اور ماں اور دو اخیافی بہنیں وارث ہوں تو ان مختلطات ثنائیہ اور ثلاثیہ اور رباعیہ کا مسئلہ بارہ ہے اس واسطے کہ چھ تمام نوع ثانی کا مخرج ہے پھر ہم نے ربع کا مخرج لیا وہ چار ہے اور چار اور چھ میں موافقت بالنصف ہے تو ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب کیا یعنے دو کو چھ میں یا تین کو چار میں ضرب کیا بارہ حاصل ہوئے کذا فی الشریفی او اختلط الثمن من النوع الاول ببعض الثانی واما بکلہ فغیر متصور الا علی رائے ابن مسعود او فی الوصایا فلیحفظ فمن اربعۃ وعشرین یا نوع اول میں ثمن مختلط ہو نوع ثانی کے بعض فروض کے ساتھ تو اس کا مخرج ۲۴ سے ہے اور اختلاط ثمن کا جمیع نوع ثانی کے ساتھ ہونا

---

[1] یہ سہو ہے مترجم اول کی اس لئے کہ بیٹیوں کے ساتھ زوجہ کو ربع نہیں ملتا ثمن ملتا ہے تو بیٹیوں کی جگہ دو سگی بہنیں چاہئیں یا زوجہ کی جگہ زوج ۱۲

متصور نہیں مگر عبداللہ بن مسعود کے مذہب پر یا وصایا میں البتہ ہوسکتا ہے تو اُس کو یاد رکھنا چاہیے ہم ابن مسعود کے نزدیک محروم حاجب ہوتا ہے بحجب نقصان چنانچہ میت نے کافر بیٹا اور اپنی زوجہ اور دو سگی بہنوں اور دو اخیافی بہنوں کو چھوڑا تو ابن محروم زوجہ کا حاجب ہوگیا ربع سے ثمن کی طرف اور ہمارے مذہب میں یہ متصور نہیں اس واسطے کہ جب زوجہ کا ثمن ہوا تو واجب ہوا کہ صاحب ثلثین دو بیٹیاں ہوں اور صاحب سدس ماں ہوگی یا جدہ تو اُس وقت میں صاحب ثلث نہیں ہوسکتا اس واسطے کہ صاحب ثلث یا ماں ہے یا اُس کی اولاد اور ماں یہاں محجوب ہو چکی ثلث سے سدس کی طرف اور اس کی اولاد تو جمیع ثلث سے محجوب ہیں تو ثمن کا اختلاط فقط ثلثین اور سدس کے ساتھ ہوگا نہ ثلث کے ساتھ اور اختلاط ثمن کا تمام نوع ثانی سے وصایا میں اس طرح ہے کہ وصیت کی ثمن ترکہ کی اور ثلثین کی اور ثلث کی اور سدس کی اور وارثوں نے اس کو جائز رکھا یا وارث معدوم ہیں تو جاری ہوگی وصیت یعنے ۲۴ کو ۳۱ کی طرف عول کر کے قسمت کریں گے کذا فی الطحطاوی مختصراً کزوجۃ وبنتین وام لترکہا من ضرب الثمانیۃ فے ثلثۃ لما قدمنا من موافقۃ الستۃ بالنصف مثال اختلاط ثمن کی بعض ثانی سے چنانچہ زوجہ اور دو بیٹیاں اور ماں بسبب مرکب ہونے ۲۴ کے آٹھ کی ضرب کرنے سے تین میں اس وجہ سے جو ہم مذکور کر چکے کہ چھ میں توافق بالنصف ہے ہم بیان اس کا یہ ہے کہ اقل جزء ثانی کا مخرج چھ ہے اور اُس میں ثلث اور ثلثین کا بھی مخرج داخل ہے تو اسی پر اکتفا واجب ہوئی اور چھ میں اور آٹھ میں جو ثمن کا مخرج ہے موافقت بالنصف ہے تو ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب کیا یعنے تین کو آٹھ میں یا آٹھ کو تین میں ضرب کیا تو ۲۴ حاصل ہوئے

ولا یجتمع اکثر من اربعۃ فروض فے مسئلۃ واحدۃ اور ایک مسئلے میں چار فرضوں سے زیادہ جمع نہیں ہوتے ہم اس کلیہ پر یہ اعتراض ہے کہ گاہے پانچ فرض بھی ایک مسئلے میں جمع ہو جاتے ہیں چنانچہ زوج اور ماں اور سگی بہن اور سوتیلی بہن اور اخیافی بہن اور گاہے چھ فرض بھی جمع ہوسکتے ہیں چنانچہ اشخاص مذکورین کے ساتھ زوجہ بھی ہو اس طرح کہ خنثے مشکل پر ایک مرد نے دعوے کیا کہ یہ میری زوجہ ہے اور ایک عورت نے اس پر دعوی کیا کہ وہ میرا زوج ہے اور ہر ایک مدعی نے اپنے دعوی پر گواہ قائم کئے تو ہر مدعی پر خنثے کا فرض ثابت ہوگا سو اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ اس میں سدس مکرر ہوگیا اور کلام ہے فروض غیر مکررہ میں اور اعتراض ثانی کا یہ جواب ہے کہ وہ نادر امر ہے اور نادر پر حکم نہیں ہوتا کذا فی الطحطاوی ولا یجتمع من اصحابہا اکثر من خمسۃ طوائف اور اصحاب فرائض میں سے پانچ گروہوں سے زیادہ اجتماع نہیں ہوتا ولا ینکسر علے اکثر من اربع فرق اور سہام میں چار فرقوں سے زیادہ کسر واقع نہیں ہوتی ہم یہاں تک مخارج کسور کا بیان ہوچکا اب آگے تصحیح مسائل کے قاعدے مذکور ہوتے ہیں فرائض شریفی میں ہے کہ تصحیح مسائل فرائض اس سے عبارت ہے کہ کمتر عدد ممکن ہے اس طرح پر سہام لئے جاویں کہ کسی وارث پر کسر واقع نہ ہو یعنے سب وارثوں کے سہام پورے ہوں کسی کا سہام تہائی چوتھائی نہ ہو اور تصحیح مسائل کے واسطے سات قاعدوں کی طرف حاجت ہے ان میں سے تین قاعدے تو مابین سہام مخارج اور رؤس ورثہ کے ہیں اور چار قاعدے مابین رؤس اور رؤس کے ہیں سو تین کا پہلا قاعدہ مسمے باستقامت ہے وہ یہ ہے کہ سہام ہر فریق کے وارثوں میں سے ان پر منقسم ہو جاویں بدون کسر پڑنے کے تو یہاں ضرب کی کچھ حاجت نہیں چنانچہ والدین اور دو بیٹیاں وارث ہوں اس واسطے کہ یہاں مسئلہ چھ سے ہے والدین میں سے ہر ایک کا حصہ سدس یعنے ایک ایک اور دو بیٹیوں کے دو ثلث ہیں یعنے چار ہر بیٹی کے دو سہم تو سہام مستقیم ہوگئے رؤس ورثہ پر بلا انکسار دوسرا قاعدہ موافقت کا وہ یہ ہے کہ ایک گروہ کا حصہ ٹوٹتا ہو ولیکن اُن کے سہام اور رؤس میں موافقت ہو تو یہاں عدد رؤس کے وفق کو اصل مسئلے میں ضرب کریں گے اگر عول نہ ہوا ہو اور اگر عول ہوگا تو اصل[2] اور عول میں ضرب کریں گے چنانچہ والدین اور دس بیٹیاں یا زوج اور والدین اور چھ بیٹیاں

قواعد تصحیح مسائل فرائض

---

[1] اس لئے کہ ثمن ۲۴ کا ۳ ہے اور ثلثین ۱۶ اور ثلث ۸ اور سدس ۴ تو کل ۳۱ ہوئے ۱۲ ف قواعد تصحیح مسائل فرائض [2] اور یعنی مع کے ہے یعنے اصل مع "بقیہ اگلے صفحہ پر"

اور تیسرا قاعدہ مباینت کا وہ یہ ہے کہ ایک ہی گروہ کے سہام میں کسر پڑتی ہو ولیکن ان کے سہام اور رؤس میں موافقت نہیں بلکہ مباینت ہے تو یہاں تمام عدد رؤس کو اصل مسئلے میں ضرب کریں گے چنانچہ زوج اور جدہ اور تین اخیافی بہنیں اور اگر عول ہوا ہے تو اصل مسئلے اور عول میں ضرب کریں گے چنانچہ زوج اور پانچ سگی یا سوتیلی بہنیں اور باقی چار قاعدے جو مابین رؤس کے ہیں سو ایک تماثل ہے اور دوسرا تداخل اور تیسرا توافق اور چوتھا تباین سو مصنف ان اصول سبعہ میں سے چھ قاعدوں کو ذکر کرے گا اور استقامت کو اس نے حذف کیا ہے اس واسطے کہ وہ ظاہر ہے وقت طلب نہیں اور یہ پچھلے چاروں قاعدے نہیں ہوتے مگر وہاں جن مسائل میں دو گروہ ورثہ پر یا زیادہ پر کسر واقع ہو کذا فی الطحطاوی والشرح مختلطا **واذا انکسر سہام کل فریق علیہم ضربت عددہم فی اصل المسئلۃ وعولہا ان کانت عائلۃ کامراۃ واخوین للمراۃ الربع یبقی لہما ثلثۃ لاتستقیم ولاتوافق فاضرب اثنین فی اربعۃ فتصح من ثمانیۃ** اور جب کہ سہام ہر فریق کے وارثوں پر ٹوٹ جاویں تو ان کے عدد رؤس کو اصل مسئلے میں ضرب کر اور اگر مسئلہ عائلہ ہو تو اصل مسئلے اور اس کے عول میں ضرب کر چنانچہ ایک عورت یعنے زوجہ اور دو بھائی وارث ہوں تو عورت کا حصہ ربع ہے باقی رہے تین وہ دو بھائیوں پر مستقیم نہیں اور یہاں دو اور تین میں توافق کی بھی نسبت نہیں تو دو کو یعنے عدد رؤس کو چار میں یعنے اصل مسئلے میں ضرب کر تو مسئلہ آٹھ سے صحیح ہو گا مگر یہ مثال ہے مسئلہ غیر عائلہ کی اور مسئلہ عائلہ کی یوں مثال ہے کہ زوج اور پانچ سگی یا سوتیلی بہنیں وارث ہیں اصل مسئلہ چھ سے ہے اس کا نصف یعنے تین زوج کا حصہ ہے اور اس کی ثلثین یعنے چار بہنوں کا حصہ ہے تو مسئلے نے عول کیا سات کی طرف اور یہاں فقط بہنوں کے سہام ان پر مستقیم نہیں اور ان کے سہام اور رؤس یعنے چار اور پانچ میں مباینت ہے تو ہم نے عدد رؤس یعنے پانچ کو اصل مسئلے اور اس کے عول یعنے سات میں ضرب کیا تو ۳۵ حاصل ہوئے سو اسی حاصل سے مسئلہ صحیح ہو گیا اس طرح کہ زوج کے تین سہم تھے ان کو مضروب یعنے پانچ میں ضرب کیا پندرہ ہوئے اور پانچ بہنوں کے چار سہم تھے ان کو بھی پانچ میں ضرب کیا تو ۲۰ ہوئے تو ہر بہن کے چار سہم ہوئے یہ تیسرا قاعدہ ہے منجملہ تین قاعدوں کے **وان وافق سہامہم عددہم ضربت وفق عددہم فی اصل المسئلۃ وعولہا کامراۃ وست اخوۃ فلہم ثلثۃ توافقہم بالثلث فاضرب اثنین فی اربعۃ فتصح من ثمانیۃ ایضا** اور اگر وارثوں کے سہام میں اور ان کے عدد رؤس میں توافق ہو تو ان کے عدد کے وفق کو اصل مسئلے میں تو ضرب کرے اگر عائلہ نہ ہو اور اگر عائلہ ہو تو اصل مسئلے اور اس کے عول میں ضرب کرے چنانچہ زوجہ اور چھ بھائی وارث ہوں تو بھائیوں کے تین سہم ہیں تو تین میں اور بھائیوں کے عدد رؤس یعنے چھ میں توافق ہے تو دو کو چار میں ضرب کر تو یہ مسئلہ بھی آٹھ سے صحیح ہو گا مگر یہ مثال مسئلہ غیر عائلہ کی مذکور ہوئی اور مسئلہ عائلہ کی یہ مثال ہے کہ زوج اور والدین اور چھ بیٹیاں وارث ہیں تو اصل مسئلہ بارہ سے ہے بسبب اجتماع ربع اور سدس اور ثلثین کے تو زوج کا حصہ ربع ہے یعنے تین سہم اور والدین کے دو سدس یعنے چار سہم اور چھ بیٹیوں کے دو ثلث یعنے آٹھ سہم تو مسئلے نے عول کیا بارہ سے پندرہ تک اور بیٹیوں کے سہام یعنے آٹھ فقط ان کے عدد رؤس پر یعنے چھ پر منکسر ہیں لیکن عدد سہام اور عدد رؤس میں توافق بالنصف ہے تو ہم نے ان کے رؤس کو نصف کی طرف پھیرا یعنے تین کی طرف پھر تین کو اصل مسئلے اور اس کے عول میں یعنی پندرہ میں ضرب کیا تو ۴۵ حاصل ہوئے تو اب مسئلہ مستقیم ہو گیا اس واسطے کہ زوج کا حصہ اصل مسئلے میں سے تین سہم کا تھا اس کو مضروب یعنے تین میں ضرب کیا تو حاصل ہوئے تو نو سہم زوج کے ٹھہرے اور والدین کا حصہ اس میں سے چار سہم کا تھا اس کو اسی مضروب میں یعنے تین میں ضرب کیا بارہ حاصل ہوئے تو ہر ایک کے چھ سہم ہوئے اور بیٹیوں کا حصہ آٹھ سہم کا تھا اس کو بھی تین میں ضرب کیا ۲۴ حاصل ہوئے تو ہر بیٹی کا حصہ چار سہم کا ہوا اور اصول ثلثہ سہام اور رؤس کا حاصل

بقیہ پچھلا صفحہ ؏ زیادتی ہیں اور اہل فرائض اصل مع زیادتی کو بھی عول ہی بولتے ہیں مگر مترجم اول نے ہر جگہ عول کی جگہ اصل عول لکھا ہے اگر صرف عول لکھا جاتا تو وضع تر اور متن اور شرح اور عرف کے موافق ہوتا ؏ مسئلہ چھ سے ہو کر چار بیٹیوں کو ملیں گے اور چار اور دس میں توافق بالنصف ہے تو دس کے نصف پانچ کو چھ میں ضرب کرکے ۳۰ کر لیے اور مسئلہ ۳۰ کی تصحیح ہوگئی اسی طرح حل کرتے رہے ۱۲

عام یہ ہے کہ اگر سہام ماخوذہ از مخرج وارثوں پر مستقیم ہو گئے تو یہ پہلا قاعدہ ہے اور اگر مستقیم نہ ہوئے تو یا ایک گروہ پر منکسر ہوئے یا اکثر پر دوسری شق و اصول اربعہ میں مذکور ہے اور اول شق یعنے ایک ہی گروہ پر انکسار ہو وہ دو حال سے خالی نہیں کہ اس گروہ کے سہام میں اور ان کے عدد رؤس یں موافقت ہے یا نہیں اگر موافقت ہے تو وہ دوسرا قاعدہ ہے اور اگر موافقت نہیں بلکہ مباینت ہے تو وہ تیسرا قاعدہ ہے کذا فی الشریفی **فاذا انکسر سہام فریقین او اکثر وعدد رؤسہم متماثلۃ ضربت احد الاعداد فی اصل المسئلۃ وعولہا** ۔ اور جب کہ دو فریق یا زیادہ کے سہام منکسر ہوتے ہیں اور وارثوں کے رؤس متماثل اور برابر ہوں تو اعداد متماثلہ سے ایک عدد کو ضرب کر اصل مسئلے میں اور اس کے عول میں یعنے اگر عول نہ ہو تو اصل مسئلے میں ضرب کر اور اگر مسئلہ عائلہ ہو تو اصل مسئلے میں اس کے عول کے ساتھ ضرب کر م یہاں سے اول چار قاعدوں کا ذکر شروع ہوا جو باین رؤس کے ہیں طحطاوی نے کہا کہ سراجیہ اور اس کے شروح میں عول مذکور نہیں مگر ایک فریق کے انکسار پر تو اس سے زیادہ انکسار کی یہ مثال ہے کہ زوجہ اور تین سگی بہنیں اور تین اخیافی بہنیں وارث ہوں **کثلاث بنات وثلثۃ اعمام فتکتفے باحد المتماثلین فاضرب ثلثۃ فی اصل المسئلۃ تکن تسعۃ منہا تصح** چنانچہ اگر تین بیٹیاں اور تین چچا وارث ہوں تو احد المتماثلین پر اکتفا کر سو تین کو اصل مسئلے میں ضرب کر نو حاصل ہوں گے انھیں سے مسئلہ صحیح ہوگا اصل مسئلہ تین سے ہے بسبب اجتماع ثلثین اور ثلث کے اور تین کے ثلثین یعنے دو بیٹیوں پر مستقیم نہیں اور اس کا ثلث یعنے ایک اعمام پر مستقیم نہیں اور رؤس وورثہ متماثل ہیں کیونکہ بنات بھی تین ہیں اور اعمام بھی تین ہیں تو احد المتماثلین کو اصل مسئلہ میں یعنے تین کو تین میں ضرب کیا نو حاصل ہوئے اب قسمت صحیح ہو گئی بنات کا حصہ دو تھا اس کو تین میں ضرب کیا چھ حاصل ہوئے تو تینوں بیٹیوں کو دو دو پہونچے اور اعمام کا حصہ ایک تھا اس کو تین میں ضرب کیا تین حاصل ہوئے ایک ایک ہر چچا کو پہونچا بلا انکسار **وان انکسر علی ثلث فرق او اربع فاطلب المشارکۃ اولا بین السہام والاعداد ثم بین الاعداد والاعداد ثم افعل کما فعلت فی الفریقین فی المداخلۃ والمماثلۃ والموافقۃ والمباینۃ فما حصل یسمے جزء السہم فاضربہ فی اصل المسئلۃ** اشار الیہ بقولہ **وان دخل بعض الاعداد فی بعض کاربع زوجات وثلث جدات واثنے عشر عما ضربت اکثر الاعداد لتداخلہا فی اصل المسئلۃ وہو اثنا عشر تکن مائۃ واربعۃ واربعین منہا تصح** اور اگر سہام منکسر ہوں وارثوں کے تین یا چار گروہوں پر تو مشارکت یعنے نسبت کو طلب کر پہلے مابین سہام اور اعداد رؤس کے پھر نسبت تلاش کر مابین اعداد اور اعداد کے پھر وہ عمل کر جو تو نے کیا ہے دونوں فریق کے اندر مداخلت اور مماثلت اور موافقت اور مباینت میں سو جو عدد کہ حاصل ہو اس کا نام جزء سہم ہے اور اس کو مضروب بھی کہتے ہیں کذا فی الطحطاوی سو اس کو ضرب کر اصل مسئلے میں مصنف نے اس مذکور کی طرف اشارہ کیا ہے اپنے اس قول میں اور اگر بعض اعداد بعض میں داخل ہو جاویں چنانچہ چار زوجہ اور تین دادیاں اور بارہ چچا تو اکثر اعداد کو بسبب اس کے تداخل کے اصل میں ضرب کر اور وہ یعنے اصل مسئلہ بارہ ہے تو اس ضرب سے ۱۴۴ حاصل ہوں گے انھیں سے مسئلہ صحیح ہوگا م اصل مسئلہ بارہ سے ہے تین دادیوں کا حصہ سدس ہے یعنے دو سو ان پر مستقیم نہیں اور ان کے سہام اور رؤس میں مباینت ہے تو ان کے تمام رؤس کو یعنے تین کو ہم نے لیا اور چار زوجہ کا حصہ ربع ہے یعنے تین سو اس میں بھی استقامت نہیں اور ان کے سہام اور رؤس میں بھی مباینت ہے تو ان کے بھی تمام عدد رؤس کو لیا اور باقی یعنی سات چچوں کا حصہ ہے وہ بارہ پر مستقیم نہیں بلکہ دونوں میں تباین ہے تو ان کے بھی اعداد رؤس کو بالکل لیا پھر رؤس ماخوذہ کے اعداد میں نسبت طلب کی تو تین اور چار کو بارہ میں داخل پایا اور یہی بارہ اعداد رؤس میں اکثر ہے تو اسی بارہ کو اصل مسئلے میں کہ وہ بھی بارہ ہے ضرب کیا ۱۴۴ حاصل ہوئے اب تقسیم بلا کسر صحیح ہو گئی یہ جو شارح نے کہا کہ تین چار فریق میں دو فریق کے مانند عمل کر سو دو فریق میں تو فقط مماثلت مذکور ہے اور توافق اور تباین جو سابق میں مذکور ہو چکے سو ان کا موضوع تو فریق واحد کا انکسار ہے نہ فریقین کا کذا فی الطحطاوی **وان وافق بعضہا بعضا کاربع زوجات وخمس عشرۃ جدۃ وثمان عشرۃ بنتا وستۃ اعمام ضربت**

وفق احدہما ای احد الاعداد **فی جمیع الاخر والخارج فی وفق الثالث ان وافق والا فی جمیعہ ثم الرابع کذلک ثم المجتمع فی جز** وہو فی مسئلتنا مائۃ وثمانون فی اصل المسئلۃ وہو ہنا اربعۃ وعشرون تحصیل اربعۃ الاف وثلث مائۃ وعشرون منہا تصح اور اگر بعض اعداد رؤس کو بعض اعداد سے توافق کی نسبت ہو چنانچہ چار زوجہ اور پندرہ دادیاں اور اٹھارہ بیٹیاں اور چھ چچا تو احد الاعداد کے وفق کو دوسرے اعداد کے تمام تو ضرب کرے اور جو ضرب سے حاصل اور خارج ہو اس کو تیسرے اعداد کے وفق میں ضرب کرے اگر تیسرے میں توافق ہو اور اگر توافق ہو تبائن ہو تو اس کے تمام میں ضرب کرے پھر چوتھے میں اسی طرح ضرب کرے یعنے اگر توافق ہو تو اس کے وفق میں والا کل میں ضرب کرے پھر کو جو مسئے بجزء سہم ہے اور وہ ہمارے اس مسئلے میں ۱۸۰ ہے اصل مسئلہ میں جو یہاں ۲۴ ہے ضرب کرے تو ۴۳۲۰ ہوئے ان اعداد سے تقسیم بلا کس صحیح ہو گی م اصل مسئلہ ۲۴ ہے چار زوجہ کا ثمن ہے یعنے تین وہ ان پر منقسم نہیں اور عدد سہام اور عدد رؤس میں تبائن ہے تو تمام عدد رؤس میں تبائن ہے تو تمام عدد رؤس کو ہم نے یاد رکھا اور اٹھارہ بیٹیوں کی دو تہائیاں ہیں یعنے سولہ اور وہ ان پر مستقیم نہیں اور ان کے سہام اور رؤ میں توافق بالنصف ہے تو نصف عدد رؤس کو لیا یعنے نو کو اور پندرہ دادیوں کا حصہ سدس ہے یعنے چار وہ ان پر مستقیم نہیں اور ان کے سہام اور رؤس میں تبائن ہے تو ان کے تمام عدد رؤس کو یاد رکھا اور چھ چچوں کا حصہ مابقی ہے یعنے ایک وہ ان پر مستقیم نہیں اور اس میں اور ان کے عدد رؤس میں تبائن ہے تو ان کے تمام عدد رؤس کو یاد رکھا تو ہم کو حاصل ہوئے عدد رؤس محفوظ سے چار اور چھ اور نو اور پندرہ پھر ہم نے اعداد میں توافق کو طلب کیا تو چار اور چھ میں موافقت بالنصف پائی سوان دونوں میں سے ایک کو اس کے نصف کی طرف پھیرا اور اس کو دوسرے میں ضرب کیا تو بارہ حاصل ہوئے اور بارہ اور نو میں توافق بالثلث ہے تو ایک کے ثلث کو دوسرے کے تمام میں ضرب کیا ۳۶ حاصل ہوئے اور ۳۶ یعنے مبلغ ثانی اور پندرہ میں بھی موافقت بالثلث ہے تو پندرہ کی تہائی یعنے پانچ کو ۳۶ میں ضرب کیا ۱۸۰ حاصل ہوئے پھر اس مبلغ ثالث کو اصل مسئلے میں یعنی ۲۴ میں ضرب کیا تو ۴۳۲۰ حاصل ہوئے ان سے مسئلہ صحیح ہو گیا اس واسطے کہ زوجات کا حصہ اصل مسئلہ میں تین تھا اس کو مضروب میں یعنے ۱۸۰ میں ضرب کیا ۵۴۰ حاصل ہوئے تو ہر زوجہ کو ۱۳۵ پہونچے اور اٹھارہ بیٹیوں کا حصہ سولہ تھا اس کو مضروب مذکور میں ضرب کیا ۲۸۸۰ حاصل ہوئے تو ہر بیٹی کا حصہ ۱۶۰ سہم کا ہوا اور پندرہ دادیوں کا حصہ چار تھا اس کو بھی مضروب مذکور میں ضرب کیا ۷۲۰ حاصل ہوئے تو ہر ایک کو ۴۸ سہم ملے اور چھ چچوں کا حصہ ایک تھا اس کو بھی مضروب مذکور میں ضرب کیا ۱۸۰ حاصل ہوئے ہر چچا کو ۳۰ سہم ملے کذا فی الشریفی **وان تباینت اعداد رؤس من انکسر علیہم سہامہم کامرأتین وست جدات وعشر بنات وسبعۃ اعمام ضربت احدہا** ای احد الاعداد **فی جمیع الثانی والحاصل فی جمیع الثالث والحاصل فی جمیع الرابع یحصل جزء السہم** وہو ہنا مائتان وعشرۃ لتوافق رؤس البنات والجدات لسہامہم بالنصف فاضربہا فی اصل المسئلۃ وہو ہنا اربعۃ وعشرون یحصل خمسۃ الاف واربعون ومنہا تستقیم اور اگر اعداد رؤس متبائن ہوں ان کے جن پر ان کے سہام منکسر ہیں چنانچہ دو زوجہ اور چھ دادیاں اور دس بیٹیاں اور سات چچا تو ضرب کرے تو احد الاعداد کو تمام ثانی میں اور حاصل کو ضرب کرے جمیع ثالث میں اور اس کے حاصل کو جمیع اعداد رابع میں حاصل ہو گا جزء سہم یعنے مضروب اور وہ یہاں ۲۱۰ ہے بسبب توافق بالنصف ہونے رؤس بنات اور جدات کے ان کے سہام سے تو ۲۱۰ کو ضرب کر اصل مسئلے میں اور وہ یہاں ۲۴ ہی حاصل ہوں گے پانچ ہزار اور ۴۰ اور انہیں سے مسئلہ مستقیم ہو گا م اصل مسئلہ ۲۴ سے ہے دو زوجہ کا حصہ ثمن ہے یعنے تین وہ ان پر مستقیم نہیں اور ان کے رؤس اور سہام میں تبائن ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس کو یعنے دو کو یاد رکھا اور چھ دادیوں کا حصہ سدس ہے یعنے چار وہ ان پر مستقیم نہیں اور ان کے عدد رؤس اور عدد سہام میں موافقت بالنصف ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس کے نصف کو یعنے تین کو یاد رکھا اور دس بیٹیوں کا حصہ دو ثلث ہے یعنے سولہ وہ ان پر مستقیم نہیں اور ان کے

ؤس اور سہام میں موافقت بالنصف ہے تو ہم نے اُن کے نصف عدد رؤس کو یعنے پانچ کو لیا اور سات چچوں کا حصہ باقی ہے یعنے ایک وہ ن پر مستقیم نہیں اور ایک میں اور سات میں مباینت ہے تو ہم نے اُن کے تمام عدد رؤس کو یعنے سات کو لیا تو ہمارے پاس اعداد ماخوذہ ؤس سے دو اور تین اور پانچ اور سات حاصل ہوئے اور یہ سب اعداد متبائن ہیں تو ہم نے دو کو تین میں ضرب کیا چھ حاصل ہوئے پھر اس حاصل و پانچ میں ضرب کیا ۳۰ حاصل ہوئے پھر ۳۰ کو ۷ میں ضرب کیا ۲۱۰ حاصل ہوئے اسی عدد اخیر کا نام جزء سہم اور مضروب ہے پھر ہم نے اس مبلغ کو صل مسئلے یعنے ۲۴ میں ضرب کیا تو مجموع ۵۰۴۰ ہوئے انھیں سے مسئلہ صحیح ہوگیا سب فریقوں پر اس واسطے کہ دو زوجہ کا حصہ اصل مسئلہ سے ین سہم تھے اس کو مضروب میں یعنے ۲۱۰ میں ضرب کیا ۶۳۰ حاصل ہوئے تو ہر زوجہ کو ان میں سے ۳۱۵ سہم ملے اور چھ دادیوں کا حصہ چار سہم تھا اس کو بھی مضروب مذکور میں ضرب کیا ۸۴۰ حاصل ہوئے تو ہر ایک دادی کو ۱۴۰ سہم ملے اور دس بیٹیوں کے سہم سولہ تھے اس کو بھی مضروب ذکور میں ضرب کیا ۳۳۶۰ حاصل ہوئے تو ہر بیٹی کو ۳۳۶ سہم ملے اور سات چچوں کا حصہ ایک تھا اس کو بھی اسی مضروب میں ضرب کیا ۲۱۰ حاصل وئے تو ہر چچا کو ۳۰ سہم ملے اور مجموعہ ان حصوں کا ۵۰۴۰ ہے کذا فی الشریفی طحطاوی نے کہا جزء سہم یہاں عبارت ہے مبلغ ثالث سے کیونکہ عدد اول اور ثانی کی ضرب سے ایک مبلغ حاصل ہوا اور اُس مبلغ کے ضرب کرنے سے عدد ثالث میں مبلغ ثانی حاصل ہوا اور مبلغ ثانی کی ضرب سے عدد رابع میں مبلغ ثالث ہوا اور یہی مبلغ ثالث جزء سہم ہے اور سہام بنات اور جدات کا توافق مثال سابق سے ظاہر ہوگیا شارح نے یہ تعلیل اس واسطے مذکور کی کہ اگر یہ موافقت نہ ہوتی تو عدد مذکور سے تصحیح زیادہ ہوجاتی اب مصنف معرفت تماثل اور توافق اور تداخل اور تباین کا قاعدہ مذکور کرتا ہے **وإذا اردت معرفة التماثل والتوافق والتداخل والتباين بين العددين** ہذہ مقدمة يحتاج اليها فى تقسيم التركة اور جب کہ تو چاہے شناخت تماثل اور توافق اور تداخل اور تباین کے کوئی سے دو عددوں میں شارح نے کہا اس مقدمہ کی طرف حاجت پڑتی ہے متروکہ کی تقسیم میں یعنے اعداد مستحقین پر قسمت کرنا بلا کسر بدون یاد رکھنے اس مقدمہ کے نہیں ہوسکتا **فتماثل العددين كون احدهما مساويا للاخر** كثلثة وثلثة سو دو عدد کا تماثل ہونا ایک عدد کا برابر دوسرے عدد کے چنانچہ تین اور تین ہم اور ایسے دونوں عدد کو متماثلین کہتے ہیں اور یہاں اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے کہ دونوں عدد دو محل میں واقع ہوں چنانچہ رؤس اور سہام میں اور اگر محل کا اعتبار نہ کیجیے تو تین مطلق میں تعدد نہیں تو متصف بمساوات نہ ہوں گے قطعاً کذا فی الشریفی والطحطاوی **وتداخل العددين المختلفين باحد امرين على ما هنا اما بان يعد اقلهما الاكثر** اے يفنيه **او يكون اكثر العددين منقسما على الاقل قسمة صحيحة** بلا كسر كقسمة الستة على ثلثة او اثنين اور عددین مختلفین کا تداخل بنا بر اس مقام کے متحقق ہوتا ہے احد الامرین سے یا اس طرح پر کہ عدد اقل عدد اکثر کو فنا کردے اور مٹا دے یا اکثر عدد کمتر عدد پر منقسم ہوجائے بقسمت صحیح بدون کسر کے جیسے قسمت ہونا چھ کا تین یا دو پر ہم اقل اکثر کو فنا کردے یعنے اگر اقل کو اکثر سے دو بار یا زیادہ گرائیں تو اکثر سے کچھ باقی نہ رہے چنانچہ تین اور چھ تو اگر تین کو چھ سے دو بار گرائیے تو چھ بالکل فانی ہوجائے اور اسی طرح اگر نو سے تین کو تین بار گرائیے تو کچھ باقی نہ رہے تو ایسے عددوں کو اصطلاح میں متداخلین کہتے ہیں برخلاف آٹھ کے کہ وہ تین کے گرانے سے فانی نہیں ہوتا اور سراجیہ میں تداخل کی تعریف میں دو امر اور زیادہ مذکور کئے ہیں ایک یہ کہ تداخل وہ ہے کہ اگر مثل اقل کو { یا امثال اقل کو زیادہ کیجیے تو اکثر کے برابر ہوجائے دوسرے یہ ہے کہ اقل جزء ہو اکثر کا سید شریف نے کہا کہ یہ مذکور من قبیل اختلاف فی العبارة کے ہے **وتوافق العددين ان لا يعد** اے لا يفنى **اقلهما الاكثر لكن يعدهما عدد ثالث** كالثمانية مع العشرين يعدهما اربعة فيتوافقان بالربع اور توافق عددین کا یہ ہے کہ کمتر عدد اکثر عدد کو فنا نہ کرے لیکن اقل اور اکثر دونوں کو تیسرا عدد فنا کردے

ما بیان نسبت کا عددوں میں

چنانچہ آٹھ بیس کے ساتھ کہ ان دونوں کو چار فنا کر دیتا ہے تو آٹھ اور چار میں توافق بالربع ہے م توافق عددین یعنے دو عدد کا موافقت کرنا ایک جزمیں یعنے نصف یا ثلث یا ربع وغیرہا[1] میں معلوم کرنا چاہیے کہ قول اصح میں واحد عدد میں داخل نہیں اس واسطے کہ عبارت ہے کمیت[2] متالفہ عن الواحدات سے اور واحد ایسا نہیں ہے تو مصنف کی تعریف توافق کی صحیح ہے اور اگر عدد کی تعریف یوں کی جائے کہ مراتب عدد میں واقع ہو یا کم ہو کے جواب میں پڑے تو اس میں واحد بھی داخل ہے تو یہاں یوں کہنے کی احتیاج ہوگی کہ توافق العددین وہ ہے کہ اقل اکثر کو فنا نہ کرے ولیکن ان کو عدد ثالث جو واحد کے سوا ہے فنا کرے اس واسطے کہ واحد تو جمیع اعداد کو فنا کرتا ہے اور اصطلاح میں مابین واحد اور کسی شے کے تداخل نہیں بلکہ تبائن ہے کذا فی الشرنبلی والطحطاوی ملتقطا **وتباین العددین ان لا یعد العددین المختلفین معا عدد ثالث اصلا کالتسعۃ مع العشرۃ** اور دو عددوں کا تباین اس طرح ہوتا ہے کہ عددین مختلفین کو ساتھ ہی تیسرا عدد اصلا فنا نہیں کر دیتا چنانچہ نو دس کے ساتھ م یعنے نو اور دس کو ساتھ ہی کوئی اور عدد سوائے ایک کے نہیں مٹا دیتا اور واحد علی الاصح عدد نہیں ہے اور حکم تماثل تداخل کی معرفت میں پوشیدگی نہ تھی بلکہ توافق اور تبائن کی معرفت میں البتہ پوشیدگی تھی لہذا مصنف نے اس کی توضیح قول آئندہ سے شروع کی **واذا اردت معرفۃ التوافق والتباین بین العددین المختلفین اسقط الاقل من الاکثر من الجانبین مرارا حتی اذا اتفقا فی درجۃ واحدۃ** اور جب کہ تو ارادہ کرے مابین عددین مختلفین کے توافق اور تبائن کی شناخت کا تو اقل کو اکثر عدد سے چند بار ساقط اور کم کر یہاں تک کہ دونوں عدد ایک درجہ میں متفق ہو جاویں م مثلا جب کہ دس سے سات کو گرایا باقی رہے تین اور جب کہ تین کو دو بار سات سے گرایا باقی رہا ایک اور جب کہ ایک کو دو بار تین سے گرایا تو بھی ایک ہی باقی رہا تو دس اور سات بسبب اسقاط اقل کے جانبین سے چند بار متفق ہو گئے واحد میں یعنے ایک ہی باقی رہا دونوں عددوں میں سے اسقاط کے درجات میں **فان توافقا فی واحد تباینا ولا وفق** سو اگر بعد اسقاط مذکور کے دونوں عدد متفق ہو جاویں واحد میں تو وہ عدد متبائن ہیں اور دونوں میں وفق نہیں **وان توافقا فی اثنین فبالنصف** اور اگر عددین مختلفین باہم توافق کریں دو میں تو وہ دونوں عدد متوافقین بالنصف ہیں م مثلاً اگر اٹھارہ سے آٹھ کو دو بار ساقط کیجیے تو دو باقی رہیں گے اور جب کہ دو کو تین بار آٹھ سے گرایے تو بھی دو ہی باقی رہیں گے تو یہ دونوں عدد یعنے اٹھارہ اور آٹھ متوافقین بالنصف ہیں کذا فی الشرنبلی طحطاوی نے کہا توافق بالنصف یا توافق بالثلث ونظائرہما کا مطلب یہ ہے کہ مخرج نصف یا ثلث یا ربع کا ان دونوں[3] کو فنا کر دیتا ہے **او ثلثۃ فبالثلث ہکذا الی العشرۃ وتسمے الکسور المنطقۃ** یا عددین تین میں باہم متفق ہیں تو وہ متوافقین بالثلث ہیں اسی طرح دس تک اور ان کو کسور منطقہ کہتے ہیں م یعنے اگر عددین دو میں توافق کریں چنانچہ چار اور دس تو وہ متوافقین بالنصف ہیں اور اگر تین میں توافق کریں چنانچہ نو اور بارہ ہیں تو وہ متوافقین بالثلث ہیں اور اگر چار میں توافق کریں چنانچہ آٹھ اور بارہ تو متوافقین بالربع ہیں اور پانچ کے توافق میں متوافقین بالخمس ہیں چنانچہ دس اور پندرہ اور چھ میں بالسدس چنانچہ بارہ اور اٹھارہ اور سات میں بالسبع چنانچہ چودہ اور اکیس اور آٹھ میں بالثمن چنانچہ سولہ اور چوبیس اور نو میں بالتسع چنانچہ اٹھارہ اور ستائیس اور دس کے اتفاق میں متوافقین بالعشر ہیں چنانچہ ۲۰ اور ۳۰ اور ان کو کسور منطقہ کہتے ہیں یعنے تعبیر کسر کی بدون اضافت کرنے کے اس کے مخرج کی طرف ممکن ہے چنانچہ یوں کہنا کہ نصف اور ثلث اور ربع الی آخر الکسور التسعۃ بخلاف کسر اصم کے کہ اس سے تعبیر کرنا بدون اضافت اس کے مخرج کے ممکن نہیں چنانچہ یوں کہنا جزء من احد عشر یعنے گیارہ کا ایک جزء

---

[1] یعنے متوافقین بالنصف وہ ہیں جن کا نصف پورا نکل سکتا ہے بلا کسر اور متوافقین بالثلث وہ کہ ہر واحد کی تہائی بلا کسر نکلتی ہے ۱۲ [2] یعنے مقدار مرکب اکائیوں سے ۱۲ [3] یعنے ہر واحد کا آدھا یا تہائی یا چوتھائی پورا نکل سکتا ہے ۱۲

اُس کو اصم یعنے گونگا کہا باعتبار مجاز کے اس واسطے کہ کسر کا بولنا مسموع نہیں کذا فی الطحطاوی **او احد عشر فبجزء من احد عشر وہکذا ویسمے الاصم** یا عددین نے توافق کیا گیارہ میں تو وہ دونوں عدد گیارہ کے ایک جزء میں متوافق ہیں اور اسی طرح بارہ یا تیرہ کا ایک جزء اور یہ کسر مسمے باصم ہے چنانچہ ۲۲ اور ۳۳ کو فقط گیارہ فنا کرتا ہے اور گیارہ گیارہویں جزء کا مخرج ہے تو دونوں عدد گیارہویں جزء میں متوافق ہیں اور اسی طرح توافق ہونا بارھویں جزء میں چنانچہ ۲۴ اور ۳۶ میں اور تیرھویں میں چنانچہ ۲۶ اور ۳۹ میں اور اسی طرح انیسویں جزء میں توافق چنانچہ ۳۸ اور ۵۷ میں کذا فی الطحطاوی ملخصا **تتمہ** خلاصہ مقام یہ ہے کہ واحد کے سوا جو دو عدد ہوں اگر دونوں برابر ہیں تو عددین متماثلین ہیں والا اگر اقل اکثر کو فنا کر دے تو وہ متداخلین ہیں والّا اگر دونوں کو تیسرا عدد فنا کر دے تو وہ متوافقین ہیں اور جس کسر کا عدد ثالث مخرج ہے وہی کسر اُن دونوں عددوں کا وفق ہے اور اگر عدد ثالث ان کو فنا نہ کرے تو وہ متباینین ہیں اور تماثل تو ظاہر ہے اور باقی یعنے تداخل اور توافق اور تباین پہچانے جاتے ہیں عدد اکثر کی قسمت کرنے سے اقل پر تو اگر قسمت سے کچھ باقی نہ رہے تو وہ متداخلین ہیں اور اگر باقی رہے تو مقسوم علیہ باقی پر قسمت کیا جائے اسی طرح چند بار کیا جائے یہاں تک کہ کچھ باقی نہ رہے تو وہ عددین متوافقین ہیں اور پچھلا مقسوم علیہ وہی دونوں کو فنا کرنے والا ہے یا باقی رہا ایک تو وہ متباینین ہیں کذا فی خلاصۃ الحساب **واذا اردت معرفۃ نصیب کل فریق** کالبنات والجدات والاعمام وغیرہم من التصحیح الذی استقام علی الکل **فاضرب ما کان له** ای لکل فریق **من اصل المسئلۃ فیما** ای فی جزء السہم الذی ضربتہ فی **اصل المسئلۃ یخرج نصیبہ** ای ذلک الفریق اور جب کہ تو ارادہ کرے معرفت ہر فریق کے نصیب کی چنانچہ بنات اور جدات اور اعمام وغیرہم کے اس تصحیح سے جو مستقیم ہو چکی ہر فریق پر جو ہر فریق کا حصہ تھا اصل مسئلے سے اُس کو ضرب کر اُس جزء سہم اور مضروب میں جس کو تو نے ضرب کیا ہے اصل مسئلے میں تو اس فریق کا حصہ نکل آوے گا ھم مثلاً تباین کی مثال مذکور میں جزء سہم اور مضروب ۲۱۰ تھا اور حصہ زوجتین کا تین تھا اصل مسئلے یعنی ۲۴ سے تو جب تین کو ضرب کیا ۲۱۰ میں تو ۶۳۰ حاصل ہوئے تو معلوم ہوا کہ ۵۰۴۰ کی تصحیح سے زوجتین کا حصہ ۶۳۰ ہے وعلی ہذا القیاس معرفت نصیب بنات[1] وجدات واعمام کا **اذا اردت معرفۃ نصیب کل واحد من احاد ذلک الفریق ضربت سہام کل وارث فی جزء السہم المضروب یخرج نصیبہ** پھر جب کہ تو ارادہ کرے اس فریق کے ہر ہر واحد کے حصہ کی معرفت کا تو ہر وارث کے سہام کو جزء سہم مضروب میں ضرب کر اُس کا حصہ نکل آوے گا ھم تو مسئلہ مذکور میں تباین اعداد اور رؤس کے وجہ سے زوجتین کا حصہ اصل مسئلے میں تین سہم کا تھا پھر جب تین کو دو زوجہ پر تقسیم کیا تو ہر ایک کا حصہ ایک اور نصف یعنے ڈیڑھ ہوا سو اُس کو جب کہ مضروب یعنے دو سو دس میں ضرب کیا ۳۱۵ حاصل ہوئے سو یہی حصہ ہے ہر زوجہ کا اور بنات کا نصیب اصل مسئلے سے سولہ سہم کا تھا پھر جب اُس کو عدد رؤس یعنے ۱۰ پر قسمت کیا تو ایک اور تین خمس خارج ہوئے سو اس کو جب کہ اسی مضروب میں ضرب کیا ۳۳۶ حاصل ہوئے یہ حصہ ہوا ہر بیٹی کا اور جدات کا حصہ اصل مسئلے سے چار سہم کا تھا پھر جب اس کو چھ دادیوں پر قسمت کیا تو ایک سہم کی دو تہائیاں حاصل ہوئیں سو اُس کو جب کہ مضروب مذکور میں ضرب کیا ۱۴۰ حاصل ہوئے یہ حصہ ٹھہرا ہر دادی کا اور اعمام کا حصہ اصل مسئلے سے ایک سہم کا تھا پھر جب اس کو سات چچوں پر قسمت کیا تو سبع یعنے ساتواں حصہ حاصل ہوا سو اُس کو جب مضروب مذکور میں ضرب کیا ۳۰ حاصل ہوئے یہی حصہ ہے ہر چچا کا **والاوضح طریق النسبۃ** اور ہر وارث کے حصے کی شناخت میں واضح تر نسبت کا طریقہ ہے اس واسطے کہ اس طریق میں قسمت اور ضرب کی طرف حاجت نہیں پڑتی برخلاف اور طریقوں کے **وهو ان تنسب سہام کل فریق من اصل المسئلۃ** الی عدد رؤسہم وعددہم ثم تعطی بمثل تلک النسبۃ من المضروب **لکل واحد من احاد ذلک الفریق** اور وہ یعنے نسبت کا طریقہ یہ ہے کہ اصل مسئلے سے ہر فریق کے سہام کو نسبت کرے تو فقط اُن کے عدد رؤس کی طرف

---

[1] چنانچہ صفحہ ۵۰ میں ان کی تفصیل گذری ۱۲

پھر اسی نسبت کے مانند دے تو مضروب سے اس فریق کے ہر ایک شخص کو ملے تو مسئلہ مذکورہ میں جب کہ تو نے سہام زوجتین کی نسبت کی اُن کے عدد رؤس کی طرف یعنے تین کی دو کی طرف تو مثل اور نصف یعنے ڈیوڑھی نسبت ہوئی اور جب کہ تو نے ہر زوجہ کو مضروب یعنے ۲۱۰ سے اسی نسبت کے مانند دیا تو ۳۱۵ ہوئے اس واسطے کہ اگر ۲۱۰ کو ڈیوڑھا کیجیے تو ۳۱۵ ہوتے ہیں اور جب کہ سہام بنات یعنے سولہ کو ان کے عدد رؤس یعنے دس کی طرف نسبت کیا تو مثل اور تین خمس مثل کی نسبت حاصل ہوئے پھر جب کہ ہر بیٹی کو مثل مضروب اور اُس کے تین خمس کے مانند دیا تو ہر بیٹی کو ۳۳۶ پہونچے اور جب کہ سہام جدات کو اُن کے عدد رؤس کی طرف یعنے چار کو چھ کی طرف نسبت کیا تو واحد کے ثلثین کی نسبت پائی گئی اور جب کہ ہر جدہ کو مضروب کی دو تہائیاں دیں تو ۱۴۰ کا حصہ ہوا اور جب کہ سہام اعمام کو اُن کے عدد رؤس کی طرف یعنے ایک کو سات کی طرف نسبت کیا تو سبع یعنے ساتویں حصے کی نسبت پائی تو جب کہ مضروب کا ساتواں حصہ ہر چچا کو دیا تو تیس تیس حاصل ہوئے **فائدہ** چونکہ مواریث سے مقصود یہ ہے کہ ہر وارث کو اُس کا حق دیا جائے تو اس اہتمام کے واسطے علمانے اس کے تین طریقے مذکور کئے ہیں دو طریقے مذکور ہو گئے ایک طریقہ ضرب سہام ہر وارث کا اور دوسرا طریقہ نسبت کا جو اظہر اور اوضح ہے[1] اور تیسرا طریقہ قسمت مضروب کا ہے وہ یہ ہے کہ مضروب کو قسمت کر جس فریق پر تو چاہے پھر خارج قسمت کو اسی فریق مقسوم علیہم پر ضرب کر تو حاصل ضرب حصہ ہوگا اس فریق کے ہر واحد کا تو مسئلہ مذکور میں جب کہ تو نے مضروب یعنے ۲۱۰ کو دو زوجہ پر قسمت کیا خارج قسمت ۱۰۵ ہوا پھر جب کہ اس خارج کو دونوں زوجہ کے نصیب میں جو اصل مسئلے میں تھا یعنی تین میں ضرب کیا ۳۱۵ حاصل ہوئے تو یہی حصہ ہوا ہر زوجہ کا اور جب کہ مضروب مذکور کو دس بیٹیوں پر قسمت کیا خارج قسمت ۲۱ ہوا پھر جب اُس کو اُن کے اصل مسئلے کے نصیب میں یعنے سولہ میں ضرب کیا ۳۳۶ حاصل ہوئے یہی حصہ ہے ہر بیٹی کا اور جب کہ اسی مضروب کو چھ دادیوں پر قسمت کیا تو ۳۵ حاصل ہوئے پھر جب کہ اُن کو جدات کے اصل مسئلے کے نصیب میں یعنے چار میں ضرب کیا ۱۴۰ ہوئے یہی حصہ ہے ہر دادی کا اور جب کہ مضروب مذکور کو اعمام سبعہ پر قسمت کیا تو ۳۰ حاصل ہوئے پھر جب کہ اس خارج کو ان کے اصل مسئلہ کے نصیب میں یعنے ایک میں ضرب کیا ۳۰ حاصل ہوئے یہی حصہ ہے ہر چچا کا کذا فی الطحطاوی **و اذا اردت قسمة الترکة بین الورثة والغرماء** او بینہما کلا واحد لامعا لتقدم الغرماء علی قسمة المواریث کما فی شرح السراجیة لحمید اور جب کہ تو مابین ورثہ اور ارباب دیون کے ترکہ قسمت کرنا چاہے یعنے فقط وارثوں میں یا فقط دائنوں میں نہ ایک ساتھ دونوں میں بسبب مقدم ہونے ارباب دیون کے مواریث کی قسمت پر چنانچہ حمید کی شرح سراجیہ میں یہ مطلب مصرح مذکور ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ترکہ پورا پڑا ادائے جمیع دیون میں اور کچھ باقی رہا تو ارباب دیون میں اب قسمت کرنے کی کچھ حاجت نہ رہی وارثوں میں البتہ قسمت ہوگی اور اگر ترکہ ادائے دیون میں کافی نہ ہوا تو وارثوں کے لئے کچھ باقی نہ رہا تو مابین ورثہ کے قسمت بھی نہ ہوگی حاشیہ عزمی زادہ میں ہے بین الطائفتین قسمت ترکہ سے مراد یہ ہے کہ ہر گروہ کے افراد میں بالاختصاص قسمت ہوگی نہ بالاشتراک بین الطائفتین کذا فی الطحطاوی

---

[1] یہ تین طریقے مترجم اول نے بموجب بیان کتب فرائض کے لکھے مگر ظاہر ہے کہ جس طریقہ کو اوضح اور اظہر لکھا ہے وہ دقت سے خالی نہیں اور تیسرا طریقہ بھی دو بار ضرب کا محتاج ہے پس سب سے سہل اور عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بعد معلوم کرنے حصہ ہر فریق کے اگر ہر فرد کا حصہ معلوم کرنا چاہو تو کل حصہ کو عدد اس فریق پر قسمت کر دو حاصل ہر فرد کا حصہ ہوگا مثلاً بموجب بیان گذشتہ زوجتین کے سہام ۶۳۰ تھے ان کو دو پر تقسیم کیا ۳۱۵ ہر زوجہ کا حصہ ہوا اور بیٹیوں کے سہام کل ۳۳۶۰ تھے جب ان کو دس پر تقسیم کیا ۳۳۶ ہر ایک کا حصہ ہوا اور تعجب ہے کہ اہل فرائض اس طریق کے درپے نہیں ہوئے ۱۲

* * *

فان کان بین الترکۃ والتصحیح مماثلۃ فظاہر سو اگر ترکہ اور تصحیح میں مماثلت اور برابری ہے تو ظاہر ہے م چنانچہ اگر میت نے ماں ور باپ اور چار بیٹیوں کو چھوڑا اور ترکہ چھ دینار ہے تو ہر ایک کو ایک ایک دینار ملے گا اس واسطے کہ ثلث یعنے دو دینار والدین میں شترک ہے اور ثلثین یعنے چار بنات کا حق ہے تو ترکہ بلا دقت تقسیم ہو گیا **او موافقۃ ضربت سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ** کذا فی نسخ المتن والشرح والموافق للسراجیۃ وغیرہا فی وفق الترکۃ وانما یضرب فی جمیع الترکۃ عند المباینۃ یا ترکہ اور تصحیح میں موافقت ہے تو ضرب کرے تو ہر وارث کے سہام کو تصحیح سے تمام ترکہ میں شارح نے کہا یہی عبارت ہے متن اور شرح مصنف کے نسخوں میں اور سراجیہ وغیرہ کے موافق یوں ہے کہ سہام کو وفق ترکہ میں ضرب کرے اور تمام ترکہ میں تو ضرب کی جاتی ہے فقط مبائنت کے وقت م سراجیہ وغیرہا کا مطلب چنانچہ سید شریف نے فرائض شریفی میں واضح کر کے چند محل میں مذکور کیا ہے یہ ہے کہ مباینت کا حکم موافقت اور مداخلت میں بھی جاری ہوتا ہے تو ضرب کئے جاتے ہیں ہر وارث کے سہام تصحیح سے جمیع ترکہ میں اور موافقت کا دوسرا طریقہ وہ ہے جس کو شارح نے مذکور کیا وہ یہ ہے کہ سہام ہر وارث کے ضرب کئے جاویں ترکہ کے وفق میں پھر حاصل ضرب کی وفق تصحیح پر قسمت ہو تو خارج قسمت نصیب ہوگا اس وارث کا اور مداخلت شریک ہے موافقت کے اس طریقہ میں تو تجھ کو اختیار ہے کہ اگر تو چاہے موافقت اور مداخلت میں تباین کا طریقہ اختیار کرے اور چاہے ضرب فی الوفق کا طریقہ پسند کرے دونوں کا مآل ایک ہے اور مبائنت کی صورت کا یہ بیان ہے کہ ایک عورت اپنا زوج اور ماں اور دو سگی بہنیں چھوڑ کر مر گئی اور ترکہ ۲۵ اشرفیاں ہیں تو اصل مسئلہ چھ سے ہے اور عول کرے گا آٹھ کی طرف تو زوج کا ان میں سے تین ہے اور ماں کا ایک اور ہر بہن کے دو سہم اور ترکہ اور تصحیح یعنے آٹھ میں تبائن ہے پھر تو نے جب چاہا کہ ہر وارث کا حصہ دریافت کرے ترکہ سے تو جو نصیب ہے زوج کا تصحیح سے یعنے تین کو تمام ترکہ میں ضرب کر تو پچھتر حاصل ہوں گے پھر اس مبلغ کو تصحیح یعنے آٹھ پر قسمت کر تو نو اشرفیاں اور ایک اشرفی کے تین ثمن خارج ہوں گے تو یہ حصہ ہے زوج کا اس ترکہ سے اور ماں کے نصیب کو تصحیح سے یعنے ایک کو بھی جمیع ترکہ میں ضرب کر ۲۵ حاصل ہوں گے پھر جب ان کو آٹھ پر قسمت کیا تین اشرفیاں اور ایک اشرفی کا ثمن خارج قسمت ہوا تو یہ حصہ ہے ماں کا ترکہ سے اور بہن کے نصیب یعنے دو کو تمام ترکہ میں ضرب کر ۵۰ حاصل ہوں گے پھر جب ان کو آٹھ پر قسمت کیا چھ اشرفیاں اور ربع اشرفی خارج ہوئی سو یہ حصہ ہے ہر بہن کا ترکہ مذکورہ سے اور اگر اس مسئلہ میں ترکہ ۵۰ اشرفیاں فرض کیجیے تو ترکہ اور تصحیح میں توافق بالنصف ہے اور جب کہ ترکہ ۲۴ اشرفیاں فرض کیجیے تو تصحیح اور ترکہ میں تداخل ہے اور ان دونوں صورتوں میں تجھ کو اختیار ہے چاہے مبائنت کی مانند عمل کرے اور چاہے ہر وارث کے نصیب کو وفق ترکہ میں ضرب کرے پھر حاصل کو وفق تصحیح پر قسمت کرے خارج قسمت حصہ ہوگا[1] ہر وارث کا اور اگر ترکہ میں کسر ہو تو اس میں ترکہ کو بسط کرنے کی حاجت ہوگی تاکہ ترکہ ایک جنس ہو جائے اور بسط کا طریقہ یہ ہے کہ تصحیح کو مخرج کسر میں ضرب کرے

---

[1] مثلاً اگر توافق کی صورت میں حصہ زوج کا معلوم کرنا چاہیں تو تصحیح سے ان کے سہام تین ہیں ان کو وفق ترکہ یعنے ۲۵ میں ضرب دیا ۷۵ حاصل ہوئے اس کو وفق تصحیح یعنے چار پر قسمت کیا حاصل اٹھارہ اشرفیاں اور پون اشرفی ہوئی یہی حصہ ہوا زوج کا اور تداخل کی صورت میں اگر تصحیح کم ہوگی جیسے مثال مذکور میں ترکہ ۲۴ ہے اور تصحیح ۸ تو تصحیح کا وفق ہمیشہ ایک ہوگا بس صرف وارث کے سہام کو وفق ترکہ میں ضرب کرنا پڑے گا مثلاً زوج کے سہام تین ہیں دونوں کا حاصل ضرب نو ہوا یہی حصہ ہے زوج کا اور اگر ترکہ کم ہو اور تصحیح زائد مثلاً مثال مذکور میں ترکہ چار اشرفیاں ہوں تو وفق ترکہ کا ایک ہوگا اس میں ضرب کی حاجت نہیں ورثہ کے سہام کو صرف وفق تصحیح پر تقسیم کرنا ہوگا مثلاً زوج کے تین سہام کو دو پر قسمت کریں گے تو ڈیڑھ اشرفی نکلے گی یہی اس کا حصہ ہوگا چار سے ۱۲

∴ ∴ ∴

اور حاصل پر کسر مذکورہ کو زیادہ کر دے پھر اس عدد کو بھی جس سے مسئلہ صحیح ہو گیا ہے مخرج کسر میں ضرب کرے پھر دونوں حاصل میں ضرب اور قسمت کا وہ عمل کرے جو مذکور ہو چکا تو خارج قسمت اس وارث واحد کا حصہ ہوگا سو جب کہ ہم نے مسئلہ مذکورہ میں ۲۵ اشرفیاں اور ثلث اشرفی کا ترکہ فرض کیا تو ۲۵ کو ثلث کے مخرج یعنے تین میں ضرب کیا حاصل ہوئے ۷۵، اس پر تہائی کو زیادہ کیا تو ۷۶، تہائیاں ہوئیں پھر تصحیح یعنے آٹھ کو بھی تین میں ضرب کیا ۲۴ حاصل ہوئے پھر جب نصیب ہر وارث کا آٹھ سے ۷۶ میں ضرب کیا اور حاصل کو ۲۴ پر تقس کیا تو خارج قسمت حصہ ہوگا اس وارث کا گویا کہ ترکہ ۷۶، کا ہے اور گویا تصحیح ۲۴ کی ہے کذا فے الطحطاوی عن الشریفی وہذا المعرفۃ نصیب کل فرد اور یہ قاعدہ مذکورہ واسطے دریافت کرنے حصہ ہر فرد وارث کے ہے **وتعمل کذلک فے معرفۃ نصیب کل فریق منہم** اور اسی طرح تو عمل کرے وارثوں کے ہر فریق کے حصہ دریافت کرنے میں **م** یعنے نصیب ہر فریق کو تمام ترکہ میں ضرب کرے تینوں صورتوں تبائن اور توافق اور تداخل میں اور حاصل کو تمام تصحیح پر قسمت کرے سو جو خارج ہوگا وہ حصہ ہوگا ہر فریق کا چنانچہ حصہ دو بہنوں کا مسئلہ میں تجھ کو معلوم ہو چکا اور تجھ کو اختیار ہے کہ توافق اور تداخل میں وہ دوسرا طریقہ کرے جو عنقریب مذکور ہو چکا مصنف نے حصہ ہر وار کے بیان کو مقدم مذکور کیا ہر فریق کے حصے کے بیان پر اور حالانکہ ترتیب طبعی بالعکس ہے اس واسطے کہ ہر واحد کا حصہ دریافت کرنا مقصو اہم تھا واما قضاء الدیون فان وفے نہا اور اداے دیون کی تو یہ تفصیل ہے کہ اگر مال متروک پورا پڑا ادا کرنے میں تو بہتر اور کیا خوب ہے **وان لم یف** وتعدد الغرماء اور اگر نہ پورا پڑا اور اصحاب دیون کے چند لوگ ہیں **م** یعنے اگر تعدد نہیں بلکہ صاحب دین ایک شخص ہے تو بعد تجہیز اور تکفین باقی مال کو وہی لے گا **ینزل مجموع الدیون کا لتصحیح للمسئلۃ وینزل کل دین غریم کسہام وارث وتعمل کما مر** در صورت عدم ایفا اور تعدد ارباب دیون کے اتارے تو سب دیون کو بمنزلہ تصحیح مسئلے کے اور ہر دائن کے دین کو بمنزلہ سہام وارث کے قرار دے اور وہ عمل کر تو جو قسمت بین الورثۃ میں عمل کر چکا ضرب اور قسمت سے **م** صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص مر گیا نو اشرفیوں کا متروکہ چھوڑ کر اور اس پر دس اشرفیاں ایک شخص کی ادھار ہیں اور پانچ اشرفیاں دوسرے شخص کی ہیں تو دونوں پندرہ دیون کو بمنز تصحیح مسئلہ کے قرار دے اور مابین دیون اور ترکہ کے جو نو اشرفیاں ہیں نظر کر سو اگر دونوں میں توافق ہو چنانچہ یہی صورت ہے کہ دونوں میں توا بالثلث ہے سو دس اشرفی والے دین کو وفق ترکہ یعنے تین میں ضرب کیا حاصل ہوئے ۳۰ پھر اس حاصل کو تصحیح کے وفق یعنے پانچ پر تقس کیا خارج قسمت چھ ہوئے سو یہ اس کا حصہ ہوا نو اشرفیوں سے اور جب کہ پانچ اشرفیوں والے دین کو وفق ترکہ یعنے تین میں ضرب کیا پندرہ حاصل ہوئے پھر جب پندرہ کو وفق تصحیح یعنے پانچ پر قسمت کیا خارج ہوئے تین یہ پانچ اشرفیوں والے کا حصہ ہے اور اگر اس صورت میں تیرہ اشرفیاں ہوں تو تیرہ اور مجموع دیون یعنے پندرہ میں جو بمنزلہ تصحیح کے ہے تبائن ہے تو ہر دائن کے نصیب کو اس تصحیح کے تمام میں کر اور حاصل کو جمیع ترکہ پر قسمت کر سو خارج قسمت حصہ ہوگا ہر دائن کا سو جب کہ دس اشرفیوں والے دین کو تیرہ میں ضرب کیا ایک سو تیس حا ہوئے پھر جب کہ اس کو پندرہ پر قسمت کیا تو اٹھارہ اشرفیاں اور ایک اشرفی کی دو تہائیاں خارج ہوئیں یہ دس اشرفیوں والے دائن کا ہوا اور پانچ اشرفیوں والے دائن کے دین کو بھی تمام ترکہ میں ضرب کیا ۶۵ حاصل ہوئے پھر جب اس مبلغ کو پندرہ پر قسمت کیا چار اشرفیاں اور ایک اشرفی کی تہائی خارج ہوئی یہ حصہ ہوا پانچ اشرفیوں والے دائن کا اور اگر اسی صورت میں پانچ اشرفیوں کا ترکہ فرض کیجیے تو ترکہ اور تصحیح میں توافق بالخمس ہوگا باوجودیکہ پانچ اور پندرہ متداخلین بھی ہیں تو دس اشرفیوں والے کے دین کو خمس ترکہ میں یعنے ایک میں ضرب کر دس حاصل ہو اور اس حاصل کو خمس تصحیح پر یعنے تین پر قسمت کر خارج ہوں گی تین اشرفیاں اور ایک اشرفی کی ایک تہائی یہ حصہ ہے دس اشرفیوں والے

اور پانچ اشرفیوں والے کے دین کو بھی وفق ترکہ میں ضرب کر اور حاصل کو وفق تصحیح یعنے تین پر قسمت کر خارج ہوگا ایک اور دو تہائیاں ایک کی یہ حصہ ہے پانچ اشرفیوں والے کا اور یہ بھی اختیار ہے کہ تباین اور تداخل اور توافق میں تمام ترکہ میں ضرب کرے اور یہ بھی کہ توافق اور تداخل کی دونوں صورتوں میں وفق کا ان میں اعتبار کرے کذا فی الطحطاوی والشریفی ثم شرع فی مسئلۃ التخارج پھر مصنف نے یہاں سے مسئلہ تخارج کا بیان شروع کیا تخارج اصطلاح فرائض میں اس سے عبارت ہے کہ ورثہ باہم صلح کریں بعضے وارث کے اخراج پر میراث سے بعوض اس مال کے جو اس کے حصے سے کمتر ہے اور یہ شرع میں درست ہے محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کو ذکر کیا ہے اور عمرو بن دینار سے روایت کی ہے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی چار زوجات میں سے ایک زوجہ کو اپنے مرض موت میں طلاق دی پھر وہ عدت میں مرگئی تو عثمان رضی اللہ عنہ نے زوجہ مذکورہ کو اور تین زوجات کے ساتھ میراث دینے کا حکم کیا تو ان کے وارثوں نے اس عورت سے صلح کرلی اس کے ربع ثمن یعنے آٹھویں حصے کی چوتھائی سے اس کے نصف پر یعنے ۸۳ ہزار دینار پر اور یہ دلیل ہے تخارج کے جائز ہونے پر ذکرہ اکمل الدین اور حالانکہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے چار بار اپنا تمام مال اپنی زندگی میں نصفا نصف للتقسیم کردیا تھا اور نصف باقی رکھا تھا اور یہ دلیل ہے اس پر کہ مال حلال کے جمع کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں یعنے بشرط ادائے حقوق واجبہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح یعنے نیک مال نیک مرد کے واسطے کیا خوب ہے کذا فی الطحطاوی فقال ومن صالح من الورثۃ والغرماء علی شیء معلوم منہا طرح اے طرح سہامہ من التصحیح وجعل کانہ استوفی نصیبہ سو مصنف نے کہا کہ جو شخص وارثوں اور ارباب دیون میں سے صلح کرلے چیز معین پر ترکہ میں سے تو اس وارث کے سہام یا اس دائن کا دین تصحیح سے گرا دیا جاوے گا اور یہ قرار دیا جاوے گا کہ گویا اس نے اپنا حصہ بھر پایا ہے یعنے مع وجود مصالح بین الورثۃ اولاً مسئلے کی تصحیح کرنا چاہیے پھر اس کے سہام کو تصحیح سے گرانا چاہیے کذا فی الشریفی طحطاوی نے کہا شے معلوم کی قید اس واسطے لگائی تاکہ مجہول نکل جائے اس واسطے کہ شئے مجہول پر صلح صحیح نہیں اگرچہ اس سے صلح درست ہے ثم قسم الباقی من التصحیح او الدیون علی سہام من بقی منہم فتصح منہ کزوج وام وعم پھر قسمت کیا جائے باقی تصحیح یا دیون سے ان کے سہام پر جو باقی رہیں وارثوں میں سے تو صحیح ہوں گے سہام مابقی سے چنانچہ زوج اور ماں اور چچا وارث رہے تو مسئلہ مع وجود زوج کے چھ سے ہے اور یہ مستقیم ہے وارثوں پر ان میں سے زوج کے سہام تین ہیں اور ماں کے دو سہم اور چچا کا ایک سہم فصالح الزوج علی ما فی ذمتہ من المہر وخرج من بین الورثۃ فاطرح سہامہ من التصحیح وہے ثلثۃ واقسم باقی الترکۃ وہے ما عدا المہر بین الام والعم اثلاثا بقدر سہامہما من التصحیح قبل التخارج وحینئذ یکون سہمان للام وسہم للعم پھر زوج نے صلح کرلی اپنے حصے کی یعنے نصف میراث کی اس پر جو اس کے ذمے پر مہر زوجہ کا واجب الادا ہے اور وہ خارج ہوگیا وارثوں کے درمیان سے تو زوج کے تین سہام تصحیح سے گرادے اور باقی ترکہ سوائے مہر کے ماں اور چچا میں تین تہائی کرکے بقدر ان کے سہام کے تصحیح قبل از تخارج سے قسمت کردے اور اس وقت میں دو سہم ماں کے ہوئے اور ایک سہم چچا کا ہوا ام یعنے جو سہام تھے ہر ایک وارث کی تصحیح سے تخارج سے پہلے وہی ہنوز قائم ہیں زوج کے خارج ہو جانے سے سہام باقی ورثہ میں کچھ فرق اور تغیر واقع نہیں ہوا ولا یجوز ان یجعل الزوج کان لم یکن لئلا ینقلب فرض الام من ثلث اصل المال

بیان تخارج

لہ لیکن اگر کل ترکہ میں ضرب کرے تو کل تصحیح یعنے مجموعہ عدد دین پر قسمت ہوگی اور وفق کی صورت میں تصحیح کا بھی وفق لینا ہوگا ۱۲ ؎ یعنے ایک ثمن چار زوجہ کا تھا تو ایک کا حصہ ربع ثمن ہوا ۱۲ ؎ اور جس چیز پہ اس نے صلح کی ہو اس کو ترکہ سے خارج کردینا چاہیے ۱۲ ؎ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ میرا تم پر کچھ حق ہے اور کوئی معین چیز نہ بیان کی اور دوسرے نے اس دعوے مجہول کے عوض مثلاً دس روپے دے کر صلح کرلی تو درست ہوگا ۱۲

اسے ثلث الباقی اور یہ جائز نہیں کہ زوج کو یوں قرار دیجیے کہ گویا کہ موجود ہی نہ تھا تا کہ ماں کا فرض اصل مال کی تہائی سے باقی مال کی تہائی کی طرف بدل نہ جاوے م اصل مال چھ سہم تھے اس کی تہائی دو سہم ہیں اور اگر زوج کو نابود فرض کیجیے تو اس کا نصف حصہ[1] ساقط ہو کر تین سہم باقی رہیں گے اس کی تہائی ایک سہم ہے لانہ حینئذ یکون للام سہم وللعم سہمان وہو خلاف الاجماع قالہ السید وغیرہ قلت وہذا ہو الصواب ولقد غلط فی قسمۃ ہذہ المسئلۃ صاحب المختار وصاحب المجمع البحرین وغیرہما علی ما عندی من النسخ فانہما قسما الباقی للام سہم وللعم سہمان وقد علمت انہ خلاف الاجماع اس واسطے کہ اس وقت میں یعنے باقی مال کی قسمت میں ماں کا ایک سہم ہو گا اور چچا کے دو سہم اور وہ مخالف اجماع کے ہے ایسا کہا ہے سید شریف وغیرہ شارحین سراجیہ نے میں کہتا ہوں اور یہی قول یعنے زوج کو نابود نہ فرض کرنا حق اور ٹھیک ہے اور البتہ اس مسئلہ کی قسمت کرنے میں صاحب مختار اور صاحب مجمع البحرین وغیرہما غلط کر گئے ہیں بموجب اُن کتابوں کے نسخوں کے جو میرے پاس موجود ہیں اس واسطے کہ ان دونوں مصنفوں نے باقی مال کو یعنے تین سہم کو نہ چھ کو قسمت کیا ہے ماں کا ایک سہم اور چچا کے دو سہم اور البتہ تجھ کو سید شریف وغیرہ کے نقل کلام سے معلوم ہو گیا ہے کہ وہ خلاف اجماع کے ہے م اور یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ اُس کا حق مختلف ہوتا ہو اُس کے ادخال اور اس کے فرض عدم سے اور جس کا حال اس طرح مختلف نہ ہوتا ہو چنانچہ اگر بجائے چچا کے باپ ہو تو اس کے دخول کا اعتبار کرنا لازم نہیں[2] اس واسطے کہ ماں کا ایک سہم اور باپ کے دو سہم ہیں دونوں تقدیریں میں اور اگر یوں فرض کیجیے کہ چچا نے صلح کر لی کچھ ترکہ پر تو بھی مسئلہ چھ سے ہو گا پھر جب کہ چچا کا حصہ یعنے ایک سہم گرا دیا باقی رہے پانچ سہم تین سہم زوج کے اور دو سہم ماں کے تو باقی مال پانچ حصے کیا جاوے گا زوج اور ماں ہیں تو تین خمس زوج کے اور دو خمس ماں کے اور اگر یوں فرض کیجیے کہ ماں کے حصے پر صلح واقع ہوئی اور وہ خارج ہو گئی میراث سے تو بھی مسئلہ چھ سے ہو گا پھر جب کہ ماں کے دو سہم ساقط کر دئے چار باقی رہے تو باقی ترکہ چار حصے ہو گا اس میں سے تین زوج کے اور ایک چچا کا کذا فی الطحطاوی قال العلامۃ قطب الدین محمد بن سلطان فی شرحہ للکنز وقولہ فاجعلہ کان لم یکن فیہ نظر ثم ذکر نحو ما حرر فتدبر علامہ قطب الدین محمد بن سلطان نے شرح کنز میں کہا اور ماتن کا یہ قول کہ زوج کو یوں قرار دے کہ وہ گویا کہ نہ تھا اس قول میں اعتراض ہے پھر شارح مذکور نے ویسا بیان کیا جیسا کہ تحریر ہو چکا سو اس کو تامل کر لے قال مؤلفہ العبد الفقیر العاجز الحقیر محمد علاء الدین بن الشیخ علی الحصنی الحنفی العباسی الامام بجامع بنی امیۃ ثم المفتی بدمشق المحمیۃ قد فرغت من تالیفہ فی اواخر شہر المحرم الحرام سنۃ ۱۰۷۱ احدی وسبعین والف ہجریۃ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والسلام اس شرح کا جامع بندہ محتاج ضعیف ناچیز یعنے محمد علاء الدین ابن شیخ علی حصن کا رہنے والا حنفی مذہب عباسی نسب بنی امیہ کی جامع مسجد کا امام پھر دمشق محفوظ کا مفتی کہتا ہے کہ میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوا پچھلی تاریخوں شہر محرم الحرام سن ایک ہزار اکہتر ہجری میں ہجرت والے رسول پر بہت بہتر درود اور سلام م قاموس میں ہے کہ حصن کئی ایک مواضع کا نام ہے شاید کہ شارح[3] ان میں سے کسی موضع کی طرف منسوب ہے امام اور مفتی میں احتمال ہے کہ شارح کی صفت ہو یا اس کے والد کی اور یہی ظاہر ہے وقد بالغت فی تلخیصہ وتحریرہ وتنقیحہ اھ

---

[1] مترجم اول نے عبارت مختصر کر دی یوں چاہیے کہ اگر زوج کو نابود فرض کریں اور وارث ماں اور چچا ہوں تو اس صورت میں ماں کو ایک تہائی ہو گی اور باقی ہی چچا لے گا یعنے دو سہم تو ماں کو پھر کی تہائی نہ ملی بلکہ باقی مال کی ملی یعنے ایسا ہوا کہ گویا مسئلہ چھ سے کر کے حصہ زوج ساقط کیا اور باقی کی تہائی ماں کو دی ۱۲

[2] صواب یہ ہے کہ مترجم اول زوج کو نابود فرض کرنے میں لکھتا ۱۲

[3] مترجم اول نے شروع کتاب میں طحطاوی کا سے نقل کیا ہے کہ شارح رہنے والا حصکف یا حصن کیفا کا ہے تو یہاں شاید لکھنے کی ضرورت نہیں اور حاشیہ شامی میں بھی یہی ہے کہ شارح رہنے والا حصن کیفا کا ہے اور نسبت اس کی طرف قیاساً حصنی ہے اور کبھی حصکفی بفتح حائے مہملہ کہتے ہیں اور حصن کیفا ایک شہر ہے درمیان جزیرۂ ابن عمر اور میافارقین کے ہے ۱۲

لبتہ میں نے اس شرح کی تلخیص اور تحریر اور تنقیح میں بہت مبالغہ کیا ہے م تلخیص سے مراد اختصار ہے قاموس میں ہے کہ تلخیص عبارت ہے تبیین اور شرح سے شیخ الاسلام نے شرح رسالہ قشیریہ میں کہا کہ ایجاز اور اختصار بمعنے واحد ہیں یعنے اقلال لفظ مع توسیع المعنے[1] اقلال بلا اخلال[2] یا اقلال مبانی والقاء معانی یا رد الکثیر الی القلیل[3] وقیل غیر ذلک قاموس میں ہے کہ تحریر کتاب عبارت ہے اُس کی تقویم سے اور تحریر رقبہ عبارت ہے اس کے اعتاق سے اور تنقیح شعر عبارت ہے اُس کی تہذیب سے کذا فی الطحطاوی مختصراً علامہ موی نے شرح اشباہ میں کہا تحریر کلام عبارت ہے بیان بالکنایہ سے اور تقریر کلام عبارت ہے بیان بالعبارۃ سے ایسا کہا ہے علامہ تفتازانی نے شرح تلخیص جامع میں مگر شرح تلخیص مفتاح میں علامۂ مذکور نے کہا ہے کہ بعض ائمہ لغت نے کہا کہ تحریر کلام عبارت ہے تہذیب کلام سے انتہے فی الواقع شارح نے نقل عبارات کتب فقہیہ میں نہایت اختصار اور کمال تحریر اور غایت تنقیح کی ہے جو شخص کہ کتب منقول عنہا کی طرف رجوع کرے وہ اس کا یقین لاوے اور شارح کے کمال کا معتقد ہو دریا کو کوزے میں کرنا شارح کا کام تھا جزاہ اللہ

یر الجزاء وتبعت المصنفؒ فی تغییرہ لمواضع کثیرۃ من متنہ وتصحیحہ ونبہت علیہا غالبا وعلے مواضع سہو وخطاء وبالجملۃ فالسلامۃ من ہذا الخطر مر یعسر علے البشر فستر اللہ علی من ستر وغفر لمن غفر اور میں نے پیروی کی ہے مصنفؒ کی متن کے مواضع کثیرہ کے بدل ڈالنے میں اور اس ی تصحیح میں اور میں نے اس پر اکثر مواضع میں آگاہ کر دیا ہے اور بعضے مواضع میں مصنف کے سہو اور خطا پر خبردار کر دیا ہے الحاصل اگرچہ تلخیص اور تحریر میں میں نے عرق ریزی کی ہے پر سلامت رہنا اس تصنیف اور تالیف خطرناک کے سہو اور خطا سے وہ امر ہے جو عزیز الوجود اور نادر الوقوع ہے آدمی پر سو حق تعالی پردہ پوشی کرے اس کی جو غیر کی پردہ پوشی کرے اور بخشے اس کو جو اورو ں کی خطا معاف کرے م یعنے انسان اگرچہ کامل الوجود ہو اور علوم اور معارف میں امام ہو لیکن سہو اور نسیان سے معصوم نہیں اس لئے کہ نسیان آدمیت کا شعار ہے فان اول الناس اول ناس[4] ـــہ وان تجد عیبا فسد الخللا ؛ جل من لا فیہ عیب وعلا ؛ اور اگر پاوے تو عیب کو تو خلل کو بند کر یعنے ظاہر نہ کر بزرگ اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات پاک جس میں عیب اور زوال نہیں م یعنے اگر اکابر کے کلام میں کچھ سہو اور وہم کو تو پاوے تو عیب گوئی اور سخن چینی مت کر اس واسطے کہ تمام بنی آدم سوائے حضرت معصومین علیہم الصلوۃ والسلام کے نقصان سے منزہ نہیں اور جو بالکل عیوب اور نقائص سے مقدس ہے وہ خالق اکبر ہے جل وعلا کیف لا وقد بیضتہ وفی قلبی من نار البعاد عن البلاد والاولاد والاخوان والاحفاد مالیفتت الاکباد کیونکر بھول چوک نہ ہو اور البتہ میں نے درالمختار کو مسودہ سے اوراق سادہ میں صاف کیا اس حالت میں جب کہ میرے دل میں آتش جدائی تھی بلاد اور اولاد اور بھائیوں اور ناتی پوتوں سے اس قدر کہ کلیجوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی تھی فرحم اللہ التفتازانی حیث اعتذر واجاد حیث قال نظما ــــہ

یوما بحزوی ویوما بالعقیق ؛ وبالعذیب یوما ویوما بالخلیصا ؛

سو رحمت کرے اللہ تعالے ملا سعد الدین تفتازانی پر جہاں انہوں نے دیباچہ مختصر معانی کی شرح میں ہجوم غموم اور مشقت اسفار کا عذر بیان کیا ہے اور خوب کہا ہے نظم میں کہ ایک دن حزوی میں اور ایک دن عقیق میں اور کسی دن عذیب میں اور کسی دن خلیصا میں م حزوی اور عقیق اور عذیب اور خلیصا مواضع اور بستیوں کے نام ہیں یعنے جو شخص مبتلا رحوادث اور سرگردان بلاد ہو وہ تصنیف کیا کرے اور اگر اس سے کچھ بھول چوک ہو تو صریحاً معذور ہے چونکہ شارح کا حال مہاجرت وطن میں تفتازانی کے حال کے مانند تھا لہذا اُن کے کلام

---

[1] کم کرنا لفظ کا اور معنی کا وسعت دینا ۱۲ [2] کم کرنا الفاظ کا اور باقی رکھنا معانی کا ۱۲ [3] جہت کا پھیرنا کمتر کی طرف ۱۲ [4] کیونکہ آدمیوں میں کا اول یعنی آدم علیہ السلام اول بھولنے والے ہیں ۱۲

کو اپنے اعتذار میں نقل کیا اور ان کے واسطے دعا کی غفر اللہ لہما لکن الحمد للہ اولا و آخرا و ظاہرا و باطنا فلقد من ابتداء تبییضہ تجاہ وجہ صاحب الرسالۃ والقدر والمنیف و بختمہ تجاہ قبر صاحب ہذا المتن الشریف فلعلہ علامۃ القبول منہم والتشریف لیکن ستایش اور شکر ہے خدا کو اول اور آخر میں اور ظاہر اور باطن میں سو البتہ اُس نے احسان کیا بسبب ابتداء تبییض در المختار کے سامنے ذات پاک صاحب رسالت اور منزلت کے کہ زائد ہے فہم اور بیان سے اور بسبب ختم ہونے اس کتاب کے مقابل قبر مصنف کے جو صاحب ہے اس متن شریف کا سو شاید کہ یہ علامت ہے اُن کے قبول اور تشریف کی م یعنے مدینہ طیبہ میں مواجہ روضہ مقدسہ کے نقل مسودہ کی ابتدا ہونا اور غزہ ہاشم میں ماتن کی قبر کے سامنے ختم ہونا ظاہرا نشانی ہے مقبولیت کی قال مؤلفہ ؎ فیا شرفی ان کنت ربی قبلتہ ؛ وان کان کل الناس ردوہ عن حسد ؛ کہا اس کتاب کے مؤلف نے تو اے میری شرف حاصل ہوا اگر تو نے اے میرے پرورش کرنے والے قبول کر لیا اس کتاب کو اگرچہ تمام لوگ اُس کو حسد سے رد کریں ؎ فتقبلنی مع ماتن واساتذی ؛ وتحشرنا جمعا مع المصطفی احمد ؛ سو مقبول کریجیو مجھ کو ماتن اور استادوں کے ساتھ اور ہمارا سب کا حشر کیجیو احمد مصطفے کے ساتھ صلے اللہ علیہ وسلم ؎ واخواننا المسدی لنا الخیر دائما ؛ ووالدنا داع لنا طالب الرشد ؛ اور انکا حشر کیجیو حضرت کے ساتھ ہمارے مسلمان بھائیوں کا جو ہمیشہ ہمارے لئے دعائے خیر پہنچاتے ہیں اور حشر کیجیو حضرت کے ساتھ ہمارے والد کا جو ہمارا داعی تھا اور طالب تھا ہمارے استقامت دینی کا وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم نعم المولی ونعم النصیر اور حق تعالی ہمارا کافی ہے اور کیا اچھا کارساز ہے اور بچاؤ نہیں خدا کی معصیت سے اور نہ طاقت اُس کی طاعت پر مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور وہ کیا آقا ہے اور کیا اچھا مددگار ہے ۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم